احیاء علوم الدین

المعروف احیاء العلوم کا جدید و مستند اردو ترجمہ

مظہار التالکین

پروگریسو بکس

پروگریسو بکس، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
فون: 042-7352735-7124354

عمدۃ المتکلمین زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین حجۃ الاسلام امام

ابو حامد محمد بن غزالی رحمتہ اللہ علیہ

کی تحقیقِ انیق اور علوم معارف کا بے بہا خزانہ

جلد چہارم

احیاء علوم الدین

المعروف احیاء العلوم کا با محاورہ مستند اردو ترجمہ

مصباح السالکین

مترجم: علامہ مولانا محمد صدیق ہزاروی دامت برکاتہم عالیہ

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 7352795-7124354

marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	.....	احیاءِ علوم الدین
مصنف	.....	حضرت امام محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ
مترجم	.....	مولانا محمد صدیق ہزاروی مدظلہ
جلد	.....	جلد چہارم
سال اشاعت دوم	.....	جمادی الاول ۱۴۲۴ھ بمطابق جولائی 2003ء
حوالہ جات	.....	حق نواز نقشبندی
تصحیح / پروف ریڈنگ	.....	مولانا محمد یاسین قصوری / محمد عبداللہ قادری مولانا محمد اختر رضا القادری / محمد ادریس قادری
پرنٹرز	.....	کارواں پریس دربار مارکیٹ لاہور
ناشر	.....	چوہدری غلام رسول میاں جواد رسول
قیمت مکمل سیٹ	.....	

نوٹ: احیاء العلوم جلد چہارم کی ہمارے کراچی کے ایک مخلص اسلامی بھائی نے تصحیح فرمائی تھی جو کہ کر دی گئی ہے۔ ادارہ ان کا بے حد مشکور ہے۔

ملنے کے پتے

اسلام بک ڈپو: 12 گنج بخش روڈ لاہور P.P: 7229665

پروگریسو بکس فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111

E-mail: millat_publication@yahoo.com

پروگریسو بکس یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون: 7352795-7124354

marfat.com

فہرست مضامین احیاء العلوم اُردو جلد چہارم

عنوان	صفحہ نمبر
۱۔ پہلا باب	
توبہ کا بیان	۱۷
پہلی فصل توبہ کی حقیقت اور اس کی تعریف	۱۹
دوسری فصل توبہ کا وجوب اور اس کی فضیلت	۲۰
تیسری فصل توبہ فوراً واجب ہے	۲۸
چوتھی فصل ہر شخص پر اور ہر حال میں توبہ واجب ہے	۳۱
پانچویں فصل شرائط توبہ کے جمع ہونے پر اس کی قبولیت یقینی ہے۔	۴۰
دوسرا رکن کس سے توبہ	۴۷
پہلی فصل بندوں کی صفات کے اعتبار سے گناہوں کی اقسام	۴۷
دوسری فصل آخرت میں جنت اور دوزخ کے درجات کی نیکیوں اور برائیوں کے اعتبار سے تقسیم	۶۰
تیسری فصل صغیرہ گناہ کیسے کبیرہ بنتے ہیں	۷۹
تیسرا رکن پہلی فصل توبہ کی تکمیل، اس کی شرائط اور آخر عمر تک اس کا باقی رہنا	۸۴
دوسری فصل دوام توبہ کے سلسلے میں بندوں کی اقسام	۱۰۴
تیسری فصل توبہ کرنے والے سے گناہ سرزدہ ہو تو کیا کرے	۱۱۱
چوتھی فصل توبہ کی دوا اور اصرار کے خاتمہ کیلئے علاج	۱۱۸

عنوان	صفحہ نمبر
۲۔ دوسرا باب	
صبر اور شکر کا بیان	۱۴۲
پہلا حصہ صبر کا بیان	//
فصل ۱ فضیلت صبر	۱۴۲
فصل ۲ صبر کی حقیقت اور اس کا معنیٰ	۱۴۸
فصل ۳ صبر نصف ایمان ہے	۱۵۵
فصل ۴ جن امور سے صبر کیا جاتا ہے ان کی نسبت سے صبر کے مختلف نام	۱۵۶
فصل ۵ قوت وصف میں اختلاف کے اعتبار سے صبر کی اقسام	۱۵۸
فصل ۶ صبر کی حاجت کا مقام اور بندہ کسی حال میں بھی صبر سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔	۱۶۲
فصل ۷ صبر کی دوا اور اس پر مدد	۱۷۶
دوسرا حصہ شکر کا بیان	۱۸۸
فصل ۱ نفس شکر، شکر کی فضیلت	//
فصل ۲ شکر کی تعریف اور حقیقت	۱۹۲
فصل ۳ اللہ تعالیٰ کے حق میں شکر کی وضاحت	۱۹۹
فصل ۴ اللہ تعالیٰ کی پسند و ناپسند میں امتیاز	۲۱۰
شکر کے ارکان اور کس پر شکر واجب ہے	۲۳۰
فصل ۱ نعمت کی حقیقت اور اقسام	//
اس بات کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں	۲۵۲

marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
پہلا نکتہ اسباب ادراک کی تخلیق کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں	۲۵۳
دوسرا نکتہ اعضاء کی تخلیق میں نعمتوں کی اقسام	۲۵۶
تیسرا نکتہ قدرت اور آلات حرکت کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں۔	۲۵۷
چوتھا نکتہ جن چیزوں سے کھانے حاصل ہوتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان	۲۶۵
پانچواں نکتہ کھانوں کی انسان تک رسائی کے اسباب کے سلسلے میں انعامات خداوندی۔	۲۷۰
چھٹا نکتہ کھانوں کی اصلاح	۲۷۱
ساتواں نکتہ اصلاح کرنے والوں کی اصلاح	۲۷۲
آٹھواں نکتہ فرشتوں کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کی نعمت	۲۷۴
تیسرا بیان مخلوق کو شکر سے بھرنے والا سبب	۲۸۰
تیسرا رکن صبر و شکر کا باہمی تعلق و اشتراک	۲۸۸
پہلا بیان صبر و شکر کا ایک چیز پر جمع ہونے کا سبب	
فصل ۱ مصیبت پر نعمت کی فضیلت	۳۰۳
فصل ۲ صبر و شکر میں افضل کیا ہے۔	۳۰۶
۳۔ تیسرا باب	
خوف اور امید کا بیان	۳۱۹
فصل ۱ امید کی حقیقت	۳۲۰
فصل ۲ امید کی فضیلت اور ترغیب	
فصل ۳ امید کی دوا اور حالت رجاء کیسے حاصل ہوتی ہے۔	۳۲۸

عنوان	صفحہ نمبر
دوسرا حصہ خوف کا بیان	۳۴۹
فصل ۱ حقیقت خوف	"
فصل ۲ خوف کے درجات اور قوت و ضعف کے اعتبار اس کا مختلف ہونا۔	۳۵۳
فصل ۳ جس چیز کا خوف ہوتا ہے اس کی نسبت سے اقسام خوف	۳۵۵
فصل ۴ فضیلت خوف اور اس کی ترغیب	۳۶۰
فصل ۵ غلبہ خوف افضل ہے یا غلبہ رجاء یا اعتدال	۳۷۰
فصل ۶ حالت خوف میں کیا علاج کیا جائے۔	۳۷۶
فصل ۷ برے خاتمہ کا مفہوم	۳۹۲
فصل ۸ خوف کے سلسلے میں انبیاء کرام اور فرشتوں کے احوال کے احوال	۴۰۶
فصل ۹ شدت خوف کے سلسلے میں صحابہ کرام تابعین اور اولیاء کرام کے حالات	۴۱۲
۴۔ چوتھا باب	
فقر و زہد کا بیان	۴۲۵
پہلا حصہ فقر کا بیان	"
فصل ۱ حقیقت فقر اور فقیر کے احوال اور ناموں کا اختلاف	۴۲۶
فقر کی پانچ حالتیں	۴۲۷
فصل ۲ فقر کی مطلق فضیلت	۴۳۳
نبی کے خواص	۴۳۵
فصل ۳ خاص فقراء راضی قانع اور صادق کی فضیلت	۴۴۵

marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
فصل ۴ مال داری پر فقر کی فضیلت	۴۵۰
فصل ۵ فقر میں آداب فقیر	۴۵۹
فصل ۶ بغیر سوال کے ملنے والے عطیہ کو فقیر قبول کرلے تو اس کے آداب	۴۶۲
فصل ۷ ضرورت کے بغیر سوال حرام ہے اور مجبور فقیر کے آداب	۴۶۹
فصل ۸ کس قدر مالداری سے سوال حرام ہوتا ہے	۴۷۷
فصل ۹ مانگنے والوں کے حالات	۴۸۰
دوسرا حصہ زہد کا بیان	۴۸۲
فصل ۱ زہد کی حقیقت	۴۸۳
فصل ۲ زہد کی فضیلت	۴۸۹
فصل ۳ زہد کے درجات	۵۰۴
مرغوب فیہ کے اعتبار سے زہد کے درجات	۵۰۶
فصل ۴ ضروریات زندگی میں زہد کی تفصیل	۵۱۴
فصل ۵ زہد کی علامات	۵۳۷
۵۔ پانچواں باب	
توحید اور توکل کا بیان	۵۴۲
مقصد توکل کی فضیلت	۵۴۳
فصل ۱ حقیقت توحید جو توکل کی اصل ہے	۵۴۸
دوسرا حصہ توکل اور اس کے اعمال	۵۷۹
فصل ۱ توکل کا حال	//
فصل ۲ احوال توکل سے متعلق بزرگوں کے اقوال	۵۸۹
فصل ۳ متوکلین کے اعمال	۵۹۱

عنوان	صفحہ نمبر
متوکلین اور اسباب	۵۹۶
متوکلین کے اسباب سے تعلق کی مثال	۶۱۳
متوکلین کا سامان چوری ہو جائے تو کیا کریں۔	۶۲۶
فصل ۱ ترک علاج اور توکل	۶۳۶
فصل ۲ ہر حال میں ترک علاج کو افضل سمجھنے والوں کا رد	۶۴۵
مرض کو ظاہر کرنے اور چھپانے کے سلسلے میں متوکلین کے احوال	۶۴۹
۶۔ چھٹا باب	
محبت شوق، انس اور رضا کا بیان	۶۵۳
فصل ۱ بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کے شرعی شواہد	۶۵۴
فصل ۲ محبت کی حقیقت و اسباب اور بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا معنیٰ	۶۵۹
حسن و جمال کا معنیٰ	۶۶۴
فصل ۳ مستحق محبت صرف اللہ تعالیٰ ہے	۶۶۸
فصل ۴ سب سے بڑی لذت معرفت خداوندی ہے۔	۶۸۲
فصل ۵ معرفت دینی کی نسبت آخرت میں لذتِ دیدار کے زیادہ ہونے کا سبب۔	۶۹۲
فصل ۶ محبت خداوندی کو مضبوط کرنے والے اسباب	۶۹۹
فصل ۷ محبت میں لوگوں کے درمیان تفاوت کا سبب	۷۰۸

marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
فصل ۸ معرفت خداوندی میں مخلوق کی سمجھ کیوں کوتاہ ہوتی ہے۔	۷۱۰
فصل ۹ شوق خداوندی کا مفہوم	۷۱۴
فصل ۱۰ محبت خداوندی اور اس کا مفہوم	۷۲۳
فصل ۱۱ بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامات	۷۳۱
فصل ۱۲ اللہ تعالیٰ سے انس کا معنیٰ	۷۵۵
فصل ۱۳ غلبہ انس کا نتیجہ کشادگی اور محبت کا مفہوم	۷۵۷
فصل ۱۴ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونے کا مفہوم	۷۶۶
فصل ۱۵ فضیلت رضا	۷۶۷
فصل ۱۶ رضا کی حقیقت اور خواہش کے خلاف اس کا تصور	۷۷۵
فصل ۱۷ گناہوں کے مراکز سے بھاگنا اور گناہوں کی مذمت رضا کے خلاف نہیں	۷۹۱
فصل ۱۸ محبت کرنے والوں کے کچھ واقعات اقوال اور مکاشفات	۷۹۴
خاتمہ محبت سے متعلق متفرق مفید کلمات	۸۰۳
۷۔ سانواں باب	
نیت و اخلاص کا بیان	۸۰۷
پہلا باب نیت کا بیان	۸۰۸
فصل ۱ فضیلت نیت	//
فصل ۲ حقیقت نیت	۸۱۵
فصل ۳ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے	۸۱۸
فصل ۴ نیت سے متعلق اعمال کی فضیلت	۸۲۳
فصل ۵ نیت اختیاری چیز نہیں	۸۳۴
دوسرا باب اخلاص کی فضیلت، حقیقت اور درجات	۸۳۸
فصل ۱ فضیلتِ اخلاص	۸۳۸
فصل ۲ حقیقتِ اخلاص	۸۴۵
فصل ۳ اخلاص کے بارے میں بزرگوں کے اقوال	۸۵۰
فصل ۴ اخلاص میں پائی جانے والی آفات	۸۵۲
فصل ۵ مخلوط عمل کا حکم اور ثواب	۸۵۵
تیسرا باب صدق اور اسکی فضیلت و حقیقت	۸۶۲
فصل ۱ فضیلت صدق	۸۶۲
فصل ۲ صدق کی حقیقت، معنیٰ اور مراتب	۸۶۵
۸۔ آٹھواں باب	۸۷۸
مراقبہ اور محاسبہ کا بیان	۸۷۸
فصل ۱ نگہداشت کا پہلا مقام، باہم شرط رکھنا۔	۸۸۱
فصل ۲ نگہداشت کا دوسرا مقام مراقبہ	۸۸۷
فصل ۳ مراقبہ کی حقیقت اور اس کے درجات	۸۹۲
فصل ۴ نگہداشت کا تیسرا مقام عمل کے بعد نفس کا محاسبہ۔	۹۰۶
فصل ۵ عمل کے بعد محاسبہ کی حقیقت	۹۰۹
فصل ۶ چوتھی نگہداشت۔ کوتاہی پر نفس کو سزا	۹۱۱
فصل ۷ پانچویں نگہداشت۔ مجاہدہ	۹۱۵
فصل ۸ عبادت گزار خواتین	۹۲۹
فصل ۹ چھٹی نگہداشت نفس کو جھڑکنا اور اس پر غصہ کرنا	۹۳۴
۹۔ نواں باب	
فکر اور عبرت کا بیان	۹۴۹

marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
فصل ۱ تفکر کی فضیلت	۹۵۰
فصل ۲ فکر کی حقیقت اور اس کا نتیجہ	۹۵۵
فصل ۳ فکر کی گزرگاہیں	۹۵۸
فصل ۴ مخلوق خدا میں تفکر کی کیفیت	۹۶۳
۱۰۔ دسواں باب	
موت اور اس کے بعد کا بیان	۱۰۰۳
پہلا باب۔	۱۰۰۵
فصل ۱ موت کا ذکر اور بکثرت ذکر کی ترغیب۔	۱۰۰۵
فصل ۲ موت کا ذکر باعث فضیلت ہے جیسا بھی ہو	۱۰۰۶
فصل ۳ دل میں موت کی یاد کا طریقہ	۱۰۱۱
دوسرا باب۔	۱۰۱۲
فصل ۱ مختصر امید کی فضیلت	۱۰۱۲
فصل ۲ طویل امید کا سبب اور اس کا علاج	۱۰۲۲
فصل ۳ امید کے زیادہ اور کم ہونے میں لوگوں کے مراتب۔	۱۰۲۴
فصل ۴ عمل میں جلدی کرنا اور تاخیر کی آفت سے بچنا۔	۱۰۲۷
تیسرا باب۔	۱۰۳۳
فصل ۱ موت کی سختیاں اور اس وقت کیا مستحب ہے	۱۰۳۳
فصل ۲ موت کے وقت کیا کیا باتیں مستحب ہیں۔	۱۰۴۲
فصل ۳ ملک الموت کی ملاقات کے وقت زبان حال سے بیان کی گئی حسرت	۱۰۴۶
چوتھا باب۔	۱۰۵۰
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کا	۱۰۵۰

عنوان	صفحہ نمبر
وصال مبارک	۱۰۵۰
فصل ۱ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک	۱۰۵۰
فصل ۲ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصال مبارک	۱۰۶۵
فصل ۳ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وصال مبارک	۱۰۶۷
فصل ۴ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا وصال	۱۰۷۱
فصل ۵ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا وصال	۱۰۷۳
پانچواں باب۔	۱۰۷۴
موت کے وقت خلفاء امراء اور صالحین کے اقوال۔	۱۰۷۴
فصل ۱ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین میں سے خاص لوگوں کے اقوال۔	۱۰۷۸
چھٹا باب۔	۱۰۸۵
جنازے اور قبرستان میں کہے گئے کلمات اور زیارتِ قبور	۱۰۸۵
فصل ۱ جنازے سے عبرت پکڑنا۔	۱۰۸۵
فصل ۲ قبر کی حالت اور قبروں کے پاس بزرگوں کے اقوال۔	۱۰۸۸
فصل ۳ قبروں پر لکھے گئے چند قطعات	۱۰۹۳
فصل ۴ اولاد کی موت پر بزرگوں کے اقوال	۱۰۹۶
زیارت قبور کا طریقہ	۱۱۰۱
ساتواں باب۔	۱۱۰۷

marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
موت کی حقیقت اور صور پھونکنے تک میت پر کیا گذرتی ہے۔	۱۱۰۷
فصل ۱ موت کی حقیقت	۱۱۰۷
فصل ۲ قبر کا میت سے کلام کرنا۔	۱۱۱۷
فصل ۳ عذاب قبر اور منکرین کے سوالات	۱۱۱۸
آٹھواں باب۔	
حالتِ خواب میں کشف کے ذریعے مُردوں کے حالات کا علم۔	۱۱۲۹
فصل ۱ مردوں کے اُخروی فوائد پر مبنی احوال سے متعلق خوابیں۔	۱۱۳۵
فصل ۲ بندگوں کے خواب	۱۱۳۷
دوسرا حصّہ	
صور پھونکنے سے جنت یا دوزخ میں جانے تک کے حالات	۱۱۴۶
فصل ۱ صور پھونکنا	۱۱۴۶
فصل ۲ میدان محشر اور اہل محشر	۱۱۵۱
فصل ۳ پسینے کی کیفیت	۱۱۵۳
فصل ۴ قیامت کے دن کی بڑائی	۱۱۵۵
فصل ۵ قیامت کا دن اس کے مصائب اور نام۔	۱۱۵۸
فصل ۶ سوال کا بیان	۱۱۶۱
فصل ۷ میزان کا ذکر	۱۱۶۸
فصل ۸ حقوق کا مطالبہ اور ان کی واپسی	۱۱۷۰
فصل ۹ پُل صراط کا ذکر	۱۱۷۶
فصل ۱۰ شفاعت کا ذکر	۱۱۸۱
فصل ۱۱ حوض کا ذکر	۱۱۸۷
فصل ۱۲ جہنم کی سختیوں اور عذاب کا ذکر	۱۱۹۰
فصل ۱۳ جنت کی کیفیت اور اس کی نعمتوں کی اقسام	۱۲۰۴
فصل ۱۴ جنت کے باغات، زمین، درخت اور نہریں۔	۱۲۱۱
فصل ۱۵ جنتیوں کا لباس بچھونے، تخت مسندیں اور خیمے۔	۱۲۱۳
فصل ۱۶ جنتیوں کا کھانا	۱۲۱۴
فصل ۱۷ حورعین اور بچوں کی کیفیت	۱۲۱۶
فصل ۱۸ اہلِ جنت کے مختلف اوصاف سے متعلق احادیث مبارکہ۔	۱۲۱۹
فصل ۱۹ اللہ تعالیٰ کی زیارت اور دیدار	۱۲۲۲
خاتمہ	۱۲۲۴
رحمت خداوندی کی وسعت۔	۱۲۲۴

marfat.com

توبہ کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے، جس کی تعریف سے ہر کتاب کا افتتاح ہوتا ہے اور اس کے ذکر سے ہر خطاب کا آغاز ہوتا ہے، اسی کی حمد کے باعث جنت میں نعمتوں کا حصول ہوگا اسی کے نام سے بدبخت تسلی حاصل کرتے ہیں اگرچہ ان کے آگے پردہ ڈال دے اور ان کے اور خوش بخت لوگوں کے درمیان ایک ایسی دیوار بنا دے جس میں دروازہ ہو اس کے اندر رحمت ہو اور اس کا ظاہر اس ذات والاصفات کی جانب سے عذاب ہو۔

ہم اس کی بارگاہ میں اس طرح توبہ کرتے ہیں جیسے وہ لوگ توبہ کرتے ہیں جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ وہی تمام پالنے والوں کا پالنہار ہے اور اسے مسبب الاسباب سمجھتے ہیں اور اس سے اس طرح امید رکھتے ہیں جس طرح وہ لوگ امید رکھتے ہیں جو اسے رحیم، غفور اور توبہ قبول کرنے والا بادشاہ جانتے ہیں۔

ہم اپنی امید کو خوف کے ساتھ اس طرح ملاتے ہیں جس طرح وہ لوگ ملاتے ہیں جنہیں اس بات میں شک نہیں ہوتا کہ وہ باوجود اس بات کے کہ گناہ کو بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت عذاب دینے والا بھی ہے۔

ہم اس کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اور آپ کی آل و اصحاب پر بھی، ایسا درود جو ہمیں پیشی کے دن کی پریشانی سے بچائے۔ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب اور اچھا ٹھکانہ بنائے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد ——

عیبوں پر پردہ ڈالنے والے اور غیب کی باتیں جاننے والے کی طرف رجوع کے ذریعے گناہوں سے توبہ کرنا سالکین کے راستے کا آغاز، کامیاب لوگوں کا اصل سرمایہ، مریدین کا پہلا اقدام، بھٹکنے والوں کی استقامت کی چابی اور مقربین اور ہمارے جد امجد حضرت آدم آپ پر اور تمام انبیاء کرام پر رحمت و سلام ہو کے مصطفیٰ و مجتبیٰ ہونے کا مطلع ہے۔

اور اولاد کے لیے اپنے آباء و اجداد کی پیروی نہایت ضروری ہے یہ بات تعجب خیز نہیں کہ آدمی گناہ اور جرم کرے تو وہ طبیعت و خصلت میں اپنے آباء و اجداد کے مشابہ ہوتا ہے۔

لیکن جب باپ توڑنے کے بعد جوڑے اور گرانے کے بعد تعمیر کرے تو اولاد کے لیے بھی ضروری ہے کہ نفی اور اثبات اور وجود و عدم دونوں طرفوں میں اس کی اتباع کرے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ندامت کا راستہ دیا کہ اپنے کئے پر پشیمانی کا اظہار فرمایا تو جو شخص گناہ (لغزش) کے لیے ان

marfat.com

کو مقتدا قرار دے لیکن توبہ کرنے میں ان کی پیروی نہ کرے اس کے قدم پھسل گئے بلکہ صرف بھلائی مقربین فرشتوں کا طریقہ ہے اور برائی ہی برائی ہو اور اس کی تلافی نہ ہو تو یہ شیطانوں کی خصلت ہے جب برائی میں پڑنے کے بعد نیکی کی طرف رجوع کرنا انسانی ضرورت ہے جو صرف نیکی کرتا ہے وہ فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا مقرب ہے اور جو صرف برائی کرتا ہے وہ شیطان ہے اور جو برائی ہو جانے کے بعد بھلائی کی طرف رجوع کر کے اس کی تلافی کرنے والا واقع میں انسان ہے کیوں کہ انسان کے خمیر میں دونوں باتیں رکھی گئی ہیں اب انسان اپنا نسب فرشتے سے صحیح ثابت کرے یا آدم علیہ السلام سے یا شیطان سے نسبت کرے تو جو آدمی توبہ کرتا ہے وہ اس بات پر دلیل قائم کرتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی طرف اس کی نسبت صحیح ہے کیوں کہ وہ انسان کی تعریف کو اپناتا ہے اور جو آدمی گناہوں پر ڈٹ جاتا ہے وہ شیطان سے نسبت اور نسب کو ثابت کرتا ہے۔

فرشتوں سے نسب کی تصحیح کہ آدمی صرف نیکی ہی کرے بندے کے لیے ممکن نہیں ہے کیوں کہ انسانی خمیر میں نیکی کے ساتھ برائی نہایت مضبوطی سے ملی ہوئی ہے اسے یا تو ندامت کی آگ الگ کر سکتی ہے یا جہنم کی آگ تو شیطانی خباثتوں سے انسانی جوہر کو الگ کرنے کے لیے آگ سے جلانا ضروری ہے اب تمہیں چاہیے کہ جو آگ ہلکی ہے اسے اختیار کرو اور کم درجہ کی خرابی کی طرف جلدی کرو اس سے پہلے کہ اختیار کی بساط لپیٹ دی جائے اور مجبوری کے گھر کی طرف لے جائے یا تو جنت کی طرف اور یا جہنم کی جانب۔

اور جب دین میں توبہ کا یہ مقام ہے تو نجات دینے والے امور کے بیان میں توبہ کی حقیقت، شرائط، سبب، علامت، نتیجہ، اس سے روکنے والی آفات اور اسے آسان کرنے والی دواؤں کی تشریح کو مقدم کرنا ضروری ہے اور اس بات کی وضاحت چار ارکان سے ہوتی ہے۔

پہلا رکن :

نفسِ توبہ، اس کی تعریف و حقیقت، نیز یہ کہ توبہ فوری واجب ہے تمام لوگوں کے لیے اور تمام حالات میں ضروری ہے اور جب وہ صحیح ہو تو مقبول ہوتی ہے۔

دوسرا رکن :

جس چیز سے توبہ کی جائے اور وہ گناہ ہیں ان کی صغیرہ و کبیرہ میں تقسیم بندوں سے متعلق گناہ اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق گناہ نیکیوں اور برائیوں پر درجات کی تقسیم اور ان کو پانے کی کیفیت اور وہ اسباب جن سے صغیرہ گناہ کبیرہ گناہوں میں بدل جاتے ہیں۔

تیسرا رکن :

توبہ اور اس کے دوام کی شرائط، گذشتہ مظالم کا تدارک کیسے کیا جائے گناہوں کے کفارے کی کیفیت اور

marfat.com

دوامِ توبہ میں توبہ کرنے والوں کی اقسام۔

چوتھا رکن:

توبہ کا باعث اور گناہ کے مرتکبین کے اصرار کی گرہ کیسے کھل سکتی ہے ان چار ارکان سے مقصود پورا ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ

پہلی فصل:

توبہ کی حقیقت اور اس کی تعریف

جان لو! توبہ تین ترتیب دار امور کا نام ہے اور ان ہی سے منظم ہوتی ہے (۱) علم (۲) حال (۳) فعل ـــــ پہلا (یعنی علم) دوسرے کا باعث ہے اور دوسرا (یعنی حال) تیسرے (فعل) کا سبب ہے اور یہ انتظام و ایجاب ملک و ملکوت میں جاری سنت الٰہیہ کے مطابق ہوتا ہے۔

علم ـــ گناہوں کے بہت بڑے ضرر کی معرفت کا نام ہے اور یہ کہ گناہ بندے اور اس کے ہر محبوب کے درمیان حجاب ہے جب اسے اس بات کی معرفت ایسے یقین کے ساتھ حاصل ہو جائے جو اس کے دل پر غالب ہے تو اس معرفت سے دل میں ایک درد اٹھتا ہے جس کا سبب محبوب سے نہ ملنا ہے کیونکہ جب دل کو محبوب کے نہ ملنے کا شعور ہوتا ہے تو اسے رنج ہوتا ہے اور اگر اس کا سبب اس کا اپنا فعل ہو تو اسے اس پر افسوس ہوتا ہے تو اس کا یہ رنج جو اس کے اپنے فعل کے ذریعے ہوا جس کے سبب سے اس کا محبوب اسے نہ مل سکا، ندامت کہلاتا ہے۔

اور جب یہ رنج اس کے دل پر چھا جاتا ہے تو اس سے دل میں ایک دوسری حالت پیدا ہوتی ہے جسے ارادہ اور قصد کہتے ہیں اور یہ اس فعل کے لیے ہوتا ہے جس کا حال ماضی اور استقبال تینوں زمانوں سے تعلق ہوتا ہے حال کے ساتھ تعلق اس گناہ کو چھوڑنے کے ساتھ ہے جو محبوب کی ملاقات میں رکاوٹ بنا مستقبل کے ساتھ تعلق کی صورت یہ ہے کہ جس گناہ کی وجہ سے محبوب نہیں ملا زندگی بھر اس کے قریب نہ جانے کا عزم کرنا اور ماضی کے ساتھ ندامت کے تعلق کی نوعیت یہ ہے کہ اگر نیکی کے ذریعے اس کی تلافی ہو سکتی ہے تو اس نقصان کو پورا کرے۔ پس علم پہلی سیڑھی اور ان نیکیوں کا مطلع ہے اور اس علم سے مراد ایمان اور یقین ہے کیونکہ ایمان اس بات کی تصدیق کا نام ہے کہ گناہ مہلک زہر ہیں اور یقین اس تصدیق کی تاکید اور اس سے شک کو دور کرنا ہے نیز اسے دل پر غالب کرتا ہے تو اس ایمان کا نور دل پر چمکتا ہے تو ندامت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اب دل میں رنج پیدا ہوتا ہے حتیٰ کہ نورِ ایمان کی چمک سے اسے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے محبوب سے پردے میں ہے جس طرح آدمی اندھیرے میں ہو اور سورج طلوع ہو تو بادلوں کے چھٹ جانے یا ظاہری رکاوٹوں کے دور ہونے سے اسے روشنی حاصل ہوتی ہے تو وہ اپنے محبوب کو دیکھ لیتا ہے اور بعض اوقات وہ ہلاکت کے قریب ہوتا ہے اور محبت کی آگ اس کے دل میں شعلہ زن ہوتی ہے اور یہ آگ اسے کسی تدبیر پر آمادہ کرتی ہے۔

تو علم اور ندامت اور حال و استقبال میں گناہ کے ترک کا ارادہ اور ماضی کی تلافی تین چیزیں ہیں جو ترتیب سے حاصل ہوتی ہیں اور ان سب کے مجموعہ پر توبہ کا اطلاق ہوتا ہے اکثر توبہ کا اطلاق صرف ندامت پر ہوتا ہے اور علم اس کے لیے ایک مقدمے کی حیثیت رکھتا ہے ترکِ گناہ پھل کی طرح ہوتا ہے اور آخر میں حاصل ہوتا ہے اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ۔ (۱) ندامت (ہی) توبہ ہے۔

کیوں کہ ندامت اس علم کی وجہ سے ہوئی ہے جس کا یہ نتیجہ ہے اور وہ عزم اس کی بنیاد ہے جو اس کے بعد آرہا ہے گویا ندامت دونوں طرفوں سے محفوظ ہے یعنی پھل دینے والی چیز اور پھل، اس اعتبار سے توبہ کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ خطائے سابق پر باطن کا پگھلنا توبہ ہے اور اس میں صرف دل کا رنج پایا جاتا ہے اسی لیے کہا گیا کہ توبہ دل کی آگ ہے جو بھڑکتی ہے اور جگر میں ایک درد ہے جو پھیلتا نہیں اور گناہوں کے ترک کے حوالے سے توبہ کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ یہ ظلم و جفا کا لباس اتار کر وفا کی بساط بچھانا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ نے فرمایا توبہ، حرکات مذمومہ کو حرکات محمودہ سے بدلنا ہے اور یہ کام خلوت خاموشی اور حلال کھانے سے پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے گویا انہوں نے توبہ کے تیسرے معنیٰ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

توبہ کی تعریف میں بے شمار اقوال ہیں جب ان باتوں کو سمجھ لو اور ان کو ترتیب کے ساتھ لازم کر لو تو جان لو کہ جو کچھ بھی اس کی تعریف میں کہا گیا ہے ان میں سے کوئی بھی تعریف ان باتوں کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ حقائق امور کا علم طلب کرنا محض الفاظ کی طلب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

دوسری فصل:

توبہ کا وجوب اور اس کی فضیلت

جان لو! آیات و احادیث سے توبہ کا وجوب واضح ہوتا ہے اور یہ اس شخص کے لیے نور بصیرت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے جس کی بصیرت کھلی ہو اور اللہ تعالیٰ نے نورِ ایمان کے ذریعے اس کے سینے کو کھول دیا ہو حتی کہ وہ اس جہالت کی اندھیریوں میں اس نور کے ساتھ چلنے پر قادر ہو جائے جو اس کے آگے آگے ہے اور قدم قدم پر قائد کی ضرورت باقی نہ رہے۔

تو سالک یا تو اندھا ہوتا ہے کہ وہ چلنے میں قائد کا محتاج ہوتا ہے یا اسے دکھائی دیتا ہے کہ جب راستہ مل گیا تو خود بخود چل پڑتا ہے دین کے بارے میں بھی لوگوں کا یہی حال ہے اور ان اقسام کی تقسیم میں بعض لوگ طاقت نہیں رکھتے اور وہ تقلید

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۷۶ مرویات عبداللہ

marfat.com

سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتے انہیں اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ ہر قدم پر قرآن پاک یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نص سنیں اور کبھی یہ بات ان کے لیے مشکل ہوتی ہے تو حیران ہو جاتے ہیں تو ایسے لوگوں کی سیر مختصر ہوتی ہے اگرچہ ان کی عمر لمبی اور محنت زیادہ ہو کیوں کہ قدم چھوٹے پڑتے ہیں اور بعض خوش بخت ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے تو وہ اپنے رب کی طرف سے نُور پر ہوتے ہیں اور وہ مشکل راستے پر چلنے کے لیے بھی ایک ادنیٰ اشارے سے بیدار ہو جاتے ہیں اور سخت گھاٹیاں طے لیتے ہیں ان کے دلوں میں قرآن پاک اور ایمان کا نور چمکتا ہے اور نور کی شدت کے باعث ان کے لیے ادنیٰ بیان بھی کافی ہوتا ہے قریب ہے کہ اس کا تیل اسے روشن کر دے اگرچہ اس سے آگ نہ پہنچا اور جب آگ پہنچے تو یہ نُور علیٰ نُور ہوتا ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے اور ایسے لوگوں کو کسی منقول نص کی ضرورت نہیں ہوتی۔

تو جس آدمی کی یہ حالت ہو وہ جب وجوبِ توبہ کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہے تو پہلے نُورِ بصیرت سے توبہ کی ماہیت کو دیکھتا ہے پھر وجوب کا معنیٰ معلوم کرتا ہے پھر وجُوب اور توبہ کو جمع کرتا ہے تو اسے توبہ کے واجب ہونے میں کوئی شک نہیں ہوتا۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اسے معلوم ہو کہ واجب وہی چیز ہے جو ابدی سعادت تک پہنچاتی ہے اور ہمیشہ کی ہلاکت سے نجات دیتی ہے اس لیے کہ اگر کسی کام کے کرنے اور اسے چھوڑنے کے ساتھ سعادت اور بدبختی کا تعلق نہ ہو تو اس کے وجوب سے موصوف ہونے کا کوئی مطلب نہ ہو اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں کام واجب کرنے سے واجب ہو گیا تو یہ محض ایک بات ہے کیونکہ جس کام کے کرنے یا چھوڑنے سے فوری طور پر یا مستقبل میں کوئی غرض نہ ہو اس میں مشغول ہونے کا کوئی مطلب نہیں ہے اسے کوئی دوسرا ہم پر واجب کرے یا نہ۔

جب وجوب کا معنیٰ معلوم ہو گیا اور وہ ابدی سعادت کا وسیلہ ہے اور معلوم ہو کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے سوا کوئی سعادت نہیں اور اس سے جو پردے اور رکاوٹ میں رہا وہ لامحالہ بدبخت ہے اور یہ بدبختی اس کے اور اس کی خواہش کے درمیان حائل ہو گی اور وہ آتش فراق اور آتش جہنم سے جلے گا اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے دور رکھنے والی چیز خواہشات کی پیروی اس فانی جہاں سے مانوس ہونا اور اس چیز پر جھکنا ہے جس سے لازماً جدا ہونا ہو گا۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے قریب صرف یہی بات کرتی ہے کہ آدمی اس دنیا کی زیب و زینت سے قلبی تعلق ختم کر دے اور مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو یعنی اس کے ذکر کے ذریعے اس سے مانوس ہو اور حسب طاقت اس کے جمال و جلال کی معرفت کے ذریعے اس سے محبت کرے۔

یہ بات بھی جان لے کہ وہ گناہ جو اللہ تعالیٰ سے پھیر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دشمن جو اس سے دور کر دیتے ہیں اور وہ شیطان ہیں ان کی پسندیدہ باتوں کے پیچھے پیچھے چلنا دربار الٰہیہ سے انسان کو دور کر دیتا ہے تو اس میں شک نہیں کہ حصول قرب کے لیے دور کرنے والے راستوں سے ہٹنا ہو گا اور یہ ہٹنا علم، ندامت اور عزم کے ذریعے مکمل ہوتا ہے کیونکہ

marfat.com

جب تک معلوم نہ ہو کہ گناہ محبوب سے دُوری کا سبب ہیں آدمی نادم نہیں ہوتا اور دوری کے راستے پر چلنے کی وجہ سے اسے رنج نہیں ہوتا اور جب تک رنج نہ ہو وہ واپس نہیں آتا اور واپسی کا مطلب گناہ کا چھوڑنا اور عزم وارادہ ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ محبوب تک پہنچنے کے لیے یہ تین باتیں ضروری ہیں۔ اور نورِ بصیرت سے حاصل ہونے والا ایمان اس طرح ہوتا ہے اور جو لوگ اس بلند مقام پر فائز نہ ہوں اور اکثر لوگوں کا یہی حال ہے تو اس کے لیے تقلید اور اتباع کا میدان کھلا ہے وہ اس کے ذریعے ہلاکت سے نجات کی طرف جا سکتا ہے وہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور سلف صالحین کے اقوال کو پیش نظر رکھے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَتُوبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (۱)

اور اے مومنو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ (رجوع) کرو تاکہ تم کامیابی پاؤ۔

یہ عمومی حکم ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ (۲)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی توبہ کرو جو نصیحت کارگر (اور خالص ہو)

نصوح کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ خالص اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لیے ہو اور اس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہ ہو یہ لفظ، نَصَحَ سے بنا ہے۔ توبہ کی فضیلت پر یہ آیت کریمہ بھی دلالت کرتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ (۳)

بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں اور خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلتَّائِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ وَالتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ۔

توبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے اور گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ نور آیت ۳۱

(۲) قرآن مجید، سورۃ تحریم آیت ۸

(۳) قرآن مجید، سورۃ البقرہ ۲۲۲

(۴) سنن ابن ماجہ ص ۳۲۳، ابواب الزھد

marfat.com

اللّٰہُ اَفْرَحُ بِتَوْبَۃِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ نَزَلَ فِی اَرْضٍ ۔ مُضِلَّۃٍ مَعَہٗ رَاحِلَتُہٗ عَلَیْھَا طَعَامُہٗ وَشَرَابُہٗ فَوَضَعَ رَاْسَہٗ فَنَامَ نَوْمَۃً فَاسْتَیْقَظَ وَقَدْ ذَھَبَتْ رَاحِلَتُہٗ فَطَلَبَھَا حَتّٰی اشْتَدَّ عَلَیْہِ الْحَرُّ وَالْعَطَشُ اَوْمَا شَاءَ اللّٰہُ قَالَ اَرْجِعُ اِلٰی مَکَانِیْ الَّذِیْ کُنْتُ فِیْہِ فَاَنَامُ حَتّٰی اَمُوْتَ فَوَضَعَ رَاْسَہٗ عَلٰی سَاعِدِہٖ لِیَمُوْتَ فَاسْتَیْقَظَ فَاِذَا رَاحِلَتُہٗ عِنْدَہٗ عَلَیْھَا زَادُہٗ وَشَرَابُہٗ فَاللّٰہُ تَعَالٰی اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَۃِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ ھٰذَا بِرَاحِلَتِہٖ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ مومن بندے کی توبہ پر اس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا (پسند کرتا ہے) جو شخص کسی ناموافق ہلاکت خیز جگہ پر اترے اس کے ساتھ اس کی سواری بھی ہو جس پر اس کا کھانا اور مشروب ہے وہ نیچے سر رکھے ہی گہری نیند سو جاتا ہے پس جب بیزار ہوتا ہے تو اس کی سواری جا چکی ہوتی ہے وہ اسے تلاش کرتا ہے حتی کہ اسے سخت گرمی اور پیاس کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے وہ (دل میں) کہتا ہے کہ میں اپنی اس جگہ کی طرف لوٹ جاتا ہوں جہاں میں تھا وہاں سو جاتا ہوں حتی کہ مر جاؤں وہ اپنے بازو پر سر رکھتا ہے کہ مر جائے پھر وہ بیدار ہوتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی سواری اس کے پاس ہے اور اس کا سامان اور پانی وغیرہ بھی اس پر موجود ہے (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جس قدر وہ بندہ اس سواری کے ملنے پر خوش ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ کو اس سے بھی زیادہ پسند فرماتا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ وہ بہت زیادہ خوشی کی وجہ سے شکر ادا کرتے ہوئے یہ الفاظ کہتا ہے "میں تیرا رب ہوں اور تو میرا بندہ ہے"

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تو فرشتوں نے ان کو مبارک باد دی اور حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام زمین پر اترے اور عرض کیا اے آدم علیہ السلام) اللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول فرمائی تو اس سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو گئی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا اے جبریل علیہ السلام! اگر اس توبہ (کی قبولیت) کے بعد بھی سوال ہوا تو میرا ٹھکانہ کیا ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے آدم! آپ نے اپنی اولاد کے لیے بطور وراثت رنج و تکلیف بھی چھوڑی اور توبہ بھی۔ ان میں سے جو مجھے پکارے گا تو میں اس کی دعا قبول کروں گا جس طرح آپ کی دعا قبول کی ہے جو مجھ سے بخشش مانگے میں اس سے بخل نہیں کروں گا کیونکہ میں قریب ہوں اور دعا قبول کرنے والا بھی اے آدم علیہ السلام۔ میں توبہ کرنے والوں کو قبروں سے اس طرح باہر لاؤں گا کہ وہ خوش ہوں گے اور ہنس رہے ہوں گے

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۳۲ کتاب الدعوات / صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۵۵ کتاب التوبۃ

marfat.com

اوران کی دعا قبول ہو گی۔

اس سلسلے میں احادیث و آثار بے شمار ہیں اور امت کا توبہ کے وجوب پر اجماع ہے کیوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں کے ہلاکت خیز اور اللہ تعالیٰ سے دوری کا باعث ہونے کا علم ہو اور یہ وجوبِ ایمان میں داخل ہے مگر کبھی اس سے غفلت ہو جاتی ہے تو اس علم کا معنیٰ غفلت کا ازالہ ہے اور اس کے واجب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

اور توبہ کے معانی میں سے گناہوں کو زمانہ حال میں چھوڑنا اور مستقبل میں چھوڑنے کا عزم کرنا ہے نیز پہلے حالات میں جو کوتاہی ہو چکی ہے اس کا تدارک کرنا ہے اور اس کے واجب ہونے میں بھی کوئی شک نہیں جہاں تک گذشتہ گناہوں پر ندامت اور غمگین ہونے کا تعلق ہے تو یہ بھی واجب ہے اور یہ توبہ کی رُوح ہے اور اس سے تلافی مکمل ہوتی ہے تو یہ کس طرح واجب نہ ہو گی بلکہ وہ تو ایک قسم کی تکلیف ہے جو لامحالہ حاصل ہوتی ہے لیکن ایسا اس وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں ضائع ہونے والی عمر سے جو نقصان ہوا اس کی پہچان حاصل ہو جائے۔

سوال ،

دل کی تکلیف تو لازمی بات ہے جو آدمی کے اختیار میں نہیں ہے تو اسے واجب کیسے کہا جا سکتا ہے۔

جواب:

اس کا سبب محبوب کے فوت ہونے کا حقیقتاً علم ہونا ہے اور اس کے سبب تک پہنچنے کا بھی ایک راستہ ہے اور اسی قسم کے مفہوم کے تحت علم، وجوب میں داخل ہے یہ مطلب نہیں کہ آدمی خود ذاتی طور پر علم کو پیدا کرتا ہے یہ محال ہے بلکہ علم، ندامت، فعل، ارادہ قدرت اور قادر سب کچھ اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے اور اس کے فضل سے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (۱)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا فرمایا۔

اربابِ بصیرت کے نزدیک یہی بات حق ہے اور اس کے علاوہ گمراہی ہے

سوال ،

کیا بندے کو کام کرنے یا چھوڑنے کا اختیار نہیں ہے۔

جواب:

ہاں ہے لیکن یہ ہمارے قول کے خلاف نہیں ہے کہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا بلکہ اختیار بھی تو اللہ تعالیٰ کا پیدا

---

(۱) قرآن مجید، سورہ الصافات آیت ۹۶

marfat.com

کردہ ہے اور بندہ اس اختیار میں بھی مجبور ہے اللہ تعالیٰ جب صحیح ہاتھ پیدا کرتا ہے اور اس نے لذیذ کھانا بھی پیدا کیا معدے میں کھانے کا شوق بھی پیدا فرمایا اور دل میں یہ علم پیدا کیا کہ یہ کھانا خواہش کو پورا کر دیتا ہے اور یہ تردد بھی پیدا کیا کہ خواہش کے پورا ہونے کے بعد کیا یہ کھانا مضر ہو گا اور کیا کوئی ایسی رکاوٹ ہے جس کی وجہ سے کھانا نہ کھا سکے پھر علم پیدا کیا کہ کوئی رکاوٹ نہیں ہے پھر ان اسباب کے جمع ہونے پر کھانے کا ارادہ پکا ہو جاتا ہے تو متعارض خیالات کے بعد ارادے کے پکا ہونے اور کھانے کی خواہش پیدا ہونے کے بعد ارادے کی پختگی کو اختیار کہا جاتا ہے اور جب اسباب مکمل ہو جاتے ہیں تو اختیار کا حصول ضروری ہوتا ہے پس جب اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ارادہ پختہ ہو جاتا ہے تو صحیح اور تندرست ہاتھ لازماً کھانے کی طرف بڑھتا ہے کیوں کہ ارادے اور قدرت کے پورا ہونے کے بعد فعل کا حصول ضروری ہوتا ہے پس حرکت پیدا ہوتی ہے اور یہ حرکت قدرت اور ارادے کی پختگی کے بعد اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آتی ہے

اور یہ دونوں باتیں بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے پیدا ہوتی ہیں اور ارادے کی پختگی یعنی خواہش اور رکاوٹ نہ ہونے کے علم کے بعد ہوتی ہے اور یہ دونوں باتیں بھی تخلیق خداوندی سے ہیں لیکن ان مخلوقات میں ایک ترتیب ہے جو تخلیق خداوندی سے متعلق اس کی عادت مبارکہ کے مطابق ہے اور اللہ تعالیٰ کے طریقے اور عادت مبارکہ میں تم ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ ہاتھ میں لکھنے کے لیے حرکت اس وقت تک پیدا نہیں کرتا جب تک اس (ہاتھ) میں صفت قدرت نہ ہو اور جب تک وہ اس میں حیات پیدا نہ کرے نیز جب تک پختہ ارادہ پیدا نہ فرمائے اور مضبوط ارادے کو اس وقت پیدا کرتا ہے جب خواہش اور میلانِ نفس پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ میلان مکمل طور پر اس وقت تک نہیں اٹھتا جب تک اس بات کا علم پیدا نہ کرے کہ یہ نفس کے موافق ہے چاہے فی الحال ہو یا مستقبل میں۔ اور علم کو بھی دوسرے اسباب سے پیدا کرتا ہے جو حرکت، ارادے اور علم کی طرف لوٹتے ہیں۔ تو علم اور طبعی میلان ہمیشہ پختہ ارادے کے پیچھے چلتا ہے اور قدرت و ارادہ ہمیشہ حرکت کی اتباع کرتا ہے۔ تو ہر فعل میں اسی طرح ترتیب ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہے لیکن بعض مخلوقات دوسری بعض کے لیے شرط قرار پائی ہیں۔

اسی لیے بعض کو مقدم اور بعض کو مؤخر کرنا واجب ہے جیسے ارادہ علم کے بعد، علم حیات کے بعد اور حیات جسم کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے تو زندگی کے پیدا ہونے کے لیے جسم کی تخلیق شرط ہے یہ نہیں کہ زندگی جسم سے پیدا ہوتی ہے اور حیات کا پیدا ہونا علم کی تخلیق کے لیے شرط ہے یہ مطلب نہیں کہ علم، حیات سے پیدا ہوتا ہے لیکن محل قبول علم کے لیے اسی وقت تیار ہوتا ہے جب اس میں حیات ہو اور علم کا پیدا ہونا ارادے کی پختگی کے لیے شرط ہے یہ نہیں کہ علم ارادے کو پیدا کرتا ہے لیکن ارادے کو وہی جسم قبولِ علم کے لیے اسی وقت تیار ہوتا ہے جب اس میں حیات ہو اور علم کا پیدا ہونا ارادے کی پختگی کے لیے شرط ہے یہ نہیں کہ علم ارادے کو پیدا کرتا ہے لیکن ارادے کو وہی جسم قبول کرتا ہے جو زندہ (اور) عالم ہو اور وجود میں وہی چیز داخل ہوتی ہے جو ممکن ہو اور امکان

marfat.com

کے لیے ترتیب ہے جو تغیر کو قبول نہیں کرتی کیوں کہ اس کے لیے تبدیلی محال ہے پس جب وصف کی شرط پائی جاتی ہے تو محل اس وصف کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے پس یہ وصف استعداد کے حاصل ہونے پر اللہ تعالیٰ کے جود و کرم اور ازلی قدرت کے تحت حاصل ہوتا ہے۔

اور جب شروط کے سبب سے استعداد میں ترتیب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے فعل سے حوادث کا حصول بھی ترتیب سے ہوتا ہے اور بندہ ان مرتب حوداث کا محل ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضا میں پل جھپکنے میں مرتب ہو جاتا ہے اور یہ ایسی ترتیب کلی ہے جس میں تغیر نہیں اور تفصیل کے ساتھ ان کا ظہور ایسے اندازے کے ساتھ مقرر ہے جس سے آگے نہیں بڑھتا ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ۔ (۱)

بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا۔

اور قضائے کلی کو اس آیت میں بیان فرمایا۔

وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ۔ (۲)

اور ہمارا امر تو ایک ہی ہے (اور وہ) پلک جھپکنے کی طرح ہے۔

بندے اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے جاری ہونے کے لیے مسخر ہیں اور قدر میں سے ایک قدر کاتب کے ہاتھ میں حرکت کو پیدا کرنا بھی ہے اور یہ حرکت اس مخصوص صفت کی تخلیق کے بعد ہوتی ہے جو اس کاتب کے ہاتھ میں ہے اور اسے قدرت کہا جاتا ہے اور اس مضبوط توجہ کی تخلیق کے بعد ہے جو اس کاتب کے نفس میں ہے اور وہ قصد ہے اسی طرح یہ حرکت اسی چیز کے علم کے بعد ہوتی ہے جس کی طرف میلان ہوتا ہے اسے ادراک اور معرفت کہتے ہیں۔

جب ملکوت کے باطن سے یہ چار باتیں مسخر بندے کے جسم پر ظاہر ہوتی ہیں تو ظاہری دنیا والے جن کو غیب کا علم نہیں ہے کہتے ہیں اے فلاں شخص! تم نے حرکت کی تم نے کنکری پھینکی، تم نے لکھا لیکن پردۂ غیب سے آواز آتی ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (۳)

اور آپ نے (کنکریاں) نہیں پھینکیں جب آپ نے پھینکیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں۔

اور تم نے قتل نہیں کیا جب تم نے قتل کیا

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ۔ (۴)

تم ان سے لڑو اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا

---

(۱) قرآن مجید سورۃ القمر آیت ۴۹

(۲) قرآن مجید سورۃ القمر آیت ۵۰

(۳) قرآن مجید سورۃ انفال آیت ۱۷

(۴) قرآن مجید سورۃ توبہ آیت ۱۴

marfat.com

یہاں آکر ان لوگوں کی عقلیں حیران ہو جاتی ہیں جو ظاہری عالم سے وابستہ ہیں اب بعض کہتے ہیں بندہ محض مجبور ہے کوئی کہتا ہے کہ وہ خود اپنے افعال کا خالق ہے کچھ اعتدال پر ہیں وہ کہتے ہیں بندہ اپنے افعال کا کاسب ہے۔ اگر ان کے لیے آسمانوں کے دروازے کھولے جائیں اور وہ عالم غیب اور عالم ملکوت کو دیکھیں تو ان کے لیے ظاہر ہو جائے کہ ان میں سے ہر ایک من وجہ سچ کہتا ہے اور سب کے سب قصور وار بھی ہیں کیوں کہ ان میں سے کوئی بھی اس بات کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکا اور نہ اس کے علم نے اس کے کناروں کو گھیرا ہے، اور پورا علم اس وقت حاصل ہوتا ہے جب عالم غیب کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے نور کی چمک پڑے اور اللہ تعالیٰ غیب اور ظاہر کو جانتا ہے وہ اپنے غیب کو سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے کسی پر ظاہر نہیں کرتا اور ظاہر پر تو ان لوگوں کو بھی مطلع کرتا ہے جو اس کے پسندیدہ نہ ہوں۔

اور جو شخص سلسلہ اسباب اور مسببات کو حرکت دے اور ان کے تسلسل اور مسبب الاسباب کے ساتھ ربط کی وجہ معلوم کر لے تو اس پر تقدیر کا راز منکشف ہو جاتا ہے اور اسے اس بات کا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق اور موجد نہیں ہے۔

سوال:

آپ نے فرمایا کہ انسان کو مجبور محض سمجھنے والے بندے کو اپنے افعال کا خالق ماننے والے اور محض کاسب ماننے والے سب من وجہ سچے ہیں اور اس سچائی کے باوجود ان میں کوتاہی پائی جاتی ہے تو یہ تناقض ہے اس بات کو کس طرح سمجھا جائے کیا کسی مثال کے ذریعے اس بات کو سمجھا جا سکتا ہے۔

جواب:

نابینا لوگوں کی ایک جماعت نے سنا کہ فلاں شہر میں ایک عجیب حیوان لایا گیا ہے جسے ہاتھی کہتے ہیں اور انہوں نے کبھی بھی اس کی صورت نہیں دیکھی تھی اور نہ اس کا نام سنا تھا کہنے لگے ہمیں چاہیئے ہم اسے دیکھیں اور جس قدر ہو سکے ہاتھ لگا کر اس کی پہچان حاصل کریں چنانچہ انہوں نے اسے تلاش کیا اور جب اس تک پہنچے تو اسے ہاتھوں سے چھوا کسی نابینے کا ہاتھ اس کے پاؤں پر پڑا کسی کا اس کے ہونٹ پر اور کسی کا ہاتھ اس کے کان پر پڑا ان سب نے کہا ہم نے ہاتھی کی پہچان حاصل کر لی ہے جب واپس آئے تو کچھ دوسرے اندھوں نے ان سے سوال کیا تو ان کے جواب مختلف تھے جس نے اس کے پاؤں کو چھوا تھا اس نے کہا وہ تو ایک کھردرے ستون کی طرح ہے البتہ یہ اس سے نرم ہے جس نے اس کے ہونٹ کو ہاتھ لگایا تھا اس نے کہا جس طرح تم کہتے ہو اس طرح نہیں بلکہ وہ سخت ہے اس میں ذرا بھی نرمی نہیں ہے اور چکنا ہے کھردرا نہیں وہ ستون کی طرح موٹا بالکل نہیں ہے بلکہ مرچ مصالحہ کوٹنے والے ڈنڈے کی طرح ہے جس نے اس کے کان کو پکڑا تھا اس نے کہا وہ نرم اور کھردرا ہے تو انہوں نے بعض باتوں میں ایک دوسرے کی تصدیق کی لیکن کہا کہ وہ ڈنڈے کی طرح نہیں ہوتا اور نہ ستون کی طرح ہے بلکہ وہ ایک چمڑا اور موٹا چمڑا ہے تو ان میں سے ہر ایک نے من وجہ تصدیق کی کیوں کہ ان میں سے ہر ایک نے ہاتھی

marfat.com

کی جس قدر پہچان حاصل کی اس کی خبر دی سب نے ہاتھی کے وصف کی خبر دی لیکن مجموعی طور پر وہ ہاتھی کی صورت کی حقیقت تک نہ پہنچ سکے۔

تو اس مثال کو سامنے رکھئے اور اس پر قیاس کیجئے کیوں کہ اکثر اختلافات کی مثال یہی ہے چونکہ یہ کلام علوم مکاشفہ سے مل جاتا ہے اور اس کی موجوں کو حرکت دیتا ہے اور یہ ہماری غرض نہیں ہے لہذا ہم اپنے مقصد کی طرف لوٹتے ہیں وہ یہ کہ توبہ اپنے تینوں اجزا کے ساتھ واجب ہے وہ اجزاء علم، ندامت اور ترکِ گناہ ہے ندامت وجوب میں اس لیے داخل ہے کہ وہ ان افعال الٰہیہ میں داخل ہے جو بندے کے علم اور اس کے ارادے اور قدرت کے درمیان ہے اور جس چیز کا یہ وصف ہو اس کو وجوب کا اسم شامل ہوتا ہے۔

تیسری فصل :

توبہ فوراً واجب ہے

توبہ کے فوری واجب ہونے میں کسی کو شک نہیں کیوں کہ اس بات کی پہچان حاصل کرنا کہ گناہ ہلاکت میں ڈالتے ہیں نفسِ ایمان سے ہے اور وہ فوری طور پر واجب ہے اور اس وجوب سے عہدہ برآ وہی شخص ہوگا جو اس (توبہ) کو اس طرح جانے کہ یہ فعل مکروہ سے روکنے والا ہے یہ معرفت ان علومِ مکاشفہ میں سے نہیں ہے جو عمل سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ یہ علوم معاملہ میں سے ہے اور ہر وہ علم جس سے مراد یہ ہو کہ وہ عمل کا باعث بنے اس سے عہدہ برآ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب وہ عمل کا باعث بنے تو گناہوں کے نقصان دِہ ہونے کا علم اس لیے مقصود ہوتا ہے کہ وہ ترکِ گناہ کا باعث بنے اور جو شخص اسے نہیں چھوڑتا وہ ایمان کے اس جزم سے محروم ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے آپ نے فرمایا۔

لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ (۱) مومن جب زنا کرتا ہے تو وہ زنا کرتے وقت مومن نہیں ہوتا۔

اس سے آپ کی مراد ایمان کی نفی نہیں ہے جو علوم مکاشفہ کی طرف لوٹتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ، اس کی وحدانیت، اس کی صفات اس کی کتب اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا۔ کیوں کہ زنا اور گناہ ایمان کی نفی نہیں کرتے بلکہ آپ کی مراد یہ کہ زنا اللہ تعالیٰ سے دُور کرنے والا اور اس کی ناراضگی کا موجب ہے جیسے ایک ڈاکٹر کہتا ہے یہ زہر ہے اس کو نہ کھانا اور جب وہ شخص کھاتا ہے تو کہا جاتا ہے اس نے ڈاکٹر کی بات نہیں مانی اس لیے کھایا ہے یہ مطلب نہیں کہ وہ ڈاکٹر کے موجود ہونے اور اس کے ڈاکٹر ہونے کو نہیں مانتا اور اس کی تصدیق نہیں کرتا بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ اس کی بات کی تصدیق نہیں کرتا کہ یہ زہر ہے جو ہلاکت میں ڈالتا ہے کیوں کہ جو آدمی زہر کو مہلک جانتا ہے وہ اسے بالکل نہیں کھاتا۔ تو گناہ گار آدمی لازماً ناقص الایمان ہے

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۹۱، ابواب الفتن

marfat.com

اور ایمان کا ایک دروازہ نہیں بلکہ وہ ستر سے کچھ اوپر ہیں سب سے اعلیٰ دروازہ شہادت ہے اور سب سے ادنیٰ دروازہ راستے سے اذیت پہنچانے والی چیزوں کو دور کرنا ہے۔

اس کی مثال کسی شخص کا یہ قول ہے کہ ایک ہی طرح کے انسان موجود نہیں ہیں بلکہ وہ ستر سے کچھ اوپر قسم کے ہیں سب سے اعلیٰ قلب اور روح ہے اور سب سے ادنیٰ ظاہری جسم سے خرابی کو دور کرتا ہے کہ اس کی مونچھیں کٹی ہوئی ہوں اور ناخن بھی کٹے ہوئے ہیں چہرے کو گندگی سے پاک رکھے تاکہ جانوروں سے ممتاز ہو جو کھلے پھرتے ہیں اور گوبر سے آلودہ ہوتے ہیں ان کے ناخنوں اور کھروں کے بڑھ ہونے کی وجہ سے ان کی صورتیں پسندیدہ نہیں ہوتیں۔

یہ مثال مناسب ہے اور مطابق ہے پس ایمان انسان کی طرح ہے اور اس میں توحید کی شہادت کا نہ ہونا اسے کلی طور پر باطل کر دیتا ہے جیسے انسان میں روح کا نہ ہونا اس کے معدوم ہونے کی دلیل ہے۔

اور جس کے پاس صرف توحید و رسالت کی شہادت ہو وہ اس انسان کی طرح ہے جس کے اعضاء کٹے ہوئے ہوں اور آنکھیں پھوڑی گئی ہوں وہ تمام ظاہری اور باطنی اعضاء سے محروم ہے البتہ روح سے محروم نہیں اور جس طرح اس قسم کی حالت والا آدمی مرنے کے قریب ہوتا ہے کہ اس کی ضعیف روح تنہا رہ گئی ہے اور وہ ان اعضاء سے الگ ہو گئی جو اسے مدد اور تقویت پہنچاتے ہیں اور وہ کسی بھی وقت اس سے جدا ہو سکتی ہے اسی طرح اس شخص کا حال ہے جس کے پاس صرف ایمان ہے اور وہ اعمال میں کوتاہی کرتا ہے قریب ہے کہ اس کے ایمان کا درخت جڑ سے اکھڑ جائے جب ذرا سی بھی تیز ہوا آئے۔ یعنی جب ملک الموت آتا ہے تو اس وقت ایمان ہل جاتا ہے تو ہر وہ ایمان جس کی اصل یقین میں ثابت نہ ہو اور اعمال میں اس کی شاخیں پھیلی ہوئی نہ ہوں وہ اس وقت قائم نہیں رہتا جب موت کے فرشتے کا ظہور ہوتا ہے اور ہولناک منظر کی تند و تیز ہوا چلتی ہے اسے اس وقت برے خاتمے کا ڈر ہوتا ہے وہ ایمان جسے عبادات کا پانی ہر وقت پایا جاتا ہے وہ مضبوط اور راسخ ہو جاتا ہے۔

کسی گناہ گار کا کسی عبادت گار سے کہنا کہ میں بھی تمہاری طرح مومن ہوں ایسا ہی ہے جیسے کدو کے درخت نے صنوبر کے درخت سے کہا کہ میں بھی درخت ہوں اور تو بھی درخت ہے اور صنوبر کے درخت نے کیا ہی اچھا جواب دیا اس نے کہا عنقریب جب خزاں کی ہوا چلے گی تو تجھے نام کی شرکت کی وجہ سے پیدا ہونے والے دھوکے کا پتہ چل جائے گا۔ اس وقت تیری جڑیں اکھڑ جائیں گی اور تیرے پتے بکھر جائیں گے اور تجھے جو نام کی شرکت کی وجہ سے دھوکہ ہوا ہے وہ واضح ہو جائے گا تو نے سمجھا کہ تو بھی درخت ہے اور میں بھی درخت ہوں لیکن تو ان اسباب سے غافل ہے جو درخت کو قائم رکھتے ہیں۔

وَسَوْفَ تَرَىٰ إِذَا انْجَلَى الْغُبَارُ أَفَرَسٌ تَحْتَكَ أَمْ حِمَارٌ۔

عنقریب جب گرد و غبار چھٹ جائے گا تو تُو دیکھ لے گا کہ گھوڑے پر سوار ہے یا گدھے پر۔

اور یہ بات خاتمے کے وقت ظاہر ہو گی یہی وجہ ہے کہ موت کے گھائل کرنے والے آثار سے عارفین کی رگِ جان کٹ

جاتی ہے کیوں کہ اس وقت بہت سے لوگ ثابت قدم رہتے ہیں پس گناہ گار آدمی جب اس بات سے نہیں ڈرتا کہ وہ اپنے گناہ کی وجہ سے ہمیشہ جہنم میں رہے گا جیسے ایک تندرست آدمی جب نقصان دِہ خواہشات کی تکمیل میں رہتا ہے اور وہ اپنی صحت کی وجہ سے موت کا خوف نہیں رکھتا اور موت عام طور پر اچانک نہیں آتی پس اس سے کہا جاتا ہے کہ تندرست آدمی کو بیماری کا خوف ہوتا ہے پھر جب وہ بیمار ہوتا ہے تو موت کا ڈر ہوتا ہے اسی طرح گناہ گار کو بُرے خاتمے کا خوف ہوتا ہے (اللہ تعالیٰ سب کو بچائے) تو ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنا ہوگا۔

تو گناہ ایمان کے لیے اس طرح (نقصان دہ ہیں) جیسے مضر صحت کھانے جسم کو نقصان پہنچاتے ہیں وہ معدے میں جمع ہوتے رہتے ہیں حتی کہ اخلاط (صفرا بلغم وغیرہ) کے مزاج کو بدل دیتے ہیں اور اس کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ یہاں تک کہ مزاج بگڑ جاتا ہے اور اچانک بیمار ہو جاتا ہے اور پھر اچانک مر جاتا ہے تو گناہوں کا معاملہ بھی یہی ہے

تو یہ نتیجہ یہ ہوا کہ جب اس فانی دنیا میں ہلاکت کے خوف سے وہ زہر سے بچتا ہے اور ان کھانوں سے فوری طور پر بھی اور ہر حال میں بچتا ہے جو نقصان دِہ ہوتے ہیں تو ابدی ہلاکت سے ڈرنے والے پر بدرجہ اولیٰ گناہوں سے اجتناب واجب ہے اور جب زہر کھانے والے پر واجب ہے کہ جوں ہی نادم ہونے کرے اور اس کے کھانے سے رجوع کرے اور اسے معدے سے نکال دے اور یہ عمل فوری طور پر کرے تاکہ اس کا جسم ہلاکت سے بچ جائے حالاں کہ اس کا نقصان صرف دنیوی ہے اور دین کے معاملے میں زہر کھانا جو گناہوں کی صورت میں ہے بدرجہ اولیٰ نقصان دہ ہے تو اسے اس سے رجوع کرنا چاہیے اور جس قدر ممکن ہو تدارک کرے جب تک اس کے لیے مہلت ہے اور وہ اس کی زندگی ہے کیوں کہ جس کو اس زہر کا خوف اس لیے ہے کہ باقی رہنے والی آخرت سے محروم ہو جائے گا جس میں ہمیشہ کی نعمتیں اور بہت بڑی سلطنت ہے اور اس کے فوت ہونے سے جہنم کی آگ اور ہمیشہ کے عذاب کا سامنا ہوگا اور دنیوی زندگی اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں کیوں کہ اس کی کوئی انتہا نہیں پس توبہ کی جلدی کرنا ضروری ہے اس سے پہلے کہ گناہوں کا زہر روحِ ایمان پر اثر انداز ہو اور یہ ایسا اثر ہوگا جس کا ڈاکٹروں کے پاس بھی کوئی علاج نہیں اور نہ ہی اس کے بعد کوئی پرہیز اثر کرے گی اس کے بعد نصیحت کرنے والوں کی نصیحت اور واعظین کا وعظ بھی فائدہ نہیں دے گا اس پر یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کے عموم میں داخل ہے

ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝ وَسَوَآءٌ	ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے پس وہ ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اور ہم نے ان کے سامنے ایک دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے بھی ایک دیوار، تو ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا پس وہ دیکھ نہیں سکتے

marfat.com

عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (۱)

اور ان کے لیے برابر ہے آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لاتے۔

تمہیں لفظ ایمان دھوکہ نہ دے کہ تم کہو اس آیت سے کافر مراد ہے کیونکہ تمہارے لیے بیان کیا گیا کہ ایمان کے ستر سے زائد دروازے ہیں اور زانی جب زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ حالت ایمان میں زنا نہیں کرتا تو جو شخص ایسے ایمان سے پردے میں ہو جس کی شاخیں اور فروع ہیں تو وہ عنقریب خاتمے کے وقت اصل ایمان سے بھی پردے میں ہو گا جیسے وہ شخص جس کے اعضاء نہ ہوں حالانکہ وہ روح کے اطراف اور فروع ہیں تو عنقریب وہ موت کی طرف جائے گا جو روح کو ختم کر دیتی ہے جو اصل ہے تو فرع کے بغیر اصل باقی نہیں رہتی اور اصل کے بغیر فرع کا وجود نہیں ہوتا اصل اور فرع میں صرف ایک بات کا فرق ہے وہ یہ کہ فرع کا وجود اور اس کا بقاء دونوں وجودِ اصل کو چاہتے ہیں لیکن اصل کا وجود فرع کے وجود کو نہیں چاہتا تو اصل کا باقی رہنا فرع کے ساتھ ہے اور فرع کا وجود اصل پر موقوف ہوتا ہے تو علوم مکاشفہ اور علوم معاملہ ایک دوسرے کو لازم ہیں جس طرح فرع اور اصل لازم و ملزوم ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہو سکتے اگرچہ ایک اصل کے رتبہ میں ہے اور دوسرا فرع کے مرتبہ میں۔

اور علوم معاملہ اگر عمل کی ترغیب نہ دیں تو ان کا معدوم ہونا ان کے وجود سے بہتر ہے کیونکہ اگر وہ اپنے مقصود کے مطابق عمل نہ کریں تو وہ اس شخص کے خلاف ہوں گے جو ان علوم سے موصوف ہے یہی وجہ ہے کہ جاہلِ بدکار کے مقابلے میں عالم بدکار کا عذاب زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے علم کے بیان میں احادیث نقل کی ہیں۔

چوتھی فصل:

ہر شخص پر اور ہر حال میں توبہ واجب ہے

قرآن پاک کی واضح آیت توبہ کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ (۲)

اور اے مومنو! تم سب اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کرو تاکہ تم کامیابی حاصل کرو۔

اس میں عام خطاب ہے اس کے علاوہ نورِ بصیرت بھی راہنمائی کرتا ہے کیوں کہ توبہ کا معنیٰ اس راستہ سے واپس لوٹنا ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ یسین آیت ۸، ۹، ۱۰

(۲) قرآن مجید، سورۂ نور آیت ۳۱

marfat.com

جو اللہ تعالیٰ سے دُور اور شیطان کے قریب کرتا ہے اور یہ بات اسی شخص سے متصور ہوتی ہے جو غافل ہو اور اصل عقل کا کمال اس وقت ہو سکتا ہے جب خواہشات غضب اور تمام مذموم صفات جو انسان کی گمراہی کے لیے شیطان کے جال ہیں، کامل ہوں کیوں کہ چالیس سال کی عمر میں عقل کامل ہوتی ہے اور اس کی اصل اس وقت کامل ہوتی ہے جب بلوغت کی علامات ظاہر ہوتی ہیں اور اس کی علامات سات سال کے بعد ظاہر ہو جاتی ہیں اور خواہشات شیطان کا لشکر ہیں جب کہ عقل فرشتوں کے لشکر ہیں اور جب وہ دونوں جمع ہوں تو لازماً ان کے درمیان لڑائی ہوتی ہے کیونکہ ایک دوسرے کی ضد ہونے کی وجہ سے دونوں اکٹھی نہیں ہو سکتیں جس طرح رات اور دن نیز روشنی اور اندھیرا جمع نہیں ہو سکتے اور جب ان میں سے ایک غالب ہو تو وہ دوسرے کو نکال پھینکتا ہے اور جب خواہشات بچپن اور جوانی میں عقل کے کامل ہونے سے پہلے ہی کامل ہو جاتی ہیں تو شیطانی لشکر سبقت لے جاتا ہے اور وہ دل پر قبضہ کر لیتا ہے اور اسے خواہشات سے اُنس اور اُلفت ہو جاتی ہے کیونکہ عادتاً شہوت کا یہی تقاضا ہوتا ہے اب خواہشات دل پر غالب آتی ہیں اور ان سے نکلنا دشوار ہوتا ہے پھر عقل جو اللہ تعالیٰ کی جماعت اور اس کا لشکر ہے، چمکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو آہستہ آہستہ اس کے دشمنوں سے بچاتی ہے اور اگر وہ مضبوط اور کامل نہ ہو تو دل کا میدان شیطان کے قبضے میں رہتا ہے اور وہ لعنتی اپنا وعدہ پورا کرتا ہے جس کے بارے میں قرآن پاک میں اس طرح مذکور ہے۔

لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۔

میں اس (آدم علیہ السلام) کی اولاد ضرور غالب آؤں گا البتہ چند ایک (بچ جائیں گے) (۱)

اور اگر عقل کامل اور قوی ہو تو پہلے مرحلے میں وہ خواہشات کو توڑ کر شیطانی لشکر کا قلع قمع کرتی ہے اور بری عادات کو ختم کرتی ہے اور زبردستی طبیعت کو عبادت کی طرف لوٹاتی ہے اور توبہ کا یہی معنیٰ ہے اور وہ اس راستے سے لوٹنا ہے جس پر خواہش راہبر اور شیطان گڑھا کھودنے والا ہو اب وہ اسے اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلاتی ہے اور ہر شخص کی خواہش عقل پر سبقت رکھتی ہے اور اس کی وہ فطرت جو شیطان کا آلہ ہے اس طبیعت پر مقدم ہوتی ہے جو فرشتوں کا سامان ہے تو جو کام خواہش کے مطابق کئے ہوں ان سے رجوع کرنا ہر انسان کے لیے ضروری ہے وہ نبی ہو یا کوئی غیر عاقل، لہٰذا یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ توبہ کی یہ ضرورت حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے اور کہا گیا ہے۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ هِنْدًا لَهَا الْغَدْرُ وَحْدَهَا
سَجِيَّةُ نَفْسِ كُلِّ غَانِيَةٍ هِنْدُ ۔

یہ خیال نہ کرو کہ صرف ہند (عورت) ہی دھوکہ باز ہے ہر خوبصورت عورت کی طبیعت ہند کی طرح ہے۔

بلکہ یہ حکم ازلی ہے جو انسانی جنس پر لکھ دیا گیا اس کے خلاف فرض نہیں کیا جا سکتا جب تک سنت الٰہیہ نہ بدلے اور اس

---

(۱) قرآن مجید سورۃ اسراء آیت ۶۲

marfat.com

میں تبدیلی کی توقع نہیں لہذا جو شخص کفر اور جہالت کے ساتھ بالغ ہو اس پر واجب ہے کہ اپنے کفر اور جہالت سے توبہ کرے اور اگر وہ اپنے والدین کے تابع ہونے کی وجہ سے مسلمان بالغ ہو لیکن اسلام کی حقیقت سے غافل ہو تو اس پر اپنی غفلت سے توبہ واجب ہے یعنی اسلام کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ جب تک خود ایمان نہ لائے ماں باپ کا ایمان اسے کافی نہیں ہے اور اگر اسے اسلام کی سمجھ ہے تو اس مطلق العنانی سے توبہ کرے جو خواہشات کی محبت والفت میں عادت بن گئی اور روکنے، اجازت دینے، وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کی حدود کی رعایت کرے اور یہ توبہ کے ابواب میں سے سب سے زیادہ سخت دروازہ ہے اکثر لوگ اس میں ہلاک ہوئے کیوں کہ وہ اس سے عاجز ہے اور یہ سب کچھ توبہ اور رجوع ہے۔

تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ توبہ ہر شخص کے حق میں فرض عین ہے کسی انسان کا اس سے بے نیاز ہونا تصور نہیں کیا جا سکتا جس طرح حضرت آدم علیہ السلام اس سے بے نیاز نہیں ہوئے تو باپ کی خلقت میں جس چیز کی گنجائش نہیں تھی اولاد کی خلقت میں اس کی گنجائش کہاں؟

جہاں تک اس کے دائمی اور ہر حال میں واجب ہونے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی انسان اعضاء کے گناہوں سے خالی نہیں ہے کیوں کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی لغزش واقع ہوئی جیسے قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں انبیاء کرام علیہم السلام کی لغزشوں اور ان پر ان کے رونے کا ذکر ہے۔

اور اگر آدمی کسی وقت اعضاء سے گناہ کا مرتکب نہ بھی ہو تو بھی وہ دل کے ساتھ گناہوں کے ارادے سے خالی نہیں ہوتا اور بعض حالات میں ارادے سے بھی خالی ہو تو اللہ تعالیٰ، اس کی صفات اور افعال کے علم سے غفلت ضرور ہوتی ہے اور یہ سب کچھ نقص ہے اور اس کے کئی اسباب ہیں اور کسی چیز کی ضد میں مشغول ہو کر اس چیز کے اسباب کو چھوڑنا اس راستے سے دوسرے راستے کی طرف رجوع ہے اور توبہ سے مراد بھی رجوع ہے پس انسان کے حق میں اس کوتاہی سے خالی ہونے کا تصور نہیں ہو سکتا البتہ مقدار میں فرق ہے اصل ہر ایک میں ضروری ہے۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

وَاِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ حَتّٰى اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً۔

بے شک میرے دل پر کچھ پردہ آجاتا ہے یہاں تک میں ایک دن رات میں ستر بار سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں۔ (۱)

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بزرگی عطا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ

تاکہ اللہ تعالیٰ آپ سے (ہجرت سے) پہلے کے الزام بھی

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۴۶ کتاب الذکر

marfat.com

وَمَا تَاَخَّرَ۔

دور کر دے اور (ہجرت کے) بعد کے الزام بھی (دُور فرما دے)

(۱)

جب آپ کا یہ حال ہے تو دوسروں کا کیا حال ہو گا (حالانکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے معصوم ہیں تعلیم امت اور مزید درجات کے حصول کے لیے آپ استغفار فرماتے تھے ۱۲ ہزاروی)

سوال :

ذہن پر جو غم یا خیالات آتے ہیں وہ نقصان ہے اور کمال اس سے خالی رہنے میں ہے اور جلال خداوندی کی گہرائی کی معرفت میں کمی بھی نقص ہے اور جوں جوں معرفت بڑھتی ہے کمال بھی زیادہ ہوتا ہے اور نقصان کے اسباب سے کمال کی طرف انتقال رجوع ہے اور رجوع کا دوسرا نام توبہ ہے لیکن یہ فضائل ہیں فرائض نہیں ہیں حالانکہ ہر حال میں توبہ کے وجوب کا قول کیا گیا ہے جب کہ ان امور سے توبہ واجب نہیں ہے کیوں کہ کمال کا حصول شرعی طور پر واجب نہیں ہے تو آپ کے اس قول سے کیا مراد ہے کہ ہر حال میں توبہ واجب ہے۔

جواب :

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ انسان اپنی ابتدائے خلقت میں خواہشات کی اتباع سے خالی نہیں ہے اور توبہ کا معنیٰ صرف خواہشات کو چھوڑنا ہی نہیں بلکہ گذشتہ گناہوں کے تدارک سے توبہ کی تکمیل ہوتی ہے اور ہر وہ خواہش جس کے پیچھے انسان چلتا ہے اس سے ایک تاریکی اس کے دل کی طرف اٹھتی ہے جس طرح سانس کی بھاپ سے صاف شیشے کا منہ دھندلا جاتا ہے اور جب خواہشات کی تاریکی بڑھتی ہے تو وہ رین (زنگ) بن جاتی ہے جس طرح سانس کے بخارات جب شیشے کے منہ پر جمع ہوتے ہیں تو اسے زنگ لگ جاتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔ (۲)

ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کے باعث زنگ چڑھ گیا ہے۔

پھر جب زنگ جمع ہو جاتا ہے تو وہ پکا ہو جاتا ہے اور اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے جس طرح شیشے کے منہ پر لگنے والا زنگ جب زیادہ ہوتا ہے اور عرصہ دراز تک رہتا ہے تو وہ اس کے اندر سرایت کر کے اس کو خراب کر دیتا ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ فتح آیت ۲

(۲) اس آیت کریمہ کا ترجمہ کرنے میں علماء اہل سنت سے نہایت احتیاط سے کام لیا ہے ہم نے اپنے خیال میں جو ترجمہ مناسب سمجھا اسے درج کر دیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ دیگر تراجم اہلسنت صحیح نہیں ہیں ۱۲ ہزاروی)

(۳) قرآن مجید سورۃ المطففین آیت ۱۴

marfat.com

اور اب اسے صیقل نہیں کیا جا سکتا ہے اور وہ اس کی طبعی میل کی طرح ہو جاتا ہے۔

توبہ میں صرف مستقبل میں گناہ چھوڑنا کافی نہیں بلکہ دل پر جو زنگ جم چکا ہے اس کو دور کرنا بھی ضروری ہے جیسا کہ شیشے میں صورتوں کے ظہور کے لیے صرف اتنی بات کافی نہیں کہ آئندہ اس پر سانس اور بخارات نہیں ڈالیں گے بلکہ اس کے لیے پہلے سے چڑھا ہوا زنگ بھی دور کرنا پڑے گا اور جس طرح گناہوں اور خواہشات سے دل کی طرف ایک تاریکی اٹھتی ہے اسی طرح عبادات اور طاعات سے ایک نور پیدا ہوتا ہے اور اس نور سے گناہ کی تاریکی دور ہو جاتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

اَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا۔ (۱) گناہ کے پیچھے نیکی لاؤ وہ اس کو مٹا دے گی۔

تو بندہ کسی حال میں بھی دل سے گناہوں کے آثار کو مٹانے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اور وہ نیکیوں کے ذریعے مٹتے ہیں جن کے آثار گناہوں کے آثار کی ضد ہیں اور یہ ایسے دل میں ہوتا ہے جو پہلے سے صاف ہو اور پھر عارضی اسباب سے تاریک ہو گیا ہو اور اگر اسے شروع سے پاک کرنا ہو تو یہ عمل بہت طویل ہے جیسے شیشے سے زنگ کو ختم کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا شروع سے اسے شیشہ بنانا مشکل ہے پس یہ نہایت طویل اعمال ہیں جو انسان سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔

جہاں تک آپ کی اس بات کا تعلق ہے کہ اسے واجب نہیں کہنا چاہیئے بلکہ یہ محض فضیلت اور طلب کمال ہے تو جان لو کہ واجب کے دو معنی ہیں ایک وہ جو شریعت کے فتویٰ میں داخل ہے اور اس میں تمام مخلوق شریک ہے اور یہ وہ مقدار ہے کہ اگر تمام مخلوق اس میں مشغول ہو جائے تو نظام عالم خراب نہیں ہوگا اور اگر تمام لوگوں کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈریں جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے تو وہ اسبابِ رزق کی تلاش چھوڑ دیں گے اور دنیا سے بالکل لاتعلق ہو جائیں گے اور اس طرح تقویٰ بالکل ہی باطل ہو جائے گا۔ کیوں کہ جب معیشت تباہ ہو جائے گی تو کوئی بھی شخص تقویٰ کے لیے فارغ نہ ہوگا بلکہ کپڑے بننے، کاشتکاری کرنے، روٹی پکانے وغیرہ میں مشغول ہوں گے اور ہر شخص جس چیز کا محتاج ہوگا وہ اس میں اپنی زندگی صرف کر دے گا۔ تو اس اعتبار سے یہ درجات واجب نہیں ہیں۔

واجب کی دوسری صورت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول اور صدیقین کے مقام محمود تک رسائی کے لیے ضروری ہے اور اس تک پہنچنے کے لیے ان تمام کاموں سے توبہ ضروری ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نفلی نماز میں طہارت واجب ہے یعنی جو اس کا ارادہ کرے گا وہ طہارت کے بغیر اسے ادا نہیں کر سکتا لیکن جو آدمی نفلی نماز سے محروم رہتا ہے اور اس نقصان کو برداشت کرتا ہے تو اس پر اس نماز کے لیے طہارت واجب نہیں ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ آنکھ، کان، ہاتھ اور پاؤں انسانی وجود میں شرط ہیں یعنی اس شخص کے لیے شرط ہیں جو کامل انسان بننا چاہتا ہے جس

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۵۸ مرویات ابوذر

marfat.com

کی انسانیت نفع بخش ہو اور اس کے ذریعے وہ دنیا میں بلند مقام حاصل کرے لیکن جو شخص صرف اصلِ حیات پہ اکتفا کرتا ہے اور وہ اس بات پر راضی ہو کہ وہ قصاب کے پھٹے پر پڑے ہوئے گوشت اور (ڈھیر) پر پڑے ہوئے چیتھڑے کی طرح ہو تو ایسی زندگی کے لیے آنکھ، ہاتھ اور پاؤں ضروری نہیں ہیں۔

پس اصل واجباتِ جو عام لوگوں سے متعلق فتویٰ میں داخل ہیں ان سے صرف نجات ملتی ہے اور اصل نجات محض اصل حیات کی طرح ہے اور اس سے اوپر جو سعادتیں ہیں جن کے ساتھ زندگی کی تکمیل ہوتی ہے وہ ان اعضاء اور آلات کی طرح ہیں جن سے زندگی کی زیبائش و آرائش ہے انبیاء کرام، اولیاء عظام اور علماء دین اسی کے لیے کوشاں ہیں اور حسب مقام ان کی کوشش میں فرق ہے۔ وہ اسی کی حرص کرتے اور اسی کے گرد چکر لگاتے تھے اور اسی مقصد کے لیے انہوں نے دنیا کی تمام لذتوں کو ترک کر دیا تھا حتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پتھر کو تکیہ بنا کر آرام فرما ہوئے شیطان آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کیا آپ نے آخرت کے لیے دنیا چھوڑ نہیں دی تھی؟ آپ نے فرمایا ہاں میں نے چھوڑ دی تھی لیکن ہوا کیا ہے؟ اس نے کہا آپ نے دنیا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پتھر کو تکیہ بنایا ہے آپ سر زمین پر کیوں نہیں رکھتے؟ (یہ سن کر) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وہ پتھر پھینک دیا اور اپنا سر مبارک زمین پہ رکھ دیا آپ کا اس پتھر کو پھینکنا دنیوی لذت سے توبہ کرنا تھا تمہارا کیا خیال ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس بات کو نہیں جانتے تھے کہ زمین پر سر رکھنا عام لوگوں سے متعلق فتویٰ کے مطابق واجب نہیں ہے۔

اور کیا تم نہیں جانتے کہ جب نماز میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اس کپڑے کی وجہ سے بٹ گئی جس پر بیل بوٹے تھے تو آپ نے اس کو اتار دیا (۱) اور آپ کے نعلین مبارک کے تسمے نے آپ کی توجہ پھیر دی تو آپ نے پرانا تسمہ لگا دیا۔ (۲)

کیا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھا کہ آپ جو شریعت لے کر تشریف لائے ہیں اس کے مطابق یہ تمام لوگوں پر واجب نہیں ہے اور اس علم کے باوجود آپ نے رجوع کیوں کیا، کیا اس کا مقصد صرف یہی بات نہیں تھی کہ آپ نے دیکھا کہ وہ آپ کے دل مبارک دل پر ایسا اثر کر رہا ہے جو اس مقام محمود تک پہنچنے میں رکاوٹ ہے جس کا آپ سے وعدہ کیا گیا تھا۔

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دودھ نوش فرمایا پھر پتہ چلا کہ یہ جائز طریقے پر نہیں ہے تو آپ اس کو نکالنے کے لیے اپنے حلق میں انگلی ڈالی حتی کہ قریب تھا آپ کی جان نکل جائے کیا آپ کو فقہ کا یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ لاعلمی میں کسی چیز کے کھانے سے آدمی گناہ گار نہیں ہوتا اور فقہی فتویٰ کے مطابق اس کا نکالنا ضروری نہیں ہے تو آپ نے

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۴ کتاب الصلوٰۃ

marfat.com

ممکن حد تک یعنی معدے کو خالی کرنے کے ذریعے اس سے توبہ کیوں کی ؛ کیا اس کی وجہ وہ راز نہ تھا جو آپ کے سینے میں پنہاں تھا کہ عام لوگوں کے لیے فتویٰ الگ چیز ہے اور طریق آخرت کے خطرات سے صرف صدیقین ہی آگاہ ہوتے ہیں۔

تو ان لوگوں کے حالات پر غور کیجیے جو تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی پہچان سب سے زیادہ رکھتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے راستے، اس کی خفیہ تدابیر، اللہ تعالیٰ کی ذات کے حوالے سے دھوکے کے مقام کو اچھی طرح جانتے تھے دنیوی زندگی کے دھوکے سے ایک بار بچو اور پھر اللہ تعالیٰ پر دھوکہ کھانے سے ہزاروں مرتبہ بچو یہ وہ اسرار ہیں کہ جس شخص کو ان کی خوشبو حاصل ہو جائے وہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والے سالک کے لیے ہر گھڑی توبۃ النصوح لازم ہے اگرچہ اسے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر حاصل ہو جائے اور یہ کسی مہلت کے بغیر فی الفور واجب ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ نے سچ فرمایا کہ اگر عقلمند آدمی اپنی زندگی میں صرف اس بات پر روئے کہ اس کی گذشتہ زندگی عبادت کے بغیر گذر گئی اور ضائع ہو گئی تب بھی اسے مرتے دم تک غمگین ہونا لائق ہے تو اس کا کیا حال ہو گا جو ماضی کی طرح مستقبل میں بھی جہالت سے کام لیتا ہے۔

آپ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ عقلمند آدمی کو جب ایک نفیس موتی ملتا ہے اور وہ کسی فائدے کے حاصل کیے بغیر ضائع ہو جاتا ہے تو وہ یقیناً اس پر روتا ہے اور اگر اس کا ضائع ہونا اس کی ہلاکت کا باعث ہو تو اس کا رونا اور زیادہ ہو گا (تو غور کیجیے) زندگی کی ہر گھڑی بلکہ ہر سانس ایک نفیس جوہر ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہے وہ اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ تجھے ابدی سعادت تک پہنچا دے اور دائمی بدبختی سے بچائے اس لیے اس سے زیادہ نفیس جوہر کیا ہو سکتا ہے اگر تم اسے غفلت میں ضائع کر دو گے تو واضح نقصان اٹھاؤ گے۔ اور اگر اسے گناہ میں صرف کرو گے تو واضح طور پر ہلاک ہو جاؤ گے اب اگر تم اس مصیبت پر نہیں روتے تو یہ تمہاری جہالت ہے اور جہالت کی مصیبت تمام مصیبتوں سے بڑھ کر ہے لیکن جاہل کو اس بات کی پہچان نہیں ہوتی کہ یہ مصیبت ہے کیونکہ غفلت کی نیند اس کے اور معرفت کے درمیان حائل ہوتی ہے اور لوگ غفلت کی نیند سوئے ہوئے ہیں جب موت آتی ہے تو جاگ جاتے ہیں اس وقت ہر مفلس کو اپنے افلاس کا اور ہر مصیبت زدہ کو اس کی مصیبت کا علم ہوتا ہے لیکن اس وقت اس کا تدارک نہیں ہو سکتا۔

بعض عارفین فرماتے ہیں کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام جب کسی بندے کے سامنے آتے ہیں تو فرماتے ہیں تمہاری زندگی کی ایک گھڑی باقی ہے اور تو پلک جھپکنے کے برابر بھی اس سے آگے نہیں بڑھے گا اس وقت بندہ افسوس اور حسرت کا اظہار کرتا ہے کہ اگر دنیا اپنی تمام تر اعانتوں کے ساتھ بھی اسے ملتی تو اسے حاصل نہ کرتا اور اگر اس ساعت کے ساتھ ایک اور ساعت کا اضافہ ہو اور وہ اس میں تکلیف برداشت کر کے گذشتہ کوتاہیوں کا ازالہ کرتا (تو کیا ہی اچھا ہے) لیکن اس وقت مہلت کہاں! اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا پہلا معنیٰ یہی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے،

marfat.com

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ۔

(۱)

اور اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے:

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا۔

اور ان کے اور ان کی خواہشات کے درمیان رکاوٹ پیدا کھڑی کر دی گئی۔

(تو بہ کرو) اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی ایک کو موت آئے تو وہ کہے اے میرے رب تو نے مجھے قریب کے وقت تک مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ کرتا اور نیک لوگوں میں سے ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ کسی نفس کے وقت موت کو پیچھے نہیں کرتا جب وہ آجاتا ہے

(۲)

کہا گیا کہ اجل قریب جو اس کے پیچھے لگی ہوتی ہے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب بندے کی نگاہوں سے پردہ اٹھتا ہے تو وہ کہتا ہے اے موت کے فرشتے! مجھے ایک دن کی مہلت دے دے میں اپنے رب کی بارگاہ میں عذر پیش کر سکوں اور توبہ کر دوں اور اپنے لیے اچھا توشہ لوں فرشتہ جواب دیتا ہے تم نے اپنی زندگی کے) دن تباہ کر دیئے اب کوئی دن نہیں مل سکتا وہ کہتا ہے مجھے ایک ساعت کی مہلت دے فرشتہ جواب دیتا ہے تم نے تمام ساعتیں ضائع کر دیں اب کوئی ساعت نہیں ہے پس اس پر توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور جان حلق تک آجاتی ہے اور اسی افسوس کی حالت میں اس کی سانس اکھڑ جاتی ہے وہ گذشتہ نقصان کی تلافی نہ کرنے پر ناامیدی اور زندگی کے ضیاع پر حسرت و ندامت کے گھونٹ پیتا ہے ان حالات کے صدمات میں اس کا اصل ایمان مضطرب ہو جاتا ہے اب جب اس کی روح نکلتی ہے تو اگر اس کی تقدیر میں اچھا لکھا تھا تو اس کی روح توحید پر نکلتی ہے اور یہی حسن خاتمہ ہے اسی سلسلے میں فرمایا گیا۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْاٰنَ۔

(۳)

اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برے کام کرتے ہیں حتی کہ جب ان میں سے کسی ایک کو موت آتی ہے تو کہتا ہے میں اب توبہ کرتا ہوں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو نادانی

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ سبا آیت ۵۴

(۲) قرآن مجید، سورۃ المنافقون آیت ۱۰

(۳) قرآن مجید، سورۃ نساء آیت ۱۸

marfat.com

السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ (۱) میں برائی کر بیٹھتے ہیں پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں
یعنی گناہ کے فوراً بعد وہ نادم ہونے کے ذریعے توبہ کرتے ہیں اور اس (گناہ) کے بعد نیکی کر کے اس (گناہ) کے اثر کو زائل کرتے ہیں اس سے پہلے کہ دل پر زنگ چڑھ جائے اس وقت وہ زائل ہونے کے قابل نہیں رہتا۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا (۲) برائی کے پیچھے نیکی لاؤ وہ اس (برائی) کو مٹا دے گی۔

اسی لیے حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا اے میرے بیٹے! توبہ میں تاخیر نہ کرنا کیوں کہ موت اچانک آتی ہے۔

اور جو شخص ٹال مٹول کرتے ہوئے توبہ کی طرف سبقت نہیں کرتا وہ دو عظیم خطروں کے درمیان ہوتا ہے ایک یہ کہ اس کے دل پر گناہ کی تاریکی مسلسل جمع ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ زنگ اور مہر کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور اب وہ زائل نہیں ہو سکتی دوسرا خطرہ یہ کہ ہو سکتا ہے بیماری یا موت آجائے اب اسے گناہ کے ازالے کی مہلت نہیں ملے گی اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے۔

اِنَّ اَكْثَرَ صِيَاحِ اَهْلِ النَّارِ مِنَ التَّسْوِيْفِ۔ جہنمیوں کی زیادہ چیخ و پکار (توبہ میں) ٹال مٹول کرنے کی وجہ سے ہوگی۔

اور جو بھی ہلاک ہوا وہ ٹال مٹول کرنے کی وجہ سے ہوا تو ایسے آدمی کا اپنے دل کو سیاہ کرنا نقد اور عبادت کے ذریعے اسے روشن کرنا بطور ادھار ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے موت اٹھا لیتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ایک مریض دل کے ساتھ جاتا ہے تو دل بندے کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے زندگی بھی اس کی امانت ہے بلکہ عبادت کے تمام اسباب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے پاس امانت ہیں تو جو شخص امانت میں خیانت کرے پھر اس کا ازالہ بھی نہ کرے اس کا معاملہ خطرناک ہوتا ہے۔

بعض عارفین فرماتے ہیں کہ بندے کے پاس اللہ تعالیٰ کے دو راز ہیں جو بطور الہام اس کو بتاتا ہے ایک یہ کہ جب وہ اپنی ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندے! میں نے تجھے دنیا میں پاک اور طاہر بھیجا ہے اور تیرے پاس تیری زندگی بطور امانت رکھی ہے تو میں دیکھوں گا کہ تم کس طرح اس کی حفاظت کرتے ہو اور دوسرا یہ کہ جب اس کی روح پرواز کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندے! تو نے میری امانت کی حفاظت کیسے کی ہے کیا میری اس ملاقات تک تو وعدہ پر قائم رہا تو میں بھی اپنا قول پورا کروں گا یا تو نے اسے ضائع کر دیا تو میں مطالبے اور عذاب کے ذریعے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۱۷

(۲) مسند امام احمد بن حنبل ۵ ص ۱۵۳ روایت ابو ذر

marfat.com

تجھ سے ملاقات کروں گا قرآن پاک کی اس آیت کریمہ میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اَوْفُوْا بِعَهْدِیْ اُوْفِ بِعَهْدِکُمْ۔ (۱)

تم مجھ سے کیا ہوا (اپنا) وعدہ پورا کرو میں تم سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کروں گا۔

اور اس آیت کریمہ میں بھی اسی طرح اشارہ ہے۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ۔ (۲)

اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور وعدوں کا خیال رکھتے ہیں۔

پانچویں فصل :

شرائط توبہ کے جمع ہونے پر اس کی قبولیت یقینی ہے

جب تمہیں قبولیت کا معنی معلوم ہو گیا تو اب تمہیں کسی بھی صحیح توبہ کے قبول ہونے میں شک نہیں ہونا چاہیئے جو لوگ بصیرت کے نور سے دیکھتے اور انوار قرآن سے فیضیاب ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہر سلیم دل اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوتا ہے اور قیامت کے دن اسے قربِ خداوندی کا اعزاز حاصل ہوگا وہ اس قابل ہوتا ہے کہ باقی رہنے والی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کر سکے۔

ان لوگوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ دل اپنی اصل کے اعتبار سے صحیح سالم پیدا کیا گیا ہے اور ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اس کی سلامتی گناہوں کی گرد و غبار چھا جانے سے زائل ہوتی ہے انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ندامت کی آگ اس غبار کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور نیکی کا نور دل کے چہرے سے گناہ کی تاریکی کو مٹا دیتا ہے اور یہ کہ نیکیوں کے نور کے سامنے گناہوں کے اندھیرے نہیں ٹھہرتے جیسے دن کی روشنی کے سامنے رات کے اندھیروں کا بس نہیں چلتا۔ بلکہ اس طرح سمجھو کہ صابن کی سفیدی کے مقابلے میں میل کی کدورت ٹھہر نہیں سکتی اور جس طرح بادشاہ میلے کپڑے کو اپنا لباس بنانا پسند نہیں کرتا اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی تاریک دل کو اپنے قرب کے لیے قبول نہیں کرتا اور جس طرح ادنیٰ کاموں میں کپڑے کا استعمال اسے میلا کر دیتا ہے اور اسے صابن اور گرم پانی سے صاف کیا جاتا ہے تو خواہشات کی تکمیل سے بھی دل میلا ہو جاتا ہے اور اسے آنسوؤں کے پانی اور ندامت کی حرارت کی ضرورت ہوتی ہے جس سے وہ پاک اور صاف ہوتا ہے اور ہر پاک دل اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوتا ہے جس طرح پاک کپڑا ہی پسندیدہ اور قبول ہوتا ہے لہٰذا تم پر طہارت اور پاکیزگی کا حصول لازم ہے جہاں

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ بقرہ آیت ۴۰

(۲) قرآن مجید، سورۃ مومنون آیت ۸

marfat.com

تک قبولیت کا تعلق ہے تو اس کے لیے ازلی حکم موجود ہے جسے رد نہیں کیا جا سکتا اور اسے فلاح کہا جاتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ (۱)

تحقیق اس نے کامیابی حاصل کی جس نے اسے (نفس کو) پاک کیا۔

اور جو شخص تحقیق کی بنیاد پر آنکھ کے مشاہدہ سے زیادہ مضبوط اور روشن معرفت نہیں رکھتا کہ دل گناہوں اور عبادات سے متاثر ہوتے ہیں اور یہ تاثیر ایک دوسرے کی ضد ہوتی ہے ایک کے لیے بطور مجاز اندھیرے کا لفظ استعمال ہوتا ہے جیسے جہالت کو مجازی طور پر اندھیرا کہتے ہیں اور دوسرے کے لیے لفظ نور بولا جاتا ہے جیسے علم کو مجازی طور پر نور کہا جاتا ہے اور نور اور اندھیرے کے درمیان تضاد ضروری اور واضح ہے دونوں جمع نہیں ہو سکتے کو گویا دین سے اس کا تعلق ایسا ہے جیسے چھلکا حاصل کرنے اور نام کی حد تک واسطہ ہے اور اس کا دل دین کی حقیقت سے بڑے سخت پردے میں ہے بلکہ وہ اپنے نفس کی حقیقت اور اس کی صفات سے بھی حجاب میں ہے اور جو شخص اپنے نفس سے ناواقف ہو وہ دوسروں سے بہت زیادہ لاعلم ہوتا ہے اور اس سے مراد دل ہے کیوں کہ دل کے ذریعے ہی دوسری چیزوں کا پتہ چلتا ہے تو جو شخص اپنے دل کی معرفت نہیں رکھتا اسے دوسروں کی پہچان کیسے حاصل ہوگی۔

اور جو شخص یہ وہم کرے کہ توبہ کے صحیح ہونے کے باوجود وہ قبول نہیں ہوتی تو یہ اسی طرح ہے جیسے کسی کو وہم ہو جائے کہ سورج طلوع ہوتا ہے لیکن اندھیرا دور نہیں ہوتا اور کپڑا صابن کے ساتھ دھویا جاتا ہے لیکن میل زائل نہیں ہوتی۔ ہاں جب میل تہ بہ تہ جمع ہو کر کپڑے کے اندر داخل ہو جائے تو اب اسے صابن بھی دور نہیں کر سکتا اس کی مثال یہ ہے کہ گناہ اکٹھے ہوتے ہیں اور کئی تہیں بن جاتی ہیں حتی کہ مہر لگ جاتی ہے اور دل زنگ آلود ہو جاتا ہے تو اس قسم کا دل نہ رجوع کرتا ہے اور نہ ہی توبہ۔

ہاں بعض اوقات زبان سے کہتا ہے کہ میں نے توبہ کی اور یہ ایسے ہی جیسے دھوبی اپنی زبان سے کہے کہ میں نے کپڑے کو دھویا لیکن یہ زبانی قول کپڑے کو بالکل پاک نہیں کرتا جب تک کپڑے کی اس صفت کو اس کی ضد کے ساتھ تبدیل نہ کیا جائے مگر یہ حال اصل توبہ سے باز رہنے کا ہے اور کچھ بعید بھی نہیں۔ بلکہ عام لوگ جو دنیا کی طرف متوجہ اور آخرت سے منہ پھیرنے والے ہیں ان پر یہی بات غالب ہے توبہ کی قبولیت کے سلسلے میں اربابِ بصیرت کے لیے اتنا بیان کافی ہے لیکن ہم اس کے پردوں کو آیات، احادیث اور آثار کے ذکر کے ساتھ مضبوط کرتے ہیں۔ کیوں کہ قرآن و سنت کی شہادت کے بغیر بات یقینی نہیں ہوتی۔

ارشاد خداوندی ہے:

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الشمس آیت ۹

marfat.com

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ (۱)

اور وہی (اللہ) ہے جو اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا اور گناہ معاف کرتا ہے

اور ارشاد فرمایا:

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ۔ (۲)

(وہ) گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے

اس کے علاوہ بھی آیات ہیں۔

اور یہ حدیث پیچھے گزر چکی ہے کہ بندہ اپنی گمشدہ سواری کے ملنے پر اتنا خوش نہیں ہوتا جس قدر اللہ تعالیٰ کو بندے کی توبہ پسند ہے۔ (۳)

اور خوشی (اور پسندیدگی) قبولیت کے بعد ہوتی ہے لہذا یہ حدیث قبولیت پر کچھ زیادتی کی دلیل ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَبْسُطُ یَدَہٗ بِالتَّوْبَةِ لِمُسِیْءِ اللَّیْلِ اِلَی النَّھَارِ وَلِمُسِیْءِ النَّھَارِ اِلَی اللَّیْلِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنَ الْمَغْرِبِ۔ (۴)

اللہ تعالیٰ کا دست رحمت توبہ کے ساتھ کشادہ ہوتا ہے اس کے لیے جو رات سے صبح تک اور صبح سے شام تک گناہ کرتا ہے حتی کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔

ہاتھ کا پھیلانا قبولیتِ توبہ سے کنایہ ہے اور کسی چیز کا طالب قبول کرنے والے سے بڑھ کر ہے کئی قبول کرنے والے طالب نہیں ہوتے لیکن جو طالب ہوگا وہ قبول بھی کرے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَوْ عَمِلْتُمُ الْخَطَایَا حَتّٰی تَبْلُغَ السَّمَاءَ ثُمَّ نَدِمْتُمْ لَتَابَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ۔ (۵)

اگر تم گناہوں کا ارتکاب کرو حتی کہ وہ آسمان تک پہنچ جائیں پھر تم نادم ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کرے گا۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا:

اِنَّ الْعَبْدَ لَیُذْنِبُ الذَّنْبَ فَیَدْخُلُ بِہٖ

بے شک بندہ ایک گناہ کرتا ہے پس اس کے ساتھ جنت

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ شوریٰ آیت ۲۵

(۲) قرآن مجید، سورۃ غافر آیت ۳

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۳۲ کتاب الدعوات

(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۵۸ کتاب التوبہ

(۵) سنن ابن ماجہ ص ۳۲۲، ابواب الزھد

marfat.com

الْجَنَّةَ۔ میں چلا جاتا ہے۔

عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم وہ کیسے؟ فرمایا وہ اسے پیش نظر رکھتا ہے اور توبہ کرتے ہوئے اس سے بھاگتا ہے حتی کہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَفَّارَةُ الذَّنْبِ النَّدَامَةُ۔ (۲) گناہ کا کفارہ ندامت ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ۔ گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو۔ (۳)

ایک حبشی نے عرض کیا یارسول اللہ! میں بے حیائی کے کاموں کا مرتکب ہوتا ہوں کیا میری توبہ قبول ہوگی؟ آپ نے فرمایا ہاں قبول ہوگی وہ چلا گیا اور پھر واپس آیا اور عرض کیا یارسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ مجھے گناہ کرتے ہوئے دیکھتا تھا؟ آپ نے فرمایا ہاں (یہ سن کر) اس حبشی نے ایک ایسی چیخ ماری کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔ (۴)

ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس پر لعنت فرمائی تو اس نے مہلت مانگی اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک مہلت دے دی اس نے کہا مجھے تیری عزت کی قسم جب تک انسان کے جسم میں رُوح ہے میں اس سے نہیں نکلوں گا اللہ تعالےٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! جب تک اس میں روح ہے میں اس سے توبہ کو نہیں روکوں گا۔ (۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ كَمَا يُذْهِبُ الْمَاءُ الْوَسَخَ۔ (۶) بے شک نیکیاں، برائیوں کو اس طرح زائل کرتی ہیں جیسے پانی میل کو دور کر دیتا ہے۔

اس سلسلے میں بے شمار احادیث وارد ہیں۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۴ ص ۲۱۰ حدیث ۱۰۱۸۸

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اوّل ص ۲۸۹ مرویات ابن عباس

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۳۲۲، ابواب الزھد

(۴)

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۹ مرویات ابو سعید خدری

(۶) حلیۃ الاولیاء جلد اوّل ترجمہ ۴۱ ص ۲۷۰

marfat.com

آثار :

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ،۔

فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا۔ (۱) پس بے شک وہ خوب توبہ کرنے والوں کو بخش دیتا ہے۔

اس آدمی کے حق میں نازل ہوئی جس سے گناہ سرزد ہوتا ہے پھر وہ توبہ کرتا ہے پھر گناہ کرتا ہے اور اس کے بعد پھر توبہ کرتا ہے۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

گناہ گاروں کو (اس بات کی) خوشخبری دیجئے کہ اگر وہ توبہ کریں گے تو ان سے قبول کی جائے گی اور صدیقین کو اس بات سے ڈرائیں کہ اگر میں نے عدل سے کام لیا تو ان کو عذاب دوں گا۔

حضرت طلق بن حبیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حقوق اتنے بڑے ہیں کہ بندہ ان کو ادا نہیں کر سکتا لیکن صبح و شام توبہ کیا کرو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو شخص اپنی خطا کو یاد کرے جس کا وہ مرتکب ہوا اور اس سے اس کا دل دہل جائے تو نامۂ اعمال سے وہ گناہ مٹ جاتا ہے ایک روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک نبی علیہ السلام سے کچھ لغزش ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی (فرمایا) مجھے اپنی عزت کی قسم اگر آپ نے دوبارہ یہ کام کیا تو میں عذاب دوں گا انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! تو تو ہے اور میں میں ہوں تیری عزت کی قسم اگر تو مجھے محفوظ نہیں رکھے گا تو یہ لغزش دوبارہ ہو سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا لیا۔

بعض بزرگ فرماتے ہیں بندہ گناہ کر کے اس پر مسلسل نادم رہتا ہے حتیٰ کہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے، شیطان کہتا ہے افسوس میں اسے گناہ میں مبتلا نہ کرتا۔

حضرت حبیب بن ثابت رحمہ اللہ فرماتے ہیں قیامت کے دن آدمی کے گناہ اس کے سامنے پیش کئے جائیں گے ایک گناہ سے آمنا سامنا ہو گا تو وہ کہے گا میں اسی سے ڈرتا تھا فرماتے ہیں پس اس کی بخشش ہو جائے گی۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک گناہ کے بارے میں پوچھا جس کا وہ مرتکب ہوا تھا کہ کیا اس سے توبہ ہو سکتی ہے انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا پھر اس کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں آپ نے اس سے فرمایا کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں توبہ کے دروازے کے علاوہ باقی تمام کھلتے اور بند ہوتے ہیں۔ اس (توبہ کے دروازے) پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو اسے بند نہیں کرتا پس تو عمل کر اور مایوس نہ ہو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اسراء آیت ۲۵

marfat.com

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوالقاسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم نے حضرت ابراہیم رحمہ اللہ سے کافر کی توبہ اور اس آیت کریمہ کے بارے میں گفتگو کی۔

اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۔ (۱) اگر وہ باز آجائیں تو گذشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

تو انہوں نے فرمایا مجھے امید ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے ہاں اچھے حال میں ہوگا اور مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ مسلمان کی توبہ گویا اسلام کے بعد اسلام لانا ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تم سے جو بات بھی بیان کروں گا وہ کسی بھیجے ہوئے نبی یا اتاری گئی کتاب سے بیان کروں گا بے شک بندہ جب گناہ کا مرتکب ہوتا ہے پھر پلک جھپکنے کے برابر بھی نادم ہو تو پلک جھپکنے سے بھی جلدی وہ گناہ زائل ہو جاتا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا توبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھا کرو کیونکہ ان کے دل بہت نرم ہوتے ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں مجھے معلوم ہے کہ کب اللہ تعالیٰ میری بخشش فرمائے گا پوچھا گیا کب؟ فرمایا جب میری توبہ قبول فرمائے گا ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں مجھے مغفرت سے محرومی کا اتنا خوف نہیں جتنا توبہ کی محرومی سے ڈرتا ہوں یعنی مغفرت تو توبہ کے لوازمات اور اس کے پیچھے آنے والی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نوجوان تھا اس نے بیس سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی پھر بیس سال اس کی نافرمانی کی اس کے بعد شیشے میں دیکھا تو داڑھی میں سفید بال آگئے تھے اسے برا معلوم ہوا تو بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ میں نے بیس سال تیری عبادت کی پھر بیس سال تیری نافرمانی کی اگر میں تیری طرف رجوع کروں تو میری توبہ قبول کرے گا! تو اس نے ایک کہنے والے کو سنا وہ کہہ رہا تھا لیکن دکھائی نہیں دیتا ہے کہ تو نے ہم سے دوستی کی تو ہم نے بھی تم سے محبت کی اور تم نے ہمیں چھوڑا تو ہم نے تمہیں چھوڑ دیا تم نے ہماری نافرمانی کی تو ہم نے تمہیں مہلت دی اب اگر تو ہماری طرف رجوع کرے گا تو ہم تجھ سے قبول کریں گے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جنہوں نے گناہوں کے درخت اس طرح لگائے ہیں جیسے دلوں میں جان ہوتی ہے ان کو توبہ کا پانی دیا تو ان پر ندامت اور غم کا پھل لگا تو وہ جنون کے بغیر ہی مجنون بن گئے اور عاجزی اور گونگے پن کے بغیر ہی وہ غبی بن گئے لیکن وہ بلیغ و فصیح ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت رکھتے ہیں پھر انہوں نے جام صفا نوش کیا تو طویل آزمائش پر صبر کرتے رہے پھر ان کے دل عالم ملکوت کے مشتاق ہوئے اور پردہ ہائے جبروت کے خفیہ امور میں غور و فکر کرنے لگے اور انہوں نے ندامت کے سائبان کے سائے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ انفال آیت ۳۸

marfat.com

میں بیٹھ کر گناہوں کا صحیفہ پڑھنا شروع کیا تو ان کے نفسوں پر جزع فزع طاری ہو گیا حتیٰ کہ وہ تقویٰ کی سیڑھی کے ذریعے زُہد کے بلند مقام تک پہنچ گئے، ان کو ترکِ دین کی کڑواہٹ میٹھی اور بستر کی سختی نرمی معلوم ہونے لگی حتیٰ کہ وہ نجات اور سلامتی کی رسی کے ساتھ کامیاب ہوئے ان کی رُوحیں اپنی خوراک حاصل کرتی کرتی نعمتوں کے باغوں میں چلی گئیں انہوں نے زندگی کے سمندر میں غوطہ لگایا، جزع فزع کی خندقوں اور خواہشات کے پُلوں کو پار کر گئے حتیٰ کہ وہ علم کے صحن میں اتر گئے اور حکمت کے تالاب سے پانی پیا، پھر ہوشیاری کی کشتی میں سوار ہوئے اور سلامتی کے سمندر سے نفع حاصل کیا یہاں تک کہ راحت کے باغوں اور عزت و کرامت کی کان تک پہنچ گئے ـــــ اس بات کے لیے اتنا بیان کافی ہے کہ توبہ بہر حال صحیح اور مقبول ہوتی ہے۔

سوال :

کیا آپ بھی معتزلہ کی طرح یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر توبہ کا قبول کرنا واجب ہے۔

جواب :

جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اس سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توبہ کا قبول کرنا واجب ہے بلکہ وہی مراد ہے جو کہا جاتا ہے کہ کپڑا جب صابن سے دھویا جائے تو میل کا دُور ہونا لازمی ہے اور پیاسا جب پانی پیئے تو پیاس کا زائل ہونا ضروری ہے اور جب ایک مدت تک پانی نہ ملے تو پیاس واجب ہو جاتی ہے اور جب مسلسل پیاسا رہے تو موت واجب ہوتی ہے اور ان تمام باتوں سے وہ بات مراد نہیں ہے جو معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر یہ کام واجب ہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے عبادت کو گناہوں کے کفارے کے طور پر پیدا فرمایا ہے اور نیکی کو برائی کے مٹانے کے لیے تخلیق فرمایا جیسا کہ پانی کو پیاس بجھانے کے لیے پیدا کیا اور اس کی قدرت میں اس کے خلاف کی بھی گنجائش ہے اگر اس کی مشیئت کا تقاضا ہو۔ پس اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی واجب نہیں ہے لیکن جس کام کے لیے اس کا ازلی ارادہ ہو چکا ہے وہ کام لازماً ہو گا۔

سوال :

ہر توبہ کرنے والے کو اپنی توبہ کی قبولیت میں شک ہوتا ہے جب کہ پانی پینے والے کو پیاس کے بجھنے میں شک نہیں ہوتا تو توبہ کی قبولیت میں شک کیوں ہوتا ہے؟

جواب :

اس کا قبولیت میں شک اسی طرح ہے جیسے شرائطِ صحت کے وجود میں شک ہوتا ہے کیونکہ توبہ کے ارکان اور شرائط بہت باریک ہیں جیسا کہ آگے آ رہا ہے اور عام طور پر تمام شرائط پائی نہیں جاتیں جیسے ایک شخص اسہال کی دوائی پیتا ہے لیکن اسے شک ہوتا ہے کہ معلوم اس سے اسہال ہوں گے یا نہیں؟ اور یہ شک دوائی میں اسہال کی شرائط کے حصول کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس کی وجہ حال، وقت، دوائی کی ترکیب اور اس کے اجزا کے کھرا ہونے میں شک ہے تو اس قسم کی مثالیں توبہ کے پائے جانے کے بعد خوف کا موجب ہوتی ہیں اور اس کی یقینی قبولیت میں شک پیدا کرتی ہیں

جیسا کہ شرائط کے بیان میں ذکر کیا جائے گا۔

دوسرا رکن :

کس سے توبہ؟

اور یہ صغیرہ وکبیرہ گناہ ہیں ـــــ جاننا چاہیے کہ توبہ گناہ کو چھوڑنے کا نام ہے اور کسی چیز کو اسی وقت چھوڑا جا سکتا ہے جب اس کی معرفت حاصل ہو اور جب توبہ واجب ہے تو جس عمل کے ذریعے اس تک رسائی ہوتی ہے وہ بھی واجب ہوگا لہٰذا گناہ کی پہچان ضروری ہے اور گناہ ہر اس کام کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہو چاہے وہ مخالفت عمل کو چھوڑنے کی صورت میں ہو یا کرنے کے اعتبار سے۔ اس کی تفصیل امور تکلیفیہ کی اول سے آخر تک تشریح کا تقاضا کرتی ہے اور یہ ہماری غرض نہیں ہے بلکہ ہم اجمالی طور پر گناہوں اور ان کی اقسام کا ذکر کریں گے۔

پہلی فصل :

بندوں کی صفات کے اعتبار سے گناہوں کی اقسام

جان لو! بندے کے اوصاف واخلاق بہت زیادہ ہیں جیسا کہ اس کی تشریح قلبی عجائب اور مہلکات کے سلسلے میں معلوم ہو چکی ہے لیکن گناہ کے مراکز اور چشمے چار صفات میں بند ہیں صفاتِ ربوبیت، شیطانی صفات، بہیمی صفات اور سبعی (درندوں کی) صفات کیوں کہ انسان کا خمیر مختلف آمیزشوں سے تیار کیا گیا ہے تو اس معجون میں سے ہر جز ایک اثر کا تقاضا کرتی ہے جیسے سکنجبین میں شکر، سرکہ اور زعفران کا الگ الگ اثر ہوتا ہے۔

صفتِ ربوبیت کا تقاضا تکبر، فخر، جبر، مدح وثناء عزت اور مالداری اور ہمیشہ رہنے کی چاہت، تمام لوگوں سے بلندی کی خواہش ہے، گویا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں تم سب کا بلند ترین رب ہوں اس سے کبیرہ گناہ پھوٹتے ہیں جن سے لوگ غافل ہیں اور وہ ان کو گناہ شمار نہیں کرتے یہ بہت بڑے ہلاکت خیز امور میں جو تمام گناہوں کی اصل جیسے ہیں جیسا کہ ہم نے مہلکات کے بیان میں ذکر کیا ہے۔

دوسری شیطانی صفت ہے جس سے حسد، سرکشی، بہانہ بازی، مکر وفریب اور فساد نیز برائی کا حکم دینا ہے اس میں کھوٹا پن، منافقت نیز بدعات اور گمراہی کی طرف دعوت دینا بھی شامل ہے۔

تیسری صفت، صفت بہیمیہ یعنی جانوروں والی صفت ہے جس سے حرص، پیٹ اور شرمگاہ کی خواہشات کو پورا کرنا ہے اسی سے زنا، لواطت، چوری، یتیموں کا مال کھانا اور خواہشات کے لئے مال ومتاع جمع کرنا ہے۔

چوتھی صفت، صفت سبعیہ (درندوں والی صفت) ہے اس سے غصہ، کینہ، لوگوں کو مارنا پیٹنا، قتل کرنا، لوگوں کے مال ضائع کرنا ہے اور اس سے کئی گناہ پیدا ہوتے ہیں۔

marfat.com

فطرت میں یہ صفات تدریجاً آتی ہیں سب سے پہلے جانوروں والی صفت غالب آتی ہے اس کے بعد درندوں والی صفت آتی ہے پھر جب دونوں جمع ہو جاتی ہیں تو دھوکہ بازی کے لیے عقل کو استعمال کرتی ہیں نیز مکر و فریب اور حیلے بہانے کی ترغیب دیتی ہیں اور یہ شیطانی صفت ہے پھر آخر میں صفت ربوبیت غالب آتی ہے اور وہ فخر، غلبہ، بلندی، بڑائی کی طلب اور تمام مخلوق پر غالب آنے کا قصد ہے۔

توبہ صفات گناہ کی جڑیں اور چشمے ہیں پھر ان سے اعضا پر گناہ پھوٹتے ہیں ان میں سے بعض کا تعلق صرف دل سے ہے جیسے کفر، بدعت، منافقت اور لوگوں کے بارے میں بری سوچ، بعض آنکھ اور کان سے متعلق ہیں، بعض زبان پر جاری ہوتے ہیں اور بعض پیٹ اور شرمگاہ سے تعلق رکھتے ہیں کچھ گناہ ہاتھوں اور پاؤں سے سرزد ہوتے ہیں اور بعض کا تعلق تمام بدن سے ہے اور ان کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ واضح ہیں۔

دوسری تقسیم:

جان لو! گناہ یا تو بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتے ہیں یا حقوق العباد سے متعلق ہوتے ہیں جو گناہ خاص ایک بندے سے متعلق ہیں وہ نماز، روزے اور خاص اس سے متعلق واجبات کو چھوڑنا ہے اور جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں وہ زکوٰۃ نہ دینا، کسی کو قتل کر دینا، لوگوں کا مال غصب کرنا اور ان کی عزت کے درپے ہونا ہے دوسرے کا جو حق بھی لیا جائے گا وہ اس کی ذات سے متعلق ہوگا یا کسی عضو سے یا مال سے یا عزت سے اس کا تعلق ہوگا یا دین اور جاہ و مرتبے سے متعلق ہوگا۔ دین لینے کی صورت یہ ہے کہ اسے گمراہ کرے اور بدعت کی طرف بلائے نیز گناہوں کی ترغیب دے اور اللہ تعالیٰ پر امید کی جانب کو ترجیح دیتے ہیں۔

بندوں کے حقوق سے متعلق گناہ زیادہ سخت ہیں اور جو بندے اور اس کے رب کے درمیان نہیں اگر وہ گناہ شرک سے متعلق نہ ہو تو اس میں معافی کی زیادہ امید ہوتی ہے حدیث شریف میں آیا ہے۔

الدَّوَاوِيْنُ ثَلَاثَةٌ دِيْوَانٌ يُغْفَرُ وَ دِيْوَانٌ لَا يُغْفَرُ وَدِيْوَانٌ لَا يُتْرَكُ فَالدِّيْوَانُ الَّذِيْ يُغْفَرُ ذُنُوْبُ الْعِبَادِ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاَمَّا الدِّيْوَانُ الَّذِيْ لَا يُغْفَرُ فَالشِّرْكُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى وَاَمَّا الدِّيْوَانُ الَّذِيْ لَا يُتْرَكُ فَمَظَالِمُ الْعِبَادِ۔ (۱)

دیوان (نامۂ اعمال) تین قسم کے ہیں ایک وہ دیوان ہے جس کی بخشش ہو جائے گی، دوسرا وہ دیوان ہے جس کی بخشش نہیں ہوتی اور تیسرا دیوان وہ ہے جیسے (حساب کے بغیر) چھوڑا نہیں جائے گا جو دیوان بخش دیا جائے گا وہ بندوں کے وہ گناہ ہیں جو حقوق اللہ سے متعلق ہیں اور جس دیوان کی بخشش نہیں ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے اور جس دیوان کو چھوڑا نہیں جائے گا وہ بندوں کے حقوق ہیں۔

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۵، ۵ کتاب الاہوال

marfat.com

یعنی ان کا مطالبہ ضرور ہوگا۔ حتیٰ کہ اسے معاف کیا جائے۔

تیسری تقسیم:

گناہ صغیرہ بھی ہوتے ہیں اور کبیرہ بھی اس سلسلے میں لوگوں کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں صغیرہ اور کبیرہ کی تقسیم صحیح نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی جو بھی مخالفت ہے وہ کبیرہ گناہ ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے۔

کیوں کہ ارشاد خداوندی ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا۔ (۱)

اور اگر ان کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تم کو روکا جاتا ہے تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت والی جگہ میں داخل کریں گے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبَآئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ۔ (۲)

وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں مگر جو شاذ و نادر ہو جائے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ اِلَى الْجُمُعَةِ يُكَفِّرْنَ مَا بَيْنَهُنَّ اِنِ اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ۔ (۳)

پانچ نمازیں اور جمعہ دوسرے جمعہ تک درمیان والے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں اگر کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔

دوسری حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ اِلَّا الْكَبَائِرَ۔ (۴)

اس دوران کبیرہ گناہوں کے علاوہ جو گناہ سرزد ہوں ان کے لیے (یہ نمازیں) کفارہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْكَبَائِرُ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ

کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، ماں باپ کی

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ نساء آیت ۳۱

(۲) قرآن مجید، سورۃ النجم آیت ۳۲

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۲۲ کتاب الطہارۃ

(۴) " " " "

marfat.com

وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِيْنُ الْغَمُوْسُ۔ (۱) نافرمانی کرنا کسی کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم ہے

کبیرہ گناہوں کی تعداد کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف ہے چار، سات گیارہ اور اس سے بھی زیادہ تعداد بیان ہوئی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں گناہ کبیرہ چار ہیں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سات ہیں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نو ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سات کا قول کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا ستر کہنا زیادہ مناسب ہے بھی آپ فرماتے جس کام سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس کا ارتکاب گناہِ کبیرہ ہے کچھ حضرات نے فرمایا کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے ڈرایا ہے وہ کبیرہ گناہ ہے بعض بزرگوں کا قول ہے کہ دنیا میں جس گناہ کی سزا مقرر ہے وہ کبیرہ ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں ابہام ہے ان کی تعداد معلوم نہیں جیسے لیلۃ القدر اور جمعۃ المبارک کے دن قبولیتِ دعا کی گھڑی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا سورۂ نساء کے شروع سے پڑھنا شروع کرو یہاں تک کہ تیس نمبر آیت میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی تک پہنچو۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ۔ (۲) اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تمہارے صغیرہ گناہ مٹا دیں گے۔

تو اس سورت میں اس مقام تک جن جن کاموں سے منع کیا گیا ہے وہ سب کبیرہ گناہ ہیں حضرت ابوطالب مکی فرماتے ہیں کبیرہ گناہ ستر ہیں میں نے ان کو مختلف احادیث اور حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کے اقوال سے جمع کیا ہے ان میں سے چار کا تعلق دل سے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، گناہ پر اصرار کرنا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا اور ناپسندیدہ بات کے پہنچنے سے بے خوف ہونا ہے چار زبان سے متعلق ہیں جھوٹی گواہی دینا، کسی پاکدامن پر زنا کا الزام لگانا، جھوٹی قسم اٹھانا اور یہ، وہ ہے جس سے کسی باطل کو حق یا حق کو باطل قرار دیا جاتا ہے بعض نے کہا اس سے وہ قسم مراد ہے جس کے ذریعے کسی مسلمان کا مال ناحق طریقے پر لیا جاتا ہے اگرچہ پیلو کی مسواک ہی کیوں نہ ہو اس قسم کو یمین غموس کہا جاتا ہے کیونکہ قسم اٹھانے والا جہنم میں غوطہ زنی کرتا ہے اور چوتھی بات جادو ہے اور یہ ہے اس کلام کا نام ہے جو انسان اور اس کے اجزا کو اس کی اصلی تخلیق سے بدل دے۔

تین گناہوں کا تعلق پیٹ سے ہے اور یہ شراب نوشی اور ہر نشے والی چیز پینا، یتیم کا مال ظلم کے طریقے پر کھانا جان اور بوجھ کر سود کھانا۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۱۵ کتاب الدیات

(۲) قرآن مجید، سورہ نساء آیت ۳۱

marfat.com

دو گناہ شرمگاہ سے تعلق رکھتے ہیں زنا اور غیر فطری فعل، دو گناہ ہاتھوں سے متعلق ہیں اور وہ قتل اور چوری کرنا ہے ایک پاؤں سے تعلق رکھتا ہے اور وہ میدان جنگ سے بھاگنا ہے اس طرح کہ ایک دو کے مقابلے سے اور دس بیس کے مقابلے سے بھاگ جائیں ایک گناہ کا تعلق پورے جسم سے ہے اور وہ ماں باپ کی نافرمانی ہے یعنی ماں باپ کی نافرمانی کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی حق کے بارے میں اس پر قسم کھائیں تو وہ ان کی قسم کو پورا نہ کرے اور اگر اس سے کسی حاجت کا سوال کریں تو وہ پورا نہ کرے اگر وہ اسے برا کہیں تو وہ ان کو مارے وہ بھوکے ہوں تو ان کو کھانا نہ دے (۱)

یہ قول اگرچہ (مقصد کے) قریب ہے لیکن اس سے بھی پوری طرح تسلی نہیں ہوتی کیونکہ اس میں کمی زیادتی ممکن ہے کیونکہ انہوں نے سود خوری اور یتیم کا مال کھانے کو کبیرہ گناہوں میں شامل کیا ہے اور گناہ مال سے متعلق ہیں اور جسمانی کبیرہ گناہوں میں صرف قتل کا ذکر کیا ہے، کسی کی آنکھ پھوڑ دینا اور ہاتھ کاٹ دینا نیز اس قسم کی دیگر تکالیف جو مسلمانوں کو پہنچائی جاتی ہیں اور انہیں مارا پیٹا جاتا ہے اور طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی ہے ان کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ یتیم کو مارنا اور اس کو اذیت پہنچانا، نیز اس کے اعضاء کاٹنا اس کا مال کھانے سے بڑا گناہ ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

مِنَ الْكَبَائِرِ الشَّتْمَتَانِ بِالسَّبَّةِ وَمِنَ الْكَبَائِرِ	ایک گالی کے مقابلے میں دو گالیاں دینا بھی کبیرہ گناہوں
اِسْتِطَالَةُ الرَّجُلِ فِيْ عِرْضِ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ (۲)	میں شامل ہے اور کسی شخص کا اپنے مسلمانوں بھائی کی عزت کے سلسلے میں دست درازی کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔

حضرت ابو سعید خدری اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں۔
تم کچھ ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نگاہ میں بال سے بھی زیادہ باریک ہیں حالانکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں ہم ان کو کبیرہ گناہوں میں شمار کرتے تھے۔ (۳)

---

(۱) حوالہ جات

(۱) صحیح بخاری جلد دوم ص ۱۰۱۵ کتاب الایمان
(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۸۸ کتاب الوصایا
(۳) صحیح بخاری جلد دوم ص ۸۸۴ کتاب الادب
(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۸۰ کتاب الادب
(۵) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۱ ص ۱۶۴ حدیث ۱۱۳، ۲
(۶) مجمع الزوائد جلد اول ص ۱۰۴ کتاب الایمان
(۷) ایضاً ص ۱۰۵
(۸) ایضاً ص ۱۰۴
(۹) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۷، ۲۲ حدیث ۲۹۳۵۵
(۱۰) ایضاً جلد ۶ ص ۱۹۶ حدیث ۱۵۳۲۶
(۱۱) مجمع الزوائد جلد اول ص ۲۰۷ کتاب الطہارۃ
(۱۲) شعب الایمان جلد ۲ ص ۲۰ حدیث ۱۰۵۰
(۱۳) الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ص ۳۱۱ حدیث ۸۰۵
(۱۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۹، ۵ روایت عبادہ بن قرط

marfat.com

ایک جماعت کہتی ہے کہ ہر وہ گناہ جسے جان بوجھ کر کیا جائے وہ بھی کبیرہ گناہ ہے اور جس کام سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا وہ بھی کبیرہ گناہ ہے۔

پتہ کیسے چلے؟

چوری کے کبیرہ گناہ ہونے اور نہ ہونے کا پتہ اس وقت تک نہیں چل سکتا جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ کبیرہ گناہ کیا ہوتا ہے؟ اور اس سے کیا مراد ہے جیسے ایک شخص کہتا ہے کہ چوری حرام ہے یا نہیں؟ تو جب تک حرام کا معنیٰ معلوم نہ ہو اس پر کوئی حکم نہیں لگا سکتے۔ پھر ہم بحث کریں گے کہ آیا یہ معنیٰ چوری میں پایا جاتا ہے؟

تو کبیرہ گناہ اپنے لفظ کے اعتبار سے مبہم ہے لغت اور شرع میں اس کا کوئی خاص موضوع نہیں ہے کیوں کہ صغیرہ اور کبیرہ دونوں اضافی ہیں کیونکہ ہر گناہ اپنے سے کم تر گناہ کے مقابلے میں کبیرہ ہے اور اپنے سے اوپر والے گناہ کے مقابلے میں صغیرہ ہے کسی غیر عورت کے ساتھ لیٹنا اس کی طرف دیکھنے کے مقابلے میں کبیرہ گناہ ہے لیکن زنا کے مقابلے میں صغیرہ ہے کسی مسلمان کا ہاتھ کاٹنا اسے مارنے کی نسبت گناہ کبیرہ ہے لیکن اسے قتل کرنے کی نسبت صغیرہ ہے۔

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کہا جائے جن گناہوں پر جہنم میں جانے سے ڈرایا گیا ہے ان کو کبیرہ کہا جائے مطلب یہ ہوگا کہ ہم ان گناہوں کو اس لیے کبیرہ کہتے ہیں کہ آگ کا عذاب بہت بڑا ہے۔

یہ بھی اصطلاح بنائی جا سکتی ہے کہ جن گناہوں پر سزا مقرر ہے وہ کبیرہ ہیں کیوں کہ جو سزا دینا میں بطور وجوب ملتی ہے وہ بہت سزا ہے یہ اصطلاح بھی ہو سکتی ہے کہ کتاب اللہ میں جن گناہوں کو واضح طور پر منع کیا گیا ہے وہ کبیرہ ہیں تو یوں کہا جائے گا کہ قرآن پاک میں ان کے ذکر کی تخصیص ان گناہوں کے بڑا ہونے کی دلیل ہے پھر بھی ان کا کبیرہ و عظیم ہونا لامحالہ اضافی ہوگا کیوں کہ قرآن پاک میں جو کچھ مذکور ہے اس میں بھی درجات کا فرق ہے۔

تو ان اصطلاحات میں کوئی حرج نہیں ہے اور صحابہ کرام سے جو الفاظ منقول ہیں وہ ان سب میں آجاتے ہیں اور ان کو ان میں سے کسی بھی احتمال پر اتارنا عقل سے بعید نہیں ہے ہاں یہ بات اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مفہوم معلوم کیا جائے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ۔ (۱)

اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تم سے تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو مٹا دیں گے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلصَّلَوٰتِ كَفَّارَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ اِلَّا الْكَبَآئِرَ۔

نمازیں درمیان والے گناہوں کے لیے کفارہ ہیں سوائے کبیرہ گناہوں کے۔

(حوالہ گزر چکا ہے)

---

(۱) قرآن مجید سورۃ نساء آیت ۳۱

marfat.com

تو یہ کبیرہ گناہوں کو ثابت کرتا ہے۔

اس سلسلے میں حق یہ ہے کہ شریعت کی نظر میں گناہ تین قسموں میں منقسم ہیں ایک وہ جن کا کبیرہ ہونا معلوم ہے دوسرے وہ جن کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ صغیرہ گناہوں میں شمار ہوتے ہیں اور تیسری قسم ان گناہوں کی ہے جن میں شک ہے ان کا حکم معلوم نہیں ہے تو ایسے گناہوں کی جامع مانع تعریف جاننے کے لیے طلب ایک ناممکن بات کی تلاش ہے یہ تو صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت کے ذریعے ہی معلوم ہو سکتی ہے یعنی آپ نے فرمایا ہوتا کہ کبیرہ گناہوں سے میری مراد دس یا پانچ گناہ ہیں اور آپ ان کی تفصیل بھی بیان کر دیتے لیکن اس طرح نہیں آیا بلکہ بعض روایات میں ہے کہ تین گناہ کبیرہ ہیں (۱) بعض میں ہے کہ سات گناہ کبیرہ گناہ ہیں (۲) پھر یہ بھی آیا کہ ایک گالی کے مقابلے میں دو گالیاں دینا گناہ کبیرہ ہے اور وہ ان سات اور تین سے خارج ہے تو معلوم ہوا کہ آپ کی مراد کوئی خاص عدد نہیں ہے تو جس چیز کی تعداد شریعت نے بیان نہیں کی اس کی تعداد کے لیے طمع کیسے کی جا سکتی ہے یا یہ کہ شریعت کا مقصود اسے مبہم چھوڑنا ہے تاکہ لوگ خوف زدہ رہیں جیسا کہ لیلۃ القدر کو مبہم رکھا تاکہ اس کی طلب میں لوگ خوب کوشش کریں۔

ہاں ہمارے لیے ایک راستہ ہے جس کے ذریعے کبیرہ گناہوں کی جنس اور انواع کی پہچان حاصل کر سکتے ہیں اور یہ پہچان حقیقی ہوگی۔ لیکن ان کے افراد کی پہچان محض گمان اور اندازے سے ہی ہو سکتی ہے اور ہم سب سے بڑے گناہ کو جلی معلوم کر سکتے ہیں لیکن سب سے چھوٹے گناہ کی معرفت کے لیے کوئی راستہ نہیں ہے۔

اس کا بیان یوں ہے کہ ہمیں شرعی دلائل اور انوار بصیرت دونوں کے ذریعے معلوم ہے کہ تمام شریعتوں کا مقصود مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے قرب سے بہرہ ور کرنا اور اس کی ملاقات کی سعادت کا حصول ہے اور اس مقصد تک پہنچنے کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات، اس کی کتب اور اس کے رسولوں کی معرفت ضروری ہے۔ اور اسی طرف اس ارشاد خداوندی میں اشارہ ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ - (۳)

اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

یعنی اس لیے پیدا کیا کہ وہ صرف میرے بندے بنیں اور بندہ اس وقت تک بندہ بن نہیں سکتا جب تک اسے اپنے رب کی ربوبیت اور اپنی بندگی کی پہچان نہ ہو اور ضروری ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے رب کو پہچانے انبیاء کرام کی بعثت کی

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۸۴، کتاب الادب

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۷، ص ۴۸ حدیث ۱۰۲

(۳) قرآن مجید سورۃ الذاریات : آیت ۵۶

marfat.com

غایت بھی یہی تھی لیکن یہ مقصد یہ صرف دینوی زندگی سے ہی پورا ہو سکتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا بھی یہی مقصد ہے۔

آپ نے فرمایا،

اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ (۱) دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

تو دین کے تابع کرتے ہوئے دنیا کی حفاظت بھی مقصود بن گئی کیوں کہ اس کا وسیلہ ہے اور دنیا میں سے آخرت کے ساتھ دو چیزیں متعلق ہیں ایک جان اور دوسرا مال، اور ہر وہ عمل جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کا دروازہ بند کر دے وہ سب سے بڑا گناہ ہے اور اس کے بعد وہ جو انسانی زندگی میں خلل انداز ہو اور اس سے کم وہ جو انسانی معیشت کا راستہ مسدود کر دے جس سے انسانی زندگی متعلق ہوتی ہے تو یہ تین مرتبے ہیں (اللہ تعالیٰ کی معرفت میں رکاوٹ، حیات انسانی میں رکاوٹ اور معیشت میں رکاوٹ) دلوں میں معرفت، بدن میں حیات اور لوگوں پہ مال کی حفاظت ضروری ہے اور تمام شریعت میں مقصود ہے اور ان تین باتوں میں مختلف ادیان اور ملتوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی کو بھیجے اور اس کی بعثت سے مخلوق کی دینی و دینوی اصلاح کا ارادہ فرمائے پھر ان کو اس بات کا حکم دے جو ان کو اس کی معرفت اور اس کے رسولوں کی معرفت سے روک دے یا ان کو جان و مال ہلاک کرنے کا حکم دے تو اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ گناہ کبیرہ کے تین مراتب ہیں۔

پہلا مرتبہ:

وہ گناہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی معرفت میں رکاوٹ ہو اور یہ کفر ہے اور اس سے بڑا گناہ کوئی نہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان حجاب ہی جہالت ہے اور اس کے قرب کا وسیلہ علم و معرفت ہے اور اس کا قرب و بُعد، معرفت اور جہالت کے اندازے پر ہوتا ہے اور وہ جہالت جو کفر ہے اس کے قریب قریب گناہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوفی اور اس کی رحمت سے ناامیدی ہے کیونکہ یہ بھی بعینہٖ جہالت ہے اس لیے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اس سے اس بات کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ بے خوف یا ناامید ہوگا۔

اس سے نچلے درجے میں وہ تمام بدعات ہیں جو اللہ تعالیٰ ذات، اس کی صفات اور اس کے افعال سے متعلق ہیں اور ان میں سے بعض دوسری بعض کے مقابلے میں زیادہ سخت ہیں اور جس قدر ان سے لاعلمی میں فرق ہے اسی قدر ان میں بھی فرق ہے اسی طرح جس قدر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے افعال، شریعتوں اور اوامر و نواہی سے تعلق ہے اسی مناسبت سے ان بدعات کے درمیان فرق ہوگا اور ان کے مراتب بے شمار ہیں قرآن پاک میں مذکورہ کبائر میں داخل ہونے کے

---

(۱) الاسرار المرفوعۃ ص ۱۲۲ حدیث ۲۷۲

marfat.com

اعتبار سے ان کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جن کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ ان کبائر کے ذکر میں شامل ہیں جو قرآن پاک میں مذکور ہیں دوسری وہ جن کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ وہ داخل نہیں ہیں اور تیسری وہ جن کے بارے میں شک ہے اور اس شک کے ازالے کی طمع سعی لا حاصل ہے۔

دوسرا مرتبہ:

انسانی جانیں ہیں کیونکہ ان کے باقی رہنے اور ان کی حفاظت کے ذریعے زندگی کو دوام حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے تو کسی نفس کا قتل یقیناً کبیرہ گناہوں میں سے ہے اگرچہ کفر سے کم درجہ میں ہے کیوں کہ اس کے ذریعے مقصود کا وسیلہ ختم ہو جاتا ہے اس لیے کہ دنیوی زندگی سے آخرت کا ارادہ کیا جاتا ہے اور اس تک پہنچا اللہ تعالیٰ کی معرفت سے ہوتا ہے پھر اس کبیرہ گناہ سے اعضاء کا کاٹنا متصل ہوتا ہے اور ہر وہ کام جو ہلاکت تک پہنچائے حتیٰ کہ مارنا بھی اس میں شامل ہے ان میں سے بعض گناہ دوسرے بعض کے مقابلے میں زیادہ بڑے ہیں اور اس درجہ میں زنا اور غیر فطری فعل کی حرمت بھی آتی ہے کیونکہ اگر لوگ صرف مردوں سے خواہشات کی تکمیل پر متفق ہو جائیں تو نسلِ انسانی منقطع ہو جائے اور موجود کو ختم کرنا وجود کے خاتمے کے قریب قریب ہے۔

زنا اصل وجود کو ختم نہیں کرتا لیکن نسب کو خراب کرتا ہے اور باہمی وراثت اور مدد بلکہ ان تمام امور کو باطل کر دیتا ہے جن کے بغیر زندگی کا نظام درست نہیں ہو سکتا بلکہ زنا کے جواز کی صورت میں یہ نظام کیسے پایۂ تکمیل کو پہنچے گا حالانکہ جانوروں کے معاملات کا انتظام نہیں ہو سکتا جب تک ان میں سے خاص مادہ کے لیے خاص نر کا امتیاز نہ کیا جائے یہی وجہ ہے کہ شریعت میں زنا کے جواز کا تصور بھی نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس (شریعت) کا مقصد اصلاح ہے اور مناسب یہ ہے کہ زنا کا درجہ قتل کے بعد ہو کیونکہ اس سے وجود کا دوام ختم نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ اس کی اصل میں رکاوٹ بنتا ہے بلکہ نسبوں کے درمیان امتیاز ختم ہو جاتا ہے اور یہ ان اسباب کو حرکت دیتا ہے جو قریب ہے کہ باہمی لڑائی تک پہنچا دیں۔

اور مناسب ہے کہ غیر فطری فعل کے مقابلے میں یہ زیادہ سخت گناہ ہو کیونکہ دونوں طرف سے شہوت اس عمل کی داعی ہوتی ہے اس لیے یہ زیادہ واقع ہوتا ہے اور اس کی کثرت کی وجہ سے اس کے نقصان کا اثر بھی زیادہ ہوتا ہے۔

تیسرا مرتبہ:

مال ہیں کیونکہ ان سے لوگوں کا گزر اوقات ہوتا ہے لہٰذا لوگوں کو اس کے حصول کی کھلی چھٹی نہیں دی جا سکتی کہ جیسے چاہیں حاصل کریں غنڈہ گردی سے یا چوری کے ذریعے یا کسی دوسرے ناجائز طریقے سے لیں بلکہ مال کی حفاظت ضروری ہے کیوں کہ اس کے ذریعے انسانی جانیں باقی رہتی ہیں لیکن مال لیا جائے تو اس کی واپسی بھی ممکن ہے اور اگر کھا لیا تو اس کا تاوان دیا جا سکتا ہے لہٰذا اس کا معاملہ اتنا بڑا نہیں ہے ہاں جب اس طریقے پر لیا ہو کہ اس کا تدارک مشکل ہو تو اب یہ گناہ کبیرہ میں سے ہونا چاہیے اور اس کے چار طریقے ہیں۔

marfat.com

(۱) خفیہ طریقے پر لینا جیسے چوری ہے کیوں کہ جب مالک کو اس کی اطلاع نہیں تو تدارک کیسے ہوگا۔
(۲) یتیم کا مال کھانا یہ بھی خفیہ طریقہ ہے یعنی اس کے ولی اور سرپرست کے حوالے سے خفیہ ہے کیونکہ ان کے پاس یہ مال امانت ہوتا ہے اور اب دعویٰ کرنے والا صرف وہ یتیم ہی ہوتا ہے اور وہ چھوٹا ہے اسے کوئی سمجھ نہیں ہے لہذا یہ بہت بڑا معاملہ ہے بخلاف کسی کا مال چھیننے کے کیوں کہ یہ ظاہر ہے اور اس کی پہچان ہو جاتی ہے اسی طرح کسی نے امانت رکھی ہو تو اس میں خیانت کی صورت میں امانت رکھنے والا دعویٰ دار ہے جو اپنے لیے انصاف کا طالب ہے۔
(۳) جھوٹی گواہی کے ذریعے کسی کے مال کو نقصان پہنچانا۔
(۴) جھوٹی قسم کے ذریعے امانت وغیرہ لینا۔

یہ وہ طریقے ہیں جن کا تدارک ممکن نہیں ہے اور نہ ان کے حرام ہونے میں شریعتوں کا اختلاف ہے البتہ ان میں سے بعض دوسری بعض کے مقابلے میں زیادہ سخت ہیں لیکن یہ تمام، دوسرے مرتبہ سے نچلے درجے میں ہیں کیوں کہ وہ جانوں سے متعلق ہے۔

ان چاروں کو گناہ کبیرہ میں شمار کرنا چاہیے اگرچہ ان میں سے بعض کے بارے میں شریعت نے سزائیں مقرر نہیں کی ہیں لیکن عام طور پر وعید آتی ہے (سزا سے ڈرایا گیا ہے) اور دینوی معاملات میں ان کی تاثیر بھی زیادہ ہے۔

جہاں تک سود کا تعلق ہے تو وہ دوسرے آدمی کا مال اس کی مرضی سے کھانا ہے لیکن شرعی اعتبار سے اس میں خلل واقع ہوتا ہے اور اس جیسے مسائل میں شریعتوں کا باہم اختلاف ہو سکتا ہے اور غصب کرنا دوسرے کا مال اس کی مرضی اور شریعت کی رضا کے بغیر کھایا جاتا ہے اس کے باوجود اسے کبیرہ گناہوں میں شمار نہیں کیا گیا جب کہ سود مالک کی مرضی سے کھایا جاتا ہے البتہ شریعت کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے اور شریعت نے بڑی سختی کے ساتھ اس سے روکا ہے لیکن غصب وغیرہ ذریعے ظلم کو بھی بہت بڑا جرم قرار دیا گیا اور خیانت بھی بہت بڑا جرم ہے لیکن خیانت اور غصب کے ذریعے ایک دمڑی کھانے کو بھی گناہ کبیرہ قرار دینا محل نظر ہے اور یہ مقام شک ہے اور اکثر گمان کا میلان اسی طرف ہے کہ یہ گناہ کبیرہ نہ ہو بلکہ گناہ کبیرہ ان گناہوں کے ساتھ خاص ہو جن پر تمام شریعتوں کا اتفاق ہو کیوں کہ وہ ضروریات دین سے ہیں۔

تو ابو طالب مکی کے بیان کردہ کبائر سے تہمت لگانا، جادو کرنا شراب پینا، میدانِ جہاد سے بھاگنا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا باقی رہ گئے شراب اس لیے کہ وہ عقل کو زائل کر دیتی ہے لہذا وہ کبیرہ گناہوں میں سے ہونے کے زیادہ لائق ہے اس پر شریعت کی طرف سے بھی سخت سزا کا ذکر آیا ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ نفس کی حفاظت کی طرح عقل کی حفاظت بھی ضروری ہے بلکہ عقل کے بغیر نفس میں کوئی بھلائی نہیں ہے لہذا عقل کو زائل کر دینا گناہِ کبیرہ ہے لیکن یہ بات شراب کے ایک قطرے میں جاری نہیں ہوتی لہذا اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگر کوئی شخص پانی پیئے جس میں ایک قطرہ شراب ہو تو یہ گناہ کبیرہ نہیں ہے یہ ناپاک پانی پینا ہے اور قطرۂ شراب پانی کے بغیر ہو تو اس میں شک ہے اور شراب نوشی پر شریعت

marfat.com

نے حد اس لیے مقرر کی ہے کہ اس کے بہت بڑا جرم ہونے کا پتہ چلے پس شریعت میں اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا اور شریعت کے تمام اسرار پر مطلع ہونا انسانی قوت کے بس میں نہیں ہے پس اگر اجماع اس کے کبیرہ ہونے پر ثابت ہو تو اتباع واجب ہے ورنہ خاموشی کی گنجائش باقی ہے۔

جہاں تک قذف (زنا کے الزام) کا تعلق ہے تو اس میں صرف عزتوں پر حملہ ہوتا ہے اور عزتیں مال کے مقابلے میں نچلے درجہ میں ہیں اور اس کے بھی کئی مراتب ہیں سب سے بڑا الزام کسی کی طرف زنا کی نسبت کرنا ہے اور شریعت نے اسے بہت بڑی بات قرار دیا۔ اور میرا ظنِ غالب یہ ہے کہ صحابہ کرام ہر اس گناہ کو کبیرہ گناہ شمار کرتے تھے جس کی وجہ سے حد واجب ہوتی ہے۔

تو اس اعتبار سے پانچ نمازیں اس کا کفارہ نہیں بنتیں اور کبیرہ سے ہماری مراد یہی ہے۔ لیکن چونکہ یہ بات جائز ہے کہ اس میں شریعتوں کا اختلاف ہو تو محض قیاس اس گناہ کے کبیرہ اور عظیم ہونے پر دلالت نہیں کر سکتا بلکہ یوں ہو سکتا تھا کہ شریعت کہتی اگر ایک غیر فاسق شخص کسی دوسرے آدمی کو زنا کرتے ہوئے دیکھے تو اس کے لیے جائز ہوتا کہ وہ گواہی دے اور جس کے خلاف گواہی دی ہے اسے صرف اس گواہی کی وجہ سے کوڑے لگائے جاتے اور اگر اس کی گواہی قبول نہ ہوتی تو دنیوی مصالح کے حوالے سے حد لگانا ضروری نہ ہوتا اگرچہ بعض ظاہری مقاصد کے تحت ضرورت کے بعض مراتب کے حوالے سے حد لگانا اچھا ہوتا تو اس صورت میں اسے اس آدمی کے حق میں کبیرہ گناہوں کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے جو شرعی حکم کی معرفت رکھتا ہے لیکن جسے محض یہ گمان ہو کہ وہ تنہا گواہی دے سکتا ہے یا اس کا خیال ہو کہ گواہی دے کر دوسرے کی مدد کر رہا ہے تو اس کے حق میں اسے کبیرہ گناہ نہیں کہا جا سکتا۔

جہاں تک جادو کا تعلق ہے تو اگر اس میں کفریہ کلمات ہوں تو یہ کبیرہ گناہ ہے ورنہ اس کے جرم کا بڑا ہونا اس سے پیدا ہونے والے ضرر کے مطابق ہوتا ہے کہ اس سے کسی کی ہلاکت واقع ہوئی ہے یا کوئی بیمار ہوا ہے وغیرہ وغیرہ۔

میدان جنگ سے بھاگنا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا بھی قیاس کے مطابق محل توقف میں ہیں۔ اور جب قطعی طور پر معلوم ہوا کہ لوگوں کو دی جانے والی ہر قسم کی گالی سوائے زنا کے نیز ان کو مارنا اور مال وغیرہ غصب کرنے کے بعد ان پر ظلم کرنا اور ان کو ان کے گھروں اور شہروں سے نکال کر جلاوطن کرنا کبیرہ گناہوں میں سے نہیں ہیں کیوں کہ یہاں سترہ گناہوں میں شامل نہیں ہیں جن کا ذکر ہوا ہے اور وہ سب سے زیادہ تعداد ہے جیسا کہ کہا گیا ہے تو اس میں خاموشی اختیار کرنا عقل سے بعید بات نہیں ہے لیکن چونکہ حدیث شریف ان کے کبیرہ ہونے پر دلالت کرتی ہے لہٰذا ان کو کبیرہ گناہوں کے ساتھ ملایا گیا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ہمارے نزدیک کبیرہ گناہ وہ ہیں جن کا کفارہ شرعی طور پر پانچ نمازیں نہ بن سکیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کے لیے ان کو کفارہ بننا چاہیے اور بعض کے بارے میں توقف کیا جاتا ہے اور جن کے بارے میں توقف کیا جاتا ہے ان میں سے بعض کے بارے میں گمان ہے کہ وہ گناہ کبیرہ ہیں اور بعض میں شک ہے اور یہ ایسا شک ہے جسے صرف

کتاب وسنت کی واضح دلیل سے ہی زائل کیا جا سکتا ہے لہذا اس میں کوئی طمع نہیں ہو سکتا پس اس کا شک دور کرنا محال ہے۔

سوال :

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبیرہ گناہ کی تعریف معلوم کرنا محال ہے تو جس چیز کی تعریف محال ہو شریعت کا حکم اس سے کس طرح متعلق ہو سکتا ہے۔

جواب :

دنیا میں جس چیز سے کوئی حکم متعلق نہ ہو اس میں ابہام آسکتا ہے کیونکہ آدمی عمل کا مکلف تو دنیا میں ہی ہوتا ہے اور گناہ کبیرہ پر بالخصوص اس کے کبیرہ ہونے کے حوالے سے دنیا میں کوئی حکم نہیں لگتا بلکہ جن جن گناہوں سے حدود واجب ہوتی ہے وہ اپنے ناموں سے معروف ہیں جیسے چوری اور زنا وغیرہ۔

اور کبیرہ کے بارے میں یہ حکم کہ پانچوں نمازیں اس کا کفارہ نہیں بنتیں یہ آخرت کے اعتبار سے ہے اور ابہام اس کے زیادہ لائق ہے تاکہ لوگ خوف زدہ رہیں اور پرہیز کریں اور پنجگانہ نمازوں پر تکیہ کر کے صغیرہ گناہوں کی جرأت بھی نہ کریں کیونکہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (۱)

اور اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں روکا جاتا ہے تو ہم تم سے تمہارے (صغیرہ) گناہ مٹا دیں گے۔

لیکن کبیرہ گناہوں سے بچنا اس وقت صغیرہ گناہوں کا کفارہ بنتا ہے جب قدرت اور ارادے کے باوجود بچتا رہے جیسے ایک شخص کسی عورت سے جماع پر قادر ہونے کے باوجود اس سے جماع کرنے سے بچتا ہے اور صرف دیکھنے یا چھونے پر اکتفا کرتا ہے تو جماع سے بچنے کے سلسلے میں اس کے نفس کا مجاہدہ اس کے دل کو روشن کرنے میں اس حالت سے زیادہ موثر ہوتا ہے جب وہ اسے دیکھے تو دل تاریک ہو جائے کفارہ بننے کا یہی مطلب ہے اور اگر وہ شخص جماع کرنے پر قادر ہو یا کسی ضرورت کے تحت عاجز ہو یا طاقت تو رکھتا ہو لیکن کسی دوسرے خوف کی وجہ سے رک جائے تو یہ رکاوٹ بالکل کفارہ نہیں بن سکتی جس شخص کی طبیعت شراب پینے کو نہ چاہتی ہو حتی کہ اگر اس کے لیے مباح بھی ہو تو بھی نہیں پیتا تو اس کا یہ بچنا شراب خوری کے ابتدائی صغیرہ گناہوں سے نہیں بچاتا جیسے گانا وغیرہ سننا۔

ہاں جو شخص شراب نوشی اور مزامیر سننے کی خواہش رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ کوشش کر کے اپنے آپ کو شراب سے روکتا ہے لیکن مزامیر سے باز نہیں آتا تو اس کے نفس کا یہ مجاہدہ ہو سکتا اس کے دل سے اس اندھیرے کو مٹا دے جو مزامیر سننے کے گناہ سے پیدا ہوا ہے۔

یہ تمام اُخروی احکام ہیں اور ہو سکتا ہے ان میں سے بعض محلِ شک میں رہیں اور متشابہات میں سے ہوں لہذا ان کی تفصیلات نص (واضح حکم) کے بغیر معلوم نہیں ہوتی اور نص میں نہ ان کی گنتی آئی ہے اور نہ ہی جامع تعریف۔ بلکہ مختلف الفاظ

marfat.com

آئے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلصَّلٰوۃُ اِلَی الصَّلٰوۃِ کَفَّارَۃٌ وَ رَمَضَانُ اِلٰی رَمَضَانَ کَفَّارَۃٌ اِلَّا مِنْ ثَلٰثٍ اِشْرَاکٌ بِاللّٰہِ وَتَرْکُ السُّنَّۃِ وَنَکْثُ الصَّفْقَۃِ۔

(ایک) نماز (دوسری) نماز تک اور رمضان، رمضان تک (گناہوں کا) کفارہ ہے سوائے تین گناہوں کے ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا دوسری سنت کو چھوڑنا اور تیسرا سودا توڑنا۔

عرض کیا گیا یا رسول اللہ! سنت کو چھوڑنے کا کیا مطلب ہے فرمایا (مسلمانوں کی) جماعت سے نکل جانا اور سودا توڑنا یہ ہے کہ کسی شخص سے سودا طے کرکے اس کے خلاف تلوار لے کر نکل کھڑا ہو اور اس سے لڑے۔ (۱)

تو یہ اور اس قسم کے دوسرے الفاظ گناہ کبیرہ کی جامع تعریف کا احاطہ نہیں کرتے اور نہ ان کی تعداد کا احاطہ کرتے ہیں لہٰذا لامحالہ یہ مبہم رہیں گے۔

سوال:

اسی شخص کی گواہی قبول ہوتی ہے جو کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہے اور قبولیتِ شہادت کے لیے صغیرہ گناہوں سے پرہیز شرط نہیں ہے تو یہ دینوی احکام ہیں۔

جواب:

ہم شہادت کے رد کرنے کو کبیرہ گناہوں کے ساتھ مخصوص نہیں کرتے اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص مزامیر سنتا ہے یا ریشمی کپڑا پہنتا ہے سونے کی انگوٹھی پہنتا ہے اور سونے چاندی کے برتنوں میں (کھاتا) پیتا ہے اس کی گواہی بھی قبول نہیں ہوتی اور یہ کسی کا قول نہیں ہے کہ یہ امور کبیرہ گناہوں سے ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب کوئی حنفی (انگور وغیرہ کا) نبیذ (رس) پیئے تو میں اسے حد لگاؤں گا لیکن میں اس کی گواہی کو رد نہیں کرتا تو انہوں نے اسے کبیرہ گناہ قرار دیا کیونکہ حد لگانے کا ذکر فرمایا لیکن اس وجہ سے اس کی گواہی کو رد نہیں کیا معلوم ہوا کہ گواہی کی قبولیت و عدم قبولیت کا تعلق صغیرہ یا کبیرہ گناہوں سے نہیں ہے بلکہ تمام گناہ انسان کی عدالت کو نقصان پہنچاتے ہیں ہاں جن گناہوں سے آدمی بچ نہ سکتا ہو کیوں کہ ان کی عادت ہو چکی ہوتی ہے جیسے غیبت، جاسوسی، بدگمانی، گفتگو میں جھوٹ، غیبت سننا نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا عمل چھوڑ دینا شبہ والی چیزیں کھانا اولاد اور غلام کو گالی دینا ضرورت سے زیادہ محض غصے کی وجہ سے ان کو مارنا، ظالم بادشاہوں کی عزت کرنا، فاسق و فاجر لوگوں کی مجلس اختیار کرنا اہل و اولاد کو دین کی بنیادی ضرورتوں سے متعلق تعلیم دلانے میں سستی کرنا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۰۶ روایات ابوہریرہ

marfat.com

تو یہ ایسے گناہ ہیں کہ گواہی دینے والے کا ان سے بچنا ناممکن ہے تھوڑے ہوں یا زیادہ ہاں اس طرح بچ سکتا ہے کہ لوگوں سے الگ تھلگ رہے اور محض اخروی امور کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرے اور ایک عرصۂ دراز تک اپنے نفس کو مجاہدے میں ڈالے حتیٰ کہ لوگوں سے میل ملاپ رکھنے کے باوجود اسی طریقے پر رہے اور اگر اس قسم کے آدمی کی گواہی ہی قبول کی جائے تو اس کا ملنا مشکل ہوگا اور احکام باطل ہو جائیں گے نیز شہادت بھی نہیں دی جا سکے گی۔

جب کہ ریشمی لباس پہننا، مزامیر سننا، شطرنج وغیرہ کھیلنا شراب نوشی کے وقت شراب نوشوں کی مجلس اختیار کرنا اجنبی عورتوں کے ساتھ علیحدگی میں رہنا اور اس قسم کے صغیرہ گناہ بہت زیادہ ہیں تو شہادت کی قبولیت اور عدم قبولیت کے سلسلے میں اس قسم کے معیار کو پیش نظر رکھا جائے کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کو معیار نہ بنایا جائے۔

پھر یہ صغیرہ گناہ جن کی وجہ سے گواہی کو رد نہیں کیا جاتا اگر بار بار ان کا مرتکب ہوگا تو اس کا شہادت کے رد کرنے پر اثر ہوگا جیسے کوئی شخص غیبت اور عیب جوئی کو اپنی عادت بنالے اسی طرح فاجر لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے اور صغیرہ گناہ، بار بار کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے جیسے مباح (جائز) کام بار بار کیا جائے تو وہ صغیرہ گناہ بن جاتا ہے جیسے شطرنج وغیرہ کھیلنا اور ہمیشہ ترنم کے ساتھ گانے گانا ——— تو یہ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کا بیان ہے۔

دوسری فصل:

آخرت میں جنت اور دوزخ کے درجات کی نیکیوں اور برائیوں کے اعتبار سے تقسیم

جان لو! دنیا ظاہری عالم کا نام ہے اور آخرت پوشیدہ عالم ہے اور دنیا سے مراد موت سے پہلے کی حالت ہے اور آخرت موت کے بعد کی حالت ہے پس تمہاری دنیا اور آخرت تمہاری صفات اور احوال ہیں جو ان میں سے قریب اور ملی ہوئی ہے وہ دنیا ہے اور جس میں تاخیر ہے وہ آخرت ہے اب ہم دنیا میں سے جو آخرت ہے اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں یعنی دنیا جو عالم ملک ہے ہم اس میں گفتگو کرتے ہیں لیکن ہماری غرض آخرت کی تشریح مثالوں کے بغیر نہیں ہو سکتی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ۔ (۱)

اور یہ مثالیں ہیں جنہیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور ان کو وہی سمجھتے ہیں جو علم والے ہیں۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم ملکوت کے مقابلے میں عالم ملک نبید کی طرح ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ عنکبوت آیت ۴۳

marfat.com

اَلنَّاسُ نِيَامٌ فَاِذَا مَاتُوْا انْتَبَهُوْا۔ (۱)

لوگ سوئے ہوئے ہیں پس جب مرجائیں گے تو بیدار ہوں گے

اور جو کچھ بیداری میں ہوتا ہے وہ خواب کی حالت میں مثالوں کے ذریعے ہوتا ہے جو تعبیر کے بغیر واضح نہیں ہوتا اسی طرح جو کچھ عقریب آخرت میں ہوگا وہ دنیا کی نیند میں زیادہ مثالوں کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے یعنی خواب کی طرح ان کی پہچان بھی تعبیر سے حاصل ہوتی ہے۔

اگر تم سمجھ لو تو تمہارے لیے تین مثالیں ہی کافی ہیں۔

ایک شخص نے حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا میں نے دیکھا کہ گویا میرے ہاتھ میں انگوٹھی ہے جس کے ساتھ میں لوگوں کے مونہوں اور عورتوں کی شرمگاہوں پر مہر لگا رہا ہوں (اس کی تعبیر کیا ہے؟) آپ نے فرمایا تم موذن ہو اور رمضان المبارک میں طلوع فجر سے پہلے اذان دیتے ہو اس نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔

ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ گویا میں زیتون کا تیل زیتون میں ڈال رہا ہوں، انہوں نے نے فرمایا تم نے ایک لونڈی خریدی ہے اس کا حال معلوم کرو وہ تمہاری ماں ہے جو تمہارے بچپن میں قید کی گئی تھی۔

ایک اور شخص نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا گویا میں خنزیروں کی گردنوں میں موتیوں کا ہار ڈال رہا ہوں، آپ نے فرمایا تو نااہل لوگوں کو حکمت کی تعلیم دیتا ہے ــــ تو واقعی ایسا ہی تھا۔

اور تعبیر اول سے آخر تک مثالیں ہیں جو تجھے ضرب الامثال کا طریقہ بتاتی ہیں اور مثال سے ہماری مراد یہ ہے کہ معنیٰ کو ایسی صورت میں بیان کرنا کہ اگر اس کے معنیٰ کی طرف نظر کی جائے تو وہ سچ ہو اور اگر اس کی صورت کو دیکھیں تو وہ جھوٹ ہو۔

اگر موذن، مہر (انگوٹھی) کی شکل اور اس سے شرمگاہوں پر مہر لگانے کی ظاہری صورت کو دیکھے تو یہ جھوٹ ہوگا کیونکہ وہ اس سے کبھی بھی مہر نہیں لگا سکتا اور اگر اس کے معنیٰ کو دیکھا جائے تو وہ سچا ہوگا کیونکہ اس سے مہر کی روح اور معنیٰ صادر ہوا اور وہ روکنے ہے اور مہر سے بھی یہی مقصود ہوتا ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں سے مثال کے طریقے پر گفتگو کرتے ہیں کیوں کہ ان کو اس بات کا مکلف بنایا گیا ہے کہ لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات کریں اور ان کی عقل کا اندازہ یہی ہے کہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور سونے والے کے لیے جو چیز منکشف ہوتی ہے وہ مثالی صورت میں ہوتی ہے اور جب مرجائیں گے تو بیداری کی حالت ہوگی اور انہیں معلوم ہوگا کہ وہ مثالی صورت سچی تھی۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) الاحادیث الضعیفہ الموضوعہ جلد اول ص ۱۲۷ حدیث ۱۰۲

marfat.com

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ (۱)

مومن کا دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے (جیسا اس کے شایان شان ہے)

اور یہ مثالی صورت ہے جسے صرف معرفت والے سمجھ سکتے ہیں جب کہ جاہل آدمی کی عقل کا اندازہ ظاہری مثال سے آگے نہیں بڑھ سکتا کیونکہ وہ اس تفسیر سے لاعلم ہے جسے تاویل کہا جاتا ہے جیسے خواب میں دیکھی جانے والی مثالوں کی وضاحت کو تعبیر کہا جاتا ہے تو جاہل آدمی اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ اور انگلی ثابت کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے اس قول سے بہت بلند بڑا ہے۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی (یا ان کی) صورت پر پیدا فرمایا۔

کیوں کہ صورت سے رنگ اور شکل وہیئت کا تصور آتا ہے اور یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہو ہی ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بلند ہے یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ صفات الٰہیہ کے سلسلے میں پھسل گئے حتیٰ کہ کلام کے بارے میں بھی ۔۔۔ اور انہوں نے اسے آواز اور حروف قرار دیا اسی طرح دیگر صفات کا بھی معاملہ ہے اور اس میں تفصیلی گفتگو ہے۔

اسی طرح بعض اوقات آخرت کے معاملے میں بھی مثالیں دی جاتی ہیں لیکن بے دین آدمی اسے جھٹلاتا ہے کیوں کہ اس کی نظر ظاہری مثال اور اس کے تناقض پر پڑتی ہے۔

جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

يُؤْتٰى بِالْمَوْتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ صُوْرَةِ كَبْشٍ اَمْلَحَ فَيُذْبَحُ۔ (۳)

قیامت کے دن موت کو ایک سفید و سیاہ مینڈھے کی صورت میں لاکر ذبح کیا جائے گا۔

تو ملحد بیوقوف اس کو تسلیم نہیں کرتا اور جھٹلاتا ہے اور وہ اسے انبیاء کرام کو جھٹلانے کے لیے استدلال کرتا ہے اور کہا ہے سبحان اللہ موت تو ایک عرض ہے (جو دوسروں کے ساتھ قائم ہوتی ہے) اور مینڈھا جسم ہے تو ایک عرض (وصف) کیسے جسم میں بدل سکتا ہے اور یہ تو محال ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے بیوقوں کو اپنے اسرار کی معرفت سے الگ تھلگ رکھا ہے ارشاد فرمایا۔

---

(۱) الدر المنثور جلد ۲ ص ۸، تحت آیت ربنا لا تزغ قلوبنا

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۴۴ مرویات ابوہریرہ

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۹۱ کتاب التفسیر

marfat.com

وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ۔ (۱) اور اسے وہی سمجھتے ہیں جو اہل علم ہیں۔

اور یہ بیچارہ اتنی بات نہیں سمجھا کہ جو آدمی کہتا ہے میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک مینڈھا لایا گیا اور کہا گیا کہ یہ وہ بیماری ہے جو شہر میں پھیلی ہوئی ہے اور اسے ذبح کر دیا جاتا ہے تو تعبیر بتانے والا کہتا ہے تم نے ٹھیک دیکھا ہے معاملہ اسی طرح ہے جس طرح تو نے دیکھا ہے اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ یہ بیماری ختم ہو جائے گی اور پھر کبھی نہیں آئے گی کیوں کہ جسے ذبح کیا جاتا ہے اس کے واپس آنے کی امید نہیں ہوتی اور تعبیر بتانے والے نے اس کی صحیح تصدیق کی ہے اور یہ شخص بھی اپنے خواب میں سچا ہے اور اس کی حقیقت اور اصل یہ ہے کہ جو فرشتہ خوابوں پر مقرر ہے اور یہ وہ فرشتہ ہے جو روحوں کو سوتے وقت اس بات پر مطلع کرتا ہے جو لوح محفوظ میں ہے اور وہ بات مثال کے ذریعے بتاتا ہے کیوں کہ سونے والا مثال کے بغیر سمجھ نہیں سکتا تو اس کی مثال صادق اور معنیٰ صحیح ہے۔

تو رسل عظام بھی دنیا میں لوگوں سے اس طرح کلام کرتے ہیں کہ وہ آخرت کے مقابلے میں نیند کی حالت میں ہیں تو ان کی سمجھ تک معانی مثالوں کے ذریعے پہنچاتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور بندوں پر اس کی مہربانی ہے نیز جس بات کو مثال کے بغیر سمجھنے سے وہ عاجز ہیں اس کا ادراک آسان کر دیا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ موت کو ایک سفید و سیاہ مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا ایک مثال ہے تاکہ ذہنوں تک بات پہنچے اور موت سے مایوسی ہو اور دلوں میں یہ بات پیدا کر دی گئی ہے کہ وہ مثالوں سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کے واسطہ سے معانی کا ثبوت ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنی قدرت کی انتہا کو یوں تعبیر فرمایا۔

كُنْ فَيَكُونُ۔ (۲) (فرماتا ہے) ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔

اور فوری بدلنے کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ذکر فرمایا۔

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ۔ (۳) مومن کا دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

ہم نے قواعد عقائد کے ضمن میں اس کی حکمت کی طرف اشارہ کیا ہے اب ہم اپنی اصل غرض کی طرف لوٹتے ہیں۔

تو نیکیوں اور برائیوں کے حوالے سے درجات اور سزاؤں کی تقسیم مثالیں بیان کئے بغیر سمجھ نہیں آتی تو جو مثال ہم بیان کرتے ہیں اس سے اس کا معنیٰ سمجھنا چاہیے صورت کی طرف نظر نہیں کرنی چاہیے تو ہم کہتے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ عنکبوت آیت ۴۳

(۲) قرآن مجید، سورۃ یٰسین آیت ۸۲

(۳)

marfat.com

آخرت میں لوگوں کی بہت سی اقسام ہیں وہ جنت کے درجات کے حوالے سے ہیں یا جہنم کے طبقات کے اعتبار سے خوش بختی اور بدبختی دونوں وجہ سے یہ تقسیم ہے۔ اور یہ تفاوت اور فرق شمار سے باہر ہے جس طرح دنیوی خوش بختی اور بدبختی کے لحاظ سے تفاوت ہے اور اس معنیٰ کے اعتبار سے دنیا اور آخرت میں کوئی فرق نہیں ہے کیوں کہ ملک اور ملکوت دونوں کا مدبر ایک ہی ذات ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور ازل سے اس کا جو طریقہ چلا آرہا ہے وہ بھی یکساں ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی لیکن ہم درجات کے افراد کو شمار کرنے سے عاجز ہیں البتہ ان کی جنس کو شمار کر سکتے ہیں تو ہم کہتے ہیں اخرت میں لوگ چار قسموں میں تقسیم ہوں گے (۱) ہلاک ہونے والے (۲) عذاب میں مبتلا (۳) نجات پانے والے اور کامیاب ہونے والے (ہالک، معذّب، ناجی اور فائز) دنیا میں اس کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی بادشاہ کسی ملک پر قابض ہوتا ہے تو بعض لوگوں کو قتل کر دیتا ہے یہ ہلاک ہونے والے ہیں بعض کو ایک خاص مدت تک سزا دیتا ہے قتل نہیں کرتا تو یہ عذاب میں مبتلا ہیں بعض کو چھوڑ دیتا ہے تو یہ نجات پانے والے ہیں اور کچھ کو خلعت (لباس وغیرہ) عطا کرتا ہے تو یہ کامیاب ہونے والے (فائزین) ہیں اگر بادشاہ عادل ہو تو استحقاق کی بنیاد پر تقسیم کرتا ہے وہ اسی کو قتل کرتا ہے جو اس کے استحقاقِ حکومت کا منکر اور حکومت کے حوالے سے اس کا دشمن ہو اور سزا اسی کو دے گا جو اس کی حکومت اور بلندیٔ درجہ کا اعتراف کرتا ہے لیکن اس کی خدمت میں کوتاہی کرتا ہے رہائی اسے دیتا ہے جو اس کے منصب کا اعتراف کرتا ہے اور اس میں کوتاہی نہیں کرتا کہ اسے سزا دے البتہ اس کی خدمت نہیں کرتا کہ اسے خلعت عطا کرے۔ اور خلعت اسے ہی دیتا ہے جو اپنی تمام عمر اس کی خدمت اور مدد میں صرف کر دیتا ہے پھر کامیاب ہونے والوں کی خلعتوں میں بھی فرق ہونا چاہیے یعنی خدمت کے اعتبار سے ان کے درجات کو سامنے رکھا جائے جب کہ ہلاک ہونے والوں کو ہلاک کرنا یا تو حقیقتاً گردن مارنے سے ہوتا ہے یا اعضاء کاٹنے کے ذریعے سزا دی جاتی ہے گویا دشمنی کے درجات کے اعتبار سے ہلاکت میں بھی فرق ہوگا۔

اور جن کو سزا دی جاتی ہے ان کی سزا میں بھی فرق ہوتا ہے کسی کو سخت کسی کو ہلکی پھلکی نیز کسی کو زیادہ مدت اور کسی کو تھوڑی مدت کی سزا ہوتی ہے یعنی ان کی کوتاہی کے درجات کے اعتبار سے تفریق ہوگی۔

ان مراتب میں سے ہر مرتبہ بے شمار درجات میں تقسیم ہوتا ہے تو اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ آخرت میں بھی لوگوں کے درجات میں فرق ہوگا کوئی ہلاک ہوگا کوئی ایک مدت تک عذاب میں مبتلا ہوگا کوئی نجات پاکر سلامتی کے گھر میں جائے گا اور کوئی کامیاب ہوگا اور کامیاب ہونے والے کئی درجات میں تقسیم ہوں گے بعض جنت عدن میں جائیں گے کوئی جنت المادیٰ اور کوئی جنت الفردوس کا مستحق ہوگا۔ اور جن کو عذاب ہوگا وہ بھی مختلف درجات میں تقسیم ہوں گے کسی کو تھوڑا عذاب ہوگا کسی کو ایک ہزار سال اور کسی کو سات ہزار سال۔ اور یہ وہ شخص ہے جو جہنم سے سب سے آخر میں نکلے گا جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے (۱)

marfat.com

اسی طرح ہلاک ہونے والے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوں گے ان کے طبقات میں بھی فرق ہے اور ایسا درجات عبادات اور گناہوں میں اختلاف کے باعث ہوگا اب ہم اس تقسیم کی کیفیت ذکر کرتے ہیں۔

پہلا مرتبہ :

یہ ہلاک ہونے والوں کا درجہ ہے اور ہلاک ہونے والوں سے ہماری مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونے والے ہیں کیونکہ جو مثال ہم نے بیان کی ہے اس میں جس کو بادشاہ نے قتل کیا وہ اس بات سے مایوس ہوگیا کہ بادشاہ اس سے راضی ہوگا اور اس کی عزت کرے گا تو مثال کے معانی سے تمہیں غافل نہیں ہونا چاہیے اور یہ درجہ ان لوگوں کا ہے جو منکر ہیں اور منہ پھیرتے ہیں وہ صرف دنیا کے ہو کر رہ گئے اور وہ اللہ تعالیٰ اس کے رسولوں اور کتابوں کو جھٹلاتے ہیں کیونکہ اخروی سعادت تو اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی زیارت ہے اور اس کا حصول صرف اس صورت میں ہوتا ہے جب وہ معرفت حاصل ہو جس کو ایمان اور تصدیق کہتے ہیں۔ اور اس کا انکار کرنے والے منکر ہیں اور جو لوگ جھٹلانے والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہمیشہ کے لیے مایوس ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو تمام جہانوں کے رب اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور وہ اس دن لازماً اس سے پردے میں ہوں گے اور جو بھی اپنے محبوب سے جدا رہتا ہے اس کے اور اس کی خواہشات کے درمیان لازماً حجاب ہوتا ہے تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے فراق میں نارِ جہنم میں جلتے رہیں گے اسی لیے عارفین فرماتے ہیں ہمیں نہ تو جہنم کا خوف ہے اور نہ ہی حُورِ عین کی امید ہمارا مقصود تو ملاقات ہے اور گریز صرف حجاب سے ہے اور وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی عوض کی خاطر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے وہ کمینہ ہے گویا وہ جنت کے حصول یا جہنم سے بچنے کے لیے عبادت کرتا ہے بلکہ عارف تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے عبادت کرتا ہے اور اس کا مقصود بھی صرف ذاتِ خداوندی ہوتی ہے جہاں تک حُورِ عین اور جنتی میووں کا تعلق ہے تو وہ ان کی خواہش نہیں رکھتا اور آگ سے بھی نہیں ڈرتا کیوں کہ جب فراق کی آگ غالب آتی ہے تو وہ اس آگ پر غالب آجاتی ہے جو جسموں کو جلاتی ہے فراق کی آگ اللہ تعالیٰ کی وہ آگ ہے جو دلوں پر چڑھتی ہے اور جہنم کی آگ کے شعلے صرف جسموں تک محدود ہوتے ہیں اور جب دل میں تکلیف ہو تو جسم کی تکلیف معمول معلوم ہوتی ہے اسی لیے کہا گیا ہے۔

وَفِیْ فُؤَادِ الْمُحِبِّ نَارٌ جَوٰی اَحَرُّ نَارِ الْجَحِیْمِ اَبْرَدُھَا۔

اور محب کے دل میں محبت کی آگ ہے جس کے مقابلے میں جہنم کے گرم ترین آگ بھی سرد تر ہے۔

اور عالم آخرت میں اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ دنیا میں اس کی نظیر ہے جس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے دیکھا گیا ہے کہ جس پر وجد (غلبہ عشق) طاری ہوتا ہے وہ آگ اور پاؤں کو زخمی کرنے والے کانٹوں پر بھی چلتا ہے لیکن اسے کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا کیوں کہ اس کے دل کی حالت غالب ہوتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ جس شخص کو لڑائی کی حالت میں غصہ آتا ہے اور اسے کئی زخم آتے ہیں تو اسے اس وقت پتہ نہیں چلتا کیونکہ غصہ ایک قلبی آگ کا نام ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْغَضَبُ قِطْعَۃٌ مِّنَ النَّارِ۔ (۱) غصّہ، آگ کا ایک ٹکڑا ہے

اور جسم کے جلنے سے دل کا جلنا زیادہ سخت ہوتا ہے اور جو چیز زیادہ سخت ہو وہ کمزور کے احساس کو باطل کر دیتی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ تو آگ اور تلوار سے ہلاکت صرف دو ٹکڑوں کو الگ کرتی ہے جو ظاہر میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوتے ہیں اور جسمانی رابطہ جس قدر ممکن ہے ان کے درمیان تھا تو جو شخص دل اور اس کے محبوب کے درمیان جدائی ڈالتا ہے تو وہ زیادہ تکلیف پہنچاتا ہے بشرطیکہ آدمی صاحبِ بصیرت اور ذی شعور ہو کیونکہ یہ تعلق جسمانی پیوستگی سے زیادہ سخت ہوتا ہے اور یہ بات بعید از عقل نہیں ہے کہ جو دل سے خالی ہے وہ اس تکلیف کا ادراک نہ کر سکے اور جسمانی تکلیف کے مقابلے میں اسے ہلکا سمجھے۔

اگر بچے کو اختیار دیا جائے کہ بادشاہت یا گیند بلے میں سے کسی ایک کو چھوڑ دے تو وہ بادشاہی سے محرومی کو بالکل محسوس نہیں کرے گا اور نہ ہی اسے اپنے لیے تکلیف سمجھے گا اور وہ کہے گا کہ مجھے گیند کے ساتھ میدان میں دوڑنا بادشاہی کے ہزار تخت سے بہتر ہے اگرچہ اس میں بیٹھا ہی ہو بلکہ جس آدمی پر پیٹ کی خواہش غالب ہو اگر اسے ہریسہ اور حلوہ کھانے یا ایسا کام کرنے کے درمیان اختیار دیا جائے جس سے دشمن مغلوب ہوتا ہے اور دوست خوش ہوتے ہیں تو وہ ہریسہ اور حلوہ کھانے کو ترجیح دے گا اور یہ تمام باتیں اس لیے ہیں کہ اس شخص میں وہ باتیں نہیں ہیں جن کے ذریعے جاہ و مرتبہ محبوب ہوتا ہے۔ اور نہ وہ بات ہے جس کے پائے جانے سے کھانا لذیذ معلوم ہوتا ہے۔

اور یہ ان لوگوں کے لیے جن کو جانوروں اور درندوں کی صفات اپنا غلام بنا لیتی ہیں اور ان میں فرشتوں کی صفات ظاہر نہیں ہوتیں جو ان کی ضد ہیں اور ان کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کے قرب کی لذت ہے اور اس سے بعد اور حجاب تکلیف دہ ہوتا ہے۔

اور جس طرح قوت ذائقہ صرف زبان میں اور قوت سماعت صرف کانوں میں ہوتی ہے اسی طرح یہ صفات بھی صرف دل سے تعلق رکھتی ہیں اور جو دل سے محروم ہے اس میں یہ احساس نہیں ہوتا جیسے کوئی شخص سماعت اور بصارت سے محروم ہو تو وہ خوش آوازی اور اچھی صورتوں اور رنگوں کی لذت نہیں پا سکتا اور ہر شخص کے پاس دل نہیں ہوتا اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی صحیح نہ ہوتا ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ۔ (۲)

بے شک اس (قرآن) میں اس شخص کے لیے نصیحت ہے جس کے پاس دل ہے۔

---

(۱) جامع ترمذی ص ۳۱۹، ابواب الفتن

(۲) قرآن مجید، سورۂ ق آیت ۳۷

marfat.com

اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو دل سے مفلس قرار دیا جو قرآن پاک سے نصیحت حاصل نہیں کرتا اور اس دل سے وہ (گوشت کا لوتھڑا) مراد نہیں جسے سینے کی ہڈیوں نے گھیر رکھا ہے بلکہ اس سے وہ لطیفہ مراد ہے جو عالمِ امر سے تعلق رکھتا ہے اور یہ وہ گوشت ہے کہ اس کا عرش عالم خلق سے ہے سینہ اس کی کرسی ہے اور تمام اعضاء اس کا جہاں اور مملکت ہے اور خلق و امر کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن یہ لطیفہ جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ (۱) آپ فرما دیجئے روح میرے رب کے حکم میں سے ہے

یہ امیر اور بادشاہ ہے کیونکہ عالم امر اور عالم خلق کے درمیان ترتیب ہے اور عالم امر، عالم خلق پر امیر ہے اور یہی وہ لطیفہ ہے کہ جب یہ درست ہو تو تمام جسم درست ہوتا ہے اور جس نے اسے پہچان لیا اس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اور جس نے اپنے نفس کی پہچان حاصل کی اسے اس کے رب کی پہچان حاصل ہو گئی۔

اس وقت بندہ اس معنیٰ کی ادنیٰ خوشبو سونگھ لیتا ہے جو (معنی) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں لپٹا ہوا ہے آپ نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ۔ (ترجمہ اور حوالہ پیچھے گزر چکا ہے)

ایک جماعت اس کے ظاہری لفظ کو اٹھائے پھرتی ہے اور دوسرا گروہ اس کی تاویل کے راستے میں بھٹک رہا ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے اگرچہ اس کی تاویل میں بھٹکنے والوں کے مقابلے میں ظاہری لفظ پر محمول کرنے والے زیادہ رحم کے مستحق ہیں کیونکہ رحمت مصیبت کے مطابق ہوتی ہے اور ان لوگوں کی مصیبت زیادہ ہے اگرچہ حقیقتِ امر سے محرومی کی مصیبت میں دونوں شریک ہیں۔ حقیقت تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے اور یہ اس کی حکمت ہے اس کے ساتھ جسے چاہے خاص کر لیتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی اسے بہت زیادہ بھلائی عطا کی گئی۔

اب ہم اصل غرض کی طرف لوٹتے ہیں اور اس طرف لگام کو پھیرتے ہیں جو علوم معاملات سے اعلیٰ ہے اور اس کتاب میں ہمارا مقصود یہی ہے یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ ہلاکت صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو جاہل بھی ہیں اور جھٹلانے والے بھی، اور اس پر قرآن و سنت کی اس قدر شہادت موجود ہے جو شمار سے باہر ہے اسی لیے ہمیں ان کے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسرا مرتبہ :

یہ ان لوگوں کا رتبہ ہے جن کو عذاب دیا جائے گا اور یہ اصل ایمان کے زیور سے آراستہ ہوتے ہیں لیکن اس کے تقاضوں کو پورا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں کیونکہ ایمان کی بنیاد اور اصل توحید ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور جو آدمی اپنی

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اسراء آیت ۸۵

marfat.com

خواہش کی پیروی کرتا ہے اس نے اپنی خواہش کو معبود بنالیا وہ زبان سے توحید کا قائل ہے لیکن حقیقت میں موحد نہیں ہے بلکہ "لا الہ الا اللہ" کا معنیٰ ان دو آیتوں میں بیان ہوا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ۔ (۱)

آپ فرما دیجئے "اللہ ہے" پھر ان لوگوں کو ان کی بیہودگیوں میں کھیلتا ہوا چھوڑ دیں۔

مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کو بالکل چھوڑ دیں۔ اور ارشاد خداوندی ہے:

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ (۲)

وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ ثابت قدم رہے۔

اور جب صراط مستقیم کہ اس پر استقامت کے بغیر توحید مکمل نہیں ہوتی بال سے بھی زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور اس پل صراط کی طرح ہے جو آخرت میں ہوگا تو کوئی بھی شخص اس پر استقامت سے ادھر اُدھر ہونے سے بچ نہیں سکتا اگرچہ تھوڑا سا ہی ہو، کیونکہ کوئی شخص خواہشات کی اتباع سے خالی نہیں ہوتا اگرچہ کم ہی ہو اور یہ بات کمال توحید میں اس قدر نقص پیدا کرتی ہے جس قدر وہ صراطِ مستقیم سے ادھر اُدھر ہوتا ہے اور اس سے لامحالہ قرب کے درجات میں کمی آتی ہے اور ہر نقصان کے ساتھ دو قسم کی آگ ہے ایک اس کمال سے جدائی کی آگ جو اس کمی کی وجہ سے ناقص ہو گیا اور دوسری جہنم کی آگ جیسا کہ قرآن پاک نے اسے بیان کیا ہے تو جو آدمی بھی صراط مستقیم سے اِدھر اُدھر ہوتا ہے وہ دو وجہ سے دو مرتبہ عذاب میں مبتلا ہوتا ہے لیکن عذاب کی شدت اور نرمی اور مدت کے اعتبار سے اس میں تفاوت دو باتوں کی وجہ سے ہوتا ہے ایک ایمان کی قوت و ضعف اور خواہشات کی زیادہ اور کم اتباع کی وجہ سے ـــــ کیونکہ عام طور پر کوئی بھی شخص ان دو باتوں میں سے کسی ایک سے خالی نہیں ہوتا ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا۔ (۳)

اور تم میں سے ہر ایک کا اس (دوزخ) پر گزر ہوگا یہ آپ کے رب کا حتمی فیصلہ ہے پھر ہم ان لوگوں کو نجات دیں گے جو پرہیزگار رہیں اور ظالموں کو دوزخ میں چھوڑ دیں گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے۔

اسی لیے بزرگوں میں سے جو لوگ ڈرنے والے تھے وہ کہتے تھے ہمارا خوف اس وجہ سے ہے کہ ہمیں جہنم کے اوپر

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۹۱

(۲) قرآن مجید، سورۃ فصلت آیت ۳۰

(۳) قرآن مجید، سورۃ مریم آیت ۷۱، ۷۲

marfat.com

سے گزرنے کا یقین ہے جب کہ نجات میں شک ہے جب حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے وہ حدیث بیان کی جس میں اس شخص کا حال بیان ہوا جو دوزخ سے ہزار سال بعد نکلے گا اور وہ پکارے گا اے حنان اے منان ! (اے بہت رحم فرمانے اور بہت احسان فرمانے والے) حضرت حسن نے فرمایا کاش وہ شخص میں ہوتا۔ (۱)

جان لو، حدیث شریف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جہنم سے سب سے آخر میں نکلنے والا شخص سات ہزار سال بعد نکلے گا البتہ ایک لحظہ اور سات ہزار سال کے درمیان مدت میں اختلاف ہے حتیٰ کہ بعض جہنم کے اوپر سے بجلی کی چمک کی طرح گزر جائیں گے اور وہ وہاں ٹھہریں گے نہیں۔ ایک لحظہ اور سات ہزار سال کے درمیان چھ مختلف درجے ہوں گے ایک دن، پھر ایک ہفتہ پھر ایک مہینہ اور باقی تمام مدتیں۔

اختلاف شدت میں ہے جس کی سب سے زیادہ شدت بے انتہا ہوگی اور کم از کم یہ کہ حساب میں الجھا دیا جائے گا جس طرح بادشاہ کام میں کوتاہی کرنے والے بعض لوگوں کو حساب میں الجھا دیتا ہے اور پھر معاف کر دیتا ہے اور بعض اوقات کوڑوں سے مارتا ہے اور کبھی مختلف قسم کی سزائیں دیتا ہے ــــ عذاب کے سلسلے میں ایک تیسرا اختلاف ہے جس کا مدت اور شدت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ عذاب کی انواع کا اختلاف ہے کیوں کہ جس شخص کو مالی جرمانہ ہوا وہ اس کی طرح نہیں جس کا مال ضبط ہوا، اولاد قتل ہوئی، عورتیں لونڈیاں بنائی گئیں رشتہ داروں کو سزا دی گئی اور مارا گیا زبان، ہاتھ ناک اور کان وغیرہ کاٹے گئے تو جس طرح دنیا میں مختلف قسم کی سزائیں ہیں اسی طرح آخرت میں بھی مختلف سزائیں ہوں گی جن پر شریعت کے قطعی دلائل پائے جاتے ہیں اور یہ ایمان کی قوت وضعف، عبادت کی کثرت وقلت نیز گناہوں کی کثرت وقلت کے اعتبار سے ہے۔

عذاب کی سختی گناہوں کے زیادہ قبیح اور کثرت کی وجہ سے ہے اور عذاب کی کثرت گناہوں کی کثرت کے باعث ہے اور اس کی انواع کا مختلف ہونا گناہوں کی انواع کے اختلاف کے سبب سے ہے یہ بات ارباب قلوب پر قرآن پاک کے شواہد اور نورِ ایمان سے منکشف ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے۔

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ - (۲) اور تمہارا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ (۳) آج ہر نفس کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۳۰ مرویات انس

(۲) قرآن مجید سورۂ فصلت آیت ۴۶

(۳) قرآن مجید سورۂ غافر آیت ۱۷

marfat.com

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۔ (۱) اور انسان کے لیے وہی ہے جو اس نے کوشش کی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ (۲) پس جو آدمی ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر بھی برائی کرے گا اسے دیکھ لے گا۔

اور ان کے علاوہ آیات و احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عذاب اور ثواب اعمال کا بدلہ ہے۔ اور دونوں صورتوں میں عدل ہی ہے ظلم نہیں ہے جب کہ رحمت اور عفو و درگزر کی جانب کو ترجیح ہے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں یوں بتایا۔

سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ غَضَبِيْ۔ (۳) میری رحمت، میرے غضب سے سبقت لے گئی۔

اور ارشاد خداوندی ہے،

وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ (۴) اور اگر وہ نیکی ہو تو وہ اسے بڑھاتا ہے اور اپنی طرف سے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

تو یہ امور یعنی درجات اور طبقات کا نیکیوں اور گناہوں سے مربوط ہونا شریعت کے قطعی دلائل اور نورِ معرفت سے معلوم ہوا اور تفصیل صرف ظن غالب سے معلوم ہوتی ہے اور اس کی دلیل احادیث کا ظاہر اور ایک قسم کا الہام ہے جو عبرت کی نگاہ سے دیکھنے کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔

تو ہم کہتے ہیں کہ جس شخص کا اصل ایمان مضبوط ہو اور وہ کبیرہ گناہوں سے بچے تمام فرائض یعنی پانچوں ارکانِ اسلام اچھی طرح ادا کرے اور اس سے صادر ہونے والے گناہ صرف صغیرہ ہوں اور وہ بھی متفرق ہوں اور ان پر اصرار نہ کرے تو ہو سکتا ہے اس سے صرف حساب و کتاب ہی ہو کیونکہ جب اس کا حساب ہوگا تو نیکیاں، گناہوں کے مقابلے میں وزنی ہوں گی کیوں کہ حدیث شریف میں ہے کہ پانچ نمازیں جمعۃ المبارک (کی نماز) اور رمضان المبارک کے روزے درمیان والے گناہوں کا کفارہ ہیں اسی طرح قرآن پاک کی رُو سے کبیرہ گناہوں سے اجتناب بھی صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور کفارہ

---

(۱) قرآن مجید سورۃ النجم آیت ۳۹

(۲) قرآن مجید، سورۃ زلزال آیت ۷، ۸

(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۵۶ کتاب التوبۃ

(۴) قرآن مجید سورۃ نساء آیت ۴۰

marfat.com

کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ اگر حساب سے نہ بھی بچے عذاب سے محفوظ رہتا ہے اور جس آدمی کی یہ حالت ہو اس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوتا ہے پس مناسب ہے کہ میزان میں نیکیوں کے وزنی ہونے اور حساب سے فراغت کے بعد پسندیدہ زندگی میں ہو۔

ہاں اس کا اصحاب یمین (دائیں جانب والوں) یا مقربین سے لاحق ہونا اور جنت عدن یا جنت الفردوس میں جانا ایمان کی اقسام پر منحصر ہے کیوں کہ ایمان دو قسم کا ہے ایک تقلیدی ایمان جیسے عوام کا ایمان ہے کہ وہ جو کچھ سنتے ہیں اس کی تصدیق کر کے ڈٹ جاتے ہیں اور دوسرا کشفی ایمان ہے جو اللہ تعالیٰ کے نور سے سینے کے کھل جانے سے حاصل ہوتا ہے حتی کہ تمام موجودات اس پر اپنی حقیقت کے ساتھ منکشف ہو جاتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ تمام کا لوٹنا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے کیونکہ (حقیقی) وجود تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات و افعال کا ہے۔ اور اس قسم کے لوگ مقربین ہیں جو جنت الفردوس میں جاتے ہیں اور وہ ملاء اعلیٰ (بلند مرتبہ فرشتوں) کے زیادہ قریب ہوتے ہیں ان کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں سے بعض سابقون ہیں بعض ان سے نچلے درجہ میں ہیں اور ان کے درجات میں فرق اس لیے ہے کہ ان کو حاصل ہونے والی معرفتِ خداوندی میں بھی تفاوت ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے سلسلے میں عارفین کے درجات بے شمار ہیں کیونکہ جلال الٰہی کی حقیقت کا ادراک ناممکن ہے اور معرفت کے سمندر کا نہ کوئی ساحل ہے اور نہ ہی گہرائی، اور اس میں غوطہ لگانے والے اپنی اپنی قوت کے حساب سے غوطہ لگاتے ہیں نیز جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ازل میں لکھ دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف راستے کی منازل بے انتہا ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلنے والوں کے درجات بھی بے حساب ہیں۔

اور وہ مومن جن کا ایمان تقلیدی ہے اور ان کا درجہ مقربین کے درجہ سے کم ہے ان کے بھی کئی درجات ہیں اصحاب یمین کا سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ان کا رتبہ مقربین کے درجات میں سے ادنیٰ درجہ کے قریب ہوتا ہے یہ ان لوگوں کا حال ہے جو تمام کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں اور تمام فرائض ادا کرتے ہیں یعنی پانچوں فرائض ادا کرتے ہیں اور وہ زبان سے کلمہ شہادت ادا کرنا اور نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج ہے۔

لیکن جو شخص ایک یا زیادہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے یا بعض ارکان اسلام کو چھوڑ دیتا ہے اگر وہ مرنے سے پہلے اچھی طرح توبہ کرلے تو وہ ان لوگوں سے مل جائے گا جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب نہیں ہوتے کیوں کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے گناہ نہ کرنے والا۔ اور دھلا ہوا کپڑا ایسا ہو جاتا ہے جیسے کبھی وہ میلا ہوا ہی نہیں۔

اور اگر وہ توبہ کرنے سے پہلے مر جائے تو موت کے وقت اس کے حال کا خوف ہے کیونکہ بعض اوقات گناہوں پر اصرار کی صورت میں آنے والی موت ایمان کے متزلزل ہونے کا باعث بنتی ہے اور اس طرح اس کا خاتمہ بُرا ہوتا ہے خاص طور پر جب کہ اس کا ایمان تقلیدی ہو کیوں کہ تقلید اگرچہ کتنی ہی پختہ کیوں نہ ہو ادنیٰ شک اور خیال سے ڈھیلی پڑ جاتی ہے

marfat.com

جب کہ عارف بصیر اس بات سے زیادہ دُور ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں برے خاتمہ کا ڈر ہو۔

اور یہ دونوں اگر ایمان پر فوت ہوں تو بھی عذاب کا خوف ہوتا ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دے اور یہ عذاب حساب و کتاب کے مناقشہ سے زیادہ ہوتا ہے اور جس قدر گناہوں پر اصرار کی مدت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر عذاب بھی زیادہ ہوتا ہے اور شدت کی بنیاد کبیرہ گناہوں کی برائی کے حساب سے ہوتی ہے اسی طرح گناہوں کی مختلف اقسام عذاب کی شدت میں تفاوت پیدا کرتی ہیں اور جب عذاب کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو تقلیدی ایمان والے اصحاب یمین کے درجات میں اور عارفین اعلیٰ علیین میں جاتے ہیں ایک حدیث شریف میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

آخِرُ مَنْ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ يُعْطَى مِثْلَ الدُّنْيَا كُلِّهَا عَشَرَةَ اَضْعَافٍ۔ (۱)

جو شخص جہنم میں سے سب سے آخر میں نکلے گا اسے تمام دنیا کی مثل دس گنا دیا جائے گا۔

تمہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ اس سے جسمانی پیمائش مراد ہے کہ ایک کوس کی جگہ دو اور دس کی جگہ بیس کوس ہوں مثال کے طور پر اسے بیان کرنے میں لاعلمی ہے بلکہ اس کو اس طرح سمجھیں جس طرح کوئی شخص کہتا ہے کہ اس نے ایک اونٹ لیا اور اسے اس کی مثل دیئے گویا ایک اونٹ جب دس دینار کے مقابلے میں ہو تو اس آدمی نے ایک سو دینار دیئے اور اگر اس سے وزن اور بوجھ میں ہی مثل سمجھے تو اگر ترازو کے ایک پلڑے میں ایک سو دینار رکھے دسویں حصے کے برابر بھی نہیں ہو سکتے بلکہ اجسام کے معانی اور ارواح کا مقابلہ ہوتا ہے شکلوں اور جسموں کا نہیں کیوں کہ اونٹ اپنے بوجھ، طول اور عرض وغیرہ کی وجہ سے نہیں بلکہ مالیت کی وجہ سے مقصود ہوتا ہے تو اس کی رُوح مالیت ہے جب کہ اس کا جسم گوشت اور خون ہے اور ایک سو دینار اس کی دس مثل اس صورت میں بنتے ہیں جب رُوحانی موازنہ کیا جائے جسمانی موازنہ سے نہیں اور جو شخص سونے اور چاندی سے مالیت کی رُوح کو پہچانتا ہے اس کے نزدیک یہ بات سچی ہے بلکہ اگر اسے ایک جوہر دیا جائے جس کا وزن ایک مثقال ہو جب کہ اس کی قیمت ایک دینار ہو اور وہ کہے کہ میں نے اسے اس کی دس مثل دیا تو وہ سچا ہو گا لیکن اس بات کی سچائی صرف جوہریوں کو معلوم ہوتی ہے کیونکہ جوہریت کی رُوح صرف آنکھ سے نہیں دیکھی جا سکتی بلکہ آنکھ کے پیچھے ایک دانائی ہوتی ہے اسی طرح بچہ بلکہ دیہاتی آدمی بھی اسے جھٹلاتا ہے اور کہتا ہے یہ جوہر تو ایک پتھر ہے جس کا وزن ایک مثقال ہے جب کہ اونٹ کا وزن اس سے ہزار گنا زیادہ ہے تو یہ شخص جو کہتا ہے کہ میں نے دس گنا دیا، جھوٹ بولتا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ بچہ جھوٹ بول رہا ہے لیکن اس کے نزدیک اس بات کی تحقیق کا یہی ایک راستہ ہے کہ وہ بلوغت اور عقل کے کامل ہونے کا انتظار کرے اور اس کے دل میں وہ نور آ جائے جس کے ذریعے وہ جواہر اور باقی تمام اموال کی ارواح کا ادراک کر سکے اس وقت اس کے لیے سچائی منکشف ہو گی اور

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۰۵ کتاب الایمان

marfat.com

عارف آدمی، مقلد کوتاہ بین کو یہ بات سمجھا نہیں سکتا کہ اس موازنہ کے سلسلے میں یہ حدیث سچی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْجَنَّةُ فِی السَّمٰوٰتِ۔ (۱) جنت آسمانوں میں ہے۔

اور آسمان دیوی ہیں تو پھر دنیا میں اس کی اپنی دس مثل کس طرح آسکتی ہیں یہ بات جس طرح ایک بالغ آدمی بچے کو نہیں سمجھا سکتا اور نہ ہی کسی دیہاتی کو ــــــ

اور جس طرح جوہری کو کسی دیہاتی کو سمجھانا پڑ جائے تو وہ قابلِ رحم ہوتا ہے اسی طرح اس موازنہ کے سمجھانے کے سلسلے میں عارف بھی قابلِ رحم ہوتا ہے جب اسے کسی بیوقوف کو یہ موازنہ سمجھانا پڑ جائے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِرْحَمُوْا ثَلَاثَةً عَالِمًا بَیْنَ الْجُهَّالِ وَغَنِیًّا قَوْمٍ افْتَقَرَ وَعَزِیْزَ قَوْمٍ ذَلَّ۔ (۲)

تین آدمیوں پر رحم کرو عالم جو جاہلوں کے درمیان ہو محتاج قوم کے درمیان مال دار اور ذلیل قوم کے درمیان معزز آدمی۔

اس اعتبار سے انبیاء کرام علیہ السلام امت کے درمیان قابلِ رحم ہوتے ہیں کہ امت کی عقل کی کمی کے باعث جو کچھ ان کو برداشت کرنا پڑا وہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش تھی جو تقدیر ازلی کے طور پر ان پر آپڑی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا۔

اَلْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْاَنْبِیَاءِ ثُمَّ الْاَوْلِیَاءِ ثُمَّ الْاَمْثَلِ فَالْاَمْثَلِ۔ (۳)

انبیاء کرام علیہ السلام کو آزمائشوں میں ڈالا گیا پھر اولیاء کرام کو پھر ان کے مشابہ اس کے بعد ان جیسے لوگوں کو (آزمایا گیا)

ہمیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ آزمائش تو صرف حضرت ایوب علیہ السلام پر ہی نازل ہوئی اور آپ کو جسمانی طور پر مبتلا کیا گیا حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام کو بھی آزمائش میں ڈالا گیا اور وہ بہت بڑی آزمائش تھی کیونکہ آپ کو ایک ایسی جماعت کے ساتھ آزمایا گیا جو آپ کی دعوت سے مزید بھاگتے تھے اسی لیے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض لوگوں کی باتوں سے اذیت پہنچی تو آپ نے فرمایا۔

رَحِمَ اللّٰهُ اَخِیْ مُوْسٰی لَقَدْ اُوْذِیَ بِاَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ۔ (۴)

اللہ تعالیٰ میرے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے بے شک انہیں اس سے بھی زیادہ اذیت دی گئی لیکن انہوں نے صبر کیا۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۸۳ کتاب الانبیاء

(۲) الموضوعات لابن الجوزی جلد اول ص ۲۲۶ باب الرحمۃ للعالم

(۳) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۳۴۳ کتاب معرفۃ الصحابۃ۔

(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۸۳ کتاب الانبیاء

marfat.com

توکوئی بھی منکرین کے ذریعے ابتلا و آزمائش سے خالی نہیں رہا اور اولیاء و علماء کی آزمائش جاہلوں کے ذریعے ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اولیاء کرام طرح طرح کی ایذا اور مختلف قسم کی آزمائشوں سے خالی نہیں ہوتے۔ انہیں ملک بدر کر دیا جاتا ہے حکمرانوں کے سامنے ان کی چغلی کھائی جاتی ہے ان کے خلاف کفر کی گواہی دی جاتی ہے اور کچھ لوگ دین چھوڑ جاتے ہیں اور یہ بات ضروری ہے کہ اہل معرفت، جاہلوں کے نزدیک کافروں میں شمار ہوتے ہیں جیسے کوئی شخص اپنا بہت بڑا اونٹ چھوٹے سے موتی کے بدلے میں دے دے تو جاہل لوگوں نے نزدیک یہ فضول خرچی اور مال ضائع کرنا ہے۔

جب تم نے یہ باریک باتیں معلوم کر لیں تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات پر ایمان رکھنا چاہیے کہ جو شخص جہنم سے آخر میں نکلے گا اس کو دنیا کا دس گنا دیا جائے گا اور تمہیں تصدیق کو ایسی باتوں پر منحصر کرنے سے بچنا چاہیے جن کا ادراک محض آنکھ اور دیگر حواس سے ہوتا ہے اس طرح تو دو پاؤں والا گدھا شمار ہوگا کیوں کہ حواس خمسہ میں گدھا، تمہارے ساتھ شریک ہے جب کہ تو ان اسرار الٰہیہ کے باعث گدھے سے ممتاز ہے جن کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر ڈالا گیا تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کیا اور ڈر گئے۔ تو جو بات حواس خمسہ کے ادراک سے باہر ہو وہ اس عالم سر سے تعلق رکھتی ہے جس کی وجہ سے انسان، گدھے اور باقی جانوروں سے ممتاز ہوتا ہے۔

تو جو شخص اس بات کو بھول جائے اور چھوڑ دے اور صرف جانوروں کے درجہ پر قناعت کرے اور محسوسات سے آگے نہ بڑھے وہ اس کوتاہی کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے تو تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اس نسیان کو ان کے نفسوں سے غافل کر دیا تو جو شخص صرف اسی چیز کا ادراک کرتا ہے جس کا تعلق حواس ظاہرہ کے ساتھ ہے اس نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا کیوں کہ اس عالم میں اللہ تعالیٰ کو حواس کے ذریعے معلوم نہیں کر سکتے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو بھلا دیتا ہے یقیناً وہ اسے خود اس کی اپنی ذات سے غافل کر دیتا ہے وہ جانوروں کے مقام پر اتر آتا ہے اور ملاء اعلیٰ کی طرف ترقی رک جاتی ہے نیز وہ اس امانت میں خیانت کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس رکھی ہے اور وہ ان انعاماتِ خداوندی کا ناشکرا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائے ہیں، اور یوں وہ اپنے آپ کو عذاب کے لیے پیش کرتا ہے مگر اس کا حال جانوروں سے بھی بدتر ہوتا ہے کیوں کہ جانور مرنے کے بعد چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں لیکن اس کے پاس تو امانت ہے تو عنقریب امانت والے کی طرف لوٹانا ہوگی کیوں کہ امانت کا لوٹنا اسی کی طرف ہے اور یہ امانت روشن سورج کی طرح ہے یہ اس فانی جسم کی طرف اتاری گئی اور اس میں آ کر غروب ہو گئی عنقریب جب یہ جسم بگڑ جائے گا تو وہ اپنے غروب ہونے کے مقام سے طلوع ہو کر اپنے خالق و مالک کی طرف لوٹ جائے گی یا تو تاریک گرہن لگی ہوئی اور چمکتی ہوئی روشن۔ اور وہ جو چمکتی ہوئی روشن ہے وہ بارگاہ ربوبیت سے حجاب میں نہیں ہے جو تاریک ہے وہ بھی بارگاہِ خداوندی کی طرف لوٹے گی کیوں کہ سب کا مرجع وہی ہے لیکن وہ اپنے سر کو اعلیٰ علیین سے اسفل السافلین کی طرف جھکائے ہوگی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ اور اگر تم دیکھو جب مجرم اپنے رب کے ہاں سر جھکائے

marfat.com

عِنْدَ رَبِّهِمْ (۱) ہوں گے۔

اس آیت میں بیان فرمایا کہ وہ اپنے رب کے پاس ہی ہوں گے لیکن ان کے چہرے بیٹھ کی طرف ہوں گے اور ان کے سر اوپر والی جہت سے نچلی جانب ہوں گے یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ان لوگوں کے بارے میں جو اس کی توفیق سے محروم ہیں وہ اپنے راستے کی طرف ان کی راہنمائی نہیں کرتا ہم گمراہی سے اور جاہلوں کے مقامات کی طرف اترنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

تو یہ ان لوگوں کی تفریق کا بیان ہے جو جہنم سے نکالے جائیں گے اور ان کو دنیا کی دس مثل یا اس سے زیادہ دیا جائے گا اور جہنم سے وہی نکلے گا جو موحد ہوگا اور توحید سے میری مراد یہ نہیں کہ زبان سے کلمہ طیبہ پڑھ دے کیونکہ زبان کا تعلق اس ظاہری عالم سے ہے اس لیے یہ صرف ظاہری عالم میں نفع دیتی ہے یعنی اس کی گردن اور مال کی مدت زندگی تک ہے اور جب گردن اور مال نہیں رہے گا تو زبانی قول فائدہ نہیں دے گا نفع تو توحید میں صداقت سے ہوگا اور کمالِ توحید یہ ہے کہ تمام امور کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانے اور اس کی علامت یہ ہے کہ جو کچھ اسے پہنچے اس کی وجہ سے مخلوق پر غصہ نہ کھائے کیوں کہ وہ وسیلے کو نہیں دیکھتا بلکہ مسبب الاسباب کو دیکھتا ہے جیسا کہ توکل کے باب میں اس کی تحقیق آئے گی اور اس توحید میں بھی مختلف درجات ہیں بعض لوگوں کا عقیدۂ توحید پہاڑ کی طرح ہوتا ہے اور بعض کا ایک مثقال جتنا جب کہ کچھ لوگوں کا عقیدۂ توحید رائی کے دانے اور ذرے کے برابر ہوتا ہے پس جس شخص کے دل میں ایک دینار کے برابر ایمان ہوگا وہ جہنم میں سے سب سے پہلے نکلے گا۔

اور حدیث شریف میں ہے۔

اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ دِیْنَارٍ مِنْ اِیْمَانٍ۔ (۲)

اس شخص کو جہنم سے نکالو جس کے دل میں ایک دینار کے برابر ایمان ہے۔

اور سب سے آخر میں وہ نکلے گا جس کے دل میں ذرے کے برابر ایمان ہوگا اور مثقال اور ذرے کے درمیان جس قدر مختلف درجات ہیں وہ مثقال والے طبقے اور ذرے والے طبقہ کے درمیان حسب مراتب نکلتے جائیں گے مثقال اور ذرے کے ساتھ موازنہ مثال کے طریقے پر بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ہم نے جنس اور نقد کے درمیان موازنہ ذکر کیا ہے۔

اکثر موحد لوگوں کے حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے کیوں کہ حقوق العباد کا دیوان (نامہ اعمال)

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ سجدہ آیت ۱۲

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۸۲ مرویات ابن عباس

marfat.com

چھوڑا نہیں جائے گا لیکن دوسرے گناہوں کی فوری معافی اور کفارہ ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے۔
کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور اس کی نیکیاں پہاڑوں جیسی ہوں گی کہ اگر محفوظ رہیں تو وہ جنتی ہو اب اصحاب حقوق کھڑے ہوں گے کسی کو اس نے گالی دی ہوگی کسی کا مال لیا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا تو ان کے حقوق اس شخص کی نیکیوں سے پورے کئے جائیں گے حتیٰ کہ اس کے لیے کوئی نیکی باقی نہیں رہے گی اب فرشتے کہیں گے اے ہمارے رب! اس کی نیکیاں ختم ہوگئی ہیں اور مطالبہ کرنے والے بہت سے لوگ باقی ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا ان کے گناہ اس کے کھاتے میں ڈالو اور اس کے لیے جہنم کی طرف ایک پروانہ لکھ دو۔ تو جس طرح وہ بطور قصاص دوسروں کے گناہوں سے ہلاک ہوا اسی طرح مظلوم ظالم کی نیکیوں کے باعث نجات پائے گا کیونکہ وہ اس کے ظلم کی وجہ سے مظلوم کی طرف منتقل ہوں گی۔ ابن جلاء رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ کسی نے ان کی غیبت کی پھر ان کے پاس کسی کو معافی کے لیے بھیجا تو انہوں نے فرمایا میں معاف نہیں کروں گا۔ میرے نامہ اعمال میں اس سے افضل کوئی نیکی نہیں ہے تو میں اسے کیسے مٹا دوں! انہوں نے اور دوسرے حضرات نے بھی فرمایا کہ ہمارے بھائیوں کے گناہ ہماری نیکیاں ہیں ہم ان کے ذریعے اپنے نامہ اعمال کو سجانا چاہتے ہیں۔

تو اُخری سعادت اور بدبختی کے درجات کے سلسلے میں بندوں کے درمیان تفاوت کا تذکرہ ہم کرنا چاہتے تھے وہ یہی یہاں ہے۔ اور یہ سب ظاہری اسباب کے حکم سے ہے جو ڈاکٹر کے اس فیصلے سے مشابہ ہے کہ یہ مریض لامحالہ مرجائے گا اور یہ لاعلاج ہے اور دوسرے مریض کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے کہ اس کی بیماری معمولی ہے اور علاج بھی آسان ہے یہ ایک خیال ہے جو عام طور پر صحیح ہوتا ہے لیکن بعض اوقات ہلاک ہونے والا مریض ٹھیک ہو جاتا ہے اور ڈاکٹر کو اس کا شعور نہیں ہوتا اور معمولی بیماری والا موت کے منہ میں چلا جاتا ہے اور ڈاکٹر کو پتہ تک نہیں چلتا، کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے خفیہ اسرار میں سے ہے جو زندوں کی رُوح سے متعلق ہیں اور یہ خفیہ اسرار اسباب کو پیدا کرنے والے نے معلوم مقدار پر مرتب کئے ہیں اور بندہ اس کی گہرائی تک نہیں جا سکتا آخرت میں کامیابی اور نجات کا بھی یہی معاملہ ہے۔ ان کے بھی خفیہ اسباب ہیں بندے کی طاقت نہیں ہے کہ ان پر مطلع ہو سکے یہ خفیہ سبب جو نجات کی طرف لے جاتا ہے اسے عفو و رضا کہتے ہیں اور جو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے اسے غضب اور انتقام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس سے آگے مشیت الٰہیہ ازلیہ کا راز ہے جس پر مخلوق مطلع نہیں ہو سکتی۔

اسی لیے ہم پر واجب ہے کہ ہم گناہ گار پر عفو درگزر کو جائز سمجھیں اگرچہ اس کے ظاہری گناہ زیادہ ہی ہوں اسی طرح اطاعت گزار پر غضب کو بھی جائز جانیں اگرچہ اس کی ظاہری نیکیاں زیادہ ہی کیوں نہ ہوں کیوں کہ تقویٰ پر اعتماد ہے اور تقویٰ دل میں ہوتا ہے۔ اور وہ اس قدر دقیق ہے کہ خود متقی اس پر مطلع نہیں ہو سکتا دوسرا کس طرح اطلاع پائے گا لیکن بعض اوقات اربابِ قلوب پر منکشف ہوتا ہے کہ بندے کی معافی کسی خفیہ سبب سے ہوئی ہے جو معافی کا تقاضا کرتا تھا اور غضب کا سبب

marfat.com

بھی مخفی ہے جو اللہ تعالیٰ سے دُوری کا مقتضی تھا اگر یہ بات نہ ہوتی، تو معانی اور غضب اعمال واوصاف کا بدلہ نہ ہوتے اور اگر جزا وسزا نہ ہوتی تو عدل نہ ہوتا اور اگر عدل نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا یہ قول صحیح قرار نہ پاتا۔

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ۔ (۱) اور تمہارا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

اور نہ ارشاد خداوندی صحیح قرار پاتا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ۔ (۲) بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔

حالانکہ یہ سب قول صحیح ہیں اور انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے اور وہ اپنی کوشش (کا پھل) دیکھے گا اور ہر شخص اپنی کمائی کے ساتھ گروی ہے اور جب انہوں نے ٹیڑھا راستہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور جب انہوں نے خود اپنی حالت کو بدلنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی حالت کو بدل دیا۔

ارشاد خداوندی ہے،

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ۔ (۳) بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود بدلنے کی کوشش نہ کریں۔

یہ تمام باتیں اہل دل پر منکشف ہوتی ہیں اور یہ انکشاف آنکھوں کے ساتھ دیکھنے سے بھی زیادہ واضح ہوتا ہے کیونکہ نگاہ کو غلطی لگ سکتی ہے اس لیے کہ وہ بعید کو قریب اور بڑے کو چھوٹا دیکھتی ہے لیکن قلبی مشاہدہ کو غلطی نہیں لگتی اور یہ معاملہ بصیرتِ قلبی کی کیفیت میں ہوتا ہے ورنہ جب وہ کھل جاتی ہے تو اس میں جھوٹ کا تصور بھی نہیں ہوتا اس ارشاد خداوندی میں اسی طرف اشارہ ہے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ (۴) جو کچھ آنکھوں نے دیکھا دل نے اس کو نہیں جھٹلایا۔

تیسرا رتبہ،

یہ نجات پانے والوں کا رتبہ ہے اور نجات سے فقط سلامتی مراد ہے سعادت اور کامیابی مراد نہیں ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدمت بھی نہ کی کہ خلعت حاصل کرتے اور کوتاہی بھی نہ کی کہ سزا پاتے ان لوگوں کا حال کفار کے پاگل بچوں اور بیہوش لوگوں کے زیادہ مشابہ ہے بلکہ ان لوگوں کی طرح بھی ہے جن کو اطراف واکناف میں اسلام کی دعوت نہ پہنچی اور

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ فصلت آیت ۴۶

(۲) قرآن مجید، سورۃ النساء آیت ۴۰

(۳) قرآن مجید، سورۃ الرعد آیت ۱۱

(۴) قرآن مجید سورۃ النجم آیت ۱۱

marfat.com

وہ جہالت اور عدمِ معرفت پر رہے نہ انہیں معرفت حاصل ہے اور نہ انکار اسی طرح نہ تو وہ عبادت کرتے ہیں اور نہ ہی نافرمانی۔ نہ قربِ خداوندی کا وسیلہ ہے اور نہ کوئی جرم جو ان کو اللہ تعالیٰ سے دُور کرے یہ لوگ جنتی ہیں نہ جہنمی بلکہ وہ ان دونوں منزلوں کے درمیان ایک منزل اور ان دونوں مقاموں کے درمیان مقام پر اتریں گے شریعت نے اسے اعراف کا نام دیا ہے اور مخلوق میں سے ایک جماعت کا اس میں داخل ہونا قرآن پاک کی آیات اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یقینی طور پر ثابت ہے (۱)

اور انوارِ بصیرت سے بھی پتہ چلتا ہے لیکن معین کر کے کسی پر حکم لگانا مثلاً یہ کہ بچے اعراف والوں میں سے ہوں تو یہ بات غیر یقینی ہے محض گمان ہے حقیقتاً اس کی اطلاع عالمِ نبوت میں ہوتی ہے اولیاء اور علماء کا رتبہ یہاں تک نہیں جاتا۔ اور بچوں کے بارے میں مروی روایات میں بھی تعارض ہے حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی بچے کے فوت ہونے پر فرمایا۔

یہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بات کو رد کرتے ہوئے فرمایا۔ تمہیں کیسے پتہ چلا! (۲)

لہٰذا اس مقام پر اشکال و اشتباہ زیادہ غالب ہے۔

چوتھا تنبیہ :

یہ کامیاب ہونے والوں کا رتبہ ہے اور وہ عارفین ہیں مقلدین نہیں ہیں یہ لوگ مقربین سابقین ہیں کیوں کہ مقلد اگر جنت میں کچھ نہ کچھ کامیابی پائے گا تو وہ اصحابِ یمین سے ہوگا اور یہی لوگ مقرب ہوں گے اور جو کچھ ان کو عطا ہوگا وہ حدِ بیان سے باہر ہے اور جس قدر بیان ہو سکتا ہے وہ قرآن پاک میں مذکور ہے اور اللہ تعالیٰ کے بیان کے بعد کسی کا بیان نہیں ہو سکتا اور اس عالم میں جس کی تعبیر ناممکن ہے وہ اس ارشاد خداوندی میں اجمالاً بیان ہوا ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ۔ (۳)

اور ہر نفس آنکھوں کی اس ٹھنڈک کو نہیں جانتا جو اس کے لیے پوشیدہ رکھی گئی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا۔ اور عارفین کا مطلوب یہی حالت ہے جس کے بارے میں

---

(۱) المعجم الصغیر للطبرانی جلد اول ص ۲۳۸ من اسمہ عبید اللہ

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۲، کتاب القدر

(۳) قرآن مجید، سورۂ سجدہ آیت ۱۷

marfat.com

یہ تصور نہیں ہو سکتا کہ اس عالم میں کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا ہو گا حور و قصور، پھل اور دودھ، شہد و شراب، زیورات و کنگن وغیرہ کی انہیں حرص نہیں ہے اور اگر وہ انہیں دیئے جائیں تو وہ اس پر قناعت نہیں کریں گے وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے دیدار کی لذت کے طالب ہیں اور یہ انتہائی درجہ کی سعادت اور لذت ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت رابعہ عدویہ رحمہا اللہ سے پوچھا گیا کہ جنت میں آپ کی رغبت کا کیا عالم ہے، فرمایا پہلے صاحبِ خانہ پھر گھر، ـــــ تو یہ وہ لوگ ہیں جن کو مالکِ مکان نے مکان اور اس کی زینت سے بے خبر رکھا ہے بلکہ اس کے سوا ہر چیز حتیٰ کہ اپنے نفسوں سے بھی بے خبر ہیں۔

ان کی مثال اس عاشق جیسی ہے جو اپنے معشوق کا گرویدہ ہو وہ اپنی پوری ہمت اس کا چہرہ دیکھنے اور اس کے بارے میں سوچنے میں گزار دیتا ہے وہ حالتِ استغراق میں ہوتا ہے اور اپنے نفس سے غافل ہوتا ہے اس کے بدن کو جو تکلیف پہنچتی ہے اسے اس کا احساس بھی نہیں ہوتا اس حالت کو اپنے نفس سے فنا سے تعبیر کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے غیر میں مستغرق ہو گیا اور اس کے تمام غم ایک ہو گئے اور وہ اس کا محبوب ہے، اب اس میں محبوب کے غیر کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی کہ اس کی طرف متوجہ ہو نہ اپنی اور نہ کسی اور کی ـــ یہی حالت آخرت میں آنکھوں کی ایسی ٹھنڈک تک پہنچائے گی جس کے رے میں تصور نہیں کیا جا سکتا کہ اس عالم میں کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرے جس بہرے اور گونگے کے دل پر رنگوں رآواز کی صورت کا خیال متصور نہیں ہو سکتا جب تک اس کی سماعت و بصارت سے پردہ نہ اٹھ جائے اس وقت اسے ں کی حالت کا ادراک ہوتا ہے اور وہ قطعی طور پر جان لیتا ہے کہ اس سے پہلے اس کے دل میں اس صورت کا خیال نہیں کتا تھا تو حقیقت میں دنیا ایک حجاب ہے اور اس کے اٹھنے سے پردہ اٹھ جائے گا اور اس وقت حیات طیبہ کے ذوق کا ک ہو گا اور یہ کہ آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے اگر وہ جانتے۔

نیکیوں کے حساب سے درجات کی تقسیم کے سلسلے میں اس قدر بیان کافی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے لطف و کرم سے ق دینے والا ہے۔

تیسری فصل :

صغیرہ گناہ، کیسے کبیرہ بنتے ہیں

جاننا چاہیے کہ چند اسباب سے صغیرہ گناہ، کبیرہ بن جاتے ہیں ان میں سے ایک بات گناہ پر ڈٹ جانا اور اسے بار بار ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ اصرار کی صورت میں گناہ، صغیرہ نہیں رہتا۔ اور استغفار کی صورت میں کبیرہ گناہ باقی نہیں رہتا۔ اگر ایسا ہو سکے کہ ایک کبیرہ گناہ کے بعد آدمی باز رہے اور دوسرا کبیرہ نہ کرے تو اس صغیرہ گناہ کے مقابلے میں معافی کی زیادہ ہوتی ہے جس صغیرہ پر آدمی ڈٹا رہتا ہے اس کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے ایک پتھر پہ پانی کا ایک قطرہ مسلسل گرتا ہے

تو اس میں اثر کرتا ہے اور اگر اتنا پانی ایک ہی مرتبہ ڈالا جائے تو وہ اثر انداز نہیں ہوتا۔
اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خَيْرُ الْاَعْمَالِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ (۱) بہترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ کم ہو۔

اور اشیاء اپنی اضداد سے پہچانی جاتی ہیں اور جب دائمی عمل نفع بخش ہوتا ہے اگرچہ کم ہو تو دل کو منور و مطہر کرنے کے لیے زیادہ اور ٹوٹ جانے والا عمل کم نفع دیتا ہے اسی طرح قلیل گناہ جب بار بار کیے جائیں تو دل کو تاریک کرنے میں ان کی تاثیر زیادہ ہوتی ہے البتہ ایسا کم ہوتا ہے کہ آدمی اچانک کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو اور اس کے آگے پیچھے کوئی صغیرہ گناہ نہ ہو بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ زنا کرنے والا اچانک زنا کرنے اور اسے پہلے ارادہ اور زنا کے مقدمات نہ ہوں اور ایسا بھی بہت کم ہوتا ہے کہ کسی سابقہ دشمنی کے بغیر اچانک قتل کر دے تو ہر کبیرہ گناہ سے پہلے اور بعد صغیرہ گناہ ہوتے ہیں اور اگر کبیرہ گناہ کا اچانک ہو جانا متصور ہو اور وہ اسے دوبارہ بھی نہ کرے تو اس میں اس صغیرہ کے مقابلے میں معافی کی زیادہ امید ہوتی ہے جو صغیرہ عمر بھر کرتا رہا۔

صغیرہ گناہ کے کبیرہ بن جانے کا ایک سبب یہ ہے کہ گناہ کو معمولی سمجھا جائے انسان جب گناہ کو بڑا سمجھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ چھوٹا ہو جاتا ہے اور جب اسے چھوٹا سمجھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بڑا ہوتا ہے کیونکہ اسے بڑا سمجھنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں اس سے نفرت پائی جاتی ہے اور وہ اسے ناپسند کرتا ہے اور یہی نفرت اس کی شدت تاثیر کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے اور اس کو معمولی سمجھنا اس سے الفت کی علامت ہے اور اس سے دل پر گہرا اثر مرتب ہوتا ہے اور عبادات کا مقصد دل کو روشن کرنا اور گناہوں کے ذریعے اس پر چڑھنے والی سیاہی سے اسے محفوظ رکھنا ہے یہی وجہ ہے کہ جو کچھ اس سے غفلت میں صادر ہوتا ہے اس پر اس کا مواخذہ نہیں ہوتا اور حدیث شریف میں ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ يَرٰى ذَنْبَهٗ كَالْجَبَلِ فَوْقَهٗ يَخَافُ اَنْ يَّقَعَ عَلَيْهِ وَالْمُنَافِقُ يَرٰى ذَنْبَهٗ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلٰى اَنْفِهٖ فَطَارَهٗ۔

مومن اپنے گناہ کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے اس کے اوپر پہاڑ ہو اور اس کے اس پر گرنے کا ڈر ہو اور منافق اپنے گناہ کو مکھی کی طرح دیکھتا ہے جو اس کے ناک سے گزرتی ہے تو وہ اسے اڑا دیتا ہے۔ (۲)

بعض بزرگوں نے فرمایا وہ گناہ جس کی بخشش نہیں ہوتی بندے کا یہ قول ہے کہ کاش وہ سب گناہ جو میں نے کئے ہیں ایسے ہی ہوتے مومن کے دل میں گناہ کی بڑائی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ جلال الٰہی کا علم رکھتا ہے اور جب وہ دیکھتا ہے کہ

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۶۶ کتاب صلوٰۃ المسافرین۔
(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۳۲ کتاب الدعوات / شعب الایمان جلد ۴ ص ۱۱۴ حدیث ۱۰۴،

اس نے جس کی نافرمانی کی ہے وہ بڑی ذات ہے تو صغیرہ گناہ کو بھی کبیرہ سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی کی طرف وحی بھیجی کہ تجھے کی قلت کو نہ دیکھو یہ دیکھو کہ بھیجنے والا کتنا بڑا ہے اور گناہ کے چھوٹا ہونے کو نہ دیکھو بلکہ اس ذات کی بڑائی کو دیکھو جس کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اسی اعتبار سے بعض عارفین نے فرمایا کہ گناہ صغیرہ کا وجود ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخالفت گناہِ کبیرہ ہے اسی طرح بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تابعین سے فرمایا کہ تم ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نگاہ میں بال سے بھی زیادہ باریک ہیں جب کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان اعمال کو ہلاکت خیز امور سے سمجھتے تھے کیوں کہ جلالِ خداوندی کے حوالے سے صحابہ کرام کو معرفت تامہ حاصل تھی۔

تو وہ جلالِ خداوندی کی نسبت سے صغیرہ گناہ کو بھی کبیرہ سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ جاہل کے مقابلے میں عالم کا گناہ بڑا ہوتا ہے۔ اور بعض باتیں جو عام آدمی سے معاف ہو جاتی ہیں عارف سے معاف نہیں ہوتیں کیونکہ گناہ اور مخالفت، حکم خداوندی کی مخالفت کرنے والے کی مناسبت سے بڑھ جاتی ہے (صغیرہ گناہ کے کبیرہ ہونے کا) ایک سبب صغیرہ گناہ پر خوش ہونا اور فخر کرنا ہے نیز یہ کہنا کہ مجھ سے یہ کام نعمت خداوندی کی وجہ سے ہوا ہے حالانکہ وہ اس بات سے غافل ہے کہ اس کا سبب بدبختی ہے پس جب بھی بندے کو صغیرہ گناہ کی لذت حاصل ہوتی ہے وہ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے اور دل کی سیاہی میں اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے حتیٰ کہ گناہ کے مرتکب بعض لوگ اپنے گناہ پر خوش ہوتے اور فخر کرتے ہیں کہ ان سے یہ کام سرزد ہوا۔ جیسے وہ کہتا ہے تم نے مجھے دیکھا نہیں میں نے کس طرح اس کی عزت کو تار تار کر دیا اور مناظرہ میں اپنے مناظرہ میں کہتا ہے تم نے دیکھا میں نے کس طرح اسے رُسوا کیا۔ اور کس طرح میں نے اس کی برائیاں ذکر کر کے اسے کو شرمندہ کیا اور کس طرح میں نے اسے ہلکا کیا اور اسے دھوکے میں مبتلا کیا۔

اور تجارت میں معاملہ کرنے والا کہتا ہے تم نے دیکھا میں نے کس طرح اس پر کھوٹا سکہ چلا دیا اور کس طرح اسے دھوکے میں مبتلا کیا میں نے کس طرح اسے مالی نقصان پہنچایا اور اسے بیوقوف بنایا۔ اس قسم کی باتوں سے صغیرہ گناہ، کبیرہ میں بدل جاتا ہے پس بے شک گناہ ہلاکت میں ڈالتے ہیں تو جب بندہ ان میں مبتلا ہوتا ہے اور شیطان اسے گناہ پر مجبور کرنے کے ذریعے اس پر غالب آتا ہے تو مصیبت اور افسوس کا مقام ہے کہ دشمن اس پر غالب آگیا اور اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ سے دُور ہو گیا وہ مریض جو دوائی کا برتن ٹوٹنے پر خوش ہوتا ہے کہ چلو دوائی پینے کی تکلیف سے جان چھوٹی تو اس بیمار کی شفاء کی امید نہیں ہو سکتی۔

(گناہ صغیرہ کے کبیرہ بننے کا) ایک اور سبب بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اس کی پردہ پوشی کی ہے اور بردباری فرمائی ہے نیز اسے ڈھیل دی ہے اسے معمولی سمجھے اور اسے معلوم نہ ہو سکے کہ یہ ڈھیل سزا ہے تاکہ اس طرح اس کا گناہ بڑھ جائے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ گناہوں پر اس کا قادر ہونا اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خبری کی وجہ سے ہوتا ہے

marfat.com

اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے مغالطے کی وجہ سے بے علم ہے۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَيَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيرُ۔ (۱)

اور وہ اپنے آپ سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری باتوں پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا، تو انہیں جہنم کافی ہے وہ اس میں داخل ہوں گے اور کیا ہی بُری جگہ ہے لوٹنے کی۔

(گناہ صغیرہ کے کبیرہ میں بدلنے کی) ایک اور وجہ یہ ہے کہ آدمی گناہ کر کے اسے ظاہر کرے یعنی ارتکابِ گناہ کے بعد اس کا ذکر کرے یا دوسرے کے سامنے کرے یہ اس کا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈالا ہے اور وہ اسے اٹھا رہا ہے اور جس کے سامنے اپنے گناہ کا ذکر کرتا ہے اسے برائی کی ترغیب دیتا ہے یا اسے اپنے فعل پر گواہ بناتا ہے تو یہ دونوں باتیں جرم ہیں جو پہلے گناہ کے ساتھ مل کر اسے سخت کر دیتی ہیں اور اگر اس کے ساتھ دوسروں کو ترغیب بھی دے اور ان کو اس پر ابھارے اور ان کے لیے اسباب تیار کرے تو یہ چوتھا جرم بن جائے گا اور معاملہ بہت خراب ہو جائے گا۔

حدیث شریف میں ہے،

كُلُّ النَّاسِ مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ يَبِيتُ أَحَدُهُمْ عَلَى ذَنْبٍ قَدْ سَتَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ فَيُصْبِحُ فَيَكْشِفُ سِتْرَ اللَّهِ وَيَتَحَدَّثُ بِذَنْبِهِ۔ (۲)

تمام لوگوں کے لیے معافی ہے لیکن گناہ کو ظاہر کرنے والوں کے لیے نہیں تم میں سے ایک گناہ کی حالت میں رات گزارتا ہے تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈالا پس صبح وہ اللہ تعالیٰ کے پردے کو پھاڑ دیتا ہے اور اپنا گناہ بیان کرتا پھرتا ہے۔

یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور نعمتوں میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ خوبصورت چیزوں کو ظاہر کرتا اور بُری چیزوں کو چھپاتا ہے اور وہ پردہ دری نہیں فرماتا پس گناہ کا اظہار نعمت کی ناشکری ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ گناہ نہ کرو اور اگر ہو جائے تو دوسروں کو ترغیب نہ دو اس طرح دو گناہ ہو جائیں گے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ۔ (۳)

منافق مردوں اور منافق عورتوں کا باہمی تعلق ہے وہ برائی کا حکم دیتے اور نیکی سے روکتے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ مجادلہ آیت ۸

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۱۶ کتاب الادب

(۳) قرآن مجید، سورۃ توبہ آیت ۶۷

marfat.com

بعض بزرگوں نے فرمایا آدمی اپنے بھائی کی پردہ دری اس سے بڑھ کر نہیں کرتا کہ پہلے گناہ پر اس کی مدد کرے اور پھر اسے اس کے سامنے معمولی قرار دے۔

اگناہ صغیرہ کے کبیرہ ہو جانے کی) ایک وجہ یہ بھی ہے کہ گناہ کرنے والا عالم ہو اور لوگ اس کی اقتدا کرتے ہوں جب وہ اس کا ارتکاب یوں کرے کہ لوگ دیکھ رہے ہوں تو یہ کبیرہ گناہ ہو جائے گا جیسے کوئی عالم ریشمی کپڑا پہنے اور سونے کی سواری پر سوار ہو بادشاہوں سے شبہ کے ساتھ مال حاصل کرے بادشاہوں کے پاس آمد و رفت رکھے اور ان کے حال کو برا بر جانے بلکہ ان کی مدد کرے مسلمانوں کی عزت کے خلاف، زبان کھولے، مناظرے میں حد سے تجاوز کرے اور مقصود دوسرے فریق کی توہین کرنا ہو نیز ایسے علوم میں مشغول ہو جن کا مقصد محض مرتبے کا حصول ہے جیسے جدل و مناظرے کا علم، یہ وہ گناہ ہیں جن میں عالم کی اتباع کی جاتی ہے اب وہ عالم دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے لیکن اس کی برائی باقی رہتی ہے اور عرصہ دراز تک دنیا میں پھیلتی رہتی ہے اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس کے مرنے کے ساتھ ہی اس کے گناہ بھی مر جاتے ہیں۔ ایک حدیث شریف میں ہے۔

مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا۔ (۱)

جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا اس پر اس کا گناہ ہو گا اور ان لوگوں کا گناہ بھی جو اس پر عمل کریں گے (لیکن) ان کے گناہ میں بھی کمی نہیں ہو گی۔

اور ارشاد خداوندی ہے :

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ۔ (۲)

اور ہم لکھتے ہیں جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا اور جو ان کے نشانات ہیں۔

آثار سے مراد وہ اعمال ہیں جو اس عمل کرنے والے اور اس کے عمل کے ختم ہو جانے کے بعد وجود میں آتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں عالم کے لیے خرابی اس کی اتباع کی وجہ سے ہوتی ہے اس سے کوئی لغزش ہو جاتی ہے پھر وہ اس سے رجوع کر لیتا ہے لیکن لوگ اس کام کو کرنے لگتے ہیں اور پورے عالم میں پھیلا دیتے ہیں۔

بعض بزرگوں نے فرمایا عالم کی لغزش کشتی کے ٹوٹنے کی طرح ہے وہ خود بھی ڈوبتی ہے اور اس میں جو سوار ہیں وہ بھی ڈوبتے ہیں۔ اسرائیلی روایات میں ہے کہ ایک عالم بدعت کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کرتا تھا پھر اس نے توبہ کر لی اور عرصہ دراز تک لوگوں کی اصلاح میں مشغول رہا تو اللہ تعالیٰ نے اس دور کے نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ آپ اس

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۲۷ کتاب الزکوٰۃ

(۲) قرآن مجید، سورۃ یٰسین آیت ۱۲

marfat.com

سے فرمائیں کہ اگر تمہارا گناہ صرف میرے اور تیرے درمیان ہوتا تو میں تجھے بخش دیتا لیکن ان لوگوں کا کیا کروں جو تیری وجہ سے گمراہ ہو کر جہنم کے مستحق ہوئے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علما کا معاملہ زیادہ خطرناک ہے لہذا ان پر دو ذمہ داریاں ہیں ایک ترکِ گناہ اور دوسرا گناہ کا چھپانا (اگر کبھی سرزد ہو جائے)

اور جیسا کہ گناہوں کی وجہ سے علما کے لیے سزا زیادہ ہے اسی طرح ان کی نیکیوں کا ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے اگر شریعت کے مطابق چلیں پس جب وہ زیب و زینت اور دنیا کی طرف میلان چھوڑ دیں اور تھوڑے سے مالِ دنیا پر قناعت کریں حسبِ ضرورت رزق اور پرانے کپڑوں پر صبر کر لیں اور یوں اس کی اتباع کی جائے اور علما، و عوام اس کی اقتدا کرنے لگیں تو اسے ان کے ثواب کے برابر ملے گا۔ اور اگر وہ زیب و زینت کی طرف مائل ہو تو اس سے نچلے درجہ کے لوگوں کی طبیعت اس سے مشابہت کی طرف میلان رکھے گی اور زیب و زینت کے لیے حکمرانوں کی چاپلوسی نیز حرام مال جمع کرنا ضروری ہو جائے گا تو گویا یہی عالم ان امور کا باعث ہوگا تو علما کی حرکات کے آثار نفع و نقصان دونوں صورتوں میں زیادہ ہوتے ہیں۔ جن اعمال سے توبہ کرنی چاہیئے ان سے توبہ کے بارے میں اس قدر تفصیل کافی ہے۔

تیسرا رکن:

توبہ کی تکمیل اس کی شرائط اور آخر عمر تک اس کا باقی رہنا

ہم نے ذکر کیا ہے کہ توبہ ندامت کا نام ہے جو عزم اور قصد کو پیدا کرتی ہے اور یہ ندامت اس بات کے علم کا نتیجہ ہے کہ گناہ بندے اور اس کے محبوب کے درمیان حائل ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک یعنی علم، ندامت اور عزم کے لیے دوام کے لیے کچھ شرائط ہیں اور ان سب کا بیان ضروری ہے۔

علم کا بیان تو سببِ توبہ کا بیان ہے جو بعد میں آئے گا اور ندامت دل کے درد کا نام ہے اور یہ اس وقت ہوتی ہے جب محبوب کے نہ ملنے کا شعور ہو اور اس کی علامت طویل حسرت، غم اور آنسوؤں کا بہانا اور رونا اور فکر ہے جس آدمی کو اس بات کا علم ہو کہ اس کی بعض اولاد یا رشتہ داروں پر کوئی مصیبت نازل ہونے والی ہے تو اس کی پریشانی اور رونا دھونا زیادہ ہو جاتا ہے اور نفس سے زیادہ عزیز کیا چیز ہے اور جہنم سے زیادہ سخت سزا کونسی ہو سکتی ہے نیز گناہوں سے بڑھ کر عذاب کا باعث کیا چیز ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے زیادہ سچا خبر دینے والا کون ہے اگر کوئی ڈاکٹر کسی شخص کو خبر دے کہ اس کے بیمار بیٹے کی بیماری لاعلاج ہے یا وہ عنقریب مر جائے گا تو اسی وقت اس کا غم بڑھ جاتا ہے حالانکہ اس کا بیٹا اس کے لئے اپنے نفس سے زیادہ عزیز نہیں ہے اور نہ ڈاکٹر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عالم اور سچا ہے نہ موت جہنم سے زیادہ سخت ہے اور نہ موت، گناہوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور جہنم میں داخل

marfat.com

ہونے پر زیادہ دلالت کرتی ہے تو جب ندامت کا درد زیادہ ہوگا تو اس کے سبب گناہوں کے مٹنے کی امید بھی زیادہ ہوگی۔ اور صحیح ندامت کی علامت دل کی نرمی اور آنسوؤں کا بہنا ہے حدیث شریف میں ہے۔

جَالِسُوا التَّوَّابِيْنَ فَاِنَّهُمْ اَرَقُّ اَفْئِدَةً۔ (۱) خوب توبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھا کرو کیوں کہ ان کے دل زیادہ نرم ہوتے ہیں۔

ندامت کی ایک پہچان یہ ہے کہ اس کے دل میں گناہوں کی حلاوت کی بجائے ان کی کڑواہٹ قرار پکڑے اور گناہ کی طرف میلان کی بجائے ناپسندیدگی اور رغبت کی بجائے نفرت پیدا ہو۔

اسرائیلی روایات میں ہے کہ ایک نبی علیہ السلام نے ایک بندے کی قبولیت توبہ کے بارے میں پوچھا کہ اس نے سالہا سال عبادت کی لیکن توبہ کی قبولیت ظاہر نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم اگر تمام آسمانوں اور زمین والے اس کی سفارش کریں تو بھی میں اس کی توبہ قبول نہیں کروں گا کیوں کہ جس گناہ سے وہ توبہ کر رہا ہے اس کی مٹھاس اب بھی اس کے دل میں موجود ہے۔

سوال:

گناہ تو وہ اعمال ہیں جن کی خواہش طبعی ہوتی ہے تو ان کی کڑواہٹ کیسے محسوس کرے گا۔

جواب:

جو شخص ایسا شہد کھائے جس میں زہر ملا ہوا ہو اور وہ اسے اس کی لذت اور ذائقے کی وجہ سے محسوس نہ ہو پھر وہ بیمار ہو جائے اور اس کی بیماری اور درد طویل ہو جائے اس کے بال بکھر جائیں اور اعضاء جواب دے جائیں پھر جب اس کے سامنے شہد لایا جائے جس میں اسی قسم کا زہر ہو اور اسے سخت بھوک بھی لگی ہوئی ہو اور اس کی مٹھاس کی وجہ سے خواہش بھی ہو تو کیا وہ اس شہد سے نفرت کرے گا یا نہیں؟ اگر تم کہو کہ نہیں تو یہ مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے بلکہ وہ تو بعض اوقات اس شہد سے بھی نفرت کرتا ہے جس میں زہر نہ ہو کیوں کہ اسے اس کا شبہ پڑتا ہے۔

پس توبہ کرنے والا جو گناہوں کی تلخی دل میں پاتا ہے اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ہر گناہ کا ذائقہ شہد کی طرح اور اس کا عمل زہر والا ہوتا ہے اور جب تک ایسا ایمان نہ ہو توبہ صحیح اور سچی نہیں ہوتی اور چونکہ ایسا ایمان بہت کم پایا جاتا ہے اس لیے توبہ بھی کم ہوتی ہے اور توبہ کرنے والے بھی۔

لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے دُور کرنے والے گناہوں کو معمولی خیال کرنے والوں اور ان پر اصرار کرنے والوں کو ہی دیکھتے ہو تو یہ ندامت کی تکمیل کی شرط ہے اور اسے موت تک رہنا چاہیئے اور تمام گناہوں میں یہ کڑواہٹ بھی محسوس ہونی چاہیے۔

---

(۱) الاحادیث الضعیفۃ جلد اول ص ۱۲۷ حدیث ۱۰۲

marfat.com

اگرچہ اس نے پہلے ان کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ جیسے شہد میں ملا ہوا زہر کھانے والا ٹھنڈے پانی سے بھی نفرت کرتا ہے جب اسے یہ معلوم ہو کہ اس میں بھی زہر ہے کیوں کہ اسے شہد سے تکلیف نہیں پہنچتی بلکہ اس میں جو زہر تھا اس سے پہنچی ہے اور جو آدمی چوری اور زنا سے توبہ کرتا ہے اسے چوری اور زنا سے ضرر نہیں پہنچتا بلکہ اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی ہے اور یہ بات تمام گناہوں میں جاری ہوتی ہے۔

باقی رہا وہ قصد جو ندامت سے پیدا ہوتا ہے وہ تدارک کا ارادہ ہے اس کا حال سے تعلق ہے اور وہ ہر اس ممنوع کام کے ترک کو واجب کرتا ہے جس میں وہ ملوث ہو نیز ہر اس فرض کی ادائیگی کرے جو فی الحال اس کی طرف متوجہ ہے اور اس کا ماضی سے تعلق ہے اور وہ کوتاہی کا تدارک کرنا ہے اور اس کا مستقبل سے بھی تعلق ہے اور وہ عبادت کا دائمی ہونا اور مرتے دم تک گناہ کو چھوڑے رکھنا ہے۔

ماضی کے ساتھ تعلق کے حوالے سے اس توبہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اپنے فکر کو اس پہلے دن کی طرف لوٹائے جس دن عمر کے اعتبار سے یا احتلام کے باعث بالغ ہوا اور گذشتہ زندگی کے ایک ایک سال ایک ایک مہینے ایک ایک دن اور ایک ایک سانس کی چھان بین کرے اور دیکھے کہ کونسی کونسی عبادات میں کوتاہی ہوئی ہے اور کن کن گناہوں کا ارتکاب کیا ہے اگر نماز چھوڑی ہو یا ناپاک کپڑوں میں ادا کی ہو یا غیر صحیح نیت کے ساتھ ادا کی ہو کہ اسے نیت کی شرط کا علم نہ ہو تو آخر تک ان تمام نمازوں کی قضا کرے اگر فوت شدہ نمازوں کی تعداد میں شک ہو تو بالغ ہونے سے حساب شروع کرے اور جن نمازوں کی ادائیگی کا یقین ہو ان کو چھوڑ کر باقی نمازیں ادا کرے اور اس سلسلے میں غالب گمان پر عمل کرے اور غور و فکر بھی کرے۔

اور روزہ اگر سفر میں چھوڑا اور اسے قضا نہیں کیا یا جان بوجھ کر توڑ دیا یا رات کو نیت کرنا بھول گیا اور قضا نہیں کیا (احناف کے نزدیک ماہ رمضان کے روزوں کے نیت رات کے وقت ضروری نہیں ۱۲ ہنرادی) تو غور و فکر کے ذریعے ان روزوں کی تعداد معلوم کر کے ان کی قضا کرے۔

جہاں تک زکوٰۃ کا تعلق ہے تو تمام مال کا حساب لگائے اور جب سے اس کا مالک ہوا ہے اس وقت سے سالوں کا شمار کرے بلوغت سے نہیں کیونکہ زکوٰۃ بچے کے مال میں بھی واجب ہے اب جو غالب گمان ہو کہ اتنی زکوٰۃ اس کے ذمہ ہے وہ ادا کرے اور اگر اس کی ادائیگی میں اپنے مذہب کی مطابقت کا خیال نہ کیا مثلاً شافعی مسلک سے تعلق تھا اور زکوٰۃ کے آٹھوں مصارف کو ادائیگی نہیں کی یا جو مال واجب ہوا تھا اس کا عوض دے دیا تو تمام زکوٰۃ دوبارہ دے کیوں کہ یہ زکوٰۃ بالکل ادا نہیں ہوئی۔ زکوٰۃ کا حساب اور اس کی معرفت ایک طویل بات ہے۔ اور اس کا حساب معلوم کرنے میں مکمل غور و فکر چاہیئے۔ اسے چاہیے کہ علماء سے ادائیگی کا طریقہ پوچھے۔

حج کا مسئلہ اس طرح ہے کہ بعض سالوں میں اسے حج کی طاقت ہوتی ہے لیکن جانے کا اتفاق نہیں ہوتا اب

وہ مفلس ہوگیا تو بھی اس پر حج لازم ہے اگر وہ افلاس کی وجہ سے حج کرنے پر قادر نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ زادراہ کا اندازہ حلال مال کمائے اور اگر مال کمانے کی کوئی تدبیر بھی نہ ہو اور اس کے پاس مال بھی نہ ہو تو لوگوں کو متوجہ کرے کہ وہ اسے زکوٰۃ اور دیگر صدقات سے اس قدر مال دیں کہ وہ حج کر سکے اگر وہ حج کرنے سے پہلے مر گیا تو گناہ گار مرا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَمَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ اِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا وَاِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا۔ (۱)

اور جو شخص مر جائے اس حال میں کہ (فرض ہونے کے باوجود) اس نے حج نہیں کیا تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے چاہے عیسائی ہو کر (مرے)

اور طاقت کے حصول کے بعد طاری ہونے والا عجز اس سے حج کو ساقط نہیں کرتا۔ تو عبادات کی چھان بین اور ان میں کی گئی کوتاہی کا یوں تدارک کرنا چاہیئے۔

جہاں تک گناہوں کا تعلق ہے تو جب سے بالغ ہوا ہے اس وقت سے غور و فکر کرے کہ اس کا کان، آنکھ، زبان، پیٹ، ہاتھ پاؤں، شرمگاہ اور دوسرے اعضاء سے کون کونسے گناہ سرزد ہوئے پھر تمام دنوں اور ساعتوں کا حساب لگائے اور گناہ کا دفتر کھول کر ایک ایک گناہ کی تفصیل معلوم کرے حتیٰ کہ تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں پر مطلع ہو جائے پھر ان میں غور کرے ان میں سے جو گناہ حقوق اللہ کے حوالے سے ہوں لوگوں کے حقوق سے متعلق نہیں ہیں مثلاً غیر محرم عورت کی طرف دیکھنا، حالتِ جنابت میں مسجد میں بیٹھنا، قرآن پاک کو بے وضو ہاتھ لگانا، بدعت کا اعتقاد رکھنا، شراب نوشی کرنا، گانے سننا اور ان کے علاوہ دوسرے گناہ جن کا حقوق العباد سے کوئی تعلق نہیں تو ان سے توبہ یہ ہے کہ ان پر ندامت اور حسرت ظاہر کرے اور ان کی مقدار کا حساب لگائے یعنی ان کے کبیرہ ہونے اور مدت کے حساب سے دیکھے پھر ہر گناہ کے مناسب کوئی نیکی تلاش کرے اور ان گناہوں کے برابر نیک اعمال کرے یہ، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی پر عمل کرنا ہے۔

آپ نے فرمایا:۔

اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُ كُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا۔ (۲)

اللہ تعالیٰ سے ڈرو جہاں بھی ہو اور برائی کے بعد نیکی لاؤ وہ اسے مٹا دے گی۔

بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو بھی سامنے رکھے۔

---

(۱) الکامل لابن حدی جلد ۴ ص ۱۶۲۰ ترجمہ عبدالرحمان بن قطامی

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۵۳ مرویات ابوذر

marfat.com

اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ (۱) بے شک نیکیاں، برائیوں کو لے جاتی ہیں۔

تو گانا، سننے کے گناہ کو قرآن پاک کی سماعت اور مجالسِ ذکر کے ذریعے ختم کرے مسجد میں حالتِ جنابت میں بیٹھنے کا کفارہ عبادت میں مشغولیت کے ساتھ اعتکاف کے ذریعے ادا کرے بے وضو قرآن پاک کو ہاتھ لگانے کے گناہ کا کفارہ قرآن پاک کی عزت اور کثرتِ تلاوت کو بنائے نیز قرآن پاک کو بہت زیادہ چومے نیز ایک نسخہ قرآن پاک اپنے ہاتھ سے لکھ کر وقف کردے (۲)

شراب نوشی کا کفارہ یوں ادا کرے کہ حلال مشروب جو شراب سے بھی زیادہ عمدہ اور پسندیدہ ہو صدقہ کرے تمام گناہوں کا شمار ناممکن ہے مقصود تو ان کے خلاف راستے پر چلنا ہے کیونکہ بیماری کا علاج اس کی ضد کے ساتھ کیا جاتا ہے کسی گناہ کی وجہ سے دل پر جو تاریکی آتی ہے اسے وہی نور ختم کر سکتا ہے جو اس گناہ کے مقابلے نیکی کے باعث پیدا ہوتا ہے گناہ کی ضد نیکی ہی مناسب ہوتی ہے لہٰذا چاہیے کہ ہر گناہ کو اس کی ہم جنس نیکی کے ذریعے مٹائے مگر یہ نیکی اس کی ضد سے ہو، کیوں کہ سفیدی، سیاہی کے ذریعے زائل ہوتی ہے گرمی یا ٹھنڈک کے ذریعے نہیں گناہوں کے مٹانے کا یہ تدریجی طریقہ بہت مناسب ہے اس میں گناہوں کے دور ہونے کی امید زیادہ ہے نیز ایک ہی قسم کی عبادت میں مصروفیت کے مقابلے میں اس پر یقین زیادہ ہے اگرچہ وہ بھی گناہوں کے مٹانے میں موثر ہے۔ یہ تو حقوق اللہ کا معاملہ ہے۔ اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ کسی چیز کا کفارہ اس کی ضد کو بنانا چاہیئے کیوں کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اور دنیا کی اتباع کا اثر دل میں اس طرح ہوتا ہے کہ آدمی اس پر خوش ہوتا اور اس کا شوق رکھتا ہے پس اگر مسلمان کو کوئی ایسی تکلیف پہنچے جس کے سبب سے اس کا دل دنیا سے اُچاٹ ہو جائے تو یہ بھی اس کے لیے کفارہ ہوگا کیوں کہ دل کو غم اور رنج کی وجہ سے دنیا سے علیحدگی ہوتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مِنَ الذُّنُوْبِ ذُنُوْبٌ لَا یُکَفِّرُھَا اِلَّا الْھُمُوْمُ۔ بعض گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ صرف رنج و غم ہے

ایک روایت میں ہے۔

اِلَّا الْھَمَّ بِطَلَبِ الْمَعِیْشَۃِ۔ (۳) طلب معیشت کا غم ان گناہوں کا کفارہ ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ ہود آیت ۱۱۴

(۲) آج کل اس کی صورت چھپا ہوا قرآن پاک خرید کر وقف کر دینا ہے ۱۲ ہزاروی

(۳) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۶۲، ۶۴ کتاب البیوع۔

marfat.com

إِذَا كَثُرَتْ ذُنُوبُ الْعَبْدِ وَلَمْ تَكُنْ
لَهُ أَعْمَالٌ تُكَفِّرُهَا أَدْخَلَ اللهُ عَلَيْهِ
الْهُمُومَ فَتَكُونُ كَفَّارَةً لِذُنُوبِهِ۔

جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور اس کے پاس ایسے اعمال نہیں ہوتے جو ان کا کفارہ بنیں تو اللہ تعالیٰ اسے پریشانیوں میں مبتلا کر دیتا ہے جو اس کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہیں۔ (۱)

کہا جاتا ہے کہ دل میں جو غم آتا ہے اور بندے کو اس کا علم نہیں ہوتا وہ گناہوں کی تاریکی اور ان پہ غمگین ہونا ہے اسے چاہیئے کہ حساب کے لیے کھڑا ہونے اور حشر کی دہشت سے واقف ہو۔

سوال:

انسان کا غم عام طور پہ مال، اولاد اور جاہ و مرتبہ کا ہوتا ہے اور یہ گناہ ہے تو کفارہ کیسے بنے گا؟

جواب:

جان لو! ان چیزوں کی محبت گناہ ہے اور ان سے محرومی کفارہ ہے اگر محبت کی بنیاد پہ ان سے نفع اٹھاتا ہے تو گناہ مکمل ہو جائے گا ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے جبل میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات کی انہوں نے پوچھا آپ نے اس غمگین بزرگ (حضرت یعقوب علیہ السلام) کو کس حالت میں چھوڑا؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا ان کو آپ کا اتنا رنج ہے جتنا ان سو عورتوں کو ہوتا ہے جن کے بچے مر جاتے ہیں انہوں نے پوچھا اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے کیا ثواب ہے؟ فرمایا ایک سو شہید کا ثواب ہے۔

تو غم بھی حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی کا کفارہ بنتے ہیں یہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔

جہاں تک بندوں کے حقوق کا تعلق ہے تو ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کا گناہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر ظلم کرنے سے بھی منع فرمایا ہے تو جو گناہ حقوق اللہ سے متعلق ہیں ان کا تدارک ندامت اور افسوس کے ذریعے ہوتا ہے نیز مستقبل میں ان گناہوں کو چھوڑا جائے اور ان کے مقابل نیکیوں کو اپنایا جائے لوگوں کی ایذا رسانی کے مقابلے میں ان پر احسان کیا جائے ان کے مال غصب کئے ہوں تو حلال مال سے صدقہ کیا جائے اور اگر غیبت و عیب جوئی وغیرہ کے ذریعے ان کی عزت پر حملہ کیا ہے تو ان کی تعریف کرے بشرطیکہ وہ دین دار ہوں اور اپنے ہم پلہ لوگوں کی جو اچھی باتیں معلوم ہوں ان کو ظاہر کرے اگر لوگوں کو قتل کیا ہے تو اس کا کفارہ غلاموں کو آزاد کرنا ہے (آجکل غلامی کا سلسلہ نہیں ہے) کیوں کہ یہ بھی زندہ کرنا ہے کیوں کہ غلام ذاتی طور پر مفقود اور مالک کے ذریعے زندہ ہے اور آزاد کرنا ایک طرح کا کسی کو وجود میں لانا ہے انسان اس سے زیادہ پہ قادر نہیں ہو سکتا لہذا کسی کو ختم کر دینا اس کو وجود میں لانے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۵۷ مرویات عائشہ

marfat.com

کے مقابل ہے۔

اس سے تمہیں معلوم ہوگیا کہ ہم نے گناہ کے کفارے اور اسے مٹانے کے سلسلے میں جو کچھ اس کے مخالف راستے پر چلنے سے متعلق لکھا ہے اس پر شریعت کی گواہی پائی جاتی ہے کیونکہ قتل کا کفارہ غلام آزاد کرنا رکھا گیا ہے پھر جب یہ سب کچھ کرلے تو بھی اس وقت تک نجات نہیں پا سکتا اور نہ ہی یہ عمل اسے کفایت کر سکتا ہے جب تک بندوں کے حقوق ادا نہ کرے اور حقوق العباد یا تو جان سے متعلق ہوتے ہیں یا مالوں سے اور یا عزت سے تعلق رکھتے ہیں یا ان کا تعلق دلوں سے ہوتا ہے اور اس سے محض ایذا رسانی مراد ہے۔

جہاں تک جانوں کا تعلق ہے تو اگر قتل خطاء کا معاملہ ہے تو اس سے توبہ یہ ہے کہ دیت ادا کی جائے اور وہ مستحق تک پہنچے یا تو وہ خود دے یا اس کی عاقلہ (ورثاء) ادا کریں جب تک خون بہا مستحق تک نہ پہنچے یہ گناہ گار رہے گا۔

اور اگر جان بوجھ کر قتل کیا ہے جس سے قصاص واجب ہوتا ہے تو قصاص سے توبہ قبول ہوگی اور اگر (مقتول کے ورثاء کو) قاتل کا علم نہ ہو تو اسے (قاتل کو) چاہیئے کہ مقتول کے ولی کو جا کر بتا دے اور اپنے آپ کو اس کے اختیار میں دے دے اب اس کی مرضی اسے قتل کرے یا معاف کر دے اسی عمل کی بدولت گناہ سے جان چھوٹے گی اس کے لیے قتل کو چھپانا جائز نہیں اور یہ گناہ شراب، زنا، چوری ڈاکہ زنی یا ایسے عمل کی طرح نہیں ہے جس کے باعث حد واجب ہوتی ہے ان صورتوں میں توبہ کے لیے ضروری نہیں کہ اپنے آپ کو رسوا کرے اور پردہ اٹھا دے اور حاکم سے مطالبہ کرے کہ وہ اس سے اللہ تعالیٰ کا حق وصول کرے بلکہ اس پر لازم ہے کہ گناہ پر پردہ ڈالے اور اپنے آپ کو طرح طرح کے مجاہدات اور عذابِ نفس میں ڈالنے کے ذریعے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی حد قائم کرے محض حقوق اللہ میں توبہ کرنے اور نادم ہونے والوں کے لیے معافی زیادہ قریب ہے اور اگر وہ اپنا معاملہ حکمران کے پاس لے جائے کہ وہ اس پر حد قائم کرے تو بھی صحیح ہے اور اس کی توبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صحیح مقبول ہوگی اور اس کے دلیل حضرت ماعز رضی اللہ عنہ والی روایت ہے حضرت ماعز بن مالک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے مجھ سے زنا سرزد ہوا میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے پاک کر دیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس کر دیا جب دوسرا دن ہوا تو پھر حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ سے زنا سرزد ہوا ہے آپ نے دوبارہ واپس کر دیا جب تیسرا دن ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کے لیے ایک گڑھا کھودا گیا پھر آپ نے حکم دیا تو ان کو رجم کیا گیا اب ان کے بارے میں صحابہ کرام دو حصوں میں بٹ گئے ایک گروہ کہتا تھا کہ وہ ہلاک ہوئے اور ان کو ان کے گناہوں نے گھیر لیا ہے جب کہ دوسرے گروہ نے کہا کہ ان کی توبہ سے زیادہ سچی توبہ کسی کی نہیں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِّمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ — بے شک انہوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے امت

marfat.com

وَسَعَتْهُمْ (۱) کے درمیان تقسیم کر دیا جائے تو وہ ان سب کو کافی ہو۔

غامدیہ، حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ سے زنا کا گناہ سرزد ہوا ہے پس مجھے پاک کیجئے آپ نے انہیں واپس بھیج دیا جب دوسرا دن ہوا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے مجھے واپس کیوں بھیجا ہے! شاید آپ مجھے بھی حضرت ماعز کی طرح لوٹانا چاہتے ہیں اللہ کی قسم! میں حاملہ ہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب تم جاؤ جب بچہ پیدا ہو جائے (تو آنا) جب بچہ پیدا ہوا تو وہ اسے کپڑے کے ایک ٹکڑے میں لے کر حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ بچہ ہے جو پیدا ہو چکا ہے آپ نے فرمایا جاؤ اور اسے دودھ پلاؤ یہاں تک کہ یہ دودھ چھوڑ کر غذا کھانے لگے جب بچے نے غذا کھانا شروع کی اور دودھ پینا چھوڑ دیا تو وہ اسے لے کر حاضر ہوئیں اور اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم اس نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور کھانا کھانے لگا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ ایک مسلمان مرد کے حوالے کیا پھر حکم دیا تو ان کے سینے تک گڑھا کھودا گیا اس کے بعد آپ نے لوگوں کو حکم دیا تو انہوں نے اس خاتون کو سنگسار کر دیا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک پتھر لے کر آئے اور اس کے سر میں مارا اس سے خون کے چھینٹے آپ کے چہرے پر پڑے تو آپ نے اس کو برا بھلا کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ کلمات کہتے ہوئے سنا تو فرمایا۔

مَهْلًا يَا خَالِدُ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهُ۔

رک جاؤ اے خالد! پس اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے البتہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ٹیکس وصول کرنے والا بھی ایسی توبہ کرے تو اسے بخش دیا جائے — پھر آپ کے حکم سے اس خاتون کو دفن کر دیا گیا۔

جہاں تک قصاص اور حد قذف کا تعلق ہے تو اس میں صاحب حق کو اپنے اوپر اختیار دینا ضروری ہے اور اگر کسی کا مال لیا ہے تو وہ غصب یا خیانت کے ذریعے لیا ہوگا یا کسی قسم کا دھوکہ کر کے معاملے میں غبن کیا ہوگا جیسے کھوٹا سکہ رائج کرنا یا مبیع کا عیب چھپانا یا مزدوری میں کمی کرنا یا اسے بالکل اجرت نہ دینا تو ان تمام باتوں کی چھان بین شروع سے کرے بالغ ہونے کے بعد سے نہیں کیوں کہ جو کچھ بچے کے مال میں واجب ہے بالغ ہونے کے بعد اس کا نکالنا اس بچے پر لازم ہے اگر اس کے ولی نے اس میں کوتاہی کی ہو اور اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو وہ ظالم ہے اس سے مطالبہ کیا جائے کیوں کہ مالی حقوق میں بچہ اور بالغ برابر ہیں۔

آدمی کو چاہیے کہ ایک ایک دانے اور ایک ایک پیسے کا حساب کرے اور یہ زندگی کے پہلے دن سے توبہ کے دن

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۶۸ کتاب الحدود

(۲) " " " "

marfat.com

تک ہو۔ اس سے پہلے کہ قیامت کے دن حساب لیا جائے اور قیامت کی پوچھ گچھ سے پہلے ہی احتساب کرے جو شخص دنیا میں اپنے نفس کا احتساب نہیں کرتا آخرت میں اس کا حساب طویل ہو جاتا ہے اگر غالب گمان یا کسی قسم کے اجتہاد سے اسے معلوم ہو جائے کہ اس کے ذمہ کس قدر ہے تو اسے لکھ لے پھر شہروں میں گھوم پھر کر ان کو تلاش کرے اور ان سے معاف کروائے یا ان کے حقوق ادا کر دے ظالموں اور تاجروں کے لیے اس قسم کی توبہ مشکل ہوتی ہے کیوں کہ معاملہ کرنے والے تمام لوگوں کو تلاش کر سکتے اور نہ ہی ان کے ورثاء کو ڈھونڈھ سکتے ہیں لیکن ہر شخص پر لازم ہے کہ جس قدر ممکن ہو سکے کرے۔

اگر عاجز ہو جائے تو صرف ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ اپنی نیکیوں میں اضافہ کرے تاکہ قیامت کے دن حق دار کا حق ان سے ادا کیا جائے یعنی اس کی نیکیاں لے کر ان لوگوں کے پلڑے میں ڈالی جائیں جن کے حقوق اس کے ذمہ ہیں لیکن اس کی نیکیاں اس قدر زیادہ ہوں جس قدر مظالم زیادہ تھے کیوں کہ جب اس کی نیکیاں کفایت نہیں کریں گی تو حقوق والوں کے گناہ اس کے کھاتے میں ڈالے جائیں گے۔ تو اس طرح وہ دوسروں کے گناہوں کے سبب سے ہلاک ہوگا۔

تو حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں پوری توبہ کرنے والوں کے لیے یہی طریقہ ہے اور اس سے لازم آتا ہے کہ تمام زندگی نیکی میں گزارے اگر عمر لمبی ہو یعنی جتنا طویل عرصہ حقوق پر ڈاکہ ڈالا ہے اسی قدر نیکیوں کا زمانہ بھی ہونا چاہیے۔

اور چوں کہ عمر کا کوئی پتہ نہیں کہ کس قدر ہوگی اور بعض اوقات موت قریب ہوتی ہے تو تنگ وقت میں نیکیوں کے لیے اس سے بھی زیادہ مستعد ہو جس قدر وہ کشادہ وقت میں برائیوں کے لیے مستعد تھا یہ ان حقوق کا معاملہ ہے جو اس کے ذمہ ہیں لیکن جو مال موجود ہے تو اگر اس کے مالک کا علم ہے تو اس کی طرف لوٹا دے اور جس کے مالک کا علم نہ ہو اس پر اسے صدقہ کرنا لازم ہے اگر حلال و حرام باہم مل جائے تو اسے چاہیے کہ سوچ بچار کے ذریعے حرام کی مقدار معلوم کرے اور یہ مقدار صدقہ کر دے جیسا کہ اس سے پہلے حلال و حرام کی بحث میں گزر چکا ہے اور اگر ان کے دلوں کو یوں اذیت پہنچائی ہے کہ لوگوں کے سامنے ایسی باتیں کی ہیں جو ناپسندیدہ ہیں یا پیٹھ پیچھے عیب لگایا تو جس کے ساتھ زبان درازی کی یا اپنے کسی عمل سے اس کا دل دکھایا ہو تو ان میں سے ایک ایک کو تلاش کر کے معافی مانگے اور جو فوت ہو گیا یا غائب ہو گیا اس کا معاملہ بھی اس کے ساتھ چلا گیا اور اب اس کا تدارک اسی طرح ہو سکتا ہے کہ بہت زیادہ نیکی کرے تاکہ قیامت کے دن ان کے ذریعے بدلہ دے سکے لیکن جو شخص مل جائے اور وہ دل کی خوشی سے معاف کر دے تو یہ اس گناہ کا کفارہ ہے اور اسے چاہیے کہ اس شخص کو بتا دے کہ اس نے کس قدر جرم کیا اور اس کے درپے ہوا کیونکہ وضاحت کے بغیر مبہم معافی کافی نہیں ہے اس لیے بعض اوقات جب اس شخص کو اس کی زیادتی کی کثرت کا علم ہوتا ہے تو وہ برضا و رغبت معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور یہ قیامت کے لیے جمع ہو جاتا ہے پھر اس کی نیکیوں سے کفارہ ادا کیا جاتا ہے یا اس کے گناہ اس کے کھاتے میں ڈالے جاتے ہیں۔

اور اگر ان جرائم میں ایسے جرم بھی ہوں کہ ان کے ذکر کرنے یا اس شخص کو بتانے سے اسے اذیت پہنچتی ہے مثلاً

marfat.com

اس کی لونڈی یا بیوی سے زنا کا ارتکاب کیا ہو یا اس کے کسی خفیہ عیب کو زبان پر لایا ہو تو اس کے بیان کرنے سے تکلیف بڑھ جاتی ہے اور اس طرح معافی مانگنے کا راستہ مسدود ہو جاتا ہے ہاں مبہم طور پر معافی مانگ سکتا کہ میں نے تم سے جو زیادتی کی ہے معاف کر دو) اب جو ظلم و زیادتی رہ جائے گی اسے نیکیوں کے ذریعے پورا کرے جس طرح مرنے والے اور غائب سے زیادتی کو پورا کیا جاتا ہے۔

جہاں تک اس کے ذکر کرنے اور آگاہ کرنے کا تعلق ہے تو یہ ایک نیا گناہ ہے جس سے الگ معافی مانگنا پڑے گی اور اگر اس جرم کا ذکر کیا اور جس کے ساتھ زیادتی کی تھی اسے بتا دیا لیکن وہ معاف کرنے پر راضی نہ ہوا تو گناہ اس کے ذمہ رہے گا کیونکہ وہ اس دوسرے شخص کا حق ہے اب اسے چاہیے کہ اس سے نرمی کا سلوک کرے اور اس کے کام کاج میں مدد کرے اس سے محبت اور شفقت کا اظہار کرے تاکہ اس کا دل اس کی طرف مائل ہو کیونکہ انسان، احسان کا بندہ ہے اور جو شخص برائی کی وجہ سے بھاگتا ہے وہ نیکی کے ذریعے مائل ہوتا ہے لہذا جب زیادہ محبت اور مہربانی کی وجہ سے اس کا دل خوش ہو گا تو وہ خود بخود معاف کرنے پر تیار ہو جائے گا۔

اور اگر اس کے باوجود معاف نہ کرنے پر اصرار کرے تو بھی اس سے مہربانی کا سلوک اور عذر پیش کرنا مجرم کی ان نیکیوں میں شمار ہو گا جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان مظالم کا بدلہ ہو گا۔ جیسے کوئی شخص دنیا میں کسی کا مال ہلاک کرے پھر اس کی مثل لائے لیکن مال کا مالک اسے قبول کرنے یا معاف کرنے سے انکار کر دے تو حاکم فیصلہ دے گا کہ وہ اس مال پر قبضہ کرے اس کا دل چاہے یا نہ۔ اسی طرح میدانِ قیامت میں سب سے بڑا حاکم اور سب سے زیادہ انصاف کرنے والا اللہ تعالیٰ حکم جاری کرے گا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے قتل کئے تھے اس نے زمین والوں میں سے سب سے زیادہ علم والے کے بارے میں پوچھا تو ایک راہب کی طرف اس کی راہنمائی کی گئی وہ اس کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے ننانوے قتل کئے ہیں کیا میری توبہ قبول ہو گی اس نے کہا نہیں، چنانچہ اس شخص نے اسے بھی قتل کر دیا پھر کسی بڑے عالم کے بارے میں پوچھا تو ایک عالم کی طرف راہنمائی کی گئی اس نے کہا ہاں، تمہارے اور تمہاری توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے فلاں علاقے کی طرف جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار ہیں ان کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اپنے علاقے کی طرف واپس نہ آنا کیوں کہ وہ برا علاقہ ہے وہ چلا گیا جب راستے کے درمیان میں پہنچا تو اسے موت آ گئی اب رحمت کے فرشتے کہنے لگے یہ شخص صدق دل سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف جا رہا تھا جب کہ عذاب کے فرشتوں نے کہا اس نے کبھی بھی اچھا عمل نہیں کیا تو ایک فرشتہ انسانی صورت میں آیا اور انہوں نے اسے اپنا فیصل بنا لیا اس نے کہا دونوں زمینوں کے درمیان فاصلے کی پیمائش کرو وہ جس علاقے کے قریب ہو گا اسے اسی سے قرار دیا جائے گا انہوں نے زمین

کی پیمائش کی تو دیکھا کہ وہ اس زمین کے زیادہ قریب تھا جدھر کا اس نے قصد کیا تھا چنانچہ رحمت کے فرشتوں نے اس پر قبضہ کر لیا ایک روایت میں ہے کہ وہ نیکو کار لوگوں کی بستی کے ایک بالشت زیادہ قریب تھا چنانچہ اسے ان میں سے قرار دیا گیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس (پہلی زمین) سے فرمایا دور ہو جا اور اس دوسری بستی سے فرمایا قریب ہو جا اور فرمایا ان دونوں کے درمیان فاصلے کی پیمائش کرو چنانچہ انہوں نے اسے ایک بالشت زیادہ قریب پایا تو اسے بخش دیا گیا (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جب تک نیکیوں کا پلڑا بھاری نہیں ہوگا چھٹکارا نہیں ہوگا اگرچہ وہ ذرے کے برابر ہی بھاری ہو لہذا توبہ کرنے والے کو چاہیے کہ اپنی نیکیوں میں اضافہ کرے۔

جہاں تک مستقبل سے مربوط عزم و ارادے کا تعلق ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے پکا وعدہ کرے کہ آئندہ کبھی بھی ان گناہوں کی طرف نہیں آئے گا اور نہ ہی ان جیسے دوسرے گناہوں کا مرتکب ہوگا۔

مثلاً ایک شخص بیماری کی حالت میں جانتا ہے کہ اسے پھل نقصان دیتے ہیں تو وہ نہایت پختہ عہد کرتا ہے کہ جب تک وہ بیمار ہے پھل نہیں کھائے گا یہ عزم فی الحال پختہ کرنا چاہیے اگرچہ یہ خیال بھی ہو کہ دوسری حالت میں اس پر خواہش غالب آجائے گی لیکن جب تک وہ فی الحال اس کو چھوڑنے کا پکا ارادہ نہ کرے وہ توبہ کرنے والا شمار نہیں ہوگا۔ اور پہلے ہی مرحلہ میں یہ بات پایۂ تکمیل کو اس وقت پہنچے گی جب وہ تنہائی اختیار کرے، خاموش رہے، کھانا کم کھائے، سونے میں کمی کرے اور حلال روزی جمع کرے اگر اسے وراثت میں حلال مال ملا ہے تو اسی پر اکتفا کرے یا کسی پیشے سے بقدر ضرورت کماتا ہے تو اسی پر قناعت کرے کیوں کہ گناہوں کی جڑ اور بنیاد حرام مال کھانا ہے اور جب تک حرام مال پر ڈٹا رہے گا توبہ کرنے والا کیسے قرار پائے گا۔

اور جو آدمی کھانوں اور لباس کے سلسلے میں خواہش کو چھوڑنے پر قادر نہیں ہوتا وہ حلال پر اکتفا بھی نہیں کر سکتا اور شبہے والی چیزوں کو بھی چھوڑ نہیں سکتا اور بعض بزرگوں نے فرمایا جو شخص خواہش کو چھوڑنے میں سچا ہو اور سات مرتبہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے نفس سے جہاد کرے وہ اس خواہش میں مبتلا نہیں ہوگا اور ایک دوسرے بزرگ فرمایا جو آدمی گناہ سے توبہ کرے اور پھر سات سال تک اس پر استقامت اختیار کرے وہ کبھی بھی اس (گناہ) کی طرف نہیں لوٹے گا۔

توبہ کرنے والا اگر عالم نہ ہو تو اس کے لیے ایک اہم بات یہ ہے کہ وہ اس بات کا علم حاصل کرے کہ مستقبل میں اس پر کیا واجب ہے اور کیا حرام ہے یہاں تک کہ اس کے لیے استقامت ممکن ہو۔ اور اگر وہ تنہائی کو ترجیح نہیں دے گا تو اس کے لیے استقامتِ مطلقہ مکمل نہیں ہوگی البتہ یہ کہ بعض گناہوں سے توبہ کرے جیسے کوئی شخص شراب

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۵۹ کتاب التوبۃ۔

marfat.com

نوشی، زنا اور غصے سے توبہ کرے تو یہ مطلق توبہ نہیں ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ یہ توبہ صحیح نہیں ہے اور بعض کہنے والوں نے کہا کہ یہ صحیح ہے اور اس مقام پر لفظ صحت مجمل ہے بلکہ جو آدمی اس کی صحت کا انکار کرتا ہے اس سے پوچھا جائے کہ صحیح نہ ہونے سے تمہاری کیا مراد ہے؟ اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ بعض گناہوں کے چھوڑنے سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا وجود اور عدم برابر ہے تو تم نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔

کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ گناہوں کی کثرت عذاب کے زیادہ ہونے کا سبب ہے اور گناہوں کی کمی، عذاب کی کمی کا باعث ہے اور جو شخص کہتا ہے کہ اس کی توبہ صحیح ہے اس سے پوچھو کہ اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ بعض گناہوں سے توبہ ایسی قبولیت کا باعث ہے جو نجات یا کامیابی تک پہنچاتی ہے تو یہ بات بھی غلط ہے بلکہ نجات اور کامیابی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب تمام گناہوں کو چھوڑ دے یہ ظاہر کا حکم ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے عفو و درگزر کے مخفی اسرار میں گفتگو نہیں کرتے۔

اور جو شخص کہتا ہے کہ یہ توبہ صحیح نہیں اگر وہ کہے کہ میری مراد یہ ہے کہ توبہ ندامت کا نام ہے اور چوری پر وہ اس لیے نادم ہوتا ہے کہ یہ گناہ ہے اس لیے نہیں کہ یہ چوری ہے اور محال ہے کہ وہ چوری پر نادم ہو لیکن زنا پر پشیمان نہ ہو اگر اس کے گناہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہوتا ہے کیوں کہ دونوں کی علت ایک ہی ہے کیوں کہ جس آدمی کو اپنے بیٹے کے تلوار سے قتل ہونے کا دکھ ہوتا ہے اسے اس کے چھری سے قتل ہونے پر بھی دکھ ہوتا ہے کیونکہ اس کی پریشانی تو محبوب (بیٹے) کے چلے جانے کی وجہ سے ہے چاہے وہ تلوار کے ذریعے ہو یا چھری کے ساتھ ضائع ہو۔

تو جب بندے کو اپنے محبوب کے ضائع ہونے کا دکھ ہوتا ہے اور یہ نافرمانی کی وجہ سے ہوتا ہے چاہے وہ چوری کے ذریعے ہو یا زنا کے باعث ـــــ تو بعض گناہوں پر پریشانی ہو اور بعض پر نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے تو ندامت ایک حالت ہے جو اس بات کے علم سے واجب ہوتی ہے کہ گناہ، محبوب کو ضائع کرنے کا باعث ہے یہ بات نہیں کہ بعض گناہوں سے ایسا ہوتا ہے اور بعض سے نہیں۔

اگر یہ بات جائز ہوتی تو شراب کے ایک مٹکے سے توبہ کرنا اور دوسرے سے نہ کرنا جائز ہوتا اور جب یہ بات محال ہے کیوں کہ گناہ دونوں مٹکوں کی شراب میں ایک جیسا ہے مٹکے تو محض برتن ہیں۔ تو اسی طرح گناہوں کا مسئلہ ہے کیوں وہ سب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث ہیں اور نافرمانی اس اعتبار سے کہ نافرمانی ہے ایک طرح کی ہے۔

اس وقت توبہ کے صحیح نہ ہونے کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے والوں سے ایک مقام و مرتبہ کا وعدہ فرمایا ہے جو ندامت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک جیسے گناہوں میں سے بعض پر ندامت ہو اور بعض پر نہ ہو یہ ایسے ہی ہے جیسے ملک کا حصول ایجاب و قبول دونوں کے مکمل ہونے سے ہوتا ہے جب تک ایجاب و قبول کی تکمیل نہیں ہوگی عقد صحیح نہیں ہوگا یعنی اس کا نتیجہ حاصل نہیں ہوگا اور وہ مالک بننا ہے۔

marfat.com

اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ محض گناہ کو چھوڑنے کا فائدہ صرف اتنا ہو گا کہ جس قدر گناہ چھوڑا ہے اس کا عذاب نہیں ہو گا جب کہ ندامت کا فائدہ یہ ہے کہ گذشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے پس چوری چھوڑنے سے پہلے کی گئی چوری کا کفارہ ادا نہیں ہو گا بلکہ اس پر ندامت کفارہ بنے گی۔ اور ندامت کا تصور اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اسے گناہ سمجھے اور یہ بات تمام گناہوں کو شامل ہے۔

یہ ایسا کلام ہے جس کا مفہوم واقع ہے اور انصاف پسند اس کی ایسی تفصیل بیان کرتا ہے جس سے مطلب واضح ہو جاتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ بعض گناہوں سے توبہ تین حال سے خالی نہیں یا تو کبیرہ گناہوں سے ہو گی صغیرہ سے نہیں یا صغیرہ سے ہو گی، کبیرہ سے نہیں یا بعض کبیرہ سے ہو گی اور بعض سے نہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کبیرہ گناہ سے ہو صغیرہ سے نہ ہو تو یہ بات ممکن ہے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کبیرہ گناہ بڑے گناہ شمار ہوتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب کو دعوت دیتے ہیں جب کہ صغیرہ گناہوں کی معافی ہو سکتی ہے تو یہ بات محال نہیں کہ وہ بڑے گناہ سے توبہ کرے اور اس پر نادم ہو جیسے ایک شخص بادشاہ اور اس کی بیوی کے خلاف جرم کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کے جانور کو بھی نقصان پہنچاتا ہے تو وہ اس کے گھر والوں کے حوالے سے کئے گئے جرم سے خوف زدہ ہوتا ہے جب کہ جانور کی نسبت سے کئے گئے جرم کو معمولی سمجھتا ہے اور ندامت گناہ کو بڑا سمجھنے اور اس کے اللہ تعالیٰ سے دوری کا باعث ہونے کے اعتبار سے ہوتی ہے اور شریعت میں اس کا وجود ممکن ہے گذشتہ زبانوں میں توبہ کرنے والے لوگ بے شمار تھے اور ان میں سے کوئی بھی معصوم نہ تھا کیوں کہ توبہ کے لیے معصوم ہونا ضروری نہیں اور ڈاکٹر بعض اوقات مریض کو شہد سے نہایت سختی سے منع کرتا ہے لیکن شکر سے ممانعت نچلے درجہ کی ہوتی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بعض اوقات شکر کا نقصان بالکل ظاہر نہیں ہوتا تو مریض شہد سے توبہ کرتا ہے شکر سے نہیں اس بات کا پایا جانا محال نہیں ہے اور اگر وہ اپنی خواہشات کے تحت دونوں کو کھائے تو اسے شہد کے کھانے پر ندامت ہو گی شکر کے استعمال پر نہیں دوسری صورت یہ ہے کہ بعض کبیرہ گناہوں سے توبہ کرے اور بعض سے نہ کرے اور یہ بات بھی ممکن ہے کیوں کہ اس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ بعض کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت سخت ہیں جیسے کوئی شخص قتل لوٹ مار ظلم اور بندوں کے حقوق سلب کرنے سے توبہ کرتا ہے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ بندوں کے حقوق سے متعلق گناہوں کو احساب کے بغیر چھوڑا نہیں جائے گا جب کہ وہ گناہ جن کا حقوق اللہ سے تعلق ہے وہ جلدی معاف ہو جاتے ہیں اور یہ بات بھی ممکن ہے جیسا کہ کبیرہ اور صغیرہ گناہوں میں تفاوت ہے کیوں کہ کبیرہ گناہوں میں بھی تفاوت ہے اور ان کے مرتکب کے اعتقاد میں بھی اختلاف ہے۔ اسی لیے وہ بعض اوقات ان کبیرہ گناہوں سے بھی توبہ کرتا ہے جن کا حقوق العباد سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسے وہ شراب سے توبہ کرتا ہے لیکن زنا سے توبہ نہیں کرتا کیونکہ اس کے سامنے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شراب تمام برائیوں کی چابی ہے اور یہ کہ جب عقل زائل ہو جائے تو وہ تمام گناہوں کا ارتکاب کرے گا اور اسے علم بھی نہیں ہو گا۔ تو

marfat.com

اس کے نزدیک شراب نوشی جس سے خوف پیدا ہوتا ہے اسے ترجیح دینا اس کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ مستقبل میں اسے چھوڑ دے اور گذشتہ پر ندامت اختیار کرے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ کسی ایک صغیرہ یا زیادہ صغیرہ گناہوں سے توبہ کرے حالانکہ وہ کبیرہ گناہ پر ڈٹا ہوا ہو اور وہ جانتا بھی ہو کہ یہ کبیرہ گناہ ہے جیسے ایک شخص غیبت یا غیر محرم کی طرف دیکھنے وغیرہ سے توبہ کرتا ہے لیکن وہ بار بار شراب پیتا ہے تو ایسا بھی ہو سکتا ہے کیوں کہ ہر مومن گناہوں سے ڈرتا ہے اور ان پر نادم ہوتا ہے چاہے وہ کمزور ہو یا طاقت ور لیکن اس گناہ میں اس کی لذتِ نفس اس گناہ کے خوف کی وجہ سے پیدا ہونے والے قلبی دُکھ اور تکلیف سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے کیوں کہ کچھ ایسے اسباب ہیں جو خوف کو کمزور کرتے ہیں مثلاً جہالت اور غفلت وغیرہ اور کچھ اسباب خواہش کو مضبوط کرتے ہیں۔

پس ندامت موجود ہوتی ہے لیکن اتنی نہیں ہوتی کہ اس سے تحریکِ عزم پر قادر ہو پس اگر قوی شہوت سے بچ جائے یعنی اس کے مقابلے میں کمزور شہوت ہو تو خوف اس خواہش پر غالب ہو کر اسے دبا لے گا اور اس سے گناہ کا چھوڑنا لازم ہو گا اور بعض اوقات فاسق کو شراب کی اس قدر رغبت ہوتی ہے کہ وہ اس سے صبر نہیں کر سکتا اور اسے غیب، عیب جوئی اور غیر محرم کی طرف دیکھنے کی بھی کچھ خواہش ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے لیکن یہ خوف اسی قدر ہوتا ہے جس سے کمزور خواہش کا قلع قمع ہو سکے مضبوط خواہش کا نہیں۔ اب خوف کا لشکر اسے چھوڑنے کا عزم پیدا کر سکتا ہے بلکہ یہ فاسق اپنے دل میں کہتا ہے کہ اگر شیطان اس غلبۂ شہوت کے واسطے سے بعض گناہوں میں مجھ پر غالب آجائے تو مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ لگام بالکل ڈھیلی چھوڑ کر اسی کے قابو میں چلا جاؤں بلکہ میں بعض گناہوں میں اس سے لڑوں گا ہو سکتا ہے میں اس پر غالب آجاؤں تو بعض گناہوں کے سلسلے میں میرا اس پر غالب آنا میرے بعض گناہوں کا کفارہ ہو گا اگر اس بات کا تصور نہ ہوتا تو فاسق سے نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا تصور نہ کیا جاتا ـــــ اور اس سے کہا جاتا کہ اگر تمہاری نماز اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے ہے تو یہ صحیح نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہی فسق کو چھوڑ دے کیوں کہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا حکم یکساں ہے۔

یہ نہیں ہو سکتا کہ تمہاری نماز تقرب خداوندی کے لیے ہو جب تک تم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اس نافرمانی ترک نہ کرو اور یہ کہنا محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مجھ پر دو امر ہیں اور میرے لیے اس کی نافرمانی میں دو سزائیں ہیں ایک کے سلسلے میں تو میں شیطان پر غالب آسکتا ہوں لیکن دوسری کے بارے میں عاجز ہوں تو جس میں مجھے قدرت حاصل ہے میں اس پر غالب آؤں گا اور مجھے امید ہے کہ اس کے لیے شیطان کے ساتھ میرا مقابل ان بعض گناہوں کا کفارہ بن جائے گا جن میں زیادہ خواہش کی وجہ سے میں عاجز ہوں تو اس بات کا تصور کیسے نہیں ہو گا اور یہ ہر مسلمان کی حالت ہے کیوں کہ ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی کرتا ہے اور نافرمانی بھی اور اس کا سبب یہی بات ہے۔

marfat.com

جب یہ بات معلوم ہو گئی تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بعض گناہوں کی خواہش کے سلسلے میں خوف کا غلبہ ممکن الوجود ہے اور خوف اگر گزشتہ عمل سے متعلق ہو تو اس سے ندامت پیدا ہوتی ہے اور ندامت، عزم کو جنم دیتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ" ندامت، توبہ ہے۔ اور ہر گناہ پر ندامت شرط نہیں ہے اور آپ نے فرمایا۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ۔ گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے والے کی طرح ہے۔

آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمام گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے)

ان معانی کی بنیاد پر یہ بات کہنے والے کا قول ساقط ہو گیا کہ بعض گناہوں سے توبہ غیر ممکن ہے کیوں کہ وہ خواہش کے حق میں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بننے میں ایک جیسے ہوتے ہیں۔

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ شراب نوشی سے توبہ کرے لیکن نبیذ (انگور کے رس) سے توبہ نہ کرے کیوں کہ ناراضگی کے اقتضاء میں دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ نیز وہ کثیر سے توبہ کرے قلیل سے نہ کرے کیونکہ گناہوں کی کثرت عذاب کے زیادہ ہونے میں موثر ہوتی ہے تو جس قدر چھوڑنے سے وہ عاجز ہوتا ہے اس مقدار کے مطابق خواہشات مددگار ہوتی ہیں اور بعض خواہشات کو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑ دیتا ہے جیسے کسی مریض کو ڈاکٹر نے پھل کھانے سے روکا ہو تو وہ تھوڑا پھل کھاتا ہے زیادہ نہیں کھاتا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی گناہ سے توبہ کرے لیکن اسی جیسے دوسرے گناہ سے توبہ نہ کرے بلکہ جس سے اس نے توبہ کی ہے وہ اس کے خلاف ہو گا جو ابھی باقی ہے اور یہ اختلاف گناہ کی شدت کے اعتبار سے ہو گا یا غلبۂ شہوت کی وجہ سے۔ اور جب توبہ کرنے والے کے اعتقاد میں یہ تفاوت و اختلاف حاصل ہوتا ہے تو خوف اور ندامت کے اعتبار سے بھی اس کی حالت مختلف ہوتی ہے اور یوں اس گناہ کو چھوڑنے کے اعتبار سے بھی اس کی حالت کا اختلاف متصور ہو گا تو اس کا اس گناہ پر نادم ہونا اور اسے چھوڑنے کا پکا ارادہ کرنا اسے ایسے لوگوں کے ساتھ ملا دیتا ہے جو گناہ نہیں کرتے اگرچہ وہ تمام اوامر و نواہی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا۔

سوال:

جو شخص عنین ہو (جسے جماع کی طاقت نہ ہو) اور اس نے اس بیماری سے پہلے زنا کیا ہو کیا اس کی توبہ صحیح ہے؟

جواب:

میں کہتا ہوں اس کی توبہ قبول نہ ہو گی کیونکہ توبہ اس ندامت کا نام ہے جس سے گناہ چھوڑنے کا مضبوط ارادہ پیدا ہوتا ہے اور یہ ایسے شخص کے لیے ہے جو گناہ پر قادر ہو۔ اور جو آدمی گناہ پر قادر ہی نہیں اس کے لیے گناہ کا وجود خود بخود ختم ہو گیا اس کے چھوڑنے سے نہیں۔

marfat.com

لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر اس بیماری کے بعد اسے ایسی معرفت حاصل ہو جس سے گذشتہ کیے گئے گناہ کا نقصان متحقق ہو جائے اور اس سے جلن، افسوس اور ندامت پیدا ہو یعنی اگر اسے جماع کی خواہش باقی ہو تو ندامت کی جلن اس شہوت کا قلع قمع کر دے اور اس پر غالب آجائے تو مجھے اس بات کی امید ہے کہ یہ اس کے گناہ کا کفارہ بنے اور اسے مٹا دے کیونکہ اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ اگر وہ عنین بننے سے پہلے توبہ کرتا ہے اور اس کے فوراً بعد مر جاتا تو وہ توبہ کرنے والوں میں شمار ہوتا ہے۔

اور اگر اس پر ایسی حالت طاری نہ ہو جس میں شہوت برانگیختہ ہوتی ہے اور اسباب شہوت کا پورا کرنا آسان ہوتا ہے لیکن وہ توبہ کرنے والا ہو گا کیونکہ اس کی ندامت اس حد تک پہنچ گئی جو اس کے ارادے کو زنا سے پھیرنا ضروری قرار دیتی ہے یا اس کا ارادہ ظاہر ہو جاتا ہے اور جب عنین کے حق میں ندامت کی قوت کا یہاں تک پہنچنا محال نہیں ہے لیکن وہ خود جانتا نہیں کیوں کہ جس آدمی کو کسی چیز کی خواہش نہ ہو وہ ادنیٰ خوف کے ساتھ بھی اپنے نفس کو اس کے چھوڑنے پر قادر سمجھتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ اس کی ضمیر اور ندامت کی مقدار پر مطلع ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ اسے قبول فرمائے بلکہ اس کی قبولیت ظاہر ہے۔ ان تمام باتوں میں حقیقت اس بات کی طرف لوٹتی ہے کہ گناہ کا اندھیرا دل سے دو چیزوں کو مٹا دیتا ہے ایک ندامت کی جلن اور دوسری بات مستقبل میں اسے چھوڑنے کے ذریعے سخت مجاہدہ کرنا۔ اور زوالِ شہوت سے مجاہدہ ممتنع ہو گیا لیکن ندامت کا مضبوط ہونا محال نہیں ہے کیوں کہ ندامت، مجاہدے کے بغیر بھی اسے مٹانے پر قادر ہوتی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم کہتے کہ توبہ کرنے والا جب تک توبہ کے بعد زندہ نہ رہے اس کی توبہ قبول نہ ہو گی کیوں کہ اسے زندگی میں کئی بار اس شہوت کے سلسلے میں اپنے نفس سے مجاہدہ کرنا پڑے گا لیکن شریعت کا ظاہر اس قسم کی شرط پر بالکل دلالت نہیں کرتا۔

سوال :

فرض کیا دو قسم کے توبہ کرنے والے ہیں ایک وہ ہے جو توبہ کے بعد گناہ کی طرف میلان نہیں رکھتا جب کہ دوسرے کے نفس میں اب بھی میلان باقی ہے لیکن وہ نفس سے مجاہدہ کر کے اسے اس کی طرف جانے سے روکتا ہے اور منع کرتا ہے تو ان میں سے کونسا افضل ہے ؟

جواب :

اس سلسلے میں علما کا اختلاف ہے حضرت احمد بن ابی الحواری اور ابو سلیمان دارانی کے اصحاب فرماتے ہیں کہ نفس سے مجاہدہ کرنے والا افضل ہے کیوں کہ اسے توبہ کے ساتھ ساتھ مجاہدے کی فضیلت بھی حاصل ہے جب کہ بصرہ کے علما فرماتے ہیں دوسرا آدمی افضل ہے کیونکہ اگر وہ اپنی توبہ میں کوتاہی بھی کرے پھر بھی وہ اس مجاہد کی نسبت سلامتی کے زیادہ

marfat.com

قریب ہے جس کے مجاہدے میں کوتاہی آسکتی ہے۔ دونوں فریقوں نے جو کچھ فرمایا وہ حق بھی ہے اور کمال حقیقت میں کوتاہی سے خالی بھی نہیں ہے لیکن اس میں حق بات یہ ہے کہ جس شخص کا گناہ کی طرف میلان نہیں رہا اس کی دو حالتیں ہیں پہلی حالت یہ کہ اس کے میلان کا ختم ہونا محض اس وجہ سے ہے کہ نفس شہوت میں کمی آگئی تو اس کے مقابلے میں مجاہدا فضل ہے کیونکہ وہ مجاہدے کی وجہ سے چھوڑتا ہے جو اس کی قوتِ نفس پر دلالت کرتا ہے نیز یہ کہ اس کے دین کو اس کی شہوت پر غلبہ حاصل ہے اور یہ قوتِ یقین اور قوتِ دین پر قطعی دلیل ہے۔

اور قوتِ دین سے ہماری مراد وہ ارادہ ہے جو اشارۂ یقین سے برانگیختہ ہوتا ہے اور شیاطین کے ارادے سے برانگیختہ ہونے والی شہوت کا خاتمہ کر دیتا ہے تو مجاہدہ ان دو قوتوں پر قطعی طور پر دلالت کرتا ہے۔

اور یہ کہنا کہ یہ شخص سلامتی کے زیادہ قریب ہے کیوں کہ جب خواہش میں کمی ہوگی تو وہ گناہ کی طرف نہیں لوٹے گا تو یہ بات صحیح ہے لیکن اس کے لیے "افضل" کا لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ جسے جماع کی طاقت نہیں وہ اس سے افضل ہے جسے اس کی طاقت ہے کیوں کہ وہ شہوت کے خطرے سے محفوظ ہے اور بچہ، بالغ سے افضل ہے کیوں کہ اسے سلامتی حاصل ہے اور مفلس اس بادشاہ سے افضل ہے جو اپنے دشمنوں پر غالب اور ان کا قلع قمع کرنے والا ہے کیوں کہ مفلس کا کوئی دشمن نہیں ہوتا اور بادشاہ بعض اوقات مغلوب ہو جاتا ہے اگرچہ کئی بار غالب ہو۔

ایسی باتیں وہی لوگ کرتے ہیں جن کا دل محفوظ ہے اور ان کی نگاہ صرف ظاہر پر ہوتی ہے وہ سیدھے سادے لوگ ہوتے ہیں انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ عزت تو خطرناک مقامات پر جانے میں ہے اور بلندی کے لیے یہی شرط ہے کہ وہ دھوکے کے مقامات پر جائے بلکہ یہ تو اس آدمی کے قول کی طرح ہے جو کہتا ہے کہ وہ شکاری جس کے پاس گھوڑا اور کتا نہ ہو وہ شکار کے فن میں افضل ہے اور کتے والے سے بلند مرتبہ ہے کیوں کہ اسے گھوڑے کی سرکشی کا خطرہ نہیں ہوتا جس کی وجہ وہ گر جائے اور اس کے اعضا ٹوٹ جائیں اور اس بات سے بھی بے خوف ہوتا ہے کہ کتا اسے کاٹے اور اس پر زیادتی کرے — تو یہ بات غلط ہے۔

بلکہ جس کے پاس گھوڑا یا کتا ہوتا ہے جب وہ مضبوط ہو اور وہ ان کی عمدہ تربیت کا طریقہ جانتا ہو وہ شکار کرنے کی سعادت کی وجہ سے دوسروں سے بلند مرتبہ ہوگا۔

دوسری حالت:

قوتِ یقین کی وجہ سے گناہ کی طرف میلان نہ رہا ہو اور پہلے کی نسبت سچا مجاہدہ کر کے شہوت کے غلبہ کا استیصال کر چکا ہو حتیٰ کہ وہ آدابِ شریعت سے مزین ہو چکا ہو اور اب اس کی خواہش دین کے اشارے کے مطابق ہو اور دین کے اس پر غلبہ کی وجہ سے وہ ٹھہر چکی ہو یہ اس شخص کی نسبت اعلیٰ مرتبہ پر ہے جسے شہوت کے خاتمے کے لیے تکلیف اٹھانا پڑے۔

اور کسی شخص کا یہ کہنا کہ اسے مجاہدے کی فضیلت حاصل نہ ہوگی، جہاد و مجاہدے کے مقصود سے ناواقف ہونے کی

marfat.com

دلیل ہے کیوں کہ مجاہدہ بعینہٖ مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود تو دشمن کو اپنے آپ سے دُور کرنا ہے تاکہ وہ تجھے اپنی خواہشات کی طرف نہ کھینچے اور اگر وہ تجھے اپنی طرف کھینچنے سے عاجز ہو تو دین کے راستے کی طرف چلنے سے نہ روکے پس جب تم اس پر غالب آجاؤ اور مقصود حاصل ہو جائے تو تم نے کامیابی حاصل کر لی اور جب تک تم مجاہدہ میں رہو گے کامیابی کے طالب شمار ہو گے اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کسی نے دشمن پر غلبہ پایا اور اسے اپنا غلام بنا لیا ہو جب کہ دوسرا ابھی تک لڑ رہا ہو اور لڑائی میں مصروف ہو اسے معلوم نہیں کہ وہ کیسے محفوظ رہے گا۔

نیز اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے شکاری کتے کو سکھا لیا اور گھوڑے کو سدھا لیا ہو اور اب وہ دونوں اس کے پاس سوئے ہوئے ہوں کتے نے کاٹنا اور گھوڑے نے سرکشی ترک کر دی ہو جب کہ دوسرا شخص وہ ہے جو ابھی تک ان کو سکھانے میں مشغول ہے۔

اس سلسلے میں ایک فریق کے قدم پھسل گئے انہوں نے گمان کیا کہ جہاد ہی مقصود اعلیٰ ہے انہیں معلوم نہیں کہ یہ تو راستے کی خرابیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا نام ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے گمان کیا کہ خواہشات کا مکمل طور پر قلع قمع کرنا مقصود ہے حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اپنے نفسوں پر اس بات کا تجربہ کیا لیکن وہ اس سے عاجز رہے اور کہنے لگے یہ محال ہے چنانچہ انہوں نے شریعت کو جھٹلا دیا اور اباحت کے راستے پر چل پڑے اور خواہشات کی اتباع شروع کر دی یہ تمام باتیں جہالت اور گمراہی ہیں ہم نے ریاضت نفس کے بیان میں ذکر کیا ہے

سوال :

ان دو توبہ کرنے والوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جن میں سے ایک نے اپنے گناہ بھلا دیئے اور وہ غور و فکر میں مشغول نہ ہوا جب کہ دوسرے نے ان کو پیش نظر رکھا اور وہ ہمیشہ غور و فکر کرتا ہے اور ان پر ندامت کی آگ میں جلتا ہے تو ان میں سے کونسا افضل ہے ؟

جواب :

اس سلسلے میں بھی اختلاف ہے بعض حضرات نے فرمایا حقیقتِ توبہ یہ ہے کہ تم اپنے گناہوں کو اپنے پیش نظر رکھو۔ کسی دوسرے نے کہا کہ حقیقت توبہ گناہوں کو بھلانے کا نام ہے ہمارے نزدیک یہ دونوں مذہب حق ہیں لیکن دونوں حالتوں کی طرف اضافت کرتے ہوئے اور صوفیوں کا کلام ہمیشہ ناقص ہوتا ہے کیوں کہ ان میں سے ہر ایک کی عادت ہے کہ وہ صرف اپنے حال کی خبر دیتا ہے دوسروں کے معاملے کی ان کو فکر نہیں ہوتی پس حال کے اختلاف سے جواب بھی مختلف ہوتے ہیں اور یہ ارادے، ہمت اور کوشش کی طرف نسبت کے حوالے سے نقصان ہے کیوں کہ ایسا آدمی اپنی حالت پر ہی نظر رکھتا ہے دوسرے کے حال سے اسے غرض نہیں ہوتی کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کا راستہ محض اس کا نفس ہے

marfat.com

اور اس کی منازل اس کے احوال ہیں اور بعض اوقات بندے کا اللہ تعالیٰ کی طرف راستہ علم سے ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف راستے بے شمار ہیں اگرچہ قرب و بُعد کے لحاظ سے ان میں اختلاف ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون زیادہ صحیح راستے پر ہے جب کہ اصل ہدایت میں وہ مشترک ہوتے ہیں۔

تو میں (امام غزالی رحمہ اللہ) کہتا ہوں کہ گناہ کا تصور، اس کا ذکر اور اس پر رونا دھونا مبتدی کے حق میں کمال ہے کیوں کہ جب وہ اسے بھول جائے گا تو اس کا جلنا زیادہ نہیں ہوگا پس اس کا ارادہ اور سلوک کے راستے کی طرف شوق نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ اس سے خوف اور غم جو اس قسم کے گناہ کی طرف لوٹنے سے روکتا ہے، زائل ہو جائے اور سالک کے لیے یہ نقصان کی بات ہے کیوں کہ یہ ایسی مشغولیت ہے جو سلوکِ طریق سے مانع ہے بلکہ سالک کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ سلوک کے علاوہ کسی طرف توجہ نہ دے اور اگر اس کے لیے منزل تک پہنچنے کے آثار واضح ہوں، انوار معرفت اور غیب کی چمک منکشف ہو تو وہ اس میں مستغرق ہو جائے گا اور اس کے لیے دوسری جانب توجہ کی گنجائش نہ ہوگی اور یہ کمال ہے۔

بلکہ اگر کسی مسافر نے کسی شہر کی طرف جانا ہو اور راستے میں نہر پڑتی ہو جس کا پُل پہلے ہی اس نے توڑ دیا ہو تو وہ ایک مدت تک اسے عبور کرنے کی مشقت اٹھائے گا اور اگر وہ نہر کو عبور کر کے کنارے پر بیٹھ جائے اور پُل کے توڑنے پر افسوس کا اظہار کرے تو یہ دوسری رکاوٹ ہے جو پہلی رکاوٹ سے فراغت کے بعد پیش آئی ہے۔

ہاں اگر جانے کا وقت نہ ہو مثلاً رات کا وقت ہو اور چلنا مشکل ہو یا اس کے راستے میں نہریں ہوں اور اسے وہاں سے گزرنے کا خوف درپیش ہو تو پل کے ٹوٹنے پر رات بھر روتا رہے تاکہ طویل غم کی وجہ سے دوبارہ ایسا کام کرنے کا ارادہ نہ کرے۔ اور اگر اسے تنبیہ ہو چکی ہو اور نفس پر پختہ یقین ہو کہ وہ آئندہ ایسا کام نہیں کرے گا، تو پل کی یاد میں رونے اور افسوس کرنے کی بجائے راستے پر چلنا زیادہ بہتر ہے اور یہ بات وہی شخص جانتا ہے جو راستے کی معرفت رکھتا ہے۔

نیز وہ مقصد، رکاوٹ اور راستے پر چلنے سے واقف ہو ہم نے علم کے بیان میں اشارتاً اور ہلاکت خیز امور کے بیان میں بھی ذکر کیا ہے۔

بلکہ ہم کہتے ہیں کہ دوام توبہ کی شرط یہ ہے کہ اُخروی نعمتوں کے بارے میں زیادہ غور و فکر کرے تاکہ اس کی رغبت زیادہ ہو لیکن اگر وہ نوجوان ہے تو ان چیزوں کے بارے میں زیادہ غور نہ کرے جن کی مثل دنیا میں ہے مثلاً حُوریں اور محلات وغیرہ کیوں کہ بعض اوقات یہ فکر رغبت کو حرکت دیتا ہے اور وہ فوری طور پر ملنے والی نعمت طلب کرتا ہے اور اُخروی نعمت پر راضی نہیں ہوتا بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ صرف دیدار خداوندی کی لذت کے بارے میں سوچے کیوں کہ دنیا میں اس کی کوئی مثل نہیں ہے اسی طرح بعض اوقات گناہ کی یاد شہوت کو حرکت دیتی ہے اور مبتدی کو بھی اس سے نقصان پہنچتا ہے اس وقت بھول جانا ہی افضل ہے۔

marfat.com

اور تمہیں اس بات کو سچ سمجھنے سے اس لیے اعراض نہیں کرنا چاہیئے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنی خطا پر روئے تھے کیوں کہ اپنے آپ کو انبیاء کرام علیہم السلام پر قیاس کرنا انتہائی کج فہمی ہے کیوں کہ وہ بعض اوقات اپنے اقوال و افعال کو اس قدر نیچے لے آتے ہیں کہ وہ درجات ان کی امتوں کے لائق ہیں وہ تو ہدایت دینے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں پس وہ امت کی تعلیم اور نفع کے لیے اپنے مقام سے نیچے اتر کر بعض کام کرتے ہیں (مثلاً وہ گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں حالانکہ وہ (انبیاء کرام) گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں تو یہ محض امت کی تعلیم کے لیے ہوتا ہے کسی نبی کے استغفار سے یہ سمجھنا کہ وہ بھی معاذ اللہ گناہ گار تھے انتہائی درجہ کی جہالت ہے ۱۲ ہزاروی)

کئی مشائخ اپنے مرید کو کسی ریاضت کا حکم دیتے ہیں تو خود اس کے ساتھ شریک ہوتے ہیں حالانکہ وہ مجاہدہ سے فراغت کے بعد اس سے بے نیاز ہوتے ہیں وہ اپنے نفس کی تادیب کر چکے ہوتے ہیں لیکن مرید کی آسانی کے لیے اس طرح کرتے ہیں۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَمَا اِنِّیْ لَا اَنْسٰی وَلٰکِنْ اُنْسٰی لِاُشَرِّعَ۔ (۱)

سنو! میں بھولتا نہیں بلکہ مجھے بھلایا جاتا ہے تاکہ تمہارے لیے جواز کی دلیل ہو۔

اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس لیے بھولتا ہوں کہ تمہارے لیے سنت بنے اور اس بات سے تمہیں تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ امتیں انبیاء کرام کی شفقت کے سائے میں اسی طرح ہوتی ہیں جیسے بچے باپ کے سایۂ عاطفت میں ہوتے ہیں اور جیسے جانور چرواہے کی حمایت میں ہوتے ہیں (۲)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب باپ اپنے بچے کو بولنا سکھاتا ہے تو کیسے وہ بچوں کی طرح باتیں کرتا ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا "کخ کخ" کسی چیز کے کھانے پینے بچوں کو منع کرنے کے لیے بولا جاتا ہے) یہ اس وقت کی بات ہے جب انہوں نے صدقہ کی ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈالی تھی۔ (۳)

حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت اس بات سے کوتاہ نہ تھی کہ آپ فرماتے یہ کھجور پھینک دو یہ حرام ہے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ بچہ آپ کی بات سمجھ نہیں سکے گا تو فصاحت کو چھوڑ کر توتلی زبان کی طرف رجوع کیا بلکہ جو شخص کسی بکری یا پرندے کو سکھاتا ہے تو بکری کی آواز اور سیٹی کی آواز نکالتا ہے اور یہ اس کی تعلیم کی وجہ سے ہے تو تمہیں اس قسم کی باریک باتوں سے غافل نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ یہاں عارفین کے قدم پھسلتے ہیں غافل لوگوں کا ذکر ہی کیا ہے ہم اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم

---

(۱) موطاء امام مالک ص ۴۸ کتاب السہو

(۲) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲ کتاب الطہارۃ

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ

marfat.com

سے حسن توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

دوام توبہ کے سلسلے میں بندوں کی اقسام

جان لو! توبہ کرنے والے چار طبقات میں تقسیم ہوتے ہیں۔

پہلا طبقہ:

گناہ گار توبہ کرے اور آخر عمر تک توبہ پر قائم رہے اس طرح وہ اپنی کوتاہی کا تدارک کرتا ہے اور اس کا نفس اسے گناہ کی طرف رجوع کرنے کی دعوت نہیں دیتا البتہ وہ لغزشیں ہوتی رہتی ہیں جن سے عام طور پر انسان خالی نہیں ہوتا جب تک نبوت کے رتبہ پر فائز نہ ہو ـــــ توبہ توبہ پر استقامت ہے اور ایسا شخص نیکیوں میں سبقت لے جانے والا اور برائیوں کو نیکیوں میں بدلنے والا ہوتا ہے اس توبہ کو توبۃ النصوح کہتے ہیں اور یہ نفس، نفس مطمئنہ کہلاتا ہے جو اپنے رب کی طرف یوں لوٹتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں اسی طرف اشارہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔

سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ الْمُسْتَهْتَرُوْنَ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَضَعَ الذِّكْرُ عَنْهُمْ اَوْزَارَهُمْ فَوَرَدُوا الْقِيَامَةَ خِفَافًا۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کرنے والے اور اس میں اور اس پر فریفتہ ہونے والوں سے ذکر الٰہی ان کے بوجھ اتار دیتا ہے تو وہ قیامت کے دن ہلکے بوجھ سے آئیں گے۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ بوجھوں کے نیچے دبے ہوئے تھے اور ذکر خداوندی نے ان سے یہ بوجھ اتار دیئے۔

خواہشات سے مزاحمت کے اعتبار سے ان لوگوں کے کئی طبقات ہیں کچھ توبہ کرنے والے ایسے ہیں کہ معرفت کے غلبہ کے نیچے ان کی خواہشات دب جاتی ہیں تو ان کا نزاع کم ہو جاتا ہے اور ان کے سلوک کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی اور بعض وہ ہیں جو نفس کے نزاع سے خالی نہیں ہوتے لیکن وہ مجاہدۂ نفس اور شہوات کے رد میں تاخیر کرتے ہیں۔

پھر نزاع کے درجات بھی کثرت و قلت اور اختلاف مدت و اختلاف انواع کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں اسی طرح طولِ عمر کی وجہ سے بھی اختلاف ہوتا ہے بعض وہ ہوتے ہیں کہ توبہ کرتے ہی فوت ہو جاتے ہیں ایسے لوگ قابلِ رشک ہوتے ہیں کیوں کہ وہ سلامتی کے ساتھ اور کوتاہی کے ارتکاب سے پہلے ہی رخصت ہو گئے جب کہ بعض وہ ہوتے ہیں جو توبہ کے بعد عرصہ دراز تک زندہ رہتے ہیں ان کا مجاہدہ اور صبر تادیر رہتا ہے ان کی استقامت بھی زیادہ ہوتی ہے اور نیکیوں میں بھی اضافہ

---

(۱) جامع ترمذی ص ۵۱۷، ابواب الدعوات

marfat.com

ہوتا ہے ان لوگوں کا حال افضل و اعلیٰ ہوتا ہے کیوں کہ ہر گناہ کو آنے والی نیکی مٹا دیتی ہے حتی کہ بعض علماء نے فرمایا کہ گناہ گار نے جس گناہ کا ارتکاب کیا وہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتا جب تک وہ شخص صدقِ شہوت کے ساتھ اس پر دس مرتبہ قادر نہ ہو پھر اس سے صبر کرے اور محض خوف خداوندی کی وجہ سے شہوت کو توڑ دے۔

یہ شرط بعید از قیاس ہے لیکن اگر اسے فرض کیا جائے تو اس کے عظیم اثر کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن کمزور مرید کو اس راستے پر نہیں چلنا چاہیے اس طرح شہوت برانگیختہ ہوگی اور اسباب حاضر ہوں گے حتی کہ وہ قادر ہو جائے گا پھر اس سے باز رہنے کی طمع کرے گا۔ کیوں کہ اس بات کا خوف موجود ہے کہ شہوت کی باگ اس کے اختیار سے باہر ہو جائے اس طرح وہ گناہ کی طرف بڑھے گا اور توبہ ٹوٹ جائے گی۔ بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایسے اسباب کے پیدا کرنے سے گریز کرے جو اس گناہ کو آسان کرنے والے ہیں حتی کہ اپنے اوپر ان کا راستہ بند کر دے اور اس کے ساتھ شہوت کو توڑنے کی کوشش کرے جس قدر ہو سکے تاکہ شروع سے اس کی توبہ محفوظ رہے۔

دوسرا طبقہ:

یہ ایسا توبہ کرنے والا ہے جو اصل عبادات کی بجا آوری اور کبیرہ گناہوں کو چھوڑنے میں استقامت کا راستہ اختیار کرتا ہے لیکن پھر بھی ایسے گناہوں سے خالی نہیں ہوتا جو قصد و ارادہ کے بغیر ہو جاتے ہیں یعنی وہ ان گناہوں میں پھنس جاتا ہے وہ ارادے سے ان کا اقدام نہیں کرتا بلکہ جب وہ ان گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے تو اپنے نفس کو ملامت کرتا، نادم ہوتا اور افسوس کا اظہار کرتا ہے، بلکہ وہ اپنے اس عزم کی تجدید کرتا ہے کہ وہ اس گناہ کے اسباب سے بچتا رہے گا یہ نفس، نفس لوامہ (ملامت کرنے والا) کہلانے کے زیادہ لائق ہے کیوں کہ یہ آدمی کو ان برے احوال پر ملامت کرتا ہے جو بے ارادہ ہو جاتے ہیں ارادے اور قصد سے نہیں ہوتے، یہ بھی ایک بلند مرتبہ ہے اگرچہ پہلے مرتبہ کے مقابلے میں کم ہے۔

توبہ کرنے والوں کا عام حال یہی ہوتا ہے کیوں کہ انسان کی فطرت میں شر موجود ہے وہ بہت کم اس سے الگ ہوتی ہے۔ انسان کی انتہائی کوشش یہی ہے کہ وہ خیر کو شر پر غالب کرے تاکہ اس کے نامہ اعمال کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو اور نیکیوں کا وزن زیادہ ہو جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ گناہوں کا پلڑا بالکل ہی خالی ہو تو یہ بات نہایت بعید ہے، ان لوگوں سے اللہ تعالیٰ کا اچھا وعدہ ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبَآئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ۔ (۱)

وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں سوائے چھوٹے گناہوں کے تو بے شک تمہارا رب وسیع مغفرت والا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النجم آیت ۳۲

marfat.com

تو ہر وہ چھوٹا گناہ کہ آدمی کا دل اس پر نہ جمے تو وہ اس لائق ہے کہ اسے لَمَمٌ قرار دیا جائے جس کو معاف کیا گیا ہے۔
ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ۔ (۱)

اور وہ لوگ جو بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہیں۔

تو اس کے باوجود کہ ان لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہے کیوں کہ وہ لوگ نادم ہوتے اور اپنے نفسوں کو ملامت کرتے ہیں اسی قسم کے مرتبہ کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اشارہ ہے۔
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خِيَارُكُمْ كُلُّ مُفَتَّنٍ تَوَّابٍ۔ (۲)

تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو گناہ میں مبتلا ہونے کی صورت میں توبہ کرے۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے:

اَلْمُؤْمِنُ كَالسُّنْبُلَةِ يَفِيْءُ اَحْيَانًا وَيَمِيْلُ اَحْيَانًا۔ (۳)

مومن (گندم) بالی کی طرح ہے کبھی لوٹا کرتا ہے کبھی جھکتا ہے۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے۔

لَا بُدَّ لِلْمُؤْمِنِ مِنْ ذَنْبٍ يَاْتِيْهِ اَوْ ذَنْبٍ هُوَ مُقِيْمٌ عَلَيْهِ بَعْدَ التَّوْبَةِ۔ (۴)

مومن کے لیے ضروری ہے کہ کبھی کبھار اس سے گناہ سرزد ہو (تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اس کا یہ مطلب نہیں کہ قصداً گناہ کرے ہزار دی)

یہ سب اس بات کے قطعی دلائل ہیں کہ اس قدر گناہ توبہ کو نہیں توڑتا اور ایسا شخص گناہ پر اصرار کرنے والوں میں شامل نہیں ہوتا اور جو شخص ایسے لوگوں کو درجۂ تائبین سے مایوس کرے وہ اس ڈاکٹر کی طرح ہے جو تندرست آدمی کو دائمی صحت سے مایوس کرتا ہے کیوں کہ وہ بار بار گرم پھل اور کھانے کھاتا ہے لیکن وہ ہمیشہ نہیں کھاتا اور یہ شخص اس فقیہ کی طرح ہے

---

(۱) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۱۳۵
(۲) شعب الایمان جلد ۵ ص ۴۱۸ حدیث ۷۱۲۰
(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۹۴، ۳۹۵، مرویات جابر
(۴) سنن ابن ماجہ جلد ۳ ص ۳۲۳

marfat.com

جو فقہ کے کسی طالب علم کو فقہا کے درجہ پر پہنچنے سے مایوس کرتا ہے کیوں کہ وہ کبھی کبھی سبق کا تکرار نہیں کرتا حالانکہ وہ عام طور پر کوتاہی نہیں کرتا یہ بات ڈاکٹر اور فقیہ کی کوتاہی اور ناقص ہونے پر دلالت ہے بلکہ دین کا فقیہ تو وہ ہوتا ہے جو مخلوق کو سعادتوں کے درجات کے حصول سے صرف اس وجہ سے مایوس نہیں کرتا کہ وہ کبھی کبھی گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ خَطَّاءُوْنَ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ الْمُسْتَغْفِرُوْنَ (۱)

تمام انسان غلطی کرتے ہیں لیکن بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ کرتے اور بخشش مانگتے ہیں۔

نیز آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَلْمُؤْمِنُ كَالِهٖ رَاقِعٌ فَخَيْرُهُمْ مَنْ مَاتَ عَلٰى رَقْعِهٖ۔ (۲)

مومن پھاڑنے والا پیوند لگانے والا ہوتا ہے اور ان میں سے بہتر وہ ہے جو پیوند لگاتے لگاتے فوت ہو۔

یعنی گناہ کے ذریعے اپنے ایمان کو پھاڑتا ہے اور توبہ و ندامت کے ذریعے پیوند لگاتا ہے ارشاد خداوندی ہے

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ۔ (۳)

ان لوگوں کو دوگنا اجر دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ نیکی کے ذریعے برائی کو دور کرتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے گناہ نہ ہونے کے باعث تعریف نہیں فرمائی۔

تیسرا طبقہ:

وہ لوگ جو توبہ کر کے ایک عرصہ تک اس پر استقامت اختیار کرتے ہیں پھر بعض گناہوں میں ان پر خواہش غالب آجاتی ہے تو وہ قصد و ارادے سے اس گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں کیوں کہ غلبۂ شہوت کی وجہ سے وہ عاجز ہو جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ عبادت و اطاعت میں مصروف رہتے ہیں اور قدرت اور خواہش کے باوجود گناہوں کو چھوڑ دیتے ہیں ان پر صرف یہ ایک یا دو خواہشیں غالب آتی ہیں لیکن اس کے باوجود یہ لوگ اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس خواہش کو ختم کرنے کی طاقت دے اور اس کے شر سے بچائے وہ اس خواہش کو پورا کرتے وقت بھی یہ تمنا کرتے ہیں اور جب اس سے فارغ ہوتے ہیں تو نادم ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کاش میں ایسا نہ کرتا اور میں عنقریب اس سے توبہ کروں گا اور اس شہوت کے خاتمہ کے لیے نفس سے لڑوں گا لیکن اس کا نفس اسے ٹالتا رہتا ہے اور بار بار اپنی توبہ کو توڑتا ہے یہ وہ

---

(۱) سنن ابن ماجہ جلد

(۲) شعب الایمان جلد ۵ ص ۴۱۹ حدیث ۷۲۲۱

(۳) قرآن مجید، سورۃ القصص آیت ۵۴

marfat.com

نفس ہے جسے نفس مسولہ گمراہ کرنے والا نفس کہا گیا ہے اور ایسا آدمی ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا۔ (۱)

اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور انہوں نے اچھے اور برے اعمال کو باہم ملا دیا۔

تو ایسا آدمی جو عبادت و اطاعت بھی کرتا ہے اور جس برائی کا مرتکب ہوتا ہے اسے ناپسند بھی کرتا ہے اس لیے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے لیکن توبہ میں تاخیر کی وجہ سے اس کا انجام خطرناک بھی ہے کیوں کہ ہو سکتا ہے توبہ سے پہلے مر جائے اور اللہ تعالیٰ جو چاہے فیصلہ فرمائے۔

اب اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کا تدارک کرے اس کے نقصان کو پورا کر دے اور اس کی توبہ قبول فرمائے تو وہ سابقین کے ساتھ مل جائے گا اور اگر اس پر بدبختی اور شہوت غالب آئے گی تو یہ خوف ہے کہ خاتمے کے وقت ازلی قول، صادق آجائے کیوں جب علم حاصل کرنے والا علم کے مشاغل سے احتراز کرتا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازل میں اسے جاہلوں میں لکھا گیا ہے۔ تو اس کے حق میں امید کمزور ہو جاتی ہے اور جب اس کے لئے تحصیل علم کے اسباب کا دوام آسان ہوتا ہے تو یہ اس بات کی دلالت ہوتی ہے کہ ازل میں اس کے لیے لکھ دیا گیا ہے کہ یہ علماء میں سے ہے اسی طرح اخروی سعادتوں کا ارتباط اور ان کا حصول نیز برائیوں کا تعلق بھی اسباب سے متعلق ہے جس طرح مرض اور صحت غذاؤں اور دواؤں سے متعلق ہیں یونہی نفس کا فقہ سے تعلق کہ اس کے ذریعے بلند مناصب حاصل کرتا ہے سستی چھوڑنے اور نفس کو مسلسل فقہ کا عادی بنانے سے تو جس طرح ریاستی منصب اور عہدۂ قضا نیز علمی سبقت کا استحقاق اسی نفس کو ہوتا ہے جو طویل فقہی تعلق کی وجہ سے فقیہ بن جاتا ہے پس آخرت کا ملک اور اس کی نعمتوں کا حصول اور رب العالمین کا قرب اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب دل طویل تزکیہ اور تطہیر کے باعث سلیم اور طاہر ہو تمام ارباب کے رب کی ازلی تدبیر اسی طرح ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ (۲)

اور قسم ہے نفس کی اور جس نے اس کو ٹھیک بنایا پھر اس کے دل اس گناہ اور تقویٰ ڈالا تحقیق اس نے کامیابی پائی جس نے اسے پاک کیا اور وہ نامراد ہوا جس نے اسے گناہ میں چھپایا۔

تو جب بندہ گناہ میں مبتلا ہوتا ہے تو گناہ نقد اور توبہ ادھار ہوتی ہے۔ اور یہ ذلت و رسوائی کی علامت ہے نبی اکرم صلی اللہ

---

(۱) قرآن مجید سورۃ توبہ آیت ۱۰۲

(۲) قرآن مجید، سورۃ والشمس آیت ۷ تا ۱۰

marfat.com

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ سَبْعِينَ سَنَةً حَتَّى يَقُولَ النَّاسُ إِنَّهُ مِنْ أَهْلِهَا وَلَا يَبْقَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ إِلَّا شِبْرٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا۔ (۱)

"بندہ ستر سال جنتیوں والے عمل کرتا ہے حتی کہ لوگ کہتے ہیں یہ اہل جنت سے ہے اور اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر ازلی سبقت کرتی ہے تو وہ جہنمیوں والے عمل کرنے لگتا ہے پس جہنم میں داخل ہو جاتا ہے"

تو توبہ سے پہلے خاتمہ کا خوف ہوتا ہے اور ہر سانس پہلی زندگی کے لئے خاتمہ ہے کیوں کہ ممکن ہے موت اس سے ملی ہوئی ہو لہذا تمام سانسوں کی حفاظت کرنی چاہیے ورنہ ممنوع کام میں پڑ جائے گا اور اس وقت دائمی حسرت میں مبتلا ہوگا جب اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

چوتھا طبقہ:

یہ لوگ توبہ کر کے ایک مدت تک اس پر استقامت اختیار کرتے ہیں پھر گناہ یا گناہوں کی طرف لوٹ آتے ہیں اور نئے سرے سے توبہ نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے فعل پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں بلکہ غافل آدمی کی طرح خواہشات کی مکمل طور پر اتباع کرتے ہیں یہ بھی گناہوں پر اصرار کرنے والوں میں سے ہے یہ نفس، برائی کا حکم دینے والا نفس ہے جو بھلائی سے بھاگتا ہے اس کو برے خاتمہ کا خوف ہوتا ہے اور اس کا معاملہ مشیتِ خداوندی کی حوالے ہوتا ہے اگر اس کا خاتمہ برائی پر ہو تو وہ ایسا بدبخت ہے جس کی بدبختی کی انتہا نہیں اور اگر بھلائی پر خاتمہ ہو حتی کہ اسے توحید پر موت آئے تو جہنم سے چھٹکارے کی امید ہوتی ہے اگرچہ ایک عرصہ کے بعد ہی ہو اور یہ بات بھی محال نہیں ہے کہ کسی خفیہ سبب کے باعث اسے عام معافی میں شامل کیا جائے جیسے کوئی شخص خزانے کے لیے کسی ویران جگہ چلا جائے تو اتفاقاً اسے خزانہ مل جائے تو یہ بات محال نہیں ہے اسی طرح وہ کسی گھر میں اس لیے بیٹھے کہ سیکھنے کے بغیر اسے اللہ تعالیٰ کئی علوم کا عالم بنا دے جیسے انبیاء کرام علیہم السلام کا معاملہ ہے۔

تو عبادات کے ذریعے بخشش طلب کرنا، محنت اور تکرار کے ذریعے علم حاصل کرنے اور تجارت نیز سمندری سفر کے ذریعے طلبِ مال کی طرح ہے جب کہ خراب اعمال کے ساتھ محض امید پر طلب مغفرت ایسے ہی ہے جیسے ویران جگہ خزانہ تلاش کرنا اور فرشتوں کی تعلیم کے ذریعے علوم تلاش کرنا (ایسا ممکن ہے لیکن عام طور پر یوں نہیں ہوتا) کوشش کے بعد علم کا حصول، تجارت کرنے والے کو مالداری اور نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے والے کی بخشش ہو جانا بھی غنیمت ہے پس علما کے علاوہ تمام لوگ محروم ہیں اور باعمل علماء کے علاوہ باقی تمام علماء محروم ہیں اور عمل کرنے والے بھی سب محروم ہیں سوائے مخلص لوگوں کے

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۶۹ کتاب الانبیاء / مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۸۰ مرویات ابی ہریرہ

اور مخلص لوگوں کے لیے بھی بہت بڑا خطرہ ہے۔

تو جس طرح وہ شخص جو اپنے گھر کو ویران اور مال کو ضائع کر دیتا ہے اپنے آپ کو اور اہل وعیال کو بھوکا رکھتا ہے اس کا خیال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا منتظر ہے کہ وہ اسے خزانہ عطا فرمائے گا جسے وہ ویران گھر میں زمین کے نیچے پائے گا تو ایسا شخص عقلمند لوگوں کے نزدیک بیوقوف اور دھوکے میں شمار ہوتا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور فضل میں وہ چیز محال نہیں ہے جس کا وہ منتظر ہے اسی طرح جو آدمی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مغفرت کی انتظار کرتا ہے حالانکہ وہ عبادات میں کوتاہی کرتا ہے گناہوں پر مصر ہے اور مغفرت کے راستے پر نہیں چلتا تو وہ بھی اہل دل لوگوں کے ہاں بے عقل لوگوں میں شمار ہوتا ہے تو ایسے بے عقل شخص اور نیکی کو ضائع کرنے کے سلسلے میں اپنی حماقت کو رواج دینے والے پر تعجب ہے کہ جب وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ کریم ہے اور اس کی جنت میرے جیسے لوگوں کے لیے تنگ نہیں ہے اور نہ ہی میرے گناہ نقصان دیں گے۔ پھر تم دیکھو گے کہ وہ سمندر میں سفر کرتا ہے اور دینار (روپے پیسے) کی طلب میں مشکلات برداشت کرتا ہے اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کریم ہے اور اس کے خزانوں کے دینار تمہارے فقر سے قاصر نہیں ہیں اور تجارت سے تمہاری سستی تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی لہٰذا تو گھر میں بیٹھ جائے شاید وہ تجھے یہاں ہی ایسے طریقے پر رزق عطا کرے جو تیرے وہم وگمان میں بھی نہیں ہے۔

تو وہ شخص اس قائل کا مذاق اڑائے گا اور اسے بیوقوف قرار دیتے ہوئے کہے گا یہ کیسی حرص ہے! آسمان سے سونا اور چاندی نہیں برستے یہ چیزیں تو کمانے سے حاصل ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ جو مسبب الاسباب ہے اس نے اسی طرح ان کو مقدر فرمایا ہے اور اپنا طریقہ اسی طرح جاری کیا اور اس کی سنت (طریقے) میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور وہ دھوکے کا شکار شخص یہ بات نہیں جانتا کہ آخرت اور دنیا کا رب ایک ہی ہے اور اس کی سنت دونوں جہانوں میں تبدیل نہیں ہوتی اور اس نے فرمایا ہے۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۔ (۱) اور انسان کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے محنت کی۔

تو وہ کس طرح یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں کریم ہے اور دنیا میں کریم نہیں ہے۔ اور وہ کس طرح کہتا ہے کہ مال کمانے میں کوتاہی اس کے کرم کا تقاضا نہیں ہے اور عمل میں کوتاہی کے باوجود دائمی نعمت مل جائے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جو اسے کسی محنت کے بغیر آخرت میں عطا فرمائے گا۔ لیکن یہ (دنیوی مال) سخت محنت کے باوجود عام طور پر نہیں ملتا، (وہ یہ بات کہتا ہے لیکن) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کو بھول جاتا ہے۔

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ اور آسمانوں میں تمہارا رزق ہے اور جس کا تم سے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النجم آیت ۳۹

marfat.com

وَمَا تُوْعَدُوْنَ۔ (۱) وعدہ کیا جاتا ہے۔

تو ہم اندھے پن اور بھٹکنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اور یہ عقیدہ جہالت کے اندھیرے کنویں میں سر کے بل گرنے اور غوطہ لگانے کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس قسم کا آدمی اس بات کے لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہو۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا۔

اور اگر تم دیکھو جب مجرم اپنے رب کے پاس اپنے سروں کو جھکائے ہوئے کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے دیکھا اور سنا پس ہمیں واپس لوٹا دے تاکہ ہم اچھے کام کریں۔ (۲)

یعنی ہم نے دیکھ لیا کہ تو نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ ہے یعنی تو نے فرمایا۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۔

انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے اس نے کوشش کی۔ (۳)

تو ہمیں واپس بھیج دے تاکہ ہم کوشش کریں۔ لیکن اس وقت واپسی ممکن نہ ہوگی اور اس پر عذاب ثابت ہو جائے گا تو ہم جہالت اور شک کی دعوت دینے والے (ایسے) امور سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں جو برے انجام کا باعث ہیں۔

فصل

توبہ کرنے والے سے گناہ سرزد ہو تو وہ کیا کرے

جس شخص نے توبہ کر لی ہو اب اگر وہ قصداً یا غلبۂ شہوت وغیرہ کی وجہ سے کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس پر (دوبارہ) توبہ اور ندامت واجب ہے نیز اسے چاہیے کہ وہ اس گناہ کے مقابل نیکی کے ذریعے کفارہ کی ادائیگی میں مشغول ہو جیسا کہ ہم نے اس کا طریقہ ذکر کیا ہے اور اگر شہوت کے غلبہ کی وجہ سے اس کا نفس ترکِ گناہ کے ارادے پر اس کی مدد نہ کرتا ہو تو وہ دو واجب باتوں میں سے ایک سے عاجز آ گیا۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ دوسرے واجب کو نہ چھوڑے وہ یہ کہ وہ نیکی کے ذریعے برائی کو دُور کرے تاکہ وہ مٹ جائے اب یہ ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جن کے اچھے اور برے اعمال ملے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ الذاریات آیت ۲۲

(۲) قرآن مجید، سورۃ السجدہ آیت ۱۲

(۳) قرآن مجید سورہ النجم آیت ۲۹

marfat.com

جُلے ہیں۔ وہ نیکیاں جو گناہوں کا کفارہ بنتی ہیں ان کا تعلق دل سے ہوتا ہے یا زبان سے یا وہ اعضاء سے تعلق رکھتی ہیں تو جس عضو سے گناہ گا ارتکاب ہوا ہے یا بدی کے اسباب کا جس سے تعلق ہے اسی سے نیکی عمل میں لائے۔

جہاں تک دل کا تعلق ہے تو مغفرت اور عفو کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں گریہ وزاری کرے اور بھاگے ہوئے غلام کی طرح ذلت کا اظہار کرے حتیٰ کہ سب لوگوں پر اس کی ذلت ظاہر ہو جائے۔

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے درمیان تکبر میں کمی کرے کیوں کہ بھاگنے والے غلام کو حق نہیں پہنچتا کہ دوسرے غلاموں پر برائی کا اظہار کرے اسی طرح مسلمانوں کے لیے خیرات اور عبادت پر عزم کا قلبی ارادہ ہونا چاہیے۔

اور جہاں تک زبان کا تعلق ہے تو ظلم کا اعتراف کرے اور بخشش طلب کرے اور کہے اے میرے رب! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور برا عمل کیا پس تو میرے گناہوں کو بخش دے اور استغفار کی تمام اقسام کو عمل میں لائے جیسا کہ ہم نے دعاؤں اور اذکار کے باب میں بیان کیا ہے۔

اور اعضاء کے ساتھ نیکی عبادات اور صدقات ہیں جو مختلف اقسام پر مشتمل ہیں روایات میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ جب ایک گناہ کے بعد آٹھ اعمال صالحہ لائے جائیں تو معافی کی امید ہوتی ہے چار اعمال کا تعلق دل سے ہے اور یہ، توبہ، توبہ کا عزم، گناہ چھوڑنے کی چاہت اور اس پر گناہ کا خوف نیز اس کی مغفرت کی امید ہے۔

اور چار اعمال کا تعلق اعضاء سے ہے ایک یہ ہے کہ گناہ کے بعد دو رکعتیں پڑھے اس کے بعد ستر بار استغفار کرے اور ایک سو مرتبہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ" (پاک ہے اللہ تعالیٰ جو عظمت والا ہے اور اسی کی تعریف ہے) پڑھے پھر کوئی صدقہ کرے اور اس کے بعد روزہ رکھے۔

بعض روایات میں ہے کہ کامل وضو کرے مسجد میں جائے اور دو رکعتیں پڑھے۔ (۱)

اور بعض احادیث مبارکہ میں ہے کہ چار رکعات پڑھے (۲)

ایک حدیث شریف میں آیا ہے۔

إِذَا عَمِلْتَ سَيِّئَةً فَاتْبِعْهَا حَسَنَةً تُكَفِّرْهَا السِّرُّ بِالسِّرِّ وَالْعَلَانِيَةُ بِالْعَلَانِيَةِ۔ (۳)

جب تم سے کوئی برائی ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کرو وہ اسے مٹا دے گی پوشیدہ کے بدلے پوشیدہ اور علانیہ کے بدلے علانیہ۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۴ ص ۲۲۶ حدیث ۱۵۲۷۸

(۲) شعب الایمان جلد اول ص ۴۲۷ حدیث ۶۱۰

(۳) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۸۴، حدیث ۴۳۰۹۹

marfat.com

اسی لیے کہا گیا ہے کہ پوشیدہ صدقہ رات کے گناہوں کو اور ظاہری صدقہ دن کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔
اور صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایک عورت سے زنا کے علاوہ سب کچھ کیا تو آپ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کیجئے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے ہمارے ساتھ صبح کی نماز نہیں پڑھی؟ اس نے کہا جی ہاں پڑھی ہے آپ نے فرمایا بے شک نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ (۱)
یہ حدیث شریف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کے ساتھ زنا کے علاوہ جو حرکت کی (مثلاً بوسہ وغیرہ) تو وہ صغیرہ گناہ ہے کیوں کہ نماز کو اس کا کفارہ قرار دیا گیا۔ اور اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ كَفَّارَاتٌ لِّمَا بَيْنَهُنَّ — پانچ نمازیں درمیان کے گناہوں کے لیے کفارہ ہیں
اِلَّا الْكَبَائِرَ۔ (۲) — سوائے کبیرہ گناہوں کے،

تو ان تمام احوال کے مطابق مناسب یہی ہے کہ ہر دن اپنا محاسبہ کرے اور تمام گناہوں کا حساب لگا کر نیکیوں کے ذریعے ان کو دور کرنے کی کوشش کرے۔

سوال:

جب تک (گناہوں پر) اصرار کا عقیدہ حل نہ ہو استغفار کیا فائدہ دے گا؟ جب کہ حدیث شریف میں ہے۔

اَلْمُسْتَغْفِرُ مِنَ الذَّنْبِ وَهُوَ مُصِرٌّ عَلَيْهِ — اصرار کی حالت میں گناہ سے استغفار کرنے والا اس
كَالْمُسْتَهْزِئِ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ۔ (۳) — آدمی کی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑاتا ہے۔

بعض بزرگ فرماتے تھے میں لفظ "استغفر اللہ" سے بھی استغفار کرتا ہوں (یعنی جب گناہ ترک نہ کرے) اور کہا گیا ہے کہ محض زبانی استغفار، جھوٹوں کی توبہ ہے حضرت رابعہ عدویہ نے فرمایا کہ ہمارا بخشش طلب کرنا خود بے شمار استغفار کا محتاج ہے۔

جواب:

استغفار کے سلسلے میں اس قدر روایات آئی ہیں کہ شمار سے باہر ہیں ہم نے اذکار اور دعوات کے بیان میں ان کا ذکر کیا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی رہنے اور استغفار کو اکٹھا ذکر کیا ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ — اور اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں کہ وہ ان کو عذاب

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۵۸/۲۵۹
(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۵۹ مرویات ابوہریرہ
(۳) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۹۷، کتاب التوبہ

marfat.com

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ (۱)

رہے جب تک آپ ان میں موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دیتا جب کہ وہ بخشش طلب کر رہے ہوں۔

پس بعض صحابہ کرام فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے لئے دو پناہیں تھیں ایک چلی گئی یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا (ظاہری طور پر) ہمارے درمیان موجود ہونا (۲) (باقی نہ رہا) اور استغفار ہمارے پاس موجود ہے اگر یہ بھی چلی جائے تو ہم ہلاک ہو جائیں تو ہم کہتے ہیں کہ وہ استغفار جو جھوٹوں کی توبہ ہے وہ محض زبانی استغفار ہے اس میں دل شریک نہیں ہوتا جیسے آدمی عادتاً یا غفلت کی حالت میں کہتا ہے "استغفر اللہ" میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طالب ہوں اور جیسے وہ جہنم کی آگ کے بارے میں سن کر کہتا ہے "میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں لیکن اس سے اس کا دل متاثر نہیں ہوتا یہ محض زبان کی حرکت سے ہوتی ہے اس سے کوئی زیادہ نفع نہیں ہوتا۔ مگر جب اس کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں دل کا تضرع اور انکساری شامل ہو ارادہ سچا ہو، نیت اور رغبت میں خلوص ہو تو وہ ذاتی طور پر نیکی ہے جو اس بات کی صلاحیت رکھتی ہے کہ اس سے برائی کو دور کیا جائے۔

فضیلتِ استغفار کے سلسلے میں جو روایات آئی ہیں وہ اسی مفہوم پر محمول ہیں حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا اَحَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَلَوْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً۔ (۲)

جو شخص استغفار کرتا ہے وہ گناہ پر اصرار کرنے والا نہیں ہوتا اگرچہ دن میں ستر مرتبہ گناہ کرے۔

اس سے مراد دل سے بخشش طلب کرنا ہے اور توبہ و استغفار کے کئی درجات ہیں اور ان کا آغاز بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوتا اگرچہ آخر تک نہ پہنچے اسی لیے حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا بندے کو ہر وقت اپنے مولا کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کی سب سے اچھی حالت یہ ہوتی ہے کہ ہر معاملے میں اسی کی طرف رجوع کرے اور اگر گناہ کا ارتکاب ہو جائے تو یوں کہے اے میرے رب میرے گناہ پر پردہ ڈال دے۔ اور جب گناہ سے فارغ ہو تو کہے "یا اللہ میری توبہ قبول کر اور جب توبہ کر چکے تو کہے یا اللہ مجھے محفوظ فرما پھر جب نیک عمل کر لے تو کہے یا اللہ! مجھ سے قبول فرما۔

حضرت سہل رحمہ اللہ سے استغفار کے بارے میں پوچھا گیا جو گناہوں کا کفارہ بنتا ہے تو انہوں نے فرمایا استغفار کا آغاز قبولیت ہے پھر رجوع اور پھر توبہ ہے استجابت (قبولیت) اعضاء کے اعمال ہیں رجوع (انابت) دل کے اعمال ہیں اور توبہ، اپنے مولیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے یعنی مخلوق کو چھوڑ دے پھر اپنی کوتاہی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے اللہ تعالیٰ

---

(۱) قرآن مجید، سورہ انفال آیت ۳۳

(۲) جامع ترمذی ابواب التفسیر ص ۴۲۹

(۳) شرح السنۃ للبغوی جلد ۵ ص ۸۰ حدیث ۱۲۹۷

marfat.com

کی نعمت سے بے خبر رہنے اور شکر کو ترک کرنے کے سلسلے میں جو کوتاہی ہوتی ہے اس کے لیے بھی استغفار کرے اس وقت اسے بخش دیا جائے گا اور مالک کے پاس اس کا ٹھکانہ ہوگا اس کے بعد تنہائی اختیار کرنا ہے پھر ثابت قدمی اس کے بعد بیان، پھر فکر، بعد ازاں معرفت، پھر مناجات اس کے بعد خالص دوستی، پھر باہمی تعلق پھر راز کی گفتگو ہے (جسے خُلّت کہتے ہیں) اور یہ بات بندے کے دل میں اسی وقت ٹھہرتی ہے جب علم اس کی غذا ہو ذکر اس کے قیام اور مضبوطی کا سبب ہو، رضا، اس کا زادِ راہ ہو اور توکل اس کا دوست ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت فرماتا ہے اور اسے عرش کی طرف اٹھاتا ہے اب اس کا مقام وہی ہوتا ہے جو عرش کو اٹھانے والے فرشتوں کا ہوتا ہے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے بارے میں بھی پوچھا گیا۔

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ توبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے اس کا کیا مطلب ہے تو انہوں نے فرمایا محبوب اس وقت ہوتا ہے جب اس میں وہ تمام شرائط پائی جائیں جن کا اس آیت میں ذکر ہوا ہے۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ۔ (۱)

توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے روزہ رکھنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے روکنے والے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔

اور فرمایا محب وہی ہوتا ہے جو ان کاموں کو نہیں کرتا جن کو اس کا محبوب پسند نہیں کرتا۔

مقصود یہ ہے کہ توبہ کے دو فائدے ہیں ان میں سے ایک گناہوں کا کفارہ بننا ہے حتیٰ کہ وہ یوں ہو جاتا ہے کہ گویا اس کا کوئی گناہ ہی نہیں۔ اور دوسرا فائدہ درجات کا حصول ہے حتیٰ کہ وہ محبوب بن جاتا ہے اور کفارے کے بھی کئی درجات ہیں ان میں سے بعض گناہ کو بالکل مٹا دیتے ہیں اور بعض اس میں تخفیف کا باعث ہوتے ہیں اور یہ تفاوت، توبہ کے درجات میں تفاوت کے باعث ہوتا ہے۔

پس دل سے استغفار اور نیکیوں کے ذریعے تدارک اگرچہ پہلے درجات میں اصرار کے عقدے کو حل نہیں کرتے لیکن فائدہ سے بالکل خالی نہیں ہوتے لہٰذا یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ ان کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے بلکہ اہلِ مشاہدہ اور ارباب قلوب کو اس بات کا یقین ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول سچا ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۔ (۲)

پس جو شخص ذرا برابر بھی نیکی کرے گا اس (کے اجر) کو دیکھ لے گا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ توبہ آیت ۱۱۲

(۲) قرآن مجید، سورۃ زلزال آیت ۷

marfat.com

اور نیکی کا ایک ذرہ بھی اثر سے خالی نہیں ہوتا جیسا کہ ترازو میں جَو کا ایک دانہ بھی (ترازو کے جھکاؤ کے لیے) کچھ نہ کچھ اثر رکھتا ہے اور اگر پہلا اثر سے خالی ہوتا تو دوسرا بھی اس کی مثل ہوتا اور کئی ذرات اٹھانے کے باوجود ترازوں میں جھکاؤ نہ ہوتا اور یہ بات لازماً محال ہے بلکہ نیکیوں کا پلڑا نیکی کے ذرات کے باعث جھکا ہوا ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ بھاری ہو جاتا ہے اور برائی والا پلڑا اوپر کو اٹھ جاتا ہے تو تمہیں اس بات سے بچنا چاہیے کہ عبادات کے ذرات کو معمولی سمجھ کر ان کو عمل میں نہ لاؤ۔

اور گناہوں کے ذرات کو بھی معمولی نہ سمجھے اور اس بیوقوف عورت کی طرح نہ ہو جائے جو سُوت کاتنے سے بچنے کے لیے یہ بہانہ کرتی ہے کہ وہ ایک ساعت میں ایک ہی دھاگہ کات سکتی ہے اور کہتی ہے کہ ایک دھاگے سے کیا مالداری آئے گی اور اس سے کتنے کپڑے بنیں گے حالانکہ اس بیوقوف کو معلوم نہیں کہ دنیا کے تمام کپڑے ایک ایک دھاگے سے مل کر ہی بنے ہیں - اور یہ تمام اجسام عالم اس قدر وسعت کے باوجود ایک ایک ذرہ سے مل کر بنے ہیں۔

تو دل سے عاجزی کا اظہار اور طلب مغفرت ایک ایسی نیکی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بالکل ضائع نہیں ہوتی بلکہ میں (امام غزالی) کہتا ہوں کہ زبان سے استغفار بھی نیکی ہے کیوں کہ غفلت کی حالت میں استغفار کے ساتھ زبان کی حرکت اس گھڑی میں کسی مسلمان کی غیبت یا فضول کلام سے بہتر ہے بلکہ استغفار سے خاموشی اختیار کرنے سے بھی بہتر ہے۔ تو اس کی فضیلت، خاموشی کے مقابلے میں ظاہر ہوتی ہے اور دل کے عمل کے مقابلے میں اس کا نقصان ظاہر ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کسی نے اپنے شیخ ابو عثمان مغربی سے کہا کہ بعض اوقات میری زبان پر ذکر اور قرآن جاری ہوتا ہے جب کہ میرا دل غافل ہوتا ہے انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہارے ایک عضو کو اچھے کام میں مصروف رکھا اور اس کا عادی بنایا اس کو برائی میں نہیں لگایا اور فضول کاموں کا عادی نہیں بنایا۔

انہوں نے جو کچھ ذکر کیا وہ حق ہے اگر اعضاء کو نیک کاموں کی عادت پڑ جائے حتیٰ کہ وہ اس کے لیے فطرت کی طرح ہو جائے تو وہ تمام گناہوں کو دور کر سکتا ہے پس جو شخص اپنی زبان کو استغفار کا عادی بناتا ہے جب وہ دوسرے آدمی سے جھوٹ سنتا ہے تو فوراً استغفر اللہ کہتا ہے جس کی اس کو عادت ہو چکی ہے اور جس آدمی کو فضول باتیں کرنے کی عادت ہو اس کی زبان سے نکلتا ہے تم کتنے بیوقوف ہو اور تمہارا جھوٹ کتنا برا ہے اور جس شخص کو استعاذہ (نعوذ باللہ) کہنے کی عادت ہو جب کسی شریر کے افعالِ شر کے بارے میں سنتا ہے تو زبان کی عادت کے مطابق کہتا ہے "نعوذ باللہ" اور جب فضول بات کہنے کی عادت ہوگی تو کہے گا اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو تو ایک کلمہ گناہ کا باعث ہے اور دوسرے کلمہ کے ساتھ سلامت رہتا ہے اور اس کی سلامتی کی وجہ یہ ہے کہ اس کی زبان اچھی بات کہنے کی عادی ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا ایک مطلب یہ بھی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (۱) بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ توبہ آیت ۱۲۰

marfat.com

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا بھی یہی مفہوم ہے۔

وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ (۱)

اور اگر نیکی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے بڑھا دیتا ہے اور اپنی طرف سے اسے بہت بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔

تو دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس نیکی کو بڑھایا کہ غفلت میں بھی استغفار کو زبان کی عادت بنایا حتیٰ کہ اس عادت کے ذریعے غیبت، لعنت اور فضول باتوں کے ذریعے نافرمانی کے شر کو دور فرمایا یہ تو دنیا میں ایک معمولی نیکی کا بڑھنا ہے اور آخرت کا بڑھنا بہت بڑا ہے اگر وہ جانتے تمہیں محض آفات کا خیال کر کے عبادات کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے اس طرح عبادات میں رغبت کم ہو جائے گی یہ شیطانی مکر ہے جس کے ذریعے وہ دھوکے میں مبتلا لوگوں کو پھنساتا ہے اور ان کو یہ تصور دیتا ہے کہ وہ عقلمند ہیں نیز وہ پوشیدہ باتوں کو جاننے والے سمجھ دار ہیں دل کی غفلت کے ساتھ زبان سے ذکر کرنے میں کیا بھلائی ہے تو اس مکر و فریب کے حوالے سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔

اپنے آپ پر ظلم کرنے والے، درمیانی راہ اختیار کرنے والے اور نیکیوں میں سبقت کرنے والے۔

جہاں تک سبقت کرنے والوں کا تعلق ہے تو وہ کہتے ہیں اے لعنتی! تو نے سچ کہا لیکن تمہارا مقصد باطل ہے یقیناً میں تجھے دو مرتبہ ستاؤں گا اور دو طریقوں سے تجھے ذلیل کروں گا میں زبان کی حرکت کے ساتھ دل کی حرکت کو ملاؤں گا تو یہ اس شخص کی طرح ہے جو شیطانی زخم پر نمک چھڑکتا ہے۔

لیکن جو ظالم مغرور ہیں وہ اپنے آپ کو اس باریک بات سے واقف سمجھ کر دل کے اخلاص سے عاجز ہوتے ہیں اور وہ زبان کو ذکر کا عادی نہیں بناتے تو وہ شیطان کی مدد کرتے ہیں وہ دھوکے کی رسی کے ساتھ لٹک جاتے ہیں اور اب ان دونوں کے درمیان موافقت اور مشارکت ہو جاتی ہے جیسے کہا گیا ہے شکیزے کے منہ کو بند کرنے والی چیز اس کے موافق ہو گئی تو اس نے اسے گلے میں لٹکا لیا۔

جہاں تک میانہ روی اختیار کرنے والے کا تعلق ہے تو وہ شیطان کے خلاف عمل میں اپنے دل کو شریک نہیں کر سکتا اور وہ جانتا ہے کہ محض زبانی ذکر دل کی نسبت ناقص ہوتا ہے لیکن خاموشی اور فضول باتوں کے مقابلے میں (محض زبانی ذکر) افضل ہے وہ اس پر برقرار رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ بھلائی کی عادت کے سلسلے میں وہ اس کے دل کو بھی زبان کے ساتھ شریک کر لے۔

تو سبقت کرنے والا اس جولاہے کی طرح ہے جو اپنے کام کو برا جان کر کاتب بن جائے اور ظالم جو زبانی ذکر کو بھی چھوڑ دیتا ہے اس جولاہے کی طرح ہے جو اپنا پیشہ چھوڑ کر خاکروب بن جائے اور درمیانہ راستہ اختیار کرنے والے کی

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النساء آیت ۴۰

marfat.com

مثال اس کی طرح ہے جو کتابت سے عاجز آجاتا ہے تو کہتا ہے میں جولاہے کے پیشے کی مذمت سے انکار نہیں کرتا لیکن یہ کاتب کے مقابلے میں مذموم ہے خاکروب کے مقابلے میں نہیں لہذا جب میں کتابت سے عاجز ہوں تو جولاہے کے پیشے کو نہیں چھوڑ سکتا اسی لیے حضرت رابعہ عدویہ رحمہا اللہ نے فرمایا تھا کہ ہمارا استغفار کئی استغفار کا محتاج ہے تو ہمیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ انہوں نے زبان کی مذمت محض ذکر خداوندی کی وجہ سے کی ہے بلکہ وہ قلبی غفلت کی مذمت کرتی ہیں تو یہ استغفار، مزید استغفار کی محتاج دل کی غفلت کی وجہ سے ہے زبان کی حرکت کی وجہ سے نہیں اور اگر وہ زبانی استغفار سے بھی خاموش ہو جائے تو دوسرے استغفار کا محتاج ہوگا ایک کا نہیں۔

تو جس کی مذمت کی گئی یا جس کی تعریف کی گئی اس کو اسی طرح سمجھنا چاہیئے ورنہ سچ کہنے والی ذات (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس حدیث کا مطلب سمجھ نہیں آئے گا کہ آپ نے فرمایا "نیک لوگوں کی نیکیاں، مقربین کے گناہ ہیں" کیونکہ یہ امور اضافی طور پر ثابت ہوتے ہیں لہذا ان کو اضافت کے بغیر نہیں اپنانا چاہیے بلکہ مناسب یہ ہے کہ عبادات اور گناہوں کے ذرات کو بھی حقیر نہ جانے اسی لیے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں، تین چیزوں میں رکھی ہیں اپنی رضا کو عبادت میں رکھا ہے پس تم اس سے کسی چیز کو بھی حقیر نہ جانو ہو سکتا ہے اس کی رضا اسی میں ہو غضب اپنی نافرمانی میں رکھا پس اس سلسلے میں کسی بات کو معمولی نہ سمجھو ہو سکتا ہے اس کا غضب اسی میں ہو اور اپنی ولایت کو اپنے بندوں میں رکھا لہذا ان میں سے کسی کو حقیر نہ جانو ہو سکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہو اور قبولیت کو زیادہ کیا اور اپنی دعائیں پوشیدہ رکھا پس دعا کو نہ چھوڑو شاید قبولیت اسی میں ہو۔

چوتھی فصل:

توبہ کی دوا اور اصرار کے خاتمہ کے لیے علاج

جان لو انسان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ نوجوان جس میں بچوں والی عادات پائی جاتی ہیں وہ نیکی کرنے اور برائی سے بچنے پر نشو و نما پاتا ہے اسی نوجوان کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تَعَجَّبَ رَبُّكَ مِنْ شَابٍ لَيْسَتْ لَهُ صَبْوَةٌ۔ (۱)

تیرے رب کو وہ نوجوان پسند ہے جس میں بچپن والی عادات نہ ہوں۔

اس قسم کے نوجوان نادر ہیں بہت کم پائے جاتے ہیں۔

اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو گناہ کے ارتکاب سے خالی نہیں ہوتے پھر ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو گناہ پر

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۵۰ مرویات عقبہ بن عامر

marfat.com

مصر رہتے ہیں اور دوسرے توبہ کرنے والے، اور ہماری غرض یہ ہے کہ ہم اصرار کو دُور کرنے کا علاج بیان کریں اور اس سلسلے میں دوا کا ذکر کریں۔

تو جاننا چاہیئے کہ توبہ کی شفاء، دوا سے ہوتی ہے اور دعا سے وہی واقف ہوتا ہے جو بیماری سے آگاہ ہوتا ہے کیونکہ مرض کے اسباب کی ضد علاج ہے تو جو بیماری کسی سبب سے آتی ہے اس کا علاج اس سبب کو دُور کرنا اسے ختم کرنا اور باطل کرنا ہے اور ہر چیز کا بطلان اس کی ضد سے ہوتا ہے اور اسرار کا سبب غفلت اور خواہش ہے اور غفلت کی ضد علم ہے جب کہ خواہش کی ضد ان اسباب کو ختم کرنے پر صبر کرنا ہے جو خواہش کو حرکت دیتے ہیں اور غفلت خطاؤں کی اصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ - (۱)

اور وہی لوگ غافل ہیں یقیناً وہ آخرت میں خسارہ پانے والے ہیں۔

تو، توبہ کی دوا ایک معجون ہے جو علم کی مٹھاس اور صبر کی کڑواہٹ سے مرکب ہوتا ہے۔ تو جس طرح سکنجبین۔ شکر کی مٹھاس اور سرکے کی ترشی سے مل کر بنتی ہے اور ان میں سے ہر ایک سے ایک غرض ہوتی ہے جو دونوں کے مجموعے سے حاصل ہوتی ہے تو ان اسباب کا خاتمہ ہو جاتا ہے جو صفرا کے ہیجان کا باعث بنتے ہیں تو جس آدمی کو اصرار کی بیماری ہو اسے دل کے علاج کا یہی طریقہ سمجھنا چاہیئے۔

تو اب دوا کی اصل دو چیزیں ہیں ان میں سے ایک علم ہے اور دوسری چیز صبر ہے اور ان دونوں کا بیان ضروری ہے۔

سوال:

کیا اصرار کے خاتمہ کے لیے ہر علم نفع دیتا ہے یا اس کے لیے کوئی مخصوص علم ہے تو جان لو کہ دل کے امراض کے علاج کے لیے کئی علوم ہیں لیکن ہر مرض کے لیے ایک مخصوص علم ہے۔ جیسا کہ علمِ طب تمام امراض کے علاج کے لیے نفع بخش ہے لیکن ہر بیماری ایک مخصوص علم کے ساتھ خاص ہے اسی طرح اصرار کی دوا کا مسئلہ ہے۔

تو اب ہم جسمانی بیماریوں کی مثال پیش کرتے ہیں تاکہ سمجھنا آسان ہو تو ہم کہتے ہیں۔ بیمار کو کئی باتوں کی تصدیق کی حاجت ہوتی ہے۔

۱۔ مجموعی طور پر وہ اس بات کی تصدیق کرے کہ بیماری اور صحت کے کئی اسباب ہیں جن تک اختیار کے ساتھ رسائی ہوتی ہے۔ جیسا کہ مسبب الاسباب (اللہ تعالیٰ) نے ان کو مرتب فرمایا ہے تو یہ اصل طب کا یقین ہے کیوں کہ جو آدمی طب پر یقین نہیں رکھتا وہ علاج میں مشغول نہیں ہو سکتا۔ اور اس پر ہلاکت ثابت ہوتی ہے تو ہمارے زیرِ بحث مسئلہ کی یہ مثال ہے کہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النحل آیت ۱۰۸، ۱۰۹

marfat.com

ایمان شریعت، کی اصل ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اُخروی سعادت کا ایک سبب ہے اور وہ عبادت ہے اور بدبختی کا ایک سبب ہے جو گناہ ہے اور یہ احکام شریعت پر ایمان کی بنیاد ہے اور اس کا حصول ضروری ہے تحقیق کے ساتھ ہو یا تقلید کے ذریعے، اور یہ دونوں باتیں مجموعی ایمان میں شامل ہیں۔

۲۔ ضروری ہے کہ مریض خاص ڈاکٹر پر یقین رکھتا ہو کہ وہ طب کا عالم اور ماہر ہے جو کچھ بتاتا ہے اس میں سچ کہتا ہے نہ دھوکہ دیتا ہے اور نہ جھوٹ بولتا ہے کیوں کہ جب تک یہ یقین نہ ہو محض طب پر یقین رکھنا نفع بخش نہیں ہوتا اور ہمارے موضوع کے سلسلے میں اس کی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یقین ہو اور اس بات پر ایمان ہو کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ حق اور سچ ہے اس میں جھوٹ اور خلاف واقعہ بات نہیں ہے۔

۳۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ طبیب کی بات غور سے سنے کہ وہ کن پھلوں کے کھانے سے روکتا اور کن مضر اسباب سے ڈراتا ہے حتی کہ پرہیز نہ کرنے کے سلسلے میں اس پر خوف غالب آجائے تو شدتِ خوف پرہیز کا باعث بنتا ہے دین کے سلسلے میں اس کی مثال یہ ہے کہ ان آیات اور احادیث کی طرف خوب دھیان دے جو تقویٰ کی ترغیب دیتی اور گناہوں کے ارتکاب نیز خواہشات کی اتباع سے روکتی ہیں۔ اور اس سلسلے میں جو کچھ سنے اس کی تصدیق کرے اور اسے کسی قسم کا شک اور تردد نہ ہو حتی کہ اس سے ایسا خوف پیدا ہو جو صبر پر تقویت پہنچاتا ہے علاج کے سلسلے میں یہ آخری رکن ہے۔

۴۔ طبیب کی اس بات کو غور سے سنے جو اس کے مرض کے ساتھ خاص ہے اور جس سے پرہیز ضروری ہے تاکہ پہلے اسے ان افعال واحوال اور ماکولات ومشروبات کا تفصیلی علم حاصل ہو جو نقصان دہ ہیں کیونکہ ہر مریض پر ہر چیز سے پرہیز لازم نہیں اور نہ ہی ہر دوا اسے فائدہ دیتی ہے بلکہ ہر خاص بیماری کے لیے علم بھی مخصوص ہے اور علاج بھی۔

اور دین سے اس کی مثال یہ ہے کہ ہر انسان ہر قسم کی خواہش میں مبتلا نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر قسم کے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے بلکہ ہر مومن کے لیے ایک یا زیادہ مخصوص گناہ ہیں فی الحال اسے اتنی بات کی ضرورت ہے کہ اسے ان کے گناہ ہونے کا علم ہو جائے۔

پھر ان کی آفات اور ضرر کی مقدار کا علم ہو اس کے بعد اس بات کا علم ہو کہ ان سے صبر کیسے ہو سکتا ہے اور پھر اس بات کو جانے کہ سابقہ گناہوں کا کفارہ کیسے ادا ہوگا یہ علوم دین کے معالجوں کے ساتھ خاص ہیں اور یہ علماء ہیں جو انبیاء کرام کے وارث ہیں گناہ گار کو اگر اپنے گناہ کا علم ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ طبیب سے علاج کروائے اور طبیب عالم ہے اور اگر اس کو اس بات کا علم نہ ہو کہ جو کچھ اس نے کیا ہے وہ گناہ ہے تو عالم پر لازم ہے کہ اسے اس بات سے آگاہ کرے اور اس کی صورت یہ ہے کہ عالم کسی علاقے، شہر، محلے یا مسجد یا کسی مجمع کی ذمہ داری سنبھالے اور وہاں کے لوگوں کو دین سکھائے اور ان کے سامنے واضح کرے کہ کیا کام ان کے لیے نقصان دہ ہے اور کونسا کام نفع بخش ہے کیا بات ان کی بدبختی کا باعث ہے اور کونسی بات میں سعادت مندی ہے اور وہ اس بات کا انتظار نہ کرے کہ اس سے پوچھا جائے بلکہ لوگوں کو

marfat.com

خود بخود دین کی دعوت دے کیوں کہ علماء کرام انبیاء عظام کے وارث ہیں اور انبیاء کرام نے لوگوں کو جاہل نہیں چھوڑا بلکہ وہ ان کو ان کے اجتماعات میں پکارتے اور شروع شروع میں وہ ان کے دروازوں پر جاتے اور ان کو ہدایت دیتے کیوں کہ دل کے مریض اپنی بیماری کا علم کا نہیں رکھتے جیسے کسی شخص کے چہرے پر سفید داغ پیدا ہو جائیں اور اس کے پاس آئینہ نہ ہو تو جب تک اسے دوسرا نہ بتائے اسے اس بات کا علم نہیں ہو سکتا اور یہ بات تمام علماء پر فرض عین ہے۔

اور تمام حکمرانوں پر لازم ہے کہ وہ ہر بستی اور ہر محلے میں کسی دیندار عالم کا یقین کریں جو لوگوں کو ان کا دین سکھائے کیونکہ لوگوں کی پیدائش جہالت پر ہوتی ہے لہٰذا اصل اور فرع دونوں کو اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے۔ اور دنیا بیماروں کی جگہ ہے کیوں کہ زمین کے اندر فوت شدہ اور اس کی پیٹھ پر بیمار رہتے ہیں اور دلوں کے مریض، جسم کے مریضوں سے زیادہ ہیں علماء طبیب اور حکمران بیماری کے گھر کے حاکم ہیں تو جس مریض کا علاج علماء سے نہ ہو سکے اسے حکمران کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ اس کے شر کو دور کرے جیسے وہ بیمار جو پرہیز نہیں کرتا یا جس پر جنوں غالب ہو تو اسے ڈاکٹر پاگل خانے کے نگران کے پاس بھیجتا ہے تاکہ وہ اسے طوق اور زنجیر پہنائے اور اپنے آپ کو بھی اور لوگوں کو بھی اس کے شر سے محفوظ رکھے دلوں کے امراض، بدنی امراض سے تین وجوہ سے بڑھ گئے ہیں۔

(۱) دل کا مریض یہ نہیں جانتا کہ وہ بیمار ہے۔

(۲) اس کا انجام اس دنیا میں نظر نہیں آتا جب کہ بدن کے مرض کا انجام موت ہے جو دکھائی دیتی ہے اور طبیعتیں اس سے نفرت کرتی ہیں اور جو کچھ موت کے بعد ہے وہ دکھائی نہیں دیتا اور گناہوں کا انجام دل کی موت ہے جو اس دنیا میں نظر نہیں آتی تو گناہوں سے نفرت کم ہوتی ہے اگرچہ اس کے مرتکب کو اس کا علم بھی ہو اسی لیے تم اسے دیکھو گے کہ قلبی بیماری میں وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے جب کہ بدنی بیماری میں بھروسہ کئے بغیر علاج کرواتا ہے۔

(۳) لا علاج مرض یہ ہے کہ طبیب نہ ملے اور طبیب تو علماء ہیں اور اس زمانے میں وہ خود شدید بیمار ہو گئے حتیٰ کہ وہ علاج کرنے سے عاجز آ گئے۔ اور چوں کہ یہ مرض سب میں موجود ہے حتیٰ کسی کا نقصان ظاہر نہیں ہوتا تو وہ لوگوں کو گمراہ کرنے پر مجبور ہو گئے اور وہ ان کو ایسے اشارے دیتے ہیں جو ان کی مرض کو بڑھاتے ہیں کیوں کہ مہلک بیماری تو دنیا کی محبت ہے اور یہ بیماری خود اطباء پر غالب آ گئی ہے وہ اس بات کے خوف سے لوگوں کو ڈرانے پر قادر نہیں کہ لوگ کہیں گے تمہیں کیا ہوا دوسروں کو علاج کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو یہی وجہ ہے کہ تمام مخلوق اس بیماری میں مبتلا ہو گئی وبا بڑھ گئی اور دوا ختم ہو گئی اور لوگ طبیبوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ بلکہ طبیب (علماء) لوگوں کو گمراہ کرنے میں مشغول ہو گئے کاش جب وہ نصیحت نہیں کرتے تو خیانت تو نہ کرتے اصلاح نہیں کر سکتے تو فساد پھیلانے سے باز رہتے کاش وہ خاموش رہیں اور کچھ نہ بولیں۔

یہ لوگ جب بولتے ہیں تو ان کا بنیادی مقصد لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا ہوتا ہے اور اس مقصد تک تب ہی پہنچ

سکتے ہیں جب امید دلائیں اور امید کے اسباب کو ترجیح دیں نیز رحمت کے دلائل ذکر کریں کیوں کہ ان باتوں سے کانوں کو
زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے اور طبیعت پر یہ باتیں ہلکی ہوتی ہیں اب جب لوگ وعظ کی مجلس سے اٹھ کر جاتے ہیں تو انہیں گناہ
پر زیادہ جرأت ہو جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ بڑھ جاتا ہے۔

پس جب طبیب جاہل یا خائن ہوگا تو دوائی کے ساتھ ہلاک کرے گا کیونکہ غیر مناسب جگہ پر استعمال کرے گا تو امید
اور خوف دو دوائیں ہیں لیکن ان دو آدمیوں کے لیے جو متضاد بیماریوں میں مبتلا ہیں جس آدمی پر خوف غالب ہو حتی کہ وہ دنیا کو
بالکل چھوڑ دے اور اپنے آپ کو ایسے کام کا مکلف بنائے جس کی طاقت نہیں رکھتا اور اپنے آپ پر زندگی کو بالکل تنگ کر
دے تو ایسے شخص کے زیادہ خوف کو امید کے اسباب ذکر کر کے توڑا جائے تاکہ وہ اعتدال کی طرف آجائے۔

اسی طرح وہ شخص جو گناہوں پر مصر ہو اور توبہ کی خواہش بھی رکھتا ہو لیکن ناامیدی اور مایوسی کی وجہ سے اس سے رُکتا ہو
کہ گذشتہ گناہ بہت بڑے ہیں اس کا علاج بھی امید کے اسباب کے ذریعے کیا جائے حتی کہ وہ توبہ کی قبولیت کا طمع
کر کے توبہ کرے۔

لیکن جو شخص گناہوں میں ڈوبا ہوا ہو اور فضل خداوندی پر مغرور ہو امید کے اسباب کے ذریعے اس کا علاج کرنا
اس طرح ہے جیسے حرارت والے کا علاج شہد سے کرنا تاکہ اسے شفا حاصل ہو یہ جاہلوں اور غبی قسم کے لوگوں کا طریقہ
ہے غرضیکہ طبیبوں کا فساد مرض کو لاعلاج کئے ہوئے ہے کہ وہ دوا کو بالکل قبول نہیں کرتی۔

سوال :

کوئی ایسا طریقہ ذکر کریں جسے واعظ، مخلوق کو وعظ کرتے ہوئے اختیار کرے؟

جواب :

جان لو! کہ یہ لمبا طریقہ ہے اور اس کا احاطہ ناممکن ہے ہاں ہم اصرار کے ترک کے سلسلے میں کچھ نفع بخش انواع کی
طرف اشارہ کرتے ہیں جو لوگوں کو گناہوں کے چھوڑنے پر مجبور کرے اور اس کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ قرآن پاک کی وہ آیات ذکر کرے جو گناہ گاروں اور نافرمانوں کو ڈرانے والی ہیں اسی طرح جو احادیث و آثار مروی
ہیں ان کو بیان کرے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

مَامِنْ يَوْمٍ طَلَعَ فَجْرُهُ وَلَا لَيْلَةٍ غَابَ شَفَقُهَا إِلَّا وَمَلَكَانِ يَتَجَاوَبَانِ بِأَرْبَعَةِ أَصْوَاتٍ يَقُوْلُ أَحَدُهُمَا يَا لَيْتَ هٰذَا الْخَلْقَ لَمْ يُخْلَقُوْا وَيَقُوْلُ الْآخَرُ يَا لَيْتَهُمْ إِذْ خُلِقُوْا عَلِمُوْا لِمَاذَا خُلِقُوْا فَيَقُوْلُ الْآخَرُ

نہیں ہے کوئی دن جس میں فجر طلوع ہوتی ہے اور نہیں
کوئی رات جس میں شفق غائب ہوتی ہے مگر چار فرشتے
چار آوازوں کے ساتھ ایک دوسرے کو جواب دیتے ہیں
ان میں سے ایک کہتا ہے کاش! یہ مخلوق پیدا نہ ہوتی دوسرا
کہتا ہے جب یہ پیدا ہوئے ہیں تو کاش ان کو اس بات کا

marfat.com

يَا لَيْتَهُمْ اِذْ لَمْ يَعْلَمُوا لِمَاذَا خُلِقُوا عَمِلُوا بِمَا عَلِمُوا۔ (۱)

علم ہوتا کہ ان کو کیوں پیدا کیا گیا پہلا کہتا ہے اگر ان کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ یہ کیوں پیدا ہوئے تو جس بات کا علم تھا اس پر عمل کرتے۔

اور بعض روایات میں ہے۔

کاش یہ ایک دوسرے کے پاس بیٹھ کر ان باتوں کا ذکر کرتے جو ان کو معلوم تھیں تو دوسرا کہتا ہے کاش جب انہوں نے اس بات پر عمل نہیں کیا جس کا ان کو علم تھا تو جو عمل کیا اس سے توبہ بھی کر لیتے (۲)

بعض بزرگوں نے فرمایا جب بندہ گناہ کرتا ہے تو دائیں طرف والا فرشتہ بائیں طرف والے کو حکم دیتا ہے اور وہ اس پر امیر ہے کہ چھ گھڑیاں اس سے قلم کو اٹھائے رکھے اگر وہ توبہ و استغفار کرے تو نہ لکھے اور اگر استغفار نہ کرے تو لکھ دے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا جو بندہ گناہ کرتا ہے تو زمین کے جس حصے پر وہ ہوتا ہے وہ زمین اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگتی ہے کہ اسے اندر دھنسا دیا جائے اور آسمان سے چھت اس پر گرنے کی اجازت طلب کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ زمین و آسمان سے فرماتا ہے میرے بندے سے رک جاؤ اور اسے مہلت دو تم نے اسے پیدا نہیں کیا اگر تم اسے پیدا کرتے تو تمہیں اس پر رحم آتا، شاید وہ میری بارگاہ میں توبہ کرے تو میں اسے بخش دوں اور ہو سکتا ہے وہ اس گناہ کو نیکی میں بدل دے تو میں اسے نیکی کا ثواب عطا کروں۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ۔ (۳)

بے شک اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کو جنبش کرنے سے روکے ہوئے ہے اور وہ ہٹ جائے تو اس کے سوا انہیں کون روکے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے۔

اَلطَّابِعُ مُعَلَّقٌ بِقَائِمَةِ الْعَرْشِ فَاِذَا انْتُهِكَتِ الْحُرُمَاتُ وَاسْتُحِلَّتِ الْمَحَارِمُ اَرْسَلَ اللّٰهُ الطَّابِعَ فَيَطْبَعُ عَلَى الْقُلُوْبِ

مہر لگانے والا عرش کے پائے سے لٹکا ہوا ہے پس جب بہت زیادہ بے حرمتی ہوتی ہیں اور حرام کو حلال سمجھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ مہر لگانے والے کو بھیجتا ہے

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۹۶، حدیث ۴۳۱۶۲

(۲) کنز العمال جلد ۶ ص ۲۵۱ حدیث ۱۴۰۱۴

(۳) قرآن مجید، سورۃ فاطر آیت ۴۱

marfat.com

بِمَا فِيهَا۔ (۱)

تو وہ لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔

اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی روایت میں۔

اَلْقَلْبُ مِثْلُ الْكَفِّ الْمَفْتُوحَةِ كُلَّمَا اَذْنَبَ الْعَبْدُ ذَنْبًا انْقَبَضَتْ اِصْبَعٌ حَتّٰى تَنْقَبِضُ الْاَصَابِعُ كُلُّهَا فَيُسَدُّ عَلَى الْقَلْبِ فَذٰلِكَ هُوَ الطَّبْعُ۔ (۲)

دل کھلی ہتھیلی کی طرح ہے جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو ایک انگلی بند ہو جاتی ہے حتی کہ تمام انگلیاں بند ہو جاتی ہیں تو یوں دل بند ہو جاتا ہے یہی مہر لگانا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا۔

بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان گناہوں سے حد معلوم ہے جب بندہ وہاں تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے اب اس کے بعد اسے نیکی کی توفیق نہیں دی جاتی۔

گناہ کرنے والے کی مذمت اور توبہ کرنے والوں کی تعریف میں بے شمار احادیث و آثار وارد ہوتے ہیں واعظ کو چاہیے کہ ان میں سے اکثر کو بیان کرے اگر وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث ہے۔ آپ نے کوئی درہم اور دینار نہیں چھوڑا بلکہ آپ نے علم و حکمت چھوڑی ہے اور ہر عالم کو جس قدر پہنچی وہ اس میں آپ کا وارث ہے (۳)

دوسری قسم:

انبیاء کرام اور سلف صالحین کی حکایات اور ان کو لغزشوں کے باعث جو مصائب اٹھانے پڑے یہ حکایات مخلوق کے دلوں میں خوب جمتی ہیں اور ان کا نفع زیادہ ہے۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش کا واقعہ اور کس طرح آپ کو جنت سے باہر آنا پڑا حتی کہ روایت میں ہے کہ جب آپ نے اس (ممنوعہ) درخت سے کھایا تو آپ کے جسم سے لباس اتر گیا اور شرمگاہ ظاہر ہو گئی مگر تاج اور دستار کو شرم آئی کہ آپ کے سر سے اتر جائیں تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر آپ کے سر سے تاج اتارا اور آپ کی پیشانی سے دستار کو کھولا اور عرش کے اوپر سے آواز آئی تم دونوں (حضرت آدم و حوا علیہما السلام) میرے پڑوس سے اتر جاؤ جو میرے حکم کی خلاف ورزی کرے وہ میرے پڑوس میں نہیں رہتا حضرت آدم علیہ السلام نے روتے ہوئے حضرت حوا علیہا السلام کی طرف دیکھا اور فرمایا ہماری لغزش کی پہلی نحوست یہ ہے ہم محبوب کے پڑوس

---

(۱) الکامل لابن عدی جلد ۳ ص ۱۱۳۴ ترجمہ سلیمان بن مسلم الخشاب

(۲) شعب الایمان جلد ۵ ص ۴۱۴ حدیث ۲۰۶۷

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۹ کتاب الوصایا۔

marfat.com

سے نکال دیئے گئے۔(۱)

اور روایات میں ہے کہ جب حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کو ان کی خطا پر تنبیہ کی گئی کہ آپ کے گھر میں چالیس دن تک ایک مورتی کی پوجا ہوتی رہی اسی لیے تنبیہ کی گئی کہ ایک عورت نے آپ سے درخواست کی کہ میرے باپ کے حق میں فیصلہ کرنا آپ نے وعدہ کیا لیکن اس پر عمل نہ فرمایا، بعض نے کہا آپ نے اس بات کو پسند کیا کہ اس عورت کی خاطر اس کے باپ کے حق میں فیصلہ کریں تو آپ سے چالیس دن حکومت واپس لی گئی تو آپ جدھر منہ آیا پریشان حال بھاگ کھڑے ہوئے آپ اپنے ہاتھ سے مانگتے لیکن آپ کو کھانا نہ دیا جاتا۔ جب وہ کہتے کہ مجھے کھانا دو میں سلیمان بن داؤد ہوں تو آپ کو زدوکوب کیا جاتا ہے دھکے دیا جاتا اور مارا جاتا منقول ہے کہ آپ نے ایک عورت کے گھر سے کھانا طلب کیا تو اس نے آپ کو دھکے دیا اور آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوکا ایک روایت میں ہے کہ ایک بڑھیا نے گھڑا نکالا جس میں پیشاب تھا تو اسے آپ کے سر پر ڈال دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ سے ایک انگوٹھی نکالی تو چالیس دن کی سختی کے بعد آپ نے اسے پہنا پس پرندے اکٹھے آپ کے سر مبارک پر جھکنے لگے اور جن شیطان اور جنگلی جانور آپ کے گرد جمع ہو گئے اب بعض وہ لوگ جنہوں نے آپ سے ناروا سلوک کیا تھا معذرت کرنے لگے تو آپ نے فرمایا تم نے اس سے پہلے مجھ سے جو سلوک کیا میں اس پر تمہیں ملامت نہیں کرتا اور تمہاری اس معذرت پر تمہاری تعریف بھی نہیں کرتا یہ تو آسمان کی طرف سے آنے والا ایک معاملہ تھا جو ضروری تھا۔

اسرائیلی روایات میں مروی ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شہر میں ایک عورت سے نکاح کیا تو اس نے اپنا غلام بھیجا تاکہ وہ اس عورت کو اس کے پاس لے کر آئے تو اس عورت کے دل میں اس کا خیال آگیا اور اس نے اس سے قرب کا مطالبہ کیا لیکن اس غلام نے مجاہدہ کر کے اپنے آپ کو بچا لیا تو اس کے تقویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے نبی بنا دیا تو وہ بنی اسرائیل میں نبی تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں ہے کہ آپ نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے کس وجہ سے آپ کو غیب پر مطلع فرمایا؟ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے گناہوں کو چھوڑنے کی وجہ سے۔

مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا چلتی تھی آپ نے اپنی نئی قمیض کی طرف دیکھا تو گویا انہوں نے اسے پسند کیا راوی کہتے ہیں ہوا نے اسے اتار دیا، انہوں نے فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا میں نے تو تجھے اس بات کا حکم نہیں دیا تھا ہوا نے جواب دیا ہم آپ کی اطاعت اس وقت کرتے ہیں جب آپ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔

---

(۱) انبیاء کرام علیہم السلام کے ایسے واقعات میں اللہ تعالیٰ کی کئی حکمتیں ہوتی ہیں نیز ان کے ایسے کاموں کو زلۃ (لغزش) سے تعبیر کیا گیا اور لغزش زلہ پھسلنے کو کہتے ہیں لہٰذا ایسے کاموں کو گناہ نہیں کہہ سکتے انبیاء کرام گناہوں سے معصوم ہیں اور پھسلنا اپنے ارادے یا مرضی سے نہیں ہوتا ۱۲ ہزاروی

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ آپ کو معلوم ہے میں نے آپ کے اور آپ کے بیٹے یوسف علیہ السلام کے درمیان جدائی کیوں ڈالی ہے؟ انہوں نے عرض کیا مجھے معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس لیے کہ آپ نے ان کے بھائیوں سے فرمایا مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے غافل ہو آپ نے اس پر بھیڑیئے کا خوف کیوں کیا؛ مجھ سے توقع کیوں نہیں کی ان کے بھائیوں کی غفلت کی طرف نظر کیوں کی میری حفاظت کو کیوں نہیں دیکھا اور کیا آپ جانتے ہیں کہ میں نے ان کو آپ کی طرف واپس کیوں کیا؛ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا اس لیے کہ آپ نے مجھ سے امید رکھتے ہوئے یوں کہا۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا۔ (۱)

قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس لائے۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا۔

اِذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَيْئَسُوْا۔ (۲)

جاؤ پس یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی کو تلاش کرو اور مایوس نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ۔ (۳)

تو شیطان نے اس (قیدی) سے بھلا دیا کہ وہ (یوسف علیہ السلام کا) ذکر اپنے مالک سے کرتا تو (یوں) آپ کئی سال قید خانے میں رہے۔

اس قسم کی حکایات کی بے شمار مثالیں ہیں اور قرآن پاک نیز احادیث میں یہ حکایات محض قصہ کہانی کے طور پر نہیں آئے بلکہ ان کا مقصد عبرت حاصل کرنا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے معمولی لغزشیں معاف نہیں ہوئیں تو دوسروں سے کبیرہ گناہ کس طرح معاف ہوں گے ہاں ان کی سعادت یہ تھی کہ انہیں فوری طور پر تنبیہ کی گئی اور ان کا معاملہ آخرت تک موخر نہیں کیا گیا جب کہ بدبخت لوگوں کو مہلت دی جاتی ہے تاکہ ان کے گناہ بڑھ جائیں نیز آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ بڑا ہے اس قسم کی باتیں گناہوں پر اصرار کرنے والوں کے سامنے زیادہ بیان کی جائیں توبہ توبہ کو دعوت دینے والے امور کو حرکت دینے کے لیے یہ بات نفع بخش ہے۔

تیسری قسم:

لوگوں کے سامنے یہ بات بیان کی جائے کہ گناہوں پر دنیا میں سزا متوقع ہے اور بندے کو جو مصیبت پہنچتی ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ یوسف آیت ۸۳

(۲) قرآن مجید، سورۃ یوسف آیت ۸۷

(۳) قرآن مجید، سورۃ یوسف آیت ۴۲

marfat.com

وہ اس کے گناہوں کے سبب ہوتی ہے اس لیے کہ کئی لوگ آخرت کے معاملے میں سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اپنی جہالت کے باعث دنیوی سزا سے ڈرتے ہیں تو مناسب یہی ہے کہ ان کو دنیوی سزا سے ڈرایا جائے کیوں کہ عام طور پر تمام گناہوں کی نحوست دنیا میں ہی ہوتی ہے جیسا کہ حضرت داؤد سلیمان علیہما السلام کے واقعہ میں مذکور ہے حتی کہ بعض اوقات بندے پر اس کے گناہوں کے سبب سے رزق تنگ ہو جاتا ہے اور بعض اوقات لوگوں کے دلوں سے اس کی قدر و منزلت ختم ہو جاتی ہے اور اس پر اس کے دشمن مسلط ہو جاتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّ الْعَبْدَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ (۱) — بے شک بندہ اپنے گناہ کے باعث جس کا وہ مرتکب ہوتا ہے، رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ بندہ گناہ کی وجہ سے علم کو بھول جاتا ہے (۲)

اور بعض بزرگوں نے فرمایا لعنت چہرے کا سیاہ ہونا اور مال کا نقصان نہیں ہے بلکہ لعنت یہ ہے کہ انسان ایک گناہ سے نکل کر اس جیسے یا اس سے بھی برے گناہ میں مبتلا ہو جائے — اور بات اسی طرح ہے جس طرح انہوں نے فرمایا ہے کیوں کہ لعنت کا معنیٰ (رحمت سے) دور کر دینا اور پھینک دینا ہے، اور جب انسان کو نیکی کی توفیق نہ ملے اور اس کے لیے برائی کا ارتکاب آسان ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیا گیا اور توفیق کے ملنے سے محرومی سب سے بڑی محرومی ہے اور ہر گناہ دوسرے گناہ کی دعوت دیتا ہے اور وہ دوگنا ہوتا ہے پس بندہ ان علماء کی مجالس سے حاصل ہونے والے نفع سے محروم ہو جاتا ہے جو گناہوں سے نفرت کرتے ہیں نیز وہ صالحین کی ہمنشینی سے بھی محروم رہتا ہے بلکہ ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوتا ہے تاکہ اس سے نیک لوگ بھی ناراض رہیں۔

ایک بزرگ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کیچڑ میں کپڑوں کو لپیٹے ہوئے چل رہے تھے تاکہ پاؤں پھسل نہ جائے مگر ان کا پاؤں پھسل گیا اور وہ گر گئے وہ کھڑے ہوئے اور روتے روتے کیچڑ کے درمیان چلنے لگے وہ کہہ رہے تھے۔ برے کی یہی مثال ہے وہ گناہ سے بچتا اور کنارہ کش رہتا ہے حتی کہ وہ ایک یا دو گناہوں میں جا پڑتا ہے اس وقت گناہوں میں ڈوب جاتا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ گناہ کی فوری سزا یہ ہے کہ وہ دوسرے گناہ کی طرف لے جاتا ہے۔

اسی لیے حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تم پر جو گردش زمانہ یا دوسرے بھائیوں کی طرف سے ظلم آتا ہے وہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے اور کسی بزرگ نے فرمایا کہ اگر میرے گدھے کی عادت بگڑ جائے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ میرے گناہ کی

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۸۰ مرویات ثوبان

marfat.com

وجہ سے ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں میں اپنے گناہوں کی سزا اپنے گھر کے چوہے میں بھی معلوم کر لیتا ہوں۔

شام کے ایک صوفی بزرگ فرماتے ہیں میں نے ایک خوبصورت عیسائی غلام کی طرف دیکھا تو پھر دیکھتا ہی رہ گیا اتنے میں حضرت ابن جلاء دمشقی رحمہ اللہ میرے پاس سے گزرے انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا تو مجھے ان سے حیا آیا اس نے کہا اے ابو عبداللہ! سبحان اللہ! مجھے یہ صورت اچھی لگی تھی اور یہ صنعت پسند آئی مجھے اس بات پر تعجب ہوا کہ یہ کیسے آگ کے لیے پیدا کیا گیا انہوں نے میرا ہاتھ دبایا اور فرمایا تم کچھ عرصہ بعد اس گناہ کی سزا پاؤ گے فرماتے ہیں تین سال بعد مجھے اس کی سزا ملی۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں احتلام بھی ایک سزا ہے اور جب کسی شخص سے نماز باجماعت چھوٹ جاتی ہے تو یہ اس کے کسی گناہ کی سزا ہوتی ہے حدیث شریف میں ہے۔

مَا اَنْكَرْتُمْ مِنْ زَمَانِكُمْ فَبِمَا غَيَّرْتُمْ مِنْ اَعْمَالِكُمْ۔ (۱)

تم جو بات اپنے حالات میں ناپسند کرتے ہو وہ تمہارے اعمال کی وجہ سے بدل کر آئی۔

اور حدیث شریف میں ہے۔

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ اَدْنٰى مَا اَصْنَعُ بِالْعَبْدِ اِذَا اٰثَرَ شَهْوَتَهٗ عَلٰى طَاعَتِيْ اَنْ اُحْرِمَهٗ لَذِيْذَ مُنَاجَاتِيْ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ بندہ جب اپنی خواہش کو میری عبادت پر ترجیح دیتا ہے تو میں اسے کم از کم سزا یہ دیتا ہوں کہ اپنے ساتھ مناجات کی لذت سے محروم کر دیتا ہوں۔

ابو عمرو بن علوان کے ایک طویل واقعہ میں منقول ہے وہ فرماتے ہیں میں ایک دن کھڑا نماز پڑھ رہا تھا تو میرے دل میں ایک خواہش پیدا ہوئی جو نہایت طویل ہو گئی حتیٰ اس سے مردوں کے ساتھ شہوت کی تکمیل کا خیال پیدا ہوا تو میں زمین پر گر گیا اور میرا تمام جسم سیاہ ہو گیا میں گھر میں چھپ کر بیٹھ گیا اور تین دن تک باہر نہ نکلا میں حمام میں جا کر اپنے جسم کو صابن سے دھوتا لیکن سیاہی بڑھتی چلی جاتی یہاں تک کہ تین دن بعد وہ سیاہی دور ہو گئی میں نے حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے ملاقات کی انہوں نے مجھے موضع رقہ سے بغداد بلایا تھا جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا تجھے شرم نہ آئی کہ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہے اور تیرا نفس شہوت میں اس قدر ڈوبا کہ تجھ پر غالب آ گیا اور تجھے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری سے نکال دیا اگر میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا نہ مانگتا اور تیری طرف سے توبہ نہ کرتا تو تو اسی رنگ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۱۳ کتاب الزہد

(۲)

marfat.com

رتا۔ابو عمرو فرماتے ہیں مجھے تعجب ہوا کہ ان کو یہ بات کیسے معلوم ہو گئی حالانکہ وہ تو بغداد میں ہیں اور میں مقام رقہ میں تھا۔(۱)
توجاننا چاہیے کہ انسان جو گناہ بھی کرتا ہے اس سے اس کے دل کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اگر وہ نیک بخت ہے تو تنبیہ کے لیے وہ سیاہی چہرے پر ظاہر ہو جاتی ہے اور اگر وہ بدبخت ہے تو اس سے مخفی رہتی ہے حتی کہ اس میں ڈوبا رہتا ہے اور جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے۔

گناہوں کی دینوی آفات کے سلسلے میں بے شمار احادیث مروی ہیں اور یہ آفات فقر اور مرض وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں بلکہ دنیا میں گناہ کی ایک شامت یہ بھی ہے کہ اس کے بعد بھی اسی گناہ کی صفت میں رہے پس اگر کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو وہ اس کی سزا ہو اور وہ اچھی طرح صبر سے بھی محروم رہے حتی کہ بدبختی دوگنا ہو جائے اور اگر اسے کوئی نعمت پہنچے تو اس کے حق میں مہلت ہو اور اچھے شکر سے محروم ہو جائے حتی کہ ناشکری کی سزا ملے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے والے کو اس اطاعت کی برکت حاصل ہوتی ہے اور ہر نعمت اس کے حق میں اس کی اطاعت کی جزا ہوتی ہے اور اسے اس کے شکر کی توفیق حاصل ہوتی ہے ہر آزمائش اس کے گناہوں کا کفارہ اور درجات کی بلندی کا باعث ہوتی ہے۔

چوتھی قسم:

ایک ایک گناہ پر جو سزائیں وارد ہوئی ہیں مثلاً شراب نوشی، زنا، چوری، قتل، غیبت، تکبر، حسد وغیرہ کی سزائیں بیان کرے اور یہ اس قدر ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں ہے اور غیر اہل کے سامنے ان کا ذکر ایسے ہی ہے جیسے کسی نامناسب جگہ پر دوائی استعمال کی جائے بلکہ عالم کو ماہر طبیب کی طرح ہونا چاہیے کہ پہلے وہ نبض، رنگ اور حرکات و سکنات سے باطنی بیماریوں سے آگاہی حاصل کرتا ہے اور ان کے علاج میں مشغول ہوتا ہے تو عالم کو بھی چاہیے کہ احوال کے قرائن سے پوشیدہ صفات معلوم کرے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتے ہوئے انہی صفات کا حال بیان کرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیں لیکن زیادہ نہ ہو آپ نے فرمایا غصہ نہ کھاؤ (۱)

اور ایک دوسرے شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے نصیحت کیجئے تو آپ نے فرمایا۔

عَلَيْكَ بِالْيَاسِ مِمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ فَإِنَّ ذٰلِكَ هُوَ الْغِنٰى وَإِيَّاكَ وَالطَّمَعَ فَإِنَّهُ	جو کچھ لوگوں کے پاس ہے تم اس سے مایوس ہو جاؤ بیشک یہی مال داری ہے نیز طمع سے بچو یہ حاضر فقر ہے اور

---

(۱) معلوم ہوا اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو پوشیدہ باتوں پر بھی مطلع کر دیتا ہے مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے اس کے خلاف عقیدہ بدعت ہے ۱۲ ہزاروی

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۶۶ مرویات ابوہریرہ

marfat.com

اَلْفَقْرُ الْحَاضِرُ وَصَلِّ صَلٰوةَ مُوَدِّعٍ وَاِيَّاكَ وَمَا يُعْتَذَرُ بِهٖ۔ (۱)

رخصت ہونے والے کی طرح نماز پڑھو اور ایسے کام سے بچو جس سے عذر پیش کرنا پڑے۔

حضرت محمد بن واسع رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھے نصیحت کیجئے انہوں نے فرمایا میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ دنیا اور آخرت میں فرشتہ بن جاؤ اس نے کہا یہ بات کیسے ہوگی؟ فرمایا دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو۔

تو گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے شخص میں غصے کی علامات ملاحظہ فرما کر اسے اس سے منع فرمایا اور دوسرے آدمی میں لوگوں سے طمع اور لمبی امید کے اسباب دیکھے اور حضرت محمد بن واسع رحمہ اللہ نے پوچھنے والے شخص میں دنیوی حرص کے اسباب دیکھ کر اسے نصیحت کی۔

ایک شخص نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں انہوں نے فرمایا رحم کرنے والے بن جاؤ میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوں گویا انہوں نے اس میں سختی کے آثار بھانپ لیے تھے۔

ایک آدمی نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیں انہوں نے فرمایا لوگوں سے دُور رہو، لوگوں کے ساتھ رہا کرو لوگوں کا ہونا ضروری ہے کیوں کہ لوگ ہی تو لوگ ہیں اور سب لوگ ہونے والے نہیں لوگ تو چلے گئے اور باقی بھوسہ رہ گیا میں ان کو لوگ نہیں سمجھتا بلکہ وہ مایوسی کے پانی میں غوطہ زن ہو گئے۔

گویا انہوں نے اس شخص میں میل جول کی آفت کو ملاحظہ فرمایا اور اس بات کی خبر دی جو اس وقت اس پر غالب تھی اور اس پر لوگوں کو اذیت دینے کا عمل غالب تھا اور لوگوں سے ان کی حالت کے مطابق کلام کیا جاتا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں لکھا کہ مجھے ایک تحریر عنایت فرمائیں جس میں مجھے کوئی نصیحت کریں مختصر بات ہو تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک تحریر بھیجی گئی جس میں لکھا تھا آپ پر سلامتی ہو بعد اس کے میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

مَنِ الْتَمَسَ رِضَا اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ سَخَطَ اللّٰهِ بِرِضَا النَّاسِ وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ۔ (۲)

جو شخص لوگوں کی ناراضگی میں اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مشقت سے بچا لیتا ہے اور جو آدمی لوگوں کی رضا حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے سپرد کر دیتا ہے۔

اس کے بعد لکھا آپ پر سلامتی ہو۔

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۲۶ کتاب الرقاق

(۲) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۲۵ کتاب الزھد

marfat.com

تو غور کیجئے ام المومنین نے کس طرح اس آفت کا ذکر کیا کہ حکمران جس کے درپے ہیں اور وہ لوگوں کی رعایت کرنا اور ان کی رضا جوئی ہے اس کے بعد ایک مرتبہ انہوں نے ان کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے تو وہ تمہیں لوگوں سے بچائے گا اور جب لوگوں سے ڈرو گے تو وہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچا نہیں سکیں گے، والسلام۔

تو ہر نصیحت کرنے والے کو چاہیے کہ اس کی توجہ باطنی صفات کی طرف ہو اور اس کے لائق حالات معلوم کرے تاکہ وہ ضروری امور کو بیان کرے کیوں کہ شریعت کے تمام مواعظ ہر ایک تک پہنچانا ممکن ہے اور اسے اس بات کا وعظ کرنا جس کی اسے ضرورت نہیں ہے وقت ضائع کرنا ہے۔

سوال:

اگر واعظ ایک اجتماع کو وعظ کر رہا ہو یا جس آدمی نے اس سے وعظ کا سوال کیا ہے وہ اس کی باطنی حالت کو نہ جانتا ہو تو وہ کیا کرے؟

جواب:

جان لو! اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ان باتوں کا ذکر کرے جن کی سب کو ضرورت ہو یا اکثر لوگ اس کے محتاج ہوں کیوں کہ علوم شرعیہ میں غذائیں اور دوائیں دونوں چیزیں ہیں غذائیں سب لوگوں کے لیے ہیں اور دوائیں صرف بیماروں کے لیے ہیں۔

اس کی مثال اس روایت میں ہے ایک شخص نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ تقویٰ تمام بھلائیوں کی اصل ہے نیز تم پر جہاد لازم ہے کیونکہ اسلام کی رہبانیت (گوشہ نشینی) یہی ہے قرآن پاک سے تعلق قائم کرو یہ زمین والوں میں تمہارے لیے نور اور اہل آسمان میں تمہاری یاد ہے نیز تم پر لازم ہے کہ اچھی بات کے علاوہ خاموشی اختیار کرو کیوں کہ اس سے شیطان غلبہ حاصل کرتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک شخص نے نصیحت کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا تم اللہ تعالیٰ کے دین کی عزت کرو اللہ تعالیٰ تمہیں عزت عطا فرمائے گا۔

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے میرے بیٹے! علما کے سامنے دوزانو ہو جا اور ان سے جھگڑا نہ کرو ورنہ وہ تجھے برا سمجھیں گے۔ دنیا سے اپنی ضرورت کے مطابق لو اور زائد کمائی اپنی آخرت کے لیے خرچ کرو۔ دنیا کو بالکل ہی نہ چھوڑو ورنہ محتاج ہو جاؤ گے اور لوگوں کے کاندھوں کا بوجھ بنو گے۔ ایسا روزہ رکھو جو تمہاری خواہش کو توڑ دے ایسا روزہ نہ رکھو جو تمہاری نماز کو نقصان پہنچائے کیوں کہ نماز، روزے سے افضل ہے، بیوقوف لوگوں کے پاس نہ بیٹھو اور نہ منافق سے میل جول رکھو۔

انہوں نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت بھی کی فرمایا اے بیٹے! تعجب کے بغیر نہ ہنسو اور حاجت کے بغیر نہ پھرو بے مقصد

بات کا سوال نہ کرو اپنا مال ضائع نہ کرو اور دوسروں کے مال کی اصلاح کرو کیوں کہ تمہارا مال وہ ہے جو تم نے آگے بھیجا اور جو کچھ تم نے چھوڑا وہ دوسروں کا مال ہے۔

اے میرے بیٹے! جو رحم کرتا ہے اس پر رحم کیا جاتا ہے، جو خاموش رہتا ہے وہ محفوظ رہتا ہے جو اچھی بات کرتا ہے غنیمت پاتا ہے اور جو بری بات کرتا ہے وہ گناہ گار ہوتا ہے جو آدمی اپنی زبان پر کنٹرول نہیں کرتا وہ پشیمان ہوتا ہے۔

ایک شخص نے حضرت ابو حازم سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں انہوں نے فرمایا جس عمل پر تجھے مرنا اچھا لگتا ہو اسے لازم پکڑو اور جس کام کی حالت میں تمہیں موت کا آنا مصیبت معلوم ہو اس سے بچو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا مجھے کوئی نصیحت کیجئے انہوں نے فرمایا اے عمران کے بیٹے! ہنستے رہا کرو غصے میں نہ رہا کرو نفع دینے والے بنو، نقصان پہنچانے والے نہ بنو جھگڑوں سے بچو اور ضرورت کے بغیر کہیں نہ جاؤ۔ نیز تعجب کے بغیر نہ ہنسو۔ لوگوں کی خطاؤں پر انہیں عار نہ دلاؤ بلکہ اپنی خطا پر روؤ۔

ایک شخص نے حضرت محمد بن کرام رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں انہوں نے فرمایا اپنے خالق کی رضا جوئی کے لیے اس قدر کوشش کر جتنی کوشش اپنے نفس کو راضی کرنے کے لیے کرتا ہے۔

ایک شخص نے حضرت حامد لفاف سے کہا مجھے کوئی نصیحت کریں انہوں نے فرمایا اپنے دین کو میل کچیل سے بچانے کے لیے اس طرح غلاف بناؤ جیسے قرآن پاک کا غلاف ہوتا ہے انہوں نے پوچھا دین کا غلاف کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا ضرورت کے بغیر دنیا کی طلب نہ کرنا، ضرورت کے علاوہ گفتگو نہ کرنا اور ضرورت کے بغیر لوگوں سے میل جول نہ رکھنا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو لکھا حمد و صلوۃ کے بعد! اس بات سے ڈریں جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ڈرایا اور اس چیز سے پرہیز کریں جس سے اللہ تعالیٰ نے بچنے کا حکم دیا جو کچھ آپ کے پاس ہے اس سے آگے کا سامان کریں کیوں کہ موت کے وقت یقینی خبر آئے گی۔ والسلام۔

حضرت عمر بن عبداللہ العزیز رحمہ اللہ نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو لکھا کہ انہیں کوئی نصیحت کریں تو انہوں نے لکھا۔

"حمد و صلوۃ کے بعد! بے شک سب سے بڑا خطرہ اور پریشان کن امور آپ کے آگے ہیں اور آپ کو ان کا مشاہدہ ضرور کرنا ہے یا تو نجات حاصل ہو گی یا تباہی ہو گی۔ اور جان لو کہ جو شخص اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے وہ نفع اٹھاتا ہے اور جو ان امور سے غافل رہتا ہے وہ نقصان اٹھاتا ہے جو آدمی انجام کار پر نظر رکھتا ہے وہ نجات پاتا ہے اور جو اپنی خواہش کی بات مانتا ہے وہ گمراہ ہوتا ہے جو شخص بردباری اختیار کرتا ہے وہ غنیمت حاصل کرتا ہے، جو ڈرتا ہے وہ امن میں رہتا ہے جو امن میں ہوتا ہے وہ عبرت حاصل کرتا ہے اور عبرت پکڑنے والا صاحب بصیرت ہوتا ہے اور اہل بصیرت ہی سمجھتے ہیں اور جو سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں جب کوئی لغزش ہو جائے تو باز آ جاؤ اور جب ندامت پیدا ہو تو گناہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکو۔

جب کوئی بات معلوم نہ ہو تو اس کے بارے میں پوچھو اور جب غصہ آئے تو رک جاؤ۔"

marfat.com

حضرت معرف بن عبداللہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز (رحمہما اللہ) کی طرف لکھا۔ "حمد وصلوٰۃ کے بعد! دنیا سزا کا مقام ہے اور اس کے لیے وہی جمع کرتا ہے جس کے پاس عقل نہیں اور اس کے دھوکے میں وہی آتا ہے جس کو علم نہیں ہوتا تو اے امیر المومنین! دنیا میں اس شخص کی طرح رہو جو اپنے زخم کا علاج کرتا ہے اور دوائی کی شدت پر صبر کرتا ہے کیوں کہ وہ بیماری کے انجام کو جانتا ہے"

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حضرت عدی بن ارطاۃ رحمہ اللہ کو لکھا "حمدہ وصلوٰۃ کے بعد! بے شک دنیا اولیاء اللہ کی دشمن ہے اور اللہ تعالیٰ کے دشمن کی بھی دشمن ہے اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو غم اور رنج پہنچاتی ہے اور اس کے دشمنوں کو دھوکہ دیتی ہے"

آپ نے اپنے بعض گورنروں کو لکھا۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد! تمہیں بندوں پر ظلم کی قدرت حاصل ہے پس جب تم کسی پر ظلم کا ارادہ کرو تو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی قدرت کو یاد کرو۔ اور جان لو! انسانوں کی طرف جو تکلیف آئے گی وہ زائل ہو جائے گی لیکن تمہارے اوپر باقی رہے گی اور یہ بات بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ ظالموں سے مظلوموں کا بدلہ لینے والا ہے والسلام۔

تو عام لوگوں کو اس طرح وعظ کیا جائے نیز جس کے کسی خصوصی واقعہ کا علم نہ ہو اسے بھی اسی طرح نصیحت کی جائے یہ وعظ غذاؤں کی طرح ہیں جن سے نفع اٹھانے میں سب لوگ مشترک ہیں چونکہ اس قسم کے واعظین باقی نہیں رہے اس لیے نصیحت حاصل کرنے کا دروازہ بھی بند ہو گیا اور گناہ غالب آ گئے، فساد پھیل گیا اور لوگ ایسے واعظوں کے ساتھ آزمائش میں مبتلا ہو گئے جو قافیے اور سجع ملاتے ہیں اور اشعار پڑھتے ہیں۔ اور جو کچھ ان کی وسعتِ علم میں نہیں اس کے لیے تکلف کرتے ہیں اور دوسروں کی حالت کی مشابہت اختیار کرتے ہیں چنانچہ عام لوگوں کے دلوں سے ان کا وقار ختم ہو گیا اور چوں کہ ان کی گفتگو دل سے نہیں نکلتی اس لیے دلوں تک نہیں پہنچتی بلکہ بولنے والا لاف زن اور سننے والے تکلف برتنے والے ہیں اور ان میں سے ہر ایک دین سے پیچھے ہٹنے والا ہے تو اس صورت میں طبیب کو پہلے مریض کا اور علما کو پہلے نافرمان لوگوں کا علاج کرنا چاہیے یہ علاج کے ارکان اور اصول میں سے ایک رکن اور اصل ہے دوسرا اصل صبر ہے اور اس کی حاجت اس لیے ہے کہ مریض کا مرض بڑھنے کی وجہ ضرر رساں چیز کھاتا ہے اور وہ نقصان دہ چیز اس لیے کھاتا ہے کہ اس کے نقصان سے غافل ہوتا ہے یا اس پر شہوت کا غلبہ ہوتا ہے پس اس کے دو سبب ہیں جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ غفلت کا علاج ہے پس شہوت کا علاج باقی رہ گیا اور اس کے علاج کا طریقہ ہم نے ریاضت نفس کے بیان میں ذکر کیا ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مریض کو جب مضر کھانے کا اشتیاق زیادہ ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے ضرر کی زیادتی سے واقف ہو پھر وہ چیز اس کی آنکھوں سے غائب کر دی جائے اور اس کے سامنے نہ لائی جائے پھر ایسی چیز جو صورتاً اس کے مشابہ ہو لیکن اس کا نقصان زیادہ نہ ہو، کے ذریعے تسلی حاصل کرے پھر وہ چیز جسے استعمال کر رہا ہے اس سے

حاصل ہونے والی تکلیف کے خوف کی قوت سے اسے بھی چھوڑ دے اور صبر کرے پس ہر حالت میں صبر کا کڑوا گھونٹ پینا ضروری ہے۔

اسی طرح گناہوں کے سلسلے میں خواہش کا علاج کیا جائے مثلاً جب کسی نوجوان پر شہوت غالب ہو جائے اور وہ اپنی آنکھوں کی حفاظت پر قادر نہ ہو نہ دل کی حفاظت کر سکے اور نہ ہی شہوت کے تقاضوں کو پورا کرنے سے اعضاء کو روک سکے تو اسے چاہیے کہ گناہ کے نقصان کا شعور حاصل کرے یعنی قرآن پاک اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جو تنبیہات آئی ہیں ان کو تلاش کرے پس جب خوف زیادہ ہو جائے تو شہوت کو ابھارنے والے اسباب سے دُوری اختیار کرے۔

شہوت کو برانگیختہ کرنے والے اسباب یا تو خارجی ہوتے ہیں مثلاً جس چیز کی خواہش ہے وہ سامنے ہو اور اسے دیکھ رہا ہو تو اس کا علاج اس سے بھاگنا اور کنارہ کش ہونا ہے اور کچھ اسباب داخلی ہوتے ہیں مثلاً لذیذ کھانے کھانا تو اس کا علاج بھوک اور دائمی روزہ ہے اور یہ تمام باتیں صرف صبر سے پوری ہو سکتی ہیں۔

صبر کے لیے خوف اور خوف کے لیے علم ضروری ہے اور علم اس وقت حاصل ہوتا ہے جب بصیرت اور غور و فکر ہو یا سن کر اور تقلید کے ذریعے حاصل ہو۔ تو سب سے پہلے مجالسِ ذکر کی حاضری ہے۔

پھر دل کو تمام مشاغل سے خالی کر کے غور سے سننا ہے یعنی سماع کی طرف مصروف ہو پھر اس کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے غور و فکر کرے اس طریقے سے لامحالہ خوف پیدا ہو گا اور جب خوف مضبوط ہو جائے تو اس کی مدد سے صبر حاصل ہوتا ہے اور طلبِ علاج کے اسباب پیدا ہوتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق حاصل ہو گی اور اس کے بعد معاملہ آسان ہو جائے گا۔

تو جو شخص دل لگا کر سنے اور خوف کا شعور حاصل کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرے، ثواب کا انتظار کرے اور اچھی بات کی تصدیق کرے اللہ تعالیٰ اس کو آسانی تک پہنچا دیتا ہے لیکن جو شخص بخل سے کام لے اور بے نیاز ہو جائے اور اچھی بات کو جھٹلائے اللہ تعالیٰ اسے تنگی اور سختی کی طرف لے جائے گا پھر جب تک وہ اس میں مشغول رہے گا دنیا کی کوئی لذت اسے فائدہ نہیں دے گی جب وہ ہلاک ہو کر گڑھے میں گرے گا۔ انبیاء کرام کا کام تو صرف ہدایت کے راستے کو کھول کر بیان کرنا ہے باقی دنیا اور آخرت کی باز پرس تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

سوال :

نتیجہ یہ ہوا کہ تمام معاملے کا رجوع ایمان کی طرف ہے کیونکہ گناہ کو اس وقت تک چھوڑنا ممکن نہیں جب تک اس سے صبر نہ کرے اور صبر اس وقت تک ممکن نہیں جب تک خوف کی معرفت نہ ہو اور خوف علم کے بغیر حاصل نہیں ہوتا ہے اور علم کا حصول اس وقت ہوتا ہے جب گناہ کے ضرر کی زیادتی کی تصدیق ہو اور گناہ کے نقصان کی تصدیق دراصل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہے اور یہی ایمان ہے تو گویا جو شخص گناہ پر ڈٹ جاتا ہے وہ اسی لیے

marfat.com

اصرار کرتا ہے کہ وہ مومن نہیں ہے۔

جواب:

جان لو! یہ بات ایمان کے نہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ اس کا باعث ایمان کی کمزوری ہے کیوں کہ ہر مومن اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ گناہ اللہ تعالیٰ سے دُوری اور آخرت میں اس کے عذاب کا باعث ہے۔ لیکن اس کے گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب کچھ امور ہیں پہلی بات یہ ہے کہ جس عذاب سے ڈرایا گیا ہے وہ غائب ہے سامنے نہیں ہے اور فطرت انسانی موجودہ چیز سے متاثر ہوتی ہے تو موجودہ سے متاثر ہونے کے مقابلے میں موعود چیز سے متاثر ہونا ضعیف ہے دوسری بات یہ ہے کہ وہ خواہشات جو گناہوں کا سبب بنتی ہیں وہ فوری اور نقد ہیں اور وہ فی الحال گلے کا ہار بنتی ہیں اور عادت والفت کے سبب سے وہ قوی اور غالب ہو جاتی ہیں اور عادت پانچویں طبیعت ہے اور آنے والے خوف کے پیش نظر فوری لذت کو چھوڑنا نفس پر دشوار ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ۔ (۱)

ہرگز نہیں بلکہ تم (اے کافرو!) جلدی ملنے والے (دنیوی فائدے) کو پسند کرتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔

اور ارشاد فرمایا:

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ (۲)

بلکہ تم دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو

اس شدت امر کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا۔

حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ۔ (۳)

جنت، ناپسندیدہ باتوں سے اور جہنم خواہشات سے گھیری گئی ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے آگ کو پیدا فرمایا پھر حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ جا کر اسے دیکھیں انہوں نے اسے دیکھا تو عرض کیا یا اللہ! تیری عزت کی قسم جو اس کے بارے میں سنے گا وہ اس میں نہیں جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اسے خواہشات کے ساتھ ڈھانپ دیا پھر فرمایا اب جا کر دیکھو انہوں نے دیکھنے کے بعد عرض کیا یا اللہ! تیری عزت کی قسم ڈر ہے کہ اس میں داخل ہونے سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا فرمایا تو حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا جا کر اسے دیکھیں انہوں نے دیکھا تو عرض کیا (یا اللہ!)

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ القیامۃ آیت ۲۰

(۲) قرآن مجید، سورۃ الاعلیٰ آیت ۱۶

(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۸۷ کتاب الجنۃ

marfat.com

تیری عزت کی قسم جو بھی اس کے بارے میں سنے گا اس میں داخل ہو گا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ناپسندیدہ امور سے چھپا دیا پھر فرمایا جا کر اسے دیکھو انہوں نے اسے دیکھنے کے بعد عرض کیا کہ مجھے ڈر ہے اس میں کوئی بھی داخل نہیں ہو گا۔ (۱)

تو شہوت کا فی الحال موجود ہونا اور عذاب کا دیر سے ہونا (گناہوں پر) اصرار کے دو سبب ہیں اس کے باوجود کہ اصل ایمان موجود ہے۔ جو شخص بیماری کی حالت میں برف کا پانی پیتا ہے وہ اصل طب کو جھٹلاتا نہیں ہے اور نہ اس بات کی تکذیب کرتا ہے کہ یہ کام اس کے حق میں مضر ہے لیکن اس پر شہوت کا غلبہ ہوتا ہے اور صبر کی تکلیف بھی موجود ہوتی ہے تو آئندہ کی تکلیف اسے آسان معلوم ہوتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ مومن عام طور پر توبہ کے عزم و ارادے سے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور سوچتا ہے کہ وہ نیکیوں کے ذریعے گناہوں کا کفارہ ادا کر دے گا اور اس سے وعدہ کیا گیا ہے کہ نیکیاں، گناہوں کے زوال کا باعث بنتی ہیں۔

لیکن چونکہ طبیعتوں پر ڈھیل غالب ہوتی ہے اس لیے وہ توبہ میں تاخیر کرتا رہتا ہے تو توبہ کی توفیق کی امیدیں وہ ایمان کے باوجود گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ہر مومن یقیناً اس کا اعتقاد رکھتا ہے کہ گناہوں کی وجہ سے ایسی سزا واجب نہیں ہو گی جس سے معافی نہ ہو سکے پس وہ گناہ کرتا اور اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کرتے ہوئے معافی کا منتظر رہتا ہے۔ تو ایمان کے باوجود گناہ پر اصرار کے یہ چار اسباب ہیں ہاں کوئی گناہ گار ایک یا پانچویں سبب سے بھی گناہ کرتا ہے جس سے اس کے اصل ایمان میں خرابی لازم آتی ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا ہونے میں شک کرتا ہے اور یہ کفر ہے اور یہ اس شخص کی طرح ہے جسے طبیب بیماری کی حالت میں مضر چیز کھانے سے روکتا ہے۔

پس اگر وہ شخص جس کو ڈرایا جا رہا ہے ان لوگوں میں سے ہو جو اس کے عالم طب ہونے پر یقین نہیں رکھتے تو وہ اسے جھٹلائے گا یا اس میں شک کرے گا تو اس کی پرواہ نہ کی جائے کیونکہ وہ منکر ہے۔

سوال:

ان پانچ اسباب کا علاج کیا ہے۔

جواب:

اس کا علاج غور و فکر ہے وہ یوں کہ پہلے سبب یعنی عذاب کے موخر ہونے کے بارے میں اپنے دل میں اس بات کو مضبوط کرے کہ جو چیز آنے والی ہے وہ ضرور آئے گی اور دیکھنے والوں کے لئے کل کا دن قریب ہے۔ اور موت ہر آدمی کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے اسے کیا معلوم کہ شاید قیامت قریب ہو اور جو چیز مؤخر ہو وہ جب واقع ہوتی ہے تو فوراً واقع ہوتی ہے وہ اپنے دل میں سوچے کہ اس نے دنیا میں فی الحال ایک ایسے کام کے خوف سے اپنے آپ کو تھکانا شروع کر دیا ہے جو مستقبل میں واقع ہو گا مثلاً وہ اس نفع کے لیے جس کے بارے میں اس کا گمان ہوتا ہے کہ وہ دوسری

marfat.com

حالت میں اس کا محتاج ہوگا. بحری اور بری سفر کرتا ہے بلکہ اگر وہ بیمار ہو جائے اور کوئی عیسائی ڈاکٹر کہہ دے کہ ٹھنڈا پانی پینا اس کے لیے نقصان دہ ہے اور وہ اسے موت تک لے جا سکتا ہے حالانکہ ٹھنڈا پانی سب سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے لیکن وہ اسے چھوڑ دیتا ہے اور موت کی تکلیف تو ایک لحظہ کے لیے ہے جب اس کے بعد کا خوف نہ ہو، اور دنیا سے اس کا جدا ہونا ضروری ہے اور دنیا کے وجود کو ازل و ابد کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ تو غور کا مقام ہے کہ وہ ایک عیسائی کے کہنے پر لذت والی چیز چھوڑ دیتا ہے حالاں کہ اس کے ڈاکٹر ہونے پر کوئی معجزہ قائم نہیں ہے

تو دل میں کہنا چاہیے کہ یہ بات میری عقل کے لائق کیسے ہو سکتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جن کی معجزات کے ساتھ تائید کی گئی ہے ان کا قول ایک عیسائی کے قول سے کم درجہ میں ہو جو ڈاکٹر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی ڈاکٹری پر کوئی معجزہ مؤید نہیں ہے اس کی گواہی تو صرف عام لوگ دیتے ہیں۔ اور کس طرح جہنم کا عذاب میرے لیے بیماری سے ہلکا ہو سکتا ہے حالانکہ آخرت کا ہر دن دنیا کے پچاس ہزار دنوں کے برابر ہوگا۔

تو اسی سوچ بچار کے ساتھ اس لذت کا علاج کرے جو اس پر غالب آتی ہے نیز اپنے نفس کو اس کے چھوڑنے کا مکلف بنائے اور یوں سوچے کہ جب میں زندگی کے ان دنوں میں جو تھوڑے سے دن ہیں اپنی لذت کو چھوڑ نہیں سکتا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس پر کیسے قادر ہوں گا اور جب میں صبر کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا تو آگ کی تکلیف کیسے برداشت کروں گا۔ اور جب میں دنیا کی زیبائش نہیں چھوڑ سکتا حالانکہ اس میں گندھے اور اس کا صاف میل کچیل سے ملا ہوا ہے تو میں آخرت کی نعمتوں سے کیسے صبر کروں گا۔

جہاں تک توبہ میں ٹال مٹول کا تعلق ہے تو اس بات کو سوچے کہ دوزخیوں کی اکثر فریاد اسی وجہ سے ہوگی کیوں کہ ٹال مٹول کرنے والا اپنے معاملے کی بنیاد ایسی بات کو بناتا ہے جو اس کے اختیار میں نہیں ہے اور وہ باقی رہنا ہے ہو سکتا ہے وہ باقی نہ رہے اور اگر باقی رہے تو کل بھی گناہ چھوڑ نہ سکے جیسے آج نہیں چھوڑ سکتا۔ آج بھی وہ شہوت کے غلبہ کی وجہ سے توبہ کرنے سے عاجز ہے اور کل اس سے شہوت دور نہیں ہوگی بلکہ بڑھ جائے گی کیوں کہ عادت کے ذریعے یہ پکی ہو جاتی ہے اور جس شہوت کو انسان عادت کے ذریعے پکا کرتا ہے وہ اس کی طرح نہیں ہے جسے اس نے پکا نہیں کیا ہے اسی وجہ سے (توبہ میں) ٹال مٹول کرنے والے ہلاک ہوئے کیوں کہ وہ ایک جیسی دو چیزوں میں فرق سمجھتے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ تمام دن اس بات میں ایک جیسے ہیں کہ ان میں شہوات کو چھوڑنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔

توبہ میں آج کل کرنے والے شخص کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ایک درخت کو اکھاڑنے پر مجبور ہے لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ درخت مضبوط ہے سخت مشقت کے بغیر اکھاڑا نہیں جا سکتا تو کہتا ہے میں اسے ایک سال کے لیے مؤخر کر دیتا ہوں پھر اس کی طرف رجوع کروں گا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ درخت باقی رہنے سے زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے اور جوں جوں اس کی عمر بڑھتی ہے اس کی کمزوری میں اضافہ ہوتا ہے تو دنیا میں اس سے بڑی حماقت کوئی نہیں کہ وہ قوت کے باوجود ضعیف کا مقابلہ

کرنے سے عاجز رہا اور اس انتظار میں رہا کہ جب یہ خود کمزور ہو جائے گا اور کمزور، مضبوط ہو گا تو یہ اس پر غلبہ پائے گا۔

چوتھی بات یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کے انتظار کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کا علاج پہلے بیان ہو چکا ہے اور وہ اس آدمی کی طرح ہے جو اپنا تمام مال خرچ کر دیتا ہے اور اپنے آپ کو اور اہل و عیال کو فقیر بنا کر چھوڑ دیتا ہے اور وہ اس بات کا منتظر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے ویران جگہ میں خزانہ بتائے گا تو گناہ کی معافی کا امکان بھی اسی طرح ہے اور اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جسے معلوم ہے کہ یہاں لوٹ مار کرنے والے لوگ ہیں لیکن وہ اپنے مال کو چھپانے اور دفن کرنے پر قادر ہونے کے باوجود اسے مکان کے صحن میں رکھ دیتا ہے اور اس بات کا منتظر رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے لوٹنے والوں پر غفلت مسلط کر دے گا یا ظالم لیٹرے کو سزا دے گا۔ حتیٰ کہ وہ میرے گھر کی طرف آنے کے لیے فارغ ہی نہیں ہو گا یا جب وہ میرے گھر کے قریب پہنچے گا تو دروازے پر ہی مر جائے گا کیوں کہ موت اور غفلت دونوں ممکن ہیں۔

اور واقعات میں اس قسم کی باتیں منقول ہیں لہٰذا میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسی قسم کی بات کا انتظار کرتا ہوں تو اس قسم کا منتظر، ایک ممکن بات کا منتظر ہے لیکن وہ انتہائی درجے کا احمق اور جاہل ہے کیوں کہ بعض اوقات اس قسم کی بات ممکن نہیں رہتی اور عمل میں نہیں آتی۔

پانچویں بات یعنی شک کرنا کفر ہے اور اس کا علاج وہ اسباب ہیں جن سے صدق رسول کا پتہ چلتا ہے یہ ایک لمبی بات ہے لیکن اس کے لیے ممکن ہے کہ علم قریب سے اس کا علاج کرے جو اس کی حد عقل کے قریب ہے۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ انبیاء کرام علیہم السلام جن کو معجزات سے تائید حاصل تھی جو کچھ انہوں نے فرمایا کیا اس کا صدق تمہارے نزدیک ممکن ہے یا تو کہتا ہے کہ یہ علم کے مطابق یہ محال ہے جیسے میں اس بات کو محال جانتا ہوں کہ ایک شخص ایک ہی حالت میں دو جگہ میں ہو اگر وہ کہے کہ میں اسی طرح محال جانتا ہوں تو وہ شخص عقلمندوں کی فہرست سے خارج ہے اور اگر وہ کہے کہ مجھے اس میں شک ہے تو اسے کہا جائے گا اگر تجھے کوئی مجہول شخص یہ خبر دے کہ تم نے جو کھانا گھر میں چھوڑ رکھا ہے اس میں سانپ نے منہ مارا ہے اور اس میں اس کا زہر پڑ گیا ہے اور تجھے اس بات میں شک ہو کہ معلوم نہیں سچ کہتا ہے کہ جھوٹ؟ تو کیا تم اسے کھاؤ گے یا چھوڑ دو گے اگرچہ وہ لذیذ ترین کھانا ہو تو وہ کہتا ہے میں یقیناً اسے ترک کر دوں گا کیوں کہ میں کہوں گا کہ اگر یہ شخص جھوٹ بولتا ہے تو زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ مجھ سے یہ کھانا چھوٹ جائے گا تو اس سے صبر کرنا اگرچہ مشکل ہے لیکن قریب ہے اور اگر وہ سچ کہتا ہے تو زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیں گے اور کھانے سے صبر کرنے اور اس کو ضائع کرنے کی تکلیف کے مقابلے میں موت کا سامنا کرنا زیادہ سخت ہے۔

تو ایسے شخص سے کہا جائے گا سبحان اللہ! تو کس طرح تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے سچ کو مستقبل کے لیے چھوڑتا ہے حالانکہ ان کے معجزات ظاہر ہوئے اور تمام اولیاء کرام، علماء و حکماء بلکہ تمام عقلمند لوگوں نے ان کی تصدیق کی ہے اور یہ لوگ عوام

marfat.com

جاہل تو نہ تھے بلکہ عقلمند تھے حالانکہ تو ایک مجہول آدمی کی بات کو سچ مانتا ہے ہو سکتا ہے کہ اس نے جو کچھ کہا ہے اس میں اس کی کوئی غرض ہو ——— تو کوئی عقل مند آدمی ایسا نہیں جس نے یوم آخرت کی تصدیق نہ کی ہو یا ثواب و عذاب کو ثابت نہ کیا ہو اگرچہ اس کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ اگر یہ لوگ سچے ہیں تو تجھے ایسا عذاب ہوگا جو ہمیشہ باقی رہے گا اور اگر (معاذ اللہ) وہ جھوٹے ہیں تو تجھ سے صرف دنیا کی بعض خواہشات ہی چھوٹیں گی جو فنا ہونے والی اور کدورت سے بھرپور ہیں۔

اب اگر وہ شخص عقل مند ہے تو اس (بیان کئے گئے) فکر کے بعد اس کے لیے توقف کی گنجائش باقی نہیں رہے گی کیوں کہ زندگی کو ابدالاباد سے کوئی نسبت نہیں ہے بلکہ اگر فرض کیا جائے کہ دنیا چیونٹیوں (یا ذرات) سے بھری ہوئی ہے اور ہم ایک پرندہ تصور کرتے ہیں جو دس لاکھ سال کے بعد ایک چیونٹی (یا ذرہ) اٹھاتا ہے تو بھی وہ ختم ہو جائیں گے اور ابدالاباد میں سے کچھ بھی فنا نہیں ہوگا تو ایک عقلمند شخص کی رائے (مثلاً) ایک سو سال کی خواہشات سے کیسے کوتاہی کرے گی اور وہ اس کے لیے ابدی سعادت کو ترک کر دے گا اسی لیے ابوالعلاء احمد بن سلیمان تنوخی معری نے کہا۔

قَالَ الْمُنَجِّمُ وَالطَّبِيْبُ كِلَاهُمَا لَا تُبْعَثُ الْاَمْوَاتُ قُلْتُ اِلَيْكُمَا اِنْ صَحَّ قَوْلُكُمَا فَلَسْتُ بِخَاسِرٍ اَوْ صَحَّ قَوْلِيْ فَالْخَسَارُ عَلَيْكُمَا۔

نجومی اور طبیب دونوں نے کہا کہ مُردوں کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا میں نے کہا اپنی بات اپنے پاس رکھو اگر تمہاری بات سچی ہو تو مجھے کوئی خسارہ نہیں ہوگا اور اگر میری بات ٹھیک ہوئی تو تم دونوں خسارے میں ہوگے۔

اسی لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس آدمی سے فرمایا جس کی عقل امور کی تحقیق سے قاصر تھی اور وہ شک کرتا تھا۔ "اگر تمہارا قول ٹھیک ہوا تو ہم سب نے چھٹکارا پایا اور اگر ہماری بات درست ہوئی تو ہم نجات پائیں گے اور تم ہلاک ہوگے۔ یعنی عقل مند آدمی تمام حالات میں امن کے راستے پر چلتا ہے۔

سوال:

یہ باتیں واضح ہیں لیکن غور و فکر کے بغیر حاصل نہیں ہوتیں تو دلوں کو کیا ہوا کہ انہوں نے غور و فکر چھوڑ دیا اور اسے بھاری سمجھا اور دلوں کو فکر کی طرف لوٹانے کا علاج کیا ہے خصوصاً اس شخص کے لیے جو شریعت کی اصل اور اس کی تفصیل دونوں پر ایمان رکھتا ہے۔

جواب:

غور و فکر کے راستے میں رکاوٹ دو باتیں ہیں ایک یہ کہ نفع بخش فکر، عذابِ آخرت میں اور اس کی سختیوں میں غور کرنا ہے نیز یہ کہ نافرمان لوگوں کی جنت کی نعمتوں سے محرومی اور حسرت کے بارے میں سوچے یہ فکر ایک ڈسنے والا ہے جو دل کو اذیت پہنچاتا ہے لہٰذا دل اس سے بھاگتا ہے اور دنیوی امور سے راحت اور فرحت کے ذریعے لذت اٹھاتا ہے اور دوسری رکاوٹ یہ ہے کہ غور و فکر فوری مشغولیت ہے جو دنیوی لذتوں اور خواہشات کی تکمیل سے روکتی ہے اور ہر شخص کے لیے ہر حال اور ہر گھڑی

marfat.com

ہیں ایک خواہش ہوتی ہے جو اس پر غالب ہوتی ہے اور اسے اپنا غلام بناتی ہے تو اس کی عقل خواہشات کے سامنے مسخر ہو جاتی ہے اور کوئی حیلہ سوچنے میں مشغول ہوتی ہے تو اس کی لذت طلبِ حیلہ یا تکمیل شہوت میں ہوتی ہے اور غور و فکر اس بات سے مانع ہے۔

ان دور کا دلوں کا علاج یہ ہے کہ اپنے دل سے کہے کہ تو کس قدر غبی ہے تو موت اور اس کے بعد والے حالات کے بارے میں نہیں سوچتا اور اس کے ذکر سے تکلیف محسوس کرتا ہے اور اس کے آنے کی تکلیف کو حقیر جانتا ہے اور جب وہ واقع ہوگا تو کیسے صبر کرے گا حالانکہ تو موت اور اس کے مابعد کا تصور کر کے ہی پریشان ہو جاتا ہے۔

جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے کہ فکر کے باعث لذتِ دنیا کے فوت ہونے کا خوف ہوتا ہے تو ذہن میں یہ بات پکی طرح بٹھا لینی چاہیے کہ اُخروی لذت کا فوت ہونا زیادہ سخت اور بڑا نقصان ہے کیوں کہ اس کی کوئی انتہا نہیں ہے اور اس میں کوئی کدورت بھی نہیں جب کہ دنیوی لذات فوری طور پر زائل ہونے والی بھی ہیں اور ان میں خرابیاں بھی ہیں کوئی بھی دنیوی لذت ایسی نہیں ہے جس میں گدلا پن نہ ہو اور دوسری بات یہ ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے اور اطاعت کی طرف متوجہ ہونے میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کی لذت اس کی معرفت اور اطاعت کا سکون اور اس سے ایک طویل اُنس ہے اور اگر اطاعت کرنے والے کو اس کے عمل کی جزا نہ بھی ملے تو بھی عبادت کی حلاوت اور اللہ تعالیٰ سے مناجات کے اُنس کی رُوح جو اسے حاصل ہو رہی ہے، وہی کافی ہے تو کیا کیفیت ہوگی جب اسے اس کے ساتھ آخرت کی نعمتیں بھی ملیں گی۔ ہاں! یہ لذت توبہ کی ابتدا میں حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایک طویل مدت تک صبر کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے اب بھلائی اس کی عادت بن جائے گی جس طرح پہلے برائی اس کی عادت بن گئی تھی اور نفس اس بات کے قابل ہے کہ تم اسے جس بات کا عادی بناؤ گے اس کا عادی ہو جائے گا بھلائی ایک عادت ہے اور برائی دائمی دشمن ہے۔

تو اس وقت یہی افکار اس خوف کو ابھارتے ہیں جو لذات سے صبر کی قوت کو برانگیختہ کرتا ہے اور ان افکار کو واعظوں کا وعظ حرکت دیتا ہے نیز وہ تنبیہات ہیں جو اتفاقاً کبھی اسباب کے ساتھ دل پر واقع ہوتی ہیں اور وہ بے شمار ہیں اب فکر طبیعت کے موافق ہو جاتا ہے اور دل اس کی طرف مائل ہوتا ہے اور وہ سبب جو طبیعت اور فکر کے درمیان موافقت پیدا کرتا ہے اسے بھلائی کی توفیق کا سبب کہتے ہیں کیوں کہ توفیق سے ہی ارادہ اور وہ معنیٰ جو اطاعت ہے اور آخرت میں نفع دیتا ہے آپس میں ملتے ہیں۔

ایک طویل حدیث میں مروی ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا اے امیر المومنین! بتائیے کہ کفر کی بنیاد کیا چیز ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کفر کی بنیاد چار ستون ہیں جفا، نابینائی، غفلت اور شک ——— کیونکہ جو شخص جفا (ظلم) کرتا ہے وہ حق کو حقیر جانتا ہے باطل کو ظاہر کرتا ہے اور علماء کو برا جانتا ہے، اور جو (دل کا) اندھا ہوگا وہ ذکر کو بھول جائے گا، غفلت کرنے والا راہ حق سے پھر جاتا ہے

marfat.com

اور شک کرنے والے کو آرزو میں دھوکہ دیتی ہیں پس اسے حسرت اور ندامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے وہ کچھ ظاہر ہوتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا ـــــ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے یہ تفکر سے غفلت کے بارے میں کچھ باتیں ہیں اور توبہ کے سلسلے میں اتنی بات کافی ہے اور چونکہ صبر، دوام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے تو صبر کا بیان بھی ضروری ہے تو ان شاء اللہ ہم اسے الگ باب میں بیان کریں گے۔

marfat.com

۲۔ صبر اور شکر کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو حمد و ثنا کے لائق ہے، کبریائی کے لباس کے ساتھ یکتا ہے، بزرگی اور بلندی میں منفرد ہے خوشی اور تکلیف میں صبر اور انعامات پر شکر کے ساتھ اپنے دوستوں کی تائید کرتا ہے اور رحمت کاملہ حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ہو جو انبیاء کرام کے سردار ہیں اور آپ کے صحابہ کرام پر جو اصفیاء کے قائد ہیں اور آپ کی آل پر جو نیکوکار متقی ہیں ایسی رحمت جو دوام کے ذریعے فنا سے اور تسلسل کی وجہ سے ٹوٹنے سے محفوظ ہے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد —— ایمان دو حصوں میں منقسم ہے ایک حصہ صبر ہے اور دوسرا حصہ شکر ہے (۱) جیسا کہ روایات میں آیا ہے اور اس پر احادیث مبارکہ شاہد ہیں اور یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کا وصف ہیں اور اس کے اسمائے حسنہ میں سے ہیں کیوں کہ اس نے اپنے آپ کو صبور اور شکور فرمایا۔

لہٰذا صبر اور شکر سے جہالت ایمان کے دونوں حصوں سے جاہل رہنا ہے علاوہ ازیں یہ رحمٰن کے اوصاف میں سے دو وصفوں سے غفلت ہے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے لیے ایمان کے علاوہ کوئی راستہ نہیں اور جب تک ایمان کے ارکان کی معرفت نہ ہو ایمان کے راستے پر چلنا کیسے متصور ہو سکتا ہے نیز یہ بھی معلوم ہونا ضروری ہے کہ کس پر ایمان لانا ضروری ہے لہٰذا صبر و شکر کی معرفت سے خاموش بیٹھ جانا اس کی معرفت کو چھوڑنا ہے جس پر ایمان لایا جاتا ہے نیز اس چیز کو چھوڑنا ہے جس کے ذریعے ایمان حاصل ہوتا ہے پس (ایمان کے) یہ دونوں حصے وضاحت اور بیان کے کس قدر محتاج ہوں گے ہم ان دونوں باتوں کو ایک ہی بیان میں ذکر کریں گے کیوں کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔

پہلا حصہ:

صبر کا بیان

اس میں مندرجہ ذیل امور کا بیان ہو گا۔

(۱) صبر کی فضیلت (۲) صبر کی تعریف اور حقیقت (۳) صبر، نصفِ ایمان ہے (۴) صبر کے متعلقات کے اعتبار سے اس کے مختلف نام (۵) قوت و ضعف کے اعتبار سے اسکی مختلف اقسام (۶) صبر کی ضرورت کا گمان کہاں کہاں ہے (۷) صبر کی دوا اور جس چیز سے اس پر مدد حاصل کی جا سکتی ہے۔

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ص ۱۱۱ حدیث ۴۰۸۳

marfat.com

یہ سات فصلیں ہیں جو ان شاء اللہ صبر کے تمام مقاصد پر مشتمل ہوں گی۔

فصل ۱

فضیلتِ صبر

آیات :

اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کے کئی اوصاف ذکر کئے ہیں اور قرآن مجید میں ستر سے زیادہ مقامات پر اس کا ذکر کیا گیا ہے اکثر درجات اور بھلائیوں کی نسبت صبر کی طرف کی گئی ہے اور ان کو اسی کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا۔ (۱)

اور ہم نے ان میں سے کچھ راہنما بنائے جو ہمارے حکم سے راہنمائی کرتے ہیں جب انہوں نے صبر کیا۔

اور ارشاد خداوندی ہے :

وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (۲)

اور ہم صبر کرنے والوں کو ان کا اجر ضرور بضرور دیں گے جو ان کے اعمال سے زیادہ بہتر ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا۔ (۳)

اور تیرے رب کے اچھے کلمات بنی اسرائیل پر ان کے صبر کے سبب سے پورے ہو گئے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا۔ (۴)

ان لوگوں کو ان کے صبر کی وجہ سے ان کا اجر دوبار دیا جائے گا۔

اور ارشاد فرمایا :

قرآن مجید، سورۃ السجدہ آیت ۲۴

قرآن مجید، سورۃ نحل آیت ۹۶

قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۱۳۷

قرآن مجید، سورۃ قصص آیت ۵۴

marfat.com

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ (۱)

بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر کسی حساب کے بغیر دیا جائے گا۔

صبر کے سوا ہر نیکی کا اجر اندازے اور حساب سے ہوتا ہے

اور چونکہ روزے میں صبر ہوتا اور وہ نصفِ صبر ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (حدیث شریف میں ہے)

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ۔ (۲)

روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے باقی عبادات کو چھوڑ کر صرف اسے اپنی طرف منسوب کیا نیز صبر کرنے والوں سے وعدہ فرمایا کہ میں ان کے ساتھ ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ (۳)

اور صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اور مدد کو صبر کے ساتھ مشروط کیا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِھِمْ ھٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُسَوِّمِیْنَ۔ (۴)

ہاں کیوں نہیں اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو اور وہ (کفار) تم پر فوری حملہ کردیں تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار نشان والے فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد کرے گا۔

اور صبر کرنے والوں کے لیے وہ امور جمع فرمائے جو ان کے علاوہ کسی کے لیے جمع نہیں کیے ارشاد خداوندی ہے:

اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ۔ (۵)

ان لوگوں پر ان کے رب کی طرف سے رحمتیں ہیں اور اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

تو ہدایت، رحمت اور صلوات کو صبر کرنے والوں کے لیے جمع کیا گیا۔ صبر کے سلسلے میں تمام آیات کا احاطہ طوالت کا تقاضا کرتا ہے۔

احادیث:

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۱۰

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۱۱ مرویات ابوہریرہ

(۳) قرآن مجید، سورہ انفال آیت ۴۶

(۴) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۲۵

(۵) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱۵۷

marfat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ۔ (۱)

صبر ایمان کا نصف ہے۔

اس کے نصف ہونے کی وجہ آگے بیان ہوگی۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مِنْ اَقَلِّ مَا اُوْتِیْتُمُ الْیَقِیْنُ وَعَزِیْمَةُ الصَّبْرِ وَمَنْ اُعْطِیَ حَظَّهُ مِنْهُمَا لَمْ یُبَالِ بِمَا نَاتَهُ مِنْ قِیَامِ اللَّیْلِ وَصِیَامِ النَّهَارِ وَلَاَنْ تَصْبِرُوْا عَلٰی مَا اَنْتُمْ عَلَیْهِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ یُّوَافِیَنِیْ کُلُّ امْرِیٍ مِنْکُمْ بِمِثْلِ عَمَلِ جَمِیْعِکُمْ وَلٰکِنِّیْ اَخَافُ اَنْ تُفْتَحَ عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا بَعْدِیْ فَیُنْکِرُ بَعْضُکُمْ بَعْضًا وَیُنْکِرُکُمْ اَهْلُ السَّمَاءِ عِنْدَ ذٰلِكَ فَمَنْ صَبَرَ وَاحْتَسَبَ ظَفَرَ بِکَمَالِ ثَوَابِهٖ۔

(۲)

کم از کم چیز جو تمہیں دی گئی ہے وہ یقین اور صبر کی عزیمت ہے اور جس آدمی کو ان دونوں باتوں میں سے حصہ مل گیا اس کا قیام لیل اور دن کو روزہ رکھنا فوت بھی ہو جائے تو کوئی پرواہ نہیں اور تم جس حالت پر ہو اس پر تمہارا صبر کرنا مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ کوئی شخص تم سب کے عمل کے برابر عمل میرے پاس لائے لیکن مجھے خوف ہے کہ تم پر دنیا کھول دی جائے تو تم ایک دوسرے سے اجنبی ہو جاؤ گے اس وقت آسمان والے بھی تمہیں نہیں پہچانیں گے جس نے صبر کیا اور ثواب کا ارادہ کیا وہ پورے ثواب کے ساتھ کامیاب ہوا۔

اس کے بعد آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ۔

(۳)

جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور ہم ضرور بضرور صبر کرنے والوں کو ان کا اجر عطا کریں گے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

اَلصَّبْرُ اَلسَّمَاحَةُ۔ (۴)

صبر کرنا سخاوت ہے۔

الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۲۷۷ کتاب الجنائز

قرآن مجید، سورۃ النحل آیت ۹۶

مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۱۰ مرویات عمرو بن عبسہ

marfat.com

نیز آپ نے فرمایا۔

اَلصَّبْرُ کَنْزٌ مِنْ کُنُوْزِ الْجَنَّۃِ۔ (۱) صبر، جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے

ایک مرتبہ آپ سے ایمان کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا صبر (ایمان) ہے (۲)

اور آپ کا یہ ارشاد گرامی، آپ کے اس قول کے مطابق ہے کہ آپ نے فرمایا۔

اَلْحَجُّ عَرَفَۃٌ۔ (۳) حج عرفہ (میں وقوف کا نام) ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ عرفات میں ٹھہرنا حج کا سب سے بڑا عمل ہے (رکن ہے)

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔

اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ مَا اُکْرِھَتْ عَلَیْہِ النُّفُوْسُ۔ (۴) سب سے بہتر عمل وہ ہے جس پر نفسوں کو مجبور ہونا پڑے۔

کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے موصوف ہو جائیں اور میرے (اللہ تعالیٰ کے) اخلاق میں سے یہ ہے کہ میں بہت صبر کرنے والا ہوں۔

حضرت عطاء، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے پاس تشریف لے گئے تو فرمایا کیا تم مومن ہو؟ وہ خاموش رہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا۔ تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا ہم فراخی کی حالت میں شکر کرتے ہیں، آزمائش کے وقت صبر کرتے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رب کعبہ کی قسم! تم مومن ہو (۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فِی الصَّبْرِ عَلٰی مَا تَکْرَہُ خَیْرٌ کَثِیْرٌ۔ (۶) ناپسندیدہ بات پر صبر کرنے میں بہت بھلائی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

اِنَّکُمْ لَا تُدْرِکُوْنَ مَا تُحِبُّوْنَ اِلَّا بِصَبْرِکُمْ تم اپنی پسندیدہ چیز اس وقت تک حاصل نہیں کر

---

(۱) الاسرار المرفوعۃ ص ۱۴۵ حدیث ۵۵۴

(۲) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۲ ص ۱۴۴ حدیث ۳۸۴۰

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۲۲۳، ابواب المناسک

(۴) یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا قول ہے ابن ابی الدنیا نے "کتاب محاسبۃ النفس" میں نقل کیا ہے۔

(۵) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۱ ص ۱۵۴ حدیث ۱۱۳۲۶

(۶) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۰۷ مرویات ابن عباس

marfat.com

عَلٰی مَا تَکْرَھُوْنَ۔

سکتے جب تک ناپسندیدہ باتوں پر صبر نہ کرو۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَوْکَانَ الصَّبْرُ رَجُلاً لَکَانَ کَرِیْمًا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصَّابِرِیْنَ۔ (۱)

اگر صبر مرد ہوتا تو وہ کریم آدمی ہوتا اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اس سلسلے میں احادیث بے شمار ہیں۔

آثار:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو خط لکھا اس میں یہ الفاظ بھی ہیں عَلَیْکَ بِالصَّبْرِ (تم پر صبر لازم ہے) اور جان لو کہ صبر کی دو قسمیں ہیں (اور) ان میں سے ایک، دوسرے سے افضل ہے مصیبتوں میں صبر کرنا اچھا ہے لیکن جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس سے صبر کرنا افضل ہے اور جان لو کہ صبر ایمان کی اصل ہے کیوں کہ تقویٰ سب سے افضل نیکی ہے اور تقویٰ، صبر سے حاصل ہوتا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایمان کی عمارت چار ستونوں (یعنی) یقین، صبر، جہاد اور عدل پر قائم ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایمان کے ساتھ صبر کا تعلق اسی طرح ہے جس طرح سر کا جسم سے تعلق ہے اور جس کا سر نہ ہو اس کا جسم نہیں ہوتا اسی طرح صبر کے بغیر ایمان (کامل) نہیں ہوتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے دو گٹھڑیاں کتنی اچھی ہیں اور صبر کرنے والوں کا بوجھ کتنا اچھا ہے دو گٹھڑیوں سے مراد نماز اور رحمت ہے اور صبر کرنے والوں کے بوجھ سے مراد ہدایت ہے العلاوہ وہ بوجھ ہوتا ہے جو اونٹ کی دو گٹھڑیوں کے اوپر ہوتا ہے اس سے انہوں نے قرآن پاک کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ۔

اور ان لوگوں پر ان کے رب کی طرف سے رحمتیں ہیں اور وہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔

حضرت حبیب بن ابی حبیب جب یہ آیت کریمہ پڑھتے۔

اِنَّا وَجَدْنٰہُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّہٗ اَوَّابٌ۔ (۳)

بے شک ہم نے ان (حضرت ایوب علیہ السلام) کو صبر کرنے والا پایا وہ کیا ہی اچھا بندہ ہے وہ بہت رجوع کرنے والا ہے۔

---

(۱) العلل المتناہیۃ جلد ۲ ص ۳۸۴ حدیث ۱۴۵۴

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱۵۷

(۳) قرآن مجید، سورۂ ص آیت ۴۴

marfat.com

(یہ آیت پڑھ کر) آپ روتے اور فرماتے ہائے تعجب ہے اس نے عطا کیا اور تعریف بھی کی یعنی وہی صبر کی توفیق دیتا ہے اور وہی تعریف کرتا ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایمان کی کوہان (چوٹی) حکم پر صبر کرنا اور تقدیر پر راضی رہنا ہے۔

فضیلتِ صبر کا یہ بیان نقلی دلائل سے ہے جہاں تک عقل سے سمجھنے کا تعلق ہے تو اس کے لیے پہلے صبر کی حقیقت اور اس کے معنیٰ کا سمجھنا ضروری ہے کیوں کہ فضیلت اور رتبہ کی معرفت، صفت کی پہچان ہے اور وہ موصوف کی معرفت سے پہلے حاصل نہیں ہوتی لہٰذا ہم صبر کی حقیقت اور اس کا معنیٰ بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

فصل ۲

صبر کی حقیقت اور اس کا معنیٰ

جان لو! صبر، دین کے مقامات میں سے ایک مقام اور سالکین کی منازل میں سے ایک منزل ہے اور دین کے تمام مقامات تین امور پر مشتمل ہیں (۱) معارف (۲) احوال (۳) اعمال پس معارف، اصول ہیں اور ان سے احوال پیدا ہوتے ہیں اور احوال کا نتیجہ اعمال ہیں لہٰذا معارف، درختوں کی طرح، احوال ٹہنیوں کی مثل اور اعمال پھلوں کی طرح ہیں اور یہ بات سالکین الی اللہ کی تمام منازل کو شامل ہے۔

اور لفظ ایمان کبھی تو صرف معارف کے لیے بولا جاتا ہے اور بعض اوقات ان تینوں باتوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے قواعدِ عقائد کے بیان میں ایمان اور اسلام کے نام میں اختلاف کے ضمن میں ذکر کیا ہے اور اسی طرح صبر کی تکمیل، معرفتِ سابقہ اور حالتِ قائمہ کے بغیر نہیں ہوتی اور حقیقت میں صبر اسی بات کا نام ہے اور عمل پھل کی طرح ہے جو اس سے حاصل ہوتا ہے اور اس کی پہچان کے لیے فرشتوں، انسانوں اور جانوروں کے درمیان ترتیب کی کیفیت کی معرفت ضروری ہے بیشک صبر، انسان کا خاصہ ہے اور یہ بات فرشتوں اور جانوروں میں نہیں پائی جاتی۔ جانوروں میں نقصان کی وجہ سے اور فرشتوں میں ان کے کمال کی وجہ سے۔

اس کی تفصیل یوں ہے کہ جانوروں پر خواہشات مسلط کی گئی ہیں اور وہ خواہشات کے سامنے مسخر ہیں تو ان کی حرکت و سکون کا باعث صرف شہوت ہی ہے ان میں ایسی قوت نہیں ہے جو خواہشات سے متصادم ہو اور ان کو ان کے تقاضوں سے پھیر دے حتیٰ کہ شہوت کے تقاضے کے مقابلے میں اس قوت کے باقی رہنے کو صبر قرار دیا جائے اور جہاں تک فرشتوں کا تعلق ہے تو ان کو صرف بارگاہ ربوبیت کی حاضری کا شوق عطا کیا گیا ہے اور یہ کہ وہ درجۂ قرب سے خوش رہیں اور ان کو شہوت نہیں دی گئی جو ان کو اس درجہ اور شوق سے روکے حتیٰ کہ وہ ایسی قوت کے محتاج ہوں جو ایک دوسرے لشکر کے ذریعے ان رکاوٹوں کو دور کرے۔

marfat.com

انسان کو ابتدا میں جانور کی طرح ناقص پیدا کیا گیا اور اسے صرف غذا کی خواہش عطا کی گئی جس کا وہ محتاج ہوتا ہے پھر اس میں کھیل کود اور زیب و زینت کی خواہش ظاہر ہوتی ہے پھر اسی ترتیب سے نکاح کی خواہش ہوتی ہے اور اسے (بچے کی) صبر کی قوت بالکل حاصل نہیں ہوتی کیوں کہ صبر کا مطلب ایک لشکر کے مقابلے میں دوسرا لشکر کھڑا کرنا ہے جب ان دونوں کے درمیان لڑائی واقع ہو کیوں کہ ان دونوں کے تقاضوں اور مطالبات میں تضاد ہے۔ اور بچے میں جانوروں کی طرف صرف اور صرف خواہش ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور جود و سخا کی وسعت کے تحت انسان کو عزت بخشی ہے اور جانوروں کے مقام سے ان کے درجات کو بلند فرمایا ہے پس بلوغت کے قریب اس کی شخصیت کمال کو پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ دو فرشتے مقرر کر دیتا ہے ان میں سے ایک اسے راہنمائی مہیا کرتا ہے اور دوسرا اسے قوت فراہم کرتا ہے چنانچہ وہ ان دو فرشتوں کی مدد سے جانوروں سے ممتاز ہو جاتا ہے اور اب وہ دو صفات کے ساتھ مختص ہو جاتا ہے۔

ایک صفت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی معرفت ہے نیز انجام سے متعلق جو مصالح ہیں ان کی معرفت بھی اس میں شامل ہے۔ اور یہ تمام باتیں اس فرشتے سے حاصل ہوتی ہیں جو ہدایت اور معرفت بہم پہنچانے پر مقرر ہے تو جانوروں کو کسی قسم کی معرفت نہیں ہوتی اور نہ ہی انہیں بہتر انجام کی معرفت ہوتی ہے بلکہ ان کو صرف اسی بات کا پتہ ہوتا ہے جو بالفعل ان کی خواہشات کی تکمیل کا باعث ہو۔ اسی لیے وہ صرف لذیذ چیزیں طلب کرتے ہیں اور نفع بخش دوا جو فی الحال مضر ہو وہ اسے پہچانتے بھی نہیں اور اس کا مطالبہ بھی نہیں کرتے۔

تو انسان نورِ ہدایت کے ذریعے اس بات کو جانتا ہے کہ خواہشات کی اتباع کا انجام برا ہے لیکن اس کے لیے صرف یہ ہدایت کافی نہیں جب تک اسے مضر اشیاء کو چھوڑنے کی طاقت حاصل نہ ہو۔ کتنی ہی نقصان دہ باتیں ہیں جن کا انسان کو علم ہے مثلاً اسے پھیپھڑے والی بیماری کا اسے علم ہوتا ہے لیکن وہ اسے دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا لہٰذا وہ ایسی قدرت اور قوت کا محتاج ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ خواہشات کے سینے پر دھکا دے اور اس قوت کے ذریعے اس سے لڑے حتیٰ کہ ان کی دشمنی کو اپنے نفس سے علیحدہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرا فرشتہ مقرر کیا ہے جو اسے سیدھی راہ پر رکھتا اور اس کی مدد کرتا ہے نیز اسے ایسے لشکروں کے ذریعے طاقت فراہم کرتا ہے جس کو تم نہیں دیکھتے۔ اور اس لشکر کو خواہش سے لڑنے سے حکم دیتا ہے۔ تو بعض اوقات یہ لشکر کمزور ہو جاتا ہے اور بعض اوقات مضبوط ہوتا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی تائید سے حاصل ہونے والی بندے کی امداد کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسا کہ نورِ ہدایت مخلوق میں بہت زیادہ مختلف ہوتا ہے تو ہم اس صفت کو جس کے ذریعے انسان خواہشات کے قلع قمع اور ان پر غالب ہونے کے اعتبار سے جانوروں سے ممتاز ہوتا ہے، باعثِ دینی کہتے ہیں۔ اور خواہشات کے مطالبہ کو ان کے مقتضیات کے ساتھ باعث ہوئی (خواہش کا باعث) قرار دیتے ہیں۔

marfat.com

تو یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ دینی باعث اور باعثِ ہوٰی میں جنگ جاری ہے اور اس جنگ میں کبھی ایک فاتح ہوتا ہے اور کبھی دوسرا، اور لڑائی کا میدان بندے کا دل ہے دینی باعث کو فرشتوں سے مدد ملتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی جماعت کی مدد کرتے ہیں اور شہوت کے باعث کو شیطانوں کی طرف سے مدد حاصل ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے مددگار ہیں۔

تو صبر، باعثِ شہوت کے مقابلے میں دینی باعث کو ثابت قدم رکھنے کا نام ہے پس اگر وہ ثابت قدم رہے حتیٰ کہ اس پر غالب آجائے اور شہوت کی مخالفت پر برقرار رہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی جماعت کی مدد کی، اور صبر کرنے والوں کے ساتھ مل گیا اور اگر اس کے مقابلے میں کمزور اور رسوا ہوا حتیٰ کہ اس پر شہوت غالب ہوگئی اور وہ اس کو دور کرنے پر صبر نہ کر سکا تو وہ شیطان کے پیروکاروں سے مل جاتا ہے۔

تو شہوت والے کاموں کو چھوڑنا ایسا عمل ہے جو حالتِ صبر کا نتیجہ ہے اور باعثِ دینی کا ثابت رہنا ہے جو باعثِ شہوت کے مقابلے میں ہے اور باعث دینی کا ثابت رہنا ایک ایسا حال ہے جو خواہشات کی عداوت اور اس کی ضد کو جاننے کا نتیجہ ہوتا ہے جو دنیا اور آخرت میں اسباب سعادت کی ضد ہیں اور جب اس کی معرفت کا یقین زیادہ ہوتا ہے اور ایسے ایمان کہا جاتا ہے اور وہ اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ شہوت دشمن ہے اور اللہ تعالیٰ کے راستے کی رکاوٹ ہے تو اس سے باعثِ دینی کا ثبات مضبوط ہو جاتا ہے اور جب اس کا ثبات مضبوط ہوتا ہے تو شہوت کے تقاضے کے خلاف اعمال مکمل ہو جاتے ہیں تو شہوت کے ترک کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک دینی باعث کو جو باعثِ شہوت کی ضد ہے، قوت حاصل نہ ہو، اور معرفت و ایمان کی قوت، خواہشات کے برے انجام کو قبیح جانتی ہے۔

اور یہ دونوں فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے مسخر کرنے سے ان دونوں لشکروں کے کفیل ہوتے ہیں اور یہ دونوں کرام کاتبین فرشتوں میں سے ہیں اور وہ دونوں فرشتے ہر آدمی کے ساتھ مقرر ہیں۔

اور جب تمہیں معلوم ہوگیا کہ ہادی فرشتے کا درجہ، قوت دینے والے فرشتے سے اعلیٰ ہے تو تم پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ داہنی جانب جو افضل ہے مناسب ہے کہ وہ اسے سونپ دی جائے لہٰذا وہی ہادی فرشتہ دائیں جانب والا ہے اور دوسرا بائیں طرف والا ہے اور بندے کے لیے غفلت و فکر اور مجاہدے اور اس کے علاوہ کے حوالے سے دو طریقے ہیں اور وہ غفلت کی وجہ سے دائیں طرف والے سے اعراض کرنے والا اور اس سے برا سلوک کرنے والا ہوتا ہے لہٰذا اس پر گناہ لکھ دیا جاتا ہے اور مجاہدہ کے ذریعے وہ اس کے لشکر سے مدد حاصل کرتا ہے تو اس کے ذریعے اس کے لیے نیکی ثابت ہوتی ہے اور یہ نیکیاں اور برائیاں ان دونوں کے ثابت رکھنے سے ہوتی ہیں اسی لیے ان دونوں فرشتوں کو کراماً کاتبین کہا گیا ہے کرام اس لیے کہتے ہیں کہ بندہ ان کے کرم سے نفع حاصل کرتا ہے کیونکہ تمام فرشتے کرم والے اور نیکوکار ہیں اور کاتب اس لیے کہلاتے ہیں کہ وہ نیکیوں اور برائیوں کو درج کرتے ہیں اور وہ ان کو صحیفوں میں لکھتے ہیں جو دل کے سر (راز) میں لپٹے ہوتے ہیں اور سرِ قلب سے مخفی ہوتے ہیں حتیٰ کہ اس عالم میں ان پر اطلاع نہیں ہوتی کیوں کہ وہ دونوں فرشتے ان کا لکھنا،

marfat.com

ان کا خط ،ان کے صحیفے اور جو کچھ ان دونوں سے متعلق ہوتا ہے اس کا تعلق عالمِ غیب اور ملکوت سے ہے ظاہری عالم سے نہیں ہے اور جن باتوں کا تعلق عالم ملکوت سے ہے آنکھیں اس عالم میں ان کا ادراک نہیں کر سکتیں پھر یہ صحیفے جو پھٹے ہیں دو مرتبہ کھلیں گے ایک مرتبہ قیامتِ صغریٰ میں اور دوسری مرتبہ قیامتِ کبریٰ میں اور قیامت صغریٰ سے موت کی حالت مراد ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ۔ (۱) جو شخص فوت ہوگیا تو تحقیق اس کی قیامت قائم ہوگئی۔

اور اس قیامت میں بندہ اکیلا ہوتا ہے اور اس وقت کہا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ (۲) اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے آئے جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ (اکیلا اکیلا) پیدا کیا۔

اور اسی کے بارے میں فرمایا گیا۔

كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۔ (۳) آج تمہارا نفس حساب کرنے کے لیے کافی ہے۔

جب کہ قیامتِ کبریٰ جس میں تمام مخلوق جمع ہوگی اس وقت آدمی تنہا نہیں ہوگا بلکہ بعض صورتوں میں لوگوں کی ایک جماعت کے سامنے محاسبہ ہوگا اور اس میں متقی لوگوں کو جنت کی طرف اور مجرموں کو جہنم کی طرف جماعتوں کی صورت میں لے جایا جائے گا اکیلے اکیلے نہیں پہلا ہولناک منظر، قیامتِ صغریٰ کا ہے اور قیامتِ کبریٰ کے تمام ہولناک مناظر کی نظر قیامت صغریٰ میں موجود ہے مثلاً زمین میں زلزلے کا برپا ہونا کیوں کہ کسی کی موت کے وقت خاص وہ مقام زلزلے کی زد میں ہوتا ہے جب کسی شہر میں زلزلہ آتا ہے تو یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ ان کی زمین میں زلزلہ آیا اگرچہ اس کے اردگرد دوسرے شہروں میں زلزلہ نہ آئے۔

بلکہ انسان کا مسکن حرکت کرے تو اس کے حق میں یہ زلزلہ ہی کہلاتا ہے کیوں کہ اسے تمام زمین کی حرکت کی وجہ سے اسی وقت نقصان ہوتا ہے جب خود اس کا اپنا مکان حرکت کرے دوسرے آدمی کے مکان کی حرکت سے نہیں۔

تو اسے اپنے حصے کا زلزلہ کسی نقصان کے بغیر حاصل ہوا اور جاننا چاہیے کہ مٹی سے پیدا ہونے والی مخلوق میں سے تم سب سے زیادہ پسندیدہ مخلوق ہو۔ اور مٹی سے تمہارا خصوصی حصہ صرف تمہارا بدن ہے۔ دوسروں کا بدن تمہارا حصہ نہیں ہے اور زمین کے جس حصے پر تم بیٹھے ہوئے ہو وہ تمہارے بدن کے لیے ظرف اور مکان ہے اور تم اس کے زلزلے سے اس لیے

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ص ۲۸۵ حدیث ۱۱۱۷

(۲) قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۹۴

(۳) قرآن مجید، سورۃ اسراء آیت ۱۴

marfat.com

خوف زدہ ہو کر اس کے باعث تمہارا بدن حرکت کرنے لگے۔ ورنہ ہوا ہر وقت زلزلے میں رہتی ہے لیکن اس سے تمہیں ڈر نہیں لگتا کیونکہ اس کی وجہ سے تمہارے جسم میں حرکت نہیں آتی تو تمام زمین کے زلزلے سے تمہارا حصہ صرف تمہارے بدن کا زلزلہ ہے اور وہ زمین اور مٹی کا وہ حصہ ہے جو خاص تمہارے ساتھ متعلق ہے۔ تمہاری ہڈیاں تمہاری زمین کے پہاڑ ہیں، تمہارا سر تمہاری زمین کا آسمان ہے تمہارا دل تمہاری زمین کا سورج ہے، تمہارے کان اور آنکھیں اور باقی تمام خواص تمہارے آسمان کے ستارے ہیں تمہارے بدن سے پسینے کا بہنا تمہاری زمین کا دریا ہے تمہارے بال تمہاری زمین کی سبزی ہے اور باقی اعضا اس زمین کے درخت ہیں اسی طرح تمام اعضا کا معاملہ ہے اور جب موت کی وجہ سے تمہارے بدن کے ارکان ختم ہو جائیں گے تو زمین میں زلزلہ بپا ہو گا اور جب ہڈیوں سے گوشت الگ ہو جائے گا تو زمین اور پہاڑ اٹھا لئے جائیں گے تو ایک چوٹ سے وہ گر کر برابر برابر ہو جائیں گے اور جب ہڈیاں گل جائیں گی تو پہاڑ اڑا دئے جائیں گے اور جب موت کے وقت دل پر تاریکی چھا جائے گی تو سورج لپیٹا جائے گا اور جب تیرے کان، آنکھ اور تمام حواس بیکار ہو جائیں گے تو گویا ستارے ٹوٹ جائیں گے اور جب تمہارا دماغ پھٹ جائے گا تو گویا آسمان پوری طرح پھٹ گیا اور جب موت کے خوف سے تیری پیشانی پر پسینہ آئے گا تو گویا دریا پوری طرح جاری ہو گئے اور جب تمہاری ایک پنڈلی دوسری پنڈلی پر لپٹے گی اور وہ دونوں تمہاری سواریاں ہیں تو گویا سواری معطل ہو گئی اور جب روح و جسم کی جدائی ہو گی تو گویا زمین کو پھیلا دیا گیا حتیٰ کہ جو کچھ اس میں تھا اس نے اسے باہر ڈال کر خالی ہو گئی۔

بیں احوال و اہوال کے تمام موازنہ کا ذکر لمبا کرنا نہیں چاہتا لیکن یہ بات کہتا ہوں کہ محض موت سے تم پر قیامت صغریٰ قائم ہو جائے گی اور قیامت کبریٰ میں سے جو کچھ تمہارے ساتھ خاص ہے وہ بھی تجھ سے نہیں چھوٹے گا۔ بلکہ جو کچھ دوسروں کے ساتھ خاص ہے وہ تجھے نہیں ملے گا۔

مثلاً دوسروں کے حق میں ستاروں کا باقی رہنا مردے کو کیا فائدہ دیتا ہے جب کہ مرنے والے کے وہ حواس جن کے ذریعے ستاروں کو دیکھنے کا فائدہ حاصل کرتا ہے وہ بکھر گئے جیسے نابینا آدمی کے لیے دن اور رات نیز سورج کا چمکنا اور گرہن برابر ہیں کیوں کہ اس کے حق میں ایک ہی بار سورج کو گہن لگ گیا اور اس کا اسی قدر حصہ ہے اور جس آدمی کا سر پھٹ جائے اس کا آسمان پھٹ گیا کیوں کہ آسمان اس چیز کا نام ہے جو سر کی طرف ہے تو جس کا سر نہیں اس کا آسمان بھی نہیں تو دوسروں کے لیے آسمان کا باقی رہنا اسے کیا فائدہ دے گا۔

تو یہی قیامتِ صغریٰ ہے خوف اور دہشت تو اس کے بعد ہے اور یہ اس وقت ہو گا جب بڑی مصیبت آئے گی اور کوئی امتیاز باقی نہیں رہے گا زمین و آسمان تباہ ہو جائیں گے پہاڑ ختم ہو جائیں گے اور خوف و پریشانی اپنے کمال کو پہنچ جائے گی۔

جان لو کہ یہ قیامت صغریٰ ہے اگرچہ ہم نے اس کے اوصاف میں بہت کچھ لکھا ہے لیکن ہم نے اس کے اوصاف

کا عشر عشیر بھی ذکر نہیں کیا۔ اور قیامت کبریٰ کی نسبت سے یہ اسی طرح ہے جیسے ولادتِ صغریٰ کو ولادت کبریٰ سے نسبت ہوتی ہے۔ کیوں کہ انسان کی دو پیدائشیں ہیں ایک وہ ہے جب وہ باپ کی پیٹھ سے ماں کے پیٹ میں آتا ہے اور وہ رحم میں ایک مقررہ مدت تک ایک ٹھکانے میں رہتا ہے اور اسے کمال تک پہنچنے کے لیے کئی مراحل طے کرنے پڑتے ہیں پہلے نطفہ (مادہ منویہ) ہوتا ہے پھر جما ہوا خون اور پھر لوتھڑا وغیرہ بنتا ہے یہاں تک کہ وہ رحم کے تنگ مقام سے وسعتِ عالم میں نکلا ہے تو قیامت کبریٰ کے عموم کی نسبت قیامتِ صغریٰ کے خصوص سے اسی طرح ہے جس طرح فضائے عالم کی وسعت کو فضائے رحم سے نسبت ہوتی ہے اور بندہ موت کے ذریعے جس عالم کی طرف جاتا ہے اس کی وسعت فضائے دنیا کی وسعت کی نسبت سے اسی طرح ہے جیسے فضائے دنیا، فضائے رحم کے مقابلے میں ہے۔ بلکہ یہ اس سے زیادہ وسیع اور بڑی ہے تو آخرت کو پہلی پر قیاس کرو۔ تمہارا پیدا کرنا اور اٹھانا ایک نفس کی طرح ہے اور دوسری بار پیدا کرنا پہلی پیدائش پر قیاس کی طرح ہے بلکہ پیدائشوں کا شمار دو میں محصور نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (۱)

اور ہم تمہاری وہ صورتیں بنا دیں گے جن کی تمہیں خبر نہیں۔

تو وہی شخص دونوں قیامتوں کا اقرار کرتا ہے جو غیب و شہادت پر ایمان رکھتا ہے اور اسے ملک و ملکوت (ظاہری اور باطنی بادشاہی) پر یقین ہے اور جو شخص قیامت صغریٰ کو دیکھتا ہے، کبریٰ کو نہیں وہ دو جہانوں میں سے ایک کو بھینگی آنکھ سے دیکھتا ہے یہ جہالت اور گمراہی ہے نیز کانے دجال کی پیروی ہے تو اے مسکین! تو کتنا بڑا غافل ہے اور ہم سب اس میں برابر ہیں اور تمہارے سامنے یہ خوفناک منظر ہے اگر تم جہالت اور گمراہی کی وجہ سے قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تو کیا قیامت صغریٰ کی دلالت تمہارے لیے کافی نہیں کیا تو نے سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی نہیں سنا۔

وَكَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا۔ (۲)

اور موت، بطور واعظ کافی ہے۔

اور کیا تم نے وصال کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سختی کے بارے میں نہیں سنا حتیٰ کہ آپ نے دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلٰى مُحَمَّدٍ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ۔ (۳)

یا اللہ! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی سختیوں کو آسان کر دے۔

کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ موت کے آنے میں تاخیر سمجھ کر غافل بیوقوف لوگوں کی پیروی کرتے ہو جو ایک چیخ کی انتظار کرتے ہیں

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ واقعہ آیت ۶۱

(۲) شعب الایمان جلد ۷، ص ۲۵۲ حدیث ۱۰۵۵۶

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۱۱۸، ابواب الجنائز

marfat.com

جوان کو پکڑے اس حال میں کہ وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے اس وقت وہ نہ تو وصیت کر سکیں گے اور نہ ہی اپنے گھر والوں کی طرف لوٹیں گے ان کے پاس بیماری موت سے ڈرانے کے لیے آتی ہے لیکن وہ نہیں ڈرتے۔ اور ان کے پاس بڑھاپا موت کا پیغام لے کر آتا ہے لیکن وہ عبرت نہیں پکڑتے تو بندوں پر افسوس ہے ان کے پاس جو بھی رسول آتا ہے اسے جھٹلاتے ہیں کیا ان کا خیال ہے کہ وہ دنیا میں ہمیشہ رہیں گے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی بستیوں کو ہلاک کیا اور وہ ان کی طرف نہیں لوٹیں گے یا ان کا خیال ہے کہ مردے ان کے پاس سے سفر کر گئے اور وہ معدوم ہیں؟ ہرگز نہیں۔

بلکہ سب کو ہمارے ہاں حاضر ہونا پڑے گا لیکن ان کے پاس ان کے رب کی آیات میں سے جو بھی آیت آتی ہے اس سے وہ منہ پھیر لیتے ہیں یہ اس لیے ہے کہ ہم نے ان کے آگے بھی رکاوٹ کھڑی کر دی اور ان کے پیچھے بھی، پس ہم نے ان کو ڈھانپ لیا تو وہ دیکھتے ہیں اور ان پر برابر ہے آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لاتے۔

اب ہم اصل غرض کی طرف آتے ہیں یہ تقریر ایسے امور کی طرف اشارہ کرتی ہے جو علوم معاملہ سے اعلیٰ ہیں تو ہم کہتے ہیں: بات ظاہر ہو گئی کہ باعثِ شہوت کے مقابلے میں دینی باعث کے ثابت و قائم رہنے کا نام صبر ہے اور یہ مقابلہ انسانوں کا خاص ہے کیوں کہ ان پر کراماً کاتبین مقرر ہیں اور وہ بچوں اور پاگلوں کے اعمال میں سے کچھ بھی نہیں لکھتے، کیوں کہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ اگر ان سے استفادہ کی طرف توجہ کی جائے تو نیکی اور اگر ان سے اعراض کیا جائے تو برائی لکھتے ہیں جب کہ بچوں اور پاگلوں کا استفادہ کی طرف کوئی راہ نہیں ہوتا پس ان سے توجہ اور اعراض کا تصور نہیں ہوتا۔ جب کہ فرشتے ان لوگوں کی توجہ اور اعراض کو نقل کرتے ہیں جو ان باتوں پر قادر ہوتے ہیں۔

ہاں بعض اوقات نورِ ہدایت کی چمک کا آغاز سن تمیز سے ہو جاتا ہے اور وہ بلوغت کی عمر تک بتدریج بڑھتا ہے جس طرح صبح کی روشنی ظاہر ہوتی ہے یہاں تک کہ سورج کی ٹکیہ طلوع ہو جاتی ہے لیکن یہ ہدایتِ قاصرہ ہے اس سے رُوگردانی اُخروی نقصان نہیں پہنچاتی البتہ دنیوی نقصان پہنچاتا ہے یہی وجہ ہے کہ (بچے کو) نماز چھوڑنے پر فوری سزا دی جاتی ہے اور اس کے ترک پر اسے اُخروی سزا نہیں ہوتی اور اس کا وہ نامۂ اعمال نہیں لکھا جاتا جو آخرت میں کھلے گا۔ بلکہ جو شخص بچے کا کفیل عادل ہو یا نیکو کار شفیق ولی ہو اور وہ کراماً کاتبین کی طرح نیکو کار ہو تو وہ اپنے دل کے صحیفے پر بچے کی نیکیوں اور برائیوں کو لکھتا ہے اور یاد کرتا ہے پھر وہ اس کے سامنے واضح کر کے اس کی سزا دیتا ہے تو جس ولی نے بچے کے بارے میں یہ طریقہ اختیار کیا وہ فرشتوں کے اخلاق کا وارث ہے اور اسے بچے کے حق میں استحقاق کرتا ہے اور یوں اسے رب العالمین کی طرف سے ایک درجہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ فرشتوں کو یہ مقام ملتا ہے پس اسے انبیاء کرام مقربین اور صدیقین کی معیت حاصل ہوتی ہے نبی اکرم صلی اللہ وسلم نے اپنے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے آپ نے فرمایا۔

اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ كَهَاتَيْنِ فِي — میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح

الْجَنَّةِ۔ (۱) ہوں گے۔
آپ نے یہ بات اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمائی۔

فصل ۳:

صبر نصف ایمان ہے

جان لو! بعض اوقات ایمان کا اطلاق اصول دین پر ہوتا ہے اور کبھی یہ اعمال صالحہ کے ساتھ خاص ہوتا ہے جو حالتِ ایمان میں سرزد ہوتے ہیں اور بعض اوقات اس کا اطلاق ان دونوں پر ہوتا ہے تو معارف کی بھی بہت سی اقسام ہیں اور اعمال کے بھی کئی دروازے ہیں اور چونکہ لفظ ایمان ان دونوں کو شامل ہوتا ہے اس لیے ایمان کے شعبے ستر سے زائد ہیں ہم نے ان اطلاقات کا اختلاف قواعدِ عقائد کے بیان میں ذکر کیا ہے لیکن صبر دونوں اعتبار اور دونوں اطلاق سے نصفِ ایمان ہے۔

ایک یہ کہ تصدیقات اور اعمال دونوں پر اس کا اطلاق ہو پس اس طرح ایمان کے دو رکن ہوں گے ایک یقین اور دوسرا صبر، اور یقین سے مراد وہ معارف قطعیہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو اصول دین کی طرف راہنمائی سے حاصل ہوتے ہیں — اور صبر سے مراد یقین کے مطابق عمل ہے۔

کیوں کہ یقین اسے اس بات کی پہچان کراتا ہے کہ گناہ نقصان دِہ ہے اور عبادت نفع بخش ہے اور گناہ کا ترک اور عبادت پر مواظبت (ہمیشگی) صبر کے بغیر ناممکن ہے اور وہ خواہش اور سستی کے باعث پر دین کے باعث کو غالب کرنا ہے (اس اعتبار سے صبر، نصفِ ایمان ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو جمع فرمایا۔

مِنْ اَقَلِّ مَا اُوْتِیْتُمُ الْیَقِیْنُ وَعَزِیْمَةُ الصَّبْرِ۔ تمہیں کم از کم جو چیز دی گئی ہے وہ یقین اور قصدِ صبر ہے۔

یہ ایک طویل حدیث کا کچھ حصہ ہے۔

دوسرا اعتبار: ان احوال کو ایمان کہا جائے جو اعمال کا نتیجہ ہیں، معارف پر اس کا اطلاق نہ ہو اس صورت میں بندے کو جو کچھ حاصل ہوتا ہے اسے دینوی اور اُخروی نفع یا دینوی اور اُخروی نقصان میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اب نقصان دِہ امور کی نسبت سے حالتِ صبر اور نفع بخش امور کی طرف نسبت سے شکر کی حالت پیدا ہوتی ہے تو اس اعتبار سے شکر، ایمان کا ایک نصف ہے جس طرح پہلے اعتبار سے یقین نصفِ ایمان ہے اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۹، کتاب الطلاق

marfat.com

ایمان کے دو حصے ہیں نصف ایمان صبر ہے اور نصف شکر، یہ حدیث مرفوعاً بھی بیان کی گئی ہے (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کو حدیث مرفوع کہتے ہیں) جب صبر کا مطلب یہ ہے کہ دینی باعث کو ثابت رکھتے ہوئے خواہش کے باعث سے صبر کیا جائے

اور خواہش کا باعث

دو باتیں ہیں یا تو یہ خواہش کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے یا غضب کی وجہ سے، خواہش لذیذ چیز کی طلب یا تکلیف دہ بات سے بھاگنا، اور روزہ محض شہوت کے تقاضے سے صبر کرنا ہے اور یہ پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت ہے، اس میں غضب کا تقاضا نہیں ہوتا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "روزہ نصف صبر ہے" کیوں کہ کامل صبر، شہوت کو دعوت دینے والے امور اور غضب کے داعی امور دونوں سے بچنے کا نام ہے تو اس اعتبار سے روزہ ایمان کا چوتھا حصہ بن جاتا ہے۔

اسی طرح تقدیراتِ شرعیہ کو اعمال و احوال کی حدود کے ساتھ اور ایمان کی طرف نسبت سے سمجھنا چاہیئے اور اس میں اصل یہ ہے کہ ایمان کے بے شمار ابواب کو پہچانا جائے کیوں کہ ایمان کا اطلاق مختلف طریقوں پر ہوتا ہے۔

فصل ۴:

جن امور سے صبر کیا جاتا ہے ان کی نسبت سے صبر کے مختلف نام

جاننا چاہیے کہ صبر کی دو قسمیں ہیں ایک قسم بدنی صبر ہے جیسے بدنی مشقتیں برداشت کرنا اور ان پر ثابت قدم رہنا وہ یا تو فعل کے ذریعے ہوتا ہے جیسے سخت اعمال برداشت کرنا یا عبادات وغیرہ سے ہوتا ہے

یا اس کا تعلق برداشت سے ہوتا ہے مثلاً سخت مار بہت بڑی بیماری اور تکلیف دہ زخموں کو برداشت کرنا یہ صبر بعض اوقات قابلِ تعریف ہوتا ہے جب شریعت سے موافق ہو لیکن مکمل طور پر تعریف کے قابل دوسری قسم ہے اور طبعی خواہشات اور خواہش کے تقاضوں سے نفس کا صبر کرنا ہے اب اگر اس قسم میں پیٹ اور شرمگاہ کی خواہش سے صبر ہو تو اسے عفت کہتے ہیں۔

اور اگر بری بات سے ہو تو چوں کہ وہ مکروہ امور جن پر صبر غالب آتا ہے لوگوں کے نزدیک مختلف ہیں اس لیے ان کے نام بھی مختلف ہیں اگر وہ مصیبت میں ہو تو اسے صبر ہی کہا جاتا ہے اور اس کے خلاف حالت کو جزع فزع کہتے ہیں یعنی خواہش کے تقاضوں کو کھلی چھٹی دی جائے کہ وہ خوب آواز بلند کرے، رُخسار پیٹے اور گریبان پھاڑے نیز اس قسم کی دوسری حرکات کرے اور اگر مالداری کی برداشت میں صبر کرے تو اسے ضبطِ نفس کہتے ہیں اور اس کے خلاف حالت کو بطر (اکڑ) کہتے ہیں اگر یہ لڑائی اور جنگ میں ہو تو اسے بہادری کہا جاتا ہے جس کا مقابل نامردی اور بزدلی ہے اگر غصہ پی جانے کے سلسلے میں صبر ہو تو اسے بُردباری کہتے ہیں اور اس کے مقابلے میں غضبناکی ہے، اور اگر زمانے کی کسی آفت پر صبر ہو تو اسے دل کی کشادگی کہتے ہیں اور اس کی ضد کم حوصلگی دل کی تنگی اور زچ ہونا ہے اگر کلام کو چھپانے کے سلسلے

marfat.com

میں صبر ہو تو اسے کتمان سر کہا جاتا ہے اور ایسے شخص کو کتوم (چھپانے والا) کہا جاتا ہے اگر ضروریات زندگی سے زائد سے صبر کیا جائے تو اسے زہد کہتے ہیں اور اس کے مقابلے میں حرص ہے اگر تھوڑے حصے پر صبر کیا جائے تو اسے قناعت کہتے ہیں اور اس کے مقابلے میں حرص ہے تو ایمان کے اکثر اخلاق صبر میں داخل ہیں اسی لیے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ صبر ہے کیوں کہ یہی تمام اعمال سے زیادہ اور معزز ہے جیسے آپ نے فرمایا "حج عرفات (کا قیام) ہے" (یعنی تمام اعمال حج میں سے اہم ہے) (۱)

اور اللہ تعالیٰ نے اس کی اقسام کو جمع کر کے ان کا نام صبر رکھا ارشاد خداوندی ہے۔

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔

اور وہ لوگ جو سختی فقر اور لڑائی کے وقت صبر کرتے ہیں وہی لوگ سچے ہیں اور وہی لوگ متقی ہیں۔

(۲)

(تو مصیبت، فقر اور جہاد سب صورتوں میں صبر کا ذکر کیا)

تو یہ صبر کی اقسام ہیں جو اپنے متعلقات کے اعتبار سے مختلف ہیں اور جو شخص الفاظ کے معانی پر نظر کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ احوال اپنی ذاتوں اور حقائق کے اعتبار سے مختلف ہیں کیوں کہ الفاظ مختلف ہیں اور جو آدمی صراط مستقیم پر چلتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے وہ پہلے معانی کو دیکھتا ہے اور ان کے حقائق پر مطلع ہوتا ہے پھر ان الفاظ (ناموں) کو دیکھتا ہے کیوں کہ وہ معانی پر دلالت کے لیے وضع کیے گئے ہیں تو معانی اصل ہیں اور الفاظ ان کے تابع ہیں۔ اور جو شخص توابع سے اصول تلاش کرتا ہے وہ یقیناً پھسل جاتا ہے اور قرآن مجید میں ان دونوں فریقوں کا طرف اشارا کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

تو کیا وہ شخص ہے جو اپنے چہرے کے بل جھکا ہوا ہے وہ زیادہ ہدایت پر ہے یا وہ جو سیدھے راستے پر سیدھا چلتا ہے۔

(۳)

اور کفار سے جو غلطی ہوئی وہ اسی تبدیلی کی وجہ سے ہوئی ہے ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے کرم و لطف کے ساتھ حسن توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۲۳، ابواب المناسک

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱۷۷

(۳) قرآن مجید، سورۂ ملک آیت ۲۲

marfat.com

فصل ۵ :

قوت وضعف میں اختلاف کے اعتبار سے صبر کی اقسام

جان لو! خواہش کے باعث کی طرف نسبت کے حوالے سے دینی باعث کے تین احوال ہیں۔

ایک یہ کہ وہ خواہش کے داعی کو مغلوب کر دے اور اس کے لئے جھگڑے کی قوت باقی نہ رہے اور یہ بات دائمی صبر سے حاصل ہوتی ہے اسی موقعہ کے لیے کہا جاتا ہے کہ جس نے صبر کیا اس نے کامیابی حاصل کی۔ اس مرتبہ تک پہنچنے والے لوگ بہت کم ہیں اور وہ لازماً صدیقین مقربین ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے پھر اس پر ثابت قدم رہے ان لوگوں نے صراط مستقیم کو اختیار کیا اور اسی پر قائم رہے اور ان کے نفس باعث دینی کے تقاضے کے مطابق مطمئن ہوئے اور ایسے ہی لوگوں کو ندا دینے والا آواز دیتا ہے۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ (۱)

اے نفسِ مطمئنہ! اپنے رب کی طرف اس طرح لوٹ جا کہ تو اُس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔

دوسری حالت یہ ہے کہ خواہش کی طرف بلانے والے امور غالب آجائیں اور باعث دینیہ کا جھگڑا بالکل ختم ہو جائے اور انسان اپنے نفس کو مکمل طور پر شیطان کے حوالے کر دے اور مجاہدے سے مایوس ہو کر جہاد بالنفس ترک کر دے یہ لوگ غافل ہیں اور بہت زیادہ ہیں یہی لوگ خواہشات کے غلام ہیں اور ان پر ان کی بدبختی غالب آگئی ہے اب ان کے دل جو اسرار خداوندی میں ایک سر اور امور الٰہیہ میں سے ایک امر ہیں دشمنان خداوندی کے سامنے مغلوب ہو گئے۔ اسی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ (۲)

اور ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت عطا کر دیتے لیکن میری طرف سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیوی زندگی کو خرید لیا تو انہیں سودے میں نقصان ہوا اور جو لوگ ان کو ہدایت دینا چاہتے ہیں ان سے فرمایا گیا۔

فَأَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا

اور ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے جو ہمارے ذکر سے منہ

---

(۱) سورۃ فجر آیت نمبر ۲۸

(۲) قرآن مجید، سورۂ سجدہ آیت ۱۳

marfat.com

وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ۔ (۱)

پھیرتے ہیں اور وہ صرف دنیا کا ارادہ کرتے ہیں یہ ان کا مبلغ علمی ہے۔

اس حالت کی علاوت مایوسی اور آرزوؤں کے ساتھ مغرور ہونا ہے اور یہ انتہائی درجہ کی بیوقوفی ہے۔

جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْاَحْمَقُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ۔

دانا وہ ہے جو اپنے نفس کو دبا دے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور وہ شخص بیوقوف ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہش کے پیچھے لے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر تمنا کرتا ہے۔ (۲)

جو شخص اس حالت میں ہوتا ہے جب اسے وعظ کیا جائے تو کہتا ہے میں توبہ کا شوق رکھتا ہوں لیکن مجھ سے ہو نہیں سکتا اس لیے میں اس کی طمع بھی نہیں کرتا یا وہ توبہ کا اشتیاق نہیں رکھتا تو کہتا ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے لہذا مجھے توبہ کی کوئی ضرورت نہیں اس بیچارے کی عقل خواہش کی غلام بن گئی لہذا وہ اپنی عقل کو صرف اس لیے استعمال کرتا ہے کہ اس کے ذریعے دقیق حیلے تلاش کرے جو قضائے شہوت تک پہنچا سکتے ہوں تو اس کی عقل اس کی خواہشات کے قبضے میں چلی گئی جیسے کوئی مسلمان کفار کے ہاتھوں میں قید ہو جائے اور وہ اس سے خنزیر چرائیں اور شرابوں کی حفاظت اور ان کو اٹھانے کا کام لیں۔ ایسے شخص کا حال اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شخص کسی مسلمان کو مغلوب کر کے اسے کفار کے سپرد کر دے اور ان کو ان کے ہاں قیدی بنا دے۔ کیوں کہ اس کا بڑا جرم یہی ہے کہ جس شخص کو مسخر نہیں ہونا چاہیئے تھا اسے اس نے مسخر کر دیا اور جس کو مغلوب نہیں ہونا چاہیئے تھا اسے مغلوب کر دیا۔

مسلمان کا حق تو یہ ہے کہ وہ مسلط ہو کیوں کہ وہ معرفت خداوندی اور باعث دینی کا حامل ہے اور کافر پہ تسلط ہونا چاہیئے کیوں کہ وہ دین سے جاہل ہے اور اس میں شیاطین کا باعث پایا جاتا ہے اور مسلمان کا اپنے نفس پہ حق دوسروں کے اس پر حق سے زیادہ واجب ہے۔

تو جب شریف معنیٰ جو اللہ تعالیٰ کی جماعت اور فرشتوں کے لشکریں سے ہے اس خسیس معنیٰ کے سامنے مسخر ہو جائے جو شیطانوں کی جماعت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والے ہیں تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی مسلمان کسی کافر کا غلام بن جائے بلکہ وہ اس آدمی کی طرح ہے جو کسی انعام عطا کرنے والے محسن بادشاہ پر چڑھائی کر کے اس کے سب سے عزیز

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النجم آیت ۲۹

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۴ روایات شداد بن اوس

marfat.com

بیٹے کو اس کے سب سے ناپسندیدہ دشمن کے حوالے کر دے۔

تو دیکھو کس طرح وہ کفرانِ نعمت کر رہا ہے اور وہ کتنے بڑے انتقام کا مستحق ہے۔ کیوں کہ خواہش ان میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ معبود ہے جن کی زمین میں پوجا کی جاتی ہے، اور عقل زمین پر سب سے زیادہ معزز مخلوق ہے۔

تیسری حالت یہ ہے کہ دونوں لشکروں کے درمیان جنگ جاری رہے کبھی ایک غالب آئے اور کبھی دوسری، اس قسم کا آدمی مجاہدین میں سے ہی شمار ہوتا ہے کامیاب لوگوں میں شمار نہیں ہوتا۔ اور اس حالت کے اہل لوگ وہ ہیں جنہوں نے اچھے اور برے اعمال کو ملا دیا امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے اور یہ قوت وضعف کے اعتبار سے ہے۔ اور جن باتوں سے صبر کیا جاتا ہے ان کے حوالے سے تین حالتیں اور بھی ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ تمام شہوات پر غالب آجائے یا بعض پر غالب آئے اور بعض پر غالب نہ آئے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا نزول تیسری حالت والوں کے حق میں زیادہ مناسب ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا۔ (۱) — انہوں نے اچھے اور برے اعمال کو خلط ملط کر دیا۔

اور وہ لوگ جو شہوات کے باوجود مجاہدے کو مطلقاً چھوڑ دیتے ہیں وہ جانوروں کے مشابہ ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے ہیں کیوں کہ جانوروں میں معرفت اور وہ قدرت پیدا نہیں کی گئی جس کے ذریعے شہوتوں کے تقاضوں سے جہاد کیا جاتا ہے جب کہ انسان کے لیے یہ قوت پیدا کی گئی ہے لیکن اس نے اسے معطل کر رکھا ہے لہٰذا ایسا شخص یقیناً ناقص اور پیٹھ پھیرنے والا ہے اسی لیے کہا گیا ہے۔

وَلَمْ اَرَ فِيْ عُيُوْبِ النَّاسِ عَيْبًا كَنَقْصِ الْقَادِرِيْنَ عَلَى التَّمَامِ۔ (۲) — اور میں لوگوں کے عیوب میں ایسا عیب نہیں دیکھتا جو پورا کرنے کی قدرت رکھنے والوں نے ناقص چھوڑا ہو۔

آسانی اور تنگی کے اعتبار سے بھی صبر کی تقسیم ہوتی ہے ایک یہ کہ نفس پر شاق گزرے اور اس پر دوام ممکن نہ ہو جب تک سخت مشقت برداشت نہ کی جائے اور اسے تصبر (بزور صبر کرنا) کہتے ہیں اور دوسری قسم یہ ہے کہ اس میں سخت تھکاوٹ نہ ہو بلکہ تھوڑی سی محنت سے حاصل ہو جائے اسے صبر ہی کہتے ہیں اور جب تقویٰ دائمی ہو اور انجام کی بہتری کا یقین قوی ہو تو صبر کرنا آسان ہوتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى۔ (۲) — پس جس نے دیا اور پرہیزگاری اختیار کی اور اچھے کاموں کو اختیار کیا تو ہم اسے آسانی مہیا کریں گے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ توبہ آیت ۱۰۲

(۲) قرآن مجید، سورۃ اللیل آیت ۵

marfat.com

اس قسم کی مثال ایسے ہے جیسے پہلوان کو دوسرے آدمی پر طاقت ہوتی ہے کیوں کہ طاقت ور آدمی، ضعیف شخص کو ایک ادنیٰ حملے اور آسانی کے ساتھ پچھاڑنے پر قادر ہوتا ہے اسے پچھاڑتے وقت نہ تو وہ تھکاوٹ محسوس کرتا اور نہ ہی کمزوری بلکہ اس کا سانس بھی نہیں پھولتا۔ جب کہ سخت آدمی پچھاڑنے پر سخت تھکاوٹ اور مشقت کے بعد قادر ہوتا ہے اور پیشانی پر پسینہ بھی آتا ہے تو دینی باعث اور خواہش کے باعث کے درمیان اسی طرح مقابلہ ہوتا ہے اور یہ مقابلہ در حقیقت فرشتوں کے لشکر اور شیطانوں کے لشکر کے درمیان ہوتا ہے۔

اور جب شہوات بالکل ختم ہو جاتی ہیں ان کا قلع قمع ہو جاتا ہے اور دینی باعث مسلط اور غالب ہو جاتا ہے اور طویل عرصہ تک صبر کو اپنانے سے صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے تو اس سے مقام رضا جنم لیتا ہے جیسے کتاب الرضا میں آئے گا تو صبر کے مقابلے میں رضا کا مقام بلند ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اُعْبُدِ اللّٰهَ عَلَى الرِّضَا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَفِي الصَّبْرِ عَلَى مَا تَكْرَهُ خَيْرٌ كَثِيْرٌ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کی عبادت حالت رضا میں کرو اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو ناپسندیدہ بات پر صبر کرنے میں بہت بھلائی ہے۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ صبر کرنے والوں کے تین مقامات ہیں۔

(۱) شہوت کو چھوڑنا اور یہ توبہ کرنے والوں کا درجہ ہے۔

(۲) جو کچھ مقدر میں ہے اس پر راضی رہنا، اور یہ زاہدین کا درجہ ہے۔

(۳) اس سلوک کی چاہت جو اس کا مولیٰ اس سے کرتا ہے اور یہ صدیقین کا درجہ ہے۔

ہم عنقریب محبت کے بیان میں ذکر کریں گے کہ محبت کا مقام، رضا کے مقام سے اعلیٰ ہے جیسے مقامِ رضا، صبر کے مقام سے بلند ہے گویا یہ تقسیم خاص صبر میں جاری ہوتی ہے اور وہ مصیبتوں اور آزمائشوں پر صبر کرنا ہے۔

حکم کے اعتبار سے صبر کی اقسام

حکم کے اعتبار سے صبر کی چار قسمیں ہیں۔

فرض، نفل، مکروہ اور حرام ——

ممنوع کاموں سے صبر کرنا فرض ہے ناپسندیدہ امور پر صبر کرنا نفل ہے شرعی طور پر ممنوع اذیت پر صبر کرنا ممنوع ہے جیسے کسی شخص یا اس کے بیٹے کا ہاتھ کاٹا جائے اور وہ اس پر صبر کرتے ہوئے خاموشی اختیار کرے اور جیسے کوئی آدمی شہوت کے ساتھ اس کی بیوی کا قصد کرے اور اس سے اس کی غیرت جاگ اٹھے لیکن غیرت کے اظہار سے صبر کرے اور اس کی بیوی سے جو سلوک کیا جائے۔ اس پر خاموشی اختیار کرے تو یہ صبر حرام ہے اور مکروہ صبر وہ ہے جو ایسی اذیت پر ہو جو شرعی طور پر مکروہ طریقے سے پہنچے۔

---

(۱)

marfat.com

گویا صبر کی کسوٹی اور معیار شریعت ہے لہٰذا صبر کے نصفِ ایمان ہونے سے تمہیں یہ خیال نہیں ہونا چاہیے کہ ہر قسم کا صبر محمود ہے بلکہ اس سے صبر کی مخصوص انواع مراد ہیں۔

فصل ۶:

صبر کی حاجت کا مقام اور بندہ کسی حال میں بھی صبر سے بے نیاز نہیں ہو سکتا

اس زندگی میں بندے کو جو کچھ پہنچتا ہے وہ دو قسموں سے خالی نہیں ایک یہ کہ وہ اس کی خواہش کے مطابق ہو گا دوسرا وہ جو اس کی خواہش کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ وہ اسے مکروہ جانتا ہے اور وہ دونوں صورتوں میں صبر کا محتاج ہے نیز اسے ہر حال میں ان دو میں سے ایک یا دونوں سے واسطہ پڑتا ہے لہٰذا وہ کسی صورت میں بھی صبر سے بےنیاز نہیں ہو سکتا۔

پہلی قسم:

یعنی جو کچھ اسے حاصل ہے وہ اس کی خواہش کے مطابق ہے اور وہ صحت و سلامتی، مال، مرتبہ، خاندان کا بڑا ہونا، اسباب کی وسعت اور اتباع کرنے والوں اور مددگاروں کی کثرت اور تمام دنیوی لذات کا حصول ہے۔ اس حالت میں اسے صبر کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے کیوں کہ اگر وہ ان لذات میں پڑ کر اپنے نفس کو مباح امور سے بھی نہیں روکے گا تو اس میں اکڑ اور سرکشی پیدا ہو گی۔ کیونکہ انسان سرکشی کرتا ہے کہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھے۔ حتیٰ کہ بعض عارفین نے فرمایا آزمائش پر ہر مومن صبر کرتا ہے لیکن عافیت پر صرف صدیق ہی صبر کر سکتا ہے۔

حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا عافیت پر صبر کرنا آزمائش پر صبر کرنے سے زیادہ سخت ہے اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر دنیا کے دروازے کھل گئے تو انہوں نے فرمایا ہم تکلیف کے فتنے میں مبتلا ہوئے تو ہم نے صبر کیا لیکن جب کشادگی کے فتنے میں مبتلا ہوئے تو ہم سے صبر نہ ہو سکا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مال عورت اور اولاد کے فتنے سے ڈرایا ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ۔ (۱)

اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کر دے۔

اور ارشاد فرمایا۔

إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ۔ (۲)

بے شک تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں پس ان سے بچو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ منافقون آیت ۹

(۲) قرآن مجید، سورۃ التغابن آیت ۱۴

marfat.com

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
اَلْوَلَدُ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ مَحْزَنَةٌ۔ (۱) اولاد، بخل، بزدلی اور غم کا سبب ہے۔
اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ قمیض میں اٹک کر گر رہے ہیں تو آپ منبر سے اتر گئے اور انہیں گود میں لے لیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔
اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ (۲) بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں۔
میں نے جب اپنے لخت جگر کو دیکھا کہ وہ گرنے والا ہے تو میں ان کو اٹھانے سے رُک نہ سکا۔ (۳)
اس میں عقل مند لوگوں کے لیے عبرت ہے اور کامل مرد وہی ہے جو عافیت پر صبر کرتا ہے اور اس پر صبر کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف جھکاؤ نہ ہو اور یہ خیال کرے کہ سب کچھ اس کے پاس امانت ہے اور ہو سکتا ہے کہ عنقریب یہ واپس ہو جائے اسے چاہیے کہ اس پر خوش ہونے میں نفس کو کھلی چھٹی نہ دے اور عیش و عشرت، لذت اور لہو و لعب میں مشغول نہ ہو جائے نیز اپنے مال میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کا خیال رکھے کہ اسے خرچ کرے اور بدن میں بھی حقوق خداوندی کا خیال رکھے یعنی اسے مخلوق کی مدد کرنے میں استعمال کرے زبان کو سچائی کے لیے استعمال کرے اسی طرح ان تمام نعمتوں میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کا خیال رکھے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہیں یہ صبر، شکر کے ساتھ متصل ہے اور اس کی تکمیل اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ شکر کا حق ادا کرے جیسا کہ آگے آئے گا۔
خوشی کی حالت میں صبر کرنا زیادہ مشکل ہوتا ہے کیوں کہ یہ طاقت سے ملا ہوا ہوتا ہے اور قادر نہ ہونا بھی حفاظت ہے اگر کوئی دوسرا آدمی بچنے لگائے تو خود لگانے کی صورت میں صبر کرنے سے یہ آسان ہوتا ہے بھوکے آدمی کے پاس کھانا نہ ہو تو اس صورت میں وہ اس حالت کی نسبت سے زیادہ صبر کرتا ہے، جب اس کے پاس نہایت عمدہ اور لذیذ کھانے موجود ہوں اسی وجہ سے خوشی کی حالت میں صبر کرنے کی عظمت زیادہ ہے۔

دوسری قسم:

یہ وہ قسم ہے جو خواہش اور طبیعت کے موافق نہ ہو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ بندے کے اختیار سے اس کا کوئی تعلق ہو جیسے عبادات اور گناہ دوسری صورت یہ ہے کہ بندے کے اختیار کے ساتھ اس کا کوئی ربط نہ ہو جیسے مصیبتیں اور تکالیف، لیکن اسے زائل کرنا اس کے اختیار میں ہوتا ہے جیسے موذی سے بدلہ لے کر دل کو تسلی دی جائے۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۲۸۹ حدیث ۴۵۱۱۴
(۲) قرآن مجید، سورۂ تغابن آیت ۱۵
(۳) جامع ترمذی ص ۔ ۵۴، ابواب المناقب

marfat.com

تو اس کی تین اقسام ہیں۔

پہلی قسم:

جو کچھ اس کے اختیار میں ہو اور یہ اس کے وہ تمام افعال ہیں جن کو عبادت یا گناہ کہا جاتا ہے اور اس کی تین صورتیں ہیں پہلی صورت عبادت ہے اور بندہ اس پر صبر کا محتاج ہوتا ہے اور عبادت پر صبر کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے کیوں کہ نفس کو فطری طور پر بندگی سے نفرت ہوتی ہے اور وہ رب بننے کی خواہش رکھتا ہے، اسی لیے بعض عارفین نے فرمایا کہ ہر نفس میں وہ بات پوشیدہ ہے جو فرعون نے ظاہر کی اس نے کہا تھا۔

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (۱) (القرآن) سورۃ نازعات آیات نمبر ۲۴ میں تمہارا بلند ترین رب ہوں

لیکن فرعون نے اس کے لیے میدان اور قبولیت پائی اس لیے اس بات کو ظاہر کر دیا جب اس نے قوم کو حقیر جانا تو انہوں نے اس کی اطاعت کی ہر شخص اپنے غلام، خادم، متبعین اور ان تمام لوگوں پر رب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے جو اس کے ماتحت اور مغلوب ہیں اگرچہ وہ اسے ظاہر نہیں کرتا۔ جب وہ اس کی خدمت میں کوتاہی کرتے ہیں تو اس وقت ان پر اس کا غصہ اسی تکبر کی وجہ سے ہو جاتا ہے جو اس کے اندر چھپا ہوا ہے نیز اس کا سبب اس کا دعویٰ ربوبیت ہی تو ہے تو عبادت مطلقاً لوگوں پر گراں گزرتی ہے پھر بعض عبادات سستی کی وجہ سے ناپسند ہوتی ہیں جیسے نماز بعض بخل کی وجہ سے جیسے زکوٰۃ اور بعض ان دونوں باتوں کے باعث ناپسند ہوتی ہیں جیسے حج اور جہاد ـــــ تو عبادت پر صبر کرنا سخت امور پر صبر کرنا ہے اور عبادت کرنے والا تین حالتوں میں صبر کا محتاج ہوتا ہے۔

پہلی حالت عبادت سے پہلے کی ہے اور یہ نیت کو صحیح رکھنا اور اخلاص ہے ریا کے شائبوں اور آفات کے دوائی سے صبر کرنا اور اخلاص و وفا کا عزم ہے اور جو شخص نیت اور اخلاص کی حقیقت نیز ریا کی آفات اور نفس کے مکر و فریب سے آگاہ ہے اسے معلوم ہے کہ اس پر صبر کس قدر مشکل ہے۔ اور اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں تنبیہ فرمائی ہے۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى۔

بے شک اعمال (کے ثواب) کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ (۱)

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ

اور ان کو نہیں حکم دیا گیا مگر اس بات کا کہ وہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲ کیف کان بدؤ الوحی

marfat.com

لَهُ الدِّيْنَ۔ (۱) کی عبادت کریں اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے صبر کو عمل پر مقدم کیا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (۲) مگر جن لوگوں نے صبر کیا اور اچھے کام کئے۔

دوسری حالت، عمل کی حالت ہے تاکہ وہ عمل کے دوران اللہ تعالیٰ سے غافل نہ ہو اور اس کے آداب و سنن کی بجاآوری میں سستی کا مظاہرہ نہ کرے اور آخری عمل تک ادب کی شرط پر قائم رہے اور جو امور عمل میں خلل ڈالتے ہیں ان سے صبر اختیار کرے اور یہ بھی سخت قسم کا صبر ہے اور شاید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے یہی بات مراد ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا۔ (۳) ان عمل کرنے والوں کا اجر کتنا اچھا ہے جنہوں نے صبر کیا۔

یعنی عمل کی تکمیل تک صبر کیا۔

تیسری حالت عمل سے فراغت کے بعد کی ہے کیوں کہ اب اس بات کی ضرورت ہے کہ اسے افشاء کرنے اور ریاکاری کے لیے ظاہر کرنے سے صبر کرے نیز اس عمل کو خود پسندی کی نظر سے دیکھنے اور ہر اس بات سے صبر کرے جو اس کے عمل کو باطل کر دیتی اور اس کے اثر کو مٹا دیتی ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ۔ (۴) اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔

اور جیسے ارشاد فرمایا۔

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى۔ (۵) اور اپنے صدقات کو احسان جتانے اور تکلیف دینے کے ذریعے باطل نہ کرو۔

تو جو شخص صدقہ دینے کے بعد احسان جتانے اور اذیت پہنچانے سے صبر نہیں کرتا اس نے اپنا عمل باطل کر دیا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ البینہ آیت ۵

(۲) قرآن مجید سورۂ ہود آیت ۱۱

(۳) قرآن مجید، سورۃ عنکبوت آیت ۵۸، ۵۹

(۴) قرآن مجید، سورۃ محمد آیت ۳۳

(۵) قرآن مجید سورہ بقرہ آیت ۲۶۴

marfat.com

عبادات فرض بھی ہیں اور نوافل بھی اور آدمی ان سب میں صبر کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اس میں جمع فرمادیا۔

ارشاد خداوندی ہے،

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ انصاف، احسان اور قریبی رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔

عدل فرض، احسان نفل اور قرابت داروں کو دینا مروت اور صلہ رحمی ہے اور یہ تمام امور صبر کے محتاج ہیں۔
دوسری قسم گناہوں پر مشتمل ہے اور ان پر صبر کرنے کی بھی بہت زیادہ حاجت ہے اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کے گناہوں کو اپنے اس ارشاد گرامی میں جمع فرمایا۔

وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ۔ (۲)

اور وہ (اللہ تعالیٰ) بے حیائی، برے کاموں اور سرکشی سے منع فرماتا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْمُھَاجِرُ مَنْ ھَجَرَ السُّوْءَ (۳) وَالْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ ھَوَاہُ۔ (۴)

مہاجر وہ ہے جو برائی کو ترک کردیتا ہے اور مجاہد وہ ہے جو اپنی خواہش سے لڑتا ہے۔

اور گناہ خواہش کے باعث کا تقاضا ہیں اور گناہوں سے سخت ترین صبر ان گناہوں سے صبر کرنا ہے جن سے عادت کے باعث الفت ہوگئی ہو کیوں کہ عادت پانچویں طبیعت ہے اور جب گناہوں کے ساتھ عادت مل جائے تو شیطان کے دو لشکر باہم مل کر اللہ تعالیٰ کے لشکر پر غالب آجاتے ہیں تو دینی باعث اس کے قلع قمع پر طاقت نہیں رکھتا۔
پھر اگر وہ کام ان کاموں میں سے ہو جن کا کرنا آسان ہوتا ہے تو اسے صبر کرنا نفس پر بہت گراں گزرتا ہے جیسے غیبت، جھوٹ، ریاکاری اور کنایتاً یا صراحتاً اپنی تعریف کرنا وغیرہ۔ اسی طرح مختلف قسم کے مذاق جو دلوں کو اذیت پہنچاتے ہیں اور ایسے کلمات جن سے دوسروں کی حقارت مقصود ہو۔ نیز مُردوں کا ذکر کرکے ان کی عیب جوئی کرنا یا ان کے علوم، سیرت اور مناصب پر انگشت نمائی کرنا کیوں کہ یہ باتیں ظاہری طور پر غیبت ہیں اور باطنی طور پر اپنی تعریف کرنا ہے تو نفس کے لیے دو خواہشیں ہیں ان میں سے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النحل آیت ۹۰
(۲) قرآن مجید، سورۃ النحل آیت ۹۰
(۳) مسند امام احمد بن حنبل ۲ ص ۲۰۶ مرویات فضالہ بن عبید۔
(۴) کنز العمال جلد ۴ ص ۳۰۴ حدیث ۱۱۲۶۲

marfat.com

ایک، دوسروں کی نفی کرنا اور دوسری خواہش اپنے آپ کو (اچھا) ثابت کرنا ہے اور اس سے وہ جذبۂ ربوبیت مکمل ہوتا ہے جو اس کی فطرت میں ہے اور یہ اس عبودیت کی ضد ہے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے نیز اس میں دو شہوتیں جمع ہونے زبان کی حرکت آسان ہونے اور محاورات میں اس کے عادت بن جانے سے ان امور سے صبر کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور یہ سب سے بڑی ہلاکت خیز بات ہے حتیٰ کہ دلوں سے اس کا انکار اور اسے قبیح قرار دینے کا خیال باطل ہو جاتا ہے کیوں کہ ان امور کا تکرار زیادہ ہوتا ہے اور ان سے اُنس بھی زیادہ ہوتا ہے مثلاً تم کسی انسان کو ریشمی لباس پہنے ہوئے دیکھتے ہو تو اسے بہت ہی ناپسند کرتے ہو لیکن وہ تمام دن لوگوں کو برا بھلا کہتا رہے تو اسے برا نہیں کہتے (۱) حالانکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ غیبت، زنا سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے اور جو شخص گفتگو میں اپنی زبان کو کنٹرول نہ کر سکے اور اس سے صبر کرنے پر قادر نہ ہو تو اس پر گوشہ نشینی لازم ہے تاکہ کوئی اس سے گفتگو نہ کرے کیوں کہ میل جول کی صورت میں خاموشی سے صبر کرنا تنہائی اختیار کرنے پر صبر کرنے سے زیادہ آسان ہے اور گناہوں کی انفرادی صورت میں صبر کی شدت مختلف ہو جاتی ہے کیونکہ ان گناہوں کے داعی شدت و ضعف کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔

اسی طرح وسوسوں کے ساتھ دلوں کی حرکت زبان کی حرکت سے آسان ہے کیوں کہ دل کی گفتگو تو تنہائی میں بھی باقی رہتی ہے اور اس سے صبر کرنا بالکل ممکن نہیں ہے ہاں دل پر کوئی دوسرا دینی غم غالب ہو جائے جو اس کو اس طرف متوجہ کر دے جیسے کسی شخص کے تمام غم ایک ہی غم بن جائیں ورنہ جب تک فکر کو کسی معین بات کی طرف متوجہ نہیں کرے گا وسوسوں کا اس سے ختم ہونا ممکن نہ ہوگا۔

دوسری قسم:

وہ افعال جن کا آنا اختیار میں نہ ہو لیکن ان کو دور کرنا اختیار میں ہو۔ جیسے کسی شخص کو کسی فعل یا عمل کے ذریعے اذیت دی جائے اور اسے مالی یا جانی نقصان پہنچایا جائے تو بعض اوقات اس پر صبر کرنا اور بدلہ نہ لینا واجب ہوتا ہے اور بعض اوقات صرف فضیلت کا باعث ہوتا ہے (واجب نہیں ہوتا) بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا ہم کسی مومن کے ایمان کو ایمان شمار نہیں کرتے تھے جب تک وہ اذیت پر صبر نہ کرتا اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۔ (۲)

اور ہم ضرور بضرور اس اذیت پر صبر کریں گے جو تم نے ہمیں پہنچائی اور توکل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہیے۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۹۱ کتاب الادب

(۲) قرآن مجید، سورۃ ابراہیم آیت ۱۲

marfat.com

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال تقسیم فرمایا تو کسی مسلمان اعرابی نے کہا کہ اس تقسیم سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دی گئی تو آپ کے رخسار مبارک سرخ ہو گئے۔
پھر آپ نے فرمایا۔

یَرْحَمُ اللّٰہُ اَخِیْ مُوْسٰی لَقَدْ اُوْذِیَ بِاَکْثَرَ مِنْ ھٰذَا فَصَبَرَ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ میرے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے بے شک ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی لیکن انہوں نے صبر کیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَدَعْ اَذٰھُمْ وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ۔ (۲)

اور ان کی اذیت کو نظر انداز کریں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاھْجُرْھُمْ ھَجْرًا جَمِیْلًا۔ (۳)

اور ان کی باتوں پر صبر کریں اور ان کو اچھی طرح چھوڑ دیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ۔

(۴)

اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ آپ ان کی باتوں سے اپنے سینۂ مبارک میں تنگی محسوس کرتے ہیں پس آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کریں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا اَذًی کَثِیْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (۵)

اور تم ضرور بضرور ان اہل کتاب سے جو تم سے پہلے گزر گئے اور مشرکوں سے بے شمار اذیت ناک باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو یہ نہایت ہمت کے کاموں سے ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۴۸۳ کتاب الانبیاء
(۲) قرآن مجید، سورۂ احزاب آیت ۴۸
(۳) قرآن مجید، سورۂ مزمل آیت ۱۰
(۴) قرآن مجید، سورۂ الحجر آیت ۹۷
(۵) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۸۶

marfat.com

مطلب یہ ہے کہ بدلہ لینے سے صبر کرو اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی جو اپنے حقوق مثلاً قصاص وغیرہ معاف کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۔ (۱)

اور اگر تم بدلہ لو تو اتنی ہی تکلیف پہنچاؤ جتنی تمہیں پہنچی اور اور اگر تم صبر کرو تو یہ بات صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاَعْطِ مَنْ حَرَمَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ ۔

جو تم سے قطع تعلق کرے اس سے صلہ رحمی کرو جو تمہیں نہ دے اسے دو اور جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو۔

اور میں (امام غزالی رحمہ اللہ) نے انجیل میں دیکھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس سے پہلے تم سے کہا گیا کہ دانت کے بدلے دانت اور ناک کے بدلے ناک لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شر کا بدلہ شر سے نہ دو۔ بلکہ جو آدمی تمہارے دائیں رخسار پر مارے تو بایاں رخسار بھی اس کے سامنے کر دو۔ اور جو شخص تمہاری چادر لے لے اسے تہبند بھی دے دو اور جو آدمی تمہیں ایک میل تک اپنے ساتھ لے جانے پر مجبور کرے تم اس کے ساتھ دو میل چلو۔ تو یہ سب باتیں اذیت پر صبر کے زمرے میں آتی ہیں اور لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی اذیت پر صبر کرنا صبر کے اعلیٰ مراتب میں سے ہے کیوں کہ اس صورت میں باعث دینی کے مقابلے شہوت اور غضب دونوں کا باعث ہوتا ہے۔

تیسری قسم:

وہ اعمال جن کی ابتدا اور انتہا کچھ بھی بندے کے اختیار میں نہیں ہوتا جیسے مصیبتیں ہیں مثلاً رشتوں کا فوت ہو جانا، مالوں کا ہلاک ہو جانا، بیماری کی وجہ سے صحت کا زائل ہونا، بینائی کا چلا جانا اعضاء کا خراب ہونا اور اس طرح کی تمام آزمائشوں پر صبر کرنا اعلیٰ درجہ کا صبر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں قرآن پاک میں صبر کی تین صورتیں مذکور ہیں — (۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد فرائض کی ادائیگی پر صبر کرنا اور اس کے لیے تین سو درجات ہیں، (۲) جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اس سے صبر کرنا اس کے چھ سو درجات ہیں اور (۳) مصیبت پر پہلے صدمہ کے وقت صبر کرنا اس کے نو سو درجات ہیں اور اس درجہ کو باوجود فضائل کے دوسرے درجے پر فضیلت دی گئی حالانکہ وہ فرض ہے، کیوں کہ حرام سے اجتناب پر ہر مومن صبر کر لیتا ہے لیکن مصیبت پر صرف انبیاء کرام ہی صبر کر سکتے ہیں کیوں کہ صدیقین کا سرمایہ ہے یہ صبر نفس پر بہت گراں ہوتا ہے اسی لیے نبی اکرم

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النحل آیت ۱۲۶

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۴۸ مرویات عقبہ بن عامر

marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگی۔

اَسْئَالُكَ مِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ عَلَيَّ بِهٖ مَصَائِبُ الدُّنْيَا۔ (۱)

(یا اللہ!) میں تجھ سے اس یقین کا سوال کرتا ہوں جس کے ذریعے مجھ پر دنیا کے مصائب آسان ہو جائیں۔

تو یہ وہ صبر ہے جس کا منشا حسن یقین ہے۔

حضرت ابوسلیمان رحمہ اللہ نے فرمایا اللہ کی قسم! ہم اپنی پسندیدہ چیز پر صبر نہیں کر سکتے تو ناپسندیدہ بات پر کیسے صبر کریں گے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِذَا وَجَّهْتُ اِلٰى عَبْدٍ مِنْ عَبِيْدِىْ مُصِيْبَةً فِىْ بَدَنِهٖ اَوْ مَالِهٖ اَوْ وَلَدِهٖ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ ذٰلِكَ بِصَبْرٍ جَمِيْلٍ اسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنْ اَنْصِبَ لَهٗ مِيْزَانًا اَوْ اَنْشُرَ لَهٗ دِيْوَانًا۔ (۲)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جب میں اپنے کسی بندے کے بدن یا اس کے مال یا اس کی اولاد کی طرف کسی مصیبت کو متوجہ کرتا ہوں پھر وہ صبر جمیل کے ساتھ اس کا استقبال کرتا ہے تو قیامت کے دن مجھے اس سے حیا آئے گا کہ میں اس کے لیے میزان قائم کروں یا اس کا نامۂ اعمال کھولوں۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنْتِظَارُ الْفَرَجِ بِالصَّبْرِ عِبَادَةٌ۔ (۳)

صبر کے ساتھ کشادگی کا انتظار عبادت ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جب کسی بندے کو مصیبت پہنچے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم مطابق یہ کلمات کہے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ (۴)

(بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور ہم نے اسی کی لوٹنا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِىْ فِىْ مُصِيْبَتِىْ وَاَعْقِبْنِىْ خَيْرًا مِنْهَا۔ (۵)

یا اللہ! مجھے اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے اس سے بہتر عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔

---

(۱) جامع ترمذی ص ۵۰۴، ابواب الدعوات

(۲) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۳ ص ۱۷۲ حدیث ۴۴۵۹

(۳) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۴۸۲ کتاب الذکر

(۴) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱۵۶

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۳۰۹ مرویات ام سلمہ

marfat.com

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
ے جبریل علیہ السلام! جس کی دو کریم چیزیں (آنکھیں) لے لی جائیں اس کا بدلہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا اللہ! تو پاک ہے
یں اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کا بدلہ میرے گھر (جنت) میں ہمیشہ رہنا اور میری زیارت
رنا ہے۔ (۱)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جب میں اپنے بندے کو کسی آزمائش میں ڈالتا ہوں پھر وہ صبر کرتا ہے اور بیمار پرسی کرنے
والوں سے شکایت نہیں کرتا تو میں اسے پہلے سے بہتر گوشت اور اس کے خون سے بہتر خون عطا کرتا ہوں اور جب میں تندرست
کرتا ہوں تو اس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا اور اگر اسے وفات دوں تو اپنی رحمت عطا کرتا ہوں۔ (۲)

حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے میرے رب! جو آدمی تیری رضا کے حصول کے لیے مصیبتوں
پر صبر کرتا ہے اس پریشان اور غمگین آدمی کا بدلہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اس کا بدلہ یہ ہے کہ میں اسے ایمان کا لباس
پہناؤں گا اور اس سے کبھی بھی نہیں اتاروں گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا اللہ تعالیٰ کسی بندے پر انعام فرماتا ہے پھر اس سے وہ نعمت لے
لیتا ہے اور اس کے بدلے اسے صبر عطا کرتا ہے تو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمایا وہ اس سے بہتر ہے جو اس سے لے
لیا اور آپ نے یہ آیت پڑھی۔

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ (۳)	بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جاتا ہے۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ سے صبر کی حقیقت پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونا صبر ہے عرض کیا گیا
ہے؟ فرمایا جو آدمی راضی ہوتا ہے وہ اپنے مقام سے اوپر کی تمنا نہیں کرتا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت شبلی رحمہ اللہ بارستان کے قید خانے میں قید کئے گئے تو ان کے پاس ایک جماعت آئی انہوں
نے پوچھا تم کون ہو؟ ان لوگوں نے جواب دیا آپ سے محبت کرنے والے ہیں جو آپ کی ملاقات کے لیے آئے ہیں آپ
نے پتھر لے کر ان کو مارنا شروع کر دیا تو وہ بھاگنے لگے آپ نے فرمایا اگر تم میرے دوست ہوتے تو میری مصیبت پر صبر کرتے

---

۱) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۳۰۹ کتاب الجنائز
۲) سنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۳ ص ۳۷۵ کتاب الجنائز
۳) قرآن مجید سورۂ زمر آیت ۱۰

marfat.com

کسی بزرگ (عارف) کی جیب میں ایک رقعہ تھا وہ ہر وقت اسے نکال کر دیکھتے تھے اور اس میں لکھا تھا

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا۔ (۱)

اور اپنے رب کے حکم پر صبر کر بے شک تم ہمارے سا
ہو (ہماری حفاظت میں ہو)

کہا جاتا ہے کہ فتح موصلی کی بیوی پھسل گئیں تو ان کا ناخن ٹوٹ گیا وہ ہنس پڑیں پوچھا گیا کہ کیا تمہیں درد نہیں ہوتا؟ ا
کہا اس کے ثواب کی لذت نے میرے دل سے درد کی تلخی کو زائل کر دیا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرمایا کہ مومن کے تقویٰ پر تین باتوں سے استدلال
ہے (۱) جو کچھ نہیں ملا اس کے بارے میں اچھی طرح توکل کرنا (۲) جو کچھ حاصل ہوا اس کے سلسلے میں اچھی طرح راضی ہو
(۳) جو کھو گیا اس پر اچھی طرح صبر کرنا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مِنْ إِجْلَالِ اللهِ وَمَعْرِفَةِ حَقِّهِ أَنْ
لَّا تَشْكُوَ وَجَعَكَ وَلَا تَذْكُرَ مُصِيبَتَكَ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے حق کی معرفت کا تقاضا ہے
کہ تو اپنے درد کی شکایت نہ کرے اور نہ ہی اپنی مصیبت
کا تذکرہ کرے۔

ایک بزرگ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ باہر تشریف لائے اور ان کی آستین میں ایک تھیلی تھی پھر اسے تلا
کیا تو نہ ملی معلوم ہوا کہ وہ ان کی آستین سے چوری ہو گئی ہے۔ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص (چور) کو اس میں برکت ع
فرمائے ہو سکتا ہے اسے مجھ سے زیادہ ضرورت ہو۔

ایک بزرگ کے بارے میں منقول ہے وہ فرماتے ہیں میں حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت سالم رضی ا
عنہ کے پاس سے گزرا وہ شہیدوں کے درمیان تھی اور ابھی ان میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی میں نے کہا میں آپ کو پانی پلا
ہوں انہوں نے فرمایا مجھے تھوڑا سا دشمن کی طرف سرکا دو اور پانی میری ڈھال پر رکھ دو میں روزے سے ہوں اگر میں رات
تک زندہ رہا تو پی لوں گا۔

تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلنے والوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائشوں پر اس طرح صبر ہوتا تھا۔

سوال:

مصائب میں صبر کا درجہ کیسے پایا جا سکتا ہے جب کہ یہ بات بندے کے اختیار میں نہیں ہے اور وہ مجبور ہے مانے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ طور آیت ۴۸

(۲)

marfat.com

انکار کرے، تو اگر صبر سے مراد یہ ہے کہ اس کے دل میں مصیبت کی کراہت (ناپسندیدگی) نہ ہو تو یہ بات اختیار میں نہیں ہے۔

جواب:

جان لو کہ آدمی جب رونا پیٹنا ہے، گریبان پھاڑتا اور چہرے پر ضربیں لگاتا ہے، بہت زیادہ شکایت کرتا ہے رنج کو ظاہر کرتا ہے لباس، بچھونے اور کھانے میں تبدیلی کرتا ہے تو وہ صابرین کے مقام سے خارج ہو جاتا ہے اور یہ باتیں اس کے اختیار میں ہیں لہذا اسے ان سب سے بچنا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر رضا کا اظہار کرے نیز اپنی عادت پر برقرار ہے اور یہ عقیدہ رکھے کہ یہ چیز اس کے پاس امانت تھیں پس واپس لے لی گئی۔ جیسے ایک روایت میں حضرت ام سلیم رمیصاء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں میرا بیٹا فوت ہو گیا اور میرے خاوند حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے میں اٹھی اور گھر کے ایک کونے میں اس پر کپڑا ڈال دیا حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو میں نے اٹھ کر افطاری کا انتظام کیا وہ کھانا تناول فرما رہے تھے اور ساتھ ہی پوچھنے لگے بچے کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے اچھے حال میں ہے وہ جب سے بیمار ہوا اسے کسی رات بھی ایسا سکون نہیں ملا پھر میں نے ان کے لیے اپنے آپ کو اچھی طرح سنوارا حتیٰ کہ انہوں نے اپنی حاجت کو مجھ سے پورا کیا پھر میں نے کہا گیا آپ کو پڑوسیوں پر تعجب نہیں ہوتا؟ فرمایا ان کو کیا ہوا؟ میں نے کہا انہوں نے ایک چیز ادھار لی تھی جب ان سے واپس مانگی گئی تو وہ شور مچانے لگے فرمایا یہ تو انہوں نے برا کیا میں نے کہا آپ کا بیٹا بھی اللہ تعالیٰ کی امانت تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اٹھا لیا ہے اس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا پھر دوسرے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو واقعہ کی اطلاع دی آپ نے ان کے حق میں یوں دعا مانگی "اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَھُمَا فِیْ لَیْلَتِھِمَا" یا اللہ! ان کے رات کے عمل میں برکت عطا فرما۔

راوی کہتے ہیں میں نے اس کے بعد مسجد میں ان کے سات بیٹے دیکھے وہ سب کے سب قرآن پاک کے قاری تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ جنت میں داخل ہو رہا ہوں تو وہاں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ رمیصاء موجود ہیں۔

کہا گیا ہے صبر جمیل یہ ہے کہ مصیبت زدہ دوسروں سے پہچانا نہ جائے دل کا دکھ اور آنسو بہانا اسے صبر کرنے والوں کے درجہ سے باہر نہیں نکالتا کیوں کہ موت کی وجہ سے وہ (دکھ) تمام حاضرین کے لیے ایک جیسا ہے کیوں کہ یہ بات بشریت کا تقاضا ہے اور موت تک انسان کے ساتھ رہتی ہے اسی لیے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے عرض کیا گیا کہ کیا آپ ہمیں اس بات سے منع نہیں کرتے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ ھٰذِہٖ رَحْمَۃٌ یَرْحَمُ اللّٰہُ مِنْ بے شک یہ رحمت ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے

عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ۔ (۱) رحم کرنے والے بندوں پر رحم فرماتا ہے۔

بلکہ اس وجہ سے آدمی مقام رضا سے بھی نہیں نکلتا آدمی جب پچھنا لگواتا ہے تو اس سے پہلے وہ اس پر راضی ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اسے تکلیف ضرور ہوتی ہے اور بعض اوقات زیادہ درد کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ یہ بحث رضا کے بیان میں آئے گی ان شاء اللہ ابن بُجَیح نے بعض خلفاء کی تعزیت میں لکھا ہے کہ جو شخص اس بات کو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس سے لیا وہ اس کا حق تھا تو وہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا حق زیادہ جانے۔

جان لو جو کچھ گزر گیا وہ تمہارے لیے باقی ہے اور جو کچھ تمہارے بعد رہے گا اس میں تمہیں ثواب ملے گا اور یہ بات بھی جان لو کہ صبر کرنے والوں کا اجر اس مصیبت میں جو ان کو پہنچی ہے اس نعمت سے بڑھ کر ہے جو مصائب سے بچنے کی صورت میں ہوتی ہے کیوں کہ جب وہ غور و فکر کے ذریعے ملنے والی ثواب کی نعمت کے ذریعے نفس کی کراہت کو ٹال دیتا ہے تو صبر کرنے والوں کا درجہ پاتا ہے ہاں مرض، فقر اور تمام مصیبتوں کو پوشیدہ رکھنا کمال صبر سے ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ مصائب تکالیف اور صدقہ پوشیدہ رکھنا نیکی کے خزانوں میں سے ہے۔

ان تقسیمات سے تمہارے سامنے واضح ہو گیا کہ تمام احوال و افعال میں صبر پایا جاتا ہے جو شخص تمام خواہشات سے بچا یا گیا اس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اسے بھی اس گوشہ نشینی پر صبر کی حاجت ہوتی ہے یہ تو ظاہر میں ہے اور باطنی طور پر شیطانی وسوسوں سے صبر کرنا ضروری ہے کیونکہ دل کا خلجان سکون پذیر نہیں ہے اور زیادہ قلبی پریشانیاں ان فوت شدہ چیزوں پر ہوتی ہیں جن کا تدارک نہیں ہو سکتا یا آئندہ چیزوں کے بارے میں ہوتا ہے حالانکہ جو مقدر میں ہے وہ ضرور ملے گا بہر حال جو بھی صورت ہو وقت کو ضائع کرتا ہے اور بندے کا آلہ دل ہے اور اس کا سرمایہ اس کی زندگی ہے اگر دل ایک گھڑی بھی اس ذکر سے غافل ہو جو اللہ تعالیٰ سے اُنس کا فائدہ دیتا ہے یا وہ فکر جو معرفت خداوندی کے لیے مفید ہے تاکہ اس معرفت کے ذریعے محبت خداوندی حاصل ہو تو ایسا شخص نقصان میں ہے۔

یہ اس صورت میں ہے جب اس کا فکر اور وسوسے مباح (جائز) امور میں ہوں اور اکثر ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہ خواہشات کی تکمیل کے لیے مختلف حیلوں میں غور و فکر کرتا ہے کیوں کہ وہ عمر بھر اس آدمی سے جھگڑتا رہتا ہے جو اس کی غرض کے خلاف حرکت کرے یا جس کے بارے میں خدشہ ہو کہ وہ اس سے جھگڑے گا اور اس کی بات یا غرض کی مخالفت کرے گا بایں معنیٰ کہ اس سے کوئی علامت ظاہر ہوتی ہے بلکہ جو لوگ اس کے لیے مخلص ہوتے ہیں حتیٰ کہ بیوی بچے بھی، ان کو بھی مخالف فرض کرتا ہے پھر ان کو تنبیہ کرنے اور ان پر غصہ نکالنے اور ان کو جواب دینے کا طریقہ سوچتا ہے اور ہمیشہ اسی قسم میں مشغول رہتا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۲۲ کتاب العقیقۃ / حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۵۹، ۶۰ ترجمہ ۱۲۹

marfat.com

تو شیطان کے دو لشکر ہیں ایک لشکر اڑتا ہے اور دوسرا چلنے والا ہے وسوسے اڑنے والے لشکر کا نام ہے اور چلنے والے لشکر کی حرکت کو شہوت کہتے ہیں کیوں کہ شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور انسان کھنکھناتی مٹی سے جو ٹھیکری کی طرح ہے اور ٹھیکری میں گارے کے ساتھ آگ بھی جمع ہوتی ہے مٹی (گارے) کی طبیعت میں سکون ہے جب کہ آگ کی فطرت حرکت ہے اور ایسی آگ کا تصور نہیں کیا جا سکتا جو شعلہ زن نہ ہو بلکہ وہ اپنی فطرت کے مطابق ہمیشہ حرکت میں رہتی ہے وہ ملعون (شیطان) جسے آگ سے پیدا کیا گیا تھا اسے مٹی سے پیدا ہونے والے کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ اس کی حرکت رک جائے لیکن اس نے انکار کیا، تکبر اور نافرمانی کی اور اپنی اس نافرمانی کا سبب یوں بیان کیا۔

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ۔ (یا اللہ!) تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس (آدم علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا۔ (۱)

تو جب اس ملعون نے ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تو اس سے یہ امید بھی نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ آپ کی اولاد کو سجدہ کرے گا۔

اولادِ آدم کو شیطانی سجدے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے دلوں سے وسوسوں اور حرکات سے باز آجائے اور یہ ان کے سامنے جھکنا ہے کیوں کہ سجدے کی رُوح تو یہی ہے پیشانی کا زمین پر رکھنا سجدے کا جسم اور اصطلاحاً ظاہری علامت ہے اگر پیشانی کو زمین پر رکھنا اصطلاحاً گستاخی کی علامت سمجھا جاتا تو اس کا تصور بھی ہو سکتا تھا جیسے کسی قابلِ تعظیم و احترام شخص کے سامنے منہ کے بل گرنا عادتاً گستاخی سمجھی جاتی ہے۔

تو یہ بات مناسب نہیں کہ جوہر کا ظاہر تمہیں اصل جوہر سے، رُوح کا جسم، رُوح سے اور مغز کا چھلکا، مغز سے غافل کر دے ایسا نہ ہو کہ ظاہری دنیا کو دیکھ عالمِ غیب سے بے خبر ہو جائے اور یہ بات ثابت ہے کہ شیطان کو مہلت دی گئی ہے تو وہ قیامت تک ایسا نہیں کرے گا کہ تمہارے دل میں وسوسے ڈالنے سے باز رہ کر تمہارے لیے تواضع اختیار کرے ہاں جب تمہارے تمام افکار صرف ایک فکر میں بدل جائیں اور تمہارا دل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات میں مشغول ہو جائے تو اب اس لعنتی کی کوئی مجال نہ ہو گی اس وقت تُو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں میں سے ہو گا جو اس لعین کے غلبے سے مستثنیٰ لوگوں میں داخل ہیں۔

اور یہ خیال بھی نہیں ہونا چاہیے کہ فارغ دل شیطان سے خالی ہوتا ہے بلکہ وہ تو انسان میں خون کی طرح گردش کرتا ہے اور اس کا چلنا پیالے میں ہوا کے چلنے کی طرح ہے اگر تم چاہو کہ پیالے میں پانی وغیرہ کچھ بھی نہ ہو اور پھر بھی پیالہ ہوا سے خالی ہو تو یہ طمع غلط ہے بلکہ پیالے کا جتنا حصہ پانی سے خالی ہو گا اس میں لامحالہ ہوا داخل ہو گی اسی طرح وہ دل جو اہم دینی فکر میں مشغول ہو وہ شیطان کی جولانگاہ بننے سے محفوظ رہتا ہے ورنہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ایک لحظہ بھی غافل ہو اس کے لیے اس ایک لحظہ میں شیطان ساتھی ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا اور جو شخص میرے ذکر سے منہ پھیرتا ہے ہم اس کے لیے

فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ ۔ (۱)

ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں پس وہ اس کا ساتھی ہوتا ہے

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ یُبْغِضُ الشَّابَّ الْفَارِغَ ۔

بے شک اللہ تعالیٰ بے کار نوجوان کو ناپسند کرتا ہے۔

یہ اس لیے کہ جب کوئی نوجوان ایسا عمل نہ کرے جو اس کے دل کو ایسی بات میں مشغول کر دے جس کے ذریعے وہ اپنے دین پر مدد حاصل کرے تو اس کا ظاہر فارغ ہوگا لیکن اس کا دل فارغ نہ ہوگا بلکہ اس میں شیطان گھونسلا بنا کر انڈے دیتا اور بچے پیدا کرتا ہے پھر اس کے بچے جفتی کر کے دوبارہ انڈے دیتے ہیں اس طرح شیطان کی نسل حیوانات کی نسل سے جلدی بڑھتی ہے کیوں کہ اس کی سرشت میں آگ ہے اور جب آگ کے سامنے خشک گھاس آئے تو وہ خوب پھیلتی ہے اور آگ سے آگ نکلتی چلی جاتی ہے اور بجھتی نہیں۔ بلکہ تھوڑی تھوڑی بڑھتی جاتی ہے تو نوجوان کے نفس میں شہوت اسی طرح ہوتی ہے جیسے آگ کے لیے خشک گھاس ـــــ اور جس طرح آگ کا ایندھن باقی نہ رہے تو وہ بھی باقی نہیں رہتی اسی طرح شہوت نہ ہو تو شیطان کا عمل دخل بھی ختم ہو جاتا ہے۔

اور جب تم غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن شہوت ہے اور وہ تمہارے نفس کی صفت ہے۔ اسی لیے حضرت حسین بن منصور حلاج کو جب سولی پر چڑھایا گیا تو تصوف کے بارے میں پوچھا گیا انہوں نے جواب دیا یہ تمہارا نفس ہے اگر تم اسے مشغول نہیں رکھو گے تو وہ تمہیں مشغول کر دے گا۔

تو گویا صبر کی حقیقت اور اس کا کمال ہر مذموم حرکت سے صبر کرنا ہے اور باطنی حرکت سے صبر کرنا بدرجہ اولیٰ ضروری ہے اور یہ دائمی صبر ہے اسے صرف موت ہی ختم کر سکتی ہے ہم اللہ تعالیٰ کے احسان اور کرم کے باعث اس سے حسن توفیق کے طالب ہیں۔

فصل ۷ :

صبر کی دوا اور اس پر مدد

جان لو! جس ذات نے بیماری اتاری ہے اس نے علاج بھی اتارا اور شفاء کا وعدہ بھی کیا ہے اگرچہ صبر کا حاصل کرنا بہت مشکل ہے لیکن علم و عمل کے معجون سے اسے حاصل کیا جا سکتا ہے علم اور عمل دو ایسی چیزیں ہیں جن سے تمام قلبی بیماریوں کی دوائی تیار ہوتی ہے لیکن ہر بیماری کے لیے جداگانہ علم اور عمل ہے اور جس طرح صبر کی مختلف اقسام ہیں اسی طرح اس کے راستے میں رکاوٹ بننے والی علتیں بھی مختلف ہیں اور جب بیماریاں مختلف ہوں تو علاج بھی مختلف ہوتا ہے، کیوں کہ علاج

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ زخرف آیت ۳۶

marfat.com

کا مٹنے بیماری کی ضد اور اس کا قلع قمع کرنا ہے یہ ایک طویل بحث ہے لیکن ہم بعض مثالوں کے ذریعے اس کی پہچان حاصل کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں۔

مثلاً ایک شخص جماع کی شہوت سے صبر کرلے کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور اس پر شہوت غالب ہے کہ وہ اپنی شرمگاہ کو قابو میں نہیں رکھ سکتا یا شرمگاہ پر کنٹرول کرلیتا ہے لیکن آنکھیں اس کے قابو میں نہیں ہیں یا آنکھیں بھی قابو میں ہیں لیکن دل اور نفس پر کنٹرول نہیں ہے کیوں کہ وہ اس سے مسلسل شہوت کے تقاضوں کا ذکر کرتا ہے اور ذکر و فکر اور اعمال صالحہ سے اس کی توجہ ہٹا دیتا ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ جیسے پہلے بیان ہوا صبر باعث دینی اور باعثِ شہوت کے درمیان کشتی کا نام ہے ہم ان میں سے جس کی جیت چاہتے ہیں اسے مضبوط کرتے ہیں اس کا پلڑا بھاری اور دوسرے کو کمزور کر دیا جاتا ہے تو یہاں ہم پر لازم ہے کہ دینی باعث کو مضبوط کریں اور باعثِ شہوت کو کمزور کر دیں اور اس کو کمزور کرنے کے تین طریقے ہیں۔

۱۔ ہم اس کی قوت کے مادہ کو دیکھیں اور وہ ایسی غذا ہے جو شہوت کو حرکت دیتی ہے۔

یعنی اچھی قسم کی غذا ہونے یا زیادہ ہونے کے اعتبار سے شہوت پیدا کرتی ہے تو ضروری ہے کہ روزے کے ذریعے شہوت کو ختم کیا جائے اور افطاری کے وقت بھی تھوڑا اور معمولی قسم کا کھانا کھایا جائے گوشت اور ان کھانوں سے پرہیز کیا جائے جو شہوت کو ابھارتے ہیں۔

۲۔ فی الحال اسباب کو ختم کرنا ــ جب آدمی شہوت کے مقامات کو دیکھتا ہے تو وہ برانگیختہ ہوتی ہے کیوں کہ نظر، دل کو حرکت دیتی ہے اور دل شہوت کو متحرک کرتا ہے اور یہ فائدہ گوشہ نشینی اختیار کرنے اور شہوت پیدا کرنے والی تصاویر سے نظر کو بچانے اور مکمل طور پر ان سے علیحدگی اختیار کرنے سے حاصل ہوتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلنَّظْرَةُ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ۔ (۱)

نظر شیطان کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے۔

اور یہ وہ تیر ہے جسے شیطان ملعون پھینکتا ہے اور اس کو روکنے والی کوئی ڈھال نہیں ہوتی البتہ یہ کہ آنکھیں بند کی جائیں یا جس طرف سے تیر آرہا ہے آدمی ادھر سے بھاگ جائے وہ صورتوں کی کمان سے یہ تیر پھینکتا ہے تو جب آدمی ان صورتوں کی جانب سے ہٹ جائے گا تو اسے یہ تیر نہیں لگے گا۔

۳۔ جس بات کی خواہش ہے اس کی جنس سے مباح چیز کے ذریعے نفس کو تسلی دے اور یہ نکاح کے ذریعے ہو سکتا ہے کیوں کہ طبیعت جس چیز کی خواہش رکھتی ہے اس کی جنس سے مباح موجود ہوتی ہے جو ممنوعات سے بے نیاز کر دیتی ہے عام لوگوں کے حق میں یہ علاج زیادہ نفع بخش ہے کیوں کہ غذا کا چھوڑنا تمام اعمال سے کمزور کر دیتا ہے پھر عام لوگوں کے

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۶۲ کتاب الادب

marfat.com

حق میں شہوت ختم نہیں ہوتی اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

عَلَیْکُمْ بِالْبَاءَۃِ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَعَلَیْہِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّ الصَّوْمَ لَہٗ وِجَاءٌ۔ (۱)

تم پر نکاح کرنا لازم ہے پس جس کو اس کی طاقت نہ ہو اسے روزہ رکھنا لازم ہے کیوں کہ روزہ اس کے حق میں خصی ہوتا ہے۔

تو یہ تین اسباب ہیں پہلا علاج کھانا چھوڑنا ہے اور یہ اسی طرح ہے جس طرح سرکش جانور اور ایذا رساں کتے سے گھاس اور کھانا چھڑوا دیتے ہیں تاکہ وہ کمزور ہو اور اس کی قوت ختم ہو جائے اور دوسرا علاج کتے سے گوشت اور جانور سے جَو (کے دانے) غائب کرنا ہے تاکہ مشاہدہ کے سبب سے اس کے اندر حرکت پیدا نہ ہو۔ اور تیسرا علاج اس تھوڑی سی چیز کے ذریعے اسے تسلی دینا ہے جس کی طرف اس کی طبیعت مائل ہوتا کہ اس میں کچھ طاقت باقی ہو جس کے ذریعے وہ تادیب پر صبر کر سکے۔

دینی باعث کی تقویت کے دو طریقے ہیں۔ پہلا یہ کہ اسے مجاہدہ کے فوائد اور اس سے دینی و دنیوی ثمرات کی لالچ دینا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ان روایات میں غور و فکر کرے جو ہم نے صبر کی فضیلت اور دنیا اور آخرت میں اس کے انجام کے سلسلے میں ذکر کی ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مصیبت پر صبر کا ثواب فوت شدہ چیز پر صبر کے ثواب سے زیادہ ہے اور اسی وجہ سے مصیبت پر وہ قابل رشک ہوتا ہے کیوں کہ فوت ہونے والی چیز تو صرف زندگی میں اس کے پاس رہتی ہے لیکن جو کچھ حاصل ہوا وہ موت کے بعد بھی اس کے پاس رہے گا اور جو شخص خسیس چیز کے بدلے میں نفیس چیز کی بیع سلم کرتا ہے (۱) اسے خسیس چیز کے فی الحال فوت ہونے پر غمگین نہیں ہونا چاہیے۔

یہ بات معرفت سے متعلق ہے اور اس کا تعلق ایمان سے ہے وہ کبھی کمزور ہوتا ہے اور کبھی طاقت ور۔ اگر مضبوط ہو جائے تو باعثِ دینی مضبوط ہوتا ہے اور اس میں بہت جوش پیدا ہوتا ہے اور اگر وہ کمزور ہو تو باعثِ دینی کمزور ہو جاتا ہے اور ایمانی قوت کو یقین سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہی صبر کے ارادے کو حرکت دیتا ہے۔ اور لوگوں کو یقین اور صبر کی عزیمت کم ہی حاصل ہوتی ہے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اسے آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا کر کے خواہش کے باعث کو بچھاڑنے کا عادی بنائے یہاں تک کہ اسے اس (بچھاڑنے) کی کامیابی کی لذت حاصل ہو جائے اور وہ اس پر دلیر ہو جائے اور اسے بچھاڑنے کی طاقت زیادہ ہو کیونکہ سخت اعمال کا عادی ہونا اور ان کی مہارت ان قویٰ کو مضبوط کر دیتی ہے جن سے یہ اعمال صادر ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بوجھ اٹھانے والوں کا شتکاری کرنے والوں اور لڑنے والوں کی قوت زیادہ ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سخت کام

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۵۸ کتاب النکاح

(۲) بیع سلم اس سودے کو کہتے ہیں جس میں رقم پہلے دی جائے اور مال ادھار ہو ۱۲ ہزاروی

marfat.com

رنے والوں کو درزیوں، عطر بیچنے والوں، فقہاء اور صالحین کے مقابلے میں زیادہ طاقت حاصل ہوتی ہے۔

پہلا علاج تو ایسا ہے جیسے کسی پچھاڑنے والے پہلوان کو غالب آنے کی صورت میں خلعت دینے کا لالچ دیا جائے اور رح کے اعزاز کا وعدہ کیا جائے جس طرح فرعون نے جادوگروں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے ں جیت جاؤ گے تو تمہیں مقرب بنایا جائے گا۔ اس نے کہا۔

وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ۔ (۱) اور بے شک تم اس وقت مقرب لوگوں میں سے ہو گے۔

دوسرا علاج اس بات کی طرح ہے کہ جس بچے کو پہلوان یا مجاہد بنانا ہو اسے بچپن ہی سے اس عمل کے اسباب سے تعلق کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس عمل سے مانوس ہو اور اس پیشہ سے جرأت ہو اور اس کی قوت بڑھے تو جو شخص صبر کے ساتھ مجاہدے کو مکمل طور پر چھوڑ دے اس میں باعث دینی کمزور ہو جاتا ہے اور وہ شہوت پر قابو نہیں پا سکتا اگرچہ شہوت کم ہی کیوں نہ ہو ور جو آدمی اپنے نفس کو خواہش کی مخالفت کا عادی بناتا ہے وہ جب چاہے اس پر غالب آجاتا ہے۔

تو صبر کی تمام اقسام میں علاج کا منہاج یہی ہے اور اس کی تفصیل بیان کرنا ممکن نہیں۔ ان میں سے سب سے سخت، باطن کو فس کی باتوں سے روکنا ہے۔

اور یہ بات اس آدمی پر گراں ہوتی ہے جو اس کے لیے فارغ رہتا ہے مثلاً وہ ظاہری طور پر خواہشات کا قلع قمع کر دیتا ہے ر گوشہ نشینی کو ترجیح دیتا ہے وہ مراقبہ، ذکر اور فکر کے لیے بیٹھ جاتا ہے تو وسوسے اسے مسلسل ایک جانب سے دوسری انب کھینچتے ہیں اور اس بات کا علاج یہی ہے کہ تمام ظاہری و باطنی تعلقات کو توڑ دے اہل و اولاد، مال، جاہ و مرتبہ دوست باب سب سے بھاگے پھر معمولی سی غذا لے کر ایک کونے میں بیٹھ جائے اور اسی پر قناعت کرے۔

پھر یہ سب کچھ بھی اسی وقت ہو گا جب اس کا ایک ہی مقصد ہو اور وہ اللہ تعالیٰ (تک رسائی) ہے پھر جب یہ بات دل پر غالب جائے تو بھی اس وقت تک کفایت نہیں کرے گی جب تک وہ فکر کے میدان میں نہ جائے آسمانوں اور زمین کی سلطنتوں ں باطنی سیر نہ کرے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات اور معرفتِ خداوندی کے تمام دروازوں تک نہ چلا جائے حتیٰ کہ جب یہ ت اس کے دل پر غالب آئے گی تو اس سے شیطان کی کشش اور وسوسوں میں مشغولیت دُور ہو جائے گی۔

اور اگر اسے باطنی سیر حاصل نہ ہو تو نجات کا راستہ صرف یہ ہے کہ مسلسل اوراد و وظائف یعنی قرآن پاک کی قرأت، اذکار ور نمازوں میں مشغول رہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسے دل کی حاضری کی بھی حاجت ہو گی کیوں کہ باطنی فکر ہی دل کو مشغول رکھتا ہے ظاہری وظائف نہیں۔

پھر جب یہ سب کام کرے تو اس کے لیے تھوڑا سا وقت بچے گا کیوں کہ تمام اوقات میں کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آتا رہتا ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ شعراء آیت ۴۲

marfat.com

جو ذکر و فکر کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے مثلاً بیماری، خوف، انسانی ایذا اور ملنے والے کی نافرمانی وغیرہ کیونکہ اسے ضرور کچھ لوگ ایسے ملتے ہیں جو گناہوں کے بعض اسباب میں اس کی مدد کرتے ہیں۔ مشغولیت کی ایک قسم یہ ہے (جو ذکر کی گئی)

دوسری قسم میں وہ امور شامل ہیں جو پہلے سے بھی زیادہ ضروری ہیں یعنی کھانے لباس اور دیگر اسبابِ معیشت میں مشغول ہونا۔ کیوں کہ خود ان کاموں میں مشغول ہونا بھی دل کو مشغول رکھنے کا ایک ذریعہ ہے اور اگر دوسروں کو ان کاموں کا کفیل بنائے تو دل کا شغل ضرور اس پر غالب آئے گا لیکن تمام تعلقات منقطع کرنے کے بعد اکثر اوقات صحیح سالم بچتے ہیں بشرطیکہ اس دوران کوئی عارضہ پیش نہ آئے ان اوقات میں دل صاف ہوتا ہے اور اس کے لیے غور و فکر آسان ہو جاتا ہے جس کی بنا پر زمین و آسمان کی سلطنت میں پائے جانے والے اسرار خداوندی منکشف ہوتے ہیں جب کہ دل دنیوی تعلقات میں مشغول ہو تو ایک طویل عرصہ میں بھی ان کا سواں حصہ بھی منکشف نہیں ہوتا اور اس مقام تک عارف کا پہنچنا انتہائی درجہ تک پہنچتا ہے جو جد و جہد کے بغیر مشکل ہے۔

اور جس قدر انکشاف ہوتا ہے اور احوال و اعمال میں اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم حاصل ہوتا ہے وہ شکار کی طرح ہے اور اس کی مثال رزق جیسی ہے بعض اوقات تھوڑی سی کوشش سے بڑا شکار مل جاتا ہے اور کبھی طویل جد و جہد کے بعد معمولی حصہ ملتا ہے اس میں کوشش کا دخل نہیں ہوتا صرف کشش خداوندی پر اعتماد ہوتا ہے وہ ثقلین کے اعمال کے مقابل ہے اور یہ بندے کے اختیار میں نہیں ہے ہاں بندے کا یہ اختیار ضرور ہے کہ وہ اس کشش کے لیے تیاری کرے یعنی دل سے دنیا کی کشش کی باتوں کو نکال دے کیونکہ جسے اسفل السافلین (سب سے نچلے گڑھے) کی طرف کھینچا جاتا ہے وہ اعلیٰ علیین (بلند مقام) کی طرف نہیں جاتا۔ اور دنیا کے تمام رشتے اسی (اسفل السافلین) کی طرف کھینچتے ہیں لہٰذا ان تعلقات کو قطع کر دیا جائے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے آپ نے فرمایا۔

اِنَّ لِرَبِّكُمْ فِيْ اَيَّامِ دَهْرِكُمْ نَفَحَاتٌ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَهَا۔

بے شک تمہارے رب کے تمہارے زمانے کے لیے نفحات (جھونکے) ہیں ان کے سامنے ہو جاؤ۔

کیوں کہ ان نفحات اور جذبات الٰہیہ کے لیے کچھ آسمانی اسباب ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ۔ (۱)

اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

اور یہ (معرفت خداوندی) سب سے اعلیٰ رزق ہے اور آسمانی امور ہم سے غائب ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ کب اللہ تعالیٰ رزق کے اسباب آسان کرتا ہے ہمیں تو ان اسباب کے لیے جگہ فارغ رکھنا اور نزول رحمت کے لیے منتظر رہنا ہے نیز وقت

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الذاریات آیت ۲۲

marfat.com

سین کا انتظار کیا جائے جیسے کوئی شخص زمین کو ٹھیک کرتا ہے اور اسے جڑی بوٹیوں سے پاک کر کے اس میں بیج ڈالتا ہے
وران سب کے لیے بارش کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کے اسباب کے لیے کون سا وقت
مقرر کر رکھا ہے لیکن چوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کی امید رکھتا ہے کہ کوئی بھی سال بارش سے خالی نہیں ہوتا اسی
رح کوئی بھی سال یا مہینہ یا دن اللہ تعالیٰ کشش و جذبِ رحمانی سے خالی نہیں ہوتا تو بندے کو چاہیئے کہ وہ شہوتوں کی جڑی
ٹیوں سے دل کو پاک کرے اور اس میں ارادت و اخلاص کا بیج بو کر رحمت کی ہواؤں کے لئے پیش کر دے جس طرح موسم
ارش کی قوی انتظار ہوتی ہے اور بادل ظاہر ہوں تو بارش کا برسنا یقینی ہوتا ہے اسی طرح اوقاتِ شریفہ میں اور جب
مت اور قلوب کی مدد شامل ہو تو رحمت کی امید زیادہ ہوتی ہے مثلاً عرفہ کے دن، جمعۃ المبارک میں اور رمضان المبارک کے دنوں
ں قبولیت کی زیادہ توقع ہوتی ہے۔

کیوں کہ ہمتیں اور انفاس (سانس) اللہ تعالیٰ کے حکم سے نزول رحمت کے اسباب ہیں حتیٰ کہ ان کے طفیل قحط سالی میں بھی
ارش برس جاتی ہے اور مکاشفات اور لطائفِ معارف جو ملکوت کے خزانوں میں سے ہیں ان کو پانی کے قطرات سے زیادہ مناسبت
ہے جب پہاڑوں اور سمندروں کے کناروں سے بادل اٹھتے ہیں بلکہ احوال اور مکاشفات تو تیرے پاس دل میں حاضر ہیں لیکن
نواہشات وغیرہ کے ذریعے ان سے روگردان ہے اور یہ بات تمہارے اور ان مکاشفات کے درمیان حجاب ہے پس
م اس بات کے محتاج ہو کہ شہوت کو توڑو اور پردہ اٹھاؤ تو دل کے اندر سے انوار معارف روشن ہوتے ہیں زمین کو کھود کر اس
سے پانی نکالنا دور سے اور بالخصوص پست جگہ سے لانے کی نسبت زیادہ آسان ہے۔

اور چوں کہ معارف ایمانی دل میں موجود ہوتے ہیں اور کسی مشغولیت کی نسبت بھولے ہوئے ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے
ام ایمانی معارف کو تذکر (یاد) سے تعبیر کیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (۱) بے شک ہم نے ذکر اتارا اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا۔

وَلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (۲) اور چاہیے کہ عقلمند لوگ نصیحت حاصل کریں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ اور ہم نے ذکر کے لیے قرآن پاک کو آسان کیا تو کیا کوئی ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حجر آیت ۹
(۲) قرآن مجید، سورۂ ابراہیم آیت ۵۲

marfat.com

مِنْ مُدَّكِرٍ۔ (۱)
جو یاد کرے۔

تو وسوسوں اور قلبی مشاغل سے صبر کا یہ علاج ہے اور یہ صبر کا آخری درجہ ہے اور تمام قلبی رکاوٹوں سے صبر دل کے خیالات سے صبر کے مقابلے میں مقدم ہے حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں دنیا سے آخرت کی سیر مومن کے لیے آسان ہے اور حق کی محبت میں مخلوق کو چھوڑنا مشکل ہے نفس سے اللہ تعالیٰ کی طرف جانا سخت مشکل ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ صبر اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔

تو آپ نے پہلے قلبی مشاغل سے صبر کی شدت کا ذکر کیا پھر مخلوق کو چھوڑنے کی شدت بیان فرمائی اور نفس پر سب سے زیادہ سخت رکاوٹ مخلوق سے تعلق اور جاہ و مرتبہ کی محبت ہے کیوں کہ ریاست و حکومت کی لذت، غلبہ، بلندی کی طلب اور دوسروں کو اپنا متبع بنانا عقل مند لوگوں کے نفسوں پر سب سے زیادہ غالب آنے والی لذت ہے اور کیسے یہ سب سے زیادہ غالب لذت نہ ہو گی جب کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یعنی ربوبیت مطلوب ہوتی ہے اور ربوبیت فطری طور پر دل کو محبوب اور مطلوب ہوتی ہے کیوں کہ اس میں امورِ ربوبیت سے مناسبت ہوتی ہے اسی سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے۔

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ (۱)
آپ فرما دیجئے کہ رُوح میرے رب کے حکم سے ہے۔

اور اس (ربوبیت) کی محبت پر دل قابلِ مذمت نہیں ہے بلکہ مذمت تو اس غلط طریقے کی ہے جو شیطانی دھوکے کی وجہ سے واقع ہوتی ہے اور وہ اسے عالم امر سے دُور کر دیتا ہے کیوں کہ وہ اسی وجہ سے حسد کرتا ہے کہ یہ دل عالم امر سے ہے پس وہ اسے گمراہ کرتا اور بھٹکاتا ہے اور طلب ربوبیت کیسے قابل مذمت ہو گی یہ تو اخروی سعادت کی طلب ہے کیوں کہ اس کا مطلب ایسی بقا کی طلب ہے جس میں فنا نہ ہو ایسی عزت جس میں ذلت نہ ہو، امن جس میں خوف نہ ہو، غنا جس میں فقر نہ ہو اور ایسا کمال جس میں نقصان نہ ہو۔ —— اور یہ تمام باتیں ربوبیت کے اوصاف میں سے ہیں اور ان اوصاف کی طلب ممنوع نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا حق ہے کہ وہ ایسی بادشاہی طلب کرے جس کی انتہا نہ ہو اور جو آدمی بادشاہی کا طالب ہوتا ہے وہ بلندی، عزت اور کمال کی طلب ضرور کرتا ہے لیکن حکومت دو قسم کی ہوتی ہے ایک وہ جو طرح طرح کی تکلیفوں سے بھرپور ہوتی ہے اور جلد ختم ہو جاتی ہے لیکن اس کا حصول فوری ہوتا ہے اور یہ دنیا میں ہے۔ اور دوسری حکومت یا سلطنت دائمی ہے اس میں کوئی تکلیف یا کدورت نہیں ہے اور نہ ہی اسے کوئی چیز ختم کر سکتی لیکن وہ فوری طور پر حاصل نہیں ہوتی اور انسان کی فطرت میں عجلت رکھی گئی ہے وہ فوری ملنے والی چیز میں رغبت رکھتا ہے لہٰذا شیطان آ کر اسے اس جلدی کے واسطے سے جو اس کی فطرت میں ہے، گمراہ کر دیتا ہے اور موجودہ سلطنت کو اس کے لیے مزین کر دیتا ہے اور اس کی بیوقوفی

---

(۱) قرآن مجید سورۃ القمر آیت ۱۷
(۲) قرآن مجید، سورۃ اسراء آیت ۸۵

marfat.com

کی وجہ سے اسے آخرت کے سلسلے میں دھوکہ دیتا ہے اور دنیوی بادشاہت کے ساتھ ساتھ اُخروی سلطنت کی توقع بھی اس کے دل میں ڈال دیتا ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

وَالْاَحْمَقُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ الْاَمَانِيَّ۔

اور بیوقوف وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہش کے پیچھے لے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر امیدیں رکھتا ہے۔

توتوفیق سے محروم شخص اس کے دھوکے میں پڑکر بقدر امکان دنیوی عزت اور حکومت کی طلب میں مشغول ہو جاتا ہے اور جس کو توفیق کی دولت نصیب ہوتی ہے وہ اس کے دھوکے کے جال میں نہیں پھنستا کیوں کہ وہ اس (شیطان لعین) کی گھاتوں سے خوب واقف ہے اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے لوگوں کا حال یوں بیان فرمایا۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ۔ (۱)

ہرگز نہیں! بلکہ تم فوری نفع کو پسند کرتے اور آخرت کو چھوڑتے ہو۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا۔ (۲)

بے شک یہ لوگ فوری نفع کو پسند کرتے ہیں اور بھاری دن کو اپنے پیچھے چھوڑتے ہیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ۔ (۳)

پس ان لوگوں سے منہ پھیر لیں جو ہمارے ذکر سے پھر جاتے ہیں اور صرف دنیا کا ارادہ کرتے ہیں ان کے علم کی پہنچ یہی ہے۔

اور جب شیطان کا مکر تمام مخلوق میں پھیل گیا تو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی طرف فرشتوں کو بھیجا اور ان کو بتایا گیا کہ دشمن مخلوق کو کس طرح ہلاک کرتا اور گمراہ کرتا ہے تو وہ مخلوق کو حقیقی سلطنت کی طرف بلانے اور مجازی حکومت کو چھوڑنے کی دعوت دینے لگے اور بتایا کہ دنیا فانی اور بے اصل ہے اس کے لیے دوام نہیں ہے تو انہوں نے یوں دعوت دی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلو تو تم زمین سے لگ جاتے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ القیامۃ آیت ۲۰

(۲) قرآن مجید، سورۃ الدھر آیت ۲۷

(۳) قرآن مجید، سورۃ النجم آیت ۲۹، ۳۰

marfat.com

اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ۔ (۱)

ہو کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے پس دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں تھوڑا ہے۔"

پس تورات، انجیل، زبور، قرآن پاک اور حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفے اور ہر وہ کتاب جو اتاری گئی ان سب کے اتارنے کا مقصد مخلوق کو ہمیشہ رہنے والی بادشاہی کی طرف دعوت دینا تھا مقصود یہی ہے کہ اس دنیا میں بھی بادشاہ رہیں اور آخرت میں بھی، دنیوی بادشاہی سے مراد اس میں زہد اختیار کرنا اور تھوڑے مال پر قناعت کرنا ہے اور آخرت کی بادشاہی اللہ تعالیٰ کے قرب کی وجہ سے ایسے بقا کا حصول ہے جس میں فنا نہ ہو اور ایسی عزت حاصل کرنا ہے جس میں ذلت نہ ہو اور آنکھوں کی ایسی ٹھنڈک جو اس عالم میں مخفی ہے کوئی بھی نفس اس کا علم نہیں رکھتا۔ شیطان دنیوی بادشاہی کی طرف بلاتا ہے کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ اس طرح وہ آخرت کی بادشاہی سے محروم ہوگا۔ اس لیے کہ دنیا اور آخرت دو سوتنیں ہیں اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ دنیا بھی اس کے پاس باقی نہیں رہے گی اگر دنیا باقی رہتی تو شیطان اس سے اس پر بھی حسد کرتا لیکن دنیا کی سلطنت جھگڑوں، خرابیوں اور تدبیروں کے سلسلے میں طویل پریشانیوں کی جگہ ہے تمام اسباب جاہ و مرتبہ کا یہی حال ہے پھر جب اسباب مکمل ہوتے ہیں اور سلامتی حاصل ہوتی ہے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ۔ (۲)

یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگھار لے لیا اور وہ مزین ہو گئی اور اس کے رہنے والوں نے خیال کیا کہ وہ اس پر قادر ہیں تو اس کے پاس ہمارا حکم رات یا دن کو آیا تو ہم نے اسے کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کر دیا گویا کل وہ تھی ہی نہیں۔

تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مثال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا

اور ان کے لیے دنیوی زندگی کی مثال بیان کیجیے کہ یہ اس پانی کی طرح ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا پس اس سے زمین کی سبزی مل گئی پس وہ چورہ چورہ ہو گئی جسے ہوائیں

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ توبہ آیت ۳۸

(۲) قرآن مجید، سورۃ یونس آیت ۲۴

marfat.com

تَذْرُوْهُ الرِّيَاحُ۔ (۱) سورہ کہف آیت نمبر ۴۵ اڑاتی ہیں۔

اور دنیا میں زہد جب موجودہ سلطنت ہے تو اس پر بھی شیطان نے حسد کیا اور اس سے انسان کو روکا اور زہد کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ اپنی خواہش اور غصے کو قابو میں رکھے اور یہ دونوں دینی باعث اور اشارۂ ایمان کے سامنے جھک جائیں۔ اور حقیقتاً بادشاہی یہی ہے کیوں کہ اس طرح آدمی آزاد ہوتا ہے اور جب اس پر شہوت کا غلبہ ہو تو وہ اپنی شرمگاہ پیٹ اور تمام اغراض کا غلام ہوتا ہے وہ جانوروں کی طرح مسخر ہوتا ہے اور مملوک ہوتا ہے جسے شہوت کی لگام کھینچتی ہے اور اس نے اسے گلے سے پکڑا ہوا ہوتا ہے اور وہ جہاں چاہتی ہے اسے لے جاتی ہے تو انسان کا دھوکہ کتنا بڑا ہے جب وہ شہوت کا غلام بن کر اپنے آپ کو مالک خیال کرتا ہے اور غلامی کو ربوبیت (مالکیت) تصور کرتا ہے تو اس قسم کا آدمی دنیا میں بھی اُلٹا چلتا ہے اور آخرت میں بھی اوندھا ہوگا اسی لیے کسی بادشاہ نے کسی زاہد سے کہا کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ انہوں نے فرمایا میں تم سے حاجت کا سوال کیسے کروں جب کہ میری حکومت تمہاری سلطنت سے بڑی ہے اس نے پوچھا وہ کیسے؟ انہوں نے فرمایا تم جس کے غلام ہو وہ میرا غلام ہے اس نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا تم شہوت، غضب، شرمگاہ اور پیٹ کے غلام ہو اور میں ان تمام کا مالک ہوں تو یہ سب میرے غلام ہیں تو یہ دنیوی بادشاہی ہے جو اُخروی بادشاہی کی طرف لے جاتی ہے پس جو لوگ شیطان کی دھوکہ دہی سے دھوکے میں ہیں وہ دنیا اور آخرت میں نقصان میں ہیں اور جن لوگوں کو صراط مستقیم پر سختی سے کار بند ہونے کی توفیق دی گئی وہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں کامیاب ہوئے اب جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ بادشاہی اور ربوبیت کا کیا مفہوم ہے نیز تسخیر اور غلامی کا کیا مطلب ہے اور اس میں غلطی کہاں واقع ہوتی ہے۔

نیز شیطان کس طرح اندھا کرتا اور دھوکہ دیتا ہے تو انسان کے لیے دنیوی سلطنت اور جاہ و مرتبے سے نکلنا اس سے اعراض کرنا اور اس کے فوت ہونے پر صبر کرنا آسان ہو گیا کیوں کہ وہ فوری حکومت کے چھوڑنے پر صبر کر کے آخرت میں ملنے والی حکومت کی امید رکھتا ہے۔

جس آدمی کو پہلے جاہ و مرتبہ سے انس ہو اور عادتاً اس کے اسباب سے تعلق مضبوط ہو جائے تو اسے علاج کے سلسلے میں محض علم اور کشف کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ عمل کو بھی ملائے اور اس کا عمل تین امور میں ہوتا ہے۔

۱۔ جاہ و مرتبہ کی جگہ سے بھاگے تاکہ اس کے اسباب کا مشاہدہ نہ کرے کیوں کہ اسباب کے ساتھ صبر کرنا مشکل ہو جاتا ہے جیسے وہ شخص جس پر شہوت کا غلبہ ہو وہ شہوت کو حرکت دینے والی تصاویر کے مشاہدہ سے بھاگتا ہے اور جس نے ایسا نہ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کی نعمت کی ناشکری کی ارشاد خداوندی ہے۔

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت

marfat.com

فِیھَا۔ (۱) کرتے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے نفس کو ان اعمال کا مکلف بنائے جو اس کی عادت کے خلاف ہیں پس تکلف کو عادت بنا دے تکلف کا لباس چھوڑ کر تواضع کا لباس اختیار کرے اسی طرح ہر صورت، حالت، فعل، رہائش، لباس، کھانے، اٹھنے بیٹھنے کے سلسلے میں جاہ و مرتبہ کے اعتبار سے جو عادت تھی اسے بدل ڈالے اور اسے چاہیئے کہ ان چیزوں کو ختم کر دے حتیٰ کہ جو باتیں پہلے بطور عادت پکی ہو چکی تھیں اب ان کے خلاف نئے امور عادت بن جائیں تو اسے علاج بالضد کہتے ہیں۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں نرمی اور تدریج کو ملحوظ رکھے اور یکدم انتہائی درجہ کی ذلت اختیار کرے کیوں کہ انسانی طبیعت میں نفرت و وحشت بھی ہوتی ہے اور وہ عادات کو تدریج سے ہی بدل سکتا ہے۔ پس بعض عادات کو چھوڑ دے اور بعض کے ذریعے نفس کو تسلی دے۔ پھر جب اس کا نفس ابتدائی طور پر ان بعض کے چھوڑنے پر قناعت کر لے تو ان میں سے بھی بعض کو چھوڑ دے یہاں تک کہ باقی عادات پر قناعت کرے اسی طرح کرتا رہے یہاں تک کہ وہ عادات جو اس میں جم چکی تھیں ان کا قلع قمع ہو جائے اسی تدریج کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں اشارہ ہے آپ نے فرمایا۔

اِنَّ ھٰذَا الدِّیْنَ مَتِیْنٌ فَاَوْغِلْ فِیْہِ بِرِفْقٍ وَلَا تُبَغِّضْ اِلٰی نَفْسِکَ عِبَادَۃَ اللّٰہِ فَاِنَّ الْمُنْبَتَّ لَا اَرْضًا قَطَعَ وَلَا ظَھْرًا اَبْقٰی۔ (۲)

بے شک یہ دین مضبوط ہے اس میں نرمی سے داخل ہو اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے متنفر نہ کرو۔

اور اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

لَا تُشَادُّوْا ھٰذَا الدِّیْنَ فَاِنَّ مَنْ یُّشَادَّ ہٖ یَغْلِبْہُ۔ (۳)

اس دین کا مقابلہ نہ کرو جو کوئی اس کا مقابلہ کرے گا اس پر یہ غالب آجائے گا۔

تو ہم نے وسوسوں، شہوت اور جاہ و مرتبہ سے صبر کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے اسے طرق مجاہدہ کے ان قوانین سے ملا لو جن کا ذکر ہم نے ریاضت نفس کے بیان میں کیا ہے اسے اپنا دستور بنا لو تاکہ تمہیں ان تمام اقسام میں جن کا ہم نے ذکر کیا صبر کا علاج معلوم ہو جائے۔ ایک ایک بات کو تفصیل سے بیان کرنا طویل بات ہے اور جو آدمی تدریج کا خیال رکھتا ہے صبر اسے ایسے مقام تک پہنچائے گا کہ اب اس کے لیے صبر چھوڑنا مشکل ہو جائے گا جیسے پہلے صبر کرنا مشکل تھا تو معاملہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۹۷

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۹۹ مرویات انس

(۳) التمہید لابن عبدالبر جلد اول ص ۱۹۵

marfat.com

پہلے کے برعکس ہو جائے گا اور وہ چیز جو پہلے محبوب تھی اب ناپسند ہو گی اور جو ناپسند تھی اب خوشگوار ہو جائے گی اور وہ اس سے صبر نہیں کر سکے گا اور یہ بات تجربے اور ذوق کے بغیر معلوم نہیں ہوتی اور عرف و عادت میں اس کی مثالیں ہیں مثلاً بچے کو ابتداً علم کے حصول پر مجبور کیا جاتا ہے اور اس کے لیے کھیل کو چھوڑنے اور علم حاصل کرنے پر صبر کرنا مشکل ہوتا ہے یہاں تک کہ جب اس کی بصیرت کھل جاتی ہے اور وہ علم سے مانوس ہو جاتا ہے تو معاملہ بدل جاتا ہے اب علم سے کنارہ کشی اور کھیل کود میں مشغولیت پر صبر کرنا مشکل ہو جاتا ہے بعض عارفین کی یہ حکایت اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ایک عارف نے حضرت شبلی رحمہ اللہ سے صبر کے بارے میں پوچھا کہ کونسا صبر زیادہ سخت ہے انہوں نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں صبر کرنا اس عارف کہا نہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے صبر کرنا اس نے کہا یہ بھی نہیں فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ صبر کرنا اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا پھر کونسا صبر زیادہ سخت ہے؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ سے صبر کرنا اس پر حضرت شبلی رحمہ اللہ نے ایک چیخ ماری قریب تھا کہ آپ کی روح پرواز کر جاتی۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا۔ (۱)

صبر کرو اور صبر میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرو۔

اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں صبر کرو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صبر کرو اور اس کے ساتھ رابطہ اور تعلق رکھو اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صبر بالداری ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ صبر وفا ہے اور اس سے صبر جفا (ظلم) ہے اور اس کے معنیٰ کے سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے۔

وَالصَّبْرُ عَنْكَ فَمَذْمُوْمٌ عَوَاقِبُهٗ وَالصَّبْرُ فِي الْاَشْيَاءِ مَحْمُوْدٌ۔

(اے اللہ!) تجھ سے صبر کا انجام مذموم ہے اور (دنیوی) اشیاء میں صبر محمود ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے۔

اَلصَّبْرُ يَجْمُلُ فِي الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا اِلَّا عَلَيْكَ فَاِنَّهٗ لَا يَجْمُلُ۔

صبر تمام مقامات پر اچھا ہے لیکن تجھ سے صبر اچھا نہیں ہے۔

صبر کے علوم اور اسرار کے سلسلے میں ہماری تشریح کا یہ آخر ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ آل عمران آیت ۲۰۰

marfat.com

دوسرا حصہ :

شکر کا بیان

ارکانِ شکر :

شکر کے تین ارکان ہیں۔

(۱) شکر کی فضیلت و حقیقت اور اقسام و احکام۔

(۲) نعمت کی حقیقت اور اس کی خاص و عام اقسام۔

(۳) شکر اور صبر میں سے افضل کونسی چیز ہے۔

پہلا رکن :

نفسِ شکر

شکر کی فضیلت

جان لو! اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں شکر کو ذکر کے ساتھ ملایا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (۱)

اور البتہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۔ (۲)

پس مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

اور ارشاد خداوندی ہے :

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ۔ (۳)

اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ۔

اور ارشاد خداوندی ہے :

وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ۔ (۴)

اور عنقریب ہم شکر کرنے والوں کو بدلہ دیں گے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ عنکبوت آیت ۴۵

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱۵۲

(۳) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۱۴۷

(۴) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۴۵

marfat.com

اور اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ (۱) (شیطان نے کہا) میں ضرور بضرور ان کے لیے تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا۔

کہا گیا ہے کہ اس سے شکر کا راستہ مراد ہے اور رتبۂ شکر کی بلندی کی وجہ سے اس لعین پر طعن کیا گیا شیطان نے کہا (اللہ تعالیٰ اس کا قول نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے)

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ۔ (۲) اور تُو ان میں سے اکثر کو شکر کرنے والا نہیں پائے گا۔

اصار شاد خداوندی ہے:

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ۔ (۳) اور میرے بندوں میں سے شکر کرنے والے کم ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ مزید نعمت کے حصول کو شکر کے ساتھ قطعی طور پر بیان کیا اور اس میں استثنا نہیں کی۔ ارشاد فرمایا۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔ (۴) اگر تم نے شکر کیا تو ہم تمہیں زیادہ دیں گے۔

حالانکہ پانچ دوسری نعمتوں کو استثنا (اگر چاہے) کے ساتھ بیان فرمایا۔ مالدار کرنے، دعا قبول کرنے، رزق، مغفرت اور توبہ میں استثنا فرمائی ارشاد خداوندی ہے۔

فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ۔ پس عنقریب وہ تمہیں اپنے فضل سے مالدار کر دے گا اگر چاہے۔ (۵)

اور ارشاد فرمایا:

فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ۔ پس وہ تم سے اس چیز کو دور کر دے گا جس کے لیے تم اسے پکارتے ہو۔ (۶)

اور ارشاد فرمایا۔

يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (۷) جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا فرماتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۱۶

(۲) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۱۷

(۳) قرآن مجید، سورۂ سبا آیت ۱۳

(۴) قرآن مجید، سورۂ ابراہیم آیت ۷

(۵) قرآن مجید، سورۂ توبہ آیت ۲۸

(۶) قرآن مجید، سورۂ انعام آیت ۴۱ (۷) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۱۲

marfat.com

اور ارشاد خداوندی ہے :

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ (۱)

اور اس (شرک) کے علاوہ جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ۔ (۲)

اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے توبہ قبول کرتا ہے۔

اور شکر اللہ تعالیٰ کے اخلاق میں سے ایک خُلق ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ۔ (۳)

اور اللہ تعالیٰ شکر کا بدلہ دینے والا بردبار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شکر کو اہلِ جنت کا ابتدائی کلام قرار دیا ارشاد فرمایا۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ۔ (۴)

اور وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا۔

اور فرمایا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ (۵)

اور ان کا آخری قول یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔

احادیث مبارکہ :

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَلطَّاعِمُ الشَّاكِرُ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ۔ (۶)

کھانا کھا کر شکر ادا کرنے والا صبر کرنے والے روزہ دار کی طرح ہے۔

حضرت عطا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے سب سے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۴۸

(۲) قرآن مجید، سورۂ توبہ آیت ۱۵

(۳) قرآن مجید، سورۂ تغابن آیت ۱۷

(۴) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۷۴

(۵) قرآن مجید، سورۂ یونس آیت ۱۰

(۶) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۳۴۳ مرویات سنان بن سنہ

marfat.com

تعجب خیز بتایئے جو آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھی ہو اس پر ام المومنین رو پڑیں اور فرمایا آپ کی کونسی بات عجیب نہ تھی ! آپ ایک رات تشریف لائے اور میرے ساتھ میرے بچھونے میں یا (فرمایا) میرے لحاف میں داخل ہوئے حتی کہ میرا جسم آپ کے جسم سے مل گیا پھر فرمایا اے ابوبکر کی بیٹی ! (رضی اللہ عنہا) مجھے اجازت دو کہ میں اپنے رب کی عبادت کروں فرماتی ہیں میں نے عرض کیا میں آپ کا قرب پسند کرتی ہوں لیکن آپ کی خواہش کو ترجیح دیتی ہوں چنانچہ ام المومنین نے آپ کو اجازت دے دی پھر آپ پانی کے ایک مشکیزے کی طرف اٹھے اور وضو فرمایا لیکن زیادہ پانی نہیں ڈالا پھر کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی اس کے بعد آپ رونے لگے حتی کہ آپ کے آنسو سینہ مبارک پر بہنے لگے پھر رکوع کیا اور روتے رہے پھر سجدہ کیا اور روتے رہے سجدے سے سر اٹھایا تو روتے ہوئے، آپ اسی طرح مسلسل روتے رہے حتی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر آپ کو نماز کی اطلاع کی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کیوں روتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اول و آخر خلاف اولیٰ باتوں سے بھی محفوظ رکھا۔

آپ نے فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں اور میں ایسا کیوں نہ کروں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمایا (۱)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (۲)

بے شک آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات اور دن کے بدلنے اور کشتی جو دریا میں لوگوں کے فائدے کے لیے چلتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسا کر اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور بادل جو آسمان و زمین کے درمیان قابو میں ہیں اس میں عقل مند لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

یہ اس بات پر دلالت ہے کہ رونا کبھی ختم نہیں ہونا چاہیے اور اس روایت میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک نبی علیہ السلام کسی پتھر کے پاس سے گزرے جس سے بہت سا پانی نکلتا تھا تو آپ اس سے متعجب ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے قوتِ گویائی عطا فرمائی تو اس نے کہا میں نے جب سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے۔

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔ (۳) اس (جہنم) کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

میں اس کے خوف سے روتا ہوں انہوں نے دعا مانگی کہ یا اللہ! اس کو جہنم سے بچا لے تو اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ فرمایا

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۲، ۳ کتاب قرآۃ القرآن

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱۶۴

(۳) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۴

marfat.com

پھر ایک مدت کے بعد اسی حالت میں دیکھا تو پوچھا اب کیوں روتے ہو؟ اس نے کہا وہ خوف کا رونا تھا اور یہ شکر اور خوشی کا رونا ہے اور بندے کا دل پتھر کی طرح ہے یا اس سے بھی زیادہ سخت اور جب تک وہ خوف اور شکر دونوں حالتوں میں نہ روئے اس کی سختی زائل نہیں ہوتی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے ارشاد فرمایا۔

يُنَادِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِيَقُمِ الْحَمَّادُونَ فَتَقُومُ زُمْرَةٌ فَيُنْصَبُ لَهُمْ لِوَاءٌ فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قِيلَ وَمَنِ الْحَمَّادُونَ؟ قَالَ "الَّذِينَ يَشْكُرُونَ اللّٰهَ تَعَالٰى عَلٰى كُلِّ حَالٍ"، وَفِي لَفْظٍ آخَرَ "الَّذِينَ يَشْكُرُونَ اللّٰهَ عَلَى السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ۔

قیامت کے دن آواز دی جائے گی کہ حمادون (تعریف کرنے والے) کھڑے ہو جائیں تو ایک جماعت کھڑی ہو گئی ان کے لیے جھنڈا قائم کیا جائے گا تو وہ جنت میں جائیں گے پوچھا گیا حمادون کون ہیں؟ فرمایا وہ لوگ جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور دوسری روایت میں ہے وہ لوگ جو خوشی اور سختی دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ (۱)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْحَمْدُ رِدَاءُ الرَّحْمٰنِ۔ (۲)

حمد، رحمٰن کی چادر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں اپنے دوستوں کے عمل کا بدلہ یوں دیتا ہوں کہ ان کی شکر کرنے پر راضی ہوتا ہوں (طویل گفتگو میں سے ایک حصہ ہے) اور اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کی صفت کے ضمن میں وحی فرمائی کہ ان کا گھر سلامتی کا گھر ہے جب وہ اس میں داخل ہوں گے تو میں ان کے دل میں شکر کا خیال ڈالوں گا اور وہ بہترین کلام ہے اور شکر کرنے پر انہیں زیادہ دوں گا اور وہ جس قدر زیادہ شکر کریں گے زیادہ دوں گا اور جب دفن شدہ خزانوں کے بارے میں حکم نازل ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ہم کونسا مال حاصل کریں؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لِيَتَّخِذْ أَحَدُكُمْ لِسَانًا ذَاكِرًا وَقَلْبًا شَاكِرًا۔ (۳)

چاہیے کہ ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل اختیار کرو۔

تو آپ نے مال کے بدلے شکر کرنے والے دل کے حصول کا حکم دیا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "شکر نصفِ ایمان ہے"

---

(۱) شعب الایمان جلد ۲ ص ۱۱ حدیث ۴، ۲۴

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۱۴ مرویات ابوہریرہ

(۳) المطالب العالیہ جلد ۳ ص ۱۴۱ حدیث ۳۱۰۲

marfat.com

فصل:

شکر کی تعریف اور حقیقت

جان لو! شکر، سالکین کے مقامات میں سے ایک مقام ہے اور اس میں بھی علم، حال اور عمل شامل ہیں علم اصل ہے جو حال کو جنم دیتا ہے اور حال سے عمل پیدا ہوتا ہے علم کا مطلب یہ ہے کہ نعمت کو منعم کی طرف سے سمجھا جائے حال انعامات سے حاصل ہونے والی خوشی کا نام ہے اور عمل اس بات پر قائم ہونے کا نام ہے جو مُنعِم کا مقصود و محبوب ہے اور اس عمل کا تعلق دل، اعضاء اور زبان سے ہوتا ہے اور ان تمام کا بیان ضروری ہے تاکہ اس کے مجموعہ سے شکر کی حقیقت کا احاطہ حاصل ہو کیونکہ شکر کی تعریف میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اس کے معانی کے کمال کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔

پہلا اصل یعنی علم تین امور کے علم پر مشتمل ہے ذات نعمت کا علم ہو، اس کے حق میں یہ نعمت کیوں ہے؛ اور منعم کی ذات کا علم ـــــ اور اس کی ان صفات کا علم جن کے ساتھ انعام کی تکمیل ہوتی ہے اور اس کی طرف سے اسے انعام کیا ہے کیوں کر نعمت، نعمت عطا کرنے والے اور جس کو نعمت دی گئی ان تینوں کا ہونا ضروری ہے جس کو نعمت ملتی ہے نعمت عطا کرنے والی ذات کے قصد و ارادے سے ملتی ہے۔ تو ان امور کی معرفت ضروری ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کے غیر کے حق میں ہے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے حق کا تعلق ہے تو اس کی تکمیل کے لیے اس بات کی پہچان بھی ضروری ہے کہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں اور وہی مُنعِم (حقیقی) ہے اور وسائل اس کی طرف سے مسخر ہیں اور یہ معرفت توحید و تقدیس (خداوندی) کے بعد ہے کیوں کہ تقدیس و توحید کا بھی ان میں دخل ہے بلکہ معارف ایمان میں پہلا مرتبہ تقدیس کا ہے پھر جب اس مقدس ذات کی پہچان حاصل ہو جائے اور وہ اس بات کو جان لے کہ (حقیقتاً) تقدیس کے لائق وہی ذات ہے اس کے علاوہ کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے اور یہی توحید ہے اس کے بعد سے جاننا چاہیئے کہ اس عالم میں جو کچھ موجود ہے وہ فقط اسی ذات واحد کی طرف سے ہے۔ تو سب کچھ اسی کی طرف سے ملنے والا انعام ہے پس یہ معرفت تیسرے مرتبہ میں حاصل ہوتی ہے اس لیے کہ اس درجہ میں توحید و تقدیس کے ساتھ کمالِ قدرت اور عمل کی انفرادیت بھی پائی جاتی ہے۔ اسی بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا۔

سُبْحَانَ اللهِ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَلَهُ عِشْرُوْنَ حَسَنَةً وَمَنْ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ فَلَهُ ثَلَاثُوْنَ حَسَنَةً۔ (۱)

جس نے "سبحان اللہ" پڑھا اس کے لیے دس نیکیاں ہیں جس نے "لا الہ الا اللہ" پڑھا اس کے لیے بیس نیکیاں ہیں اور جس نے "الحمد للہ" پڑھا اس کے لیے تیس نیکیاں ہیں۔

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۴۷۲ کتاب الذکر

marfat.com

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ (۱)

سب سے بہتر ذکر "لا الہ الا اللہ" ہے اور افضل دعا "الحمد للہ" ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

لَیْسَ شَیْءٌ مِنَ الْاَذْکَارِ یُضَاعِفُ مَا یُضَاعِفُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ (۲)

اذکار میں سے "الحمد للہ" (کا پڑھنا) جس قدر ثواب کو بڑھاتا ہے کوئی دوسرا ذکر نہیں بڑھاتا۔

تمہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ محض زبان کو حرکت دے کر یہ کلمات پڑھنا کافی ہے اور دل میں ان کے معانی کا حصول ضروری نہیں ہے "سبحان اللہ" ایسا کلمہ ہے جو تقدیس پر دلالت کرتا ہے "لا الہ الا اللہ" توحید پر دلالت کرتا ہے اور "الحمد للہ" اس بات کی معرفت پر دلالت کرتا ہے کہ نعمت واحد حق ذات کی طرف سے حاصل ہوئی ہے تو نیکیوں کا حصول ان معارف کے مقابلے میں ہوتا ہے جو ایمان اور یقین کے ابواب سے ہیں۔ اس معرفت کی تکمیل افعال میں شرک کی نفی کرتی ہے کیوں کہ جس شخص پر کوئی بادشاہ انعام کرے پس اگر وہ اس کے وزیر یا وکیل کا بھی اس میں دخل سمجھے تو یہ نعمت میں اس کے ساتھ شرک ہے وہ مکمل طور پر بادشاہ کی طرف سے نہیں سمجھتا بلکہ کچھ بادشاہ کی طرف سے اور کچھ وزیر وغیرہ کی طرف سے سمجھتا ہے اس لیے اس کی خوشی بھی ان دونوں پر تقسیم ہو جاتی ہے تو وہ صرف بادشاہ کا حق جاننے والا نہیں ہوتا۔ ہاں اگر یہ سمجھے کہ مجھے جو نعمت ملی ہے وہ بادشاہ کے دستخط سے مجھ تک پہنچی ہے تو اس سے بادشاہ کی انفرادیت میں فرق نہیں پڑے گا۔ اور نہ ہی کمالِ شکر میں کوئی نقصان ہوگا کیوں کہ وہ کاغذ اور حکم پر خوش نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کا شکریہ ادا کرتا ہے کیوں کہ اس میں ان دونوں کا ذاتی طور پر دخل نہیں ہاں اس اعتبار سے دخل ہے کہ وہ بادشاہ کی قوت کے سامنے مسخر ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس تک پہنچانے والا دلیل اور خزانچی بھی اس سلسلے میں بادشاہ کی طرف سے مجبور ہیں اگر یہ معاملہ وکیل کے اپنے اختیار میں ہوتا اور بادشاہ کی طرف سے کوئی ایسا حتمی حکم نہ ہوتا جس کی وجہ سے اسے اپنے انجام کا خوف ہو تو وہ اس تک کوئی چیز نہ پہنچاتا۔

تو اس صورت میں خازن کی طرف اس کی نظر اسی طرح ہے جس طرح کاغذ اور قلم کی طرف ہوتی ہے اور اس سے بادشاہ کی طرف نعمت کی نسبت کے سلسلے میں شرکت لازم نہیں آتی۔ اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے اور اسے اس کے افعال کی پہچان بھی ہو جاتی ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ سورج، چاند اور ستارے اس کے حکم کے تحت مسخر ہیں جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم کا معاملہ ہے اور حیوانات، جن کو کوئی اختیار حاصل ہوتا ہے وہ اپنے نفس کے تابع ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان پر

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۰۲ مرویات ابی ہریرہ

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۷۸، ابواب الادب

marfat.com

افعال کے دوائی (افعال کی طرف لے جانے والے) مسلط کئے ہیں تاکہ وہ عمل کریں اگر چاہیں یا انکار کر دیں جس طرح خزانچی جو بادشاہ کی اطاعت پر مجبور ہے اس کی مخالفت نہیں کر سکتا اور اگر بادشاہ اسے کھلی چھٹی دے دے تو وہ ایک ذرہ بھی نہ دے اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت کسی دوسرے شخص کے ہاتھوں سے تمہارے پاس پہنچتی ہے تو وہ شخص بھی مجبور ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ارادے کو مسلط کر دیا اور اسباب کو جمع کر دیا اور اس کے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ دنیا و آخرت میں اس کے لیے یہی بہتر ہے کہ اس نے جو کچھ تجھے دینا ہے، دے دے اور اس کے بغیر اس کا فوری یا بعد کا مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اس عقیدے کی تخلیق فرما دی تو اس کے لیے اس کو چھوڑنے کا کوئی راستہ نہیں وہ اس صورت میں اپنی غرض کے لئے تمہیں دے رہا ہے تمہاری غرض کے لیے نہیں اگر اس میں اس کی اپنی غرض شامل نہ ہوتی تو تمہیں ہرگز نہ دیتا اور اگر اسے اس بات کا علم نہ ہوتا کہ اس کا نفع تجھے نفع پہنچانے میں ہے تو وہ تمہیں نفع نہ پہنچاتا۔ تو اس طرح وہ تمہارے نفع کے واسطے سے اپنا نفع طلب کرتا ہے اس لیے وہ انعام عطا کرنے والا نہیں ہے بلکہ اس نے تجھے ایک دوسری نعمت کے لیے وسیلہ بنایا اور وہ اس کی امید رکھتا ہے۔ جس ذات نے تمہیں نعمت عطا فرمائی ہے اسی نے اس شخص کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے اور اس کے دل میں ایسا اعتقاد اور ارادہ ڈالا ہے جس کے باعث وہ اس نعمت کو تم تک پہنچانے میں مجبور ہو گیا۔

اگر تم امور کو اس طریقے پر جانو گے تو گویا تم نے اللہ تعالیٰ کو بھی پہچان لیا اور اس کے فعل کو بھی اور تم موحد ہو گئے اور اس کے شکر پر قادر بھی۔ بلکہ تم محض اس معرفت کی وجہ سے شاکر شمار ہوئے اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا تھا "الٰہی! تو نے آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور کیا کیا عمل ہوا تو انہوں نے کیسے تیرا شکر ادا کیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جان لو کہ یہ سب کچھ میری طرف سے ہوا اور اس کی معرفت ہی شکر ہے تو اب ہم اسی صورت میں شکر ادا کر سکتے ہیں جب یہ بات جان لیں کہ سب کچھ اسی کی طرف سے ہے اور اگر اس کے سلسلے میں تمہیں کوئی شک ہو تو نہ تمہیں نعمت کی پہچان ہے اور نہ ہی مُنعم کی، اور اب تم صرف منعم پر خوش نہیں ہوتے بلکہ اس کے ساتھ اس کے غیر کو بھی شریک کر رہے ہو پس معرفت بالنقصان کے باعث فرحت و سرور کے سلسلے میں تیرا حال بھی ناقص ہے اور جب خوشی ناقص ہے تو تیرا عمل بھی ناقص ہو گا تو اس اصل (علم و معرفت) کا یہ بیان ہے۔

دوسرا اصل:

وہ حال ہے جو اصل معرفت سے حاصل ہوتا ہے اور یہ منعم کے ساتھ خوش ہونا اور اس کے ساتھ خشوع و خضوع کو قبیلہ کرنا ہے تو فی نفسہ یہ بھی شکر ہے جیسا کہ معرفت، شکر ہے لیکن یہ اسی وقت شکر قرار پاتا ہے جب اپنی شرط پر حاوی ہو اور اس کی شرط یہ ہے کہ تیری خوشی منعم کے ساتھ ہو نعمت یا عطائے نعمت کے ساتھ نہیں شاید اس بات کو سمجھنے سے تم قاصر ہو تو ہم اس سلسلے میں ایک مثال پیش کرتے ہیں ہم کہتے ہیں۔

marfat.com

ایک بادشاہ سفر پر جانے کا ارادہ کرتا ہے تو کسی آدمی کو ایک گھوڑا دیتا تو اس صورت میں انعام یافتہ آدمی کی خوشی کی تین وجہ ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ صرف اس کے گھوڑا ہونے وجہ سے خوش ہو کہ وہ نفع بخش مال ہے سواری ہے جو اس کی غرض کے موافق ہے نیز وہ نہایت عمدہ گھوڑا ہے اس قسم کی خوشی کا بادشاہ سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس کی غرض فقط گھوڑا ہے۔ اگر وہ اسے کسی جنگل میں پاتا تو بھی اسی طرح خوش ہوتا دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ محض اس کے گھوڑا ہونے کی وجہ سے خوش نہیں ہوتا بلکہ اس سے وہ اس کو بادشاہ کی عنایت اور اس کی شفقت سمجھ کر خوش ہوتا ہے اور اسی پہلو کا خیال رکھتا ہے حتی کہ اگر اسے یہ گھوڑا کسی صحرا سے ملا ہو یا بادشاہ کے غیر نے دیا ہو تو وہ اس پر بالکل خوش نہیں ہوتا کیوں کہ اسے گھوڑے کی بالکل ضرورت نہیں یا وہ اسے اس لیے حقیر سمجھتا ہے کہ اس کا مقصود تو بادشاہ کے دل میں اپنی جگہ بنانا تھا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ اس لیے خوش ہوتا ہے کہ اس پر سوار ہو کر بادشاہ کی خدمت کے لیے جائے گا اور سفر کی مشقت برداشت کرتا ہے تاکہ اس کی خدمت کے ذریعے مقامِ قرب حاصل کرے اور بعض اوقات وہ وزارت کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے یعنی وہ صرف اس بات پر قناعت نہیں کرتا کہ بادشاہ کے دل اس کے لیے جگہ ہے اور اس نے اسے گھوڑا دیا ہے اور یہ کہ بادشاہ جس کو جو کچھ دے وہ میرے واسطے سے دے۔ پھر وزارت کے حصول سے بھی اس کا مقصد وزارت نہیں ہوتی بلکہ بادشاہ کا مشاہدہ اور اس کا قرب حاصل کرنا ہوتا ہے حتی کہ اگر اسے قربِ بادشاہ اور وزارت کے درمیان اختیار دیا جائے تو وہ قرب کو اختیار کرتا ہے۔

تو یہ تین درجے ہیں پہلے درجہ میں شکر کا معنیٰ بالکل داخل نہیں ہوتا کیوں کہ اس شخص کی نظر گھوڑے تک محدود ہوتی ہے اور اس کی خوشی کا تعلق گھوڑے سے ہوتا ہے دینے والے سے نہیں اور یہی حال ہر اس شخص کا ہوتا ہے جو نعمت پر اس لیے خوش ہوتا ہے کہ وہ لذیذ ہے اور اس کی غرض کے موافق ہے تو یہ شکر کے معنیٰ سے بعید ہے۔

دوسرا درجہ شکر کے مفہوم میں داخل ہوتا ہے کیوں کہ وہ شخص نعمت دینے والے کی وجہ سے خوش ہوتا ہے لیکن محض اس کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی عنایت کی معرفت کی وجہ سے جو اسے مستقبل میں انعام پر برانگیختہ کرتی ہے اور یہ صالحین کا حال ہے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف اور ثواب کی امید پر اس کی عبادت کرتے اور شکر بجالاتے ہیں۔

مکمل شکر تیسری صورت میں ہوتا ہے وہ یہ کہ بندے کی خوشی اللہ تعالیٰ کی نعمت کے ساتھ ہو اس اعتبار سے کہ یہ قربِ خداوندی تک رسائی اس کی بارگاہ کی حاضری اور دائمی زیارت کا وسیلہ ہے یہی سب سے بڑا رتبہ ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ دنیا پر صرف اس لیے خوش ہوتا ہے کہ یہ آخرت کی کھیتی ہے اور اس پر مدد کرتی ہے اور وہ ہر اس نعمت پر غمگین ہوتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کرے اور اس کے راستے سے روک دے کیوں کہ وہ اس نعمت کا ارادہ اس لیے نہیں کرتا کہ وہ لذیذ ہے جیسے گھوڑے والا اس کے حصول پر اس لیے خوش نہیں ہوتا کہ وہ عمدہ اور تیز رفتار ہے بلکہ اسے اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ اس کے ذریعے اسے بادشاہ کی صحبت حاصل ہوتی ہے حتی کہ اسے دائمی مشاہدہ اور قربِ خداوندی کا

marfat.com

اعزاز حاصل ہوتا ہے اسی لیے حضرت شبلی رحمہ اللہ نے فرمایا شکر منعم کو دیکھنے کا نام ہے نعمت کو دیکھنے کا نہیں اور حضرت خواص رحمہ اللہ نے فرمایا عام لوگوں کا شکر کھانے، لباس اور مشروب پر ہوتا ہے جب کہ خاص لوگوں کا شکر قلبی واردات پر ہوتا ہے۔

اس درجے کا ادراک اس شخص کو نہیں ہوتا جس کے نزدیک لذات کا تعلق پیٹ، شرمگاہ اور حواس کے مدرکات مثلاً رنگ اور آوازوں وغیرہ سے ہو اور وہ قلبی لذت سے خالی ہو کیوں کہ دل حالتِ صحت میں ذکر خداوندی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت و ملاقات کے سوا کسی چیز سے لذت نہیں پاتا دل کو دوسری چیزوں سے لذت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ بری عادات کی۔ بیماری میں مبتلا ہو جس طرح بعض لوگ کیچڑ کھانے سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور جیسے بعض بیمار میٹھی چیزوں سے منہ بناتے اور کڑوی چیزوں کو میٹھا سمجھتے ہیں جیسے کہا گیا ہے۔

وَمَنْ يَكُنْ ذَا فَمٍ مُرٍّ مَرِيْضٍ يَجِدْ مُرًّا بِهِ الْمَاءَ الزُّلَالَا۔

اور جو شخص بیمار ہو اور اس کے منہ میں کڑواہٹ ہو تو وہ اس کی وجہ سے میٹھے پانی کو بھی کڑوا پاتا ہے۔

تو اب اللہ تعالیٰ کی نعمت پر خوشی کی یہ شرط ہے پس اگر اونٹ نہ مل سکے تو بکری ہی کافی ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو دوسرا درجہ اپنانا چاہیئے پہلا درجہ تو ہر حساب سے خالی ہے ایک شخص بادشاہ کا ارادہ گھوڑے کے لیے کرتا ہے اور دوسرا گھوڑے کا ارادہ بادشاہ تک رسائی کے لیے کرتا ہے تو ان دونوں میں کس قدر فرق ہے اور ان دونوں میں بھی کس قدر فرق ہے جن میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا ارادہ صرف اس لیے کرتا ہے کہ وہ اسے انعام عطا فرمائے اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی نعمت اس لئے چاہتا ہے کہ اس کے ذریعے اسے قربِ خداوندی حاصل ہو۔

تیسرا اصل:

اس خوشی کے مطابق عمل کرنا ہے جو منعم کی معرفت سے حاصل ہوتی ہے اور یہ عمل دل، زبان اور اعضاء سے تعلق رکھتا ہے۔ جہاں تک دل کا تعلق ہے تو اس کا عمل بھلائی کا ارادہ اور تمام لوگوں کے لیے اس ارادۂ خیر کو مخفی رکھنا ہے زبان کا عمل اللہ تعالیٰ کے لیے شکر کا اظہار ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد کرے جو اس شکر پر دلالت کرتی ہے اور اعضاء کا عمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اس کی اطاعت کے لیے استعمال کرے اور گناہوں پر مدد حاصل کرنے سے بچے حتیٰ کہ آنکھوں کا شکریہ ہے کہ کسی مسلمان کا عیب دیکھے تو اس پر پردہ ڈالے کانوں کا شکریہ ہے کہ جو عیب سنے اس پر پردہ ڈالے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا اعضاء سے شکر ادا کرنے میں یہ باتیں داخل ہیں زبان سے شکر ادا کرنا ایسے کلمات ادا کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہونے پر دلالت کرتے ہوں اور اس بات کا اسے حکم دیا گیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے پوچھا تم نے صبح کیسے کی؟ اس نے عرض کیا بھلائی کے ساتھ، آپ نے دوبارہ سوال کیا حتیٰ کہ اس نے تیسری مرتبہ کہا بھلائی کے ساتھ (صبح کی) میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا اور اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔

marfat.com

(اَحْمَدُ اللّٰہَ وَاَشْکُرُہٗ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے یہی بات چاہتا تھا۔

پہلے بزرگ ایک دوسرے سے خیریت کا سوال اس مقصد کے تحت کرتے تھے کہ دوسرے سے اللہ تعالیٰ کے شکر کا اظہار کرائیں تاکہ وہ تشکر کرنے والا مطیع ہو اور جس نے یہ کلمات کہلوائے وہ بھی اطاعت گزار قرار پائے، وہ اظہار شوق کے ذریعے ریا کاری کا ارادہ نہیں کرتے تھے۔

جس شخص سے اس کا حال پوچھا جائے وہ شکر کا اظہار کرتا ہے یا شکایت کرتا ہے یا خاموش رہتا ہے تو شکر ادا کرنا اطاعت ہے جب کہ شکوہ کرنا نافرمانی ہے جو اہل دین سے نہایت قبیح ہوتی ہے اور جو تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور ہر چیز اس کے قبضہ میں ہے اس کا شکوہ ایسے بندوں سے کرنا کیسے قبیح نہ ہوگا جو کسی چیز پر قادر نہیں تو بندے کے لیے زیادہ مناسب بات یہی ہے کہ اگر وہ آزمائش اور قضا پر اچھی طرح صبر نہیں کر سکتا اور اس کی کمزوری شکوہ کی راہ دکھاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے کیوں کہ اسی نے آزمائش میں ڈالا اور وہی اس آزمائش کو زائل کرنے پر قادر ہے اور بندے کا اپنے مولیٰ کے سامنے اظہارِ ذلت اس کی عزت ہے اور اس کے غیر سے شکایت کرنا ذلت ہے اور بندے کے سامنے ذلت کا اظہار جب کہ وہ بھی اس جیسا بندہ ہے قبیح ذلت ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَمْلِکُوْنَ لَکُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰہِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْہُ وَاشْکُرُوْا لَہٗ۔ (۲)

بے شک وہ جن کی تم پوجا کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دیتے ہو وہ تمہارے لیے رزق کے مالک نہیں ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ہاں رزق تلاش کرو اور اس کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ۔ (۳)

بے شک وہ کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم ان کی پوجا کرتے ہو وہ تمہارے جیسے بندے ہیں۔

تو زبان سے شکر ادا کرنا بھی شکر گزاری میں داخل ہے ایک روایت میں ہے کہ ایک وفد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایک نوجوان گفتگو کے لیے کھڑا ہوا حضرت عمر رحمہ اللہ نے فرمایا بڑے کو کلام کرنے دو اس نے کہا اے

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۶۹ کتاب الادب

(۲) قرآن مجید، سورۃ عنکبوت آیت ۱۷

(۳) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۱۹۴

marfat.com

امیرالمومنین اگر عمر کا معاملہ ہوتا تو مسلمانوں کا امیر آپ سے بڑی عمر کا کوئی شخص ہوتا آپ نے فرمایا گفتگو کرد اس نے کہا ہمارا وفد نہ تو کسی چیز کی رغبت رکھتا ہے اور نہ ہی خوف، جہاں تک رغبت کا تعلق ہے تو آپ کی سخاوت ہم تک پہنچ چکی ہے (مانگنے کی کیا ضرورت ہے) اور جہاں تک خوف کا تعلق ہے تو آپ کے انصاف نے ہمیں امن دے دیا ہے۔ ہم تو شکریہ ادا کرنے آئے ہیں ہماری حاضری کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی زبان سے آپ کا شکریہ ادا کریں اور واپس چلے جائیں۔

تو شکر کے معانی کے یہ اصول ہیں جو اس کی تمام حقیقت کا احاطہ کرتے ہیں۔

اور جس نے یہ کہا کہ شکر منعم کی نعمت کے اعتراف کا نام ہے جو خضوع کے ساتھ ہو تو یہ دل کے بعض احوال کے ساتھ زبان کے فعل کے حوالے سے ہے اور جس نے کہا کہ شکر محسن کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف کرنے کا نام ہے تو اس نے محض زبان کے عمل کو دیکھا ہے اور یہ کہا کہ شکر، بساط شہود پر اعتکاف بیٹھنے اور حرمت منعم کی حفاظت کا نام ہے تو یہ شکر کے اکثر معانی کو جامع ہے اس سے صرف زبان کا عمل نکل جاتا ہے حضرت حمدون قصار نے کہا شکریہ ہے کہ تم شکر میں اپنے نفس کو بخیل سمجھو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شکر کے معانی میں صرف معرفت داخل ہے اور حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا شکریہ ہے کہ تم اپنے نفس کو نعمت کا اہل نہ جانو تو یہ خاص طور پر احوال قلب میں سے ایک حال کی طرف اشارہ ہے۔

یہ سب اقوال ان لوگوں کی اپنی حالت کی خبر دیتے ہیں اسی لیے ان کے جوابات مختلف ہے ان میں کوئی اتحاد و اتفاق نہیں ہے۔

پھر ان کے جوابات میں اختلاف کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ وہ اپنی اس حالت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہیں جو ان پر غالب ہوتی ہے تاکہ وہ اہم بات میں مشغول ہوں بے مقصد بات میں نہیں یا وہ سائل کی حالت کے مطابق بات کرتے ہیں۔ یعنی صرف اسی بات پر اکتفا کرتے ہیں جس کی ضرورت ہوتی ہے غیر ضروری بات سے اعراض کرتے ہیں۔

یہ گمان مناسب نہیں کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا وہ ان پر طعن ہے اور وہ تمام معانی جو ہم نے ذکر کئے ہیں وہ ان کے سامنے تھے تو ان کا انکار کر دیتے بلکہ کوئی عقل مند آدمی ایسا گمان کرتا ہی نہیں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ لفظی۔ جھگڑا پیدا ہو جائے کہ کیا شکر کا لفظ لغوی اعتبار سے ان تمام معانی کو شامل ہوگا یا بعض معانی کو مقصوداً شامل ہوگا اور باقی معانی اس کے تابع اور لوازم میں سے ہوں گے اور اس کتاب میں ہمارا مقصود لغوی موضوعات کی تشریح نہیں ہے کیوں کہ یہ طریق آخرت کے علم سے نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنی رحمت سے توفیق عطا کرنے والا ہے۔

فصل:

اللہ تعالیٰ کے حق میں شکر کی وضاحت

شاید تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ شکر اسی انعام دینے والے کے حق میں سمجھا جا سکتا ہے جس کو شکر سے کوئی

marfat.com

فائدہ حاصل ہو ہم بادشاہوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کی تعریف کرتے ہیں تاکہ دلوں میں ان کا مقام بڑھے اور لوگوں کے نزدیک ان کی عزت زیادہ ہو اس طرح ان کی شہرت اور مرتبہ زیادہ ہوگا۔ یا ہم خدمت کے ذریعے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو ان کے بعض مقاصد میں مدد ہوتی ہے یا ہم نوکروں کی طرح ان کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اور اس طرح ان کا لشکر بڑھتا ہے اور ان کے جاہ و مرتبہ میں بھی اضافہ ہوتا ہے غرضیکہ شکر کے ذریعے انہیں ان باتوں میں سے کوئی بات حاصل ہوتی ہے اور یہ بات دو وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حق میں باطل ہے۔

ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فوائد اور اغراض سے پاک ہے اسے خادموں اور مدد کی حاجت نہیں ہے اور نہ ہی تعریف و توصیف کے ذریعے اس کے مقام و مرتبہ میں کوئی اضافہ ہوتا ہے اور اس کو ان خدام کی کثرت کی حاجت بھی نہیں ہے جو اس کے سامنے رکوع و سجود کی حالت میں کھڑے ہوں تو ہم اللہ تعالیٰ کا اس طرح شکر ادا کرتے ہیں کہ اس کی اس میں کوئی غرض نہیں ہوتی جیسے ہم کسی ایسے بادشاہ کا جو ہمیں انعام دیتا ہے، اس طرح شکریہ ادا کریں کہ اپنے گھروں میں سو جائیں یا سجدے اور رکوع میں مشغول ہوں کیوں کہ اس میں بادشاہ کا کوئی حصہ نہیں اور وہ غائب ہے اسے کوئی علم نہیں اور ہمارے افعال سے اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ یا غرض متعلق نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم جو کچھ اپنے اختیار سے کرتے ہیں وہ انعامات خداوندی میں سے ایک دوسری نعمت ہے کیوں کہ ہمارے اعضاء، ہماری طاقت، ہمارا ارادہ اور عمل کا داعیہ نیز وہ تمام امور جو ہماری حرکت کا سبب ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی نعمت کے مرہون منت ہیں تو ہم اسی کی نعمت سے اس کا شکر کیسے ادا کریں۔

اور اگر کوئی بادشاہ ہمیں ایک سواری دے اور ہم اسی کی ایک دوسری سواری لے کر اس پر سوار ہو جائیں یا بادشاہ ہمیں دوسری سواری دے تو دوسری سواری پہلی سواری کے لیے ہماری طرف سے شکریہ قرار نہیں پاتی۔

بلکہ دوسری کا شکریہ ادا کرنا بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح پہلی سواری پر شکریہ ادا کیا جاتا ہے پھر اس کے شکر کے لیے بھی ایک اور نعمت کی ضرورت ہوگی تو نتیجہ یہ ہوا کہ ان دو وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حق میں شکر محال ہے اور ہمیں ان دونوں باتوں میں کوئی شک نہیں ہے اور شریعت میں شکر ادا کرنے کا حکم آیا ہے تو ان دونوں باتوں کو جمع کرنے کی کیا صورت ہوگی؛ تو جاننا چاہیے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں بھی اسی قسم کا خیال آیا تھا، حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں کیوں کہ جب تک دوسری نعمت مجھے حاصل نہ ہو میں شکر ادا نہیں کر سکتا اور دوسرے الفاظ میں اس طرح آیا ہے کہ میرا شکر ادا کرنا بھی تیری طرف سے مزید نعمت ہے جس کا شکر ادا کرنا مجھ پر واجب ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ جب آپ نے اس بات کو جان لیا تو شکر ادا ہو گیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ کو اس کی بات کی معرفت حاصل ہو گئی کہ یہ نعمت میری طرف سے ہے تو آپ کا اس کے میری طرف سے ہونے پر راضی ہونا شکر ہے۔

marfat.com

سوال :

ہمیں سوال کی سمجھ آگئی لیکن ان کی طرف جو وحی آئی اس کی سمجھ نہیں آئی یہ تو میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے شکر محال ہے لیکن شکر کے محال ہونے کا علم بھی شکر ہے یہ بات سمجھ نہیں آئی یہ علم بھی تو ایک نعمت ہے تو یہ شکر کیسے ہوگا۔ گویا حاصل کلام یہ ہے کہ جو شکر ادا نہیں کرتا گویا وہ بھی شکر ادا کر رہا ہے اور بادشاہ کی طرف سے دوسرا جوڑا قبول کرنا پہلے جوڑے کا شکریہ ہے اس میں جو راز ہے فہم اس کے ادراک سے عاجز ہے اگر مثال کے ذریعے اسے سمجھا جائے تو یہ اہم بات ہے۔

جواب :

جان لو! یہ معارف کا دروازہ کھٹکھٹانا ہے اور یہ علوم معاملہ میں سے اعلیٰ ہے لیکن ہم کچھ تشبیہات کی طرح اشارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں دو نظریں ہیں ایک محض توحید کی آنکھ سے دیکھنا اور یہ نظر تمہیں قطعی طور پر اس بات کی پہچان کراتی ہے کہ وہی شاکر ہے وہی مشکور اور وہی محب ہے وہی محبوب، اور یہ اس شخص کی نظر ہے جو اس بات کو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں اور یہ کہ اس کی ذات کے سوا سب ہلاک ہونے والے ہیں اور یہ بات ہر حال میں ازل و ابد کے اعتبار سے صحیح ہے کیوں کہ غیر وہ ہو سکتا جو خود بخود قائم ہو اور اس قسم کے غیر کا کوئی وجود نہیں بلکہ اس کا پایا جانا محال ہے کیوں کہ موجود ثابت وہی ہے جو بالذات قائم ہے اور جو ذاتی طور پر قائم نہ ہو وہ ذاتی طور پر موجود نہیں ہے بلکہ وہ غیر کے ساتھ قائم ہے اور غیر کے ساتھ ہی موجود ہے۔

اور جب اسی کی ذات کا اعتبار کیا جائے اور اس کے غیر کی طرف توجہ نہ کی جائے تو اس غیر کا وجود بالکل نہیں ہوگا کیوں کہ موجود تو اسے کہتے ہیں جو ذاتی طور پر قائم ہو اور قائم بنفسہ وہی ہوتا ہے کہ اگر اس کے غیر کو معدوم تصور کیا جائے تو اس کے وجود میں کوئی فرق نہ پڑے اور اگر قائم بالنفس اپنے وجود کے ساتھ ساتھ دوسروں کے وجود کو بھی قائم رکھتا تو وہ قیوم ہے اور قیوم ایک ہی ہے اس کے غیر کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تو نتیجہ یہ ہوا کہ حی قیوم کے علاوہ کسی کا وجود نہیں ہے اور وہ واحد بے نیاز ہے تو جب تم اس اعتبار سے دیکھو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ سب کے نکلنے کا مقام (مصدر) اور مرجع وہی ہے پس وہی شاکر ہے وہی مشکور ہے وہی محب ہے اور وہی محبوب ہے اور حضرت حبیب بن ابی حبیب نے اسی نظر سے دیکھا جب انہوں نے یہ آیت پڑھی۔

إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِّعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ۔ (۱)

بے شک ہم نے اسے (حضرت ایوب علیہ السلام کو) صبر کرنے والا پایا بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے تھے

تو انہوں نے (حضرت حبیب نے) فرمایا "تعجب کی بات ہے خود دیتا ہے اور خود ہی تعریف بھی کرتا ہے" یہ اس بات کی

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ ص آیت ۴۴

marfat.com

طرف اشارہ ہے کہ جب اس نے اپنے دینے پران کی تعریف کی تو گویا اپنے نفس کی تعریف کی تو گویا وہی تعریف کرنے والا ہے اور اسی کی تعریف کی گئی ہے۔

اور جب حضرت شیخ ابوسعید مہینی کے سامنے پڑھا گیا۔

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ۔ (۱)

وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں

تو انہوں نے فرمایا "یقیناً" وہ ان کو چاہتا ہے اور اسے چاہنے دو کیوں کہ ان کو چاہنے کا اسے حق ہے کیوں کہ (اس طرح) وہ اپنے آپ کو چاہتا ہے انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ وہی محب ہے اور وہی محبوب،

اور یہ بلند مرتبہ ہے جب تک کوئی عام فہم مثال نہ بیان کی جائے سمجھ نہیں آتا تو تم پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ جب کوئی مصنف اپنی تصنیف کو پسند کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو پسند کرتا ہے جب کوئی کاریگر اپنی مصنوع کو چاہتا ہے تو وہ اپنے آپ کو چاہتا ہے اور والد جب اپنے بیٹے سے محبت کرتا ہے تو وہ اپنے آپ سے محبت کرتا ہے اور جب وہ اپنے آپ کو ہی چاہتا ہے تو جو کچھ چاہتا ہے اسے چاہنے کا حق ہے۔ اور یہ سب کچھ اس وقت ہے جب توحید کی نظر سے دیکھے۔ صوفیاء کرام نے اس حالت کو فنائے نفس سے تعبیر کیا ہے کہ یعنی وہ اپنے آپ سے بھی اور غیر خدا سے بھی فنا ہوتا ہے اور اب وہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی دیکھتا سمجھتا ہے۔

اور جو آدمی اس بات کو نہیں سمجھتا وہ ان بزرگوں کے اس قول کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جس آدمی کا سایہ چار گز لمبا ہو اور شاید وہ ایک دن میں کئی کلو غلہ کھا جاتا ہو وہ کیسے فنا ہو سکتا ہے؟ تو جاہل لوگ ان صوفیاء کرام کے کلام کے معانی سمجھنے سے قاصر ہونے کی وجہ سے ان پر ہنستے ہیں اور یہ بات تو لازمی ہے کہ عارفین کا قول جاہلین کے مذاق کا نشانہ بنے اس آیت کریمہ میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ۔ (۲)

بے شک وہ لوگ جو مجرم ہیں وہ ایمان والوں کی باتوں پر ہنستے ہیں اور جب ان کے قریب سے گزرتے ہیں تو ایک دوسرے کو آنکھیں مارتے ہیں اور جب اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتے ہیں تو خوشی مناتے ہوئے لوٹتے ہیں اور جب ان کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہی لوگ گمراہ ہیں اور وہ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مائدہ آیت ۵۴

(۲) قرآن مجید، سورۂ مطففین آیت ۲۹ تا ۳۵

marfat.com

پھر بیان فرمایا کہ کل (قیامت کے دن) عارفین ان پر زیادہ ہنسیں گے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ۔ (۱)

آج ایمان والے کفار پر ہنسیں گے اور وہ (مومن) تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی امت جب ان کو کشتی بنانے میں مشغول دیکھتی تو وہ ہنستے تھے۔ تو انہوں نے فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ۔ (۲)

فرمایا اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو بے شک ہم بھی تم پر ہنسیں گے جیسا تم ہنستے ہو۔

تو یہ دیکھنے والوں کی حد ہے۔

دوسری نظر اس شخص کی ہے جو اپنے نفس سے فنا کے مقام کو نہیں پہنچا ان لوگوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو صرف اپنا وجود ثابت کرتے ہیں اور اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ ان کے لیے کوئی رب ہو جس کی عبادت کی جائے یہی لوگ اندھے اور اوندھے ہیں اور ان کا اندھاپن دونوں آنکھوں میں ہے کیوں کہ انہوں نے اس بات کی نفی کی جو تحقیقاً ثابت ہے اور وہ قیوم جو بنفسہٖ قائم ہے اور ہر ایک کے عمل کو قائم رکھنے والا ہے اور جو بھی قائم ہے اسی کے ساتھ قائم ہے ان بیوقوں نے صرف اسی بات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے آپ کو ثابت کیا اور اگر وہ سوچتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ ان کا وجود کے لیے بقا نہیں ہے اور نہ ہی ان کا کوئی وجود ہے اور ان کا وجود اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو وجود میں لایا اس اعتبار سے نہیں کہ وہ پائے گئے۔ موجود اور موجد میں فرق ہے اور موجود دو ہی ہیں ایک موجود اور دوسرا وہ جسے وجود میں لایا گیا پس (حقیقی) موجود حق ہے اور جسے وجود دیا گیا وہ ذاتی طور پر باطل ہے اور موجود قائم اور قیوم ہے جب کہ موجد (جسے وجود عطا کیا گیا) ہلاک ہونے والا اور فانی ہے اور حب حقیقت یہ ہے کہ۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ (۳)

ہر ایک کے لیے فنا ہے۔

تو صرف تیرے رب کی ذات ہی باقی رہے گی وہ جو جلال اور اکرام والا ہے دوسرا فریق اندھا نہیں بھینگا ہے کیوں کہ یہ لوگ ایک آنکھ سے موجود برحق کے وجود کو دیکھتے ہیں پس وہ اس کا انکار نہیں کرتے اور اگر دوسری آنکھ بالکل اندھی ہو چکی ہو تو وہ وجود برحق کے غیر کے فنا ہونے کو نہیں دیکھتے بلکہ اس کے ساتھ کسی اور کے وجود کو بھی دیکھتے ہیں ایسے لوگ یقیناً مشرک ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ مطففین آیت ۲۹ تا ۳۵

(۲) قرآن مجید، سورۃ ہود آیت ۳۸

(۳) قرآن مجید، سورۃ رحمٰن آیت ۲۶

marfat.com

جیسا کہ پہلے گروہ نے انکار کیا اور اگر اندھا پن تجاوز کر کے چند ہیاتے تک پہنچ جائے تو وہ دونوں موجودوں میں فرق ثابت کر
ہیں ایک کو رب اور دوسرے کو بندہ کہتے ہیں تو اس قدر بات کہ دونوں میں فرق اور دوسرے موجود میں نقصان دیکھنا توحید کی حد میں
داخل ہے پھر اگر آنکھ میں ایسا سرمہ لگائے تو اس کے انوار میں اضافہ کرتا ہے تو چند ہیاتا کم ہو جاتا ہے اور جس قدر آنکھ کی روشنی
بڑھتی جائے گی اسی قدر اس چیز میں کمی نظر آئے گی جسے اللہ تعالیٰ کے سوا ثابت کیا ہے اگر وہ اسی راستے پر برقرار رہے تو یہ کمی
دوسرے وجود کے خاتمے کا باعث بنے گی اب وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں دیکھے گا اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہی دیکھے گا اور یوں اسے
کامل توحید کا رتبہ حاصل ہو گا اور جب غیر خدا کے وجود میں نقص پاتا ہے تو توحید کے آغاز میں داخل ہو جاتا ہے اور ان دونوں کے
درمیان بے شمار درجات ہیں۔ اسی لیے موحدین کے درجات میں تفاوت ہوتا ہے۔

وہ سرمہ جس سے آنکھوں کو انوار حاصل ہوتے ہیں وہ کتابیں ہیں جو رسولوں پر نازل کی گئیں انبیاء کرام سرمہ لگانے والے
ہیں اور وہ توحید محض کی طرف بلانے کے لیے تشریف لائے ہیں جس کا مضمون "لا الہ الا اللہ" ہے اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ صرف
واحد حق کو دیکھے اور کمالِ توحید تک پہنچنے والے بہت کم ہیں مشرک اور منکر بھی کم ہیں اور وہ توحید کے بالمقابل دوسری طرف ہیں
جب بت پرستوں نے کہا۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ (۱)

ہم ان (بتوں) کی پوجا اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔

تو یہ توحید کے اوائل ہیں کچھ ضعف کے ساتھ داخل ہوئے اور درمیانے درجے کے لوگ زیادہ ہیں ان میں سے بعض وہ ہیں
جن کی بصیرت بعض حالات میں کھلتی ہے اور ان کے لیے توحید کے حقائق روشن ہوتے ہیں لیکن وہ بجلی کی طرح چمکتے ہیں باقی نہیں
رہتے اور بعض کے لیے چمکتے ہیں اور ایک عرصہ تک باقی رہتے ہیں لیکن دائمی نہیں ہوتے ان کا دوام بہت کم ہوتا ہے۔

لِكُلٍّ اِلٰى شَاءُوْا لَعَلَا حَرَكَاتٌ وَلٰكِنْ عَزِيْزٌ
فِي الرِّجَالِ ثُبَاتٌ۔

ہر ایک کے لیے جو کچھ وہ چاہتے ہیں حرکات میں لیکن لوگوں کا ثابت رہنا بہت نادر ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو طلبِ قرب کا حکم دیا تو آپ سے فرمایا گیا۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ (۲)

اور سجدہ کریں اور قرب حاصل کریں

اس پر آپ نے سجدے میں یوں دعا مانگی۔

---

(۱) قرآن مجید، سورہ زمر آیت ۳

(۲) قرآن مجید، سورۂ علق آیت ۱۹

marfat.com

اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔ (۱)

میں تیرے عفو کے ساتھ تیرے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں اور تیری رضا کے سبب تیری ناراضگی سے پناہ کا طالب ہوں اور تجھ سے تیرے ہاں پناہ کا طلب گار ہوں میں تیری تعریف کا حق ادا نہیں کر سکتا تو اسی طرح ہے جس طرح تو نے اپنی تعریف بیان کی۔

اس دعا کا پہلا جملہ "اعوذ بعفوك من عقابك" صرف اللہ تعالیٰ کے افعال کے مشاہدہ کی صورت کہا گیا گویا آپ نے صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے افعال کو دیکھا تو اس کے فعل سے اس کے فعل کی پناہ طلب کی پھر جب قرب حاصل ہوا اور افعال کے مشاہدہ سے مقام فنا کا حصول ہو گیا اور مصادرِ افعال یعنی صفات کی طرف ترقی کی تو عرض کیا "اعوذ برضاك من سخطك" اور یہ دونوں صفتیں ہیں پھر توحید میں نقصان پایا تو مزید قرب حاصل کیا اور مشاہدہ صفات سے مشاہدہ ذات کی طرف ترقی کی اور عرض کیا "اعوذ بك منك" تو یہ اللہ تعالیٰ کے فعل اور صفت کو دیکھے بغیر اس کی ذات کی طرف جانا ہے لیکن اپنے آپ کو اسی سے اسی کی طرف بھاگنے والا دیکھا اور استعاذہ اور ثنا کرتے ہوئے دیکھا تو اپنی ذات کے مشاہدہ سے مقام فنا حاصل کیا کیوں کہ اس میں بھی کمی دیکھی اور مزید قریب ہوئے تو عرض کیا "لا احصی ثناء علیك انت كما اثنیت علی نفسك" تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "لا احصی" فنائے نفس سے نیز مشاہدۂ نفس سے خروج کی خبر ہے اور "انت كما اثنیت علی نفسك" اس بات کا بیان ہے کہ وہی ثنا بیان کرنے والا ہے اور اسی کی ثنا بیان کی جاتی ہے اور ان سب باتوں کا آغاز بھی اسی سے ہوتا ہے اور رجوع بھی اسی طرف ہوتا ہے اور یہ کہ اس کی ذات کے سوا سب کچھ ہلاک ہونے والا ہے۔ غرضیکہ جہاں موحدین کے مقامات کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا آغاز ہوتا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے افعال کے سوا کچھ نہ دیکھا تو آپ اسی کے فعل سے اسی کے فعل میں پناہ چاہتے ہیں۔ تو دیکھئے آپ کی انتہا کیا ہے جب آپ واحد حق تک پہنچتے ہیں حتی کہ آپ ذات حق کے سوا ہر قسم کے مشاہدہ سے بلندی تک پہنچ گئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک ترقی کرتے تو دوسرے کے مقابلے میں پہلے مرتبہ کو دُوری خیال فرماتے تھے چنانچہ آپ پہلے مرتبہ سے استغفار کرتے تھے اور اسے اپنے سفر میں نقصان اور مقام میں کمی سمجھتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

آپ نے فرمایا۔

اِنَّهٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ حَتّٰی اَسْتَغْفِرَ اللّٰهَ

میرے دل پر کچھ پردہ سا آجاتا ہے یہاں تک کہ میں دن

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۵۸ مرویات عائشہ

marfat.com

فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً ۔ (۱) اور رات میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

اور یہ اس لیے ہوتا تھا کہ آپ ستر مقامات تک ترقی حاصل کریں جن میں سے بعض دوسرے بعض سے بلند ہیں ان میں سے پہلا مقام اگرچہ مخلوق کی طاقت سے نہایت بلند تھا لیکن دوسرے کی نسبت سے نقصان میں ہوتا تھا۔ تو آپ کے استغفار کا یہی مقصد تھا۔ اور جب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اگلی پچھلی خلاف اولیٰ باتوں سے محفوظ نہیں فرمایا تو یہ سجدے میں رونا اور یہ سخت محنت کس لیے ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔

اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا ۔ (۲) کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

مطلب یہ ہے کہ کیا میں مزید مقامات کا طلب گار نہ بنوں بے شک شکر مزید نعمت کے حصول کا سبب ہے ارشاد خداوندی ہے۔

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ ۔ (۳) اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں مزید عطا کروں گا۔

اب جب ہم مکاشفہ کے سمندر میں جا گھسے ہیں تو ہمیں لگام پکڑ لینی چاہیے اور ہم ان باتوں کی طرف رجوع کریں جو علم معاملہ کے مناسب ہیں تو ہم کہتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو اس مقصد کے لیے بھیجا گیا کہ وہ لوگوں کو کمال توحید کی دعوت دیں جس کا ذکر ہم نے کیا ہے لیکن ان کے اور کمال توحید کے درمیان بہت دُور کی مسافت ہے اور سخت گھاٹیاں ہیں اور شریعت تمام کی تمام اس مسافت اور گھاٹیوں کو طے کرنے کا طریقہ بتاتی ہے تو اس وقت کسی اور مشاہدہ اور مقام کی طرف نظر ہوتی ہے پس اس مقام پر اس مشاہدے کی طرف اضافت کرتے ہوئے شکر، شاکر اور مشکور ظاہر ہوتے ہیں۔ اور یہ بات مثال کے ذریعے واضح ہوتی ہے تو ہم کہتے ہیں تمہارے لیے یہ بات سمجھنا ممکن ہے کہ فرض کیجئے ایک بادشاہ نے اپنے غلام کی طرف جو اس سے دور تھا، سواری، لباس اور نقد رقم بھیجی تاکہ وہ اسے راستے کے اخراجات میں استعمال کر کے دُور کا سفر طے کرے اور بادشاہ کے دربار کا قرب حاصل کرے پھر اس کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ وہ یہاں آ کر کچھ امور انجام دے گا اور اس کی خدمت سے فائدہ ہوگا دوسرا یہ کہ اس غلام کے آنے سے بادشاہ کو کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی اسے اس کی کوئی حاجت ہے بلکہ اس کے آنے سے اس کی حکومت میں کوئی اضافہ بھی نہیں ہوتا کیوں کہ اس کی خدمت سے بادشاہ کو کوئی ایسا فائدہ حاصل نہیں ہوتا کہ وہ بے فکر ہو جائے اور اس کی عدم موجودگی سے بادشاہی میں کوئی خرابی بھی پیدا نہیں ہوتی لہٰذا اسے سواری اور زاد راہ دینے کا مقصد صرف یہ ہے کہ غلام اس کا قرب حاصل کرے اور اس کے دربار کی سعادت سے بہرہ ور ہو کر خود اپنے آپ کو نفع پہنچائے یہ مقصد

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۴۶ کتاب الذکر

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۱۵ مرویات عائشہ

(۳) قرآن مجید، سورۃ ابراہیم آیت ۷

marfat.com

نہیں کہ اس سے بادشاہ کو نفع حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ کی نسبت سے بندوں کو دوسرے مرتبے میں اتارنا چاہیے پہلے مرتبے میں نہیں کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے دوسرا محال نہیں ہے۔

پھر یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیئے کہ بندہ پہلی حالت میں محض سواری کے مل جانے اور بادشاہ تک پہنچ جانے سے شکر گزار نہیں ہو جاتا جب تک بادشاہ کی اس خدمت میں مصروف نہ ہو جائے جو اس (بادشاہ) کا مقصد ہے دوسری حالت میں خدمت کی حاجت بالکل نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود اسے شکر گزار یا ناشکری کرنے والا ہونا تصور کیا جا سکتا ہے شکر کی صورت یہ ہے کہ مالک نے اس کی جو ڈیوٹی لگائی ہے اس پر عمل کرے اور اس کی ذات کو سامنے رکھے اپنے لیے نہ کرے اور ناشکری اس کے خلاف ہے مثلاً یا تو وہ کام ہی نہ کرے یا ایسا کام کرے جو بادشاہ سے دُوری کا باعث ہو پس جب غلام کپڑا پہنے یا گھوڑے پر سوار ہو اور زاد راہ راستے میں ہی خرچ کرے تو اس نے اپنے مالک کا شکر ادا کیا کیوں اس نے اس کی دی ہوئی نعمت کو اسی کی محبت میں استعمال کیا یعنی جس طرح وہ غلام کا نفع چاہتا تھا اپنا نہیں اور اگر سوار ہو کر اس کے پاس نہ آئے بلکہ دُور چلا جائے تو اس نے اس کی نعمت کی ناشکری کی۔ یعنی اس نے اس نعمت کو اس کام کے لیے استعمال کیا جسے بادشاہ سے غلام کی خاطر ناپسند کرتا تھا اپنے لئے نہیں۔

اور اگر وہ بیٹھ جائے اور بالکل سوار نہ ہو نہ تو طلب قرب کے لیے اور نہ ہی طلب بُعد کے لیے، تو بھی اس نے اس کی نعمت کی ناشکری کی۔ کیونکہ اسے بے کار چھوڑ دیا اگرچہ یہ اس کے مقابلے میں کم درجہ میں ہے جب اسے دُوری کے لیے استعمال کرے تو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح مخلوق کو پیدا فرمایا وہ ابتدائے فطرت میں خواہشات کے استعمال کے محتاج ہیں تاکہ ان کے بدن مکمل ہوں تو ان خواہشات کی وجہ سے وہ بارگاہ خداوندی کی حاضری سے محروم رہتے ہیں جب ان کی سعادت قرب ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے وہ نعمتیں تیار کیں وہ درجۂ قرب کے پانے میں ان کے استعمال پر قادر ہیں اور اسی قرب و بُعد کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح تعبیر فرمایا۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ (۱)

بے شک ہم نے انسان کو نہایت اچھے سانچے میں پیدا فرمایا پھر اسے سب سے نچلے درجے کی طرف پھیر دیا مگر وہ لوگ جو ایمان لائے۔

تو اللہ تعالیٰ نے بطور انعام ایسے آلات عطا فرمائے جن کے ذریعے بندہ اسفل السافلین سے ترقی کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے وہ آلات بندے کے لیے پیدا فرمائے حتیٰ کہ وہ ان کے ذریعے قرب کی سعادت حاصل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے وہ قریب ہو یا بعید۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ والتین آیت ۴، ۵، ۶

اور بندے کو اختیار ہے ان آلات کو اطاعت کے لیے استعمال کرے اگر ایسا کرے گا تو اپنے مولیٰ کی محبت کی موافقت کی وجہ سے اس نے شکر ادا کیا اور اگر گناہ میں استعمال کرتا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی کیوں کہ ان آلات کے ذریعے وہ کام کیا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور وہ اس پر راضی نہیں ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ بندے کے کفر اور نافرمانی کو پسند نہیں کرتا اور اگر وہ ان آلات کو معطل چھوڑ دیتا ہے نہ عبادت میں استعمال کرتا ہے اور نہ ہی گناہ میں تو نعمت کو ضائع کرنے کی وجہ سے یہ بھی ناشکری ہے اور دنیا میں جو کچھ پیدا کیا گیا ہے وہ بندے کے لئے بطور وسیلہ پیدا کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے اُخروی سعادت تک پہنچے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے پس ہر اطاعت گزار اپنی اطاعت کی مقدار ان اسباب میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے جن کو اس نے اطاعت میں استعمال کیا اور وہ شخص جو سستی کرتے ہوئے ان اسباب کو استعمال نہیں کرتا یا گناہ گار جو ان اسباب کو اللہ تعالیٰ سے دُوری کے لیے استعمال کرتا ہے وہ ناشکرا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے مطابق عمل نہ کرنے کی وجہ سے زیادتی کرنے والا ہے۔

تو نافرمانی اور اطاعت دونوں کو مشیئت شامل ہے لیکن ان کو محبت اور کراہت شامل نہیں ہے بلکہ بعض اوقات مراد محبوب ہوتی ہے اور کئی مرادیں ناپسندیدہ ہوتی ہیں اس دقیقہ سے آگے تقدیر کا راز ہے جس کے افشاء سے منع کیا گیا ہے اس سے پہلے مسئلہ حل ہو گیا وہ یہ کہ جب مشکور کا کوئی فائدہ نہیں تو شکر کا کیا مطلب ؟

نیز اس سے دوسرا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے وہ یہ کہ شکر سے ہماری مراد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اس کی محبت کی جہت کی طرف پھیرا جائے اور جب نعمت اللہ تعالیٰ کے فضل سے جہت محبت کی طرف پھیری جائے گی تو مراد حاصل ہو جائے گی اور تمہارا فعل اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور چونکہ تم اس محل میں ہو لہذا تمہاری تعریف کی جاتی ہے اور اس کا تعریف کرنا اس کی طرف سے مزید ایک نعمت ہے وہی عطا کرتا ہے اور وہی تعریف بھی کرتا ہے اور اس کا ایک فعل دوسرے فعل کے لیے اس بات کا سبب ہے کہ وہ اس کی محبت میں کیا جائے تو ہر حال میں اس کا شکر ہے اور تم شکر کرنے کی صفت سے موصوف ہو۔ یعنی تم اس معنیٰ کا محل ہو جو شکر سے عبارت ہے یہ مطلب نہیں کہ تم اس کے موجد ہو جیسا کہ تمہاری یہ صفت ہے کہ تم عارف و عالم ہو یہ مطلب نہیں کہ تم علم کے خالق اور موجد ہو بلکہ تم اس کے محل ہو اور قدرت ازلی کے ذریعے آدمی میں ان صفات کا وجود پایا جاتا ہے پس تمہارا یہ وصف کہ تم شاکر ہو ایک چیز کو تمہارے لیے ثابت کرتا ہے اور تم بھی ایک چیز ہو کہ خالقِ اشیاء نے تمہیں بھی ایک شے بنایا ہے لیکن جب تم اپنے آپ کو ذاتی طور پر کچھ سمجھنے لگو تو تم کچھ بھی نہیں ہو لیکن جب اس ذات کی طرف نظر ہو جس نے اشیاء کو اشیاء بنایا تو تم ایک شے ہو کیوں کہ اس نے تمہیں ایک شے بنایا ہے لیکن جب یہ بات تمہارے پیشِ نظر نہ ہو تو تم کوئی چیز نہیں ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ عمل کرو جس کو جس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ کام

لَہٗ۔ (۱) اس کے لیے آسان کردیا گیا ہے۔

آپ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی جب آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ جب اس سے پہلے ہی اشیاء سے فراغت ہو چکی ہے تو عمل کی کیا ضرورت ہے۔

تو واضح ہوا کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی قدرت کے جاری ہونے کی جگہ اور اس کے افعال کا محل ہے اگرچہ لوگ خود بھی اس کے افعال کا محل ہے اگرچہ لوگ خود بھی اس کے افعال میں سے ہیں لیکن بعض افعال، بعض کے لیے محل قرار پاتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی "اعملوا" (عمل کرو) اگرچہ آپ کی زبان پر جاری ہوا لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ایک فعل ہے اور وہ مخلوق کے اس کا سبب ہے کہ عمل نفع بخش ہے اور ان کا علم اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ایک فعل ہے اور علم اس داعیہ کو ابھارنے کا سبب ہے جو حرکت اور اطاعت کا باعث ہے اور اس داعیہ کا اٹھنا بھی اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ہے اور وہ حرکت اعضاء کا سبب ہے اور یہ بھی افعالِ خداوندی میں سے ہے لیکن اس کے بعض افعال، دوسرے بعض کا سبب ہیں یعنی پہلا، دوسرے کے لیے شرط ہے جیسے جسم کی تخلیق، عرض کی تخلیق کا سبب ہے کیوں کہ عرض اس سے پہلے پیدا نہیں ہوتا اور حیات کی تخلیق، علم کی تخلیق کے لیے شرط ہے اور علم کی تخلیق ارادے کی تخلیق کے لیے شرط ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے افعال سے ہیں لیکن ان میں بعض، دوسرے بعض کا سبب ہیں یعنی شرط ہیں۔

اور شرط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعلِ حیات کی قبولیت کے لیے صرف جوہر تیار ہوتا ہے اور قبول علم کے لیے وہی تیار ہوتا ہے جس میں حیات ہو اور ارادے کو صرف علم والا ہی قبول کرتا ہے تو اس کے بعض افعال دوسرے بعض کے لیے اس اعتبار سے سبب بنے اس معنیٰ کے اعتبار سے نہیں کہ اس کے بعض افعال دوسروں کے لیے موجد ہیں بلکہ وہ غیر کے لیے شرطِ حصول کو تیار کرنے والے ہیں جب یہ بات ثابت ہو جائے تو آدمی توحید کے اس درجہ تک ترقی کرتا ہے جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔

سوال:

اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ عمل کرو ورنہ تمہیں سزا ہوگی اور نافرمانی پر تمہاری مذمت کی جائے گی حالانکہ ہمارے اختیار میں تو کچھ بھی نہیں پس ہماری مذمت کیسے ہوتی ہے جب کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

جواب:

اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہمارے ایک عقیدے کا باعث بنتا ہے اور عقیدہ خوف پیدا کرنے کا سبب ہوتا ہے اور خوف کا پیدا ہونا خواہشات کو چھوڑنے اور دھوکے کے گھر (دنیا) سے کنارہ کشی کا سبب ہوتا ہے اور یہ بات بارگاہ خداوندی میں حاضری کا سبب بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ اسباب کو پیدا کرنے والا اور ترتیب دینے والا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۳۸، کتاب التفسیر

marfat.com

پس جس شخص کے لیے ازل میں سعادت سبقت لے گئی اس کے لیے یہ اسباب آسان ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ اسے اسی ترتیب اور سلسلہ کے ساتھ جنت میں پہنچا دیتے ہیں اور اسی سلسلے میں کہا گیا ہے کہ ہر شخص کے لیے وہ کام آسان کر دیا گیا جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے اور جس شخص کے لیے ازل میں سعادت نے سبقت نہیں کی وہ اللہ تعالیٰ کے کلام، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ اور علماء کرام کے وعظ و نصیحت کو سننے سے دُور بھاگتا ہے تو جب سنے گا نہیں تو اسے علم نہیں ہوگا اور جب علم نہیں ہوگا تو ڈرے گا نہیں اور جب ڈرے گا نہیں تو دنیا کی طرف میلان کو ترک نہیں کرے گا اور جب دنیا کی طرف جھکاؤ کو نہیں چھوڑے گا تو شیطان کی جماعت میں رہے گا۔ اور ان سب کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

جب تمہیں یہ بات معلوم ہو گئی تو تمہیں اس بات پر تعجب ہوگا کہ ایک قوم زنجیروں کے ساتھ جنت کی طرف کھینچی جا رہی ہے اور وہ اسباب کی زنجیروں میں کھینچے جا رہے ہیں یعنی ان پر علم اور خوف مسلط ہے اور ہر ذلیل و رسوا شخص کو جہنم کی طرف کھینچا جا رہا ہے اور اس کے لیے بھی اسباب ہیں اور وہ غفلت، بے خوفی اور مغالطہ ہے تو متقی لوگوں کو جنت کی طرف زبردستی کھینچا جا رہا ہے اور مجرموں کو جہنم کی طرف بھی زبردستی کھینچا جا رہا ہے اور زور و زبردستی والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہے جو واحد و قہار ہے اور اس جبار بادشاہ کے سوا کوئی قادر نہیں ہے۔

اور جب غافل لوگوں کی آنکھوں سے پردہ دُور ہوگا تو وہ اس کیفیت کو اسی طرح دیکھیں گے اس وقت ایک منادی کی ندا سنیں گے۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ (۱)

آج کس کی بادشاہی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی ہے جو ایک ہے زبردست ہے۔

حالانکہ وہ بادشاہ اللہ تعالیٰ واحد و قہار تو ہر دن موجود تھا صرف اسی دن تو نہیں ہوگا لیکن غافل اس ندا کو صرف اسی دن سنیں گے پس یہ اس بات کے بارے میں خبر ہے کہ غافلین کو نئے سرے سے کشفِ احوال ہوگا لیکن اس وقت وہ نفع نہیں دے گا۔ ہم جہالت اور اندھے پن سے اللہ تعالیٰ حلیم و کریم کی پناہ چاہتے ہیں کیوں کہ ہلاکت کے اصل اسباب یہی (جہالت اور غفلت) ہیں۔

فصل:

اللہ تعالیٰ کی پسند و ناپسند میں امتیاز

جب تک اس بات کی پہچان نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند اس وقت تک شکر بجا لانے اور ناشکری ترک کرنے کا عمل مکمل نہیں ہوتا کیوں کہ شکر کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کے پسندیدہ مقامات میں استعمال کرنا ہے اور ناشکری کا مفہوم

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ غافر آیت ۱۶

marfat.com

اس کے برعکس ہے اور وہ یا تو نعمت کا استعمال بالکل چھوڑ دیتا ہے یا اسے اس جگہ استعمال کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

اللہ تعالیٰ کی پسند و ناپسند کے درمیان تمیز کا ادراک دو باتوں سے ہوتا ہے ایک سماعت ہے جس کا تعلق آیات و احادیث سے ہے اور دوسری بات قلبی بصیرت ہے یعنی اعتبار کی نظر سے دیکھنا اور یہ دوسری بات مشکل ہے اسی لیے یہ نادر ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے رسل عظام کو مبعوث فرما کر ان کے ذریعے مخلوق کے لیے راستہ آسان کر دیا۔ اور اس بات کی پہچان بندوں کے افعال سے متعلق تمام احکام شرعیہ کی پہچان پر مبنی ہے تو جو آدمی اپنے تمام افعال میں احکام شرعیہ پر مطلع نہیں اس کے لیے شکر کا حق ادا کرنا بالکل ناممکن ہوتا ہے۔

دوسری بات یعنی غور و فکر اور اعتبار و قیاس کی نظر سے دیکھنا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو مخلوق موجود ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کا ادراک ہو جائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم میں جو کچھ پیدا فرمایا اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے اور حکمت کے تحت مقصود ہے اور یہی مقصود محبوب ہے۔

پھر یہ حکمت دو قسموں یعنی جلی اور خفی میں تقسیم ہوتی ہے جلی (واضح) حکمت کی مثال یہ جاننا ہے کہ سورج کو پیدا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اس کے ذریعے رات اور دن میں امتیاز ہو جائے پس دن کمانے کے لیے ہو اور رات آرام کرنے کے لیے دیکھنے کے وقت حرکت آسان ہوتی ہے اور اندھیرے کے وقت سکون آسان ہوتا ہے سورج کی تمام حکمتیں یہی نہیں بلکہ یہ بھی اس کی حکمتوں میں سے ایک حکمت ہے اس میں دیگر کئی دقیق حکمتیں ہیں اسی طرح بادلوں اور بارش برسنے کی حکمت کا علم ہے انسان کے ذریعے زمین میں سے طرح طرح کی سبزیاں نکلتی ہیں جو مخلوق کا کھانا اور جانوروں کا چارہ بنتی ہیں قرآن پاک نے ان حکمتوں کو بیان فرمایا ہے جو واضح ہیں اور لوگوں کے ذہنوں میں آسکتی ہیں دقیق و باریک حکمتیں جن تک ذہن کی رسائی نہیں ہوتی ان کو بیان نہیں فرمایا ارشاد خداوندی ہے۔

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا۔ (۱)	بے شک ہم نے اچھی طرح پانی بہایا (بارش برسائی) پھر زمین کو پوری طرح چیر کر اس میں سے غلہ اور انگور اور سبزی اگائے۔

تمام ستارے جن میں کواکب بھی ہیں اور ثوابت بھی، کی حکمت پوشیدہ ہے اس پر سب لوگ مطلع نہیں ہو سکتے مخلوق کے ذہن میں صرف اتنی بات آسکتی ہے کہ یہ آسمان کی زینت ہیں تاکہ ان کو دیکھنے سے آنکھیں لطف اندوز ہوں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ	بے شک ہم نے آسمان دنیا (پہلے آسمان) کو ستاروں کے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ عبس آیات ۲۵ تا ۲۸

marfat.com

اَلْکَوَاکِبِ ۔ (۱) ساتھ زینت بخشی۔

تو عالم کے تمام اجزاء یعنی آسمان، ستارے، ہوائیں، سمندر، پہاڑ، کانیں، نباتات، حیوانات اور حیوانات کے اعضا: بلکہ ایک ذرہ بھی بے شمار حکمتوں سے خالی نہیں ہے ایک حکمت، دس حکمتیں اور ہزار دس ہزار حکمتیں ہیں اسی طرح حیوان کے اعضا کی بعض حکمتیں سمجھ میں آتی ہیں جیسے اس بات کا علم کہ آنکھ دیکھنے کے لیے ہے پکڑنے کے لیے نہیں، ہاتھ پکڑنے کے لیے ہے چلنے کے لیے نہیں اور پاؤں چلنے کے لیے ہے سونگھنے کے لیے نہیں۔

لیکن باطنی اعضا مثلاً آنتیں، پتہ، جگر، گردہ، رگیں، پٹھے عضلات (سخت گوشت) اور ان اعضا میں سوراخ، خم جال مڑا ہوا ہونا، نرمی، سختی اور باقی تمام صفات کی حکمت کو سب لوگ نہیں جانتے اور جو لوگ جانتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم کی نسبت بہت کم جانتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۔ (۲) اور تمہیں علم سے تھوڑا سا حصہ دیا گیا ہے

تو جو شخص کسی چیز کو اس جہت کے غیر میں استعمال کرتا ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے اور اس طریقے پر استعمال نہیں کرتا جس کا ارادہ کیا گیا ہے وہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتا ہے جو شخص کسی کو اپنے ہاتھ سے مارتا ہے وہ ہاتھ کی نعمت کی ناشکری کر رہا ہے کیوں کہ ہاتھ کو پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے ہلاکت میں ڈالنے والی چیز کو دور کرے اور نفع بخش چیز کو پکڑے اس لیے نہیں کہ اس کے ذریعے دوسرے کو ہلاک کر دے۔

جو آدمی غیر محرم کے چہرے کو دیکھتا ہے وہ آنکھوں اور سورج کی صورت میں حاصل ہونے والی نعمت کی ناشکری کرتا ہے کیوں کہ دیکھنے کا عمل ان دونوں (آنکھ اور سورج) سے مکمل ہوتا ہے اور ان کو پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کے ذریعے ان چیزوں کو دیکھے جو اسے دین و دنیا میں نفع دیں اور نقصان دہ امور سے محفوظ رہے لیکن اس نے ان کو غیر مقصود امور میں استعمال کیا کیوں کہ مخلوق کو پیدا کرنے اور دنیا اور اس کے اسباب کو پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ ان چیزوں کی مدد سے اللہ تعالیٰ تک پہنچیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت و اُنس کے بغیر اس تک پہنچنا ممکن نہیں نیز اس تک رسائی کے لئے دنیا کے دھوکے سے بچنا بھی ضروری ہے۔

نیز اُنس کے حصول کے لیے دائمی ذکر ضروری ہے اور محبت، اس معرفت کے بغیر نہیں ہو سکتی جو دوام فکر سے حاصل ہوتی ہے اور ذکر و فکر دوام اسی وقت ہو سکتا ہے جب بدن کو دوام حاصل ہو اور بدن کے بقا کے لیے غذا ضروری ہے اور غذا کی تکمیل زمین، پانی اور ہوا کے بغیر نہیں ہو سکتی اور اس امر کی تکمیل کے لیے آسمان و زمین اور تمام ظاہری و باطنی اعضا کی تخلیق

---

(۱) قرآن مجید سورۂ الصافات آیت ۶

(۲) قرآن مجید سورۂ اسراء آیت ۸۵

marfat.com

ہے تو یہ سب چیزیں بدن کے لیے ہیں اور بدن نفس کی سواری ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا وہی نفس ہے
جو عبادت اور معرفت کے ذریعے نفس مطمئنہ بن جاتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ ۔ (۱)

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا میں ان سے رزق نہیں چاہتا۔

تو جو آدمی کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے علاوہ میں استعمال کرتا ہے تو وہ ان تمام اسباب کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرنے والا ہوتا ہے جو اس گناہ کے ارتکاب کے لیے ضروری تھے ہم خفیہ حکمتوں کے سلسلے میں ایک مثال ذکر کرتے ہیں جو مخفی نہیں تاکہ اس پر قیاس کر کے نعمتوں پر شکر اور ناشکری کا طریقہ معلوم کیا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت درہم اور دینار (روپے پیسے) کا پیدا کرنا بھی ہے اور ان دونوں کے ساتھ دنیا قائم ہے حالانکہ یہ دونوں پتھر ہیں جن کا ذاتی طور پر کوئی نفع نہیں لیکن انسان ان دونوں کا محتاج ہے کیوں کہ اسے بہت سی چیزوں مثلاً کھانے، لباس اور دیگر تمام حاجات میں ان کی ضرورت پڑتی ہے اور آدمی بعض اوقات اس چیز سے عاجز ہوتا ہے جس کا وہ محتاج ہوتا ہے اور ایسی چیز کا مالک ہوتا ہے جس کی اسے ضرورت نہیں ہوتی جیسے ایک شخص زعفران کا مالک ہے لیکن اسے اونٹ کی ضرورت ہے جو اس پر سوار ہو اور جو آدمی اونٹ کا مالک ہوتا ہے بعض اوقات اسے اس کی نہیں بلکہ اسے زعفران کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا دونوں کے درمیان معاوضہ کی ضرورت پڑتی ہے اور عوض کی مقدار مقرر کرنا ضروری ہے کیوں کہ اونٹ والا پورا اونٹ، زعفران کی پوری مقدار کے مقابلے میں خرچ نہیں کر سکتا کیوں کہ زعفران اور اونٹ کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے کہ کہا جائے وزن اور صورت میں اس کی مثل دیا جائے اسی طرح جو آدمی کپڑے کے بدلے مکان خریدتا ہے یا موزے کے بدلے غلام یا گدھے کے بدلے گھوڑا خریدنا چاہتا ہے تو ان چیزوں کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے اور معلوم نہیں کہ ایک اونٹ کتنے زعفران کے مقابلے میں ہوگا تو معاملات نہایت مشکل ہو گئے پس ان اشیاء کے درمیان جو ایک دوسرے سے دور اور متنفر ہیں ایک واسطہ کی ضرورت ہے جو ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کرے اور ہر ایک کے رتبہ اور منزلت کی پہچان کرائے یہاں تک کہ جب منزلیں اور رتبے مرتب ہو گئے تو اس کے بعد مساوی اور غیر مساوی کی پہچان ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے دینار اور درہم بطور حاکم پیدا کیے جو تمام احوال کے درمیان واسطے کا کام دیتے ہیں اور ان کے ذریعے مالوں کی قیمت کا اندازہ ہوتا پس کہا جاتا ہے کہ یہ اونٹ سو دینار کے برابر ہے اور اتنا زعفران ایک سو دینار کے برابر ہے تو اس اعتبار سے کہ یہ دونوں (اونٹ اور زعفران) ایک چیز کے ذریعے باہم برابر قرار دیئے گئے لہٰذا برابر ہو گئے۔

نقدین (درہم و دینار) کے ذریعے چیزوں کو برابر کرنا اس لیے ممکن ہوا کہ ذاتی طور پر ان کی کوئی غرض نہیں ہے اگر

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الذاریات آیت ۵۶، ۵۷

marfat.com

ذاتی طور پر بھی ان کی کوئی غرض ہوتی تو جس مقصد کے لیے ہوئے اسی مطلب والے کے حق میں ان کو ترجیح ہوتی دوسرے کے حق میں نہ ہوتی اور یوں معاملہ درست نہ ہوتا۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو پیدا فرمایا کہ یہ سب لوگوں کے ہاتھوں میں جائیں اور مالوں کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کریں اور ان میں ایک حکمت یہ بھی رکھی ہے کہ ان کے ذریعے تمام اشیاء تک رسائی ہوتی ہے کیوں کہ یہ دونوں ذاتی طور پر محبوب ہیں لیکن ان دونوں سے کوئی غرض متعلق نہیں ہے اور تمام اشیاء کی طرف ان کی نسبت برابر ہے تو جو آدمی ان دونوں کا مالک ہوگیا گویا وہ تمام چیزوں کا مالک ہوگیا وہ اس شخص کی طرح نہیں ہے جو صرف کپڑے کا مالک ہے کیوں کہ وہ تو صرف کپڑے کا مالک ہے اگر اسے کھانے کی حاجت ہو تو بعض اوقات غلے کا مالک کپڑے میں رغبت نہیں رکھتا کیوں کہ ہو سکتا ہے وہ جانور میں رغبت رکھتا ہو تو ایسی چیز کی حاجت ہوئی جو ظاہر میں تو کچھ نہیں لیکن معنوی طور پر سب کچھ ہے اور ایسی کسی چیز کی نسبت مختلف اشیاء کی طرف مساوی ہوتی ہے اور وہ خصوصی طور پر فائدہ دیتی ہے مثلاً آئینے کا اپنا رنگ نہیں ہوتا لیکن وہ ہر ایک کا رنگ ظاہر کرتا ہے اسی طرح سونے چاندی (درھم و دینار) سے ذاتی طور پر کوئی غرض نہیں ہوتی لیکن یہ ہر غرض کے لیے وسیلہ ہیں اور جیسے حرف کا اپنا کوئی معنیٰ نہیں ہوتا لیکن اس کے ذریعے دوسرے کلمات میں معانی ظاہر ہوتے ہیں تو یہ دوسری حکمت ہے۔

ان (درھم و دینار) میں ایک حکم مزید ہے جس کا ذکر طویل ہے تو جو کوئی روپے پیسے میں وہ عمل نہ کرے جو ان کے لائق ہے بلکہ غرض مقصود کے خلاف ہو تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کی لہٰذا جو آدمی ان کو خزانہ بنا کر رکھتا ہے وہ ان پر زیادتی کرتا ہے اور ان کی حکمت کو باطل کر رہا ہے۔ اور وہ اس طرح ہے جیسے کوئی مسلمانوں کے حاکم کو قید کرلے اور وہ اس قید کی وجہ سے کوئی حکم نہ دے سکے کیوں کہ جب مال جمع کر دیا گیا تو حکم ضائع ہوگیا اور غرض مقصود حاصل نہ ہوئی اور درھم و دینار کو کسی خاص آدمی زید، عمرو وغیرہ کے لیے نہیں پیدا کیا گیا کیوں کہ انفرادی طور پر اس میں کسی کی غرض نہیں ہے اس لیے کہ یہ تو پتھر ہیں یہ تو اس لیے پیدا کئے گئے ہیں کہ لوگوں کے ہاتھوں میں گردش کریں اور لوگوں کے درمیان حاکم بن جائیں نیز مقداروں کی پہچان کی علامت بنیں اور مراتب کی قیمت متعین کریں پس اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں بتایا جو موجودات کے صفحات پر لکھی گئی تحریر خداوندی کو پڑھنے سے عاجز ہیں وہ تحریر جو قدرتی خط سے منقوش ہے جس میں حرف ہے نہ آواز اسے ظاہری آنکھوں سے دیکھا نہیں جاتا بلکہ بصیرت کی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اپنا کلام سنایا اور کلام حروف اور آواز کے ذریعے ان تک وہ معنیٰ پہنچا جس کے ادراک سے وہ عاجز ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ	اور وہ لوگ جو سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ہیں انہیں

marfat.com

بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۔ (۱) سورۃ توبہ آیت نمبر ۳۴ ۔ دردناک عذاب کی خبر دیجئے۔

تو جو شخص درہم اور دینار سے سونے چاندی کے برتن بناتا ہے وہ نعمت کی ناشکری کر رہا ہے اور اس کا حال تو جمع کرنے والے سے بھی برا ہے کیوں کہ اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو حاکم کو قابو کر کے اس کو کپڑا بُننے یا جھاڑو پھیرنے پر لگا دیتا ہے یا دیگر گھٹیا قسم کے کام لیتا ہے قید تو اس سے آسان ہے سونے چاندی کے برتن اس لیے برے ہیں کہ برتن تو مائع چیزوں کی حفاظت کے لیے ہوتے ہیں اور اس مقصد کے لیے پیتل تانبا اور مٹی کے برتن کفایت کرتے ہیں لیکن درھم اور دینار کا مقصود مٹی اور لوہے سے حاصل نہیں ہوتا پس جس آدمی کے سامنے یہ حقیقت منکشف نہیں ہوتی اسے زبان رسالت سے اس کا ترجمہ سنا دیا اور اس کے لیے کہا گیا۔

مَنْ شَرِبَ فِیْ اٰنِیَۃٍ مِنْ ذَھَبٍ اَوْ فِضَّۃٍ ۔ جو آدمی سونے یا چاندی کے برتن میں پیتا ہے گویا وہ اپنے
فَکَاَنَّمَا یُجَرْجِرُ فِیْ بَطْنِہٖ نَارَ جَھَنَّمَ ۔ (۲) پیٹ میں جہنم کی آگ ڈال رہا ہے۔

اور جو آدمی درہم اور دینار کے ذریعے سودی کاروبار کرتا ہے وہ وہ بھی نعمت کی ناشکری اور ظلم کرتا ہے کیوں کہ یہ تو دوسرے مقاصد کے لیے پیدا کئے گئے اپنے لیے نہیں اس لیے کہ ان کی ذاتی غرض کوئی نہیں جب جب ان کی ذاتی تجارت کی گئی تو وضعِ حکمت کے خلاف کو مقصود بنایا گیا۔ کیوں کہ نقدی کو جس مقصد کے لئے وضع کیا گیا ہے اس کے غیر کے لیے طلب کرنا ظلم ہے اور جس آدمی کے پاس کپڑا ہو لیکن نقدی نہ ہو تو بعض اوقات وہ اس کے ذریعے کھانا اور جانور خریدنے پر قادر نہیں ہوتا کیوں کہ کبھی کھانے اور جانور کا سودا کپڑے کے بدلے نہیں ہوتا تو وہ اسے دوسری نقدی کے بدلے بیچنے پر مجبور ہوتا ہے تاکہ نقدی حاصل ہو اور اس کے ذریعے مقصود تک پہنچے۔

کیوں کہ نقدین (سونا چاندی) دوسری چیزوں تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں ذاتی طور پر ان کی کوئی غرض نہیں ہے اور احوال میں ان کا مقام وہی ہے جو کلام میں حرف کا مقام ہے جیسے

نحوی کہتے ہیں کہ حرف وہ (کلمہ) ہے جو اپنے غیر میں پائے جانے والے معنیٰ کے لیے آیا ہے یا جس طرح رنگوں میں آئینہ ہے۔

لیکن جس شخص کے پاس نقدی ہے اگر اس کے لیے نقدی کا نقدی کے عوض سودا درست ہو تو وہ اسی کام کو اختیار کرے گا اور نقدی اس کے پاس قید ہو جائے گی اور خزانے کی طرح ہو گی حالاں کہ بادشاہ یا قاصد جو دوسروں تک پہنچتا ہے، کو قید کر دینا ظلم ہے لہذا نقدی کو نقدی کے بدلے بیچنے کا مقصد ذخیرہ بنانا ہی ہوتا ہے اور یہ ظلم ہے۔

سوال ؛

سونے اور چاندی کو ایک دوسرے کے بدلے بیچنا جائز اور درھم کو درھم کے بدلے (کمی زیادتی کے ساتھ) بیچنا ناجائز کیوں ہے ؟

جواب ؛

marfat.com

مقصود تک پہنچنے کے معاملے میں یہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں کیوں کہ بعض اوقات ان میں سے ایک کے ذریعے مقصود تک رسائی آسان ہوتی ہے کیوں کہ وہ زیادہ ہوتا ہے جیسے درھموں کو ضرورتوں میں تھوڑا تھوڑا خرچ کیا جاتا ہے اور اگر یہ سودا جائز نہ ہو تو خاص اسی سے مقصود کا حاصل کرنا مشکل ہو جائے اور مقصود اس کے ذریعے دوسرے تک پہنچا ہے اور درھم کو درھم کے بدلے بیچنا جائز ہے کیوں کہ جب دونوں طرف کے درھم برابر ہوں تو عقل مند آدمی کو اس میں رغبت نہیں ہوتی اور کوئی بھی تاجر اس میں مشغول نہیں ہوتا کیوں کہ یہ ایک بے مقصد کام ہے جیسے درھم کو زمین پر رکھ کر پھر اسے ہی اٹھا لے اور ہمیں عقل مند لوگوں سے اس بات کا خطرہ نہیں ہے کہ وہ اپنا وقت درھم کو زمین پر رکھ کر پھر اسے اٹھانے پر صرف کریں اس لیے ہم اس چیز سے منع نہیں کرتے جس کی طرف نفس کا شوق نہ ہو البتہ یہ کہ ان میں سے ایک دوسرے کے مقابلے میں زیادہ عمدہ ہو۔ اور اس کے رواج کا تصور بھی نہیں ہے کیوں کہ عمدہ درھم والا ردی قسم کا درھم لینے کے لیے تیار نہیں ہوتا لہٰذا عقد کی کوئی صورت نہیں بنتی۔

اور اگر وہ ردی درھم زیادہ تعداد میں طلب کرے تو بعض اوقات اس کا قصد ہوتا ہے تو ہم یقیناً ایسے سودے سے منع کرتے ہیں اور یہ حکم دیتے ہیں کہ عمدہ اور ردی دونوں قسم کے درھم برابر ہیں یعنی کھرے پن اور کھوٹے پن کو اس چیزوں میں دیکھنا مناسب ہے جو ذاتی طور پر مقصود ہیں اور جن سے ذاتی طور پر کوئی غرض نہ ہو ان کی ایسی باریک تبدیلیوں کو دیکھنا مناسب نہیں ہے تو یہاں وہ شخص ظالم قرار پاتا ہے جو نقود کو کھوٹے اور کھرے میں تقسیم کرتا ہے حتی کہ وہ ذاتی طور پر مقصود بن جاتے ہیں حالانکہ ان کا حق تو یہ تھا کہ وہ مقصود نہ ہوں۔

اگر ایک درھم دوسرے درھم کے بدلے (برابر، برابر) بطور ادھار بیچا جائے تو یہ جائز نہیں کیوں کہ اس صورت میں احسان کا ارادہ کرتے ہوئے چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے اور قرض جس کی فضیلت ہے، کی صورت میں اس بیع کی حاجت باقی نہیں رہتی اس میں نہ تعریف ہے نہ اجر جب کہ قرض کی صورت میں تعریف بھی ہے اور اجر بھی، نیز یہ بیع ظلم بھی ہے کیوں کہ یہ خصوصی چشم پوشی کو ضائع کرنا اور اسے معاوضے کی صورت میں لانا ہے۔

اسی طرح غلہ غذا کے لیے پیدا کیا گیا ہے یا یہ کہ اسے علاج کے لیے استعمال کیا جائے لہٰذا اسے اس جہت سے پھیرنا نہیں چاہیے اگر اس میں معاملات کا دروازہ کھول دیا جائے تو یہ لوگوں کے ہاتھوں میں بند ہو کر رہ جائے گا اور کھانا جو اس سے مقصود ہے پیچھے رہ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے طعام کو کھانے کے لیے پیدا کیا ہے اور کھانے کی ضرورت بہت شدید ہے لہٰذا اسے غیر محتاج کے ہاتھ سے نکل کر محتاج کے ہاتھ میں آنا چاہیئے اور غلے کا سودا وہی کرتا ہے جسے اس کی ضرورت نہ ہو کیوں کہ جس کے پاس طعام ہو تو اگر ضرورت مند ہے تو اسے کیوں نہیں کھائے گا وہ اسے تجارتی سامان کیوں بناتا ہے اور اگر اس نے اسے سامان تجارت قرار دیا ہے تو اسے چاہیے کہ اس پر بیچے جو اسے غلے کے علاوہ کوئی چیز بطور معاوضہ دیتا ہے جو آدمی اسے اس کے بدلے میں بعینہٖ یہ غلہ دیتا ہے وہ بھی

marfat.com

اس کو کھانے سے بے نیاز ہے اسی لیے شریعت میں ذخیرہ اندوز پر لعنت آئی ہے اور سخت سزا کا ذکر آیا جیسے ہم نے آداب کسب کے بیان میں ذکر کیا ہے۔

ہاں کھجور کے بدلے گندم بیچی جا سکتی ہے کیوں کہ ان میں سے ایک چیز دوسری چیز کی غرض کو پورا نہیں کر سکتی گندم کا ایک صاع گندم کے صاع کے بدلے میں بیچنے والا معذور نہیں ہے لیکن وہ فضول کام کرتا ہے اس لیے اسے منع کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ ایسی باتوں کو کوئی بھی گوارہ نہیں کرتا ہاں جب عمدگی میں تفاوت ہو لیکن جس کے پاس عمدہ غلہ ہو وہ اس کے برابر ردی غلہ لینے پر تیار نہیں ہوتا لیکن دو صاع ردی کے مقابلے میں ایک صاع جید (عمدہ) کا قصد کیا جا سکتا ہے لیکن جب غلہ ضروریات میں سے ہے اور اصل فائدہ میں عمدہ اور ردی میں کوئی فرق نہیں ہے البتہ لذت میں اختلاف ہے اس لیے شریعت نے لذت کی غرض کو ان چیزوں میں ساقط کر دیا ہے جو انسانی قوام کا ذریعہ ہیں سود کو حرام قرار دینے میں شریعت نے اسی حکمت کو پیش نظر رکھا ہے فنِ فقہ سے اعراض کرنے کے بعد ہمیں (امام غزالی کو) اس حکمت کا انکشاف ہوا تو اسے بھی فقہیات میں شامل کرتے ہیں کیوں کہ جتنی باتیں ہم نے خلافیات کے سلسلے میں لکھی ہیں ان میں سے یہ سب سے زیادہ قوی ہے۔

اس سے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے موقف کی ترجیح واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے ربوا (سود) کے سلسلے میں (حدیث شریف میں مذکور اشیاء میں) اس بات کو علت قرار دیا کہ وہ کھانے کی چیزیں ہیں (لہٰذا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی دو چیزوں کو کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا سود ہے جو کھائی جانے والی ہوں جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جو چیزیں تولی یا ماپی جاتی ہیں ان کو کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا سود ہے چوں کہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ شافعی المسلک ہیں اس لیے انہوں نے اس مسلک کو ترجیح دی ہے ۱۲ ہزاروی)

(وہ فرماتے ہیں) اگر (تولے جانے کی وجہ سے) چونا سودی اشیاء میں داخل ہو تو کپڑے اور جانور بدرجہ اولیٰ داخل ہوں گے اور اگر حدیث شریف میں نمک کا ذکر نہ ہوتا تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب سب سے زیادہ قوی ہوتا کیوں کہ ان کے نزدیک سودی اشیاء کو اس بات سے خاص کیا ہے کہ وہ نزرق ہے۔

لیکن شریعت نے جن جن معانی کی رعایت کی ہے ان کا کسی تعریف کے ساتھ منضبط ہونا ضروری ہے اور یہاں یہ حد ممکن ہے کہ وہ روزی ہو اور یہ قید لگانا بھی ممکن ہے کہ وہ کھائی جانے والی چیزیں ہوں اور شریعت نے کھائی جانے والی اشیا کے ساتھ حد مقرر کرنا زیادہ مناسب سمجھا کیوں کہ بقا کے لیے یہ ضروری ہیں اور شریعت کا حد مقرر کرنا بعض اوقات ایسے اطراف کو محیط ہوتا ہے جس میں اصل معنیٰ جو حکم کا باعث ہے مضبوط نہیں ہوتا لیکن ضرورت کے تحت اس طرح کی تعریف کی جاتی ہے اور اگر حد مقرر نہ کی جائے تو لوگ جو ہر معنیٰ کی اتباع میں حیران ہو جاتے کیوں کہ احوال و اشخاص کے مختلف ہونے سے ایک ہی حکم بدل جاتا ہے اگرچہ وہ معنیٰ کتنا قوی ہی کیوں نہ ہو لہٰذا حد ضروری ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ — اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتا ہے اس

marfat.com

نَفْسَهٗ۔ (۱) نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔

اور اس لیے کہ ان الفاظ کے معانی میں شریعتوں کا اختلاف نہیں ہے حد بندی میں اختلاف ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں شراب کی حرمت کی حد نشہ دینا ہے اور ہماری شریعت میں اس کا نشہ آور اشیاء کی جنس سے ہونا ہے کیوں کہ اس کا قلیل استعمال، کثیر کی دعوت دیتا ہے اور جو اس کی تعریف میں داخل ہے وہ جنس ہونے کے اعتبار سے حرام ہونے میں شامل ہوگی جیسے اصل معنیٰ حرمت حکمتِ اصلیہ کے تحت ہے۔

تو تقدین (درہم و دینار) کی خفیہ حکمتوں میں سے یہ ایک مثال ہے لہٰذا اس مثال کے ذریعے نعمت کا شکر ادا کرنے اور ناشکری کو سمجھنا چاہیے تو جو چیز کسی حکمت کے تحت پیدا کی گئی ہے اس حکمت سے اسے پھیرنا مناسب نہیں اور اس بات کی پہچان اسے ہوتی ہے جو حکمت کی معرفت رکھتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ (۲) اور جسے حکمت دی گئی اسے بہت زیادہ بھلائی دی گئی۔

لیکن جس دل میں خواہشات کے ڈھیر لگے ہوئے ہوں اور وہ شیطان کے کھیل کا میدان ہو اس میں حکمت کے جواہر نہیں آسکتے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَوْلَا اَنَّ الشَّيَاطِيْنَ يَحُوْمُوْنَ عَلٰى قُلُوْبِ بَنِيْ اٰدَمَ لَنَظَرُوْا اِلٰى مَلَكُوْتِ السَّمَاءِ۔ (۳) اگر شیطان انسانوں کے دلوں کے گرد نہ گھومتے تو وہ آسمان کے ملکوت (اسرار غیبیہ) کو دیکھتے۔

جب تم نے اس مثال کو پہچان لیا تو اپنی حرکت و سکون اور بولنے نیز خاموش رہنے اور اپنے ہر عمل کو قیاس کرو کہ وہ شکر ہوگا یا ناشکری کیوں کہ ان دو باتوں کے علاوہ کوئی بات متصور نہیں ہوئی ہم عوام الناس کے سمجھنے کے لیے ان میں سے بعض کو فقہی زبان میں کراہت سے موصوف کرتے ہیں اور بعض کو حظر (ممنوع) کہتے ہیں لیکن اہل دل کے نزدیک یہ سب ممنوع و حرام ہیں میں کہتا ہوں مثلاً اگر کوئی شخص دائیں ہاتھ سے استنجاء کرتا ہے تو اس نے ہاتھوں کی نعمت کی ناشکری کی کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے دو ہاتھ پیدا فرمائے اور ان میں سے ایک کو دوسرے کے مقابلے میں قوی بنایا اور جو قوی ہے وہ زیادہ فضیلت اور شرف کا مستحق ہے جب کہ ناقص کو فضیلت دینا عدل کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ عدل ہی کا حکم دیتا ہے پھر جس ذات نے دو ہاتھ عطا فرمائے ہیں اس نے انسان کو ان دونوں ہاتھوں کا محتاج رکھا ہے کہ ان کو عمل میں

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ طلاق آیت ۱

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۶۹

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۵۳ مرویات ابوہریرہ

marfat.com

لائیں جن میں سے بعض اعمال اچھے ہیں جیسے قرآن پاک کو ہاتھ لگانا اور بعض گھٹیا ہیں جیسے نجاست کو دور کرنا اب اگر قرآن پاک کو بائیں ہاتھ سے چھوا جائے اور نجاست کو دائیں ہاتھ سے دُور کیا جائے تو اس نے شریف کو خسیس کام پر لگا دیا تو اس طرح اس کے حق میں کمی ظلم کیا اور عدل سے منہ پھیرا۔ اسی طرح اگر قبلہ رُخ تھوکتا ہے یا قضائے حاجت کے لیے ادھر منہ کرتا ہے تو جہات اور وسعت عالم میں اللہ تعالیٰ نے جو نعمت پیدا کی ہے اس کی ناشکری کرتا ہے کیونکہ جہات کے پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے لیے حرکت کرنے میں کشادگی ہو اور جہات کو اس طرح تقسیم کیا کہ بعض میں کچھ شرف رکھا اور بعض میں نہیں رکھا۔

مثلاً اس نے شرافت والی جہت میں ایک گھر بنا کر اس کی نسبت اپنی طرف کی ہے تاکہ اس کی طرف دلوں کا میلان ہو اور دل اس کے ساتھ مقید ہو جائیں اور جب تم اپنے رب کی عبادت کرو تو اس کے سبب تمہارا بدن بھی اسی جہت کی طرف سکون اور وقار کے ساتھ مقید ہو پس جب تم اپنے افعال کو اچھے افعال جیسے عبادات اور خسیس افعال مثلاً قضائے حاجت اور تھوکنے کے درمیان تقسیم کرو گے تو اب اگر تم قبلہ کی طرف تھوک ڈالتے ہو تو گویا تم نے اس پر ظلم کیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کی کیوں کہ اس نے قبلہ کو کمالِ عبادت کے لیے بنایا تھا۔

اسی طرح جب تم موزے پہنتے ہوئے بائیں طرف سے ابتدا کرتے ہو تو گویا تم نے ظلم کیا کیونکہ موزہ پاؤں کی حفاظت کرتا ہے اور پاؤں کا اس میں حصہ ہے اور ان حصوں میں مناسب یہ ہے کہ اشراف سے شروع کریں یہی عدل ہے اور یہی حکمت کو پورا کرنا ہے جب کہ اس کے خلاف ظلم ہے اور موزوں اور پاؤں کے سلسلے میں حاصل ہونے والی نعمت کی ناقدری و ناشکری ہے اور عارفین کے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے اگرچہ فقہاء اسے مکروہ کہتے ہیں۔

حتیٰ کہ کسی عارف نے گیہوں کے بہت سے پیمانے جمع کئے اور ان کو صدقہ کرنے لگے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا میں نے ایک مرتبہ بھول کر جوتا بائیں پاؤں سے پہننا شروع کیا تو میں صدقہ کے ذریعے اس کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں ہاں فقیہ اس قسم کے بڑے بڑے امور نہیں لکھ سکتا کیوں کہ اس مسکین کے ذمہ عوام کی اصلاح ہے جو جانوروں کے درجہ میں ہیں اور وہ ایسے بڑے بڑے گناہوں میں غوطہ زن ہیں کہ ان کے سامنے اس قسم کی معمولی باتوں کی کوئی حقیقت نہیں مثلاً جو آدمی بائیں ہاتھ میں پیالہ لے کر شراب پیئے تو اسے یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس نے دو گناہ کئے ایک یہ کہ شراب پی اور دوسرا یہ کہ پیالہ بائیں ہاتھ میں لیا یا کسی شخص نے نماز جمعہ کے وقت آزاد آدمی کا سودا کیا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے دو وجہ سے شریعت کی مخالفت کی ایک تو اذانِ جمعہ کے وقت سودا کیا اور دوسرا آزاد آدمی کو بیچا۔

جس شخص نے مسجد کے محراب میں قبلہ رُخ ہو کر پاخانہ کیا تو یہ کہنا قبیح ہے کہ اس نے قضائے حاجت کے آداب کو نظر انداز کر دیا اور قبلہ کو اپنی دائیں طرف نہیں رکھا کیوں کہ قبلہ رُخ ہونے سے اتنا بڑا گناہ لازم نہیں آتا جتنا مسجد کے محراب میں پاخانہ پھرنا بڑا گناہ ہے ۱۲ ہزاروی) تو تمام گناہ اندھیریاں ہیں لیکن ان میں سے بعض دوسرے بعض کے مقابلے میں بڑے گناہ ہیں۔ لہٰذا بعض کے پہلو میں دوسرے بعض (چھوٹے گناہ) مٹ جاتے ہیں۔

marfat.com

مثلاً مالک بعض اوقات اپنے غلام کو اس بات پر جھڑکتا ہے کہ اس نے اس کی اجازت کے بغیر چھری استعمال کی اور اگر وہ اس (مالک) کے نہایت عزیز بیٹے کو اسی چھری سے قتل کر دے تو اجازت کے بغیر چھری کے استعمال کے لئے کوئی الگ حکم نہیں دے گا اور نہ ہی اسے اس پر سزا دے گا تو وہ تمام آداب کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام ان کی رعایت کرتے ہیں اور ہم فقہ کے سلسلے میں عوام سے چشم پوشی کرتے ہیں تو اس کا سبب یہی ضرورت ہے اور اس درجے میں نقصان جو بندے کو قرب کے درجات تک پہنچاتا ہے ہاں یہ ہے کہ بعض گناہ بندے کے قرب میں نقص ڈالنے اور مقام و مرتبے سے گرانے میں موثر ہیں جب کہ بعض گناہ اسے کلیتاً حدودِ قرب سے نکال کر عالمِ بُعد کی طرف لے جاتے ہیں جو شیطان کا ٹھکانہ ہے۔

اسی طرح جو شخص کسی فوری اور اہم ضرورت اور کسی غرض صحیح کے بغیر درخت کی ٹہنی توڑتا ہے وہ درختوں اور ہاتھوں کی تخلیق کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتا ہے ہاتھ کے سلسلے میں اس طرح کہ اسے فضول کاموں کے لیے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ عبادت اور عبادت پر مددگار اعمال کے لیے پیدا کیا گیا اور درخت کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اس کے رگیں بنائیں اس تک پانی پہنچایا اس میں غذا کے حصول بڑھنے کی قوت پیدا فرمائی تاکہ وہ مکمل طور پر نشوونما حاصل کرے اور اس سے بندے نفع اٹھائیں تو اس کی نشوونما کے مکمل ہونے سے اسے اس طرح توڑنا کہ اس سے بندوں کو نفع حاصل نہ ہو مقصودِ حکمت کے خلاف ہے اور عدل سے عدول بھی۔ اگر اس کو توڑنے میں کوئی صحیح غرض ہو تو توڑ سکتا ہے کیوں کہ درخت اور جانور انسانی اغراض پر فدا ہونے کے لیے بنائے گئے ہیں اور یہ دونوں فنا اور ہلاک ہونے والے ہیں پس اشرف کو کچھ مدت تک باقی رکھنے کے لیے ادنیٰ کو فنا کرنا اسے بے مقصد ضائع کرنے سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ۔ (۱)

اور تمہارے لیے مسخر کر دیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے یہ سب کچھ اسی کی طرف سے ہے۔

ہاں اگر دوسرے کی ملک سے توڑے تو بھی وہ ظالم ہوگا اگرچہ محتاج ہو کیوں کہ ایک معین درخت سب لوگوں کی حاجتوں کو پورا نہیں کر سکتا بلکہ وہ صرف ایک شخص کی حاجت کو ہی پورا کرتا ہے اور اگر کسی وجہ ترجیح اور اختصاص کے بغیر ایک شخص کے لیے اسے خاص کر دیا جائے تو یہ ظلم ہے اور صاحبِ اختصاص تو وہ شخص ہے جس نے بیج حاصل کر کے زمین میں ڈالا اس کی طرف پانی چلایا اور اس کی نگرانی کی وہ دوسروں کی نسبت اس کا زیادہ حق رکھتا ہے اس طرح اسے ترجیح حاصل ہوگی۔

پھر اگر وہ درخت غیر مملوکہ زمین میں پیدا ہوا اور اس میں کسی خاص آدمی کی محنت شامل نہیں ہے جس نے اسے گاڑا تو اختصاص کی کوئی اور وجہ تلاش کرنا ہوگی اور وہ اسے لینے میں پہل کرنا ہے کیوں کہ پہل کرنے والے کو سبقت کی خصوصیت حاصل ہوتی ہے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ وہی اس کا زیادہ حقدار ہو فقہاء نے اس ترجیح کو ملک سے تعبیر کیا ہے اور یہ محض مجازی ملکیت ہے حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے وہی آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور بندہ کیسے کسی چیز کا مالک ہو سکتا ہے وہ اپنی ذات کا بھی (ذاتی طور پر) مالک نہیں بلکہ وہ تو غیر کی ملکیت ہے ہاں مخلوق

اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور زمین اللہ تعالیٰ کا دستر خوان ہے اور اس نے اپنے دستر خوان سے حسبِ حاجت کھانے کی اجازت دی ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنے غلاموں کے لیے دستر خوان بچھاتا ہے اب اگر ایک شخص دائیں ہاتھ میں لقمہ پکڑے اور انگلیوں میں دبالے اور ایک دوسرا غلام آکر اس سے چھیننا چاہے تو یہ ممکن نہیں لیکن اس کی یہ وجہ نہیں کہ پکڑنے کی وجہ سے وہ اس لقمے کا مالک ہوگیا کیوں کہ ہاتھ اور ہاتھ کا مالک دونوں مملوک ہیں لیکن ایک معیّن لقمہ تمام غلاموں کی حاجت کو پورا نہیں کرسکتا تو تخصیص میں عدل اسی صورت میں ممکن ہے جب ترجیح اور اختصاص کی کوئی وجہ پائی جائے اور لقمہ اٹھانا اختصاص ہے جس میں وہ غلام متفرد ہے لہٰذا جس کو یہ اختصاص نہیں ہے اسے وہ مزاحمت سے روکے گا۔

تو بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملے کو بھی اسی طرح سمجھنا چاہیے اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ جو شخص مال دنیا سے حاجت سے زائد لیتا ہے اور اسے خزانہ بناتا اور روک لیتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے بعض اس چیز کے محتاج ہیں تو وہ ظالم ہے اور یہ ان لوگوں میں سے ہے جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے اور اللہ کے راستے سے مراد اس کی اطاعت ہے اور اس کی اطاعت میں احوال دنیا کا اضافہ ہے کیوں کہ اس کے ذریعے ان کی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے اور ان کی حاجات پوری ہوتی ہیں۔

ہاں یہ فقہی فتاویٰ کی تعریف میں نہیں آتا کیوں کہ حاجت کی مقدار پوشیدہ ہے اور آئندہ زمانے میں پائے جانے والے فقر کے سلسلے میں نفوس کی سمجھ مختلف ہے اور زندگی کی انتہا معلوم نہیں اس لیے عوام کو ایسے امر کی تکلیف دینا ایسا ہے جیسے بچوں کو وقار اور سکون اختیار کرنے کی تعلیم دینا اور غیر ضروری کلام سے روکنا ہے کیوں کہ وہ نقصانِ عقل کی وجہ سے اس بات کی طاقت نہیں رکھتے اس لیے ہم ان کے کھیل کود پر اعتراض نہیں کرتے اور ان کے لیے اسے جائز قرار دیتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ لہو ولعب حق ہے۔

اسی طرح ہم نے عوام کے لیے مالوں کی حفاظت کو جائز قرار دیا اور زکوٰۃ کی مقدار خرچ کرنے پر اکتفا کیا کیوں کہ ان کی فطرت میں بخل رکھا گیا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ حق کی انتہا یہی ہے قرآن پاک نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنْ یَّسْـَٔلْکُمُوْهَا فَیُحْفِکُمْ تَبْخَلُوْا۔ (۱)

اور وہ تم سے (اموال) کو طلب کرے اور زیادہ طلب کرے تو تم بخل کروگے۔

بلکہ جو بات کسی کدورت کے بغیر حق ہے اور ایسا عدل ہے جس میں ظلم نہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے مال سے صرف اسی قدر لے جس قدر سامان سفر کوئی سوار لیتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندے اپنے بدنوں کی سواریاں ہیں

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ محمد آیت ۳۷

marfat.com

تاکہ حقیقی بادشاہ کے حضور حاضر ہوں لیکن جو شخص اس سے زیادہ لے اور دوسرے سوار کو محروم رکھے جو اس کا محتاج ہے تو ایسا شخص ظالم ہے اور عدل کو ترک کرنے والا اور مقصود حکمت سے باہر نکلنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتا ہے قرآن پاک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور عقل سے بلکہ ان تمام اسباب سے ثابت ہے جن کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ مسافر کے زادراہ سے زائد اس کے لیے دنیا اور آخرت میں وبال ہے۔

تو جو شخص موجودات کی تمام انواع میں حکمتِ خداوندی کو سمجھتا ہے وہ شکر ادا کرنے کی ذمہ داری کو پورا کرنے پر قادر ہوتا ہے اس بات کے مکمل بیان کے لیے کئی جلدوں کی ضرورت ہے پھر بھی تھوڑا بیان ہی ہوگا ہم نے اس قدر لکھ دیا تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی صداقت واضح ہو۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ - (۱) اور میرے بندوں میں سے شکر گزار بندے بہت کم ہیں۔

اور یہ بھی معلوم ہو کہ شیطان کی خوشی کا باعث کیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ - (۲) (شیطان نے کہا) اور تو ان میں سے اکثر کو شکر کرنے والا نہیں پائے گا۔

اور جب تک کوئی شخص ان تمام (مذکورہ بالا) باتوں کو نہیں جانے گا وہ اس آیت کا معنی نہیں سمجھ سکتا اس کے علاوہ بھی کچھ امور ہیں جن کے مبادی (ابتدائی باتیں) بیان کرنے میں عمریں صرف ہو جائیں جہاں تک آیت کی تفسیر اور اس کے الفاظ کے معنیٰ کا تعلق ہے تو ہر وہ شخص اسے جان لیتا ہے جو لغت کا علم رکھتا ہے اس سے تمہارے سامنے معنیٰ اور تفسیر کا فرق واضح ہو گیا۔

سوال:

اس گفتگو کا مطلب یہ ہوا کہ ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اور اس نے بعض افعال کو اس حکمت کی تکمیل کے لیے رکھا ہے کہ مراد حکمت کی انتہا حاصل ہو اور بعض افعال کو حکمت کے پورا ہونے میں رکاوٹ قرار دیا پس جو فعل حکمت کے تقاضے کے موافق ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ حکمت کو اس کی انتہا تک پہنچاتا ہے وہ شکر ہے اور جو مخالف ہوا اور ان اسباب کے رانے میں رکاوٹ ہو جو غایت مقصود تک پہنچاتے ہیں تو یہ ناشکری ہے اور یہ سب باتیں سمجھ میں آگئی ہیں لیکن ایک اشکال باقی ہے وہ یہ کہ بندے کے افعال جب دو حصوں میں تقسیم ہو گئے ایک قسم ان افعال کی ہے جو حکمت کی تکمیل کا باعث ہیں اور دوسری قسم ان افعال کی ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ سبا آیت ۱۳

(۲) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۱۷

marfat.com

جو اس کے خلاف ہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سنے ہے تو بندہ درمیان میں کہاں سے آگیا کہ کبھی وہ شکر گزار ہوتا ہے اور کبھی ناشکری کرتا ہے۔

جواب:

جان لو! اس کی مکمل تحقیق علوم مکاشفہ کا ایک بحر بے کنار ہے اور ہم نے گذشتہ صفحات میں اس کے مبادیات کی طرف کچھ اشارہ کیا ہے اب ہم ایک مختصر عبارت میں اس کا حال اور غایت بیان کر دیتے ہیں جو شخص پرندوں کی گفتگو سمجھتا ہے وہ اسے سمجھ لے گا اور جو شخص تیز نہیں چل سکتا وہ اس کا انکار کرے گا ملکوت کی فضا میں پرندوں کی طرح چکر لگانا تو الگ بات ہے تو ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے جلال اور کبریائی میں ایک صفت ہے جو تخلیق اور اختراع (بنانے) کا مصدر و مرکز ہے اور یہ صفت اس بات سے نہایت بلند اور عالی ہے کہ اس تک واضع لغت کی آنکھ پہنچ سکے کہ وہ اسے ایسی عبارت سے تعبیر کرے جو اس کے جلال کی گہرائی پر دلالت کرنے والی ہو اور اس کی حقیقت کی خصوصیت تک پہنچے لہٰذا اس کی بلندیٔ شان کی وجہ سے اس عالم میں اس کے لیے کوئی عبارت نہیں ہے اور چونکہ لغت کے واضعین کا مرتبہ اس کے اشراق کے مبادی کو سمجھنے سے بہت پست اور کمتر ہے اس لیے اس کی بلندی تک ان کی آنکھوں کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ جس طرح چمگادڑ کی آنکھ سورج کی روشنی تک نہیں پہنچتی۔ اس کی وجہ سورج کی روشنی میں کمی نہیں بلکہ چمگادڑوں کی بینائی میں کمزوری رکاوٹ بنتی ہے تو جن لوگوں کی آنکھیں اس کے جلال کے ملاحظہ کے لیے کھلی ہیں وہ اس بات پر مجبور ہیں کہ وہ اہل لغات میں مروج کوئی ایسی عبارت بطور مجاز استعمال کریں جس سے اس حقیقت کے مبادی کا کچھ ضعیف حال معلوم ہو جائے تو انہوں نے لفظ قدرت استعمال کیا تو ان کے اس استعارہ (مجازی معنیٰ لینے) سے ہمیں بھی بولنے کی جرأت ہوئی تو ہم نے کہا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت قدرت ہے اور اسی سے تخلیق اور اختراع کا صدور ہوتا ہے۔

پھر وجود کے اعتبار سے مخلوق بہت سی اقسام اور مخصوص صفات میں تقسیم ہوتی ہے اور ان اقسام اور ان کے مخصوص صفات کے ساتھ اختصاص کا مرکز و مصدر ایک دوسری صفت ہے اور پہلی صفت کی طرح اس کے لیے بھی مجازی معنیٰ لینے کی ضرورت پڑی اور وہ صفت مشیئت ہے اور لغات جو حروف اور آواز کا نام، کے ذریعے گفتگو کرنے والوں کے لیے اس کا مفہوم مجمل ہے اور لفظ مشیئت اس صفت کی گہرائی اور حقیقت تک پہنچنے سے قاصر ہے جس طرح لفظ قدرت کی اس صفت تک رسائی میں کوتاہی ہے۔

پھر وہ افعال جو قدرت سے وجود میں آتے ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو حکمت کی غایت تک پہنچتے ہیں اور یہ انتہا ہے اور بعض اس غایت سے پیچھے رہ جاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو مشیئت سے نسبت ہے کیوں کہ ان کا رجوع اختصاصات کی طرف ہوتا ہے جن کے ذریعے تقسیم اور اختلاف کی تکمیل ہوتی ہے اور اس نسبت کو محبت سے تعبیر کیا جاتا ہے جو انتہا تک پہنچتی ہے اور جو اس سے پیچھے رہ جاتی ہے اسے کراہت کہا جاتا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ

دونوں وصفِ مشیئت میں داخل ہیں لیکن نسبت کے اعتبار سے دونوں کی خاصیتیں مختلف ہیں الفاظ اور لغات کے ذریعے سمجھنے والوں کو ان کی سمجھ محبت و کراہت کے الفاظ سے اجمالی طور پر آتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کے بندے جو اسی کی تخلیق اور اختراع سے وجود میں آتے ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کے بارے میں مشیئت ازلی یوں واقع ہوئی کہ ان سے ایسے کام لئے جائیں جو حکمت کی غایت سے پیچھے رہیں اور یہ ان کے حق میں جبر ہوتا ہے کیونکہ ان افعال کی دعوت دینے والے اور ان کے باعث امور ان پر مسلط کئے جاتے ہیں اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کے بارے میں ازل میں فیصلہ کیا گیا کہ ان سے ایسے کام لیے جائیں گے جو ان کو بعض امور کی حکمت کی انتہا تک پہنچاتے ہیں۔

ان میں سے ہر فریق کو مشیئت کے ساتھ ایک خاص نسبت ہے جن کو حکمت کی غایت تک لے جانے والے کاموں پر استعمال کیا گیا ان کی نسبت، نسبتِ رضا کہلاتی ہے اور جن کے لیے اسباب حکمت تک رسائی رکھی گئی ان کو غایت تک نہیں پہنچایا گیا ان کی نسبت کو ناشکری کہا جاتا ہے اور اس کے پیچھے لعن طعن اور غضب کا اضافہ کیا گیا اور جس شخص کے لیے ازل رضا تھی اس کے لیے ایسا فعل ظاہر کیا گیا جس کے ذریعے حکمت اپنی غایت کو پہنچتی ہے اور اس کے لیے بطور مجاز شکر کا لفظ استعمال کیا گیا اور اس کے بعد تعریف و ثناء اور قبول و اقبال کا انعام رکھا گیا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ جمال عطا بھی فرماتا ہے پھر اس کی تعریف بھی کرتا ہے اور بدبخت بھی بناتا ہے پھر اس کو برا بھی کہتا ہے تو اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنے غلام سے میل کچیل دور کرے پھر اسے اچھے کپڑے پہنا دے اور جب اس کی زینت مکمل ہو جائے تو کہے اے جمیل! تو کتنا خوبصورت ہے تیرے کپڑے کتنے اچھے ہیں اور تیرا چہرہ کتنا پاک صاف ہے تو حقیقت میں خود ہی خوبصورتی دیتا ہے اور خود ہی تعریف کرتا ہے گویا حقیقتاً وہ اپنی ہی تعریف کر رہا ہے بندہ ظاہری طور پر اور صورت کے اعتبار سے تعریف کا ہدف ہے۔

تو ازل میں امور کی یہی صورت تھی اسباب اور مسببات کا تسلسل رب الارباب اور مسبب الاسباب نے اسی طرح قائم فرمایا۔ یہ محض اتفاقی بات نہیں ہے بلکہ اس کے ارادے، حکمت اور پختہ حکم اور امر محکم کے تحت ہے اور اس کے لیے بطور مجاز لفظ قضا استعمال کیا جاتا ہے کہا گیا ہے کہ یہ پلک جھپکنے کی مقدار یا اس سے بھی جلدی ہوتا ہے تو اس محکم قضا کے حکم کے تحت تقدیر کے سمندر جاری ہوتے ہیں جو پہلے سے مقدر ہیں تو تقدیرات کا ایک دوسرے پر مرتب ہوتے جانا لفظ قدر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

گویا لفظ قضا ایک امر کلی کے لیے اور لفظ قدر اس تفصیل کے لیے ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی بات قضا و قدر سے خالی نہیں ہے تو بعض عبادت گزار لوگوں کو خیال ہوا کہ تقسیم اس تفصیل کا تقاضا کیوں کرتی ہے اور اس تفاوت و تفصیل کی موجودگی میں عدل کا قیام کیسے ممکن ہوگا اور بعض حضرات اپنے قصور کی وجہ سے اس امر کی حقیقت

کو ملاحظہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے نہ یہ تفصیل ان کے احاطۂ خیال میں آسکتی ہے تو ان کو اس گہرائی میں غوطہ زن ہونے سے روک دیا گیا جس کی انہیں طاقت نہیں تھی۔ اور کہا گیا کہ ٹھہر جاؤ تمہیں اس مقصد کے لیے پیدا نہیں کیا گیا اور اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے اس سے پوچھا نہیں جائے گا لیکن لوگوں سے سوال ہوگا۔

اور بعض کے دل اس نور سے بھر گئے جو آسمانوں اور زمین میں انوار الٰہی کی چمک بن کر آیا اور ان کی سرشت شروع سے ہی صاف تھی اور قریب تھا کہ روشن ہو اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے پس اسے آگ چھوئی تو نور کی تجلی دوبالا ہو گئی۔

اور ان کے سامنے اطراف عالم ملکوت روشن ہو گئے اور یہ نور ربانی کا فیضان تھا چنانچہ انہوں نے تمام امور کی حقیقت کو جان لیا پس ان سے کہا گیا کہ آدابِ خداوندی سے متصف ہو جاؤ اور خاموش رہو۔ کیوں کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں(۱) اور تمہارے اردگرد کمزور نظر والے لوگ ہیں تم بھی کمزوروں کے طریقے پر چلو اور چمکادڑوں کی آنکھوں کے لیے سورج کے حجاب کو نہ کھولو یہ ان کی ہلاکت کا سبب بن جائے گا تم اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے موصوف ہو جاؤ اور اپنے علوم کی بلندی سے آسمانِ دنیا کی طرف اترو تاکہ کمزور لوگ بھی تم سے مانوس ہوں اور وہ تمہارے اس نور سے فیض حاصل کریں جو تمہارے حجاب سے پیچھے چمکتا ہے جس طرح چمکادڑ سورج کے بقایا نور اور ستاروں کی چمک سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور وہ اس زندگی کے ساتھ زندہ رہتے ہیں جسے ان کے وجود اور حالات برداشت کر سکتے ہیں اگرچہ ان کو اس قسم کی حیات میسر نہیں ہے جو سورج کی بھرپور روشنی میں آمد و رفت رکھنے والوں کو حاصل ہوتی ہے تم ایسے لوگوں کی مانند ہو جاؤ جن کے بارے میں کہا گیا۔

شَرِبْنَا شَرَابًا طَيِّبًا عِنْدَ طَيِّبٍ كَذَالِكَ شَرَابُ الطَّيِّبِيْنَ يَطِيْبُ شَرِبْنَا وَاَهْرَقْنَا عَلَى الْاَرْضِ فَضْلَهٗ وَبِلَادُ الْاَرْضِ مِنْ كَاْسِ الْكِرَامِ نَصِيْبٌ۔

ہم نے پاک و طیب کے پاس طیب شراب پی پاک لوگوں کی شراب اسی طرح پاک ہوتی ہے ہم نے پینے کے بعد باقی ماندہ کو زمین پر بہا دیا اور زمین سخی لوگوں کے جام سے حصہ ملتا ہے۔

تو اس امر کے اول و آخر کی یہ صورت ہے اور تم اسے اسی وقت سمجھ سکتے ہو جب اس کے اہل ہو اور جب تم اس کے اہل بن جاؤ گے تو تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی اور تم دیکھ لو گے اور اب کسی راہنما کی ضرورت نہ ہو گی جو تمہاری راہنمائی کرے اندھے آدمی کو اپنے پیچھے لایا جا سکتا ہے لیکن اس کی ایک حد ہے جب راستہ تنگ ہو جائے اور وہ تلوار سے تیز اور بال سے زیادہ باریک ہو جائے تو پرندہ اس کے اوپر اوپر اڑ سکتا ہے لیکن اندھے آدمی کو اپنے پیچھے نہیں لا سکتا اور جب گزرگاہ تنگ ہو اور پانی بہت گہرا ہو (ملا ہوا ہو) اور تیرنے کے بغیر اسے عبور کرنا ممکن نہ ہو تو ماہر آدمی ذاتی طور پر تیر کر اسے پار کر سکتا ہے لیکن بعض اوقات

---

(۱) المطالب العالیہ جلد ۴ ص ۹، حدیث ۲۹۲۲

marfat.com

کسی کو اپنے پیچھے نہیں لا سکتا۔

تو ان لوگوں کی سیر کو عام لوگوں کی سیر کی طرف نسبت اسی طرح ہے جیسے پانی پر چلنے کو زمین پر چلنے سے نسبت ہوتی ہے اور تیراکی سیکھی جا سکتی ہے لیکن پانی پر چلنا سکھایا نہیں جا سکتا بلکہ اس کا حصول قوتِ یقین سے ہوتا ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ پانی پر چلے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یقین اور زیادہ ہوتا تو ہوا پر چلتے (۱)

تو کراہیت و محبت، رضا و غضب اور شکر و ناشکری کے سلسلے میں یہ رموز و اشارات ہیں جن میں سے اکثر کا علمِ معاملات سے کوئی تعلق نہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو سمجھانے کے لیے ایک مثال بیان فرمائی ہے اس نے بتایا کہ انسانوں اور جنوں کو اس لیے پیدا کیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں تو ان کا عبادت کرنا ان کے حق میں حکمت کی غایت ہے پھر خبر دی کہ اس کے دو بندے ہیں جن میں سے ایک سے وہ محبت کرتا ہے اور وہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں وہ پاک رُوح اور امین ہیں وہ اس کے نزدیک محبوب ہیں مطاع ہیں (جن کی اطاعت کی جائے) اور امین اور مکین ہیں اور دوسرے کو وہ ناپسند کرتا ہے اور وہ ابلیس ہے وہ لعنت کا مستحق ہے اور اسے قیامت تک کے لیے مہلت دی گئی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے راہ راست دکھانے کا سلسلہ حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف پھیرتے ہوئے فرمایا۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ۔ (۲)

آپ فرما دیجئے اس قرآن پاک کو روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ اتارا۔

اور ارشاد فرمایا۔

يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔ (۳)

اللہ تعالیٰ رُوح (حضرت جبریل علیہ السلام) کو اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہے بھیجتا ہے

اور گمراہی کی نسبت ابلیس کی طرف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ۔ (۴)

تاکہ وہ اس کے راستے سے گمراہ کرے۔

گمراہی کا مطلب بندوں کو غایتِ حکمت تک پہنچنے سے روکنا ہے۔ تو دیکھ اللہ تعالیٰ نے اسے کس طرح اس بندے کی

---

(۱) کنز العمال جلد ۲ ص ۴۶ ۱ حدیث ۵۸۹۳ (کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ)

(۲) قرآن مجید، سورۂ نحل آیت ۱۰۲

(۳) قرآن مجید، سورۂ غافر آیت ۱۵

(۴) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۸

marfat.com

رف منسوب کیا جس پر اس نے غضب فرمایا۔ اور ہدایت دینا حکمت کی غایت تک پہنچانا ہے تو دیکھئے اللہ تعالیٰ نے کس رح اسے اپنے محبوب بندے (جبریل علیہ السلام) سے منسوب کیا عام عرف میں اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک بادشاہ کو ایسے دمی کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو اسے اچھا سا مشروب پلائے اور ایسے آدمی کی ضرورت بھی ہوتی ہے جو اس کی حجامت بنائے یا خون نکالے) اور گھر کا صحن صاف کرے اور اس کے پاس دو غلام ہوں تو وہ حجامت اور صفائی کے لیے اس غلام کو مقرر رے گا جو ان میں سے زیادہ قبیح اور خسیس ہوگا اور عمدہ مشروب کا اٹھانا ان میں سے اچھے غلام کے سپرد کرے گا جو اس محبوب بھی ہو اور کامل بھی۔

تمہیں یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ یہ تو میرا فعل ہے اللہ تعالیٰ کا فعل کیسے بن گیا اگر تم اسے اپنی طرف منسوب کردگے تو تم غلطی ہوگے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارے دل کو اس طرف پھیرتا ہے کہ مکروہ فعل، ناپسندیدہ شخص کے ذمہ لگاؤ اور اچھا کام پسندیدہ ں کے سپرد کرو اور یہ عدل کو پورا کرنا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا عدل بعض اوقات ایسے امور سے پورا ہوتا ہے جس میں بندے کوئی دخل نہیں ہوتا اور بعض امور میں بندے کا دخل بھی ہوتا کیوں کہ بندہ بھی تو اللہ تعالیٰ کا ایک فعل ہے لہذا اس کا کسی عمل رف متوجہ ہوتا، اس کی قدرت، علم اور عمل نیز تمام اسباب حرکات اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے کیوں کہ اس نے اسے عدل ے ساتھ ایسی ترتیب سے مرتب کیا جس سے عدل کے ساتھ ایسی ترتیب سے مرتب کیا جس سے مبنی ہر اعتدال افعال در ہوتے ہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ہی دیکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ عالم شہادت میں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے اس کے لیے عالم غیب و ملکوت سے کوئی سبب نہیں ہے اس لئے وہ اسے اپنی طرف منسوب کرتا ہے تم تو ایک ک طرح ہو جو رات کے وقت شعبدہ باز کی طرف دیکھتا ہے جو پرندے کے پیچھے سے کچھ صورتیں ظاہر کرتا ہے جو رقص لی ہیں اچھلتی کودتی اور اٹھتی بیٹھتی ہیں یہ تپلیاں کپڑے سے بنی ہوئی ہیں اور خود بخود حرکت نہیں کرتیں ان کو ایسے دھاگے تے دیتے ہیں جو بالوں سے بڑے ہوئے اور نہایت باریک ہوتے ہیں اور وہ رات کے اندھیرے میں نظر نہیں آتے دھاگوں کے سرے شعبدہ باز کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور بچوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں بچے اس تماشے خوش ہوتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں کیوں کہ ان کے خیال میں یہ تپلیاں رقص کرتی اور اٹھتی بیٹھتی ہیں۔

لیکن عقل مند آدمی جانتے ہیں کہ انہیں حرکت دی جا رہی ہے وہ خود حرکت نہیں کرتیں لیکن بعض اوقات وہ اس کی تفصیل نہیں جانتے اور جو اس کی بعض باتوں کو جانتا ہے وہ بھی اس شعبدہ باز کی طرح نہیں جانتا جس کے ہاتھ میں یہ کام ہے اور پنے ہاتھ سے کھینچتا ہے۔

اسی طرح اہل دنیا کے بچوں کا معاملہ ہے اور (حقیقت یہ ہے کہ) علماء کے مقابلے میں باقی تمام لوگ بچے ہیں وہ لوگوں یکھ کر سمجھتے ہیں کہ یہی حرکت کر رہے ہیں لہذا وہ ان کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ لیکن علما جانتے ہیں کہ انہیں حرکت دی جا رہی البتہ وہ حرکت کی کیفیت کو نہیں سمجھتے اور ایسے لوگ زیادہ ہیں جب کہ عارفین اور راسخ علما اپنی تیز نظر سے تنے ہوئے

جالے کے باریک دھاگوں کو دیکھتے ہیں بلکہ نہایت باریک دھاگے ہیں جو بہت زیادہ ہیں اور آسمان سے لٹک رہے ہیں اور
والوں کے ساتھ ان کے سرے ملے ہوئے ہیں وہ دھاگے اتنے باریک ہیں کہ ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتے پھر د
ان دھاگوں کے دوسرے کنارے کو دیکھتے ہیں جو اپنی لٹکنے کی جگہوں کے ساتھ لٹک رہے ہیں اور وہ چیزیں جن کے س
یہ لٹکے ہوئے ہیں فرشتوں کے ہاتھ میں ہیں جو آسمانوں کو حرکت دیتے ہیں اور یہ فرشتے ان فرشتوں کو دیکھنے میں مصروف ہ
جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں کہ بارگاہ خداوندی سے کیا حکم آتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں اور
وہی عمل کریں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے قرآن پاک نے اس مشاہدہ کو یوں بیان فرمایا ہے۔

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ۔ (۱)

اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

اور فرشتے جو حکم خداوندی کا انتظار کرتے ہیں اس کی تعبیر یوں فرمائی۔

خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔

اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے اور زمین بھی اسی طرح (سات زمینیں) بنائی ان کے درمیان حکم نازل ہوتا ہے تاکہ وہ جان لیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کے علم نے گھیر رکھا ہے۔ (۲)

ان امور کی تاویل کو اللہ تعالیٰ اور علم میں مضبوط لوگ جانتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ آیت پڑھی۔

يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ۔ (۳) ان کے درمیان حکم نازل ہوتا ہے۔

تو انہوں نے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ علم میں راسخ لوگ، ایسے علوم کے ساتھ خاص ہیں جو عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے چنانچہ آپ فرماتے ہیں اگر میں اس آیت کا وہ مفہوم بیان کروں جس کی مجھے سمجھ ہے تو تم مجھے پتھر مارو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تم مجھے کافر کہنے لگو۔

ہم اتنی گفتگو پر ہی اکتفا کرتے ہیں گفتگو کی لگام اختیار کے قبضہ سے نکل گئی اور علم معاملہ دوسری باتوں سے مل گیا اب ہم شکر کے مقاصد کی طرف رجوع کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

جب شکر کی حقیقت یہ ہوئی کہ بندہ ایسا عمل کرے جس سے حکمت الٰہیہ کی تکمیل ہو تو سب سے شکر گزار بندہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الذاریات آیت ۲۲

(۲) قرآن مجید، سورۃ الطلاق آیت ۱۲

(۳) قرآن مجید، سورۃ الطلاق آیت ۱۲

marfat.com

سب سے زیادہ پسند اور اس کا سب سے زیادہ مقرب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ قرب فرشتوں کو
صل ہے اور ان کے لیے بھی ترتیب ہے نیز ان میں سے ہر ایک کا ایک معلوم مقام ہے فرشتوں میں جس کو سب سے زیادہ
یہ قرب حاصل ہے وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں۔ (۱)

فرشتوں کے درجات کی بلندی کا سبب یہ ہے کہ وہ ذاتی طور پر معزز اور نیکو کار ہیں اور ان کے واسطے سے اللہ تعالیٰ
ے انبیاء کرام علیہم السلام کو قرب عطا فرمایا اور وہ (انبیاء کرام) زمین پر بسنے والی تمام مخلوق سے اشرف و اعلیٰ ہیں فرشتوں کے درجہ
ے انبیاء کرام کا درجہ ملا ہوا ہے کیوں کہ یہ حضرات بھی ذاتی طور پر بھلائی اور خیر کے حامل ہیں ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تمام
ق کو ہدایت دی اور ان کے ذریعے اپنی حکمت کو مکمل کیا اور ان میں سے سب سے بڑے رتبہ والے ہمارے نبی حضرت
صطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے دین کو مکمل کیا اور آپ کو ختم نبوت کے تاج سے
رفراز فرمایا۔

انبیاء کرام علیہم السلام سے علماء کرام ملے ہوئے ہیں اور وہ انبیاء کرام کے وارث ہیں وہ بھی ذاتی طور پر مقرب ہیں اور
ے کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی اصلاح فرمائی ان میں سے ہر ایک کا درجہ اسی مقدار کے مطابق ہے جس قدر وہ
ق اور دوسروں کی اصلاح کرتا ہے پھر علماء سے متصل عادل بادشاہوں کا درجہ ہے کیوں کہ وہ دنیوی اعتبار سے مخلوق کی
صلاح کرتے ہیں جیسے علماء ان کی دینی اصلاح کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں دین
ر حکمرانی دونوں جمع تھیں تو آپ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے لوگوں کی دینی اور
نیوی اصلاح فرمائی تلوار اور بادشاہی آپ کے علاوہ کسی نبی کو نہیں ملی پھر علماء و سلاطین کے ساتھ دوسرے نیک
گوں کا درجہ ملا ہوا ہے جو لوگوں کے دین اور روح کی اصلاح کرتے ہیں اور بس ——— تو اللہ تعالیٰ کی حکمت
ن کے ذریعے نہیں بلکہ ان میں پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے اور ان کے علاوہ لوگ محض چرواہے ہیں۔

اور جان لو کہ حکمران کے ذریعے دین قائم رہتا ہے لہٰذا اس کی تحقیر نہیں کرنی چاہیئے اگرچہ وہ ظالم و فاسق
ی ہو۔ حضرت عمرو بن عاص رحمہ اللہ نے فرمایا ظالم حکمران دائمی فتنہ سے بہتر ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

سَيَكُوْنُ عَلَيْكُمْ اُمَرَاءُ تَعْرِفُوْنَ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُوْنَ (۲) وَيُفْسِدُوْنَ وَمَا يُصْلِحُ اللّٰهُ بِهِمْ اَكْثَرُ فَاِنْ اَحْسَنُوْا فَلَهُمْ

عنقریب تمہارے اوپر ایسے حکمران آئیں گے جن کی کچھ باتوں کو تم جانتے ہو گے اور بعض کی پہچان نہ ہو گی وہ فساد بھی کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے زیادہ

---

(۱) (۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۲۸ کتاب الامارۃ۔

marfat.com

الْاَجْرُ وَعَلَيْكُمُ الشُّكْرُ وَاِنْ اَسَاءُوْا فَعَلَيْهِمُ الْوِزْرُ وَعَلَيْكُمُ الصَّبْرُ۔ (۱)

لوگوں کی اصلاح فرمائے گا پس اگر وہ اچھا کام کریں تو ان کے لیے اجر ہے اور تم پر شکر لازم ہے اور اگر وہ برائی کریں تو ان پر گناہ ہوگا اور تم پر صبر لازم ہے۔

حضرت سہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو آدمی حکمران کا انکار کرے وہ زندیق ہے اور جس کو حکمران بلائے اور وہ نہ جائے تو ایسا شخص بدعتی ہے اور جو بن بلائے حکمران کے پاس جائے وہ جاہل ہے۔

آپ سے پوچھا گیا کہ کونسا آدمی سب سے بہتر ہے آپ نے فرمایا "بادشاہ" کہا گیا کہ ہم بادشاہ کو سب سے زیادہ برا انسان سمجھتے تھے فرمایا رک جاؤ بے شک اللہ تعالیٰ ایک دن میں دو (قسم کی) نظر فرماتا ہے ایک نظرِ رحمت جو احوال مسلمین کی سلامت کے لیے ہے اور دوسری نظر ان کے بدنوں کی سلامتی کے لیے، وہ اپنے نامۂ اعمال کو دیکھتا تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں وہ کہتا ہے — ان کے دروازے پر لٹکی ہوئی سیاہ لکڑیاں ستر قصہ گو لوگوں سے بہتر ہیں جو قصے بیان کرتے ہیں۔

دوسرا رکن :

شکر کے ارکان اور کس پر شکر واجب ہے

شکر کا رکن یا جس پر شکر ادا کیا جائے وہ نعمت ہے پس ہم اس بات میں نعمت کی حقیقت، اس کی اقسام، درجات، اصناف اور کہاں نعمت خاص ہے اور کہاں عام وغیرہ امور کا ذکر کریں گے۔ کیوں کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کے جس قدر انعام ہیں ان کا شمار بندوں کی طاقت سے باہر ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ (۲) اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کو شمار کرنا چاہو تو ان کو شمار نہیں کر سکتے۔

پس ہم چند قواعد بیان کرتے ہیں جو نعمتوں کی معرفت کے قوانین کی جگہ ہیں پھر ایک ایک کا ذکر کرنے میں مشغول ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ہی صحیح راستے کی توفیق دینے والا ہے۔

فصل ۱ :

نعمت کی حقیقت اور اقسام

جان لو! ہر بھلائی، لذت اور سعادت بلکہ ہر مطلوب و موثر کو نعمت کہا جاتا ہے لیکن حقیقی نعمت اُخروی سعادت ہے دوسری

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۱۶۹ کتاب القضاء (۲) قرآن مجید، سورۃ نحل آیت ۱۸

marfat.com

چیزوں کو نعمت یا سعادت کہنا غلط ہے یا مجازی طور پر اسے نعمت کہتے ہیں جیسے دنیوی سعادت جو آخرت کے لیے معاون نہیں بنتی اسے نعمت کہنا محض غلط ہے اور کبھی کسی چیز کو نعمت کہنا سچ ہوتا ہے لیکن اُخروی سعادت کو نعمت کہنا بہت بڑا سچ ہے پس ہر وہ سبب جو اُخروی سعادت تک پہنچاتا اور اس پر مددگار ہوتا ہے چاہے ایک واسطہ سے ہو یا کئی واسطوں سے، اسے نعمت کہنا صحیح بھی ہے اور سچ بھی، کیوں کہ وہ حقیقی نعمت تک پہنچاتا ہے وہ اسباب جو مددگار ہیں اور لذات جن کو نعمت کہا جاتا ہے ہم کی تقسیموں کے تحت اس کی تشریح کرتے ہیں

پہلی تقسیم :

تمام امور ہماری طرف اضافت کی وجہ سے چار صورتوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔(۱) وہ امور جو دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں فائدہ دیتے ہیں جیسے علم اور اچھے اخلاق ۔(۲) وہ امور جو دونوں جہانوں میں نقصان دہ ہیں جیسے جہالت اور بداخلاقی ۔ (۳) وہ امور جو فی الحال فائدہ دیتے ہیں لیکن نتیجے کے اعتبار سے نقصان دہ ہیں جیسے خواہشات کی اتباع سے لذت حاصل کرنا (۴) وہ امور جو فی الحال نقصان پہنچاتے ہیں اور اذیت ناک ہیں لیکن نتیجے کے اعتبار سے نفع بخش ہیں جیسے خواہشات کا قلع قمع اور نفس کی مخالفت۔

تو جو امور دنیا اور آخرت میں نفع دیتے ہیں حقیقتاً وہی نعمت ہیں جیسے علم اور اخلاق، اور جو کام دنیا اور آخرت میں نقصان دیتے ہیں حقیقت میں وہ آزمائش ہیں اور وہ پہلے دو کی ضد ہیں (یعنی جہالت اور بداخلاقی) جو امور فی الحال نفع اور بعد میں نقصان دیں وہ عقلمند لوگوں کے نزدیک مصیبت اور آزمائش ہیں جب کہ جاہل لوگ ان کو نعمت سمجھتے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک بھوکا شخص جب ایسا شہد پاتا ہے جس میں زہر ہے تو وہ اسے نعمت سمجھتا ہے اگر وہ ناواقف ہو۔ لیکن اسے علم ہو جائے تو وہ اسے ایک آفت سمجھتا ہے جو اس کی طرف چلائی گئی ہے وہ کام جو فوری طور پر نقصان دیتے ہیں لیکن مستقبل کے اعتبار سے نفع بخش ہیں وہ عقل مند لوگوں کے نزدیک نعمت ہیں جب کہ جاہلوں کے نزدیک مصیبت ہیں اس کی مثال وہ کڑوی دوائی ہے جس کا ذائقہ فی الحال بُرا معلوم ہوتا ہے لیکن وہ بیماریوں سے شفا دیتی ہے اور صحت و سلامتی لاتی ہے تو ناواقف بچے کو جب یہ دوائی پلائی جائے تو وہ اسے مصیبت سمجھتا ہے جب کہ عقل مند آدمی اسے نعمت سمجھتا ہے اور جو شخص اس کو یہ دوائی بتلاتا ہے اور اس کے قریب کرتا نیز اس کے لیے اسباب مہیا کرتا ہے تو وہ اس کا شکریہ ادا کرتا ہے اسی لیے ماں پچھنے لگانے کے ذریعے بچے کا خون نکالنے نہیں دیتی جب کہ باپ اس بات کی دعوت دیتا ہے کیوں کہ باپ کی عقل کامل ہوتی ہے اس لیے وہ انجامِ کار کو دیکھتا ہے اور ماں زیادہ محبت اور عقل کی کمی سے باعث موجودہ صورت کو دیکھتی ہے اور بچہ اپنی نادانی کی وجہ سے ماں کا احسان مند ہوتا ہے باپ کا نہیں وہ ماں سے مانوس ہوتا ہے اور اس کی شفقت حاصل کرتا ہے اور باپ کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ اگر بچے کو عقل ہوتی تو اسے معلوم ہوتا کہ ماں دوست کی صورت میں دشمن ہے کیوں کہ خون نکلوانے سے روک کر وہ اسے بیماریوں اور اس تکلیف کی طرف لے جاتی ہے جو خون نکالنے سے بھی زیادہ سخت ہے لیکن

marfat.com

جاہل دوست عقل مند دشمن سے برا ہوتا ہے۔ ہر آدمی اپنے نفس کا دوست ہے یہ جاہل دوست ہے اسی لیے اس سے وہ سلوک کرتا ہے جو دشمن بھی نہیں کرتا۔

دوسری تقسیم :

دنیوی اسباب با مخلوط ہیں ان میں خیر و شر کا گٹھ جوڑ ہے اسبابِ خیر بہت کم صاف ہوتے ہیں جیسے مال، اہل و اولاد رشتہ دار، جاہ و مرتبہ وغیرہ لیکن ان کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جن کا نفع زیادہ ہوتا ہے جیسے مال و جاہ اور دیگر اسباب سے ضرورت کے مطابق حاصل کرنا دوسرے وہ جن کا نقصان اکثر لوگوں کے حق میں نفع سے زیادہ ہے جیسے زیادہ مال اور بہت بڑا مرتبہ وغیرہ اور تیسری قسم ان امور کی ہے جن کا نفع و نقصان برابر ہیں اور یہ امور شخصیات کے حوالے سے مختلف ہوتے ہیں کئی نیک لوگ اچھے مال سے نفع حاصل کرتے ہیں اگرچہ وہ زیادہ ہو پس وہ اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں اور اچھے کاموں میں صرف کرتے ہیں اس توفیق کے ساتھ یہ حال ان کے حق میں نعمت ہے اور کئی لوگ تھوڑے مال سے بھی نقصان اٹھاتے ہیں کیوں کہ وہ اس (مال) کو ہمیشہ تھوڑا سمجھتے اور اپنے رب سے شکوہ کرتے ہوئے زیادہ طلب کرتے ہیں تو اس ذلت کے ساتھ یہ مال اس کے لیے مصیبت ہے۔

تیسری تقسیم :

ایک اور اعتبار سے نیکیوں کی تین قسمیں ہیں ایک قسم میں وہ نیکیاں شامل ہیں جو ذاتی طور پر موثر ہیں ان میں غیر کا دخل نہیں دوسری قسم ان نیکیوں پر مشتمل ہے جو کسی دوسری وجہ سے موثر ہیں اور تیسری قسم ان نیکیوں کی ہے جو ذاتی طور پر بھی موثر ہیں اور غیر کی وجہ سے بھی، پہلی قسم جو ذاتی طور پر موثر ہیں غیر کی وجہ سے نہیں اس کی مثال اللہ تعالیٰ کی زیارت کی لذت اور اس سے ملاقات کی سعادت ہے خلاصہ یہ ہے اُخروی سعادت جو کبھی ختم نہ ہوگی اس کی طلب اس لیے نہیں ہوتی کہ اس کے ذریعے کسی دوسرے مقصود تک رسائی ہو بلکہ وہ ذاتی طور پر مطلوب ہوتی ہے۔

دوسری قسم جو کسی اور مقصد کے لیے مقصود ہے اس کی ذات سے کوئی غرض نہیں ہوتی جیسے درہم اور دینار (روپیہ پیسہ) اگر ان کے ذریعے ضرورتیں پوری نہ ہوں تو ان میں اور کنکریوں میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ لیکن جب یہ لذتوں کا وسیلہ ہیں اور ان کے ذریعے لذات تک جلدی رسائی ہوتی ہے اس لیے جاہل لوگوں کے نزدیک یہ ذاتی طور پر محبوب ہیں حتیٰ کہ وہ ان کو جمع کر کے خزانہ بناتے ہیں اور ان کے ساتھ سودی کاروبار کرتے ہیں اور ان کے خیال میں یہی مقصود ہیں۔

ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کسی آدمی سے محبت کرتا ہے اور اس کے سبب سے اس کے قاصد سے محبت کرتا ہے جو ان دونوں کو جمع کرنے کا سبب بنتا ہے پھر قاصد کی محبت میں اصل کی محبت کو بھول جاتا ہے اور عمر بھر اس سے منہ پھیرے رکھتا ہے وہ مسلسل اس قاصد سے تعلق رکھتا اور اس کا خیال رکھتا ہے اور یہ انتہائی درجہ کی جہالت اور گمراہی ہے تیسری قسم جو ذاتی طور پر اور غیر کی وجہ سے دونوں طرح

marfat.com

مقصود ہوتی ہے جیسے صحت وسلامتی اس کا قصد اس لیے ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے ذکر وفکر پر قادر ہو جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا سبب ہیں یا ان کے ذریعے دنیوی لذات کے حصول کی راہ ہموار ہو، نیز صحت کا ذاتی طور پر بھی قصد کیا جاتا ہے کیوں کہ ایک شخص اس مقصود سے بے نیاز ہوتا ہے جس کے لیے پاؤں کی سلامتی ضروری ہے (مثلاً پیدل چلنا) پھر بھی وہ پاؤں کی سلامتی چاہتا ہے کیوں کہ وہ سلامتی ہے۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ جو بھلائی ذاتی طور پر مؤثر ہے حقیقتاً وہی خیر ہے اور نعمت بھی، اور جس کی تاثیر ذاتی طور پر بھی ہو اور غیر کی وجہ سے بھی وہ بھی نعمت ہے لیکن پہلی نعمت کے مقابلے میں اس کا درجہ کم ہے۔ اور جو چیز غیر کے لیے مؤثر ہو جیسے سونا چاندی تو وہ اس اعتبار سے کہ جوہر ہیں نعمت قرار نہیں پاتے بلکہ وسیلہ ہونے کے اعتبار سے اس آدمی کے حق میں نعمت ہیں جو کسی امر کا قصد کرتا ہے جس تک رسائی ان دونوں کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

پس جو شخص علم اور عبادت کا ارادہ کرتا ہو اور اس کے پاس ضروریاتِ زندگی بقدر کفایت موجود ہوں اس کے نزدیک سونا اور مٹی کا ڈھیلا برابر ہے اور ان دونوں (سونے چاندی) کا ہونا نہ ہونا برابر ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات ان کی موجودگی فکر و عبادت سے دور رکھتی ہے لہٰذا اس شخص کے حق میں یہ مصیبت ہوں گے نعمت نہیں۔

چوتھی تقسیم:

ایک اور اعتبار سے نعمت کی تین قسمیں ہیں (۱) نافع (۲) لذیذ (۳) اور جمیل ـــ لذیذ وہ ہے جس کی راحت فوری طور پر حاصل ہو نافع وہ ہے جو مستقبل میں فائدہ دے اور جمیل اسے کہتے ہیں جو ہر حالت میں اچھی ہو۔

اسی طرح برائی بھی تین قسموں میں منقسم ہوتی ہے (۱) نقصان دِہ (۲) قبیح اور (۳) دردناک ـــ پھر ان دونوں قسموں میں سے ہر ایک مطلق بھی ہے اور مقید بھی۔ مطلق وہ ہے جس میں تینوں اوصاف جمع ہوں بھلائی میں ان اوصاف کے جمع ہونے کی مثال علم وحکمت ہے علم وحکمت والے لوگوں کے نزدیک یہ نافع بھی ہے، جمیل بھی اور لذیذ بھی۔ اور شر کی مثال جہالت ہے یہ نقصان دہ بھی ہے قبیح بھی اور ایذا رساں بھی۔ جاہل آدمی کو جب اپنی جہالت کا پتہ چلتا ہے تو وہ اذیت محسوس کرتا ہے کیوں کہ جب وہ دوسرے کو عالم اور اپنے آپ کو جاہل دیکھتا ہے تو نقصان کی اذیت کا احساس ہوتا ہے چنانچہ اس علم کی لذیذ خواہش ابھرتی ہے پھر بعض اوقات اسے حسد، تکبر اور بدنی خواہشات سیکھنے سے روکتی ہیں اور دو متضاد قوتیں اسے اپنی اپنی طرف کھینچتی ہیں جس سے اس کو سخت تکلیف ہوتی ہے کیوں کہ اگر وہ علم کو چھوڑتا ہے تو جہالت اور نقص کی اذیت پہنچتی ہے اور اگر حصول علم میں مشغول ہوتا ہے تو خواہشات چھوڑنے کی اذیت ہوتی ہے یا تکبر کو چھوڑنے اور سیکھنے کے لیے ذلت اٹھانے کا رنج ہوتا ہے اس قسم کا آدمی یقیناً مستقل عذاب میں رہتا ہے۔

دوسری قسم یعنی مقید وہ ہے جس میں بعض اوصاف جمع ہوتے ہیں اور بعض نہیں ہوتے کئی نفع بخش باتیں اذیت ناک ہوتی ہیں جیسے اس انگلی کا کاٹنا جس کا ناسور بڑھتا ہے اور بدن سے باہر جلد کو نقصان دینے والے زخم کو کاٹنا اور کئی نفع بخش باتیں

marfat.com

قبیح ہوتی ہیں جیسے بیوقوفی بعض حالات میں نفع دیتی ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ جس کی عقل نہیں اس نے آرام پایا کیوں کہ اس کو انجام کار کا اہتمام نہیں ہوتا اس لیے وہ فی الحال آرام پاتا ہے حتی کہ اس کی موت کا وقت آجائے۔ اور بعض باتیں کسی اعتبار سے نافع اور کسی وجہ سے نقصان دہ ہوتی ہیں جیسے ڈوبنے کا خوف ہو تو مال دریا میں پھینک دینا یہ عمل مال کے لیے نقصان دہ ہے لیکن اس سے نجات کے اعتبار سے نفس کے لئے نافع ہے نافع کی دو قسمیں ہیں ایک ضروری ہے جیسے ایمان اور اچھے اخلاق جو اُخروی سعادت تک رسائی کا ذریعہ ہیں اور اس سے ہماری مراد علم و عمل ہے کیوں کہ کوئی بھی عمل ان دونوں جیسا نہیں ہو سکتا دوسری قسم وہ ہے جو ضروری نہیں ہے مثلاً صفرا کے خاتمے کے لیے سکنجبین کا استعمال، کیوں کہ صفرا کی تسکین کے لیے کوئی دوسری چیز بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔

تیسری تقسیم:

جان لو کہ ہر لذیذ چیز کو نعمت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور لذات کی انسان کی طرف نسبت کے اعتبار سے کہ وہ اس کے ساتھ خاص ہیں یا اس کے ساتھ کوئی دوسرا بھی شریک ہے تین قسمیں ہیں ایک عقلی دوسری وہ بدنی جس میں بعض حیوانات بھی شریک ہیں اور تیسری وہ بدنی جن میں انسان کے ساتھ تمام حیوانات شریک ہوتے ہیں۔

پہلی لذت یعنی عقلی لذات کی مثال علم و حکمت کی لذت ہے کیوں کہ ان دونوں باتوں کی لذت کا تعلق سننے، دیکھنے، سونگھنے اور چکھنے سے نہیں اور نہ ہی یہ پیٹ اور شرمگاہ سے متعلق ہے بلکہ ان باتوں کی لذت دل کو حاصل ہوتی ہے کیوں کہ یہ ایک صفت کے ساتھ خاص ہیں جسے عقل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ لذت بہت کم پائی جاتی ہے لیکن اس کا مرتبہ سب سے زیادہ ہے اس کی قلت یہ ہے کہ علم سے صرف عالم ہی لطف اندوز ہوتا ہے اور حکمت کی لذت صرف حکیم کو حاصل ہوتی ہے اور علم و حکمت والے لوگ بہت کم ہیں اگرچہ نام کے علماء اور حکماء بے شمار ہیں۔ اور اس لذت کی شرافت اس اعتبار سے ہے کہ یہ انسان کے ساتھ لازم رہتی ہے کبھی زائل نہیں ہوتی نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں بلکہ انسان اس سے اُکتاتا نہیں جب کہ آدمی کھانے سے سیر ہو جائے تو اُکتا جاتا ہے اور جماع کی خواہش پوری کرنے کے بعد بوجھ محسوس کرتا ہے لیکن علم و حکمت میں ملال اور بوجھ کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ اور جو آدمی ایسی چیز پر قادر ہو جو شرف کی حامل ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہتی ہے پھر وہ جلد فنا ہونے والی خسیس چیز پر راضی رہے تو اس کی عقل میں قصور ہے اور وہ اپنی بدبختی کی وجہ سے محروم ہے۔

اور سب سے کم بات یہ ہے کہ علم اور عقل کو مددگاروں اور حفاظت کرنے والوں کی حاجت نہیں ہوتی جب کہ مال کو ضرورت ہوتی ہے کیوں کہ علم تمہاری حفاظت کرتا ہے اور تم مال کی حفاظت کرتے ہو علم، خرچ کرنے سے بڑھتا ہے جب کہ مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے مال چوری ہو جاتا ہے اور اس سے معزولی بھی ہوتی ہے جب کہ علم تک چوروں کے ہاتھ نہیں پہنچتے کہ اسے اٹھا لیں اور نہ بادشاہوں کے ہاتھ پہنچتے ہیں کہ معزول کر دیں پس صاحبِ علم ہمیشہ روحِ امن میں ہوتا ہے

marfat.com

جب کہ مال اور دینوی جاہ و مرتبے والا آدمی ہمیشہ خوف کے کرب میں مبتلا رہتا ہے پھر یہ کہ علم ہمیشہ نفع بخش، لذیذ اور جمیل ہوتا ہے جب کہ مال کبھی ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے اور کبھی نجات کی راہ پر گامزن کرتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کئی مقامات پر مال کی مذمت کی ہے اگرچہ کئی مقامات پر اس کو خیر (بھلائی) بھی قرار دیا ہے۔

اکثر لوگوں کا لذتِ علم کے ادراک سے کوتاہ رہنا یا تو عدم ذوق کی وجہ سے ہے کیوں کہ جس کو ذوق نہ ہوگا وہ تو نہ معرفت حاصل کرے گا اور نہ ہی اسے شوق پیدا ہوگا کیوں کہ شوق، ذوق کے بعد آتا ہے (ذوق چکھنے کو کہتے ہیں جب کوئی چیز چکھی جائے تو اس کے بعد اس کا شوق ہوتا ہے ۱۲ ہزاروی)

یا ان کو لذتِ علم کا ادراک اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ ان کے مزاج خراب ہیں اور دل مریض ہیں کیوں کہ وہ خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں جیسے وہ مریض جو شہد میں مٹھاس نہیں پاتا اور اسے کڑوا سمجھتا ہے اور تیسری وجہ ان کی ذہانت کی کمی ہے کیوں کہ ابھی تک ان کے لیے وہ صفت پیدا نہیں کی گئی جس کے ذریعے علم کی لذت حاصل ہوتی ہے جیسے دودھ پینے والا بچہ جسے شہد اور بھنے ہوئے پرندے کی لذت کا ادراک نہیں ہوتا وہ صرف دودھ سے لطف اندوز ہوتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ چیزیں لذیذ نہیں ہیں اور اس کا دودھ کو خوشی سے قبول کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ سب سے زیادہ لذت اسی میں ہے۔

تو لذتِ علم و حکمت کے ادراک سے قاصر لوگوں کی تین قسمیں ہیں (۱) جس کا باطن ابھی تک زندہ نہیں ہوا جیسے بچہ (۲) جس کا باطن ہے زندہ ہونے کے بعد مر گیا کیوں کہ وہ خواہشات کے پیچھے چل پڑا (۳) یا خواہشات کی اتباع کے باعث وہ بیمار ہو گیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (۱) ان کے دلوں میں بیماری ہے۔

اس آیت میں عقلی بیماری کی طرف اشارہ ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے

لِیُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَیًّا (۲) تاکہ وہ اس کو ڈرائیں جو زندہ ہے۔

اس میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو باطنی حیات کے ساتھ زندہ نہ ہوں۔ اور ہر وہ شخص جو بدن کے ساتھ زندہ ہے لیکن اس کا دل مردہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مردہ شمار ہوتا ہے اگرچہ جاہل لوگوں کے نزدیک وہ زندہ ہو یہی وجہ ہے کہ شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش خوش ہیں اگرچہ وہ بدن کے اعتبار سے فوت ہو

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱۰

(۲) قرآن مجید، سورۂ یٰسین آیت ۷۰

marfat.com

چکے ہیں۔

دوسری لذت وہ ہے جس میں انسان کے ساتھ بعض حیوانات بھی شریک ہیں جس طرح حکومت، غلبہ اور برتری کی لذت شیر، چیتے اور بعض دوسرے حیوانات کو بھی حاصل ہے۔

تیسری لذت وہ ہے جس میں انسان کے ساتھ تمام حیوانات شریک ہیں جیسے پیٹ اور شرمگاہ کی لذت ہے اور یہ بہت زیادہ پائی جاتی ہے اور یہی سب سے زیادہ خسیس ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں تمام حیوانات شریک ہیں حتی کہ کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض میں بھی یہ لذت پائی جاتی ہے اور جو شخص اس مرتبہ سے آگے بڑھتا ہے تو وہ لذتِ غلبہ کا شکار ہو جاتا ہے اور وہ غافل لوگوں میں زیادہ پائی جاتی ہے اور اگر اس سے بھی آگے بڑھ جائے تو تیسری لذت تک جا پہنچتا ہے اور اب سب سے زیادہ غالب آنے والی لذت، علم و حکمت کی لذت ہوتی ہے خصوصاً معرفت خداوندی اور اس کی صفات و افعال کی معرفت کی لذت زیادہ حاصل ہوتی ہے اور یہ صدیقین کا درجہ ہے اور اسے مکمل طور پر اسی وقت حاصل کیا جا سکتا ہے جب دل سے اقتدار کی محبت کا غلبہ خارج ہو جائے اور صدیقین کے دماغ سے سب سے آخر میں یہی بات باہر نکلتی ہے پیٹ اور شرمگاہ کی حرص کو توڑنے پر تو صلحا بھی قادر ہوتے ہیں جب کہ ریاست کی خواہش کو توڑنے پر صرف صدیقین قادر ہوتے ہیں اور جہاں تک اسے بالکل ختم کرنے کا تعلق ہے کہ کبھی بھی اور کسی حال میں بھی اس کا احساس نہ ہو تو غالب یہی ہے کہ وہ انسانی طاقت سے خارج ہے ہاں بعض حالات میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کی لذت غالب آتی ہے تو اس صورت میں ریاست اور غلبہ کی لذت کا احساس نہیں ہوتا لیکن یہ عمل ہمیشہ نہیں ہوتا بلکہ اس میں کمی آتی ہے تو بشری صفات لوٹ آتی ہیں اور یہ لذت موجود ہوتی ہے لیکن یہ مغلوب ہوتی ہے جو نفس کو عدل سے پھیرنے پر قادر نہیں ہوتی۔

دل کی اقسام :

اس صورت میں دل چار قسموں میں تقسیم ہوتے ہیں ایک وہ دل ہے جو صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور اسے اسی صورت میں آرام ملتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے بارے میں فکر زیادہ ہو۔

دوسری قسم کا دل وہ ہے جو لذتِ معرفت سے نا آشنا ہوتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُنس کا کیا معنی ہے وہ جاہ و مرتبہ، ریاست، مال اور تمام بدنی شہوات سے لذت حاصل کرتا ہے۔

تیسری قسم کا دل وہ ہے جو عام طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مانوس ہوتا ہے اور اس کی معرفت و فکر سے لذت حاصل کرتا ہے لیکن بعض احوال میں وہ بشری صفات کی طرف رجوع کرتا ہے اور چوتھا وہ دل ہے جو عام طور پر بشری صفات سے لذت حاصل کرتا ہے البتہ بعض احوال میں وہ علم و معرفت سے لذت پاتا ہے۔

پہلی قسم کے دل کا وجود میں آنا اگرچہ ممکن ہے لیکن انتہائی بعید ہے دوسرے قسم کے دل سے دنیا پُر ہے تیسری اور چوتھی قسم کے دل موجود ہیں لیکن بہت نادر ہیں اور ان کا تصور شاذ و نادر ہوتا ہے اور باوجود ان کے نادر ہونے کے قلت و کثرت

کے اعتبار سے ان میں تفاوت ہوتا ہے اس کی کثرت، ان زمانوں میں تھی جو انبیاء کرام علیہم السلام کے زمانوں کے قریب تھے اور اب جس قدر وہ مبارک زمانہ دور ہوتا جا رہا ہے اس قسم کے دل کم ہوتے جا رہے ہیں حتیٰ کہ قیامت ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس کام کا فیصلہ کر دے جس نے ہونا ہے۔

اس قسم کے دلوں کا نادر ہونا اس وجہ سے ہے کہ یہ سلطنت آخرت کا آغاز ہے اور بادشاہ زیادہ نہیں ہوا کرتے اور جس طرح بادشاہی اور حسن و جمال میں فوقیت رکھنے والے لوگ نادر ہوتے ہیں اور اکثر لوگ ان سے نچلے درجے میں ہوتے ہیں اسی طرح اُخروی مملکت کا حال بھی ہے کیوں کہ دنیا آخرت کا آئینہ ہے اس لیے کہ دنیا ظاہری عالم کا نام ہے اور آخرت عالم غیب کا عالم شہادت عالم غیب کے تابع ہوتا ہے۔ جس طرح شیشے میں دیکھی جانے والی صورت دیکھنے والے کی صورت کے تابع ہوتی ہے اور شیشے میں جو صورت ہے وہ اگرچہ وجود کے مرتبہ میں دوسرے نمبر پر ہوتی ہے لیکن دیکھنے کے حق میں اول وہی ہوتی ہے کیوں کہ تم اپنے آپ کو دیکھ نہیں سکتے اور پہلے شیشے میں اپنی صورت دیکھتے ہو اور پھر اپنی اس صورت کو پہچانتے ہو جو تمہارے ساتھ قائم ہے تو جو چیز وجود میں تابع ہے وہ معرفت کے حق میں متبوع بن جاتی ہے اور جو پیچھے ہے وہ پہلے ہو جاتی ہے یہ ایک قسم کا تغیر ہے لیکن تغیر و تبدل اس دنیا کی ضرورت ہے پس اسی طرح عالم ملک و شہادت، عالم غیب و ملکوت کی حکایت کرتا ہے بعض لوگوں کے لیے عبرت سے دیکھنا آسان کر دیا گیا لہٰذا وہ عالم ملک (عالم شہادت) کی جس چیز کو دیکھتا ہے اس سے عالم ملکوت تک جانے والی راہ عبور کرتا ہے اور اس بات کو عبرت کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کا حکم دیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۔ (۱) اے اصحابِ بصیرت! عبرت حاصل کرو۔

اور ان میں سے بعض کی بصیرت اندھے پن کا شکار ہے لہٰذا وہ عبرت حاصل نہیں کرتے اور دنیا میں ہی پھنس کر رہ جاتے ہیں اور عنقریب ان کے اس قید خانے کی طرف جہنم کے دروازے کھلیں گے اور یہ قید خانہ ایسی آگ سے بھر جائے گا جو دلوں پر چڑھے گی لیکن اس کے اور اس کی تکلیف کے ادراک کے درمیان حجاب ہے اور جونہی موت کے ساتھ یہ حجاب اٹھے گا اسے اس بات کی سمجھ آجائے گی اللہ تعالیٰ جن لوگوں کی زبانوں پر کلمہ حق جاری کرتا ہے انہی کی زبان سے اس حق کو ظاہر کرتا ہے چنانچہ انہوں نے کہا کہ جنت اور جہنم دونوں مخلوق ہیں لیکن جہنم کا ادراک کبھی ایسے علم کے ذریعے ہوتا ہے جسے علم الیقین کہتے ہیں اور بعض اوقات عین الیقین کے ساتھ ادراک ہوتا ہے اور عین الیقین آخرت میں ہوگا جب کہ علم الیقین کبھی دنیا میں ہوتا ہے لیکن یہ ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے نور یقین سے کامل حصہ حاصل کیا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ۔ (۲) ہرگز نہیں! اگر تم علم یقین کے ساتھ جانو تو جہنم کو ضرور بضرور دیکھو گے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حشر آیت ۲

(۲) قرآن مجید، سورۂ تکاثر آیت ۵

marfat.com

یعنی دنیا میں ہی دیکھ لوگے۔

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ۔ (۱) پھر تم اسے ضرور بضرور یقین کی آنکھ سے دیکھ لوگے۔

اس سے مراد آخرت میں دیکھنا ہے۔

تو بات واضح ہوگئی کہ جو دل آخرت کے ملک کے لیے صلاحیت رکھتا ہے وہ بہت کم پایا جاتا ہے جس طرح دنیا میں نیک لوگ کم پائے جاتے ہیں۔

چھٹی تقسیم:

یہ تمام نعمتوں کو شامل ہے یعنی نعمتوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو ذاتی طور پر مطلوب ہیں اور وہی غایت ہیں اور دوسری قسم ان نعمتوں کی ہے جو غایت کے لیے مطلوب ہیں غایت اُخروی سعادت کا نام ہے اور اس بات کا خلاصہ چار باتوں کی طرف لوٹتا ہے یعنی ایسا بقا جس کے لیے فنا نہیں، ایسا سرور جس میں غم نہ ہو، ایسا علم جو جہالت سے خالی ہو اور ایسی مالداری جس کے بعد فقر نہ ہو یہی حقیقی نعمت ہے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ۔ (۲) حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔

آپ نے یہ الفاظ ایک سختی کے وقت نفس کو تسلی دینے کے لیے فرمائے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب خندق کھودتے ہوئے شدت کی تکلیف تھی۔ اور ایک بار حالتِ سُرور میں یہی الفاظ ارشاد فرمائے تاکہ نفس دنیوی خوشی کی طرف مائل نہ ہو جائے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب حجۃ الوداع کے موقعہ پر صحابہ کرام آپ کے گرد کھڑے تھے (۳)

ایک شخص نے کہا یا اللہ! میں تجھ سے تمام نعمت کا سوال کرتا ہوں تو آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو تمام نعمت کیا ہوتی ہے اس نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا جنت میں داخلہ تمام نعمت ہے (۴)

وسائل کی چار قسمیں ہیں پہلی قسم جو سب سے زیادہ خاص اور سب سے زیادہ قریب ہوں جیسے نفس کے فضائل دوسری قسم ان وسائل کی ہے جو قرب میں ان سے ملے ہوئے ہیں جیسے بدن کے فضائل تیسری قسم جو قرب میں اس سے ملی ہوئی ہے اور بدن کے غیر کی طرف تجاوز کرتی ہے جیسے وہ اسباب جو بدن کے قریب ہیں مثلاً مال اہل وعیال اور خاندان اور چوتھی قسم میں نفس سے خارج اور نفس میں داخل دونوں قسم کے اسباب جمع ہوتے ہیں جیسے توفیق وہدایت ہے تو اس طرح

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ تکاثر آیت نمبر ۷

(۲) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۵۲۵ کتاب المناقب

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷، ص ۸۴ کتاب النکاح

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۳۱ مرویات معاذ

marfat.com

یہ چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم جو سب سے خاص ہے نفس کے فضائل ہیں اگرچہ ان کے فروع بہت زیادہ ہیں لیکن ان کا ماحصل دو باتوں کی طرف لوٹتا ہے ایک ایمان اور دوسرا خلقِ حسن، ایمان کی دو قسمیں ہیں ایک کا تعلق علم مکاشفہ سے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ، اس کی صفات اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں کا علم ہے اور دوسرا علم معاملہ ہے۔

حُسن خلق بھی دو قسموں میں منقسم ہوتا ہے شہوتوں اور غضب کے مقتضیٰ کو ترک کرنا اور اسے عفت کہا جاتا ہے اور خواہشات کو چھوڑنے یا ان پر عمل پیرا ہونے کے سلسلے میں عدل کا لحاظ رکھنا یعنی نہ تو بالکل ہی رُک جائے اور نہ ایسا ہو کہ جس طرح چاہے اقدام کرے بلکہ اس کا خواہش کی تکمیل اور اس سے باز رہنا اس میزان عدل کے مطابق ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اَنْ لَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ۔ (۱)	اور ترازو (تول) میں زیادتی نہ کرو اور انصاف کے ساتھ وزن قائم کرو اور تول میں کمی نہ کرو۔

تو جو، شخص شہوتِ جماع کو زائل کرنے کے لیے اپنے آپ کو خصی بنا لیتا ہے یا نکاح نہیں کرتا حالاں کہ وہ آفات سے محفوظ بھی ہے اور طاقت بھی رکھتا ہے یا کھانا چھوڑ دیتا ہے حتیٰ کہ عبادت اور ذکر و فکر سے کمزور ہو جاتا ہے تو ایسا شخص میزان عدل میں کوتاہی کر رہا ہے اور جو شخص پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت میں ہی مصروف ہو جاتا ہے وہ میزان میں حد سے بڑھتا ہے عدل تو یہ ہے وزن اور اندازہ کرنے میں زیادتی اور نقصان دونوں سے خالی ہو اور ترازو کے دونوں پلڑے برابر برابر ہوں۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ وہ فضائل جو نفس کے ساتھ خاص ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں وہ چار ہیں علم مکاشفہ، علم معاملہ، عفت اور عدالت، اور عام طور پر ان کی تکمیل دوسری قسم کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ بدنی فضائل ہیں اور وہ بھی چار ہیں یعنی صحت، قوت، جمال اور لمبی زندگی اور ان چاروں کو تیسری قسم تیار کرتی ہے اور یہ خارجی نعمتیں ہیں جو بدن کے قریب ہیں اور وہ بھی چار ہیں یعنی مال، اولاد، جاہ و مرتبہ اور خاندانی شرافت اور ان بدنی اور خارجی اسباب سے نفع اسی صورت میں ہوتا ہے جب چوتھی قسم پائی جائے اور وہ بدن کے داخلی اور خارجی اسباب کو جمع کرتی ہیں اور یہ بھی چار ہیں اللہ تعالیٰ کی ہدایت، رُشد، تسدید (سیدھا اور قائم رکھنا) اور اس کی مدد تو ان نعمتوں کی مجموعی تعداد سولہ ہے کیوں کہ ہم نے ان کو چار قسموں میں تقسیم کیا پھر ہر ایک کو مزید چار قسموں میں تقسیم کیا پھر ہر ایک کو مزید چار قسموں میں تقسیم کیا اور یہ سب ایک دوسرے کی محتاج ہیں چاہے حاجت ضروریہ کے ساتھ ہوں یا حاجتِ نافعہ کے ساتھ۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ رحمٰن آیت ۷ تا ۹

marfat.com

حاجت ضروریہ کی مثال اُخروی سعادت کی ایمان اور اخلاق حسنہ کی طرف حاجت ہے کیوں کہ ان دونوں کے بغیر اُخروی سعادت تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں اور انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے اور آخرت میں انسان کے لیے وہی کچھ ہوگا جو سامان اس نے دنیا سے حاصل کیا ہے پس اسی طرح نفسانی فضائل کے لئے ان علوم کا حاصل کرنا ضروری ہے اور تہذیب اخلاق کے لیے بدن کی صحت ضروری ہے۔

اور جس حاجت میں کسی نہ کسی طرح کا فائدہ ہوتا ہے وہ نفس اور بدن کی یہ نعمتیں خارجی نعمتوں مثلاً مال، عزت اور اہل کی حاجت مند ہوتی ہیں کیوں کہ اگر یہ نہ ہوں تو بعض اوقات داخلی نعمتوں میں خلل واقع ہوتا ہے۔

سوال :

طریقِ آخرت کے لیے خارجی نعمتوں یعنی مال، اہل، جاہ و مرتبہ اور خاندان کی ضرورت کیوں ہوتی ہے ؟

جواب :

جان لو کہ یہ اسباب بازو کے قائم مقام اور اس آلہ کی طرح ہیں جو مقصود کو اسان کر دیتا ہے مال کی حاجت اس لیے ہے کہ مفلس آدمی علم اور کمال کی طلب میں اسی طرح ہوتا جیسے کوئی شخص اسلحہ کے بغیر شکار کرے یا بازپروں کے بغیر شکار کو پکڑنے کی کوشش کرے۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ۔ (۱) نیک شخص کے لیے اچھا مال کیا ہی اچھا ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

نِعْمَ الْعَوْنُ عَلَى تَقْوَى اللهِ الْمَالُ۔ (۲) اللہ تعالیٰ سے ڈرنے پر بہترین مددگار مال ہے۔

اور ایسا کیوں نہیں ہوگا جب کہ مال سے محروم شخص اپنا تمام وقت روزی کی تلاش میں لباس، رہائش اور معیشت کی باقی تمام ضروریات میں صرف کر دیتا ہے پھر اسے طرح طرح کی اذیتیں پہنچتی ہیں جو اس کو ذکر و فکر سے دور رکھتی ہیں اور وہ اپنا دفاع مرد مال سے کر سکتا ہے علاوہ ازیں مال نہ ہونے کی وجہ سے وہ حج، زکوٰۃ اور صدقات کی فضیلت اور دوسری نیکیوں کی انجام دہی سے محروم رہتا ہے کسی دانا سے پوچھا گیا کہ نعمت کیا چیز ہے ؟ انہوں نے فرمایا "مالداری"، کیوں کہ میں دیکھتا ہوں فقیر کی کوئی زندگی نہیں ہوتی کہا گیا مزید کچھ بتائیے فرمایا "امن" کیوں کہ میں دیکھتا ہوں خوف زدہ آدمی کی کوئی زندگی نہیں ہوتی کہا گیا مزید کچھ بتائیے فرمایا "صحت"، کیوں کہ مریض کی کوئی زندگی نہیں ہے کہا گیا مزید کچھ بتائیں فرمایا جوانی کیوں کہ بڑھاپے کی کیا زندگی ہے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۹۷ مرویات، عمرو بن عاص

(۲) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۴ ص ۲۵۶ حدیث ۶۷۵۶

گویا انہوں نے جو ذکر کیا وہ دینوی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے لیکن اس اعتبار سے کہ یہ چیزیں آخرت پر مددگار ہوتی ہیں اس لیے نعمت ہیں اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ اَصْبَحَ مُعَافًی فِی بَدَنِهٖ آمِنًا فِی سِرْبِهٖ عِنْدَهٗ قُوْتُ یَوْمِهٖ فَکَاَنَّمَا حِیْزَتْ لَهُ الدُّنْیَا بِحَذَافِیْرِهَا۔ (۱)

جو آدمی اس حالت میں صبح کرے کہ اس کا بدن صحیح سلامت ہو اسے اطمینانِ قلبی حاصل ہو اس کے پاس ایک دن کی روزی ہو گویا اس کے لیے دنیا اپنے تمام اطراف کے ساتھ جمع کر دی گئی۔

اور جہاں تک بیوی اور نیک اولاد کا تعلق ہے تو ان کی حاجت کی وجہ پوشیدہ نہیں ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نِعْمَ الْعَوْنُ عَلَی الدِّیْنِ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ (۲)

دین پر بہترین مددگار نیک عورت ہے۔

اور اولاد کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

اِذَا مَاتَ ابْنُ اٰدَمَ انْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ وَلَدٌ صَالِحٌ یَدْعُوْ لَهٗ۔ (۳)

جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے البتہ تین کام باقی رہتے ہیں (ان میں سے ایک) نیک اولاد ہے جو اس کے لیے دعا کرتی ہے۔

ہم نے کتاب النکاح میں اہل وعیال کے فوائد ذکر کئے ہیں۔ جہاں تک قریبی رشتہ داروں کا تعلق ہے تو جب آدمی کی اولاد اور رشتہ دار زیادہ ہوں تو وہ اس کے لیے آنکھوں اور بازوؤں کی طرح ہوتے ہیں ان کے ذریعے اس کے لیے وہ دینوی امور جو دین کے لیے ضروری ہیں، آسان ہو جاتے ہیں کیوں کہ اگر وہ اکیلا ہو تو کام لمبا ہو جاتا ہے اور جس کی وجہ سے آدمی کا دل ضروریاتِ دنیا سے فارغ ہو جائے وہ اس کے لیے دین پر مددگار ہوتا ہے پس اس اعتبار سے وہ نعمت ہے۔

جہاں تک عزت وجاہ کا تعلق ہے تو اس کے ذریعے انسان اپنے آپ سے ذلت اور ظلم کو دور کرتا ہے اور کوئی بھی مسلمان اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس کا کوئی نہ کوئی دشمن ہو گا جو اس کو اذیت پہنچاتا ہو گا یا کسی ظالم کی وجہ سے اس کے علم، عمل اور فراغت میں تشویش پیدا ہو گی اور اس کا دل اس طرف متوجہ ہو گا اور دل ہی اصل مال ہے جب کہ عزت اور مرتبہ و مقام کے ذریعے ان باتوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ دین اور حکمران جڑواں بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۱۵، ابواب الزھد
(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۵، ۴ کتاب الرضاع
(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۴ کتاب الوصیۃ

marfat.com

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ۔ (۱)

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دُور نہ کرتا تو زمین میں فساد بپا ہو جاتا۔

اور جاہ و مرتبہ کا معنی دلوں پر حکومت کرنا ہے جیسے مالداری کا مطلب دراہم کا مالک ہونا ہے جو آدمی درھموں (روپے) کا مالک ہوتا ہے اس کے سامنے لوگ مسخر ہوتے ہیں اور اس سے اذیت کو دور کرتے ہیں تو جس طرح آدمی چھت کا محتاج ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے بارش سے بچے کوٹ کی حاجت ہوتی ہے کہ اس کے ذریعے سردی سے محفوظ رہے اور کتے کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے ذریعے جانوروں کو بھیڑیئے سے بچائے اسی طرح اسے ایسی چیز کی ضرورت بھی ہوتی ہے جو اس سے شر کو دور کرے اسی مقصد کے تحت وہ انبیاء کرام جن کے پاس حکومت اور سلطنت نہ تھی وہ بادشاہوں کا خیال رکھتے تھے اور ان کے ہاں ان کو عزت حاصل ہوتی تھی اور اسی طرح علماء دین کا معاملہ ہے وہ بادشاہوں کے پاس ان کے خزانے لینے اور دنیوی مال جمع کرنے کے لیے نہیں جاتے تھے (بلکہ دین کی حفاظت مقصود تھی) اور تمہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی، آپ کے دین کو مکمل کیا تمام دشمنوں پر آپ کو غالب کیا اور لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت ڈال دی حتیٰ کہ آپ کی عزت و جاہ پھیل گئی تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی نعمت آپ پر زیادہ تھی اور جب آپ کو اذیت دی جا رہی تھی یہاں تک کہ آپ ہجرت پر مجبور ہو گئے (۲)

اس وقت کم تھی (ایسا نہیں بلکہ دونوں صورتوں میں یکساں تھی)

سوال:

خاندانی شرافت اور نسب کی عمدگی بھی نعمت ہے یا نہیں؟

جواب:

ہاں نعمت ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ۔ (۳)

ائمہ قریش سے ہوں گے۔

اور اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بنو آدم کے سب سے اعلیٰ نسب سے تعلق ہے (۴) اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ بقرۃ آیت ۲۵۱

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۸۴ کتاب بدء الخلق

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۸۲ مرویات انس

(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۴۵ کتاب الفضائل

marfat.com

تَخَيَّرُوْا لِنُطَفِكُمُ الْاَكْفَاءَ۔ (۱) اپنے مادہ منویہ کے لئے ہم پلہ کو اختیار کرو۔

اور آپ نے فرمایا۔

اِيَّاكُمْ وَخَضْرَاءَ الدِّمَنِ۔ اپنے آپ کو کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر اگنے والے سبزے سے بچاؤ۔

عرض کیا اس سبزے سے کیا مراد ہے! آپ نے فرمایا برے خاندان کی خوبصورت عورت مراد ہے۔ (۲)

تو یہ بھی ایک نعمت ہے اس سے مراد ظالم لوگوں اور دنیاداروں سے منسوب ہونا نہیں بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ مبارکہ، بڑے بڑے علماء صالحین اور نیک لوگ جو علم وعمل کی دولت سے مالا مال ہیں، کی طرف نسبت کرنا ہے۔

سوال:

بدنی فضائل کا کیا مفہوم ہے؟

جواب:

صحت، قوت اور طویل زندگی کی سخت ضرورت کوئی پوشیدہ بات نہیں ہے کیوں کہ ان باتوں سے ہی علم وعمل کی تکمیل ہوتی ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَفْضَلُ السَّعَادَاتِ طُوْلُ الْعُمُرِ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ۔ (۳) سب سے افضل سعادت لمبی زندگی ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزرے۔

ان امور میں سے حسن وجمال کے معاملے کو معمولی سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ بدن کا ایسی بیماریوں سے محفوظ ہونا کافی ہے جو نیکیوں کی تلاش سے مانع ہیں، یہ ٹھیک ہے جمال معمولی مالداری ہے لیکن یہ بھی اچھے امور میں سے ہے دنیا میں اس کا نفع مخفی نہیں ہے اور آخرت میں اس کی دو وجہ ہیں ایک تو یہ کہ بدصورت کو لوگ برا کہتے ہیں اور طبیعتیں اس سے نفرت کرتی ہیں جب کہ خوبصورت آدمی کی ضرورتیں جلدی پوری کی جاتی ہیں نیز لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت ومرتبہ زیادہ ہوتا ہے گویا اس اعتبار سے وہ مال وجاہ کی طرح مقصد تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے کیوں کہ یہ بھی ایک قسم کی قدرت ہے اور خوبصورت چہرے والے حاجتوں کی فوری تکمیل پر جس قدر قادر ہوتا ہے بدصورت کو اس قدر طاقت حاصل نہیں ہوتی۔ اور جو چیز دنیوی حاجات کو پورا کرنے پر مددگار ہو وہ اس کے واسطے سے آخرت میں بھی مددگار ہوگی۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۱۴۲، ابواب النکاح

(۲) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۲۰۰ حدیث ۴۴۵۸۰

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۸۸ مرویات عبداللہ ابن بسر

marfat.com

اور دوسری بات یہ ہے کہ عام طور پر حُسن وجمال نفس کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جب نفس کا نور خوب چمکتا ہے تو وہ بدن پر ظاہر ہوتا ہے اور ظاہر و باطن اکثر یکساں ہوتے ہیں اسی لیے اصحاب فراست مکارمِ نفس کی معرفت میں بدن کا اعتبار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چہرہ اور آنکھیں باطن کا آئینہ ہیں اسی لیے اس میں غصے، خوشی اور غم کا ظہور ہوتا ہے۔ اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ چہرے کی بشاشت اندر کی خبر دیتی ہے اور کہا گیا ہے کہ دنیا میں جتنے بدصورت ہیں ان کے چہرے باطن کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت ہیں۔

ایک دفعہ خلیفہ مامون کے سامنے کچھ لوگ فوج میں بھرتی ہونے کے لیے آئے ان میں ایک بدصورت شخص بھی تھا خلیفہ نے اس سے گفتگو کی تو اس کی زبان میں لکنت تھی اس نے اس کا نام فہرست سے نکال دیا اور کہا اگر روح کی چمک ظاہری بدن پر ہو تو خوبصورتی حاصل ہوتی ہے اور اگر باطن پر ہو تو فصاحت ہوتی ہے اس کا تو ظاہر و باطن کچھ بھی نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا۔

اُطْلُبُوا الْخَيْرَ عِنْدَ حِسَانِ الْوُجُوْهِ۔ (۱) بھلائی خوبصورت لوگوں کے پاس تلاش کرو۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تم کوئی قاصد بھیجو تو اچھے چہرے اور اچھے نام والا تلاش کرو۔

اور فقہا فرماتے ہیں جب تمام نمازیوں کا درجہ ایک جیسا ہو تو ان میں سے زیادہ خوبصورت امامت کے زیادہ لائق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس بات پر احسان جتاتے ہوئے فرمایا۔

وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ۔ (۲) اور اللہ تعالیٰ اسے (طالوت کو) علم و جسم میں زیادہ کشادگی عطا فرمائی۔

جمال سے ہماری مراد وہ حُسن نہیں ہے جو شہوت کو حرکت دے یہ تو مونث ہوتا ہے ہماری مراد یہ کہ آدمی کا قد اعتدال پر ہو اس میں گوشت بھی مناسب انداز میں ہو اعضاء مناسب ہوں چہرہ ایسا ہو کہ لوگ اسے دیکھ کر نفرت نہ کریں۔

سوال:

آپ نے مال، جاہ و مرتبہ، نسب اور اہل و اولاد کو نعمتوں میں شامل کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مال و جاہ کی مذمت فرمائی ہے (۳)

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ۔ (۴) بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے تمہارے دشمن ہیں پس ان سے بچو۔

---

(۱) شعب الایمان جلد ۳ ص ۲۷۸ حدیث ۲۵۴۱

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۴۷

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۶۰ مرویات کعب بن مالک

(۴) قرآن مجید سورۂ تغابن آیت ۱۴

marfat.com

اور ارشاد فرمایا۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ (۱) بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نسب کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں لوگ اپنی نیکیوں کی اولاد ہیں اور ہر شخص کی قیمت وہی ہے جو اس کو اچھا کرتی ہے اور کہا گیا ہے کہ آدمی (کا مقام) اپنی ذات سے ہوتا ہے باپ کے ذریعے نہیں تو شرعی طور پر مذموم ہونے کی صورت میں اس کے نعمت ہونے کا کیا مطلب ہوا۔

جواب:

جو شخص الفاظ منقولہ مؤولہ اور عام مخصوص البعض سے علوم حاصل کرتا ہے اس پر گمراہی غالب ہوتی ہے جب تک اس کو اللہ تعالیٰ کے نور سے علوم کا اصل ماہیت پر ادراک نہ ہو پھر اس ادراک کے بعد وہ اسے منتقل کرے جس طریقے پر بھی ہو کبھی تاویل کے طریقے پر اور کبھی تخصیص کی صورت میں۔

تو اب جب ان چیزوں کو دیکھتے ہیں تو وہ امر آخرت پر مددگار ہیں اور اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن اس میں فتنہ اور خوف بھی ہے مال کی مثال اس سانپ جیسی ہے جس میں نفع بخش تریاق بھی ہے اور ضرر رساں زہر بھی اگر اسے منتر جاننے والا پکڑے جو اس کے زہر سے بچنے کا طریقہ جانتا ہے اور اس کا نفع بخش تریاق نکال سکتا ہے تو یہ نعمت ہے اور دیہاتی مغرور پکڑے تو اس کے حق میں مصیبت اور وبال ہے اور یہ ایک سمندر کی طرح ہے جس کی تہہ میں طرح طرح کے جواہر اور موتی ہوتے ہیں اب جو شخص تیراکی جانتا ہے اور غوطہ لگا سکتا ہے نیز سمندر کی آفات سے بچ سکتا ہے تو وہ اس کی نعمتوں کے ساتھ کامیابی حاصل کرتا ہے اور اگر اس کو علم نہ ہو اور غوطہ لگا دے تو ہلاک ہو جاتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مال کی تعریف فرمائی اور خیر قرار دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تعریف فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

نِعْمَ الْعَوْنُ عَلَى تَقْوَى اللّٰهِ الْمَالُ۔ (۱) اللہ تعالیٰ کے خوف پر بہترین مددگار مال ہے۔

اور اسی طرح عزت و جاہ کی تعریف فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر اس بات کا احسان فرمایا کہ آپ کو تمام ادیان پر غالب کر دیا اور مخلوق کے دلوں میں آپ کی محبت ڈال دی جاہ و عزت کا یہی مطلب ہے لیکن ان دونوں باتوں کی تعریف بہت کم آئی ہے جب کہ مال و جاہ کی مذمت زیادہ منقول ہے کیوں کہ ریاکاری کی مذمت فرمائی اور جاہ و مرتبہ کی مذمت ہے اس لیے کہ ریاکاری کا مقصود لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنا ہے اور جاہ کا مطلب دلوں پر حکومت

---

(۱) قرآن مجید سورۂ تغابن آیت ۱۵

(۲) کنز العمال جلد ۳ ص ۲۴۱ حدیث ۶۲۴۲

marfat.com

کرنا ہے۔

ان کی مذمت کا زیادہ اور تعریف کا کم ہونا اس وجہ سے ہے کہ اکثر لوگ مال کے سانپ کا منتر نہیں جانتے اور جاہ کے سمندر میں غوطہ لگانے کے طریقے سے ناواقف ہیں اس لیے ان کو ڈرانا واجب ہے وہ مال کے تریاق تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کے زہر سے ہلاک ہو جاتے ہیں اور وہ سمندر کے جواہرات تک رسائی سے پہلے ہی اس کی موج انہیں برباد کر دیتی ہے اور اگر یہ دونوں باتیں ذاتی طور پر ہر ایک کے حق میں مذموم ہوتیں تو نبوت کے ساتھ حکومت کا کوئی تصور نہ ہوتا جیسے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی اور نہ اس کے ساتھ مالداری ہوتی جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کو عنایت ہوئی۔

تو تمام لوگ بچے ہیں اور مال سانپ ہیں انبیاء کرام عارفین ہیں اور ان کا منتر جانتے ہیں اور وہ چیز جو منتر جاننے والے کو تکلیف نہیں پہنچاتی بعض اوقات بچے کو اذیت پہنچاتی ہے ہاں منتر جاننے والے کی اولاد ہو تو وہ اس کو باقی رکھے اور اس کی بہتری کا ارادہ کرتا ہے اور بعض اوقات جب سانپ کو پاتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ اگر وہ اس کو تریاق کے لیے پکڑے گا تو اس کا بچہ بھی اس کی پیروی کرے گا اور اس کے ساتھ کھیلنے لگے گا اور ہلاک ہو جائے گا حالانکہ اس کی غرض تریاق حاصل کرنا بھی ہے اور بچے کو بچانا بھی۔

اب اس کے سامنے دو صورتیں ہیں اگر وہ تریاق کے حصول سے صبر کر سکتا ہے اور اسے کوئی زیادہ نقصان نہیں پہنچے گا لیکن اس کو پکڑنے کی صورت میں بچہ بھی اس کو پکڑے گا اور بچے کی ہلاکت کے باعث زیادہ نقصان ہو گا تو اب اس پر واجب ہے کہ سانپ کو دیکھ کر اس سے بھاگے اور بچے کو بھی بھاگنے کا اشارہ کرے نیز اس کی نگاہوں میں اسے نہایت قبیح قرار دے اور اسے بتائے کہ اس میں ہلاک کرنے والا زہر ہے جس سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا نیز اس بچے کو ہرگز نہ بتائے کہ اس میں نفع بخش تریاقی بھی ہے کیوں کہ ہو سکتا ہے بچہ واقفیت کے بغیر اس پر جرأت کر بیٹھے۔

اسی طرح غوطہ زن کا معاملہ ہے اگر وہ جانتا ہو کہ بچے کے سامنے غوطہ لگانے سے وہ بھی اس کے پیچھے آئے گا اور ہلاک ہو جائے گا تو اس پر واجب ہے کہ بچے کو دریا اور نہر کے کنارے پر جانے سے ڈرائے اور اگر بچہ محض ڈرانے سے نہ ڈرے جب وہ اپنے والد کو دریا کے کنارے چکر لگاتے ہوئے دیکھے تو اب ضروری ہے کہ خود بھی ساحل سے دور رہے اور بچے کو بھی دور رکھے اور اس کے سامنے دریا کے قریب نہ جائے۔

تو امت بھی اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی شفقت کی گود میں ناواقف بچوں کی طرح ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِہٖ۔ (۱)

میں تمہارے لیے اس طرح ہوں جیسے اولاد کے لیے والد ہوتا ہے۔

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۴ کتاب الطہارۃ

marfat.com

اور آپ نے ارشاد فرمایا،

اِنَّكُمْ تَهَافَتُوْنَ عَلَى النَّارِ تَهَافُتَ الْفَرَاشِ وَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ۔ (۱)

تم آگ پر پروانوں کی طرح گرتے ہو اور میں تمہیں کمر سے پکڑتا ہوں (اور پیچھے ہٹاتا ہوں)

اور انبیاء کرام علیہم السلام کا سب سے بڑا مقصد اپنی اولاد (امت) کو ہلاکت خیز باتوں سے بچانا ہی تھا اور وہ اسی مقصد کے لیے مبعوث ہوئے مال کے ساتھ ان کا تعلق بقدر کفایت تھا پس انہوں نے اسی قدر پہ گذارہ کیا اور جو بچ گیا اسے انہوں نے روکا نہیں بلکہ خرچ کر دیا کیوں کہ یہ خرچ کرنا ہی تریاق ہے اور روکنا زہر قاتل ہے اور اگر لوگوں کے لیے مال کمانے کا دروازہ کھول دیا جائے اور وہ اس میں رغبت کریں تو وہ روکنے کے زہر کی طرف مائل ہوں گے اور خرچ کرنے کے تریاق سے اعراض کریں گے اسی وجہ سے مالوں کو قبیح قرار دیا گیا اور اس سے مراد ان کو روکنے کی صورت میں قباحت ہے زیادہ مال حاصل کرنے کی حرص رکھنا اور نعمتوں کی وسعت جو دنیا اور اس کی لذات کی طرف مائل کرتی ہے لیکن بقدر ضرورت حاصل کرنا اور زائد مال اچھے کاموں میں خرچ کرنا مذموم نہیں ہے اور ہر مسافر کا حق ہے کہ وہ سفر میں ضرورت کے مطابق زادراہ اختیار کرے بشرطیکہ اس بات کا پختہ ارادہ ہو کہ وہ اپنے اوپر ہی خرچ کرے گا لیکن جب دوسروں کو کھانا کھلانا ہو اور رفقاء پر صرف کرنا مقصود ہو تو زیادہ لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لِيَكُنْ بَلَاغُ اَحَدِكُمْ مِنَ الدُّنْيَا كَزَادِ الرَّاكِبِ (۲)

تمہارا دنیوی توشہ مسافر کے زادراہ کی طرح ہونا چاہیے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے ذاتی اخراجات کے لیے اتنا ہونا چاہیئے ورنہ اس حدیث کے راویوں میں سے ایسے لوگ بھی تھے کہ وہ اس پر عمل بھی کرتے لیکن ایک جگہ وہ ایک لاکھ درھم لے جاتے اور وہاں ہی خرچ کر کے کچھ بھی واپس نہ لاتے۔

اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مال دار لوگ جنت میں سختی کے ساتھ داخل ہوں گے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس بات کی اجازت مانگی کہ وہ اپنی تمام ملکیت صدقہ کر دیں تو آپ نے ان کو اجازت دے دی اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام اترے اور عرض کیا کہ آپ ان کو حکم دیں کہ وہ مسکین کو کھانا کھلائیں، ننگے کو کپڑا پہنائیں اور مہمان کی مہمان نوازی کریں۔ (۳)

تو دینوی نعمتوں میں ملاوٹ ہے ان کا علاج بیماری کے ساتھ ملا ہوا ہے اور امید و خوف بھی ساتھ ساتھ ہیں اسی طرح اس

---

(۱) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۴۸۷ کتاب الانبیاء

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۲، ابواب الزھد (۳) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۳۱۱ کتاب معرفتہ الصحابۃ

marfat.com

کا نفع اور نقصان بھی ایک دوسرے سے متصل ہے پس جس شخص کو اپنی بصیرت اور کمالِ معرفت کی وجہ سے یقین ہو تو وہ اس کے قریب ہو سکتا ہے لیکن اس کی بیماری سے بچتے ہوئے اور اس کی دوا کی امید رکھتے ہوئے اور جسے یقین نہ ہو اسے خطرات کے مقام سے علیحدہ رہنا اور بھاگنا چاہیے ایسے لوگوں کے حق میں سلامتی ہی عمدہ ہے اور تمام لوگ اسی طرح کے ہیں مگر جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور اپنے راستے کی طرف راہنمائی فرمائے۔

سوال :

توفیقی نعمتیں جو ہدایت، رُشد، تائید اور تسدید (سیدھا رہنا) کی طرف لوٹتی ہیں ان کا کیا مطلب ہے۔

جواب :

توفیق سے کوئی بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا اور اس کا مطلب بندے کے ارادے اور اللہ تعالیٰ کے قضاء قدر کے درمیان ربط کا ہونا ہے اور یہ خیر و شر پر مشتمل ہوتا ہے نیز یہ کہ سعادت کیا ہے اور شقاوت کیا ؛ لیکن عرف و عادت میں توفیق کا لفظ اسی بات کے ساتھ خاص ہے جو اللہ تعالیٰ کے قضاء و قدر میں سے سعادت کے موافق ہو جیسے الحاد لغوی طور پر میلان کو کہتے ہیں لیکن اب حق سے باطل کی طرف میلان کا نام الحاد ہے اور اسی طرح اقدار کا معاملہ ہے اور توفیق کی حاجت میں کوئی پوشیدگی نہیں اسی لیے کہا گیا ہے۔

إِذَا لَمْ يَكُنْ عَوْنٌ مِنَ اللهِ لِلْفَتَى فَأَكْثَرُ مَا يَجْنِي عَلَيْهِ اجْتِهَادُهُ۔

جب بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق و مدد حاصل نہ ہو تو اکثر اس کا اجتہاد ہی گناہ میں مبتلا کرتا ہے۔

اور ہدایت کے بغیر تو کوئی شخص سعادت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ انسان بعض اوقات ایسے کام کا ارادہ کرتا ہے جس میں اس کی اُخروی بھلائی ہو لیکن جب اسے معلوم نہ ہو کہ اس کی بہتری کس چیز میں ہے حتیٰ کہ وہ فساد کو بھی بہتری تصور کرتا ہو تو محض ارادہ اسے کیا نفع دے گا۔ لہٰذا ارادے قدرت اور اسباب میں فائدہ، ہدایت کے بعد ہی ہوتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى۔ (۱)

ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کر کے پھر اسے ہدایت دی۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَى مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَكِنَّ اللهَ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ۔ (۲)

اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم میں کسی کو کبھی بھی پاکیزگی حاصل نہ ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہیے پاک کرتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ طٰہٰ آیت ۵۰ (۲) قرآن مجید سورۂ نور آیت ۲۱

marfat.com

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَا مِنْ اَحَدٍ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اِلَّا بِرَحْمَۃِ اللّٰہِ۔ کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جائے گا۔

یعنی اس کی ہدایت کے بغیر نہیں جائے گا عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ بھی؟ فرمایا میں بھی نہیں جاؤں گا۔

منازل ھدایت:

ہدایت کی تین منزلیں ہیں پہلی منزل خیر و شر کے راستے کی معرفت ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے۔

وَھَدَیْنٰہُ النَّجْدَیْنِ۔ (۱) اور ہم نے اسے (بچے کو) دو ابھری ہوئی چیزوں (ماں کے دودھ) کا راستہ بتایا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس ہدایت کے ذریعے اپنے تمام بندوں پر انعام فرمایا بعض کو عقل کے ذریعے اور بعض کو انبیاء کرام علیہم السلام کی زبان سے بتایا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَھَدَیْنٰھُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْھُدٰی۔ (۲) اور قوم ثمود کو ہم نے ہدایت دی پس انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھے پن کو پسند کیا۔

تو ہدایت کے اسباب کتابیں، رسل عظام اور عقلی بصیرت ہے اور ان سے کسی کو رکاوٹ نہیں البتہ حسد، تکبر اور دنیا کی محبت اور دلوں کو اندھا کرنے والے اسباب رکاوٹ بنتے ہیں اگرچہ آنکھوں کی بینائی موجود ہو۔

ارشاد خداوندی ہے،

فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ۔ (۳) بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہیں لیکن وہ دل جو سینوں میں ہیں، اندھے ہیں۔

اور اس اندھاپن میں مانوس ہونا، عادت اور تعلق کا ہونا ہے اسی سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰی اُمَّۃٍ۔ (۴) بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راستے پر پایا۔

اور تکبر و حسد کے بارے میں فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ بلد آیت ۱۰

(۲) قرآن مجید، سورۃ فصلت آیت ۱۷

(۳) قرآن مجید، سورۃ حج آیت ۴۶

(۴) قرآن مجید، سورۃ زخرف آیت ۲۲

marfat.com

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۔ (۱)

اور وہ کہتے ہیں یہ قرآن پاک ان دو بستیوں (مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ) کی کسی عظیم شخصیت پر کیوں نازل نہیں ہوا۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

اَبَشَرٌ مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ۔ (۲)

کیا ہم ایک ایسے آدمی کی پیروی کریں جو ہم میں سے ہے۔

تو یہ دل کے اندھا پن سے متعلق امور ہیں جو ہدایت حاصل کرنے اور ہدایت دینے کے راستے میں رکاوٹ ہیں۔

ہدایت کی دوسری منزل اس عام ہدایت کے بعد ہے اور یہ وہ ہدایت ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ، بندے کی ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں مدد کرتا ہے اور یہ مجاہدے کا نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (۳)

اور وہ لوگ جو ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں انہیں کئی راستوں کی ہدایت دیتے ہیں۔

اور اس ارشاد خداوندی سے بھی یہی مراد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى۔ (۴)

اور وہ لوگ جو ہمارے راستے پر چلے ان کی ہدایت بڑھ گئی۔

اور تیسری قسم کی ہدایت دوسری ہدایت کے بعد ہے اور یہ وہ نور ہے جو کمالِ مجاہدہ کے بعد عالمِ نبوت و ولایت میں چمکتا ہے اور اس کے ذریعے انسان وہ ہدایت حاصل کرتا ہے جس تک وہ عقل کے ذریعے رسائی حاصل نہیں کر سکتا وہ عقل جس پر عمل اور علوم کے سیکھنے کا دار و مدار ہے۔

اور یہ ہدایتِ مطلق ہے اور اس کے بعد حجابات اور مقدمات ہیں اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت کے ساتھ مشرف فرمایا اگرچہ ہر قسم کی ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى۔ (۵)

آپ فرما دیجیے بے شک اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی ہدایت ہے

اور اسی کو قرآن پاک میں زندگی قرار دیا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ

تو کیا وہ شخص جو مردہ تھا پس ہم نے اسے زندہ کیا اور

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ زخرف آیت ۳۱

(۲) قرآن مجید، سورۂ قمر آیت ۲۴

(۳) قرآن مجید، سورۃ عنکبوت آیت ۶۹

(۴) قرآن مجید، سورہ محمد آیت ۱۷

(۵) قرآن مجید، سورۃ بقرہ آیت ۱۲۰

marfat.com

نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ۔ (۱)

اس کے لیے نور پیدا کیا جس کے ساتھ وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے۔

اور اس ارشاد خداوندی سے بھی یہی مراد ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ (۲)

تو کیا وہ شخص جس کے سینے کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا پس وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

رُشد سے مراد عنایتِ الٰہیہ ہے جب انسان اپنے مقاصد کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو یہ اس کی مدد کرتی ہے اور جس میں اس کی بھلائی ہو اس میں اسے طاقت دیتی ہے اور جس میں خرابی ہو اسے سست و کمزور کر دیتی ہے۔ اور یہ باطن میں ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ۔ (۳)

اور بے شک ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس سے پہلے ہی ان کی رُشد عطا کر دی اور ہم ان کو جاننے والے ہیں۔

تو رُشد اس ہدایت کو کہتے ہیں جو سعادت کی جہت کا باعث اور اس کے لیے قوت محرکہ ہے تو جو بچہ اس حال میں بالغ ہو کہ ، مال کی حفاظت، تجارت کے طریقے اور مال بڑھانے سے واقف ہو لیکن اس کے باوجود وہ اسراف کرے اور مال میں اضافہ رے تو اسے رشید نہیں کہا جاتا کیوں کہ سب طریقہ جاننے کے باوجود اس کے ارادے کے محرک میں ہدایت کی کمی ہے۔

کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو ایسے کام کی طرف بڑھتے ہیں جس کے بارے میں وہ جانتے ہیں کہ یہ اس کے لیے نقصان دہ ہے اور اس ہدایت کی وجہ سے وہ جاہل سے ممتاز ہوتا ہے لیکن اسے رُشد نہیں دی گئی تو اس اعتبار سے رُشد محض ہدایت ے مقابلے میں زیادہ کامل ہے اور یہ عظیم نعمت ہے۔

اور تسدید کا مطلب حرکات کو مطلوب کی طرف متوجہ کرنا اور ان کو آسان کرنا ہے تاکہ بہت جلد صحیح راستے کی طرف پختہ جائے کیوں کہ محض ہدایت کفایت نہیں کرتی بلکہ ایسی ہدایت کی ضرورت ہے جو ارادے کو حرکت دے اور وہ رُشد ہے اور محض رُشد بھی کافی نہیں بلکہ اعضاء اور آلات کی مدد سے یات کا آسان ہونا ضروری ہے یہاں تک کہ وہ مراد پوری ہو جس کی طرف ارادے کی انگیخت ہوئی ہے تو ہدایت محض پہچان ام ہے رُشد ارادے کو بیدار کرنا ہے تاکہ وہ بیدار ہو کر حرکت کرے اور تسدید درستگی تک پہنچنے میں اعضاء کو حرکت

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۱۲۲

(۲) قرآن مجید، سورۃ زمر آیت ۲۲

(۳) قرآن مجید، سورۃ انبیاء آیت ۵۱

marfat.com

دینے کے ذریعے اعانت و مدد کرنا ہے۔

اور تائید ان سب کی جامع ہے اور وہ اندر سے بصیرت کے ساتھ قوت دینا اور باہر سے اسباب کی موافقت سے مضبوطی ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے۔

اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔ (۱) جب میں نے پاک روح کے ساتھ تمہاری مدد کی۔

اور تائید کے قریب عصمت ہے یعنی انسان کے اندر وہ عنایت الہیہ ہو جس کے ذریعے آدمی خیر کی تلاش اور برائی سے اجتناب پر قادر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے یہی مراد ہے۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔ (۲)

اور اس (حضرت زلیخا) نے ان کا ارادہ کیا اور وہ (یوسف علیہ السلام) بھی اس کا ارادہ کرتے اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے۔

تو یہ نعمتوں کا مجموعہ ہے اور سب (نعمتیں) اسی وقت جمع ہوتی ہیں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاف فہم، یاد رکھنے والے کان، بصیرت و تواضع اور خیال رکھنے والا دل، ناصح معلم، اور اس قدر مال حاصل ہو جو ضروری امور سے کم نہ ہو اور زیادہ ہونے کی وجہ سے دین سے دور نہ کرے نیز عزت حاصل ہو جو بیوقوفوں کی بیوقوفی اور دشمنوں کے ظلم سے محفوظ رکھے۔

ان میں سے ہر سبب سولہ اسباب کا تقاضا کرتا ہے پھر وہ اسباب مزید اسباب کے متقاضی ہوتے ہیں یہاں تک کہ یہ سلسلہ پریشان ہونے والوں کی دلیل مجبور ہونے والوں کی پناہ گاہ تک پہنچتا ہے اور وہ تمام ارباب کا رب ہے اور اسباب کو پیدا کرنے والا مسبب الاسباب ہے اور چونکہ یہ اسباب بہت طویل ہیں یہ کتاب ان کا احاطہ نہیں کر سکتی تو ہم ان میں سے کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں تاکہ اس آیت کا معنیٰ معلوم ہو جائے ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ (۳) اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو گن نہیں سکتے۔

اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

اس بات کے نمونہ کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں

ہم نے نعمتوں کو سولہ قسموں میں جمع کیا ہے اور بدن کی صحت کو ان نعمتوں میں شمار کیا ہے جو دوسرے مرتبہ میں ہیں پھر

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ مائدہ آیت ۱۱۰

(۲) قرآن مجید، سورۃ یوسف آیت ۲۴

(۳) قرآن مجید، سورۃ ابراہیم آیت ۳۴

marfat.com

یہ ایک نعمت ہے اگر ہم ان اسباب کا احاطہ کرنا چاہیں جن کے ذریعے یہ مکمل ہوتی ہے تو ہم ایسا نہیں کر سکتے لیکن کھانا صحت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے اب ہم ان اسباب میں سے کچھ کا ذکر کرتے ہیں جن کے ذریعے کھانے کی نعمت مکمل ہوتی ہے تو یہ بات مخفی نہیں ہے کہ کھانا ایک فعل ہے اور اس نوع کا ہر فعل حرکت ہے اور ہر حرکت کے لیے ایک متحرک جسم کی ضرورت ہوتی ہے جو اس حرکت کا آلہ ہوتا ہے اور حرکت پر قدرت بھی ضروری ہے نیز حرکت کے لیے ارادے کا ہونا بھی لازمی ہے علاوہ ازیں مراد کا علم اور ادراک بھی ضروری ہے کھانے والے کے لیے وہ چیز بھی ضروری ہے جسے وہ کھائے پھر اس کھانے کی کوئی اصل بھی ہوگی جس کے ذریعے وہ حاصل ہوتا ہے نیز اس کو بہتر بنانے والا کا دیگر بھی ہوگا۔

تو ہم ادراک و علم کے اسباب کا ذکر کرتے ہیں پھر ارادوں کے اسباب اس کے بعد قدرت کے اسباب پھر ماکول (کھائی جانے والے چیز) کے اسباب کو اجمال کے ساتھ بیان کریں گے تفصیل کے ساتھ نہیں۔

پہلا نکتہ:

اسباب ادراک کی تخلیق کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

جان لو! اللہ تعالیٰ نے سبزیوں کو پیدا کیا اور ان کا وجود پتھر، ڈھیلے، لوہے تانبے اور تمام جواہرات جو بڑھتے ہیں نہ غذا حاصل کرتے ہیں سے زیادہ کامل ہے کیوں کہ سبزیوں میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوت پیدا فرماتی ہے جس کے ذریعے وہ اپنی اصل اور ان شاخوں کے واسطے سے غذا کو جذب کرتی ہیں جو زمین میں ہیں اور یہ جڑیں اور رگیں ان میں آلات ہیں جو غذا حاصل کرتی ہیں اور یہ باریک باریک رگیں ہیں جن کو تم پتے میں دیکھتے ہو پھر وہ مضبوط جڑیں بن جاتی ہیں اور اس کے بعد شاخیں بنتی ہیں اور وہ مسلسل پھلی ہوتی اور پتوں میں پھیلتی ہیں حتی کہ نظروں سے اوجھل ہوتی ہیں لیکن یہ سبزیاں اس کمال کے باوجود ناقص ہوتی ہیں کیوں کہ جو غذا ان تک پہنچتی ہے اگر وہ نہ پہنچے تو وہ خشک ہو جاتی ہیں اور کسی دوسری جگہ سے ان کو غذ پہنچانا مشکل ہوتا ہے کیوں کہ طالب، مطلوب کی معرفت اور اس کی طرف انتقال سے ہوتی ہے اور سبزیاں اس بات سے عاجز ہیں۔

تو یہ اللہ تعالیٰ کی تم پر نعمت ہے کہ اس نے تمہارے لیے آلات احساس اور طلب غذا کے سلسلے میں آلۂ حرکت پیدا کیا ہے۔

اس خمسہ کی تخلیق کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کی ترتیب دیکھو اور یہ حواس آلۂ ادراک ہیں سب سے پہلے چھونے والی حس ہے یہ انسان کے فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہے یہاں تک کہ جب تمہیں جلانے والی آگ یا زخمی کرنے والی تلوار پہنچتی ہے تم اسے محسوس کرتے ہو اور بھاگ جاتے ہو۔

حیوان کے لیے پیدا کی جانے والی یہ پہلی حس ہے اور کوئی بھی حیوان ایسا نہیں ہے جس میں یہ حس نہ ہو کیوں کہ اگر وہ کسی چیز کو بالکل ہی محسوس نہ کرے تو اس میں حیات ہی نہیں ہے اور حس کا سب سے کم درجہ یہ ہے کہ جو چیز اس سے چھو جائے اسے محسوس کرے کیوں کہ دور سے احساس تو کامل احساس ہے اور یہ (ادنیٰ حس) ہر حیوان میں پائی جاتی ہے حتی کہ کیڑے میں

پائے جانے والے کیڑے میں بھی ہوتی ہے اگر اسے سُوئی چبھائی جائے تو وہ بھاگنے کے لیے سکڑ جاتا ہے سبزیوں کی طرح نہیں ہوتے کیوں کہ سبزی کو کاٹا جاتا ہے لیکن وہ سکڑتی نہیں کیوں کہ اسے کاٹنے کا احساس ہی نہیں ہوتا لیکن بات یہ ہے کہ اگر آدمی میں صرف یہی حس ہوتی تو وہ کیڑے کی طرح ناقص ہوتا اور غذا کے دور ہونے کی وجہ سے اسے تلاش نہ کر سکتا بلکہ صرف اتنی بات ہوتی کہ کچھ اس کے بدن سے لگتا وہ اسے محسوس کر کے اپنی طرف کھینچتا۔

لہٰذا انسان ایسی حس کا محتاج ہوا جس کے ذریعے وہ دُور کی چیز کا بھی ادراک کر سکے لہٰذا (اے انسان) تمہارے لیے سونگھنے کی حس پیدا کی گئی لیکن اس سے تو صرف بُو کا پتہ چلتا ہے تم نہیں جانتے کہ یہ کس طرف سے آئی ہے لہٰذا تم اس بات کی ضرورت محسوس کرتے کہ تمام اطراف کی طرف پھرو اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جس کھانے کی خوشبو محسوس کی اس تک نہ پہنچ سکتے اور کبھی پہنچ جاتے لہٰذا اگر صرف یہی حس ہوتی تو تم انتہائی نقصان میں ہوتے پس تمہارے لیے بینائی پیدا کی گئی تاکہ تم دور کی چیز کا بھی ادراک کر سکو اور اس کی جہت معلوم ہو جائے اور صرف اسی جہت کا قصد کرو اگر صرف یہی حس ہوتی تو بھی نقصان ہوتا کیوں دیواروں اور پردوں کے پیچھے نہ دیکھ سکتے اور ان چیزوں کا علم نہ ہوتا اب تم صرف وہی دیکھتے جو تم سے پردے میں نہیں ہے اور اس دشمن کو دیکھ سکتے جو تمہارے سامنے ہوتا۔ لیکن جو چیز پردے کے پیچھے ہوتی تم اسے نہ دیکھ سکتے اور بعض اوقات پردہ اس وقت ہٹتا ہے جب دشمن قریب آجاتا ہے اور اس وقت تم دوڑ نہیں سکتے۔

تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے قوتِ سماعت پیدا کی حتیٰ کہ تم اس کے ذریعے وہ آوازیں سنتے ہو جو دیواروں اور پردوں کے پیچھے سے حرکت کی صورت میں سنائی دیتی ہیں لیکن آنکھ سے تو صرف سامنے والی چیز کو دیکھ سکتے ہو جب کہ غائب چیز کی معرفت اس کلام کے ذریعے ہوتی ہے جو حروف اور آوازوں سے مرکب ہوتی ہے اور اس کا ادراک قوتِ سماعت سے ہوتا ہے۔

تو اس حاجت کے تحت تمہارے لیے کان پیدا کئے گئے اور تمہیں کلام سمجھنے کے ذریعے دوسرے تمام حیوانات سے ممتاز کر دیا گیا پھر بھی یہ سب کچھ تمہیں فائدہ نہیں دے سکتا جب تک تمہارے لیے چکھنے کی حس نہ ہو کیوں کہ غذا تم تک پہنچتی ہے اور تم نہیں جانتے کہ وہ تمہارے موافق ہے یا مخالف پس تم اسے کھا کر ہلاک ہو سکتے ہو جیسے درخت کے اُگنے کی جگہ پر سیال چیز ڈالی جاتی ہے لیکن اس کے پاس چکھنے کی حس نہیں ہے تو وہ اسے جذب کر لیتی ہے اور بعض اوقات وہ سیال چیز اس درخت کی خشکی کا سبب بن جاتی ہے۔

اور یہ سب کچھ بھی ناکافی ہوتا اگر تمہارے دماغ کے اگلے حصے میں ایک اور ادراک نہ ہوتا جسے حسِ مشترک کہتے ہیں جو یہ پانچوں حواس اس تک پہنچاتے ہیں اور اس میں جمع ہوتے ہیں اگر وہ حسِ مشترک نہ ہوتی تو معاملہ طول پکڑ جاتا مثلاً جب تم پیلے رنگ کی چیز کھاتے ہو اور اسے کڑوی پاتے ہو تو اسے چھوڑ دیتے ہو پھر جب دوسری بار اسے دیکھتے ہو تو تمہیں اس کی معرفت نہیں ہوتی کہ یہ کڑوی اور مضر چیز ہے جب تک دوبارہ نہ چکھو اگر حسِ مشترک نہ ہوتی (تو یہ دقت پیش آتی) کیوں کہ آنکھ پیلے رنگ کو دیکھ سکتی ہے لیکن کڑواہٹ کا احساس نہیں کر سکتی تو تم اس سے کس طرح رُکتے۔ ذائقہ کی حس سے کڑواہٹ کا ادراک

ہوتا ہے لیکن زردی کا پتہ نہیں چلتا لہذا ایک ایسی قوت حاکمہ کی ضرورت ہے جس کے پاس زردی اور کڑواہٹ دونوں جمع ہوں حتی کہ جب اس کی زردی کا پتہ چلے تو وہ اس کی کڑواہٹ کا بھی فیصلہ کر دے اور دوسری بار اس کے کھانے سے وہ اجتناب کرے۔

ان تمام باتوں میں حیوانی بھی تمہارے ساتھ شریک ہوتے ہیں کیوں کہ بکری کے پاس بھی یہ تمام حواس ہوتے ہیں اور اگر تمہارے پاس بھی صرف یہی حواس ہوتے تو تم ناقص ہوتے جیسے جانور کو حیلے سے پکڑا جاتا ہے لیکن وہ اس سے اپنا دفاع کرنے کا طریقہ نہیں جانتا اور اسے معلوم نہیں کہ جب وہ قید ہو جائے تو اس سے کس طرح جان چھڑوائے۔ بعض اوقات جانور اپنے آپ کو کنویں میں گرا دیتا ہے لیکن اسے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کام اس کی ہلاکت کا باعث ہے اسی لیے جانور وہ چیز کھاتا ہے جو اسے فوری طور پر لذت پہنچاتی ہے لیکن دوسرے مرحلے میں وہ اس کو نقصان دیتی ہے اور وہ بیمار ہو کر مر جاتی ہے کیوں کہ اسے موجودہ چیز کا احساس ہوتا ہے لیکن وہ انجام سے بے خبر ہوتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک اور صفت کے ذریعے ممتاز کیا اور عزت بخشی اور یہ صفت باقی تمام صفات سے اشرف ہے اور یہ عقل ہے اسی کے ذریعے کھانوں کے نقصان اور فی الفور یا مستقبل میں پائے جانے والے نفع کا ادراک ہوتا ہے عقل سے کھانے پکانے ان کو مرکب کرنے اور ان کے اسباب تیار کرنے کی کیفیت معلوم ہوتی ہے تو تم اپنی عقل کے ذریعے کھانے سے نفع حاصل کرتے ہو جو تمہاری صحت کا سبب ہے اور یہ عقل کا سب سے اچھا فائدہ ہے حالانکہ یہ سب سے ہلکا فائدہ ہے اس کی حکمت کبریٰ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے افعال کی معرفت ہے نیز اس عالم میں اس کی حکمت کو جاننا ہے اس وقت حواس سے تمہارے حق کی طرف لوٹتے ہیں پس حواس خمسہ جاسوسوں کی طرح اور ان مخبروں کی طرح ہوتے ہیں جن کو مملکت کے اطراف و اکناف میں مقرر کیا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک ایک ایسے امر کے ساتھ مقرر ہے جو اس کے ساتھ خاص ہے۔

ایک رنگوں کی خبر دینے کے ساتھ، دوسرا آوازوں کی خبر دینے کے ساتھ، تیسرا بُو کی خبر دینے کے ساتھ چوتھا ذائقوں کی خبر دینے کے ساتھ اور پانچواں گرمی، سردی، سختی نرمی، کھردرے پن اور ملائم ہونے کی خبر دینے کے ساتھ خاص ہے اور یہ جاسوس بڑھائے مملکت کے تمام اطراف سے خبریں لے کر حس مشترک تک پہنچاتے ہیں اور حس مشترک دماغ کے اگلے حصے میں بیٹھی ہوئی ہے جیسے واقعات اور عرضی نویس بادشاہ کی ڈیوڑھی میں بیٹھے ہوتے ہیں وہ ان تمام واقعات کو جمع کرتے ہیں جو اطراف عالم سے آتے ہیں وہ ان کو لے کر اسی طرح مہر لگے ہوئے بادشاہ تک پہنچاتے ہیں کیوں کہ ان کو صرف ان اخبارات اور درخواستوں کے لینے، جمع کرنے اور حفاظت کا اختیار ہوتا ہے ان میں مذکورہ حقائق کی پہچان حاصل کرنے کا انہیں کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

لیکن جب وہ عقلمند دل ہوتا ہے اور وہی امیر اور بادشاہ ہے اور وہ مہر زدہ خطوط اس تک پہنچتے ہیں تو وہ ان کی تفتیش کرتا ہے اور ان کے ذریعے مملکت کے اسرار پر مطلع ہو کر عجیب احکام کا فیصلہ کرتا ہے اور اس مقام پر ان فیصلوں کا کامل بیان نہیں ہو سکتا — اور ان احکام و مصالح کے مطابق جو ظاہر ہوتے ہیں وہ لشکروں کو حرکت دیتا ہے اور اعضاء لشکر ہیں کبھی طلب کا حکم دیتا ہے اور کبھی بھاگنے کا اور کبھی ان تدبیروں کو پورا کرنے کا جو اسے پیش آتی ہیں۔

marfat.com

غرضیکہ ادراکات (محسوس کرنا) کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اس طرح انتظام ہے اور یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ ہم نے اس کا پورا بیان لکھ دیا ہے کیوں کہ ظاہری حواس تو بعض ادراکات ہیں اور تمام حواس میں سے ایک دیکھنے کی حس ہے اور اس کے لیے آنکھ آلہ ہے اور آنکھ دس طبقوں سے مرکب ہے جو مختلف ہیں بعض رطوبات ہیں بعض پردے ہیں اور پردوں میں سے بعض مکڑی کے جالے کی طرح ہیں اور بعض رحم کی جھلی کی طرح ہیں اور بعض رطوبات انڈے کی سفیدی کی طرح ہیں اور بعض برف کی مانند ہیں اور ان دس طبقات میں سے ہر ایک کے لیے ایک صفت ہے، صورت، شکل، ہیئت، چوڑائی گولائی اور خاص ترکیب ہے اگر ان دس طبقات میں سے ایک میں بھی خلل آجائے یا کسی طبقے کی کسی صفت میں گڑبڑ ہو جائے تو بینائی میں خلل واقع ہوتا ہے اور طبیب اور سرمہ لگانے والے سب عاجز ہو جائیں۔

یہ تو ایک حس کی بات ہے اس پر سننے اور باقی تمام حواس کو قیاس کر لو بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھ میں اللہ تعالیٰ نے جس قدر حکمتیں رکھی ہیں نیز اس کے طبقات میں جو کچھ پوشیدہ ہے وہ کئی جلدوں میں بھی بیان نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ یہ سب کچھ مل کر چھوٹے سے اخروٹ سے زیادہ نہیں ہے تو پورے بدن اور تمام اعضاء کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے تو اللہ تعالیٰ نے ادراکات کی تخلیق کے اعتبار سے اپنی نعمتوں میں جو رموز رکھے ہیں یہ ان کا بیان ہے۔

دوسرا نکتہ:

ارادوں کی تخلیق میں نعمتوں کی اقسام

جان لو! اگر تمہارے لیے بینائی پیدا کی جاتی حتی کہ تم دور سے غذا کا ادراک کر لیتے لیکن کھانے کی طرف میلان اور شوق پیدا نہ کیا جاتا اور نہ خواہش ہوتی جو تمہیں حرکت کرنے پر مجبور کرتی تو بینائی معطل ہو جاتی کتنے ہی مریض کھانا دیکھتے ہیں اور وہ ان کے لیے زیادہ نفع بخش ہوتا ہے لیکن خواہش نہ ہونے کی وجہ سے وہ اسے کھا نہیں سکتے تو اس طرح بینائی اور سماعت اس کے حق میں معطل ہو جاتی ہے لہذا تم اس بات پر مجبور ہو کہ موافق چیز کی طرف تمہارا میلان ہو۔ جسے خواہش کہتے ہیں اور مخالف چیز سے نفرت ہو جسے کراہت کہتے ہیں تاکہ تم خواہش کے ذریعے طلب کرو اور نفرت کی وجہ سے دور رہو تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر کھانے کی خواہش پیدا کر کے اسے تم پر مسلط کیا اور اسے تمہارے سپرد کر دیا کہ اشتہا کے تقاضے سے کھانے کی طرف محتاج اور مجبور ہو حتی کہ تم کھاؤ اور غذا کے ذریعے زندہ ہو اور یہ وہ چیز ہے جس میں تمہارے ساتھ حیوانات بھی شریک ہوتے ہیں البتہ سبزیاں اس میں شریک نہیں ہیں۔

پھر اگر ضرورت کی مقدار کھانے کے بعد بھی یہ خواہش نہ ٹھہرتی تو تم زیادہ کھا کر ہلاک ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ نے سیر ہونے کے وقت کراہت پیدا فرمائی تاکہ اس کے ذریعے تم کھانا چھوڑ دو کھیتی کی طرح نہیں کہ وہ پانی کو ہمیشہ جذب کرتی ہے حتی کہ جب اس کے نیچے تک چلا جاتا ہے تو وہ خراب ہو جاتی ہے لہذا ایک آدمی کی ضرورت ہوتی ہے جو ضرورت کے بعد اس (کھیتی) کو

غذا کا اندازہ کر کے کبھی اسے پانی سے سیراب کرے اور کبھی اس سے پانی روک لے۔

اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ خواہش پیدا کی کہ تم کھاتے ہو اور اس سے تمہارے بدن کو بقا حاصل ہوتی ہے اسی طرح اس نے جماع کی خواہش بھی پیدا کی ہے حتیٰ کہ تم جماع کرتے ہو تو اس کے ذریعے نسل باقی رہتی ہے اگر تمہارے سامنے رحم اور حیض کے خون کی تخلیق نیز مادہ منویہ اور خونِ حیض کے ملنے سے جنین کے بننے، خصیتین (کپوروں) ان ان رگوں کی تخلیق جو پیٹھ سے ان کی طرف گئی ہیں اور وہ (پیٹھ) نطفے کا مرکز ہے، کی کیفیت، عورت کے سینے سے رگوں کے ذریعے مادہ منویہ کے گرنے کی کیفیت پھر رحم کے اندر کے سانچوں کی کیفیت جن میں سے بعض میں نطفے کے ٹھہرنے سے لڑکا پیدا ہوتا ہے اور بعض میں ٹھہرنے سے لڑکی پیدا ہوتی ہے، یہ سب کچھ بیان کریں نیز یہ کہ تخلیق کن کن مراحل میں چکر لگاتی ہے پہلے وہ خون ہوتا ہے پھر لوتھڑا پھر ہڈی اور گوشت اور خون بنتا ہے پھر اس کے اجزا سر پاؤں پیٹ پیٹھ اور تمام اعضاء میں تقسیم ہوتے ہیں اگر یہ سب کچھ بیان کیا جائے تو تم اپنی ابتدائے آفرینش میں اللہ تعالیٰ کی طرح طرح کی نعمتوں کو دیکھ کر تعجب کرنے لگو چہ جائیکہ اب جب تندرست و توانا ہو لیکن ہم صرف کھانے سے متعلق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں تاکہ کلام طویل نہ ہو جائے۔

تو کھانے کی خواہش ارادوں میں سے ایک ارادہ ہے اور یہ تمہیں کفایت نہیں کرتا کیوں کہ یہ اِدھر اُدھر سے مہلکات کو لاتا ہے اگر تمہارے اندر غصہ نہ رکھا ہو جس کے ذریعے تم ان چیزوں کو دور کرتے ہو جو تمہارے موافق نہیں ہیں تو تم آفات کا شانہ بن جاتے اور تم نے جو غذا حاصل کی وہ تم سے چھین لی جاتی کیوں کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے ہر ایک اس کا جا جتمند ہے تو ایک ایسے ارادے کی ضرورت تھی جو دُور کرنے اور لڑنے میں کام آئے اور وہ غصہ ہے جس کے ذریعے تم ہر اس چیز کو دُور کرتے ہو جو تمہارے خلاف ہے اور موافق نہیں ہے۔

پھر یہ قوت بھی کافی نہیں ہے کیوں کہ خواہش اور غصہ صرف ان چیزوں تک لے جاتے ہیں جو وقتی طور پر نفع یا نقصان دیں مستقبل کے اعتبار سے نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ایک اور ارادہ پیدا فرمایا جو اشارۂ عقل کے تابع ہے اور وہ انجام سے خبردار کرتا ہے جیسے خواہش اور غضب کو پیدا فرمایا جو اس حس کے تابع ہیں جو موجودہ حالت کا ادراک رکھتی ہے تو عقل کے ذریعے تمہارا نفع مکمل ہوتا ہے کیوں کہ محض اس بات کی معرفت کہ مثلاً یہ خواہش تمہیں نقصان دیتی ہے، اس سے بچنے میں تمہارے کام نہیں آسکتی جب تک تم معرفت کے مطابق عمل کی طرف مائل نہ ہو اور اس ارادے کی وجہ سے تم جانوروں سے ممتاز ہو ہم نے اس ارادے کا نام باعث دینی رکھا ہے اور صبر کے بیان میں اسے اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

تیسرا نکتہ:

قدرت اور آلاتِ حرکت کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

جان لو! حس صرف ادراک (علم) کا فائدہ دیتی ہے اور ارادہ طلب یا بھاگنے کی طرف میلان کا نام ہے اور یہ بات

اس وقت تک کافی نہیں ہو سکتی جب تک تمہارے اندر طلب اور بھاگنے کا آلہ نہ پایا جائے تو کتنے ہی مریض ایسے ہیں جو کسی چیز کا شوق رکھتے ہیں اور وہ ان سے دور ہوتی ہے وہ اس کا علم بھی رکھتے ہیں لیکن پاؤں نہ ہونے کی وجہ سے اس کی طرف جا نہیں سکتے یا ہاتھ نہ ہونے یا فالج زدہ اور بے حس ہونے کی وجہ سے اسے کھا نہیں سکتے۔

لہذا حرکت کے لیے آلات ضروری ہیں نیز یہ کہ ان آلات میں حرکت کی طاقت بھی ہو تاکہ ان کی حرکت خواہش کے مطابق طلب بن جائے اور کراہت کے مطابق اس کے ذریعے بھاگنا ممکن ہو اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اعضا پیدا فرمائے تم ان کے ظاہر کو دیکھتے ہو لیکن ان کے اسرار سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔

ان اعضاء میں سے بعض طلب اور بھاگ جانے کے لیے ہیں جیسے انسان کے پاؤں پرندوں کے پَر اور جانوروں کے پاؤں، اور بعض (دشمن کے وار کو) روکنے کے کام آتے ہیں جیسے انسانوں کے لیے اسلحہ اور حیوانات کے سینگ ہیں اس اعتبار سے حیوانات مختلف ہوتے ہیں ان میں سے بعض کے دشمن زیادہ ہیں اور غذا دُور ہے لہذا وہ تیز حرکت کے محتاج ہوتے ہیں اس لیے ان کے لیے پر پیدا کئے گئے تاکہ وہ تیزی سے اُڑ سکیں۔ بعض کے لیے چار پاؤں بنائے اور بعض کے صرف دو پاؤں ہیں بعض وہ ہیں جو زمین پر رینگتے ہیں ان تمام باتوں کا ذکر طویل ہے ہم صرف ان اعضاء کا ذکر کرتے ہیں جن کے ساتھ صرف کھانے کا عمل مکمل ہوتا ہے تاکہ ان پر دوسرے اعضاء کو قیاس کیا جا سکے پس ہم کہتے ہیں۔

تم دُور سے کھانا دیکھتے ہو اور اس تک تمہاری حرکت کافی نہیں ہوتی جب تک تم اسے پکڑنے پر قادر نہ ہو لہذا تمہیں پکڑنے والے آلہ کی ضرورت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھ پیدا کر کے تم پر احسان فرمایا۔ اور وہ لمبے ہیں جو اشیاء تک پہنچ جاتے ہیں نیز ان میں بہت سے جوڑ ہیں تاکہ مختلف جہات میں حرکت کر سکیں پس وہ آگے کی طرف بڑھتے ہیں اور واپس تمہاری طرف لوٹتے ہیں ایک کھڑی لکڑی کی طرح نہیں ہوتے پھر ہتھیلی کی پیدائش کے ذریعے ہاتھ کے سرے کو چوڑا بنایا پھر ہتھیلی کے اگلے حصہ کو پانچ قسموں یعنی انگلیوں میں تقسیم کیا، اور ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا یعنی انگوٹھے کو ایک طرف رکھا جو باقی چاروں انگلیوں پر چکر لگاتا ہے۔

اگر انگلیاں اکٹھی ہوتیں یا ایک دوسرے پر چڑھی ہوئی ہوتیں تو ان کے ذریعے مکمل فائدہ اور غرض حاصل نہ ہوتی تو ان کو ایسے طریقے پر بنایا کہ اگر تم ان کو کھولو تو بیلچے کا کام دیں اور اگر ان کو ملاؤ تو چُلو کا کام دیں اور اگر ان کو اکٹھا کر لو تو مُکا بن کر (ضرب (مارنے) کا کام دیں اور اگر ان کو کھول کر پھر اکٹھا کرو تو پکڑنے کا کام دیتی ہیں پھر انگلیوں کے ساتھ ناخن بھی بنائے اور ان کو انگلیوں کے سروں پر رکھا تاکہ ٹوٹنے نہ پائیں اور ان کے ذریعے ان باریک چیزوں کو چُننے جن تک محض انگلیاں نہیں پہنچ سکتیں پس تم ان کو ناخن کے سروں سے پکڑتے ہو۔

پھر جب تم ہاتھوں سے کھانا پکڑتے ہو تو یہ بات بھی کفایت نہیں کرتی جب تک وہ معدے میں نہ پہنچے اور وہ اندر ہوتا ہے لہذا ضروری ہے کہ اس کی طرف ایک دہلیز ہو یہاں تک کہ اس سے کھانا اندر داخل ہو تو منہ کا سوراخ رکھا جو معدے

کی طرف کھلتا ہے اس کے علاوہ بھی اس میں بے شمار حکمتیں ہیں صرف معدے تک کھانا پہنچانا ہی نہیں، پھر جب تم منہ میں کھانا رکھتے ہو اور وہ ایک ہی ٹکڑا ہے تو اس کا نگلنا آسان نہیں ہو لہٰذا ایک چکی کی ضرورت ہے جس سے کھانے کو پیسا جائے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے دو جبڑے بنائے جو دو ہڈیوں سے بنے ہیں اور ان میں دانت جڑ دیئے اور اوپر والے دانتوں کو نچلے دانتوں کے موافق اور برابر رکھا تاکہ کھانے کو اچھی طرح پیس سکیں پھر بعض اوقات کھانے کو توڑنے کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی کاٹنے کی اور اس کے بعد پیسنے کی حاجت ہوتی ہے تو دانتوں کو بھی مختلف صورتوں میں بنایا بعض چوڑے ہیں جو پیسنے کے کام آتے ہیں جیسے اخراس (داڑھیں) اور بعض کو دھار والے بنایا جو کاٹتے ہیں جیسے رباعیات (سامنے کے دانت) اور بعض توڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جیسے انیاب (رباعیات کے ساتھ والے دانت) پھر جبڑوں کے جوڑوں کو ملیدہ رکھا تاکہ نیچے والا جبڑا آگے پیچھے ہو سکے اور اوپر والے پر چکی کی طرح پھرے اگر یہ بات نہ ہوتی تو صرف ایک کی ضرب دوسرے پر پڑتی جیسے دونوں ہاتھوں سے تالی بجانا اور اس صورت میں پسائی کا عمل مکمل نہ ہوتا پس نیچے والے جبڑے کو متحرک رکھا وہ چکر کی صورت میں حرکت کرتا ہے اور اوپر والا جبڑا اپنی جگہ ٹھہرا رہتا ہے حرکت نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کی عجیب صنعت دیکھو مخلوق کی بنائی ہوئی چکی کا نچلا پتھر ٹھہرا رہتا ہے اور اوپر والا پتھر حرکت کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چکی کا نچلا پتھر حرکت کرتا ہے اور اوپر والا ٹھہرا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ پاک ہے اس کی شان کس قدر عظیم اور اس کی بادشاہی کتنی غالب ہے۔ اس کی برہان کس قدر کامل اور اس کا احسان کتنا وسیع ہے۔

پھر دیکھو کہ جب تم منہ کے صحن میں کھانا رکھتے ہو تو دانتوں کے نیچے کھانا کس طرح حرکت کر سکتا ہے یا دانت اس کو کس طرح اپنی طرف کھینچ سکتے ہیں یا کس طرح انگلی کے ذریعے منہ کے اندر تصرف کیا جاتا ہے تو دیکھ اللہ تعالیٰ نے کس طرح انعام فرمایا کہ تمہارے لیے زبان پیدا کی وہ منہ کے اندر تمام اطراف میں چکر لگاتی اور کھانے کو درمیان والے حصے سے دانتوں کی طرف حسب ضرورت لے جاتی ہے جیسے چکی پیسنے والی عورت ایک ایک مٹھی چکی میں ڈالتی ہے علاوہ ازیں زبان چکھنے کا فائدہ بھی دیتی ہے اور بولنے کی قوت کے عجائب بھی اس میں پائے جاتے ہیں۔ اور وہ حکمتیں بھی جن کے ذکر سے ہم بات کو لمبا کرنا نہیں چاہتے۔

پھر دیکھو تم نے کھانے کو کاٹا اور پیسا اور وہ خشک تھا تم اسے نگلنے پر قادر نہ تھے جب تک کسی قسم کی رطوبت کے ساتھ حلق تک نہ جاتا تو دیکھو اللہ تعالیٰ نے کس طرح زبان کے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا جس سے لعاب نکلتا ہے اور ضرورت کے مطابق پہنچتا ہے حتیٰ کہ اس کے ذریعے کھانے کو گوندھا جاتا ہے تو دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اس (لعاب) کو کس طرح اس مقصد کے لیے مسخر کر دیا۔

تم دور سے کھانے کو دیکھتے ہو تو دونوں جبڑے خدمت کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور لعاب بھی تیاری پکڑتا ہے حتیٰ کہ باچھوں تک رال پہنچ جاتی ہے حالانکہ کھانا ابھی تم سے بہت دور ہے پھر یہ پسا ہوا اور گوندھا ہوا کھانا معدے تک کون پہنچاتا ہے جب کہ وہ منہ سے بھی اندر ہے نہ تو تم اسے ہاتھ سے دھکیل سکتے ہو اور نہ ہی معدے میں کوئی ہاتھ ہوتا ہے جو آگے بڑھ کر کھانے

کو کھینچ لے تو دیکھو اللہ تعالیٰ نے مری اور خنجرے (سانس کی دو نالیاں) کو تیار کیا اور ان کے اوپر کئی طبقات بنائے جو کھانے کو وصول کرتے ہیں۔ پھر وہ غذا کے لیے کھلتے اور بند ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان کے بند ہونے کے سبب غذا لڑکھڑاتی ہوئی معدے تک جا پہنچتی ہے اور معدہ مری (ایک رگ یا نالی) کی دہلیز پر واقع ہے جب کھانا معدے میں پہنچتا ہے اور وہ روٹی یا پھلوں کے ٹکڑوں کی صورت میں ہوتا ہے تو وہ اسی حالت میں گوشت، ہڈیاں اور خون بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ اسے پوری طرح پکانے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان کے اجزا ایک جیسے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے معدے کو ہنڈیا کی شکل میں بنایا اس میں کھانا پڑتا ہے تو اس پر دروازے بند ہو جاتے ہیں وہ اس میں اس وقت تک رہتا ہے جب تک ہضم اور پختگی کا عمل مکمل نہ ہو جائے اور یہ اس حرارت سے ہوتا ہے جو اعضا باطنی سے معدے میں موجود ہوتی ہے اور ان اعضا نے معدے کو گھیر رکھا ہوتا ہے کیوں کہ اس کی دائیں جانب جگر بائیں جانب تلی آگے چربی اور اور پیچھے پٹھے کا گوشت ہوتا ہے تو اطراف سے ان اعضاء کی گرمی معدے تک پہنچتی ہے حتیٰ کہ کھانا پک جاتا ہے اور ایک جیسا مائع بن جاتا ہے جو رگوں کے اندر جاری ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اس وقت وہ اپنے اجزاء اور پتلے پن میں آبِ جو کے پانی کے مشابہ ہو جاتا ہے لیکن ابھی تک وہ غذائیت کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اللہ تعالیٰ نے معدے سے جگر تک رگوں کے ذریعے چند راستے بنائے ہیں اور ان کے لیے بہت سے منہ رکھے ہیں حتیٰ کہ کھانا ان میں جانے کے بعد جگر تک پہنچتا ہے۔

اور جگر گاڑھے خون سے بنا ہے گویا وہ خون ہی ہے اور اس میں بہت سی باریک رگیں ہیں جو جگر کے اجزاء میں پھیلی ہوئی ہیں تو رقیق کھانا ان میں ڈالا جاتا ہے اور وہ اس کے اجزاء میں پھیل جاتا ہے حتیٰ کہ جگر کی طاعت اس پر غالب آجاتی ہے اور اس پر خون کا رنگ چڑھا دیتی ہے پس وہ جگر میں اتنی دیر ٹھہرتی ہے کہ دوسری باریک جاتی ہے اور وہ صاف خون کی شکل میں بدل جاتی ہے جو اعضاء کی غذا بننے کی صلاحیت رکھتی ہے مگر جگر کی گرمی جو اسے پکاتی ہے یہی خون ہے تو اس خون سے دو قسم کی میل نکلتی ہے جس طرح دوسرے کھانوں سے نکلتی ہے جن کو پکایا جاتا ہے ان میں سے ایک تلچھٹ گدلے تیل) کی طرح ہوتی ہے اور یہ سوداوی ہے اور دوسری دودھ کی جھاگ کی طرح ہوتی ہے جسے صفراء کہتے ہیں اگر یہ دونوں قسم کی زائد میل الگ نہ ہو تو اعضاء کا مزاج خراب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے پتا اور تلی بنائی ہے اور ان دونوں کو لمبی گردن دی ہے جو جگر تک پہنچتی اور اس کے اندر داخل ہوتی ہے پتا صفراوی مادے کو جذب کرتا ہے اور تلی سوادی مادے کو جذب کرتی ہے تو اب صاف خون رہ جاتا ہے جو پتلا ہوتا ہے اور اس میں رطوبت ہی رطوبت ہوتی ہے کیوں اس میں مائع والا وصف ہوتا ہے اگر یہ رطوبت نہ ہو تو وہ باریک رگوں میں نہ جاتے اور نہ ہی وہاں سے نکل کر اعضاء کی طرف چڑھے تو اللہ تعالیٰ نے دو گردے پیدا کئے اور ان میں سے ہر ایک کو لمبی گردن عطا فرمائی جو جگر کی طرف جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ ان دونوں کی گردنیں جگر کے اندر داخل نہیں ہوتیں بلکہ وہ ان رگوں کے ساتھ ملی ہوتی ہیں جو جگر کے اوپر کو نکلی ہوئی ہیں تاکہ گردے اس خون کو اسی وقت جذب کریں جب وہ جگر کی باریک باریک

رگوں سے باہر نکلے کیوں کہ اگر وہ پہلے جذب کریں تو خون گاڑھا ہو جائے اور رگوں سے باہر نہ نکلے پھر جب خون میں سے رطوبت بھی نکل جاتی ہے تو وہ تینوں فضلوں سے صاف ہو کر ان تمام چیزوں سے پاک ہو جاتا ہے جو غذا خراب کرتی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جگر سے کچھ رگیں نکالی ہیں وہ نکلنے کے بعد کئی قسموں میں تقسیم ہو جاتی ہیں اور قسم کئی شعبوں میں بٹ جاتی ہے اور یہ پورے بدن میں پھیل جاتی ہیں سر کی چوٹی سے پاؤں تک ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی۔ اب ان میں صاف خون جاری ہوتا ہے اور تمام اعضاء تک پہنچ جاتا ہے حتیٰ کہ وہ منقسم رگیں ریشوں میں بدل جاتی ہیں جس طرح پتوں اور درختوں کی رگیں ہوتی ہیں جو آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتیں ان سے غذا چھن چھن کر تمام اعضاء تک پہنچتی ہے اور اگر پتے میں کوئی آفت پیدا ہو جائے اور وہ صفراوی مادے کو جذب نہ کرے تو خون خراب ہو جاتا ہے اور اس سے صفراوی بیماریاں جیسے یرقان پھنسیاں اور سُرخ بادہ وغیرہ پیدا ہوتی ہیں اور اگر تلی پر کوئی آفت آجائے اور وہ سوداوی مادے کو جذب نہ کرے تو سوداوی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں جیسے برص (سفید داغ) جذام (کوڑھ) اور مالیخولیا وغیرہ۔ اور اگر رطوبت گُردوں کی طرف نہ جائے تو اس سے استسقاء وغیرہ بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

پھر اس پیدا کرنے والے حکیم کی حکمت دیکھو کس طرح ان تین خسیس فضلات پر منافع کو مرتب فرمایا پتا اپنی ایک گردن سے فضلات کو کھینچتا ہے اور دوسری سے اسے آنتوں کی طرف پھینک دیتا ہے تاکہ اس میں غذا کی آمد و رفت کے لیے چکناہٹ رہے اور آنتوں میں جلن پیدا کرے جس سے طبیعت میں قضائے حاجت کے لیے تحریک پیدا ہو اور چکناہٹ کے باعث فضلہ جلد نکلے پاخانے کی زردی اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ اس میں صفرا کا میل ہوتا ہے جہاں تک تلی کا تعلق ہے تو وہ اپنے فضلے کو ایسا کر دیتی ہے کہ اس میں ترشی اور بستگی آجائے پھر وہ روزانہ کچھ نہ کچھ معدے کے منہ کی طرف بھیجتی ہے تاکہ ترشی کے باعث اشتہاء پیدا ہو اور وہ معدے کو غذا پر برانگیختہ کرے اور باقی فضلے کو پاخانے کے ساتھ باہر نکال دے اور گردہ اس میں سے اسی قدر غذا نکالتا ہے جس قدر اس میں خون ہوتا ہے اور باقی کو مثانے کی طرف بھیج دیتا ہے۔

کھانے کے سلسلے میں جو اسباب تیار کئے گئے ہیں ہم ان کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اسی قدر بیان پر اکتفا کرتے ہیں اور اگر ہم جگر کی دل و دماغ کی طرف حاجت کی کیفیت اور اعضاء رئیسہ میں سے ہر ایک کی دوسرے کی طرف حاجت بیان کریں اور دل سے نکلنے والی رگیں تمام جسم میں کس طرح پھیلتی ہیں جن کے واسطے سے اعضاء میں حس ہوتی ہے نیز جگر میں ٹھہری ہوئی رگیں تمام بدن تک کس طرح پہنچتی ہیں جو غذا کے پہنچنے کا وسیلہ ہیں، پھر اعضاء کی ترکیب کی کیفیت اور ان کی ہڈیوں، پٹھوں، رگوں، جوڑوں اور رطوبتوں وغیرہ کی تعداد ذکر کریں تو کلام طویل ہو جائے گا۔ اور کھانے کے سلسلے میں ان میں سے ہر ایک کی ضرورت ہے بلکہ اس کے علاوہ دوسرے امور کے لیے بھی ان کی حاجت ہوتی ہے بلکہ انسان میں کئی ہزار مختلف پٹھے، رگیں اور پٹھے چھوٹے بڑے پتلے اور موٹے موجود ہیں اور ان کی زیادہ اور کم تقسیم بھی ہے اور ان میں سے ہر ایک میں ایک یا دو یا تین یا چار، دس تک بلکہ اس سے بھی زیادہ حکمتیں ہیں اور یہ سب کچھ تم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔

marfat.com

اگران میں سے کوئی متحرک رگ رُک جائے یا ساکن رگن متحرک ہو جائے تو اے مسکین! تم ہلاک ہو جاؤ تو تم پہلے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو دیکھو تاکہ شکر کرنا تمہارے لیے آسان ہو جائے کیوں کہ تم تو اللہ تعالیٰ کی صرف ایک اور وہ بھی سب سے ہلکی نعمت کو دیکھتے ہو اور وہ کھانا ہے پھر اس میں بھی صرف اسی بات کو دیکھتے ہو کہ تم بھوکے ہوتے ہو تو کھانا کھاتے ہو یہ بات تو گدھا بھی جانتا ہے کہ وہ بھوکا ہوتا ہے تو کھاتا ہے تھکتا ہے تو سو جاتا ہے، شہوت آتی ہے تو جفتی کرتا ہے اٹھایا جاتا ہے تو اٹھ کر لاتیں مارتا ہے اگر تم اپنے نفس سے متعلق اتنی ہی بات جانتے ہو جس قدر گدھے کو علم ہوتا ہے تو تم کس طرح اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو گے ہم نے جس بات کی طرف اختصار کے ساتھ اشارہ کیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے انعام کے سمندروں میں سے ایک سمندر کا فقط ایک قطرہ ہے اور جو کچھ ہم نے طوالت کے ڈر سے چھوڑ دیا اسے بھی اسی پر قیاس کر اور نعمتوں کے بارے میں جو کچھ ہم نے بیان کیا اور وہ تمام مخلوق کو معلوم ہیں اگر ان کو ان نعمتوں کی نسبت دیکھیں جن کی پہچان ان کو نہیں ہے تو وہ سمندر کا ایک معمولی سا قطرہ ہے مگر جو آدمی اس سے تھوڑا سا بھی معلوم کرے وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کے معانی میں سے کچھ نہ کچھ جان لے گا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ (۱) اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنے لگو تو ان کو گن نہیں سکتے۔

پھر دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان اعضاء کا قوام ان کے منافع اور ادراکات اور قوتوں کا قیام ایک لطیف بخار سے منظم کر رکھا ہے جو اخلاط اربعہ سے چڑھتا ہے اور اس کا ٹھکانہ دل ہے پھر وہ تمام بدن میں پھیلی ہوئی رگوں کے ذریعے پورے جسم میں سرایت کرتا ہے اور بدن کے جس حصے تک پہنچتا ہے اس میں اس کی ضرورت کے مطابق حس، ادراک اور قوتِ حرکت وغیرہ پیدا کرتا ہے۔

یہ ایک چراغ کی مثل ہے جو گھر کے تمام کونوں میں پھرایا جاتا ہے تو وہ جس حصے میں پہنچتا ہے اس کے سبب سے گھر کے اجزاء روشن ہو جاتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور تخلیق سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے چراغ کو اپنی حکمت کے تحت روشنی کا سبب بنایا ہے اور یہ لطیف بخار وہی چیز ہے جسے طبیب روح کا نام دیتے ہیں اور اس کا محل دل ہے۔

اس کی مثال چراغ کی آگ کا وجود سمجھنا چاہیے اور اس کے لیے دل آلہ چراغ کی طرح ہے اور سیاہ خون جو دل کے اندر ہے وہ بتی کی طرح ہے اور اس کے لیے غذا زیتون کے تیل کی طرح ہے اور بدن کے تمام اعضاء میں ظاہری حیات جو اس کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے وہ چراغ کی اس روشنی کی طرح ہے جو تمام گھر میں ہوتی ہے اور جس طرح چراغ کا تیل ختم ہونے سے وہ بجھ جاتا ہے اسی طرح روح کا چراغ بھی غذا کے منقطع ہونے سے بجھ جاتا ہے اور جس طرح بتی جل جانے کی وجہ سے

---

(۱) قرآن مجید سورۃ نحل آیت ۱۸

marfat.com

راکھ بن جاتی ہے اور تیل کو قبول نہیں کرتی اور تیل کی کثرت کے باوجود چراغ بجھ جاتا ہے اسی طرح وہ خون جس کے ذریعے یہ بخار پیدا ہو۔ بعض اوقات حرارت قلبی کی وجہ سے جل جاتا ہے اور غذا کے باوجود وہ گُل ہو جاتا ہے کیوں کہ وہ اس غذا کو قبول نہیں کرتا جس کے ذریعے رُوح کو بقا حاصل ہوتا ہے جیسے راکھ زیتوں کو اس طرح قبول نہیں کرتی جس سے شعلہ پیدا ہو۔

اور جس طرح چراغ بعض اوقات داخلی سبب سے بجھ جاتا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور بعض اوقات خارجی سبب سے بجھتا ہے جیسے تیز ہوا چلے اسی طرح رُوح بھی بعض اوقات داخلی سبب سے مر جاتی ہے اور کبھی خارجی سبب سے اس کی موت واقع ہوتی ہے اور وہ قتل ہے اور جس طرح چراغ کا بجھنا تیل کے ختم ہونے یا بتی کے خراب ہو جانے یا آندھی کے چلنے یا کسی انسان کے بجھا دینے سے ہوتا ہے اور یہ تمام اسباب اللہ تعالیٰ کے علم میں مقدر و مرتب ہیں اور یہ سب کچھ تقدیر کے مطابق ہوتا ہے تو روح کے فنا ہونے کا بھی یہی مسئلہ ہے اور جس طرح چراغ کا بجھ جانا اس کے وقتِ وجود کی انتہا ہے اور یہ اس کی اجل ہے جو لوحِ محفوظ میں لکھ دی گئی ہے اسی طرح رُوح کے فنا ہونے کا معاملہ بھی ہے اور جس طرح چراغ کے بجھنے سے تمام گھر میں اندھیرا ہو جاتا ہے اسی طرح رُوح کے مٹ جانے سے تمام بدن کے اندر تاریکی ہو جاتی ہے اور وہ انوار اس سے جدا ہو جاتے ہیں جو رُوح سے حاصل کئے گئے تھے اور یہ احساسات، قدرت اور ارادوں کے انوار ہیں نیز وہ امور جن کو لفظ حیات شامل ہے۔

یہ بھی ایک مختصر رمز ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی صنعت و حکمت کے عجائبات کا ایک عالم ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اگر سمندر اللہ تعالیٰ کے کلمات (لکھنے) کے لیے روشنائی بن جائیں تو میرے رب عزوجل کے کلمات ختم نہیں ہوں گے سمندر ختم ہو جائیں گے۔

پس جو شخص اللہ تعالیٰ کا منکر ہے اس پر ہلاکت ہے اور جو اس کی نعمت کا منکر ہے اس پر خوب پھٹکار ہے۔

سوال:

آپ نے رُوح کا ذکر کیا اور اس کی مثال بیان کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رُوح کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے صرف اتنا فرمایا۔

ارشاد خداوندی ہے:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ (۱) آپ فرما دیجئے رُوح میرے رب کا ایک امر ہے

آپ نے اس کی تعریف و وضاحت کیوں فرمائی (حالاں کہ حضور علیہ السلام نے وضاحت نہیں فرمائی)

جواب:

---

(۱) قرآن مجید سورۃ اسراء آیت ۸۵

marfat.com

یہ سوال لفظ روح میں پائے جانے والے اشتراک سے غفلت کی بنیاد پر ہے روح کا اطلاق کئی معانی پر ہوتا ہے ہم ان کا ذکر کر کے بات کو طول دینا نہیں چاہتے ہم نے ان میں سے ایک جسم لطیف کا ذکر کیا ہے جسے اطبا روح قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے اس کی صفت، وجود، اعضا میں اس کے جاری ہونے کی کیفیت اور اس کے ذریعے اعضا میں احساس اور قوت کی کیفیت بیان کی ہے حتی کہ جب کوئی عضو بے حس ہو جاتا ہے تو وہ جان لیتے ہیں کہ اس پر بے حسی اس روح کے راستوں میں رکاوٹ واقع ہونے کی وجہ سے ہے تو وہ بے حس مقام کا علاج نہیں کرتے بلکہ اعصاب کے مراکز کا علاج کرتے ہیں کیوں کہ رکاوٹ کے مقامات وہاں ہی واقع ہیں اور وہ اس چیز کے ذریعے علاج کرتے ہیں جو رکاوٹ کو ختم کر دے بے شک یہ روح اپنی لطافت کی وجہ سے پٹھوں کے جال میں گھس جاتی ہے اور اس کے واسطے سے دل سے تمام اعضاء کی طرف پہنچتی ہے اور جس چیز تک اطباء کی معرفت جاتی ہے اس کا معاملہ آسان اترنے والا ہے۔

لیکن وہ روح جو اصل ہے اور اس کے فساد سے پورا جسم فاسد ہو جاتا ہے وہ اسرار الٰہیہ میں سے ایک سر (راز) ہے ہم اس کا وصف بیان نہیں کرتے اور نہ ہی اس کا وصف بیان کرنے کی اجازت ہے صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ امر ربانی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا۔

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ (۱)

آپ فرما دیجئے روح میرے رب کے حکم میں سے ہے۔

اور امور ربانی کا وصف بیان کرنا عقل کے دائرۂ قدرت میں نہیں ہے بلکہ اس سلسلے میں اکثر لوگوں کے عقلیں حیران و پریشان رہتی ہیں۔ جہاں تک وہم و خیالات کا تعلق ہے تو وہ لازماً نقصان میں ہیں جیسے قوت بینائی آوازوں کا ادراک نہیں کر سکتی غرضیکہ عقل کی گرہیں امور ربانیہ کے مبادی کے ذکر میں متزلزل ہوتی ہیں کیوں کہ وہ جوہر و عرض کی بیڑیوں میں مقید ہیں اس لیے عقل کے ذریعے اس کے وصف کا ادراک نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا ادراک ایک دوسرے نور سے ہوتا ہے جو عقل سے اعلیٰ و اشرف ہے اور وہ نور عالم نبوت و ولایت میں چمکتا ہے عقل کی طرف اس کی نسبت اسی طرح ہے جس طرح عقل کی وہم و خیال کی طرف نسبت ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لیے مختلف طریقے رکھے ہیں تو جس طرح بچہ محسوسات کا ادراک کر سکتا ہے لیکن معقولات کا ادراک نہیں کر سکتا کیوں کہ فی الحال اس طریقے تک اس کی رسائی نہیں ہوئی اسی طرح بالغ آدمی کو معقولات کا ادراک ہو سکتا لیکن اس کے اوپر کا ادراک نہیں ہوتا کیوں کہ ابھی تک وہ اس تک رسائی حاصل نہیں کر سکا۔ کیوں کہ وہ شریف مقام، میٹھا چشمہ اور عالی رتبہ ہے اس میں ایمان و یقین کے نور کے ذریعے بارگاہ حق تعالیٰ کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے اور یہ چشمہ اس بات سے بلند و معزز ہے کہ ہر آنے والے کا راستہ بن جائے بلکہ اس پر ایک کے بعد دوسرا مطلع ہوتا ہے بارگاہ حق

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ اسراء آیت ۸۵

marfat.com

کا ایک صدر مقام ہے اور اس میں ایک وسیع میدان ہے اور میدان کے شروع میں ایک آستان ہے جو امر ربانی کا ٹھکانہ ہے اور جس شخص کو اس آستان پر پہنچنے کی اجازت نہ ہو اور نہ ہی وہ اس آستان کے محافظ کو دیکھ سکتا ہو اس کے لیے اس میدان میں پہنچنا محال ہے۔ تو اس کے پیچھے جو مشاہداتِ عالیہ ہیں ان تک پہنچنا کیسے ممکن ہوگا اسی لیے کہا گیا ہے۔

"جو شخص اپنے آپ کو نہیں پہچانتا وہ اپنے رب کو بھی نہیں جان سکتا"، یہ بات اطباء کی کتابوں میں کہاں پائی جا سکتی ہے اور طبیب اس کو کیسے ملاحظہ کر سکتا ہے بلکہ جس بات کو طبیب رُوح کہتے ہیں امر ربانی کی طرف اس کی نسبت اسی طرح ہے جیسے گنبد کی بادشاہ کی طرف نسبت ہے اور بادشاہ ڈنڈے سے اسے حرکت دیتا ہے۔

پس جو شخص طبی رُوح کو جاننے کے بعد یہ خیال کرے کہ اس نے امر ربانی کو پا لیا وہ اس شخص کی طرح ہے جو اس بند کو دیکھتا ہے جسے بادشاہ کے بلّے نے حرکت دی اور یہ خیال کرتا ہے کہ میں نے بادشاہ کو دیکھ لیا ہے بلاشبہ یہ واضح خطا ہے اور رُوح کے بارے میں یہ سوچ تو اس سے بھی بڑی خطا ہے اور جب وہ عقول جن کے ذریعے دنیا کے مصالح کا ادراک ہوتا ہے اور ان کی وجہ سے آدمی عبادات کا مکلف ہوتا ہے، اس امر کی حقیقت سے قاصر ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کے بارے میں گفتگو کی اجازت نہیں دی بلکہ آپ کو حکم دیا کہ لوگوں کی عقلوں کے مطابق ان سے گفتگو کریں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس امر کی حقیقت کے بارے میں کچھ بھی ذکر نہیں کیا بلکہ اس کی نسبت (فاعل) کا ذکر کیا ذات کا ذکر نہیں فرمایا نسبت کا ذکر ان الفاظ میں ہے "مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ" (یہ میرے رب کے امر سے ہے) اور فعل کا ذکر اس آیت میں فرمایا۔

یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ (۱)	اے مطمئن نفس! اپنے رب کی طرف اس طرح لوٹ جا کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی پس تو میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

اب ہم اپنی غرض کی طرف لوٹتے ہیں کیونکہ مقصود کھانے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ہے تو ہم نے کھانے کے آلات کے سلسلے میں بعض نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔

چوتھا نکتہ:

جن چیزوں سے کھانے حاصل ہوتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان

یہ وہ اصول ہیں کہ ان کے ذریعے کھانا اس قابل ہوتا ہے کہ اب انسان اسے خود اپنے عمل سے تیار کر سکتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ فجر آیت ۲۷ تا ۲۹

marfat.com

جاننا چاہیے کہ کھانے بے شمار ہیں اور ان کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار عجائبات اور غیر متناہی باہم پیوست اسبا
رکھے ہیں ہر کھانے کے ضمن میں ان کا ذکر ایک طویل بحث ہے کیوں کہ کھانے یا تو دوائی کی صورت میں ہوں گے یا غذا کی شکل
میں، تو ہم غذاؤں کو لیتے ہیں کیوں کہ یہ اصل ہیں پھر ان سب میں سے گندم کے دانے کو موضوعِ سخن بناتے ہیں باقی تما
غذاؤں کو چھوڑ دیتے ہیں تو ہم کہتے ہیں۔

جب تم ایک دانہ یا چند دانے پاتے ہو پس اگر تم ان کو کھا لو تو وہ ختم ہو جاتے ہیں اور تم بھوکے ہی رہتے ہو تو تم کو
قدر ایک دانے کو بڑھانے کے محتاج ہو حتیٰ کہ وہ تمہاری حاجت کو پورا کرے تو اللہ تعالیٰ نے گندم کے دانے میں اس قدر
قوت پیدا کی ہے جس سے غذا حاصل کی جا سکے جس طرح تمہارے اندر قوت پیدا کی ہے نباتات تم سے حس و حرکت میں
جدا ہیں (کہ ان میں حس و حرکت نہیں ہوتی) لیکن غذا میں تم سے جدا نہیں ہیں کیوں کہ وہ بھی پانی سے غذا حاصل کرتی ہیں اور
جڑوں کے ذریعے وہ اسے اپنے اندر جذب کرتی ہیں جس طرح تم غذا کھاتے اور اپنے اندر جذب کرتے ہو۔

ہم، نباتات کے ان آلات کا ذکر کر کے کلام کو طول نہیں دینا چاہتے جن کے ذریعے وہ غذا حاصل کرتے ہیں لیکن ہم صرف
ان کی غذا کی طرف اشارہ کرتے ہیں پس ہم کہتے ہیں۔ کہ لکڑی اور مٹی تمہیں غذا نہیں پہنچاتی بلکہ تم ایک مخصوص طعام کے محتاج ہو
اسی طرح (گندم کا) دانہ بھی ہر چیز سے غذا حاصل نہیں کرتا بلکہ ایک مخصوص چیز کا محتاج ہوتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر تم اسے
گھر میں چھوڑ دو تو اس میں اضافہ نہیں ہوتا کیوں کہ یہاں تو اسے صرف ہوا پہنچتی ہے اور صرف ہوا اس کی غذا بننے کی صلاحیت
نہیں رکھتی اور اگر تم اسے ایسی زمین میں چھوڑ دو جس میں پانی نہ ہو تو بھی اس میں اضافہ نہ ہوگا بلکہ ایسی زمین کی ضرورت ہے
جس میں پانی ہو اور وہ پانی زمین سے مل کر گارا بنے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا وَعِنَبًا وَقَضْبًا وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا۔ (۱)

پس انسان کو اپنے کھانے کی طرف دیکھنا چاہیے کہ بیشک ہم نے پانی بہایا پھر زمین کو اچھی طرح پھاڑا پس ہم نے اس میں غلہ اور انگور اور سبزی اور زیتون اور کھجور اگائی۔

پھر صرف پانی اور مٹی ہی کافی نہیں کیوں کہ اگر تم اس دانے کو ایک مرطوب زمین میں چھوڑ دو جو سخت اور باہم متصل ہے تو ہوا
نہ ہونے کی وجہ سے غلہ نہیں اگے گا تو اس بات کی حاجت ہے کہ دانا نرم زمین میں چھوڑا جائے جو پلپلی ہو اور اس میں
ہوا داخل ہو سکے پھر ہوا خود بخود حرکت نہیں کرتی لہٰذا ایسی آندھی کی ضرورت ہے جو ہوا کو حرکت دے اور اسے زور زور سے
زمین پر مارے تاکہ وہ اس کے اندر چلی جائے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ۔ (۲)

اور ہم نے پانی سے بھری ہوئی ہوائیں بھیجیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ عبس آیت نمبر ۲۴ تا ۲۹ (۲) قرآن مجید سورۂ حجر آیت ۲۲

marfat.com

اور اس کا التحاج (پیوند) یہ ہے کہ وہ ہوا، پانی اور زمین کو ملادے پھر یہ سب کچھ فائدہ نہیں دیتا اگر بہت زیادہ ٹھنڈک اور سردی ہو لہذا ربیع (بہار) اور گرمی کی ضرورت ہوئی تو غلے کی غذا کی ان چار چیزوں کی طرف محتاجی ظاہر ہوئی تو دیکھو ان میں سے کس چیز کا محتاج ہے کیوں کہ پانی کو سمندروں (اور دریاؤں) چشموں نہروں اور نالیوں سے زرعی زمین کی طرف جانے کی ضرورت ہے تو دیکھو اللہ تعالیٰ نے کس طرح سمندر بنائے چشمے اور نہریں جاری کیں پھر بعض اوقات زمین بلندی پر ہوتی ہے پانی اس تک پہنچ نہیں سکتا تو دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے بادل بنائے اور ان پر کیسے ہوا کو مسلط کیا تاکہ وہ اذن خداوندی سے ان کو زمین کے مختلف کناروں تک لے جائے حالاں کہ بادل پانی سے بھرے ہوئے بھاری ہوتے ہیں پھر دیکھئے کس طرح اللہ تعالیٰ ضرورت کے مطابق ربیع اور خریف کے موسم میں برساتا ہے۔

اور دیکھو اللہ تعالیٰ نے کس طرح پہاڑ بنائے جو پانی کی حفاظت کرتے ہیں اور ان سے بتدریج پانی نکلتا ہے اگر یکدم پانی نکلے تو غرق ہو جائیں اور کھیتی اور جانور ہلاک ہو جائیں پہاڑوں، بادلوں، سمندروں اور بارشوں میں جس قدر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ان کا شمار کرنا ناممکن ہے۔

جہاں تک حرارت کا تعلق ہے تو وہ پانی اور زمین کے ملاپ سے حاصل نہیں ہوتی کیوں کہ یہ دونوں ٹھنڈی ہیں تو دیکھو اللہ نے کس طرح سورج کو مسخر کیا اور باوجود اس کے کہ وہ زمین سے دور ہے، اسے ایسا بنایا کہ ایک وقت زمین کو گرم کرتا ہے دوسرے وقت میں نہیں تاکہ ٹھنڈک کی ضرورت ہو تو وہ ٹھنڈک دے اور گرمی کی حاجت ہو تو گرمی دے یہ سورج کا ایک فائدہ ہے جب کہ اس کے مقاصد شمار سے باہر ہیں۔

پھر جب سبزی زمین سے بلند ہوتی ہے اور پھول پھلوں کی شکل اختیار کرتے ہیں اور سختی پیدا ہو جاتی ہے لہذا رطوبت کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے پکائے تو دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے چاند کو پیدا کیا اور اس کی خاصیت مرطوب بنانا ہے جس طرح سورج کی خاصیت حرارت پہنچانا ہے تو وہ (چاند) پھلوں کو پکاتا اور رنگین کرتا ہے اور یہ سب کچھ پیدا کرنے والے حکیم کی طرف سے مقرر کردہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر درخت سائے میں ہوں اور ان پر سورج کی دھوپ اور چاند ستاروں کی چاندنی نہ پڑے تو فاسد اور ناقص ہو جائیں۔

حتیٰ کہ جب چھوٹا درخت بڑے درخت کے سائے میں ہو تو وہ خراب ہو جاتا ہے اور چاند کے مرطوب بنانے کی پہچان اس طریقے سے ہوتی ہے کہ تم رات کے وقت ننگے سر کھڑے ہو تو تمہارے سر پر رطوبت غالب ہو گی جسے زکام کہا جاتا ہے اس طرح وہ تمہارے سر کو رطوبت پہنچاتا ہے اسی طرح پھلوں کو بھی رطوبت پہنچاتا ہے۔

جس بات کا احاطہ نہ ہو سکے اس میں طویل کلام کا کیا فائدہ ہے بلکہ ہم کہتے ہیں آسمان کے تمام ستاروں کو کسی نہ کسی کے لیے مسخر کیا گیا ہے جس طرح سورج کو حرارت دینے اور چاند کو رطوبت دینے کے لیے مسخر کیا گیا ہے پس ان میں ہر ایک میں بے شمار حکمتیں ہیں جن کا شمار کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کو پیدا کرنا عبث اور باطل ہوتا

marfat.com

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول صحیح نہ ہوتا۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ (۱) اے ہمارے رب! تو نے اس کو بیکار پیدا نہیں کیا۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی بھی صحیح نہ ہوتا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔ (۲) اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل نہیں بنایا۔

اور جس طرح تمہارے بدن کے ہر عضو کا کوئی نہ کوئی فائدہ ہے اسی طرح عالم کے جسم کا کوئی عضو بھی فائدے سے خالی نہیں اور پورا عالم ایک شخص کی طرح ہے اور اس کے اجسام اس کے اعضاء کی طرح ہیں اور یہ ایک دوسرے سے اسی طرح تعاون کرتے ہیں جیسے تمہارے جسم کے اعضاء ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں اور اس کی تشریح نہایت طویل ہے۔

اور تمہیں یہ گمان نہیں کرنا چاہیئے کہ ستاروں، سورج اور چاند کو جو اللہ تعالیٰ نے حکمت کے تحت بطور اسباب مسخر کیا تو اس بات پر ایمان لانا خلافِ شریعت ہے کیوں کہ حدیث شریف میں علم نجوم اور ستاروں کا حال بتانے والوں کی تصدیق سے ممانعت آئی ہے (۳)

تو اس میں دو باتیں ممنوع ہیں۔

ایک بات یہ کہ ستارے اپنے آثار کے خود فاعل ہیں اور وہ کسی مدبر کی تدبیر کے تحت نہیں ہیں جس نے ان کو کیا اور مغلوب کیا اور یہ عقیدہ کفر ہے اور دوسری بات ان خبروں کی تصدیق کرنا ہے جو علم نجوم والے ان آثار کے بارے میں دیتے ہیں جن کے علم میں دوسرے لوگ شریک نہیں ہیں کیوں کہ ان کی یہ باتیں جہالت پر مبنی ہوتی ہیں۔ اور اگر یہ بات جانتا ہو کہ ستاروں کے احکام کا علم بعض انبیاء کرام علیہم السلام کا معجزہ تھا پھر یہ علم مٹ گیا اور جو کچھ بچا ہے وہ مخلوط ہے اور اس میں صحیح اور غلط کی تمیز نہیں ہو سکتی پس ستاروں کو ان آثار کا سبب ماننا جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین میں نباتات میں اور حیوانات میں پیدا ہوتے ہیں (یہ عقیدہ) دین میں کوئی خرابی پیدا نہیں کرتا بلکہ یہ حق ہے لیکن جہالت کے ساتھ ان آثار کے تفصیلی علم کا دعویٰ کرنا دین میں خلل ہے اسی لیے اگر تم کپڑا دھو کر اسے خشک کرنا چاہو اور کوئی شخص تمہیں کہے کہ دھوپ نکل چکی ہے نیز دن اور ہوا گرم ہو چکے ہیں اس لیے تم کپڑے باہر ڈال دو تو تم پر اس کو جھٹلانا لازم نہیں ہے اور طلوع شمس کی وجہ سے ہوا کی گرمی کا جو اس نے ذکر کیا ہے تم اس پر اعتراض نہیں کر سکتے اور جب تم کسی آدمی سے اس کے چہرے کی تبدیلی کے بارے میں پوچھو اور وہ کہے کہ راستے میں سورج

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۹۱

(۲) قرآن مجید، سورۂ دخان آیت ۳۸

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۲۷۳، ابواب الادب

marfat.com

دھوپ کی وجہ سے اس طرح ہوگیا ہے تو اس وجہ سے تم اس کو جھٹلا نہیں سکتے (کیوں کہ یہ سبب ہے جس کا انکار نہیں کیا سکتا) باقی تمام آثار کو بھی اس پر قیاس کر لو۔

البتہ بعض آثار معلوم ہیں اور بعض مجہول اور مجہول آثار کے بارے میں علم کا دعویٰ صحیح نہیں اور معلوم آثار میں سے بعض وہ ہیں عام لوگوں کو معلوم ہوتے ہیں جیسے سورج کے طلوع ہونے سے روشنی اور گرمی کا حاصل ہونا اور بعض آثار صرف بعض لوگوں کو معلوم ہوتے ہیں جیسے چاند کے ہونے سے زکام کا لگنا کیوں کہ ستاروں کو بے فائدہ نہیں بنایا گیا۔ بلکہ ان میں بے شمار حکمتیں ہیں جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف دیکھ کر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ (۱) اے ہمارے رب! تُو نے اسے بیکار پیدا نہیں کیا۔

پھر آپ نے فرمایا۔

وَيْلٌ لِّمَنْ قَرَأَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ ثُمَّ مَسَحَ بِهَا سَبَلَتَهٗ۔ (۲) اس شخص کے لیے خرابی ہے جو یہ آیت پڑھے پھر اپنی مونچھوں پر تاؤ دے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص یہ آیت پڑھے اور اس میں غور و فکر نہ کرے اور آسمانی سلطنت کے سلسلے میں صرف اسی پر اکتفا کرے کہ آسمان کا رنگ اور ستاروں کی روشنی کو ہی پہچانے یہ بات تو جانوروں کو بھی معلوم ہے تو جو شخص صرف اسی قدر علم حاصل کرتا ہے وہی اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے آسمانوں کی سلطنت میں آفاق میں، نفسوں اور حیوانات میں عجائبات کی معرفت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں کیونکہ جو شخص کسی عالم سے محبت کرتا ہے وہ ہمیشہ اس کی تصانیف کی طلب میں مشغول رہتا ہے تاکہ وہ اس کے عجائباتِ علم سے مزید آگاہی حاصل کرے اور وہ اس کی محبت میں بڑھتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کے عجائب صنعت کا معاملہ بھی اسی طرح ہے تمام جہاں اس کی تصنیف ہے بلکہ مصنفین کی تصانیف بھی اس کی تصنیف ہیں کہ اس نے اپنے بندوں کے دلوں کے واسطے سے بنائی ہیں پس اگر تمہیں کسی کی تصنیف اچھی لگے اور عجیب ہو تو اس کے مصنف پر تعجب نہ کرو بلکہ اس ذات پر تعجب کرنا چاہیے جس نے مصنف کو اس کی تصنیف پر مسخر کیا اپنے انعام و اکرام سے اسے اس کی ہدایت دی اور اس کو سیدھے راستے پر رکھا اور تعریف کے قابل بنایا جیسے تم پتلیوں کو نہ دیکھتے ہو کہ وہ رقص کرتی اور موزوں و مناسب حرکات کرتی ہیں تو اس کھلونے پر تعجب نہ کرو وہ تو کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے جسے حرکت دی جاتی ہے وہ خود بخود حرکت نہیں کرتا بلکہ بازیگر کی ذہانت و مہارت پر تعجب کرو جو ایسے باریک باریک دھاگے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۹۱

(۲) کنز العمال جلد اول ص ۵۰، حدیث ۲۵۰۶

marfat.com

باندھ کر اسے حرکت دیتا ہے جو نظر نہیں آتے۔

تو مقصود یہ ہے کہ سبزیوں سے غذا کی تکمیل پانی، ہوا، سورج، چاند اور ستاروں کے بغیر نہیں ہوتی اور ان کے افلاک کی ضرورت ہے جن میں یہ جڑے ہوئے ہیں اور افلاک کے لیے حرکت ہے اور ان کی حرکت آسمانی فرشتوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتی ان کو حرکت دیتے ہیں اور اسی طرح یہ بات اسباب بعیدہ تک پہنچتی ہے ہم نے ان کا ذکر چھوڑ دیا تاکہ اس مذکورہ سے اس چھوڑے ہوئے پر آگاہی ہو ہم سبزیوں کی غذائیت کے اسباب کے ذکر پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

پانچواں نکتہ:

کھانوں کی انسان تک رسائی کے اسباب کے سلسلے میں انعامات خداوندی

تمام کھانے ہر جگہ نہیں پائے جاتے بلکہ ان کے لیے کچھ مخصوص شرائط ہیں جو بعض جگہ پائی جاتی ہیں اور بعض جگہ نہیں ا لوگ زمین پر پھیلے ہوئے ہیں بعض اوقات ان سے کھانے دور ہوتے ہیں اور ان کے درمیان سمندر اور جنگل حائل ہوتے ہیں دیکھو اللہ تعالیٰ نے کس طرح تاجروں کو مسخر کیا ان پر مال کی حرص اور نفس کی خواہش غالب کر دی حالانکہ عام طور پر انہیں کوئی فائ ہوتا بلکہ وہ جمع ہوتے ہیں اب یا تو وہ کشتیوں کے ساتھ ڈوب جاتے ہیں یا ڈاکو ان کو لوٹ لیتے ہیں یا وہ دوسرے شہر وا مر جاتے ہیں تو وہ مال حاکموں کے قبضے میں آجاتا ہے اور اگر بہت اچھی حالت ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ ان کے ورثا یہ لے لیتے ہیں حالانکہ وہ ان کے بڑے دشمن ہیں اگر ان کو اس بات کی سمجھ ہو۔

تو دیکھو اللہ تعالیٰ نے ان پر کس طرح جہالت اور غفلت مسلط کی ہے حتیٰ کہ وہ نفع کی طلب میں سختیاں برداشت کر اور خطرات کو سواری بناتے ہیں اور سمندری سفر میں ہواؤں سے دھوکہ کھاتے ہیں وہ مختلف کھانے اور انسانی ضرورت کی اشیاء مشرق بعید سے مغرب کی طرف تم تک پہنچاتے ہیں اور دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو کشتیاں بنانے اور ا میں سوار ہونے کا طریقہ سکھایا اور دیکھو کس طرح اس نے حیوانات کو پیدا کیا اور ان کو جنگلوں اور صحراؤں میں سواری اور ب برداری کے لیے مسخر کیا اونٹوں کو دیکھو ان کو کس انداز میں پیدا کیا گھوڑے کو دیکھا اسے کس طرح تیز رفتاری عطا کی نیز کی طرف نظر کرو کہ وہ کس طرح مشقت پر صبر کرتا ہے اور اونٹوں کو دیکھو کس طرح وہ بھوک اور پیاس برداشت کرتے ہوئے بوجھ کے ساتھ صحراؤں کو طے کر کے منزل تک پہنچتے ہیں دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ تاجروں کو کشتیوں اور حیوانات کے ذر خشکی اور سمندر میں سفر کراتا ہے تاکہ وہ تمہارے پاس کھانے اور باقی ضروریات کی چیزیں پہنچا ئیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب چیزیں حاجت کی حد تک بلکہ حاجت سے زیادہ پیدا کی ہیں جن کا شمار ناممکن ہے پھر یہ بے شمار خارجی امور تک پہنچاتے ہیں اختصار کے پیش نظر ہم ان امور کا ذکر نہیں کرتے۔

marfat.com

چھٹا نکتہ:

کھانوں کی اصلاح

جاننا چاہیئے کہ زمین سے جو سبزیاں نکلتی ہیں اور جو کچھ حیوانات سے پیدا ہوتا ہے ان کو اسی طرح چبانا اور کھانا ممکن نہیں ہے بلکہ ان میں سے ہر ایک کی اصلاح پکانا، ترکیب اور بعض کو پھینکنے اور بعض کو باقی رکھنے کے ذریعے ان کی نظافت ضروری ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی بے شمار امور ہیں۔ ہر کھانے کے ضمن میں ان کا احاطہ ایک طویل کام ہے۔ اس لیے ہم صرف ایک روٹی کو لیتے ہیں تاکہ ہم دیکھیں کہ ایک روٹی کس کس عمل کی محتاج ہوتی ہے حتی کہ وہ گول ہو جاتی ہے اور کھانے کے قابل ہوتی ہے حالانکہ وہ بیج کی صورت میں زمین میں ڈالی گئی تھی۔

تو سب سے پہلے کسان کی ضرورت ہے تاکہ وہ زمین کو ٹھیک کر کے کھیتی باڑی کرے پھر بیل جو زمین میں ہل چلائیں اور ان کو جوتنے کی لکڑی اور اس کے تمام اسباب کی ضرورت ہوتی ہے پھر اس تیاری کے بعد ایک عرصہ تک اسے پانی دیا جاتا ہے پھر زمین سے جڑی بوٹیوں اور گھاس وغیرہ کو دور کیا جاتا ہے پھر گاہنے کے بعد اسے صاف کیا جاتا ہے اس کے بعد پسائی اور پھر گوندھنے کا مرحلہ ہوتا ہے اس کے بعد روٹی تیار ہوتی ہے تو ان کاموں کو شمار کیجئے جن کا ہم نے ذکر کیا اور بعض کا ذکر نہیں کیا اور ان لوگوں کی گنتی بھی کریں جو یہ سب کام کرتے ہیں نیز اس کام کے لیے لوہے، لکڑی اور پتھر وغیرہ کے جو آلات استعمال ہوتے ہیں ان کا شمار بھی کیجئے پھر جو کاریگر کھیتی باڑی کے آلات تیار کرتے ہیں جو گندم کو پیستے ہیں جو روٹی پکاتے ہیں بڑھئی لوہار اور نانبائی وغیرہ۔

پھر غور کرو لوہار کو لوہے سیسے اور تانبے کی ضرورت ہوتی ہے پھر یہ بھی دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ، پتھر اور معدنیات کی کانیں کس طرح بنائی ہیں اور زمین کو کس طرح مختلف ٹکڑوں کی صورت میں بنایا جو آپس میں ملے ہوئے ہیں۔

اگر تم غور کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ ایک گول روٹی تمہارے کھانے کے لیے اس وقت تک تیار نہیں ہو سکتی جب تک اس میں ایک ہزار سے زیادہ کاریگر کام نہ کریں۔ پہلے تو اس فرشتے کو دیکھو جو بادلوں کو ہانکتا ہے تاکہ بارش اترے پھر دیکھتے دیکھتے فرشتوں کے آخری عمل تک پہنچو حتی کہ انسانی عمل کی باری آجائے تو گویا سات ہزار کاریگروں نے کام کیا ہر کاریگر ایک ایسی اصل چیز بناتا ہے جس کے ساتھ مخلوق کی مصلحت مکمل ہوتی ہے پھر ان آلات میں انسان کے عمل کی کثرت کو دیکھو حتی کہ سوئی ایک چھوٹا سا آلہ ہے جس کا فائدہ لباس کی سلائی ہے اور لباس تم سے سردی کو دور کرتا ہے اس کی شکل بھی محض اس لوہے سے مکمل نہیں ہوتی جو سوئی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ سوئی بنانے والوں کے ہاتھوں سے پچیس مرتبہ گزرنا پڑتا ہے اور ہر دفعہ ایک کام کرنا پڑتا ہے اگر اللہ تعالیٰ شہروں کو جمع اور بندوں کو مسخر نہ کرتا اور تم نے صرف ایک درانتی بنانا ہوتی جس سے تم گندم کو کاٹتے تو تمہاری ساری عمر خرچ ہو جاتی اور تم پھر بھی عاجز رہتے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنے اس بندے کی راہنمائی فرمائی جسے ایک ناپاک نطفے سے پیدا فرمایا کہ وہ اس قسم کے عجیب و غریب کام کرے مثلاً قینچی کو دیکھو کہ اس کے دو پلے ایک دوسرے پر منطبق ہوتے ہیں وہ دونوں بیک وقت ایک چیز کو اپنی گرفت میں لیکر جلدی جلدی اسے کاٹ دیتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے بنانے کا طریقہ نہ بتاتا اور ہم اپنی سوچ سے اس کو بنانے پر مجبور ہوتے پھر پتھر سے لوہا نکالنا پڑتا اور ان آلات کی ضرورت بھی ہوتی جن کے ذریعے قینچی بنائی جاتی ہے اور ہم سے کسی ایک کو حضرت نوح علیہ السلام کی عمر حاصل ہوتی اور اسے نہایت کامل عقل بھی دی جاتی پھر بھی اس آلے کا طریقہ معلوم کرنے سے وہ عمر کم ہو جاتی دوسری چیزیں تو الگ رہیں۔

تو وہ ذات پاک ہے جس نے اندھوں کے ساتھ دیکھنے والے بھی رکھے اور وہ پاک ہے جس نے اس بیان کے ساتھ بیان کرنے سے منع کیا اب غور کرو اگر تمہارے شہر میں آٹا پیسنے والا کوئی نہ ہو یا لوہار نہ ہو یا خون نکالنے والے سے خالی ہو حالانکہ یہ خسیس ترین عمل ہے یا کوئی جولاہا نہ ہو یا کسی بھی کاریگر سے خالی ہو تو تمہیں کتنی پریشانی ہوگی اور تم تمام کاموں میں کس قدر مضطرب ہو گے تو وہ ذات پاک ہے جس نے بعض بندوں کو دوسرے بعض کے لیے مسخر کیا حتیٰ کہ اس کی مشیت نافذ اور حکمت تام ہو گئی۔

اس سلسلے میں بھی ہم مختصر کلام کر رہے ہیں، ہیں کیوں کہ ہماری غرض آگاہی ہے تمام نعمتوں کا احاطہ مقصود نہیں۔

ساتواں نکتہ:

اصلاح کرنے والوں کی اصلاح

یہ لوگ جو کھانا وغیرہ تیار کرتے ہیں اگر ان کی آراء مختلف ہوتیں اور وحشی جانوروں کی طرح ان کی طبیعتوں میں نفرت ہوتی تو وہ ایک دوسرے سے نفرت کرتے اور دور رہتے اور ایک دوسرے کو نفع نہ پہنچا سکتے بلکہ وحشی جانوروں کی طرح ہوتے جو ایک جگہ پر نہیں رہ سکتے اور نہ ہی وہ ایک غرض پر اکٹھے ہو سکتے ہیں تو دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو جوڑ دیا اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے اُنس اور محبت ڈال دی۔

ارشاد خداوندی ہے:

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ۔

سورۃ انفال آیت ۶۳

اگر آپ وہ سب کچھ خرچ کرتے جو زمین میں ہے تو ان کے دلوں میں باہمی الفت پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان محبت پیدا کر دی۔

اسی الفت اور ارواح کے باہمی تعارف کی وجہ سے یہ لوگ اکٹھے ہوئے ایک دوسرے سے ملے شہر اور ملک بنے رہائش گاہیں اور گھر اس طریقے پر بنے کہ وہ ایک دوسرے کے قریب اور ملے ہوئے ہیں بازار اور دکانیں بنیں اور کئی قسم کے

کارخانے بنائے جن کا ذکر طویل ہے پھر جب ان کی اغراض ٹکراتی ہیں اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں تو یہ محبت زائل ہو جاتی ہے کیونکہ انسان کے فطرت میں غصہ، حسد، اور جنگ و جدل موجود ہے جس کی وجہ سے وہ لڑتے ہیں اور ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں تو دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے بادشاہوں کو مسلط کیا اور قوت اور سامان سے ان کی مدد کی پھر رعایا کے دلوں میں ان کا رعب ڈالا حتی کہ وہ خوشی و ناخوشی ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے کس طرح بادشاہوں کو ممالک کی اصلاح کا راستہ بتایا حتی کہ انہوں نے شہروں کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جس طرح ایک شخص کے مختلف اجزا ہوتے ہیں اور وہ ایک غرض پر باہم تعاون کرتے ہیں اور بعض دوسرے بعض سے نفع حاصل کرتے ہیں پھر انہوں نے سردار قاضی، قید خانے اور بازار کے رئیس مقرر کئے اور لوگوں کو انصاف پر مبنی قانون کی طرف مجبور کیا نیز ان کو باہمی تعاون کا پابند بنایا حتی کہ لوہار، قصاب اور نانبائی نفع حاصل کرتا ہے بلکہ تمام شہر والوں سے نفع اٹھاتا ہے اور وہ سب لوہار سے نفع حاصل کرتے ہیں اور یہ نفع اندوزی اسی ترتیب، اجتماع اور انضباط کے مطابق ہوتی ہے جو بادشاہ نے قائم کی ہے جس طرح تمام جسمانی اعضاء ایک دوسرے سے تعاون کرتے اور نفع اٹھاتے ہیں۔

اور غور کیجئے کس طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا حتی کہ انہوں نے ان بادشاہوں کی اصلاح کی جو رعایا کی اصلاح کرتے ہیں اور انہوں نے مخلوق کے درمیان عدل کے حفظ کے بارے میں قوانین شریعت کی پہچان کرائی ان کی نظم و ضبط کے لیے سیاسی قوانین بتائے امامت و سلطنت کے احکام اور فقہ کے احکام واضح کئے تاکہ ان کو اصلاح دنیا کی راہنمائی حاصل ہو جب کہ اصلاح دین کی راہنمائی اس کے علاوہ ہے۔

اور دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے اصلاح کی اور خود فرشتوں کی اصلاح ایک دوسرے کے ذریعے کی حتی کہ اس ملک مقرب تک معاملہ پہنچ گیا کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔

روٹی پکانے والا گوندھے ہوئے آٹے سے روٹی پکاتا ہے پینے والا پینے کے ذریعے اصلاح کرتا ہے کسان کاٹنے کے ذریعے تیار کرتا ہے لوہار کاشتکاری کے آلات تیار کرتا ہے بڑھئی لوہے کے آلات بناتا ہے اسی طرح وہ تمام کاریگر کام کرتے ہیں جو کھانے کے آلات کی اصلاح کرتے ہیں سلطان کاریگروں کی اصلاح کرتا ہے اور انبیاء کرام، علماء کی اصلاح کرتے ہیں جو ان کے وارث ہیں علماء بادشاہوں کی اصلاح کرتے ہیں انبیاء کرام کی اصلاح فرشتوں کے واسطے سے ہوتی ہے حتی کہ بارگاہ خداوندی تک معاملہ پہنچتا ہے جو تمام نظام کا سرچشمہ، تمام حسن و جمال کا مطلع اور ہر ترتیب و تالیف کے منبع ہے اور یہ سب تمام پالنے والوں کے پالنہار اور مسبب الاسباب کی نعمتیں ہیں اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا جس طرح اس نے اپنے کرم کو بیان فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (۱)	اور وہ لوگ جو ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں ہم ضرور بضرور ان کو اپنے راستے دکھائیں گے۔

(۱) قرآن مجید سورۃ عنکبوت آیت ۶۹

marfat.com

تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے اس تھوڑی سی بات کی پہچان تک راہنمائی حاصل نہ ہوتی۔
اور اگر اس نے ہمیں اپنی نعمت کی گہرائی کے احاطہ سے متعلق طمع سے روکا نہ ہوتا تو ہمیں ان کے احاطہ کا شوق ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے غلبہ اور قدرت کے تحت ہمیں اس سے روک دیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ (۱)

اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شمار کرنا چاہو تو ان کو شمار نہیں کر سکتے۔

اگر ہم گفتگو کرتے ہیں تو اسی کی اجازت سے وسعت و کشادگی حاصل ہوتی ہے اور اگر ہم خاموش رہیں تو اسی کے غلبہ کے تحت خاموشی اختیار کرتے ہیں کیوں کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ روکے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور جو کچھ عطا کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا کیوں کہ ہم موت سے پہلے زندگی کے ہر لمحے میں دل کے کانوں سے جبار بادشاہ کی یہ آواز سنتے ہیں۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ آج کس کی بادشاہی ہے؟ اللہ واحد و قہار کی (بادشاہی ہے)

تو اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں کفار سے ممتاز کرتے ہوئے زندگی کے اختتام سے پہلے یہ ندا سنا دی۔

آٹھواں نکتہ:

فرشتوں کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کی نعمت

جو کچھ پہلے گزر چکا ہے اس سے یہ بات تم پر مخفی نہیں رہی کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس لیے پیدا کیا کہ انبیاء علیہم السلام کی اصلاح و ہدایت اور ان تک وحی پہنچانے کا ان کو ذریعہ بنایا اور تمہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ ان کا صرف یہی کام ہے بلکہ فرشتے کثرت اور مراتب کی ترتیب کے اعتبار سے تین طبقات میں تقسیم ہوتے ہیں۔

فرشتوں کے طبقات:

فرشتوں کے تین طبقے ہیں۔

(۱) زمین کے فرشتے (۲) آسمانی فرشتے (۳) عرش کو اٹھانے والے فرشتے تو دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے کھانے اور غذا سے متعلق امور پر ان کو مقرر کیا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ان کے علاوہ جو ہدایت و ارشاد پر مقرر ہیں ان کا ذکر ہم نہیں کرتے اور یہ بھی جان لو کہ تمہارے بدن کا ہر جزو بلکہ سبزیوں کے اجزا ان کے حصول غذا کے لیے سات فرشتے مقرر ہیں اور یہ کم از کم ہیں یہ دس بلکہ سو بلکہ اس سے بھی زیادہ تک پہنچتے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نحل آیت ۱۸
(۲) قرآن مجید، سورۂ غافر آیت ۱۶

marfat.com

اس کا بیان اس طرح ہے کہ غذا کا معنیٰ ایک جزو کا دوسری جزو کے قائم مقام ہونا ہے جو مٹ چکی ہے اور یہ غذا آخری مرحلے میں خون بنتی ہے پھر گوشت اور ہڈیاں بنتی ہیں اور جب یہ گوشت اور ہڈیوں کی شکل اختیار کرے تو اب تمہاری غذا مکمل ہو گئی خون اور گوشت ایسے جسم ہیں جن کو کوئی طاقت، معرفت اور اختیار حاصل نہیں ہے وہ خود بخود حرکت نہیں کر سکتے اور نہ ہی خود بخود تبدیل ہو سکتے ہیں اور محض طبیعت ان کے طور طریقوں کو بدلنے کے لیے کفایت نہیں کرتی جس طرح گندم خود بخود پس کر اپنے آپ کو گوندھتی اور روٹی کی شکل اختیار نہیں کرتی اس کے لیے کاریگر کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح خون بھی اپنے آپ گوشت، ہڈیاں، رگیں اور پٹھے نہیں بنتے بلکہ کسی بنانے والے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ بنانے والے اندرونی فرشتے ہیں جس طرح ظاہری طور پر شہر والے کاریگر ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے تم پر ظاہری اور باطنی نعمتوں کا فیضان فرمایا تو تمہیں اس کی باطنی نعمتوں سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

تو میں (امام غزالی) کہتا ہوں ایک ایسا فرشتہ ضروری ہے جو گوشت اور ہڈی کی طرف غذا کو کھینچے کیوں کہ غذا خود بخود حرکت نہیں کرتی اور ایک دوسرا فرشتہ ایسا ہو جو اس کے پہلو میں غذا کو روک رکھے اور تیسرا فرشتہ ایسا ہو جو غذا کے اوپر سے خون کی صورت کو دور کرے چوتھا فرشتہ اسے گوشت، رگوں اور ہڈی کا لباس پہنائے پانچواں فرشتہ حاجتِ غذا سے زائد کو دور کرے اور چھٹا فرشتہ ان چیزوں کو ان کے مناسب کے ساتھ ملائے جس میں ہڈی کی صفت ہے اسے ہڈی سے ملائے گوشت کی صفت والے کو گوشت سے ملائے، تاکہ وہ جدا جدا نہ رہیں اور ساتویں فرشتے کی بھی ضرورت ہے جو ان کو ملانے میں مقدار اور اندازے کا خیال رکھے گول کے ساتھ اس قدر ملائے جس سے گولائی زائل نہ ہو چوڑائی والے سے اس قدر ملائے کہ اس کی چوڑائی باقی رہے اور جو اندر سے خالی ہے اس میں اس قدر ملائے کہ اس کی گہرائی اور خلا باقی رہے اور ان میں سے ہر ایک میں حاجت کے اندازے کی حفاظت کرے مثلاً بچے کے ناک پر اس قدر گوشت جمع کر دیا جو اس کی ران پر جمع ہونا چاہیئے تھا تو اس کی ناک بڑی ہو جائے گی اور اس کا خلا ختم ہو جائے گا نیز اس کی شکل و صورت بگڑ کر ڈراؤنی ہو جائے گی۔

بلکہ جس کے جو مناسب ہے وہی اختیار کرے پلکوں میں پتلاپن (آنکھ کے) ڈھیلے میں صفائی، رانوں میں موٹاپا، ہڈیوں میں سختی مناسب ہے تو ہر ایک کے لیے اسی قدر غذا پہنچائے جو مقدار اور شکل میں اس کے مناسب ہو ورنہ صورت بگڑ جائے گی اور بعض جگہیں بڑھ جائیں گی اور بعض کم ہو جائیں گی بلکہ اگر یہ فرشتہ تقسیم میں عدل کا خیال نہ رکھے اور بچے کے سر اور باقی تمام بدن تک اس قدر غذا پہنچائے جس سے وہ بڑھ جائے لیکن اس کے پاؤں کو چھوڑ دے تو وہ پاؤں اسی طرح رہے گا جس طرح بچپن میں تھا اور باقی جسم بڑھ جائے گا اور تم ایسے آدمی کو دیکھو گے جو ضخامت میں پورا آدمی ہے لیکن اس کا ایک پاؤں بچے کے پاؤں کی طرح ہے تو وہ اپنے جسم سے نفع حاصل نہیں کر سکے گا تو اس انداز میں تقسیم کی رعایت کرنا ایک فرشتے کے سپرد ہے۔

اور یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ خون خود اپنی طبیعت کے اعتبار سے شکل بدل لیتا ہے کیوں کہ ایسے کاموں کو طبیعت سے منسوب کرنے والا جاہل ہے وہ جانتا ہی نہیں کہ کیا کہہ رہا ہے۔

یہ تو زمین کے فرشتوں کی بات تھی وہ تمہارے اندر عمل میں مشغول ہیں جب کہ تم نیند کی حالت میں آرام کر رہے ہو اور غفلت

میں ادھر اُدھر پھر رہے ہو اور وہ تمہارے باطن میں تمہاری غذا کی اصلاح کر رہے ہیں جب کہ تم ان سے بے خبر ہو اور یہ تمہارے جسم کے تمام اجزاء میں ہیں حتی کہ بعض اجزاء مثلاً آنکھ اور دل وغیرہ ایک سو سے زائد فرشتوں کے محتاج ہیں ہم نے اختصار کے پیش نظر اس تفصیل کو چھوڑ دیا ہے۔

اور زمین کے فرشتوں کو آسمانی فرشتوں سے ایک معلوم ترتیب پر مدد پہنچتی ہے اس کی حقیقت اور گہرائی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور آسمانی فرشتوں کو عرش کے اٹھانے والے فرشتوں سے مدد حاصل ہوتی ہے اور ان سب پر تائید و ہدایت اور درستگی کے حوالے سے اس ذات کا انعام ہے جو حفاظت کرنے والا، پاک، ملک و ملکوت کا تنہا مالک عزت و جبروت والا زمین و آسمان میں قہر والا بادشاہی کا مالک اور عزت و جلال والا ہے۔

آسمانوں اور زمین، نباتات و حیوانات کے اجزا حتی کہ بارش کے ہر قطرے اور بادل جو ایک طرف سے دوسری طرف کو جاتے ہیں ان سب پر مقرر فرشتوں کا شمار نہیں ہو سکتا اسی لیے ہم نے احادیث سے استدلال کو چھوڑ دیا ہے۔

سوال:

یہ تمام افعال ایک فرشتے کے حوالے کیوں نہیں کئے گئے سات فرشتوں کی ضرورت کیوں پڑی؟ گندم کے لیے بھی پہلے پیسنے کی ضرورت ہوتی ہے پھر آٹا چھاننے اور بھوگ نکالنے کی اس کے بعد اس میں پانی ڈالنے کی چوتھے نمبر پہ گوندھنے والا چاہیے پھر پانچویں مرحلے میں اسے گول گول (پیڑے) بنانے کی اس کے بعد اسے روٹی کی شکل دینا ہے یہ چھٹا مرحلہ ہے ساتویں مرحلے میں جو اسے تنور میں لگائے لیکن ایک ہی آدمی یہ سب کام کر لیتا ہے تو فرشتوں کا باطنی عمل انسانوں کے اس ظاہری عمل کی طرح کیوں نہیں ہے

جواب:

فرشتوں کی تخلیق اور انسانوں کی تخلیق میں فرق ہے ان (فرشتوں) میں سے ہر ایک کو ایک صفت عطا کی گئی ہے جس میں کسی دوسری صفت کا اختلاط اور ترکیب نہیں ہے لہذا ان میں سے ہر ایک کے ذمہ ایک ہی کام ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ۔ (۲)

اور ہم (فرشتوں) میں سے ہر ایک کے لیے ایک معلوم اور مقرر) مقام ہے۔

اسی لیے ان کے درمیان اختلاف نفرت اور لڑائی نہیں ہوتی بلکہ ہر ایک مرتبہ کے تعین میں حواس خمسہ کی مثل ہے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴۱۴ مرویات عبداللہ

(۲) قرآن مجید، سورۃ صافات آیت ۱۶۴

marfat.com

آوازوں کے حصول میں بینائی کا سماعت سے اور سونگھنے کی قوت کا ان دونوں سے کوئی جھگڑا نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ دونوں سونگھنے کی قوت سے جھگڑتے ہیں اور یہ ہاتھ اور پاؤں کی طرح بھی نہیں کیوں کہ بعض اوقات تم پاؤں کی انگلیوں سے پکڑتے ہو اگرچہ یہ پکڑنا کمزور ہوتا ہے تو اس کا ہاتھ سے ٹکراؤ ہوا اور تم دوسروں کو سر کے ساتھ مارتے ہو تو سر کا ہاتھ سے اختلاف ہوا کیوں کہ ہاتھ مارنے کا آلہ ہے اور یہ ایک انسان کی طرح بھی نہیں کیوں کہ ایک ہی آدمی پیستا، گوندھتا اور روٹی پکاتا ہے اور یہ ایک قسم کی کجی اور اعتدال سے عدول ہے اور اس کا سبب انسانی صفات میں اختلاف ہے چوں کہ وہ ایک ہی صفت نہیں رکھتا اس لیے وہ ایک ہی عمل کا پابند نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ تم انسان کو دیکھتے ہو کبھی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور کبھی نافرمانی، کیوں کہ اس کے دواعی (ارادے) اور صفات میں اختلاف ہے جب کہ فرشتوں کی طبیعتوں میں یہ ممکن نہیں ہے بلکہ اطاعت خداوندی ان کی فطرت میں داخل ہے ان کو نافرمانی کی مجال ہی نہیں پس وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے وہ رات دن اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اس میں کوتاہی نہیں کرتے ان میں سے رکوع کرنے والے ہر وقت حالتِ رکوع میں رہتے ہیں سجدہ کرنے والے ہمیشہ سجدے کی حالت میں رہتے ہیں اور جو قیام کی حالت میں ہیں وہ ہمیشہ حالتِ قیام میں رہتے ہیں ان کے افعال میں نہ تو اختلاف ہے اور نہ ہی کوتاہی، ان میں سے ہر ایک کا ایک مقرر مقام ہے وہ اس سے تجاوز نہیں کرتا۔

وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اس طرح کرتے ہیں کہ اس میں مخالفت کی کوئی مجال نہیں تمہارے اعضاء کے ساتھ تشبیہ دینا ممکن ہے (یعنی جس طرح انسان کے اعضاء اس کی حکم عدولی نہیں کرتے فرشتے بھی اپنے رب کی حکم عدولی نہیں کرتے) تم جب پلکیں جھولنا چاہو تو صحیح پلکوں کو اس میں کوئی تردد اور اختلاف نہیں ہو سکتا ایسا نہیں ہوتا کہ کبھی وہ تمہاری بات مانیں اور کبھی اختلاف کریں بلکہ یوں ہوتا ہے کہ وہ تمہارے امر و نہی کی منتظر رہتی ہیں وہ تمہارے اشارے پر کھلتی اور فوراً بند ہو جاتی ہیں یہ ایک طرح کی تشبیہ ہے لیکن ایک وجہ سے دونوں میں فرق بھی ہے کیوں کہ پلکوں کو اس حرکت کا علم نہیں ہوتا جو ان سے صادر ہوتی ہیں کھلیں پابند ہوں جب کہ فرشتوں میں حیات ہے اور وہ اپنے عمل کا علم رکھتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کے فرشتوں کے ذریعے تمہیں صرف کھانے میں اس قدر نعمت عطا فرمائی ہے باقی حرکات و حاجات اس کے علاوہ ہیں ہم ان کا ذکر کر کے کلام کو طول دینا نہیں چاہتے، یہ نعمتوں کے طبقات میں سے دوسرا طبقہ ہے اور تمام طبقات کا شمار ممکن نہیں ہے تو ان کے افراد کا شمار کیسے ممکن ہوگا۔

تو اللہ تعالیٰ نے تم پر ظاہری اور باطنی نعمتوں کی بارش برسائی پھر فرمایا۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ۔(۲) اور ظاہری و باطنی گناہ چھوڑ دو۔

---

(۱) مجمع الزوائد، جلد ۵ ص ۲۶۷ کتاب الجہاد

(۲) قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۱۲۰

marfat.com

باطنی گناہ جن کو لوگ نہیں جانتے یعنی حسد، بدگمانی، بدعت اور لوگوں کے بارے میں برائی کو دل میں چھپانا وغیرہ دل کے گناہوں میں سے ہیں اور ان سے لوگ ناواقف ہیں ان کو چھوڑنا باطنی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے اور ظاہری گناہ جو اعضاء سے ہوتے ہیں ان کو ترک کرنا ظاہری نعمتوں پر شکر ادا کرنا ہے۔

بلکہ میں (امام غزالی) کہتا ہوں جو شخص پلک جھپکنے کی صورت میں بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے مثلاً جہاں آنکھ کو بند رکھنا چاہیے تھا وہاں آنکھ کھول دے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی ان تمام نعمتوں کا انکار کیا جو اللہ تعالیٰ نے اسے آسمانوں، زمین اور اس کے درمیان میں عطا فرمائی ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے حتیٰ کہ ملائکہ، آسمان، زمین، حیوانات اور نباتات یہ سب کچھ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس کا نفع ان سے پورا ہوتا ہے اگرچہ اس کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ان سے نفع اٹھاتے ہیں بے شک پلک جھپکنے میں اللہ تعالیٰ کی دو نعمتیں ہیں کیوں کہ ہر پلک کے نیچے کچھ پٹھے اور گوشت ہے جو دماغ کے اعصاب سے متصل ہے اس سے اوپر والی پلک کا جھپکنا اور نیچے والی پلک کا اٹھنا مکمل ہوتا ہے اور ہر پلک پر سیاہ بال ہیں اور ان کے سیاہ ہونے میں اللہ تعالیٰ کی نعمت یہ ہے کہ وہ آنکھ کی روشنی کو جمع کرتی ہے کیوں کہ سفیدی روشنی کو بکھیرتی ہے اور سیاہی جمع کرتی ہے۔

اور ان بالوں کا ایک لائن میں ترتیب کے ساتھ ہونا اس اعتبار سے نعمت ہے کہ وہ کیڑے مکوڑوں کو آنکھوں کو اندر جانے سے منع کرتے ہیں۔ اور وہ گرد و غبار جو ہوا میں اڑتی ہے وہ آنکھوں میں نہ پڑے اور ہر بال میں دو نعمتیں ہیں کہ بالوں کی جڑیں نرم ہیں اور اس کے باوجود ان کو کھڑا رکھا اور دونوں پلکوں کے بال اوپر نیچے سے مل کر ایک بہت بڑی نعمت قرار پاتے ہیں وہ یوں کہ بعض اوقات ہوا کی غبار آنکھ کے کھلنے میں رکاوٹ ہوتی ہے اور اگر وہ بند ہو جائے تو آدمی دیکھ نہ سکے اس لیے ایسے وقت میں اتنی مقدار میں آنکھ بند کر سکتا ہے کہ اوپر نیچے کی پلکوں کے بال مل جائیں اور وہ ان کی آڑ میں سے دیکھے تو بالوں کا ملنا خارج سے تنکوں وغیرہ کے آنکھوں میں داخل ہونے سے مانع ہوتا ہے لیکن اندر سے آنکھوں کے کھلنے سے مانع نہ ہو پھر اگر آنکھ کی پتلی تک غبار پہنچ جائے تو پلکوں کے کنارے اس ڈھیلے کے خادم کے طور پر پیدا کئے جو آئینے کو صاف شفاف کرنے والی چیز کی طرح ہیں ایک دو مرتبہ آنکھ بند کرنے سے ڈھیلا غبار سے صیقل (صاف) ہو جاتا ہے اور تنکا وغیرہ آنکھوں کے کناروں سے نکل جاتا ہے اور مکھی کے ڈھیلے کی چونکہ پلکیں نہیں ہیں تو اس کے لیے دو پاؤں زیادہ بنائے ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ وہ ان پاؤں سے آنکھوں کو ملتی رہتی ہے تاکہ ان کو غبار سے صاف کر دے ہم نے نعمتوں کا تفصیلی بیان چھوڑ دیا ہے کیوں کہ اس میں طول زیادہ ہے جو اس کتاب کی اصل پر اضافہ کا باعث ہے اگر زمانے نے ہمیں مہلت دی اور توفیق شامل حال ہوئی تو ہم ایک الگ کتاب لکھیں گے جس کا نام اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب صنعت رکھیں گے۔ ہم اب اصل غرض کی طرف لوٹتے ہوئے کہتے ہیں۔

جو شخص غیر محرم عورت کو دیکھتا ہے وہ پلکوں کی صورت میں ملنے والی نعمت خداوندی کا انکار کرتا ہے جب وہ آنکھ کھولتا ہے

marfat.com

اور پلکیں آنکھوں کے بغیر، آنکھیں سر کے بغیر، سر باقی تمام بدن کے بغیر، بدن غذا کے بغیر اور غذا، پانی، زمین، ہوا، بارش، بادل، سورج اور چاند کے بغیر قائم نہیں ہوتی اور ان میں سے کوئی بھی چیز آسمانوں کے بغیر قائم نہیں ہوتی اور آسمان فرشتوں کے بغیر قائم نہیں ہوتے کیوں کہ یہ سب ایک چیز کی طرح ہیں اور بعض دوسری بعض کے ساتھ اس طرح مربوط ہیں جس طرح بدن کے اعضاء ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہیں تو گویا اس نے ثریا سے لے کر تحت الثریٰ تک موجود ہر نعمت کا انکار کیا اب کوئی فلک، کوئی حیوان بلکہ نباتات و جمادات میں سے کوئی چیز نہیں جو اس پر لعنت نہ بھیجتی ہو اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس حصۂ زمین میں لوگ جمع ہوتے ہیں یا وہ ان پر لعنت بھیجتا ہے یا ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے" اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الْعَالِمَ لَیَسْتَغْفِرُ لَہٗ کُلُّ شَیْءٍ حَتَّی الْحُوْتِ فِی الْبَحْرِ۔ (۱)

بے شک عالم کے لیے ہر چیز بخشش مانگتی ہے حتی کہ دریا کی مچھلیاں بھی۔

اور حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ یَلْعَنُوْنَ الْعُصَاۃَ۔ (۲)

بے شک فرشتے نافرمان لوگوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔

متعدد اور بے شمار الفاظ میں لعنت کا ذکر ہے جن کا احاطہ ممکن نہیں یہ تمام احادیث اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ نافرمانی کرنے والا پلک جھپکنے میں تمام ملک و ملکوت کا مجرم ٹھہرتا ہے اور اس نے اپنے آپ کو ہلاک کیا البتہ یہ کہ وہ گناہ کے بعد نیکی کر کے اسے مٹا دے تو لعنت، استغفار میں بدل جاتی ہے قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما کر اسے معاف فرما دے۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے ایوب علیہ السلام آدمیوں میں سے ہر بندے کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں جب وہ میری نعمتوں پر میرا شکر ادا کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں یا اللہ! اسے مزید نعمتیں عطا فرما تو حمد و شکر کا اہل ہے (تو اے ایوب علیہ السلام!) آپ بھی شکر کرنے والوں کے قریب ہو جائیں میرے نزدیک شکر کرنے والے کے بلند مرتبہ ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ میں ان کا شکر قبول کرتا ہوں اور میرے فرشتے ان کے لیے دعا مانگتے ہیں زمین ان سے محبت کرتی ہے اور پیچھے رہنے والے ان پر روتے ہیں جس طرح تمہیں معلوم ہوا کہ ایک پلک جھپکنے میں بے شمار نعمتیں ہیں تو جان لو کہ ہر سانس میں جب وہ نیچے جاتا یا باہر آتا ہے، دو نعمتیں ہیں کیوں کہ اس کے اوپر آنے سے جلا ہوا دھواں دل سے نکل جاتا ہے اگر وہ نہ نکلے تو آدمی ہلاک ہو جائے اور جب وہ نیچے جاتا ہے تو ہوا کی روح دل کی طرف جمع ہوتی ہے اور اگر اس کا سانس بند ہو جائے تو روح ہوا اور اس کی ٹھنڈک کے منقطع ہو جانے سے دل جل جائے اور وہ

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۵ کتاب العلم

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۸ ص ۲۳ کتاب الجنایات

marfat.com

ہلاک ہو جاتے۔

بلکہ دن اور رات میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں اور ہر گھنٹے میں تقریباً ہزار سانس ہوتے ہیں اور ہر سانس میں تقریباً دس لحظے ہوتے ہیں تو ہر لحظہ میں تقریباً تجھ پر تیرے بدن کے ہر جزو میں لاکھوں نعمتیں ہیں بلکہ عالم کے ہر جزو میں بے شمار نعمتیں ہیں تو دیکھو کیا ان کے شمار کا تصور کیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کی حقیقت واضح ہوئی۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ (۱) اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کو گننا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔

تو آپ نے عرض کیا یا اللہ! میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں میرے جسم کے ہر بال میں تیری دو نعمتیں ہیں کہ تو نے اس کی جڑ کو نرم اور اس کے سر کو بلند کیا اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص صرف کھانے پینے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانتا ہے اس کا علم کم اور عذاب حاضر ہے یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے یہ کھانے اور پینے سے متعلق ہے اس کے علاوہ نعمتوں کو ان پر قیاس کرو کیوں کہ دانا آدمی اس عالم میں کسی چیز کو جب دیکھتا ہے یا اس کے دل میں کسی موجود کا خیال آتا ہے تو وہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کو دیکھتا ہے۔ اب ہم تفصیل کو چھوڑتے ہیں کیوں کہ یہ بے فائدہ طمع ہے

تیسرا بیان :

مخلوق کو شکر سے پھیرنے والا سبب

جان لیجئے کہ مخلوق کو شکر سے صرف جہالت اور غفلت باز رکھتی ہے کیونکہ وہ جہالت اور غفلت کی وجہ سے نعمتوں کی پہچان سے رُک جاتے ہیں پھر اگر وہ نعمتوں کی پہچان حاصل کر بھی لیں تو بھی ان کے خیال میں شکر کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے "الحمد للہ"، "الشکر للہ"، اور وہ جانتے نہیں کہ شکر کا معنیٰ یہ ہے کہ نعمت کو اس حکمت کی تکمیل کے لیے استعمال کیا جائے جس کا اس سے ارادہ کیا گیا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے۔

اب ان دو باتوں کا علم حاصل ہونے کے بعد شکر کے راستے میں رکاوٹ شہوت کا غلبہ اور شیطان کا تسلط ہوتا ہے جہاں تک نعمتوں سے غفلت کا تعلق ہے تو اس کے کئی اسباب ہیں اور ان میں سے ایک سبب یہ ہے کہ لوگ جہالت کی وجہ سے اس چیز کو نعمت نہیں سمجھتے جو تمام لوگوں کو اور ہر حالت میں حاصل ہوتی ہے اسی وجہ سے وہ ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے جن کا ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا ہے کیوں کہ یہ نعمتیں تمام لوگوں کو حاصل ہوتی ہیں اور وہ ہر حال میں ان کو استعمال کرتے ہیں لہٰذا کوئی بھی شخص اس کو اپنے ساتھ خاص نہیں سمجھتا اس لیے وہ اسے نعمت شمار نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ تم ان کو رسوم ہوا

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نحل آیت ۱۸

marfat.com

پر شکر کرتے ہوئے نہیں دیکھو گے حالانکہ اگر وہ ایک لحظہ کے لیے بھی ان کا گلا گھونٹ دے حتی کہ ہوا بند ہو جائے تو وہ مر جائیں اور اگر وہ کسی حمام میں بند ہو جائیں جس میں گرم ہوا ہوتی ہے یا کنویں میں ہوں جس میں پانی کی رطوبت کی وجہ سے ہوا ثقیل ہوتی ہے تو دم گھٹنے سے مر جائیں اور اگر ان میں سے کوئی شخص اس امتحان میں ڈالا جائے پھر اسے نجات مل جائے تو وہ ہوا کو نعمت جان کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا۔ تو یہ انتہائی جہالت ہے کیونکہ ان کا شکر اس بات پر موقوف ہو گیا کہ ان سے نعمت چھن جائے پھر بعض حالات میں واپس کی جائے۔ حالانکہ نعمت پر ہر وقت شکر گزار رہنا چاہیے پس کسی سمجھدار کو اس طرح کرتے ہوئے نہیں دیکھو گے کہ وہ آنکھوں کی صحت کا اس طرح شکر ادا کرے کہ پہلے اس کی بینائی لے لی جائے پھر اگر بینائی لوٹائی جائے تو وہ اس کا احساس کرتے ہوئے شکر بجا لائے اور اسے نعمت سمجھے۔

اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے اس لیے اس نے تمام مخلوق کو عطا فرمائی اور وہ ہر حال میں اس سے نفع اٹھاتے ہیں لیکن جاہل آدمی اسے نعمت نہیں سمجھتا اور یہ جاہل برے غلام کی طرح ہے اور وہ اس لائق ہے کہ اسے ہر وقت مار پڑتی رہے۔ حتی کہ ایک ساعت مار موقوف کر دی جائے تو وہ احسان مند ہوتا ہے لیکن ہمیشہ کے لیے مار بند کر دی جائے تو گلے لگتا ہے اور شکریہ ادا کرنا چھوڑ دیتا ہے تو لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اسی مال پر شکریہ ادا کرتے ہیں جو خاص ان کو حاصل ہو چاہے وہ زیادہ ہو یا تھوڑا۔ اور اللہ تعالیٰ کی باقی تمام نعمتوں کو بھول جاتے ہیں۔

جس طرح کسی شخص نے کسی صاحبِ بصیرت سے اپنے فقر کی شکایت کی اور شدتِ غم کا اظہار کیا تو اس سمجھدار آدمی نے جواب دیا کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ تم اندھے ہو اور تمہارے پاس دس ہزار درہم ہوں؟ اس نے کہا نہیں اس نے پوچھا کیا تمہیں یہ اچھی لگتی ہے کہ تم گونگے ہو اور تمہارے پاس دس ہزار درہم ہوں؟ اس نے کہا نہیں اس نے پوچھا کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تمہارے دونوں ہاتھ اور پاؤں کٹے ہوئے ہوں اور تمہیں بیس ہزار درہم دیئے جائیں؟ اس نے کہا نہیں پوچھا کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ تم پاگل ہو اور تمہیں دس ہزار درہم دیئے جائیں؟ اس نے کہا نہیں اس پر اس سمجھدار شخص نے کہا تمہیں حیا نہیں آتی کہ تم اپنے آقا و مولیٰ کی شکایت کرتے ہو حالانکہ تمہارے پاس اس کا پچاس ہزار کا سامان موجود ہے۔

منقول ہے کہ کسی قاری صاحب پر تنگدستی آ گئی حتی کہ وہ تنگدل ہو گیا پھر اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے۔

اگر تم چاہو کہ ہم تمہیں ایک ہزار دینار دے دیں اور اس کے بدلے تمہیں سورۂ انعام بھلا دیں اس نے کہا نہیں، پوچھا اور سورۂ ہود! اس نے کہا نہیں سوال کیا سورۂ یوسف! کہا نہیں اس نے کئی سورتوں کے نام لیے پھر کہا تمہارے پاس ایک لاکھ دینار مالیت ہے اور تم شکوہ کرتے ہو صبح وہ اٹھا تو اس کا افلاس جاتا رہا۔

حضرت ابن سماک کسی خلیفہ کے پاس تشریف لے گئے اس کے ہاتھ میں پانی کا ایک کوزہ تھا کہنے لگا مجھے کوئی نصیحت کریں

ابن سماک نے فرمایا اگر تمہیں یہ پانی تمام مال خرچ کرنے پر ملتا ورنہ تم پیاسے رہتے تو کیا تم وہ مال دے دیتے؟ اس نے کہا جی ہاں میں دے دیتا انہوں نے پوچھا اگر اس پانی کے بدلے تمہیں اپنی تمام سلطنت دینا پڑتی تو کیا تم حکومت چھوڑ دیتے؟ اس نے کہا جی ہاں انہوں نے فرمایا تو اس بادشاہی پر خوش نہ ہو جس کی قیمت پانی کا ایک گھونٹ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ پانی کے ایک گھونٹ کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمت پیاس کے وقت تمام زمین کی حکومت سے زیادہ بڑی ہے۔

اور جب طبیعتیں اس بات کی طرف مائل ہیں کہ وہ عام نعمتوں کی بجائے خاص نعمتوں کو شمار کرتی ہیں اور ہم نے عمومی نعمتوں کا ذکر پہلے کر دیا تو اب ہم خاص نعمتوں کی طرف ایک مختصر سا اشارہ کرتے ہیں پس ہم کہتے ہیں۔

اگر ہر آدمی اپنے احوال کو گہری نظر سے دیکھے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت یا کئی نعمتیں دیکھے گا جو اس کے ساتھ خاص ہیں ان نعمتوں میں اس کے ساتھ سب لوگ شریک نہیں ہیں بلکہ تھوڑے سے لوگ شریک ہیں بلکہ بعض اوقات تو اس کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں ہوتا۔ اور اس سلسلے میں ہر بندہ تین امور میں اعتراف کرتا ہے ایک عقل دوسری تخلیق اور تیسرا علم۔

عقل کی وضاحت یوں ہے کہ ہر بندے اپنی عقل کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے راضی ہوتا ہے اور وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ عقلمند سمجھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے عقل کا سوال بہت کم کرتا ہے اور عقل کی شرافت سے یہ بات ہے کہ جو اس سے خالی ہے وہ بھی اس سے خوش ہے جیسا کہ عقل سے موصوف آدمی خوش ہوتا ہے اور جب اس کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ عقلمند ہے اس پر اس کا شکر واجب ہے کیوں کہ اگر حقیقت میں ایسا ہی ہے جیسا وہ خیال کرتا ہے تو تو شکر کرتا اس پر واجب ہے اور اگر ایسا نہیں ہے لیکن اسی کا عقیدہ یہی ہے تو یہ اس کے حق میں نعمت ہے جو شخص زمین میں خزانہ دبا دیتا ہے تو وہ اس پر خوش ہوتا اور شکر بجا لاتا ہے اور اگر کوئی شخص اس کا خزانہ نکال کر لے جائے اور اسے علم نہ ہو تو بھی عقیدے و خیال کے مطابق اس کی خوشی باقی رہتی اور شکر بھی باقی رہتا ہے کیوں کہ اس کے حق میں وہ باقی کی طرح ہے۔

جہاں تک تخلیق کا تعلق ہے تو ہر آدمی دوسرے شخص میں ایسے عیب دیکھتا ہے جن کو وہ ناپسند کرتا ہے اور ایسی عادات جن کی وہ مذمت کرتا ہے اور وہ اس لیے مذمت کرتا ہے کہ اپنے آپ کو ان عیبوں سے پاک سمجھتا ہے پس جب وہ دوسروں کی مذمت میں مشغول نہ ہو تو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر میں مشغول ہو کہ اس نے اس کو اچھی صورت دی اور دوسروں کو بُری صورت میں مبتلا کیا۔

علم کا معاملہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اندر کے امور کو جانتا ہے اور خفیہ افکار کا بھی علم رکھتا ہے اور اس میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا اور اگر پردہ اُٹھ جائے حتیٰ کہ مخلوق میں سے کوئی شخص ان باتوں پر مطلع ہو جائے تو اسے شرمندگی اٹھانا پڑے اور اگر سب لوگوں کو ان باتوں کا علم ہو جائے تو کیا صورت حال ہوگی؟

marfat.com

تو گویا ہر شخص کو ایک ایسا علم حاصل ہے جو اس کے ساتھ خاص ہے اس میں کوئی دوسرا بندۂ خدا اس کے ساتھ شریک نہیں ہے تو وہ اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیوں نہیں کرتا کہ اس نے اس کی برائیوں کی اچھی طرح پردہ پوشی فرمائی اس کے اچھے کاموں کو ظاہر کیا اور برائیوں پر پردہ ڈالا اور لوگوں کی نگاہوں سے ان کو پوشیدہ رکھا ان باتوں کا علم اسی تک محدود رکھا کہ کوئی دوسرا ان باتوں پر مطلع نہیں ہوتا۔

تو یہ تین نعمتیں خاص ہیں اور ہر بندہ ان کا اعتراف کرتا ہے اعترافِ مطلق ہو یا بعض امور میں ہو۔ اب ہم ایک اور طبقے کی طرف آتے ہیں جو ان کے مقابلے میں کچھ عام ہے تو ہم کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کو اس کی صورت، شخصیت، اخلاق، صفات اہل و اولاد، مسکن، شہر، دوست، اقارب، عزت و جاہ یا اس کے علاوہ پسندیدہ باتوں میں کچھ ایسے امور عطا فرمائے ہیں کہ اگر یہ اس سے سلب کر لیے جائیں اور وہ چیز دی جائے جو اس کے غیر کے ساتھ خاص ہے تو وہ اس پر راضی نہیں ہوگا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے اسے مومن بنایا کافر نہیں بنایا، اس میں حیات رکھی ہے جمادات میں سے نہیں بنایا، انسان بنایا، جانور نہیں بنایا مرد بنایا عورت نہیں بنایا، تندرست رکھا بیمار نہیں بنایا، عیبوں سے محفوظ رکھا، عیب دار نہیں بنایا تو یہ سب خصائص ہیں اگرچہ ان سب امور میں بھی عموم ہے۔

اب اگر ان سب باتوں کو ان کی ضدوں میں بدل دیا جائے تو وہ راضی نہیں ہوگا بلکہ اس کے لیے کچھ ایسے امور بھی ہیں کہ وہ ان کو انسانوں کے احوال سے بھی بدلنا نہیں چاہتا ان میں سے بعض وہ ہیں کہ وہ ان کو ان امور سے نہیں بدلنا چاہتا جو مخلوق میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص ہیں یا ان کے ساتھ بدلنا نہیں چاہتا ہے جو اکثر لوگوں کے ساتھ خاص ہیں۔

تو جب وہ اپنی حالت کو دوسروں کی حالت سے بدلنا نہیں چاہتا تو گویا اس کی حالت دوسروں کی حالت سے بہتر ہے پس جب کوئی ایسا شخص معلوم نہیں ہے جو اپنی حالت کے بدلے کسی دوسری حالت پر عمومی طور پر یا کسی خاص حالت کے حوالے سے راضی ہو تو گویا اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو اس کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں دی گئیں اور اگر وہ دوسرے لوگوں میں سے بعض کی حالت کے ساتھ اپنی حالت کو بدلنا چاہتا ہے بعض کی حالت سے نہیں تو اس کے نزدیک جو لوگ قابلِ رشک ہیں ان کی تعداد کو دیکھے یقیناً وہ دوسروں کے مقابلے میں ان کو کم دیکھے گا تو جو لوگ اس سے کم درجہ والی حالت میں ہیں وہ ان کے مقابلے میں زیادہ ہیں جن کی حالت بلند تر ہے تو اسے کیا ہوا کہ وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے انعام کو حقیر جاننے کے لیے اپنے سے اوپر والوں کو دیکھتا ہے اور اپنے سے کم تر کی طرف نہیں دیکھتا تاکہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو عظیم جانے اسے کیا ہوا کہ وہ دین کو دنیا کے برابر بھی نہیں سمجھتا کیا ایسا نہیں ہے کہ جب اس کا نفس اسے کسی گناہ پر ملامت کرتا ہے تو وہ یہ بہانہ کرتا ہے کہ دنیا میں فاسق لوگ بے شمار ہیں تو وہ دین کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے کمتر کی طرف دیکھتا ہے اوپر والوں کی طرف نہیں دیکھتا دینوی معاملے میں وہ اس طرح کیوں نہیں دیکھتا جب دین کے معاملے میں اکثر لوگوں کا حال اس سے بہتر ہے اور دینوی معاملات میں اس کا اپنا حال دوسروں کے حال سے بہتر ہے تو اس پر شکر کرنا کیوں لازم نہیں ہوگا

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ نَظَرَ فِي الدُّنْيَا إِلَى مَنْ هُوَ دُوْنَهُ وَنَظَرَ فِي الدِّيْنِ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ كَتَبَهُ اللّٰهُ صَابِرًا وَشَاكِرًا وَمَنْ نَظَرَ فِي الدُّنْيَا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ وَفِي الدِّيْنِ إِلَى مَنْ هُوَ دُوْنَهُ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ صَابِرًا وَلَا شَاكِرًا۔

(۱)

جو شخص دنیوی معاملات میں اپنے سے کم لوگوں کی طرف دیکھے اور دینی معاملات میں اپنے سے اوپر والوں کی طرف نظر کرے تو اللہ تعالیٰ اسے صابر و شاکر لکھتا ہے اور جو شخص دنیا کے معاملات میں اپنے سے اوپر والوں کی طرف دیکھتا ہے اور دین کے معاملات میں اپنے سے کمتر کو دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے صابر و شاکر نہیں لکھتا۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ جو شخص اپنی حالت پر غور کر کے اس بات کا جائزہ لیتا ہے جو اس کے ساتھ خاص ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار انعام ہیں خصوصاً وہ شخص جسے سنت (حدیث)، ایمان، علم، قرآن، فراغت، صحت اور امن وغیرہ کی دولت حاصل ہو۔ اسی لیے کہا گیا ہے۔

مَنْ شَاءَ عَيْشًا رَحِيْبًا يَسْتَطِيْلُ بِهِ فِي دِيْنِهِ ثُمَّ فِي دُنْيَاهُ إِقْبَالًا فَلْيَنْظُرَنَّ إِلَى مَنْ فَوْقَهُ وَرْعًا وَلْيَنْظُرَنَّ إِلَى مَنْ دُوْنَهُ مَالًا۔

جو شخص اپنی زندگی میں کشادگی چاہتا ہے جو دینی اور دنیوی اعتبار سے اس کی طرف متوجہ رہے اور دائمی ہو تو وہ تقویٰ میں اپنے سے اوپر والے کی طرف اور مال کے اعتبار سے نیچے والوں کی طرف دیکھے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ لَمْ يَسْتَغْنِ بِآيَاتِ اللّٰهِ فَلَا أَغْنَاهُ اللّٰهُ۔

(۲)

جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ اپنے آپ کو غنی نہیں سمجھتا اللہ تعالیٰ اسے مالدار نہیں بناتا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّ الْقُرْآنَ هُوَ الْغِنَى لَا غِنَى بَعْدَهُ وَلَا فَقْرَ مَعَهُ۔

(۳)

بے شک قرآن ہی مالداری ہے اس کے بعد مالداری نہیں اور اس کی موجودگی میں محتاجی نہیں۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۳ ص ۲۲۱ حدیث ۶۲۸۴

(۲)

(۳) مجمع الزوائد جلد ۷ ص ۱۵۸ کتاب التفسیر

marfat.com

مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ وَظَنَّ اَنَّ اَحَدًا اَغْنٰی مِنْهُ فَقَدْ اِسْتَهْزَاَ بِاٰیَاتِ اللّٰهِ۔

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک (کا علم) عطا فرمایا پھر اس نے یہ خیال کیا کہ کوئی شخص اس سے زیادہ مالدار ہے تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑایا۔

(۱)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ۔

جو شخص قرآن پاک (کی دولت) سے اپنے آپ کو مالدار نہیں سمجھتا وہ ہم میں سے نہیں۔

(۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کَفٰی بِالْیَقِیْنِ غِنًی۔ (۳)

مالداری کے لیے یقین کافی ہے۔

کسی بزرگ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی نازل کردہ کسی کتاب میں فرمایا اگر میں کسی بندے کو تین باتوں سے بے پرواہ کر دوں تو ں نے اس پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا۔ وہ بادشاہ کے پاس جانے کی حاجت نہ ہو، ڈاکٹر سے دوا لینے کی ضرورت نہ پڑے کسی دوسرے مال سے بے نیاز ہو جائے کسی شاعر نے اس کی یوں ترجمانی کی ہے۔

اِذَا مَا الْقُوْتُ یَاْتِیْكَ كُلَّ اٰنٍ وَالْاَمْنُ وَالصِّحَّةُ وَاَصْبَحْتَ اَخَا حُزْنٍ فَلَا فَارَقَكَ الْحُزْنُ۔

جب تمہیں رزق، امن اور صحت حاصل ہو پھر بھی تم غم کرو تو غم تمہارا پیچھا کبھی نہیں چھوڑے گا۔

بلکہ سیدھی اور واضح عبارات اور افصح کلمات اس ذات والا صفات کا کلام ہے جس نے حق کی ادائیگی کی یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ اَصْبَحَ اٰمِنًا فِیْ سِرْبِهٖ مُعَافًی فِیْ بَدَنِهٖ عِنْدَهٗ قُوْتُ یَوْمِهٖ فَكَاَنَّمَا حِیْزَتْ لَهُ الدُّنْیَا بِحَذَافِیْرِهَا۔ (۴)

جو شخص یوں صبح کرے قلبی سکون اور صحتِ بدن حاصل ہو ایک دن کی روزی اس کے پاس تو گویا دنیا اپنے تمام اطراف کے ساتھ اس کے پاس جمع ہو گئی۔

اگر تم لوگوں کے حالات میں غور و فکر کرو تم دیکھو گے کہ وہ ان تین باتوں کے علاوہ باتوں کا شکوہ کرتے اور پریشان ہوتے ہیں کیونکہ وہ چیزیں ان کے لیے وبال ہیں اور وہ تین نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے اور نہ اس ایمان پر شکر ادا کرتے ہیں جو

---

(۱) التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۳ ص ۲۱۱ ترجمہ ۱۰۵۸

(۲) صحیح بخاری جلد دوم ۱۱۲۳ کتاب التوحید

(۳) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۰۸ کتاب الزھد

(۴) الترغیب والترہیب جلد ۲ اول ص ۵۹۰ کتاب الصدقات

marfat.com

ہمیشہ کی نعمتوں اور بہت بڑی بادشاہی تک پہنچنے کا وسیلہ ہے بلکہ سمجھدار آدمی کو چاہیے کہ وہ معرفت، یقین اور ایمان پر خوش ہ
اور ہم تو ایسے علماء کو جانتے ہیں کہ اگر ان کو وہ مال نوکر چاکر اور مددگار دیئے جائیں جو مشرق سے مغرب تک کے بادشاہوں کے
ماتحت ہیں اور کہا جائے کہ اپنے علم کے عوض یہ چیزیں لے لو بلکہ اپنے علم کے سویں حصہ (۱/۱۰۰) کے بدلے میں لے لو تو وہ نہیں لے
گے کیوں کہ ان کو یہ امید ہے کہ علم کی نعمت انہیں آخرت میں قرب خداوندی تک پہنچائے گی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ جس چیز کی تم امید
رکھتے ہو وہ تمہیں آخرت میں مکمل طور پر ملے گی لیکن یہ دنیوی لذات علم کی اس لذت کے بدلے لے لو جو تمہیں دنیا میں حاصل ہ
اور جس پر تم خوش ہوتے ہو تو وہ نہیں لیں گے کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ علم کی لذت دائمی ہے کبھی ختم نہ ہوگی باقی رہے گی چوری
نہ ہوگی نہ غصب ہوگی نہ اس پر کوئی حسد کرے گا اور یہ نہایت صاف ہے اس میں کوئی گدلا پن نہیں ہے جب کہ دنیا کی تمام لذ
ناقص ہیں گدلی ہیں تشویشناک ہیں ان کی توقع ان کے خوف کے برابر نہیں لذت، تکلیف کے مساوی اور خوشی غم کے برابر نہیں
اب تک یہی صورت حال رہی ہے اور باقی زمانے میں بھی اسی طرح رہے گی۔ کیوں کہ دنیوی لذات صرف اس لیے پیدا کی گئیں
کہ ناقص عقلیں ان کے دام میں پھنس جائیں اور دھوکہ کھائیں حتی کہ جب وہ دھوکہ کھا لیتی ہیں اور ان کے جال میں پھنس
جاتی ہیں تو وہ لذات انکار کرتی ہیں اور نزدیک نہیں آنے دیتیں جیسے کوئی حسینہ جمیلہ عورت کسی شہوت پرست مالدار نوجوان کے
لئے بناؤ سنگھار کرتی ہے حتی کہ جب اس کے دل کو قیدی بنا دیتی ہے تو اس کے قریب نہیں آتی اور پردہ کرتی ہے
تو وہ مسلسل پریشانی اور غم کا شکار رہتا ہے اور یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ ایک لحظہ اسے دیکھنے کی وجہ سے وہ شخص دھوکہ کھا
گیا۔ اگر وہ عقل سے کام لیتا اور آنکھیں بند کر لیتا اور اس لذت کو حقیر جانتا تو ساری زندگی محفوظ رہتا۔

تو دنیا دار اس طرح دنیا کے جال اور رسیوں میں جکڑے جاتے ہیں اور یہ بات کہنا مناسب نہیں کہ دنیا سے اعراض
کرنے والا اس سے صبر کی وجہ سے دکھوں کا شکار ہوتا ہے کیوں کہ دنیا کی طرف متوجہ ہونے والا بھی اس پر صبر اور اس کی
حفاظت کی وجہ سے دکھ اٹھاتا ہے اسے حاصل کرنا اور پھر چوروں کو اس سے دور کرنا بھی تو پریشانی کا باعث ہے حالانکہ اعراض
کرنے والے کی پریشانی اخروی لذت کی طرف لے جاتی ہے جب کہ اس کی طرف متوجہ ہونے والے کی پریشانی آخرت میں بھی پریشانی
کا باعث ہے جو شخص دنیا سے اعراض کرتا ہے اسے یہ آیت پڑھنی چاہیئے۔

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ۔ (۱)

اور قوم کی تلاش میں سستی نہ کرو اگر تمہیں دکھ پہنچا ہے تو تمہاری طرح ان کو بھی دکھ پہنچا ہے جب کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس چیز کی امید رکھتے ہیں جس کے وہ امیدوار نہیں ہیں۔

تو لوگوں پر شکر کا دروازہ اس لیے بند ہو گیا کہ وہ ظاہری و باطنی اور خاص و عام قسم کی نعمتوں سے جاہل ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۱۰۴

marfat.com

سوال :

تو ایسے غافل دلوں کا کیا علاج ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شعور حاصل کر کے شکر کریں۔

جواب :

سمجھدار دلوں کا علاج تو یہ ہے کہ جن عمومی نعمتوں کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے وہ ان میں غور کریں لیکن غبی قسم کے دل جو صرف خاص نعمت کو ہی نعمت سمجھتے ہیں یا جب وہ مبتلا ہوتے ہیں تو ان کو سمجھ آتی ہے ان کے لیے راستہ یہ ہے کہ اپنے سے کم درجے کے لوگوں کو دیکھیں اور وہ کام کریں جو بعض صوفیاء کرام کرتے تھے۔ وہ بزرگ روزانہ ہسپتال اور قبرستان میں ان مقامات پر جاتے جہاں مجرموں پر حدود نافذ کی جاتی تھیں ہسپتال میں اس لیے جاتے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی مختلف آزمائشوں کو دیکھیں پھر اپنی صحت و سلامتی کے بارے میں غور کریں تاکہ بیماریوں میں ابتلاء کو دیکھ کر دل کو صحت کی نعمت کا شعور حاصل ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور وہ ان لوگوں کے جنازے میں جاتے جن کو قتل کیا جاتا اعضاء کاٹے جاتے اور طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کئے جاتے تاکہ گناہوں اور ان سزاؤں سے محفوظ رہنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں احسان کے حصول پر بھی شکر ادا کریں وہ قبرستان میں جاتے اور معلوم کرتے کہ فوت ہونے والوں کو سب سے زیادہ پسند بات ہے کہ ان کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے چاہے ایک دن کے لیے ہی ہو۔ اگر وہ گناہ گار ہے تو وہ گناہوں کا تدارک کرے اور اگر نیکو کار ہے تو عبادت اور نیکی میں اضافہ کرے کیوں کہ قیامت کا دن خسارے کا دن ہے اطاعت گزار کو خسارے کی صورت یہ ہے کہ جب وہ اپنی جزا دیکھتا ہے تو کہتا ہے میں اس سے زیادہ نیکیوں پر قادر تھا تو مجھے کتنا بڑا نقصان ہوا کہ اس نے وقت کا کچھ حصہ محض جائز کاموں پر خرچ کیا اور گناہ گار کا نقصان ظاہر ہے پس جب وہ قبرستان کو دیکھتے اور جان لیتے کہ ان (فوت شدہ لوگوں) کے نزدیک جو بات سب سے زیادہ پسندیدہ ہے وہ مجھے حاصل ہے کیوں کہ ابھی میری زندگی کے کچھ دن باقی ہیں تو وہ ان بقایا دنوں کو اس عمل پر خرچ کرتا ہے جس کے لیے اہلِ قبور واپسی کی خواہش رکھتے ہیں تاکہ اسے باقی ان نعمتوں کی معرفت ہو بلکہ ایک ایک سانس کی مہلت بھی نعمت ہے پس جب وہ اس نعمت کو جان لے گا تو اس کا شکر ادا کرے گا کہ وہ زندگی کا باقی حصہ اس کام میں خرچ کرے جس کے لیے زندگی بنائی گئی ہے اور وہ دنیا سے آخرت کے لیے زادِ راہ حاصل کرے۔

تو غافل دلوں کا علاج یہ ہے تاکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شعور حاصل ہو اور ممکن ہے وہ شکر کریں حضرت ربیع بن خیثم باوجود اس کے کہ صاحبِ بصیرت تھے اس طریقے سے مدد حاصل کرتے تھے تاکہ معرفت پکی ہو جائے انہوں نے اپنے گھر میں قبر کھود رکھی تھی اور اپنے گلے میں طوق ڈال کر اس قبر میں سو جاتے پھر کہتے۔

---

۱ قرآن مجید، سورۃ نساء آیت ۱۰۴

marfat.com

رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحًا۔ (۱) اے میرے رب مجھے واپس لوٹا دے تاکہ میں نیک عمل کروں۔

پھر کھڑے ہوتے اور فرماتے اے عبید! تمہیں وہ مل گیا جس کا تم نے سوال کیا تو اس سے پہلے کہ تم لوٹنے کا سوال کرو ا
تمہیں واپس نہ کیا جائے، عمل کرو۔

وہ دل جو شکر سے دور رہتے ہیں ان کے علاج کے لیے مناسب ہے کہ اسے اس بات کی پہچان کرائی جائے کہ نعم
کا شکر ادا نہ کیا جائے تو وہ زائل ہو جاتی ہے اور واپس نہیں لوٹتی اسی لیے حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے تھے۔
"تمہیں نعمتوں پر شکر ادا کرتے رہنا چاہیئے بہت کم نعمتیں ایسی ہیں جو کسی قوم سے زائل ہونے کے بعد دوبارہ ملی ہوں
اور بعض بزرگوں نے فرمایا نعمتیں وحشی جانور کی طرح ہیں ان کو شکر کے ساتھ بیڑیاں ڈالو" اور حدیث شریف میں ہے
کسی بندے کو جتنی بڑی نعمت ملتی ہے اسی قدر لوگ اس کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں تو جو آدمی اسے ہلکا جا
اس سے وہ نعمت زائل ہو جاتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ (۲) بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود نہ بدلیں۔

یہ رکن مکمل ہوا۔

تیسرا رکن :

صبر و شکر کا باہمی تعلق و اشتراک

پہلا بیان :

صبر و شکر کا ایک چیز پر جمع ہونے کا سبب

شاید تم کہو کہ جن نعمتوں کا آپ نے ذکر کیا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر موجود میں اللہ تعالیٰ کی نعمت
اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مصیبت کا بالکل کوئی وجود نہیں تو صبر کا کیا مطلب ہوا؟ اور اگر مصیبت موجود ہے تو اس
پر شکر کا کیا مطلب ہے؟ اور کچھ دعویٰ کرنے والوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ہم تو مصیبت پر بھی شکر کرتے ہیں نعمت پر شکر کی

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ مومنون آیت ۹۹

(۲) قرآن مجید، سورۃ رعد آیت ۱۱

marfat.com

تو ایک طرف رہا تو مصیبت پر شکر کا کیا تصور ہوگا۔ اور جس بات پر صبر کرتا ہے اس پر شکر کیسے کرے گا اور مصیبت پر صبر دُکھ اور درد کو چاہتا ہے جب کہ شکر خوشی کا داعی ہے اور یہ دونوں باتیں متضاد ہیں اور جو کچھ آپ نے ذکر کیا کہ ہر موجود میں اللہ تعالیٰ کی بندوں پر نعمت ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

تو جان لو کہ مصیبت بھی موجود ہے جیسے نعمت موجود ہے اور نعمت کے اثبات کا قول مصیبت کو ثابت کرنے کے قول کو واجب کرتا ہے کیوں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں پس مصیبت کا نہ ہونا نعمت ہے اور نعمت کا نہ ہونا مصیبت ہے لیکن یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ نعمت دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے ایک وہ جو ہر اعتبار سے مطلقاً نعمت ہے آخرت میں اس کی صورت یہ ہے کہ بندے کو بارگاہ خداوندی میں حاضری کی سعادت حاصل ہوگی اور دنیا میں اس کی مثال ایمان، اچھے اخلاق اور وہ باتیں جو ان دونوں پر مددگار ہوتی ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو مقید ہے یعنی ایک اعتبار سے نعمت ہے اور دوسری اعتبار سے مصیبت، جیسے مال جو ایک لحاظ سے دین کی اصلاح کرتا ہے اور کسی اعتبار سے اس کے فساد کا باعث ہوتا ہے۔

اسی طرح مصیبت بھی مطلق و مقید میں تقسیم ہوتی ہے آخرت کے حوالے سے مطلق یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے کچھ مدت یا ہمیشہ کے لیے دُور رہے اور دنیا میں اس کی مثال کفر، نافرمانی اور بداخلاقی ہے اور یہ مطلق مصیبت تک پہنچاتی ہے مقید مصیبت کی مثال فقر، بیماری، خوف اور دیگر مختلف قسم کے مصائب ہیں جو دینی اعتبار سے نہیں بلکہ دنیوی اعتبار سے مصیبت ہیں۔

تو مطلق شکر، مطلق نعمت پر ہوتا ہے اور دنیا میں مطلق مصیبت پر بعض اوقات صبر کا حکم نہیں دیا جاتا کیوں کہ کفر مصیبت ہے لیکن اس پر صبر کا کوئی مطلق مطلب نہیں اور یہی حال گناہ اور نافرمانی کا ہے بلکہ کافر اور گناہ گار پر لازم ہے کہ کفر اور گناہ کو ترک کر دیں ہاں بعض اوقات کافر کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کافر ہے پس وہ اس بیمار کی طرح ہوتا ہے جسے کوئی درد نہیں ہوتا مثلاً غشی وغیرہ تو اس پر صبر بھی نہیں ہوتا اور گناہ گار کو پتہ ہوتا ہے کہ وہ گناہ گار ہے تو اس پر گناہ کو چھوڑنا لازم ہے بلکہ ہر وہ گناہ جسے انسان ترک کر سکتا ہے اس پر اسے صبر کا حکم نہیں دیا جاتا۔ اگر ایک طویل پیاس کے باوجود آدمی پانی نہ پیئے اور اس کی تکلیف اور درد بہت زیادہ ہو جائے تو اسے اس پر صبر کا حکم نہیں دیا جاتا بلکہ اس درد کے ازالے کا حکم دیا جاتا ہے صبر تو اس تکلیف پر ہوتا ہے جسے آدمی زائل نہ کر سکے۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں صبر اس مصیبت کی طرف نہیں لوٹتا جو مطلقاً مصیبت ہے بلکہ جائز ہے کہ وہ من وجہ نعمت ہو اسی اعتبار سے صبر اور شکر دونوں کی ذمہ داری یکجا ہو سکتی ہے مثلاً مالداری انسان کی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے حتیٰ کہ اس کے مال کی وجہ سے اس کا قصد کیا جاتا ہے اور اس کو نیز اس کی اولاد کو قتل کیا جاتا ہے اور صحت کا معاملہ بھی اسی طرح ہے تو ان دنیوی نعمتوں میں سے ہر نعمت مصیبت بھی بن سکتی ہے لیکن یہ اس شخص کے حوالے سے ہے اسی طرح ہر مصیبت نعمت بھی بن سکتی ہے لیکن یہ بھی اس آدمی کے حال کی طرف اضافت کرتے ہوئے ہوگی۔

تو کئی لوگ ایسے ہیں جن کی بھلائی فقر اور مرض کے اندر ہے اگر ان کا بدن صحیح اور مال زیادہ ہو تو وہ تکبر اور سرکشی کریں ارشاد خداوندی ہے،

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ۔ (۱)

اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے رزق کشادہ کر دے تو وہ زمین میں بغاوت کرنے لگیں۔

اور ارشاد فرمایا۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى۔ (۲)

ہرگز نہیں بے شک انسان سرکشی کرتا ہے جب اپنے آپ کو مالدار دیکھتا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَيَحْمِيْ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ مِنَ الدُّنْيَا وَهُوَ يُحِبُّهٗ كَمَا يَحْمِيْ اَحَدُكُمْ مَرِيْضَهٗ۔ (۳)

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو دنیا سے بچاتا ہے حالانکہ وہ اسے پسند کرتا ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی ایک اپنے مریض کی حفاظت کرتا ہے۔

یہی حال بیوی، اولاد اور قریبی رشتہ داروں کا ہے۔

اور ہم نے ایمان اور اخلاق حسنہ کے علاوہ نعمتوں کی جو سولہ قسمیں بیان کی ہیں تو وہ بعض لوگوں کے حق میں مصیبت بھی ہو سکتی ہیں تو اس صورت میں ان نعمتوں کی فِدان کے حق میں نعمت قرار پائے گی کیوں کہ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ معرفت کمال اور نعمت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے لیکن بعض امور میں بندے کے لیے مصیبت ہوتی ہے اور اس کا نہ ہونا نعمت قرار پاتا ہے مثلاً انسان کا اپنی موت کے وقت سے لاعلم ہونا اس کے لیے نعمت ہے کیوں اگر اس کو اس بات کا علم ہو تو اس کی زندگی دُوبھر ہو جائے اور غم بڑھ جائے اسی طرح لوگ جو اس کے بارے میں معلومات کو سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں ان باتوں سے ناواقفیت بھی اس کے حق میں نعمت ہے کیوں کہ پردہ اٹھنے اور اس کے ان باتوں پر مطلع ہونے کی صورت میں اس کا دُکھ، کینہ، حسد اور انتقام میں مشغولیت بڑھ جائے اسی طرح دوسروں کی صفاتِ مذمومہ سے اس کی جہالت بھی اس کے حق میں نعمت ہے کیوں کہ اگر وہ ان باتوں سے آگاہ ہو جائے تو ان سے بغض رکھے اور ان کو اذیت پہنچائے اور یہ اس پر دنیا اور آخرت میں وبال ہے بلکہ بعض اوقات دوسروں کی اچھی صفات سے لاعلمی بھی

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ شوریٰ آیت ۲۷

(۲) قرآن مجید، سورۃ العلق آیت ۶

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۲۲ مرویات محمود بن لبید

اس کے لیے نعمت قرار پاتی ہے کیوں کہ ہو سکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہو اور یہ اسے ایذا پہنچانے اور اس کی توہین کرنے پر مجبور ہو جائے اور اگر اسے ان صفات کا علم ہو اور اس کے باوجود اذیت پہنچائے تو یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہے جو شخص علم کے باوجود کسی نبی یا ولی کو اذیت پہنچائے اس میں اور اس شخص میں فرق ہے جو لاعلمی میں تکلیف پہنچاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے یہ بھی ایک نعمت ہے کہ اس نے قیامت کے معاملے لیلۃ القدر، یوم جمعہ کی قبولیت والی ساعت اور بعض کبیرہ گناہوں کو مخفی رکھا یہ اِخفاء نعمت ہے کیوں کہ اس لاعلمی کی وجہ سے طلب اور کوشش زیادہ ہوتی ہے۔

تو جہالت کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یہ وجوہ ہیں تو علم کی صورت میں کیسا ہوگا؟ اور ہم نے جو یہ کہا ہے کہ ہر موجود ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے تو یہ حق ہے اور یہ بات ہر آدمی کے حق میں پائی جاتی ہے محض گمان سے استثناء نہیں ہو سکتی مگر تکالیف کی استثناء ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں میں پیدا کی ہیں یہ بھی بعض اوقات اس آدمی کے حق میں جسے (اس سے) تکلیف پہنچی ہے نعمت قرار پائی ہیں۔

اگرچہ اس جرم کرنے والے کے حق میں نعمت نہ ہو جیسے گناہ کے سبب سے حاصل ہونے والا درد مثلاً خود اپنا ہاتھ کاٹ لے اور اپنے چہرے کو گوندے تو وہ تکلیف بھی اٹھاتا ہے اور گناہ گار بھی ہوتا ہے کفار کا جہنم میں تکلیف اٹھانا بھی نعمت ہے لیکن دوسروں کے حق میں، اس کے اپنے حق میں نہیں کیوں کہ ایک قوم کے مصائب، دوسری قوم کے حق میں فوائد ہوتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ عذاب کو پیمانہ کرتا اور اس میں ایک جماعت کو مبتلا نہ کرتا تو نعمت والوں کو نعمت کی قدر معلوم نہ ہوتی اور نہ ہی وہ نعمت پسند زیادہ خوش ہوتے تو اہل جنت کی خوشی اس وقت دو چند ہوتی ہے جب وہ جہنمیوں کی تکالیف میں غور و فکر کرتے ہیں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ دنیا والے سورج کی روشنی میں زیادہ خوش نہیں ہوتے حالانکہ ان کو اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس لیے کہ عام طور پر اس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح آسمانی زینت کی طرف دیکھ کر بھی وہ زیادہ خوش نہیں ہوتے حالانکہ وہ ہر اس باغ سے زیادہ خوبصورت ہے جس کے بنانے کے لیے وہ دنیا میں جد و جہد کرتے ہیں۔ لیکن چوں کہ آسمان کی زینت عام ہے اس لیے ان کو اس کا شعور نہیں اور اس کے سبب سے وہ خوش نہیں ہوتے۔

تو اب یہ بات صحیح قرار پائی جو ہم نے ذکر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو بھی پیدا فرمایا اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے اور اسی طرح ہر مخلوق نعمت ہے یا تو سب بندوں کے لیے یا بعض کے لیے تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں مصیبت بھی نعمت ہے یا تو اس کے لیے جو اس میں مبتلا ہے یا دوسروں کے لیے لہٰذا ہر حالت کو نہ تو مطلقاً مصیبت کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی مطلقاً نعمت کہا جا سکتا ہے تو اس صورت میں صبر و شکر دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

سوال:

یہ دونوں متضاد ہیں تو کس طرح جمع ہو سکتے ہیں کیوں کہ صبر غم پر اور شکر خوشی پر ہوتا ہے؟

جواب:

marfat.com

جان لو کہ ایک چیز بعض وجوہ سے غمگین کرتی ہے اور بعض دوسری وجوہ سے خوشی کا باعث ہوتی ہے تو غم کے اعتبار سے صبر اور خوشی کے حوالے سے شکر ادا کرنا ہوتا ہے اور ہر فقر، بیماری، خوف اور دنیوی آفات میں پانچ امور ہیں عقل مند آدمی کو ان پر خوش ہونا اور شکر کرنا چاہیے۔

(۱) ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر مصیبت اور مرض کے بارے یہ سوچے کہ اس سے بڑی بیماری بھی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت جو کچھ داخل ہے اس کی کوئی انتہا نہیں اگر اللہ تعالیٰ ان کو بڑھا دے اور اضافہ کرے تو اسے کیا چیز روکے گی اور رکاوٹ بنے گی۔ پس اسے شکر کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بڑی بیماری نہیں بھیجی۔

(۲) دوسری بات یہ کہ ممکن ہے اس کی یہ مصیبت دنیوی ہو (دینی نہیں ہے) ایک شخص نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ایک چور میرے گھر میں داخل ہوا اور میرے گھر کا سارا سامان لے گیا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اگر شیطان تمہارے دل میں داخل ہو کر تمہارے عقیدۂ توحید کو بگاڑ دیتا تو تم کیا کرتے؟

یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں پناہ مانگتے ہوئے یوں عرض کیا۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ مُصِیْبَتِیْ فِیْ دِیْنِیْ۔ یا اللہ! میرے دین میں کوئی مصیبت پیدا نہ کرنا۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں جس آزمائش میں ڈالا گیا اس میں اللہ تعالیٰ کے مجھ پر چار انعام ہوئے ایک یہ کہ وہ مصیبت و آزمائش میرے دین میں نہ تھی دوسرا یہ کہ اسی مقدار پر ہوئی اس سے زیادہ نہ ہوئی تیسرا یہ کہ میں اس پر راضی رہنے کی دولت سے محروم نہ ہوا اور چوتھا یہ کہ مجھے ثواب کی امید ہے۔

کسی اہل دل کا ایک دوست تھا اسے بادشاہ نے قید کر دیا اس نے اپنے بزرگ دوست کو اطلاع کی اور شکوہ بھی کیا انہوں نے پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو پھر ایک مجوسی کو لا کر اس کے پاس قید کر دیا گیا جسے پیشاب کی بیماری تھی اسے قید کر کے دونوں کو ایک ہی زنجیر ڈال دی گئی پھر اس نے پیغام بھیجا تو جواب ملا اللہ تعالیٰ کا شکر کرو مجوسی کو حاجت کے لیے کئی بار اٹھنا پڑتا اور اس کو مجبوراً ساتھ ہی اٹھنا پڑتا اور وہ اس کی قضائے حاجت تک اس کے سر پہ کھڑا رہتا پھر اس نے لکھا تو جواب ملا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اس نے کہا کب تک؟ اس سے بڑی مصیبت کیا ہو سکتی ہے؟ بزرگ نے جواب دیا اگر وہ زنار جو اس مجوسی کی کمر میں ہے تمہاری کمر میں ہوتا تو تم کیا کرتے۔

تو جس انسان کو بھی جو مصیبت پہنچتی ہے اگر وہ اس میں اچھی طرح غور کرے کہ اس کو یہ مصیبت اپنے مولیٰ کی ظاہری یا باطنی طور پر کی گئی بے ادبی کی وجہ سے پہنچی ہے تو وہ اس بات کو سمجھے گا کہ وہ فوری طور پر یا مستقبل میں اس سے بھی بڑی مصیبت اور ابتلاء کا مستحق ہے اور جس نے تمہیں سو کوڑے مارنے ہوں اگر وہ دس کوڑے مارنے پر اکتفا کرے تو وہ شکر کا مستحق ہوتا ہے اور جس کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ تمہارے دونوں ہاتھ کاٹ دے لیکن وہ تمہارا ایک ہاتھ چھوڑ دے تو وہ بھی شکر کا مستحق ہے یہی وجہ ہے کہ ایک بزرگ ایک سڑک سے گزر رہے تھے تو ان کے سر پہ راکھ کا ایک تھال گرا دیا گیا

تو وہ بارگاہ خداوندی میں سجدہ شکر بجا لائے پوچھا گیا کہ اس سجدے کا کیا مطلب ہے؛ فرمایا میں تو اس انتظار میں تھا کہ مجھ پر آگ ڈالی جائے گی تو صرف راکھ کا ڈالا نا نعمت ہے۔

کسی بزرگ سے کہا گیا کہ آپ نماز استسقاء کے لیے باہر نہیں جاتے کیوں کہ بارش بند ہو گئی ہے انہوں نے فرمایا تم سے تو بارش روکی گئی ہے مجھ سے تو پتھر روکے گئے ہیں۔

سوال:

میں کیسے خوش ہوں جب کہ ایک جماعت جن کے گناہ میرے گناہوں سے زیادہ ہیں اور ان کو وہ مصیبت نہیں پہنچی جو مجھے پہنچی ہے حتی کہ کافر (جو منکر ہیں لیکن ان کو مصیبت نہیں پہنچی)

جواب:

کافر کے لیے تو بہت زیادہ مصائب پوشیدہ ہیں اسے مہلت اس لیے دی گئی ہے کہ اس کے گناہ زیادہ ہوں اور اس وجہ سے عذاب زیادہ دیا جائے۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا۔ (۱) بے شک ہم ان کو مہلت دیتے ہیں تاکہ ان کے گناہوں میں اضافہ ہو۔

جہاں تک گناہ گار کا تعلق ہے تو تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ دنیا میں کوئی تم سے بھی زیادہ گناہ گار ہے کئی دل اللہ تعالیٰ ادھاس کی صفات میں بے ادبی کی وجہ سے شراب نوشی، زنا کاری اور اعضاء کے ساتھ کئے گئے باقی گناہوں سے بھی بڑے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا۔

وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ۔ (۲) اور تم اسے معمولی (گناہ) سمجھتے ہو جب کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بہت بڑا گناہ ہے۔

تو تمہیں کیسے معلوم ہو کہ دوسرے لوگ تم سے زیادہ گناہ گار نہیں؛ ہو سکتا ہے ان کی سزا آخرت تک مؤخر کر دی گئی ہو اور تمہیں دنیا میں ہی سزا دی جا رہی ہو تو تم اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کیوں ادا نہیں کرتے۔

۴۔ تو شکر کے سلسلے میں یہ تیسری وجہ ہے یعنی ہو سکتا ہے کہ سزا کو آخرت تک مؤخر کر دیا گیا ہو اور دنیا کی سزا تو بعض اسباب تسلی سے آسان بھی ہو سکتی ہے لیکن آخرت کی مصیبت دائمی ہے اور اگر دائمی نہ بھی ہو تو بھی تسلی کے ذریعے اس کی تخفیف نہیں ہو گی کیوں کہ آخرت میں عذاب میں مبتلا لوگوں سے تسلی کے اسباب بالکل منقطع ہوں گے اور جس کو دنیا میں سزا دے دی گئی

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ آل عمران آیت ۱۷۸

(۲) قرآن مجید، سورۃ نور آیت ۱۵

marfat.com

اسے دوبارہ آخرت میں سزا نہیں دی جائے گی۔ کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (۱)
بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے پھر اسے دنیا میں کوئی سختی یا مصیبت پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ سزا دینے سے بہت بے نیاز ہے۔

۴۔ مصیبت اور آزمائش لوح محفوظ میں مکتوب ہے اور اس کا پہنچنا ضروری ہے اور وہ پہنچ گئی اور فراغت ہو گئی اب اس کے بعض یا کُل سے راحت حاصل ہو گئی اور یہ بھی نعمت ہے۔

۵۔ اس مصیبت کی نسبت اس کا ثواب زیادہ ہے کیوں کہ دینوی مصیبتیں دو وجہ سے آخرت کی طرف راستے ہیں ان میں سے ایک وجہ وہی ہے جس کی بنیاد پر مریض کے حق میں ناپسند دوا نعمت بن جاتی ہے اور بچے کے حق میں کھیلنے کے اسباب سے روکنا نعمت ہے کیوں کہ اگر اسے کھیلنے کی کھلی چھٹی دی جائے تو وہ علم و ادب (کے حصول) کو چھوڑ دے گا تو یوں وہ عمر بھر خسارے میں رہے گا اسی طرح مال، اہل و اولاد، اقارب، اعضا حتیٰ کہ آنکھ جو سب سے زیادہ معزز سمجھی جاتی ہے بعض اوقات یہ تمام چیزیں انسان کی ہلاکت کا باعث بنتی ہیں بلکہ عقل جو سب سے زیادہ قیمتی ہے بعض اوقات اس کی ہلاکت کا باعث بنتی ہے چنانچہ ملحدین کل قیامت کے دن یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ پاگل یا بچے ہوتے اور دین خداوندی میں اپنی عقلوں کو استعمال نہ کرتے۔

ان اسباب میں جو سبب بھی بندے کی طرف سے پایا جائے اس کے بارے میں یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس میں اس کی دینی بھلائی ہو تو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اچھا گمان رکھے اور اس میں بھلائی کا خیال کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے بے شک اللہ تعالیٰ کی حکمت وسیع ہے اور بندوں کی نسبت وہ ان کے بھلائی کو زیادہ جانتا ہے اور کل بروز قیامت جب لوگ مصیبتوں پر ملنے والے ثواب کو دیکھیں گے تو اس کا شکر ادا کریں گے، جس طرح بچہ عقل مند اور بالغ ہونے کے بعد اپنے استاذ اور باپ کے مارنے پر ان کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ انہوں نے ادب سکھایا کیوں کہ انہوں نے جو اس کی تربیت اور تادیب کی ہے اس کا پھل وہ اس وقت پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش بھی تادیب ہے اور بہت بڑی عنایت ہے جب کہ ماں باپ کی طرف سے اولاد پر اس قدر عنایت نہیں ہو سکتی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا مجھے کوئی نصیحت فرمائیں آپ نے فرمایا۔

لَا تَتَّهِمِ اللّٰهَ فِيْ شَيْءٍ قَضَاهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں جو فیصلہ فرمایا اس پر اسے تہمت نہ لگا۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۱۹۰، ابواب الحد

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۱۹ مرویات عبادہ بن صامت

marfat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف دیکھ کر مسکرائے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا۔
میں مومن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر متعجب ہوں اگر وہ اس کے لیے آسانی کا فیصلہ فرمائے تو وہ راضی ہوتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر سختی کا فیصلہ کرے تو بھی راضی ہوتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے دوسری وجہ - ہلاک کرنے والی خطاؤں کا منبع دنیا کی محبت ہے اور نجات کی بنیاد دھوکے والے گھر (دنیا) سے دل کے ساتھ الگ ہونا ہے اور اگر دنیا کی نعمتیں کسی ابتلاء اور مصیبت کے بغیر حاصل ہوں تو اس سے دل کا دنیا اور اس کے اسباب کی طرف میلان ہوگا اور وہ اس سے مانوس ہوگا حتی کہ دنیا اس کے حق میں جنت کی طرح ہو جائے گی اور موت کے وقت دنیا کو چھوڑنا اس کے لیے بہت بڑی مصیبت ہوگی لیکن جب اس پر مصائب زیادہ آئیں گے تو اس کا دل بے قرار ہو جائے گا نہ تو اس کے ذریعے اسے سکون ملے گا اور نہ ہی وہ اس سے مانوس ہوگا بلکہ دنیا اس کے لیے قید خانہ بن جائے گی اور اس سے نجات میں بہت زیادہ لذت ہوگی جس طرح قید خانے سے چھوٹنے میں ہوتی ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ۔ دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔

اور کافر وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے منہ پھیرتا ہے اور صرف دنیا کا ہی ارادہ کرتا ہے اسی پر راضی اور مطمئن ہوتا ہے اور مومن ہر وہ شخص ہے جس کا دل دنیا سے منقطع ہوتا ہے اور اس سے نکلنے کے لیے وہ بہت زیادہ روتا ہے اور کفر کا کچھ حصہ ظاہر ہے اور بعض پوشیدہ، اور دل میں جس قدر دنیوی محبت ہوتی ہے اسی کے مطابق اس میں شرکِ خفی سرایت کرتا ہے بلکہ موحد مطلق تو وہ ہوتا ہے جو صرف واحد حق سے محبت کرتا ہے۔

تو اس اعتبار سے مصیبتوں میں بھی نعمتیں ہیں لہٰذا اس پر بھی خوش ہونا چاہیے جہاں تک درد کا تعلق ہے تو وہ ضروری ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسے تمہیں پچھنے لگوانے کی ضرورت ہو اور مفت پچھنے لگانے والا مل جائے تو تم خوش ہوتے ہو یا کوئی شخص نفع بخش کڑوی دوائی مفت میں پلا دے تو اس سے تمہیں درد بھی ہوتا ہے اور تم خوش بھی ہوتے ہو پس تکلیف پر صبر کرتے ہو اور خوشی کے باعث شکر کرتے ہو تو دنیوی امور میں تمام مصیبتوں کی مثال وہ دوائی ہے جو فی الحال تکلیف دیتی ہے لیکن مستقبل میں نفع پہنچاتی ہے بلکہ جو شخص بادشاہ کا محل دیکھنے کے لئے اس کے اندر جاتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ وہاں سے لامحالہ نکلنا پڑے گا پھر وہ وہاں کسی خوبصورت (عورت) کو دیکھ لے جو اس کے ساتھ نکلنے والی نہیں تو یہ اس پر وبال اور مصیبت ہوگی کیوں کہ اس کی وجہ سے اسے مکان کے ساتھ انس پیدا ہو گیا جس میں اس کے لیے ٹھہرنا ممکن نہیں اور اگر اس کے دل میں یہ بات آجائے کہ اگر بادشاہ کو معلوم ہو گیا تو وہ اسے سزا دے گا تو وہ اس خطرے کی وجہ سے اس مقام سے نفرت کرے گا تو یہ اس کے لیے نعمت ہے اور دنیا بھی ایک مکان ہے اس میں لوگ رحم (عورت کا پیٹ) سے

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۰۰ کتاب الزھد

marfat.com

داخل ہوتے اور قبر کے دروازے سے نکلتے ہیں تو جو چیز مکان سے اُنس کا باعث ہو وہ مصیبت ہے اور جو چیز ان کے دلوں کو اس مکان سے اچاٹ کر دے اور ان کے اُنس کو ختم کر دے وہ نعمت ہے اور جس شخص کو یہ بات معلوم ہو گئی اس سے مصیبتوں پر شکر کا تصور کیا جا سکتا ہے لیکن جو شخص اس بات کو نہیں سمجھا کہ ان مصیبتوں میں نعمتیں بھی ہیں اس سے شکر کا تصور نہیں ہو سکتا کیوں کہ شکر لازماً نعمت کی معرفت کے بعد ہوتا ہے اور جس آدمی کا اس بات پر ایمان ہو کہ مصیبت کے مقابلے میں اس کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اس سے مصیبت پر شکر متصور نہیں ہو سکتا منقول ہے کہ ایک دیہاتی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے والد کی وفات ایک تعزیتی قطعہ پیش کیا۔

اِصْبِرْ نَكُنْ بِكَ صَابِرِيْنَ فَاِنَّمَا صَبْرُ الرَّعِيَّةِ بَعْدَ صَبْرِ الرَّأْسِ خَيْرٌ مِنَ الْعَبَّاسِ اَجْرُكَ بَعْدَهٗ وَاللّٰهُ خَيْرٌ مِنْكَ لِلْعَبَّاسِ۔

صبر کیجئے تاکہ ہم بھی آپ کے ساتھ صبر کریں رعایا کا صبر سردار کے صبر کے بعد ہوتا ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کو ان سے بہتر اجر ملے گا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے اللہ تعالیٰ آپ سے بہتر ہے۔

* * *

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مجھ سے اس شخص کی تعزیت سے بہتر کسی نے تعزیت نہیں کی۔ اور مصائب پر صبر کے بارے میں بے شمار احادیث آئی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُصِبْ مِنْهُ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ جس کے لیے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِذَا وَجَّهْتُ اِلٰى عَبْدٍ مِنْ عَبِيْدِيْ مُصِيْبَةً فِيْ بَدَنِهٖ اَوْ مَالِهٖ اَوْ وَلَدِهٖ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ ذٰلِكَ لِصَبْرٍ جَمِيْلٍ اِسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنْ اَنْصِبَ لَهٗ مِيْزَانًا اَوْ اَنْشُرَ لَهٗ دِيْوَانًا۔ (۲)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں اپنے بندوں میں سے کسی بندے کے بدن، مال یا اولاد کی طرف مصیبت کو متوجہ کرتا ہوں پھر وہ صبر جمیل کے ساتھ اس کا استقبال کرتا ہے تو قیامت کے دن مجھے حیا آئے گی کہ میں اس کے لیے میزان نصب کروں یا اس کے نامہ اعمال کو کھولوں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

مَا مِنْ عَبْدٍ اُصِيْبَ بِمُصِيْبَةٍ فَقَالَ كَمَا اَمَرَهٗ

جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے پھر وہ اللہ تعالیٰ کے

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۴۲ کتاب المرضیٰ

(۲) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۳ ص ۱۷۲ حدیث ۴۴۵۹

marfat.com

اللہ تعالیٰ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاَعْقِبْنِیْ خَیْرًا مِنْھَا اِلَّا فَعَلَ اللّٰہُ ذٰلِکَ بِہٖ۔

(۱)

حکم کے مطابق یوں کہتا ہے" انا للہ وانا الیہ راجعون" (بیشک ہم اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور ہم نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) یا اللہ اس مصیبت کا مجھے اجر عطا فرما اور اس کے بعد مجھے بہتر عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اس کی خواہش کو پورا فرماتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ سَلَبْتُ کَرِیْمَتَیْہِ فَجَزَاؤُہٗ الْخُلُوْدُ فِیْ دَارِیْ وَالنَّظَرُ اِلٰی وَجْھِیْ۔

(۲)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں جس کی دو کریم چیزیں (آنکھیں) لے لیتا ہوں تو اس کی جزا میرے گھر میں ہمیشہ رہنا اور میری زیارت کرنا ہے۔

ایک روایت میں ہے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے مال چلا گیا اور میں بیمار ہوں آپ نے فرمایا۔

وَخَیْرَ فِیْ عَبْدٍ لَا یَذْھَبُ مَالُہٗ وَلَا یَسْقَمُ جِسْمُہٗ اِنَّ اللّٰہَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا اِبْتَلَاہُ وَاِذَا اِبْتَلَاہُ صَبَّرَہٗ۔

(۳)

اس بندے میں کوئی بھلائی نہیں جس کا مال نہ جائے اور وہ بیمار نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اسے آزمائش میں ڈالتا ہے اور جب اسے آزماتا ہے تو صبر کی توفیق دیتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الرَّجُلَ لَتَکُوْنُ لَہُ الدَّرَجَۃُ عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی لَا یَبْلُغُھَا بِعَمَلٍ حَتّٰی یُبْتَلٰی بِبَلَاءٍ فِیْ جِسْمِہٖ فَیُبْلِغُھَا بِذٰلِکَ۔

(۴)

بے شک ایک شخص کا اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک درجہ ہوتا ہے اور وہ اپنے عمل کے ذریعے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا تو اس کو جسمانی طور پر آزمائش میں ڈال دیا جاتا ہے تو وہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے کعبۃ اللہ کے سائے میں اپنی چادر مبارک سے تکیہ لگا رکھا تھا ہم نے آپ کی خدمت میں کوئی شکایت پیش کی اور عرض کیا آپ

---

(۱) کنز العمال جلد ۳ ص ۲۰۲ حدیث ۶۶۴۹

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۲ ص ۲۰۳ حدیث ۲۲۶۲

(۳) کنز العمال جلد ۱۱ ص ۱۰۱ حدیث ۳۰۷۹۴ (کچھ تبدیلی کے ساتھ)

(۴) المطالب العالیہ جلد ۲ ص ۳۲۷ حدیث ۲۴۱۴

marfat.com

اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے مدد کی دعا کیوں نہیں فرماتے! یہ سن کر آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے پھر فرمایا۔

"تم سے پہلے زمانے میں ایک شخص کو لایا جاتا اور اس کے لیے ایک گڑھا کھودا جاتا پھر ایک آرا لا کر اس کے سر پر رکھا جاتا اور اسے دو ٹکڑے کر دیا جاتا لیکن یہ تکلیف اسے اس کے دین سے نہ پھیرتی (۱)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جس شخص کو بادشاہ ظلم کے طور پر قید کر دے اور وہ مر جائے تو وہ شہید ہے اور اگر وہ اس کے مارنے سے مر جائے تو بھی شہید ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور اس کے حق کی معرفت کا تقاضا یہ ہے کہ تو اپنی تکلیف کی شکایت نہ کر اور نہ ہی اپنی مصیبت کا تذکرہ کر۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمہیں موت کے لیے پیدا کیا جاتا ہے اور تم عمارات برباد ہونے کے لیے بناتے ہو تم اس چیز کی حرص کرتے ہو جو فنا ہو جائے گی اور جو کچھ باقی رہنے والا ہے اسے چھوڑ دیتے ہو سنو تین ناپسندیدہ چیزیں کتنی ہی اچھی ہیں فقر، بیماری اور موت۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اور اسے پاک کرنا چاہتا ہے تو اس پر مصیبتیں ڈال دیتا ہے اور حوادث میں مبتلا کر دیتا ہے پھر جب وہ دعا کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں یہ تو جانی پہچانی آواز ہے اور اگر وہ دوبارہ دعا کرے اور کہے اے میرے رب! تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے! میں موجود ہوں تو جس چیز کا سوال کرے گا عطا کروں گا اور اگر کوئی اچھی چیز تجھ سے دور رکھوں گا تو اس سے افضل چیز اپنے پاس تیرے لیے ذخیرہ کروں گا۔ پھر جب قیامت کا دن ہو گا تو عمل والوں کو لا کر میزان کے ساتھ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا وہ نمازی ہوں روزے دار ہوں صدقہ کرنے والے یا حج کرنے والے ہوں۔ پھر ان لوگوں کو لایا جائے گا جو آزمائشوں میں مبتلا ہوئے تو ان کے لیے نہ تو میزان قائم کیا جائے گا اور نہ ہی ان کا نامۂ اعمال کھولا جائے گا ان پر اجر اس طرح انڈیلا جائے گا جیسے ان پر مصیبتیں ڈالی جاتی تھیں یہ دیکھ کر وہ لوگ جن کو دنیا میں عافیت رہی اس بات کی تمنا کریں گے کہ کاش (دنیا میں) ان کے جسموں کو قینچیوں سے کاٹا جاتا ہے وہ مصیبت والوں کو اجر لے جاتے ہوئے دیکھ کر یہ خواہش کریں گے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۔ (۲) بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۴ ص ۶۳ حدیث ۳۶۴۰

(۲) الدر المنثور جلد ۵ ص ۳۲۲ تحت آیت انما یوفی الصابرون

marfat.com

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک نبی علیہ السلام نے اپنے رب کی بارگاہ میں شکایت کرتے ہوئے عرض کیا اے میرے رب! مومن بندہ تیری فرمانبرداری کرتا ہے اور تیری نافرمانی سے بچتا ہے (لیکن) تو اس سے دنیا پیٹ لیتا ہے اور اس کو آزمائشوں میں ڈالتا ہے اور کافر تیری فرمانبرداری نہیں کرتا بلکہ تجھ پر اور تیری نافرمانی پر جرأت کرتا ہے لیکن تو اس سے مصیبت کو دور رکھتا اور اس کے لیے دنیا کشادہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ بندے بھی میرے ہیں اور مصیبت بھی میرے اختیار میں ہے اور سب میری حمد کے ساتھ میری تسبیح کرتے ہیں مومن کے ذمہ گناہ ہوتے ہیں تو میں اس سے دنیا کو دور کر کے اسے آزمائش میں ڈالتا ہوں تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے حتی کہ وہ مجھ سے ملاقات کرے گا تو میں اسے نیکیوں کا بدلہ دوں گا اور کافر کی (دنیوی اعتبار سے) کچھ نیکیاں ہوتی ہیں تو میں اس کے لیے رزق کشادہ کرتا ہوں اور مصیبت کو اس سے دور رکھتا ہوں تو اس کی نیکیوں کا بدلہ دنیا میں ہی دے دیتا ہوں حتی کہ جب وہ مجھ سے ملاقات کرے گا تو میں اس کے گناہوں کی سزا دوں گا۔

ایک روایت میں ہے جب یہ آیت نازل ہوئی۔

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ۔ (۱) جو شخص برا عمل کرتا ہے اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اس آیت کے بعد کیسی خوشی؟

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے کیا تم بیمار نہ ہوگے کیا تمہیں کوئی اذیت نہیں پہنچے گی کیا تم غمگین نہ ہوگے تو یہی تمہارا بدلہ ہے۔ (۲)

مطلب یہ ہے کہ یہ سب تکالیف جو تمہیں پہنچتی ہیں تمہارے گناہوں کا کفارہ ہیں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

"جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ اسے عطا فرماتا ہے حالانکہ وہ اپنے گناہ پر قائم ہوتا ہے تو جان لو کہ یہ مہلت ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ۔ (۳)

پس جب انہوں نے اس چیز کو بھلا دیا (چھوڑ دیا) جس کی ان کو نصیحت کی گئی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۱۲۳

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۱۱ مرویات ابی بکر

(۳) قرآن مجید، سورۂ انعام آیت ۴۴

marfat.com

یعنی جب انہوں نے ہمارے حکم پر عمل کو ترک کر دیا تو ہم نے ان پر بھلائی کے دروازے کھول دیئے۔ (۱)

حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا ۔ (۲) یہاں تک کہ جب وہ اس چیز پر خوش ہوئے جو ان کو دی گئی۔

اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً ۔ (۳) (تو) ہم نے ان کو اچانک پکڑا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ایک صحابی نے ایک عورت کو دیکھا جسے وہ دور جاہلیت سے جانتے تھے انہوں نے اس سے کلام کیا پھر اسے چھوڑ دیا لیکن چلتے ہوئے اسے مڑ مڑ کر دیکھتے تھے اسی دوران سامنے ایک دیوار سے ٹکرائے اور چہرے پر نشان پڑ گیا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا۔

اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا عَجَّلَ لَهٗ عُقُوْبَةَ ذَنْبِهٖ فِي الدُّنْيَا۔ (۴) اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے گناہ کی سزا اسے دنیا ہی میں فوری طور پر دے دیتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں قرآن پاک کی وہ آیت نہ بتاؤں جو بہت زیادہ امید دلاتی ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۔ (۵) اور تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے اور وہ بہت کچھ معاف کر دیتا ہے۔

تو دنیا میں (پہنچنے والی) مصیبتیں گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہیں جب اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں عذاب دیتا ہے تو وہ اسے دوبارہ عذاب دینے سے بے نیاز ہے اور اگر اسے دنیا میں معاف کر دے تو قیامت کے دن عذاب دینا اس کے کرم کا تقاضا نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندہ دو گھونٹوں سے زیادہ پسندیدہ گھونٹ نہیں بھرتا غصے کا گھونٹ جسے وہ بردباری سے روکتا ہے اور مصیبت کا گھونٹ جسے وہ صبر کے ساتھ پی جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قطرہ خون کے اس قطرے سے زیادہ پسند نہیں جو اللہ تعالیٰ کے

---

(۱) شعب الایمان جلد ۴ ص ۱۲۸ حدیث ۴۵۰۴

(۲،۳) قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۴۴

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۸۱ مرویات عبداللہ بن مغفل

(۵) قرآن مجید، سورۃ شوریٰ آیت ۳۰

marfat.com

راستے میں بہایا جاتا ہے یا رات کے اندھیرے میں حالتِ سجدہ میں نکلنے والا آنسو کا قطرہ جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں دیکھتا اور بندہ جو قدم اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ کو ان میں سے دو قدموں سے زیادہ کوئی قدم پسند نہیں ہے ایک فرض نماز کی طرف جانے کے لیے اٹھنے والا قدم اور دوسرا صلہ رحمی کے لیے اٹھنے والا قدم۔ (۱)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا ایک بیٹا فوت ہو گیا اس سے آپ کو سخت پریشانی ہوئی تو دو فرشتے حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے مدعی، مدعی علیہ کی صورت میں دو زانو ہو کر بیٹھ گئے ان میں سے ایک نے کہا میں نے بیج ڈالا جب کھیتی تیار ہو گئی تو اس نے اسے خراب کر دیا آپ نے دوسرے شخص سے پوچھا تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا میں راستے پر چلا تو ایک کھیتی کے پاس آیا میں نے دائیں بائیں دیکھا تو وہ کھیتی راستے پر ہی تھی حضرت سلمان علیہ السلام نے پوچھا تم نے راستے میں بیج کیوں بویا؟ تمہیں معلوم نہیں کہ لوگوں کے لیے راستہ ضروری ہوتا ہے اس نے کہا آپ اپنے بیٹے کی جدائی پر کیوں غمگین ہیں آپ نہیں جانتے کہ موت آخرت کا راستہ ہے؟ تو یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور توبہ کی اور اس کے بعد بیٹے کی وفات پر افسوس کا اظہار نہ کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنے مریض صاحبزادے کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اے بیٹے! اگر تم میرے ترازو میں ہو تو مجھے یہ بات اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں تمہارے ترازو میں ہوں بیٹے نے عرض کیا ابا جان! جو کچھ آپ چاہتے ہیں وہ مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے جو میں چاہتا ہوں۔ (یعنی تمہاری وفات پر میں صبر کروں تو اچھا ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کی ایک صاحبزادی کی وفات کی خبر ان کو دی گئی تو انہوں نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھنے کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک قابلِ ستر کو ڈھانپ دیا اور ایک مشقت تھی اسے دور کر دیا اور ثواب پہنچایا۔ پھر اتر کر دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا ہم نے اللہ تعالیٰ کے امر کو ضائع کر دیا ارشاد خداوندی ہے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ (۲) اور صبر و نماز کے ذریعے مدد طلب کرو۔

حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ان کے ایک صاحبزادے کا انتقال ہو گیا تو ایک مجوسی جو آپ کو جانتا تھا تعزیت کرتے ہوئے کہنے لگا عقل مند آدمی کو آج وہ کام کرنا چاہیے جو جاہل شخص پانچ دن بعد کرتا ہے حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا اس سے یہ بات لکھ لو۔

بعض علماء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو آزمائش کے بعد آزمائش میں ڈالتا ہے حتیٰ کہ وہ زمین پر یوں چلتا ہے کہ اس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۲۸ مرویات ابن عمر

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۴۵

marfat.com

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو آزمائش میں ڈالتا رہتا ہے جس طرح آدمی اپنے گھر والوں سے اچھا سلوک کرتا رہتا ہے۔

حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن چار قسم کے لوگوں کے خلاف چار آدمیوں سے استدلال کرے گا مال دار لوگوں کے خلاف حضرت سلیمان علیہ السلام سے، فقراء کے خلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے، غلاموں پر حضرت یوسف علیہ السلام سے اور بیماروں پر حضرت ایوب علیہ السلام سے ۔۔۔ (مطلب یہ ہے کہ تم نے ان لوگوں کی راہ کیوں نہیں اپنائی)

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل کے کفار لوگوں سے بھاگ کر ایک درخت میں چھپ گئے تو ان کو معلوم ہو گیا اور وہ ایک آرا لے کر آئے اور درخت کو پھاڑ دیا حتیٰ کہ آرا حضرت زکریا علیہ السلام کے سر مبارک تک پہنچ گیا تو آپ نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ اے زکریا علیہ السلام اگر آپ نے دوبارہ آہ نکالی تو میں نبوت کے رجسٹر سے آپ کا نام نکال دوں گا تو حضرت زکریا علیہ السلام نے صبر اختیار کیا حتیٰ کہ آپ سے دو ٹکڑے ہو گئے۔

حضرت ابو مسعود بلخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس شخص کو مصیبت پہنچے اور وہ کپڑے پھاڑے یا سینہ پیٹے تو گویا وہ نیزہ لے کر اللہ تعالیٰ سے لڑنے کے لیے تیار ہوا۔

حضرت لقمان حکیم رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے بیٹے! سونے کا امتحان آگ کے ذریعے ہوتا ہے اور نیک بندے کی آزمائش مصائب کے ذریعے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو پسند کرتا ہے تو ان کو آزمائش میں ڈال دیتا ہے جو راضی ہوا اس کے لیے رضا ہے اور جو اس پر ناراض ہوا اس کے لیے ناراضگی ہے۔

حضرت احنف بن قیس فرماتے ہیں ایک دن میری داڑھ میں درد ہوا تو میں نے اپنے چچا سے کہا میں داڑھ کے درد کی وجہ سے گذشتہ رات سو نہیں سکا حتیٰ کہ میں نے یہ بات تین بار کہی تو میرے چچا نے کہا تم نے ایک رات میں درد کی اتنی زیادہ شکایت کر دی میری آنکھ تیس برس ہو گئے ضائع ہو گئی لیکن اس کا کسی کو علم نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی (ارشاد فرمایا) جب آپ پر کوئی مصیبت نازل ہو تو میری مخلوق سے شکایت نہ کرنا مجھ سے شکایت کرنا جیسے آپ کی خطائیں میرے پاس آتی ہیں تو میں آپ کی شکایت فرشتوں سے نہیں کرتا۔

(لغزش اور خلافِ اولیٰ بات مراد ہے انبیاء کرام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں ۱۲ ہزاروی)

marfat.com

فصل ۲

مصیبت پر نعمت کی فضیلت

شاید تم کہو کہ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں نعمتوں کے مقابلے میں مصیبتیں زیادہ بہتر ہیں تو کیا ہم اللہ تعالےٰ سے مصیبتوں کا سوال کر سکتے ہیں؟ تو میں (امام غزالی) کہتا ہوں اس سوال کی کوئی وجہ نہیں ہے کیوں کہ حدیث شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ اپنی دعا میں دنیا اور آخرت کی مصیبتوں سے پناہ مانگا کرتے تھے۔(۱)
آپ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام یوں عرض کرتے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔" (۲)

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کرنا اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچانا۔

اور انبیاء کرام علیہم السلام مصیبت پر دشمنوں کی خوشی وغیرہ سے پناہ مانگا کرتے تھے (۳)
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یوں دعا مانگی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الصَّبْرَ (یا اللہ! میں تجھ سے صبر کا سوال کرتا ہوں) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَقَدْ سَاَلْتَ اللّٰہَ الْبَلَاءَ فَاسْئَلْہُ الْعَافِیَةَ۔ (۴)

آپ نے اللہ تعالیٰ سے مصیبت کا سوال کیا ہے پس اس سے عافیت کا سوال بھی کریں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

سَلُوا اللّٰہَ الْعَافِیَةَ فَمَا اُعْطِیَ اَحَدٌ اَفْضَلَ مِنَ الْعَافِیَةِ اِلَّا الْیَقِیْنَ۔ (۵)

اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو کسی شخص کو یقین کے علاوہ عافیت سے افضل چیز نہیں دی گئی۔

اور یقین سے آپ نے اس عافیت کی طرف اشارہ فرمایا جو جہالت اور شک کی بیماری سے دل کو حاصل ہوتی ہے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۴۳ مرویات عائشہ
(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۰۱ / صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۴۹ کتاب التفسیر
(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۰۹ کتاب القدر
(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۸۳ مرویات علی المرتضیٰ
(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۸ مرویات ابی بکر

marfat.com

تو دل کی عافیت بدن کی عافیت سے اعلیٰ ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا وہ خیر جو شر سے خالی ہے وہ شکر کے ساتھ عافیت ہے کتنے ہی انعام یافتہ لوگ شکر نہیں کرتے۔

حضرت مطرف بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے عافیت حاصل ہو اور میں شکر کروں یہ بات مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں مصیبت میں مبتلا ہو کر صبر کروں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں فرمایا یا اللہ تیری طرف سے ملنے والی عافیت مجھے زیادہ پسند ہے (۱)

یہ بات دلیل و استشہاد کی محتاج نہیں ہے کیوں کہ مصیبت دو اعتبار سے نعمت بنتی ہے ان میں سے ایک بار اس کا اپنے سے بڑی مصیبت کی طرف اضافت ہے چاہے دنیا میں ہو یا دین کے حوالے سے، اور دوسری وجہ ثواب امید کی طرف نسبت ہے تو آدمی کو چاہیئے کہ دنیا میں پوری نعمت مانگے اور اس مصیبت سے زائد کو دور کرنے کا سوال کرے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر کے آخروی ثواب کا سوال کرے کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ شکر پر وہ کچھ عطا فرمائے جو صبر پر نہ دے۔

سوال :۔

بعض بزرگوں نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ جہنم کے اوپر پل بنوں اور لوگ مجھ سے گزر کر پار ہو جائیں اور نجات پا جائیں اور میں جہنم میں چلا جاؤں اور حضرت سمنون رحمہ اللہ نے فرمایا۔

وَلَيْسَ لِيْ فِيْ سِوَاكَ حَظٌّ فَكَيْفَمَا شِئْتَ فَاخْتَبِرْنِيْ۔

میرے لیے تیرے غیر میں کوئی حصہ نہیں پس تو جس طرح چاہے مجھے آزما لے تو ان لوگوں کی طرف سے یہ آزمائش کا سوال ہے۔

جواب :۔

منقول ہے کہ اس شعر کے بعد حضرت سمنون محب رحمہ اللہ قبض کی بیماری میں مبتلا ہو گئے اور اس کے بعد وہ مکتبوں کے دروازوں پر جاتے اور بچوں سے کہتے اپنے جھوٹے چچا کے لیے دعا کیا کرو۔

جہاں تک انسان کی اس چاہت کا تعلق ہے کہ صرف وہی جہنم میں ہو دوسرا کوئی نہ ہو تو یہ ممکن نہیں لیکن بعض اوقات دل پر غالب آجاتی ہے حتی کہ محب اپنے آپ کو اس قسم کا سمجھتا ہے جو شخص محبت کا پیالہ پیتا ہے وہ نشے میں ہوتا ہے اور جو نشے میں ہو وہ بہت زیادہ باتیں کرتا ہے اور اس کا نشہ زائل ہو جائے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اس پر غالب تھا اس کی کوئی حقیقت نہیں اور جو کچھ تم نے اس سلسلے میں سنا وہ عشاق لوگوں کا کلام ہے جو محبت میں بڑھے ہوئے اور عشاق کے کلام سے کانوں کو لذت حاصل ہوتی ہے لیکن قابلِ اعتبار نہیں ہوتا۔

جیسے ایک حکایت میں ہے کہ ایک فاختہ کا نر اس کے قریب ہونا چاہتا تھا لیکن وہ اس کو روکتی تھی اس نے پوچھا تمہیں مجھ سے کس نے روکا؟ اگر تو چاہے کہ میں تیرے لیے دونوں جہانوں کو سلیمان علیہ السلام کی حکومت کے ساتھ الٹ دوں تو تیرے لیے یہ کام بھی کر ڈالوں گا حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ بات سنی تو اس کو بلا کر جھاڑ پلائی اس نے کہا اے اللہ کے نبی! عاشقوں کے کلام کو بیان نہیں کیا جاتا جیسے کسی شاعر نے کہا۔

اُرِیْدُ وِصَالَہٗ وَیُرِیْدُ ھِجْرِیْ	میں اس کے وصال کا ارادہ کرتا ہوں اور وہ مجھے چھوڑنا
فَاَتْرُکُ مَا اُرِیْدُ لِمَا یُرِیْدُ	چاہتا ہے تو میں اس کے ارادے کی خاطر اپنا ارادہ ترک کرتا ہوں۔

اللہ یہ بھی محال ہے مطلب یہ ہے کہ میں اس بات کا ارادہ کرتا ہوں جس کا وہ ارادہ نہیں کرتا کیوں کہ جو آدمی وصال کا ارادہ کرے وہ ہجر و فراق کا ارادہ نہیں کرتا تو اس نے اس ہجر کا ارادہ کیسے کیا جس کا اس نے ارادہ کیا ہی نہیں تھا دو تاویلوں کے ساتھ اس کلام کی تصدیق کی جا سکتی ہے ایک تو یہ کہ یہ بعضِ احوال کی بات ہے تاکہ اس کی رضا حاصل ہو جس کے واسطے سے مستقبل میں وصال کی مراد تک پہنچتا ہے تو فراق، رضا کا وسیلہ ہے اور رضا وصالِ محبوب کا وسیلہ ہے اور محبوب کی طرف وسیلہ بھی محبوب ہوتا ہے۔

اس کی مثال مال سے محبت کرنے والے کی مثل ہے جب وہ ایک درہم کے بدلے دو درہموں کی بیع سلم کرتا ہے تو وہ دو درہموں کی محبت میں ایک درہم فی الحال چھوڑ دیتا ہے (بیع سلم میں رقم پہلے دیتے ہیں اور سودا ادھار ہوتا ہے)

اس کلام کی تصدیق کے لیے دوسری تاویل یہ ہے کہ اس کے نزدیک محبوب کی رضا صرف اس لیے مطلوب ہے کہ وہ اس کی رضا ہے اور اس کو محبوب کی رضا کے شعور سے لذت حاصل ہوتی ہے اور ناپسندیدگی کے باوجود جب اس کا مشاہدہ کرتا ہے تو لذت بڑھ جاتی ہے تو اس وقت یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس میں پائی جانے والی رضا کا ارادہ کر رہا ہو یہی وجہ ہے کہ بعض محبت کرنے والوں کی حالت یہاں تک پہنچی کہ وہ آزمائش سے لطف اندوز ہوتے ہیں جب انہیں پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں راضی ہے اور یہ لذت اس عافیت سے زیادہ ہوتی ہے جو رضا کے شعور کے بغیر ہوتی ہے اور یہ لوگ جب ابتلاء و آزمائش میں راضی رہنے پر قادر ہوں تو ان کے نزدیک عافیت سے یہ آزمائش زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے۔

تو محبت کے غلبہ کی صورت میں اس حالت کا وقوع کوئی بعید بات نہیں ہے لیکن یہ باقی نہیں رہتی اور اگر قائم رہے تو کیا یہ حالتِ صحیحہ ہے یا یہ ایسی حالت ہے جس کا تقاضا ایک دوسری حالت کرتی ہے جو دل پر وارد ہوئی ہے اور اس وجہ سے دل راہِ اعتدال سے دور ہو جاتا ہے؟ تو یہ بات محلِ غور ہے اور اس کی تحقیق کا ذکر ہمارے موضوع کے مناسب نہیں ہے اور گذشتہ بحث سے ظاہر ہوا کہ عافیت، مصیبت سے بہتر ہے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تمام مخلوق

marfat.com

کو دنیا اور آخرت میں عفو و عافیت عطا فرمائے ہمیں بھی اور تمام مسلمانوں کو بھی۔

فصل ۳

صبر اور شکر میں سے افضل کیا ہے

اس سلسلے میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض نے کہا کہ صبر، شکر سے افضل ہے اور دوسرے حضرات نے فرمایا شکر افضل ہے کچھ دوسرے حضرات نے کہا کہ دونوں برابر ہیں بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ احوال کے اختلاف سے حکم میں اختلاف ہوتا ہے اور ہر فریق کے استدلال میں اضطراب ہے جو حصول مقصد سے بعید ہے۔ ان سب باتوں کو نقل کر کے کلام کو طویل کرنا ہمارے مقصد ہے بلکہ اظہار کی طرف جلدی کرنا ہی بہتر ہے تو ہم کہتے ہیں اس کے بیان میں دو مقام ہیں۔

پہلا مقام :

تساہل کے طریقے پر بیان کرنا یعنی ظاہری امر کو دیکھنا اور حقیقت کی تلاش نہ کرنا۔ اور یہ وہ بیان ہے جس سے عوام کو خطاب کرنا مناسب ہے کیوں کہ وہ حقیقت کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتے اور یہ وہ فن کلام ہے جس پر واعظوں کو اعتماد کرنا چاہیئے کیوں کہ عوام کو خطاب سے ان کے کلام کا مقصد ان کی اصلاح کرنا ہے۔ اور شفقت کرنے والی دایہ کے لیے یہ بات مناسب نہیں کہ وہ بچے کو موٹے موٹے پرندے اور میٹھی چیزیں کھلا کر اس کی اصلاح کرے بلکہ وہ اسے نہایت لطیف دودھ پلاتی ہے۔ اس پر لازم ہے کہ عمدہ کھانے اس وقت تک مؤخر رکھے جب بچہ ان کے کھانے کے قابل ہو جائے اور اس میں پائی جانے والی کمزوری ختم ہو جائے۔

تو اس مقام بیان پر ہم کہتے ہیں کہ یہاں بحث و تفصیل کی گنجائش نہیں اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ شرعی دلائل سے صرف ظاہری مفہوم نکالے اور یہ بات صبر کا تقاضا کرتی ہے کیوں کہ شکر کی فضیلت کے بارے میں اگرچہ بہت سی روایات آئی ہیں لیکن صبر کی فضیلت میں وارد احادیث کو دیکھیں تو صبر کے فضائل زیادہ ہیں بلکہ اس سلسلے میں فضیلت کے لیے صریح الفاظ ہیں۔

جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مِنْ اَفْضَلِ مَا اُوْتِیْتُمُ الْیَقِیْنُ وَعَزِیْمَةُ الصَّبْرِ (۱)

سب سے افضل چیز جو تمہیں دی گئی وہ یقین اور صبر کرنا ہے۔

---

(۱)

marfat.com

اور ایک دوسری حدیث شریف میں ہے۔

(قیامت کے دن) زمین والوں میں سے سب سے زیادہ شکر کرنے والے کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے شکر کرنے والوں کی جزا عطا فرمائے گا اور زمین والوں میں سے سب سے زیادہ صبر کرنے والے کو لایا جائے گا تو اس سے کہا جائے گا کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تمہیں اس شاکر کی طرح جزا دی جائے وہ کہے گا ہاں میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہرگز نہیں! میں نے اس پر انعام کیا تو اس نے شکر ادا کیا اور تجھے ابتلاء آزمائش میں ڈالا تو تُو نے صبر کیا میں تجھے اس سے دوگنا اجر دوں گا چنانچہ اسے شکر کرنے والوں کے اجر سے دوگنا اجر دیا جائے گا۔ (۱)

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ (۲)

بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر حساب کے بغیر دیا جائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلطَّاعِمُ الشَّاکِرُ بِمَنْزِلَۃِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ۔ (۳)

شکر ادا کرتے ہوئے کھانے والا صبر کرنے والے روزے دار کی طرح ہے۔

یہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ صبر میں فضیلت ہے کیوں کہ اس کا ذکر درجۂ شکر کی بلندی کے سلسلے میں مبالغہ کے طور پر ہوا اور اس کو صبر کے ساتھ ملا تو گویا یہ اس کے درجہ کی انتہا ہے اور اگر شریعت کی جانب سے درجۂ صبر کی بلندی سمجھی نہ جاتی تو شکر کا اس کے ساتھ الحاق شکر کی تعریف میں مبالغہ نہ ہوتا جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْجُمُعَۃُ حَجُّ الْمَسَاکِیْنِ وَجِھَادُ الْمَرْاَۃِ حُسْنُ التَّبَعُّلِ۔ (۴، ۵)

جمعۃ المبارک مساکین کا حج ہے اور عورت کا جہاد خاوند کے ساتھ اچھی طرح رہنا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱)

(۲) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۱۰

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۴۲ مرویات سنان بن سنۃ

(۴) کنز العمال جلد ۷، ص ۷۰، حدیث ۲۱۰۳۱

(۵) کنز العمال جلد ۵ ص ۸۶۲ حدیث ۱۴۵۶۹

marfat.com

شَارِبُ الْخَمْرِ كَعَابِدِ الْوَثَنِ۔ (۱) شراب پینے والا بت پرست کی طرح ہے۔

اور مشبہ بہ (جس کے ساتھ تشبیہ دی جائے) اعلیٰ رتبہ کا ہونا چاہیے۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ۔ صبر نصف ایمان ہے۔

یہ اس بات پر دلالت نہیں کہ شکر بھی اس (صبر) کی طرح ہے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

اَلصَّوْمُ نِصْفُ الصَّبْرِ۔ (۲) روزہ نصف صبر ہے۔

جو چیز دو حصوں میں تقسیم ہو اس کے ہر حصے کو نصف کہتے ہیں اگرچہ ان میں تفاوت ہو جیسے کہا جاتا ہے ایمان، علم و عمل کا نام ہے پس عمل نصف ایمان ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ عمل، علم کے مساوی ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا۔

آخِرُ الْاَنْبِیَاءِ دُخُوْلًا الْجَنَّةَ سُلَیْمَانُ بْنُ دَاوٗدَ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ لِمَکَانِ مُلْکِهٖ وَآخِرُ اَصْحَابِیْ دُخُوْلًا الْجَنَّةَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ لِمَکَانِ غِنَاهُ۔

انبیاء کرام علیہم السلام میں سے سب سے آخر میں سلیمان بن داؤد علیہما السلام جنت میں داخل ہوں گے اور یہ ان کی بادشاہی کی وجہ سے اور صحابہ کرام میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سب سے آخر میں جنت میں جائیں گے اور یہ ان کی مالداری کی وجہ سے ہے۔

(۳)

اور ایک دوسری حدیث میں ہے۔

یَدْخُلُ سُلَیْمَانُ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ بِاَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا۔ (۴)

حضرت سلیمان علیہ السلام دوسرے انبیاء کے چالیس سال بعد جنت میں جائیں گے۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے

اَبْوَابُ الْجَنَّةِ کُلُّهَا مِصْرَاعَانِ اِلَّا بَابَ الصَّبْرِ فَاِنَّهٗ مِصْرَاعٌ وَاحِدٌ وَاَوَّلُ مَنْ

جنت کے تمام دروازوں کے دو دو کواڑ ہیں لیکن صبر کے دروازے کا ایک ہی کواڑ ہے اور سب سے پہلے جنت

---

(۱) المطالب العالیہ جلد ۲ ص ۵۰۱ حدیث ۱۷۷۷

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۰ حدیث رجل من بنی سلیم

(۳) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۵ ص ۵۰۸ حدیث ۸۹۱۴

(۴) کنز العمال جلد ۱۱ ص ۱۶۷ حدیث ۳۲۴۹۹

marfat.com

يَدْخُلُهُ اَهْلُ الْبَلَاءِ اَمَامَهُمْ اَيُّوْبُ عَلَيْهِ السَّلَامُ (۱)

آزمائشوں میں مبتلا لوگ جائیں گے اور حضرت ایوب علیہ السلام ان کی قیادت کر رہے ہوں گے۔

فقر کی فضیلت کے سلسلے میں جو کچھ وارد ہوا ہے وہ صبر کی فضیلت پر دلالت ہے کیوں کہ یہ فقیر کی حالت ہے اور شکر مالدار کی حالت — یہی وہ مقام ہے جس پر عوام قناعت کریں اور ان کے لائق وعظ میں اسی پر اکتفا کیا جائے اور یہ اس بات کی تعریف ہے جس میں ان کی دین کی اصلاح ہے

دوسرا مقام:-

یہ وہ بیان ہے جس کے ذریعے ہم اہل علم اور اصحاب بصیرت کو بطور حقائق امور سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں تو اس سلسلے میں ہم کہتے ہیں ہر وہ امر جو دو مبہم باتوں کے درمیان ہو تو ابہام کی موجودگی میں ان کے درمیان موازنہ ممکن نہیں جب تک ان میں سے ہر ایک کی حقیقت منکشف نہ ہو۔ اور مکشوف کئی قسموں پر مشتمل ہے۔ ان میں اجتماعی طور پر برابری ممکن نہیں لہٰذا ایک ایک کا مقابلہ و موازنہ کیا جائے تاکہ ترجیح کا تعین ہو جائے۔

صبر و شکر کی اقسام اور شعبے بے شمار ہیں اس لیے اجمالی صورت میں ترجیح و نقصان کے حوالے سے ان کا حکم واضح نہیں ہو سکتا۔ پس ہم کہتے ہیں ہم نے ذکر کیا کہ یہ مقامات تین امور یعنی علوم، احوال اور اعمال سے مرکب ہوتے ہیں اور شکر، صبر اور تمام مقامات اسی طرح ہیں اور ان تین امور میں سے بعض کا بعض سے موازنہ کیا جائے تو ظاہر بین لوگوں کے لیے ظاہر ہوتا ہے کہ علوم احوال کے لیے مراد ہوتے ہیں اور احوال کا ارادہ اعمال کے لیے ہوتا ہے اور اعمال ہی افضل ہیں۔

لیکن اربابِ بصیرت کے لیے معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے کیوں کہ اعمال کا مقصد احوال اور احوال سے مقصود علوم ہوتے ہیں پس علوم افضل ہیں پھر احوال اور اس کے بعد اعمال — کیوں کہ جس چیز اس سے افضل ہوتی ہے لیکن ان تینوں میں سے ایک ایک کو دیکھا جائے تو بعض اوقات اعمال مساوی ہوتے ہیں اور کبھی ان میں تفاوت ہوتا ہے جب ان میں سے بعض کی دوسرے بعض کی طرف نسبت کی جائے ایک ایک عمل کا بھی یہی ہے جب ایک دوسرے کی طرف ان کی اضافت ہو اور معارف کا معاملہ بھی انفرادی طور پر اسی طرح ہے معارف میں سے افضل، علوم مکاشفہ ہیں اور یہ علوم معاملہ سے ارفع و اعلیٰ ہیں بلکہ علوم معاملہ تو معاملات سے بھی کم درجہ میں ہیں کیوں کہ ان کا مقصد معاملہ ہے اس کا فائدہ اصلاحِ عمل ہے۔ اور معاملہ کی وجہ سے عالم کو عابد پر فضیلت حاصل ہے جب اس کے علم کا نفع عام ہو پس ایک خاص عمل کی طرف نسبت کی وجہ سے یہ افضل ہے۔ ورنہ عمل کے بارے میں علمِ قاصر، عملِ قاصر سے افضل نہیں ہے تو ہم کہتے ہیں عمل کی اصلاح کا فائدہ حالِ دل کی اصلاح ہے اور حال قلب کی اصلاح کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۱۱، ۱۱۲، کتاب الایمان

marfat.com

کی ذات، صفات اور افعال میں اس کی جلالت کا انکشاف ہو۔ تو علوم مکاشفہ میں سے ارفع علم اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور یہی مطلوب بالذات بات ہے کیوں کہ اس کے ذریعے سعادت حاصل ہوتی ہے بلکہ یہی عینِ سعادت ہے لیکن بعض اوقات دنیا میں دل کو اس بات کا شعور نہیں ہوتا کہ یہ عینِ سعادت ہے بلکہ اسے آخرت میں اس بات کا شعور حاصل ہوتا ہے یہ آزاد معرفت ہے جس پر کوئی قید نہیں لہٰذا یہ غیر کی قید میں نہیں جب کہ اس کے علاوہ جتنے معارف ہیں وہ اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے غلام اور خادم ہیں کیوں کہ یہ تو خود مقصود ہوتا ہے اور جب یہ ذاتی طور پر مراد ہے تو اب اس کے نفع میں تفاوت ہوگا اور وہ معرفتِ خداوندی تک پہنچانا ہے کیوں کہ بعض معارف دوسرے معارف تک ایک واسطے یا کئی واسطوں سے پہنچاتے ہیں پس جب بندے اور معرفتِ خداوندی کے درمیان واسطے کم ہوں تو یہ افضل ہے۔

احوال سے ہماری مراد دل کے احوال ہیں یعنی اس کی صفائی اور دنیوی تعلقات سے اس کی طہارت ہو اور مخلوق سے مشغولیت نہ ہو حتیٰ کہ جب وہ پاک صاف ہو جاتا ہے تو اس کے لیے حقیقتِ حق واضح ہو جاتی ہے تو احوال کے فضائل دل کی اصلاح اور تطہیر کے سلسلے میں ان کی تاثیر کی مقدار سے ہوتا ہے نیز اس کا علوم مکاشفہ کے لیے تیار ہونا ہے اور جس طرح شیشے کو کامل طور پر صاف کرنے اور جلا بخشنے میں اس کے احوال کو مقدم کیا جاتا ہے کہ اس کو صاف کرنے کے اعتبار سے بعض دوسرے بعض کی نسبت زیادہ قریب ہوتے ہیں اسی طرح دل کا حال ہے۔

تو وہ حالت جو قلبی صفائی کے قریب ہو یا قریب کرنے والی ہے وہ نچلے درجے والی سے لامحالہ افضل ہے کیوں کہ وہ مقصود کے قریب ہے پس اعمال کی ترتیب بھی اسی طرح ہے کیوں کہ ان کی تاثیر دل کی صفائی اور احوال کو اس کے قریب کرنے میں ہوتی ہے اور ہر عمل کی دو حالتیں ہیں یا وہ تو دل کی طرف ایسی حالت ہے جو مکاشفہ میں رکاوٹ ہے اور دل کی تاریکی کا باعث ہے وہ دنیوی زینتوں کی طرف لی جاتی ہے یا وہ عمل دل کی طرف ایسی حالت کو کھینچتا ہے جو مکاشفہ کی راہ ہموار کرتی اور دل کی صفائی کا موجب ہے اور اس سے دنیوی علائق کو دور کرتی ہے پہلی حالت کو معصیت اور دوسری کو اطاعت کہتے ہیں۔

اور دل کو تاریک اور سخت کرنے میں تاثیر کے حوالے سے گناہوں میں تفاوت ہے اسی طرح دل کو روشن اور صاف کرنے میں اطاعت کی حالت ہے تو احوال کے اختلاف سے درجات تاثیر کی بنیاد پر اطاعت کے درجات بھی مختلف ہوتے ہیں۔

مثلاً ہم مطلقاً کہہ سکتے ہیں کہ نفلی نماز ہر نفلی عبادت سے افضل ہے حج، صدقہ سے افضل ہے اور قیام لیل اپنے غیر سے افضل ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ وہ مالدار جس کے پاس مال ہو اور اس پر بخل اور مال روکنے کی محبتِ غالب ہو اس کا ایک درہم خرچ کرنا کئی راتوں کے قیام اور کئی دنوں کے روزے سے افضل ہے کیوں کہ روزہ اس آدمی کے لائق ہے جس پر پیٹ کی شہوت غالب ہو اور وہ اس کو توڑنے کا ارادہ کرے یا سیر ہو کر کھانا اسے علومِ مکاشفہ میں خالص فکر سے مانع ہو

پس وہ بھوک کے ذریعے دل کو صاف کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

لیکن اس شخص کی یہ حالت نہیں ہے اس لیے اسے پیٹ کی شہوت نقصان نہیں دیتی اور نہ وہ اس قسم کے فکر میں مشغول ہے جس کے راستے میں شکم سیری رکاوٹ بن رہی ہو پس اس کا روزے میں مشغول ہونا اپنی حالت سے نکل کر دوسرے کی حالت میں جانا ہے اور وہ اس بیمار کی طرح ہے جسے پیٹ کی بیماری ہو اور وہ سر درد کا علاج کرے تو اسے نفع نہیں ہوتا بلکہ اس کو چاہیئے کہ وہ اس مہلک بیماری کو دیکھے جو اس پر غالب ہے اور بخل جس کی اطاعت کی جائے مہلکات میں سے ہے اور اسے ایک سال کے روزے اور ایک ہزار رات کا قیام بھی دُور نہیں کر سکتا بلکہ اس کا ازالہ مال خرچ کرنے سے ہوتا ہے لہٰذا اس پر صدقہ کرنا لازم ہے ہم نے اس کی تفصیل مہلکات کے بیان میں ذکر کی ہے وہاں دیکھی جا سکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہو کہ اطاعت و فرمانبرداری کی تاثیر حالات کے اعتبار سے ہوتی ہے اور اس وقت سمجھدار آدمی کو معلوم ہوتا ہے کہ مطلق جواب خطا ہے کیوں کہ کوئی شخص پوچھے کہ روٹی افضل ہے یا پانی ؟ تو اس میں صحیح جواب یہی ہو گا کہ بھوکے کے لیے روٹی اور پیاسے کے لیے پانی افضل ہے اور اگر دونوں باتیں جمع ہوں تو غالب کو دیکھے اگر پیاس غالب ہو تو پانی افضل ہے اور اگر بھوک غالب ہو تو روٹی افضل ہے اگر دونوں باتیں مساوی ہوں تو دونوں چیزیں برابر ہوں گی۔

اسی طرح جب پوچھا جائے کہ سکنجبین افضل ہے یا نیلوفر کا شربت ؟ تو مطلق جواب صحیح نہ ہو گا ہاں اگر ہم سے یہ پوچھا جائے کہ سکنجبین افضل ہے یا صفرا کا نہ ہونا تو ہم کہیں گے صفرا کا نہ ہونا افضل ہے کیوں کہ سکنجبین کی ضرورت اسی کے لیے ہوتی ہے اور جو چیز کسی دوسرے کے لیے مقصود ہو تو دوسری چیز افضل ہوتی ہے۔ تو مال کا خرچ کرنا بھی ایک عمل ہے اور اس سے ایک حالت حاصل ہوتی ہے اور وہ بخل کا زوال اور دل سے دنیا کی محبت کو نکالنا ہے اور اس محبت سے دل کو فارغ کر کے اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت و محبت کے لیے تیار کرنا ہے تو معرفت افضل ہے حال اس سے کم اور عمل اس سے بھی کم درجے میں ہے۔

سوال :

شریعت نے اعمال کی ترغیب دی ہے اور اس کی فضیلت مبالغہ کے ساتھ بیان کی ہے حتیٰ کہ صدقہ دینے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا۔ (۱) کون شخص اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دیتا ہے۔

اور ارشاد فرمایا۔

وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ۔ (۲) اور وہ صدقات لیتا ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ بقرہ آیت ۲۴۵

(۲) قرآن مجید، سورۃ توبہ آیت ۱۰۴

marfat.com

تو کس طرح فعل اور مال کا خرچ کرنا افضل نہ ہوگا۔

جواب :۔

طبیب کا دوائی کی تعریف کرنا اس مقصد کے لیے نہیں ہوتا کہ بعینہٖ دوائی مراد ہوتی ہے یا وہ صحت و شفا سے افضل ہوتی ہے لیکن اعمال دلوں کے مرض کا علاج ہیں اور قلبی بیماریوں کا عام طور پر پتہ نہیں چلتا جیسے کسی شخص کے چہرے پر سفید داغ ہوں اور اس کے پاس شیشہ نہ ہو تو اسے معلوم نہیں ہوتا اور اگر اسے بتایا جائے تو وہ سچ نہیں جانتا تو ایسے شخص کے سامنے گلاب کے پانی سے پتہ دھونے کا مبالغہ کے ساتھ ذکر کیا جائے اگر گلاب کا پانی ان داغوں کو زائل کرتا ہو حتیٰ کہ بہت زیادہ تعریف اسے مسلسل منہ دھونے پر مجبور کر دے گی اور یوں اس کا مرض زائل ہو جائے گا کیوں کہ اگر اسے کہا جائے کہ مقصود تمہارے چہرے سے برص کے داغ کو زائل کرنا ہے تو ہو سکتا ہے وہ علاج چھوڑ دے اور یہ خیال کرے کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ اب ہم اس سے بھی قریب تر مثال بیان کرتے ہیں۔

ایک شخص جس نے اپنے بیٹے کو علم اور قرآن سکھایا اور وہ چاہتا ہے کہ یہ اسے ہمیشہ یاد رہے زائل نہ ہو اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اگر وہ اسے تکرار کرنے یا پڑھنے کے لیے کہے گا تاکہ محفوظ رہے تو وہ کہے گا مجھے یاد ہے اور مجھے تکرار کرنے اور پڑھنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ اس کا خیال ہے کہ جو کچھ اسے اس وقت یاد ہے وہ ہمیشہ اسی طرح رہے گا اور اس کے غلام بھی ہوں اور وہ بچے کو کہے کہ تم ان کو پڑھاؤ اور اس پر اچھے انعام کا وعدہ بھی کرے تاکہ سکھانے کے ذریعے وہ زیادہ تکرار کر سکے تو بعض اوقات بچہ بیچارہ سمجھتا کہ مقصود غلاموں کو قرآن پاک کی تعلیم دینا ہے اور وہ تعلیم کے ذریعے ان کی خدمت کر رہا ہے تو وہ پریشان ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ میرا باپ مجھ سے ان غلاموں کی خدمت لے رہا ہے حالانکہ میں والد کے نزدیک زیادہ معزز و محترم ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ اگر میرے والد کا مقصد غلاموں کو تعلیم دینا ہوتا تو مجھے یہ کام سپرد کئے بغیر بھی مقصد حاصل ہو سکتا تھا اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ان غلاموں کے چلے جانے سے میرے والد کو کوئی نقصان نہیں ہوتا چہ جائیکہ وہ قرآن پاک پڑھنا نہ جانتے ہوں تو بعض اوقات وہ سستی کرتا ہے اور باپ کی بے نیازی کی وجہ اور درگزر کرنے کے سلسلے میں اس کے کرم پر اعتماد کرتے ہوئے ان کو پڑھانا چھوڑ دیتا ہے یوں وہ علم اور قرآن کو بھول جاتا ہے اور وہ محروم ہو جاتا ہے حالانکہ اسے اس بات کا شعور بھی نہیں ہوتا۔

اس قسم کے خیال سے بعض لوگوں کو دھوکہ ہوا اور انہوں نے اباحت کا طریقہ اختیار کیا وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادت کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی وہ ہم سے قرض لینے کا محتاج ہے لہٰذا اس آیت کا کیا مطلب ہوا۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ (۱) کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۴۵

marfat.com

اور اگر اللہ تعالیٰ ان مسکین کو کھانا دینا چاہتا تو دے دیتا لہذا ہمیں ان پر اپنا مال خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے کفار کی بات نقل کرتے ہوئے فرمایا۔ (۱)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے اس چیز سے خرچ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا فرمائی ہے تو کافر لوگ، ایمان والوں سے کہتے ہیں کیا ہم ان لوگوں کو کھلائیں جن کو اللہ تعالیٰ چاہتا تو کھلا دیتا۔

اور وہ یہ بھی کہتے ہیں۔

لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكْنَا وَلَا اٰبَاؤُنَا۔ (۲)

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا۔

تو دیکھو وہ اپنے کلام میں کس قدر سچے ہیں اور کس طرح وہ اپنی (اس) سچائی کی وجہ سے ہلاک ہوئے تو وہ ذات پاک ہے جو چاہے تو سچ بولنے پر بھی ہلاک کر دے اور جب چاہے تو جہالت کے باوجود سعادت مندی کی دولت سے مالا مال کر دے اور اس (قرآن) کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔

تو ان لوگوں نے سمجھا کہ ان سے مساکین اور فقراء کی خدمت لی جا رہی ہے یا اللہ تعالیٰ کے لیے دینا ہے پھر کہنے لگے نہ تو ہمیں مساکین سے کچھ ملتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو ہم سے اور ہمارے مالوں سے کچھ حاصل ہوتا ہے ہمارا خرچ کرنا اور نہ کرنا برابر ہے — چنانچہ وہ ہلاک ہوئے۔ جیسے وہ بچہ ہلاک ہوا جب اس نے سوچا کہ اس کے والد کا مقصد غلاموں کی خدمت لینا ہے اور اسے یہ بات معلوم نہ ہوئی کہ مقصود تو صفتِ علم کو اس کے دل میں قائم رکھنا اور پکا کرنا ہے تاکہ یہ اس کے لیے دنیا میں سعادت کا سبب بنے اور باپ اس کو شفقت کے طور پر اس بات کی طرف کھینچ رہا ہے جس میں اس کی سعادت ہے۔ اس مثال کے ذریعے تمہارے سامنے ان لوگوں کی گمراہی واضح ہو گئی جو اس طریقے سے گمراہ ہوتے ہیں۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ جو مسکین تیرا مال لے جاتا ہے وہ اس مال کے واسطے سے تیرے دل سے بخل کی خباثت اور دنیوی محبت کو نکالتا ہے کیوں کہ یہ دونوں باتیں تمہارے لیے ہلاکت کا باعث ہیں مسکین خون نکالنے والے کی طرح ہے وہ تم سے خون نکال کر تمہارے اندر سے مہلک بیماری کو نکالتا ہے تو خون نکالنے والا تمہاری خدمت کرتا ہے تم اس کی خدمت نہیں کرتے۔ اور اگر وہ خون نکالنے پر کچھ لیتا ہے تو بھی خادم ہونے سے نہیں نکلتا۔

اور جب صدقات باطن کی طہارت اور بری صفات سے تزکیہ کا باعث ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ یٰسین آیت ۴۷

(۲) قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۱۴۸

marfat.com

لینے سے احتراز فرمایا اور صدقہ نہ لیا جیسا کہ پچھنے لگانے والے کی کمائی سے منع فرمایا (۱)
اور اس کا نام لوگوں کی میل رکھا اور اپنے اہل بیت کو اس سے محفوظ رہنے کا شرف عطا فرمایا (۲)
مقصود یہ ہے کہ اعمال دل میں اثر کرتے ہیں جیسا کہ مہلکات کے بیان (تیسری جلد) میں گزر چکا ہے اور دل اعمال کی تاثیر کے حوالے سے ہدایت اور نورِ معرفت کو قبول کرنے کے لیے مستعد ہوتے ہیں یہ ایک جامع بات اور ایسا اصل ضابطہ ہے کہ اعمال، احوال اور معارف کے فضائل کے سلسلے میں اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اب ہم خاص طور پر اپنی بحث یعنی صبر و شکر کے بیان کی طرف آتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں معرفت، حال اور عمل ہے لہٰذا ایک میں پائی جانے والی معرفت کا دوسرے میں پائے جانے والے حال اور عمل کے ساتھ تقابل نہ کیا جائے بلکہ ہر ایک کا مقابلہ اس کی مثل کے ساتھ کیا جائے تاکہ مناسب ظاہر ہو اور اس کے بعد فضیلت واضح ہو۔

اور جب شاکر کی معرفت کا صبر کرنے والے کی معرفت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو بعض اوقات دونوں کی معرفت ایک ہی ہو جاتی ہے مثلاً معرفت شاکر یہ ہے کہ آنکھوں کی نعمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور صابر کی معرفت یہ ہے کہ اندھے پن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور یہ دونوں معرفتیں ایک دوسرے کو لازم اور مساوی ہیں اور یہ اس وقت ہے جب ہم (صبر کو) ابتلاء و مصائب میں اعتبار کریں اور ہم نے بیان کیا ہے کہ صبر کبھی عبادت پر اور کبھی گناہوں سے رکنے پر ہوتا ہے اور اس میں صبر و شکر متحد ہیں کیوں کہ عبادت پر صبر کرنا عین شکر ادا کرنا ہے کیوں کہ شکر کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اس مقصود کی طرف پھیرنا ہے جو اس نعمت کی حکمت کا مقتضیٰ ہے اور صبر کا مطلب باعث خواہش کے مقابلے میں دینی باعث کو ثابت و قائم رکھنا ہے تو صبر اور شکر ایک مسمّٰی کے دو نام ہیں جن میں اعتباری اختلاف ہے پس باعثِ دین کو باعثِ ہویٰ کے خاتمے کے لیے ثابت و قائم رکھنا باعث ہویٰ کی نسبت سے صبر کہلاتا ہے اور باعثِ دین کی طرف نسبت کے حوالے سے اسے شکر کہتے ہیں کیوں کہ دینی باعثِ شہوت کو پچھاڑ جائے اور اس نے اسے مقصود کی طرف پھیرا ہے تو یہ ایک مفہوم کے لیے دو عبارتیں ہیں تو ایک چیز اپنے آپ سے کیسے افضل ہو سکتی ہے تو صبر تین کاموں میں جاری ہوتا ہے ایک اطاعت، دوسری معصیت اور تیسری آزمائش اور مصیبت، اطاعت و معصیت میں اس کا حکم ظاہر ہو گیا۔

جہاں تک مصیبت کا تعلق ہے تو وہ عدمِ نعمت کا نام ہے اور نعمت یا تو ضروری ہوتی ہے جیسے آنکھیں، یا محلِ حاجت میں ہوتی ہے جیسے ضرورت سے زیادہ مال ہے آنکھوں سے نابینا آدمی کا صبر یہ ہے کہ وہ شکوہ ظاہر نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر رضامندی کا اظہار کرے اور اندھے پن کو بعض گناہوں کے لیے اجازت نہ سمجھے اور بینائی والے کا شکر

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۹۹ مرویات ابی ہریرہ
(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۴۴ کتاب الزکوٰۃ

marfat.com

ل کے اعتبار سے دو باتوں کے ذریعے ہوتا ہے ایک یہ کہ آنکھوں کو گناہ پر مدد کے لیے استعمال نہ کرے اور دوسرا یہ کہ
کو عبادت واطاعت میں استعمال کرے اور یہ دونوں باتیں صبر کی متقاضی ہیں کیوں کہ نابینا آدمی کو خوبصورت شکلیں دیکھنے سے
بخود صبر حاصل ہے کیوں کہ وہ ان کو دیکھ ہی نہیں سکتا اور دیکھنے والے کی نگاہ کسی خوب صورت پر پڑھے اور وہ صبر کرے
وہ آنکھوں کی نعمت پر شکر کرنے والا ہے اور اگر وہ دیکھتا رہے تو اس نے آنکھوں کی نعمت پر ناشکری کی۔ تو صبر، شکر
داخل ہوگیا اسی طرح جب عبادت واطاعت پر آنکھوں سے مدد لیتا ہے تو اس میں بھی اطاعت پر صبر کا پایا جانا
ری ہے۔

پھر بعض اوقات عجائباتِ خداوندی کو دیکھنے کے ذریعے شکر کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت تک
ہے تو یہ شکر، صبر سے افضل ہے۔

اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضرت شعیب علیہ السلام جن کی آنکھوں میں بینائی نہیں تھی موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام
ہم السلام سے ان کا رتبہ بڑا ہوتا۔ کیوں کہ انہوں نے بینائی کے نہ ہونے پر صبر کیا اور موسیٰ علیہ السلام نے مثلاً اس بات پر
نہیں کیا اور کمال یہ ہوتا کہ انسان تمام اعضاء سے محروم ہو اور وہ گوشت کا ایک لوتھڑا ہوتا اور یہ بالکل محال ہے کیوں کہ ہر
ایک دینی آلہ ہے اور اس کے فوت ہونے سے دین کا کوئی رکن فوت ہو جائے اور ان اعضاء پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ہے
ان کو دین کے سلسلے میں بطور آلہ استعمال کرے پس جب اسے صرف ضرورت کے مطابق ملا اور اس سے زائد کا
ج ہے تو اس (زائد) سے صبر کرنا مجاہدہ ہے اور یہ جہادِ فقر ہے جب کہ زائد کا پایا جانا نعمت ہے اور اس کا شکریہ ہے
اسے اچھے کاموں میں خرچ کرے یا گناہ میں استعمال نہ کرے۔

پس جب صبر کی شکر کی طرف اضافت کی جائے جو اطاعت میں صرف کرنے کا نام ہے تو شکر افضل ہے۔ کیوں کہ
میں صبر بھی شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت پر خوش ہونا بھی ہے اور اسے فقراء پر خرچ کرنے کے دکھ کا بھی امکان ہے
اسے جائز خوشیوں میں صرف کرنے سے باز رکھنا بھی ہے۔

گویا خلاصہ کلام اس بات کی طرف لوٹتا ہے کہ وہ چیزیں، ایک چیز سے افضل ہوتی ہیں اور کل، بعض کے مقابلے
اعلیٰ رتبہ رکھتا ہے اور اس بات میں بھی خلل ہے کیوں کہ کل اور اس کے بعض اجزا کے درمیان موازنہ نہیں
سکتا۔

اور اگر شکر کی یہ صورت ہو کہ اس (نعمت) کے ذریعے گناہ پر مدد حاصل نہ کرے بلکہ اس کو جائز خوشی پر خرچ کرے
اس صورت میں صبر، شکر سے افضل ہے اور فقیر صابر، اس مالدار سے افضل ہے جو اپنا مال روک کر رکھتا ہے اور اسے
جائز کاموں پر خرچ کرتا ہے اس مالدار سے افضل نہ ہوگا جو اپنا مال نیک کاموں پر خرچ کرتا ہے کیوں کہ فقیر بعض اوقات
نفس سے مجاہدہ کرتا اس کی حرص کو توڑتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائش پر اچھی طرح صبر کرتا ہے اور یہ

حالت لازماً قوت کا تقاضا کرتی ہے اور مالدار آدمی حرص کے پیچھے چلتا اور خواہش کی اطاعت کرتا ہے لیکن اس نے مباح اور جائز کام پر اکتفا کیا اور مباح کام میں حرام کام کے مقابلے میں گنجائش ہے لیکن حرام سے بچنے کے لیے بھی قوت چاہیے لیکن جس قوت کے تحت فقیر صبر کرتا ہے وہ اس قوت سے اعلیٰ اور کامل ہے جس کے تحت محض مباح کام سے خوشی اور لذت حاصل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے اور شرف اسی قوت کو حاصل ہوتا ہے جس پر عمل دلالت کرے کیوں کہ اعمال، احوال قلوب کے لیے مقصود ہوتے ہیں اور یہ قوتِ دل کی حالت ہے جو یقین و ایمان کی قوت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے تو جو چیز ایمان میں قوت کے اضافے کا باعث بنے وہ لامحالہ افضل ہے۔

اور قرآنی آیات و احادیث مبارکہ میں صبر و شکر کے اجر کے بارے میں جو تفصیل آئی ہے اس سے یہی رتبہ حاصل کرنا مقصود ہے کیوں کہ لوگوں کے ذہنوں میں نعمت کا تصور مال اور مالداری کے حوالے سے آتا ہے اسے اطاعت پر خرچ کرنا نہیں لہٰذا صبر، شکر سے افضل ہوگا۔ یعنی وہ صبر جسے عام لوگ صبر سمجھتے ہیں وہ اس شکر سے افضل ہے جو عام لوگوں کے ذہن میں ہے حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے خاص اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے جب آپ سے پوچھا گیا کہ صبر و شکر میں سے افضل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا مال دار کی تعریف مال کے ہونے سے اور فقیر کی تعریف مال کے نہ ہونے سے نہیں ہوتی بلکہ دونوں کی تعریف ان شرائط کو پورا کرنے سے ہوتی ہے جو ان پر لازم ہیں تو مال دار کی حالت کی شرائط میں سے ایسی باتیں ہیں جو اس کی صفت، نفع اندوزی اور لطف اندوزی کے مطابق ہیں اور فقیر کی شرائط میں ایسی باتیں ہیں جو اس کو ایذا دیتی اور بے قرار کرتی ہیں اور جب یہ دونوں اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لیے ان شرائط کو قائم کرتے ہیں تو جو شخص اپنے آپ کو تکلیف دے گا اور بے قرار کرے گا وہ اس سے کامل حال والا ہوگا جو اسے عیش میں رکھے گا اور بات وہی ہے جو حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمائی ہے لیکن یہ بات صبر و شکر کی اقسام میں سے صرف آخری قسم پر صادق آتی ہے جو اقسام ہم نے ذکر کی ہیں اور انہوں نے اس کے علاوہ کا ارادہ نہیں فرمایا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو العباس بن عطا اس سلسلے میں ان کی مخالفت کرتے تھے انہوں نے فرمایا مالدار شاکر، صابر فقیر سے افضل ہے اس پر حضرت جنید رحمہ اللہ نے ان کے خلاف بددعا کی تو ان کو اولاد کے قتل، مال کے ضیاع اور عقل کے زوال کے حوالے سے چودہ سال تک سخت ابتلا میں رہنا پڑا وہ فرمایا کرتے تھے مجھے حضرت جنید رحمہ اللہ کی بددعا لگ گئی چنانچہ انہوں نے اپنی بات سے رجوع کیا اور فقیر صابر کو مالدار شاکر پر ترجیح دینے لگے۔

اور جب تم ان معانی پر غور کرو جو ہم نے ذکر کیے ہیں تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ دونوں قوموں کے لیے بعض حالات میں ایک وجہ ہے کئی صابر فقیر، شاکر غنی سے افضل ہوتے ہیں جیسا کہ گزر گیا اور کئی شاکر مالدار صابر فقیر سے افضل ہوتے ہیں اور یہ وہ غنی ہے جو اپنے آپ کو فقیر کی طرح جانتا ہے کیونکہ وہ اپنے لیے حسبِ ضرورت مال روکتا ہے اور باقی مال اچھے کاموں پر خرچ کرتا ہے یا اس لیے جمع کرتا ہے کہ یہ محتاجوں اور مساکین کے لیے جمع ہے وہ دیکھتا رہتا ہے جب کوئی حاجت مند

ہوتا ہے تو اس پر خرچ کرتا ہے پھر اس کا خرچ کرنا شہرت اور عزت کی طلب کے لیے نہیں ہوتا نہ احسان جتاتا ہے بلکہ بندوں پر مہربانی کر کے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کرتا ہے تو ایسا مالدار، صبر کرنے والے فقیر سے افضل ہے۔

سوال :-

یہ بات نفس پر مشقت کا باعث نہیں ہوتی جب کہ فقیر پر محتاجی گراں گزرتی ہے کیوں کہ یہ قدرت کی لذت کا شعور دیتا ہے جب کہ فقر صبر کے دکھ سے آگاہ کرتا ہے اور اگر اسے مال کی جدائی کا دُکھ ہو تو یہ دُکھ خرچ کرنے پر قدرت کی لذت سے زائل ہو جاتا ہے۔

جواب :-

جو کچھ ہم دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ جو شخص رغبت اور خوش دلی سے اپنا مال خرچ کرتا ہے اس کا حال اس سے زیادہ کامل ہوتا ہے جو بخل کے ساتھ خرچ کرتا ہے اور نفس پر جبر کر کے مال کو جدا کرتا ہے ہم نے توبہ کے بیان میں اس کی تفصیل ذکر کی ہے تو نفس کو دکھ پہنچانا ذاتی طور پر مقصود نہیں بلکہ یہ اس کو ادب سکھانے کے لیے ہوتا ہے اور یہ شکاری کتے کو مارنے کی طرح ہے اور سدھایا ہوا کتا اس کتے سے زیادہ کامل ہوتا ہے جو مار کھانے کا محتاج ہو اگرچہ وہ مار پر صبر کرتا ہے اسی لیے وہ شروع میں تکلیف اور مجاہدے کا محتاج ہوتا ہے اور آخر میں اسے ان دونوں باتوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی بلکہ آخر میں وہ بات جو تکلیف دِہ تھی اس کے نزدیک لذیذ بن جاتی ہے جس طرح عقلمند بچے کے نزدیک حصولِ علم لذیذ ہو جاتا ہے حالانکہ شروع شروع میں اس کے لیے تکلیف دِہ تھا۔ لیکن جب سوائے تھوڑے سے لوگوں کے سب لوگ شروع میں بلکہ بہت پہلے سے بچوں کی طرح تھے تو حضرت جنید رحمہ اللہ نے مطلقاً فرمایا کہ جو شخص اپنے نفس کو تکلیف دے وہ افضل ہے تو عام مخلوق کے اعتبار سے ان کی بات صحیح ہے۔

تو اس صورت میں جب تفصیلی جواب مقصود نہ ہو بلکہ اکثر مخلوق کے اعتبار سے مطلق بیان کرنا ہو کہ صبر شکر سے افضل ہے تو یہ اس معنیٰ کے اعتبار سے صحیح ہے جسے عوام سمجھتے ہیں اور جب تحقیق کا ارادہ ہو تو تفصیل سے بیان کرو کیوں کہ صبر کے کئی درجے ہیں سب سے کم درجہ ناپسندیدگی کی حالت میں شکایت نہ کرنا ہے اور ان درجات سے اوپر مقامِ رضا ہے رضا صبر سے اوپر ہے اور اس سے آگے مصیبتوں پر شکر کرنا ہے جو رضا سے بھی اوپر ہے کیوں کہ صبر دکھ اور تکلیف کے ساتھ ہوتا ہے جب کہ رضا اس صورت میں بھی ممکن ہے جس میں دُکھ اور خوشی دونوں نہ ہوں اور شکر صرف پسندیدہ صورت میں ہوتا ہے جس پر خوشی حاصل ہوتی ہے اسی طرح شکر کے بھی کئی درجات ہیں ہم نے اعلیٰ درجہ ذکر کیا ہے اور ان میں کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جو ان مراتب کی نسبت سے کمتر ہیں۔

بندے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل آنے والی نعمتوں سے حیا کرنا شکر ہے، شکر میں کوتاہی کی معرفت بھی شکر ہے، نعمتِ شکر سے عذر پیش کرنا بھی شکر ہے اللہ تعالیٰ کی عظیم رُوبادی اور اس کی طرف سے ردہ پوشی کی معرفت بھی شکر ہے

marfat.com

اس بات کا اعتراف کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں اس کے استحقاق کے بغیر عطا فرمائی ہیں، شکر ہے، اس بات کا علم بھی شکر ہے کہ شکر بھی ایک نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا ہے نعمتوں میں اچھی طرح تواضع اور انکسار بھی شکر ہے، جو شخص نعمت ملنے کا واسطہ ہو اس کا شکر ادا کرنا بھی شکر ہے کیوں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ۔ جو شخص بندوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ (۱)

اور اس کی حقیقت ہم نے اسرارِ زکوٰۃ کے بیان میں ذکر کی ہے منعم کے ساتھ اعتراض کم کرنا اور حسن ادب اختیار کرنا بھی شکر ہے نعمتوں کو اچھی طرح قبول کرنا اور چھوٹی نعمتوں کو بڑا سمجھنا بھی شکر ہے۔

شکر و صبر کے تحت جو اعمال آتے ہیں ان کو ایک ایک کر کے شمار کرنا مشکل ہے اور ان کے مختلف درجات تو اجمالی طور پر کس طرح ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی جا سکتی ہے۔ ہاں عام لفظ بول کر خاص مراد لیا جا جس طرح احادیث و آثار میں آیا ہے ایک بزرگ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے کسی سفر میں ایک بوڑھے بزرگ کو د جس کی عمر بہت زیادہ ہو چکی تھی میں نے ان کی حالت پوچھی تو انہوں نے فرمایا میں بچپن میں اپنے چچا کی بیٹی پر عاشق تھا بھی مجھ سے محبت کرتی تھی اتفاق ایسا ہوا کہ اس نے مجھ سے شادی کر لی شبِ زفاف میں نے اس سے کہا اٹھو یہ رات اللہ تعالیٰ کے شکر میں گزاریں کہ اس نے ہمیں اکٹھا کیا پس ہم رات بھر نوافل پڑھتے رہے اور ہم میں سے ایک بھی دوسرے کے لیے فارغ نہ ہوا۔ دوسری رات ہوئی تو بھی ہم نے یہی کیا اور رات بھر نماز پڑھتے رہے۔ ہم ستر یا اسی سال سے ہیں رات اسی حالت پر ہوتے ہیں پھر اس نے بڑھیا سے پوچھا کہ کیا یہی بات نہیں ہے؟ بڑھیا نے کہا جس طرح یہ بزرگ فرما ہیں اسی طرح ہوا ہے تو تم ان دونوں کو دیکھو اگر اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جمع نہ کرتا اور وہ جدائی کی مصیبت پر صبر کر لیتے اور اس صبر کو اس انداز میں حاصل وصال کی طرف نسبت کی جاتی تو مخفی نہیں کہ یہ شکر افضل ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ کس کو کس پر فضیلت ہے، تفصیل کے بغیر اس کا علم نہیں ہو سکتا۔

اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۵۸ مرویات ابی ہریرہ

marfat.com

۳:- خوف اور امید کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کے لطف و ثواب کی امید رکھی جاتی ہے اور اس کے عذاب سے خوف کھایا جاتا ہے جس نے اولیاء کرام کے دلوں کو اپنی امید کی رُوح سے آباد کیا حتیٰ کہ اس نے اپنی رحمتوں کے لطائف سے ان کو اپنی بارگاہ میں اتارا اور ان کو مصیبتوں کے گھر سے پھیر دیا جو اس کے دشمنوں کا ٹھکانہ ہے اس نے ڈرانے کے کوڑوں اور سخت جھڑک کے ساتھ منہ پھیرنے والوں کے چہروں کو اپنے ثواب و کرامت والے گھر کی طرف پھیر دیا نیز ان کو اپنی ناراضگی اور عذاب کا نشانہ بننے سے بچایا مختلف قسم کی مخلوق کو قہر کی زنجیروں اور نرمی اور لطف کی لگاموں کے ذریعے اپنی جنت کی طرف چلایا۔

اور رحمتِ کاملہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو جو اس کے انبیاء کرام کے سردار اور مخلوق میں سے سب سے بہتر ہیں اور آپ کے آل و اصحاب اور اولاد پر بھی رحمت ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد ——— امید اور خوف دو ایسے پَر ہیں جن کے ذریعے مقربین ہر مقام محمود کی طرف پرواز کرتے ہیں اور ایسی دو سواریاں ہیں جن کے ذریعے وہ ہر مشکل اور پیچیدہ گھاٹی سے گزر کر آخرت کا سفر طے کرتے ہیں۔ تو رحمٰن کے قرب اور جنتوں کی رُوح جس کی امید بہت بعید اور سامان بہت بھاری ہے دلوں کی ناپسندیدگی اور اعضاء کی مشقتوں سے ڈھانپی ہوتی ہے، اس تک امید کی لگاموں کے ذریعے ہی پہنچا جا سکتا ہے۔

اور نارِ جہنم اور دردناک عذاب جو لطیف خواہشات اور عجیب لذتوں سے گھری ہوتی ہے اس سے رکاوٹ ڈرانے اور سختی کے کوڑوں کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

لہٰذا ان دونوں (خوف اور امید) کی حقیقت اور فضیلت اور ان دونوں کے تضاد کے باوجود ان کو جمع کرنے کی رسائی کا حصول کیسے ہو سکتا، کا بیان کرنا ضروری ہے ہم ان کو ایک ہی بیان میں جمع کریں گے جو دو حصوں پر مشتمل ہوگا پہلا بیان امید کا اور دوسرا خوف کا ہوگا۔

پہلے بیان میں امید کی حقیقت اس کی فضیلت، اس کی دوا اور اس طریقے کا بیان ہوگا جس کے ذریعے امید حاصل کی جا سکتی ہے۔

marfat.com

فصل ۱۱

امید کی حقیقت

جان لو! امید (رجاء) سالکین کے مقامات اور طالبین کے احوال میں سے ہے جب کوئی وصف ثابت و قائم ہو
اسے مقام کہا جاتا ہے اور جب وہ (وصف) عارضی ہو جلد زائل ہونے والا ہو تو اسے حال کہتے ہیں جس طرح زردی کی تین
قسمیں ہیں ایک وہ جو ثابت و قائم ہے جیسے سونے کی زردی، دوسری وہ جو جلدی زائل ہوتی ہے جیسے خوف کی وجہ سے
چہرے کا زرد ہو جانا اور تیسری ان دونوں کے درمیان ہے جیسے مریض کی زردی۔

اسی طرح دل بھی ان اقسام میں تقسیم ہوتا ہے جو ثابت نہیں ہوتا اسے حال کہتے ہیں کیوں کہ وہ فوری طور پر بدل جاتا
اور یہ دل کے تمام اوصاف میں جاری ہوتا ہے اور اس وقت ہماری غرض امید کی حقیقت بیان کرتا ہے تو رجاء (امید)
بھی حال، علم اور عمل سے مکمل ہوتی ہے تو علم، حال کا سبب ہے اور حال عمل کو چاہتا ہے اور امید ان تینوں کے مجموعہ
کا نام ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ تمہیں جو کچھ پیش آتا ہے وہ مکروہ ہوگا یا محبوب پھر وہ اس وقت موجود ہوگا یا ماضی
میں تھا یا مستقبل میں اس کا انتظار ہے۔

اگر تمہارے دل میں وہ بات کھٹکے جو ماضی میں موجود تھی تو اس کو ذکر اور تذکر کہا جاتا ہے اور اگر اس وقت موجود ہے
تو وہ وجد، ذوق اور ادراک ہے اسے وجدان اس لیے کہتے ہیں کہ یہ حالت اس وقت تمہارے دل میں پائی جاتی ہے اور اگر
مستقبل میں کسی چیز کے پائے جانے کا احتمال ہے اور تمہارے دل پر غالب ہے تو اس کو انتظار اور توقع کہتے ہیں اور
جس کا انتظار ہے اگر وہ مکروہ ہے جس سے دل میں دکھ اور تکلیف پیدا ہوتی ہے تو اسے خوف اور اشفاق کہتے ہیں
اور اگر وہ پسندیدہ ہے اس کا انتظار ہے اور دل کا اس سے تعلق پیدا ہو چکا ہے اور اس سے دل کو لذت اور
آرام پہنچ رہا ہے تو اسے رجاء (امید) کہتے ہیں تو گویا رجاء دل کی راحت کا نام ہے جو محبوب چیز کے انتظار سے حاصل
ہوتی ہے۔

لیکن یہ محبوب جس کی توقع کی جا رہی ہے اس کا کوئی سبب ہونا چاہیئے اب اگر اس کا انتظار اکثر اسباب کے
ساتھ ہے تو اس پر رجاء کا لفظ صادق آتا ہے اور اگر اسباب بالکل نہ ہوں یا اضطراب کے ساتھ ہوں تو اس پر دھوکے
اور بیوقوفی کا لفظ رجاء کے مقابلے میں زیادہ صادق آتا ہے اور اگر اسباب کا وجود بھی معلوم نہ ہو اور ان کی نفی کا علم بھی نہ
ہو تو اس کے انتظار پر تمنا کا نام زیادہ صادق آتا ہے کیوں کہ یہ انتظار کسی سبب کے بغیر ہے کوئی بھی حالت ہو رجاء اور
خوف کا نام اسی پر صادق آتا ہے جس میں تردد ہو جس کے بارے میں یقین ہو اس پر نہیں کیوں کہ طلوعِ آفتاب کے وقت

marfat.com

یہ نہیں کہا جاتا کہ مجھے طلوعِ آفتاب کی امید ہے اور وقتِ غروب یہ نہیں کہا جاتا کہ مجھے غروبِ آفتاب کا خوف ہے کیوں یہ دونوں باتیں قطعی ہیں۔

ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مجھے بارش کے نزول کی امید اور اس کے نہ ہونے کا ڈر ہے اور ارباب قلوب جانتے ہیں کہ دنیا، آخرت کی کھیتی ہے اور دل زمین کی طرح ہے ایمان اس میں بیج کی حیثیت رکھتا ہے اور عبادت زمین کو الٹ پلٹ کرنے، صاف کرنے اور نہریں کھودنے اور ان (زمینوں) کی طرف پانی جاری کرنے کی طرح ہیں اور وہ دل جو دنیا میں غرق اور ڈوبا ہوا ہے اس بنجر زمین کی طرح ہے جس میں بیج، ثمر آور نہیں ہوتا اور قیامت کا دن فصل کاٹنے کا دن ہے اور ہر شخص وہی کچھ کاٹے گا جو اس نے بویا ہوگا اور کھیتی کا بڑھنا ایمان کے بیج کے بغیر ناممکن ہے اور جب دل میں خباثت اور برے اخلاق ہوں تو ایمان بہت کم نفع دیتا ہے۔ جیسے بنجر زمین میں بیج سے فصل پیدا نہیں ہوتی۔

تو مناسب یہی ہے کہ بندے کی امیدِ مغفرت کو کھیتی والے پر قیاس کیا جائے جو شخص اچھی زمین حاصل کرتا ہے اور اس میں عمدہ بیج ڈالتا ہے جو نہ تو خراب ہوتا ہے اور نہ ہی بدبودار، اور پھر اس کی تمام ضروریات کو پورا کرتا ہے اور وہ وقت پر پانی دینا پھر زمین کو کانٹوں اور گھاس پھونس نیز ان تمام خرابیوں سے پاک کرتا ہے جو بیج کو بڑھنے سے روکتی ہیں یا خراب کر دیتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ کے فضل کا منتظر ہو کر بیٹھ جائے کہ وہ زمین کو بجلی کی گرج اور دیگر مفسد آفات سے بچائے گا یہاں تک کہ کھیتی اپنی تکمیل کو پہنچ جائے تو اس کو انتظار اور رجاء کہتے ہیں۔

اور اگر سخت زمین میں بیج ڈالے جو شورزدہ ہو اور بلندی پر ہو جس تک پانی نہیں پہنچ سکتا اور بیج کی پرواہ بھی نہ کرے پھر اس کے کٹنے کا انتظار کرے تو اس انتظار کو بیوقوفی اور دھوکہ کہتے ہیں امید نہیں کہتے اور اگر اچھی زمین میں بیج ڈالا لیکن اس میں پانی نہیں ہے اب وہ بارش کے انتظار میں ہے اور یہ ایسا وقت ہے جس میں عام طور پر بارش نہیں برستی اور نہ ہی اس میں کوئی رکاوٹ ہوتی ہے تو اس انتظار کو تمنا کہتے ہیں رجاء نہیں کہتے۔

تو گویا رجاء کا لفظ کسی ایسی محبوب چیز کے انتظار پر صادق آتا ہے جس کے لیے وہ تمام اسباب تیار کر دیئے گئے جو بندے کے اختیار میں ہیں صرف وہی اسباب باقی رہ گئے جو بندے کی اختیار میں نہیں ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کی وجہ سے تمام نقصان دہ اور فاسد کرنے والے اسباب کھیتی سے دور ہو جاتے ہیں پس جب بندہ ایمان کا بیج ڈالتا ہے اور اس کو عبادات کا پانی پلاتا ہے دل کو بداخلاقی کے کانٹوں سے پاک کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل کا مرتے دم تک منتظر رہتا ہے حسن خاتمہ جو مغفرت تک پہنچاتا ہے اس کا انتظار کرتا ہے تو یہ انتظار حقیقی رجاء (امید) ہے یہ ذاتی طور پر قابلِ تعریف ہے اور موت تک اسبابِ ایمان کے مطابق اسبابِ مغفرت کی تکمیل کے لیے قیام اور دوام کا باعث ہے اور ایمان کے بیج کو عبادات کا پانی نہ دیا جائے یا دل کو برے اخلاق سے ملوث چھوڑ دیا جائے اور دنیاوی لذت میں منہمک ہو جائے پھر مغفرت کا انتظار کرے تو اس کا انتظار ایک بیوقوف اور دھوکے میں مبتلا شخص کا انتظار ہے نبی اکرم !

marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلاَحْمَقُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ الْجَنَّةَ۔ (۱)

بیوقوف وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لاتا ہے اور (اس کے باوجود) اللہ تعالیٰ سے جنت کی تمنا کرتا ہے

ارشاد خداوندی ہے:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا۔ (۲)

پس ان لوگوں کے بعد کچھ ناخلف آئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات کے پیچھے پڑ گئے پس عنقریب وہ گمراہی سے مل جائیں گے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا۔ (۳)

پس ان کے بعد کچھ ناخلف آئے جو کتابِ خداوندی کے وارث ہوئے وہ اس دنیا کا سامان لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہماری بخشش ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے اس باغ والے کی مذمت فرمائی جو باغ داخل ہوتے وقت کہتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے

مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا۔ (۴)

میں نہیں سمجھتا کہ یہ کبھی فنا ہوگا اور میرا خیال نہیں کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر مجھے اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو میں ضرور اس سے اچھی جگہ لوٹنے کی پاؤں گا۔

تو وہ بندہ جو عبادات میں کوشش کرتا اور گناہوں سے بچتا ہے وہ اس لائق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نعمت کے پورا ہونے کی توقع رکھے اور نعمت کی تکمیل جنت میں داخل ہونے سے ہوگی، جہاں تک گناہوں کا تعلق ہے تو جب وہ توبہ کرے اور کوتاہی کا تدارک کر لے تو وہ اس لائق ہے کہ قبولیتِ توبہ کی امید رکھے اور جہاں تک اس صورت میں توبہ کی قبولیت کا تعلق ہے جب وہ گناہ کو ناپسند کرتا ہو برائی اسے بری لگتی ہو اور نیکی سے خوش ہوتا ہو نفس کی خدمت کرے اور اس

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۴ مرویات شداد بن اوس

(۲) قرآن مجید، سورۂ مریم آیت ۵۹

(۳) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۱۶۹

(۴) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۳۵

marfat.com

کو ملامت کرے نیز توبہ کی خواہش رکھے اور اس کا مشتاق ہو تو اس لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کی توفیق کی امید رکھے کیوں کہ اس گناہ کو ناپسند کرنا اور توبہ پر حریص ہونا اس سبب کے قائم مقام ہے جو توبہ تک لے جاتا ہے۔ اور امید، سبب کے پکا ہونے کے بعد ہوتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ۔ (۱)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت کی اور جہاد کیا وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید کے مستحق ہیں اس سے خاص امید کا پایا جانا مراد نہیں ہے کیوں کہ دوسرے لوگ بھی امید رکھتے ہیں لیکن اِن کو امید کے استحقاق کے ساتھ خاص کیا۔

لیکن جو شخص ان کاموں میں منہمک ہو جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں وہ اپنے نفس کی مذمت بھی نہ کرے اور نہ ہی توبہ اور رجوع کا قصد کرے تو اس شخص کا مغفرت کی امید رکھنا بیوقوفی ہے جیسے وہ شخص جو شوریدہ زمین میں بیج ڈالتا ہے اور اسے پانی دینے اور صاف کرنے کی طرف توجہ نہیں کرتا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے نزدیک سب سے بڑا دھوکہ یہ ہے کہ معافی کی امید پر ندامت کے بغیر بڑی گناہوں میں بڑھتا جائے اطاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ کے قرب کی توقع رکھے جہنم کا بیج ڈال کر جنت کی کھیتی کا منتظر ہے گناہوں کے ساتھ عبادت گزار لوگوں کے گھر کا طالب ہو، عمل کے بغیر جزا کا انتظار کرے اور زیادتی کے باوجود اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرے۔

نَرْجُوالنَّجَاةَ وَلَمْ نَسْلُكْ مَسَالِكَهَا اِنَّ السَّفِیْنَةَ لَا تَجْرِیْ عَلَی الْیَبَسِ۔

ہم نجات کی امید رکھتے ہیں لیکن اس کے راستوں پر نہیں چلتے یقیناً کشتی خشکی پر نہیں چلتی۔

جب تمہیں امید کی حقیقت معلوم ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ ایک حالت ہے جو اکثر اسباب کے جاری ہونے کے بعد علم کے نتیجہ کے طور پر سامنے آتی ہے اور یہ حالت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ جس قدر ممکن ہو باقی اسباب کے لیے بھی کوشش کی جائے کیوں کہ جو شخص اچھا بیج ڈالتا ہے زمین کو ٹھیک کرتا ہے پانی اچھی طرح دیتا ہے تو اس کی امید سچی ہوتی ہے اور وہ امید اسے ہمیشہ زمین کی دیکھ بھال اور اس میں اگنے والے کانٹوں کو صاف کرنے کی طرف متوجہ کرتی رہتی ہے پس وہ اس وقت تک اس کی خبر گیری میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا کیوں کہ امید، نا امیدی کی ضد ہے اور نا امیدی اس کی خبر گیری کی راہ میں رکاوٹ ہوتی ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ بقرہ آیت ۲۱۸

marfat.com

تو جس شخص نے اس بات کو مان گیا کہ زمین کلر اور شور والی ہے پانی بھی کم ہے جو بیج اگانے کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ یقینی طور پر اس کے نگرانی اور دیکھ بھال چھوڑ دیتا ہے اور اس کے لیے آپ کو تھکاتا نہیں اور امید محمود ہے کیوں کہ وہ (نیکی کا) باعث ہے اور ناامیدی مذموم ہے اور وہ امید کی ضد ہے کیوں کہ وہ عمل سے دُور رکھتی ہے جب کہ خوف امید کی ضد نہیں ہے بلکہ اس کا رفیق ہے جیسے آگے بیان ہوگا بلکہ وہ ڈر کے اعتبار سے (عمل کا) دوسرا باعث ہے جس طرح امید بطور رغبت باعثِ عمل ہے۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ امید کی حالت اعمال کے ساتھ طُولِ مجاہدہ کو جنم دیتی ہے اور حالات جس طرح بھی بدلیں اطاعت پر مواظبت ہوتی ہے اور اس کے آثار میں سے ایک علامت یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے اور اس کے ساتھ مناجات سے لطف اندوز ہوتا ہے نیز نرمی کے ساتھ اس کی خوشامد کرتا ہے یہ وہ احوال ہیں جو ہر اس شخص پر لازماً ظاہر ہوتے ہیں جو کسی بادشاہ یا کسی بھی شخص سے امید رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حق میں ان احوال کا ظہور کیوں نہیں ہوگا اور اگر حالات کا ظہور نہیں ہوتا تو وہ مقامِ امید سے محروم اور دھوکے اور تمنا کی پستی میں گرا ہوا ہے۔

تو امید کے حال کا یہ بیان ہے اور یہ علم سے پیدا ہوتی ہے اور خود عمل کو جنم دیتی ہے اور اس سے اعمال کے پیدا ہونے پر حضرت زید الخیل رضی اللہ عنہ کی یہ روایت دلالت کرتی ہے انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا میں آپ سے اس شخص کی علامت پوچھوں جس سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اور اس کی علامت، جس کے لیے وہ اس بات کا ارادہ نہیں کرتا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم نے صبح کس حالت میں کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا میں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ میں بھلائی اور اہل خیر سے محبت کرتا ہوں اور جب میں کسی نیکی پر قادر ہوتا ہوں تو اس کی طرف جلدی کرتا ہوں نیز ثواب (کے ملنے) پر یقین رکھتا ہوں اور جب مجھ سے کوئی عمل چھوٹ جاتا ہے تو اس پر غمگین ہوتا ہوں اور اس کا مشتاق ہوتا ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اس کی یہی علامت ہے اور اس کا ارادہ دوسرا ہو تو وہ تمہیں اس کے لیے آمادہ کرتا پھر وہ اس بات کی پرواہ نہ کرتا کہ تم کس وادی میں ہلاک ہوتے ہو (۱)

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی علامت بیان کی جس کے ساتھ وہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو جو آدمی ان علامات کے علاوہ بھلائی کے لیے مراد بننے کی امید رکھے وہ دھوکے میں ہے۔

فصل ۲

امید کی فضیلت اور ترغیب

جاننا چاہیئے کہ امید کے ساتھ عمل کرنا، خوف کے ساتھ عمل کرنے سے اعلیٰ ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۱ ص ۱۰۴، ۱۰۵ حدیث ۳۰۸۰۸

marfat.com

میں سے وہ لوگ اس کے زیادہ قریب ہیں جو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں اور محبت، امید پر غالب آتی ہے اور اسے دو بادشاہوں پر قیاس کیجئے ان میں سے ایک کی خدمت اس کی سزا کے خوف سے کی جاتی ہے اور دوسرے کی خدمت انعام ملنے کی امید پر ہوتی ہے اسی لیے امید اور حسن ظن کے بارے میں بہت زیادہ ترغیب آئی ہے بالخصوص موت کے وقت ایسے کرنے کی بہت زیادہ ترغیب آئی ہے

ارشاد خداوندی ہے :-

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

تو ناامیدی اصلاً حرام ہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی خبروں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی اور پوچھا کیا آپ جانتے ہیں کہ میں نے کیوں آپ کے اور آپ کے بیٹے کے درمیان جدائی ڈالی ؟ (خود ہی فرمایا) اس لیے کہ آپ نے فرمایا مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اسے بھیڑیا کھالے گا اور تم اس غافل ہو گے آپ نے بھیڑیے کا ڈر کیوں محسوس کیا اور مجھ سے امید قائم نہ کی اور آپ نے ان کے بھائیوں کی غفلت کو کیوں دیکھا اور میری حفاظت کا انتظار نہ کیا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا یَمُوْتَنَّ اَحَدُکُمْ اِلَّا وَھُوَ یُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ تَعَالٰی۔ (۲) تم میں کسی کو ہرگز موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اچھا گمان رکھتا ہو۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ فَلْیَظُنَّ بِیْ مَا شَاءَ (۳) بندہ مجھے اپنے گمان کے مطابق پاتا ہے تو میرے بارے میں جو گمان چاہے کرے (یعنی اچھا گمان کرے)

ایک شخص جانکنی کی حالت میں تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے آپ نے پوچھا اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو ؟ اس نے عرض کیا میں اپنے آپ کو یوں پاتا ہوں کہ مجھے اپنے گناہوں کا خوف بھی ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید بھی رکھتا ہوں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۵۳

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۸۰ کتاب الجنۃ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۱۵ مرویات ابی ہریرہ

marfat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا اجْتَمَعَا فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ فِیْ هٰذَا الْمَوْطِنِ اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ مَا رَجَا وَاٰمَنَهٗ مِمَّا یَخَافُ۔ (۱)

اس وقت (وقتِ موت) میں کسی بندے کے دل میں یہ دونوں باتیں (امید اور خوف) جمع نہیں ہوتیں مگر اللہ تعالیٰ اسے اس کی امید کے مطابق عطا فرماتا ہے اور جس سے اس کو خوف ہوتا ہے اس سے اسے محفوظ رکھتا ہے۔

ایک شخص جو گناہوں کی کثرت کے باعث خوف کی وجہ سے مایوسی کا شکار ہو گیا تھا اس سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے فلاں! تمہارا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا تمہارے گناہوں سے بھی بڑا جرم ہے۔

اور حضرت سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا جو شخص کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے پھر وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس پر قدرت دی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش کی امید رکھتا ہو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے وہ فرماتے ہیں یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کا عیب یوں ذکر فرمایا۔

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ۔ (۲)

اور یہ ہے تمہارا وہ گمان جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا تو اس نے تمہیں ہلاک کر دیا۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا۔ (۳)

اور تم نے برا گمان کیا اور تم ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندے سے پوچھے گا کہ جب تم نے برائی دیکھی تو تجھے کس چیز نے اس کو روکنے سے منع کیا پھر اگر اللہ تعالیٰ اسے اس کی دلیل سکھائے گا تو وہ کہے گا یا اللہ! مجھے تیری رحمت کی امید تھی اور لوگوں سے ڈرتا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تجھے بخش دیا۔ (۴)

صحیح حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا تو وہ مال دار سے درگزر کرتا اور تنگ دست کو معاف

---

(۱) کنز العمال جلد ۲ ص ۴۲ احدیث ۵۸۶۸

(۲) قرآن مجید، سورۂ فصلت آیت ۲۳

(۳) قرآن مجید، سورۂ فتح آیت ۱۲

(۴) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ ص ۹۰ کتاب ادب القاضی

marfat.com

کر دیتا جب اس نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تو اس نے کوئی اچھا کام نہیں کیا تھا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہم سے زیادہ اس بات کے کون لائق ہے ـــــ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے حُسن ظن اور معافی کی امید کی وجہ سے اسے معاف کر دیا حالاں کہ وہ عبادت کے اعتبار سے مفلس تھا۔ (۱)

ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰہِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ۔ (۲)

بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا اس میں پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جس میں گھاٹا نہیں۔

اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَلَخَرَجْتُمْ اِلَی الصُّعُدَاتِ تَجْئَرُوْنَ اِلَی رَبِّکُمْ۔ (۳)

اگر تمہیں وہ بات معلوم ہوتی جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے اور تم گھاٹیوں کی طرف چڑھتے تمہارے سینے مضطرب ہوئے اور تم اپنے رب کے سامنے گڑگڑاتے۔

تو حضرت جبریل علیہ السلام اترے اور عرض کیا آپ کا رب فرماتا ہے کہ آپ میرے بندوں کو کیوں ناامید کرتے ہیں چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور صحابہ کرام کو امید اور شوق دلایا۔

ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ مجھ سے محبت کریں اور جو لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں ان سے بھی محبت کریں اور لوگوں کے دلوں میں میری محبت پیدا کریں انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! میں لوگوں کے دلوں میں تیری محبت کیسے ڈالوں؟ فرمایا میرا اچھا تذکرہ کریں اور میری نعمتوں اور احسان کا ذکر کریں اور ان کو یہ بات یاد دلاتے رہیں کیوں کہ وہ مجھ سے صرف احسان کو ہی جانتے ہیں۔

حضرت ابان بن ابی عیاش رحمہ اللہ امید کا زیادہ ذکر کرتے تھے تو کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کرتے تھے؟ انہوں نے عرض کیا میں چاہتا تھا کہ تیری مخلوق کے دل میں تیری محبت ڈالوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تمہیں بخش دیا۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۸ کتاب المساقاۃ

(۲) قرآن مجید سورۂ فاطر آیت ۲۹

(۳) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۳۰ کتاب الزھد

marfat.com

اور حضرت یحییٰ بن اکثم رحمہ اللہ کے وصال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ؟ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور فرمایا اے بوڑھے ! تو نے فلاں فلاں کام کیا فرماتے ہیں مجھ پر اس قدر رعب طاری ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے پھر میں نے عرض کیا اے میرے رب ! حدیث شریف کے ذریعے مجھے تیرا یہ حال نہیں بتایا گیا فرمایا تیرے سامنے میرے بارے میں کیا بیان کیا گیا ؟ میں نے کہا مجھ سے حضرت عبدالرزاق نے بیان کیا وہ حضرت معمر سے وہ حضرت زہری (رحمہم اللہ) سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور وہ تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ حضرت جبریل علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ تو نے فرمایا کہ بندہ میرے بارے میں جو گمان کرتا ہے مجھے اسی طرح پاتا ہے پس وہ جو چاہے گمان کرے اور میرا گمان یہ تھا کہ تو مجھے عذاب نہیں دے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام نے سچ کہا میرے نبی نے بھی سچ کہا حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت زہری، حضرت معمر اور حضرت عبدالرزاق (رحمہم اللہ) نے بھی سچ کہا ہے ۔ حضرت یحییٰ بن اکثم رحمہ اللہ فرماتے ہیں پھر مجھے لباس پہنایا گیا اور جنت تک میرے آگے آگے غلام چلے تو میں نے کہا یہ خوشی کی بات ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص لوگوں کو مایوس کرتا اور ان پر سختی کرتا تھا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا آج تو میری رحمت سے مایوس ہوگا جس طرح تو میرے بندوں کو اس سے مایوسی کا شکار کرتا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک شخص جہنم میں جائے گا تو وہاں ایک ہزار سال رہے گا وہ پکارے گا اے حنان ! اے منان ! تو اللہ تعالیٰ حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمائے گا جا کر میرے بندے کو لے آؤ چنانچہ وہ اسے لا کر اس کے رب کے سامنے کھڑا کریں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے اپنی جگہ کو کیسا پایا ؟ وہ عرض کرے گا بہت بری جگہ ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے دوبارہ وہیں لے جاؤ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ چلے گا اور پیچھے مڑ کر بھی دیکھے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو کیا دیکھتا ہے ؟ وہ عرض کرے گا مجھے امید تھی کہ تو مجھے وہاں سے نکالنے کے بعد دوبارہ وہاں نہیں بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے جنت میں لے جاؤ۔ (۱)

تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے امید ہی اس کی نجات کا سبب بنی ہم اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کے ساتھ اس سے حسنِ توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

فصل ۳

امید کی دوا اور حالتِ رجاء کیسے حاصل ہوتی ہے

جاننے چاہیے کہ اس دوا کے محتاج دو (قسم کے) آدمی ہوتے ہیں ایک وہ جس پر مایوسی غالب آجائے اور وہ عبادت

---

(۱) شعب الایمان جلد اول ص ۲۹۲ حدیث ۳۲۰

marfat.com

کرنا چھوڑ دے اور دوسرا وہ جس پر خوف غالب ہو جائے اور وہ عبادت کی پابندی میں حد سے بڑھ جائے حتیٰ کہ اس کے ذریعے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو تکلیف دے یہ دونوں (قسم کے) آدمی راہ اعتدال سے ہٹ کر افراط و تفریط کا شکار ہو گئے لہٰذا یہ ایسے علاج کے محتاج ہیں جو ان کو اعتدال کی طرف لے جائے لیکن وہ شخص جو گناہ کا مرتکب ہے اور دھوکے میں ہے وہ عبادت سے منہ پھیرنے اور گناہوں کے ارتکاب کے باوجود اللہ تعالیٰ سے تمنا کرتا ہے تو اس کے حق میں امید کی دوائیں ہلاکت خیز زہر ہیں اور وہ شہد کی طرح ہیں جو اس شخص کے لیے شفا ہے جس پر سردی غالب ہو جب کہ اس شخص کے لیے مہلک زہر ہے جس پر حرارت غالب ہو بلکہ دھوکے کے شکار شخص کے لیے صرف خوف کی دوائیں استعمال کرنی چاہئیں اور وہ اسباب جو خوف پیدا کریں۔

اسی لیے مخلوق کو وعظ کرنے والے کو نرمی برتنے والا اور بیماریوں کے مقامات سے آگاہ ہونا چاہیے وہ ہر بیماری کا علاج اس کی ضد سے کرے ایسی دوائی نہ دے جس سے بیماری بڑھ جائے کیوں کہ مقصود تو صفات و اخلاق میں اعتدال پیدا کرنا ہے اور بہترین امور وہی ہوتے ہیں جن میں میانہ روی ہو۔ لیکن جب اعتدال کسی ایک طرف کو جھک جائے تو ایسی دوائی کے ساتھ علاج کیا جائے جو اس کو اعتدال کی طرف پھیر دے ایسی دوائی نہیں جو اس کو اعتدال سے کسی ایک طرف کو پھیر دے اور یہ وہ زمانہ ہے جس میں مخلوق کے ساتھ امید (رجاء) کے اسباب استعمال نہ کئے جائیں بلکہ ڈرانے میں مبالغہ بھی ممکن ہے ان کو راہ حق کی طرف نہ لائے۔

لیکن امید کے اسباب کا ذکر تو ان کو بالکل ہی تباہ کر دیتا ہے لیکن چونکہ امید کے اسباب دلوں پر زیادہ ہلکے اور نفوس کے لیے زیادہ لذیذ ہوتے ہیں اور واعظوں کی غرض لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا ہوتی ہے اور ہر حال میں ان کا ثنا خوان رہنا ہوتا ہے اس لیے وہ امید دلانے کی طرف مائل ہوتے ہیں حتیٰ کہ فساد میں اضافہ ہو جاتا ہے اور سرکشی میں منہمک لوگ اپنی سرکشی میں بڑھ جاتے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا عالم وہ شخص ہے جو نہ تو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید کرے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے ان کو بے خوف کرے۔

ہم امید کے اسباب ذکر کرتے ہیں تاکہ وہ مایوس لوگوں کے حق میں استعمال ہوں یا ان کے حق میں جن پر خوف غالب ہے ہم کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں ایسا کر رہے ہیں۔ کیوں کہ قرآن و سنت دونوں خوف اور امید پر مشتمل ہیں اس لیے کہ یہ دونوں مختلف قسم کے مریضوں کی شفاء کے حق میں جامع ہیں تاکہ علماء کرام جو انبیاء کرام کے وارث ہیں ان دونوں کو حسب ضرورت استعمال کریں وہ ماہر طبیب کا طریقہ اختیار کریں بے وقوف معالج کی طرح نہیں جس کے خیال میں ہر دوائی ہر قسم کے مریض کے لیے کارگر ہے جو بھی بیماری ہو۔

حالتِ رجاء کے غالب ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک قیاس اور دوسری آیات و احادیث اور آثار کی تلاش۔

marfat.com

قیاس یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے شکر کے باب میں مختلف نعمتوں کا ذکر کیا ہے ان میں غور و فکر کرے حتی کہ جب اسے اللہ تعا
کی نعمتوں کے لطائف کا علم ہو جائے جو اس نے دنیا میں اپنے بندوں کے لیے رکھے ہیں اور اس کی حکمتوں کے وہ عجائب
جن کی فطرتِ انسانی میں رعایت فرمائی ہے حتی کہ اس نے اس کے لیے دنیا میں ہر وہ چیز تیار کی ہے جو اس کے بقائے وجو
کے لیے ضروری ہے جس طرح آلاتِ غذا، اور جن کا وہ محتاج ہے جیسے انگلیاں، ناخن اور جو کچھ انسان کے لیے زینت ہے
جیسے ابروؤں کا قوس کی شکل میں ہونا آنکھوں کے رنگوں میں اختلاف اور ہونٹوں کی سرخی وغیرہ جن کے نہ ہونے سے
انسانی غرض میں خلل واقع نہ ہوتا صرف حسن و جمال میں فرق پڑتا۔

تو اللہ تعالیٰ کی عنایت جب اس قسم کی باریک باتوں میں اس کے بندوں سے کوتاہ نہیں ہوتی حتی کہ وہ اس بات پر
راضی نہیں کہ ان سے زوائد چھوٹ جائیں اور زینت و حاجت کی اشیاء باقی نہ رہیں تو وہ ان کو ابدی ہلاکت کی طرف لے جا
کو کیسے پسند فرمائے گا بلکہ اگر انسان ثانی نظر سے دیکھے تو اسے معلوم ہو گا کہ اکثر مخلوق کے لیے دنیا میں اسبابِ سعادت
تیار کئے گئے ہیں حتی کہ وہ موت کے ذریعے دنیا سے منتقل ہونا پسند نہیں کرتا اگرچہ اسے بتایا جائے کہ موت کے بعد اسے
کبھی بھی عذاب نہیں ہو گا یا وہ بالکل زندہ ہی نہیں کیا جائے گا تو ان کا موت کو پسند کرنا معدوم ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس
لیے ہے کہ نعمتوں کے اسباب لامحالہ غالب ہیں اور موت کی تمنا کرنے والے لوگ بہت کم ہیں پھر یہ تمنا بھی نادر حالت اور عجیب
حادثہ کے وقت ہوتی ہے۔

تو جب دنیا میں اکثر لوگوں کی غالب حالت خیر و سلامتی ہے تو تم اللہ تعالیٰ کے طریقے میں تبدیلی نہیں پاؤ گے تو غالب
یہی ہے کہ آخرت کا معاملہ بھی اسی طرح ہو گا کیوں کہ وہ دنیا اور آخرت کی تدبیر کرنے والا تو ایک ہی ہے اور وہ غفور ہے
رحیم ہے بندوں پر مہربان ہے تو جب اچھی طرح غور کیا جائے تو اس سے امید کے اسباب قوی ہو جاتے ہیں۔ حکمت
شریعت میں غور کرنا بھی قیاس ہے نیز مصالح دینوی کو بروئے کار لانے اور ان کے ذریعے بندوں پر رحمت کی وجہ بھی
پیش نظر رکھی جائے حتی کہ بعض عارفین سورۃ بقرہ کی قرض سے متعلق آیت کو بھی امید کے مضبوط اسباب میں سے دیکھتے
تھے پوچھا گیا کہ اس میں امید کا پہلو کہاں ہے؟ تو انہوں نے فرمایا تمام دنیا قلیل ہے اور اس میں سے انسان کا رزق تھوڑا ہے
اور قرض اس رزق سے بھی تھوڑا ہے تو دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں نہایت طویل آیت نازل فرمائی
تاکہ بندہ اپنے دین کی حفاظت میں احتیاط کے طریقے کی راہنمائی حاصل کرے تو جس دین کا کوئی عوض نہیں اس کی احتیاط نہیں
کرے گا؟

دوسری صورت آیات و احادیث کی تلاش ہے تو امید کے بارے میں بے شمار آیات و احادیث وارد ہوئی ہیں۔

آیات :-

ارشاد خداوندی ہے :-

marfat.com

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (۱)

آپ فرما دیجئے اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی کہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک قرأت میں ہے۔

وَلَا يُبَالِي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (۲)

اور وہ پرواہ نہ کرے بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَن فِي الْأَرْضِ۔ (۳)

اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اور زمین والوں کے لیے بخشش طلب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے جہنم اپنے دشمنوں کے لیے تیار کیا ہے اور اپنے دوستوں کو اس سے ڈرایا ہے۔ ارشاد فرمایا۔

لَهُم مِّن فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِن تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ذَٰلِكَ يُخَوِّفُ اللَّهُ بِهِ عِبَادَهُ۔ (۴)

ان کے لیے ان کے اوپر آگ کے سائبان ہیں اور نیچے بھی اور اللہ تعالیٰ اسے اپنے بندوں (مسلمانوں) کو ڈراتا ہے

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ۔ (۵)

اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا

پس میں نے تم کو ڈرایا روشن ہونے والی آگ سے اس

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۵۳

(۲) جامع ترمذی ص ۴۶۶، ابواب التفسیر

(۳) قرآن مجید سورۂ شوریٰ آیت ۵

(۴) قرآن مجید سورۂ زمر آیت ۱۶

(۵) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۱۳۱

marfat.com

الْاَشْقَى الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی۔ (۱)

میں وہی بدبخت داخل ہوگا جس نے جھٹلایا اور پھر گیا۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ۔ (۲)

بے شک تمہارا رب لوگوں کے لیے ان کے ظلم پر بخشش فرمانے والا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لیے مسلسل دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ کہا گیا کہ کیا آپ اب بھی راضی نہیں حالانکہ آپ پر یہ آیت نازل کی گئی۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ۔ (۳)، (۴)

اور بے شک آپ کا رب لوگوں کے گناہ بخشنے والا ہے۔

اور اس آیت کریمہ۔

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی۔ (۵)

اور عنقریب آپ کو آپ کا رب وہ کچھ عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

کی تفسیر میں آپ نے فرمایا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک آپ کا ایک بھی امتی جہنم میں ہوگا۔

حضرت ابو جعفر محمد بن علی رحمہ اللہ فرماتے تھے اے اہلِ عراق تم اس آیت کو زیادہ امید والی آیت قرار دیتے ہو۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ (۶)

آپ فرما دیجئے اے میرے بندو جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو

اور ہم اہل بیت کے نزدیک یہ آیت زیادہ امید دلاتی ہے

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ

اور عنقریب آپ کا رب آپ کو وہ کچھ عطا فرمائے گا کہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ اللیل آیت ۱۴، ۱۵

(۲) قرآن مجید، سورہ رعد آیت ۶

(۳) قرآن مجید، سورۃ رعد آیت ۶

(۴) تفسیر لاحکام القرآن جلد ۹ ص ۲۸۵ تحت آیت وان ربک لذو مغفرہ للناس

(۵) قرآن مجید، سورۃ والضحیٰ آیت ۵

(۶) قرآن مجید، سورۃ زمر آیت ۵۳

marfat.com

فَتَرْضٰی۔ (۱) آپ راضی ہو جائیں گے۔

احادیث مبارکہ:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔
میری امت، امتِ مرحومہ ہے اسے آخرت میں عذاب نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ نے زلزلوں اور فتنوں کی شکل میں اسے دنیا میں ہی سزا دے دی اور جب قیامت کا دن ہوگا تو میری امت کے ہر فرد کو اہل کتاب میں سے ایک شخص دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ جہنم میں تمہارا فدیہ ہے (۲)

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اس امت میں ہر ایک یہودی یا نصرانی کو جہنم کی طرف لایا جائے گا اور وہ کہے گا کہ جہنم میں یہ میرا فدیہ ہے پس اسے اس میں ڈالا جائے گا۔ (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَلْحُمّٰی مِنْ فَیْحِ جَهَنَّمَ وَهِیَ حَظُّ الْمُؤْمِنِ مِنَ النَّارِ۔ (۴)

بخار جہنم کی بھاپ ہے اور یہ مومن کا آگ سے حصہ ہے۔

اور آیت کریمہ

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ۔ (۵)

جس دن اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان لوگوں کو جو ان پر ایمان لائے، رسوا نہیں کرے گا۔

کی تفسیر میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے آپ کی امت کا حساب آپ کے حوالے کیا آپ نے عرض کیا اے رب! نہیں بلکہ میرے مقابلے میں تو ان پر زیادہ مہربان ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب یہ بات ہے تو ہم ان کے بارے میں آپ کو رسوا نہیں کریں گے (۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے اپنی امت کے گناہوں کے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ والضحیٰ آیت ۵
(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۳۲، کتاب الفتن (اختصار کے ساتھ) کنز العمال جلد ۱۲ ص ۱۷۰ حدیث ۳۵۲۴
(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۶۰ کتاب التوبہ
(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۵۲ مرویات ابی امامہ
(۵) قرآن مجید، سورۂ تحریم آیت ۸
(۶) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۹۲

marfat.com

بارے میں یوں عرض کیا کہ یا اللہ! ان کا حساب میرے حوالے کرنا تاکہ ان کی برائیوں پر میرے علاوہ کوئی مطلع نہ ہو تو اللہ تعالےٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ وہ آپ کی امت ہیں اور میرے بندے ہیں اور میں ان پر آپ سے زیادہ رحیم ہوں۔ میں ان کا حساب کسی کے حوالے نہیں کروں گا کہ آپ یا کوئی دوسرا ان کی برائیوں کو دیکھے۔ (۱)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ وَمَوْتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ اَمَّا حَیَاتِیْ فَاَسُنُّ لَکُمُ السُّنَنَ وَاَشْرَعُ لَکُمُ الشَّرَائِعَ وَاَمَّا مَوْتِیْ فَاِنَّ اَعْمَالَکُمْ تُعْرَضُ عَلَیَّ فَمَا رَاَیْتُ مِنْهَا حَسَنًا حَمِدْتُ اللّٰهَ عَلَیْهِ وَمَا رَاَیْتُ مِنْهَا سَیِّئًا اسْتَغْفَرْتُ اللّٰهَ تَعَالٰی لَکُمْ (۲)

میری (ظاہری) زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میرا وصال بھی تمہارے لیے بہتر ہے زندگی اس لیے کہ میں تمہیں سنتیں اور شرعی احکام دیتا ہوں اور وفات اس لیے کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائیں گے تو میں ان میں سے اچھے اعمال دیکھ کر ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا اور جو برائی دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ سے تمہاری بخشش کا سوال کروں گا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا "یَا کَرِیْمَ الْعَفْوِ" تو حضرت جبریل علیہ السلام نے پوچھا کیا آپ کو اس کی تفسیر معلوم ہے؟ (اس کی تفسیر یہ ہے کہ) اگر وہ گناہوں کو اپنی رحمت کے تحت معاف کر دے تو اپنے کرم سے ان کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے سنا وہ کہہ رہا تھا یا اللہ! میں تجھ سے نعمت کی تکمیل کا سوال کرتا ہوں آپ نے پوچھا تمہیں معلوم ہے نعمت کی تکمیل کیا ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا جنت میں داخل ہونا۔ (۴)

بعض علماء فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنی نعمت کو مکمل کر دیا کہ ہمارے لیے اسلام کو پسند فرمایا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (۵)

اور میں نے تم پر اپنی نعمت کو مکمل کر دیا اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔

---

(۱) المطالب العالیہ جلد ۴ ص ۲۲، ۲۳ حدیث ۳۸۵۲

(۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور وصال دونوں امت کے لیے خیر ہیں اسی لیے مسلمان آپ کی وفات نہیں مناتے بلکہ دائماً آپ کی خوشی عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مناتے ہیں ۱۲ ہزاروی

(۳) یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت جبریل علیہ السلام کے درمیان مکالمہ ہے

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۳۵ مرویات معاذ

(۵) قرآن مجید سورۃ مائدہ آیت ۳

marfat.com

حدیث شریف میں ہے۔

اِذَا اَذْنَبَ الْعَبْدُ ذَنْبًا فَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِمَلَائِكَتِهٖ اُنْظُرُوْا اِلٰى عَبْدِىْ اَذْنَبَ ذَنْبًا فَعَلِمَ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِالذَّنْبِ اُشْهِدُكُمْ اَنِّىْ قَدْ غَفَرْتُ لَهٗ۔ (۱)

جب بندہ کوئی گناہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے دیکھو میرے بندے نے گناہ کیا اور اسے معلوم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہوں کو بخش دیتا ہے اور گناہوں پر مواخذہ بھی فرماتا ہے میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ اس نے اسے بخش دیا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

لَوْ اَذْنَبَ الْعَبْدُ حَتّٰى تَبْلُغَ ذُنُوْبُهٗ عَنَانَ السَّمَآءِ غَفَرْتُهَا لَهٗ مَا اسْتَغْفَرَنِىْ وَرَجَانِىْ۔ (۲)

اگر بندہ گناہ کرے حتی کہ اس کے گناہ آسمان کی بلندی تک پہنچ جائیں تو میں اسے بخش دوں گا جب تک وہ مجھ سے بخشش مانگتا رہے اور مجھ سے امید رکھے۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

لَوْ لَقِيَنِىْ عَبْدِىْ بِقِرَابِ الْاَرْضِ ذُنُوْبًا لَقِيْتُهٗ بِقِرَابِهَا الْاَرْضِ مَغْفِرَةً۔ (۳)

اگر میرا بندہ مجھ سے زمین بھر کی مقدار گناہوں کے ساتھ ملاقات کرے تو میں زمین بھر مغفرت کے ساتھ اس سے ملاقات کرتا ہوں۔

ایک حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ الْمَلَكَ لَيَرْفَعُ الْقَلَمَ عَنِ الْعَبْدِ اِذَا اَذْنَبَ سِتَّ سَاعَاتٍ فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ لَمْ يَكْتُبْهُ عَلَيْهِ وَاِلَّا كَتَبَهَا سَيِّئَةً۔ (۴)

بندہ جب گناہ کرتا ہے تو بے شک فرشتہ اس سے چھ ساعتیں قلم اٹھا دیتا ہے پس اگر وہ توبہ کرلے اور اپنے لیے بخشش مانگے تو اس پر گناہ نہیں لکھتا ورنہ ایک گناہ لکھتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے۔

فَاِذَا كَتَبَهَا عَلَيْهِ وَعَمِلَ حَسَنَةً قَالَ

پس جب وہ فرشتہ گناہ لکھ دیتا ہے پھر وہ شخص نیک عمل

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۹۲ مرویات ابوہریرہ

(۲) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۴۶۷ کتاب الذکر

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۵۳ مرویات ابوہریرہ

(۴) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۰۷ کتاب التوبہ

marfat.com

صَاحِبُ الْيَمِيْنِ لِصَاحِبِ الشِّمَالِ وَهُوَ اَمِيْرٌ عَلَيْهِ اَلْقِ هٰذِهِ السَّيِّئَةَ حَتّٰى اَلْقِيَ مِنْ حَسَنَاتِهِ وَاحِدَةً تَضْعِيْفَ الْعَشْرِ وَاَرْفَعَ لَهُ تِسْعَ حَسَنَاتٍ فَتُلْقِيَ عَنْهُ السَّيِّئَةُ۔

کرتا ہے تو دائیں طرف والا فرشتہ بائیں جانب والے سے کہتا ہے اور وہ (دائیں طرف والا) اس (بائیں طرف والے) پر امیر ہے، کہ اس گناہ کو نکال دو یہاں تک کہ میں اس کی نیکیوں میں سے ایک نیکی نکال دوں گا جو دس گنا بڑھی تھی اور اس کیلئے نو نیکیاں اوپر بھیجوں گا تو اس سے برائی دور کر دی جاتی ہے۔ (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث میں روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی بندہ گناہ کرتا ہے تو وہ اس کے ذمہ لکھ دیا جاتا ہے ایک دیہاتی نے عرض کیا اگر اس سے توبہ کرلے تو؟ فرمایا اس سے مٹا دیا جاتا ہے اس نے پوچھا اگر وہ دوبارہ کرے تو؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اس پر لکھ دیا جاتا ہے اعرابی نے پوچھا پھر توبہ کرلے تو؟ فرمایا اس کے نامۂ اعمال سے مٹا دیا جاتا ہے اس نے پوچھا کب تک؟ فرمایا۔ یہاں تک کہ وہ بخشش طلب کرے اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرے بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے سے نہیں تھکتا بندہ بخشش مانگنے سے تھک جاتا ہے جب کوئی بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو دائیں طرف والا فرشتہ ایک نیکی لکھ دیتا ہے حالانکہ ابھی تک اس نے عمل نہیں کیا پھر اگر وہ اس پر عمل کرتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ اسے بڑھا کر سات سو گنا کر دیتا ہے اور جب وہ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ذمہ لکھی نہیں جاتی اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو ایک گناہ لکھا جاتا ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اچھی طرح معاف کرنا ہے (۲)

ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں صرف ایک مہینے کے روزے رکھتا ہوں اس پر اضافہ نہیں کرتا اور میں صرف پانچ نمازیں پڑھتا ہوں اس سے زیادہ نہیں پڑھتا اور میرے مال میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے اور نہ ہی مجھ پر حج فرض ہے اور نہ ہی نفل حج کرتا ہوں میں مرنے کے بعد کہاں جاؤں گا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہاں تم میرے ساتھ ہو گے جب تم اپنے دل کو دو باتوں یعنی خیانت اور حسد سے بچاؤ اپنی زبان سے دو باتوں یعنی غیبت اور جھوٹ سے اور آنکھوں کو دو باتوں سے بچاؤ یعنی جس کی طرف نظر کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس کی طرف نہ دیکھو اور کسی مسلمان کو حقارت سے نہ دیکھو تو میرے ساتھ بلکہ میری ان دو ہتھیلیوں پر جنت میں جاؤ گے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں ہے ایک اعرابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! مخلوق کے حساب

---

(۱) کنز العمال جلد ۴ ص ۲۱۴ حدیث ۱۰۲۱۲

(۲) شعب الایمان جلد ۵ ص ۴۰۷ حدیث ۷۰۹۰ / کنز العمال جلد ۴ ص ۲۲۴ حدیث ۱۰۳۱۴

میں کون مبتلا ہوگا! آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ خود حساب لے گا اس نے پوچھا وہ ذاتی طور پر حساب لے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں (یہ سن کر) اعرابی ہنس پڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے اعرابی! تم کیسے ہنسے ہو؟ اس نے عرض کیا کریم کی شان ہے کہ جب قادر ہو تو معاف کرتا ہے اور جب حساب لیتا ہے تو چشم پوشی کرتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اعرابی صحیح کہتا ہے سنو! اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی کریم نہیں وہ سب کریموں سے بڑا کریم ہے پھر فرمایا اعرابی سمجھ گیا۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ کو شرافت و عظمت عطا فرمائی اور اگر کوئی شخص اس کا ایک ایک پتھر اکھاڑ دے پھر اسے جلا دے تو اس کا جرم اس شخص کے جرم کو نہیں پہنچ سکتا جو اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کی توہین نہیں کرتا ہے اعرابی نے پوچھا اللہ تعالیٰ کے ولی کون ہیں؟ آپ نے فرمایا تمام مومن اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی نہیں سنا۔

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ (۱)	اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے وہ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے۔

بعض روایات میں ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ اَفْضَلُ مِنَ الْكَعْبَةِ۔ (۲)	مومن، کعبۃ اللہ سے افضل ہے۔

اور یہ بھی ہے۔

وَالْمُؤْمِنُ طَیِّبٌ طَاهِرٌ۔ (۳)	اور مومن طیب و طاہر (پاک) ہے۔

اور یہ بھی آیا ہے۔

وَالْمُؤْمِنُ اَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنَ الْمَلَائِكَةِ۔ (۴)	اور مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں فرشتوں سے زیادہ معزز ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے۔

خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى جَهَنَّمَ مِنْ فَضْلِ رَحْمَتِهٖ سَوْطًا لَیَسُوْقُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهُ الْجَنَّةَ۔ (۵)	اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے جہنم کو ایک کوڑا بنایا جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں کو جنت کی طرف ہانکتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۵۷

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۹۰ ابواب الفتن

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۶۷ کتاب الجنائز

(۴) سنن ابن ماجہ ص ۲۹۱، ابواب الفتن

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۰۲ مرویات ابوہریرہ، (الفاظ متبادل ہیں)

marfat.com

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّمَا خَلَقْتُ الْخَلْقَ لِیَرِیْحُوْا عَلَیَّ وَلَمْ اَخْلُقْهُمْ لِاَرِیْحَ عَلَیْهِمْ۔

بے شک میں نے مخلوق کو اس لیے پیدا کیا اس لیے پیدا نہیں کیا کہ

ایک دوسری حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی شَیْئًا اِلَّا جَعَلَ لَهٗ مَا یَغْلِبُهٗ وَجَعَلَ رَحْمَتَهٗ تَغْلِبُ غَضَبَهٗ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو بھی پیدا فرمایا اس کے لیے اس پر غالب آنے والی کوئی چیز بھی بنائی ہے اور اس نے اپنی رحمت کو اپنے غضب پر غالب آنے کے لیے بنایا۔

ایک دوسری مشہور روایت میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ قَبْلَ اَنْ یَخْلُقَ الْخَلْقَ اِنَّ رَحْمَتِیْ تَغْلِبُ غَضَبِیْ۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اپنے ذمۂ کرم پر رحمت لکھدی (اور فرمایا) بے شک میری رحمت، میرے غضب پر غالب ہے۔

حضرت معاذ بن جبل اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ (۳) وَمَنْ کَانَ آخِرُ کَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَمْ تَمَسَّهُ النَّارُ (۴)

جس نے "لا الہ الا اللہ" پڑھا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس کا آخری کلام "لا الہ الا اللہ" ہو اس کو آگ نہیں چھوئے گی۔

اور فرمایا۔

وَمَنْ لَقِیَ اللّٰهَ لَا یُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا حُرِّمَتْ عَلَیْهِ النَّارُ۔ (۵)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے کہ اس نے اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو تو اس پر جہنم کی آگ حرام کردی گئی۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۱۳، کتاب التوبہ

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۵۳ کتاب بدء الخلق

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۵ ص ۱۹۷، حدیث ۵۰۷۴

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۳۳ مرویات معاذ

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۷۰ مرویات ابن عمرو

marfat.com

اور یہ بھی فرمایا۔

وَلَا یَدْخُلُهَا مَنْ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ اِیْمَانٍ۔ (۱)

اور وہ شخص اس (جہنم) میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

لَوْ عَلِمَ الْکَافِرُ سِعَةَ رَحْمَةِ اللّٰهِ مَا اَیِسَ مِنْ جَنَّتِهٖ۔ (۲)

اگر کافر اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کو جان لے تو اس کی جنت سے کوئی بھی مایوس نہ ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔

اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ۔ (۳)

بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔

تو آپ نے فرمایا۔

کیا تم جانتے یہ کون سا دن ہے؟ یہ وہ دن ہے جب حضرت آدم علیہ السلام سے کہا جائے گا اٹھیے اور اپنی اولاد میں سے جہنم کے مستحقین کو بھیجیں وہ پوچھیں گے کتنے لوگوں کو؟ کہا جائے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے کو جہنم کی طرف اور ایک کو جنت میں بھیجیں ۔ یہ سن کر سب لوگ (صحابہ کرام) حیران غمگین ہو گئے اور رونا شروع کر دیا اور اس دن انہوں نے کچھ کام نہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور پوچھا کیا ہوا کام نہیں کرتے!

انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جو کچھ آپ نے ہم سے بیان کیا ہے اس کے بعد کون کام میں مشغول ہو سکتا ہے؛ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام امتوں میں تمہاری کتنی تعداد ہے؟ تاویل، تاریس، منسک اور یاجوج و ماجوج ایسی قومیں ہیں جن کا شمار صرف اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے تم باقی تمام امتوں میں اس طرح ہو جس طرح سیاہ رنگ کے بیل میں ایک سفید بال ہو اور جانور کے پاؤں میں ایک الگ رنگ ہوتا ہے (۴)

تو دیکھئے کس طرح آپ نے مخلوق کو خوف کے کوڑوں کے ساتھ چلایا اور امید کی لگاموں کے ساتھ پیچھے لائے پہلے ان کو خوف کے کوڑوں کے ذریعے ہانکا اور جب وہ بہت زیادہ مایوسی کی وجہ سے حد اعتدال سے نکلنے لگے تو امید کی دوا کے ساتھ ان کا علاج کیا اور ان کو اعتدال اور میانہ روی کی طرف لوٹایا اور دوسری بات، پہلی بات کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۶۵ کتاب الایمان

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۵۸ کتاب الرقاق

(۳) قرآن مجید، سورۃ حج آیت ۱

(۴) جامع ترمذی ص ۴۵۴، ابواب التفسیر

marfat.com

پہلے پہلے اس بات کا ذکر کیا جو شفاء کا سبب ہے اور اسی پر اکتفا کیا پھر جب وہ امید کے ذریعے معالجہ کے محتاج ہوئے تو پورا معاملہ ذکر کر دیا۔ تو واعظ کو چاہیے کہ وہ واعظوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار کرے اور خوف و امید کے بارے میں مروی روایات کے استعمال میں نرمی سے حاجت کے مطابق کام لے اور پہلے باطنی علتوں کو دیکھ لے اور اگر اس بات کی رعایت نہیں کرے گا تو اس کا وعظ اصلاح کے مقابلے میں فساد کا باعث زیادہ ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے۔

لَوْلَمْ تُذْنِبُوْا لَخَلَقَ اللّٰهُ خَلْقًا يُذْنِبُوْنَ فَيُغْفِرُ لَهُمْ۔ (۱)

اگر تم سے گناہ سرزد نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ کوئی اور مخلوق پیدا فرمائے گا جو گناہ کے مرتکب ہو تو ان کو بخش دیا جائے گا۔

دوسرے الفاظ میں اس طرح ہے۔

لَذَهَبَ بِكُمْ وَجَاءَ بِخَلْقٍ اٰخَرَ يُذْنِبُوْنَ فَيُغْفَرُ لَهُمْ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ (۲)

تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے گا اور دوسری مخلوق کو لے آئے گا جن سے گناہ سرزد ہو تو ان کو بخش دیا جائے گا بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے۔

لَوْلَمْ تُذْنِبُوْا لَخَشِيْتُ عَلَيْكُمْ مَا هُوَ شَرٌّ مِنَ الذُّنُوْبِ قِيْلَ مَا هُوَ قَالَ الْعُجْبُ۔ (۳)

اگر تم سے گناہ نہیں ہوگا تو مجھے تم پر گناہوں سے بھی زیادہ بُری بات کا ڈر ہے عرض کیا گیا وہ کیا ہے فرمایا خود پسندی (تکبر)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَلّٰهُ اَرْحَمُ بِعَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنَ الْوَالِدَةِ الشَّفِيْقَةِ بِوَلَدِهَا۔ (۴)

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے البتہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے پر شفیق ماں کے اپنے بچے پر مہربان ہونے سے بھی بڑھ کر مہربان ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۵۵ کتاب التوبۃ

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۵۵ کتاب التوبۃ

(۳) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۵۷۱ کتاب الادب

(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۷۶ کتاب الادب

marfat.com

لَيَغْفِرَنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَغْفِرَةً مَا خَطَرَتْ عَلٰى قَلْبِ اَحَدٍ حَتّٰى اَنَّ اِبْلِيْسَ لَيَتَطَاوَلُ لَهَا رَجَاءَ اَنْ تُصِيْبَهُ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس قدر بخشش فرمائے گا جس کا کسی دل میں تصور بھی نہ ہو گا حتیٰ کہ ابلیس بھی اس کا منتظر ہو گا کہ شاید مجھے بخش دیا جائے۔

حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهِ تَعَالٰى مِائَةَ رَحْمَةٍ اَدَّخَرَ مِنْهَا عِنْدَهٗ تِسْعًا وَتِسْعِيْنَ رَحْمَةً وَاَظْهَرَ مِنْهَا فِي الدُّنْيَا رَحْمَةً وَاحِدَةً فِيْهَا يَتَرَاحَمُ الْخَلْقُ فَتَحَنَّنُ الْوَالِدَةُ عَلٰى وَلَدِهَا وَتَعْطِفُ الْبَهِيْمَةُ عَلٰى وَلَدِهَا فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ ضَمَّ هٰذِهِ الرَّحْمَةَ اِلَى التِّسْعِ وَالتِّسْعِيْنَ ثُمَّ بَسَطَهَا عَلٰى جَمِيْعِ خَلْقِهٖ وَكُلُّ رَحْمَةٍ مِنْهَا لِمَا بَيْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قَالَ فَلَا يَهْلِكُ عَلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ اِلَّا هَالِكٌ۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک سو رحمتیں ہیں اس نے ان میں سے ننانوے رحمتوں کو جمع کیا اور ایک کو دنیا میں ظاہر کیا اسی کے سبب لوگ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں ماں اسی کے سبب اپنے بچے پر اور جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں اور جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس رحمت کو ننانوے رحمتوں کے ساتھ ملا دے گا پھر اسے تمام مخلوق پر پھیلا دے گا اور ان میں سے ہر رحمت آسمانوں اور زمین کے طبقات کے برابر ہو گی پس اس دن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ہلاک ہو گا جس کے مقدر میں ہلاکت ہے۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے۔

مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يُدْخِلُهُ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَلَا يُنْجِيْهِ مِنَ النَّارِ، قَالُوْا وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ۔ (۳)

کسی شخص کو (محض) اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے اور نہ ہی جہنم سے نجات دے گا صحابہ کرام نے عرض کیا! رسول اللہ! آپ کو بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں مجھے بھی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِعْمَلُوْا وَاَبْشِرُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ اَحَدًا

عمل کرو اور خوش ہو جاؤ اور جان لو کہ کسی کو بھی (محض)

---

(۱) الدر المنثور جلد ۳ ص ۱۲۰ تحت آیت واکتب لنا فی ہذہ الدنیا حسنۃ

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۵۶ کتاب التوبۃ

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۵۷ کتاب الرقاق

marfat.com

لَمْ يُنْجِهِ الْعَمَلُ۔ (۱) عمل نجات نہیں دے گا۔

(ان احادیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ عمل کی ضرورت نہیں عمل تو حکم خداوندی کی تعمیل ہے مطلب یہ ہے کہ عمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھی جائے ۱۲ ہزاروی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنِّیْ اخْتَبَاْتُ شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ اَتَرَوْنَھَا لِلْمُطِیْعِیْنَ الْمُتَّقِیْنَ بَلْ ھِیَ لِلْمُتَلَوِّثِیْنَ الْمُخْلِطِیْنَ۔

میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امتوں کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے چھپا رکھا ہے کیا تم اسے اطاعت کرنے والے متقی لوگوں کے لیے سمجھتے ہو بلکہ یہ تو ان لوگوں کے لیے ہے جو گناہوں سے لتھڑے ہوئے ہیں۔

(۲)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بُعِثْتُ بِالْحَنِیْفِیَّۃِ السَّمْحَۃِ السَّھْلَۃِ۔

مجھے نہایت صاف ستھرے بخشش و سخاوت والے اور آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔

(۳)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اُحِبُّ اَنْ یَعْلَمَ اَھْلُ الْکِتَابَیْنِ اَنَّ فِیْ دِیْنِنَا سَمَاحَۃً۔ (۴)

میں چاہتا ہوں کہ اہل کتاب (تورات و انجیل والے) اس بات کو جان لیں کہ ہمارے دین میں بخشش ہے۔

اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی دعا قبول فرمائی ارشاد خداوندی ہے

وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْرًا۔ (۵)

اور ہم پر بوجھ نہ ڈالنا۔

اور ارشاد فرمایا۔

وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ۔ (۶)

اور وہ ان سے ان کے بوجھ اور ان کے طوق جو اُن پر تھے، اتار دیتا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۵۷ کتاب الرقاق

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۱۱۳ کتاب التوحید

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۶۶ مرویات ابوامامہ

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۱۶ مرویات عائشہ

(۵) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۸۶ (۶) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۱۵۷

حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ۔ (۱) پس اچھی طرح درگزر کرو۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جبریل "صفح جمیل" کیا ہے؛ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا جب آپ اس شخص کو معاف کردیں جس نے آپ پر زیادتی کی اور آپ اس کو نہ جھڑکیں (تو یہ صفح جمیل ہے) آپ نے فرمایا اے جبریل! اللہ تعالیٰ تو بہت بڑا کریم ہے وہ جس کو معاف کرے پھر اس کو عذاب نہیں دے گا (۲)

یہ سن کر حضرت جبریل علیہ السلام رو پڑے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی رونے لگے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف حضرت میکائیل علیہ السلام کو بھیجا اور فرمایا کہ تمہارا رب تم دونوں کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے میں جس کو معاف کر دوں اسے جسے عذاب میں مبتلا کروں گا۔ یہ بات میرے کرم کے لائق نہیں۔

امید کے بارے میں مروی احادیث بے شمار ہیں۔

آثار:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص گناہ کرے پھر دنیا میں اس پر پردہ ڈال دے تو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ بے نیاز ہے کہ قیامت کے دن اس کی پردہ دری کرے اور جو شخص کسی گناہ کا مرتکب ہو اور اسے دنیا میں عذاب دیا جائے تو اللہ تعالیٰ بہت بڑا عادل ہے وہ آخرت میں دوبارہ اسے عذاب نہیں دے گا۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میرا حساب میرے والدین کے حوالے کیا جائے بوں کر میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر ان دونوں کی نسبت زیادہ رحم کرنے والا ہے بعض بزرگوں نے فرمایا جب مومن اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے فرشتوں کی نظروں سے چھپاتا ہے تاکہ وہ اسے دیکھ کر اس کے خلاف گواہی نہ دیں۔

حضرت محمد بن صعب نے حضرت اسود بن سالم رحمہما اللہ کو لکھا کہ جب بندہ اپنے نفس پر زیادتی کرتا ہے پھر وہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے اور پکارتا ہے اے میرے رب! تو اس کی آواز کو فرشتے چھپاتے ہیں اسی طرح دوسری اور تیسری بھی۔ حتیٰ کہ جب چوتھی مرتبہ کہتا ہے اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کی آواز مجھ سے کب تک چھپاتے ہو گے میرے بندے کو معلوم ہے کہ میرے سوا اس کا کوئی رب نہیں جو گناہوں کو بخش دے میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے بخش دیا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورہ حجر آیت ۸۵

(۲) الدر المنثور جلد ۴ ص ۱۰۴ تحت آیت فاصفح الصفح الجمیل

marfat.com

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک رات میں نے تنہا طواف کیا اور وہ رات اندھیری بھی تھی اور بارش بھی برس رہی تھی میں خانہ کعبہ کے دروازے کے پاس ملتزم میں کھڑا ہوا اور میں نے عرض کیا اے میرے رب، مجھے بچالے تاکہ میں کبھی بھی تیری نافرمانی نہ کروں تو مجھے بیت اللہ شریف سے ہاتف غیبی نے آواز دی اے ابراہیم! تو مجھ سے عصمت کا سوال کرتا ہے میرے تمام بندے مجھ سے اسی بات کا سوال کرتے ہیں اگر میں سب کو گناہوں سے محفوظ کروں تو میں کس پر اپنا فضل کروں گا۔ اور کسے بخشوں گا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے تھے اگر مومن سے گناہ سرزد نہ ہو تو وہ آسمانوں کی بادشاہی میں اڑتا پھرے لیکن اللہ تعالیٰ نے گناہوں کے ذریعے اس کے پر کاٹ دیئے۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کرم کی نظر ظاہر ہو گی تو وہ بُروں کو نیکوں کے ساتھ ملا دے گی۔

حضرت مالک بن دینار نے حضرت ابان (رحمہما اللہ) سے ملاقات کی تو ان سے فرمایا آپ کب تک لوگوں کو رخصت کی احادیث سناتے رہیں گے انہوں نے فرمایا اے ابو یحییٰ مجھے امید ہے کہ آپ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قدر معافی دیکھیں گے جو آپ کی چادر کو جلا دے گی اور یہ خوشی کی وجہ سے ہو گا۔

حضرت ربعی بن خراش اپنے بھائی سے نقل کرتے ہیں وہ بڑے بڑے تابعین میں سے تھے اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جو موت کے بعد بھی کلام کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں جب میرے بھائی کا انتقال ہوا تو ان کو کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا انہوں نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل سے ملاقات کی تو اس نے راحت و آرام کے ساتھ میری خاطر تواضع کی اور میرا رب غصے میں نہ تھا اور میں نے معاملہ اس سے آسان دیکھا جو تم گمان کرتے ہو لہٰذا سستی نہ کرو اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام میرے منتظر ہیں لہٰذا میں ان کی طرف لوٹ کر جا رہا ہوں راوی فرماتے ہیں یہ کہہ کر وہ گر پڑے گویا وہ ایک کنکری تھی جو ایک پلیٹ میں رکھی گئی تو ہم نے ان کو اٹھا کر دفن کر دیا۔

حدیث شریف میں ہے۔ کہ بنی اسرائیل کے دو آدمی ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن گئے ان میں سے ایک اپنے نفس پر زیادتی کرتا تھا (گناہ گار تھا) اور دوسرا عابد تھا وہ اسے وعظ و نصیحت کرتا اور جھڑکتا رہتا وہ کہتا مجھے میرے رب پر چھوڑ دو کیا تم مجھ پر نگہبان مقرر کیے گئے ہو حتیٰ کہ اس نے ایک دن اسے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا تو اس کو غصہ آیا اس نے کہا اللہ تعالیٰ تجھے نہ بخشے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا کسی کو طاقت ہے کہ وہ میری رحمت کو میرے بندوں سے روک دے جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا پھر اللہ تعالیٰ اس عابد سے فرمائے گا میں نے تمہارے لیے جہنم واجب کر دی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم اس (عابد) نے ایسی گفتگو کی جس نے اس کی دنیا اور آخرت تباہ کر دی۔ (۱)

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۱۵، کتاب الادب

marfat.com

یہ بھی مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک چور تھا اس نے چالیس سال تک ڈاکہ ڈالا حضرت عیسٰی علیہ السلام کا اس پر گزر ہوا آپ کے پیچھے آپ کے حواریوں میں سے ایک عابد شخص تھا چور نے دل میں کہا اللہ تعالیٰ کے نبی گزر رہے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ان کے ایک حواری ہیں اگر میں اتر کر ان کے ساتھ ہو جاؤں تو ہم تین ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ اترا اور حواری کے قریب ہونے لگا۔ وہ حواری کی تعظیم میں اپنے آپ کو حقیر جانتا تھا اور دل میں کہہ رہا تھا میرے جیسا آدمی اس قسم کے عابد کے ساتھ نہیں چل سکتا فرماتے ہیں حواری نے یہ بات محسوس کر لی اور دل میں کہا کہ یہ شخص میرے ساتھ چل رہا ہے چنانچہ اس نے علیحدہ ہو کر حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا اب چور اکیلا پیچھے رہ گیا اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ان دونوں سے فرمائیں دونوں اپنا اپنا عمل نئے سرے سے شروع کریں کیوں کہ ان دونوں کا پہلا عمل باطل ہو گیا حواری نے چونکہ تکبر کیا اس لیے اس کی پہلی نیکیاں ضائع ہو گئیں اور دوسرے کی برائیاں زائل ہو گئیں کیوں کہ اس نے اپنے کو حقیر جانا تو آپ نے ان دونوں کو اس بات کی خبر دی اور چور کو آپ نے اپنی اس سیاحت میں ساتھ لے لیا اور اسے اپنا حواری بنا لیا۔

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ایک نبی حالتِ سجدہ میں تھے کہ کسی نافرمان شخص نے ان کی گردن پر پاؤں رکھا حتیٰ کہ ان کی پیشانی میں ایک کنکری چبھ گئی ارشاد فرماتے اس نبی علیہ السلام نے غصے کی حالت میں اپنا سر اٹھایا اور فرمایا جا تجھے اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی میرے بندے کے بارے میں مجھ پر قسم کھاتے ہو میں نے اپنے بندوں کو بخش دیا۔

اسی کے قریب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے خلاف قنوت نازلہ (بددعا) پڑھتے تھے اور نماز میں ان پر لعنت بھیجتے تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی نازل ہوا۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (۱) آپ کے اختیار میں (عذاب میں سے) کوئی چیز نہیں ہے (۲)

تو آپ نے ان کو بددعا دینا چھوڑ دیا (۳) اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے عام لوگوں کو ہدایت سے مشرف فرمایا۔

ایک روایت میں ہے کہ دو آدمی عابدین میں سے تھے اور عبادت میں مساوی تھے فرماتے ہیں جب ان دونوں کو جنت

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۲۸

(۲) بعض لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے اس آیت کے تحت حضور علیہ السلام کو بے اختیار ثابت کرتے ہیں حالانکہ یہ آیت تو صرف اتنا بتاتی ہے کہ حضور علیہ السلام ان کے لیے بددعا نہ فرمائیں کیوں کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خود آپ کی طرف سے بدلہ لینے والا ہے ۱۲ ہزاروی

(۳) صحیح بخاری جلد ۴ ص ۶۵۵ کتاب التفسیر۔

marfat.com

میں داخل کیا گیا تو ان میں سے ایک کے درجات دوسرے کے مقابلے میں بہت زیادہ بلند کئے گئے تو قیامت کے دن وہ کہے گا یا اللہ! دنیا میں یہ شخص مجھ سے زیادہ عبادت نہیں کرتا تھا علیین کے اندر تُو نے اس کا درجہ بلند کر دیا اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اس شخص نے دنیا میں مجھ سے بلند درجات کا سوال کیا تھا اور تو جہنم سے نجات کا سوال کرتا تھا میں تو ہر بندے کو اس کے سوال کے مطابق عطا کرتا ہوں۔

یہ اس بات پر دلالت ہے کہ امید افضل ہے کیوں کہ ڈرنے والے کے مقابلے میں امید کرنے والے پر محبت زیادہ غالب ہوتی ہے بادشاہوں کی خدمت کرنے والے دو قسم کے غلام ہوتے ہیں ایک اس کی سزا سے بچنے کے لیے خدمت کرتے ہیں اور دوسرے اس کے انعام واکرام کی امید کرتے ہوئے خدمت کرتے ہیں تو دونوں کی خدمت میں کتنا فرق ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حُسن ظن کا حکم دیا اور اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

سَلُوا اللّٰهُ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰى فَاِنَّمَا تَسْأَلُوْنَ كَرِيْمًا۔ (۱)

اللہ تعالیٰ سے بلند درجات کا سوال کرو کیوں کہ تم کریم ذات سے سوال کر رہے ہو۔

اور ارشاد فرمایا۔

اِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاعْظِمُوا الرَّغْبَةَ وَاسْأَلُوا الْفِرْدَوْسَ الْاَعْلٰى فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يَتَعَاظَمُهٗ شَيْءٌ (۲)

جب اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو بڑی رغبت رکھو اور فردوس اعلیٰ کا سوال کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز بُری نہیں۔

حضرت بکر بن سلیم صوّاف رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم شام کے وقت حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسی شام آپ کا انتقال ہوا تھا ہم نے عرض کیا اے ابو عبداللہ! آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ تمہیں کیا جواب دوں؟ البتہ یہ کہ عنقریب تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قدر معافی دیکھو گے جو تمہارے لیے حساب وکتاب میں نہیں ہوگی پھر ہم مسلسل وہاں رہے حتیٰ کہ ہم نے ان کی آنکھیں بند کیں (یعنی ان کا وصال ہوگیا)

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں یوں کہتے گناہوں کے باوجود میری تجھ پر امید قریب ہے اور اعمال کے باوجود میری تجھ پر امید غالب ہے کیوں کہ اعمال میں میرا اعتماد اخلاص پر ہے اور میں اسے کہاں سے لاؤں میں تو آفت کے ساتھ معروف ہوں۔ اور میں گناہوں میں اپنے آپ کو یوں پاتا ہوں کہ تیرے عفو پر اعتماد کرتا ہوں اور تو میرے گناہوں کو کیسے نہیں بخشے گا جب کہ تو جُود و سخا کے ساتھ موصوف ہے۔

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۰ ص ۱۲۵ (الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ)

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۹۱ کتاب الجہاد

marfat.com

کہا گیا ہے کہ ایک مجوسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مہمان بننا چاہا تو آپ نے فرمایا اگر تم اسلام لے آئے تو میں تمہاری
نوازی کروں گا۔ (یہ سُن کر) مجوسی چلا گیا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ آپ نے اسے کھانا نہ
س لیے کہ اس نے اپنا دین تبدیل نہ کیا اور ہم ستر سال سے اس کے کفر کے باوجود اسے کھانا دے رہے ہیں اگر آپ
ایک رات مہمان بنا لیتے تو آپ کا کیا نقصان ہوتا چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مجوسی کے پیچھے دوڑے اور اسے
لا کر اپنا مہمان بنایا مجوسی نے پوچھا اس تبدیلی کا سبب ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واقع بتایا تو مجوسی نے کہا کیا
میرے ساتھ اس طرح معاملہ کرتے ہیں پھر کہنے لگا مجھ پر اسلام پیش کیجئے پس وہ اسلام لے آیا۔

حضرت استاذ ابو سہل صعلوکی نے حضرت ابو سہل زجاجی (رحمہما اللہ) کو خواب میں دیکھا اور وہ اس بات کے قائل تھے کہ
گناہ پر اللہ تعالیٰ نے سزا کا ذکر کیا تو وہ ضرور ملے گی انہوں نے پوچھا آپ کا کیا حال ہے انہوں نے فرمایا ہمارا جو وہم
نے معاملہ اس سے آسان پایا اور ان میں سے بعض نے ابو سہل صعلوکی رحمہ اللہ کو خواب میں اتنی اچھی حالت میں دیکھا جو
نہیں کی جا سکتی اس نے پوچھا اے استاذ! آپ نے کس وجہ سے یہ اعزاز پایا انہوں نے فرمایا اپنے رب کے بارے
اچھا گمان کرنے کی وجہ سے (مجھے یہ اعزاز ملا)

منقول ہے کہ حضرت ابو العباس بن سریج رحمہ اللہ نے اپنی مرض الموت میں خواب کی حالت میں دیکھا کہ گویا قیامت
ہو گئی اور اللہ تعالیٰ جو جبّار ہے فرماتا ہے علماء کہاں ہیں فرمایا پس علماء آئے پھر فرمایا تم نے کیا عمل کیا؟ فرماتے ہیں ہم نے
یا یا اللہ! ہم سے کوتاہی ہوئی اور ہم نے گناہ کیا فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دوبارہ سوال کیا گویا وہ پہلے سوال پر راضی
اور کسی دوسرے جواب کا ارادہ کیا میں نے کہا جہاں تک میرا تعلق ہے تو میرے نامۂ اعمال میں شرک نہیں ہے اور تو
وعدہ فرمایا کہ تو شرک کے علاوہ سب کچھ بخش دے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا جاؤ میں نے تم سب کو بخش دیا اس بیان کے
ن بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

کہا گیا کہ ایک شخص بہت بڑا شرابی تھا اس نے اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کو جمع کر کے اپنے غلام کو چار درہم
اور اسے حکم دیا کہ مجلس کے لیے کچھ پھل خرید لائے غلام منصور بن عمار کی مجلس کے دروازے سے گزرا اور وہ کسی
ے لیے کچھ مانگ رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ جو شخص اسے چار درہم دے گا میں اس کے لیے چار دعائیں مانگوں
اتے ہیں غلام نے اسے چار درہم دے دیئے منصور نے پوچھا تم مجھ سے کیسی دعا چاہتے ہو؟ اس نے کہا میرا ایک
ے میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہوں منصور نے دعا مانگی اور کہا دوسری کون سی دعا ہے؟ اس نے کہا
مال مجھے ان دراہم کا اچھا بدلہ دے انہوں نے دعا مانگی پھر پوچھا اور کونسی دعا؟ غلام نے کہا اللہ تعالیٰ میرے مالک
یہ قبول فرمائے منصور نے دعا مانگی اور چوتھی دعا کے بارے میں سوال کیا اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے میرے آقا اور
م کو بھی بخش دے منصور نے دعا مانگی اور غلام واپس ہو گیا اس کے مالک نے پوچھا تم نے دیر کیوں کی؟ اس نے

پورا واقعہ سنایا اس نے پوچھا منصور نے کیا دعا مانگی غلام نے کہا میں نے اپنے لیے آزادی کا سوال کیا اس نے کہا جا آزاد ہے پوچھا دوسری دعا کیا مانگی؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان دراہم کا اچھا بدلہ دے اس نے کہا تیرے لیے چار ہزار درہم ہیں اور تیسری دعا کیا تھی؟ اس نے کہا یہ دعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول فرمائے اس نے کہا میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کی اور چوتھی دعا کس چیز کے بارے میں تھی؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے تجھے اور قوم اور منصور کو بخش دے اس نے کہا یہ ایک بات میرے بس میں نہیں ہے جب وہ رات کو سویا تو اس نے خواب میں دیکھا گویا کوئی کہہ رہا ہے تم نے وہ سب کام کیے جو تمہارے بس میں تھے اور تمہارا کیا خیال ہے میں وہ کام نہیں کروں گا جو میرے اختیار میں ہے میں نے تجھے غلام کو، منصور بن عمار اور حاضرین کو بخش دیا۔

حضرت عبدالوہاب بن عبدالحمید ثقفی رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے تین مردوں اور ایک عورت کو دیکھا انہوں نے ایک جنازہ اُٹھا رکھا تھا فرماتے ہیں عورت کی جگہ میں نے جنازہ اٹھایا اور ہم قبرستان کی طرف چلے گئے اور نماز جنازہ پڑھ کر میت کو دفن کر دیا میں نے عورت سے پوچھا تمہارا اس میت کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟ اس نے کہا یہ میرا بیٹا ہے میں نے پوچھا تمہارے پڑوسی نہیں ہیں؟ اس نے کہا پڑوسی ہیں لیکن انہوں نے اس کے معاملے کو معمول سمجھا میں نے کہا وہ کیا اس نے کہا وہ مخنث تھا فرماتے ہیں مجھے اس عورت پر رحم آیا اس لیے میں اسے اپنے گھر لے آیا اور اسے کچھ درہم، گندم اور کپڑے دیئے فرماتے ہیں میں نے اسی رات دیکھا کہ گویا کوئی آنے والا میرے پاس آیا وہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ چودھویں رات کا چاند ہے اور اس پر سفید کپڑے ہیں وہ میرا شکریہ ادا کرنے لگا میں نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا وہ ہیجڑا ہوں جس کو تم نے آج دفن کیا ہے لوگوں کے مجھے حقیر جاننے کی وجہ سے میرے رب نے مجھ پر رحم فرمایا۔

حضرت ابراہیم اطروش رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم، حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کے ہمراہ بغداد شریف میں دریائے دجلہ کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ نوجوان چھوٹی سی کشتی میں گزرے وہ دف (ایسا ڈھول جو ایک طرف سے خالی ہو) بجا رہے تھے اور شراب نوشی کرتے اور لہو ولعب میں مشغول تھے حاضرین مجلس نے حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ کیا آپ ان کو کھلم کھلا گناہ کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں؟ ان کے خلاف بددعا کیجئے۔ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا یا اللہ! جس طرح تو نے ان کو دنیا میں خوش کیا ہے۔ ان کو آخرت میں بھی خوش کرنا قوم نے کہا ہم نے آپ سے سوال کیا تھا کہ ان کے لیے بددعا کریں انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب ان کو آخرت میں خوش کرے گا تو ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔

بعض بزرگ اپنی دعا میں یوں کہتے اے میرے رب! کس زمانے میں لوگوں نے تیری نافرمانی نہیں کی پھر ان پر تیری رحمت کا فیضان ہوا اور تو نے ان کو اپنا رزق عطا کیا تو پاک ہے تو کس قدر حلیم اور عزت والا ہے تیری نافرمانی کی جاتی ہے پھر تو ان کو وسیع نعمت اور رزق عطا فرماتا ہے اے ہمارے رب! گویا تجھے غصہ نہیں آتا۔

تو یہ وہ اسباب ہیں جن کے ذریعے امید کی روح کو ڈرنے والوں اور نا امید لوگوں کے دلوں کی طرف کھینچا جاتا ہے

لیکن جو لوگ بیوقوف، مغرور ہیں مناسب یہ ہے کہ وہ ان باتوں میں سے کوئی بات نہ سنیں بلکہ وہ ان باتوں کو سنیں جو ہم اسبابِ خوف کے ضمن میں ذکر کریں گے کیوں کہ اکثر لوگوں کی اصلاح خوف کے ذریعے ہوتی ہے جیسے بُرے غلام اور شرارتی بچے کو کوڑے اور لاٹھی نیز سخت کلامی کے بغیر راہ راست پر نہیں لایا جا سکتا لیکن اس کے خلاف امور ان پر دینی اور دنیوی اصلاح کا دروازہ بند کر دیتے ہیں۔

دوسرا حصہ :

خوف کا بیان

اس حصے میں درجِ ذیل باتوں کا بیان ہوگا۔

(۱) حقیقتِ خوف

(۲) درجاتِ خوف

(۳) خوف کی اقسام

(۴) فضیلتِ خوف

(۵) خوف و رجاء میں سے کیا افضل ہے؟

(۶) خوف کی دوا۔

(۷) بُرے خاتمے کا مفہوم۔

(۸) انبیاء کرام اور صالحین میں خائفین کے احوال (اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت نازل فرمائے) اور ہم اللہ تعالیٰ سے حُسنِ توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

فصل ۱

حقیقتِ خوف

جاننا چاہیے کہ خوف دل کے درد اور جلنے کا نام ہے اور اس کا سبب مستقبل میں مکروہ بات کی توقع ہوتی ہے اور یہ بات رجاء (امید) کے بیان میں ظاہر ہو چکی ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے مانوس ہو جائے اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد کے سوا کچھ نہ ہو اور وہ اپنے وقت کے تابع ہو جائے اور مسلسل جمالِ حق کا مشاہدہ کرنے والا ہو تو مستقبل کی طرف اس کی توجہ نہیں رہتی اب اس کے لیے خوف اور امید کچھ بھی باقی نہیں رہتا بلکہ اس کی حالت خوف و رجاء سے بلند ہو جاتی ہے کیوں کہ یہ تو دو زمانے ہیں جو نفس کو اس کی رعونت (تیزی سے حرکت) کی طرف نکلنے سے روکتے ہیں حضرت واسطی

نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

خوف اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان حجاب ہے اور انہوں نے یہ بھی فرمایا جب دلوں پر حق غالب آجائے تو
میں امید اور خوف کا فضلہ باقی نہیں رہتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب محب فراق کے خوف سے اپنے دل کو مشاہدۂ محبوب میں مشغول کر دے تو یہ شہود میں نقص
کیوں کہ دوام شہود مقامات کی غایت و انتہا ہے لیکن ہم اس وقت مقامات کی ابتدا کے بارے میں گفتگو کر رہے ہے
پس ہم کہتے ہیں۔

خوف کا حال بھی علم، حال اور عمل سے منظم ہوتا ہے علم سے مراد اس سبب کا علم ہے جو مکروہ (ناپسندیدہ) با
کی طرف لے جاتا ہے جیسے کوئی شخص کسی بادشاہ کا مجرم ہو پھر وہ اس کے قابو میں آجائے تو اسے قتل کا ڈر ہوتا ہے اگر
معافی کا حاصل ہونا اور بھاگنا بھی ممکن ہے لیکن اس کے دل میں پریشانی اس کی علمی قوت کے اعتبار سے ہوتی ہے ق
پہنچانے والے اسباب کا علم ہے اور وہ جرم کا بڑا ہونا اور بادشاہ کا ذاتی طور پر کینہ پرور، غضبناک اور منتقم مزا
ہوتا ہے۔ اور یہ کہ انتقام کی ترغیب موجود ہو لیکن اس غلام کے حق میں سفارش کرنے والا کوئی نہ ہو۔ اور یہ ڈرنے والا ش
ہر قسم کے وسیلے اور ایسی نیکی سے خالی ہو جو بادشاہ کے ہاں اس کے جرم کے اثر کو مٹا دے پس ان اسباب کے
کا علم قوتِ خوف اور دل کی سخت پریشانی کا سبب بنتا ہے اور جس قدر اسباب کمزور ہوں گے خوف بھی کم ہوگا ا
بعض اوقات خوف کسی جنایت کے سبب سے نہیں ہوتا جس کا ارتکاب اس خائف نے کیا ہو بلکہ جس سے ڈر رہا ہے
اس کی کوئی صفت خوف کا سبب بنتی ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی درندے کے پنجے کے نیچے آجائے تو وہ درندے
اس کی ذات میں پائی جانے والی صفت کی وجہ سے ڈرتا ہے اور وہ (صفت) اس کی حرص اور عام طور پر چیر پھاڑ ک
ہے اگر چیرنا پھاڑنا اس درندے کا اختیاری وصف ہے اور بعض اوقات جس چیز سے خوف پیدا ہوتا ہے اس کی فطر
صفت خوف کا باعث ہوتی ہے جیسے کوئی شخص سیلاب میں گھر جائے اور جلانے والی آگ میں پڑ جائے کیوں کہ پانی سے ا
بے ڈر لگتا ہے کہ بہا کر لے جانا اور ڈبو دینا اس کی فطرت میں داخل ہے اسی طرح آگ کی فطرت جلانا ہے۔

تو مکروہ بات کے اسباب کا علم دل کو جلاتے اور پریشان کرنے کا سبب ہے اور یہ جلانا ہی خوف ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا خوف بعض اوقات اس کی اور اس کی صفات کی معرفت کی وجہ سے ہوتا ہے کہ اگر وہ تمام جہا
کو ہلاک کر دے تو اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں اور نہ ہی اسے کوئی روکنے والا ہے اور بعض اوقات اس کا سبب
بندے کے بہت زیادہ جرائم ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے باعث پیدا ہوتے ہیں اور بعض اوقات یہ دونوں باتیں ہ
ہیں اور یہ خوف اسی قدر ہوتا ہے جس قدر اسے اپنے نفس کے عیبوں کی پہچان ہوتی ہے اور جس قدر اللہ تعالیٰ کے جلال ا
اس کے استغنا کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اسے معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں ا

marfat.com

سے سوال نہیں کیا جاسکتا لیکن بندوں سے پوچھا جائے گا تو اسی معرفت کے حساب سے خوف کی قوت ہوتی ہے لہٰذا وہی شخص اپنے رب سے زیادہ ڈرتا ہے جو اپنے آپ کو اور اپنے رب کو زیادہ پہچانتا ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَنَا اَخْوَفُکُمْ لِلّٰہِ۔ (۱) میں تم سے زیادہ خوفِ خدا رکھتا ہوں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ (۲) بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے اس سے صرف اہل علم ڈرتے ہیں۔

پھر جب معرفت پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے تو وہ خوف کا جلال اور دل کی جلن پیدا کرتی ہے پھر اس گرمی کے اثر کو دل سے بدن اعضاء اور صفات پر ڈالتی ہے۔

بدن میں اس کا اثر بدن کا زردی، غشی چیخ و پکار اور رونا ہے اور بعض اوقات اس سے پتا پھٹ جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے یا دماغ تک اثر پہنچتا ہے تو عقل میں خرابی واقع ہو جاتی ہے یا زیادہ ہو جائے تو نا امیدی پیدا ہوتی ہے۔

اعضاء میں اس خوف کے اثر کی علامت یہ ہے کہ وہ ان کو گناہوں سے روک دیتا ہے اور عبادات میں مقید کر دیتا ہے اور یوں گذشتہ کوتاہیوں کی تلافی ہو جاتی ہے اور مستقبل کے لیے استعداد پیدا ہوتی ہے اسی لیے کہا گیا ہے ڈرنے والا وہ نہیں جو روئے اور آنکھیں پونچھے بلکہ وہ شخص حقیقتاً خائف ہوتا ہے جو اس عمل کو چھوڑتا ہے جس پر عذاب کا خوف ہو۔

حضرت ابو القاسم حکیم نے فرمایا جو آدمی کسی چیز سے ڈرتا ہے وہ اس سے بھاگتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ اس کی طرف بھاگتا ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ سے کہا گیا بندہ خوف زدہ کب ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا جب بندہ اپنے آپ کو بیمار کی طرح سمجھے جو بیماری کے بڑھنے کے خوف سے پرہیز کرتا ہے صفات میں خوف کے اثر کی صورت یہ ہے کہ خواہشات کا قلع قمع کرے اور لذتوں کو گداز کر دے پس وہ گناہ جو اسے پسند تھے، ناپسندیدہ ہو جائیں گے جس طرح کسی شخص کو شہد پسند ہو لیکن جب اسے معلوم ہو جائے کہ اس میں زہر ہے تو وہ اسے ناپسند کرتا ہے تو خوف کی وجہ سے خواہشات جل جاتی ہیں اور اعضاء مؤدب ہو جاتے ہیں نیز دل میں انکساری، خشوع، ذلت اور جھکاؤ پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے تکبر، کینہ اور حسد دور ہو جاتا ہے بلکہ وہ خوف کی وجہ سے غم کا شکار ہو جاتا ہے اور خطراتِ انجام کو دیکھتا ہے تو وہ غیر کے لیے فارغ ہی نہیں ہوتا اب اس کا شغل صرف مراقبہ، محاسبہ، مجاہدہ ہوتا ہے وہ ایک ایک سانس کے

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۰۱ کتاب الادب

(۲) قرآن مجید، سورۂ فاطر آیت ۲۸

marfat.com

ساتھ بخل کرتا ہے اور خطرات قلبی، قدم اٹھانے اور کلمات کے ذریعے نفس کا مواخذہ کرتا ہے اس کا حال اس شخص کی طر
ہوتا ہے جو درندے کا شکار ہو جاتا ہے اسے معلوم نہیں کہ وہ (درندہ) اس سے غافل ہوگا اور یہ اس سے چھوٹ جائے گا یا و
اس پر حملہ کرکے اسے ہلاک کر دے گا تو اب اس کا ظاہر و باطن اسی کے ساتھ مشغول ہوتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے کس
اور کی وہاں گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ اس کا حال ہے جس پر خوف غالب ہو اور اس کو قابو کرلے صحابہ کرام اور تابعین کی ایک
جماعت کا یہی حال تھا اور جس قدر خوف ہوتا ہے اسی حساب سے مراقبہ، محاسبہ اور مجاہدہ بھی ہوتا ہے اور خوف دل کی پریشا
اور جلنے کا نام ہے اور قوتِ خوف کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے جلال، اس کی صفات اور افعال کی معرفت نیز نفس کے عیوب او
پیش آمدہ خطرات کی معرفت کی قوت، ہے اور خوف کا کم از کم درجہ جس کا اثر اعمال پر ظاہر ہوتا ہے، یہ ہے کہ وہ ممنوعات سے
روک دے اور ممنوعات سے حاصل ہونے والی یہ رکاوٹ ورع (پرہیزگاری) کہلاتی ہے اگر اس کی قوت زیادہ ہو تو وہ ان کا
سے بھی رکتا ہے جن میں تحریم زیادہ ہوتی ہے تو جن کی حرمت یقینی ہے ان کاموں سے کیسے باز نہیں رہے گا اور اس کا نا
تقویٰ ہے کیوں کہ تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ شک والے کام کو چھوڑ کر اس کام کی طرف جائے جس میں شک نہ ہو اور تقویٰ بعض اوق
اسے ان کاموں کو چھوڑنے پر بھی مجبور کرتا ہے جن میں کوئی حرج نہیں ہوتا اور اس کی وجہ ان کاموں میں پڑنے کا خوف ہوتا ہے
جن میں کوئی حرج ہو۔ اور تقویٰ میں صدق کہلاتا ہے پھر جب اس کے ساتھ عبادت کے لیے گوشہ نشینی کا اضافہ ہوتا ہے
تو وہ ایسی عمارت نہیں بناتا جس میں رہائش اختیار نہ کرے اور نہ ہی کھانے کے علاوہ کچھ جمع کرتا ہے وہ دنیا کی طرف توجہ نہیں کر
کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ وہ اسے چھوڑ دے گی اور اس کا کوئی سانس غیر خدا کے لیے استعمال نہیں ہوتا یہ صدق ہے اور ایسے
شخص کو صدیق کہنا زیادہ مناسب ہے تو صدق میں تقویٰ، تقویٰ میں ورع اور ورع میں عفت داخل ہوتی ہے کیوں کہ عفت کا
مطلب خاص طور پر خواہشات کے تقاضوں سے بچنا ہے۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ خوف اعضاء میں اس طرح اثر کرتا ہے کہ آدمی کسی کام سے رُکتا ہے اور کسی کا اقدام کرتا ہے اور اس رکاوٹ
کی وجہ سے اس کے لیے عفت کا نام بار بار پیدا ہوتا ہے اور وہ شہوت کے تقاضوں سے بچتا ہے اور اس سے اعلیٰ ورع ہے
کیوں کہ اس میں عموم ہے کیوں کہ یہ ہر ممنوع سے رُکنا ہے اور اس سے اعلیٰ تقویٰ ہے کیوں کہ یہ ممنوع اور مشتبہ دونوں قسم
کے کاموں سے رُکنے کا نام ہے اور اس سے اوپر والے درجہ پر فائز آدمی کو صدیق اور مقرب کہا جاتا ہے ہر دوسرا مرتبہ
پہلے مرتبہ کے مقابلے میں اسی طرح ہے جس طرح اخص، اعم کے مقابلے میں ہوتا ہے جب اخص کا ذکر کیا تو کُل کا ذکر کر دیا
جیسے تم کہو کہ انسان عربی ہوگا یا عجمی اور عربی قرشی ہوگا یا غیر قرشی اور قرشی، ہاشمی ہوگا یا غیر ہاشمی، پھر ہاشمی علوی ہوگا یا غیر علوی
اور علوی حسنی ہوگا یا حسینی۔

اگر تم ذکر کرو کہ وہ حسنی ہے تو تم نے تمام اوصاف کے ساتھ اس کا ذکر کر دیا اور اگر تم کہو کہ وہ علوی ہے تو تم نے اس سے
اوپر والی صفات کے ساتھ ذکر کیا جو اس سے عام ہیں اسی طرح جب تم کہو کہ وہ صدیق ہے تو تم نے کہا کہ وہ متقی، پرہیزگار اور

marfat.com

عنیف ہے تو یہ گمان مناسب نہیں ہے کہ ان ناموں کی کثرت، بہت سے باہم مخالف معانی پر دلالت کرتی ہے تو تمہارے لیے معانی باہم خلط ملط ہو جائیں گے جیسے اس آدمی پر مخلوط ہو جاتے ہیں جو الفاظ سے معانی طلب کرتا ہے اور الفاظ، معانی کے تابع نہیں ہوتے تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خوف کے تمام معانی جمع ہو جاتے ہیں اور وہ جو اوپر والی جانب سے متضمن ہے جیسے معرفت جو خوف کو واجب کرتی ہے اور وہ جو نیچے والی جانب جیسے وہ اعمال جو اس سے رکنے یا اقدام کے اعتبار سے صادر ہوتے ہیں۔

فصل ۲

خوف کے درجات اور قوت و ضعف کے اعتبار اسکا مختلف ہونا؟

جان لو کہ خوف قابل تعریف چیز ہے اور بعض اوقات گمان کیا جاتا ہے کہ ہر خوف محمود ہوتا ہے اور جو اس سے زیادہ قوی اور بکثرت ہوگا وہ زیادہ قابلِ تعریف ہوگا اور یہ بات غلط ہے بلکہ خوف تو اللہ تعالیٰ کا ایک کوڑا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں کو علم و عمل پر مواظبت (ہمیشگی) کی طرف لے جاتا ہے تاکہ ان دونوں کے ذریعے وہ قربِ خداوندی کا رتبہ حاصل کریں اور جانوروں کے لیے زیادہ بہتر بات یہی ہے کہ وہ کوڑے سے خالی نہ ہوں اور یہی حال بچے کا ہے لیکن یہ اس بات پر دلالت نہیں ہے کہ مارنے میں مبالغہ محمود ہے اسی طرح خوف کے لیے قصور بھی ہوتا ہے افراط بھی اور اعتدال بھی ہوتا ہے اور محمود وہ خوف ہے جو اعتدال پر مبنی ہے۔

قاصر خوف عورتوں کی رقت (نرمی) کی طرح ہوتا ہے جب قرآن پاک کی کوئی آیت سنی جاتی ہے تو دل میں خوف پیدا ہوتا ہے اس سے رونے کی صورت پیدا ہوتی ہے اور آنسو جاری ہوتے ہیں اسی طرح جب کسی پریشان کن سبب کا مشاہدہ ہوتا ہے جب یہ سبب جس سے غائب ہوتا ہے تو دل غفلت کی طرف لوٹ آتا ہے تو یہ خوف قاصر ہے اس کا عطیہ قلیل اور نفع کمزور ہوتا ہے جیسے کسی کمزور کانے سے طاقتور جانور کو مارا جائے وہ اسے کوئی زیادہ تکلیف نہیں پہنچاتا اور نہ ہی مقصد تک لے جاتا ہے اور وہ اس کی ریاضت کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا اور تمام لوگوں کا خوف بھی اسی قسم کا ہے البتہ عارفین اور علماء کا معاملہ الگ ہے اور علماء سے میری مراد رسمی علماء نہیں ہیں جو محض نام کے علماء ہیں کیوں کہ وہ خوف سے تمام لوگوں سے بڑھ کر دور ہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں، جو اللہ تعالیٰ، اس کے ایام اور اس کے افعال کا علم رکھتے ہیں اور ایسے لوگ اس زمانے میں کمیاب ہیں۔

اسی لیے حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا اگر تم سے پوچھا جائے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو، تو تم خاموش رہو کیونکہ اگر تم کہو گے نہیں تو یہ کفر ہے اور اگر تم ہاں کہو گے تو جھوٹ ہوگا انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ خوف ہی اعضاء کو گناہوں سے روکتا اور ان کو عبادات کی زنجیروں میں جکڑتا ہے اور جو بات اعضاء میں موثر نہ ہو وہ محض دل کی بات اور

marfat.com

قلبی حرکت ہے وہ خوف کہلانے کی مستحق نہیں ہے۔

اور جو آدمی خوف کے سلسلے میں مفرط ہے وہ مضبوط ہے اور حدِ اعتدال سے تجاوز کرتا ہے حتیٰ کہ وہ مایوسی کی طرف نکل جاتا ہے اور یہ بھی مذموم ہے کیوں کہ وہ عمل سے مانع ہے اور بعض اوقات خوف بھی مرض اور کمزوری نیز عقل کی کمزوری، دہشت اور زوالِ عقل کی طرف نکل جاتا ہے تو خوف سے مراد کوڑا ہے یعنی جو عمل پر مجبور کرتا ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو خوف کمال نہ ہوتا کیوں کہ حقیقت میں یہ نقصان ہے کیوں کہ اس کا منشاء جہالت اور عجز ہے، جہالت اس اعتبار سے ہے کہ وہ انجام کار سے واقف نہیں ہے کیوں کہ اگر وہ واقف ہوتا تو خائف نہ ہوتا کیوں کہ جس چیز کا خوف ہوتا ہے اسی میں تردد ہوتا ہے اور عجز اس اعتبار سے کہ ایک ممنوع چیز اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہے جسے وہ دور نہیں کر سکتا تو آدمی کے نقصان کی نسبت سے یہ محمود ہے جب کہ ذاتی طور پر محمود علم اور قدرت ہے نیز ہر وہ بات جو اللہ تعالیٰ کا وصف بن سکتی ہے وہ بھی محمود ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ کا وصف نہیں بن سکتی وہ ذاتی طور پر کمال نہیں ہے وہ ایسے نقص کی طرف اضافت کی وجہ سے محمود ہوتی ہے جس سے یہ بڑا ہے جیسے دوائی کی تکلیف کا احتمال محمود ہے کیوں کہ وہ موت اور مرض کی تکلیف سے آسان ہے اور جو بات ناامیدی کی طرف لے جائے وہ مذموم ہوتی ہے۔

اور بعض اوقات خوف بھی بیماری، کمزوری دہشت اور زوالِ عقل کی طرف لے جاتا ہے اور بعض اوقات خوف موت تک پہنچاتا ہے اور یہ سب کچھ مذموم ہے اور یہ ایسی ضرب کی طرح ہے جو بچے کو ہلاک کر دیتی ہے اور وہ کوڑا جو جانور کو ہلاک یا بیمار کر دیتا ہے یا اس کے کسی عضو کو توڑ دیتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امید کے اسباب بہت زیادہ بیان کئے تاکہ ان کے ذریعے حد سے متجاوز خوف کا علاج کیا جائے جو مایوسی یا مندرجہ بالا امور میں سے کسی ایک بات کی طرف لے جاتا ہے اور ہر وہ بات جو کسی دوسری بات کے لیے مراد ہو تو اس سے محمود وہی ہو جو مقصود تک پہنچائے اور جو اس سے کوتاہ ہے یا تجاوز کر جائے تو وہ مذموم ہے اور خوف کا فائدہ بچنا، ورع، تقویٰ، مجاہدہ، عبادت فکر، ذکر اور وہ تمام اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں اور یہ سب باتیں صحتِ بدن اور عقل کی سلامتی کے ساتھ زندگی کی داعی ہیں پس جو بات ان اسباب میں خرابی کا باعث بنے وہ مذموم ہے۔

سوال :۔

جو شخص خوف زدہ ہو کر مر جائے تو وہ شہید ہوتا ہے تو اس کی حالت مذموم کیسے ہو سکتی ہے؟

جواب :۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو شہید کا رتبہ ملتا ہے کیوں کہ اس کی موت کا سبب خوف ہے اگر وہ اس وقت نہ مرتا تو اسے یہ مرتبہ حاصل نہ ہوتا یہ مطلب نہیں کہ اس کی شہادت کا سبب خوف ہے تو وہ اس اضافت کی وجہ سے فضیلت ہے جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اگر وہ زندہ رہتا اور طویل عمر پاتا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے راستوں پر چلنے

یں گزارتا تو اس اعتبار سے یہ بات فضیلت کا باعث نہیں ہے۔
بلکہ جو شخص فکر و مجاہدے کے طریقے سے اللہ تعالیٰ کی طرف چلتا ہے اور معارف کے درجات میں ترقی کرتا ہے اس کے لیے ہر لحظہ شہید بلکہ شہداء کا رتبہ ہوتا ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو قتل ہونے والے بچے یا جس مجنوں کو کسی درندے نے ہلاک کیا اس کا رتبہ اس نبی یا ولی کے درجہ سے زیادہ ہوتا جو طبعی موت سے انتقال کرتے ہیں اور یہ بات محال ہے پس ایسا گمان بھی نہیں کرنا چاہیئے بلکہ سب سے افضل سعادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے طویل عمر حاصل ہو تو جو چیز عمر کو ختم کر دے یا عقل کو زائل کر دے یا اس صحت کو ختم کر دے جس کی وجہ سے زندگی معطل ہو کر رہ جاتی ہے تو وہ کچھ امور کی طرف نسبت سے نقصان ہی نقصان ہے اگرچہ بعض دوسرے امور کی نسبت سے اس کی بعض اقسام فضیلت قرار پائی ہیں جیسے شہادت اپنے سے نچلے درجے کی طرف اضافت کی وجہ سے فضیلت ہے متقین اور صدیقین کے درجہ کی طرف نسبت کریں تو یہ فضیلت نہیں ہے۔
نتیجہ یہ ہوا کہ اگر خوف عمل میں مؤثر نہ ہو تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے جیسے وہ لاٹھی جو جانور کو حرکت نہیں دے سکتی اور وہ اثر کرے تو اثر کے ظہور کے اعتبار سے اس کے کئی درجات ہیں اگر صرف عفت پر ہی محمول کیا جائے اور وہ شہوات کے تقاضوں سے رکنا ہے تو اس کے لیے ایک درجہ ہے اور جب ورع پیدا کرے تو وہ اعلیٰ درجہ ہے اور سب سے انتہائی درجہ یہ ہے کہ صدیقین کے درجات تک پہنچائے وہ یہ کہ ظاہر و باطن میں ماسوی اللہ سے قطع تعلق کر لے حتیٰ کہ اس میں غیر کی کوئی گنجائش نہ رہے اور یہ انتہائی درجہ ہے جو قابلِ تعریف ہے اور اس کے لیے صحت و عقل کا باقی رہنا ضروری ہے اگر یہ عقل و صحت کے ازالے کی طرف تجاوز کر جائے تو وہ مرض ہے اگر ہو سکے تو اس کا علاج کیا جائے اور اگر یہ محمود نہ ہو تو امید کے اسباب وغیرہ سے اس کا علاج واجب نہ ہوتا کہ وہ زائل ہو جائے اسی لیے حضرت سہل رحمہ اللہ نے اپنے کئی مریدوں سے جنہوں نے کئی دن تک بھوک کو اختیار کیے رکھا، فرمایا اپنی عقلوں کی حفاظت کرو کیوں کہ کوئی بھی ناقص العقل کرامتوں کا ولی نہیں ہوتا۔

فصل ۳

جس چیز کا خوف ہوتا ہے اس کی نسبت سے اقسامِ خوف

جاننا چاہیئے کہ خوف کا تحقق کسی ناپسندیدہ بات کے انتظار کی وجہ سے ہوتا ہے اور ناپسندیدہ بات یا تو ذاتی طور پر ناپسند ہو گی جیسے آگ یا اس لیے کہ وہ کسی ناپسندیدہ (مکروہ) بات تک پہنچاتی ہے جیسے گناہوں کا ارتکاب آخرت میں ناپسندیدہ شے تک پہنچائے گا اس لیے وہ ناپسند ہیں اور جس طرح بیمار نقصان دہ پھلوں کو ناپسند کرتا ہے کیوں کہ وہ موت تک پہنچاتے ہیں بالکل اسی طرح خوف رکھنے والے کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنے دل میں ان دو قسموں میں سے کسی ایک کی مثالی شکل بنائے اور دل میں

اس کا قوت سے انتظار ہو حتی کہ اس مکروہ بات کے شعور کی وجہ سے اس کا دل جل جائے۔

اور خائفین کے دلوں پر جو مکروہات غالب آتے ہیں اور وہ ممنوعات ہیں تو اس اعتبار سے ان لوگوں کے مقامات بھی مختلف ہیں پس وہ لوگ جن کے دلوں پر وہ چیز غالب ہو جو ذاتی طور پر نہیں بلکہ کسی دوسری وجہ سے مکروہ ہے وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جن کا خوف یا وعدہ کے ٹوٹنے کا خوف غالب آتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق کی ادائیگی کی قوت کمزور پڑ جانے یا دل کی نرمی کے ختم ہو کر اس کی سختی میں تبدیلی کا خوف یا سیدھے راستے سے بھٹکنے کا خوف یا جن خواہشات سے الفت ہے ان کی اتباع میں عادت کے غالب آنے کا خوف یا اس بات کا خوف کہ اللہ تعالیٰ ان نیکیوں کے بارے میں گفتگو فرمائے گا جن پر بھروسہ کر لیا اور ان کے ذریعے لوگوں کے درمیان عزت حاصل کی یا اللہ تعالیٰ کے نعمتوں کی کثرت کے باعث اکڑنے کا خوف، یا اس بات کا خوف کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کے غیر کے ساتھ مشغول ہو جائے یا یہ خوف ہو کہ نعمتوں کے تواتر کی وجہ سے آہستہ آہستہ پکڑے جانے کا خوف یا یہ ڈر ہو کہ عبادات کی مکروفریب ظاہر نہ ہو جائیں جب اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہو جس کا اسے گمان بھی نہ تھا یا یہ خوف کہ لوگ غیبت، خیانت، دھوکے اور دل میں برائی چھپانے کے ذریعے اس کا پیچھا نہ لگ جائیں یا اس برائی کا خوف جس کا اسے علم نہیں کہ وہ باقی زندگی میں پیدا ہو گی یا دنیا میں فوری طور پر عذاب کے پہنچنے اور موت سے پہلے رسوائی کا ڈر ہو یا دنیوی زیب و زینت کے ذریعے دھوکے کا شکار ہونے کا خوف یا اس بات کا ڈر ہو کہ اللہ تعالیٰ تو میری خفیہ باتوں پر مطلع ہے اور میں غافل ہوں یا موت کے وقت برے خاتمے کا ڈر ہو یا یہ خوف کہ ازل میں اس کے لیے کیا فیصلہ ہوا۔

تو عارفین کو ان تمام باتوں کا خوف رہتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کا خصوصی فائدہ ہے یعنی وہ اس چیز سے بچنے کا راستہ اختیار کرتا ہے جس کا اسے خوف ہوتا ہے۔

جسے عادت کے غالب آنے کا خوف ہوتا ہے وہ عادت کو ترک کرنے کی کوشش کرتا ہے جسے اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی خفیہ باتوں پر اطلاع ہے وہ دل کو وسوسوں سے پاک کرنے کی کوشش کرتا ہے باقی اقسام کی بھی یہی صورت ہے۔

اور ان مقاماتِ خوف میں سے سب سے زیادہ یقین کے ساتھ غالب خوف برے خاتمے کا خوف ہے کیوں کہ یہ معاملہ بہت خطرناک ہے اور سب سے اعلیٰ اور کمال معرفت پر سب سے زیادہ دلالت کرنے والی قسم ازلی فیصلے کا خوف ہے کیونکہ خاتمہ تو اس کے تابع ہے اور یہ (خاتمہ) ایک فرع ہے جو کئی اسباب کے بعد پیدا ہوتا ہے پس خاتمہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے جو قضاء کے سلسلے میں پہلے سے لوحِ محفوظ میں موجود ہے تو خاتمے سے ڈرنے والا اس شخص کی نسبت سے جو ازلی فیصلے سے ڈرتا ہے ان دو آدمیوں کی طرح ہے جن کے حق میں بادشاہ نے دستخط کر کے دیے اس بات کا احتمال ہے کہ اس کی گردن زدنی کا حکم ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کو وزارت سونپنے کا حکم دیا ہو۔ اور ابھی تک ان دونوں کے پاس

marfat.com

وہ پروانہ نہیں پہنچا اب جس وقت وہ پروانہ (سکوتی آرڈر) پہنچتا ہے تو ایک سوچتا ہے کہ معلوم نہیں اس میں کیا ہوگا اور دوسرے کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ جب بادشاہ مہر لگا کر دستخط کر رہا تھا تو اس وقت اس کی کیا کیفیت تھی اور نمعلوم دستخط کرتے وقت میرے لیے بادشاہ کی کونسی حالت ظاہر ہوئی رحمت یا غضب ! اور یہ سبب کی طرف توجہ ہے اور یہ فرع کی طرف توجہ کے مقابلے میں اعلیٰ ہے اسی طرح قضائے ازلی جو قلم کے ساتھ جاری ہوئی اس کی طرف توجہ اس کی طرف توجہ سے بہتر ہے جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا جب آپ نے منبر شریف پر خطبہ دیتے ہوئے دائیں ہاتھ کو اکٹھا کر کے مٹھی کی صورت بنائے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں تمام جنتیوں کے نام اور ان کے آباؤ اجداد کے نام لکھے ہیں ان میں نہ اضافہ ہوگا اور نہ ہی کمی" پھر بائیں ہتھیلی کو اکٹھا کر کے فرمایا "یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں جہنمیوں اور ان کے آباؤ اجداد کے نام ہیں ان میں کوئی کمی زیادتی نہ ہوگی اور اہل سعادت کو ضرور بضرور بدبخت لوگوں کے اعمال کا علم ہوحتی کہ کہا جائے گا گویا کہ وہ ان میں سے ہیں بلکہ وہ تو وہی ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان کو موت سے پہلے بچا لیتا ہے اگرچہ اونٹنی کی دو دہاروں کے درمیان وقفے جتنا وقت ہو اور بدبخت لوگوں کو بھی، نیکبخت لوگوں کے اعمال کا علم ہوگا حتی کہ کہا جائے گا گویا کہ وہ ان میں سے ہیں بلکہ وہ تو وہی ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان کو موت سے پہلے نکال لے گا اگرچہ اونٹنی کو دوہتے وقت دو دہاروں کے درمیان جتنا وقت ہو نیکبخت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے ساتھ نیک بخت ہوا اور بدبخت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے ذریعے بدبخت ہوا اور اعمال کا اعتبار خاتمے سے ہوتا ہے (۱)

یہ اسی طرح ہے جیسے دو ڈرنے والے ہوں اور ان میں سے ایک اپنے رب کی معصیت اور جرم کی وجہ سے ڈرتا ہے اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس کی صفت وجلال اور ان صفات کی وجہ سے ڈرتا ہے جو لامحالہ مصیبت کا تقاضا کرتی ہیں اور یہ اعلیٰ رتبہ ہے اسی لیے اس کا خوف باقی رہتا ہے اگرچہ وہ صدیقین کی طرح اطاعت کرتا ہو لیکن دوسرا شخص غرور کے میدان میں رہتا ہے اور جو شخص بے خوف ہو اگر وہ ہمیشہ عبادت میں مصروف رہتا ہے تو معصیت سے خوف صالحین کا خوف ہے اور اللہ تعالیٰ سے خوف موحدین صدیقین کا خوف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا نتیجہ ہے جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کو جان لیتا ہے وہ اس کی صفات میں سے اس صفت کو جان لیتا ہے جو اس لائق ہے کہ کسی گناہ کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرا جائے بلکہ گناہ گار شخص اگر صحیح طور پر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لے تو وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اس کی نافرمانی سے نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات سے ڈر نہ ہوتا تو وہ اسے گناہ کے لیے مسخر نہ کرتا اور نہ ہی اس کے لیے اس کا راستہ آسان کرتا اور اس کے اسباب تیار کرتا۔ کیوں کہ اسباب گناہ کا آسان کر دینا اپنے آپ سے دور کرنا ہے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۶۷ مرویات عبداللہ بن عمرو۔

marfat.com

حالانکہ اس معصیت سے بھی اس سے کوئی نافرمانی سرزد نہیں ہوئی جس کی وجہ سے وہ اس بات کا مستحق ہوتا کہ اسے گناہ کے لیے قابو کیا جائے اور اس پر اسبابِ معصیت کو جاری کر دیا جائے اور عبادت سے پہلے کوئی وسیلہ نہیں تھا جسے وہ شخص وسیلہ بناتا جس کے لیے عبادات کو آسان کیا گیا اور عبادات کا راستہ اس کے لیے تیار کیا گیا تو گناہ کرنے والے کے لیے گناہ کا فیصلہ کر دیا گیا وہ چاہے یا نہ اسی طرح اطاعت کرنے والے کا مسئلہ ہے تو وہ ذات جس نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ علیین تک بلندی عطا فرمائی حالانکہ آپ کے وجودِ مسعود سے پہلے کوئی وسیلہ نہ تھا اور ابوجہل کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے لیے اسفل السافلین رکھ دیا حالاں کہ اس وقت اس کے لیے کوئی وسیلہ نہ تھا وہ ذات اس لائق ہے کہ اس کی صفتِ جلال کی وجہ سے اس سے ڈرا جائے پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے وہ اس لیے اطاعت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ارادۂ اطاعت مسلط کر دیا اور اسے طاقت عطا فرمائی اور پختہ ارادہ اور قدرتِ تامہ کے بعد فعل ضروری ہو جاتا ہے اور جس نے نافرمانی کی اس نے اس وجہ سے کی کہ اس پر مضبوط اور پختہ ارادہ مسلط کر دیا گیا اور اس کے پاس اسباب اور قدرت آگئی اور ارادے اور طاقت کے بعد فعل ضروری ہو گیا۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون ہے جس نے اس کا اکرام واجب کیا اور اس پر ارادۂ طاعت کو مسلط کرنے کے ذریعے اسے خاص کر دیا اور وہ کون ہے جس نے اس دوسرے کی ذلت و اہانت کو واجب کیا اور اس پر معصیت کے اسباب مسلط کر کے اس کو دُور کر دیا؟ یہ بات بندے کی طرف کیسے پھیری جا سکتی ہے تو جب یہ بات ازلی فیصلہ کی طرف لوٹتی ہے جب کوئی گناہ اور وسیلہ نہ تھا تو اس سے ڈرنا جو جیسا چاہے فیصلہ کرے اور جو چاہے حکم دے ہر عقلمند پر لازم ہے اور اس معنیٰ کے بعد ایک ایسا راز ہے جس کا افشاء جائز نہیں ہے (۱)

اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے حوالے سے خوف کو سمجھنے کے لیے ایک مثال ذکر کی جاتی ہے اس کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں اگر شریعت کی اجازت نہ ہوتی تو کوئی بھی صاحبِ بصیرت شخص اس کے ذکر کی جرأت نہ کر سکتا حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی اے داؤد! مجھ سے اس طرح ڈرو جس طرح پھاڑنے والے درندے سے ڈرتے ہو، اس مثال سے تمہیں حاصل معنیٰ کی سمجھ آجائے گی اگرچہ یہ تمہیں اس کے سبب سے آگاہی نہیں دے سکتی کیوں کہ سبب سے آگاہی تقدیر کے پوشیدہ راز پر آگاہی ہے اور وہ صرف اس کے اہل لوگوں پر منکشف ہوتا ہے۔

---

(۱) حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کا اشارہ غالباً اس بات کی طرف ہے کہ تقدیر کے بارے میں بحث جائز نہیں ہے لہٰذا ہمیں صرف اتنی بات یاد رکھنی چاہیے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عبادت اور گناہ کے سلسلے میں ازل میں فیصلہ فرمایا اس نے ہمیں مجبور نہیں کیا بلکہ ہمیں اختیار دیا گیا اور جو کچھ ہم نے کرنا تھا وہ لکھا یہ نہیں کہ ہمیں پابند کیا گیا ۱۲ ہزاروی

marfat.com

حاصل کلام یہ ہوا کہ درندے سے اس لیے نہیں ڈرتے کہ ہم نے پہلے اس کا کوئی جرم کیا ہے بلکہ اس کی صفت، اس کی پکڑ، اس کے رعب و دبدبہ اور ہیبت وغیرہ کی وجہ سے ڈرتے ہیں اور اس لیے کہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اس کی پرواہ نہیں کرتا اگر درندہ کسی کو ہلاک کر دے تو اس کے دل میں کوئی نرمی پیدا نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ اس قتل پر دکھ محسوس کرتا ہے اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دیتا ہے تو تم پر شفقت کرتے ہوئے اور تمہاری روح کو باقی رکھنے کے لیے نہیں چھوڑتا بلکہ تم اس کے نزدیک زیادہ خسیس شمار ہوتے ہو تم زندہ ہو یا مردہ وہ تمہاری طرف توجہ نہیں کرتا بلکہ اس کے نزدیک تمہارے جیسے ایک ہزار افراد کو ہلاک کرنا اور ایک چیونٹی کو قتل کرنا ایک جیسا ہے کیوں کہ اس سے اس کی درندگی میں کوئی عیب پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی صفت مثلاً طاقت اور دبدبے میں کوئی فرق آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے اعلیٰ مثال ہے۔

لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کو باطنی مشاہدے کے ساتھ پہچان لیتا ہے اور یہ مشاہدہ زیادہ قوی، زیادہ باوثوق اور ظاہری مشاہدے سے زیادہ روشن ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس قول میں سچا ہے کہ یہ لوگ جنت کے لیے ہیں اور مجھے اس کی پرواہ نہیں اور یہ جہنم کی طرف جائیں گے اور مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں اور اس کی ہیبت و خوف کے بارے میں اتنا جانتا کافی ہے کہ وہ مستغنی اور بے پرواہ ذات ہے ڈرنے والوں کے دوسرے طبقے کو چاہیے کہ وہ اپنے دل میں اس مکروہ بات کی مثالی شکل رکھیں جیسے موت کی سختیاں، منکر نکیر کے سوالات، عذابِ قبر یا قیامت کا خوف یا اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کی ہیبت، پردہ دری سے حیا چھوٹی چھوٹی باتوں کے بارے میں سوال، پل صراط اور اس کی تیزی کا خوف اس کو عبور کرنے کا خوف جہنم اس کے جوش مارنے اور اس کے ہولناک منظر کا خوف جنت جو نعمتوں کا گھر اور ہمیشہ رہنے والی حکومت ہے، سے محرومی کا خوف درجات کی کمی کا خوف یا اللہ تعالیٰ سے حجاب کا خوف ——

یہ تمام اسباب ذاتی طور پر ناپسند ہوتے ہیں اور یہ بھی لازماً مقاماتِ خوف ہیں اس سلسلے میں بھی خوف کھانے والوں کے حالات مختلف ہیں اور سب سے بڑا مرتبہ فراق اور اللہ تعالیٰ سے حجاب میں ہونے کا خوف ہے اور یہ عارفین کا خوف ہے اور جو کچھ اس سے پہلے ہے وہ عابدین، صالحین، زاہدین اور عام لوگوں کا خوف ہے اور جس شخص کی معرفت کامل نہ ہو اس کے لیے بصیرت نہیں کھلتی، اسے لذت وصال کا شعور حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی اسے بُعد و فراق سے پہنچنے والے دکھ کا شعور ہوتا ہے اور جب اس کے سامنے ذکر کیا جائے کہ عارف جہنم سے نہیں ڈرتا وہ تو حجاب سے ڈرتا ہے تو وہ اس بات کو دل سے ناپسند کرتا ہے اور اس پر دل ہی دل میں تعجب کرتا ہے اور ہو سکتا ہے بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی زیارت کی لذت کا انکار ہی کر دے اگر شریعت نے اس کو منع نہ کیا ہوتا تو اس کا زبان سے اعتراف کرنا ضرورتِ تقلید کے تحت ہے ورنہ اس کا باطن اس کی تصدیق نہیں کرتا کیوں کہ وہ تو پیٹ شرمگاہ اور آنکھ کی لذت کو ہی جانتا ہے جب وہ طرح طرح کے رنگوں اور خوبصورت چہروں کو دیکھتا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ہر وہ لذت جس میں حیوانات بھی شریک ہوتے ہیں وہ اسی میں شامل ہے۔

marfat.com

لیکن عارفین کو جو لذت حاصل ہوتی ہے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا اور جو لوگ اس بات کے اہل نہیں ہیں ان کے سامنے اس بات کی تفصیل اور تشریح بیان کرنا حرام ہے اور جو اہل ہے وہ خود بخود دیکھ لیتا ہے اسے کسی دوسرے کی طرف سے تشریح کی حاجت نہیں ہے۔

یہ اقسام خائفین کے خوف کی طرف لوٹتی ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے کرم کے صدقے اس سے توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

فصل ۴

فضیلت خوف اور اس کی ترغیب

جاننا چاہیے کہ خوف کی فضیلت بعض اوقات غور و فکر سے معلوم ہوتی ہے اور بعض اوقات آیات و احادیث سے واضح ہوتی ہے۔

جہاں تک قیاس اور غور و فکر کا تعلق ہے تو اس کا راستہ یہ ہے کہ کسی چیز کی فضیلت اسی اندازے کے مطابق ہے جس قدر وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی سعادت تک پہنچانے میں بے نیاز کرتی ہے کیوں کہ سعادت کے سوا کوئی مقصود نہیں اور بندے کی سعادت یہی ہے کہ اسے اپنے مولیٰ سے ملاقات اور قرب کا شرف حاصل ہو۔ تو جو عمل اس سعادت پر معاون ہو اس کے لیے فضیلت ہوتی ہے اور فضیلت بقدر غایت ہوتی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ آخرت میں ملاقات کے ذریعے سعادت تک پہنچنے کے لیے محبت کا حصول نیز دنیا میں اس سے مانوس ہونا ضروری ہے اور محبت کا حصول معرفت کے بغیر نہیں ہوتا اور حصولِ معرفت کے لیے دائمی فکر ضروری ہے اور اُنس کے حصول کے لیے محبت اور دائمی ذکر لازمی ہے اور ذکر و فکر پر مواظبت اسی وقت ہو سکتی ہے جب دل سے دنیا کی محبت منقطع ہو جائے اور اس انقطاع کے لیے لذاتِ دنیا اور خواہشات کا ترک ضروری ہے اور شہوت والے کاموں کو اسی وقت چھوڑنا ممکن ہے جب خواہشات کا قلع قمع کیا جائے اور جس قدر شہوت کا خاتمہ خوف کی آگ سے ہوتا ہے کسی دوسری چیز کے ذریعے نہیں ہوتا پس خوف، شہوات کو جلانے والی آگ ہے اور وہ جس قدر شہوات کو جلاتا ہے اسی قدر اس کی فضیلت ہوتی ہے اسی طرح جس قدر وہ گناہوں سے روکتا اور عبادات کی رغبت پیدا کرتا ہے اسی قدر اس کی فضیلت ہوتی ہے اور یہ خوف کے درجات سے مختلف ہوتی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اور خوف میں فضیلت کیوں نہ ہوگی جب کہ اس کے ذریعے عفت، ورع، تقویٰ اور مجاہدہ حاصل ہوتا ہے اور یہ اچھے اور قابل تعریف اعمال ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہیں۔ اور آیات و احادیث کے ذریعے اس کی فضیلت کے بیان کے سلسلے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ خوف کی فضیلت میں بے شمار آیات و احادیث آئی ہیں اور خوف کی فضیلت کے سلسلے میں تمہارے لیے اتنی بات کافی ہے کہ خائفین کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہدایت، رحمت، علم اور رضوان کو جمع فرمایا اور یہ تمام امور اہل جنت کے مقامات کو جمع کرتے ہیں۔

marfat.com

آیاتِ کریمہ:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ۔ (۱)

یہ (تورات) ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی خشیت وخوف کی وجہ سے ان کو علم سے موصوف فرمایا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ۔ (۳)

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے یہ اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرا۔

تو جو باتیں فضیلت علم پر دلالت کرتی ہیں وہ خوف کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں کیوں کہ خوف، علم کا ثمرہ ہے اسی لیے حضرت علی علیہ السلام کی خبر میں آیا ہے کہ خائفین کے لیے رفیق اعلیٰ ہے جس میں ان کے ساتھ کوئی شریک نہ ہوگا۔ تو دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے رفیق اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) کی رفاقت کے سلسلے میں ان کو منفرد رکھا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ علماء ہیں اور علماء کو انبیاء کرام علیہم السلام کی رفاقت کا مرتبہ حاصل ہے کیوں کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اور رفیق اعلیٰ کی رفاقت انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اور رفیق اعلیٰ کی رفاقت انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے اور ان لوگوں کے لیے ہے جو ان کے ساتھ ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض الموت میں دنیا میں باقی رہنے اور بارگاہ خداوندی میں حاضری کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

اَسْاَلُكَ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى۔ (۴)

یا اللہ! میں تجھ سے رفیق اعلیٰ کا سوال کرتا ہوں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۱۵۴

(۲) قرآن مجید، سورۃ فاطر آیت ۲۸

(۳) قرآن مجید، سورۃ البینہ آیت ۸

(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۴ کتاب الرقاق

marfat.com

اب اگر خوف کی بنیاد کو دیکھا جائے تو وہ علم ہے اور اس کے نتیجے کو دیکھیں تو وہ ورع اور تقویٰ ہے اور ان دونوں با
کی فضیلت کے سلسلے میں جو کچھ آیا ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ عاقبت، تقویٰ کے ساتھ مختص کر دی گئی۔
جیسا کہ حمد اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور صلوٰۃ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے حتیٰ کہ کہا جاتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاٰلِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور عاقبت (اچھا انجام) پرہیز گار لوگوں کے لیے اور صلوٰۃ (رحمت) ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تمام آل پر ہو۔

اور اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو اپنے ساتھ خاص کیا (یعنی قبولیت کے اعتبار سے)
ارشاد خداوندی ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ تک ان قربانیوں کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا بلکہ اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

اور تقویٰ ان چیزوں سے رُکنے کا نام ہے جو خوف کا مقتضیٰ ہیں۔
اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ (۲)

بے شک تم میں سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کو تقویٰ کا حکم دیا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ۔ (۳)

اور بے شک ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے گزرے اور تمہیں (بھی) حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَخَافُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (۴)

اور مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

تو اللہ تعالیٰ نے خوف کا حکم دیا اور اسے واجب قرار دیا بلکہ ایمان میں شرط قرار دیا اسی لیے یہ تصور نہیں ہو سکتا کہ کوئی مومن خوف سے خالی ہو اگرچہ کتنا ہی کمزور ہو اور خوف کا ضعف ایمان و معرفت کی کمزوری کے مطابق ہوتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حج آیت ۳۷

(۲) قرآن مجید، سورۂ حجرات آیت ۱۳

(۳) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۱۳۱

(۴) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۷۵

marfat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ کی فضیلت کے بارے میں بیان فرمایا۔
جب معلوم دن (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ پہلوں اور پچھلوں کو جمع کرے گا تو اس وقت ان کو ایک آواز آئے گی جسے ان کے دور والے بھی اسی طرح سنیں گے جس طرح قریب والے سنیں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے لوگو! میں نے جب سے تمہیں پیدا کیا اس دن سے آج تک میں تمہاری باتیں سنتا رہا آج تم میری بات غور سے سنو یہ تمہارے اعمال تمہاری طرف لوٹائے جا رہے ہیں اے لوگو! ایک نسب میں نے بنایا اور ایک نسب تم نے قرار دیا تم نے میرے نسب کو پست کیا اور اپنے نسب کو بلند کیا میں نے کہا تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے اور تم نے انکار کیا تم نے کہا فلاں، فلاں شخص سے زیادہ غنی ہے آج میں تمہارے نسب کو پست اور اپنے نسب کو بلند کروں گا متقی لوگ کہاں ہیں؟ تو ایک قوم کے لیے جھنڈا بلند کیا جائے گا تو لوگ اپنے جھنڈے کے پیچھے چل کر اپنی منازل تک جائیں گے اور کسی حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللهِ۔ (۲) حکمت کی اصل اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔
اِنْ اَرَدْتَ اَنْ تَلْقَانِیْ فَاَكْثِرْ مِنَ الْخَوْفِ بَعْدِیْ۔ (۳) اگر تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو تو میرے بعد خوف زیادہ رکھنا۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو یہ خوف ہر بھلائی کی طرف اس کی راہنمائی کرتا ہے۔
حضرت شبلی رحمہ اللہ نے فرمایا میں جس دن اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اسی دن حکمت و عبرت کا ایسا دروازہ دیکھتا ہوں جو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص کوئی برائی کرتا ہے اسے دو اچھائیاں ملتی ہیں ایک عذاب کا خوف اور دوسری معافی کی امید جیسا کوئی لومڑی دو شیروں کے درمیان ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعلق حدیث میں ہے کہ جہاں تک ورع والوں (پرہیزگاروں) کا تعلق ہے تو ہر شخص سے حساب ہوگا اور جو کچھ اس کے پاس ہے اس کی چھان بین ہوگی سوائے اہل ورع کے، کیوں کہ مجھے ان سے حیا آتا ہے اور ان کی اجل یہ ہے کہ میں ان کو حساب کے لیے کھڑا کروں۔

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۴۶۴ کتاب التفسیر
(۲) شعب الایمان جلد اول ص ۴۷۰ حدیث ۷۴۳
(۳)

marfat.com

ورع اور تقویٰ ایسے نام ہیں جو ان معانی سے مشتق ہیں جن کے لیے خوف شرط ہے اگر تم خوف سے خالی ہو تو تم ان ناموں کے ساتھ موسوم نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح فضائلِ ذکر بھی متحقق نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اسے خائفین کے ساتھ خاص کیا ارشاد خداوندی ہے۔

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى۔ (۱)

پس نصیحت وہ مانے گا جو ڈرتا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ۔ (۲)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لیے دو جنت ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

لَا اَجْمَعُ عَلٰى عَبْدِيْ خَوْفَيْنِ وَلَا اَجْمَعُ لَهٗ اَمْنَيْنِ فَاِنَّ اَمِنَنِيْ فِي الدُّنْيَا اَخَفْتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاِنْ خَافَنِيْ فِي الدُّنْيَا اَمَّنْتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے میں اپنے بندے پر دو خوف جمع نہیں کروں گا اور نہ اس کے لیے دو امن جمع کروں گا اگر وہ دنیا میں مجھ سے بے خوف رہے تو میں قیامت کے دن اسے خوف میں مبتلا کروں گا اور اگر وہ دنیا میں مجھ سے ڈرتا رہے تو میں قیامت کے دن اسے امن میں رکھوں گا۔ (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ خَافَ اللّٰهَ خَافَهٗ كُلُّ شَيْءٍ وَمَنْ خَافَ غَيْرَ اللّٰهِ خَوَّفَهُ اللّٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے ہر چیز اس سے ڈرتی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے غیر سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہر چیز سے خوف زدہ کرتا ہے۔ (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَتْقَاكُمْ عَقْلًا اَشَدُّكُمْ خَوْفًا لِلّٰهِ وَاَحْسَنُكُمْ فِيْمَا اَمَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ وَنَهٰى عَنْهُ نَظَرًا۔

تم میں سے سب سے زیادہ کامل عقل والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی میں غور کرتا ہے وہ تم سب سے اچھا ہے۔ (۵)

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الاعلیٰ آیت ۱۰

(۲) قرآن مجید، سورۃ رحمٰن آیت ۴۶

(۳) شعب الایمان جلد اوّل ص ۴۸۳ حدیث ۔۔۔

(۴) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۵۱ حدیث ۵۹۱۵

marfat.com

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے مسکین انسان اگر جہنم سے اسی طرح ڈرے جس طرح فقر سے ڈرتا ہے تو جنت میں داخل ہو۔

حضرت ذوالنون رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کا دل پگھل جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی محبت مضبوط ہو جاتی ہے نیز اس کے لیے اسکی عقل صحیح ہو جاتی ہے۔

حضرت ذوالنون رحمہ اللہ نے ہی فرمایا کہ خوف کا امید کے مقابلے میں زیادہ بلیغ ہونا مناسب ہے کیوں کہ جب امید غالب ہو تو دل میں تشویش پیدا ہوتی ہے۔

حضرت ابوالحسن الضریر (نابینا) رحمہ اللہ فرماتے تھے نیک بختی کی علامت بدبختی سے ڈرنا ہے کیوں کہ خوف اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک لگام ہے جب اس کی لگام ٹوٹ جائے تو وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو جاتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کل (بروز قیامت) مخلوق میں سے کون زیادہ بے خوف ہوگا؟ انہوں نے کہا جو آج زیادہ ڈرتا ہے حضرت سہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم اس وقت تک خوف تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے جب تک حلال نہ کھاؤ۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا اے ابوسعید! ہم کیا کریں ہم کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں جو ہمیں ڈراتے ہیں حتیٰ کہ ہمارے دل اڑنے کے قریب ہو جاتے ہیں انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم اگر تم ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ جو تمہیں ڈراتے رہتے حتیٰ کہ تمہیں امن حاصل ہو جائے تو یہ بات تمہارے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ تم ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرو جو تمہیں بے خوفی کی راہ دکھاتے ہیں حتیٰ کہ تمہیں خوف آ پکڑے۔

حضرت سلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا جس دل سے خوف دور ہو جاتا ہے وہ خراب (ویران) ہو جاتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس آیت سے چور اور زانی مراد ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے :۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ۔ (۱)

اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیں اور ان کے دل ڈر رہے ہوتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا بَلِ الرَّجُلُ یَصُوْمُ وَیُصَلِّیْ وَیَتَصَدَّقُ وَیَخَافُ اَنْ لَّا یُقْبَلَ مِنْهُ۔ (۲)

نہیں، بلکہ وہ شخص مراد ہے جو روزہ رکھتا، نماز پڑھتا اور صدقہ کرتا ہے اور اسے ڈر ہو کہ اس سے (یہ عبادت) قبول نہ ہو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ مومنون آیت ۶۰

(۲) جامع ترمذی ص ۵۵۴، ابواب التفسیر

marfat.com

اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر اور عذاب سے امن کے بارے میں وارد وعیدات بے شمار ہیں اور یہ سب خوف کی تعریف ہے کیوں کہ کسی چیز کی مذمت اس کی ضد کی تعریف ہے جو اس کی نفی کرتی ہے اور خوف کی ضد امن ہے جیسے امید کی ضد مایوسی ہے اور جس طرح مایوسی کی مذمت، امید کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے اسی طرح بے خوفی کی مذمت، خوف کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے جو اس کی ضد ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ جو کچھ امید کی فضیلت میں وارد ہے وہ فضیلتِ خوف کی دلیل ہے کیوں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں اس لیے کہ جو شخص کسی محبوب چیز کی امید رکھتا ہے ضروری ہے کہ وہ اس کے فوت ہونے سے ڈرے اور اگر اسے اس کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو تو وہ اس سے محبت ہی نہیں کرتا پس وہ اس کے انتظار کی وجہ سے امیدوار نہیں کہلا سکتا۔

تو خوف اور امید لازم و ملزوم ہیں ایک دوسرے سے ان کی جدائی محال ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ دونوں کے جمع ہونے کی صورت میں ایک، دوسرے پر غالب ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دل ان میں سے ایک میں مشغول ہو اور فی الحال دوسرے کی طرف متوجہ نہ ہو کیوں کہ اس سے غافل ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ امید اور خوف کی ایک شرط یہ ہے کہ ان دونوں کا تعلق اس چیز کے ساتھ ہوتا ہے جس میں شک ہو کیونکہ جو چیز یقینی ہو اس کی نہ تو امید ہوتی ہے اور نہ ہی خوف۔ پس وہ محبوب جس کے وجود کا امکان ہو اس کا عدم بھی لامحالہ جائز ہوتا ہے پس اس کے وجود کی تقدیر دل کو راحت پہنچاتی ہے اور یہی امید ہے اور اس کے عدم کی تقدیر دل کو پریشان کرتی ہے اور اسی کو خوف کہتے ہیں اور جب وہ بات جس کا انتظار کیا جاتا ہے مشکوک ہو تو دونوں تقدیریں لازماً ایک دوسرے کے مقابلے میں ہوتی ہیں ہاں شک کی دو طرفوں میں سے ایک بعض اوقات بعض اسباب کی موجودگی کے باعث راجح ہوتی ہے اور اسے ظن کہتے ہیں اور یہ بات، ایک کے دوسرے پر غلبہ کا سبب ہوتی ہے اور جب وجودِ محبوب کا غالب گمان ہو تو امید قوی ہو جاتی ہے اور اس کے مقابلے میں خوف پوشیدہ ہوتا ہے اور اسی طرح اس کے برعکس بھی ہوتا ہے اور دونوں صورتوں میں یہ دونوں ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا۔ (۱) اور وہ ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا۔

يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا۔ (۲) وہ اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں۔

اسی لیے اہل عرب خوف کو رجاء سے تعبیر کرتے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ انبیاء آیت ۹۰

(۲) قرآن مجید، سورۂ سجدہ آیت ۱۶

marfat.com

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا۔ (۱)

تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے عزت حاصل کرنے کی آرزو نہیں کرتے۔

یعنی تم کیوں نہیں ڈرتے اور قرآن پاک میں بے شمار مقامات پر رجاء خوف کے معنی میں آیا ہے کیوں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں اس لیے کہ عربوں کی عادت ہے کہ وہ کسی چیز کی تعبیر اس کے لازم سے کرتے ہیں۔

بلکہ میں کہتا ہوں کہ جو کچھ خشیت الٰہی کی وجہ سے رونے کی فضیلت کے سلسلے میں آیا ہے وہ خشیت کی فضیلت کا اظہار ہے کہ رونا، خشیت کا نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا۔ (۲)

پس چاہیئے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے،

يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا۔ (۳)

وہ روتے ہیں اور ان کا خشوع بڑھتا ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ۔ (۴)

تو کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں حالاں کہ تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

وَمَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ تَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دَمْعَةٌ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ رَاْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى ثُمَّ تُصِيْبُ شَيْئًا مِنْ حَرِّ وَجْهِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ (۵)

جس مومن کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کے خوف سے آنسو نکلتا ہے اگرچہ مکھی کے سر کے برابر ہو پھر اسے اس کے چہرے کی گرمی کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم پر حرام کر دیتا ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نوح آیت ۱۳

(۲) قرآن مجید، سورۂ توبہ آیت ۸۲

(۳) قرآن مجید، سورۂ اسرا آیت ۱۰۹

(۴) قرآن مجید، سورۂ النجم آیت ۵۹

(۵) شعب الایمان جلد اوّل ص ۱۹۰ حدیث ۸۰۲

marfat.com

اِذَا اقْشَعَرَّ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ تَحَاتَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا يَتَحَاتُّ مِنَ الشَّجَرَةِ وَرَقُهَا۔ (۱)

جب مومن کا دل اللہ تعالیٰ کے خوف سے لرزتا ہے تو اس سے خطائیں جھڑ جاتی ہیں جس طرح درخت سے اس کے پتے جھڑتے ہیں۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا يَلِجُ النَّارَ اَحَدٌ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى حَتّٰى يَعُوْدَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ۔ (۲)

جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتا ہے وہ ہرگز جہنم میں داخل نہیں ہوگا حتیٰ کہ دودھ (جانور کے) تھن میں واپس آجائے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) نجات کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ۔ (۳)

اپنی زبان کو روک رکھو، تمہارا گھر تمہیں کفایت کرے (بلاضرورت باہر نہ جاؤ) اور اپنے گناہوں پر روؤ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ کی امت میں سے کوئی شخص بغیر حساب کے جنت میں جائے گا؟ آپ نے فرمایا۔

نَعَمْ مَنْ ذَكَرَ ذُنُوْبَهٗ فَبَكٰى۔ (۴)

ہاں جو شخص اپنے گناہوں کو یاد کر کے روئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا مِنْ قَطْرَةٍ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ قَطْرَةِ دَمْعٍ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى اَوْ قَطْرَةِ دَمٍ اُهْرِيْقَتْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى۔ (۵)

اللہ تعالیٰ کو اس قطرے سے بڑھ کر کوئی قطرہ پسند نہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے بہتا ہے یا خون کا وہ قطرہ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں بہایا جاتا ہے۔

اور آپ نے یوں دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ عَيْنَيْنِ هَطَّالَتَيْنِ تَشْفِيَانِ

یا اللہ! مجھے ایسی دو آنکھیں عطا فرما جو کثرت سے پانی

---

(۱) شعب الایمان جلد اول ص ۴۹۱ حدیث ۸۰۲

(۲) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۲۷۱ کتاب الجہاد

(۳) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۲۳۲ کتاب التوبہ

(۴)

(۵) المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱۳ ص ۲۵۱ حدیث ۱۶۲۵۶

marfat.com

بِذُرُوْنِ الدَّمْعِ قَبْلَ اَنْ تَصِيْرَ الدَّمْعُ دَمًا وَالْاَضْرَاسُ جَمْرًا۔ (۱)

بہاتی ہوں اور آنسو گرانے سے تسکین دیں اس سے پہلے کہ آنسو، خون بن جائیں اور داڑھیں، انگاروں میں بدل جائیں۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

جس دن اللہ تعالیٰ کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا سات آدمی اس کے سائے میں ہوں گے، اور ان میں اس شخص کا بھی ذکر فرمایا جو علیحدگی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں (۲)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص رو سکتا ہو وہ روئے اور جو رو نہ سکتا ہو وہ بتکلف روئے ——

حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ جب روتے تو اپنے چہرے اور داڑھی سے آنسو صاف کرتے اور فرماتے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آگ اس جگہ تک نہیں پہنچتی جس پر آنسو گرے ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں روؤ اگر رونا نہیں آتا تو بتکلف روؤ پس اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی ایک جانتا تو وہ چلاتا حتی کہ اس کی آواز ٹوٹ جاتی اور نماز پڑھتا حتی کہ اس کی پیٹھ ٹوٹ جاتی۔

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس آنکھ آنسوؤں سے ڈبڈبائے گی اس آنکھ والے کے چہرے پر قیامت کے دن غبار اور ذلت نہیں چڑھے گی اگر اس کے آنسو جاری ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے پہلے قطرے کے ساتھ آگ کے کئی سمندر دل کو بجھا دیتا ہے اور جس امت میں کوئی شخص (خوف خدا سے) روتا ہے اس امت کو عذاب نہیں ہوتا۔

حضرت ابوسلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں رونا، خوف سے اور امید اور خوشی سے جھومنا شوق کی وجہ سے ہوتا ہے —— حضرت لعت احبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے روؤں حتی کہ میرے آنسو میرے رخساروں پر جاری ہوں تو یہ بات مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں سونے کا ایک پہاڑ صدقہ کروں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے خوف سے ایک آنسو کا بہنا میرے نزدیک ایک ہزار دینار صدقہ کرنے سے زیادہ پسند ہے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپ نے ہمیں ایک وعظ فرمایا جس سے دل نرم ہو گئے، آنسو بہنے لگے اور ہم سے اپنے نفسوں کو پہچان لیا پھر میں اپنے گھر کی طرف لوٹا اور میری بیوی میرے قریب ہوئی اور ہمارے درمیان دنیوی گفتگو ہونے لگی تو ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جس سوچ پر تھے اسے بھول گئے اور دنیا میں مشغول ہو گئے پھر مجھے وہ بات یاد آئی میں نے دل میں کہا میں تو منافق ہو گیا کیوں کہ جو خوف

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۱۹۶، ۱۹۷ ترجمہ ۱۷۷

marfat.com

اور رقت میرے اندر تھی وہ بدل گئی میں باہر نکلا اور پکارنے لگا کہ حنظلہ منافق ہوگیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سامنے سے تشریف لائے اور فرمایا ہرگز نہیں حنظلہ منافق نہیں ہوا پھر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں کہہ رہا تھا کہ حنظلہ منافق ہوگیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں حنظلہ منافق نہیں ہوا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس تھے آپ نے ایک ایسا وعظ فرمایا جس سے دل دہل گئے، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور ہم نے اپنے آپ کو پہچان لیا پھر میں اپنے گھر والوں کی طرف لوٹا اور ہم دنیوی باتوں میں مشغول ہوگئے اور آپ کے ہاں جو حالت پیدا ہوتی تھی میں اسے بھول گیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حنظلہ! اگر تم ہمیشہ اسی حالت پر رہتے تو فرشتے راستوں میں اور تمہارے بچھونے پر تم سے مصافحہ کرتے لیکن اے حنظلہ! وقت وقت کی بات ہوتی ہے (۱)

تو نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ امید اور رونے کی فضیلت، تقویٰ اور ورع کی فضیلت علم کی فضیلت اور بے خوفی کی مذمت کے بارے میں آیا ہے وہ خوف کی فضیلت پر دلالت ہے کیوں کہ یہ سب کچھ خوف سے متعلق ہے چاہے سبب کا تعلق ہو یا مسبب کا

فصل ۵

غلبۂ خوف افضل ہے یا غلبہ رجاء یا اعتدال

جان لو! خوف اور امید کے بارے میں بے شمار روایات آئی ہیں بعض اوقات کوئی شخص ان دونوں کو دیکھتا ہے تو اسے شک ہو جاتا ہے کہ ان دونوں میں سے کیا افضل ہے اور کسی قائل کا یہ قول کہ خوف افضل ہے یا امید، ایک فاسد سوال ہے یہ کسی شخص کی اس بات کی طرح ہے کہ روٹی افضل ہے یا پانی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بھوکے کے لیے روٹی افضل ہے اور پیاسے کے لیے پانی افضل ہے اور اگر پیاس غالب ہو تو پانی افضل ہے اور اگر دونوں برابر ہوں تو روٹی اور پانی دونوں مساوی ہوں گے اس لیے کہ جو چیز کسی مقصود کے لیے مراد ہو تو اس کی فضیلت مقصود کی طرف اضافت کے اعتبار سے ہوتی ہے ذاتی طور پر نہیں اور خوف و امید دو دوائیں ہیں جن کے ساتھ دلوں کا علاج کیا جاتا ہے لہٰذا ان کی فضیلت اس بیماری کے اعتبار سے ہوگی جو موجود ہے اگر دل پر اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوفی اور غرور کی بیماری غالب ہو تو خوف افضل ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامیدی غالب ہو تو امید افضل ہے اسی طرح اگر بندے پر گناہ غالب ہو تو خوف افضل ہے

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مطلقاً خوف افضل ہے جس اعتبار سے یہ کہا جاتا ہے کہ روٹی، سکنجبین سے افضل ہے کیوں کہ روٹی کے ساتھ بھوک کی بیماری کا علاج کیا جاتا ہے اور سکنجبین کے ساتھ صفراء کی بیماری کا علاج کرتے ہیں اور بھوک کی بیماری زیادہ بھی ہے اور غالب بھی لہٰذا روٹی کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے پس وہ افضل ہے اس اعتبار سے غلبۂ خوف افضل ہے کیوں کہ گناہ اور مخلوق سے دھوکے میں ہونا زیادہ پایا جاتا ہے۔

اور اگر ان کے منبع کو دیکھا جائے تو امید افضل ہے کیوں کہ اسے بحر رحمت سے سیراب کیا جاتا ہے اور خوف غضب

کے سمندر سے سیراب ہوتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ان صفات کی طرف نظر کرتا ہے جو لطف و رحمت کو چاہتی ہیں تو اس پر محبت غالب ہوتی ہے اور محبت سے اوپر کوئی مقام نہیں جہاں تک خوف کا تعلق ہے تو اس کی نسبت ان صفات کی طرف ہوتی ہے جو نفرت کو چاہتی ہیں تو محبت جس طرح امید سے ملتی ہے اس سے نہیں ملتی۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جو چیز کسی غیر کے لیے مراد ہوتی ہے اس کے لیے لفظ اصلح (زیادہ صلاحیت والا) استعمال کرنا مناسب ہے لفظ افضل نہیں، پس ہم کہتے ہیں کہ اکثر لوگوں کے لیے امید کے مقابلے میں خوف زیادہ صلاحیت رکھتا ہے کیوں کہ گناہوں کا غلبہ ہے لیکن متقی شخص جس نے ظاہری اور باطنی پوشیدہ اور واضح گناہ ترک کر دیئے تو زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کا خوف اور امید اعتدال پر ہوں اسی لیے کہا گیا ہے کہ اگر مومن کے خوف اور امید کا وزن کیا جائے تو دونوں برابر ہوں گے۔

مروی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی صاحبزادے سے فرمایا اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے اس طرح خوف کھاؤ کہ تمہارے خیال میں اگر تم تمام زمین والوں کی نیکیاں بھی اس کے پاس لاؤ تو وہ تم سے ان کو قبول نہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے امید اس طرح رکھو کہ تم سمجھو اگر تمام اہل زمین کی برائیاں بھی اس کے پاس لاؤ تو وہ تمہیں بخش دے گا۔

اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر آواز دی جائے کہ ایک آدمی کے سوا سب لوگ جہنم میں داخل ہو جائیں تو مجھے امید ہے کہ وہ آدمی میں ہوں گا اور اگر آواز دی جائے کہ ایک آدمی کے علاوہ سب لوگوں جنت میں چلے جائیں تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ ایک شخص میں نہ ہوں۔ یہ انتہائی درجہ کے خوف اور امید سے عبارت ہے اس میں اعتدال بھی اور غلبے میں بھی دونوں برابر ہیں لیکن ان کے درمیان مساوات کے طریقے پر (ہونا ہے)

تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں کے خوف اور امید کا مساوی ہونا مناسب ہے لیکن جب کوئی گناہ گار شخص یہ گمان کرے کہ جہنم میں داخلے کے حکم سے اسے مستثنیٰ قرار دیا گیا تو یہ اس کے دھوکے کی دلیل ہے۔

سوال:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں کا خوف اور امید ایک جیسا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ مناسب یہ ہے کہ ان کی امید غالب ہو جیسا کہ امید کے بیان کے آغاز میں گزر چکا ہے اور امید کی قوت اس کے اسباب کے اعتبار سے ہونا مناسب ہے جیسے کھیتی اور بیج کی مثال ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص اچھی زمین میں صحیح بیج ڈالتا ہے اور اسے مسلسل تیار کرتا ہے اور زراعت کی تمام شرائط کو پورا کرتا ہے اس کے دل میں فصل حاصل کرنے کی امید غالب ہوتی ہے اور اس کا خوف، اس کی اس کی امید کے مساوی نہیں ہوتا تو متقی لوگوں کے احوال کا اسی طرح ہونا مناسب ہے۔

جواب جان لو! جو شخص معارف کو الفاظ اور مثالوں کے ذریعے حاصل کرتا ہے وہ زیادہ پھسلتا ہے اگر ہم اس کی مثال پیش کریں تو وہ ہمارے زیر بحث مسئلہ کی طرح کسی صورت میں نہیں ہوگا۔ کیوں کہ غلبۂ امید کا سبب وہ علم ہے جو تجربہ سے حاصل ہوتا ہے کیوں کہ اس نے تجربہ سے زمین کا صحیح اور صاف ہونا، بیج کی صحت، ہوا کا صحیح ہونا اس زمین میں اور اس کے

علاوہ ہلاک کرنے والی بجلیوں کو جان لیا ہمارے اس مسئلہ کی مثال میں ایک ایسا بیج ہے جس کی جنس کا تجربہ نہیں ہوا وہ عجیب و غریب زمین میں ڈالا گیا کاشتکار نے اس زمین کی دیکھ بھال نہیں کی اور نہ ہی اسے آزمایا۔ اور یہ ان شہروں میں ہے جن کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں گرج زیادہ ہوگی یا نہیں تو اس کاشتکار کی مثال یہ ہے کہ اگرچہ اس نے انتہائی بھرپور کوشش کی اور جو کچھ اس کے بس میں تھا اسے عمل میں لایا تو اس کی امید، خوف پر غالب نہیں ہوتی اور ہمارے اس مسئلہ میں بیج، ایمان ہے اور اس کے صحیح ہونے کی شرائط نہایت دقیق ہیں زمین دل ہے اس کی پوشیدہ کاہشتیں اور صفات یعنی شرک خفی، منافقت ریاکاری اور پوشیدہ عادتیں بہت دقیق ہیں اور اس زمین کی آفات خواہشات ہیں اور دنیا کی زیبائش اور دل کا مستقبل میں اس کی طرف متوجہ ہو جانا ہے اگرچہ سر دست نہ ہو۔ اور یہ ان باتوں میں سے ہے جن کی تحقیق نہیں ہو سکتی اور نہ ہی تجربہ سے ان کی پہچان ہوتی ہے اس لیے کہ بعض اوقات ایسے اسباب پیش آتے ہیں جن کی مخالفت انسانی طاقت سے باہر ہے اور اس قسم کے امور کا تجربہ نہیں ہو سکتا اور بجلیاں نیز سکراتِ موت کی ہولناکی اور اس وقت اعتقاد کا مضطرب ہونا ہے اور یہ ان امور میں سے ہے جو تجربات کے تحت نہیں آتے پھر اسے کاٹنا اور حاصل کرنا قیامت سے جنت کی طرف جانا ہے اور یہ بات بھی تجربے سے باہر ہے۔

پس جو شخص ان امور کے حقائق کو پہچان لیتا ہے پس اگر اس کا دل کمزور ہو اور وہ فی نفسہٖ بزدل ہو تو لامحالہ اس کا خوف، امید پر غالب آتا ہے جیسے عنقریب ڈرنے والے صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کے احوال میں بیان ہوگا اور اگر اس کا دل مضبوط اور پکا ہو معرفت مکمل ہو تو اس کا خوف اور امید برابر ہوتے ہیں امید غالب نہیں ہوتی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دل کی تفتیش میں مبالغہ کرتے تھے حتی کہ آپ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھتے کہ کیا وہ ان کے دل میں منافقت کی کوئی علامت دیکھتے ہیں کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو منافقین کو پہچاننے کے ساتھ خاص کیا تھا (۱)

تو کون شخص ہے جو اپنے دل کو منافقت کے خفیہ امور اور شرکِ خفی سے پاک کرنے پر قادر ہو اور اگر اس کا اعتقاد ہو کہ اس کا دل پاک ہو چکا ہے تو حالِ دل کے تغیر کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے کیسے بے خوف ہوگا۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے عیب مخفی ہیں اور اس بات کا بھی یقین ہو تو اس بات کا یقین کہاں سے آئے گا کہ حسنِ خاتمہ تک وہ اسی طرح باقی رہے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ الْجَنَّةِ — بے شک ایک شخص پچاس سال تک جنتیوں والے اعمال کرتا ہے

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۶۲ کتاب صفات المنافقین۔

marfat.com

خَمْسِيْنَ سَنَةً حَتّٰى لَا يَبْقٰى بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ اِلَّا شِبْرٌ وفی روایة اِلَّا قَدْرُ فُوَاقِ نَاقَةٍ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ۔ (۱)

حتی کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے (اور ایک روایت میں ہے) مگر اونٹنی کی دو دہاروں کے درمیان والی مقدار باقی رہ جاتی ہے کہ اس پر تقدیر غالب آتی ہے تو اس کا خاتمہ جہنمیوں والے کام پر ہوتا ہے۔

اور اونٹنی کے دودھ دوہنے کی مقدار اعضاء کے عمل کا احتمال نہیں رکھتی وہ موت کے وقت دل میں پیدا ہونے والے کھٹکے کی مقدار ہے پس وہ برے خاتمہ کا تقاضا کرتی ہے تو وہ کس طرح بے خوف ہوگا۔

تو مومن کی انتہائی غرض وغایت یہی ہے کہ اس کا خوف اور امید اعتدال پر ہوں عام لوگوں میں امید کا غلبہ اس لیے ہوتا ہے کہ وہ دھوکہ کھا جاتے ہیں اور ان کو معرفت کم حاصل ہوتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باتوں کو ان لوگوں کے وصف میں جمع کیا جن کی تعریف کی گئی۔

ارشاد خداوندی ہے:

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (۲)

وہ اپنے رب کو خوف اور طمع دونوں کے ساتھ پکارتے ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا۔ (۳)

اور وہ ہمیں رغبت اور خوف دونوں کے ساتھ پکارتے ہیں۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا شخص کہاں ہے؟۔

پس اس زمانے میں جتنے لوگ موجود ہیں ان کے لیے زیادہ بہتر غلبۂ خوف ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ (خوف) ان کو ناامیدی ترکِ عمل اور مغفرت کی طمع ختم کرنے کی طرف نہ لے جائے پس یہ عمل سے سستی کا سبب بن جائے گا۔ اور گناہوں میں انہماک کی دعوت دے گا یہ تو ناامیدی ہے خوف نہیں ہے خوف تو وہ ہے جو عمل کی ترغیب دیتا ہے اور تمام خواہشات کو گداکر دیتا ہے نیز دل کو دنیا کی طرف میلان سے ہٹا دیتا ہے وہ دھوکے والے گھر۔ (دنیا) سے دور رہنے کی دعوت دیتا ہے یہ خوف پسندیدہ ہے محض دل کی بات نہیں جو گناہوں سے روکنے اور عمل صالح کی ترغیب میں موثر نہ ہو اور نہ وہ ناامیدی جو مایوس کر دیتی ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت محض خوف سے کرتا ہے وہ افکار کے سمندروں میں غرق

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۴ کتاب القدر / مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۸۲ مرویات عبداللہ

(۲) قرآن مجید، سورۃ السجدہ آیت ۱۶

(۳) قرآن مجید، سورۃ انبیاء آیت ۹۰

marfat.com

ہو جاتا ہے اور جو شخص اس کی عبادت محض امید سے کرتا ہے وہ دھوکے کے جنگل میں سرگشتہ رہے گا اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت خوف اور امید دونوں کے ساتھ کرتا ہے وہ ذکر کے طریق میں سیدھا کھڑا ہوتا ہے۔

حضرت مکحول دمشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت محض خوف کی وجہ سے کرتا ہے وہ حروری (خارجی) ہے اور جو امید کے ساتھ عبادت کرتا ہے وہ مرجی ہے (یہ وہ فرقہ ہے جن کے خیال میں مومن جہنم میں نہیں جائے گا چاہے وہ برے اعمال کرنے) جو محبت کی وجہ سے عبادت کرتا ہے وہ زندیق (بے دین) ہے اور جو شخص خوف، امید اور محبت (تینوں باتوں) کے پیش نظر عبادت کرتا ہے وہ موحد ہے۔

تو ان تینوں امور کو جمع کرنا ضروری ہے اور غلبۂ خوف زیادہ بہتر ہے لیکن موت سے پہلے پہلے اور موت کے وقت زیادہ بہتر امید اور حُسنِ ظن کا غلبہ ہے کیوں کہ خوف اس کوڑے (ڈنڈے) کے قائم مقام ہے جو عمل پر ابھارتا ہے اب عمل کا وقت ختم ہو گیا اور موت کے لیے پیش ہونے والا عمل پر قادر نہیں ہے پھر وہ خوف کے اسباب کی طاقت بھی نہیں رکھتا کیوں کہ اس وقت اس کی زیادہ دل تسکنی ہوتی ہے اور موت کی جلدی پہ مددگار ہوتا ہے لیکن امید دل کو مضبوط کرتی ہے اور اسے اس رب سے محبت ہوتی ہے جس سے امید باندھی ہے۔

اور کسی آدمی کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ دنیا سے اللہ تعالیٰ کی محبت کے بغیر جائے تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کی ملاقات محبوب ہو کیوں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو پسند فرماتا ہے اور امید کے ساتھ محبت ملی ہوئی ہوتی ہے اور جس کے کرم کی امید ہو وہ محبوب ہوتا ہے اور تمام علوم و اعمال کا مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے حتیٰ کہ معرفت سے محبت پیدا ہوتی ہے کیوں کہ اسی کی طرف جانا ہے اور موت کے ذریعے اسی کی طرف بڑھنا ہے اور جو آدمی اپنے محبوب کی طرف جاتا ہے اس کا سرور بقدر محبت بڑھتا ہے اور جو شخص اپنے محبوب سے جدا ہو جائے اس کی تکلیف اور سختی بہت زیادہ ہوتی ہے۔

پس جب موت کے وقت دل پر اہل و عیال، مال، مکان، زمین، دوستوں اور ساتھیوں کی محبت غالب ہو تو اس شخص کا مرکزِ محبت دنیا میں ہے پس دنیا اس کی جنت ہے کیوں کہ جنّت اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں تمام محبوب جمع ہوں پس اس کی موت جنت سے نکلنا اور اس کے اور اس کی خواہشات کے درمیان رکاوٹ کا نام ہے اور ایسے آدمی کا حال مخفی نہیں ہے۔

پس جب اس کے لیے اللہ تعالیٰ اس کے ذکر، معرفت اور فکر کے سوا کوئی محبوب نہ ہو جب کہ دنیا اور اس کے تعلقات محبوب سے پھیرنے والے ہوں تو یہ دنیا قید خانہ ہے کیوں کہ قید خانہ وہ ہوتا ہے جو قیدی کو اس کی محبوب چیز سے راحت کے حصول میں مانع ہو پس اس کی موت محبوب کی طرف جانا اور قید خانے سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے اور جو شخص قید خانے سے آزاد ہو جائے اور اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان تخلیہ ہو اور کسی قسم کی رکاوٹ اور خرابی باقی نہ رہے اس کا حال بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

marfat.com

تو جو شخص دنیا سے رخصت ہوتا ہے وہ موت کے بعد سب سے پہلے یہ فائدہ حاصل کرتا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے تیار کر رکھا ہے وہ اس کے علاوہ ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی دل میں اس کا خیال پیدا ہوا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے پیدا کیا جو دینوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اس پر راضی اور مطمئن ہوتے ہیں ان کے لیے سزا، زنجیریں اور بیڑیاں پیدا کیں اور طرح طرح کی ذلت ہے وہ الگ ہے ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حالت اسلام میں موت دے اور نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔

اصل اس دعا کی قبولیت کی طمع اسی وقت ہو سکتی ہے جب اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کی جائے اور محبتِ خداوندی کے حصول کے لیے اس کے غیر کی محبت کو دل سے نکالنا اور اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے یعنی جاہ و مرتبہ، مال اور وطن وغیرہ سے قطع تعلق کرنا ضروری ہے زیادہ مناسب یہی ہے کہ ہم وہی دعا مانگیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہے۔

آپ نے یوں دعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ اَحَبَّكَ وَحُبَّ مَا یُقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّكَ وَاجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ۔ (۱)

یا اللہ! مجھے اپنی محبت اور جو تجھ سے محبت کرتے ہیں ان کی محبت، اس عمل کی محبت جو مجھے تیری محبت کے قریب کر دے، عطا فرما اور اپنی محبت کو میرے نزدیک ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب بنا دے۔

غرض یہ ہے کہ موت کے وقت امید، زیادہ بہتر ہے کیوں کہ وہ محبت کو زیادہ کھینچنے والی ہے اور موت سے پہلے غلبۂ خوف زیادہ بہتر ہے کیوں کہ وہ خواہشات کی آگ کو زیادہ جلانے والا اور دل سے دنیا کی محبت کو زیادہ ختم کرنے والا ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا یَمُوْتَنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا وَھُوَ یُحْسِنُ الظَّنَّ بِرَبِّہٖ۔ (۲)

تم میں سے کوئی شخص ہرگز نہ مرے مگر وہ اپنے رب کے بارے میں اچھا گمان رکھتا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا (حدیث شریف میں ہے)

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ فَلْیَظُنَّ بِیْ مَا شَاءَ۔ (۳)

میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں تو اسے چاہیے کہ میرے بارے میں اچھا گمان کرے۔

جب حضرت سلیمان تیمی رحمہ اللہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے میرے بیٹے! مجھ سے رخصتوں

---

(۱) مشکوٰۃ شریف ص ۲۱۹ باب جامع الدعا

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۸۷ کتاب الجنۃ (۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۱۵ مرویات ابی ہریرہ

marfat.com

کا بیان کرنا اور امید یاد دلانا تاکہ میں اللہ تعالیٰ سے حُسن ظن کے ساتھ ملاقات کروں۔

اسی طرح جب حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے وصال کا وقت ہوا اور ان کا جزع فزع زیادہ ہوا تو انہوں نے اپنے اردگرد علماء کو جمع کیا جو ان کو امید یاد دلاتے تھے ـــــ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے وصال کے وقت اپنے بیٹے سے فرمایا مجھے وہ احادیث یاد دلاؤ جن میں امید اور حُسن ظن کا ذکر ہے۔

ان تمام کا مقصود یہ ہے کہ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں کے دلوں میں میری محبت ڈال دیں انہوں نے پوچھا کس طرح ؟ فرمایا ان کو میری نعمتیں اور نوازشات یاد دلائیں۔ تو انتہائی سعادت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی محبت میں دنیا سے رخصت ہو اور محبت کا حصول معرفت اور دل سے محبت دنیا کو نکالنے کے ذریعے ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کے نزدیک تمام دنیا اس قید خانے کی طرح ہو جائے جو محبوب کے راستے میں رکاوٹ ہے یہی وجہ ہے کہ بعض صالحین نے حضرت ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ کو خواب میں اڑتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اب وہ رخصت ہو گئے صبح ہوئی تو ان کے بارے میں معلوم کیا بتایا گیا کہ وہ گذشتہ رات انتقال فرما گئے ہیں۔

فصل ۶

حالتِ خوف میں کیا علاج کیا جائے

ہم نے صبر کی دوا کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا اور صبر و شکر کے بیان میں جو تشریح کی ہے وہ اس غرض کے لیے کافی ہے کیوں کہ صبر اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب خوف اور امید حاصل ہو کیوں کہ دین کا پہلا مقام یقین ہے جو اللہ تعالیٰ آخرت، جنت اور دوزخ پر ایمان کی قوت کا نام ہے اور یہ یقین لازمی طور پر جہنم سے خوف اور جنت کی امید کو ابھارتا ہے اور امید اور خوف صبر پر طاقت دیتے ہیں کیوں کہ جنت ناپسندیدہ امور سے ڈھانپی گئی اور ان کو اٹھانے پر صبر امید کی قوت کے بغیر نہیں ہو سکتا اور جہنم خواہشات کے ساتھ ڈھانپی گئی اور ان شہوات کے قلع قمع کے لیے قوتِ خوف کی ضرورت ہے۔ اسی لیے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا جو شخص جنت کا شوق رکھتا ہو وہ خواہشات سے نکل جائے اور جو جہنم سے ڈرتا ہو وہ حرام کاموں سے باز رہے۔

پھر خوف اور امید سے حاصل ہونے والا صبر مقام مجاہدہ، ذکر خداوندی کے لیے یکسوئی اور دائمی فکر تک پہنچتا ہے اور دائمی ذکر اُنس پیدا کرتا ہے جب کہ دائمی فکر کمالِ معرفت تک لے جاتا ہے اور کمال معرفت اور اُنس محبت تک لے جاتے ہیں اور محبت کے بعد مقام رضا و توکل بلکہ تمام مقامات ہیں تو منازلِ دین کو طے کرنے میں اس ترتیب کو سامنے رکھا جائے اور اصل یقین (ایمان) کے بعد خوف اور امید کے سوا کوئی مقام نہیں اور ان دونوں کے بعد صبر کے علاوہ کوئی مقام نہیں اور اسی

سے مجاہدہ اور ظاہری و باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کے لیے تنہائی نصیب ہوتی ہے اور جس کے لیے راستہ کھل جائے اس کے لیے مجاہدہ کے بعد صرف ہدایت اور معرفت ہے اور معرفت کے بعد صرف محبت اور اُنس کا مقام اور محبت کی ضرورت سے محبوب کے فعل پر راضی ہونا اور اس کی عنایت پر یقین رکھنا ہے تو ہم نے جو کچھ صبر کے علاج کے سلسلے میں لکھا ہے وہ کفایت کرتا ہے لیکن ہم خوف کے سلسلے میں مستقل طور پر ایک اجمالی گفتگو کرنا چاہتے ہیں پس ہم کہتے ہیں۔

خوف دو مختلف طریقوں سے حاصل ہوتا ہے ان میں سے ایک، دوسرے سے اعلیٰ ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ جب گھر میں کوئی بچہ ہو اور اس کے پاس کوئی درندہ یا سانپ آجائے تو بعض اوقات وہ نہیں ڈرتا اور بعض دفعہ وہ سانپ کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ اسے پکڑ کر اس سے کھیلے لیکن جب اس کے ساتھ اس کا باپ بھی ہو اور وہ عقل مند ہو تو وہ سانپ سے ڈر کر بھاگ جاتا ہے اور جب بچہ اپنے باپ کو دیکھتا ہے کہ اس کے جسم پر لرزہ طاری ہے اور وہ بھاگنے کی کوشش کر رہا ہے تو وہ بھی اس کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے اور اس پر خوف غالب ہو جاتا ہے وہ بھاگنے میں باپ کی موافقت کرتا ہے تو باپ کا خوف بصیرت اور سانپ کی صفت کو جاننے کے باعث ہے کہ اس میں زہر ہے اور اس کی فلاں خاصیت ہے، درندے کا غلبہ، اس کی پکڑ اور پرواہ نہ کرنا وغیرہ سب باتیں سامنے ہوتی ہیں۔

لیکن بیٹے کا خوف محض تقلیدی ایمان کی بنیاد پر ہے کیوں کہ وہ باپ کے بارے میں اچھا گمان رکھتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ باپ کے خوف کا کوئی سبب ہے جو ذاتی طور پر ڈرانے والا ہے پس اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ درندے سے ڈرنا چاہیے لیکن بچے کو اس کی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

جب تمہیں یہ مثال معلوم ہو گئی تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ سے خوف دو جگہوں پر ہوتا ہے ایک اس کے عذاب سے خوف اور دوسرا خود اس کی ذات سے ڈرنا، اس سے خوف، علماء اور اربابِ قلوب کا خوف ہے جو جانتے ہیں کہ اس کی صفات میں سے بعض صفات کا تقاضا ہیبت، خوف اور پرہیز ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کے راز پر مطلع ہیں۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ۔ (۱) اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ۔ (۲) اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے

لیکن پہلا خوف عام مخلوق کا خوف ہے اور وہ جنت و دوزخ کے وجود نیز ان دونوں کے فرمانبرداری اور نافرمانی کا بدلہ ہونے پر ایمان لانے سے حاصل ہوتا ہے اور اس کی کمزوری غفلت اور ایمان کی کمزوری کے باعث ہوتی ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۲۸

(۲) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۰۲

marfat.com

اور غفلت کو تذکیر، وعظ اور روز قیامت کے ہولناک مناظر اور طرح طرح کے اُخروی عذاب میں ہمیشہ غور کرنے کے ذریعے دُور کیا جا سکتا ہے نیز اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کی طرف دیکھنے ان کی مجالس میں حاضر ہونے اور ان کے احوال کا مشاہدہ بھی غفلت کو دور کر دیتا ہے اگر مشاہدہ نہ ہو سکے تو سماع (ان کی باتیں سننا) بھی تاثیر سے خالی نہیں ہے۔

دوسرا خوف اعلیٰ ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے حوالے سے خوف ہو یعنی اس سے دوری اور حجاب کا خوف ہو نیز اس کے قرب کی امید رکھے حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں فراق کے خوف کے وقت جہنم کا خوف ایک گہرے سمندر میں قطرے کی طرح ہے اور یہ علماء کی خشیت و خوف ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔

اس خوف سے عام مومنوں کو بھی حصہ ملتا ہے لیکن وہ محض تقلیدی ہوتا ہے جو بچے کے خوف کے مشابہ ہے جو اپنے باپ کو دیکھ کر سانپ سے ڈرتا ہے اس کی نسبت بصیرت کی طرف نہیں ہوتی لہذا یہ کمزور بھی ہو سکتا ہے اور فوری طور پر زائل بھی — حتیٰ کہ بعض اوقات بچہ کسی سپیرے کو دیکھتا ہے جو سانپ کو پکڑنے کا ارادہ کرتا ہے تو بچہ اس کو دیکھ کر دھوکہ کھا جاتا ہے لہذا اس کی تقلید میں سانپ کو پکڑنے کی جرأت کرتا ہے جس طرح وہ باپ کی تقلید میں اس کو پکڑنے سے احتراز کرتا ہے۔ اور عقائد تقلیدیہ عام طور پر کمزور ہوتے ہیں ہاں جب ان کے اسباب کا مشاہدہ کیا جائے جو ان کو پکا کرتے ہیں یعنی جب ان میں دوام ہو اور عبادات کی کثرت اور گناہوں سے طویل مدت تک اجتناب کی صورت میں ان کے تقاضوں پر ہمیشہ عمل کیا جائے۔

لہذا جو شخص معرفت کی چوٹی پر چڑھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے تو وہ اس سے ضرور ڈرتا ہے پس حصول خوف کے لیے اس کے علاج کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے کوئی شخص درندے کو پہچانتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے چنگل میں پھنسا ہوا دیکھتا ہے تو اس کے دل میں خوف ڈالنے کے لیے علاج کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ اس سے لازماً ڈرتا ہے چاہے یا نہ چاہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ مجھ سے اس طرح ڈریں جس طرح ہلاک کرنے والے درندے سے ڈرتے ہیں اور ہلاک کرنے والے درندے سے خوف پیدا کرنے کے لیے کسی حیلے کی ضرورت نہیں ہوتی صرف اس کی اور اس کے شکنجے میں آنے کی معرفت ضروری ہے کسی دوسرے حیلے کی احتیاج نہیں ہے۔

پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے کہ وہ جو چاہے کرے اسے کوئی پرواہ نہیں وہ جو چاہے فیصلہ کرے اسے کوئی خوف نہیں اس نے کسی سابقہ وسیلے کے بغیر فرشتوں کو اپنے قریب کیا اور کسی گذشتہ جرم کے بغیر شیطان کو

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ فاطر آیت ۲۸

marfat.com

اپنے آپ سے دور کر دیا بلکہ اس کی صفت تو وہی ہے جو (گذشتہ صفحات میں مذکور حدیث میں) بیان ہوئی اس نے فرمایا یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں اور یہ جہنم میں جائیں گے اور مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں۔

اگر تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ وہ صرف گناہ پر عذاب دیتا ہے اور اطاعت پر ہی ثواب عطا فرماتا ہے تو غور کرو اس نے اطاعت کرنے والے کو اسبابِ اطاعت کے حوالے نہیں کیا کہ وہ اطاعت کرے چاہے یا نہ، اور نہ ہی نافرمانی کرنے والے کو گناہ کے اسباب کی طرح کھینچا کہ وہ گناہ کرے چاہے یا نہ ـــــ جب اس نے عقلت شہوت اور قضائے شہوت پر قدرت کو پیدا کیا تو ان امور کے ذریعے فعل ضرور واقع ہوگا اگر اس نے اسے اس لیے دور کیا کہ اس نے نافرمانی کی ہے تو اس نے اسے گناہ کی طرف کیوں متوجہ کیا کیا یہ کسی سابقہ گناہ کی سزا ہے کہ یہ ایک غیر متناہی سلسلہ رہے یا پہلے گناہ پر ہی ٹھہر جائے جس کے لیے بندے کی طرف سے کوئی علت نہیں ہے بلکہ اس نے تو ازل میں ہی فیصلہ فرما دیا تھا۔ اسی مفہوم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا آپ نے فرمایا۔

"حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام دونوں نے اپنے رب کے ہاں ایک دوسرے سے اختلاف کیا تو حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ پر غالب آگئے (ان کی دلیل غالب آگئی) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آپ آدم علیہ السلام ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور آپ میں اپنی رُوح پھونکی فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور آپ کو اپنی جنت میں ٹھہرایا پھر آپ کی لغزش کے باعث لوگوں کو زمین پر اتارنا پڑا حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا آپ موسیٰ علیہ السلام ہیں آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور کلام کے لیے منتخب فرمایا اور آپ کو تختیاں عطا فرمائیں جن میں ہر چیز کا بیان تھا آپ کو کلام کے لیے اپنے قریب کیا تو آپ کا کیا خیال ہے اللہ تعالیٰ نے میری تخلیق سے کتنے سال پہلے تورات لکھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا چالیس سال، حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کیا آپ نے اس میں لکھا ہوا پایا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی اور آپ بھٹک گئے انہوں نے فرمایا ہاں لکھا ہوا پایا ہے فرمایا کیا آپ مجھے اس عمل پر ملامت کر رہے ہیں جو میرے عمل کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا کہ میں وہ عمل کروں گا اور میری تخلیق سے چالیس سال پہلے لکھا۔ (۱)

تو جو شخص اس معاملے میں نورِ ہدایت سے سبب کو پہچان لے گا وہ ان خاص عارفین میں سے ہے جو تقدیر کے راز پر مطلع ہوتے ہیں اور جو آدمی یہ بات سن کر ایمان لائے اور محض سننے کے ذریعے تصدیق کرے وہ عام مومنوں میں سے ہے اور دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کو خوف حاصل ہوتا ہے کیوں کہ ہر بندہ قبضۂ قدرت میں اس طرح واقع ہوتا ہے جس طرح ایک کمزور بچہ درندے کے پنجے میں ہوتا ہے درندہ بعض اوقات اتفاقی طور پر غافل ہو کر اسے چھوڑ دیتا ہے اور کبھی اس پر حملہ کر کے

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۱۱۹ کتاب التوحید۔

marfat.com

اسے چیر پھاڑ دیتا ہے اور یہ بھی اتفاقیہ ہوتا ہے اور اس اتفاق کے لیے اسباب ہیں جو ایک معلوم مقدار کے ساتھ مرتب ہوتے ہیں لیکن جب ان کی اضافت اس کی طرف ہوتی ہے جس کو علم نہیں ہوتا تو اسے اتفاق کہا جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف اضافت ہو تو اسے اتفاقیہ کہنا جائز نہیں اور جو شخص درندے کے پنجے میں پھنستا ہے اگر اس کی معرفت کمل ہو تو وہ درندے سے نہیں ڈرتا کیوں کہ درندہ بھی مسخر ہے اگر اس پر بھوک مسلط ہو تو وہ چیرتا پھاڑتا ہے اور اگر اس پر غفلت مسلط ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دیتا ہے وہ درندے کے خالق اور اس کی صفات کے خالق سے ڈرتا ہے۔ میں (امام غزالی) یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ سے خوف کی مثال وہ خوف ہے جو درندے سے ہوتا ہے بلکہ جب پردہ ہٹتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ درندے سے خوف بعینہٖ اللہ تعالیٰ سے خوف ہے کیوں کہ درندے کے واسطے سے ہلاک کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے تو جان لو کہ آخرت کے درندے دنیا کے درندوں کی طرح ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ثواب و عذاب کے اسباب کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کے لیے اس کا اہل پیدا کیا جیسے تقدیر جو ازلی پختہ جرم کی فرع ہے، اس کی طرف چلاتی ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور اس کے اہل لوگ پیدا کئے اور وہ اس کے اسباب کے لیے مسخر کئے گئے وہ چاہیں یا نہ، اور جہنم کو پیدا کر کے اس کے اہل پیدا کئے جو اس کے اسباب کے لیے مسخر کئے گئے وہ چاہیں یا نہ ــــــ

پس جب کوئی شخص اپنے آپ کو تقدیر کی موجوں میں غوطہ زن دیکھتا ہے تو اس پر لازماً خوف غالب آتا ہے۔ پس تقدیر کے اسرار کی پہچان رکھنے والوں کے یہ مقاماتِ خوف ہیں پس جس شخص کی کوتاہی اسے دیکھنے کے بلند مقام تک پہنچنے سے بٹھا رکھے (اور اوپر نہ جانے دے) اس کے لیے راستہ یہ ہے کہ وہ آیات و آثار سن کر اپنا علاج کر کے ڈرنے والے عارفین کے حالات اور اقوال کا مطالعہ کرے پھر ان کی عقول اور مناصب کو ان لوگوں کے منصب سے نسبت جو امید کے دھوکے میں ہیں تو اس بارے میں شک نہ کرے کہ ان لوگوں کی اقتدا زیادہ بہتر ہے کیونکہ وہ انبیاء کرام اولیاء عظام اور علماء ہیں اور جو لوگ بے خوف ہیں وہ فرعون جاہل اور غبی ہیں ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلوں اور پچھلوں کے سردار ہیں۔ (۱)

اور آپ سب لوگوں سے زیادہ خوف کھانے والے تھے (۲)

حتیٰ کہ ایک روایت میں ہے آپ ایک بچے کی نماز جنازہ پڑھا رہے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ سے اس کے لیے دعا میں سنا گیا۔

اَللّٰھُمَّ قِہٖ عَذَابَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ۔ (۳) یا اللہ! اسے عذاب قبر سے اور عذاب جہنم سے بچا۔

ایک دوسری روایت میں ہے آپ نے ایک شخص کو کہتے ہوئے سنا کہ اے بچے تجھے مبارک ہو تو جنت کی چڑیوں

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۵۴ کتاب الفضائل

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۸۱ مرویات عائشہ

(۳) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۴، کتاب الجنائز۔

marfat.com

یں سے ایک چڑی ہے" تو آپ کو غصہ آیا آپ نے فرمایا تمہیں کیا معلوم کہ وہ اس طرح ہے۔
اللہ کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اور میں (اپنے آپ) نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا۔(۱)
بے شک اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا فرمایا اور اس کے کچھ اہل پیدا کئے ان میں اضافہ اور کمی نہ ہوگی (۲)
ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے جنازے پر بھی یہی بات فرمائی
اور وہ مہاجرین اولین میں سے تھے جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اللہ کی قسم میں عثمان کے بعد
کسی کی پاکیزگی بیان نہیں کروں گی۔ (۳)

حضرت محمد بن خولہ حنفیہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کی پاکیزگی بیان نہیں کروں گا
بلکہ جس باپ نے مجھے جنا اس کی پاکیزگی بھی نہیں بیان کروں گا۔ فرماتے ہیں اس پر شیعہ نے ان پر دباؤ ڈالا تو آپ نے
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بیان کرنا شروع کر دیئے۔

ایک دوسری حدیث میں مروی ہے اصحاب صفہ میں سے ایک صحابی شہید ہو گئے ان کی ماں نے کہا تمہیں مبارک ہو تم
جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑی ہو تم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی اور اس کے راستے میں شہید ہوئے
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
تمہیں کیا معلوم ہو سکتا ہے انہوں نے کوئی ایسی بات کہی ہو جو نفع بخش نہیں اور ایسی بات سے رُکے ہوں جو نقصان نہیں دیتی۔(۴)
ایک دوسری حدیث میں ہے ایک صحابی بیمار تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے آپ نے ایک عورت
سے سنا وہ کہہ رہی تھی تمہیں جنت مبارک ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کون عورت ہے جو اللہ تعالیٰ پر قسم کھاتی ہے بیمار نے کہا یہ میری ماں ہے یا رسول
اللہ آپ نے فرمایا (اے خاتون!) تمہیں کیا معلوم شاید فلاں نے بے مقصد گفتگو کی ہے اور ایسی چیز میں بخل کیا ہو جو اسے
نفع نہیں دیتی۔ (۵)

---

(۱) حدیث شریف میں "لا ادری" کے الفاظ آئے ہیں اور درایت کا معنیٰ اندازے سے جاننا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا مطلب یہ ہے کہ
میں اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر محض اندازے سے نہیں جانتا علم کی نفی نہیں، لہٰذا جو لوگ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے انجام کا علم نہ تھا وہ
جاہل ہی نہیں بدبخت بھی ہیں جو آپ کے مقام محمود کے بارے میں اس قسم کے عقیدے کے حامل ہیں اللہ تعالیٰ ایسے گمراہوں سے محفوظ رکھے آمین ۱۲ ہزاروی
(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۳۷ کتاب القدر
(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۶۶ کتاب الجنائز (نوٹ) یہ الفاظ ام خارجہ کے ہیں ام سلمہ کے نہیں۔
(۴) جامع ترمذی ص ۲۳۶، ابواب الزھد
(۵) تاریخ بغداد جلد ۴ ص ۳۷۲ ترجمہ ۲۰۲۳

marfat.com

اور تمام مومن کس طرح نہ ڈریں جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

شَیَّبَتْنِیْ هُوْدٌ وَاَخَوَاتُهَا سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ وَاِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَعَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ۔(۱)

مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں یعنی سورۂ واقعہ، اذا الشمس کورت اور عم یتسالون نے بوڑھا کر دیا۔

علماء فرماتے ہیں شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ سورۂ ہود میں رحمت سے دور کرنے کا ذکر ہے۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ۔ (۲)

سنو! حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد کے لیے دوری ہے

اور فرمایا۔

اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ۔ (۳)

سنو! ثمود (قوم صالح علیہ السلام) کے لیے دوری ہے

اور ارشاد فرمایا۔

اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ۔ (۴)

سنو قوم مدین کے لیے دوری ہے جیسے قوم ثمود کے لیے دوری ہے۔

اس کے باوجود کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہر نفس کو ہدایت دے دے۔

اور سورۂ واقعہ میں ہے۔

لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ۔ (۵)

اس (قیامت) کے وقوع کو کوئی چیز جھٹلا نہیں سکتی وہ جھکانے والی اور بلند کرنے والی ہے۔

یعنی جو کچھ ہونے والا ہے اسے لکھ کر قلم خشک ہو گیا اور گذشتہ بھی مکمل ہو گیا حتیٰ کہ واقعہ (قیامت) آگئی یعنی وہ ان لوگوں کو پست کرنے والی ہے جو دنیا میں بلند کیے گئے تھے اور جن لوگوں کو دنیا میں پست کیا گیا تھا ان کو اٹھانے والی ہے۔

اور سورۃ تکویر میں قیامت کی ہولناکی اور خاتمہ کے انکشاف کا بیان ہے اور وہ ارشاد خداوندی ہے۔

---

(۱) جامع ترمذی ص ۱۷۵، ابواب الشمائل

(۲) قرآن مجید، سورۂ ہود آیت ۶۰

(۳) قرآن مجید، سورۂ ہود آیت ۶۸

(۴) قرآن مجید، سورۂ ہود آیت ۹۵

(۵) قرآن مجید، سورۂ واقعہ آیت ۲ تا ۳

marfat.com

وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَا اَحْضَرَتْ۔

(۱)

اور جب جہنم کو بھڑکایا جائے گا اور جنت کو قریب لایا جائے گا ہر نفس کو معلوم ہو جائے گا جو اس نے حاضر کیا (آگے بھیجا)

اور سورۂ "عَمَّ یَتَسَآلُوْن" میں ہے:

یَوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدَاهُ۔

(۲)

جس دن ہر نفس دیکھ لے گا کہ اس کے ہاتھوں نے آگے کیا بھیجا ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا۔

(۳)

وہ کلام نہیں کریں گے مگر جسے رحمٰن اجازت دے اور وہ اچھی بات کہے

اور قرآن پاک میں اول سے آخر تک ڈر سنانے والی آیات ہیں لیکن اس شخص کے لیے جو اسے غور و فکر سے پڑھے اور اگر اس میں صرف یہی درج ذیل آیت ہوتی تو بھی کافی تھی کیوں کہ مغفرت کو چار شرطوں سے مشروط کر دیا گیا جن میں سے ہر ایک شرط ایسی ہے جس سے بندہ عاجز ہے۔

وہ آیت یہ ہے۔

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی۔

(۴)

اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں اس شخص کو جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے کام کرے پھر ہدایت پر رہے۔

اور اس سے بھی زیادہ سخت اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ۔ (۵)

پس جس نے توبہ کی اور اچھے کام کئے تو قریب ہے کہ وہ فلاح پانے والوں میں سے ہو۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ تکویر آیت ۱۲، ۱۳

(۲) قرآن مجید، سورۂ النباء آیت ۴۰

(۳) قرآن مجید، سورۂ النباء آیت ۳۸

(۴) قرآن مجید، سورۂ طٰہٰ آیت ۸۲ (۵) قرآن مجید سورۂ قصص آیت ۶۷

marfat.com

لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ۔ (۱)

تاکہ وہ سچے لوگوں سے ان کی سچائی کے بارے میں پوچھے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلَانِ۔ (۲)

عنقریب ہم تمہاری طرف توجہ فرمائیں گے اے جن وانس۔

اور ارشاد فرمایا۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ۔ (۳)

تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کی مخفیہ تدبیر سے بے خوف ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے،

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ۔ (۴)

اور اسی طرح تمہارے رب کی پکڑ ہے جب وہ بستیوں (والوں) کو پکڑتا ہے اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والے ہوں بے شک اس کی پکڑ دردناک (اور) سخت ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا۔ (۵)

وہ دن جب ہم اکٹھا کریں گے رحمٰن کے حضور میں (معزز و مکرم مہمان بنا کر)

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا۔ (۶)

اور ہر ایک نے اس (دوزخ) پر سے گزرنا ہے۔

اور فرمایا۔

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ۔ (۷)

جو چاہو عمل کرو (جواب دینا ہوگا)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ۔ (۸)

جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی کو بڑھا دیتے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ احزاب آیت ۸
(۲) قرآن مجید سورۃ رحمٰن آیت ۳۱
(۳) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۹۹
(۴) قرآن مجید سورۃ ہود آیت ۱۰۲
(۵) قرآن مجید، سورۃ مریم آیت ۸۵
(۶) قرآن مجید سورۃ مریم آیت ۷۱
(۷) قرآن مجید، سورۃ فصلت آیت ۴۰
(۸) قرآن مجید سورۃ شوریٰ آیت ۲۰

marfat.com

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ (۱)

پس جو شخص ایک ذرّے کے برابر بھی نیکی کرے وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جو آدمی ذرہ بھر برائی کرے وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَقَدِمْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ۔ (۲)

اور ہم متوجہ ہوں گے ان کے کاموں کی طرف۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ (۳)

زمانے کی قسم بے شک انسان البتہ نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور صبر کی تاکید کی۔

تو یہ چار (ایمان، اعمال صالحہ، حق کی تلقین اور صبر کی تلقین) شرائط ہیں جن کی وجہ سے انسان نقصان سے بچ سکتا ہے انبیاء کرام علیہم السلام باوجود اس کے کہ ان پر نعمتوں کا فیضان ہوا، خوف رکھتے تھے کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں حتیٰ کہ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریل علیہ السلام دونوں رونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ آپ دونوں کیوں روتے ہیں میں نے تم دونوں کو امن عطا کیا ہے انہوں نے عرض کیا یا اللہ! تیری خفیہ تدبیر سے کون بے خوف ہو سکتا ہے۔ (۴)

گویا جب ان دونوں کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمام غیبوں کو جاننے والا ہے اور انہیں (اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر) امور کی غایت سے آگاہی نہیں ہو سکتی تو وہ اس بات سے بے خوف نہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ میں نے تم دونوں کو امن دیا ان کے لیے ابتلاء و آزمائش کے طور پر ہو اور ان کے لیے خفیہ تدبیر ہو حتیٰ کہ اگر ان کا خوف ٹھہر جائے تو ظاہر ہو جائے کہ وہ خفیہ تدبیر خداوندی سے بے خوف ہیں اور انہوں نے اپنی بات کو پورا نہیں کیا۔

جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق میں رکھا گیا تو انہوں نے فرمایا "حَسْبِيَ اللّٰهُ" (اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہے) اور یہ بہت بڑی بڑی دعاؤں میں سے تھی پس آپ کا امتحان لیا گیا اور ہوا میں حضرت جبریل علیہ السلام کو پیش کیا گیا حتیٰ کہ انہوں

---

(۱) قرآن مجید سورۃ زلزال آیت ۷، ۸

(۲) قرآن مجید سورۃ فرقان آیت ۲۳

(۳) قرآن مجید سورۃ العصر مکمل۔

(۴)

marfat.com

سنے کہا کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ فرمایا آپ سے کوئی حاجت نہیں ہے، تو آپ نے اپنے قول "حسبی اللہ" کے ساتھ اس طرح وفا کی اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَاِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ۔ (۱) اور ابراہیم علیہ السلام وہ ہیں جنہوں نے اپنی بات کو پورا کیا۔

یعنی اپنے قول "حسبی اللہ" کے موجب پر عمل کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی اسی قسم کی بات بتائی گئی ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۔ بے شک ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا وہ سر کشی کرے فرمایا تم نہ ڈرو بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا اور دیکھتا ہوں۔

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۔ (۲)

اور اس کے باوجود جب جادوگروں نے اپنے جادو کا مظاہرہ کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا کیوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف نہ تھے تو آپ پر معاملہ مشتبہ ہو گیا حتی کہ دوبارہ آپ کو امن کی خوشخبری دی گئی اور ارشاد فرمایا۔

لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۔ (۳) آپ نہ ڈریں آپ ہی بلند رہیں گے۔

اور جب بدر کے دن مسلمانوں کی شوکت کمزور پڑی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ لَمْ يُعْبَدْ فِي الْاَرْضِ اَحَدٌ يَعْبُدُكَ ۔ یا اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں رہے گا جو تیری عبادت کرے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اپنے رب سے مزید دعا نہ کریں وہ آپ سے کئے گئے وعدے کو پورا کرے گا۔ (۴)

تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین کا مقام تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے ڈرنے کے مقام پر تھے اور یہ زیادہ کامل ہے کیوں کہ اس کا صدر اللہ تعالیٰ کے اسرار اور خفیہ امور نیز اس کی ان بعض صفات کے معانی کی کامل معرفت سے ہوتا ہے جن سے صادر ہونے والے بعض امور کو خفیہ تدبیر کہا جاتا ہے اور کسی انسان کے لیے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النجم آیت ۳۷

(۲) قرآن مجید، سورۃ طٰہٰ آیت ۴۵، ۴۶

(۳) قرآن مجید، سورۃ طٰہٰ آیت ۶۸

(۴) صحیح جلد ۲ ص ۵۶۴ کتاب المغازی

marfat.com

یں نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی گہرائی سے آگاہ ہو سکے۔

اور جو شخص حقیقتِ معرفت کو جان لے اور اسے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ امور کی گہرائی کا احاطہ کرنے سے اس کی معرفت کوتاہ ہے تو لا محالہ اس کا خوف زیادہ ہوتا ہے اسی لیے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا جائے گا۔

اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ۔

(۱)

کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو تو وہ فرمائیں گے اے اللہ تو پاک ہے میرے لیے مناسب نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں ہے اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو تیرے علم میں ہوتی تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے علم میں ہے۔

اور ارشاد فرمایا۔

وَاِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ (۲)

اور اگر تو اُن کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

آپ نے اس معاملے کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد کر دیا اور اپنے آپ کو درمیان سے مکمل طور پر باہر نکال دیا کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ (بخشش اور عذاب میں سے) کوئی بات آپ کے اختیار میں نہیں اور بے شک اُمورِ مشیتِ خداوندی سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ عقل والفت سے ان کا کوئی تعلق نہیں لہٰذا ان پر قیاس اور وہم و گمان سے بھی کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا تحقیق اور یقین تو ایک طرف رہے۔

اسی بات نے عارفین کے دل توڑ دیئے کیوں کہ قیامت کبریٰ یہ ہے کہ تمہارا معاملہ اس ذات کی مشیت سے ملا ہوا ہے کہ اگر وہ تمہیں ہلاک کر دے تو اسے کوئی پرواہ نہیں اس نے تمہارے جیسے بے شمار لوگ ہلاک کر دیئے اور وہ ان کو دنیا میں طرح طرح کی تکلیفوں اور بیماریوں کے ذریعے مسلسل عذاب دے رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے دلوں میں کفر اور منافقت کی بیماری بھی ہے پھر وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے پھر ان کے بارے میں یوں خبر دی۔

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ

اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت دیتے لیکن میری طرف سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ میں جنوں اور انسانوں

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مائدہ آیت ۱۱۶

(۲) قرآن مجید، سورۂ مائدہ آیت ۱۱۸

marfat.com

الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (۱) سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَاَنَّ جَهَنَّمَ۔ (۲) اور تمہارے رب کی بات پوری ہوگئی کہ میں جہنم کو ضرور بھروں گا۔

تو جو قول ازل میں ثابت ہو چکا ہے اس کا خوف کیسے نہ کیا جائے حالانکہ اس کے تدارک کی طمع نہیں ہو سکتی اگر معاملہ ابھی کا ہوتا تو طمع اس میں حیلہ کی طرف بڑھتی لیکن اب تو صرف تسلیم ہے اور سابقہ مخفی بات کو دل اور اعضاء پر ظاہر ہونے والے واضح اسباب سے تلاش کرنا ہے پس جس کے لیے اسبابِ شر آسان ہو جائیں اور وہ بندے اور نیکی کے درمیان حائل ہو جائیں اور دنیا کے ساتھ اس کا تعلق مضبوط ہو جائے گویا اس کے لیے حقیقتاً سابقہ راز منکشف ہو گیا جو اس کے لیے بدبختی کے ساتھ سبقت کر گیا۔

کیوں کہ جس شخص کو جس کام کے لیے پیدا کیا گیا وہ کام اس کے لیے آسان کر دیا گیا اور اگر ہر قسم کی نیکی آسان کر دی گئی ہو اور دل مکمل طور پر دنیا سے قطع تعلق کر چکا ہو اور وہ ظاہری و باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو تو یہ بات تخفیفِ خوف کا تقاضا کرتی ہے اگر اس پر دائمی یقین ہو لیکن ایک حال پر جمار ہنا مشکل ہے اور خاتمے کا خطرہ خوف کی آگ کو شعلہ زن کرتا ہے اور اسے بجھانا ممکن ہیں اور حال کی تبدیلی سے بے خوفی کیسے ہو سکتی ہے جب کہ مومن کا دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے (کنٹرول میں ہے) اور دل تو ہنڈیا کے جوش مارنے سے بھی زیادہ اُلٹ پلٹ ہوتا ہے اور دلوں کو پھیرنے والے نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ۔ (۳) بے شک ان کے رب کے عذاب سے بے خوفی نہیں ہے۔

تو وہ شخص زیادہ جاہل ہے جو اس سے بے خوف ہو حالانکہ وہ بے خوفی سے پرہیز کا اعلان کر رہا ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنے عارف بندوں پر مہربانی کرتے ہوئے رُوحِ امید کے ساتھ ان کے دلوں کو راحت نہ پہنچاتا تو خوف کی آگ سے ان کے دل جل جاتے پس امید کے اسباب اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے لیے رحمت ہیں اور غفلت کے اسباب ایک اعتبار سے عام لوگوں کے لیے رحمت ہیں اس لیے کہ اگر پردہ اٹھ جائے تو جان نکل جائے اور دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور ایسا دلوں کو بدلنے والے کے خوف سے ہوتا ہے۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ جس شخص کو میں پچاس سال سے توحید پر جانتا ہوں اگر اس کے اور میرے درمیان ایک ستون

---

(۱) قرآن مجید سورۃ سجدہ آیت ۱۳

(۲) قرآن مجید سورۃ ہود آیت ۱۱۹

(۳) قرآن مجید، سورۃ المعارج آیت ۲۸

marfat.com

حائل ہو جائے اور وہ مر جائے تو میں اس کے عقیدۂ توحید کے بارے میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا کیوں کہ مجھے معلوم نہیں کہ اس کی حالت میں شاید کوئی تبدیلی آئی ہو۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں اگر شہادت گھر کے دروازے پر ملے اور اسلام پر موت حجرے کے دروازے پر ہو تو میں اسلام پر موت کو ترجیح دوں گا کیوں کہ مجھے معلوم نہیں کہ حجرے کے دروازے اور حویلی کے دروازے کے درمیان میرے دل کی کیا کیفیت ہو جائے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص موت کے وقت ایمان کے سلب ہو جانے سے بے خوف ہو اس کا ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ اور حضرت سہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں صدیقین کا خوف یہ ہے کہ وہ ہر خطرے اور ہر حرکت کے وقت برے خاتمے سے ڈرتے ہیں اور انہی لوگوں کا وصف اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا۔

وَقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ۔ (۱) اور ان کے دل دہل جاتے ہیں۔

جب حضرت سفیان رحمہ اللہ کے وصال کا وقت آیا تو انہوں نے رونا اور چیخنا شروع کر دیا ان سے کہا گیا کہ اے ابو عبداللہ! آپ کو اللہ تعالیٰ پر امید رکھنی چاہیے بے شک اللہ تعالیٰ سے امید آپ کے گناہوں سے بھی بڑی ہے انہوں نے فرمایا کیا میں اپنے گناہوں پر روتا ہوں؟ اگر مجھے معلوم ہو کہ میری موت عقیدۂ توحید پر آئے گی تو مجھے کوئی پرواہ نہیں اگرچہ میں پہاڑوں کے برابر گناہوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں۔

خوف کھانے والے کسی بزرگ کے بارے میں بیان کیا گیا کہ انہوں نے اپنے ایک بھائی کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ جب میری وفات ہو جائے تو تم میرے سرہانے بیٹھ جانا اگر تم دیکھو کہ میری رُوح توحید پر پرواز کر گئی تو میرا تمام مال لے کر اس سے بادام اور شکر لے کر شہر کے بچوں میں تقسیم کر دینا اور کہنا کہ یہ قید سے چھوٹنے والے فلاں شخص کی طرف سے شیرینی ہے اور اگر میں توحید پر نہ مروں تو لوگوں کو بتا دینا تاکہ وہ دھوکے سے میرے جنازے میں شریک نہ ہوں اور وہی شخص جنازے میں آئے جو بصیرت کے ساتھ آنا چاہیے اور مجھے وفات کے بعد ریاکاری لاحق نہ ہو اس نے پوچھا توحید کی علامت کیا ہو گی؟ اس بزرگ نے اسے ایک علامت بتائی چنانچہ اس شخص نے ان کی وفات کے وقت وہ علامت دیکھی اور شکر اور بادام خرید کر تقسیم کئے۔

حضرت سہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں مرید کو گناہوں میں مبتلا ہونے کا ڈر ہوتا ہے جب کہ عارف کو کفر میں ابتلاء کا خوف ہوتا ہے اور حضرت ابو یزید رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے جب میں مسجد کی طرف جاتا ہوں تو گویا میری کمر میں زنار ہوتا ہے اور مجھے ڈر ہوتا کہ کہیں وہ مجھے گرجے اور آتش پرستی کی جگہ نہ لے جائے یہاں تک کہ جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو زنار مجھ سے کٹ جاتا ہے میرے ساتھ یہ عمل روزانہ پانچ مرتبہ ہوتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ مومنون آیت ۶۰

marfat.com

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اے حواریوں کے گروہ! تمہیں گناہوں کا ڈر ہوتا ہے اور ہم گروہ انبیاء کو کفر کا خوف ہوتا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات میں مروی ہے کہ ایک نبی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھوک، جُوؤں اور ننگے پن کی شکایت کی اور ان کا لباس اُونی تھا اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی اے میرے بندے! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہارے دل کو کفر سے بچالوں کہ تم مجھ سے دنیا کا سوال کرتے ہو چنانچہ انہوں نے مٹی لے کر اپنے سر پر ڈالی اور عرض کیا ہاں میرے رب میں راضی ہوں تو مجھے کفر سے بچالے۔

تو عارفین قدموں کی مضبوطی اور قوتِ ایمان کے باوجود بُرے خاتمے سے ڈرتے تھے تو کمزور لوگوں کو اس (برے خاتمے) کا خوف کیوں نہیں ہوگا۔

اور برے خاتمے کے کچھ اسباب ہیں جو موت سے پہلے ہوتے ہیں جیسے بدعت، منافقت اور تمام بری صفات میں اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منافقت سے بہت زیادہ ڈرتے تھے حتی کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا اگر مجھے علم ہو کہ میں منافقت سے پاک رہوں گا تو یہ بات مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ پسند ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے انہوں نے منافقت سے وہ منافقت مراد نہیں لی جو اصل ایمان کے خلاف ہے بلکہ وہ منافقت مراد ہے جو ایمان کے ساتھ جمع ہوتی ہے پس وہ مسلمان بھی ہوتا ہے اور منافق بھی۔ اور اس کی بہت سی علامات ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ فَهُوَ مُنَافِقٌ خَالِصٌ وَاِنْ صَلّٰى وَصَامَ وَزَعَمَ اَنَّهُ مُسْلِمٌ وَاِنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ فَفِيهِ شُعْبَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا مَنْ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔

(۱)

چار باتیں ایسی ہیں کہ جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق (عملی منافق) ہوتا ہے اگرچہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھے اور اگر اس میں ان میں سے ایک خصلت ہو تو اس میں منافقت کا ایک شعبہ پایا جاتا ہے حتی کہ اسے چھوڑ دے جو بات کرتے وقت جھوٹ بولے وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے اور جب جھگڑا ہو تو گالی گلوچ سے کام لیتا ہے۔

اور دوسری حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔

وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ"

اور جب وعدہ کرتا ہے تو دھوکہ دیتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافقت کی مختلف تفاسیر کی ہیں صدیقین کے علاوہ لوگوں میں ان میں سے کوئی نہ کوئی بات ضرور

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۵۶ کتاب الایمان

marfat.com

پائی جاتی ہے حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ظاہر و باطن کا اختلاف زبان اور دل کا اختلاف، دخول و خروج کا اختلاف منافقت میں سے ہے اور ان باتوں سے کون خالی ہے بلکہ یہ کام لوگوں کے درمیان بطور عادت محبوب بن گئے ہیں۔ اور ان کو مکمل طور پر کوئی بھی برا نہیں جانتا بلکہ یہ کام لوگوں میں زمانہ نبوت کے قریب ہی جاری ہو گئے تھے تو ہمارے زمانے کے بارے میں کیا گمان ہوگا! حتی کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ زمانہ نبوت میں کوئی شخص ایک بات کہنے سے منافق ہو جاتا تھا لیکن آج میں وہی بات گیارہ مرتبہ سنتا ہوں۔ (۱)

اور صحابہ کرام فرمایا کرتے تھے کہ تم بعض اعمال کو جانتے ہو جو تمہاری نگاہ میں بال سے زیادہ باریک ہیں لیکن ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ان باتوں کو گناہ کبیرہ میں سے سمجھتے تھے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا منافقت کی علامت یہ ہے کہ تم، لوگوں سے اس بات کو ناپسند کرو جس کا خود ارتکاب کرتے ہو اور تم ظلم میں سے کسی چیز کو پسند کرو اور حق میں سے کسی بات کو ناپسند کرو اور کہا گیا ہے کہ نفاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ جب کسی آدمی کی تعریف اس بات پر کی جائے جو اس میں نہیں ہے تو وہ اس پر خوش ہو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ ہم ان امراء کے پاس جاتے ہیں تو ان کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں اور جب ہم وہاں سے نکلتے ہیں تو ان کے بارے میں کلام کرتے ہیں آپ نے فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم ان باتوں کو منافقت خیال کرتے ہیں۔ (۲)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو حجاج بن یوسف کے خلاف باتیں کرتے ہوئے سنا تو پوچھا تباؤ کیا حجاج کی موجودگی میں بھی تم ایسی گفتگو کرتے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ فرمایا ہم عہد رسالت میں اس قسم کی باتوں کو منافقت سمجھتے تھے۔

اس سے بھی زیادہ سخت بات یہ ہے کہ کچھ لوگ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھ کر ان کا انتظار کر رہے تھے اور وہ آپ کے بارے میں کچھ باتیں بھی کرتے تھے جب آپ باہر تشریف لائے تو آپ سے حیا کرتے ہوئے وہ لوگ خاموش ہو گئے آپ نے فرمایا اپنی گفتگو جاری رکھو لیکن وہ خاموش رہے آپ نے فرمایا اس قسم کے عمل کو ہم عہد رسالت میں منافقت شمار کرتے تھے۔

اور یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ منافقین اور اسبابِ نفاق کے علم کے ساتھ مخصوص تھے اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ دل پر ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ وہ ایمان سے بھر جاتا ہے حتی کہ اس میں سوئی کے سوراخ جتنی جگہ بھی نفاق کے لیے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۹۰ مرویات حذیفہ

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۱ کتاب الرقاق

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۲ ص ۲۰۴ حدیث ۱۳۵۴۸

marfat.com

نہیں رہتی اور اس پر ایک ساعت ایسی آتی ہے کہ وہ منافقت سے بھر جاتا ہے اور اس میں سوئی کے سوراخ جتنی جگہ بھی ایمان کے لیے باقی نہیں رہتی۔

اس سے تمہیں معلوم ہوگیا کہ عارفین کو برے خاتمے کا خوف ہوتا ہے اور اس کا سبب خاتمے سے پہلے پائے جانے والے کچھ اسباب ہوتے ہیں جن میں بدعت، گناہ اور منافقت شامل ہے اور ان باتوں سے کوئی شخص کب خالی ہو سکتا ہے اور اگر کوئی شخص یہ گمان کرتا ہے کہ وہ ان باتوں سے خالی ہے تو یہ بھی منافقت ہے کیوں کہ کہا گیا ہے کہ جو شخص منافقت سے بے خوف ہو وہ بھی منافق ہے۔

کسی شخص نے ایک عارف سے کہا کہ مجھے اپنے نفس پر منافقت کا خوف ہے انہوں نے فرمایا اگر تم منافق ہوتے تو تمہیں منافقت کا خوف نہ ہوتا تو عارف ہمیشہ سابقہ (پہلی حالت) اور خاتمہ کے درمیان متوجہ رہتا ہے کیوں کہ اسے ان دونوں کا خوف ہوتا ہے۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ بَيْنَ مَخَافَتَيْنِ بَيْنِ اَجَلٍ قَدْ مَضَى لَا يَدْرِيْ مَا اللّٰهُ صَانِعٌ فِيْهِ وَ بَيْنَ اَجَلٍ قَدْ بَقِيَ لَا يَدْرِيْ مَا اللّٰهُ قَاضٍ فِيْهِ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ مِنْ مُسْتَعْتَبٍ وَلَا بَعْدَ الدُّنْيَا مِنْ دَارٍ اِلَّا الْجَنَّةُ اَوِ النَّارُ۔ (۱)

مومن بندہ دو خوفوں کے درمیان رہتا ہے اس اجل کے درمیان جو گزر گئی کہ اسے معلوم نہیں اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کیا کرنے والا ہے اور وہ اجل جو باقی ہے کہ اسے معلوم نہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں کیا فیصلہ فرمایا تو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے موت کے بعد طلب رضا کا کوئی موقعہ اور دنیا کے بعد کوئی گھر نہیں سوائے جنت یا دوزخ کے ـــــ اور اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی جاتی ہے۔

فصل ۷:

برے خاتمہ کا مفہوم

سوال:

آپ نے جو کچھ لکھا ہے ان تمام باتوں کا رجوع برے خاتمے کی طرف ہے تو برا خاتمہ کیا ہے؟

---

(۱) کتاب الزھد والرقائق ص ۱۰۲ حدیث ۳۰۴/ الفردوس بماثور الخطاب جلد ۲ ص ۹۲ حدیث ۲۶۱۴

marfat.com

جواب :

برے خاتمہ کے دو مرتبے ہیں ان میں سے ایک، دوسرے سے بڑا ہے، بڑا اور پریشان کن رتبہ یہ ہے کہ موت کی سختیوں وراس کی ہولناکیوں کے ظہور کے وقت شک یا انکار پایا جائے پس انکار یا شک کے غلبہ کی صورت میں رُوح قبض ہو اور س انکار کی وجہ سے جو دل پر غالب ہو گیا بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب پیدا ہو جاتا ہے اور یہ حجاب دائمی بُعد اور ہمیشہ کے رے خاتمہ کا دوسرا مرتبہ پہلے سے کم ہے اور وہ موت کے وقت دل پر امور دنیا میں سے کسی امر کی محبت یا کسی خواہش کا غالب انا ہے اب یہ بات دل میں بیٹھ جاتی ہے اور اسے گھیر لیتی ہے حتی کہ اس حالت میں کسی دوسری چیز کی گنجائش باقی نہیں رہتی ور اسی حالت میں رُوح پرواز کر جاتی ہے اب اس کے دل کا استغراق یوں ہوتا ہے کہ اس کا دل دنیا کی طرف جھکا ہوا ہوتا ہے اور اس کا رُخ بھی ادھر ہی ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رُخ پھر جائے تو حجاب پیدا ہو جاتا ہے اور حجاب پیدا ہو گیا تو عذاب نازل ہوتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی جلانے والی آگ انہی لوگوں کو پکڑتی ہے جو اس سے پردے میں ہوتے ہیں لیکن وہ مومن جس کا دل دنیا کی محبت سے محفوظ ہو اور اس کی تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اس سے جہنم کی آگ کہتی ہے اے ومن ! دُور ہو جا تیرے نور نے میری لپٹ کو بجھا دیا ہے۔

پس جب رُوح کا قبض ہونا ایسی صورت میں ہو کہ اس پر دنیا کی محبت غالب ہو تو معاملہ خطرناک ہوتا ہے کیوں کہ آدمی اسی الت پر مرتا ہے جس پر وہ زندہ تھا اور موت کے بعد دل کے لیے کوئی ایسی صفت حاصل کرنا ممکن نہیں جو اس پر غالب صفت ا ضد ہو کیوں کہ دل کا بدلنا اعضاء کے عمل کے ساتھ ہوتا ہے اور موت کے ذریعے اعضاء باطل ہو گئے پس اعمال بھی باطل ہو گئے لہٰذا اب کسی عمل کا طمع باقی نہیں ہے اور دنیا میں واپسی کی طمع بھی نہیں کہ اس کا تدارک کیا جا سکے لہٰذا اس وقت بہت زیادہ حسرت ہوتی ہے۔

البتہ جب اصل ایمان اور اللہ تعالیٰ کی محبت ایک طویل مدت تک دل میں راسخ ہو چکی ہو اور اچھے اعمال کے ساتھ پکی ہو ئی ہو وہ موت کے وقت پیش آنے والی اس حالت کو مٹا دیتی ہے اگر اس کا ایمان ایک مثقال کے برابر بھی ہو تو وہ بھی س کو جلد ہی آگ سے نکال دیتا ہے اور اگر اس سے کم ہو تو وہ جہنم میں زیادہ مدت تک ٹھہرتا ہے اور اگر دانے کے برابر بھی ہو وہ اسے ضرور بضرور جہنم سے نکالے گا اگرچہ کئی ہزار سال کے بعد ہو۔

سوال :

جو کچھ آپ نے ذکر کیا ہے اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ موت کے فوراً بعد آگ اس تک پہنچ جاتی ہے تو اسے قیامت تک مؤخر کرنے اور طویل عرصہ تک مہلت دینے کا کیا فائدہ ہے۔

عذاب قبر :

جواب : جو شخص عذاب قبر کا منکر ہے وہ بدعتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نور سے پردے میں ہے بلکہ نور

marfat.com

قرآن اور نورِ ایمان سے بھی حجاب میں ہے بلکہ اصحابِ بصیرت کے نزدیک صحیح بات وہ ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ وہ یہ ہے۔

اَلْقَبْرُ اِمَّا حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ اَوْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ۔ (۱)

قبر یا تو جہنم کا ایک گڑھا ہے یا وہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔

اور جس کو عذاب دیا جا رہا ہے اس کی قبر کی طرف جہنم کے ستر دروازے کھلتے ہیں جیسا کہ احادیث میں ہے (۲) پس جونہی اس کی رُوح جدا ہوتی ہے اس پر مصیبتوں کا نزول شروع ہو جاتا ہے اگر وہ بُرے خاتمہ کی وجہ سے بدبختی کا شکار ہو چکا ہو اور مختلف اوقات میں مختلف قسم کا عذاب ہوتا ہے جب اسے قبر میں رکھا جاتا ہے تو منکر نکیر کے سوالات ہوتے ہیں (۳) اس کے بعد عذاب ہوتا ہے (۴) پھر حساب کا مناقشہ ہے (۵) اور گواہوں کی ایک جماعت کے سامنے قیامت کے دن کی رُسوائی ہے (۶) اس کے بعد پُل صراط کا خطرہ ہے (۷) اور دوزخ کے فرشتوں کی مصیبت و سختی (۸) اور وہ تمام امور جو احادیث میں مذکور ہیں۔

تو بدبخت آدمی طرح طرح کے عذاب میں اپنے تمام احوال میں تردد میں رہتا ہے اور وہ تمام حالات میں عذاب میں ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور تمہیں یہ گمان نہیں کرنا چاہیئے کہ محلِ ایمان کو مٹی کھا جاتی ہے بلکہ مٹی تمام ظاہری اعضاء کو کھا کر جدا جدا کر دیتی ہے یہاں تک کہ مقررہ وقت آ پہنچے تو تمام متفرق اجزاء جمع ہو جائیں گے اور ان کی طرف روح لوٹ آئے گی جو محلِ ایمان ہے اور یہ روح وقتِ موت سے لوٹنے تک موجود رہتی ہے یا تو ان سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہے جو عرش کے نیچے لٹک رہے ہیں اگر وہ نیک بخت ہے اور اگر وہ بدبخت ہے تو اس کے خلاف کسی بری حالت میں ہوتی ہے، ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

سوال :۔

بُرے خاتمے کی طرف لے جانے والا سبب کیا ہے؟

جواب :۔

جان لو! ان امور کے اسباب کا احاطہ تفصیلی طور پر ممکن نہیں البتہ اجمالی طور پر اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک شک اور انکار کی صورت میں خاتمے کا تعلق ہے تو اس کا سبب دو باتوں میں منحصر ہے۔

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۴۳۸ کتاب التوبہ

(۲)

(۳) جامع ترمذی ص ۱۷۳، ابواب الجنائز

(۴) " " " "

(۵) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۷ کتاب الرقاق۔

(۶) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۶ مرویات ابن عمر

(۷) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۷۳ مرویات ابن عمر کتاب الرقاق

(۸) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۹۱ حدیث ۲۹۰۰۵

marfat.com

ہ ہے جو مکمل پرہیزگاری اور اعمال کی درستگی کے باوجود متصور ہوتا ہے جیسے بدعتی زاہد، اس کا خاتمہ بہت خطرے میں رہتا اس کے اعمال اچھے ہوں ـــــ اس سے ہماری مراد کوئی خاص مذہب نہیں جسے بدعت قرار دیں کیوں کہ اس کا بیان طویل ہے بلکہ بدعت سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال میں خلافِ حق عقیدہ رکھنا ہے یعنی جیسے صورت حال ہے کے خلاف عقیدہ ہو چاہے وہ اس کی رائے سے ہو یا عقل و فکر جس کے ذریعے وہ مخالف سے جھگڑتا ہے ایسی عقل پر اعتماد ر اس کے دھوکے میں ہے یا جو اس حالت پر ہے اس کی تقلید کرتا ہے۔

پس جب موت قریب آتی ہے اور ملک الموت کی پیشانی اس کے سامنے ظاہر ہوتی ہے اور دل اپنے تمام خیالات سمیت ہے تو بعض اوقات حالتِ سکراتِ موت میں اس کے سامنے اس عقیدے کا بطلان منکشف ہوتا ہے جسے اس نے جہالت سے اختیار کر رکھا تھا کیوں کہ موت کی حالت پردہ اٹھنے کی حالت ہے اور سکرات کی ابتدائی حالت اسی سے ہے پس اس بعض امور واضح ہو جاتے ہیں پس جب اس کا عقیدہ باطل ہو جاتا ہے اور اس سے پہلے وہ اس پر یقین رکھتا اور اسے قطعی تھا تو وہ یہ گمان نہیں کرتا کہ اس سے خاص اس عقیدے میں خطا ہوئی ہے جس کا دار و مدار اس کی فاسد رائے اور عقل ناقص بلکہ اس کے خیال میں اس کے تمام عقائد بے اصل ہوتے ہیں کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نیز تمام عقائد صحیحہ اور فاسد عقیدے میں فرق نہیں کرتا پس بعض مبنی پر جہالت اعتقادات کا انکشاف باقی عقائد کے بطلان ب بنتا ہے یا وہ ان میں شک کرتا ہے۔

اب اگر اسی حالت میں رُوح پرواز کرتی ہے اور وہ اصل ایمان کی طرف نہیں لوٹتا تو اس کا خاتمہ بُرا ہوتا ہے اور اس کی شرک پر نکلتی ہے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اس ارشاد خداوندی سے یہی لوگ مراد ہیں

وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ۔ (۱)

اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جس کا وہ گمان بھی نہیں کرتے تھے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۔ (۲)

آپ فرما دیجئے کیا ہم تمہیں ان لوگوں کی خبر دیں جو اعمال کے اعتبار سے بہت خسارے میں ہیں وہ لوگ جن کی کوشش دنیوی زندگی میں ضائع ہو گئی اور ان کا خیال یہ ہے کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۴۷

(۲) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۱۰۳

marfat.com

اور جس طرح نیند کی حالت میں مستقبل میں پیش آنے والے امور منکشف ہوتے ہیں کیوں کہ اس وقت دل پر دنیوی مش
کا بوجھ کم ہوتا ہے اسی طرح سکراتِ موت کی حالت میں بعض امور واضح ہوتے ہیں کیوں کہ دنیوی مشاغل اور بدن کی خواہشات
کو ملکوت کی طرف دیکھنے سے مانع تھیں لہذا اب وہ لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے اس کا مطالعہ کرتا ہے تاکہ وہ امور اپنی ا
حقیقت کے ساتھ منکشف ہو جائیں تو اس قسم کی حالت کشف کا سبب بنتی ہے اور یہ کشف باقی اعتقادات میں شک کا سبب
بنتا ہے۔

تو جو شخص تقلیدی طور پر یا رائے اور عقل کے ذریعے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات و افعال کے بارے میں خلافِ حقیق
اعتقاد رکھتا ہے اسے اس خطرے کا سامنا ہوتا ہے اور زہد نیز اعمال کا صالح ہونا اس خطرے کو دُور کرنے کے لیے کا
ہیں بلکہ اس سے نجات کے لیے سچے عقیدے کی ضرورت ہے۔

اور بھولے بھالے آدمی اس خطرے سے دُور ہیں یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آخرت پ
لیکن مضبوط ایمان لائے جس طرح دیہاتی، جنگلوں میں رہنے والے اور عام لوگ جو بحث مباحثہ میں نہیں پڑتے نہ کلام کا آغاز ک
ہیں اور نہ ہی متکلمین کے مختلف اقوال کی تقلید میں ان کی باتوں پر کان دھرتے ہیں۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَکْثَرُ اَهْلِ الْجَنَّةِ الْبُلَهُ ءُ۔ (۱) جنت میں جانے والے زیادہ لوگ سیدھے سادے ہوں گے

اسی لیے بزرگوں نے بحث و نظر اور کلام میں غور و خوض نیز ان امور میں تفتیش سے منع فرمایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ جو کچھ اللہ
نے نازل کیا اس سب پر ایمان لائیں اور بس اور جو کچھ ظاہر میں سمجھ آتا ہے اس پر بھی ایمان لائیں اور یہ اعتقاد رکھیں کہ کو
اللہ تعالیٰ کے مشابہ نہیں ہے لوگوں کو تاویل میں غور و فکر کرنے سے روکا گیا ہے کیوں کہ صفاتِ خداوندی میں بحث کرنے سے
بڑے خطرے کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کی گھاٹیاں سخت اور راستے دشوار گزار ہیں اور عقلیں اللہ تعالیٰ کے جلال کا ادراک کر
سے قاصر ہیں اور چوں کہ دل محبتِ دنیا پر پیدا کیے گئے ہیں اس لیے نورِ یقین سے ملنی والی ہدایت ان سے دُور ہے اور جو کچھ
کرنے والے کہتے ہیں وہ ایک دوسرے کے خلاف ہے اور دل انہی باتوں کے ساتھ اُلفت رکھتے ہیں جو ابتدائے نشو و نما
ان میں ڈالی جاتی ہیں اور مخلوق کے درمیان جو تعصبات پھیلے ہوئے ہیں وہ موروثی عقائد کی مضبوط جڑیں ہیں یا اوّل اوّل سلا
سے حُسنِ ظن کے طور پر لیے گئے ہیں پھر طبیعتیں دنیا کی محبت میں مصروف و مشغوف ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہیں اور دنیوی خوا
نے ان کا گلا دبا رکھا ہے لہذا وہ ان کو مکمل طور پر سوچ و بچار کرنے نہیں دیتیں۔

پس جب اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے سلسلہ میں رائے اور عقل کے ساتھ کلام کا دروازہ کھلتا ہے اور طبیعت

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۹، کتاب الاعرب

marfat.com

ختلاف بھی موجود ہے نیز ہر جاہل اس بات کی حرص رکھتا ہے کہ وہ کمال اور حق کی گہرائی کا احاطہ کرنے کا دعویٰ کرے تو جس
و سمجھ آتی ہے بول پڑتا ہے اور جو شخص جس بات کو سنتا ہے اسی کا معتقد ہو جاتا ہے اور ان کی باہمی الفت کی وجہ سے یہ عقیدہ
ہو جاتا ہے اور اب نکلنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا سلامتی اسی میں ہے کہ لوگ اچھے اعمال میں مشغول ہوں اور جو کچھ ان
ات کی حد سے باہر ہے اس کے پیچھے نہ پڑیں۔

لیکن اب تو لگام ڈھیلی پڑ گئی اور بیہودگی پھیل گئی اور ہر جاہل اس بات کی طرف اُتر آیا جو ظن اور گمان کے اعتبار سے اس
بیعت کے موافق ہے اور وہ اسے ہی علم اور یقینی بات جانتا ہے اور اس کے خیال میں یہی خالص ایمان ہے اور اس کا
مایہ ہے کہ یہ جو کچھ اندازے اور تخمینے سے کہا گیا ہے یہی علم الیقین اور عین الیقین ہے حالانکہ کچھ دن بعد اسے اس کا علم ہو
ے گا اور پردہ اٹھنے کے بعد ان لوگوں کے بارے میں یہ شعر پڑھنا زیادہ مناسب ہے۔

اَحْسَنْتَ ظَنَّكَ بِالْاَيَّامِ اِذْ حَسُنَتْ	جب دن اچھے گزرے تو تُو نے زمانے کے بارے میں اچھا
وَلَمْ تَخَفْ سُوْءَ مَا يَاْتِيْ بِهِ الْقَدَرُ	گمان کیا اور آنے والی مقدر برائی سے تو نے خوف نہ کھایا
وَسَالَمَتْكَ اللَّيَالِيْ فَاغْتَرَرْتَ بِهَا	راتوں نے تجھے سلامت رکھا تو تجھے ان کی وجہ سے دھوکہ ہوا
وَعِنْدَ صَفْوِ اللَّيَالِيْ يَحْدُثُ الْكَدَرُ	اور جب راتیں صاف ہوں تو گدلا پن آ جاتا ہے۔

اور جان لو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور کتابوں پر خالص ایمان سے جدا ہو جاتا ہے اور بحث میں پڑتا ہے وہ
ہ آپ کو اس خطرے کے لیے پیش کرتا ہے اور اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کی کشتی ٹوٹ جائے اور وہ موجوں کی
ر جائے ایک موج اسے دوسری موج کی طرف پھینک دے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ اسے ساحل کی طرح پھینک
ہے لیکن یہ بہت بعید بات ہے اور ہلاکت کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔

اور جو لوگ دوسروں سے عقیدہ لیتے ہیں جنہوں نے عقل کے ذریعے اس میں بحث کی تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ دلائل
اتھ ہے جو انہوں نے نقل کئے اور اس میں ان کا تعصب شامل ہے یا دلیل کے بغیر ہیں پس اگر اسے اس میں شک ہے
سے دین فاسد ہو جاتا ہے اور اگر اسے اس پر یقین ہے تو اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہے اور اپنی ناقص عقل
دھوکے میں پڑا ہوا ہے اور جو شخص بھی کسی بحث میں پڑتا ہے وہ ان دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا ہاں عقل کی حد سے گزر
س نورِ مکاشفہ کی طرف چلے جو عالمِ ولایت و نبوت میں چمکتا ہے اور یہ کبریت احمر (سرخ سونا) ہے لیکن کہاں میسر ہے،
ادہ لوح مسلمان اس خطرے سے محفوظ ہیں یا جن لوگوں کو جہنم کے خوف نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول کر دیا اور وہ
ول باتوں میں مشغول نہیں ہوتے ـــــ تو یہ بُرے خاتمے کے خطرے سے متعلق ایک سبب ہے۔

اور دوسرا سبب اصل میں ایمان کی کمزوری ہے پھر دل پر دنیوی محبت کا غالب آ جانا اور جب ایمان کمزور ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ
ت میں بھی کمزوری واقع ہو جاتی ہے اور دنیا کی محبت مضبوط ہو جاتی ہے اور یوں ہوتا ہے کہ گویا دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت

کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے البتہ قلبی خطرات اور وسوسے ہوتے ہیں لیکن مخالفتِ نفس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ شیطان راستے سے پھیر سکتا ہے اس سے خواہشات کی اتباع میں انہماک پیدا ہوتا ہے حتی کہ دل پر اندھیرا چھا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ سخت بھی ہو جاتا ہے اور سیاہ بھی اور نفسانی ظلمات دل پر چڑھ جاتی ہیں اور جو کمزور ایمان دل میں موجود ہوتا ہے اس میں کمی ہوتی رہتی ہے حتی کہ مہر لگ جاتی ہے اور دل زنگ آلود ہو جاتا ہے اور جب موت کی سختیاں آنا شروع ہوتی ہیں تو یہ بڑھ جاتی ہے مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت مزید کمزور ہو جاتی ہے کیوں کہ اب اسے دنیا سے جدائی کا شعور ہوتا ہے اور یہی اس کا محبوب تھی جو دل پر غالب آچکی تھی تو دنیا سے جدائی کا سوچ کر اسی کے دل کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے لہذا جو موت اس کے مقدر میں تھی اس کا ضمیر اس کے انکار کی راہ دکھاتا ہے اور یہ اس لیے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے تو اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ کہیں اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی بجائے بُغض جوش نہ مارے۔

جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے سے معمولی محبت کرتا ہو اور وہ لڑکا اس سے اس کا وہ مال لے جو اسے اولاد سے بھی زیادہ ہو اور وہ اس مال کو جلا دے تو یہ کمزور محبت، بغض میں بدل جاتی ہے۔ تو اگر اس حالت میں انسان کی رُوح نکلے جب اس کے دل میں یہ خطرہ پیدا ہوا تو یہ برا خاتمہ ہے اور وہ مکمل طور پر ہلاک ہو گیا اور اس قسم کے خاتمہ تک جو سبب لے جاتا ہے وہ دنیا کی محبت کا غلبہ اور اس کی طرف جھکاؤ ہے نیز اس کے اسباب پر خوش ہونا ہے اور اس کے ساتھ ایمان کی کمزوری جو اللہ تعالیٰ کی محبت کی کمزوری کا موجب ہے پس جو شخص اپنے دل میں دنیا کی محبت کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی محبت کو زیادہ غالب پاتا ہے وہ اگرچہ دنیا سے بھی محبت کرتا ہو، وہ اس خطرے سے زیادہ دُور ہوتا ہے۔

اور دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے اور وہ لاعلاج مرض ہے اور ہر قسم کے لوگ اس میں مبتلا ہیں اور اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا کم ہوتا ہے کیوں کہ اس سے وہی محبت کرتا ہے جو اسے پہچانتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔ (۱)

آپ فرما دیجیے (اے لوگو!) اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور وہ مال جو تم نے کمایا اور وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ تعالیٰ، اور اس کے رسول اور اس کے راستے میں جہاد سے زیادہ پسند ہیں تو انتظار کرو حتی کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ توبہ آیت ۲۴

marfat.com

تو نتیجہ یہ ہوا کہ جس شخص کی رُوح دنیا سے اس طرح جاتی ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے انکار کا خطرہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے اس عمل (موت) کو دل سے برا سمجھتا ہو کہ اس نے اس کے اور اس کے اہل و مال اور تمام محبوب چیزوں کے درمیان تفریق ڈال دی تو اس کی موت یوں واقع ہوتی ہے کہ جدھر وہ جا رہا ہے اسے ناپسند کرتا ہے اور جس سے جدا ہو رہا ہے اسے پسند کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس غلام کی طرح حاضر ہو رہا ہے جو آقا سے بُغض رکھتا ہو اور بھاگا ہوا ہو اور اسے زبردستی لایا جا رہا ہو اب وہ جس قدر ذلت اور سزا کا مستحق ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے۔

لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت پر انتقال کرتا ہے وہ بارگاہ خداوندی میں اس غلام کی طرح حاضر ہوتا ہے جو نیکوکار ہے اور اپنے آقا کا مشتاق ہے جس نے مشکل کام اور سفر کی مشقت اس سے ملاقات کی طمع میں برداشت کی اب اسے جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ بھی مخفی نہیں ہے اور یہ تو محض حاضری اور ملاقات کی خوشی ہے اور جو طرح طرح کے انعام و اکرام اسے ملتے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔

دوسری قسم کا خاتمہ پہلی قسم کے مقابلے میں ہلکا ہے اور اس سے ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنا لازم نہیں آتا اور اس کے بھی دو سبب ہیں ایک گناہوں کی کثرت ہے اگرچہ ایمان مضبوط ہو اور دوسرا سبب ایمان کی کمزوری ہے اگرچہ گناہ کم ہوں کیوں کہ گناہوں سے ارتکاب کا سبب خواہشات کا غلبہ اور دل میں ان کا راسخ ہو جانا ہے جس کی وجہ الفت اور عادت ہے۔ اور انسان اپنی زندگی میں جن جن چیزوں سے اُلفت رکھتا ہے موت کے وقت اس کے دل میں ان کا ذکر لوٹ آتا ہے اگر اس کے دل کا زیادہ میلان عبادات کی طرف ہو تو حالتِ نزع میں اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی یاد زیادہ ہوتی ہے اور اگر اس کا زیادہ میلان گناہوں کی طرف ہو تو موت کے وقت اس کے دل میں گناہوں کی یاد ہوتی ہے پس جب اس کی رُوح قبض ہوتے وقت بُری خواہش اور کسی گناہ کا غلبہ ہو تو دل اس کی قید میں ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے حجاب میں ہوتا ہے اور جو شخص کبھی کبھی گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے وہ اس خطرے سے بہت دُور ہوتا ہے اور جس پر گناہوں کا غلبہ ہو اور عبادات کے مقابلے میں گناہ زیادہ ہوں اور عبادات کی نسبت گناہوں پر دل زیادہ خوش ہوتا ہو تو اس کے حق میں یہ بہت بڑا خطرہ ہے۔

ہم یہ بات ایک مثال کے ذریعے معلوم کرتے ہیں یعنی یہ بات واضح ہے کہ انسان اپنے خواب میں جو کچھ دیکھتا ہے وہ زندگی میں کسی نہ کسی حالت میں دیکھتا ہے حتیٰ کہ وہ وہی چیز دیکھتا ہے جو بیداری کی حالت میں مشاہدہ کی گئی چیز کی مثل ہو یہاں تک کہ وہ نابالغ بچہ جسے احتلام آتا ہو وہ خواب میں حالتِ جماع کو ملاحظہ نہیں کرتا جب تک اس نے بیداری کی حالت میں جماع کا مشاہدہ کیا ہو اور اگر وہ ایک مدت تک اسی حالت میں رہے تو احتلام کے وقت اسے جماع کی صورت دکھائی نہیں دیتی۔

پھر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ جس شخص نے اپنی زندگی فقہ میں گزاری ہو تو وہ علم و علماء سے متعلق احوال کو اس شخص سے زیادہ دیکھتا ہے جس نے اپنی زندگی تجارت میں گزاری اور تاجر تجارت سے متعلق احوال اور ان کے اسباب کو طبیب اور فقیہ کے مقابلے میں زیادہ دیکھتا ہے کیوں کہ نیند کی حالت میں وہ چیز ظاہر ہوتی ہے جس کے ساتھ دل ایک عرصے سے الفت

رکھتا ہو یا کسی دوسرے سبب سے قلبی تعلق پیدا ہوا ہو۔

اور موت، نیند کے مشابہ ہے لیکن اس سے اوپر ہے البتہ موت کی سختیاں (سکراتِ موت) اور اس سے پہلے جو غشی آتی ہے وہ نیند کے قریب ہوتی ہے لہذا یہ مالوف و محبوب چیز کے تذکرے کا تقاضا کرتی ہے اور دل کی طرف اس کے رجوع کی متقاضی ہوتی ہے اور دل میں اس کے ذکر کو ترجیح دینے والے اسباب میں سے ایک سبب ایک عرصہ تک اس سے مانوس رہنا ہے پس گناہوں اور عبادات کے ساتھ طویل اُنس بھی وجہ ترجیح ہے اسی طرح نیک لوگوں کی خوابیں، فاسق لوگوں کی خوابوں کے خلاف ہوتی ہیں تو اُنس و اُلفت کا غلبہ اس بات کا سبب بنتا ہے کہ اس کے دل میں ایک فاحشہ صورت متشکل ہو اور اس کی طرف اس کے نفس کا میلان ہو پس بعض اوقات اسی حالت میں اس کی رُوح قبض ہوتی ہے اور یہ اس کے برے خاتمے کا سبب ہوتا ہے اگرچہ اصلِ ایمان باقی ہو جس کی وجہ سے نجات کی امید ہو۔

اور جس طرح بیداری کی حالت میں دل میں پیدا ہونے والا خیال ایک خاص سبب سے ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اسی طرح ہر خواب کا اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک سبب ہوتا ہے جس کے بعض کو ہم جانتے ہیں اور بعض کا علم ہمیں نہیں ہوتا جیسے ہم جانتے ہیں کہ دل کا وسوسہ اور خیال ایک چیز سے دوسری مناسب چیز کی طرف مشابہت یا ضِد یا ملنے کی وجہ سے منتقل ہوتا ہے اس سے اس کا احساس پیدا ہو۔

مشابہت کی صورت یہ ہے کہ کسی خوبصورت چیز کو دیکھ کر دوسری خوبصورت چیز کا خیال آجائے، ضد کی صورت یہ ہے کہ خوبصورت کو دیکھ کر بدصورت کی یاد آجائے اور وہ ان دونوں کے درمیان بہت زیادہ تفاوت میں غور کرے اور مقارنت (ملنا) یہ ہے کہ مثلاً اس نے ایک گھوڑے کو دیکھا جسے اس سے پہلے کسی انسان کے ساتھ دیکھ چکا تھا تو اس گھوڑے کو دیکھنے سے انسان کا خیال آجائے۔

اور بعض اوقات ذہن ایک چیز کی طرف سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہوتا ہے لیکن دونوں کے درمیان وجہِ مناسبت معلوم نہیں ہوتی اور یہ ایک اور دو واسطوں سے ہوتا ہے مثلاً ذہن ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف اور اس سے تیسری چیز کی طرف منتقل ہو پھر دوسری چیز کو بھول جائے پہلی اور تیسری چیز کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہوتی البتہ اس کے اور دوسری چیز کے درمیان مناسبت ہوتی ہے جب کہ دوسری اور پہلی چیز کے درمیان مناسبت ہوتی ہے اسی طرح خوابوں میں خیالات کے لیے اس جنس کے اسباب ہیں اور سکراتِ موت کے وقت بھی اسی طرح ہوتا ہے۔

اس بنیاد پر جو شخص اکثر سلائی کا کام کرتا ہے تم اسے دیکھو گے وہ اپنے سر کی طرف اشارہ کرتا ہے گویا وہ اپنی سُوئی کو پکڑتا ہے تاکہ اس کے ساتھ سلائی کرے اور اپنی انگلی کو تر کرتا ہے۔ اور چادر کو اوپر سے پکڑ کر بالشت سے ناپتا ہے گویا اس کا ناپ کرتا ہے پھر اپنا ہاتھ قینچی کی طرف بڑھاتا ہے۔

اور جو شخص چاہتا ہو کہ اس کا خیال گناہوں اور خواہشات کی طرف نہ جائے اس کے لیے یہی راستہ ہے کہ وہ عرصہ دراز تک

marfat.com

اپنے نفس کو ان سے دُور رکھے اور دل سے شہوتوں کا قلع قمع کرے یہی مقدار اختیار کے تحت داخل ہے اور نیکی پر طویل عرصہ تک قائم رہنا اور فکر کو شر سے الگ رکھنا سکرات موت کی حالت کے لیے تیاری اور ذخیرہ ہے کیوں کہ آدمی اسی حالت پر مرتا ہے جس پر زندگی گزارتا ہے۔

اسی لیے ایک سبزی فروش کے بارے میں منقول ہے کہ موت کے وقت اسے کلمہ شہادت کی تلقین کی گئی تو وہ کہنے لگا پانچ، چھ، چار، گویا وہ اس حساب میں مشغول تھا جس کے ساتھ وہ موت سے پہلے مانوس تھا۔

اسلاف میں سے کسی عارف نے فرمایا عرش ایک جوہر ہے جو نور سے چمک رہا ہے جو بندہ جس حال پر ہوتا ہے اسی حالت میں اس کی صورت عرش پر منقش ہوتی ہے جب وہ سکراتِ موت کی حالت میں ہوتا ہے تو بعض اوقات اپنے آپ کو گناہ کی صورت میں دیکھتا ہے اسی طرح قیامت کے دن اس کے لیے کشف ہوگا اور وہ اپنے نفس کے احوال کو دیکھے گا تو اس وقت اسے جو حیا اور خوف ہوگا اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ واقعی انہوں نے صحیح فرمایا۔

سچے خواب کا سبب بھی اس کے قریب ہے کیوں کہ سونے والا لوح محفوظ کو دیکھ کر اس بات کا ادراک کرتا ہے جو مستقبل میں پیش آنے والی ہے اور (سچا خواب) نبوت کے اجزا میں سے ایک جزء ہے۔

تو برا خاتمہ دل کے احوال اور خلجانِ کی طرف لوٹتا ہے اور دلوں کو بدلنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے اور وہ التفاتات جو بُرے خیالات کا تقاضا کرتے ہیں وہ مکمل طور پر اختیار میں نہیں ہیں اگرچہ طویل اُنس و اُلفت کی اس میں تاثیر ہوتی ہے اسی وجہ سے عارفین کو برے خاتمے کا بہت زیادہ خوف ہوتا ہے اس لیے اگر انسان ارادہ کرے کہ خواب میں نیک لوگوں کے احوال اور عبادات و اطاعت کے احوال دیکھے تو اس کے لیے یہ بات مشکل ہے اگرچہ اصلاح کی کثرت اور اس پر مواظبت ان چیزوں میں سے ہے جو اسباب میں موثر ہیں لیکن خیال کا بہک جانا مکمل طور پر کنٹرول میں نہیں اگرچہ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ خواب میں وہی چیز نظر آتی ہے جو حالتِ بیداری میں غالب ہوتی ہے حتی کہ میں نے شیخ ابو علی فارندی سے سنا جو مجھ سے بیان کر رہے تھے کہ مرید پر شیخ کا حُسنِ ادب واجب ہے اور جو کچھ شیخ کہے اس سے اس کے دل میں انکار نہ ہو، اور نہ زبان سے جھگڑا کرے انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ ابو القاسم کرمانی سے خواب بیان کیا اور عرض کیا کہ میں نے آپ کو دیکھا آپ مجھے فلاں بات فرما رہے ہیں اور میں پوچھتا ہوں ایسا کیوں ہے۔ فرماتے ہیں انہوں نے مجھے ایک مہینہ چھوڑ دیا اور مجھ سے کلام نہ کیا اور فرمایا اگر تمہارے دل میں میرے قول کا انکار نہ ہوتا تو خواب میں یہ بات تمہاری زبان پر جاری نہ ہوتی —— اور فی الواقع ان کا قول درست ہے کیوں کہ جو کچھ حالتِ بیداری میں انسان کے دل پر غالب ہوتا ہے خواب میں بہت کم اس کے خلاف دیکھتا ہے علم معاملہ میں خاتمہ کے اسرار کے سلسلے میں ہم اسی قدر بیان کر سکتے ہیں اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ علم مکاشفہ میں داخل ہے۔

اس گفتگو سے تمہارے لیے واضح ہو گیا کہ برے خاتمہ سے امن یہ ہے کہ تم اشیاء کو کسی جہالت کے بغیر اسی طرح دیکھو

marfat.com

جس طرح وہ ہیں اور اپنی تمام زندگی کسی گناہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزارو اور اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ بات محال یا مشکل ہے تو ضروری ہے کہ تم پر وہی خوف غالب ہو جو عارفین پر غالب ہے حتیٰ کہ اس کے سبب تمہارا رونا اور پیٹا طویل ہو جائے اور تم ہمیشہ غمگین اور پریشان رہو جس طرح ہم انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے واقعات بیان کریں گے تاکہ یہ بات ان اسباب میں سے ایک سبب بن جائے جو تمہارے دل میں خوف کی آگ بڑھکاتے ہیں۔

اس سے تمہیں معلوم ہو گیا کہ اگر آخری سانس جس میں روح نکلتی ہے سلامت نہ ہو تو تمام عمر کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور قلبی خیالات کی موجوں کے اضطراب کی موجودگی ہیں یہ سلامتی نہایت مشکل ہے اسی لیے حضرت مطرف بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے تھے مجھے ہلاک ہونے والے پر تعجب نہیں ہوتا کہ وہ کیسے ہلاک ہوا بلکہ مجھے نجات پانے والے پر تعجب ہوتا ہے کہ اس نے کیسے نجات پائی۔

اسی لیے حضرت حامد اللفاف رحمہ اللہ نے فرمایا جب فرشتے اس مومن بندے کی روح لے کر جاتے ہیں جو بھلائی اور اسلام پر فوت ہوا تو اس سے فرشتوں کو تعجب ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں یہ شخص دنیا سے کیسے نجات پا گیا جب کہ اس میں ہمارے اچھے اچھے بگڑ گئے ——— اور حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ ایک دن رو رہے تھے ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہم عرصہ دراز تک گناہوں پر روتے رہے پس اب اسلام پر روتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جس کی کشتی سمندر کے گرداب میں چلی گئی اور اس پر مخالف ہواؤں کا ہجوم ہو گیا اور موجوں میں اضطراب پیدا ہو گیا تو اس کے حق میں نجات، ہلاکت سے بہت دور ہے اور مومن کا دل کشتی سے زیادہ مضطرب ہوتا ہے اور وسوسوں کی موجیں سمندر کی موجوں سے زیادہ ٹکراتی ہیں اور موت کے وقت صرف ان اندیشوں کا خوف ہوتا ہے جو دل میں پیدا ہوتے ہیں اسی سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ خَمْسِينَ سَنَةً حَتَّى لَا يَبْقَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ إِلَّا قَوَاقُ نَاقَةٍ فَيُخْتَمُ لَهُ بِمَا سَبَقَ بِهِ الْكِتَابُ۔ (۱)

ایک انسان ۵۰ سال اہل جنت کے عمل کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف اونٹنی کی دو دہاروں کے درمیان وقفہ جتنا وقت باقی رہتا ہے تو اس کا خاتمہ پہلے سے لکھے ہوئے فیصلے کے مطابق ہوتا ہے۔

اور اونٹنی کی دو دہاروں کے درمیان اتنا وقت نہیں ہوتا جس میں کوئی بدبختی پر مبنی عمل کیا جا سکے۔ بلکہ یہ اندیشے ہیں جو اچکنے والی بجلی کی طرح پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت سہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ گویا میں جنت میں داخل ہو رہا ہوں میں نے اس میں تین سو انبیاء کرام

---

(۱) کنز العمال جلد اوّل ص ۱۲۳ حدیث ۵۸۲

marfat.com

کو دیکھا میں نے پوچھا آپ دنیا میں کس بات سے زیادہ ڈرتے تھے انہوں نے فرمایا برے خاتمے سے، اور اسی بڑے خطرے کے پیش نظر شہادت قابلِ رشک بن گئی اور اچانک موت ناپسند ہوتی ہے۔

اچانک موت (کی ناپسندیدگی) اس وجہ سے ہے کہ بعض اوقات اس وقت موت واقع ہوتی ہے جب برے اندیشے پیدا ہوتے اور دل پر غالب آجاتے ہیں اور دل ایسی باتوں سے خالی نہیں مگر یہ کہ کراہت کے ذریعے یا نورِ معرفت کی وجہ سے اسے دُور کر دے۔

اور شہادت کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مطلب رُوح کا ایسی حالت میں نکلنا ہے جب دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہے اور دل سے دنیا، اہل و مال، اولاد اور تمام خواہشات کی محبت نکل جائے کیوں کہ وہ لڑائی کے میدان میں اسی لیے جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کی رضا کی طلب اور اپنی دنیا کو آخرت کے بدلے بیچنے نیز اس سودے پر راضی ہو جو سودا اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال خرید لیے کہ اس کے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے۔

اور بیچنے والا لازماً مبیع (جس چیز کا سودا ہوا) سے اعراض کرتا اور دل سے اس کی محبت کو نکال باہر کرتا ہے اور جو چیز اس کے عوض لیتا ہے اس کی محبت کے لیے دل کو خالی کر لیتا ہے اور اس قسم کی حالت بعض حالات میں دل پر غالب آجاتی ہے لیکن اس حالت میں رُوح پرواز نہیں کرتی پس لڑائی کی صف اسی حالت میں روح کے نکلنے کا سبب ہے۔

یہ اس شخص کے بارے میں ہے غلبہ، غنیمت اور بہادری کی شہرت کا قصد نہ کرے جس کی یہ حالت ہو اگرچہ وہ میدان جنگ میں قتل ہو جائے وہ اس قسم کے رُتبہ سے بعید ہے جیسا کہ اس پر احادیث دلالت کرتی ہیں۔ (۲)

برے خاتمے سے حفاظت:

جب تمہارے سامنے برے خاتمے کا معنی واضح ہو گیا اور اس میں جس بات کا خوف ہے وہ بھی معلوم ہو گئی تو تمہیں اچھے خاتمے کی تیاری میں مشغول ہونا چاہیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اپنے دل سے دنیا کی محبت نکال دو گناہوں سے اپنے اعضاء کی حفاظت کرو اور دل کو بھی اس قسم کی سوچ سے محفوظ رکھو اور جس قدر ممکن ہو گناہوں کو دیکھنے اور گناہگاروں کے مشاہدے سے بچو یہ بات بھی دل پر اثر انداز ہوتی ہے اور تمہارا فکر اور خیال اس طرف پھر سکتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ توبہ آیت ۱۱۱

(۲) صحیح بخاری، جلد اول ص ۴۰۴ کتاب الجہاد

marfat.com

اس کام کو آئندہ پر نہ ٹالنا اور یوں نہ کہنا کہ عنقریب جب خاتمے کا وقت آئے گا تو میں اس کے لیے تیاری کروں گا کیوں کہ تمہارا ہر سانس تمہارا خاتمہ ہے کیوں کہ ہو سکتا ہے اسی سانس میں تمہاری رُوح نکال لی جائے۔

لہٰذا ہر لحظہ دل کی نگرانی کرو اور اسے بیکار نہ چھوڑو ہو سکتا ہے وہ لحظہ تمہارے خاتمے کا ہو کیوں کہ ممکن ہے اس میں تمہاری رُوح پرواز کر جائے یہ تو بیداری کی حالت میں ہے جہاں تک نیند کا تعلق ہے تو تمہیں ظاہری اور باطنی طہارت کے بغیر سونے سے پرہیز کرنا چاہیئے اور نیند کا غلبہ اس وقت ہو جب دل پر اللہ تعالیٰ کے ذکر کا غلبہ ہو اور اس سے ہماری مراد زبانی ذکر نہیں کیوں کہ محض زبان کی حرکت کمزور اثر رکھتی ہے اور یہ بات جان لو کہ نیند کے وقت تمہارے دل پر وہی بات غالب ہو گی جو پہلے غالب تھی اور نیند کے اندر بھی وہی بات غالب ہو گی جو نیند سے پہلے غالب تھی اور جاگتے وقت بھی وہی بات غالب ہو گی جو نیند کی حالت میں تھی۔

موت اور قیامت کے دن اٹھنا سونے اور بیداری کی طرح ہیں جس طرح بندہ انہی خیالات پر سوتا ہے جو بیداری کی حالت میں اس پر غالب تھے اور انہی خیالات پر بیدار ہوتا ہے جو نیند کی حالت میں تھے اسی طرح بندہ اسی حالت پر مرتا ہے جو زندگی کی حالت میں تھی اور جس پر وہ فوت ہوا اسی پر اٹھے گا۔

اور تمہیں قطعی طور پر یہ بات جاننا چاہیئے کہ موت اور اس کے بعد اٹھنا تمہاری دو حالتیں ہیں جس طرح نیند اور بیداری تیرے احوال میں سے دو حالتیں ہیں دل کے اعتقاد کے ساتھ اس بات کا یقین کرو اگر عین الیقین اور نُورِ بصیرت کے ساتھ اس بات کا مشاہدہ نہیں کر سکتے۔

نیز اپنے سانسوں اور لحظوں کی حفاظت و نگرانی کرو اور پلک جھپکنے کے برابر بھی اللہ تعالیٰ سے غافل نہ ہو کیوں کہ یہ راہ اختیار کرنے کے باوجود بھی بہت بڑا خطرہ ہے اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو کیا حالت ہو گی؟ اور تمام لوگ ہلاک ہونے والے ہیں سوائے علماء کے اور علماء بھی وہ محفوظ رہیں گے جو عمل کرنے والے ہیں اور عمل کرنے والوں میں سے بھی صرف مخلص لوگ ہی ہلاکت سے محفوظ رہیں گے اور مخلص لوگوں کو بھی بہت بڑا خطرہ ہے۔

اور جان لو کہ تمہیں یہ بات اسی وقت میسر آسکتی ہے جب تم ضرورت کے مطابق دنیا پر قناعت کرو اور تمہاری ضرورت کھانا، لباس اور رہائش ہے باقی سب زائد ہے اور کھانے میں سے بھی ضرورت صرف اتنی ہے کہ تمہاری پیٹھ سیدھی ہے اور جان بچی رہے لہٰذا تمہارا کھانا ایسا ہونا چاہیے جیسے وہ شخص کھاتا ہے جو اس کے لیے مجبور ہو اور کھانے کی خواہش قضائے حاجت کی خواہش سے زیادہ نہ ہو کیوں کہ پیٹ میں کھانا داخل کرنے اور اسے نکالنے میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں فطری ضرورتیں ہیں۔ اور جس طرح قضائے حاجت کی طرف اس طرح توجہ نہیں ہوتی جو دل کو اسی میں مشغول کر دے اسی طرح کھانا کھانے میں دل نہیں لگانا چاہیئے اور جان لو کہ اگر تمہاری توجہ اس چیز کی طرف ہو جسے تم اپنے پیٹ میں داخل کرتے ہو تو تمہاری قیمت وہی ہو گی جو تمہارے پیٹ سے نکلتا ہے۔

marfat.com

اور جب کھانا کھانے سے مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت پر قوت، حاصل کرنا ہو جس طرح قضائے حاجت سے یہی مقصود ہے تو اس کی علامت تین چیزیں ہیں کھانے کا وقت کھانے کی مقدار اور کھانے کی جنس۔

کھانے کے وقت کے سلسلے کم از کم جس پر اکتفا کیا جا سکتا ہے وہ دن رات میں ایک مرتبہ کھانا ہے لہذا ہمیشہ روزے سے رہے۔ اور کھانے کی مقدار یہ ہے کہ پیٹ کے تہائی حصے سے زیادہ نہ ہو اور جنسِ غذا کے سلسلے میں اس بات کو پیش نظر رکھے کہ لذیذ کھانے تلاش نہ کرے بلکہ جیسا کھانا مل جائے اسی پر قناعت کرے اگر تم ان تین باتوں پر قادر ہو جاؤ اور تم سے لذیذ کھانوں کی خواہشات کی مشقت ساقط ہو جائے تو اس کے بعد تم شبہات کو چھوڑنے پر قادر ہو جاؤ گے اور تمہارے لیے ممکن ہوگا کہ حلال سے ہی کھاؤ کیوں کہ حلال کم ملتا ہے اور خواہشات کی تکمیل بھی نہیں کرتا۔

جہاں تک لباس کا تعلق ہے تو اس سے غرض یہ ہونی چاہیئے کہ گرمی سردی کو دور کیا جائے اور ستر ڈھانپا جائے پس وہ چیز تم سے سردی کو دور کرے چاہے ایک دمڑی (معمولی رقم) کی ٹوپی ہی کیوں نہ ہو تو اس کے علاوہ کی طلب فضول ہے اور وقت کا ضیاع ہے اس طرح تم ہمیشہ مشغول ہو جاؤ گے اور ایک مرتبہ اس کے حصول کے لیے کمانے کی مشقت برداشت کرو گے پھر طمع پیدا ہوگی حرام سے ملے یا شبہات سے اس کی کوئی پرواہ نہ ہوگی جس چیز سے تم گرمی اور سردی کو اپنے بدن سے دور کر سکتے ہو ان سب کو اسی ایک بات پر قیاس کر لو۔

اب وہ چیز جس سے لباس کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے اگر تم اس کے کم قیمت یا معمولی جنس سے ہونے کی وجہ سے اس پر اکتفا نہ کرو تو تمہارے لیے ٹھہرنا مشکل ہو جائے گا بلکہ تم ان لوگوں میں سے ہو گے جن کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے۔

رہائش کی صورت بھی یہی ہے اگر تم مقصود پر اکتفا کرو تو چھت کے طور پر آسمان اور بچھونے کے طور پر زمین تمہارے لیے کافی ہے اگر تم پر سردی یا گرمی کا غلبہ ہو جائے تو مساجد میں چلے جاؤ اور اگر تم خاص قسم کی رہائش کے طالب ہو تو بات لمبی ہو جائے گی اور تمہاری زندگی کا اکثر وقت اسی میں صرف ہوگا اور یہ زندگی ہی تمہارا سرمایہ ہے پھر اگر تمہیں یہ میسر آجائے اور تم اس دیوار سے زیادہ بناؤ جو تمہارے اور لوگوں کے درمیان پردے کے لیے کافی ہے اور چھت جو بارش سے بچاتی ہے اس سے بھی تجاوز کرو اور دیواریں بلند کر کے چھتوں کو بھی مزین کرنے لگو تو ایسے گڑھے میں گرو گے جس سے نکلنا مشکل ہوگا۔

اپنی تمام ضروریات کو اسی طرح دیکھو اگر تم ضرورت پر اکتفا کرو گے تو اللہ تعالیٰ کے لیے فراغت حاصل ہو جائے گی اور آخرت کے لیے زادِ راہ لینے پر قادر ہو جاؤ گے اسی طرح اچھے خاتمے کی تیاری بھی ہو جائے گی اور اگر تم ضرورت کی حد سے تجاوز کر کے خواہشات کی وادیوں میں بھٹکتے پھرو گے تو تمہارے مقاصد پراگندہ ہو جائیں گے (بکھر جائیں گے) اور اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی پرواہ نہ ہوگی کہ وہ تمہیں کہاں ہلاک کرتا ہے پس تم اس شخص سے یہ نصیحت قبول کرو جو اس نصیحت کا تم سے زیادہ محتاج ہے۔

یاد رہے کہ تدبیر اور زادِ راہ کے حصول اور احتیاط کے لیے یہی چھوٹی سی زندگی ہے اگر تم اس کو غفلت میں روز بروز ٹال مٹول میں گزار دو گے تو تمہیں اچانک اُچک لیا جائے گا حالاں کہ اس وقت تمہارا ارادہ نہیں ہوگا اور حسرت و ندامت تمہارا پیچھا

نہیں چھوڑے گا۔ پس اگر تم خوف کی کمزوری کے باعث اس بات کو اختیار نہ کرو جس کی طرف ہم نے تمہاری راہنمائی کی ہے اور اچھے خاتمہ کے سلسلے میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا تخویف کے سلسلے میں وہ تمہیں کافی نہ ہو تو خوف کھانے والے حضرات کا ذکر کرتے ہیں ہمیں امید ہے کہ اس سے تمہارے دل کی سختی زائل ہوگی کیوں کہ یہ بات تمہارے نزدیک بھی ثابت ہے کہ انبیاء کرام، اولیاء عظام اور علماء کرام کی عقل، عمل اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا مقام و مرتبہ تمہاری عقل، عمل اور مقام سے کم نہیں تھا تو ان کے احوال کو نہ دیکھ سکنے اور ان سے دل کے اندھا پن کے باوجود یہ تو سوچو کہ وہ لوگ بہت زیادہ خوف کیوں کھاتے تھے اور ان کا رونا اور غم کیوں کر زیادہ تھا حتیٰ کہ بعض چیخیں مارتے اور بعض بیہوش ہو جاتے اور بعض غش کھا کر گر پڑتے بلکہ بعض تو مرکر زمین پر گر جاتے اگر ان کے حالات بھی تمہارے دل پر اثر انداز نہ ہوں تو تعجب کی بات نہیں کیوں کہ غافل لوگوں کے دل پتھروں کی طرح ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت ہیں کیوں کہ بعض پتھروں سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور ان میں سے بعض پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی نکل جاتا ہے اور کچھ پتھر اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

فصل ۸:

خوف کے سلسلے میں انبیاء کرام اور فرشتوں کے احوال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب ہوا میں تبدیلی ہوتی اور سخت آندھی چلتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو جاتا چنانچہ آپ کھڑے ہو جاتے اور حجرۂ مبارکہ میں چکر لگاتے کبھی اندر جاتے کبھی باہر تشریف لاتے (۱)
یہ سب کچھ خوفِ خداوندی کی وجہ سے تھا۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ واقعہ کی ایک آیت تلاوت فرمائی تو بیہوش ہو گئے (۲)
اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔ (۳) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابطح مقام پر حضرت جبریل علیہ السلام کی صورت دیکھی تو بیہوش ہو گئے۔ (۴)
ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو آپ کا سینۂ مبارکہ ہنڈیا کی طرح جوش

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۹۴ کتاب صلوٰۃ الاستسقاء
(۲) شعب الایمان جلد اول ص ۵۲۲، حدیث ۹۱۷
(۳) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۱۴۳
(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد اوّل ص ۳۲۲ مرویات ابن عباس

marfat.com

مارتا تھا۔ (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَاجَاءَنِیْ جِبْرِیْلُ قَطُّ اِلَّا وَھُوَ یَرْعَدُ فَرَقًا مِنَ الْجَبَّارِ۔ (۲)

حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس جب بھی آئے اللہ جبار کے خوف کی وجہ سے کانپ رہے ہوتے۔

کہا گیا کہ جب ابلیس پر ظاہر ہوا جو کچھ ظاہر ہوا (یعنی وہ مردود ہوا) تو حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام رونے لگے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں کیوں روتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا اے رب! ہم تیری خفیہ تدبیر سے بے خوف نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم اسی طرح رہنا میری خفیہ تدبیر سے بے خوف نہ ہونا۔

حضرت محمد بن منکدر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جب آگ کو پیدا کیا گیا تو فرشتوں کے دل اپنی جگہ سے اڑنے لگے پھر جب انسانوں کو پیدا کیا گیا تو واپس آگئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے میں حضرت میکائیل علیہ السلام کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھتا؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا جب سے جہنم کو پیدا کیا گیا حضرت میکائیل علیہ السلام نہیں ہنسے۔ (۳)

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے فرشتے ہیں کہ جب سے جہنم کو پیدا کیا گیا ان میں سے کوئی بھی اس ڈر سے نہیں ہنسا کہ کہیں اللہ تعالیٰ کو ان پر غصہ نہ آئے پس وہ ان کو جہنم میں عذاب دے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ باہر نکلا حتیٰ کہ آپ انصار کے ایک باغ میں تشریف لے گئے اور کھجوریں اتار اتار کر کھانے لگے آپ نے فرمایا اے ابن عمر! کیا بات ہے تم نہیں کھاتے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے طلب نہیں آپ نے فرمایا مجھے تو خواہش ہے اور یہ چوتھی صبح ہے کہ میں نے کھانا نہیں چکھا اور نہ ہی میں نے کھانا پایا اور اگر میں اپنے رب سے سوال کرتا تو وہ مجھے قیصر و کسریٰ کی حکومت عطا فرماتا تو ابن عمر! کیسے ہوگا جب تم ایسی قوم میں رہو گے جو ایک سال کا رزق پسند کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں یقین کمزور ہے حضرت ابن عمر فرماتے ہیں اللہ کی قسم نہ ہم وہاں سے ہٹے اور نہ ہی کھڑے ہوئے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا

اور کتنے ہی چارپائے ہیں کہ ہم ان کو رزق نہیں دیتے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۵ مرویات عبداللہ بن شخیر

(۲)

(۳) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۳۸۵ کتاب صفۃ النار

marfat.com

اَللّٰہُ یَرْزُقُھَا وَاِیَّاکُمْ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ ان کو بھی رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی اور وہی سننے والا جاننے والا ہے۔

فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال جمع کرنے اور خواہشات کے پیچھے چلنے کا حکم نہیں دیا جو شخص دینار جمع کر کے اس سے فانی دنیا کا ارادہ کرے تو (یاد رکھو) زندگی اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے سنو! میں دینار اور درھم جمع نہیں کرتا اور نہ ہی کل کے لیے کھانا روک رکھتا ہوں۔ (۲)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے رب سے اس قدر ڈرتے کہ ایک میل کے فاصلے سے ان کے دل سے جوش کی آواز آتی۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام چالیس دن حالتِ سجدہ میں روتے رہے آپ نے سر نہ اٹھایا حتی کہ آپ کے آنسوؤں سے گھاس اُگ گیا اور یہاں تک کہ اس نے آپ کے سر کو ڈھانپ لیا آواز دی گئی اے داؤد علیہ السلام! کیا آپ بھوکے ہیں تو آپ کو کھانا کھلایا جائے پیاسے ہیں تو پانی پلایا جائے برہنہ ہیں تو کپڑے پہنائے جائیں۔ آپ نے ایسی دہاڑ ماری کہ آپ کے خوف کی گرمی سے لکڑی جل گئی پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توبہ اور مغفرت نازل فرمائی انہوں نے عرض کیا یا اللہ! میرے گناہ کو میری ہتھیلی میں رکھ دے تو آپ کا گناہ لکھا ہوا آپ کی ہتھیلی میں ہو گیا پس آپ جب بھی کھانے یا پینے یا کسی دوسرے کام کے لیے ہتھیلی کھولتے تو اسے دیکھ کر اس کی وجہ سے رو جاتے۔ راوی فرماتے ہیں آپ کو پانی کا پیالہ دیا جاتا تو اس کا تہائی حصہ خالی ہوتا پس جب آپ اسے پکڑتے تو اپنی لغزش کو دیکھتے تو آپ اسے ہونٹوں پر نہ رکھتے حتی آنسوؤں سے پیالہ بھر جاتا۔

اور آپ کے احوال میں ہی مروی ہے کہ آپ نے وصال تک آسمان کی طرح سر نہیں اٹھایا اور آپ حیاء کی وجہ سے ایسا کرتے تھے آپ اپنی دعا میں یوں کہتے اے میرے معبود! جب مجھے اپنی لغزشیں یاد آتی ہیں تو زمین کشادگی کے باوجود مجھ پر تنگ ہو جاتی ہے اور جب میں تیری رحمت کو یاد کرتا ہوں تو روح میری طرف لوٹ آتی ہے یا اللہ! تو پاک ہے میں تیرے بندوں میں سے طبیبوں کے پاس گیا تاکہ وہ گناہ کا علاج کریں تو ان میں سے ہر ایک نے تیری طرف راہنمائی کی پس جو لوگ تیری رحمت سے مایوس ہیں ان کے لیے خرابی ہے۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی خطا کو یاد کیا تو آپ چیختے ہوئے اور سر پر ہاتھ رکھے ہوئے کود پڑے حتی کہ پہاڑوں میں تشریف لے گئے تو آپ کے گرد پرندے جمع ہوئے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ عنکبوت آیت ۶۰

(۲) المطالب العالیۃ جلد ۳ ص ۱۵۹، ۱۶۰ حدیث ۳۱۴۰

marfat.com

نے فرمایا جاؤ مجھے تم سے کوئی غرض نہیں میں تو اس کو چاہتا ہوں جو اپنی خطا پر روئے اور میرے سامنے روتا ہوا آئے اور
ا کار نہیں اس کو داؤد خطاوار سے کیا کام ہے جب آپ کو زیادہ رونے سے روکا جاتا تو آپ فرماتے مجھے رونے دو اس
پہلے کہ رونے کا دن چلا جائے، ہڈیاں جل جائیں اور آنتیں بھڑک اٹھیں اور اس سے پہلے کہ سخت قسم کے فرشتوں کو
ے بارے میں حکم دیا جائے وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے اور جس بات کا ان کو حکم دیا جاتا ہے
بالاتے ہیں۔

حضرت عبدالعزیز بن عمر فرماتے ہیں جب حضرت داؤد علیہ السلام سے خطا واقع ہوئی تو ان کی آواز میں کمی آگئی آپ نے
لیا یا اللہ! صدیقین کی آواز صاف ہے اور میری آواز میں خرابی پیدا ہوگئی۔

اور مروی ہے کہ جب آپ کا رونا زیادہ ہوگیا اور اس سے آپ کو فائدہ نہ ہوا تو آپ نے دل میں تنگی محسوس کی اور
یادہ ہوگیا۔ آپ نے عرض کیا اے میرے رب کیا تجھے میرے رونے پر رحم نہیں آتا؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی
رمایا اے داؤد! آپ اپنی خطا کو بھول گئے اور آپ کو رونا یاد ہے آپ نے عرض کیا اے میرے مولا! اے میرے
را میں اپنی خطا کو کیسے بھول سکتا ہوں جب کہ میری حالت تو یہ تھی کہ جب میں تورات پڑھتا تو جاری پانی رُک جاتا اور ہوا
ٹھہر جاتا، پرندے میرے سر پر سایہ کرتے وحشی جانور میرے محراب میں مجھ سے مانوس ہوتے یا اللہ! یہ کیسی وحشت
جو میرے اور تیرے درمیان حائل ہے؟ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اے داؤد علیہ السلام! وہ فرمانبرداری کا اُنس تھا اور
اِنی کی وحشت ہے۔

اے داؤد علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام میری مخلوق میں سے تھے میں نے ان کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور
اپنی رُوح پھونکی اپنے فرشتوں سے ان کو سجدہ کروایا اور ان کو اپنی کرامت و عزت کا لباس پہنایا ان کو اپنے وقار
ج پہنایا انہوں نے تنہائی کی شکایت کی تو میں نے حضرت حوّا کو ان کے نکاح میں دیا جو میری باندی ہیں ان کو اپنی جنت میں
یا، لیکن انہوں نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی تو میں نے ان کو برہنہ کر کے اپنے قرب سے دُور کر دیا اے داؤد!
ے سنو اور میں سچ ہی کہتا ہوں آپ نے میری بات مانی تو میں نے آپ کی بات مانی آپ نے مجھ سے سوال کیا تو میں نے
وعطا کیا آپ سے لغزش ہوئی تو میں نے آپ کو مہلت دی اگر آپ ہماری طرف رجوع کریں گے تو ہم قبول کریں گے۔

حضرت یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام جب نوحہ کرنا چاہتے تو اس سے پہلے سات دن ٹھہرتے
کھاتے نہ پانی پیتے اور نہ عورتوں کے قریب جاتے جب ایک دن رہتا تو ان کے لیے ایک منبر جنگل میں لایا جاتا پھر آپ
ن سلیمان علیہ السلام کو حکم دیتے کہ وہ بلند آواز سے شہروں اور اردگرد والوں کو آواز دیں، تالابوں، ٹیلوں پہاڑوں، جنگلوں،
نصاریٰ کی عبادت گاہوں میں اعلان کریں چنانچہ ندا دی جاتی کہ سنو! جو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کا نوحہ سننا چاہے وہ
فرماتے ہیں صحراؤں اور ٹیلوں سے وحشی آتے جنگلوں سے درندے اور پہاڑوں سے کیڑے مکوڑے، گھونسلوں سے

marfat.com

پرندے آتے نیز کنواری عورتیں اپنے پردوں سے نکل آتیں اور اس دن تمام لوگ جمع ہوتے حضرت داؤد علیہ السلام تشریف لاکر منبر پر چڑھ جاتے اور بنی اسرائیل آپ کے اردگرد ہوتے ہر قسم علیحدہ آپ کو گھیرے ہوتی حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کے سر کے پاس کھڑے ہوتے چنانچہ آپ اپنے رب کی ثنا سے شروع کرتے اور لوگ چیخیں مارتے اور ڈھاڑیں مار مار کر روتے پھر آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے تو کیڑے مکوڑے اور کچھ وحشی، درندے اور انسان مر جاتے پھر قیامت کے ہولناک منظر کا ذکر کرتے اور اپنے اوپر نوحہ کا بیان کرتے تو ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک جماعت مر جاتی پس جب حضرت سلیمان علیہ السلام مرنے والوں کی کثرت دیکھتے تو عرض کرتے اباجان! آپ نے سننے والوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور بنی اسرائیل میں سے بہت سے لوگ مر گئے نیز وحشی جانور اور زمین کے اندر رہنے والے جانور (اور کیڑے مکوڑے) م گئے پس آپ دعا شروع کرتے۔

آپ دعا ہی میں ہوتے کہ بنی اسرائیل کے بعض عبادت گزار پکارتے اے داؤد علیہ السلام! آپ نے اپنے رب سے جزا طلب کرنے میں جلدی کی یہ سن کر آپ بیہوش ہو کر گر پڑتے جب حضرت سلیمان یہ صورت حال دیکھتے تو ایک چارپائی لاکر آپ کو اس پر اٹھا لیتے پھر ایک ندا دینے والے کو حکم دیتے کہ وہ یوں پکارے سنو! حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ جس کا کوئی دوست اور قریبی تھا وہ چارپائی لاکر اس کو اٹھا لے کیوں کہ جو لوگ آپ کے ساتھ تھے ان کو جنت اور دوزخ کے ذکر نے ہلاک کر دیا ہے۔

تو ایک عورت چارپائی لاتی اور اپنے قریبی کو اٹھا کر لے جاتی اور کہتی اے وہ شخص جو جہنم کے ذکر سے مر گیا اے وہ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہلاک ہوا پھر جب حضرت داؤد علیہ السلام کو افاقہ ہوتا اور آپ اپنا دست مبارک اپنے سر پر رکھتے اور اپنی عبادت گاہ میں داخل ہو کر اسے بند کر دیتے اور عرض کرتے اے داؤد کے معبود! کیا تو داؤد پر غضبناک ہے اور اپنے رب سے مسلسل مناجات کرتے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام تشریف لاکر دروازے پر بیٹھ جاتے اور اندر جانے کی اجازت طلب کرتے پھر اندر داخل ہوتے اور آپ کے ساتھ جو کی ایک روٹی ہوتی آپ عرض کرتے اباجان! اس روٹی کے ذریعے طاقت حاصل کیجئے چنانچہ آپ اس سے جس قدر اللہ تعالیٰ چاہتا، تناول فرماتے پھر باہر نکل کر بنی اسرائیل کے درمیان موجود رہتے۔

حضرت یزید رقاشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام لوگوں کو وعظ کرنے اور ان کو ڈرانے کے لیے باہر تشریف لائے تو آپ چالیس ہزار افراد کے ساتھ تھے پھر ان میں سے تیس ہزار مر گئے اور دس ہزار آپ کے ساتھ واپس آئے فرماتے ہیں آپ کی دو لونڈیاں تھیں یہاں تک کہ جب آپ پر خوف کی حالت طاری ہوتی اور آپ گر کر تڑپنے لگتے تو وہ دونوں آپ کے سینے اور پاؤں پر بیٹھ جاتیں تاکہ آپ کے اعضاء اور جوڑ بکھر کر آپ کا انتقال نہ ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام بیت المقدس میں داخل ہوئے اور اس وقت

پ کی عمر آٹھ سال تھی۔ آپ نے عابدین کو دیکھا تو انہوں نے بالوں اور اُون سے بنے ہوئے کپڑے پہن رکھے تھے اور
ہدین کو دیکھا تو انہوں نے گلے کی ہڈیاں پھاڑ کر ان میں زنجیریں ڈال رکھی تھیں اور اپنے آپ کو بیت المقدس کے اطراف
باندھ رکھا تھا ان کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے

ب اپنے والد ماجد کی طرف لوٹ آئے پھر کچھ بچوں کے پاس سے گزرے جو کھیل رہے تھے انہوں نے کہا اے یحییٰ
یہ السلام! آیئے ہمارے ساتھ کھیلئے۔ آپ نے فرمایا مجھے کھیلنے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا رادی کہتے ہیں پھر آپ اپنے
دین کے پاس تشریف لائے اور ان سے کہا کہ وہ ان کو جانوروں کے بالوں سے بنا ہوا لباس پہنائیں چنانچہ انہوں نے
ہی کیا پھر آپ بیت المقدس کی طرف لوٹے دن کو ان کی خدمت کرتے اور رات بھر وہاں ہی رہتے حتیٰ کہ پندرہ سال گزر
ے آپ وہاں سے نکلے اور پہاڑوں اور گھاٹیوں کے غاروں کو ٹھکانہ بنا لیا آپ کے والدین آپ کی تلاش میں نکلے تو آپ
بحیرۂ اردن کے کنارے پایا آپ نے اپنے پاؤں پانی میں تر کر رکھے تھے حتیٰ کہ قریب تھا آپ پیاس سے ہلاک ہو
نے اور آپ فرما رہے تھے یا اللہ! تیری عزت وجلال کی قسم میں اس وقت تک ٹھنڈا پانی نہیں پیئوں گا جب تک مجھے
وم نہ ہو جائے کہ تیرے ہاں میرا کیا مقام ہے؟ آپ کے والدین نے فرمایا کہ جَو کی اس روٹی سے روزہ افطار کیجئے جو
دونوں کے پاس تھی اور یہ پانی بھی پی لیں قسم کا کفارہ ادا کر دینا انہوں نے بات مان لی چنانچہ آپ کے والدین آپ کو
بارہ بیت المقدس لے آئے۔

آپ جب نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو روتے حتیٰ کہ آپ کے ساتھ درخت اور ڈھیلے بھی رونے لگتے اور آپ
ے رونے پر حضرت زکریا علیہ السلام بھی روتے حتیٰ کہ آپ بیہوش ہو جاتے آپ مسلسل روتے رہتے حتیٰ کہ آنسوؤں نے
ب کے رخسار کے گوشت کو پھاڑ دیا اور دیکھنے والوں کو آپ کی داڑھیں نظر آنے لگیں آپ کی والدہ نے فرمایا اگر تم کہو تو
کوئی ایسی چیز بناؤں جس کی وجہ سے آپ کی داڑھیں لوگوں کو نظر نہ آئیں؟ آپ نے اجازت دے دی حتیٰ کہ انہوں
ے ندے کے ایک ٹکڑے کو دوہرا کر کے آپ کی گالوں پر چپکا دیا آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو روتے اور
ب وہ ندے آنسوؤں سے بھیگ جاتے تو آپ کی والدہ آکر ان کو نچوڑتیں جب آپ اپنے آنسوؤں کو والدہ کے بازو
باری ہوتے ہوئے دیکھتے تو بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے یا اللہ! یہ میرے آنسو ہیں اور یہ میری ماں ہیں اور میں
بندہ ہوں اور تو سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

ایک دن حضرت زکریا علیہ السلام نے ان سے فرمایا اے بیٹے! میں نے تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی تھی کہ وہ
ے میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے عرض کیا ابا جان! حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے بتایا ہے کہ
ت اور دوزخ کے درمیان ایک جنگل ہے اسے وہی طے کر سکتا ہے جو بہت رونے والا ہو۔ حضرت زکریا علیہ السلام
فرمایا بیٹے! رو دو۔

marfat.com

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے حواریوں کے گروہ! اللہ تعالیٰ کا خوف اور جنت الفردوس کی محبت مشقت پر صبر کو پیدا کرتے ہیں اور دنیا سے دُور رکھتے ہیں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جَو کی روٹی کھانا اور خس وخاشاک پر کتوں کے ساتھ سو جانا جنت الفردوس کی طلب میں بہت تھوڑی بات ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام اپنی خطاؤں کو یاد کرتے تو آپ پر غشی طاری ہو جاتی اور آپ کے دل کا اضطراب کئی میلوں تک سُنا جاتا حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس حاضر ہو کر عرض کرتے آپ کو آپ کا رب سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کیا آپ نے دیکھا ایک خلیل اپنے خلیل سے ڈرتا ہے انہوں نے فرمایا اے جبریل! جب میں اپنی خطا کو یاد کرتا ہوں تو اپنا خلیل ہونا بھول جاتا ہوں۔

تو یہ انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال ہیں ان کو پیش نظر رکھیں اور خوب غور کریں یہ لوگ باقی مخلوق کی نسبت اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کو زیادہ جاننے والے تھے ان سب پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اور اللہ تعالیٰ کے تمام مقرب بندوں پر بھی، اللہ تعالیٰ ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

فصل ۹

شدتِ خوف کے سلسلے میں صحابہ کرام، تابعین اور اولیاء کرام کے حالات

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک پرندے سے فرمایا اے پرندے! کاش میں تمہاری طرح ہوتا اور مجھے انسان نہ بنایا جاتا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میں ایک درخت ہوتا جسے کاٹا جاتا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح فرمایا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ مجھے مرنے کے بعد اٹھایا نہ جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں چاہتی ہوں کہ میں بھولی بسری ہو جاؤں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب قرآن پاک کی کوئی آیت سنتے تو خوف کی وجہ سے بیہوش ہو کر گر پڑتے اور کئی دنوں تک ان کی عیادت ہوتی ایک دن آپ نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور فرمایا کاش میں یہ تنکا ہوتا کاش میرا ذکر نہ ہوتا کاش مجھے بھلا دیا گیا ہوتا کاش مجھے میری ماں جنم نہ دیتی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چہرے پر آنسو کی دو سیاہ لکیریں تھیں آپ فرماتے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ اپنا غصہ نہیں نکالتا اور جو اللہ تعالیٰ کے ہاں تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ من مرضی نہیں کرتا اور اگر قیامت نہ ہوتی تو ہم کچھ اور ہی دیکھتے۔

اور جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

marfat.com

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (۱) جب دھوپ لپیٹی جائے گی۔

یعنی سورۂ تکویر پڑھتے ہوئے اس کی آیت۔

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (۲) اور جب نامۂ اعمال کھولے جائیں گے۔

تک پہنچے تو بیہوش ہو کر گر پڑے۔

ایک دن آپ آدمی کے مکان سے گزرے وہ نماز میں سورۂ "الطور" پڑھ رہا تھا آپ کھڑے ہو کر سنتے رہے جب وہ اس آیت پر پہنچا۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَالَهٗ مِنْ دَافِعٍ۔ بے شک تمہارے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے اسے کوئی چیز دور نہیں کر سکتی۔ (۳)

تو آپ اپنے دراز گوش سے اتر پڑے اور دیوار سے ٹیک لگا کر دیر تک کھڑے رہے پھر گھر واپس لوٹے تو ایک مہینہ بیمار رہے لوگ آپ کی عیادت کرتے لیکن پتہ نہ چلا کہ بیماری کیا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز فجر سے سلام پھیرا اس وقت آپ کو کوئی رنج تھا آپ اپنا ہاتھ الٹ پلٹ کر رہے تھے آپ نے فرمایا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو دیکھا ہے لیکن آج ان جیسا کوئی نظر نہیں آتا وہ اس حال میں صبح کرتے کہ بال بکھرے ہوتے رنگ زرد ہوتا اور چہرے پر گرد و غبار ہوتا ان کی آنکھوں کے درمیان جگہ بکریوں کی رانوں کی طرح ہوتی ان کی رات اللہ تعالیٰ کے لیے سجدے اور قیام میں گزرتی اور وہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے وہ اپنی پیشانی اور پاؤں پر باری باری زور ڈالتے صبح ہوتی تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح کانپتے جس طرح ہوا کے ساتھ درخت ہلتا ہے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے حتیٰ کہ ان کے کپڑے تر ہو جاتے اللہ کی قسم! میں گویا ایسی قوم کے ساتھ ہوں جو غفلت میں رات گزارتے ہیں پھر آپ کھڑے ہوئے اور اس کے بعد آپ کو ہنستے ہوئے دیکھا نہیں گیا حتیٰ کہ ابن ملجم نے آپ کو شہید کر دیا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ راکھ بن جاؤں اور سخت آندھی کے دن ہوا میرے اجزا کو بکھیر دے۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میں مینڈھا ہوتا اور میرے گھر والے مجھے ذبح کر دیتے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ تکویر آیت ۱

(۲) قرآن مجید، سورۂ تکویر آیت ۱۰

(۳) قرآن مجید سورۂ طور آیت ۷

marfat.com

پھر وہ میرا گوشت کھا لیتے اور شوربا پی لیتے ـــــ حضرت علی بن حسین (حضرت امام زین العابدین) رضی اللہ عنہما جب وضو کرتے تو آپ کا رنگ زرد ہو جاتا آپ کے گھر والے پوچھتے یہ وضو کے وقت آپ کو کیا ہو جاتا ہے؟ آپ فرماتے کیا تم معلوم ہے کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہونے کا ارادہ کرتا ہوں۔

حضرت موسیٰ بن مسعود رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب ہم حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے پاس بیٹھتے تو ان کے خوف اور فزع کو دیکھ کر یوں سمجھتے کہ ہمارے اردگرد آگ ہے۔

ایک دن مضر قاری نے پڑھا۔

هَذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ۔ (۱) یہ ہمارا لکھا ہوا نامۂ اعمال ہے جو تمہارے اعمال سچ بتاتا ہے

(یہ سن کر) حضرت عبدالواحد بن زید رحمہ اللہ رو پڑے حتی کہ ان پر بیہوشی طاری ہو گئی جب ان کو افاقہ ہوا تو بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے اللہ! تیری عزت کی قسم! جس قدر ممکن ہوا تیری نافرمانی سے بچوں گا پس تو اپنی توفیق سے اپنی عبادت پر میری مدد فرما۔

حضرت مسور بن مخرمہ رحمہ اللہ شدتِ خوف کی وجہ سے قرآن پاک میں سے کچھ سننے پر قادر نہ ہوتے ان کے پاس کوئی حرف یا آیت پڑھی جاتی تو وہ ایک چیخ مارتے تو کئی دن تک ان کو ہوش نہ آتا حتی کہ قبیلہ خثعم کا ایک شخص ان کے پاس آیا اور اس نے پڑھا۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلَى جَهَنَّمَ وِرْدًا۔ (۲) جس دن ہم متقی لوگوں کو رحمٰن کی طرف مہمان بنا کر لے جائیں گے اور مجرموں کو جہنم کی طرف ہانک کر لے جائیں گے۔

آپ نے فرمایا میں مجرموں میں سے ہوں اور متقی لوگوں میں سے نہیں ہوں اے قاری! دوبارہ پڑھو اس نے دوبارہ پڑھا تو آپ نے ایک نعرہ مارا اور روح پرواز کر گئی۔ حضرت یحییٰ بکاء (بہت رونے والے) کے سامنے پڑھا گیا۔

وَلَوْ تَرٰى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ۔ (۳) اور اگر تم دیکھو جب ان کو ان کے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔

تو انہوں نے ایک چیخ ماری کہ اس سے چار مہینے تک بیمار رہے بصرہ کے اطراف سے لوگ ان کی عیادت کرتے۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا کہ میں نے ایک عبادت گزار لونڈی

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ جاثیہ آیت ۲۹

(۲) قرآن مجید، سورۂ مریم آیت ۸۵، ۸۶

(۳) قرآن مجید، سورۂ انعام آیت ۳۰

marfat.com

دیکھا جو کعبہ شریف کے پردوں سے لٹکی ہوئی تھی اور کہہ رہی تھی کتنی ہی خواہشات ہیں جن کی لذت چلی گئی لیکن عذاب باقی ہے اے میرے رب! کیا تیرے ہاں جہنم کے سوا کوئی اور سزا اور عذاب نہیں ہے، یہ کہہ کر وہ روتی رہی اور طلوع فجر تک وہیں کھڑی رہی حضرت مالک فرماتے ہیں جب میں نے اسے دیکھا تو میں نے اپنا ہاتھ سر پر رکھا اور چیخ ماری میں نے کہا مالک پر اس کی ماں روئے (یعنی ہمارا کیا حال ہوگا)

روایت کیا گیا کہ عرفہ کے دن لوگ دعا مانگ رہے تھے اور حضرت فضیل رحمہ اللہ گمشدہ بچے کی دل جلی ماں کی طرح رو رہے تھے جب سورج غروب ہونے لگا تو آپ نے اپنی داڑھی کو پکڑا پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور فرمایا اگر تو مجھے بخش بھی دے تب بھی مجھے تجھ سے بڑی حیا آتی ہے پھر لوگوں کے ساتھ واپس تشریف لے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ڈرنے والے لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ان کے دل خوف کی وجہ سے زخمی ہوتے ہیں اور آنکھیں روتی ہیں وہ کہتے ہیں ہم کیسے خوش ہوں جب کہ موت ہمارا پیچھا کر رہی ہے قبر ہمارے سامنے ہے اور قیامت کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے ہم نے جہنم کے اوپر سے گزرنا ہے اور اللہ جو ہمارا رب ہے اس کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ایک جوان کے پاس سے گزرے اور وہ لوگوں کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا ہنسنے میں مشغول تھا حضرت حسن نے فرمایا اے نوجوان! کیا تو پل صراط پار کر چکا ہے! اس نے کہا نہیں فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ جنت میں جاؤ گے یا دوزخ میں؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا تو یہ ہنسی کیسی ہے؟ فرماتے ہیں اس کے بعد اس نوجوان کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

حضرت حماد بن عیدربہ جب بیٹھتے تو قدموں کے بل بیٹھتے کہا گیا کہ آپ اطمینان سے کیوں نہیں بیٹھتے؟ وہ فرماتے وہ امن لوں کا بیٹھنا ہے اور میں پُرامن نہیں ہوں کیوں کہ میں گناہ گار ہوں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو بندوں کے دلوں میں غفلت ڈالی ہے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے مر نہ جائیں۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ارادہ کیا کہ میں مرتے وقت لوگوں کو حکم دوں کہ وہ مجھے بیڑیاں اور طوق ڈال کر اللہ تعالیٰ کے پاس لے جائیں جس طرح بھاگے ہوئے غلام کو اس کے مالک کے پاس لے جایا جاتا ہے۔

حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ نے فرمایا کسی اچھی جگہ کے دھوکے میں نہ آؤ کیوں کہ جنت سے بہتر کوئی جگہ نہیں لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ ہوا اسی جگہ ہوا اور نہ عبادت کی کثرت تمہیں دھوکہ دے کیوں کہ ابلیس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ایک طویل عرصہ عبادت کرنے کے بعد ہوا اور کثرتِ علم سے بھی دھوکہ نہ کھاؤ کیوں کہ بلعام (بلعم بن باعور) اسم اعظم کی طرح جانتا تھا تو دیکھو اس کا انجام کیا ہوا نیز نیک لوگوں کی زیارت بھی تمہیں دھوکہ نہ دے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا مقام کسی کا نہیں لیکن آپ کے اقارب اور دشمن آپ کی ملاقات سے فائدہ حاصل نہ کر سکے۔

marfat.com

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں ایک دن میں کئی مرتبہ اپنی ناک کی طرف دیکھتا ہوں مجھے یہ ڈر ہوتا ہے کہ کہیں چہرہ سیاہ نہ ہو جائے حضرت ابوحفص رحمہ اللہ فرماتے ہیں چالیس سال سے میرے دل میں یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے اور اس بات پر میرے اعمال دلالت کر رہے ہیں۔

ایک دن حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اپنے احباب کی طرف نکلے تو فرمایا میں نے گذشتہ رات اللہ تعالیٰ پر جرأت یعنی میں نے اس سے جنت کا سوال کیا ہے۔

حضرت محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ کسی والدہ نے ان سے فرمایا اے بیٹے! میں تجھے بچپن میں بھی پاک جانتی تھی اور کے بعد بھی پاکیزہ ہی جانتی ہوں گویا تو نے اپنے اوپر ہلاکت خیز مسلط کر دیا ہے کیوں کہ تو دن رات عبادت کرتا ہے انہوں فرمایا اے ماں! اللہ تعالیٰ میرے اعمال پر مطلع ہے اور اگر میرے اعمال میں کچھ گناہ ہوئے جن پر وہ ناراض ہو گیا تو میں کی بات سے نڈر ہو جاؤں اگر اللہ تعالیٰ فرمائے کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں تجھے نہیں بخشوں گا۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں کسی نبی مرسل، مقرب فرشتے اور صالح بندے پر رشک نہیں کرتا کیا قیامت دن ان لوگوں پر عتاب نہ ہو گا میرے لیے قابلِ رشک وہ ہے جو پیدا ہی نہیں ہوا۔

ایک روایت میں ہے کہ انصار میں سے ایک نوجوان کو دوزخ کا ڈر ہوا وہ روتے رہے حتیٰ کہ گھر میں مقید ہو کر رہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان کو گلے لگایا تو وہ فوت ہو کر گر پڑے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جَهِّزُوْا صَاحِبَكُمْ فَاِنَّ الْفَرَقَ مِنَ النَّارِ فَتَّتَ كَبِدَهٗ۔ (۱)

اپنے ساتھی کے کفن دفن کا انتظام کرو جہنم کے خوف نے اس کے جگر کو ٹکڑے کر دیا ہے۔

حضرت ابن میسرہ رحمہ اللہ سے مروی ہے جب آپ بستر پر تشریف لے جاتے تو فرماتے کاش میری ماں مجھے نہ ان کی ماں نے فرمایا اے میسرہ! اللہ تعالیٰ نے تجھ سے اچھا سلوک کیا تجھے اسلام کی ہدایت دی انہوں نے فرمایا ہاں ٹھیک لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم سے بیان کیا کہ ہم جہنم میں جائیں گے اور یہ نہیں فرمایا کہ اس سے نکل جائیں گے (یعنی وارد کا ہے صادر کا نہیں) حضرت فرقد سبخی سے کہا گیا کہ ہمیں سب سے زیادہ تعجب خیز بات بتائیں جو بنی اسرائیل سے آپ تک پہنچی ہو انہوں نے فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بیت المقدس میں پانچ سو کنواری لڑکیاں داخل ہوئیں جن کا لباس ٹاٹ تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ثواب اور عذاب کے بارے میں گفتگو کی تو وہ سب کی سب ایک ہی دن میں مر گئیں

حضرت عطاء سلمی خوف کھانے والے لوگوں میں سے تھے وہ اللہ تعالیٰ سے کبھی بھی جنت کا سوال نہ کرتے بلکہ صرف درگزر کا سوال کرتے ان سے بیماری کی حالت میں کہا گیا کیا آپ کو کسی چیز کی خواہش نہیں؟ انہوں نے فرمایا جہنم کے خوف

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۴۹۴ کتاب التفسیر

marfat.com

نے میرے دل میں خواہش کے لیے کوئی جگہ نہیں چھوڑی ۔کہا جاتا ہے کہ انہوں نے چالیس سال تک نہ تو آسمان کی طرف سر اٹھایا اور نہ ہی ہنسے۔ ایک دن انہوں نے سر اٹھایا تو گھبرا کر گر پڑے اور ان کی آنتیں پھٹ گئیں آپ کا طریقہ تھا کہ رات کو اپنا جسم ٹٹولتے کہ کہیں سخ تو نہیں ہو گیا اور جب کبھی آندھی چلتی یا بجلی گرتی یا غلبہ مہنگا ہوتا تو وہ فرماتے میری وجہ سے لوگوں کو یہ مصیبت پہنچی ہے اگر عطاء مر جائے تو لوگوں کو سکون ملے۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم عتبہ غلام کے ہمراہ باہر نکلے ہم میں بوڑھے بھی تھے اور نوجوان بھی وہ فجر کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھتے تھے اور طویل قیام کی وجہ سے ان کے پاؤں سوج گئے تھے اور آنکھیں اندر کو دھنس چکی تھیں چمڑے ہڈیوں سے مل گئے تھے اور رگیں باریک تاروں کی طرح معلوم ہوتی تھیں وہ ایسے ہو گئے تھے گویا ان کے چمڑے تربوز کے چھلکے ہوں اور گویا وہ قبروں سے نکالے گئے ہیں وہ بتاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اطاعت گزار لوگوں کو عزت بخشی اور نافرمان لوگوں کو ذلیل کیا وہ چل ہی رہے تھے کہ ان میں سے ایک ایسی جگہ سے گزرا جہاں وہ بیہوش ہو کر گر پڑا اس کے دوست اس کے گرد بیٹھ کر رونے لگے وہ دن سخت سرد تھا لیکن اس کے باوجود اس کی پیشانی پر پسینہ آیا ہوا تھا انہوں نے پانی لا کر اس کے چہرے پر مارا تو اسے افاقہ ہوا انہوں نے اس سے ماجرا پوچھا تو اس نے کہا مجھے یاد آ گیا تھا کہ میں نے اس جگہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی۔

حضرت صالح المری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے عبادت گزار لوگوں میں سے ایک کے پاس یہ آیت پڑھی۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا۔ (۱)

جس دن آگ میں لوگوں کے چہرے بدل جائیں گے (اور) وہ کہیں گے کاش ہم اللہ تعالیٰ کا حکم مانتے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے۔

(یہ سن کر) وہ زاہد بیہوش ہو گیا اور جب افاقہ ہوا تو اس نے کہا اے صالح! مزید پڑھئے کیوں کہ غم ہو رہا ہے پس میں نے پڑھا۔

كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا۔ (۲)

وہ جب بھی اس (جہنم) سے نکلنے کا ارادہ کریں گے ان کو اس میں واپس بھیج دیا جائے گا۔

یہ آیت سن کر اس کی روح پرواز کر گئی اور وہ گر پڑا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت زرارہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے یہ آیت پڑھی۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ احزاب آیت ۶۶

(۲) قرآن مجید، سورۃ حج آیت ۲۲

marfat.com

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ۔ (۱) پھر جب صور پھونکا جائے گا۔

تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑے اور انتقال کر گئے۔

حضرت یزید رقاشی رحمہ اللہ، حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے کہا اے یزید مجھے کچھ نصیحت فرمائیں انہوں نے فرمایا اے امیر المومنین جان لو تم پہلے خلیفہ نہیں ہو جو مر جاؤ گے (بلکہ تم سے پہلے بھی خلفاء دنیا سے رخصت ہوئے) یہ سن کر حضرت عمر بن عبد العزیز رونے لگے پھر فرمایا مزید کچھ بتایئے انہوں نے فرمایا۔ اے امیر المومنین! حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کے درمیان آپ کے جتنے اجداد گزرے ہیں وہ سب فوت ہو گئے یہ سن کر آپ روئے پھر فرمایا مزید کچھ بتایئے انہوں نے فرمایا آپ کے اور جنت و دوزخ کے درمیان کوئی منزل نہیں ہے یہ سن کر حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔

حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ (۲) اور بے شک ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے۔

تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے چیخ ماری اور اپنا ہاتھ، سر پر رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے تین دن تک ان کا پتہ نہ چلا۔

حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ نے ایک خاتون کو دیکھا جو اپنے بچے کی قبر کے سرہانے رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی اے میرے بچے! معلوم نہیں تیرے کس رخسار کو کیڑوں نے پہلے کھایا ہے۔ یہ سن کر حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ نے چیخ ماری اور اسی جگہ گر پڑے کہا گیا کہ ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ بیمار ہو گئے تو ان کا پیشاب ایک ذمی (کافر) طبیب کو دکھایا گیا تو اس نے کہا خوف نے ان کا جگر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے پھر اس نے آ کر آپ کی نبض دیکھی اور کہا میں نے اسلام میں ان جیسا آدمی نہیں دیکھا۔

حضرت احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ مجھ پر خوف کا ایک دروازہ کھول دے تو اس نے کھول دیا پھر مجھے اپنی عقل پر ڈر محسوس ہوا تو میں نے عرض کیا اے میرے رب! میری طاقت کے مطابق رکھنا، تو اس سے میرا دل تھم گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا روؤ اگر رونا نہ آتا ہو تو رونے کی کوشش کرو پس اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کسی کو علم ہوتا تو وہ اس قدر چیخا کہ اس کی آواز ٹوٹ جاتی اور اس طرح نماز پڑھتا کہ اس کی پیٹھ ٹوٹ جاتی گویا انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی طرف اشارہ کیا آپ نے ارشاد فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ مدثر آیت ۸

(۲) قرآن مجید، سورۃ حجر آیت ۴۳

marfat.com

لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا۔ (۱)

اگر تم وہ بات جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔

حضرت عنبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اصحاب حدیث حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کے دروازے پر جمع ہوئے تو آپ نے روشندان سے ان کو جھانکا (تو انہوں نے دیکھا کہ) آپ رو رہے تھے اور آپ کی داڑھی مبارک ہل رہی تھی آپ نے فرمایا تم پر قرآن پاک پڑھنا لازم اور نماز کی پابندی ضروری ہے اور یہ وقت حدیث کا نہیں یہ رونے، گڑگڑانے، عاجزی اور ڈوبنے والے کی طرح پکارنے کا وقت ہے اس زمانے میں اپنی زبان کی حفاظت کرو اپنی جگہ چھپاؤ اور دل کا علاج کرو اچھی باتوں کو اختیار کرو اور بری باتوں کو چھوڑ دو۔

ایک دن حضرت فضیل رحمہ اللہ کو دیکھا گیا کہ آپ چل رہے تھے پوچھا گیا کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا مجھے معلوم نہیں گویا وہ خوف کی حالت میں چل رہے تھے۔

حضرت ذر بن عمر نے اپنے باپ حضرت عمر بن ذر (رحمہما اللہ) سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ دوسرے لوگ گفتگو کرتے ہیں تو کوئی بھی نہیں روتا اور جب آپ کلام فرماتے ہیں تو ہر طرف سے رونے کی آواز سنائی دیتی ہے انہوں نے فرمایا جس عورت کا بچہ گم ہو جائے اس کے رونے اور اجرت لے کر رونے والی کے رونے میں فرق ہے۔

منقول ہے کہ ایک جماعت ایک عابد کے پاس کھڑی ہوئی اور وہ رو رہا تھا انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے رونے کی کیا وجہ ہے؟ اس عابد نے جواب دیا ایک زخم ہے جس کو ڈرنے والے لوگ اپنے دلوں میں پاتے ہیں پوچھا وہ کیا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کے لیے جو ندامت ہوگی۔

حضرت خواص رحمہ اللہ رو رہے تھے اور اپنی مناجات میں کہتے تھے میں بوڑھا ہوا اور میرا جسم تیری خدمت سے کمزور ہو ہو گیا پس تو مجھے آزاد کر دے۔

حضرت صالح مری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضرت ابن سماک رحمہ اللہ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا اپنے عبادت گزار ساتھیوں کے کچھ عجائبات دکھاؤ میں اسے محلے کے ایک شخص کے پاس لے گیا جو جھونپڑے میں رہتا تھا ہم نے اس سے اندر آنے کی اجازت مانگی اور اندر چلے گئے دیکھا تو ایک شخص چٹائی بنا رہا تھا میں نے اس کے سامنے آیت پڑھی۔

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ۔ (۲)

جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹے جائیں گے پھر آگ میں دہکائے جائیں گے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۶۵، کتاب التفسیر

(۲) قرآن مجید، سورۂ غافر آیت ۷۱

marfat.com

(یہ سن کر) اس شخص نے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو کر گر پڑا چنانچہ ہم اسے اسی حالت میں چھوڑ کر چلے گئے دوسرے کے پاس پہنچے اور یہی آیت پڑھی تو اس نے بھی چیخ ماری اور بیہوش ہو کر گر پڑا ہم وہاں سے بھی چلی پڑے اور تیسرے کے پاس جانے کی اجازت طلب کی اس نے کہا تم داخل ہو سکتے بشرطیکہ ہمیں، ہمارے رب سے نہ روکو میں نے اس کے پاس یہ آیت پڑھی۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ۔ (۱)

یہ اس کے لیے جو میرے حضور کھڑا ہونے سے ڈرے اور ہیں نے جو عذاب کا حکم سنایا ہے اس سے خوف کھائے

اس نے بھی ایک چیخ ماری تو اس کے نتھنوں سے خون نکلنے لگا اور وہ اسی خون میں تڑپنے لگا حتی کہ خون خشک ہو گیا ہم اسے اسی حالت میں چھوڑ کر چلے گئے میں نے حضرت ابن سماک کو چھ آدمیوں کے پاس پھرایا ہم ان میں سے ہر ایک کو بیہوش چھوڑ کر آگے چلے جاتے۔ پھر میں ان کو ساتویں کے پاس لے گیا اور اس سے اجازت مانگی تو دیکھا کہ چھونپڑے میں ایک عورت ہے اس نے کہا آجاؤ چنانچہ ہم داخل ہو گئے ہم نے دیکھا ایک بوڑھا شخص مصلے پر بیٹھا ہوا ہے ہم نے اسے سلام کیا لیکن اسے ہمارے سلام کا پتہ نہ چلا میں نے بلند آواز سے کہا سنو! کل لوگوں نے ایک جگہ کھڑا ہونا ہے شیخ نے کہا کمبخت! کس کے سامنے کھڑا ہونا ہے پھر وہ حیران ہو کر کھڑا ہو گیا اور اس کا منہ کھلا تھا آنکھیں کھلی رہ گئیں وہ کمزور آواز کے ساتھ اوہ، اوہ کرنے لگا حتی کہ یہ آواز بھی ختم ہو گئی اس کی بیوی نے کہا نکل جاؤ تمہیں اس وقت کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پھر اس کے بعد جب میں نے لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ تین کو افاقہ ہو گیا تھا اور تین اپنے رب سے جا ملے تھے جب کہ شیخ تین دن سے اسی طرح حیران اور خاموش کھڑا تھا حتی کہ اس نے کوئی فرض نماز بھی ادا نہ کی پھر تین دن بعد اسے ہوش آیا۔

حضرت یزید بن اسود کو ابدال میں سے جانا جاتا تھا اور انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ نہ تو کبھی ہنسیں گے نہ پہلو کے بل آرام کریں گے اور نہ کبھی مرغن چیز کھائیں گے حتی کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

حجاج نے حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ بالکل نہیں ہنستے انہوں نے فرمایا میں کیسے ہنسوں جب کہ جہنم کی آگ بھڑکائی جا چکی ہے طوق تیار کر دیئے گئے اور جہنم کے فرشتے مستعد ہیں۔

ایک شخص نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا اے ابو سعید! آپ نے صبح کیسے کی؟ انہوں نے فرمایا اچھی طرح۔ پوچھا کیا حال ہے؟ اس پر حضرت حسن مسکرائے اور فرمایا تم میری حالت پوچھتے ہو ان لوگوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو کشتی میں سوار ہوئے جب دریا کے درمیان پہنچے تو کشتی ٹوٹ گئی اور ان میں سے ہر ایک، ایک لکڑی کے ساتھ لگ گیا تو وہ کس حال میں ہوگا؟ اس نے کہا سخت حالت میں ہوگا حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا میری حالت ان کی حالت سے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ ابراہیم آیت ۱۴

marfat.com

بھی زیادہ سخت ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ایک لونڈی ان کے پاس گئی اور سلام پیش کیا پھر وہ گھر کی مسجد کے پاس کھڑی ہو گئی اور دو رکعت نماز ادا کی اس کے بعد اس پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور وہ سو گئی وہ خواب کی حالت میں روئی جب بیدار ہوئی تو عرض تو عرض کیا امیر المومنین! اللہ کی قسم! میں نے عجیب معاملہ دیکھا ہے آپ نے پوچھا وہ کیا اس نے کہا میں نے دوزخ کو دیکھا وہ دوزخیوں پر بھڑک رہی تھی پھر پل صراط کو لا کر اس کے اوپر رکھا گیا آپ نے پوچھا پھر کیا ہوا اس نے کہا عبدالملک بن مروان کو لا کر اس پل پر چڑھایا گیا وہ تھوڑا سا چلا کہ پل الٹ گیا اور وہ جہنم میں گر گیا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا مزید کیا ہوا؟ اس نے کہا پھر ولید بن عبدالملک کو لایا گیا اسے بھی اس پر سوار کیا گیا تو تھوڑا سا چلنے کے بعد پل صراط الٹ گیا اور وہ جہنم میں گر گیا آپ نے فرمایا پھر کیا ہوا؟ اس نے کہا پھر سلیمان بن عبدالملک کو لایا گیا وہ بھی تھوڑا سا چلا تھا کہ پل الٹ گیا اور وہ اسی طرح جہنم میں چلا گیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا پھر کیا ہوا؟ اس نے کہا اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ کی قسم پھر آپ کو لایا گیا یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو کر گر پڑے وہ آپ کے پاس کھڑی ہو کر آپ کے کانوں میں کہنے لگی اے امیر المومنین! اللہ کی قسم! میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ نجات پا گئے قسم بخدا! میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ نجات پا گئے راوی فرماتے ہیں وہ اسی طرح آواز دیتی رہی اور آپ چلاتے اور پاؤں اٹھا اٹھا کر مارتے رہے۔

حکایت کیا گیا ہے کہ حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ واعظ کے پاس تشریف لاتے اور اس کے کلام سے روتے جب وہ جہنم کا ذکر کرتا تو حضرت اویس چیخ مارتے پھر اٹھ کر چل پڑتے تو لوگ آپ کو پاگل پاگل کہتے ہوئے آپ کے پیچھے لگ جاتے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا مومن کا خوف اس وقت تک نہیں ٹھہرتا جب تک وہ جہنم کے پل کو اپنے پیچھے نہ چھوڑ دے۔

حضرت طاؤس رحمہ اللہ کے لیے بچھونا بچھایا جاتا آپ اس پر لیٹتے اور اس طرح لوٹ پوٹ ہوتے جس طرح گرم کڑاہی میں دانے ادھر ادھر اچھلتے ہیں پھر اتر کر بستر کو لپیٹ دیتے اور صبح تک قبلہ رخ ہو جاتے (نماز پڑھتے) اور فرماتے جہنم کے ذکر نے ڈرنے والوں کی نیند اڑا دی۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ایک شخص جہنم سے ایک ہزار سال بعد نکالا جائے گا (پھر فرمایا) کاش وہ شخص میں ہوتا آپ نے یہ بات جہنم میں ہمیشہ رہنے اور برے خاتمے کے خوف سے فرمائی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ چالیس سال تک نہیں ہنسے۔ راوی کہتے ہیں میں جب ان کو بیٹھا ہوا دیکھتا تو یوں معلوم ہوتا گویا وہ ایک قیدی ہیں جنہیں ان کی گردن مارنے کے لیے لایا گیا ہے اور جب وہ گفتگو کرتے تو گویا آخرت کو دیکھ رہے ہیں اور اس کو دیکھ کر بتا رہے ہیں اور جب وہ خاموش ہوتے تو گویا ان کی آنکھوں کے درمیان آگ بھڑک رہی ہے

اور جب ان پر اس شدتِ غم و حزن کا عتاب کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں اس بات سے بے خوف نہیں ہوں کہ اگر اللہ تعالےٰ نے میرے بعض ناپسندیدہ اعمال کو دیکھ کر مجھ پر غضب فرمایا اور کہا جاؤ میں تمہیں نہیں بخشتا تو میرا عمل کرنا بے فائدہ ہوگا۔

حضرت ابن سماک رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ایک دن کسی مجلس میں وعظ کیا تو لوگوں میں سے ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر کہا اے ابوالعباس! آپ نے آج ایک ایسا کلمہ کہا ہے کہ اگر ہم اس کے علاوہ کوئی بات نہ سنیں تو بھی کوئی پرواہ نہیں میں نے پوچھا وہ کونسا کلمہ ہے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے؟ اس نے کہا آپ کا یہ قول کہ دو جگہ (میں سے ایک میں) ہمیشہ رہنے یعنی جنت یا دوزخ میں ہمیشہ رہنے کے خیال نے خائفین کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا پھر وہ نوجوان مجھ سے غائب ہو گیا میں نے اسے دوسری مجلس میں تلاش کیا تو نہ پایا میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ بیمار ہے اور لوگ اس کی عیادت کے لئے جاتے ہیں۔

چنانچہ میں بھی اس کی بیمار پرسی کے لیے گیا اور میں نے کہا اے بھائی میں آپ کو کس حالت میں دیکھ رہا ہوں! اس نے کہا اے ابوالعباس! یہ آپ کے اسی قول کی وجہ سے ہوا ہے کہ جنت یا دوزخ میں سے کسی ایک مقام پر ہمیشہ رہنے کے خوف نے لوگوں کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ فرماتے ہیں پھر وہ نوجوان انتقال کر گیا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے میں نے اسے خواب میں دیکھ کر کہا اے میرے بھائی اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور مجھ پر رحم فرمایا نیز مجھے جنت میں داخل کر دیا میں نے پوچھا کس عمل کی وجہ سے؟ اس نے کہا اسی کلمے کی وجہ سے۔

تو انبیاء کرام، اولیاء عظام اور علماء کرام نیز صالحین کے خوف کا یہ حال تھا اور ہمیں تو ان کی نسبت زیادہ ڈرنا چاہیئے لیکن یہ مطلب نہیں کہ جب گناہ زیادہ ہوں تو اس وقت خوف پیدا ہو بلکہ دل کی صفائی اور کمال معرفت کی صورت میں بھی خوف ہونا چاہیے ورنہ گناہوں کی قلت اور عبادات کی کثرت بے خوفی کا سبب نہیں ہو سکتی بلکہ شہوتِ نفس کی اطاعت، بدبختی کا غلبہ، اور غفلت نیز دل کی سختی کی وجہ سے اپنے اعمال کو نہ دیکھنے قربِ موت کے باوجود بیدار نہ ہونے، گناہوں کی کثرت کے باوجود حرکت میں نہ آنے، خوف کھانے والوں کے حالات دیکھنے کے باوجود خوف کے پیدا نہ ہونے برے خاتمے کے خوف کے اثر انداز ہونے کی صورت میں یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہمارے احوال کی اصلاح فرمائے اور ان باتوں کا تدارک کرے اگر محض زبانی سوال بغیر استعداد کے نفع دیتا ہو۔

اور عجیب بات تو یہ ہے کہ دنیا میں جب ہم مال کی خواہش کرتے ہیں تو کھیتی باڑی کرتے ہیں، درخت لگاتے ہیں اور تجارت کرتے ہیں نیز دریاؤں اور خشکی کا سفر کرنے میں اور جب علمی مرتبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو غور و فکر کرتے ہیں اور اس کے حفظ و تکرار کے سلسلے میں مشقت اٹھاتے اور شب بیداری کرتے ہیں ہم تلاشِ رزق کے سلسلے میں کوشش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ضمان پر اعتماد کر کے گھر میں بیٹھ نہیں جاتے کہ ہم صرف اسی پر اکتفا کریں کہ یا اللہ ہمیں رزق عطا فرما۔

اور جب آخرت کی دائمی سلطنت پر نظر کرتے ہیں تو صرف اسی بات پر قناعت کرتے ہیں کہ زبان سے کہہ دیں یا اللہ!

ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور جس ذات سے ہماری امید وابستہ ہے اور جس کے نام سے ہم دھوکہ کھائے ہوئے ہیں وہی ہمیں پکار پکار کر کہتا ہے۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۔ (۱)

اور انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے وہ محنت کرتا ہے۔

اور وہ ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ۔ (۲)

اور تمہیں کوئی دھوکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکے میں نہ ڈالے۔

اور ارشاد فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ۔ (۳)

اے انسان! تجھے ربِ کریم کے بارے میں کس نے دھوکے میں ڈالا۔

پھر یہ سب باتیں ہمیں دھوکے اور آرزوؤں کی وادیوں سے نہیں نکالتیں اور نہ ہی ہمیں بیدار کرتی ہیں ——— تو یہ نہایت ہی گھائل کرنے والی بات اور مشقت ہے اگر اللہ تعالیٰ توبۃ النصوح کے ذریعے ہم پر اپنا فضل نہ فرمائے اور یوں ہماری اس کمی کا تدارک نہ فرمائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہماری توبہ کو قبول فرمائے۔ بلکہ ہم اس بات کا سوال کرتے ہیں کہ وہ ہماری توبہ کو قبول فرمائے۔ بلکہ ہم اس بات کا سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دلوں میں توبہ کا شوق ڈال دے اور توبہ کے سوال کے لیے محض زبانی حرکت کو غایت نہ بنائے اس طرح ہم ان لوگوں میں سے ہو جائیں گے جو کہتے ہیں عمل نہیں کرتے اور سنتے ہیں لیکن قبول نہیں کرتے۔ جب ہم وعظ سنتے ہیں تو روتے ہیں اور جب عمل کا وقت آتا ہے تو ہم نافرمانی کرتے ہیں ذلت و رسوائی کی اس سے بڑی علامت کیا ہو سکتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے فضل و کرم اور احسان سے ہمیں توفیق اور ہدایت عطا فرمائے۔

اب ہم خائفین کے احوال کا ذکر اسی پر ختم کرتے ہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے کیوں کہ تھوڑا ہو لیکن قبول کرنے والے دل تک پہنچ جائے وہ کافی ہے جب کہ زیادہ ہو اور غافل دل تک پہنچے بے مقصد ہے۔

ایک راہب جو منتخب بندوں میں تھا اس سے حضرت عیسیٰ بن مالک خولانی رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ انہوں نے اسے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النجم آیت ۳۹

(۲) قرآن مجید، سورۃ فاطر آیت ۵

(۳) قرآن مجید، سورۃ انفطار آیت ۶

marfat.com

بیت المقدس کے دروازے پر کھڑا دیکھا شدت غم اور زیادہ رونے کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسو رکتے نہیں حضرت عیسٰی بن مالک فرماتے ہیں جب میں نے اسے اس پریشان کن حالت میں دیکھا تو میں نے کہا اے راہب! مجھے کوئی نصیحت فرمائیں جسے میں یاد رکھوں اس نے کہا بھائی! میں آپ کو کس بات کی نصیحت کروں؟ اگر تم اس شخص کی طرح رہ سکتے ہو جو درندوں اور زمینی جانوروں سے خوف زدہ ہے اور اسے اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ کہیں غفلت میں اس کو کوئی درندہ چیر پھاڑ نہ دے یا بھول ہو جائے تو کیڑے نہ کاٹ دیں وہ رات بھر خوف زدہ دل کے ساتھ رہتا ہے اگرچہ دھوکہ کھانے والے پُرامن ہوتے ہیں وہ دن بھر بھی غمگین رہتا ہے اگرچہ نکمے لوگ خوش رہتے ہیں تو تمہیں اسی طرح رہنا چاہیئے پھر وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا میں نے کہا اگر مزید کچھ بتائیں تو مجھے فائدہ ہوگا اس نے کہا پیاسے کو جتنا پانی مل جائے اُسے کفایت کرتا ہے اور واقعی اس نے صحیح کہا کیوں کہ صاف دل کو ادنیٰ خوف بھی حرکت دے دیتا ہے اور سخت دل سے وعظ و نصیحت دور رہتی ہے۔

راہب نے جو درندوں کی مثال بیان کی ہے تو وہ محض فرضی بات نہیں ہے بلکہ حقیقت یہی ہے اگر تم نور بصیرت سے اپنے باطن کو دیکھو تو وہ طرح طرح کے درندوں کے گھیرے میں ہے جیسے غصہ، شہوت، کینہ، حسد، تکبر، خود پسندی اور ریاکاری وغیرہ اور یہ (روحانی درندے) تمہیں مسلسل کاٹتے اور نوچتے ہیں اگر تم ایک لحظہ بھی ان سے غافل رہو۔ ہاں یہ بات ہے کہ وہ تمہیں نظر نہیں آتے۔ لیکن جب پردہ اٹھ جائے گا اور تمہیں قبر میں رکھ دیا جائے گا تو تم ان کو دیکھو گے۔ اور وہ تمہارے سامنے ایسی شکلوں میں آئیں گے جن کو تم دیکھو گے پھر تم اپنی آنکھوں سے بچھوؤں اور سانپوں کو دیکھو گے کہ انہوں نے قبر میں تمہیں گھیر رکھا ہے یہ وہ خصلتیں ہیں جو اس وقت بھی موجود ہیں۔ لیکن ان کی شکلیں اس دن (قبر میں) نظر آئیں گی اگر تم موت سے پہلے ان کو ماننا چاہو اور مارنے پر قادر بھی ہو تو ان کو مار ڈالو ورنہ دل میں یہ بات پکی طرح بٹھا لو کہ وہ تمہارے دل کو کاٹتی اور نوچتی ہیں۔ ظاہری جسم تو ایک طرف رہا ——

marfat.com

۴ــــ فقر و زہد کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کے لیے ریت کے تودے بھی تسبیح کرتے اور سائے سجدہ کرتے ہیں اس کی
ت سے پہاڑ بھی گرجاتے ہیں اس نے انسان کو چپکنے والے سوکھے ہوئے بجنے والے گارے سے پیدا کیا اور اس کی صورت
حسن تقویم (اچھے سانچے) اور کمال اعتدال کے ساتھ مزین کیا اور اس کے دل کو نورِ ہدایت کے ذریعے گمراہی کے گڑھے سے
اصاے صبح و شام خدمت (عبادت) کا دروازہ کھٹکھٹانے کا حکم دیا۔

پھر عبادت میں مخلص شخص کی بصیرت کو نورِ عبرت کا سرمہ لگایا حتیٰ کہ اس نے اس کی روشنی سے دربارِ خداوندی کو بھی
ظہ کیا پس اس کے لیے ایسی خوبصورتی حسن اور کمال ظاہر ہوا جس کی چمک کے مبادی کے سامنے ہر حسن و جمال ماند
یا اور جو اس کے مشاہدے اور لزوم سے پھر گیا اس نے اس کو نہایت بھاری اور مشکل خیال کیا اور ظاہری دنیا اس
ے لیے ایک خوبصورت عورت کی شکل میں ظاہر ہوئی جو دھوکہ دیتی ہے اور اس کا باطن اس کے لیے اس بوڑھی عورت
رح منکشف ہوا جس کا خمیر ذلت و رسوائی سے تیار کیا گیا اور اس کو ذلت کے ڈھانچے میں رکھا گیا۔ اور وہ اپنی بڑی
ر کے ساتھ لپیٹی گئی تاکہ جادو اور حیلے بہانوں کی نرمی کے ساتھ اس کے اندر کی خرابیاں چھپی رہیں اور اس کے جال
وں کے راستے میں نصب کیے گئے اور وہ ان کو طرح طرح کے مکر و فریب سے شکار کرتی ہے اور وہ صرف وصال کے
ہ کی خلاف ورزی پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ وہ اس وصال کے خاتمے کے ساتھ ان کو طوقوں اور زنجیروں میں قید کرتی اور
وطرح طرح کی آزمائشوں اور سامان عبرت میں مبتلا کرتی ہے۔

پس جب عارفین کے لیے اس کی پوشیدہ خرابیاں اور افعال منکشف ہو گئے تو انہوں نے اس سے اس
ح کنارہ کشی کی جیسے کوئی نفرت کرنے والا کرتا ہے پس انہوں نے اسے چھوڑ دیا نیز انہوں نے مال کی فراوانی پر فخر
بھی چھوڑ دیا اور وہ اپنی مکمل توجہ اور ہمت کے ساتھ بارگاہ خداوندی کی حاضری کی طرف متوجہ ہو گئے انہیں اس کے
ال کا پورا یقین ہے جس میں انفصال نہیں اور ایسا مشاہدہ جس میں فنا اور زوال نہیں اور رحمتِ کاملہ ہمارے سردار حضرت
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تمام انبیاء کرام کے سردار ہیں اور آپ کی بہترین آل پر ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد ــــ واضح ہو کہ دنیا اللہ عزوجل کی دشمن ہے وہ دھوکے سے جسے چاہے گمراہ کرتی اور
ے مکر سے جس کو چاہے لغزش کا شکار کرتی ہے اس کی محبت خطاؤں اور گناہوں کی اصل ہے اور اس سے نفرت عبادات
قرب کی اصل ہے اس کا حال اور اس کی دوستی کی مذمت سے متعلق ہم نے مہلکات کے بیان میں دنیا کی مذمت کے

عنوان سے ذکر کیا ہے اب ہم دنیا سے نفرت اور کنارہ کشی کی فضیلت بیان کرتے ہیں کیوں کہ یہ بات نجات دینے وا
کی اصل ہے پس نجات کی طمع اسی وقت ہو سکتی ہے جب دنیا سے قطع تعلق کیا جائے اور اس سے دوری اختیا
اور اس سے قطع تعلق کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ دنیا خود انسان سے الگ ہو اسے فقر کہتے ہیں اور دوسری صورت
کہ بندہ اس سے الگ ہو اسے زہد کہا جاتا ہے اور سعادت کے حصول میں ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک درجہ
اور فوز و نجات کے سلسلے میں ان کا اثر ہے اب ہم فقر اور زہد کی حقیقت، ان کے درجات، اقسام، شرائط، ا
کا ذکر کریں گے ایک حصے میں فقر کا ذکر ہوگا جب کہ دوسرے میں زہد کا، لیکن پہلے فقر کا ذکر کرتے ہیں تو ہم کہتے

پہلا حصہ :-

فقر کا بیان

اس حصے میں درج ذیل بیان ہوں گے۔

(۱) حقیقت فقر
(۲) فقر کی مطلق فضیلت
(۳) فقر کی خصوصی فضیلت
(۴) غنی پر فقیر کی فضیلت
(۵) فقر کی حالت میں فقیر کا ادب
(۶) عطیات قبول کرنے کی صورت میں ادب
(۷) ضرورت کے بغیر سوال کا حرام ہونا
(۸) کس قدر مالداری کی حالت میں مانگنا حرام ہے۔
(۹) مانگنے والوں کے حالات۔

اللہ تعالیٰ ہی اپنے لطف و کرم سے راہِ صواب کی توفیق عطا کرنے والا ہے۔

فصل ۱ :

حقیقتِ فقر اور فقیر کے احوال اور ناموں کا اختلاف

فقر کا مطلب اس چیز کا نہ ہونا ہے جس کی حاجت ہو لیکن جس کی حاجت نہ ہو اس کا نہ ہونا فقر نہیں کہلاتا اور اگر
چیز جس کی حاجت ہے موجود بھی ہو اور انسان کے بس میں بھی ہو تو وہ فقیر نہیں کہلاتا۔

پس جب تمہیں یہ بات معلوم ہوگئی کہ تمہیں اس بات میں شک نہیں ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو بھی موجود ہے وہ فقیر ہے کیوں کہ اسے دوسرے ذات موجود ہونے کی حاجت ہے اور وجود کا ہمیشہ رہنا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہے پس اگر کوئی ایسا وجود موجود ہو جو کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو تو وہ مطلق غنی ہے اور ایسا وجود سوائے ایک ذات کے تصور نہیں ہوسکتا پس ایک ہی غنی موجود ہے اور باقی جو کچھ ہے وہ سب اس کے محتاج ہیں کہ وہ ان کو دائمی وجود میں مدد دے ی حصر کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے۔

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ - (۱) اور اللہ تعالیٰ غنی ہے جب کہ تم فقیر ہو

فقرِ مطلق کا یہ معنیٰ ہے لیکن ہمارا مقصود فقرِ مطلق کا بیان نہیں ہے بلکہ ہم خصوصی فقر یعنی مال کے حوالے سے محتاجی کا ذکر کرتے ہیں ورنہ حاجات کے اعتبار سے بندے کے فقر کی انتہا نہیں ہے کیوں کہ اس کی حاجات بے شمار ہیں اور اس کی حاجات میں سے بعض وہ ہیں جن تک رسائی مال کے ذریعے ہوتی ہے اور اس وقت اسی کا بیان مطلوب ہے پس ہم کہتے ہیں۔

جس آدمی کے پاس مال نہ ہو ہم اسے اس مال کی نسبت سے فقیر کہتے ہیں جو اس کے پاس نہیں ہے لیکن شرط ہے کہ وہ اس کا محتاج ہو پھر فقر کے وقت پانچ حالتوں کا تصور ہوتا ہے اور ہم ان تمام کے الگ نام رکھتے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے تمیز ہوسکے۔

فقر کی پانچ حالتیں

پہلی حالت: یہ سب سے بلند ہے یعنی جب اس کے پاس مال آئے تو وہ اسے ناپسند کرے اور اس سے اذیت محسوس کرے اور اسے قبول کرنے سے بھاگے نیز اس کے شر اور اس میں مشغولیت سے بچے یہ زہد ہے اور ایسے شخص کو زاہد کہتے ہیں۔

دوسری حالت: مال میں ایسی رغبت نہ ہو کہ اس کے ملنے پر خوش ہو اور نہ اس طرح ناپسند کرتا ہو کہ اس سے اذیت حاصل ہو یا اگر حاصل ہو تو چھوڑ دے ایسی حالت والے کو راضی کہتے ہیں۔

تیسری حالت: مال کے نہ ہونے کے مقابلے میں اس کا پایا جانا اسے پسند ہو کیوں کہ وہ اس میں رغبت رکھتا ہے لیکن اس کی محبت اس حد کو نہیں پہنچتی کہ اس کی طلب میں سرگرمی دکھائے بلکہ اگر آسانی سے بلا محنت مل جائے تو خوش ہوتا ہے اور اس کی تلاش میں محنت کرنا پڑے تو اس میں مشغول نہیں ہوتا ایسے شخص کو قانع صبر کرنے والا کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس نے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ محمد آیت ۳۸

marfat.com

موجود پر قناعت کی حتیٰ کہ اس کی طلب کو چھوڑ دیا باوجودیکہ کچھ کمزور سی رغبت بھی تھی۔

چوتھی حالت: عاجزی کی وجہ سے مال کی طلب چھوڑ دے ورنہ وہ اس میں ایسی رغبت رکھتا ہے کہ اگر اس کی طلب تک راستہ ملے اگرچہ تھکاوٹ کے ساتھ ہو تو وہ اسے طلب کرے یا اس کی طلب میں مشغول ہو تو ایسی حالت والے کو حریص کہتے ہیں۔

پانچویں حالت: اس کے پاس جو مال نہیں ہے وہ اس کی طرف مجبور ہو جیسے بھوکا شخص جس کے پاس روٹی نہ ہو اور برہنہ آدمی جس کے پاس کپڑا نہ ہو ایسے شخص کو مضطر (مجبور) کہتے ہیں چاہے مال کی رغبت ضعیف ہو یا قوی اور یہ حالت رغبت سے بہت کم الگ ہوتی ہے تو یہ پانچ حالتیں ہیں جن میں سے سب سے اعلیٰ زہد ہے اور اگر اضطرار کے ساتھ زہد بھی ہو اور اس کا تصور ہو سکے تو یہ زہد کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے جیسے اس کا بیان آئے گا۔

ان پانچ سے اوپر ایک حالت ہے جو زہد سے بھی اعلیٰ ہے یعنی انسان کے نزدیک مال کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہو اگر مال مل جائے تو وہ خوش نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے اسے اذیت پہنچتی ہے اور اگر مال نہ ملے تو بھی یہی صورت حال ہوتی ہے بلکہ اس کی حالت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حالت کی طرح ہوتی ہے جب آپ کے پاس ایک لاکھ درہم بطور عطیہ آئے تو آپ نے لے لیے لیکن اسی دن تقسیم کر دیئے آپ کی خادمہ نے عرض کیا اگر آج کے ان درھموں میں سے ایک درھم کا گوشت لے لیتیں تو اس سے روزہ افطار کر لیتے! آپ نے فرمایا اگر تم پہلے یاد دلا دیتیں تو میں ایسا ہی کرتی۔

پس جس شخص کی یہ حالت ہو اگر تمام دنیا اس کے قبضے اور خزانے میں ہو تو بھی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ وہ تمام مال کو اللہ تعالیٰ کے خزانے میں جانتا ہے اپنے قبضے میں نہیں پس اس بات میں کوئی فرق نہیں ہوتا کہ مال اس کے اپنے قبضے میں ہو یا کسی دوسرے کے قبضے میں۔

ایسی حالت والے کو مستغنی کہنا زیادہ مناسب ہے کیوں کہ وہ مال کے ہونے نہ ہونے دونوں سے بے نیاز ہوتا ہے۔

اس اسم (مستغنی) سے ایک ایسا معنیٰ سمجھنا چاہیئے جو اللہ تعالیٰ پر مطلق غنی کے اطلاق اور بندوں میں سے جس کے پاس زیادہ مال ہو اس کو غنی کہنے میں فرق کرتا ہے کیوں کہ جس بندے کے پاس زیادہ مال ہو اور وہ اس پر خوش بھی ہوتا ہو تو وہ اس بات کا محتاج ہے کہ جو مال اس کے قبضے میں ہے وہ باقی رہے لیکن مزید مال کے آنے سے بے نیاز ہے باقی رہنے سے نہیں۔ لہٰذا وہ ایک اعتبار سے فقیر ہے لیکن یہ شخص (مستغنی) مال کے قبضے میں آنے سے بھی بے نیاز ہے اور اس کے باقی رہنے سے بھی بے نیاز ہے بلکہ وہ مال کے ہاتھوں سے نکل جانے سے بھی بے نیاز ہوتا ہے کیوں کہ اسے مال کے ملنے سے کوئی اذیت نہیں ہوتی کہ وہ اسے اپنی ملک سے نکالنے کا محتاج ہو اور وہ اس کے آنے پر خوش بھی نہیں ہوتا کہ اس کے باقی رہنے کا محتاج ہو اور چوں کہ مال سے محروم بھی نہیں اس لیے وہ اسے

قبضے میں لانے کا محتاج بھی نہیں پس اس کا غنا عام ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفت غنیٰ کے زیادہ قریب ہے اور بندے کو اللہ تعالیٰ کا قرب صفات کے قرب کے ذریعے حاصل ہوتا ہے قرب مکانی نہیں ہوتا۔

لیکن ہم ایسی حالت والے کو غنی نہیں کہتے بلکہ مستغنی کہتے ہیں تاکہ غنی کا اسم صرف اسی ذات کے لیے ہو جو مطلق غنی ہے ر کسی چیز کا محتاج نہیں ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) لیکن یہ بندہ (مستغنی) وہ مال کے ہونے نہ ہونے سے غنی (بے نیاز) ہے لیکن ں کے علاوہ دیگر اشیاء سے بے نیاز نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کی مدد سے بھی بے نیاز نہیں ہے تاکہ اس کا وہ ستغناء باقی رہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو زینت بخشی ہے۔ کیوں کہ جو دل مال کی محبت میں ہے وہ غلام ہے اور جو اس محبت سے مستغنی ہے وہ آزاد ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہی اسے اس غلامی سے آزاد ا ہے لہذا وہ اس آزادی کے دوام کا محتاج ہے۔ اور دل کی حالت تو یہ ہے کہ وہ غلامی اور آزادی کے درمیان تار ہتا ہے اور اس تبدیلی میں کچھ زیادہ وقت نہیں لگتا کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قبضہ میں ہے۔ اسی لیے اس ں کے باوجود اس شخص کو مطلق غنی نہیں کہا جا سکتا ہم اسے مجازاً غنی کہتے ہیں۔

جان لو کہ زُہد ایک ایسا درجہ ہے جو نیک لوگوں کا کمال ہے اور ایسا آدمی مقربین میں سے ہوتا ہے پس یقیناً ں کے حق میں زُہد نقصان ہوتا ہے کیونکہ ابرار کی نیکیاں، مقربین کے گناہ ہیں (اور یہ برابر میں سے ہے) کیوں کہ جو ں دنیا کو ناپسند کرتا ہے وہ دنیا میں مشغول ہے جس طرح اس میں رغبت رکھنے والا اس میں مشغول ہوتا ہے اور ٰ تعالیٰ کے غیر میں مشغول ہونا اللہ تعالیٰ سے حجاب ہے کیوں کہ تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی دُوری نہیں ہے شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور وہ کسی مکان میں بھی نہیں کہ آسمان اور زمین تمہارے اور اس کے درمیان ب ہوں پس تمہارے اور اس کے درمیان حجاب یہی ہے کہ تم اس کے غیر میں مشغول ہو اور جب آدمی اپنے نفس خواہشات میں مشغول ہو تو وہ بھی غیر خدا میں مشغولیت ہے اور چوں کہ تم اپنے نفس اور خواہشات میں مسلسل مشغول ے ہو اس لیے تم اس سے مسلسل حجاب میں ہوتے ہو پس جو اپنے نفس کی محبت میں مشغول ہو وہ اللہ تعالیٰ سے اعراض کرتا اور جو شخص اپنے نفس سے نفرت میں مشغول ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے منہ پھیرنے والا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے س رقیب کی طرح ہے جو اس مجلس میں حاضر ہے جس میں عاشق اور معشوق دونوں اکٹھے ہوتے ہیں پس اگر عاشق ں رقیب کی طرف متوجہ ہو کر اس سے بُغض رکھنے اور اسے بوجھ سمجھنے کی طرف مشغول ہو نیز یہ کہ اس کی حاضری کو ر کرے تو ایسی حالت میں جب اس کا دل رقیب کے بُغض میں مشغول ہو وہ معشوق کے مشاہدہ کی لذت سے اعراض نے والا ہوتا ہے اور اگر اس کو عشق نے گھیر رکھا ہو تو وہ معشوق کے غیر سے غافل ہوتا ہے اور اس کی طرف ہ نہیں ہوتا۔

تو جس طرح معشوق کی موجودگی میں غیر معشوق کی طرف اس کی محبت کی وجہ سے دیکھنا عشق میں شرک اور نقصان ہے

marfat.com

اسی طرح اس کے بُغض کی وجہ سے اس کو دیکھنا بھی شرک اور نقصان ہے البتہ ان میں سے ایک، دوسرے کے مقابلے میں ہلکا ہے بلکہ کمال تو یہ ہے کہ دل محبوب کے غیر کی طرف متوجہ نہ ہو چاہے بُغض کی صورت میں ہو یا محبت کی صورت میں ـــــ تو جس طرح دل میں دو محبتیں ایک ہی حال میں جمع نہیں ہو سکتیں اسی طرح ایک ہی حالت میں محبت اور بُغض بھی جمع نہیں ہوتے۔

پس جو شخص دنیا سے بُغض رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اسی طرح غافل ہے جس طرح اس سے محبت کرنے والا غافل ہوتا ہے البتہ اس کی محبت میں مشغول غافل ہے اور وہ اس غفلت میں دُوری کے راستے پر چلتا ہے اور جو شخص اس سے بُغض میں مشغول ہوتا ہے وہ بھی غافل ہے لیکن وہ اس غفلت میں قرب کے راستے پر چلتا ہے کیوں کہ اس کے بارے میں امید ہے کہ وہ ایسی حالت تک پہنچے جہاں یہ غفلت زائل ہو کر شہود میں بدل جائے تو اس کے لیے کمال ترقی پذیر ہوتا ہے کیوں کہ دنیا سے بُغض ایک سواری ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتی ہے۔

پس دنیا سے محبت کرنے والا اور بُغض رکھنے والا ان دو آدمیوں کی طرح ہیں جو حج کے راستے پر چلتے ہیں وہ دونوں اونٹنی پر سواری اسے ہانکنے اور چارہ دینے میں مشغول رہتے ہیں لیکن ایک کا منہ قبلہ کی طرف ہے اور دوسرے نے اس طرف پیٹھ کر رکھی ہے تو اس حالت میں دونوں برابر ہیں کہ دونوں کعبۃ اللہ سے حجاب میں ہیں اور اس سے اعراض کرنے والے ہیں لیکن جس کا منہ کعبۃ اللہ کی طرف ہے وہ اس کی طرف پیٹھ کرنے والے کی نسبت محمود ہے کیوں کہ اس کے لیے کعبہ شریف تک پہنچنے کی امید ہے۔

لیکن جو شخص کعبۃ اللہ میں معتکف ہو تو اس سے باہر نہیں نکلتا اس کے مقابلے میں یہ شخص قابلِ تعریف نہیں ہے کیونکہ اسے وہاں تک پہنچنے کے لیے جانور میں مشغولیت کی ضرورت ہے۔

پس یہ خیال کرنا مناسب نہیں کہ دنیا سے بُغض رکھنا ذاتی طور پر مقصود ہے بلکہ دنیا اللہ تعالیٰ سے روکنے والی چیز ہے اور اس تک رسائی اسی وقت ہو سکتی ہے جب رکاوٹ کو دُور کیا جائے۔

اسی لیے حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا جو شخص دنیا میں زُہد اختیار کرتا ہے اور اسی پر اکتفا کرتا ہے تو وہ جلدی راحت چاہتا ہے بلکہ اسے چاہیے کہ آخرت میں مشغول ہو۔

تو انہوں نے بیان کیا کہ آخرت کے راستے پر چلنا زہد کے بعد ہے جس طرح حج کے راستے پر چلنا قرض کی ادائیگی کے بعد ہے جو حج کے راستے میں رکاوٹ ہے۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا سے بے رغبتی (زُہد) سے مراد مال کے وجود اور عدمِ وجود میں رغبت نہ رکھنا ہو تو وہ انتہائی درجہ کا کمال ہے اور اگر اس کے نہ ہونے میں رغبت مراد ہو تو وہ راضی، قانع اور حریص کے حوالے سے کمال ہے لیکن مستغنی کے درجہ کی نسبت سے نقصان ہے بلکہ مال کے سلسلے میں کمال یہ ہے کہ تمہارے نزدیک مال اور پانی برابر ہوں اور اس

marfat.com

پڑوس میں پانی کا زیادہ ہونا کوئی نقصان نہیں دیتا مثلاً وہ دریا کے کنارے پر ہو تو اسے پانی نقصان نہیں دیتا اسی طرح پانی کی
بھی ایذا نہیں پہنچاتی ہاں ضرورت سے کم نہ ہو حالانکہ مال کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس طرح پانی کی حاجت ہوتی ہے پس تمہارا
یادہ پانی کے پڑوس سے راہ فرار اختیار کرنے میں مشغول نہ ہو اور نہ ہی زیادہ پانی سے بُغض رکھتا ہو بلکہ تم یوں کہو کہ میں ضرورت
مطابق اس سے پیئوں گا اور اس سے لوگوں کو حاجت کے مطابق پلاؤں گا اور بُخل کرتے ہوئے کسی سے نہیں
ں گا۔

پس مال کی حالت بھی یہی ہونی چاہیئے کیوں کہ حاجت کے سلسلے میں روٹی اور پانی دونوں ایک جیسے ہیں فرق صرف
کی قلت اور دوسرے کی کثرت کا ہوتا ہے پس جب تمہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو گئی اور تمہیں اس کی اس تدبیر پر
ہو گیا جس کے ساتھ اس نے اس عالم کا انتظام کیا ہے تو تمہیں معلوم ہو گیا کہ جس قدر روٹی تمہاری ضرورت ہے
ک تم زندہ ہو وہ لامحالہ تمہارے پاس آئے گی جس طرح حسبِ حاجت پانی تمہارے پاس آتا ہے عنقریب توکل کے
یں اس بات کا ذکر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ سے کہا کہ حضرت مالک بن
نے حضرت مغیرہ سے فرمایا کہ گھر جا کر وہ ڈولچی لے لیں جو آپ نے مجھے تحفہ دی تھی کیوں کہ شیطان نے مجھے وسوسہ
ہے کہ اسے شیطان لے گیا ہے حضرت ابوسلیمان نے فرمایا یہ صوفیا کے دلوں کی کمزوری ہے انہوں نے دنیا میں
لیا جس کا لے جانا ان کے دل پر غالب آگیا ـــــ تو انہوں نے بیان کیا گھر میں ڈولچی کے ہونے کو ناپسند کرنا
س کی طرف توجہ ہے جس کا سبب کمزوری اور نقصان ہے۔

سوال :۔

انبیاء کرام اور اولیاء عظام نے دنیا سے نفرت کی اور کُلی طور پر بھاگے اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب :

جس طرح وہ پانی سے بھاگے مطلب یہ کہ انہوں نے ضرورت سے زیادہ نوش نہیں فرمایا پس جو حاجت سے
ما اس سے بھاگے انہوں نے اسے مشکیزوں اور مشکوں میں جمع نہیں کیا کہ اپنے ساتھ لیے پھرتے ہوں بلکہ انہوں
ے نہروں کنوؤں اور صحراؤں میں محتاجوں کے لیے چھوڑ رکھا یہ نہیں ہوا کہ ان کے دل اس کی محبت اور بُغض
غول رہے۔

ں اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے پاس زمین کے خزانے آئے
ں نے ان کو لے کر ان کے مناسب مقام پر خرچ کیا اور ان سے بھاگے نہیں کیوں کہ ان کے نزدیک مال،
ا اور پتھر ایک جیسے تھے (۱) یہ بات منقول نہیں ہوئی کہ انہوں نے ان چیزوں سے انکار کیا ہو۔

marfat.com

اگر مال لینے سے انکار منقول ہے تو ایسے لوگوں سے منقول ہے جن کو یہ خوف تھا کہ اگر وہ لیں گے تو یہ مال ان کو د
دے گا اور ان کے دل کو قیدی بنالے گا پس وہ ان کو خواہشات کی طرف بلائے گا یہ کمزور لوگوں کا حال ہے تو ایسے
کے حق میں مال سے بُغض رکھنا اور اس سے بھاگنا کمال ہے اور یہ تمام لوگوں کا حکم ہے کیوں کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظ
کے علاوہ سب لوگ کمزور ہیں۔

پایہ نفرت ایسے شخص کے بارے میں منقول ہے جو درجۂ کمال کو پہنچا لیکن اس نے اس سے فرار کی راہ اس لیے ا
کی اور کمزور لوگوں کے مقام پر اتر آئے کہ ترکِ مال کے سلسلے میں لوگ ان کی اقتدا کریں کیوں کہ اگر وہ مال لینے میں ان کی
کریں گے تو ہلاک ہو جائیں گے جیسے سپیرا اپنی اولاد کے سامنے سانپ سے بھاگتا ہے اس لیے نہیں کہ وہ اسے پکڑ
سکتا بلکہ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ اگر وہ اسے پکڑے گا تو اس کی اولاد بھی اسے پکڑے گی جب وہ اسے دیکھیں
اور اس طرح وہ ہلاک ہو جائیں گے اور کمزوروں کی طرح چلنا انبیاء کرام اولیاء عظام اور علماء کرام کی سیرت ہے۔

اب تمہیں معلوم ہو گیا کہ کل چھ مراتب میں اور سب سے اعلیٰ رُتبہ مستغنی کا ہے پھر زاہد، اس کے بعد راضی، بعد ا
قانع اور پھر حریص ہے اور مضطر (مجبور) کے حق میں بھی زُہد، رضا اور قناعت کا تصور ہو سکتا ہے اور ان احوال کے اعت
سے اس کا درجہ بدلتا رہتا ہے اور فقیر کا لفظ ان پانچوں پر بولا جاتا ہے جہاں تک مستغنی کو فقیر کہنے کا تعلق ہے تو اس معنی
اعتبار سے اس کی کوئی وجہ نہیں بلکہ اگر اسے فقیر کہیں تو کسی دوسری وجہ سے کہیں گے اور وہ اس کی یہ معرفت ہے کہ وہ ا
تمام امور میں عموماً اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اور خاص طور پر مال سے استغناء کے بقا کے لیے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے پس اس
فقیر کہنا اسی طرح ہے جیسے وہ شخص اپنے بندہ ہونے کو پہچان لے اور اس کا اقرار کرے تو غافل لوگوں کی بنسبت ایسا
بندہ کہلانے کا زیادہ مستحق ہے اگرچہ بندہ کا لفظ تمام مخلوق کے لیے عام ہے اسی طرح لفظ فقیر بھی عام ہے اور جو شخص
بات کو جان لیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے وہ لفظ فقیر کا زیادہ مستحق ہے لہٰذا فقیر کا لفظ ان دونوں معنوں کے
مشترک ہے۔

جب تمہیں اس اشتراک کی سمجھ آگئی تو تم نے سمجھ لیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دو ارشاد

اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ۔ (۱) (یا اللہ) میں فقر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اور ارشاد فرمایا۔

كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا۔ (۲) قریب ہے کہ فقر، کفر ہو جائے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۰۵ مرویات ابی ہریرہ

(۲) کنز العمال جلد ۶ ص ۴۹۲ حدیث ۱۶۶۸۲

marfat.com

آپ کے اس ارشاد کے خلاف نہیں ہیں۔

اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا۔ (۱)

یا اللہ! مجھے مسکین ہونے کی حالت میں زندہ رکھنا اور مسکین ہونے کی صورت میں میرا وصال ہو۔

کیوں کہ مضطر کا فقر وہ ہے جس سے وہ پناہ مانگتا ہے (پہلی دو حدیثوں میں اسی طرف اشارہ ہے) اور وہ فقر جو مسکینی، عاجزی اور اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہونا ہے اس کی آپ نے دعا مانگی ہے آپ پر اور زمین و آسمان کے ہر پسندیدہ و منتخب بندوں پر رحمت و سلام ہو۔

فصل ۲ :

فقر کی مطلق فضیلت

آیات کریمہ :

ارشاد خداوندی ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ۔ (۲)

ان فقراء مہاجرین کے لیے جو اپنے گھروں اور مال سے نکالے گئے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا۔

اُن فقراء کے لیے جن کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں روکا گیا وہ زمین میں سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

یہ کلام مدح اور تعریف کے لیے لایا گیا پھر ان کے وصف ہجرت اور رُکاوٹ سے پہلے فقر کے ساتھ موصوف ذکر کیا اور (۳) میں فقر کی تعریف پر واضح دلالت ہے۔

احادیث مبارکہ :

فقر کی تعریف میں بے شمار احادیث مروی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے پوچھا لوگوں میں سے کون بہتر ہے؟ انہوں نے عرض کیا وہ مال دار شخص جو اپنی جان اور مال میں سے اللہ تعالیٰ کا

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۴، ابواب الزھد

(۲) قرآن مجید، سورۂ حشر آیت ۸

(۳) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۷۳

marfat.com

حق ادا کرتا ہے آپ نے فرمایا یہ شخص اچھا ہے لیکن یہ میری مراد نہیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر کون شخص سب سے اچھا ہے ؟ آپ نے فرمایا وہ فقیر جس کو اس کی جدوجہد عطا کی گئی۔ (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

اِلْقَ اللّٰہَ فَقِیْرًا وَلَا تَلْقَہٗ غَنِیًّا۔ (۲)

اللہ تعالیٰ سے فقر کی حالت میں ملاقات کرنا غنی ہونے کی صورت میں نہیں۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْفَقِیْرَ الْمُتَعَفِّفَ اَبَا الْعِیَالِ۔ (۳)

بے شک اللہ تعالیٰ اس فقیر کو پسند کرتا ہے جو عیالدار ہونے کے باوجود اپنا دامن بچاتا ہے۔

اور ایک مشہور حدیث میں ہے۔

یَدْخُلُ فُقَرَاءُ اُمَّتِیَ الْجَنَّۃَ قَبْلَ اَغْنِیَائِھَا بِخَمْسِمِائَۃِ عَامٍ۔ (۴)

میری امت کے فقراء، مالدار لوگوں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

ایک دوسری حدیث میں بِاَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا (۵) کے الفاظ ہیں یعنی چالیس سال پہلے ـــــ تو اس سے مراد یہ ہے کہ فقیر حریص، غنی حریص سے پہلے جائے گا اور فقیر زاہد، غنی رغبت کرنے والے کی نسبت پانچ سو سال پہلے جائے گا۔

اور ہم نے جو فقر کے درجات کا اختلاف ذکر کیا ہے اس سے تمہیں فقراء کے درمیان درجات کے تفاوت کی پہچان ہو جائے گی۔ اور حریص فقیر، زاہد فقیر سے ساڑھے بارہ درجوں پر ہے کیوں کہ چالیس کی پانچ سو سے یہی نسبت ہے اور تمہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ یہ مقدار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر اتفاقاً جاری ہو گئی بلکہ آپ تو حقیقت حق کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں کیوں کہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ (۵)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی سے گفتگو نہیں کرتے بلکہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے

---

(۱)

(۲) کنز العمال جلد ۶ ص ۳۸، ۳۸ حدیث ۱۶۱۸۳

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۶۲ مرویات عیاض بن حمار

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۹۶ مرویات ابی ہریرہ

(۵) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۱۲۶ کتاب التوبہ (۶) قرآن مجید سورہ النجم آیت ۳، ۴

marfat.com

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
اَلرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ جُزْءٌ مِنْ سِتَّۃٍ وَّاَرْبَعِیْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّۃِ۔ (۱)
اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

تو آپ کا یہ ارشاد گرامی تقدیر تحقیقی ہے لیکن کسی دوسرے شخص کو یہ طاقت نہیں کہ اس نسبت کی علت محض اندازے سے جان سکے۔ اور تحقیق تو ہو نہیں سکتی کیوں کہ یہ بات معلوم ہے کہ نبوت ایسے وصف کا نام ہے جو نبی کے لیے مخصوص ہے اور اسی کی وجہ سے وہ دوسرے لوگوں سے ممتاز ہیں۔ اور نبی میں بے شمار خواص ہوتے ہیں۔

نبی کے خواص

پہلی خاصیت :۔

اللہ تعالیٰ، اس کی صفات، ملائکہ اور آخرت سے متعلق امور کے حقائق کو جس طرح نبی جانتا ہے کوئی دوسرا نہیں جان سکتا بلکہ معلومات کی کثرت اور یقین، تحقیق اور کشف کی زیادتی کی وجہ سے نبی کا علم دوسروں کے علم سے مختلف ہوتا ہے۔

دوسری خاصیت :۔

نبی کی ذات میں ایسی صفت رکھی گئی ہے جس کے ذریعے وہ امور مکمل ہوتے ہیں جو عادت کے خلاف ہیں جیسے ہمارے پاس صفت ہے جس کے ذریعے وہ حرکات پوری ہوتی ہیں جو ہمارے ارادے اور اختیار سے ملی ہوئی ہیں اور وہ صفتِ قدرت ہے اگرچہ قدرت اور مقدور دونوں اللہ تعالیٰ کے افعال سے ہیں۔

تیسری خاصیت :۔

نبی کو ایک ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ فرشتوں کو دیکھتا اور ان کا مشاہدہ کرتا ہے جس طرح بینائی والے کے پاس ایک صفت ہے جس کے ذریعے وہ نابینا آدمی سے جدا ہوتا ہے اور اس صفت کے ذریعے دیکھی جانے والی چیزوں کو دیکھتا ہے۔

چوتھی خاصیت :

نبی کو ایک ایسی صفت عطا ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ غیب کی باتوں کو جان لیتا ہے بیداری کی حالت میں یا خواب میں، کیوں کہ اس صفت کے ذریعے انبیاء کرام لوح محفوظ کو دیکھتے ہیں اور اس میں جو غیب ہے اس کو دیکھ لیتے ہیں۔

تو یہ وہ کمالات و صفات ہیں جن کا ثبوت انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے ظاہر ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ان میں سے

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳۵، کتاب التعبیر

marfat.com

ہر ایک کئی قسموں میں تقسیم ہوتا ہے اور ہمارے لیے یہ بھی ممکن ہے کہ ہم ان کو چالیس یا پچاس یا ساٹھ اقسام میں تقسیم کریں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چھیالیس اقسام میں تقسیم کر دیں کہ سچا خواب ان تمام کے مجموعہ کا ایک جزو بن سکے۔ لیکن ان ممکنہ تقسیمات کے طریقوں میں سے کسی ایک طریقے کا تعین محض اندازے سے ہی ہو سکتا ہے حقیقتاً ہم نہیں جان سکتے کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کا ارادہ کیا ہے یا نہیں اور جو کچھ معلوم ہے وہ ان صفات کا مجموعہ ہے جن کے ساتھ نبوت کی تکمیل ہوتی ہے اور ان کی تقسیم کی اصل بھی معلوم ہے لیکن مقرر کرنے کی علت معلوم نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح ہم جانتے ہیں کہ فقراء کے بھی کئی درجات ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے لیکن یہ بات کہ یہ حریص فقیر مثلاً زاہد فقیر سے بارہویں درجہ پر ہو گا حتی کہ اسے جنت میں جانے کے لیے صرف چالیس سال کی تقدیم حاصل ہو گی اور دوسرا پانچ سو سال پہلے جانے کا مستحق ہو گا تو یہ بات انسانی طاقت سے باہر کہ اس کے بارے میں اپنے اندازے سے کچھ کہے ہاں انبیاء کرام مستثنیٰ ہیں اور وثوق سے تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ مقصود تو یہ ہے کہ اس قسم کے امور میں مقدار مقرر کرنے کے طریقے پر تنبیہ ہو کیوں کہ کمزور ایمان والا آدمی بعض اوقات گمان کرتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ بات اتفاقی طور پر جاری ہوئی ہے جب کہ منصب نبوت اس سے پاک ہے۔

اب ہم احادیثِ مبارکہ کی طرف رجوع کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خَيْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ فُقَرَاءُهَا وَاَسْرَعُهَا تَضَجُّعًا فِي الْجَنَّةِ ضُعَفَاءُهَا۔ (۱)

اس امت کے بہترین لوگ، فقراء ہیں اور ان میں سے کمزور لوگ جنت میں سب سے جلدی بچھونا پائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ لِيْ حِرْفَتَيْنِ اثْنَتَيْنِ فَمَنْ اَحَبَّهُمَا فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِيْ اَلْفَقْرُ وَالْجِهَادُ (۲)

بے شک میرے دو پیشے ہیں پس جس نے ان کو پسند کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان کو ناپسند کیا اس نے مجھ سے بُغض رکھا ایک فقر ہے اور دوسرا جہاد۔

ایک روایت میں ہے حضرت جبریل علیہ السلام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کیا آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ میں ان پہاڑوں کو سونا بنا دوں اور یہ آپ کے ساتھ رہیں آپ جہاں بھی جائیں؛ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر سر جھکائے رہے پھر فرمایا۔

---

(۱)

(۲) الاحادیث الضعیفۃ الموضوعۃ جلد ۲ ص ۴۰ حدیث ۵۶۶

marfat.com

يَا جِبْرِيْلُ اِنَّ الدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَا دَارَ لَهُ وَمَالُ مَنْ لَا مَالَ لَهُ وَلَهَا يَجْمَعُ مَنْ لَا عَقْلَ لَهُ۔

اے جبریل! دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو اور اسے وہی جمع کرتا ہے جو عقلمند نہ ہو۔

* * *

حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ آپ کو قولِ ثابت پر قائم رکھے (۱)

ایک روایت میں ہے حضرت جبریل علیہ السلام اپنی سیاحت کے دوران ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرے جو اپنے چادر لپیٹ کر سو رہا تھا آپ نے اسے جگایا اور فرمایا اے سونے والے! اٹھو اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اس نے کہا آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں میں نے دنیا، دنیا داروں کے لیے چھوڑ دی ہے آپ نے فرمایا اے میرے دوست! اگر یہ بات ہے تو سو جاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو مٹی پر سویا ہوا تھا اور اس کے سر کے نیچے اینٹ تھی اس کا چہرہ اور داڑھی گرد آلود ہو چکی تھی اور اس نے ایک چادر کا تہبند باندھ رکھا تھا آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے میرے رب! تیرا یہ بندہ دنیا میں ضائع ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی اے موسیٰ علیہ السلام! جب میں اپنے بندے کی طرف مکمل طور پر نظر کرتا ہوں تو اس سے تمام دنیا کو لپیٹ دیتا ہوں۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آیا تو آپ کے پاس اس وقت اس کی مہمان نوازی کے لیے کچھ نہ تھا آپ نے مجھے خیبر کے ایک یہودی کے پاس بھیجا اور فرمایا اس سے کہنا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں رجب کے چاند تک مجھے آٹا قرض دو یا بیچو فرماتے ہیں میں اس کے پاس گیا تو اس نے کہا اللہ کی قسم! جب تک آپ کوئی چیز رہن نہیں رکھیں گے میں آٹا نہیں دوں گا حضرت ابو رافع فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تو آپ نے فرمایا۔

اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَمِيْنٌ فِيْ اَهْلِ السَّمَاءِ اَمِيْنٌ فِيْ اَهْلِ الْاَرْضِ وَلَوْ بَاعَنِيْ اَوْ اَسْلَفَنِيْ لَاَدَّيْتُ اِلَيْهِ اِذْهَبْ بِدِرْعِيْ هٰذَا اِلَيْهِ فَاَدِّهٖ۔ (۲)

سنو! اللہ کی قسم میں آسمان والوں میں امین ہوں اور زمین والوں میں امین ہوں اگر وہ مجھ پر بیچتا یا مجھے ادھار دیتا تو میں اسے ادا کر دیتا میری یہ زرہ لے جاؤ اور اس کے پاس رہن رکھو۔

حضرت ابو رافع فرماتے ہیں جب میں باہر نکلا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۵۴ مرویات ابو امامہ

(۲) مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۱۱ حدیث ۱۴۰۹۲

marfat.com

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ (۱)

اور اے سننے والے اپنی آنکھیں نہ پھیلا اس کی طرف جو ہم نے کافروں کے جوڑے کو برتنے کے لیے دی ہے (یعنی) دنیوی زندگی کی تازگی۔

یہ آیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے تسلی دینا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْفَقْرُ اَزْيَنُ بِالْمُؤْمِنِ مِنَ الْعِذَارِ الْحَسَنِ عَلَى خَدِّ الْفَرَسِ۔ (۲)

فقر مومن کے لیے گھوڑے کے منہ پر موجود عمدہ بالوں سے زیادہ زینت والا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمْ مُعَافًى فِي جَسَدِهِ آمِنًا فِي سِرْبِهِ عِنْدَهُ قُوْتُ يَوْمِهِ فَكَاَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا بِحَذَافِيْرِهَا۔ (۳)

جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اسے جسمانی صحت حاصل ہو اس کا نفس مامون ہو محفوظ ہو اس کے پاس ایک دن کا رزق ہو گویا اس کے لیے تمام دنیا جمع کر دی گئی۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اے موسیٰ! جب فقر کو آتے ہوئے دیکھیں تو کہیں مسلمانوں کی نشانی کا آنا مبارک ہو۔

حضرت عطاء خراسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک نبی ایک ساحل سے گزرے تو دیکھا کہ وہاں ایک شخص مچھلیوں کا شکار کر رہا ہے اس نے بسم اللہ پڑھ کر جال پھینکا تو کوئی چیز نہ نکلی پھر ایک دوسرے شخص کے پاس سے گزر ہوا اس نے کہا شیطان کے نام سے اور جال ڈالا تو اتنی زیادہ مچھلیاں نکلیں کہ وہ ان کو پکڑنے سے پہلو تہی کرنے لگا۔ نبی علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب یہ کیا ہے؟ میں تو یہ جانتا ہوں کہ سب کچھ تیرے قبضے میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا میرے اس بندے کے سامنے ان دونوں کا مرتبہ واضح کرو جب انہوں نے دیکھا کہ اس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ نے کیا عزت تیار کی ہے اور اس کے لیے جو ذلت رکھی ہے تو عرض کیا اے میرے رب! میں راضی ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے جنت میں جھانکا تو وہاں کے زیادہ لوگ فقراء تھے اور جہنم میں جھانک کر دیکھا تو وہاں کے اکثریت مال دار لوگوں اور عورتوں کی نظر آئی۔ (۴)

---

(۱) قرآن مجید، سورہ طٰہٰ آیت ۱۳۱

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۷، ص ۲۹۵ حدیث ۷۱۸۱

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۵، ابواب الزھد

(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۵۵ کتاب الرقاق / الترغیب والترھیب جلد ۴ ص ۱۸۳ کتاب التوبۃ

marfat.com

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں ۔۔ میں نے پوچھا مالدار کہاں ہیں ؟ تو کہا گیا ان کو مالداری نے روک رکھا ہے (۱)
ایک دوسری روایت میں کہ میں نے جہنم کی اکثریت عورتوں کو دیکھا میں نے پوچھا ان کو کیا ہوا؟ کہا گیا ان کو دو سرخ چیزوں یعنی سونے اور زعفران نے روک رکھا ہے۔ (۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ فِي الدُّنْيَا الْفَقْرُ۔ (۳) دنیا میں مومن کا تحفہ فقر ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے سب سے آخر میں جنت میں جانے والے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام ہوں گے کیوں کہ آپ بادشاہ تھے اور صحابہ کرام میں سے سب سے آخر میں جنت میں جانے والے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہوں گے کیوں کہ آپ غنی تھے۔ (۴)

ایک دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا میں نے ان کو دیکھا جنت میں آہستہ آہستہ چل کر جا رہے ہیں۔ (۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں مالدار آدمی جنت میں بڑی شدت کے ساتھ داخل ہوگا۔

اہل بیت سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا ابْتَلَاهُ فَإِذَا أَحَبَّهُ الْحُبَّ الْبَالِغَ اقْتَنَاهُ، قِيلَ وَمَا اقْتَنَاهُ قَالَ لَمْ يُتْرِكْ لَهُ أَهْلًا وَلَا مَالًا۔ (۶)

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے آزمائش میں ڈال دیتا ہے اور جب اسے زیادہ پسند کرتا ہے تو اسے چھانٹ لیتا ہے پوچھا گیا اقتناء (چھانٹنا) کیا ہے فرمایا اس کے لیے اہل اور مال نہیں چھوڑتا (۶)

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

إِذَا رَأَيْتَ الْفَقْرَ مُقْبِلًا فَقُلْ مَرْحَبًا بِشِعَارِ الصَّالِحِينَ وَإِذَا رَأَيْتَ الْغِنَى مُقْبِلًا فَقُلْ ذَنْبٌ عُجِّلَتْ عُقُوبَتُهُ۔ (۷)

جب تم فقر کو اپنی طرف متوجہ دیکھو تو کہو نیک لوگوں کی نشانی! مبارک ہو اور جب مالداری کو آتے ہوئے دیکھو تو کہو یہ کسی گناہ کی جلدی ملنے والی سزا ہے۔

---

(۱) (۲)

(۳) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۲ ص ۷۰ حدیث ۲۳۹۹

(۴) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۵ ص ۵۰۷ حدیث ۸۹۰۹

(۵) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۳۱۱ کتاب معرفۃ الصحابۃ

(۶) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۰۰، ۱۰۱ حدیث ۳۰۷۹۳ (۷)

marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اے میرے رب! تجھے مخلوق میں سے کون زیادہ پسند ہے تاکہ تیری وجہ سے میں بھی اس سے محبت کروں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر فقیر فقیر۔ ممکن ہے دوسری مرتبہ لفظ فقیر کا استعمال تاکید کے لیے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ سخت مصیبت والا مراد ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں مسکینی کو پسند کرتا ہوں اور دولت کو برا جانتا ہوں اور آپ کو تمام ناموں میں سے لفظ مسکین زیادہ پسند تھا کہ اس سے آپ کو پکارا جائے (اے مسکین)

جب عرب کے سرداروں اور مالدار لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک دن ہمارے لیے مقرر فرمائیں اور ایک دن ان (اصحاب صفہ) کے لیے مقرر فرمائیں جب وہ آپ کے پاس آئیں تو ہم نہ آئیں اور جب ہم آئیں تو آئیں انہوں نے حضرت بلال، حضرت سلمان فارسی، حضرت صہیب رومی، حضرت ابوذر غفاری، خباب بن ارث، حضرت عمار بن یاسر حضرت ابوہریرہ اور دیگر اصحاب صفہ (رضی اللہ عنہم) جو فقیر تھے ان کے بارے میں کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات مان لی ان (کفار مکہ) نے آپ سے یہ مطالبہ اس لیے کیا تھا کہ ان کو ان (فقرا صحابہ کرام) کے کپڑوں سے بو آتی تھی اور ان کا لباس اونی تھا اور سخت گرمی تھی جب ان کو پسینہ آتا تو اس کی بو پھیلتی جو مالدار لوگوں پر گراں گزرتی ان (سرداروں اور مالدار لوگوں) میں اقرع بن حابس تمیمی، عیینہ بن حصن فزاری عباس بن مرداس سلمی اور کچھ دوسرے لوگ شامل تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے میں ان کو تمہارے ساتھ اکٹھا نہیں کروں گا۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا۔ (۱)

اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روک رکھیں جو صبح شام اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور صرف اسی کی رضا کے طالب ہیں اور ان (فقرا) سے اپنی نگاہیں نہ پھیریں یہ مالدار لوگ تو دنیوی زندگی کی زینت چاہتے ہیں اور آپ اس کی بات نہ مانیں جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا۔ (۲)

اور ارشاد فرمایا۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (۳)

اور آپ فرما دیجئے حق میرے رب کی طرف سے ہے پس جس کا دل چاہے ایمان لائے اور جس کا دل چاہے کفر کرے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۲۸

(۲) حلیۃ الاولیاء جلد اوّل ص ۲۴۵ ترجمہ ۴۶

(۳) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۲۹

marfat.com

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوی میں حاضری کی اجازت طلب کی اس وقت آپ کے پاس عرب کے کچھ معزز افراد بیٹھے ہوئے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا آنا ناگوار گزرا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰٓی اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی۔ (۱)

تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا کہ ان کے پاس نابینا آیا اور آپ کو کیا معلوم ہو کہ شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا یا نصیحت حاصل کرے تو اسے نصیحت فائدہ دے لیکن جس نے بے نیازی اختیار کی آپ اس کی فکر میں ہیں۔ (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قیامت کے دن ایک بندے کو لایا جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح معذرت کرے گا جس طرح دنیا میں لوگ ایک دوسرے سے معذرت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں نے تجھ سے دنیا اس لیے روک کر نہیں رکھی کہ تو میرے نزدیک ذلیل تھا بلکہ میں نے تمہارے لیے عزت اور فضیلت تیار کر رکھی ہے اے میرے بندے تو ان صفوں میں جا کر پہچان جس نے تجھے میری رضا کے لیے کھانا دیا جس نے میری رضا جوئی کے لیے تجھے لباس پہنایا تو اس کا ہاتھ پکڑ میں نے تجھے اس کا اختیار دیا اور اس دن لوگوں کو پسینے نے لگام ڈال رکھی ہو گی وہ صفوں میں جا کر ان لوگوں کو تلاش کرے گا جنہوں نے اس کے ساتھ یہ اچھا سلوک کیا پھر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے جنت میں لے جائے گا۔ (۳)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فقراء کی پہچان زیادہ رکھو اور ان کے ہاں سے نعمت حاصل کرو کیوں کہ ان کے پاس دولت ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کی دولت کیا ہے؟ فرمایا جب قیامت کا دن ہو گا تو ان سے کہا جائے گا تلاش کرو کس نے تمہیں کھانا کھلایا یا پانی پلایا تمہیں لباس پہنایا ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں جنت میں لے جاؤ۔ (۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اپنے آگے حرکت سنی میں نے دیکھا تو وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے میں نے جنت کے بالائی حصے کی طرف دیکھا تو وہاں میری امت کے فقراء اور ان کی اولاد تھی پھر میں نے اس کی نچلی جانب دیکھا تو اس میں مالدار

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ عبس آیت ۱ تا ۵

(۲) جامع ترمذی ص ۱۸۴، ابواب التفسیر

(۳) کنز العمال جلد ۶ ص ۴۷۸ حدیث ۱۶۶۳۰

(۴) کنز العمال جلد ۶ ص ۴۶۸ / ۱۶۵۸۲ / لعلل المتناہیہ جلد ۲ ص ۲۵ حدیث ۸۵۴

marfat.com

لوگ اور عورتیں تھیں اور وہ بھی کم تعداد میں تھے میں نے عرض کیا اے میرے رب! ان کو کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے تو ان کو دو سرخ چیزوں نے نقصان پہنچایا ایک سونا اور دوسرا ریشمی کپڑا اور مال دار لوگوں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے حساب وکتاب میں مشغول ہوتے ہیں نے اپنے صحابہ کرام کو تلاش کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو نہ پایا پھر وہ میرے پاس تشریف لائے اور وہ رو رہے تھے میں نے پوچھا آپ مجھ سے پیچھے کیسے رہ گئے؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! اللہ کی قسم میں آپ تک اس وقت تک نہ پہنچ سکا جب تک بوڑھا کر دینے والے راستے طے نہ کر لیے اور میں نے سوچا کہ شاید آپ کو نہ دیکھ سکوں آپ نے پوچھا کیوں؟ عرض کیا میرے مال کا حساب ہو رہا تھا۔ (۱)

تو دیکھئے یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت بڑی سبقت حاصل ہے اور آپ ان دس صحابہ کرام میں سے ہیں جن کو دنیا میں ہی جنت کی خوشخبری دی گئی اور وہ ان مالدار لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (۲)

اِلَّا مَنْ قَالَ بِالْمَالِ هٰكَذَا وَهٰكَذَا - (۳) مگر جو اس طرح اس طرح مال دے۔

لیکن اس شان کے باوجود ان کو اس حد تک مال داری کا نقصان ہوا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک فقیر آدمی کے پاس تشریف لے گئے تو اس کے لیے کچھ نہ دیکھا تو فرمایا۔

لَوْ قُسِمَ نُوْرُ هٰذَا عَلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ لَوَسِعَهُمْ۔ (۴) اگر اس کا نور زمین والوں میں تقسیم کیا جائے تو سب کو کافی ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں جنتیوں کے بادشاہوں کی خبر نہ دوں صحابہ کرام نے عرض کیا ہاں کیوں نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا۔

كُلُّ ضَعِيْفٍ مُتَضَعَّفٍ اَغْبَرَ اَشْعَثَ ذِيْ طِمْرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهٗ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ۔ (۴) ہر وہ کمزور جسے دبا دیا گیا جس کے چہرے پر گرد وغبار ہو اور بال بکھرے ہوئے ہوں اور اس کی پرواہ نہ کی جاتی ہو اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھائے تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دے۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۵۹ کتاب المناقب

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۸۲ کتاب السنۃ

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۸۲ کتاب الایمان والنذور (۴)

(۴) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۱۴۶ کتاب التوبہ

marfat.com

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے بارگاہ نبوی میں ایک مقام حاصل تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ے عمران! تمہیں ہمارے ہاں ایک مقام و مرتبہ حاصل ہے کیا تم حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی عیادت
ے لیے جاؤ گے؟ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں پھر حضور کھڑے ہوئے
یں بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہوا حتی کہ آپ حضرت خاتون جنت کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا اور فرمایا
سلام علیکم آادخل؟ (کیا میں اندر آسکتا ہوں) انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ تشریف لائیے آپ نے فرمایا اور جو کوئی میرے
ہ بھی؟ خاتون جنت نے پوچھا آپ کے ساتھ کون ہے یارسول اللہ! فرمایا حضرت عمران ہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا
عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا میرے اوپر تو صرف ایک کمبل ہے آپ نے اشارے سے
ا کہ اس طرح کرو انہوں نے عرض کیا اس طرح میں اپنا جسم تو چھپا لوں گی سر کو کس طرح ڈھانپوں گی؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
ے اوپر ایک پرانی چادر تھی آپ نے ان کی طرف ڈال دی اور فرمایا اس کو سر پر لپیٹ لو پھر حضرت خاتون جنت نے اجازت دی
آپ داخل ہوئے سلام کرنے کے بعد فرمایا بیٹی! تم کیسی ہو؟ انہوں نے عرض کیا قسم بخدا! درد میں مبتلا رہی اور اس کے ساتھ
یں اضافہ ہوا کہ میرے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں مجھے بھوک نے تکلیف پہنچائی ہے۔

(یہ سن کر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے اور فرمایا بیٹی! مت گھبراؤ اللہ کی قسم میں نے تین دن سے کھانا نہیں چکھا
گر میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تم سے زیادہ معزز ہوں اگر میں اللہ تعالیٰ سے مانگتا تو وہ مجھے ضرور عطا کرتا لیکن میں نے آخرت کو دنیا
ر ترجیح دی ہے۔

پھر آپ نے ان کے کاندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا تمہیں خوشخبری ہو اللہ کی قسم تم جنتی عورتوں کی سردار ہو انہوں نے پوچھا فرعون
زوجہ حضرت آسیہ کا کیا ہوگا حضرت مریم بنت عمران کا کیا حال ہوگا! آپ نے فرمایا حضرت آسیہ اپنے زمانے کی عورتوں کی اور
رت مریم اپنے دور کی عورتوں کی سردار ہوں گی اور تم تمام جہان کی عورتوں کی سردار ہوگی تم سب ایسے گھروں میں ہوں گی جہاں
ی شور اور تھکاوٹ نہ ہوگی پھر فرمایا اپنے چچا زاد پر قناعت کرو اللہ کی قسم میں نے تمہارا نکاح ایسے شخص سے کیا جو دنیا
ر آخرت کا سردار ہے (۱)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إِذَا أَبْغَضَ النَّاسُ فُقَرَاءَهُمْ وَأَظْهَرُوا عِمَارَةَ الدُّنْيَا	جب لوگ اپنے فقراء کو برا جانیں گے اور دنیا کی تعمیر کو ظاہر کریں
وَتَكَابَرُوا عَلَى جَمْعِ الدَّرَاهِمِ رَمَاهُمُ اللهُ بِأَرْبَعِ خِصَالٍ	گے نیز درہم جمع کرنے کی حرص کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو
بِالْقَحْطِ مِنَ الزَّمَانِ وَالْجَوْرِ مِنَ السُّلْطَانِ وَالْخِيَانَةِ	چار باتوں میں مبتلا کر دے گا ایک زمانے کا قحط دوسرا بادشاہ
مِنْ وُلَاةِ الْأَحْكَامِ وَالشُّوكَةِ مِنَ الْأَعْدَاءِ۔ (۱)	کا ظلم، تیسرا والیانِ حکام کی خیانت اور چوتھا دشمن کا غلبہ اور قوت۔

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۲۵

marfat.com

آثار :

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا دو درہموں والے کی قید سخت ہوگی یا فرمایا اس کا حساب ایک درہم والے سے زیادہ سخت ہوگا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کی طرف ایک ہزار دینار بھیجے تو وہ غمگین اور شکستہ دل گھر میں آئے ان کی بیوی نے پوچھا کوئی نئی بات پیدا ہوگئی؟ انہوں نے فرمایا اس سے بھی بڑھ کر ہے پھر فرمایا اپنا پرانا دوپٹہ مجھے دو چنانچہ انہوں نے اسے لے کر پھاڑا اور تھیلیاں بنائیں اور درہم تقسیم کر دیئے پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے اور صبح تک روتے رہے اس کے بعد فرمایا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا

يَدْخُلُ فُقَرَاءُ أُمَّتِي الْجَنَّةَ قَبْلَ الْأَغْنِيَاءِ بِخَمْسِمِائَةِ عَامٍ حَتَّى أَنَّ الرَّجُلَ مِنَ الْأَغْنِيَاءِ يَدْخُلُ فِي عِمَارِهِمْ فَيُؤْخَذُ بِيَدِهِ فَيُسْتَخْرَجُ۔ (۱)

میری امت کے فقراء مال دار لوگوں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے یہاں تک کہ مال دار لوگوں میں سے ایک شخص ان کی جماعت میں گھس آئے گا تو اسے پکڑ کر نکال دیا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تین (قسم کے) آدمی جنت میں کسی حساب کے بغیر جائیں گے ایک وہ شخص جو اپنا کپڑا دھونا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس کوئی پرانا کپڑا نہیں جسے پہنے دوسرا وہ شخص جس نے اپنے چولہے پر دو ہنڈیاں نہ چڑھا ہوں اور تیسرا وہ شخص جو پانی مانگے تو یہ نہ کہا جائے کہ کونسا پانی مانگ رہا ہے (مطلب یہ ہے کہ زندگی میں تکلف نہ ہو۔)

ایک فقیر حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کی مجلس میں آیا تو آپ نے فرمایا قریب آؤ اگر تم مال دار آدمی ہوتے تو میں تمہیں قریب نہ کرتا اور ان کے مال دار دوست پسند کرتے تھے کہ وہ فقیر ہوتے کیوں کہ آپ فقیروں کو زیادہ قریب کرتے اور مالداروں کی طرف (زیادہ) توجہ نہ دیتے۔

حضرت مؤمل فرماتے ہیں میں نے حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کی مجلس میں مال دار لوگوں سے زیادہ ذلیل اور فقراء سے زیادہ کسی کو معزز نہیں دیکھا۔ کسی دانا نے فرمایا اگر آدمی بیچارہ جہنم سے اس قدر ڈرتا جس قدر وہ فقر سے ڈرتا ہے تو ان دونوں سے نجات پاتا اور اگر جنت میں اس طرح رغبت رکھتا جس طرح مالداری میں رغبت رکھتا ہے تو دونوں کے ساتھ کامیابی حاصل کرتا اور اگر باطنی طور پر اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرتا جس قدر ظاہر میں اس کی مخلوق سے ڈرتا ہے تو دونوں جہانوں میں سعادتمند ہوتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ شخص لعنت کا مستحق ہے جو مال دار کی عزت کرتا اور فقیر کی توہین کرتا ہے (یعنی مالداری اور غربت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے ورنہ مالدار کی نیکی کی وجہ سے اس کی عزت کرنا اور فقیر کی برائی کی وجہ سے

---

(۱) کنز العمال جلد ۶ ص ۷۷ حدیث ۱۶۶۲۵

marfat.com

ی سے نفرت کرنا جائز ہے ۱۲ ہزاروی)

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے فرمایا کسی شخص کو اس کے پرانے کپڑوں کی وجہ سے ہرگز حقیر نہ جاننا کیوں کہ تمہارا اور اس کا رب ایک ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ نے فرمایا اگر تم فقراء سے محبت کرو تو انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت ہے اور اپنی مجلس میں کو ترجیح دو تو یہ صالحین کا طریقہ ہے اور ان کی صحبت سے بھاگنا منافقین کا طریقہ ہے۔

اور پہلی کتب سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ آپ اس بات سے ڈریں ں آپ پر ناراض ہو جاؤں اور تجھ میری نگاہوں سے گر جائیں پھر میں آپ پر دنیا مکمل طور پر انڈیل دوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک دن میں ایک لاکھ درہم تقسیم کر دیتی تھیں اور یہ درہم آپ کے پاس حضرت معاویہ حضرت عامر اور دوسرے حضرات رضی اللہ عنہم بھیجا کرتے تھے اور آپ کے دوپٹے پر پیوند لگے ہوتے تھے آپ کی لونڈی عرض یا کہ اگر آپ افطاری کے لیے ایک درہم کا گوشت خرید تیں تو اچھا ہوتا اور آپ نے روزہ رکھا ہوتا تو آپ فرماتیں اگر تم مجھے ہ یاد دلاتیں تو میں ایسا کرتی۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ ——

اِنْ اَرَدْتِ اللُّحُوْقَ بِیْ فَعَلَیْكِ بِعَیْشِ الْفُقَرَاءِ وَاِیَّاكِ وَمُجَالَسَةَ الْاَغْنِیَاءِ وَلَا تَنْزِعِیْ دِثَارًا حَتّٰی تُرَقِّعِیْهِ۔ (۱)	اگر تم میرے ساتھ ملنا چاہتی ہو تو فقراء جیسی زندگی گزارنا ہوگی، مالدار لوگوں کی مجالس سے بچنا ہوگا اور اس وقت چادر نہ اتارنا جب تک اس پر پیوند نہ لگاؤ۔

رفضول خرچی سے منع فرمایا آج ہماری صورت حال یہ ہے کہ گھر میں کپڑوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں لیکن پھر بھی نیا کپڑا خریدنا بھا جاتا ہے کیوں کہ بازار میں نئی ورائٹی آئی ہے ۱۲ ہزاروی)

ایک شخص حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کے پاس دس ہزار درہم لے کر حاضر ہوا تو آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اس نے بہت منت سماجت کی تو آپ نے فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ میں دس ہزار درہم کے بدلے میں اپنا نام فقراء کے رجسٹر کال دوں میں ایسا کبھی بھی نہیں کروں گا۔

فصل ۳:

خاص فقراء، راضی، قانع اور صادق کی فضیلت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۱۲ کتاب الرقاق

marfat.com

طُوبٰی لِمَنْ هُدِیَ اِلَی الْاِسْلَامِ وَکَانَ عَیْشُهٗ کَفَافًا وَقَنَعَ بِهٖ۔

(۱)

اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس کی اسلام کی طرف راہنمائی کی گئی اور اسے پورا پورا رزق دیا گیا اور وہ اس پر قناعت کرتا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یَا مَعْشَرَ الْفُقَرَاءِ اَعْطُوا اللّٰهَ الرِّضَا مِنْ قُلُوْبِکُمْ تَظْفَرُوْا بِثَوَابِ فَقْرِکُمْ وَاِلَّا لَا (۲)

اے فقراء کی جماعت! اپنے دلوں سے اللہ تعالیٰ سے راضی رہو گے تو اپنے فقر کا ثواب پاؤ گے ورنہ نہیں۔

تو پہلی حدیث میں قانع (فقیر) کا ذکر تھا اور اس میں راضی کا ذکر ہے اور اس حدیث کے معانی سے معلوم ہوتا ہے حریص فقیر کو اس کے فقر کا ثواب نہیں ملے گا لیکن فقر کی فضیلت میں وارد عام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کے لیے بھی ثواب ہے جیسے اس کی تحقیق آگے آئے گی اور شاید یہاں عدم رضا سے مراد اللہ تعالیٰ کا فعل ہو کہ اس نے سے دنیا کو روک رکھا ہے اس کی ناپسندیدگی مراد ہو۔ اور کئی لوگ جو مال میں رغبت رکھتے ہیں کہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے فعل پر کسی قسم کا اعتراض یا نفرت کا خیال نہیں آتا۔ پس یہ ناپسندیدگی فقر کے ثواب کو ضائع کرتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا آپ نے فرمایا۔

اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ مِفْتَاحًا وَمِفْتَاحُ الْجَنَّةِ حُبُّ الْمَسَاکِیْنِ وَالْفُقَرَاءِ یَعْبُرُهُمْ هُمْ جُلَسَاءُ اللّٰهِ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (۳)

بے شک ہر چیز کی ایک چابی ہوتی ہے اور جنت کی چابی مساکین اور فقراء سے محبت کرنا ہے کیوں کہ وہ صبر کرتے ہیں اور وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہوں گے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

اَحَبُّ الْعِبَادِ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی الْفَقِیْرُ الْقَانِعُ بِرِزْقِهِ الرَّاضِیْ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰی۔

(۴)

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں میں سے سب سے زیادہ محبوب وہ فقیر ہے جو اپنے رزق پر قناعت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے راضی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۹ مرویات فضالہ بن عبید انصاری

(۲) کنز العمال جلد ۶ ص ۴۸۵ حدیث ۱۶۶۵۵

(۳) کنز العمال جلد ۶ ص ۶۹ ۴ حدیث ۱۶۵۸

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۶۲ مرویات عیاض بن حمار

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ قُوْتَ آلِ مُحَمَّدٍ کَفَافًا۔ (۱)

اے اللہ! آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا پورا رزق عطا فرما۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

مَا مِنْ اَحَدٍ غَنِیٍّ وَلَا فَقِیْرٍ اِلَّا وَدَّ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَنَّہٗ کَانَ اُوْتِیَ قُوْتًا فِی الدُّنْیَا۔

کوئی مالدار اور فقیر ایسا نہیں جو قیامت کے دن اس بات کو پسند نہ کرے کہ کاش اسے دنیا میں گزارے کے مطابق رزق دیا جاتا۔ (۲)

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ مجھے شکستہ دل لوگوں میں تلاش کریں انہوں نے عرض کیا وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا سچے فقراء۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا اَحَدَ اَفْضَلُ مِنَ الْفَقِیْرِ اِذَا کَانَ رَاضِیًا۔ (۳)

فقیر سے افضل کوئی نہیں جب کہ وہ (فقیر) راضی ہو

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

میری مخلوق کے پسندیدہ لوگ کہاں ہیں؟ فرشتے عرض کریں گے اے ہمارے رب! وہ کون لوگ ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا مسلمان فقراء جو میری عطا پر قناعت کرتے اور میری تقدیر پر راضی ہوتے ہیں ان کو جنت میں داخل کرو پس وہ جنت میں داخل ہو کر کھائیں اور پئیں گے جب کہ دوسرے لوگ حساب میں پھنسے ہوں گے (۴)

تو یہ قانع اور راضی کے بارے میں ہے زاہد کی فضیلت اس بیان کے دوسرے حصے میں ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

رضا اور قناعت کے بارے میں آثار بے شمار ہیں اور یہ بات مخفی نہیں کہ قناعت، طمع کی ضد ہے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا طمع فقر ہے اور نا امید ہو جانا مالداری ہے اور جو شخص اس چیز سے نا امید ہو کر قناعت کرے جو لوگوں کے پاس ہے تو وہ ان سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر دن ایک فرشتہ عرش کے نیچے سے اعلان کرتا ہے اے انسان! تھوڑا جو

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۴۷ کتاب الزکوٰۃ

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۵، ابواب الزھد

(۳)

(۴) کنز العمال جلد ۶ ص ۳۷۸ حدیث ۱۶۶۳۰

marfat.com

تمہیں کافی ہے اس زیادہ سے بہتر ہے جو تمہیں سرکش بنا دے اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے فرمایا۔ ہر شخص کی عقل میں نقص ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس کے پاس دنیا زیادہ آتی ہے تو وہ خوش ہو جاتا ہے جب کہ رات اور دن اس کی عمر کو ختم کرنے میں لگے ہوئے ہیں پھر اس سے اس کو غم بھی نہیں ہوتا۔ اے انسان! افسوس وہ مال نفع نہیں دیتا جو بڑھتا ہے اور عمر کم ہو جاتی ہے۔

کسی دانا سے پوچھا گیا کہ مالداری کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا تمنا کم کرنا اور جو جتنا مال کافی ہو اس پر راضی ہونا۔

کہا گیا کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ خراسان کے مالدار لوگوں میں سے تھے ایک دن آپ اپنے محل سے دیکھ رہے تھے کہ محل کے صحن میں ایک شخص نظر آیا اس کے ہاتھ میں روٹی تھی جسے کھا رہا تھا جب کھا چکا تو سو گیا آپ نے اپنے ایک غلام سے فرمایا جب یہ شخص بیدار ہو تو اسے میرے پاس لے کر آنا جب وہ بیدار ہوا تو غلام اسے آپ کے پاس لے گیا حضرت ابراہیم ادھم رحمہ اللہ نے پوچھا اے شخص! تم نے بھوک کی حالت میں روٹی کھائی؟ اس نے عرض کیا جی ہاں آپ نے پوچھا تم سیر ہو گئے؟ اس نے جواب دیا جی ہاں فرمایا پھر تم اچھی طرح سو گئے؟ اس نے عرض کیا جی ہاں۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے اپنے آپ سے کہا میں اس دنیا کو کیا کروں گا جب کہ نفس اتنی مقدار پر قناعت کر لیتا ہے۔

ایک شخص حضرت عامر بن عبد القیس رحمہ اللہ کے پاس سے گزرا وہ نمک اور سبزی کھا رہے تھے آپ نے فرمایا اللہ کے بندے! کیا تو دنیا سے اتنی سی چیز پر راضی ہو گیا؟ اس نے کہا کیا میں آپ کو بتاؤں جو شخص اس سے زیادہ بری چیز پر راضی ہوا۔ فرمایا ہاں بتاؤ فرمایا جو آخرت کے بدلے دنیا پر راضی ہو جائے۔

حضرت محمد بن واسع رحمہ اللہ خشک روٹی نکال کر اسے پانی سے تر کرتے اور نمک کے ساتھ کھاتے اور فرماتے جو شخص دنیا میں سے اتنی مقدار پر راضی ہو وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی لیکن انہوں نے اس کی تصدیق نہ کی ارشاد خداوندی ہے۔

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ
فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ۔

اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے پس آسمانوں اور زمین کے رب کی قسم بیشک یہ حق ہے۔ (۱)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک دن لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے ایک عورت حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا آپ، ان لوگوں کے درمیان بیٹھے ہیں اللہ کی قسم گھر میں نہ کھانے کو کچھ ہے اور نہ پینے کو آپ نے فرمایا اے فلاں خاتون!

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الذاریات آیت ۲۲، ۲۳

marfat.com

ہمارے سامنے ایک دشوار گزار گھاٹی ہے اس سے وہی نجات حاصل کرے گا جو ہلکا پھلکا ہو گا چنانچہ وہ راضی ہو کر واپس ہو گئی۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے فرمایا کفر کے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو فاقہ زدہ ہو اور صبر نہ کرے۔

کسی دانا شخص سے پوچھا گیا تمہارا مال کیا ہے؟ اس نے کہا ظاہر میں زیب و زینت باطن میں میانہ روی اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے مایوسی۔

ایک روایت میں ہے کہ پہلی آسمانی کتب میں سے کسی کتاب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے انسان! اگر تمام دنیا تمہارے لیے ہوتی پھر بھی تیرے لیے کھانا ہی ہوتا تو میں نے تجھے اس سے کھانا دے دیا اور اس کا حساب دوسروں کے ذمہ کر دیا تو میں نے تم پر احسان کیا۔ قناعت کے بارے میں کہا گیا۔

اِصْنَعْ اِلَی اللّٰہِ لَا تَضْنَعْ اِلَی النَّاسِ
وَاقْنَعْ بِیَاسٍ فَاِنَّ الْعِزَّ فِی الْیَاسِ
وَاسْتَغْنِ عَنْ کُلِّ ذِیْ قُرْبٰی وَذِیْ رَحِمٍ
اِنَّ الْغِنٰی مَنِ اسْتَغْنٰی عَنِ النَّاسِ۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں فریاد کرو لوگوں کے سامنے فریاد نہ کرو اور (لوگوں سے) مایوسی پر قناعت کرو کیوں کہ عزت (لوگوں سے) مایوسی میں ہے ہر قرابت دار اور ذی رحم رشتہ دار سے مستغنی ہو جاؤ کیوں کہ مالدار وہی ہے جو لوگوں سے بے نیازی اختیار کرے۔

اسی معنیٰ میں یہ بھی کہا گیا ہے۔

یَا جَامِعًا مَا نِعًا وَالدَّهْرُ بَرٌّ مُقِّتٌ ۔۔۔ مُقَدِّرًا اَیَّ بَابٍ مِنْهُ یُغْلِقُ

اے جمع کرنے والے اور روکنے والے زمانہ تیرے تاک میں ہے وہ اس بات کا اندازہ کرتا ہے کہ اس سے کس دروازے کو بند کرے

مُفَکِّرًا کَیْفَ تَاتِیْهِ مَنِیَّتُهٗ ۔۔۔ اَغَادِیًا اَمْ بِهَا یَسْرِیْ فَتُطْرِقُهٗ

وہ اس فکر میں ہے کہ اس کے پاس موت صبح کے وقت آئے یا رات کو نازل ہو۔

جَمَعْتَ مَالًا فَقُلْ لِیْ مِمَّنْ جَمَعْتَ لَهٗ ۔۔۔ یَا جَامِعَ الْمَالِ اَیًّا مَا تُفَرِّقُهٗ

تو نے مال جمع کیا تو مجھے بتا کہ اے مال کو جمع کرنے والے اسے کب تقسیم کرے گا۔

اَلْمَالُ عِنْدَکَ مَخْزُوْنٌ لِوَارِثِهٖ ۔۔۔ مَا الْمَالُ مَالُکَ اِلَّا یَوْمَ تُنْفِقُهٗ

تیرے پاس جو مال ہے وہ وارثوں کے لیے جمع ہے تیرا مال صرف وہی ہے جسے تو خرچ کرتا ہے۔

اَرْفَقُهٗ بِمَالٍ فَتًی یَغْدُوْ عَلٰی ثِقَةٍ ۔۔۔ اَنَّ الَّذِیْ قَسَّمَ الْاَرْزَاقَ یَرْزُقُهٗ

خوش دل وہی نوجوان ہے جسے اس بات کا یقین ہو کہ "قاسم رزق" اسے رزق دے گا۔

marfat.com

فَالْعِزُّ مِنْهُ مَصُوْنٌ مَا يُدَنِّسُهٗ وَالْوَحْبُهٗ مِنْهُ جَدِيْدٌ لَيْسَ يُخْلِقُهٗ

اس کی عزت محفوظ ہے اسے کوئی چیز میلا نہیں کر سکتی اور اس کا چہرہ جدید (تازہ) ہے اس کو کوئی چیز پرانا نہیں کر سکتی۔

اِنَّ الْقَنَاعَةَ مَنْ يَحْلُلْ بِسَاحَتِهَا لَمْ يَبْقَ فِيْ ظِلِّهَا هَمٌّ يُؤَرِّقُهٗ

جو شخص قناعت کے صحن میں اترتا ہے اسے فکر معیشت بے خوابی کا شکار نہیں بناتی۔

فصل : ۴۴

مال داری پر فقر کی فضیلت

اس سلسلے میں اختلاف ہے حضرت جنید، حضرت خواص اور اکثر لوگ فقر کی فضیلت کے قائل ہیں حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں شکر گزار مال دار جو حقوق کی ادائیگی کرے وہ صابر فقیر سے افضل ہے کہا جاتا ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے حضرت عطاء کے خلاف بددعا کی کیوں کہ انہوں نے اس سلسلے میں ان کی مخالفت کی تھی تو ان کو رنج پہنچا۔ یہ بات ہم نے صبر کے بیان میں ذکر کی اور صبر و شکر کے درمیان فرق کی وجہ بھی بیان کی ہے اور ہم نے یہ بھی بتایا کہ اعمال و احوال میں طلبِ فضیلت تفصیل کے بغیر ممکن نہیں۔

اگر فقر اور غنا کا مطلقاً مقابلہ ہو تو احادیث و آثار کا مطالعہ کرنے والے کو فقر کی فضیلت میں شک نہیں ہوگا اور اسی سلسلے میں تفصیل ضروری ہے چنانچہ ہم کہتے ہیں۔

شک کا تصور دو جگہ پر ہوتا ہے ایک یہ کہ فقیر صابر ہو اور طلب کی حرص نہ رکھتا ہو بلکہ وہ قانع اور راضی ہے اس کی نسبت اس غنی کی طرف کی جائے جو اپنا مال اچھی جگہوں پر خرچ کرتا ہے اور مال کو روکنے کی حرص نہیں کرتا۔

دوسرا مقام وہ ہے جہاں فقیر حریص ہو اور مالدار بھی حریص ہو کیوں کہ یہ بات مخفی نہیں کہ صبر کرنے والا فقیر اس مالدار سے افضل ہے جو روکنے والا اور حریص ہے لیکن جو مالدار اپنا مال نیک کاموں پر خرچ کرتا ہے وہ حریص فقیر سے افضل ہے۔

پہلی صورت میں یہ گمان بھی ہو سکتا ہے کہ مالدار، فقیر سے افضل ہو کیوں کہ مال کی حرص کمزور ہونے میں دونوں برابر ہیں اور مال دار صدقات و خیرات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے جب کہ فقیر اس بات سے عاجز ہے ہمارے خیال میں حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ نے بھی یہی خیال فرمایا۔

لیکن وہ غنی جو مال سے فائدہ اٹھاتا ہے اگرچہ جائز مال ہی ہو اس کے بارے میں یہ تصور نہیں ہو سکتا کہ قناعت کرنے والے فقیر سے افضل ہو اور اس بات پر حدیث شریف گواہ ہے کہ فقراء نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ مالدار لوگ نیکیوں میں ان سے آگے نکل گئے وہ صدقہ دیتے ہیں نیز حج اور جہاد کرتے ہیں تو آپ نے ان کو کلماتِ تسبیح (سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر) سکھائے اور آپ نے بتایا کہ ان کلمات کے ذریعے ان کو مال دار لوگوں کی نسبت زیادہ

marfat.com

ثواب ملے گا مالدار لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ بھی تسبیح کے کلمات پڑھنے لگے فقراء دوبارہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور یہ بات گذارش کی تو آپ نے فرمایا یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے (۱)

حضرت عطاء رحمہ اللہ سے جب سوال کیا گیا تو انہوں نے بھی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا مال دار افضل ہے کیوں کہ غنی ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لیکن جہاں تک ان کی پہلی دلیل کا تعلق ہے تو وہ محل غور ہے کیوں کہ حدیث تو تفصیل سے بیان ہوتی ہے اور اس میں اس بات کے خلاف پر دلالت ہے وہ یہ کہ تسبیح میں فقیر کے لیے مالدار سے زیادہ ثواب ہے اور اس ثواب کا حصول ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ فقراء نے اپنا ایک نمائندہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اس نے عرض کیا کہ میں آپ کی بارگاہ میں فقراء کا نمائندہ ہوں آپ نے فرمایا۔

مَرْحَبًا بِكَ وَبِمَنْ جِئْتَ مِنْ عِنْدِهِمْ قَوْمٌ اُحِبُّهُمْ۔

تجھے بھی اور جن کے پاس سے تو آیا ہے سب کو خوش آمدید کہتا ہوں میں اس قوم سے محبت کرتا ہوں۔

اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! فقراء کہتے ہیں کہ مال دار لوگ بھلائی لے گئے وہ حج کرتے ہیں لیکن ہمیں اس کی طاقت نہیں وہ عمرہ کرتے ہیں لیکن ہم نہیں کر سکتے اور جب وہ بیمار ہوتے ہیں تو اپنا زائد مال ذخیرہ بنانے کے لیے بھیج دیتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

میری طرف سے فقراء تک یہ بات پہنچا دو کہ تم میں سے جو صبر کرے گا اور ثواب کا طالب ہوگا اس کے لیے تین باتیں ہیں جو مال دار لوگوں کے لیے نہیں ہیں ایک بات یہ کہ جنت میں کچھ بالا خانے ہیں اہل جنت ان کی طرف اس طرح دیکھیں گے جس طرح زمین والے ستاروں کو دیکھتے ہیں گمان میں فقیر نبی یا فقیر شہید یا مومن فقیر ہی داخل ہوگا اور دوسری خصلت یہ ہے کہ فقراء جنت میں مالدار لوگوں سے نصف دن پہلے داخل ہوں گے اور دن پانچ سو سال کا ہوگا اور تیسری بات یہ کہ جب مالدار "سبحان اللہ" "الحمد للہ" اور "لا الہ الا اللہ واللہ اکبر" پڑھتا ہے اور فقیر بھی یہی کلمات کہتا ہے تو مالدار، فقیر کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا اگرچہ وہ اس مقصد کے لیے دس ہزار درہم خرچ کرے باقی تمام نیک اعمال کا بھی یہی حال ہے (۲)

وہ شخص واپس آیا اور جو کچھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ان (فقراء) کو بتا دیا تو انہوں نے کہا ہم راضی ہوئے ہم راضی ہوئے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۱۹، کتاب المساجد

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۳، ابواب الزھد، (مختصر ہے مکمل نہیں ملتی)

marfat.com

پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کہ "یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے" سے مراد یہ کہ فقراء کے ذکر کو اغنیاء کے ذکر سے زیادہ فضیلت حاصل ہے۔

جہاں تک ان کی اس بات کا تعلق ہے کہ "غنی" اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تو بعض اکابر نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اسباب اور سامان کے ساتھ غنی جانتے ہو؟ (یعنی ایسا تو نہیں ہے) تو حضرت عطاء نے کچھ جواب نہ دیا۔

بعض دوسرے حضرات نے یوں جواب دیا کہ تکبیر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تو وہ بھی تواضع سے افضل ہونا چاہیے پھر انہوں نے فرمایا بلکہ یہ تو اس بات پر دلالت ہے کہ فقر افضل ہے کیوں کہ وہ بندے کی صفت ہے اور بندے کے لیے افضل ہے جیسے خوف اور امید۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں اس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا اسی لیے ایک حدیث قدسی میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظْمَةُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ وَاحِدًا مِنْهُمَا قَصَمْتُهٗ۔ (۱)

کبریائی میری چادر اور عظمت میں میرا ازار ہے (یعنی میری صفات ہیں) پس جو شخص مجھ سے ان میں سے ایک میں بھی جھگڑے گا میں اسے توڑ دوں گا۔

حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا۔ عزت اور باقی رہنے کی چاہت ربوبیت میں شرک اور جھگڑا ہے کیوں کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں۔

تو مال داری اور فقر میں سے کس کو فضیلت حاصل ہے اس سلسلے میں اس قسم کی گفتگو ہے اور اس کا تعلق عام روایات سے ہے جو تاویلات کو قبول کرتی ہیں اور ایسے قاصر کلمات ہیں جن کو توڑنا بعید نہیں ہے کیوں کہ جس طرح اس شخص کے قول کو توڑا جا سکتا ہے جو مالداری کو فضیلت دیتا ہے اور اس کا توڑ صفت تکبر کے ذریعے کیا جاتا ہے اسی طرح جو شخص مالداری کی مذمت کرتا ہے اس کا قول یوں توڑا جا سکتا ہے کہ یہ علم و معرفت کے ذریعے بندے کا وصف بتلایا ہے جب کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا وصف ہے بندے کا وصف تو جہالت اور غفلت ہے اور کوئی بھی شخص غفلت کو علم پر فضیلت نہیں دیتا پس اس پردے کو اسی طرح دور کیا جا سکتا ہے جو ہم نے صبر کے بیان میں ذکر کیا ہے۔ یعنی جو چیز ذاتی طور پر مراد نہ ہو بلکہ کسی دوسری چیز کے لیے مراد ہو تو اس کی نسبت اسی دوسری چیز کی طرف ہونی چاہیے (اور اسی کے حوالے سے فضیلت کا تعین ہوگا) کیوں کہ اسی سے اس کی فضیلت ظاہر ہوگی اور دنیا ذاتی طور پر منع نہیں ہے۔

بلکہ اس لیے منع ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے اسی طرح فقر بھی ذاتی طور پر مطلوب نہیں بلکہ اس لیے مطلوب ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ تک پہنچنے سے رکاوٹ نہیں ہے اور آدمی اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر کسی دوسری طرف مشغول نہیں

---

(۱) مسند امام بن حنبل جلد ۲ ص ۳۱۴ مرویات ابی ہریرہ

marfat.com

ہوتا اور کتنے ہی مال دار ہیں جن کو ان کی مالداری اللہ تعالیٰ سے مشغول نہیں رکھتی جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما اور کتنے ہی فقراء ایسے ہیں جن کو فقر نے مشغول رکھا اور مقصد سے پھیر دیا اور دنیا میں غایتِ مقصد تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس سے مانوس ہونا ہے اور یہ بات معرفت کے بعد حاصل ہوتی ہے اور مشاغل کے ساتھ معرفت کے راستے پر چلنا ممکن نہیں اور فقر بعض اوقات مشغول کر دیتا ہے جس طرح مالداری بعض اوقات مشغول رکھتی ہے اور مشغول کرنے والی بات حقیقت میں محبت دینا ہے کیوں کہ دل میں اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت جمع نہیں ہو سکتی اور جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے اس کے ساتھ مشغول ہوتا ہے چاہے فراق کی صورت میں مشغولیت ہو یا وصال کی صورت میں ــــ

بعض اوقات فراق کے ساتھ مشغولیت زیادہ ہوتی ہے اور بعض اوقات وصال کی صورت میں زیادہ مشغول ہوتا ہے اور دنیا غافل لوگوں کی معشوق ہے جو اس سے محروم ہیں اور اس کی طلب میں مشغول ہیں۔ اور جو آدمی دنیا پر قادر ہے وہ اس کی حفاظت اور اس سے نفع اندوزی میں مشغول ہے۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ اگر تم دو آدمیوں کو دنیا کی محبت سے فارغ تصور کرو اس طرح کہ ان کے حق میں مال پانی کی طرح ہو کہ جس کے پاس موجود ہے اور جس کے پاس نہیں ہے دونوں برابر ہیں کیوں کہ دونوں میں سے ہر ایک حسبِ ضرورت خرچ کرتا ہے اور حاجت کے مطابق پایا جانا اس کے نہ ہونے سے افضل ہے کیوں کہ بھوکا آدمی موت کے راستے پر چلتا ہے معرفت کے راستے پر نہیں اور بڑے معاملے کو دیکھو تو فقر خطرے سے زیادہ دور ہے کیوں کہ مالداری کا فتنہ تنگدستی کے فتنے سے زیادہ سخت ہے اور حفاظت یہی ہے کہ قادر نہ ہو۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہم مفلسی کے فتنہ میں مبتلا ہوئے تو ہم نے صبر کیا اور ہم مالداری کے فتنے میں مبتلا ہوئے تو ہم نے صبر نہ کیا۔

اور یہ بات انسان کی فطرت میں ہے شاذ و نادر ہی کوئی اس سے خالی ہوگا جس کا وجود بہت زمانوں میں کم ہوا کرتا ہے۔ اور چوں کہ شریعت کا خطاب سب سے متعلق ہے اس نادر کے ساتھ نہیں اور مفلسی سب کے لیے مناسب ہے صرف اس نادر کے لیے نہیں تو شریعت نے مالداری کی مذمت کی اور اس سے روکا نیز فقر کی فضیلت اور مدح بیان فرمائی حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اہل دنیا کے مالوں کو نہ دیکھو کیوں کہ ان کے مالوں کی چمک تمہارے نور ایمان کو لے جائے گی۔" اور بعض علماء نے فرمایا مالوں کا پھر پھر اکر آنا ایمان کی حلاوت کو چوس لیتا ہے اور ایک حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ عِجْلًا وَعِجْلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدِّيْنَارُ وَالدِّرْهَمُ (۱)

ہر امت کے لیے ایک بچھڑا (معبود) ہے اور اس امت کا بچھڑا دینار اور درہم ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے بچھڑے کی اصل بھی سونے اور چاندی سے تھی مال اور پانی نیز سونے اور پتھر کا ایک جیسا

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۳ ص ۲۲۸ حدیث ۵۰۱۹

marfat.com

ہونا انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے لیے تصور کیا جا سکتا ہے پھر ان کے لیے بھی یہ بات طویل مجاہدے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے پوری ہوتی ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے فرماتے تھے۔

اِلَیْكِ عَنِّیْ (۱) مجھ سے دُور ہو جاؤ۔

آپ یہ بات اس وقت فرماتے جب وہ مزین ہو کر آپ کے سامنے آتی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے اے زرد رنگ والے (دینار) میرے سوا کسی اور کو دھوکہ دے اور سفید رنگ والے (درہم) میرے علاوہ کسی کو دھوکہ دے ——— آپ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ آپ اس کے دھوکے کو اپنے اندر محسوس فرماتے اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے اور یہ مطلق غنا ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ کَثْرَةِ الْعَرَضِ اِنَّمَا الْغِنٰی عَنِ النَّفْسِ۔ (۲)

مالداری مال کی کثرت سے نہیں بلکہ مالداری (غنائے) نفس کی ہے۔

اور جب یہ بات بہت دشوار ہے تو عام مخلوق کے حق میں مال کا نہ ہونا بہتر ہے اگرچہ وہ اسے صدقہ کریں اور نیک کاموں پر خرچ کریں کیوں کہ وہ مال پر قادر ہونے کی صورت میں دنیوی انس اور اس سے نفع اندوزی سے بچ نہیں سکتے۔ نیز اس کے خرچ کرنے سے راحت پاتے ہیں اور یہ تمام باتیں اس دنیا سے محبت پیدا کرتی ہیں اور آدمی جس قدر دنیا سے مانوس ہوتا ہے اسی قدر اسے آخرت سے وحشت ہوتی ہے اور جس قدر وہ معرفت کے علاوہ اپنی کسی صفت سے مانوس ہوتا ہے اسی قدر اسے اللہ تعالیٰ اور اس کی محبت سے وحشت ہوتی ہے اور جب دنیا سے اُنس کے اسباب منقطع ہو جائیں تو دل دنیا اور اس کی تروتازگی سے دُور رہتا ہے اور جب دل اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے دُور ہو تو وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والا شمار ہوتا ہے اور وہ لازماً اللہ تعالیٰ کی طرف پھرتا ہے کیوں کہ فارغ دل کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اور موجود تو اللہ تعالیٰ ہے یا اس کا غیر، پس جو اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف متوجہ ہو وہ اللہ تعالیٰ سے دُور رہتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو وہ اس کے غیر سے دور رہتا ہے اور ان میں سے ایک کی طرف توجہ اسی حساب سے ہوتی ہے جس قدر دوسرے سے دُوری ہوتی ہے بلکہ کسی ایک کا قرب بعینہٖ دوسرے سے بُعد ہے پس دنیا کی محبت ہی اللہ تعالیٰ سے بُغض ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ عارف کی نگاہ دل پر ہی ہونی چاہیے کہ وہ دنیا اور اس کے ساتھ مانوس ہونے سے علیحدگی اختیار کرے۔

تو فقیر اور غنی کی فضیلت کو صرف اس حوالے سے دیکھا جائے گا کہ ان کے دل کا مال سے کس قدر تعلق ہے اگر اس تعلق میں دونوں برابر ہوں تو ان کا درجہ بھی برابر برابر ہوگا لیکن یہ پھسلنے کا مقام اور دھوکہ کی جگہ ہے کیوں کہ بعض اوقات مالدار یہ

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد اول ص ۳۰، ترجمہ ۱

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۵۴ کتاب الرقاق

marfat.com

سمجھتا ہے کہ اس کا دل مال سے قطع تعلق ہے حالانکہ مال کی محبت اس کے سینے میں چھپی ہوتی ہے اور اسے خبر نہیں ہوتی اسے اس وقت پتہ چلتا ہے جب مال اس کے پاس نہیں رہتا تو اپنے نفس کا تجربہ اس وقت کرے جب مال تقسیم کرے یا اس سے چوری ہو جائے اب اگر اس کے دل کی توجہ اس طرف ہو تو جان لے کہ وہ دھوکے میں تھا کتنے ہی لوگ اپنی لونڈی کو یہ خیال کر کے بیچ دیتے ہیں کہ ان کے دل کا اس سے کوئی تعلق نہیں جب بیع پکی ہو جاتی ہے اور لونڈی خریدار کے حوالے کر دیتے ہیں تو ان کے دل میں چھپی ہوئی آگ شعلہ زن ہوتی ہے اس وقت ثابت ہوتا ہے کہ وہ دھوکے میں تھا اور اس کے دل میں عشق اسی طرح چھپا ہوا تھا جس طرح راکھ کے نیچے آگ موجود ہوتی ہے انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے علاوہ تمام مالدار لوگوں کا یہی حال ہے۔

اور جب بات محال یا کم از کم مشکل ہے تو ہم مطلق طور پر کہتے ہیں کہ عام مخلوق کے لیے فقر زیادہ مناسب اور افضل ہے کیوں کہ فقیر کا دنیا سے تعلق اور اُنس زیادہ کمزور ہوتا ہے اور جس قدر تعلق کمزور ہوتا ہے اسی قدر اس کی تسبیحات اور عبادات کا ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے کیوں کہ زبان کی حرکات ذاتی طور پر مقصود نہیں ہوتیں بلکہ ان کا مقصد اس مذکورہ اُنس کو پکا کرنا ہوتا ہے اور فارغ دل میں اُنس پیدا کرنے کے سلسلے میں اس کی تاثیر اس تاثیر کی طرح نہیں جو مشغول دل پر ہوتی ہے اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا جو شخص طلب دنیا میں ہو اور عبادت کرے وہ اس شخص کی طرح ہے جو گھاس سے آگ کو بجھاتا ہے اور جو اپنے ہاتھ سے گوشت کی چکناہٹ کو مچھلی کے ساتھ دھوتا ہے حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا فقیر کا کسی ایسی خواہش کے بغیر سانس لینا جس پر وہ قادر نہیں مالدار کی ایک ہزار سال کی عبادت سے بہتر ہے اور حضرت ضحاک رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جو شخص بازار جائے اور ایک مشتبہ چیز دیکھ کر صبر کرے اور ثواب کی طلب میں ہو تو یہ ایک ہزار دینار سے بہتر ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے ایک شخص نے حضرت بشر بن حارث رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ میرے لیے دعا کیجئے مجھے اہل و عیال کی وجہ سے پریشانی ہے تو انہوں نے فرمایا جب تمہارے گھر والے کہیں کہ ہمارے پاس آٹا یا روٹی نہیں ہے تو تم اس وقت میرے لیے دعا مانگو کیوں کہ میری دعا کے مقابلے میں تمہاری دعا افضل ہے۔

اور وہ فرماتے تھے عبادت گزار مال دار کی مثال گندگی کے ڈھیر پر پائے جانے والے باغ کی طرح ہے اور عبادت گزار فقیر کی مثال موتیوں کے اس ہار کی طرح جو کسی خوبصورت عورت کے گلے میں پڑا ہوا ہو۔

اسلاف مال دار لوگوں سے معرفت کا علم سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یوں دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الذُّلَّ عِنْدَ النِّصْفِ مِنْ نَفْسِیْ وَالزُّهْدَ فِیْمَا جَاوَزَ الْكَفَافَ۔

یا اللہ! میں تجھ سے رحمت کا سوال کرتا ہوں جب میرا نصف۔

تو جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے لوگ باوجود کمال حال کے دنیا سے بچتے ہیں تو کس طرح اس بات میں شک کیا جا سکتا ہے کہ مال کے پائے جانے کے مقابلے میں اس کا نہ ہونا زیادہ بہتر ہے ـــــ اور یہ اس کے باوجود ہے جب کہ مال دار کا حال

marfat.com

نہایت اچھا ہو کہ وہ حلال مال حاصل کرے اور پاکیزہ خرچ کرے لیکن قیامت کے دن اس کا لمبا چوڑا حساب ہو گا اور طویل انتظار ہو گی اور جس سے حساب کی پوچھ گچھ ہوئی وہ عذاب میں مبتلا ہوا۔

اسی لیے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو جنت میں جانے سے تاخیر ہوئی کیوں کہ حساب میں مشغول تھے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا اسی لیے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ مسجد کے دروازے پر میری دوکان ہو مجھ سے نماز اور ذکر بھی نہ چھوٹے مجھے روزانہ پچاس دینار کا نفع ہو اور میں وہ سارا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کردوں پوچھا گیا ناپسندیدگی کی وجہ؟ فرمایا حساب کی خرابی۔

اسی لیے حضرت سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا فقراء نے تین چیزیں اختیار کیں اور مالدار لوگوں نے بھی تین چیزیں اختیار کیں اور فقراء نے نفس کا آرام، دل کی فراغت اور حساب کی آسانی اختیار کی جب کہ مالدار لوگوں نے نفس کی تھکاوٹ، دل کی مشغولیت اور حساب کی شدت اختیار کی۔ اور جو کچھ ابن عطاء نے ذکر کیا کہ غنا اللہ تعالیٰ کا وصف ہے پس اس وجہ سے یہ افضل ہے تو یہ صحیح بات ہے لیکن اس وقت جب بندہ مال کے ہونے نہ ہونے سے بے نیاز ہو یعنی اس کے نزدیک دونوں باتیں برابر ہوں —— اور جب مال کے ہونے سے مال دار ہو (غنی ہو) اور باقی رہنے کا محتاج ہو تو اس کا غنا اللہ تعالیٰ کے غنا کے مشابہ نہیں ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر غنی ہے اور اس کے غنا کے لیے زوال کا تصور نہیں ہو سکتا جب کہ مال کا زوال تصور کیا جا سکتا ہے مثلاً چوری ہو سکتا ہے۔

اور جو کچھ حضرت عطاء کے رد میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مال و اسباب کے ساتھ غنی نہیں ہے تو یہ بات بھی اس غنی کی مذمت میں صحیح ہے جو مال کی بقا چاہتا ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات بندوں کے لائق نہیں ہیں تو یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ علم اس کی صفات میں سے ہے اور وہ بندے کے لیے افضل ہے بلکہ بندے کی انتہا یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متصف ہو اور میں نے بعض مشائخ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلتا ہے تو راستہ طے کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام اس کے اوصاف بن جاتے ہیں یعنی ہر وصف میں سے اسے حصہ ملتا ہے۔

لیکن تکبر بندے کے لائق نہیں ہے کیوں کہ جس پر تکبر نہ کیا جا سکے اس پر تکبر کرنا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے نہیں ہے ہاں جس پر تکبر ہو سکتا ہے جیسے مومن کا کافر پر عالم کا جاہل پر، نیکوکار کا گناہ گار پر تکبر (بڑائی) تو یہ اللہ تعالیٰ کے لائق ہے ہاں بعض اوقات تکبر سے دوسروں کو حقیر جاننا بلند بانگ دعویٰ کرنا اور ایذا رسانی مقصود ہوتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے وصف میں سے نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے اپنا وصف بیان فرمایا کہ وہ ہر چیز سے بڑا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اسی طرح ہے اور بندے کو اس بات کا حکم ہے کہ اعلیٰ مرتبہ طلب کرے اگر اس پر قادر ہو لیکن استحقاق کے ساتھ (طلب کرے) باطل طریقے اور دھوکہ دہی سے نہیں۔

بندے کو اس بات کا علم ضرور ہونا چاہیے کہ مومن، کافر سے بڑا ہے، فرمانبردار، نافرمان سے بڑا ہے۔ عالم جاہل سے

marfat.com

بڑا اور انسان، جانوروں، جمادات اور سبزیوں سے بڑا ہے اور ان کی نسبت یہ اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے۔

اور اگر وہ اپنے آپ کو اس صفت کے ساتھ موصوف دیکھے لیکن یہ دیکھنا تحقیقی ہو شک پر مبنی نہ ہو تو اسے صفتِ تکبر حاصل ہو گی اور یہ اس کے لائق بھی ہے اور اس کے حق میں فضیلت بھی۔ لیکن اس بات کی معرفت تک راستہ نہیں اس لیے کہ یہ خاتمے پر موقوف ہے اور اسے معلوم نہیں کہ اس کا خاتمہ کیسے ہو گا۔ تو اس بات سے جہالت کی وجہ سے اس پر واجب ہے کہ اپنے لیے کافر کے رتبہ سے بڑے رتبے کا عقیدہ نہ رکھے کیوں کہ بعض اوقات کافر کا خاتمہ ایمان پر اور مومن کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے پس یہ بات (تکبر) اس کے لائق نہیں کیوں کہ انجام کی معرفت سے اس کا علم کوتاہ ہے۔

اور جب اس بات کا تصور ہو سکتا ہے کہ اشیاء کی حقیقت کو جان سکے تو اس کے حق میں علم میں کمال ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے اور جب بعض اشیاء کی معرفت اسے نقصان دیتی ہے تو یہ علم اس کے حق میں نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں ایسا علم نہیں جو اس کو نقصان دے تو جن امور کی معرفت سے نقصان نہیں ہوتا ان کی معرفت بندے کے حق میں اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے متصور ہوتی ہے پس یقیناً وہ فضیلت کی انتہا ہے اور اسی سے انبیاء کرام، اولیاء اور علماء کی فضیلت ہے۔

تو بات یہ ہوئی کہ اگر اس کے نزدیک مال کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہوں تو یہ وہ قسم ہے جو کسی وجہ سے اس غنا کے مشابہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے پس یہ فضیلت ہے لیکن محض مال کے پائے جانے سے جو غنا حاصل ہوتا ہے اس میں بالکل کوئی فضیلت نہیں ـــــ تو یہ قناعت کرنے والے فقیر کے حال کی شکر گزار غنی کی حالت کی طرف نسبت کا بیان ہے۔

دوسرا مقام حریص فقیر کی حالت، حریص غنی کی حالت کی طرف نسبت میں ہے تو ہم اس بات کو ایک شخص میں فرض کرتے ہیں کہ وہ مال کا طالب ہے اور اس کے لیے کوشش کرتا ہے اس وقت اس کے پاس مال نہیں ہے پھر وہ اسے پا لیتا ہے تو اس کے لیے مال کے نہ ہونے کی حالت بھی ہے اور ہونے کی حالت بھی، تو کون سی حالت افضل ہو گی؟

تو ہم کہتے ہیں ہم دیکھیں گے اگر اس کا مطلوب وہ مال ہے جو اس کی معیشت کے لیے ضروری ہے اور اس کا قصد دین کے راستے پر چلنا ہے اور وہ مال کے ذریعے اس مقصد پر مدد حاصل کرتا ہے تو مال کا پایا جانا افضل ہے کیوں کہ فقر اسے سبب میں مشغول کر دے گا اور روزی کی تلاش کرنے والا فکر و ذکر پر قادر نہیں ہوتا اور اگر قادر ہو بھی تو اس میں دوسرا شغل شامل ہو گا اور ذکر و فکر پر قادر وہی ہے جسے بقدر کفایت رزق حاصل ہو۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ قُوْتَ اٰلِ مُحَمَّدٍ كَفَافًا۔ (۱)

اے اللہ! آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہم کو بقدر کفایت رزق عطا فرما۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۴۲ کتاب الزکوٰۃ

marfat.com

اور آپ نے فرمایا۔

كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا۔ (۱) قریب ہے کہ فقر، کفر تک پہنچا دے۔

اس سے وہی فقر مراد ہے جس میں آدمی ضروری چیز کے لیے پریشان ہو۔

اور اگر اس کا مطلوب حاجت سے زیادہ ہو یا مطلوب تو حاجت کے مطابق ہو لیکن اس سے دین کے راستے پر چلنے
مدد حاصل کرنا مقصود نہ ہو تو اس صورت حالت فقر افضل اور زیادہ بہتر ہے کیوں کہ حرص اور محبتِ مال میں غنی اور فقیر دونوں برا
اور اس بات میں بھی دونوں برابر ہیں کہ وہ دین کے راستے میں مدد حاصل کرنا نہیں چاہتے اور اس بات میں بھی مساوی ہیں کہ ا
میں سے ایک بھی فقر یا غنا کو گناہ کا ذریعہ نہیں بنانا چاہتا لیکن اس سلسلے میں دونوں میں فرق ہے کہ ایک اس مال سے محبت کرتا
جو اسے حاصل ہے پس اس کے دل میں مال کی محبت پکی ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے اور جب
کے پاس مال نہیں ہے اس کا دل دنیا سے دور ہے اور اس کے نزدیک دنیا قید خانے کی طرح ہے جس سے وہ چھٹکارا
کرنا چاہتا ہے اور جب دو آدمی تمام باتوں میں برابر ہوئے اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت ایک کا دل دنیا کی طرف بہت
ہوا ہے تو لا محالہ اس کی حالت دوسرے کی نسبت زیادہ سخت ہوگی کیوں کہ اس کا دل دنیا کی طرف متوجہ ہے اور آخرت سے
اس قدر نفرت کرتا ہے جس قدر دنیا سے اُنس مضبوط ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ اَحْبِبْ مَنْ اَحْبَبْتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُهٗ (۲)

بے شک روح القدس نے میرے دل میں یہ بات پھونکی ہے کہ جس سے چاہو دوستی کرو بے شک تم نے اس سے جدا ہونا ہے۔

یہ اس بات سے آگاہی ہے کہ محبوب کا فراق بہت سخت ہوتا ہے۔ پس تمہیں چاہیئے کہ اس سے محبت کرو جو تم سے جدا نہ
اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور جس نے تم سے جدا ہونا ہے اس سے محبت نہ کرو اور وہ دنیا ہے کیوں کہ جب تم دنیا سے محبت
گے تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات تمہیں پسند نہ ہوگی تو موت اس حال پر ہوگی جسے ناپسند کرتا ہے اور محبوب سے جدائی ہوگی
جو شخص اپنے محبوب سے جدا ہوتا ہے اسے اس کے فراق کی اسی قدر تکلیف ہوتی ہے جس قدر اس کو اس سے محبت اور
اُنس ہوتا ہے اور جو شخص دنیا پر قادر بھی ہو اور اسے دنیا حاصل بھی ہو اس کا اُنس اس شخص کے اُنس سے زیادہ ہوگا
جس کے پاس دنیا نہیں ہے اگرچہ وہ اس کی حرص رکھتا ہو۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۶ ص ۹۲ حدیث ۶۶۸۲

(۲) شرح السنۃ للبغوی جلد ۱۴ ص ۳۰۴ حدیث ۴۱۱۲

marfat.com

تو اس تحقیق سے واضح ہوا کہ تمام لوگوں کے لیے دونوں جگہ فقر ہی اشرف، افضل اور اصلح ہے ایک وہ مالداری جو حضرت شہ رضی اللہ عنہا کے غنا کی طرح ہو جس میں وجود و عدم دونوں برابر ہیں کیوں کہ یہ غنا اضافہ کا باعث ہے کیوں کہ اس سے فقرا و اکین کی دعائیں اور باطنی توجہ حاصل ہوتی ہے اور دوسرا مقدار ضرورت سے فقر ہے اور یہ قریب ہے کہ کفر تک جا پہنچے اس میں کسی اعتبار سے بھی بھلائی نہیں ہے مگر جب یہ (مال) اس کی حیات کو باقی رکھے پھر وہ اپنی زندگی اور قوت کو گناہوں پر مدد کے طور پر استعمال کرے اور اگر وہ بھوکا مر جائے تو اس کے گناہ کم ہوں گے تو اس صورت میں زیادہ بہتر یہی کہ بھوکا مر جائے اور جس مال کی طرف مجبور ہے اسے بھی حاصل نہ کرے۔

تو غنا اور فقر کے سلسلے میں یہ تفصیلی بات تھی اب اس فقیر کو دیکھنا ہے جو حریص ہے اور مال کی طلب میں مکمل طور پر مشغول ہے اور اس کا کوئی دوسرا مقصد اور فکر ہی نہیں ہے اور دوسرا وہ غنی جو مال کی حفاظت میں اس سے کم حریص ہے اگر اس کے پاس مال نہ رہے تو اسے اس قدر دکھ نہیں ہوتا جس قدر فقیر کو فقر پر پریشانی ہوتی ہے تو یہ بھی قابل غور ہے زیادہ ظاہر بات یہی ہے کہ ان دونوں کی اللہ تعالیٰ سے دوری اسی قدر ہے جس قدر مال کے نہ ہونے پر ان کی پریشانی اور دکھ ہے اور جس قدر یہ دکھ کمزور ہوگا اسی قدر ان کو قرب بھی حاصل ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فصل ۵:

فقر میں آداب فقیر

جان لو! کہ فقیر کے لیے باطنی اور ظاہری طور پر کچھ آداب ہیں وہ لوگوں سے میل جول کے اعتبار سے بھی ہیں اور اس کے مال کے حوالے سے بھی پس ان کا لحاظ کرنا چاہیے۔

جہاں تک اس کے باطنی آداب کا تعلق ہے تو وہ اس طرح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس فقر میں اسے مبتلا کیا ہے اسے ناپسند کرے یعنی اس اعتبار سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اسے ناپسند کرنے والا نہ ہو اگرچہ فقر اسے پسند نہ ہو جس طرح پچھنہ لگوانے اس عمل کو ناپسند کرتا ہے کیوں کہ اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے لیکن پچھنے لگانے والے کے عمل کو ناپسند نہیں کرتا بلکہ اوقات اس کا احسان مند ہوتا ہے اور یہ کم از کم درجہ ہے جو واجب ہے اور اس کے خلاف کرنا حرام ہے جس سے ل بھی ضائع ہو جاتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث شریف کا یہی مطلب ہے آپ نے فرمایا۔

يَا مَعْشَرَ الْفُقَرَاءِ اَعْطُوا اللّٰهَ التِرِضَا مِنْ قُلُوْبِكُمْ تَظْفَرُوْا بِثَوَابِ فَقْرِكُمْ وَاِلَّا فَلَا۔

اے فقرا کی جماعت! قلبی طور پر اللہ تعالیٰ سے راضی رہو اپنے فقر کا ثواب پاؤ گے ورنہ تمہیں یہ ثواب نہیں ملے گا۔

اور اس سے بلند ادب یہ ہے کہ فقر کو ناپسند نہ کرے بلکہ اس پر راضی ہو۔ اس سے بھی بلند مرتبہ یہ ہے کہ فقر کا طالب اور اس پر خوش ہو کیوں کہ اسے غنا کی خرابیوں کا علم ہے اور وہ باطنی طور پر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والا ہے اور اس بات

marfat.com

پر پختہ یقین ہو کر جو کچھ اس کے مقدر میں ہے وہ اس تک ضرور پہنچے گا۔ اور ضرورت سے زائد کو ناپسند کرنے د
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فقر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ سزائیں ہیں اور کچھ انعامات بھی فقر پر ثوا
یہ ہے کہ اس پر آدمی کی عادت کو اچھا کر دے اور وہ اپنے رب کی اطاعت کرے نیز اس کا شکر بھی ادا کرے اور
فقر سزا کا باعث بنے تو اس کی علامت یہ ہے کہ آدمی بداخلاق ہو جاتا ہے اور وہ عبادت کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی
کرتا ہے بارگاہِ خداوندی میں شکایات کرتا ہے اور اس کے فیصلے پر ناراض ہوتا ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر فقیر قابلِ تعریف نہیں ہوتا بلکہ وہ فقیر محمود ہے جو ناراض نہیں ہوتا بلکہ راضی ہوتا ہے
فقر پر خوش ہوتا ہے اس لیے کہ وہ اس کے فوائد سے واقف ہے کیوں کہ کہا گیا ہے کہ بندے کو جب دنیا کی کوئی
جاتی ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ اسے تین حصوں پر لو کیونکہ یہ تین باتیں پیش آئیں گی، مشغولیت، فکر اور طویل حساب
فقر کے ظاہری آداب یہ ہیں کہ دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے بچے اور اچھی حالت ظاہر کر
شکوہ اور فقر کا اظہار نہ کرے بلکہ اپنے فقر کو چھپائے اور یہ بات بھی سامنے نہ آنے دے کہ وہ فقر کو چھپا رہا ہے۔
حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْفَقِیْرَ الْمُتَعَفِّفَ اَبَا الْعِیَالِ۔ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ ایسے فقیر کو پسند کرتا جو بچنے والا عیال دار ہو۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ۔ (۲)

جاہل لوگ ان کو نہ مانگنے کی وجہ سے مال دار تصور کرتے ہ
حضرت سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مشقت کے وقت اپنے آپ کو اچھی حالت میں ظاہر کرنا سب سے بہتر عمل ہے
بعض بزرگوں نے فرمایا کہ فقر کو چھپانا نیکی کے خزانوں میں سے ہے۔
اعمال میں فقر کے آداب سے یہ ہے کہ کسی مال دار کی مالداری کی وجہ سے اس کے سامنے تواضع نہ کرے بلکہ اپنے
کو اس سے بڑا سمجھے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں مال دار کا فقیر کے لیے تواضع کرنا اچھا ہے تاکہ اسے ثواب
ہو اور اس سے بھی اچھا یہ ہے کہ فقیر اپنے آپ کو غنی سے بڑا سمجھے اور یہ اللہ تعالیٰ پر بھروسے اور توکل کے باعث ہے۔ یہ
اعلیٰ مرتبہ ہے اور اس سلسلے میں کم از کم بات یہ ہے کہ مالداروں سے میل جول نہ رکھے اور نہ ہی ان کی مجالس میں رغ
کیوں کہ یہ طمع کی بنیاد ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۶۲ مرویات عیاض بن حمار
(۲) قرآن مجید، سورۃ بقرہ آیت ۲۷۳

marfat.com

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب فقیر شخص مال داروں سے میل جول رکھتا ہے تو جان لو کہ یہ ریاکار ہے اور
ہ بادشاہ سے تعلق رکھے تو سمجھ لو کہ یہ چور ہے بعض عارفین نے فرمایا جب فقیر مالدار لوگوں سے ملتا ہے تو اس کا اعتماد
دجاتا ہے اور جب ان سے طمع رکھتا ہے تو اس کی عصمت ختم ہو جاتی ہے اور جب ان میں سکونت اختیار کرتا ہے تو
باتا ہے۔

یر کو چاہیے کہ مالدار لوگوں کی خاطر اور ان کے عطیات کی طمع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خاموشی اختیار نہ کرے۔
نعال میں فقیر کے آداب یہ ہیں کہ فقر کی وجہ سے عبادت میں سستی نہ کرے اور جو کچھ اس کے اخراجات سے بچے چاہے
ی ہو اس کو خرچ کرنے سے دریغ نہ کرے کیوں کہ یہ کم مایہ کی کوشش ہے اور اس کا ثواب ان زیادہ مالوں کے
ے زیادہ ہے جو مالداری کی حالت میں دیئے جائیں۔

نرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

هَمٌ مِنَ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ
ئَةِ اَلْفِ دِرْهَمٍ، قِيلَ وَكَيْفَ ذٰلِكَ يَارَسُولَ
لّٰهِ؟ قَالَ، اَخْرَجَ رَجُلٌ مِنْ عَرَضِ مَالِهِ
ئَةَ اَلْفِ دِرْهَمٍ فَتَصَدَّقَ بِهَا وَاَخْرَجَ
لٰى دِرْهَمَيْنِ مِنْ دِرْهَمَيْنِ لَا يَمْلِكُ
رْهَمَا طَيِّبَةً بِهِ نَفْسُهُ فَصَارَ صَاحِبُ
دِرْهَمِ اَفْضَلَ مِنْ صَاحِبِ الْمِائَةِ اَلْفٍ،،

(۱)

صدقے کا ایک درہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک لاکھ درہم سے افضل ہے عرض کیا گیا یارسول اللہ! یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا ایک شخص اپنے بہت سے مال میں سے ایک لاکھ درہم نکال کر صدقہ کرتا ہے اور دوسرا شخص دو درہموں میں سے ایک درہم خرچ کرتا ہے اور اس کے پاس صرف دو ہی دو درہم ہیں اور وہ دل کی خوشی سے خرچ کرتا ہے تو یوں ایک درہم خرچ کرنے والا ایک لاکھ درہم خرچ کرنے والے سے افضل ہے۔

ناسب یہ ہے کہ مال جمع نہ کرے بلکہ ضرورت کے مطابق رکھے اور باقی اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دے
ا کرنے میں تین درجات ہیں ایک درجہ یہ ہے کہ صرف ایک دن رات کے لیے جمع کرے اور یہ صدیقین کا درجہ ہے
چالیس دن کے لیے جمع کرے کیوں کہ جو کچھ اس سے زائد ہے وہ طویل امید میں داخل ہے اور علماء کرام نے یہ بات
علیہ السلام کی میعاد سے معلوم کی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر فرمائی تو اس سے زندگی کے لیے چالیس دن کی مہلت
ر یہ متقی لوگوں کا درجہ ہے۔

درجہ یہ ہے کہ ایک سال کے لیے جمع کرے یہ سب سے آخری درجہ ہے اور یہ صالحین کا مقام ہے۔ اور جو شخص اس

---

(۱) سنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۸۱، ۱۸۲ کتاب الزکوٰۃ

marfat.com

سے زائد جمع کرے وہ عوام الناس میں داخل ہے اور خصوصی مقام سے مکمل طور پر خارج ہے پس نیک کمزور شخص کا ایک سال رزق میں اطمینانِ قلب اس کا غنا ہے اور خاص لوگوں کا چالیس دن میں غنا ہے جب کہ خاص الخاص لوگوں کا غنا ایک دن رات جمع کرنے میں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو اسی قسم کی اقسام پر تقسیم کیا بعض امہات المومنین کو آپ ایک کا خرچہ عنایت فرماتے جب آپ کے پاس آتا بعض کو چالیس دن کا اور کچھ کو ایک دن رات کا اور یہ آخری تقسیم حضرت عائشہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے لیے تھی۔

فصل ۶:

بغیر سوال کے ملنے والے عطیہ کو فقیر قبول کرے تو اس کے آداب

فقیر کے پاس جو کچھ آئے میں اس میں تین باتوں کا خیال رکھے ایک نفسِ مال دوسری بات دینے والے کی غرض اور تیسری اس کی اپنی غرض جس کے لیے لے رہا ہے۔

مال حلال ہو اور تمام شبہات سے خالی ہو اگر اس میں شبہ ہو تو اس کے لینے سے بچے ہم نے حلال و حرام کے بیان شبہات کے درجات لکھے ہیں نیز اس سے اجتناب اور استحباب کا ذکر بھی کیا ہے۔

دینے والے کی غرض صرف یہ ہونی چاہیے کہ اس سے وہ فقیر کا دل خوش کرے اور اس کی محبت کا حصول مقصد ہو اس میں یہ ہدیہ ہوگا اگر ثواب مقصود ہو تو صدقہ یا زکوٰۃ ہوگی یا اس کا مقصد محض شہرت اور ریاکاری ہوگی یا تو محض ریاکاری ہوگی یا میں دوسری (مذکورہ بالا) اغراض بھی شامل ہوں گی۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے اور وہ ہدیہ ہے تو اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ ہدیہ قبول کرنا نبی اکرم علیہ وسلم کی سنت ہے (۱)

لیکن اس میں احسان نہ جتایا جائے اگر احسان ہو تو چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے اور اگر معلوم ہو کہ اس میں سے بعض مال پر جتایا جا رہا ہے بعض ہر نہیں تو بعض کو رد کر دے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گھی، پنیر اور مینڈھا ہدیہ کے طور پر پیش کیا گیا تو آپ نے گھی اور پنیر قبول فرمالی اور مینڈھا واپس کر دیا (۲)

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مبارکہ تھا کہ بعض لوگوں سے تحفہ قبول کرتے اور بعض کا تحفہ واپس کر دیتے۔ (۳)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۹۰ مرویات عائشہ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۷۱ مرویات یعلی بن مرہ

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۴۲ کتاب البیوع

marfat.com

اور آپ نے فرمایا۔
لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ لَّا اَتَّهِبَ اِلَّا مِنْ قُرَشِيٍّ اَوْ ثَقَفِيٍّ اَوْ اَنْصَارِيٍّ اَوْ دَوْسِيٍّ۔ (۱)

میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں کسی سے ہبہ قبول نہ کروں سوائے قرشی، ثقفی، انصاری یا دوسی کے (قبیلہ قریش، بنو ثقیف، انصار اور قبیلہ دوس کے لوگ مراد ہیں)

تابعین کی ایک جماعت نے بھی اسی طرح کیا ہے۔
حضرت فتح موصلی کے پاس ایک تھیلی آئی جس میں پچاس درہم تھے تو انہوں نے فرمایا ہم سے حضرت عطاء نے بیان وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔
مَنْ اَتَاهُ رِزْقٌ مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ فَرَدَّهُ فَاِنَّمَا يَرُدُّهُ عَلَى اللّٰهِ۔ (۲)

جس شخص کے پاس مانگنے کے بغیر رزق آئے اور وہ اسے لوٹا دے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا رہا ہے (یعنی قبول کرنا چاہیے)

پھر انہوں نے تھیلی کھولی اور اس سے ایک درہم لیا اور باقی لوٹا دیئے۔
حضرت حسن بصری رحمہ اللہ بھی یہ حدیث روایت کیا کرتے تھے لیکن ان کے پاس ایک شخص ایک تھیلی اور خراسان کے ب کپڑوں کی ایک گٹھڑی لایا تو آپ نے واپس کر دیا اور فرمایا جو شخص میرے اس منصب پر فائز ہو اور لوگوں سے اس قسم کے تحفے قبول کرے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ اس کے لیے کوئی حصہ نہ ہوگا۔
یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عطیات قبول کرنے میں عالم اور واعظ کا معاملہ بہت سخت ہے اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ستوں سے ہدیہ قبول فرماتے تھے۔
حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ اپنے دوستوں سے ایک دو درہم بھی مانگ لیتے لیکن دوسرے ان کی خدمت میں سینکڑوں ہی پیش کرتے تو قبول نہ کرتے۔
بعض بزرگوں کا یہ طریقہ تھا اگر ان کا کوئی دوست ان کو کچھ دیتا تو فرماتے میں اس کو تیرے پاس چھوڑتا ہوں اب تم دیکھو اگر ے قبول کرنے کے بعد تمہارے دل میں میرا مقام پہلے سے زیادہ ہو تو مجھے بتا دینا میں لے لوں گا ورنہ نہیں۔
اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر وہ واپس کرنا چاہے تو واپس کرنا مشکل ہو اور قبول کرنے پر خوش ہو اور اپنے اوپر ت کا احسان سمجھے کہ اس نے قبول کیا اور اگر معلوم ہو کہ اس میں احسان بھی ملا ہوا ہے تو لینا جائز ہوگا لیکن صادق فقراء کے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۹۰ مرویات ابن عباس
(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۱۲ مرویات خالد بن عدی جہنی

marfat.com

نزدیک مکروہ ہے۔

حضرت بشر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت سری سقطی رحمہ اللہ کے علاوہ کسی سے کوئی ہدیہ قبول نہیں کیا کیوں کہ میرے نزدیک ان کا دنیا سے زہد صحیح ثابت ہے اور جب ان کے ہاتھ سے کوئی چیز جاتی ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں اور جب ان کے پاس باقی رہے تو پریشان ہوتے لہذا میں ان کی پسندیدہ بات پر ان کی مدد کرتا ہوں۔

ایک خراسانی، حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے پاس مال لے کر آیا اور کہا کہ آپ اسے کھائیں انہوں نے فرمایا فقراء پر تقسیم کر دو انہوں نے کہا میرا یہ مقصد نہیں ہے حضرت جنید نے فرمایا میں کب تک زندہ رہوں گا کہ اسے کھاؤں گا اس نے کہا اسے سرکے اور سبزیوں پر خرچ کریں بلکہ مٹھائی اور پھلوں وغیرہ کے لیے خرچ کریں آپ نے قبول کر لیا خراسانی نے کہا بغداد میں آپ سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والا کوئی نہیں۔ حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا تمہارے علاوہ کسی سے ہدیہ قبول کرنا مناسب بھی نہیں۔

دوسرا یہ کہ محض ثواب کے لیے دے تو یہ صدقہ ہوگا یا زکوٰۃ اب اسے چاہیئے کہ اپنے آپ کو دیکھے کہ کیا وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے؟ اگر اس پر مشتبہ ہو جائے تو وہ محل مشتبہ ہے ہم نے اسرار زکوٰۃ کے بیان میں اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔

اور اگر صدقہ ہو اور اس (فقیر) کے دیندار ہونے کی وجہ سے دیا ہو تو اپنے باطن پر نظر کرے اگر کسی گناہ کا مرتکب ہوا ہے اور اسے معلوم ہے کہ اگر دینے والے کو اس بات کا علم ہو جائے تو وہ اس سے طبعی طور پر نفرت کرے اور صدقہ کے ذریعے تقرب خداوندی حاصل نہ کرے تو اس صورت میں لینا حرام ہے جیسے وہ اس خیال سے دے کہ یہ عالم ہے یا علوی، حالاں کہ وہ اس صفت سے موصوف نہیں ہے تو بلاشبہ لینا حرام ہے۔

تیسرا یہ کہ اس کی غرض ریاکاری اور شہرت ہو تو اسے چاہیے کہ اس کے فاسد ارادے کو رد کر دے اور قبول نہ کرے کیوں کہ یہ اس کی فاسد غرض پر مدد کرنا ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کو جو کچھ دیا جاتا واپس کر دیتے اور فرماتے اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ لوگ اس کا ذکر فخر کے طور پر نہیں کریں گے تو میں لے لیتا۔

کسی بزرگ پر لوگوں نے عتاب کیا کہ جو کچھ لوگ آپ کو دیتے ہیں آپ اسے کیوں واپس کر دیتے ہیں تو انہوں نے فرمایا میں ان پر شفقت اور نصیحت کے طور پر واپس کرتا ہوں کیوں کہ وہ اس کا تذکرہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کی شہرت ہو اس طرح ان کا مال بھی جاتا ہے اور ثواب بھی ضائع ہوتا ہے۔

جہاں تک اس کے لینے کی غرض ہے تو اسے چاہیئے کہ دیکھے کیا وہ ضروری اخراجات کے لیے اس کا محتاج ہے یا نہیں اگر محتاج ہے تو وہ شبہ اور ان آفات سے محفوظ ہو گیا جو ہم نے دینے والے کے بارے میں ذکر کی ہیں لہذا لینا افضل ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا الْمُعْطِیْ مِنْ سَعَةٍ بِاَعْظَمَ اَجْرًا مِنْ — وسعت کی حالت میں دینے والے کو اس لینے والے سے

marfat.com

الْآخِذِ اِذَا كَانَ مُحْتَاجًا۔ (۱) زیادہ ثواب نہیں ملتا جو محتاج ہو۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ اَتَاهُ شَیْءٌ مِنْ هٰذَا الْمَالِ مِنْ غَیْرِ مَسْئَلَةٍ وَلَا اِسْتِشْرَافٍ فَاِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ سَاقَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ۔ (۲)

جس شخص کے پاس اس مال میں سے کچھ سوال کرنے اور مانگنے کے بغیر آئے تو وہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف بھیجا ہے۔

اور ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں "فَلَا یَرُدَّهُ" (۳) پس وہ اسے واپس نہ کرے بعض علماء فرماتے ہیں جس شخص کو دیا جائے اور وہ نہ لے تو وہ سوال کرے گا لیکن اسے نہیں دیا جائے گا۔

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس کچھ بھیجا کرتے تھے آپ نے ایک مرتبہ واپس کر دیا تو حضرت سری رحمہ اللہ نے فرمایا اے احمد! لوٹانے کی آفت سے بچو کیوں کہ یہ لینے کی آفت سے زیادہ ہے حضرت امام احمد نے ان سے فرمایا دوبارہ فرمائیے انہوں نے دوبارہ وہی کلمات کہے تو حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے اس لیے واپس کیا ہے کہ میرے پاس ایک مہینے کی غذا موجود ہے لہٰذا آپ اسے میرے کھاتے میں اپنے پاس جمع کر لیں اور ایک مہینے کے بعد مجھے بھیج دیں۔

بعض علماء نے فرمایا کہ حاجت کے باوجود واپس لوٹانے کی صورت میں اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں اسے طمع میں مبتلا کرنے یا شبہ وغیرہ میں ڈالنے کی سزا نہ دے اور اگر وہ حاجت سے زیادہ ہو تو دو حال سے خالی نہ ہوگا یا تو اپنی ذات میں مشغول ہوگا یا فقراء کے امور کا کفیل اور ان پر خرچ کرنے والا ہو کہ اپنی طبعی نرمی اور سخاوت کی وجہ سے ان کو دیا کرتا ہے تو اب دیکھیں گے اگر اپنی ذات میں مشغول ہے تو اسے لینے اور اپنے پاس روکنے کا کوئی جواز نہیں اگر وہ آخرت کے طریقے کا طالب ہے کیوں کہ یہ محض نفسانی خواہش ہے اور جو عمل اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہو وہ شیطان کے راستے میں ہوتا ہے یا اس کی طرف بلانے والا ہوتا ہے اور جو شخص سرکاری چراہ گاہ کے قریب چراتا ہے قریب ہے کہ وہ اس کے اندر چلا جائے۔

پھر اس لینے کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ علانیہ لیتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ پوشیدہ طور پر لیتا ہے یا لیتا تو علانیہ ہے لیکن تقسیم پوشیدہ طور پر کرتا ہے اور یہ صدیقین کا مقام ہے اور نفس پر گراں گزرتا ہے اس کی طاقت صرف ان لوگوں کو ہوتی ہے جن کے ساتھ اطمینان ہو دوسری صورت یہ ہے کہ نہ لے تاکہ مالک اسے کسی زیادہ محتاج شخص کو دے

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۲ ص ۴۲۳ حدیث ۱۳۵۶۰

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۲۱ حدیث خالد بن عدی الجھنی

(۳) " " " " "

marfat.com

یا خود لے کر ایسے شخص تک پہنچائے جو اس سے زیادہ محتاج ہو پس یہ دونوں کام پوشیدہ طور پر کرے یا ظاہراً، اور کیا لیتے وقت ظاہر کرنا افضل ہے یا پوشیدہ رکھنا، یہ بات ہم نے زکوٰۃ کے اسرار کے بیان میں ذکر کی ہے اور اس کے ساتھ ہی فقر کے احکام بھی نقل کئے ہیں لہٰذا وہاں سے معلوم کریں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے حضرت سری سقطی رحمہ اللہ سے قبول نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ مستغنی تھے کیوں کہ ان کے پاس ایک مہینے کی روزی تھی اور وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ وہ اسے لے کر دوسروں پر صرف کریں کیوں کہ اس میں بہت سی آفات اور خطرات ہیں۔ اور ورع (تقویٰ) آفات کے مقامات سے بچنے کا نام ہے کیوں کہ شیطان کے مکر سے بے خوفی نہیں ہو سکتی۔

مکہ مکرمہ کے ایک مجاور بتاتے ہیں کہ میرے پاس کچھ درہم تھے جو میں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کے لیے رکھے ہوئے تھے میں نے ایک فقیر کو سنا جو طواف سے فارغ ہو چکا تھا اور آہستہ آواز سے کہہ رہا تھا میں بھوکا ہوں جیسا کہ تو جانتا ہے میں ننگا ہوں جیسا کہ تو دیکھتا ہے جو کچھ تو دیکھتا ہے وہ دیکھا نہیں جاتا اسے وہ جو دیکھتا ہے لیکن دکھائی نہیں دیتا۔ وہ کہتے ہیں میں نے دیکھا تو اس پر دو پرانے کپڑے تھے جو اس کے جسم کو نہیں ڈھانپ رہے تھے میں نے دل میں کہا کہ میرے درھموں کا اس سے بہتر مصرف نہیں ہے چنانچہ میں نے وہ دراہم اسے دے دیئے اس نے ان کو دیکھ کر ان میں سے پانچ درھم لے لیے اور کہنے لگا چار درھموں کی دو چادریں آجائیں گی اور ایک درھم کو میں تین دن خرچ کروں گا اس کے علاوہ کی مجھے حاجت نہیں ہے چنانچہ اس نے وہ درھم واپس کر دیئے۔

راوی بیان کرتے ہیں دوسری رات میں نے اسے دیکھا کہ اس کے اوپر دو نئی چادریں ہیں تو میرے دل میں کچھ وسوسہ پیدا ہوا اس نے میری طرف دیکھا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے طواف کے سات چکر لگوائے ہر چکر میں ایک نئے قسم کے جوہر کی زمین کی کانوں میں سے ہمارے پاؤں کے نیچے سے ٹخنوں تک چھنکار سنائی دیتی، ان میں سونا بھی تھا، چاندی بھی، یاقوت موتی اور جواہر وغیرہ سب کچھ تھا لیکن لوگوں کو نظر نہیں آتا تھا اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ مجھے دیا ہے لیکن میں نے ان سے بے رغبتی اختیار کی ہے اور میں لوگوں کے ہاتھوں سے لیتا ہوں کیوں کہ یہ سب کچھ بوجھ اور فتنہ ہے اور اس لینے میں لوگوں کے لیے رحمت اور نعمت ہے۔

اس بات کا مقصد یہ ہے کہ حاجت سے زیادہ جو کچھ تمہارے پاس آتا ہے وہ آزمائش اور فتنے کے طور پر آتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ تم اس میں کیسا عمل کرتے ہو اور حاجت کے مطابق تمہارے پاس نرمی اور آسانی کے طور پر آتا ہے پس تجھے آسانی اور آزمائش میں فرق سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا — جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اسے اس کے لیے زینت بنایا

لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ (۱)

تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون اچھے اعمال کرتا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا حَقَّ لِابْنِ آدَمَ اِلَّا فِی ثَلَاثٍ طَعَامٍ یُقِیْمُ صُلْبَهٗ وَثَوْبٍ یُوَارِیْ عَوْرَتَهٗ وَبَیْتٍ یُکِنُّهٗ فَمَا زَادَ فَهُوَ حِسَابٌ۔ (۲)

انسان کا حق صرف تین چیزوں میں ہے کھانا جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھے لباس جو اس کی شرمگاہ کو چھپائے اور گھر جو اسے پناہ دے جو کچھ اس سے زائد ہے اس کا حساب ہوگا۔

پس جو کچھ تم ان تین چیزوں میں سے حاجت کے مطابق لوگے اس پر تمہیں ثواب ہوگا اور جو اس سے زائد لوگے اس کی دو صورتیں ہیں اگر تم نے اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی تو وہ حساب کے لیے پیش ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے مال حاصل کیا ہے تو تمہیں عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

آزمائش کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے اور اپنے نفس کی صفت کو توڑنے کے لیے کسی لذت کو چھوڑ دے پھر وہ لذت صاف ستھری ہو کر آئے تاکہ اس کی قوتِ عقل کا امتحان لے تو اس لذت کو چھوڑنا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ جب نفس کو کسی ارادے کے توڑنے کی اجازت دی جائے تو اسے وعدہ توڑنے کی عادت پڑ جاتی ہے اور نفس کو دبانا ممکن نہیں رہتا لہٰذا اس عادت کو رد کر دینا ضروری ہے اور یہی زہد ہے اگر تمہارا لے کر کسی محتاج پر خرچ کر دو تو یہ انتہائی درجے کا زہد ہے اور اس پر صرف صدیقین ہی قادر ہوتے ہیں۔

اور جب تمہاری حالت، سخاوت کرنے، خرچ کرنے، فقراء کے حقوق کی کفالت کرنے اور صلحاء کی ایک جماعت کا خیال رکھنے کی ہو تو تم حاجت سے زائد لے لو کیوں کہ یہ فقراء کی حاجت سے زیادہ نہیں ہے اور اسے خرچ کرنے میں جلدی کرو اسے جمع کر کے نہ رکھو کیوں کہ اس کو روک رکھنے میں فتنہ اور آزمائش ہے چاہے ایک رات ہی کیوں نہ ہو بعض اوقات تمہارا دل اسے اچھا سمجھے گا اور تم اسے روک لوگے تو یہ تمہارے لیے فتنے کا باعث ہوگا۔

ایک جماعت نے فقراء کی خدمت کا قصد کیا تو اسے مال کی کثرت اور عیش و عشرت کے کھانے پینے کا ذریعہ بنا لیا اور یہی ہلاکت ہے اور جو شخص اس کام سے فقراء پر آسانی اور ثواب حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ پر صحیح عقیدہ رکھتے ہوئے قرض لے ظالم بادشاہوں پر اعتماد نہ کرے اگر اللہ تعالیٰ اسے حلال مال عطا فرمائے تو قرض ادا کر دے اور اگر ادائیگی سے پہلے مر گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کر دے گا اور اس کے قرض خواہوں کو راضی کر دے گا اور اس کیلئے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۷

(۲) جامع ترمذی ص ۲۳۹، ابواب الزہد

marfat.com

شرط یہ ہے کہ قرض دینے والے کے لیے اس کی حالت واضح ہو پس قرض خواہ کو دھوکہ نہ دے اور وعدوں پر ٹالنے کے لیے اسے دھوکے میں نہ رکھے بلکہ اپنا حال اس کے سامنے کھول کر رکھ دے تاکہ وہ علی وجہ البصیرت اسے قرض دے اور اس قسم کے لوگوں کا قرض بیت المال سے ادا کرنا ضروری ہے یا زکوٰۃ کے مال سے دیا جائے ارشاد ربانی ہے۔

وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتَاهُ اللّٰهُ ۔ (۱)

اور جس شخص پر اس کا رزق تنگ ہو گیا تو اسے چاہیے کہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا۔

کہا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنا ایک کپڑا بیچ دے اور کہا گیا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنی شخصیت کی بنیاد پر قرض لے تو یہ وہ ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو اپنے سرمایہ کے مطابق خرچ کرتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اس اندازے پر خرچ کرتے ہیں جس قدر ان کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں حُسنِ ظن ہوتا ہے۔

ایک بزرگ فوت ہوئے تو انہوں نے اپنے مال کے تہائی حصے کی اقویاء (مضبوط لوگوں) سخیوں اور مالدار لوگوں کے لیے وصیت کی پوچھا گیا یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا اقویاء وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں اور سخی وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں حُسن ظن رکھتے ہیں اور غنی وہ لوگ ہیں جو سب کچھ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم کر لیتے ہیں۔

پس جب فقیر میں، مال میں اور دینے والے میں مذکورہ بالا شرائط پائی جائیں تو وہ ہدیہ قبول کرے اور اسے یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ جو کچھ ملا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے بندے کی طرف سے نہیں ملا۔ کیوں کہ دینے والا تو ایک واسطہ ہے جو عطا کے لیے مسخر کیا گیا ہے اور اس پر جو کام مسلط کیا گیا ہے اس کے لیے وہ مجبور ہے مثلاً اس کے دل میں جو ارادہ یا اعتقاد یا داعیہ پیدا ہوا۔

منقول ہے کہ کسی شخص نے حضرت شفیق بلخی رحمہ اللہ کو ان کے پچاس ساتھیوں سمیت دعوت دی اس نے اچھا دسترخوان بچھایا جب وہ بیٹھ گئے تو اپنے ساتھیوں سے فرمایا یہ ایک ایسے شخص کی طرف سے ہے جو کہتا ہے کہ جو شخص اس کو میری طرف سے نہیں سمجھے گا کہ میں نے اسے بنایا اور پیش کیا ہے تو اس پر میرا یہ کھانا حرام ہے یہ سن کر وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر نکل گئے البتہ ایک نوجوان بیٹھا رہا جو ان سے کم درجہ کا تھا۔ صاحب خانہ نے حضرت شفیق رحمہ اللہ سے کہا میں نے تو یہ ارادہ نہیں کیا تھا! انہوں نے فرمایا میں نے اپنے ساتھیوں کے عقیدۂ توحید کو آزمانا چاہا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ! تو نے میرا رزق بنی اسرائیل کے ہاتھ میں رکھا ہے یہ صبح و شام مجھے کھانا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ اسی طرح کرتا ہوں میں ان کا رزق

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ طلاق آیت ۷

marfat.com

اپنے بندوں میں سے اہل باطل کے پاس رکھتا ہوں تاکہ ان کو اس کا اجر ملے۔ لہذا دینے والے کو یہی خیال کرنا چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے اور اسے اجر ملے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے پسندیدہ اعمال کی اچھی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

فصل ۴ :

ضرورت کے بغیر سوال حرام ہے اور مجبور فقیر کے آداب

سوال کرنے کے بارے میں بہت زیادہ ممانعت آئی ہے اور اس سلسلے میں اجازت بھی دی گئی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لِلسَّائِلِ حَقٌّ وَلَوْ جَاءَ عَلَى فَرَسٍ۔ (۱) مانگنے والے کا حق ہے اگرچہ گھوڑے پر آئے۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے۔

رُدُّوا السَّائِلَ وَلَوْ بِظِلْفٍ مُحْرَقٍ۔ (۲) سائل کا سوال پورا کرو اگرچہ جلے ہوئے کھر کے ساتھ ہو۔

اگر مانگنا مطلقاً حرام ہوتا تو جو شخص اپنے دشمنوں پر زیادتی کرتا ہے اس کی مدد جائز نہ ہوتی اور عطا کرنا مدد ہے۔ تو اس سلسلے میں وضاحت یہ ہے کہ اصل کے اعتبار سے سوال حرام ہے اور ضرورت کے تحت یا کسی اہم حاجت کی صورت میں جو ضرورت کے قریب ہے، مانگنا جائز ہے اگر اس سے بچ سکتا ہو تو سوال حرام ہوگا ہم نے یہ کہا کہ اصل میں سوال حرام ہے کیوں کہ مانگنے کی صورت میں تین حرام کام کرنا پڑتے ہیں۔

مانگنے کی تین خرابیاں

پہلا کام۔ اللہ تعالیٰ پر شکوہ کا اظہار، کیوں کہ سوال فقر کا اظہار ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی کمی کا ذکر عین شکوہ ہے اور جس طرح کسی مملوک غلام کا مانگنا اپنے مالک پر طعن و تشنیع ہے اسی طرح بندوں کا سوال کرنا اللہ تعالیٰ کی ذات پر طعن ہے اور یہ کام حرام ہے اور ضرورت کے بغیر ایسا کرنا جائز نہیں جیسا کہ مردار ضرورت کے وقت ہی حلال ہوتا ہے۔

دوسرا کام : مانگنے میں غیر خدا کے سامنے ذلت اختیار کرنا ہے اور مومن کے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے ذلیل و رسوا ہوتا پھرے بلکہ اسے چاہیئے کہ اپنے آقا کے سامنے ہی عاجزی اختیار کرے کیوں کہ اس میں اس کی عزت ہے باقی تمام لوگ اس کی طرح بندے ہیں لہذا ضرورت کے بغیر ان کے سامنے ذلت و رسوائی اختیار نہ کرے۔

اور سوال کرنے میں مسئول عنہ (جس سے سوال کیا گیا) کی نسبت سائل کی ذلت ہے۔

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد اوّل ص ۲۳۵ کتاب الزکوٰۃ

(۲) سنن ابی داؤد جلد اوّل ص ۲۳۵ کتاب الزکوٰۃ

marfat.com

تیسرا کام : عام طور پر مانگنے والے کو مسئول عنہ کی طرف سے اذیت پہنچتی ہے کیوں کہ بعض اوقات وہ دل کی خوشی سے خرچ کرنا نہیں چاہتا پس اگر وہ سائل سے حیا کرتے ہوئے یا ریاکاری کے طور پر خرچ کرے تو یہ لینے والے پر حرام ہے اور اگر وہ منع کرے تو بعض اوقات وہ حیا کرتے ہوئے منع کرتے وقت اپنے نفس میں اذیت محسوس کرتا ہے کیوں کہ اپنے آپ کو بخیل کی شکل میں دیکھتا ہے کہ خرچ کرنے میں مال کا نقصان ہے اور منع کرنے میں عزت کا نقصان ہے اور یہ دونوں کام اذیت ناک ہیں اور مسائل ہی ایذا کا سبب بنا ہے اور ایذا رسانی ضرورت کے بغیر حرام ہے۔

اب جب تم ان تینوں ممنوع باتوں کو سمجھ گئے تو تمہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کی سمجھ بھی آگئی ہوگی کہ آپ نے فرمایا۔

مَسْأَلَةُ النَّاسِ مِنَ الْفَوَاحِشِ مَا أُحِلَّ مِنَ الْفَوَاحِشِ غَيْرُهَا۔ (۱)

لوگوں سے مانگنا فاحش کاموں سے ہے اور فواحش میں سے صرف یہی جائز ہے۔

تو دیکھئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگنے کو فاحش (بے حیائی کا کام) قرار دیا اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ فاحش کام ضرورت کے وقت ہی جائز ہوتا ہے جیسے کسی آدمی کا لقمہ پھنس جائے اور اس کے پاس شراب کے سوا کچھ نہ ہو (تو اسے استعمال کر سکتا ہے)

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ سَأَلَ عَنْ غِنًى فَإِنَّمَا يَسْتَكْثِرُ مِنْ جَمْرِ جَهَنَّمَ۔ (۲)

جو شخص مال دار ہونے کے باوجود مانگتا ہے وہ جہنم کے انگارے زیادہ کرتا ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ سَأَلَ وَلَهُ مَا يُغْنِيهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ عَظْمٌ يَتَقَعْقَعُ وَلَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ۔ (۳)

جو شخص بے نیازی کے باوجود مانگتا ہے وہ قیامت کے دن یوں آئے گا کہ اس کا چہرہ ایک ہڈی ہوگی جو حرکت کرے گی اور اس پر گوشت نہیں ہوگا۔

دوسری روایت میں اسطرح ہے۔

وَكَانَتْ مَسْأَلَتُهُ خُدُوشًا وَكُدُوحًا

اور اس کا سوال اس کے چہرے پر خراشیں بن

---

(۱)

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۲۴ کتاب الزکوٰۃ

(۳) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۴۷۰ کتاب الزکوٰۃ

marfat.com

فِیْ وَجْهِهٖ (۱) جائے گا۔

تو یہ الفاظ مانگنے کی حرمت اور سختی میں واضح ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو اسلام پر بیعت فرمایا تو ان پر سننے اور ماننے کی شرط رکھی پھر ان سے ایک ہلکا سا کلمہ فرمایا۔

وَلَا تَسْأَلُوا النَّاسَ شَيْئًا۔ (۲) اور لوگوں سے کچھ نہ مانگنا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر سوال سے بچنے کا حکم دیتے اور فرماتے۔

مَنْ سَأَلَنَا أَعْطَيْنَاهُ وَمَنِ اسْتَغْنَى أَغْنَاهُ اللّٰهُ وَمَنْ لَمْ يَسْأَلْنَا فَهُوَ أَحَبُّ إِلَيْنَا۔ (۳)

جو شخص ہم سے مانگے گا ہم اسے دیں گے اور جو بے نیازی اختیار کرے اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز کر دے گا اور جو آدمی ہم سے سوال نہ کرے وہ ہمیں زیادہ پسند ہے

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

اِسْتَغْنُوْا عَنِ النَّاسِ وَمَا قَلَّ مِنَ السُّؤَالِ فَهُوَ خَيْرٌ۔

لوگوں سے بے نیاز رہو (سوال نہ کرو) اور جس قدر سوال کم ہو (اسی قدر) بہتر ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ سے بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں مجھ سے بھی۔ (۴) (تواضع کے طور پر یا تعلیم کے لیے فرمایا)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو (نماز) مغرب کے بعد سوال کرتے ہوئے سنا تو اپنی قوم کے ایک شخص سے فرمایا اسے کھانا کھلاؤ اس نے کھانا کھلایا آپ نے دوبارہ سوال کرتے ہوئے سنا تو فرمایا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ اسے کھانا کھلاؤ اس نے عرض کیا میں نے اسے کھانا کھلا دیا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو اس شخص کی بغل میں روٹیوں سے بھرا ہوا توبرا تھا آپ نے فرمایا تم سائل نہیں بلکہ تاجر ہو پھر آپ نے اس سے لے کر صدقہ کے اونٹوں کے سامنے ڈال دیا اور اسے درّے سے مارا اور فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا ـــــ اگر مانگنا حرام نہ ہوتا تو آپ اسے نہ مارتے اور نہ ہی اس کا توبرا لیتے۔

شاید کوئی کم عقل تنگ حوصلے والا شخص اعتراض کرے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف اس عمل کی نسبت عقل سے

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۳۱ کتاب الزکوٰۃ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۷ مرویات عوف بن مالک

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۴ مرویات ابو سعید خدری

(۴) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۱ ص ۴۴۴ حدیث ۱۲۲۵۷

marfat.com

بعید ہے آپ کا مارنا تادیب ہے اور شریعت میں تعزیر کا حکم آیا اور اس کا مال لینا بطور جرمانہ تھا اور شریعت میں مال کے ساتھ سزا جائز نہیں ہے تو آپ نے اس بات کو کیسے جائز سمجھ لیا ایسا اعتراض کرنے والے فقہ کم جانتے ہیں فقہاء کی فقہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے کیا ہے آپ جس قدر اللہ تعالیٰ کے دین کی سمجھ رکھتے تھے اور بندوں کے مصالح سے آگاہ تھے ان لوگوں کو کہاں حاصل ہے تمہارا کیا خیال ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ مالی سزا جائز نہیں یا ان کو معلوم تو تھا لیکن انہوں نے غصے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی یا آپ نے مصلحت کے تحت جھڑکنے کے لیے وہ راستہ اختیار کیا جو نبی کی شریعت کے خلاف ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ بھی تو گناہ ہے بلکہ آپ کے لیے جو فقہ واضح ہوئی وہ یہ تھی کہ آپ نے اس کو سوال سے مستغنی خیال کیا اور جان لیا کہ اسے جو کوئی کچھ دیتا تھا وہ اس کو محتاج سمجھ کر دیتا تھا حالانکہ وہ جھوٹا تھا اس لیے جو کچھ وہ دھوکہ دہی کے ذریعے حاصل کرتا تھا وہ اس کی ملک میں داخل نہیں ہوا۔ اور ان چیزوں کے مالکوں کو تلاش کرنا ممکن نہ تھا کہ ان تک لوٹایا جاتا کیوں کہ بعینہٖ ان کی پہچان نہ ہو سکی۔ تو اس مال کا کوئی مالک نہ رہا لہٰذا مسلمانوں کے مصالح پر خرچ کرنا واجب تھا اور اونٹ اور ان کا چارہ مسلمانوں کے مصالح میں سے ہے۔

سائل نے جھوٹ کے ذریعے اپنی حاجت کو ظاہر کیا تو اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی شخص علوی بن کر حاصل کرے حالانکہ وہ علوی نہیں ہے تو وہ جو کچھ لے گا اس کا مالک نہیں ہوگا اسی طرح ایک صوفی جو بظاہر صالح ہے اور اس کی صالحیت کی وجہ سے اسے دیا جاتا ہے لیکن وہ باطنی طور پر گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے اور اگر دینے والے کو اس بات کا علم ہو جائے تو وہ اسے ہرگز نہ دے۔ اور ہم نے کئی جگہ لکھا ہے کہ جو کچھ وہ اس طریقے پر لیتے ہیں وہ اس کے مالک نہیں ہوتے اور یہ مال ان پر حرام ہے اور ان پر لازم ہے کہ اسے مالک کی طرف لوٹا دیں۔

پس تم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فعل سے اس معنیٰ کی صحت پر استدلال کرو جس سے بہت سے فقہاء غافل ہیں اور ہم نے متعدد مقامات پر اس کا ذکر کیا اور فقہ سے اپنی غفلت کے باعث حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فعل کو باطل قرار نہ دو (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بطور تنبیہ اس کو سزا دی اور روٹیاں واپس لیں)

پس جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ ضرورت کے تحت سوال جائز ہے تو جان لو کہ کسی چیز کے لیے آدمی مجبور ہوتا ہے یا اس کی سخت حاجت ہوتی ہے یا معمولی حاجت ہوتی ہے یا اس سے بے نیاز ہوتا ہے تو یہ چار حالتیں ہیں پہلی حالت یعنی جب مجبور ہو (جسے حالتِ اضطرار کہتے ہیں) جیسے کسی شخص کو اپنے نفس پر موت یا بیماری کا ڈر ہو یا وہ ننگا ہے اور اس کے پاس بدن ڈھانپنے کے لیے کچھ نہیں تو اس صورت میں سوال جائز ہے جب مسئول میں باقی شرائط پائی جائیں اور وہ اس کے سوال پر دل سے راضی بھی ہو نیز سائل کمانے سے عاجز بھی ہو کیوں کہ جو شخص کما سکتا ہے لیکن نکما پھرتا ہے اسے سوال کرنے کی اجازت نہیں ہے البتہ اس کا تمام وقت حصولِ علم میں خرچ ہو جاتا ہو تو جائز ہے اور جو شخص لکھنا جانتا ہو وہ کتابت کے ذریعے کمانے پر قادر ہے اور جو شخص (سوال سے) بے نیاز ہو کر کچھ مانگے اور اس کے پاس اس مال کی مثل یا کئی مثل چیز موجود ہے تو اس کے لیے مانگنا قطعی طور

marfat.com

حرام ہے اور یہ دونوں قسمیں واضح ہیں۔

دوسری حالت یعنی جب سخت حاجت ہو جیسے مریض کو دوائی کی ضرورت ہے لیکن اسے دوائی استعمال نہ کرنے سے ہلاکت وغیرہ کا خوف ہوتا ہے لیکن زیادہ خطرہ نہیں ہوتا یا ایک آدمی کے جسم پر کوٹ ہے لیکن اس کے نیچے قمیص نہیں ہے اور سردیوں کا موسم ہے اسے سردی سے اذیت پہنچتی ہے لیکن ضرورت کی حد پیدا نہیں ہوتی اسی طرح ایک آدمی کرائے کے لیے پیسے مانگتا ہے حالانکہ وہ کچھ مشقت برداشت کر کے پیدل بھی چل سکتا ہے تو ایسے شخص کے لیے بھی مانگنا جائز ہوگا کیوں کہ یہاں حاجت ثابت ہے البتہ صبر کرنا زیادہ بہتر ہے اور وہ سوال کر کے اولیٰ (بہتر) کام کو چھوڑ رہا ہے اور جب وہ سوال کرنے میں سچا ہو تو اس کے سوال کو مکروہ نہیں کہا جائے گا مثلاً وہ کہتا ہے کہ میرے کوٹ کے نیچے قمیص نہیں ہے اور سردی مجھے اذیت دیتی ہے میں اسے برداشت کرتا ہوں لیکن مشقت اٹھانا پڑتی ہے پس جب وہ سچ بولے گا تو اس کا سچ اس کے سوال کا کفارہ بن جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

تیسری حالت حاجتِ خفیفہ کی ہے اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص قمیص مانگتا ہے تاکہ باہر جاتے وقت اسے کپڑوں کے اوپر پہن لے تاکہ اس کے کپڑوں کی پھٹن لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہے یا کوئی شخص سالن کے لیے مانگتا ہے جب کہ روٹی اس کے پاس موجود ہے یونہی ایک شخص کے پاس گدھے کا کرایہ ہے لیکن وہ گھوڑے کے کرائے کے لیے سوال کرتا ہے یا سواری کے کرائے پر قادر ہے لیکن کجاوے کے کرائے کے لیے مانگتا ہے تو اس صورت میں اگر وہ دھوکہ دیتا ہے کہ اس حاجت سے علاوہ حاجت کا اظہار کرتا ہے تو یہ حرام ہے اور اگر ایسی صورت نہیں لیکن یہ تین خرابیاں یعنی اللہ تعالیٰ کا شکوہ، ذلت برداشت کرنا اور مسئول کو ایذا پہنچانا پایا جاتا ہے تو بھی حرام ہے کیوں کہ اس قسم کی حاجت کے لیے اس قسم کے ممنوعات کو جائز قرار دینا صحیح نہیں ہے اور اگر تین باتوں میں سے کوئی بات نہ ہو تو سوال کرنا جائز ہوگا لیکن مکروہ بھی ہوگا۔

سوال :۔

ان تین ممنوع امور سے سوال کا خالی ہونا کیسے ممکن ہے۔

جواب :۔

شکوہ تو یوں دور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور مخلوق سے بے نیاز رہے اور محتاج کی طرح سوال نہ کرے بلکہ یوں کہے کہ جو کچھ میرے پاس ہے میں اس کی وجہ سے سوال سے بے نیاز ہوں لیکن میرے نفس کی طبع مجھ سے ایک اور کپڑے کا سوال کرتی ہے جو میں کپڑوں کے اوپر پہنوں اور یہ حاجت سے زائد ہے اور نفس کے فضول امور میں سے ہے اس طرح شکوہ کی حد سے نکل جائے گا۔

ذلت سے نکلنے کی صورت یہ ہے کہ اپنے باپ سے یا کسی قریبی رشتہ دار یا کسی ایسے دوست سے مانگے جس کے بارے میں وہ جانتا ہو کہ اس کی نگاہوں میں وہ حقیر نہیں ہوگا اور سوال کی وجہ سے ذلت اٹھانا نہیں پڑے گی یا کسی ایسے سخی سے

مانگے جس نے اپنے مال کو اس مقصد کے لیے تیار کر رکھا ہے اور وہ اس قسم کا کام کر کے خوش ہوتا ہے بلکہ اس کے قبول کرنے کو اپنے اوپر احسان سمجھتا ہے یوں سوال کرنے سے ذلت اٹھانا نہیں پڑے گی کیوں کہ ذلت، احسان کے ساتھ لازم ہے ایذاء سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ سوال کے لیے کسی شخص کو معین نہ کرے بلکہ سب کے سامنے سوال رکھ دے تاکہ جسے دینے کی سچی رغبت ہو وہ دے دے اور اگر مجلس میں کوئی ایسا شخص ہو جس کی طرف لوگوں کی نظریں اٹھتی ہیں اور اگر وہ نہ دے تو برا سمجھا جاتا ہے تو یہ اسے ایذا پہنچانا ہے کیوں کہ بعض اوقات وہ ملامت کے خوف سے مجبوراً خرچ کرتا ہے اور دل میں سوچتا ہے کہ اگر ملامت کا خوف نہ ہوتا تو میں دینے سے اجتناب کرتا۔

اور اگر کسی معین شخص سے سوال کرے تو مناسب یہ ہے کہ صراحتاً نہ کہے بلکہ کنایتاً کہے تاکہ وہ غفلت برتنا چاہے تو اس کے لیے راستہ کھلا ہو اور اگر وہ طاقت کے باوجود غفلت اختیار نہیں کرتا تو گویا وہ خوشی سے دے رہا ہے اور اس دینے سے اسے کوئی اذیت نہیں پہنچتی اور مناسب یہی ہے کہ ایسے آدمی سے سوال کرے جو اس کے سوال کو رد کرنا چاہے یا غفلت برتے تو اسے حیا نہ آئے کیونکہ سائل سے حیا اذیت کا باعث ہے جس طرح مانگنے والا نہ ہو تو وہاں دکھ اور ایذا رسانی کا باعث ہے۔

سوال :۔

اگر سائل کو معلوم ہو کہ دینے والا اس سے یا حاضرین سے حیا کرتے ہوئے دیتا ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ نہ دیتا ہے تو کیا اس صورت میں لینا حلال ہے یا مشتبہ؟

جواب ،

میں کہتا ہوں یہ محض حرام ہے اور اس سلسلے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں اور اس کا حکم وہی ہے جو دوسروں کا مال مار پیٹ یا بدمعاشی کے ذریعے لینے کا حکم ہے کیوں کہ اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ اس کے ظاہری چمڑے کو مکڑی کے ڈنڈے سے مارے یا دل کے باطن کو حیا اور ملامت کے خوف کے ڈنڈے سے مارے بلکہ عقلمند لوگوں کی نگاہ میں باطنی ضرب کا زیادہ دکھ ہوتا ہے۔ اور یہ نہ کہا جائے کہ ظاہری طور پر تو وہ راضی ہو گیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّمَا اَحْکُمُ بِالظَّاهِرِ وَاللّٰهُ يَتَوَلَّى السَّرَائِرَ۔ میں ظاہر کے مطابق حکم دیتا ہوں باطن کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

تو یہ مقدمات کے فیصلوں کے سلسلے میں قاضیوں کی ضرورت ہے کیوں کہ وہ باطن کا حال نہیں جانتے اور نہ ہی ان کو قرائن احوال کا علم ہوتا ہے لہٰذا وہ ظاہری زبانی قول پر حکم دینے میں مجبور ہیں حالانکہ زبان سے اکثر جھوٹ نکلتا ہے لیکن ضرورت کا تقاضا ہے۔

اور یہ سوال بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے کیوں کہ اس میں حاکم تمام حاکموں سے بڑا ہے اور اس کے نزدیک دلوں کا وہ مقام ہے جو دیگر حاکموں کے نزدیک زبان کا ہے لہٰذا اس قسم کی صورت میں اپنے دل کو دیکھو اگرچہ لوگ تمہیں فتویٰ

marfat.com

یں کیوں کہ مفتی، قاضی اور سلطان کو سکھاتے ہیں تاکہ وہ ظاہری طور پر فیصلہ کر سکیں اور دلوں کے مفتی آخرت کا علم رکھنے والے
ب ہیں اور ان کے فتویٰ سے آخرت کے بادشاہ کی پکڑ سے نجات ہوگی جس طرح فقیہ کے فتویٰ سے دنیا کے حاکم سے نجات ملتی
ہے تو سائل جو مال دوسرے کی مرضی کے بغیر لیتا ہے دیانتاً اس کا مالک نہیں ہوتا اور (اخلاقی طور پر) اس پر واجب ہے کہ
س کے مالک کو واپس کر دے اور اگر وہ حیا کرتے ہوئے واپس نہ لے تو اس پر لازم ہے کہ اس مال کی قیمت کے برابر اسے
یہ اور تحفہ دے تاکہ اس کی ذمہ داری پوری ہو جائے۔ اور اگر وہ اس کا ہدیہ بھی قبول نہ کرے تو چاہیئے کہ اس کے
وں کو واپس دے دے اور اگر اس کے پاس ضائع ہو جائے تو عنداللہ اس پر تاوان ہوگا (اگرچہ فقہی حکم کے مطابق
ان نہیں ہوتا نہ ہی واپسی لازمی ہے) اور اس میں تصرف کرنے سے وہ گناہ گار ہوگا نیز سوال کر کے جو اسے اذیت پہنچائی ہے
س کا گناہ بھی ہوگا۔

سوال:

یہ تو ایک باطنی معاملہ ہے جس پر مطلع ہونا مشکل ہے پس اس سے نجات کا کیا راستہ ہے؟ بعض اوقات سائل یہ
تا ہے کہ دینے والا راضی ہے حالانکہ وہ دل سے راضی نہیں ہوتا۔

جواب:

یہی وجہ ہے کہ متقی لوگوں نے سرے سے سوال کرنا ہی چھوڑ دیا وہ کسی سے کچھ بھی نہیں لیتے تھے حضرت بشر رحمہ اللہ،
رت سری سقطی رحمہ اللہ کے علاوہ کسی سے کچھ نہ لیتے اور فرماتے ہیں ان سے اس لیے لیتا ہوں کہ وہ مال دینے پر خوش ہوتے
، لہذا میں ان کے پسندیدہ، عمل پر ان کی مدد کرتا ہوں۔

مانگنے پر اعتراض اور اس سے بچنے کی تاکید اسی لیے ہے کہ ضرورت کے بغیر کسی کو ایذا پہنچانا جائز نہیں ہے یعنی سائل کو
ن کا خطرہ ہو اور نجات کی کوئی صورت باقی نہ رہے اور اسے کوئی ایسا شخص نہ ملے جو کراہت اور اذیت کے بغیر (خوشی خوشی) دیتا
ثواب اس کے لیے جائز ہوگا۔ جیسے (ایسی حالت میں) خنزیر کا گوشت اور مردار کو گوشت کھانا حلال ہو جاتا ہے تو پرہیز
لوگوں کا طریقہ بچنا ہے۔ بعض ارباب قلوب اپنی بصیرت کی وجہ سے احوال کے قرائن پر مطلع ہو جاتے تھے اس لیے کسی
ے لیتے تھے اور کسی سے نہیں لیتے تھے اور بعض اکابر صرف اپنے دوستوں سے لیتے تھے اور بعض ان لوگوں سے لیتے جو بعض
دیتے اور کچھ واپس لے لیتے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈھے، گھی اور پنیر کے سلسلے میں عمل اختیار فرمایا اور
س صورت میں ہوتا تھا جب سوال کے بغیر کچھ ملے کیوں کہ اس میں دینے والے کی رغبت ہوتی ہے لیکن بعض اوقات رغبت
وجہ جاہ و مرتبہ کی طمع یا ریاکاری اور شہرت کی طلب ہوتی ہے چنانچہ اس سے وہ لوگ بچتے تھے۔ لیکن جہاں تک سوال کا تعلق
ہے تو اس سے وہ دو جگہ بالکل پرہیز کرتے تھے البتہ دو موقعوں پر سوال کرتے تھے۔ ایک تو ضرورت کے وقت سوال کرتے تھے
یا کرام حضرت سلیمان، حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہم السلام نے ضرورت کے وقت سوال کیا اور اس میں شک نہیں کہ

marfat.com

انہوں نے ایسے لوگوں سے سوال کیا جن کے بارے میں وہ جانتے تھے کہ وہ رغبت سے دینے والے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے دوستوں اور بھائیوں سے سوال کیا وہ ان کا مال سوال اور اجازت کے بغیر بھی لیتے تھے کیوں کہ اہل دل اس بات کو جانتے ہیں کہ مطلوب دل کی رضامندی ہے زبان سے بولنا نہیں اور انہیں اپنے ان بھائیوں پر یقین تھا کہ وہ ان کی بے تکلفی پر خوش ہوں گے اور جب ان کے بارے میں شک ہوتا کہ آیا وہ ہمارے اس لینے پر راضی ہوں گے یا نہیں تو سوال کرتے تھے ورنہ ان کو سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

اور سوال کرنے کی اجازت کی حد یہ ہے کہ سائل کو معلوم ہو کہ مسئول ایسی صفت پر ہے کہ اگر اسے میری حاجت کا علم ہو جائے تو سوال کے بغیر خود بخود ہی مجھے دے دے گا اب سوال کا مقصد صرف حاجت سے آگاہی ہوتا ہے اور حیا کے ذریعے اسے آگاہ کرنا یا کسی حیلے بہانے سے دینے کے لیے اسے تیار کرنا مقصود نہیں ہوتا اس کے بعد بھی سائل کی تین حالتیں ہوتی ہیں ایک حالت یہ کہ اسے مسئول کی قلبی رضامندی میں کوئی شک نہیں ہوتا دوسری حالت میں اس کی عدم رضا یقینی ہوتی ہے اور یہ بات احوال کے قرینے سے معلوم ہوتی ہے پہلی حالت میں لینا مطلقاً حلال ہے دوسری حالت میں قطعی حرام اور ان دونوں حالتوں کے درمیان کچھ مشکوک احوال ہیں ان کے بارے میں دل سے پوچھنا چاہیے اور جو کچھ دل میں کھٹکے اسے چھوڑ دے کیوں کہ یہ گناہ ہے جس میں شک ہو اس کو چھوڑ کر اسے اختیار کرے جس میں شک نہیں ہے اور ذہین آدمی کے لیے قرائن احوال کے ذریعے اس کا ادراک آسان ہوتا ہے بشرطیکہ اس کی حرص اور خواہش کمزور ہو اور اگر حرص مضبوط اور سمجھ کمزور ہو تو اسے وہی کچھ دکھائی دیتا ہے جو اس کی غرض کے موافق ہو اور کراہت پر دلالت کرنے والے قرائن کی سمجھ نہیں آتی ان باریک باتوں کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا راز سمجھ آتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔

اِنَّ اَطْیَبَ مَا اَکَلَ الرَّجُلُ مِنْ کَسْبِہٖ۔ (۱)

انسان جو سب سے اچھا کھانا کھاتا ہے وہ اس کا اپنا کمایا ہوا ہوتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع کلمات کے ساتھ گفتگو کی صلاحیت عطا کی گئی ہے کیوں کہ جو شخص کماتا نہ ہو اور اسے باپ یا کسی قریبی رشتہ دار کی کمائی سے مالِ وراثت بھی نہ ہو ملا ہو وہ لوگوں سے لے کر کھاتا ہے اگر سوال کے بغیر دیا جائے تو دین کی وجہ سے دیا جائے گا اور اگر اس کا اندرونی معاملہ ایسا ہے کہ اگر لوگوں کے سامنے آجائے تو وہ اسے دین کی وجہ سے نہ دیں تو اس صورت میں یہ کھانا حرام ہوگا اور اگر مانگنے پر دیا گیا تو مانگنے پر دینے والے نے کب دل کی خوشی سے دیا اور سوال میں ضرورت کی مقدار کا کب خیال رکھا جاتا ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۱ مرویات عائشہ

marfat.com

اور جب تم لوگوں کے مال سے کھانے والے کے حال کی تفتیش کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ جو کچھ وہ کھاتا ہے سب کا سب یا
ں کا اکثر حرام سے اور حلال و پاکیزہ وہ ہے جو خود اس نے حلال کمائی سے حاصل کیا یا جس کا وہ وارث ہے اس نے حلال کمائی
ے ذریعے حاصل کیا لہذا لوگوں سے لے کر کھانے کے ساتھ تقویٰ جمع نہیں ہو سکتا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ غیر سے
ہمارا طمع کو ختم کر دے اور اپنے حلال مال کے ساتھ حرام سے بے نیاز کر دے اور اپنے فضل و کرم، احسان اور وسیع جود
ے ذریعے غیر سے ہماری طمع کو منقطع کر دے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

فصل ۸:

کس قدر مالداری سے سوال حرام ہوتا ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ سَأَلَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ مِنْهُ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ۔ (۱)

جو شخص مالداری کے باوجود سوال کرتا ہے وہ انگارے کا سوال کرتا ہے پس اس کی مرضی ان انگاروں کو کم لے یا زیادہ۔

یہ حدیث سوال کے حرام ہونے میں صریح ہے لیکن مال داری کی حد بندی مشکل ہے اور ہم مقدار مقرر نہیں کر سکتے بلکہ یہ
ی ہے (جیسے شریعت بتائے)

اور حدیث شریف میں ہے۔

اِسْتَغْنُوْا بِغِنَى اللّٰهِ تَعَالٰى عَنْ غَيْرِهٖ۔ اللہ تعالیٰ سے حاصل مالداری کے ذریعے اس کے غیر سے بچو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا وہ (مال داری) کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔

غَدَاءُ يَوْمٍ وَعَشَاءُ لَيْلَةٍ۔ (۲) صبح و شام کا کھانا۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے۔

مَنْ سَأَلَ وَلَهٗ خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا أَوْ عِدْلُهَا مِنَ الذَّهَبِ فَقَدْ سَأَلَ إِلْحَافًا۔ (۳)

جس شخص نے سوال کیا اور اس کے پاس پچاس درہم یا ان کے برابر سونا ہو تو اس نے الحاف کے طور پر سوال کیا (چمٹ جانا الحاف ہے)

---

۱ مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴۰۷ مرویات علی

۲ الکامل لابن عدی جلد ۳ ص ۱۰۹۸ من اسمہ سلیمان بن عمرو

۳ السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷، ص ۲۴ کتاب الصدقات

marfat.com

(اور قرآن پاک میں بتایا گیا کہ صدقہ وغیرہ کے مستحق وہ لوگ ہیں جو لوگوں سے بطور الحاف سوال نہیں کرتے گویا حدیث شر
میں بتایا گیا کہ ایسے لوگ سوال کرنے کا حق نہیں رکھتے ۱۲ ہزاروی)

ایک دوسری حدیث میں چالیس درھم کا ذکر ہے (۱)

اور جب مقدار میں اختلاف ہو اور روایات صحیح ہوں تو ان کو مختلف احوال سے متعلق ماننا پڑتا ہے کیوں کہ فی نفسہ ح
ایک ہی ہے اور ہم اندازہ مقرر نہیں کر سکتے اور زیادہ سے زیادہ ممکن بات یہی ہے کہ اسے قریب قریب قرار دیا جائے اور وہ ا
صورت میں ہے جب ایسی تقسیم ہو جو محتاج لوگوں کے احوال کا احاطہ کرتی ہو تو ہم کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا حَقَّ لِابْنِ آدَمَ اِلَّا فِی ثَلَاثٍ طَعَامٍ یُقِیْمُ صُلْبَهٗ وَثَوْبٍ یُوَارِیْ عَوْرَتَهٗ وَبَیْتٍ یَکِنُّهٗ فَمَا زَادَ فَهُوَ حِسَابٌ۔ (۲)

انسان کا حق صرف تین چیزوں میں ہے طعام جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھے کپڑا جو اس کے ستر کو ڈھانپے اور گھر جو اسے ٹھکانہ دے پس جو زیادہ ہے اس کا حساب ہوگا۔

تو ہم ان تین چیزوں کو حاجات میں اصل قرار دیتے ہیں تاکہ ان کی اجناس کا بیان ہو سکے اور جنس، مقدار اور وقت میں نظر کی جا سکے۔

تو اجناس یہی تین ہیں (یعنی کھانا، لباس اور رہائش) اور ان کے ساتھ جو ان کے ہم معنیٰ ہیں وہ بھی ملحق ہیں حتیٰ کہ ان کے ساتھ مسافر کا کرایہ بھی شامل ہے اگر پیدل چل نہ سکتا ہو اور اسی طرح جو اہم امور ان کے قائم مقام ہیں۔ اور انسان کی ذاتی ضرورتوں میں اس کے اہل و عیال اور جو اس کے زیر کفالت ہیں وہ بھی شامل ہیں جیسے جانور وغیرہ۔

مقدار کا جہاں تک تعلق ہے تو اس میں یہ خیال رکھا جائے کہ وہ دیندار لوگوں کے شایانِ شان ہو اور وہ ایک جو ہو یعنی قمیص، رومال، سلوار اور جوتا اور ہر جنس سے دوسرے کی حاجت نہیں گھر کے تمام سامان کو اسی پر قیاس کرے اور یہ بھی نہیں کہ باریک کپڑے تلاش کرے برتن مٹی کے ہوں تو وہی کافی ہیں پیتل اور تانبے کے برتن تلاش کرنے کی حاجت نہیں تعداد کے اعتبار سے ایک اور نوع کے اعتبار سے سب سے ہلکی قسم ہونی چاہیے بشرطیکہ عادت (عُرف) سے زیادہ دور نہ ہو جائے۔

کھانے کی مقدار ایک دن میں ایک مُد (ایک کلو) ہے اور یہ شریعت نے مقرر کی ہے اور کس قسم کا کھانا ہونا چاہیے جو کھانا کھایا جاتا ہے چاہے جَو ہی کیوں نہ ہوں اور ہمیشہ سالن کھانا ضرورت سے زائد ہے اور اسے بالکل چھوڑ دینا نقصان دیتا ہے بعض حالات میں اس کی طلب کی اجازت ہے۔

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۴، ص ۲۴ کتاب الصدقات

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۱۲ کتاب الرقاق

marfat.com

رہائش بھی وہی چاہیئے جو مقدار کے اعتبار سے کفایت کرے اور یہ کسی زینت کے بغیر ہو زینت اور توسیع کے لیے مانگتا مال داری کے ساتھ مانگنا ہے۔

اوقات کی طرف اضافت کی صورت یہ ہے کہ جس کی فی الحال ضرورت ہو یعنی ایک دن رات کا کھانا، پہننے کے لیے لباس اور ٹھکانہ جو اسے پناہ دے اور اس میں شک نہیں لیکن مستقبل کے لیے سوال کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ : جس کی دوسرے دن کے لیے حاجت ہو۔

دوسرا درجہ : جس کی چالیس یا پچاس دنوں میں ضرورت ہو۔

تیسرا درجہ : جس کی سال بھر کے لیے ضرورت ہو۔

تو قطعی حکم یہ ہے کہ جس کے پاس اس قدر ہو جو اسے اور اس کے اہل و عیال کو (اگر ہوں) ایک سال کے لیے کافی ہو تو مانگنا حرام ہے کیوں کہ یہ مال داری کی انتہا ہے اور حدیث شریف میں جو پچاس درہم مقرر کئے گئے ہیں وہ اسی اعتبار سے ہیں کہ اعتدال کے ساتھ خرچ کرتے ہوئے ایک شخص کے لیے سال میں پانچ دینار کافی ہیں لیکن عیال دار کے لیے بعض اوقات کافی نہیں ہوتے اور اگر سال گزرنے سے پہلے حاجت مند ہو جائے پس اگر وہ سوال پر قادر ہے اور آئندہ سوال کا موقع مل سکتا ہے تو اس کے لیے سوال جائز نہیں ہوگا کیوں کہ فی الحال وہ بے نیاز ہے اور ممکن ہے کل تک زندہ نہ رہے اس طرح گویا وہ اس چیز کا سوال کر رہا ہے جس کی اسے حاجت نہیں ہے تو اسے صبح شام کا کھانا کافی ہوگا اور جس حدیث میں اس مقدار کا بیان ہے وہ اسی بات پر محمول ہے۔

اور اگر وہ آئندہ سوال کرنے کا موقع نہیں پاتا اور اگر اب سوال نہ کرے تو آئندہ اسے دینے والا کوئی نہیں ہوگا تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے کیونکہ ایک سال تک زندہ رہنے کی امید بعید از عقل نہیں ہے اور سوال کی تاخیر سے اسے اس بات کا خوف ہے کہ وہ مجبور ہو جائے اور ضرورت کی اشیاء سے عاجز ہو۔

اور اگر مستقبل میں سوال کرنے سے عجز کا خوف کمزور ہو اور جس کے لیے سوال کر رہا ہے وہ ضرورت سے خارج ہے سوال کرنا کراہیت سے خالی نہ ہوگا اور جس قدر مجبوری کمزور ہوگی اسی حساب سے سوال کی کراہت ہوگی اسی طرح سوال موقع کے چلے جانے اور جس مدت میں سوال کا محتاج ہوگا اس کی تاثیر بھی پیش نظر رکھی جائے گی۔

یہ تمام باتیں کسی ضابطے میں نہیں آسکتیں بلکہ بندہ خود سوچے اور اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو معاملہ ہے اس پر نظر کرے پھر اپنے دل سے فتویٰ پوچھے اور اس پر عمل کرے اگر آخرت کے راستے پر چلتا ہے پس جس آدمی کا یقین مضبوط مستقبل میں رزق کے ملنے پر کامل اعتماد ہو وقتی کھانے پر قناعت زیادہ ظاہر ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا درجہ اعلیٰ ہے اب مستقبل کا خوف نہیں ہونا چاہیئے جب کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک دن کا کھانا تمہارے لیے اور تمہارے بال بچوں کے لیے عطا فرمایا ہے اب اگر یہ خوف ہوگا تو اس کی وجہ یقین کی کمی ہوگی نیز شیطان کی بات سننا اور اس کے ڈرانے

پر کان دھرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۱)

پس ان (کفار) سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا۔ (۲)

شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کا وعدہ دیتا ہے۔

اور بری چیز کا سوال ضرورت کے وقت جائز ہوتا ہے اور جو شخص اس چیز کے لیے مانگے جس کی آج حاجت نہ ہے اگرچہ سال کے دوران اسے ضرورت پڑے تو اس شخص کا حال اس آدمی کے حال سے زیادہ سخت ہے جس کو وراثت سے مال حاصل ہوا اور وہ اسے سال کے بعد کی ضرورت کے لیے رکھ دے ظاہری فتویٰ میں دونوں صورتیں جائز ہیں لیکن دو کی بنیاد دنیا کی محبت، لمبی امید اور اللہ تعالیٰ کے فضل پر یقین کا نہ ہونا ہے اور یہ امور ہلاکت خیز امور کی اصل ہیں ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے لطف و کرم سے ہمیں حُسنِ توفیق عطا فرمائے۔

فصل ۹،

مانگنے والوں کے حالات

حضرت بشر رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ فقراء تین قسم کے ہیں ایک وہ فقیر ہے جو سوال نہیں کرتا اور اگر اسے کچھ دیا جائے تو نہیں لیتا یہ روحانی لوگوں کے ساتھ اعلیٰ علیین میں رہے گا دوسرا وہ فقیر ہے جو مانگتا تو نہیں لیکن دیا جائے تو لے لیتا ہے یہ مقرب لوگوں کے ساتھ جنت الفردوس میں ہوگا۔ اور تیسرا فقیر وہ ہے جو حاجت کے وقت مانگتا ہے وہ اصحابِ یمین میں صدیقین لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ تو گویا یہ سب سوال کی مذمت پر متفق ہیں۔ البتہ فاقہ مرتبے اور درجے کو کم کر دیتا ہے۔

حضرت شفیق بلخی رحمہ اللہ نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ سے پوچھا جب آپ خراسان تشریف لائے تو آپ نے اپنے فقراء ساتھیوں کو کس حال میں چھوڑا؟ انہوں نے فرمایا اس طرح چھوڑا ہے کہ اگر ان کو دیا جائے تو شکر کرتے ہیں اور اگر نہ دیا جائے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۷۵

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۶۸

marfat.com

صبر کرتے ہیں جب انہوں نے ان کا وصف یوں بیان کیا کہ وہ سوال نہیں کرتے اور ان کی بہت زیادہ تعریف کی تو حضرت شفیق رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بلخ کے کتوں کو آپ نے ہمارے پاس اس طرح چھوڑا ہے حضرت ابراہیم بن ادھم نے پوچھا اے اسحٰق! آپ کے ہاں فقراء کا کیا حال ہے! انہوں نے فرمایا ہمارے فقراء کا حال یہ ہے کہ اگر ان کو نہ دیا جائے تو شکر کرتے اور اگر دیا جائے تو دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں حضرت ابراہیم بن ادھم نے ان کی پیشانی چوم کر فرمایا اے استاذ آپ نے سچ فرمایا۔

تو ارباب احوال کے درجات رضا، صبر، شکر اور سوال کے اعتبار سے بہت زیادہ ہیں لہٰذا جو شخص آخرت کے راستے پر ہے اسے ان درجات کی معرفت حاصل کرنی چاہیئے نیز ان کی اقسام اور درجات کے درمیان اختلاف کی معرفت بھی حاصل کرے اگر اسے معلوم نہ ہوگا تو پست درجات سے اعلیٰ درجات تک ترقی ممکن نہ ہوگی اور نہ ہی اسفل السافلین سے اعلیٰ علیین تک پہنچے گا اور جو آدمی پست اور بلند کے درمیان تمیز نہیں کر سکتا وہ ترقی پر قطعاً قدرت نہیں رکھتا شک تو اس آدمی کے بارے میں پیچان رکھتا ہے کیوں کہ بعض اوقات وہ اس ترقی پر قادر نہیں ہوتا۔

اور ارباب احوال پر بعض اوقات ایسی حالت غالب ہوتی ہے جو اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ سوال کرنے سے اسے درجات میں اضافہ ہو لیکن اس کا تعلق ان کی حالت سے ہے کیوں کہ اس قسم کے اعمال کا تعلق نیتوں کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کسی نے حضرت ابو اسحٰق نوری رحمہ اللہ کو دیکھا کہ وہ کسی جگہ ہاتھ پھیلائے لوگوں سے مانگ رہے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے اس بات کو گراں سمجھا اور ناپسند کیا میں حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے پاس آیا اور واقعہ بتایا تو انہوں نے فرمایا اس بات پر پشیمان نہ ہو حضرت نوری لوگوں سے اس لیے سوال نہیں کرتے کہ وہ ان کو کچھ دیں بلکہ اس لیے سوال کرتے ہیں کہ ان لوگوں کو آخرت میں ثواب ملے اور انہیں کسی ضرر کے بغیر اجر عطا ہو گویا انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی طرف اشارہ کیا آپ نے فرمایا

یَدُ الْمُعْطِیْ ھِیَ الْعُلْیَا۔ (۱) دینے والے کا ہاتھ ہی بلند ہوتا ہے۔

بعض نے فرمایا کہ دینے والے کے ہاتھ سے مراد مال لینے والے کا ہاتھ ہے کیوں کہ اس کے واسطے سے ثواب ملتا ہے روزی کی ہے اور جو کچھ وہ لیتا ہے اس کی قدر نہیں۔ پھر حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا ترازو لاؤ چنانچہ انہوں نے ایک سو درہم پھر ایک مٹھی درہم لے کر ان سو میں ملا دیئے پھر فرمایا یہ ان (حضرت نوری رحمہ اللہ) کے پاس لے جاؤ میں نے دل میں سوچا چیز کو اس لیے تولا جاتا ہے کہ اس کی مقدار معلوم ہو تو انہوں نے کس طرح اس میں مجہول چیز کو ملایا حالانکہ یہ تو ایک عقل مند ہیں لیکن مجھے سوال کرتے ہوئے حیا محسوس ہوا چنانچہ میں وہ تھیلی لے کر حضرت نوری رحمہ اللہ کے پاس چلا گیا انہوں نے بھی

---

۱ مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۴۶ مرویات ابو رمثہ

marfat.com

ترازو منگوایا اور ایک سو درھم تولے اور فرمایا یہ ان کے پاس واپس لے جاؤ اور کہو کہ میں تم سے کچھ بھی قبول نہیں کرتا اور جس قدر ایک سو سے زائد ہیں وہ لے رہا ہوں وہ بزرگ کہتے ہیں ان کی بات سے مجھے مزید تعجب ہوا چنانچہ میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا حضرت جنید رحمہ اللہ ایک دانا آدمی ہیں وہ رسی کے دونوں سرے خود ہی پکڑنا چاہتے ہیں انہوں نے اس سو اپنے فائدے کے لیے تولے تاکہ آخرت کا ثواب حاصل کریں اور اس پر ایک مٹھی درھم بلا وزن اللہ تعالیٰ کے لیے ڈال دیئے تو جو کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے تھا میں نے وہ لے لیا اور جو کچھ انہوں نے اپنے لیے رکھا تھا میں نے واپس کر دیا وہ بزرگ فرماتے ہیں میں نے وہ درھم حضرت جنید رحمہ اللہ کو واپس کیے تو وہ رونے لگے اور فرمایا جو کچھ ان کے لیے تھا وہ انہوں نے لیا ہمارا مال ہمیں واپس کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے ہی مدد مانگی جاتی ہے۔

تو دیکھو ان لوگوں کے دل کیسے صاف تھے اور ان کے اعمال بھی خالص اللہ تعالیٰ کے لیے تھے حتیٰ کہ ان میں سے ہر ایک، دوسرے کے دل کو دیکھ لیتا تھا اور زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی وہ دلوں کے ساتھ مشاہدہ کرتے اسرار پر گفتگو کرتے تھے اور یہ حلال رزق کھانے کا نتیجہ تھا نیز انہوں نے دل کو دنیا کی محبت سے خالی کیا اور پوری ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔

تو جو شخص تجربہ کرنے سے پہلے اس بات کا انکار کرے وہ جاہل ہے جیسے وہ شخص جو دوائی پینے سے پہلے اس کے مُسہل ہونے کا انکار کرے اور جو آدمی طویل اجتہاد کرے حتیٰ کہ اس میں پوری محنت صرف کر دے اور یہ بات اور دوسروں کے لیے اس کا انکار کر دے تو ایسا شخص اس آدمی کی طرح ہے تو دست آور دوائی پیئے لیکن یہ دوائی اس کسی باطنی بیماری کی وجہ سے اس کے لیے موثر نہ ہو تو وہ اس دوائی کے دست آور ہونے کا ہی انکار کر دے تو ایسا شخص اگرچہ جہالت میں دوسرے سے کم درجے میں ہے لیکن جہالت کے ایک بہت بڑے حصے سے خالی نہیں ہے بلکہ بصیرت والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ شخص جو اس راستے پر چلے جو اہل اللہ کو معلوم ہے تو یہ ذوق اور معرفت والا آدمی ہے اور عین الیقین کے مقام تک پہنچا وہ شخص جو ان بزرگوں کے راستے پر نہیں چلا یا چلا تو سہی لیکن پہنچا نہیں البتہ اس نے تسلیم کیا اور تصدیق کی تو یہ علم الیقین والا ہے اور جو آدمی علم الیقین اور عین الیقین دونوں سے خالی ہو وہ مومنوں کی جماعت سے خارج ہے اور قیامت کے دن منکرین متکبرین کے زمرے میں اٹھایا جائے گا جن کے دل مردہ اور شیطان کے تابع ہیں ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں میں کر دے جو علم میں راسخ ہیں اور کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت تو صرف عقل مند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں۔

دوسرا حصہ:

زہد کا بیان

اس میں درج ذیل باتوں کا بیان ہوگا۔

marfat.com

حقیقت زہد، زُہد کی فضیلت، زہد کے درجات اور اقسام، کھانے، لباس، رہائش اور گھر کے سامان کے سلسلے میں زُہد، معیشت کی اقسام اور زُہد کی علامت۔

فصل ۱:

زہد کی حقیقت

جان لو! دنیا سے بے رغبتی (یعنی زُہد) سالکین کے مقامات میں سے ایک شریف مقام ہے اور دوسرے مقامات کی طرح یہ مقام بھی علم، حال اور عمل سے مرکب ہوتا ہے کیوں کہ اسلاف کے قول کے مطابق ایمان کے تمام باب عقد، قول اور عمل کی طرف لوٹتے ہیں اور گویا قول کے ظہور کی وجہ سے اسے حال کی جگہ پر رکھا گیا کیوں کہ اس کے ذریعے باطن کا حال ظاہر ہوتا ہے ورنہ قول ذاتی طور پر مراد نہیں ہوتا اور اگر قوی باطن کے مطابق صادر نہ ہو تو اسے اسلام کہا جاتا ہے لیکن ایمان نہیں کہتے۔ اور علم حال کا سبب ہے گویا حال علم کا ثمرہ ہے اور عمل حال کا ثمرہ ہوتا ہے اب ہم حال کی دونوں طرفوں یعنی علم اور عمل کے ساتھ حال کا ذکر کرتے ہیں۔

حال: اس سے ہماری مراد وہی ہے جسے زُہد کہا جاتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ رغبت کو ایک چیز سے پھیر کر اس سے بہتر کی طرف متوجہ کیا جائے تو جو شخص ایک چیز سے رغبت کو پھیرتا ہے چاہے اس کا کوئی بدل لے، اسے بیچ دے یا کسی دوسرے طریقے سے ہو تو گویا وہ اس سے اس لیے منہ پھیرتا ہے کہ اس میں رغبت نہیں رکھتا اور اس کے غیر میں راغب ہے تو جس سے اس نے منہ پھیرا ہے اس کی نسبت سے اس کے حال کو زہد کہا جاتا ہے اور جس کی طرف متوجہ ہوا ہے اس کی نسبت سے یہ حالت رغبت اور محبت کہلاتی ہے۔

تو گویا زُہد دو چیزوں کو چاہتا ہے ایک وہ جس سے رغبت کو پھیرا جائے اور دوسری وہ جس میں رغبت کی جائے اور یہ اس پہلی سے بہتر ہوتی ہے اور جس سے رغبت کو پھیرا ہے اس میں بھی کسی نہ کسی وجہ سے رغبت ہوتی ہے اس لیے جو شخص اس چیز سے رغبت کو پھیرتا ہے جو اسے ذاتی طور پر مطلوب نہیں ہے تو ایسے شخص کو زاہد نہیں کہا جاتا کیوں کہ پتھر اور مٹی وغیرہ کو چھوڑنے والا زاہد نہیں کہلا سکتا زاہد وہ ہوتا ہے جو درہم اور دینار کو چھوڑتا ہے کیوں کہ مٹی اور پتھر میں رغبت نہیں ہوتی۔

اور جس چیز میں رغبت رکھی جا رہی ہے اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ مرغوب عنہ (جس سے رغبت کو پھیرا ہے) سے بہتر ہو تاکہ یہ رغبت غالب آجائے بیچنے والا اسی لیے بیچتا ہے کہ جو کچھ وہ خرید رہا ہے اس کے نزدیک وہ اس چیز سے بہتر ہے جس کو وہ بیچ رہا ہے تو مبیع (جو کچھ بیچ رہا ہے) کی نسبت سے اس کا حال زُہد کہلاتا ہے اور جو کچھ وہ عوض میں لیتا ہے اس کی حالت رغبت اور محبت کہلاتی ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

marfat.com

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ۔
سورۃ یوسف آیت ۲۰ (۱)

اور انہوں نے ان کو (حضرت یوسف علیہ السلام کو) ناقص قیمت کے ساتھ چند درھموں میں بیچ دیا اور وہ ان میں رغبت نہیں رکھتے تھے۔

"شروہ" کا معنیٰ یہ ہے کہ انہوں نے بیچ دیا کیوں کہ لفظ شراء بیچنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے وصف کو زُہد سے تعبیر کیا کیوں کہ وہ اپنے والد کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرانے کی طمع رکھتے تھے اور یہ بات ان کے نزدیک حضرت یوسف علیہ السلام سے زیادہ محبوب تھی چنانچہ انہوں نے عوض کی طمع میں ان کو بیچ دیا۔

لہٰذا جو شخص دنیا کو آخرت کے بدلے بیچتا ہے وہ دنیا میں زاہد ہے اور جو آدمی دنیا کے بدلے آخرت کو بیچتا ہے وہ بھی زاہد ہے لیکن آخرت کا زاہد ہے (یعنی آخرت سے بے رغبت ہے)

لیکن عرف میں زاہد اسے ہی کہا جاتا ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو جیسے الحاد کا نام باطل کی طرف میلان کے ساتھ خاص ہے اگرچہ لغوی طور پر الحاد محض میلان کا نام ہے۔

اور جب زہد، محبوب چیز سے رغبت کو پھیرنے کا نام ہے تو اس کا تصور اسی صورت میں ہوگا جب اس سے زیادہ محبوب چیز کی طرف توجہ کو پھیرا جائے ورنہ محض محبوب کو چھوڑنا محال ہے اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کے سوا سب چیزوں سے محبت کو پھیر دیتا ہے حتیٰ کہ اسے جنت کی رغبت بھی نہ رہے اور صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہو وہ زاہد مطلق ہے اور جو آدمی دنیا کی تمام چیزوں سے رغبت اٹھا لے اور آخرت میں حاصل ہونے والی نعمتوں کے حوالے سے زہد اختیار نہ کرے بلکہ حوروں، محلات نہروں اور پھلوں وغیرہ کی طمع کرے وہ بھی زاہد ہے لیکن پہلے کے مقابلے میں اس کا درجہ کم ہے اور جو شخص دنیا کے بعض مفادات کو چھوڑ دیتا ہے بعض کو نہیں چھوڑتا جیسے ایک شخص مال میں رغبت نہیں رکھتا لیکن اقتدار میں رغبت رکھتا ہے حتیٰ کہ وہ کھانے پینے میں کشادگی کو ترک کر دیتا ہے لیکن زیب و زینت کو نہیں چھوڑتا تو اسے مطلقاً زاہد نہیں کہا جاتا اور زاہدین میں اس کا درجہ اس طرح ہے جیسے توبہ کرنے والوں میں وہ شخص جو بعض گناہوں سے توبہ کرتا ہے یہ بھی زہد صحیح ہے جیسے بعض گناہوں سے توبہ صحیح ہوتی ہے کیوں کہ توبہ ممنوع کاموں کو چھوڑنے کا نام ہے اور زہد مباح اور جائز چیزوں کے ترک کا نام ہے جن کو نفس چاہتا ہے اور لطف اندوز ہوتا ہے اور یہ بات عقل سے بعید نہیں کہ آدمی بعض مباح چیزوں کو چھوڑنے پر قادر ہو اور بعض پر قادر نہ ہو جیسے ممنوعات میں یہ بات خلاف عقل نہیں ہے اور جو شخص صرف ممنوعات کو چھوڑتا ہے اسے زاہد نہیں کہا جا سکتا اگرچہ اس نے ممنوع چیزوں میں زہد اختیار کیا اور ان سے رُخ پھیر لیا لیکن عرف و عادت میں زہد مباح چیزوں کو چھوڑنے کا نام ہے تو زہد دنیا سے رغبت ختم کر کے اس کو آخرت کی طرف پھیرنے کا نام ہے یا غیر خدا سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور یہ بلند درجہ ہے تو جس طرح مرغوب فیہ (جس میں رغبت ہے) میں شرط ہے کہ وہ اس آدمی کے نزدیک اچھی ہو اسی طرح مرغوب عنہ (جس سے رغبت ترک کی ہے) کا اس کے بس میں ہونا ضروری ہے کیوں کہ جو کام انسان کے بس میں نہ ہو اس کو

چھوڑنا محال ہے اور جب چھوڑتا ہے تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کی رغبت زائل ہو گئی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ سے کہا گیا اے زاہد! تو انہوں نے فرمایا زاہد تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہیں کیوں کہ ان کے پاس دنیا ذلیل ہو کر آئی تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا میں نے کس بات میں زہد کیا؟

وہ علم جو اس حال کا نتیجہ ہے وہ اس بات کو جاننا ہے کہ جس چیز کو ترک کیا ہے وہ حاصل کی جانے والی چیز کی نسبت حقیر ہے جیسے تاجر اس بات کو جانتا ہے کہ عوض، مبیع (جو چیز بیچی گئی) سے بہتر ہے اس لیے وہ اس میں رغبت رکھتا ہے۔ اور جب تک یہ علم متحقق نہ ہو مبیع سے رغبت کا زوال متصور نہیں ہو سکتا اسی طرح جس شخص کو اس بات کا عرفان حاصل ہو جائے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی ہے اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے یعنی اس کی لذتیں ذاتی طور پر بہتر اور باقی رہنے والی ہیں جس طرح برف کے مقابلے میں جواہر بہتر اور باقی رہنے والے ہیں اور برف کے مالک پر برف کو جواہر اور موتیوں کے بدلے میں بیچنا مشکل نہیں ہوتا۔ دنیا اور آخرت کی یہی مثال ہے دنیا اس برف کی طرح ہے جو دھوپ میں رکھی ہوئی ہو وہ ختم ہونے تک پگھلتی رہتی ہے اور آخرت جوہر کی طرح ہے جو فنا نہیں ہوتا پس دنیا اور آخرت کے درمیان تفاوت کے بارے میں جس قدر یقین اور معرفت مضبوط ہو گی اس کا سودا کرنے اور معاملہ کرنے میں اسی قدر رغبت مضبوط ہو گی حتیٰ کہ جس شخص کا یقین مضبوط ہوتا ہے وہ اپنے نفس اور مال کو بیچ دیتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ (۱)	بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال خرید لیے کہ ان کا بدلہ جنت ہو گی۔

پھر بتایا کہ ان کو اس سودے میں نفع ہوا ارشاد خداوندی ہے۔

فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ۔ (۲)	پس تم اپنے اس سودے پر خوش ہو جاؤ جو سودا تم نے کیا

زہد کے سلسلے میں صرف اتنا علم کافی ہے یعنی آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے اور بعض اوقات وہ شخص بھی اس بات کو جانتا ہے جو علم اور یقین کی کمزوری کی وجہ سے ترکِ دنیا پر قادر نہیں ہوتا یا اس وقت اس پر خواہش کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ شیطان کے ہاتھوں مغلوب ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شیطان کے وعدوں سے دھوکے میں ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے مدت اٹھا لیتی ہے اور اب سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

اس آیت میں دنیا کے خسیس ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ارشاد ربانی ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ توبہ آیت ۱۱۱

(۲) قرآن مجید، سورۃ توبہ آیت ۱۱۱

marfat.com

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ۔ (۱) آپ فرما دیجئے دنیا کا سامان قلیل ہے۔

اور آخرت کے نفیس ہونے کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ۔ (۲) اور ان لوگوں نے کہا جن کو علم دیا گیا تمہارے لیے ہلاکت ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا ثواب بہتر ہے۔

تو اس بات سے آگاہ کیا کہ جوہر کی نفاست کا علم ہی اس کے عوض کی رغبت سے پھیرتا ہے۔

اور جب زہد کا تصور اس بات کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ محبوب چیز کی رغبت چھوڑ کر زیادہ محبوب چیز کی طرف متوجہ ہو۔ تو ایک شخص نے اپنی دعا میں کہا یا اللہ مجھے دنیا اسی طرح دکھا جس طرح تو اسے دیکھتا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَقُلْ هٰكَذَا وَلٰكِنْ قُلْ اَرِنِيْ كَمَا اَرَيْتَهَا الصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكَ۔ (۳) تم یوں نہ کہو بلکہ یوں کہو (اے اللہ) مجھے (دنیا) اس طرح دکھا جیسے تو نے اپنے نیک بندوں کو دکھائی ہے

کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو اسے حقیر جانتا ہے جیسے وہ حقیر ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے جلال کی نسبت سے ہر مخلوق حقیر ہے اور بندہ اسے اس چیز کی نسبت سے حقیر جانتا ہے جو اس کے لیے بہتر ہے اور جو شخص گھوڑا بیچتا ہے اگرچہ وہ اس وقت اس میں رغبت نہیں رکھتا لیکن وہ اسے زمین کے کیڑے مکوڑوں کی طرح نہیں دیکھتا کیوں کہ کیڑوں سے تو وہ مکمل طور پر بے نیاز ہے لیکن گھوڑے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر ہر چیز سے بے نیاز ہے اس لیے وہ اپنی ذات کے اعتبار سے تمام اشیاء کو ایک درجہ میں دیکھتا ہے کہ اس کے جلال کے سامنے سب ایک جیسے ہیں لیکن ایک دوسرے کے حوالے سے ان میں فرق ہے اور زاہد وہی ہے جو اپنی ذات کے حوالے سے فرق دیکھتا ہے دوسروں کی نسبت سے نہیں۔

زاہد کا عمل یہی ترک ہے کیوں کہ یہ بیع، معاملہ اور ادنیٰ کے بدلے میں بہتر لینا ہے تو جس طرح بیع کی صورت میں عمل یہی ہوتا ہے کہ بیع کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور اسے اپنے قبضے سے نکال کر اس کا عوض لیا جاتا ہے اسی طرح زہد کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز میں زہد اختیار کیا ہے اسے مکمل طور پر چھوڑ دے اور وہ دنیا ہے جس کے ساتھ اس کے اسباب، مقدمات اور تمام لوازم و متعلقات ہیں پس دل سے اس کی محبت نکل جاتی ہے اور عبادات کی محبت داخل ہو جاتی ہے اور جس چیز کو وہ دل سے نکالتا ہے وہ آنکھوں اور ہاتھوں سے بھی نکل جاتی ہے اور اب ہاتھ، آنکھیں اور تمام اعضاء ایک ہی

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النساء آیت ۷۷

(۲) قرآن مجید، سورۃ قصص آیت ۸۰

(۳) الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ص ۴۶۹ حدیث ۱۹۱۰

marfat.com

وظیفے یعنی عبادات، ہی مشغول ہوجاتے ہیں ورنہ صرف دنیا کو چھوڑنا اسی طرح ہوگا۔ جیسے کوئی شخص بیع دے دے لیکن اس کی
یت وصول نہ کرے جب وہ لینے اور دینے کے سلسلے میں دونوں طرف کی شرط پوری کر لیتا ہے تو اب اس کو اپنے سودے
بداعی ہونا چاہیے کیوں کہ جو شخص اس طرح سودا کرتا ہے وہ عہد کو پورا کرتا ہے۔

پس جو شخص موجود چیز کا غائب کے عوض سودا کرتا ہے اور وہ چیز دوسرے شخص کے حوالے بھی کر دیتا ہے (اسے بیع
لم کہتے ہیں) تو وہ غائب کی طلب شروع کر دیتا ہے پس اگر سودا کرنے والا ایسا شخص ہے جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے کہ وہ سچا
ں ہے، قادر بھی اور وعدہ پورا کرنے والا بھی تو جوں ہی اس شخص کی کوشش پوری ہوگی غائب چیز اس کے حوالے کر دے گا
ر جب تک دنیا کو اپنے پاس روکے رکھے اس کا زہد بالکل درست نہ ہوگا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت بنیامین علیہ السلام
ے حق میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو زاہدین نہیں فرمایا اگرچہ وہ کہتے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے
مائی (حضرت بنیامین) ہمارے والد کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں اور انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح ان کو بھی
صد کرنے کی کوشش کی لیکن ان میں سے ایک کی سفارش پر ان کو چھوڑ دیا اسی طرح جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام
نکالنے کا ارادہ کیا تو اس وقت بھی ان کو زاہدین نہیں فرمایا بلکہ اس وقت فرمایا جب انہوں نے آپ کو فروخت کیا اور
ن لوگوں کے حوالے کر دیا۔

تو رغبت کی علامت روکنا اور زہد کی علامت نکال باہر کرنا ہے اگر تم دنیا کی بعض چیزیں اپنے قبضے سے نکالو اور
ض نہ نکالو تو جو کچھ تم نے نکالا ہے صرف اسی میں زاہد ہوگے مطلق زاہد نہیں ہوگے اور اگر تمہارے پاس مال نہ ہو اور دنیا
ہاری مددگار نہ ہو تو تم سے زہد کا تصور نہیں ہوگا کیوں کہ جو شخص کسی چیز پر قادر نہ ہو وہ اس کے ترک پر بھی قادر نہیں ہوتا بعض
وقات شیطان تمہیں دھوکے میں مبتلا کر دیتا ہے اور تمہارے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ اگرچہ دنیا تمہارے پاس نہیں
ی لیکن تم زاہد ہو تو شیطان کے دھوکے میں نہ آؤ جب تک تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کئے گئے وعدے پر قوی اعتماد
ور یقین نہ ہو جب تک تم طاقت کے حال کو نہیں آزماؤ گے اس وقت تک دنیا کو چھوڑنے پر قدرت کا یقین کیسے رکھو
ے کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو گناہ پر قادر نہ ہونے کی صورت میں خیال کرتے ہیں کہ ان کو گناہ ناپسند ہیں اور جب کسی رکاوٹ
ر مخلوق کے خوف کے بغیر گناہ ان کے لیے آسان ہو جاتا ہے تو اس کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔

تو جب یہ بات گناہوں کے سلسلے میں شیطانی دھوکہ ہے تو مباح امور میں کیا حال ہوگا اور نفس کا پکا وعدہ اس طرح ہے
تم طاقت کی حالت میں بار بار اس کا تجربہ کرتے رہو جب وہ اس وعدے کو ہمیشہ پورا کرے حالانکہ کوئی ظاہری اور باطنی عذر
ی نہ ہو تو اب اس پر یقین اور اعتماد کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کے بدلنے کا خوف اب بھی باقی رہنا چاہیے کیوں کہ
وہ بہت جلد وعدے کو توڑ دیتا اور طبعی تقاضوں کی طرف رجوع کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ نفس سے امن اسی وقت ہے جب وہ کسی چیز کو ترک کر دے اور اس سلسلے میں بھی متروکہ چیز کے

marfat.com

حوالے سے ہی امن ہوگا اور یہ اس وقت ہے جب وہ اس کام کو کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

حضرت ابی لیلیٰ نے حضرت ابن شبرمہ (رحمہا اللہ) سے فرمایا کیا تم کپڑا بننے والے کے اس بیٹے (حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ) کو دیکھتے ہو کہ ہم جس مسئلہ میں فتویٰ دیتے ہیں یہ اسے رد کر دیتا ہے حضرت ابن شبرمہ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ وہ کپڑا بننے والے کا بیٹا ہے یا کیا ہے لیکن اتنی بات جانتا ہوں کہ دنیا اس کے پاس آئی لیکن وہ اس سے بھاگ گیا اور دنیا ہم سے بھاگی اور ہم نے اس کو طلب کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدسہ میں سب لوگ اسی طرح کہتے تھے کہ ہم اپنے رب سے محبت کرتے ہیں اور اگر ہمیں معلوم ہو کہ کس عمل سے اس کی محبت حاصل ہوتی ہے تو ہم وہ عمل کریں گے حتی کہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ (۱)

اور اگر ہم ان پر لکھ دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کر دو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے تھوڑے لوگ ایسا کرتے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "تم بھی ان میں سے ہو" (۲) یعنی تھوڑے لوگوں میں سے ہو۔

وہ فرماتے ہیں مجھے معلوم نہ تھا کہ ہم میں سے کچھ لوگ دنیا سے محبت بھی کرتے ہیں حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی (۳)

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (۴)

تم میں سے بعض دنیا چاہتے ہیں اور تم میں سے کچھ آخرت کا ارادہ کرتے ہیں۔

یہ بات بھی جان لو کہ زہد کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی سخاوت اور جوانمردی کے طور پر مال خرچ کرنا بھی چھوڑ دے یا لوگوں کے دلوں کو مائل کرنے یا کسی (اچھی بات کی) طمع کی بنیاد پر دینے سے بھی باز رہے کیوں کہ یہ سب اچھی عادات ہیں زہد تو یہ ہے کہ تم دنیا کو اس لیے ترک کر دو کہ تم جانتے ہو کہ آخرت کی نفاست کے مقابلے میں یہ حقیر ہے اور دنیا کو ہر اعتبار سے وہی ترک کرتا ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتا لیکن اس وجہ سے یہ مروت، جوانمردی، سخاوت اور حسن خلق تو کہلاتا ہے لیکن اسے زہد نہیں کہہ سکتے کیوں کہ اچھا نام اور دلوں کا میلان تو فوری ملنے والے دنیوی فوائد ہیں اور یہ مال کے مقابلے میں زیادہ لذیذ اور زیادہ خوشگوار ہوتے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۶۶

(۲) الدر المنثور جلد ۲ ص ۱۸۲ تحت آیت "ولو ان کتبنا علیہم"

(۳) الدر المنثور جلد ۲ ص ۸۶ تحت آیت منکم من یرید الدنیا۔

(۴) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۵۲

marfat.com

در جس طرح مال بیع سلم کے طور پر عوض کی طمع میں دنیا زہد نہیں کہلاتا اسی طرح مال اس لیے خرچ کرنا کہ میرا ذکر ہو میری تعریف ہو، جوانمردی اور سخاوت کے ساتھ مشہوری ہو نیز اس لیے خرچ کرنا کہ مال کی حفاظت بہت مشکل ہے اور اس میں مشقت اور تھکاوٹ برداشت کرنا پڑتی ہے اور بادشاہوں اور مال داروں کے سامنے ذلت و رسوائی اٹھانا پڑتی ہے اس لیے مال جمع نہ کیا جائے بلکہ اس سے قطع تعلق کیا جائے یہ بالکل زہد نہیں ہے بلکہ اپنے نفس کے لیے ایک دوسرا فائدہ حاصل کرنا ہے اور زاہد وہ ہوتا ہے جس کے پاس دنیا ذلیل و رسوا ہو کر آئے اس میں کسی قسم کی مشقت وغیرہ نہ ہو وہ اس سے لطف اندوز بھی ہو سکتا ہو نہ تو اس کی عزت و جاہ میں کوئی نقصان ہوتا ہے اور نہ نفسانی لذات فوت ہوتی ہوں تو اب اس خوف سے مال کو چھوڑ دے کہ کہیں اس سے اُنس پیدا نہ ہو جائے اس طرح اللہ تعالیٰ کے غیر سے اُنس ہو جائے گا اور ماسوی اللہ کی محبت پیدا ہو گی اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اس کا غیر شریک ہو جائے گا یا وہ آخرت کے ثواب کی طمع کرتے ہوئے مال سے قطع تعلق کرتا ہے۔ تو یہ دنیوی مشروبات سے نفع اندوزی کو جنت کے مشروبات سے نفع اندوزی کی طمع میں چھوڑتا ہے جنتی حوروں کی طمع میں لونڈیوں اور عورتوں سے نفع حاصل کرنے کو ترک کرتا ہے جنت کے باغات اور درختوں کی طمع میں دنیوی باغوں سے لطف اندوزی کو چھوڑتا ہے جنت کی زینت کی لالچ میں دنیوی زینت سے بننے سنورنے کو ترک کرتا ہے اور جنتی میووں کی طمع میں لذیذ کھانوں کو چھوڑتا ہے نیز اس بات کا خوف ہے کہ کہیں یہ نہ کہا جائے۔

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا (۱) تم اپنے مزے اپنی دنیوی زندگی میں لے گئے۔

تو ان تمام باتوں میں دنیا میں کسی فکر و پریشانی کے بغیر حاصل ہونے والی دولت پر ان نعمتوں کو ترجیح دیتا ہے جن کا اس سے جنت میں ملنے کا وعدہ کیا گیا ہے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ جو کچھ آخرت میں ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے اس کے علاوہ جو صورتیں ہیں وہ سب دنیوی معاملات ہیں آخرت میں ان کا کوئی فائدہ نہیں۔

فصل ۲:

زہد کی فضیلت

آیات کریمہ:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ

(ایک دن قارون) اپنی قوم کے سامنے زیب و زینت کے ساتھ آیا تو جو لوگ دنیوی زندگی چاہتے تھے کہنے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ احقاف آیت ۲۰

marfat.com

مَا اُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ۔ (۱)

لگے کاش ہمیں بھی اس کی مثل دیا جاتا جو قارون کو دیا گیا وہ تو بہت بڑے حصے والا ہے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا انہوں نے کہا تمہارے لیے ہلاکت ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا ثواب اس شخص کے لیے بہتر ہے جو ایمان لایا اور اس نے اچھے کام کیے اور یہ تو صرف صبر کرنے والوں کو ملتا ہے۔

تو زہد کو علماء کی طرف منسوب کیا اور زاہدین کو علم سے موصوف قرار دیا اور یہ انتہائی درجہ کی تعریف ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا۔ (۲)

ان لوگوں کو ان کا اجر دو مرتبہ دیا جائے گا کیوں کہ انہوں نے صبر کیا۔

اور یہ آیت دنیا میں زہد کی تفسیر کے بارے میں آئی ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ (۳)

بے شک ہم نے ان تمام چیزوں کو جو زمین پر ہیں زمین کی زینت بنایا تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں سے کون اچھا عمل کرتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ان میں سے کون زیادہ زہد اختیار کرتا ہے تو زہد کو اچھے اعمال میں سے قرار دیا۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِیْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِیْبٍ۔ (۴)

جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرے ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دیں گے اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ قصص، آیت ۷۹، ۸۰

(۲) قرآن مجید، سورۂ قصص، آیت ۵۴

(۳) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۷

(۴) قرآن مجید، سورۂ شوریٰ آیت ۲۰

marfat.com

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ۔ (۱)

اور آپ اُن چیزوں کی طرف نظر نہ دوڑائیں جو ہم نے مختلف لوگوں کو دنیوی زندگی کی رونق کے سامان کے طور پر دی ہیں تاکہ ہم ان کو اس میں آزمائیں اور آپ کے رب کا رزق بہتر اور خوب باقی رہنے والا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ۔ (۲)

وہ لوگ جو دنیوی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں پسند کرتے ہیں۔

تو یہ کافروں کا وصف بیان کیا پس اس کا مفہوم یہ ہے کہ مومن اس کی نقیض کے ساتھ موصوف ہوتا ہے اور وہ دنیوی زندگی کے مقابلے میں آخرت کو پسند کرنا ہے

احادیث مبارکہ:

دنیا کی مذمت میں بے شمار احادیث آتی ہیں جن میں سے کچھ ہم نے مہلکات کے ضمن میں دنیا کی مذمت کے بیان میں ذکر کی ہیں۔ کیوں کہ دنیا کی محبت مہلکات میں سے ہے۔

اب ہم صرف دنیا سے بُغض کی فضیلت ذکر کریں گے کیوں کہ اس کا تعلق نجات دینے والے امور سے ہے۔ اور یہی زہد ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ أَصْبَحَ وَهَمُّهُ الدُّنْيَا شَتَّتَ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَمْرَهُ وَفَرَّقَ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهُ وَجَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ وَمَنْ أَصْبَحَ وَهَمُّهُ الْآخِرَةُ جَمَعَ اللّٰهُ لَهُ هَمَّهُ وَحَفِظَ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهُ وَجَعَلَ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ "

(۳)

جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ اسے دنیا کی فکر ہو اللہ تعالیٰ اس کے کاموں کو بکھیر دیتا ہے اور اس کا سامان متفرق ہو جاتا ہے اس کا فقر اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے اور دنیا تو اسی قدر آئے گی جو اس کے لیے لکھ دی گئی ہے اور جو اس حال میں صبح کرے کہ اس کو آخرت کی فکر ہو اللہ تعالیٰ اس کی ہمت و فکر کو جمع کر دیتا ہے اس کے سامان کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے دل میں مال داری پیدا کر دیتا ہے نیز اس کے پاس دنیا ذلیل ہو کر آتی ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ طٰہٰ آیت ۱۳۱ (۲) قرآن مجید سورۃ ابراہیم آیت ۳

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۲، ابواب الزہد

marfat.com

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا رَاَیْتُمُ الْعَبْدَ وَقَدْ اُعْطِیَ صَمْتًا وَزُھْدًا فِی الدُّنْیَا فَاقْتَرِبُوا مِنْہُ فَاِنَّہٗ یُلَقَّی الْحِکْمَۃَ۔ (۱)

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اسے خاموشی اور دنیا سے بے رغبتی دی گئی ہے تو اس کے قریب ہو جاؤ کیوں کہ اس کے دل میں حکمت ڈالی جاتی ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا۔ (۲)

اور جس شخص کو حکمت دی گئی اسے بہت زیادہ بھلائی دی گئی۔

اسی لیے کہا گیا ہے کہ جو شخص چالیس دن دنیا سے بے رغبتی (زہد) اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت کے چشمے جاری کر دیتا ہے اور اس کی زبان پر بھی حکمت بھری گفتگو جاری فرماتا ہے۔

ایک صحابی کے بارے میں مروی ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! لوگوں میں سے کون شخص بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا۔

کُلُّ مُؤْمِنٍ مَخْمُوْمُ الْقَلْبِ صَدُوْقِ اللِّسَانِ۔ ہر وہ مومن جس کا دل صاف اور زبان سچی ہو۔

ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! "محمدم القلب" (صاف دل) کون ہوتا ہے؟

آپ نے فرمایا۔

اَلتَّقِیُّ النَّقِیُّ الَّذِیْ لَا غِلَّ فِیْہِ وَلَا غَشَّ وَلَا بَغْیَ وَلَا حَسَدَ۔

وہ متقی پرہیزگار جس کے دل میں خیانت کھوٹ، بغض اور حسد نہ ہو۔

ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کے بعد کون بہتر ہے آپ نے فرمایا۔

اَلَّذِیْ یُبْغِضُ الدُّنْیَا وَیُحِبُّ الْاٰخِرَۃَ۔ (۳)

وہ شخص جو دنیا کو برا جانے اور آخرت سے محبت کرے

اس کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں میں سے برے لوگ وہ ہیں جو دنیا سے محبت رکھتے ہیں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنْ اَرَدْتَ اَنْ یُّحِبَّکَ اللّٰہُ فَازْھَدْ فِی الدُّنْیَا۔ (۴)

اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے تو دنیا میں زہد اختیار کرو۔ (یعنی دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ)

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۱، ابواب الزھد

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۶۹

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۳۲۱، ابواب الزھد

(۴) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۱ ابواب الزھد

marfat.com

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے بے رغبتی کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب قرار دیا پس جس شخص سے اللہ تعالیٰ محبت کرے وہ اعلیٰ درجات والا ہے لہٰذا دنیا سے بے رغبتی سب سے افضل مقام ہونا چاہیے اور اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھ آتی ہے کہ دنیا سے محبت کرنے والا اللہ تعالیٰ سے بغض و عداوت کی طرف جاتا ہے۔

ایک حدیث میں جو اہل بیت سے مروی ہے یوں ارشاد فرمایا گیا۔

"اَلزُّهْدُ وَالْوَرَعُ يَجُوْلَانِ فِي الْقُلُوْبِ كُلَّ لَيْلَةٍ فَإِنْ صَادَفَا قَلْبًا فِيْهِ الْإِيْمَانُ وَالْحَيَاءُ أَقَامَا فِيْهِ وَإِلَّا ارْتَحَلَا۔ (۱)

زہد اور ورع (تقویٰ) ہر رات دلوں میں چکر لگاتے ہیں اگر وہ ایسے دل سے متفق ہو جائیں جس میں ایمان اور حیا ہو تو وہاں ٹھہر جاتے ہیں ورنہ کوچ کر جاتے ہیں۔

حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں سچا مومن ہوں تو آپ نے پوچھا "تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے" انہوں نے عرض کیا میں نے اپنے دل کو دنیا سے الگ کر دیا ہے پس میرے نزدیک دنیا کے پتھر اور سونا برابر ہیں گویا میں جنت اور دوزخ میں ہوں اور گویا میں اپنے رب کے عرش کے پاس ہوں آپ نے فرمایا تم نے پہچان لیا پس اسے اختیار کیے رکھنا (پھر فرمایا) یہ ایک بندہ ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے نورِ ایمان سے منور کر دیا۔

تو دیکھو کس طرح انہوں نے حقیقتِ ایمان کے اظہار کا آغاز دنیا سے علیحدگی کے ساتھ کیا اور اسے یقین کے ساتھ ملایا اور کس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے فرمایا ایک بندہ ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ منور کیا۔ (۲)

اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کی تفسیر پوچھی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ۔ (۳)

اللہ تعالیٰ جس شخص کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

تو آپ نے فرمایا۔

اِنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ فِي الْقَلْبِ انْشَرَحَ لَهُ الصَّدْرُ وَانْفَسَحَ۔

بے شک نور جب دل میں داخل ہوتا ہے تو اس کے لیے سینہ کھل جاتا ہے اور کشادہ ہو جاتا ہے۔

---

(۱)

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۱ ص ۴۳ حدیث ۱۰۴۷۴

(۳) قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۱۲۵

marfat.com

عرض کیا گیا یارسول اللہ! کیا اس کی کوئی علامت بھی ہے؟ آپ نے فرمایا۔

نَعَمْ اَلتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَۃُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِہٖ۔ (۱)

ہاں، دھوکے والے گھر (دنیا) سے دُور رہنا اور ہمیشہ کے گھر کی طرف رجوع کرنا نیز موت کے آنے سے پہلے اس کے لیے تیاری کرنا۔

تو دیکھئے کس طرح زہد کو اسلام کی شرط قرار دیا اور زہد دھوکے والے گھر سے علیحدگی کا نام ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِسْتَحْیُوْا مِنَ اللّٰہِ حَقَّ الْحَیَاءِ۔

اللہ تعالیٰ سے حیا کرو جیسے اس کا حق ہے۔

انہوں نے عرض کیا بے شک ہم اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

لَیْسَ کَذٰلِکَ تَبْنُوْنَ مَالَا تَسْکُنُوْنَ وَتَجْمَعُوْنَ مَالَا تَاْکُلُوْنَ۔ (۲)

بات یہ نہیں بلکہ تم مکانات بناتے ہو جن میں رہائش اختیار نہیں کرتے اور جمع کرتے ہو لیکن کھاتے نہیں۔

تو آپ نے بتایا کہ یہ کام (یعنی دنیا سے محبت اور اسے جمع کرنا) اللہ تعالیٰ سے حیا کے خلاف ہے۔

ایک وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا وہ کہنے لگے بے شک ہم مومن ہیں آپ نے پوچھا تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے؟

انہوں نے آزمائش کے وقت صبر، خوشی کے وقت شکر اور قضا کے مقامات پر رضا کا ذکر کیا نیز جب دشمن پر مصیبت آئے تو خوش نہ ہونا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اگر تم واقعی اسی طرح ہو تو جو کچھ نہیں کھاتے اسے جمع نہ کرو جن مکانات میں رہائش نہیں رکھتے ان کی تعمیر نہ کرو اور جس چیز کو چھوڑنا ہے اس میں رغبت نہ کرو۔ (۳)

تو آپ نے زہد کو ایمان کی تکمیل قرار دیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

مَنْ جَاءَ بِلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَا یَخْلِطُ بِھَا غَیْرَھَا وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ۔

جو شخص کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ پڑھے اور اس میں کچھ اور نہ ملائے اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۱۱ کتاب الرقاق

(۲) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۴۱۴ کتاب التوبۃ

(۳)

marfat.com

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں (کلمہ میں) دوسری چیز ملانے کا کیا مطلب ہے ہمارے لیے اس کی وضاحت فرمائیں آپ نے فرمایا۔

(کلمہ میں ملاوٹ) دنیا کو طلب کرنا اور اس کی اتباع کے لیے اسے دوست رکھنا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو رسولوں کی باتوں جیسی باتیں کرتے ہیں لیکن عمل میں ظالموں کی طرح ہوتے ہیں پس جو شخص اس طرح کلمہ پڑھے کہ اس میں اس (ظالموں کے عمل) میں سے کچھ نہ ہو تو اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ (۱)

ایک حدیث شریف میں ہے۔

اَلسَّخَاءُ مِنَ الْیَقِیْنِ وَلَا یَدْخُلُ النَّارَ مُوْقِنٌ وَالْبُخْلُ مِنَ الشَّکِّ وَلَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ شَکَّ۔ (۲)

سخاوت یقین میں سے ہے اور کوئی یقین والا دوزخ میں نہیں جائے گا اور بخل شک میں سے ہے اور شک کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔

سخی، اللہ تعالیٰ کے بھی قریب ہوتا ہے، انسانوں کے بھی اور جنت کے بھی قریب ہوتا ہے (۳) اور بخیل (کنجوس) اللہ تعالیٰ اور بندوں سے دور ہوتا ہے جب کہ جہنم کے قریب ہوتا ہے۔

بخل دنیا سے رغبت کا نتیجہ ہے جب کہ سخاوت زہد کا ثمرہ ہے اور کسی چیز کے نتیجے پر تعریف یقیناً اس عمل پر تعریف ہوتی ہے جس کا یہ ثمرہ اور نتیجہ ہے۔

حضرت ابن سیب، حضرت ابوذر (رضی اللہ عنہما) سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

مَنْ زَھِدَ فِی الدُّنْیَا اَدْخَلَ اللّٰہُ الْحِکْمَۃَ قَلْبَہٗ فَاَنْطَقَ بِھَا لِسَانَہٗ وَعَرَّفَہٗ دَاءَ الدُّنْیَا وَدَوَاءَھَا وَاَخْرَجَہٗ مِنْھَا سَالِمًا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ۔ (۴)

جو شخص دنیا میں زہد اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت داخل کرتا اور زبان پر اسے جاری کرتا ہے نیز اسے دنیا کی بیماری اور علاج کی پہچان کرا دیتا ہے اور اسے دنیا سے صحیح سالم، سلامتی کے گھر کی طرف نکالتا ہے۔

ایک روایت میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایسی اونٹنیوں کے پاس سے

---

(۱) نوادر الاصول ص ۲۴۶، الاصل الثانی عشر والمائتان

(۲) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۲ ص ۱۴۱ حدیث ۲۵۴۵

(۳) جامع ترمذی ص ۲۹۰، ابواب الصلوٰۃ

(۴) الکامل لابن عدی جلد ۵ ص ۱۹۴۵ من اسمہ عبدالملک بن مہران

marfat.com

گزرے جو دس ماہ سے حاملہ تھیں اور ان کے تھنوں میں بہت دودھ تھا اور وہ ان کے پسندیدہ ترین اور نہایت نفیس مالوں میں سے تھیں کیوں کہ وہ ان کے لیے بار برداری (نیز سواری) گوشت، دودھ اور اُون کے لیے مفید تھیں۔ اور ان کے دلوں میں ان کی عظمت تھی۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔ (۱) جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں چھوڑی پھریں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اونٹنیوں سے منہ پھیرا اور آنکھیں بند کر دیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ! یہ تو ہمارے عمدہ مالوں میں سے ہیں آپ ان کی طرف کیوں نہیں دیکھتے آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے منع کیا ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی (۲)

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ۔ (۲)

آپ ان چیزوں کی طرف نظر نہ دوڑائیں جو ہم نے مختلف لوگوں کو دنیوی زندگی کی رونق کے سامان کے طور پر دی ہیں تاکہ ہم ان کو آزمائیں۔

حضرت مسروق، حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت کرتے ہیں ام المومنین فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ تعالیٰ سے کھانا نہیں مانگتے کہ وہ آپ کو عطا کرے؟ آپ فرماتی ہیں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوک کو دیکھ کر رو پڑی تھی۔ آپ نے فرمایا۔

يَا عَائِشَةُ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ سَأَلْتُ رَبِّيْ اَنْ يُّجْرِيَ مَعِيَ جِبَالَ الدُّنْيَا ذَهَبًا لَّاَجْرَاهَا حَيْثُ شِئْتُ مِنَ الْاَرْضِ وَلٰكِنِّيْ اخْتَرْتُ جُوْعَ الدُّنْيَا عَلٰى شِبَعِهَا وَفَقْرَ الدُّنْيَا عَلٰى غِنَاهَا وَحُزْنَ الدُّنْيَا عَلٰى فَرَحِهَا يَا عَائِشَةُ اِنَّ الدُّنْيَا لَا تَنْبَغِيْ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ يَا عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَرْضَ لِاُولِي الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ اِلَّا الصَّبْرَ عَلٰى مَكْرُوْهِ الدُّنْيَا وَالصَّبْرَ

اے عائشہ! اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میں اللہ تعالیٰ سے سوال کروں کہ وہ پہاڑوں کو سونے کا بنا کر میرے ساتھ چلائے تو میں زمین میں جہاں جاؤں میرے ساتھ چلا دے لیکن میں نے دنیا کی بھوک کو اس کے سیر ہونے پر دنیا کے فقر کو اس کی مالداری پر اور اس کے غم کو اس کی خوشی پر ترجیح دی ہے اے عائشہ! دنیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کے لیے مناسب نہیں اے عائشہ! اللہ تعالیٰ اولوالعزم

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ التکویر آیت ۴

(۲) الدر المنثور جلد ۶ ص ۳۱۸ تحت آیت واذا العشار عطلت / الدر المنثور جلد ۴ ص ۳۱۳ تحت آیت ولا تمدن عینیک

(۳) قرآن مجید، سورۂ طٰہٰ آیت ۱۳۱

marfat.com

مِنْ مَحْبُوْبَاتِهَا ثُمَّ لَمْ يَرْضَ لِيْ اِلَّا اَنْ يُكَلِّفَنِيْ مَا كَلَّفَهُمْ فَقَالَ (فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ) وَاللّٰهِ مَالِيْ بُدٌّ مِنْ طَاعَتِهٖ وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ لَاَصْبِرَنَّ كَمَا صَبَرُوْا بِجُهْدِيْ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" - (۱)

پیغمبروں سے صرف دنیا کی تکلیفوں پر صبر کو پسند کرتا ہے نیز دنیا کی پسندیدہ چیزوں سے بھی صبر کریں پھر میرے لیے یہی پسند کیا کہ جن باتوں کا ان (رسل عظام) کو مکلف بنایا اسی کا مجھے بھی مکلف بنایا۔

پس ارشاد فرمایا۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (۲)

پس آپ صبر کیجئے جیسے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔

اللہ کی قسم میرے لیے اس کی فرمانبرداری کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اور اللہ کی قسم! بے شک میں حتی المقدور ضرور صبر کروں گا جیسے انہوں نے صبر کیا اور قوت تو اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے۔

ایک روایت میں ہے جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر فتوحات کا دروازہ کھلا تو آپ کی صاحبزادی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا جب دور دراز سے آپ کے پاس وفود آتے ہیں اس وقت آپ باریک (عمدہ) لباس پہنا کریں اور اچھا کھانے کا حکم دیا کریں جس سے آپ بھی تناول فرمائیں اور وہ لوگ بھی کھائیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے حفصہ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مرد کا حال اس کی بیوی سب سے زیادہ جانتی ہے انہوں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے سال نبوت کے منصب پر فائز رہے اور آپ نے اور آپ کے گھر والوں نے اگر صبح کو سیر ہو کر کھایا تو رات کو بھوکے رہے اور رات کو سیر ہوئے تو دن بھوک سے گزارا۔ اور میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتی ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے سال منصب نبوت پر گزارتے ہوئے آپ اور آپ کے گھر والے صرف کھجور پر گزارہ کرتے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے خیبر فتح فرمایا اور میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا جانتی ہو کہ ایک روز تم لوگوں نے آپ کے سامنے اونچے دسترخوان پر کھانا رکھا تو آپ کو یہ بات ناگواری گزری حتی کہ چہرۂ انور کا رنگ بدل گیا پھر اس دسترخوان کو اٹھانے کا حکم دیا اور کھانا اس سے کچھ نیچے دسترخوان پر رکھایا زمین پر رکھ دیا اور میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتی ہو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کمبل کو دو تہہ کر کے اس پر آرام فرماتے تھے ایک دفعہ اس کو چار تہہ کیا گیا تو آپ اس پر آرام فرما ہوئے جب بیدار ہوئے تو فرمایا تم نے اس کمبل کے ذریعے مجھے قیام لیل سے روک دیا اس کو دوہرا کر دو جیسے پہلے تم اسے دوہرا کیا کرتے تھے اور میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتی ہو کہ رسول اکرم

---

(۱) الفردوس باثور الخطاب جلد ۵ ص ۴۲۶ حدیث ۸۶۲۸

(۲) قرآن مجید، سورۂ احقاف آیت ۳۵

marfat.com

دھونے کے لیے کپڑا اتارتے پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ آکر نماز کی اطلاع کرتے تو آپ کے پاس (دوسرا) کپڑا نہ ہوتا جو پہن کر نما
کے لیے جاتے جب تک وہ خشک نہ ہو جائے تو آپ اسے ہی پہن کر تشریف لے جاتے اور میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کر
تم جانتی ہو کہ بنو ظفر کی ایک خاتون نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دو چادریں بنائیں ایک بطور تہبند باندھنے والی اور
دوسری اوپر لینے کے لیے، اس نے ایک چادر آپ کے پاس بھیج دی اور دوسری ابھی تک نہیں پہنچی تھی تو آپ اسی کو لپیٹ کر نما
کے لیے تشریف لے گئے آپ پر کوئی دوسرا کپڑا نہ تھا آپ نے اس کے دونوں کناروں سے اپنی گردن مبارک کے ساتھ گرہ
باندھی اور اسی طرح نماز پڑھی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسلسل بیان کرتے رہے حتی کہ انہوں نے حضرت حفصہ رضی اللہ
عنہا کو رلا دیا اور آپ خود بھی روئے اور ایسی چیخ ماری کہ ہم نے گمان کیا کہ عنقریب آپ کی روح پرواز کر جائے گی۔ (۱)

بعض روایات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول میں اضافہ ہے آپ نے فرمایا میرے دو ساتھی تھے جو ایک راہ
پر چلے (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں) اگر میں ان کے راستے کے علاوہ راستے پر
چلوں گا تو میرے ساتھ ایسا سلوک ہوگا جو ان کے ساتھ نہیں ہوگا اور اللہ کی قسم! میں ان کی سخت زندگی پر صبر کروں گا شاید
میں بھی ان کے ساتھ اسی طرح عیش پاؤں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کو فقر میں مبتلا کیا جاتا اور وہ صرف ایک کوٹ پہنتے بعض کو جوؤں کے ذریعے
آزمایا گیا حتی کہ جوؤں نے ان کو شہید کر دیا اور ان کو یہ بات اس سے زیادہ پسند تھی جس قدر تمہیں عطیات پسند ہیں (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جب حضرت موسیٰ علیہ
علیہ السلام مدین کے چشمے پر پہنچے تو کمزوری کی وجہ ساگ کی سبزی آپ کے پیٹ مبارک میں نظر آتی تھی۔

تو اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں نے اس بات کو اختیار کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور
آخرت میں کامیابی کا راستہ بھی ان کو زیادہ معلوم تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (۲)

اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے (انہیں دردناک عذاب کی خبر دیجئے۔)

---

(۱) سنن ابن ماجہ، ص ۲۴۸، ابواب الاطعمۃ/ جامع ترمذی ص ۲۴۰، ابواب الزھد/ ابواب الشمائل ص ۵۹۳ (ناکمل)

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۳۰۰، ابواب الفتن (۳) قرآن مجید سورۃ توبہ آیت ۳۴

marfat.com

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تَبًّا لِلدُّنْیَا تَبًّا لِلدِّیْنَارِ وَالدِّرْھَمِ۔ دنیا کے لیے ہلاکت ہو، دینار اور درہم کے ہلاکت ہو۔

ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں سونے اور چاندی کو خزانہ بنانے سے روکا ہے تو ہم کیا چیز جمع کریں آپ نے ارشاد فرمایا۔

لِیَتَّخِذْ اَحَدُکُمْ لِسَانًا ذَاکِرًا وَقَلْبًا شَاکِرًا وَزَوْجَةً صَالِحَةً تُعِیْنُهٗ عَلٰی اَمْرِ اٰخِرَتِهٖ۔ (۱)

تم سے ایک کو (یعنی سب کو) چاہیے کہ وہ ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل اور نیک بیوی اختیار کرے، جو اس کے اُخروی کاموں میں اس کی مدد کرے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

مَنْ آثَرَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ اِبْتَلَاهُ اللّٰهُ بِثَلَاثٍ هَمًّا لَا یُفَارِقُ قَلْبَهٗ اَبَدًا وَفَقْرًا لَا یَسْتَغْنِیْ اَبَدًا وَحِرْصًا لَا یَشْبَعُ اَبَدًا۔ (۲)

جو شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح دے اللہ تعالیٰ اسے تین باتوں میں مبتلا کر دیتا ہے ایسی پریشانی جو اس کے دل سے کبھی جدا نہیں ہوتی فقر جو اسے کبھی بے نیاز نہیں ہونے دیتا اور حرص جو اسے کبھی سیر نہیں ہونے دیتی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا یَسْتَکْمِلُ الْعَبْدُ الْاِیْمَانَ حَتّٰی یَکُوْنَ اَنْ لَا یَعْرِفَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ اَنْ یَعْرِفَ وَحَتّٰی یَکُوْنَ قِلَّةُ الشَّیْءِ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ کَثْرَتِهٖ۔ (۳)

بندے کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اسے مشہور ہونے کی بجائے معروف نہ ہونا زیادہ پسند نہ ہو نیز اس کے نزدیک کسی چیز کی قلت اس چیز کی کثرت سے زیادہ پسندیدہ ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

"دنیا ایک پُل ہے اس کو عبور کرو اس کو آباد نہ کرو" آپ سے عرض کیا گیا اے اللہ کے نبی! اگر ہمیں اجازت دیں تو ہم ایک گھر بنائیں جس میں ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں آپ نے فرمایا جاؤ پانی پر عمارت بناؤ انہوں نے عرض کیا پانی پر عمارت کیسے قائم ہو سکتی ہے؟ فرمایا تو دنیا کی محبت کی موجودگی میں عبادت کس طرح درست ہو سکتی ہے۔

---

(۱) جامع ترمذی ص ۱۴۱ ۴، ابواب التفسیر

(۲) کنز العمال جلد ۳ ص ۲۲۶، ۲۲۷ حدیث ۶۲۶۶

(۳)

marfat.com

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
اللہ تعالیٰ نے مجھے پیشکش فرمائی کہ وہ میرے لیے وادی مکہ کو سونے کا بنا دے میں نے عرض کیا اے میرے رب نہیں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن سیر ہو کر کھاؤں جس دن بھوکا رہوں گا اس دن تیری بارگاہ میں عاجزی کروں گا اور تجھے پکاروں گا اور جس دن سیر ہو کر کھاؤں گا اس دن تیرا شکر ادا کروں گا اور تیری تعریف کروں گا۔ (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے آپ چل رہے تھے اور حضرت جبریل علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ تھے آپ کو وہ صفا پر تشریف لے گئے آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا۔

يَا جِبْرِيْلُ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أَمْسَى لِآلِ مُحَمَّدٍ كَفٌّ سَوِيْقٍ وَلَا سَفَّةُ دَقِيْقٍ۔

اے جبریل! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا آج شام آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس ایک مٹھی ستو یا آٹا نہیں تھی۔

(۲)

آپ کی گفتگو مکمل نہ ہوئی تھی کہ اس سے پہلے آسمان سے ایک کڑک سنی گئی جس نے آپ کو پریشان کر دیا آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے قیامت کو قائم ہونے کا حکم دے دیا ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا نہیں بلکہ یہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں جو آپ کا کلام سن کر حاضر ہوئے ہیں حضرت اسرافیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کا کلام سن لیا ہے اور اس نے مجھے زمین کی چابیاں دے کر بھیجا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں پیش کروں اگر آپ چاہیں کہ میں تہامہ کے پہاڑوں کو زمرد، یاقوت سونا اور چاندی بنا کر آپ کے ساتھ چلا دوں تو میں ایسا کرتا ہوں اور اگر نبی بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو وہ بن جائیں اور اگر نبی بندہ ہونا چاہیں تو وہ بن جائیں حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کی طرف اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کریں تو آپ نے فرمایا میں محض بندہ ہونے کی حیثیت سے نبی رہنا چاہتا ہوں (تین مرتبہ فرمایا)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا زَهَّدَهُ فِي الدُّنْيَا وَرَغَّبَهُ فِي الْآخِرَةِ وَبَصَّرَهُ بِعُيُوْبِ نَفْسِهِ۔

(۳)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دنیا سے بے رغبت کر دیتا ہے اور آخرت کی رغبت پیدا کر دیتا ہے اور اسے اس کے ذاتی عیب دکھا دیتا ہے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۵۴ مرویات ابوامامہ
(۲) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۱۹۶ کتاب التوبہ
(۳) الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ص ۴۴۲ حدیث ۹۳۵

marfat.com

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

اِزْهَدْ فِی الدُّنْیَا یُحِبُّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِیمَا فِی اَیْدِی النَّاسِ یُحِبُّكَ النَّاسُ۔

(۱)

دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس سے بے رغبت ہو جاؤ لوگ تم سے محبت کریں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ اَرَادَ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ عِلْمًا بِغَیْرِ تَعَلُّمٍ وَهُدًی بِغَیْرِ هِدَایَةٍ فَلْیَزْهَدْ فِی الدُّنْیَا۔

(۲)

جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے سیکھنے کے بغیر علم اور حصول ہدایت کے بغیر ہدایت دے اسے چاہیئے کہ دنیا سے بے رغبت ہو جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنِ اشْتَاقَ اِلَی الْجَنَّةِ سَارَعَ اِلَی الْخَیْرَاتِ وَمَنْ خَافَ مِنَ النَّارِ نَهَی عَنِ الشَّهَوَاتِ وَمَنْ تَرَقَّبَ الْمَوْتَ تَرَكَ اللَّذَّاتِ وَمَنْ زَهِدَ فِی الدُّنْیَا هَانَتْ عَلَیْهِ الْمُصِیْبَاتُ۔

(۳)

جو شخص جنت کا شوق رکھتا ہے وہ نیکیوں کی طرف جلدی کرتا ہے اور جو شخص جہنم سے ڈرتا ہے وہ خواہشات کو چھوڑ دیتا ہے اور جو موت کا منتظر رہتا ہے وہ لذتوں کو چھوڑ دیتا ہے اور جو دنیا سے بے رغبتی اختیار کرتا ہے اس پر مصیبتیں آسان ہو جاتی ہیں۔

ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام (دونوں) سے مروی ہے فرماتے ہیں۔

اَرْبَعٌ لَا یُدْرَكْنَ اِلَّا بِتَعَبٍ الصَّمْتُ وَهُوَ اَوَّلُ الْعِبَادَةِ وَالتَّوَاضُعُ وَكَثْرَةُ الذِّكْرِ وَقِلَّةُ الشَّیْءِ۔

(۴)

چار چیزیں مشقت اور تھکاوٹ کے بغیر حاصل نہیں ہوتیں (۱) خاموشی اور یہ اول عبادت ہے (۲) تواضع (۳) کثرتِ ذکر اور (۴) قلت اشیاء۔

وہ تمام روایات جو دنیا سے بعض کی تعریف اور محبتِ دنیا کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں ان کا ذکر ممکن نہیں انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد لوگوں کو دنیا سے آخرت کی طرف پھیرنا تھا اور مخلوق کے ساتھ ان کا اکثر کلام اسی بات کو متضمن تھا اور جو کچھ ہم نے ذکر

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۱، ابواب الزھد

(۲) الاسرار المرفوعۃ ص ۲۱۶ حدیث ۸۵۶ / الفوائد المجموعہ ص ۲۸۶ حدیث ۴۵

(۳) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۸۶ حدیث ۴۳۴۴۰

(۴) المعجم الکبیر للطبرانی جلد اول ص ۲۵۶ حدیث ۴۱۷

marfat.com

کیا ہے، کافی ہے اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جاتی ہے۔

آثار :

ایک روایت میں ہے "لا الہ الا اللہ" بندوں سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو دور کرتا ہے جب تک وہ چیز نہ مانگیں جو ان کی دنیا سے کم ہوگئی ——— ایک دوسری روایت میں ہے جب تک وہ دنیوی معاملے کو دینی معاملے پر ترجیح نہ دیں جب وہ ایسا کریں اور "لا الہ الا اللہ" بھی پڑھیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم نے جھوٹ بولا تم سچے نہیں ہو۔

کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا ہم نے سب اعمال کئے لیکن آخرت کے معاملے میں دنیا سے زہد سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں پایا۔

اور ایک صحابی نے ایک تابعی سے فرمایا تمہارے اعمال اور اجتہاد صحابہ کرام کی نسبت زیادہ ہے لیکن وہ تم سے بہتر تھے انہوں نے پوچھا وہ کیوں؟ فرمایا وہ تم سے بڑھ کر زاہد تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا دنیا سے قطع تعلق دل اور جسم کا آرام ہے اور حضرت بلال بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ہمارا یہی گناہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا سے بے رغبتی کا حکم دیتا ہے اور ہم اس میں رغبت رکھتے ہیں۔

ایک شخص نے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے کہا کہ میں کسی زاہد عالم کو دیکھنا چاہتا ہوں انہوں نے فرمایا کمبخت، یہ تو گمشدہ دولت ہے جو نہیں ملتی۔

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے فرمایا جنت کے آٹھ دروازے ہیں جب اہل جنت ان کی طرف جائیں گے تو دربان کہیں گے ہمیں اپنے رب کی عزت کی قسم! ان لوگوں سے پہلے کوئی بھی داخل نہیں ہوگا جو دنیا سے بے رغبت اور جنت کے عاشق تھے۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمہ اللہ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے تین باتوں کی خواہش رکھتا ہوں یہ کہ جب میں مروں تو میری ملک میں ایک درھم بھی نہ ہو، مجھ پر کوئی قرض نہ ہو اور میری ہڈیوں پر گوشت نہ ہو چنانچہ ان کو یہ سب کچھ دیا گیا۔

منقول ہے کہ کسی بادشاہ نے فقہاء کی طرف کچھ عطیات بھیجے تو انہوں نے قبول کر لیے اور حضرت فضیل رحمہ اللہ کی طرف بھیجے تو انہوں نے قبول نہ کیے ان کے بیٹوں نے کہا فقہاء نے عطیات قبول کر لیے اور آپ باوجود اپنی اس حالت (یعنی افلاس) کے واپس کر رہے ہیں؟ حضرت فضیل رحمہ اللہ رو پڑے اور فرمایا تمہاری اور میری مثال اس قوم کی طرح ہے جن کے پاس ایک گائے تھی جس سے کھیتی باڑی کرتے تھے جب وہ بوڑھی ہوگئی تو انہوں نے اسے ذبح کر دیا تاکہ اس کے چمڑے سے نفع حاصل کریں اسی طرح تم بھی مجھے بڑھاپے میں ذبح کرنا چاہتے ہو اے میرے گھر والو! فضیل کو ذبح کرنے کی بجائے تمہارا مرجانا بہتر ہے۔

حضرت عبید بن عمیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اونی لباس پہنتے، درختوں کے پتے کھاتے اور ان کی اولاد نہ تھی جو مر جاتی نہ گھر تھا جو برباد ہوتا اور نہ وہ آئندہ دن کے لیے جمع کرتے جہاں شام ہو جاتی سو جاتے۔

marfat.com

حضرت ابو حازم رحمہ اللہ کی بیوی نے ان سے کہا کہ سردیوں کا موسم آگیا ہے اور ہمیں کھانے، کپڑوں اور لکڑیوں کی حاجت ہے حضرت ابو حازم نے اس سے فرمایا ان سب چیزوں کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہے لیکن موت، اس کے بعد اٹھنے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے اور پھر جنت یا جہنم میں جانے کے بغیر چارہ نہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ کپڑے کیوں نہیں دھوتے؟ فرمایا معاملہ اس سے بھی جلدی ہے (یعنی موت آنے والی ہے)

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا ہمارے دلوں پر تین پردے ہیں اور جب تک یہ پردے نہ ہٹیں بندے کے لیے دین ظاہر نہیں ہوتا ایک پردہ موجود چیز پر خوش ہونا، دوسرا پردہ اس چیز کا غم جو موجود نہیں اور تیسرا پردہ تعریف پر خوش ہونا، پس جب موجود چیز پر خوش ہو گے تو تم حریص ہو گے، غیر موجود پر غم کرو گے تو غصہ آئے گا اور غصے والا عذاب میں مبتلا ہوتا ہے اور جب تم تعریف کرنے پر خوش ہو گے تو خود پسند (متکبر) بن جاؤ گے اور خود پسندی عمل کو ضائع کر دیتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص کا دل زائد ہو اس کی دو رکعتیں اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی کوشش سے عبادت کرنے والے (غیر زاہد) کی عمر بھر کی عبادت سے بہتر ہیں۔

کسی بزرگ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ہم سے پھیر دیا اس میں اس کی نعمت اس سے زیادہ ہے جو اس نے ہماری طرف متوجہ کیا۔ گویا انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے مفہوم کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّ اللهَ يَحْمِي عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ الدُّنْيَا وَهُوَ يُحِبُّهُ كَمَا تَحْمُونَ مَرِيضَكُمُ الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ تَخَافُونَ عَلَيْهِ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو دنیا سے بچاتا ہے حالانکہ وہ اسے چاہتا ہے جیسے تم اپنے مریض کو ایسے کھانے پینے سے روکتے ہو جس کا تمہیں اس پر خوف ہوتا ہے

جب یہ بات معلوم ہو گئی تو اس سے معلوم ہوا کہ ایسی ممانعت جو صحت کا باعث بنے اس عطیے سے زیادہ عظیم ہے جو بیماری تک پہنچاتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے تھے دنیا دار فانی ہے باقی رہنے والی نہیں دکھوں کی جگہ ہے خوشی کی جگہ نہیں جو اس کو پہچان لیتا ہے وہ اس کی وسعت پر خوش اور تنگی پر غمگین نہیں ہوتا۔

حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا بندے کا عمل اس وقت تک خالص نہیں ہوتا جب تک وہ چار چیزوں سے فارغ نہ ہو جائے، بھوک، برہنگی (ننگا ہونا) فقر اور ذلت۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۴۸ مرویات محمود بن لبید

marfat.com

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے کئی ایسی جماعتوں کو دیکھا اور ان کے ساتھ رہا جو دنیا کی کسی چیز کے آنے پر خوش نہیں ہوتے تھے اور اس کے جانے پر افسوس نہ کرتے اور ان کے نزدیک مٹی سے بھی زیادہ حقیر ہوتی تھی۔ ان میں سے ایک پچاس یا ساٹھ سال زندہ رہتا لیکن نہ اس کے لیے کپڑا تہہ کیا جاتا، نہ اس کے لیے ہنڈیا چڑھتی، نہ زمین پر کوئی بچھونا بچھایا جاتا اور نہ اس کے گھر کوئی کھانا پکانے کا حکم دیا جاتا جب رات ہوتی تو وہ کھڑے ہو جاتے (اور عبادت کرتے) اپنے چہروں کو بچھاتے ان کے رخساروں پر آنسو جاری ہوتے وہ اپنی آزادی کے لیے اپنے رب سے مناجات کرتے جب وہ کوئی اچھا کام کرتے تو شکر کی راہ اختیار کرتے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی قبولیت کی دعا کرتے اور جب کسی برائی کا ارتکاب ہوتا تو غمگین ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ وہ ان کو بخش دے وہ ہمیشہ یہی طریقہ اختیار کرتے مگر اللہ کی قسم! وہ گناہوں سے محفوظ نہ رہے اور ان کی نجات مغفرت کے ذریعے ہی ہوئی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رضا ان کو حاصل ہو۔ آمین۔

فصل ۳:

زہد کے درجات

زہد کے درجات اور اقسام زہد کی نسبت سے، جس چیز سے اعراض کیا اس کی نسبت سے اور جس میں رغبت ہے اس کی نسبت سے تقسیم۔

جان لو! کہ زہد اپنی قوت کے تفاوت کے اعتبار سے تین درجوں پر ہے

زہد کا پہلا درجہ: یہ سب سے کم درجہ ہے یعنی دنیا سے بے رغبت رہے حالانکہ وہ اس کا خواہش رکھتا ہے اس کا دل دنیا کی طرف مائل اور نفس اس کی طرف متوجہ ہے لیکن وہ مجاہدہ کرتا اور اسے اپنے آپ سے دور کرتا ہے اس شخص کو متزہد کہا جاتا ہے اور یہ اس شخص کے حق میں زہد کا آغاز ہے جو کسب و اجتہاد کے ذریعے زہد کے درجے تک پہنچتا ہے متزہد شخص پہلے اپنے نفس کو پگھلاتا ہے پھر تھیلی کو اور زاہد پہلے اپنی تھیلی کو اور پھر اپنے نفس کو عبادات میں پگھلاتا ہے یہ نہیں کہ جو چیز جدا ہو گئی اس پر صبر میں نفس کو گھلا دے متزہد خطرے میں ہوتا ہے کیوں کہ بعض اوقات اس پر نفس غالب آجاتا ہے اور خواہش اسے کھینچتی ہے پس وہ دنیا اور راحت و آرام کی طرف لوٹ جاتا ہے کم ہو یا زیادہ۔

دوسرا درجہ: اپنی خوشی سے دنیا کو چھوڑے یعنی وہ جس چیز کی طمع کر رہا ہے اس کی نسبت سے دنیا کو حقیر جانتا ہے۔ جیسے کوئی شخص دو درھموں کے لیے ایک درہم کو چھوڑ دیتا ہے اور یہ بات اسے گراں نہیں گزرتی اگرچہ اسے کچھ انتظار کرنا پڑے لیکن یہ زاہد اپنے زہد کو سمجھتا ہے اور اس کی طرف توجہ کرتا ہے تو قریب ہے کہ وہ خود پسندی کا شکار ہو اور اپنے زہد پر تکبر کرنے لگے اور یہ خیال کرے کہ جو کچھ اس نے چھوڑا ہے اس کے نزدیک اس چیز کی قدر ہے لیکن اس

marfat.com

نے اسے زیادہ قدر والی چیز کے لیے ترک کیا ہے یہ بھی نقصان ہے۔

تیسرا درجہ:

یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے یعنی خوشی سے زہد اختیار کرے اور اپنے زُہد میں بھی زُہد اختیار کرے اور اپنے زُہد کی طرف وجہ نہ ہو کیوں کہ اس نے اپنے خیال میں کوئی چیز نہیں چھوڑی اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ دنیا کوئی چیز نہیں اس کی مثال اس شخص ی ہے جو ایک جوہر لینے کے لیے ٹھیکری کو چھوڑ دیتا ہے پس وہ اس جوہر کو اس کا معاوضہ نہیں جانتا اور اپنے آپ کو کسی چیز ا چھوڑنے والا نہیں سمجھتا۔ اور اللہ تعالیٰ اور آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر ہے جس قدر ٹھیکری، موتی ے مقابلے میں حقیر ہے اور یہ زہد کامل ہے اور اس کا سبب معرفت کا کامل ہونا ہے۔ اس قسم کا زاہد دنیا کی طرف توجہ کے خطرے سے مامون رہتا ہے جیسے جوہر لے کر ٹھیکری دینے والے سودے کی واپسی سے بے خوف ہوتا ہے۔

حضرت ابو یزید رحمہ اللہ نے حضرت ابو موسیٰ عبدالرحیم رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آپ کس چیز میں گفتگو کرتے ہیں؟ انہوں نے یا زُہد کے بارے میں، انہوں نے پوچھا کس چیز میں زہد؟ فرمایا دنیا میں" یہ سن کر انہوں نے ہاتھ جھاڑے اور فرمایا میں جانتا ا کہ آپ کس چیز میں گفتگو کریں گے دنیا تو" لاشی ٔ" ہے (کچھ بھی نہیں) آپ کس میں زہد کرتے ہیں۔

جو شخص دنیا کو آخرت کے لیے چھوڑتا ہے اہل معرفت اور ارباب قلوب جن کے دل مشاہدات اور مکاشفات سے معمور ں، کے نزدیک وہ اس شخص کی طرح ہے جو بادشاہ کے دربار میں جانا چاہتا ہے تو دروازے پر موجود کتا اسے روک دیتا ہے و اس کے سامنے روٹی کا ایک لقمہ ڈالتا ہے اور اسے اپنے کام میں مشغول کر کے خود دروازے سے اندر داخل ہو جاتا ہے اور دشاہ کا قرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ اس کا حکم تمام مملکت میں نافذ ہونے لگتا ہے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ اس نے جو کچھ حاصل یا ہے اس کے مقابلے میں وہ بادشاہ کے ہاں اپنے لیے اس لقمے کی کوئی حیثیت جانتا ہے جو اس نے اس کے کتے کے امنے ڈالا ہے۔

تو شیطان اللہ تعالیٰ کے دروازے پر ایک کتا ہے جو لوگوں کو داخل ہونے سے روکتا ہے حالانکہ دروازہ کھلا ہے در پردہ بھی اٹھا ہوا ہے اور دنیا روٹی کے ایک لقمے کی طرح ہے اگر تم اسے کھا ؤ تو اس کی لذت صرف چبانے کی حد تک ہے پھر نگلتے ہی لذت ختم ہو جاتی ہے پھر اس کا پھوگ معدے میں باقی رہتا ہے پھر وہ بدبو اور گندگی کی شکل اختیار کرتا ہے پھر ں کے بعد اسے پھوگ کو نکالنے کی ضرورت ہوتی ہے تو جو شخص اسے اس لیے ترک کرتا ہے کہ بادشاہ کے ہاں عزت حاصل رے وہ اس کی طرف کیسے توجہ کرے گا۔

اور دنیا جو کسی شخص کو صحیح سالم حاصل ہوتی ہے اگرچہ اس کی عمر سو سال ہو آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں اس کی وہ نسبت بھی نہیں جو ایک لقمے کو دینوی ملک کے مقابلے میں حاصل ہے۔ کیوں کہ جس کی کوئی انتہا ہو اسے غیر متناہی چیز سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ اور دنیا عنقریب ختم ہونے والی ہے اگرچہ وہ ایک لاکھ سال تک چلی جائے اور بالکل صاف ہو اس میں کوئی میل اور

گندگی نہ ہو اس کی ابدی نعمتوں سے کوئی مناسبت نہیں اور جب عمر ہی کم ہو اور دنیوی لذات بھی گدلی اور میلی کچیلی ہوں تو ا
صورت میں کیا حکم ہوگا۔ اسے آخرت کی ابدی نعمتوں سے کیا نسبت ہوگی۔

تو معلوم ہوا کہ زاہد اپنے زہد کی طرف اسی وقت توجہ کرتا ہے جب وہ اس چیز کی طرف متوجہ ہو جس میں زہد اختیار ک
ہے اور اس چیز کی طرف توجہ اس وقت کرے گا جب اسے قابل اعتبار چیز سمجھے گا اور اسے اسی صورت میں معتبر ما
گا جب معرفت میں کوتاہی ہوگی پس معلوم ہوا کہ زہد کا نقصان درحقیقت معرفت کی کمی اور کوتاہی ہے۔

تو یہ زہد کے درجات میں تفاوت ہے اور ان میں سے ہر درجے کے لیے کئی درجات ہیں کیونکہ متزھد کا صبر کرنا م
میں مشقت کے تفاوت کے حساب سے مختلف اور متفاوت ہوتا ہے اسی طرح جو شخص اپنے زہد پر تکبر کرتا ہے
اور خود پسندی کا شکار ہوتا ہے وہ جس قدر زہد کی طرف متوجہ ہوگا اسی حساب سے اس کا درجہ ہوگا۔

مرغوب فیہ کے اعتبار سے زہد کے درجات

جس چیز میں رغبت ہو اس کی طرف اضافت و نسبت کے حوالے سے بھی زہد کی تقسیم تین درجات میں ہوتی ہے

سب سے نچلا درجہ:

جس چیز میں رغبت ہے اس میں جہنم کی آگ اور دیگر تمام تکالیف سے نجات ہو جیسے عذاب قبر، حساب کا پیش کرنا
پل صراط کا خطرہ اور اس کے علاوہ جتنے خطرناک مراحل بندے کے سامنے ہیں جیسا کہ روایات میں آیا ہے۔

کیوں کہ روایات میں آیا ہے کہ ایک شخص کو حساب کے لیے کھڑا کیا جائے گا حتیٰ کہ اگر ایک سو پیاسے اونٹ اس
کے پسینے پی لیں تو وہ سیراب ہو جائیں (۱)

یہ ڈرنے والوں کا زہد ہے گویا وہ (دنیا کے) نہ ہونے پر راضی ہوئے اگر ان کے پاس نہ ہو کیوں کہ تکلیف سے نجات
تو نہ ہونے سے ہی حاصل ہو جاتی ہے۔

دوسرا درجہ:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے ثواب اور اس کی نعمتوں میں رغبت کے تحت زہد اختیار کرے اور ان لذات کی رغبت
ہو جن کا وعدہ کیا گیا ہے کہ جنت میں ملیں گی جیسے، حور، اور محلات وغیرہ یہ امید رکھنے والوں کا زہد ہے ان لوگوں نے
دنیا سے بے رغبتی صرف اس لیے اختیار نہیں کی اور اس کے نہ ہونے پر قناعت اس لیے نہیں کی کہ وہ تکلیف سے نجات
پائیں بلکہ انہوں نے دائمی وجود اور ہمیشہ کی نعمتوں کی امید کی ہے جن کی کوئی انتہا نہیں۔

تیسرا درجہ:

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۰۴ مرویات ابن عباس

marfat.com

یہ سب سے بلند درجہ ہے وہ یہ کہ اس کی رغبت اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی ملاقات میں ہو اس کا دل نہ تو تکالیف کی طرف
یہو کہ ان سے چھٹکارا پائے اور نہ لذتوں کی طرف کہ ان کو حاصل کرے اور ان کے ذریعے کامیاب ہو بلکہ اس کی تمام تر توجہ
عالیٰ کی طرف ہوتی ہے اور یہی وہ شخص ہے جس کا ایک ہی غم اور ایک ہی لگن ہوتی ہے اور یہی موحد حقیقی ہے جو اللہ تعالیٰ کے
ی کی طلب نہیں رکھتا کیوں کہ جو شخص غیر خدا کی طلب کرتا ہے وہ اس کی پوچا کرتا ہے کیوں کہ ہر مطلوب معبود اور ہر طالب اپنے
ب کے حوالے سے اس کی پوچا کرنے والا ہے اور غیر خدا کی طلب شرک خفی سے ہے اور یہ محبت کرنے والوں کا زہد
اور یہ عارفین ہیں کیوں کہ خاص اللہ تعالیٰ سے وہی محبت کرتا ہے جو اس کی معرفت رکھتا ہے اور جس طرح ایک شخص دینار
ہم دونوں کی پہچان رکھتا ہو اور اسے معلوم ہو کہ وہ دونوں کو جمع کرنے پر قادر نہیں ہے تو وہ صرف دینار کو چاہتا ہے
طرح جو آدمی اللہ تعالیٰ کی پہچان رکھتا ہو اور اس کی ذات پاک کے دیدار کی لذت کا عرفان اسے حاصل ہو اور یہ بھی جانتا
یہ لذت اور حوروں سے لطف اندوز ہونا جمع نہیں ہو سکتیں اور محلات کے نقش و نگار اور درختوں کی سبزی دونوں کو
ت) دیکھنا ممکن نہیں ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی لذت کو چاہتا ہے اس کے غیر کو ترجیح نہیں دیتا۔

اور یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ جنتی جب اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے تو ان کے دلوں میں حور و قصور کی لذت بھی باقی
ہے گی بلکہ یہ لذت اہل جنت کی نعمتوں کی لذت کے حوالے سے اسی طرح ہو گی جس طرح چڑیا پر غلبہ پانے اور اس سے
لنے کی نسبت سے دنیا کی بادشاہی اور اطراف عالم پر حکومت اور لوگوں کی گردنوں کا مالک ہونے کی لذت ہے۔ کیوں کہ جو
ں کسی پرندے سے کھیلتا ہے تو اس کی یہ وجہ ہیں کہ اس کی لذت مخلوق پر حکومت کرنے کی لذت سے زیادہ ہے بلکہ
ں لیے کھیلتا ہے کہ اسے حکومت کرنے اور اس رستے سے لوگوں پر غالب آنے کی لذت کا ادراک نہیں ہے۔

اور جس چیز سے رغبت کو پھیرا جاتا ہے اس کی نسبت سے تقسیم کے سلسلے میں بہت سے اقوال ہیں اور شاید اس
سلے میں مذکورہ اقوال ایک سو سے زیادہ ہیں لہذا ہم ان اقوال کو نقل کرنے میں مشغول نہیں ہوتے بلکہ ہم ایک ایسے کلام کی طرف
ارہ کرتے ہیں جو تمام تفاصیل کو محیط ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس کا اکثر حصہ کل کا احاطہ کرنے سے قاصر
ے پس ہم کہتے ہیں کہ زہد کے اعتبار سے جس چیز کو چھوڑا جاتا ہے اور اس سے رغبت کو پھیرا جاتا ہے اس کا اجمال
ہے اور تفصیل بھی، اور اس کی تفصیل کے کئی مراتب ہیں ان میں سے بعض ایک ایک قسم کی خوب تشریح کرتے ہیں
ان میں سے بعض تمام درجات کا نہایت اجمالی خاکہ پیش کرتے ہیں۔

پہلے درجہ میں اجمال یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے سوا ہے اس سے بے رغبتی اختیار کی جائے حتیٰ کہ خود اپنے آپ سے
ی بے رغبت ہو جائے دوسرے درجہ میں اجمال یہ ہے کہ اپنی ان تمام صفات سے توجہ ہٹا دے جن میں نفع ہو اور یہ
بیعت کے تمام تقاضے ہیں جیسے شہوت، غصہ، تکبر، اقتدار، مال اور جاہ و مرتبہ وغیرہ۔

اور تیسرے درجے میں مال و جاہ اور ان کے اسباب سے زہد اختیار کرے کیوں کہ تمام نفسانی فوائد ان دونوں کی طرف

marfat.com

لوٹتے ہیں۔

چوتھے درجے میں علم، طاقت، دینار، درھم اور جاہ و مرتبہ کے حوالے سے زہد اختیار کرے کیوں کہ مال کی اقسام اگ
زیادہ ہیں لیکن وہ درھم اور دینار میں جمع ہو جاتی ہیں اور جاہ و مرتبہ کے اسباب اگرچہ زیادہ ہیں لیکن ان کا رجوع علم و قد
کی طرف ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ علم و قدرت ہے جس سے دلوں کا مالک بننا مقصود ہو کیوں کہ جاہ و مرتبہ کا معنی دلوں کا
بننا اور ان پر قادر ہونا ہے جس طرح مال کا مفہوم اشیاء کا مالک بننا اور ان پر قادر ہونا ہے۔

اگر یہ تفصیل اس سے زیادہ بلیغ شرح و تفصیل کی طرف تجاوز کر جائے تو قریب ہے کہ جس میں زہد ہے وہ حد سے
نکل جائے اور اللہ تعالیٰ نے ایک آیت میں سات چیزوں کا ذکر کیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (۱)

لوگوں کے لیے خواہشات کی محبت مزین کی گئی ہے یعنی عورتوں، بیٹیوں اور سونے چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے خزانوں اور نشان لگے ہوئے گھوڑوں اور جانوروں اور کھیتی کی محبت، یہ دنیوی زندگی کا سامان ہے۔

پھر دوسری آیت میں پانچ کا ذکر فرمایا۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (۲)

جان لو دنیا کی زندگی کھیل کود، زینت اور باہم فخر کرنا نیز مالوں اور اولاد کی کثرت طلب کرنا ہے۔

پھر ان سب کو دو باتوں کی طرف لوٹایا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ۔ (۳)

بے شک دنیوی زندگی کھیل کود ہے۔

پھر ان سب کو ایک بات میں جمع کر دیا۔ فرمایا۔

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔

اور اس نے نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔

تو لفظ ھویٰ (خواہش) ایک ایسا لفظ ہے جو نفس کی تمام دنیوی لذات کو جمع کرتا ہے لہٰذا اس سے زہد ہونا چاہیے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ آل عمران آیت ۱۴

(۲) قرآن مجید، سورۃ الحدید آیت ۲۰

(۳) قرآن مجید، سورۃ الحدید آیت ۳۶

(۴) قرآن مجید، سورۃ النازعات آیت ۴۰

marfat.com

جب تم نے اجمال اور تفصیل کا طریقہ معلوم کر لیا تو تمہیں معلوم ہو گیا کہ ان میں سے بعض، دوسرے بعض کے مخالف نہیں
ں کے درمیان تفریق کبھی تشریح کے اعتبار سے ہوتی ہے اور کبھی اجمال کے حوالے سے۔

حاصل یہ ہوا کہ زہد کا مطلب تمام دنیوی لذتوں سے بے رغبت ہو جانا ہے اور جب آدمی نفس کی خواہشات سے بے رغبت
یائے تو اسے دنیا میں باقی رہنے کی رغبت بھی نہیں رہتی تو لامحالہ اس کی امید کم ہو جاتی ہے کیوں کہ بقا تو اس لیے چاہتا
ہ کہ نفع حاصل کرے اور بقاء کے ذریعے دائمی نفع کا ارادہ کرتا ہے کیوں کہ جو شخص کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے وہ اس کے
م کا ارادہ کرتا ہے اور دنیوی زندگی سے محبت کا مطلب یہی ہے کہ جو کچھ اس میں موجود ہے یا جس کا امکان ہے وہ
رہے اور جب اس سے بے رغبت ہو جائے گا تو دوام کا ارادہ نہیں کرے گا۔

یہی وجہ ہے کہ جب مسلمانوں پر جہاد فرض کیا گیا تو انہوں نے کہا۔

رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ۔ (۱)

اے ہمارے رب تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کیا تو نے ہمیں ایک قریب کی مدت تک مہلت کیوں نہیں دی۔

ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ۔ (۲)

فرما دیجئے دنیا کا سامان تھوڑا ہے۔

یعنی تم دنیا کے ساز و سامان کے لیے باقی رہنا چاہتے ہو اس کے بعد زاہدوں اور منافقوں دونوں کا حال واضح ہو گیا۔
زاہد جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایسے لڑے کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں اور
نے دو میں سے ایک بھلائی کا انتظار کیا انہیں جب جہاد کے لیے بلایا جاتا تھا تو وہ جنت کی خوشبو سونگھتے تھے اور
ی طرف وہ اس طرح دوڑتے جس طرح پیاسے ٹھنڈے پانی کی طرف دوڑتے ہیں کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنے
ہ شہادت حاصل کرنے کی حرص رکھتے تھے اور ان میں سے جو اپنے بستر پر انتقال کر جاتا اسے شہادت کا مقام حاصل
نے پر افسوس ہوتا حتیٰ کہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بستر مرگ پر تھے تو فرماتے تھے میں نے کس قدر اپنی جان لڑائی
ہادت کی طمع میں صفوں میں گھسا رہا لیکن اب میں بوڑھی عورتوں کی طرح جان دے رہا ہوں اور جب آپ کا وصال ہوا
ب کے جسم پر زخموں کے آٹھ سو داغ تھے ایمان میں پہلے لوگوں کا یہی حال تھا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

لیکن منافق لوگ موت کے خوف سے جماعت سے بھاگتے تھے ان سے کہا گیا۔

إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ

بے شک جس موت سے تم بھاگتے ہو تم نے اس سے

---

(۱) قرآن مجید سورۃ النساء آیت ۷۷

(۲) قرآن مجید سورۃ النساء آیت "

marfat.com

مُلٰقِیْکُمْ ۔ (۱) ملاقات کرنا ہے۔

ان لوگوں نے جو دنیا میں باقی رہنے کو شہادت پر ترجیح دی تو یہ اعلیٰ کے بدلے میں ادنیٰ چیز لینا ہے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی پس ان کو تجارت میں نفع نہ ہوا کیوں کہ انہوں نے اس کی راہ نہ پائی لیکن جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے ان کی جانوں اور مالوں کا سودا کیا اور ان کو جنت عطا فرمائی پس جب انہوں نے دیکھا کہ انہوں نے مثلاً بیس یا تیس سال کا نفع ابدی نفع کے بدلے میں چھوڑ دیا تو وہ اپنے سودے پر جو انہوں نے کیا، خوش ہوئے تو جس چیز میں زہد کیا جاتا ہے یہ اس کا بیان ہے۔

جب تم اس بات کو سمجھ گئے تو تمہیں معلوم ہو گیا کہ متکلمین نے زہد کی تعریف میں جو کچھ ذکر کیا ہے تو وہ صرف اقسام کی طرف اشارہ کیا ہے پس ہر ایک نے وہ بات لکھی جو اس کے نفس پر غالب تھی یا اس مخاطب پر ——

حضرت بشر رحمہ اللہ نے فرمایا دنیا میں زُہد لوگوں سے بے رغبتی اختیار کرنا ہے اور یہ خاص طور پر جاہ مرتبہ کے اعتبار سے زہد ہے اور حضرت قاسم الجوعی رحمہ اللہ نے فرمایا دنیا سے زُہد پیٹ کے اعتبار سے زُہد ہے جس قدر آدمی کو اپنے پیٹ پر کنٹرول ہوگا اسی قدر وہ زاہد ہوگا، تو یہ ایک خواہش میں زُہد کی طرف اشارہ ہے اور حقیقتاً یہی ایک خواہش اکثر خواہشات پر غالب ہے اور ان کو ابھارتی ہے۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں دنیا میں زُہد قناعت کے اعتبار سے زُہد ہے اور یہ خاص مال کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا امیدیں کم رکھنا زُہد ہے اور یہ تمام خواہشات کو جامع ہے کیوں کہ جو شخص خواہشات کی طرف میلان رکھے گا اس کا دل تقاضا چاہے گا اور یوں اس کی امید طویل ہوگی اور جس کی امید کم ہو گویا اس نے تمام خواہشات سے رغبت کو ختم کر دیا۔

حضرت اُویس رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب زاہد طلبِ معاش کے لیے نکلتا ہے تو اس سے زہد چلا جاتا ہے اس سے انہوں نے زُہد کی تعریف کرنے کا قصد نہیں کیا بلکہ زُہد میں توکل کو شرط قرار دیا انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ زُہد اس رزق کی طلب کو ترک کرنا ہے جس کی ضمان دی گئی ہے۔ اور یہ رزق کی طرف اشارہ ہے۔

اربابِ حدیث فرماتے ہیں رائے اور عقل کے مطابق عمل دنیا ہے اور زُہد علم کی اتباع اور سنت کو لازم پکڑنے کا نام ہے اگر اس رائے اور عقل سے فاسد رائے مراد ہے جس کے ذریعے دنیا میں جاہ و مرتبہ طلب کیا جاتا ہے تو یہ بات صحیح ہے لیکن یہ جاہ کے بعض اسباب کی طرف خاص طور پر اشارہ کیا گیا یا بعض اسباب کی طرف اشارہ ہے جو فضول خواہشات ہیں۔ کیوں کہ بعض علوم کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور لوگوں نے ان کو اتنا طول دیا ہے کہ انسان کی عمر ایک ہی علم میں

---

(۱) قرآن مجید سورۂ جمعہ آیت ۸

marfat.com

رف ہو جائے۔

پس زاہد کے لیے شرط یہ ہے کہ سب سے پہلے فضول کاموں سے بے رغبت ہو۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں زاہد وہ ہے جو کسی کو دیکھ کر کہے کہ یہ مجھ سے افضل ہے تو وہ اس طرف گئے
ں کہ زُہد، تواضع کا نام ہے اور یہ جاہ اور خود پسندی کی نفی کی طرف اشارہ ہے اور یہ زُہد کی ایک قسم ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا زُہد، طلبِ حلال کا نام ہے تو اس صورت اس بات کا کیا مطلب رہ جاتا جو حضرت اویس نے
ائی کہ زُہد طلبِ معاش کو چھوڑنے کا نام ہے اور اس میں شک نہیں کہ انہوں نے طلب حلال کے ترک کا ہی ارادہ کیا ہے۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمہ اللہ فرماتے تھے جو شخص اذیت پر صبر کرے اور خواہشات کو چھوڑ دے نیز حلال کھانا کھائے
س نے زُہد کے اصل کو اختیار کر لیا۔

زہد کے بارے میں ان مذکورہ بالا اقوال کے علاوہ بھی کہا گیا ہے لیکن ان کو نقل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ جو شخص
ائق امور کو لوگوں کے اقوال سے کھوجنا چاہتا ہے وہ ان کو مختلف پاتا ہے اب سوائے حیرت کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا اور
ن کے لیے حق واضح ہو جاتے اور وہ قلبی مشاہدے سے ادراک کرے تو اسے سنی ہوئی بات سے فائدہ نہ ہوگا کیوں کہ
حق بات پر اعتماد کر چکا ہے اور جس شخص کی بصیرت میں کمی ہے اس کی کمی پر بھی مطلع ہو چکا ہے اور جنہوں نے کمالِ معرفت
ے باوجود اختصار کی راہ اختیار کی کیونکہ حاجت کم تھی تو وہ اس اختصار پر بھی مطلع ہو جائے گا ان تمام بزرگوں نے اختصار سے
م لیا تو اس کی وجہ ان کی بصیرت میں کمی نہ تھی بلکہ انہوں نے ضرورت کے مطابق ذکر کیا ہے اور چونکہ حاجات مختلف ہیں
ں لیے کلمات بھی مختلف ہیں۔

اور بعض اوقات اختصار سے کام لینے کی وجہ بندے کی مستقل حالت کی خبر دینا ہوتی ہے جو بندے کا ایک مقام ہے
ر احوال مختلف ہوتے ہیں پس جو اقوال ان احوال کی خبر دیتے ہیں وہ بھی مختلف ہوں گے۔

لیکن فی نفسہٖ حق ایک ہی ہوتا ہے اس میں اختلاف کا تصور نہیں ہو سکتا تو ان اقوال میں سے جامع قول وہ ہوگا جو اپنی
ت میں کامل ہو اگرچہ اس میں تفصیل نہ ہو حضرت سلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ہم نے زہد کے بارے میں بہت زیادہ کلام سنا اور ہمارے نزدیک زہد ہر اس چیز کو چھوڑنے کا نام ہے جو تمہیں
ہ تعالیٰ سے غافل کر دے ایک مرتبہ انہوں نے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے فرمایا جس نے نکاح کیا یا طلبِ معیشت
کے لیے سفر کیا یا حدیث لکھی وہ دنیا کی طرف جھک گیا تو انہوں نے ان تمام باتوں کو زہد کے خلاف قرار دیا۔ انہوں نے
ہ آیت پڑھی۔

اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔ (۱) مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس صحیح سالم دل کے ساتھ آئے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الشعراء آیت ۸۹

marfat.com

پھر فرمایا قلبِ سلیم وہ دل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا غیر نہ ہو اور فرمایا کہ اسلاف نے زہد اس لیے اختیار کیا کہ ان کے دل دنیا کے غموں سے چھوٹ کر آخرت کے لیے فارغ ہو جائیں تو جس چیز میں زہد اختیار کیا جاتا ہے اس کے حوالے سے زہد کی اقسام کا بیان مکمل ہوا۔

زہد کے احکام:

زہد کے احکام فرض، نفل اور سلامتی میں تقسیم ہوئے ہیں جس طرح حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے فرمایا۔ پس فرض زہد حرام سے بچنے میں ہوتا ہے اور نفلی زہد، حلال چیز میں ہوتا ہے اور سلامتی شبہات کی صورت میں ہوتی ہے اور ورع و تقویٰ کے درجات کی تفصیل ہم نے حلال و حرام کے ذکر میں بیان کی ہے اور یہ زہد ہے کیوں کہ حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ سے پوچھا گیا زہد کیا ہے؟ فرمایا تقویٰ" اور خفیہ امور کو چھوڑنے کے حوالے سے دیکھا جائے تو ان کی کوئی انتہا نہیں لہٰذا ان میں زہد کی بھی کوئی حد نہیں کیوں کہ نفس جن خطرات اور تمام حالات سے نفع اندوز ہوتا ہے ان کی کوئی انتہا نہیں بالخصوص ریاکاری کے خفیہ امور تو بے شمار ہیں اور ان پر سوائے بڑے بڑے علماء کے کوئی مطلع نہیں ہو سکتا۔

بلکہ ظاہری اموال میں بھی زہد کے درجات غیر متناہی ہیں اور ان میں سے نہایت اعلیٰ درجہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد ہے جب آپ نے آرام فرما ہونے کے لیے پتھر کو تکیہ بنایا تو شیطان نے کہا کیا آپ نے دنیا کو چھوڑ نہیں دیا تھا اب کیا ہوا؟ آپ نے پوچھا کیا نئی چیز پیدا ہو گئی؟ اس نے کہا آپ نے پتھر کو تکیہ بنایا ہوا ہے یعنی آپ نے آرام کرتے ہوئے اپنے سر کو زمین سے بلند کر کے آسائش اختیار کی یہ سن کر آپ نے پتھر نکال کر پھینک دیا اور فرمایا اسے اور دنیا دونوں کو لے جاؤ۔

حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے ٹاٹ کا لباس پہنا حتیٰ کہ آپ کے جسم میں سوراخ پڑ گئے اور آپ نے نرم لباس اس لیے نہ پہنا کہ یہ عیاشی ہے۔ اور چھونے کی حس کو آرام پہنچاتا ہے۔ آپ کی والدہ نے فرمایا کہ اس ٹاٹ کی بجائے آپ اونی لباس پہن لیں تو انہوں نے وہ پہن لیا اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا اے یحییٰ آپ نے دنیا کو ترجیح دے دی اس پر آپ روئے اور اونی لباس اتار کر دوبارہ پہلے والا لباس پہن لیا۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں زہد تو حضرت ادریس رحمہ اللہ کا تھا کہ برہنگی کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ بانس سے بنے ہوئے ایک برتن میں بیٹھے رہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک آدمی کی دیوار کے سائے میں تشریف فرما ہوئے تو دیوار کے مالک نے آپ کو اٹھا دیا آپ نے فرمایا مجھے تم نے نہیں اٹھایا بلکہ اس نے اٹھایا جو میرے لیے دیوار کے سائے کی آسائش پسند نہیں کرتا (یعنی اللہ تعالیٰ نے اٹھایا ہے)

تو ظاہری اور باطنی طور پر زہد کے درجات بے شمار ہیں اور سب سے کم درجہ ہر مشتبہ اور ممنوع چیز میں زہد اختیار کرنا ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ زہد تو صرف حلال چیز سے بے رغبتی کا نام ہے شبہ والی اور ممنوع چیز سے بے رغبتی زہد نہیں اور یہ زہد کے درجات میں بالکل نہیں آتی پھر انہوں نے دیکھا کہ دنیوی اموال میں حلال نہیں رہا لہٰذا اب زہد کا تصور ختم ہو گیا۔

marfat.com

سوال :

جب صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا سب کچھ ترک کرنے کا نام زہد ہے تو کھانے پینے لباس پہننے، لوگوں سے میل جول اور گفتگو وغیرہ کی صورت میں زہد کس طرح متصور ہو سکتا ہے کیوں کہ یہ سب کچھ ماسوی اللہ ہی ہیں۔

جواب :

دنیا سے اللہ تعالیٰ کی طرف پھرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا دل مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر کی طرف متوجہ ہو اور یہ بات اسی وقت ہو سکتی ہے جب آدمی دنیا میں باقی رہے اور بقا کے لیے ضروریاتِ نفس کا ہونا ضروری ہے اور جب تم دنیا سے صرف اسی قدر حاصل کرو کہ بدن سے ہلاکت خیز امور کو دُور کرو اور تمہاری غرض بدن سے عبادت پر مدد لینا ہو تو تم غیر خدا میں مشغول ہو کر نہیں رہ جاؤ گے کیوں کہ جو چیز کسی چیز تک پہنچنے کا وسیلہ ہو وہ اسی سے ہوتی ہے جو شخص حج کی طرف جاتے ہوئے راستے میں اونٹنی کو چارہ دیتا اور پانی پلاتا ہے وہ حج سے منہ پھیرنے والا نہیں ہوتا لیکن تمہارا بدن اللہ تعالیٰ کے راستے میں اسی طرح ہونا چاہیے جس طرح اونٹنی حج کے راستے میں ہوتی ہے کیونکہ تمہارا مقصد اونٹنی کو عیش کرانا نہیں ہوتا بلکہ صرف اس غرض ہوتی ہے کہ اسے ہلاکت میں ڈالنے والی باتوں سے بچایا جائے تاکہ وہ تمہیں تمہارے مقصد تک پہنچائے اسی طرح تم اپنے بدن کو کھانا پینا اس لیے دو تاکہ بھوک اور پیاس سے وہ ہلاک نہ ہو جائے لباس اور رہائش اس لیے مہیا کرو کہ ہلاکت خیز گرمی اور سردی سے بچا رہے پس تم ضرورت کی مقدار پر کفایت کرو اور اسے لذت پہنچانے کا قصد نہ کرو بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت پر قوت پہنچاؤ ــــ تو یہ انداز زُہد کے منافی نہیں بلکہ یہ تو زُہد کی شرط ہے۔

سوال :

جب آدمی بھوک کی حالت میں کھانا کھاتا ہے تو لازماً اسے لذیذ معلوم ہوتا ہے۔

جواب :

جان لو کہ اس سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچتا جب کہ تمہارا مقصد لذت حاصل کرنا نہ ہو کیوں کہ ٹھنڈا پانی پینے والے کو لذت حاصل ہوتی ہے لیکن اس کا مقصد تو پیاس کی تکلیف کو زائل کرنا ہوتا ہے اور جو شخص اپنی حاجت کو پورا کرتا ہے اسے اس سے راحت پہنچتی ہے لیکن اس کے نزدیک یہ اس کا مقصود اور قصداً مطلوب نہیں ہوتی لہٰذا دل اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا انسان بعض اوقات رات کو عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اسے سحری کی خوشگوار ہوا اور پرندوں کی آواز سے راحت پہنچتی ہے لیکن جب اس قسم کی راحت کے لیے کوئی مناسب جگہ تلاش نہ کرے تو کسی قصد کے بغیر جو کچھ اس تک پہنچے گا وہ اسے عام طور پر نقصان نہیں پہنچاتا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے لوگوں میں سے ایسے لوگ بھی تھے جو ایسی جگہ تلاش کرتے جہاں نسیم نہ پہنچے کیوں کہ وہ اس کے ذریعے پہنچنے والی راحت سے ڈرتے تھے اور اس کے ساتھ دل کے مانوس ہونے کا جو ہوتا تھا وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح دنیا سے اُنس پیدا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُنس میں کمی آجائے گی جس قدر

marfat.com

اس کے غیر سے اُنس ہو گا یہی وجہ ہے کہ حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ کا ایک کنواں تھا جس کا پانی ٹھنڈا رہتا تھا وہ اسے دھوپ سے نہ بچاتے اور گرم پانی پیتے تھے اور فرماتے جو شخص ٹھنڈے پانی کی لذت حاصل کرتا ہے اُس کے لیے دنیا کو چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔

تو احتیاط کرنے والے لوگ اس طرح ڈرتے تھے اور ان سب صورتوں میں احتیاط ہی مناسب ہے کیوں کہ اگرچہ یہ مشکل کام ہے لیکن ابدی نعمتوں کے حصول کے لیے تھوڑی مدت تک پرہیز کرنا اہل معرفت پر بھاری نہیں ہوتا ہے وہ شرعی سیاست کے ساتھ اپنے نفسوں کو مغلوب کرتے ہیں اور دین و دنیا کے درمیان اختلاف کی پہچان حاصل کرنے کے لیے یقین کی اسی کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

فصل ۴ :

ضروریات زندگی میں زہد کی تفصیل

جاننا چاہیے کہ لوگ جن چیزوں کے حصول میں مصروف ہیں ان میں بعض ضرورت سے زائد ہیں اور کچھ اہم ہیں زائد کی مثال نشان زدہ (عمدہ) گھوڑے ہیں کیوں کہ عام لوگ ایسے گھوڑے اس لیے رکھتے ہیں کہ ان پر سواری کے ذریعے آرام پاتے ہیں حالانکہ وہ پیدل چلنے پر قادر ہوتے ہیں اور ضروری چیزیں جیسے کھانا اور پینا ہے ہم زائد چیزوں کی اقسام کی تفصیل بیان نہیں کر سکتے کیوں کہ وہ بے شمار ہیں ہاں ضروری اور اہم چیزیں شمار میں آتی ہیں۔

لیکن ضروری اشیاء میں مقدار، جنس اور اوقات کے اعتبار سے فضول داخل ہے پس ان میں زُہد کی وجہ بیان کرنا ضروری ہے اہم (اور ضروری) چیزیں چھ ہیں کھانا، لباس، رہائش، گھریلو سامان، نکاح، مال اور جاہ جو (اچھی) اغراض کے لیے ہو اور یہ چیزیں ان اچھی اغراض میں سے ہیں۔

ہم نے جاہ و مرتبہ کا معنیٰ اور مخلوق اسے کیوں چاہتی دونوں باتیں بیان کی ہیں اور یہ بھی بتایا ہے کہ اس سے بچنے کا طریقہ کیا ہے یہ سب باتیں مہلکات کے بیان میں ریاکاری کے عنوان کے تحت ذکر کی ہیں اب ہم صرف ان چھ اہم امور سے متعلق بیان کرتے ہیں۔

(۱) کھانا :- انسان کے لیے حلال روزی کا ہونا ضروری ہے جس سے قوت حاصل کر سکے لیکن اس کا معاملہ بھی لمبا چوڑا ہے اس لیے اس کے طول و عرض کو کنٹرول کرنا ہو گا یہاں تک کہ زُہد کی تکمیل ہو طول تو پوری زندگی کی طرف نسبت کے حوالے سے ہے کیوں کہ جس شخص کو ایک دن کا رزق حاصل ہو وہ اس پر قناعت نہیں کرتا اور اس کا عرض (چوڑائی) کھانے کی مقدار، جنس اور جس وقت کھاتا ہے اس کے حوالے سے ہے۔

اس کی طوالت کو ختم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ امید کو کم کر دے اور اس سلسلے میں زہد کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ صرف اتنی

marfat.com

مقدار پر اکتفا کرے جو بھوک کو ختم کر دے یعنی جب بھوک لگی ہوئی ہو اور بیماری کا ڈر ہو اور جس شخص کی یہ حالت ہو گی وہ جب وہ کوئی چیز پائے گا تو وہ صبح کے کھانے سے شام کے لیے جمع نہیں کرے گا اور یہ سب سے بلند درجہ ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ ایک مہینے یا چالیس دن کے لیے جمع کرے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ صرف ایک سال کے لیے جمع کرے اور یہ کمزور زاہدوں کا رتبہ ہے اور جو شخص اس سے زیادہ مدت کے لیے جمع کرے اسے زاہد کہنا محال ہے کیوں کہ جو شخص ایک سال سے زیادہ زندہ رہنے کی امید رکھتا ہے تو وہ بہت زیادہ امید رکھ رہا ہے تو اس کا زہد مکمل نہ ہو گا ہاں اس کا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو اور اپنے لیے لوگوں سے کچھ لینے پر بھی راضی نہ ہو تو الگ بات ہے جیسے حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ کو وراثت میں بیس دینار ملے تو انہوں نے ان کو روک رکھا اور بیس سالوں میں خرچ کیا تو یہ اصل زہد کے خلاف نہیں البتہ ان لوگوں کے نزدیک زہد کے خلاف ہے جو زہد میں توکل کو شرط قرار دیتے ہیں۔

اسے جب مقدار کی طرف نسبت کریں تو چوتھائی کی صورت میں سب سے کم درجہ یہ ہو گا کہ ایک دن رات میں ایک پاؤ خوراک ہو درمیانہ درجہ یہ ہے کہ آدھ سیر ہو اور اعلیٰ درجہ ایک کلو ہے اور یہ وہ مقدار ہے جو اللہ تعالیٰ نے کفارے کے سلسلے میں ایک مسکین کا کھانا مقرر کیا ہے اس سے زائد پیٹ کو وسعت دنیا اور اسی میں مشغول ہونا ہے اور جو شخص ایک کلو پر اکتفا نہ کر سکے اسے پیٹ کے حوالے سے زہد میں سے حصہ نہیں ملے گا۔

جنس کی طرف اضافت کریں تو کم از کم یہ ہے کہ وہ غذا بن سکے اگرچہ چھان بورے کی روٹی ہو۔ اور درمیانہ درجہ یہ ہے کہ جو اور جوار کی روٹی ہو اور اعلیٰ درجہ گندم کی روٹی ہے اور وہ بھی آٹا چھنا ہوا نہ ہو۔ اگر اسے چھان کر بورا الگ کر دیا جائے اور میدہ بن جائے تو یہ عیاشی میں داخل ہے اور اس طرح زہد کے آخری دروازے سے بھی نکل جائے گا ابتدائی درجات کی تو بات ہی الگ ہے۔

جہاں تک سالن کا تعلق ہے تو وہ نمک یا ساگ یا سرکہ ہو یہ کم از کم درجہ ہے درمیانے درجے میں زیتون کا تیل یا کوئی دوسری چکنائی شامل ہے اور اعلیٰ درجہ گوشت ہے وہ کسی بھی (حلال) جانور کا ہو اور یہ ہفتے میں ایک یا دو مرتبہ ہو اگر ہمیشہ گوشت کھائے یا ہفتے میں دو مرتبہ سے زائد ہو تو زہد کے آخری دروازے سے بھی نکل جائے گا اور ایسا شخص پیٹ کے حوالے سے بالکل زاہد نہیں کہلاتا وقت کی طرف اضافت کے حوالے سے کم از کم یہ ہے کہ دن رات میں ایک مرتبہ کھائے یعنی دن کو روزہ رکھے درمیانہ درجہ یہ ہے کہ دن کو روزہ رکھے اور رات کو پانی پیئے اور کھانا نہ کھائے یا کھانا، کھائے اور پانی نہ پیئے۔ اور اعلیٰ مقام یہ ہے کہ تین دن یا ایک ہفتے یا اس سے زائد کا روزہ رکھنے کے قابل ہو۔ کھانے کو کم کرنے اور خواہش کو توڑنے کا طریقہ ہم نے مہلکات کے بیان میں ذکر کیا ہے۔

چاہیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کو دیکھے کہ کھانے کے سلسلے میں ان کے زہد کی کیا کیفیت تھی۔

marfat.com

اور انہوں نے سالن کو چھوڑ دیا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہمیں چالیس دن اس طرح گزر جاتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مبارک میں نہ چراغ جلتا اور نہ ہی آگ جلتی پوچھا گیا تو پھر آپ لوگ کس طرح گزارہ کرتے؟ ام المومنین نے فرمایا دو سیاہ چیزوں یعنی کھجور اور پانی پر گزارہ کرتے (۱)

بہ گوشت، شوربے اور سالن کو چھوڑنا ہے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش پر سوار ہوتے اُونی لباس پہنتے اور پیوندلگی ہوئی نعلین شریف پہنتے۔ انگلیاں چاٹتے اور زمین پر (بیٹھ کر) کھانا کھاتے (۲)

اور آپ فرماتے۔

اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ اٰکُلُ کَمَا تَاْکُلُ الْعَبِیْدُ وَ اَجْلِسُ کَمَا یَجْلِسُ الْعَبِیْدُ۔

میں ایک بندہ ہوں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح بندے کھاتے ہیں اور اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح بندے بیٹھتے ہیں۔

(۳)

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو شخص جنت الفردوس طلب کرتا ہے اس کے لیے جَو کی روٹی اور کوڑے کرکٹ پر کتوں کے ساتھ پڑے رہنا بھی زیادہ ہے۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سے مدینہ طیبہ تشریف لائے آپ نے تین دن بھی گندم سے پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔ (۴)

حضرت عیسٰی علیہ السلام فرماتے تھے اے بنی اسرائیل! تمہیں خالص پانی، جنگلی سبزی اور جَو کی روٹی کافی ہے اور گندم کی روٹی سے بچو تم اس کا شکر ادا نہیں کر سکو گے۔

ہم نے مہلکات کے بیان میں کھانے پینے سے متعلق انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت ذکر کی ہے اب دوبارہ بیان نہیں کرتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب قباء والوں کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے دودھ میں شہد ملا کر آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے پیالہ اپنے ہاتھ سے رکھ دیا اور فرمایا میں اس کو حرام تو نہیں کہتا لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرتے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۸۲ مرویات عائشہ

(۲) مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۲۰ کتاب علامات النبوۃ

(۳) مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۲۰ کتاب علامات النبوۃ

(۴) جامع ترمذی ص ۲۰۴، ابواب الزھد

marfat.com

ہوئے چھوڑتا ہوں۔

گرمیوں کے موسم میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھنڈا پانی لایا گیا جس میں شہد ملایا گیا تھا تو آپ نے فرمایا اس کے حساب کو مجھ سے دُور رکھو۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ نے فرمایا سچے زاہد کا رزق وہ ہے جو مل جائے لباس وہ ہے جو ستر کا کام دے اور رہائش گاہ وہی ہے جہاں جگہ مل جائے دنیا قید خانہ ہے قبر خوابگاہ ہے خلوت اس کی مجلس ہے اور عبرت پکڑنا اس کا غور و فکر ہے قرآن اس کی گفتگو ہے اللہ تعالیٰ اس کا انیس (ہم مجلس ساتھی) ہے ذکر اس کا رفیق اور زُہد اس کا ساتھی ہے غم اس کا حال اور حیا اس کا شعار (نشانی) ہے بھوک اس کا سالن ہے حکمت اس کا کلام، مٹی اس کا بچھونا، تقویٰ اس کا سامانِ سفر، خاموشی اس کی غنیمت، صبر اس کا تکیہ توکل اس کی کفایت، عقل اس کی راہنما، عبادت اس کا پیشہ اور جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔

دوسری اہم ضرورت لباس ہے اور اس کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ جو گرمی اور سردی کو دُور کرے اور ستر عورت کے کام آئے اور وہ ایک چادر ہے جس کے ساتھ اپنے آپ کو ڈھانپ لے اس کا اوسط ایک قمیص، ٹوپی اور جُوتوں کا ایک جوڑا ہے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ رومال اور سلوار بھی ہو۔ اس سے زائد کپڑے زُہد کی حد سے تجاوز ہے اور زاہد کے لیے شرط یہ ہے کہ جب وہ اپنے کپڑے دھوئے تو پہننے کے لیے مزید کپڑے نہ ہوں بلکہ اسے گھر میں بیٹھنا پڑے اور جب اس کے پاس دو قمیصیں، دو شلواریں اور دو رومال ہوں تو وہ مقدار کے اعتبار سے زُہد سے خارج ہو گیا۔

جہاں تک کپڑوں کی جنس کا تعلق ہے تو کم درجہ یہ ہے کہ وہ موٹا ٹاٹ ہو درمیانہ یہ ہے کہ اُون کا کھردرا کپڑا ہو اور اعلیٰ درجے کا زہد یہ ہے کہ کپاس کا سخت موٹا کپڑا ہو۔

وقت کے اعتبار سے آخری درجہ یہ ہے کہ ایک سال کے لیے ستر کا کام دے اور کم از کم یہ کہ ایک دن باقی رہے حتیٰ کہ بعض بزرگوں نے اپنے کپڑوں میں پتوں کے پیوند لگائے اگرچہ وہ بہت جلد خشک ہو جاتے ہیں اور اس اعتبار سے درمیانے درجے کا زُہد یہ ہے کہ ایک مہینہ یا اس کے لگ بھگ وہ لباس ٹھہرا رہے۔

پس ایک سال سے زیادہ رہنے والا طلب کرنا لمبی امید کی طرف نکلنا ہے اور یہ زُہد کے خلاف ہے البتہ جب موٹے کپڑے کی تلاش ہو تو کوئی حرج نہیں (کیوں کہ وہ دیرپا ہوتا ہے) اور جو اس سے زیادہ پائے تو اسے صدقہ کر دینا چاہیے اگر اسے روک کر رکھتا ہے تو زاہد نہیں بلکہ دنیا سے محبت کرنے والا ہے۔

اس سلسلے میں انبیاء کرام اور صحابہ کرام کے حالات کو دیکھنا چاہیے کہ کس طرح انہوں نے لباس کو چھوڑ دیا تھا حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں ایک نمدے کی چادر اور ایک موٹی ازار دکھائی اور فرمایا نبی اکرم

---

(۱) الترغیب والترہیب ج جلد ۴ ص ۱۹۷ کتاب التوبہ

marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ان کپڑوں میں ہوا (۱)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللہَ تَعَالٰی یُحِبُّ الْمُتَبَذِّلَ الْمُتَبَذِّلَ الْمُتَبَذِّلَ لَا یُبَالِیْ مَا لَبِسَ۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ کام کاج کے کپڑے پہننے والے کو پسند کرتا ہے جو اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس نے کیا پہنا ہے

حضرت عمرو بن اسود عنسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں کبھی شہرت کا کپڑا نہیں پہنوں گا اور کبھی بھی رات کے وقت بچھونے پر نہ سوؤں گا نہ کبھی عمدہ سواری پر سوار ہوں گا اور نہ ہی کبھی کھانے سے پیٹ بھروں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت دیکھنا اچھا لگتا ہو وہ حضرت عمرو بن اسود رضی اللہ عنہ کو دیکھے۔ (۳)

حدیث شریف میں ہے۔

مَا مِنْ عَبْدٍ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ اِلَّا اَعْرَضَ اللہُ عَنْهُ حَتّٰی یَنْزِعَهٗ وَاِنْ کَانَ عِنْدَهٗ حَبِیْبًا۔ (۴)

جو شخص شہرت کا لباس پہنتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے رُخ پھیر لیتا ہے حتی کہ اسے اتار دے اگرچہ وہ اس کا محبوب ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا چار درہم کے بدلے خریدا (۵) اور آپ کے دونوں کپڑوں کی قیمت دس درہم تھی۔ (۶)

آپ کی ازار مبارک ساڑھے چار گز تھی (۷) اور آپ نے تین درہم میں سلوار خریدی۔ (۸)

آپ دو سفید اُونی شملے پہنتے تھے اور ان کو حُلّہ کہا جاتا تھا کیوں کہ یہ ایک ہی جنس کے دو کپڑے تھے بعض اوقات آپ دو یمنی چادریں پہنتے تھے دو معمولی موٹی سحولی (معمولی) چادریں ہوتیں۔ (۹)

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۹۳ کتاب اللباس

(۲) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۱۰۸ کتاب اللباس (۳)

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۹۲ مرویات ابن عمر

(۵) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۱۲۱ کتاب اللباس (۶)

(۷) طبقات لابن سعد جلد اول ص ۴۵۸ ذکر اصناف لبالہ

(۸) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۱۲۱ کتاب اللباس

(۹) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۹۳ کتاب اللباس

marfat.com

حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص یوں معلوم ہوتی تھی کہ اس کے ساتھ تیل لگا ہوا ہے۔ (۱)
اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن سندس کا دھاری دار کپڑا پہنا جس کی قیمت دو سو درہم تھی صحابہ کرام تعجب کرتے ہوئے اسے ہاتھوں سے چھوتے اور عرض کرتے یا رسول اللہ! کیا یہ کپڑا آپ کے پاس جنت سے آیا ہے (۲)
اور یہ کپڑا آپ کی خدمت میں اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے بطور ہدیہ بھیجا تھا آپ نے اسے پہن کر اس کے اعزاز کا ارادہ فرمایا اور پھر اتار کر ایک مشرک کے پاس بھیج دیا جس سے صلہ رحمی کرنا مقصود تھا پھر آپ نے حریر اور دیباج (ریشمی لباس مردوں پر) حرام قرار دیا گویا آپ نے پہلے اس لیے پہنا کہ اس کی حرمت کی تاکید ہو جیسا کہ آپ نے ایک دن سونے کی انگوٹھی پہنی پھر اتار دی اور اس کا پہننا مردوں پر حرام قرار دیا۔ (۳)
اور جیسا کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا اس کے گھر والوں پر ولا کی شرط رکھو (۴) جب انہوں نے شرط رکھی تو آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اس (ولا) کو حرام قرار دیا۔
اور جس طرح آپ نے تین دن کے لیے متعہ جائز قرار دیا پھر اس نکاح کی تاکید کے طور پر اس کو حرام قرار دیا۔ (۵)
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دھاری دار چادر میں نماز پڑھی جب سلام پھیرا تو فرمایا اس کی طرف دیکھنے نے نماز سے میری توجہ ہٹا دی اسے حضرت جہم رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤ اور ان کی چادر مجھے لا دو۔ (۶)
تو آپ نے عمدہ کپڑے کی نسبت ادنیٰ چادر پسند فرمائی۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کا تسمہ پرانا ہوا تو آپ نے نیا تسمہ لگا کر اس میں نماز پڑھی جب سلام پھیرا تو فرمایا پرانا تسمہ واپس لے آؤ، اور اس نئے تسمے کو اتار دو نماز میں میری نظر اس پر پڑی ہے (۷)
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہنی اور آپ نے منبر شریف پر بیٹھے ہوئے اس پر ایک نظر ڈالی پھر اسے پھینک دیا اور فرمایا اس نے تمہاری طرف سے میری توجہ کو ہٹا دیا میں ایک نظر تمہاری طرف کرتا اور ایک نظر اس کی طرف ہوتی۔ (۸)

---

(۱) شرح السنۃ للبغوی جلد ۱۲ ص ۸۲ حدیث ۳۱۶۴
(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۵۶ کتاب الھبۃ
(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۷۱ کتاب اللباس
(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۵۰ کتاب الھبۃ
(۵) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۵۱ کتاب النکاح
(۶) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۴ کتاب الصلوٰۃ (۷)
(۸) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۴۲ مرویات ابن عباس

marfat.com

ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو نئے جوتوں کو آپس میں برابر کر رہے تھے تو آپ کو ان کی خوبصورتی اچھی معلوم ہوئی آپ فوراً سجدے میں گر پڑے اور فرمایا مجھے ان جوتوں کی خوبصورتی اچھی معلوم ہوئی تو میں اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کر رہا ہوں اس خوف سے کہ کہیں وہ مجھ پر ناراض نہ ہو جائے پھر ان جوتوں کو باہر لائے اور جس مسکین کو پہلے دیکھا اسے عنایت فرما دیئے (۱)

حضرت سنان بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اون کا دھاری دار ایک جبہ بنا گیا اور اس کے کنارے سیاہ رکھے گئے جب آپ نے اسے پہنا تو فرمایا دیکھو یہ کس طرح عمدہ اور کس طرح نرم ہے راوی فرماتے ہیں ایک اعرابی کھڑا ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ مجھے عنایت کر دیجئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ سے کسی چیز کا سوال کیا جاتا تو آپ بخل سے کام نہ لیتے (فرماتے ہیں) چنانچہ آپ نے اسے دے دیا اور حکم دیا کہ آپ کے لیے ایک اور جبہ بنا جائے اور جب حضور علیہ السلام کا انتقال ہوا تو وہ جبہ ابھی بنا جا رہا تھا (۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزاہرا رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور آپ چکی پیس رہی تھیں اور آپ پر اونٹ کے بالوں کی ایک چادر تھی آپ نے ان کو دیکھا تو رو پڑے آپ نے فرمایا۔

تَجَرَّعِیْ مَرَارَۃَ الدُّنْیَا لِنَعِیْمِ الْاٰبَدِ (۳)

ابدی نعمتوں کے لیے دنیا کی کڑواہٹ کا گھونٹ بھر دو۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی۔

عنقریب آپ کا رب آپ کو اس قدر دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

(۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ مِنْ خِیَارِ اُمَّتِیْ فِیْمَا اَنْبَانِیَ الْمَلَاُ الْاَعْلٰی قَوْمًا یَضْحَکُوْنَ جَھْرًا مِنْ سِعَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَیَکُوْنَ سِرًّا مِنْ خَوْفِ عَذَابِہٖ مُؤْنَتُھُمْ

مجھے اوپر والوں (فرشتوں) نے جو خبر دی ہے اس کے مطابق میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کی وجہ سے اونچی آواز سے ہنستے ہیں۔

---

(۱)

(۲) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۱۲۰ کتاب اللباس

(۳) الدر المنثور جلد ۶ ص ۳۶۱ تحت آیت ولسوف یعطیک ربک فترضی

(۴) قرآن مجید، سورۂ والضحیٰ آیت ۵

marfat.com

عَلَى النَّاسِ خَفِيفَةً وَعَلَى اَنْفُسِهِمْ ثَقِيلَةً يَلْبَسُوْنَ الْخُلْقَانَ وَيَتَّبِعُوْنَ الرُّهْبَانَ اَجْسَامُهُمْ فِي الْاَرْضِ وَاَفْئِدَتُهُمْ عِنْدَ الْعَرْشِ۔ (۱)

اور اس کے عذاب کے خوف سے چھپ چھپ کر روتے ہیں ان کی مشقت اور بوجھ لوگوں پر ہلکا اور خود ان پر بھاری ہے وہ پرانے کپڑے پہنتے اور راہبوں (تارک دنیا) کی اتباع کرتے ہیں ان کے جسم زمین پر اور ان کے دل عرش کے پاس ہیں۔

تو اس کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ اس طرح تھی اور آپ نے تمام امت کو اپنی اتباع کا حکم یا آپ نے فرمایا۔

مَنْ اَحَبَّنِيْ فَلْيَسْتَنَّ بِسُنَّتِيْ۔ (۲)

جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے وہ میری سنت پر چلے۔

اور ارشاد فرمایا۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔ (۳)

تم پر میری اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت اختیار کرنا لازم ہے اسے مضبوطی سے پکڑو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (۴)

آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خاص طور پر یہ وصیت فرمائی آپ نے فرمایا۔

اِنْ اَرَدْتِ اللُّحُوْقَ بِيْ فَاِيَّاكِ وَمُجَالَسَةَ الْاَغْنِيَاءِ وَلَا تَنْزَعِيْ ثَوْبًا حَتّٰى تُرَقِّعِيْهِ۔ (۵)

اگر تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو مالدار لوگوں کی مجلس سے بچو اور جب تک کپڑوں پر پیوند نہ لگا لو ان نہ اتارو (یعنی جب تک پرانے نہ ہو جائیں ان کو نہ بدلو)

---

(۱) حلیۃ الاولیا، جلد اول ص ۱۶ مقدمۃ الکتاب

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷، ص ۸، کتاب النکاح

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۳ ص ۹، ۲ کتاب السنۃ

(۴) قرآن مجید، سورۃ آل عمران آیت ۳۱

(۵) جامع ترمذی ص ۲۶۹، ابواب اللباس

marfat.com

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قمیص پر بارہ پیوند شمار کئے گئے جن میں سے بعض چمڑے کے تھے۔
حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے تین درہم میں ایک کپڑا خریدا اسے پہنا اور یہ آپ کے دورِ خلافت کا واقعہ ہے
آپ نے آستینیں کلائیوں سے کاٹیں اور فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ هٰذَا مِنْ رِیَاشِهٖ۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ لباس اپنے عمدہ لباس میں سے پہنایا۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں وہ لباس پہنو جو تمہیں علماء کے نزدیک مشہور نہ کرے اور جاہلوں کے ہاں ذلیل نہ کرے۔

وہ فرماتے تھے اگر کوئی فقیر میرے پاس سے گزرے اور میں نماز پڑھتے ہوئے اسے جانے دوں تو یہ جائز ہے اور کوئی دنیادار میرے پاس سے گزرے اور اس پر یہ عمدہ لباس ہو تو میں اس سے ناراض ہوتا ہوں اور میں اسے نہ نکلنے دوں تو یہ جائز ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت سفیان رحمہ اللہ کے دو کپڑوں اور جوتے کی قیمت ایک درہم اور چار دانق (ایک دانق درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے) لگائی گئی اور حضرت ابن شبرمہ رحمہ اللہ نے فرمایا میرے بہترین کپڑے وہ ہیں جو میری خدمت کریں اور بدترین لباس وہ ہے جن کی خدمت میں کروں۔

بعض بزرگوں نے فرمایا ایسا لباس پہنو جس سے تم بازار والوں کے ساتھ گھل مل جاؤ اور ایسا لباس نہ پہنو جو تمہیں مشہور کر دے اور تمہاری طرف نظریں اٹھیں۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا لباس تین قسم کا ہوتا ہے ایک وہ لباس ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے اور یہ وہ لباس ہے جو ستر کو ڈھانپ دے دوسرا لباس نفس کے لئے ہے اور یہ نرم و گداز لباس ہے اور تیسرا لباس لوگوں (کو دکھانے) کے لیے ہوتا ہے اور یہ وہ لباس ہے جس کے جوہر اور حسن کو تلاش کیا جائے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا جس کا لباس پتلا ہوگا اس کا دین بھی پتلا ہوگا اور تابعین میں سے جمہور علماء کے لباس کی قیمت بیس سے تیس درہم تک ہوتی تھی حضرت خواص رحمہ اللہ کا لباس دو حصوں پر مشتمل ہوتا تھا ایک قمیص دوسرا تہبند اور بعض اوقات وہ قمیص کے دامن کو سر پر الٹ دیتے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا پہلا زہد لباس میں ہوتا ہے اور حدیث شریف میں ہے شکستہ حال رہنا ایمان کی علامت ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جس نے طاقت کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتے ہوئے خوبصورت لباس کو ترک کیا اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر واجب ہے کہ وہ اس کے لیے جنت کا لباس یاقوت کے جامہ دانوں میں رکھے۔

marfat.com

اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی کی طرف وحی فرمائی کہ میرے دوستوں سے فرمادیں کہ وہ میرے دشمنوں کا لباس پہنیں اور نہ ن راستوں سے گزریں جہاں سے میرے دشمن گزرتے ہیں اس طرح وہ بھی میرے دشمن ہوجائیں گے جس طرح وہ لوگ میرے من ہیں۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بشر بن مروان کو کوفہ میں منبر پر (بیٹھے) وعظ کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اپنے امیر دیکھو وہ لوگوں کو وعظ کر رہا ہے اور خود فاسقوں والا لباس پہنے ہوا ہے اور اس نے باریک لباس پہنا ہوا تھا۔

عبداللہ بن عامر عمدہ لباس پہن کر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور زُہد کے بارے میں گفتگو کرنے لگا زت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس کے منہ پر ہتھیلی رکھی اور اس کی ہوا خارج کردوں ابن عامر کو غصہ آیا اس نے حضرت عمر رضی اللہ سے شکایت کی انہوں نے فرمایا تم نے خود غلطی کی ہے تم اس لباس میں ان کے سامنے زُہد کے بارے میں گفتگو کرتے ہو؟

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہدایت دینے والے ائمہ سے عہد لیا کہ وہ لوگوں کے ادنیٰ حال کو یار کریں تاکہ مال داران کی اقتدا کریں اور فقیر کے فقر کی وجہ سے اس کو حقیر نہ سمجھا جائے اور جب حضرت علی المرتضیٰ رضی ہ سے کہا گیا کہ آپ موٹا کھردرا لباس کیوں پہنتے ہیں تو انہوں نے فرمایا یہ تواضع کے زیادہ قریب ہے اور اس بات کے ہے کہ مسلمان اس کی اقتدا کریں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیش پسندی اور آرام طلبی سے منع فرمایا آپ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا لَیْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِیْنَ۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو عیش پسند نہیں ہیں۔ (۱)

حضرت فضالہ بن عبید رحمہ اللہ مصر کے والی تھے انہیں دیکھا گیا کہ بال بکھرے ہوئے ہیں اور پاؤں سے ننگے ہیں کہا گیا ب حکمران ہیں اور اس طرح کرتے ہیں انہوں نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیاشی سے منع فرمایا اور ہمیں حکم دیا کہ کبھی پاؤں بھی پھرا کریں۔ (۲)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا اگر آپ اپنے دونوں ساتھیوں (نبی اکرم صلی اللہ رسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے ملنا چاہتے ہیں تو قمیص پر پیوند لگائیں، ازار کو جھکا کر رکھیں جوتی پیوند لگی ہوئی ں اور سیر ہو کر نہ کھائیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا موٹا کھردرا لباس پہنو اور عجمیوں یعنی کسریٰ اور قیصر کے لباس سے بچو۔

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۲۴ کتاب الطعام

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۱۱ کتاب الرجل

marfat.com

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص کسی قوم کا لباس پہنتا ہے وہ ان ہی میں سے ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی
علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ مِنْ شِرَارِ اُمَّتِی الَّذِیْنَ غُذُّوْا بِالنَّعِیْمِ
یَطْلُبُوْنَ اَلْوَانَ الطَّعَامِ وَاَلْوَانَ الثِّیَابِ
وَیَتَشَدَّقُوْنَ فِی الْکَلَامِ۔ (۱)

میری امت کے برے لوگ وہ ہیں جو دولت میں پلتے ہیں
طرح طرح کے کھانے اور لباس تلاش کرتے ہیں اور
گفتگو میں تکلف کرتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وقال صلی اللہ علیہ وسلم "اِزْرَۃُ الْمُؤْمِنِ
اِلَی اَنْصَافِ سَاقَیْہِ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِ فِیْمَا
بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْکَعْبَیْنِ وَمَا اَسْفَلُ مِنْ
ذٰلِکَ فَفِی النَّارِ وَلَا یَنْظُرُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ
اِلٰی مَنْ جَرَّ اِزَارَہٗ بَطَرًا۔

مومن کے ازار (تہبند) پنڈلی کے نصف تک ہوتی ہے
اور اس کے اور ٹخنوں کے درمیان ہونے میں بھی کوئی
حرج نہیں جو اس سے نیچے کرے گا وہ جہنم میں جائے گا
اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر
رحمت نہیں فرمائے گا جو تکبر کے طور پر اپنی چادر (یا شلوار)
کھینچتا ہے۔

(۲)

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا یَلْبَسُ الشَّعْرَ مِنْ اُمَّتِیْ اِلَّا مُرَاءٍ اَوْ اَحْمَقُ۔

میری امت میں سے وہی شخص بالوں (والے لباس) کو
پہنے گا جو ریاکار ہوگا۔ یا بیوقوف۔

(۳)

حضرت امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اُونی لباس سفر میں سنت میں ہے اور غیر سفر میں بدعت ہے۔

حضرت محمد بن واسع رحمہ اللہ، حضرت قتیبہ بن مسلم رحمہ اللہ کے پاس تشریف لے گئے تو ان پر اُونی لباس تھا حضرت قتیبہ
نے کہا آپ کو اُونی قمیص کی کیا ضرورت پڑی؟ وہ خاموش ہو گئے انہوں نے کہا میں آپ سے گفتگو کرتا ہوں اور آپ بے
جواب نہیں دیتے حضرت محمد بن واسع نے فرمایا مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میں کہوں میں نے زہد کے طور پر یہ لباس پہنا ہے
اس طرح اپنی پاکیزگی بیان کرنے والا ہوں گا اور اگر کہوں کہ فقر کے طور پر ایسا کیا ہے تو اپنے رب سے شکایت ہوگی۔

حضرت ابو سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تو ان کی طرف وحی بھیجی کہ

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۱۲۶ حدیث ۷۱۲۰

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۶۴، ابواب اللباس

(۳) تذکرۃ الموضوعات للفتنی ص ۱۵۷، باب اللباس وتنظیفہ

marfat.com

شرمگاہ کو زمین سے چھپانا اور آپ کی عادت تھی کہ تمام چیزیں ایک ایک رکھتے جب کہ آپ کے سلواریں دو تھیں جب ایک سلوار کو
تے تو دوسری کو پہن لیتے حتی کہ آپ پر ایسی حالت نہ آتی کہ آپ کی شرمگاہ کھلی ہوئی ہو۔

حضرت سلیمان فارسی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے آپ اچھا لباس نہیں پہنتے فرمایا غلام کو عمدہ کپڑے سے کیا تعلق اور
وہ آشنا ہو جائے گا تو قسم بخدا! اسے ایسا لباس ملے گا جو کبھی پرانا نہیں ہوگا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ آپ کے پاس ایک اُدنی جبہ اور ایک اُونی چادر تھی ان دونوں کو آپ
کے وقت پہنتے جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے۔

حضرت حسن قرقد سنجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمہارا خیال یہ ہے کہ تمہیں گدڑی کی وجہ سے لوگوں پر فضیلت حاصل ہے! مجھے تو
پہنچی ہے کہ اکثر اصحاب جہنم وہ ہوں گے جو منافقت کی وجہ سے گدڑی پہنیں گے۔

حضرت یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو معاویہ اسود رحمہ اللہ کو دیکھا وہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں سے
رے چُن کر ان کو دھوتے اور سی کر پہن لیتے میں نے پوچھا آپ اس سے اچھا لباس بھی تو پہن سکتے ہیں انہوں نے فرمایا
یت دنیا میں ان (فقراء) کو پہنچی ہے اس میں کیا نقصان ہے جب کہ اللہ تعالیٰ جنت میں اس کا تدارک فرمائے گا۔ حضرت
ن معین یہ بات ذکر کرتے ہوئے روتے تھے۔

تیسری ضرورت، رہائش ہے اور اس میں بھی زُہد کے تین درجات ہیں۔

سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنے لیے کوئی خاص جگہ طلب نہ کرے اور اصحاب صُفہ کی طرح مسجد کے کونوں پر قناعت
درمیانہ درجہ یہ ہے کہ اپنے لیے خاص جگہ طلب کرے جیسے ایک چھپر جو گھاس پھونس سے بنا ہو یا اس قسم کا کوئی ٹھکانہ۔
اور سب سے کم درجے کا زُہد یہ ہے کہ کوئی کمرہ حاصل کرے چاہے خریدے یا کرائے پر لے اگر یہ رہائش ضرورت کے
ہو اس سے زائد بھی نہ ہو اور اس میں زینت بھی نہ ہو تو یہ مقدار اسے زہد کے آخری درجہ سے نہیں نکالے گی اور اگر وہ پختہ
ہو سے چُونا بھی کیا گیا ہو کشادہ ہو اور چھت چھ (شرعی) گز سے بلند ہو تو وہ رہائش کے حوالے سے زُہد کی حد سے تجاوز

و مکان کی جنس کا اختلاف اس طرح ہوتا ہے کہ وہ چُونے کا (یعنی سیمنٹ) کا ہو یا گھاس وغیرہ گارا استعمال ہو یا اینٹیں،
ار کا اختلاف اس کی وسعت اور تنگی کے اعتبار سے ہوتا ہے اور اس کی طوالت کا اختلاف اوقات کے اعتبار سے
مثلاً اس کی ذاتی ملکیت ہے یا کرایہ پر ہے یا ادھار لیا ہے ان تمام صورتوں میں زُہد کا دخل ہوتا ہے۔

و خلاصہ یہ ہوا کہ ہر وہ چیز جو ضرورت کے تحت حاصل کی جائے وہ ضرورت کی حد سے تجاوز نہ کرے اور دنیا کا حسب ضرورت
ادین کا آلہ اور وسیلہ ہے اور جو اس سے تجاوز کر جائے وہ دین کے خلاف ہے رہائش کا مقصد بارش اور سردی
کی نظروں اور اذیت سے بچنا ہے اس کا کم از کم درجہ تو معلوم ہے اور جو اس سے زائد ہے وہ فضول ہے اور فضول

سب کا سبب دنیا ہے اور جو شخص فضول کا طالب ہو اور اس کے لیے کوشش کرے وہ زہد سے بہت دور ہے۔

کہا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لمبی امید کے سلسلے میں سب سے پہلے جو بات ظاہر ہوئی وہ تذریہ اور تشیید تذریر کپڑوں کی عمدہ اور باریک سلائی کرنا ہے (۱) کپڑوں کی ہلکی سلائی ہونے لگی اور تشیید سے مراد چونے اور اینٹوں کی عمارت بنانا ہے (۲) پہلے لوگ کھجور کی شاخوں سے عمارت بناتے تھے حدیث شریف میں ہے کہ ایک زمانہ آئے گا جب لوگ اپنے کپڑوں کو یمنی چادروں کی طرح منقش کریں گے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ کو حکم دیا کہ انہوں نے جو بلند کی ہے اسے گرا دیں۔ (۳)

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بلند قبے کے پاس سے گزرے تو پوچھا یہ کس کا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کسی کا ہے جب وہ شخص حاضر ہوا تو آپ نے منہ پھیر لیا اور پہلے کی طرح اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے اس شخص نے صحابہ کرام سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی تبدیلی کے بارے میں پوچھا تو اسے بتایا گیا اس نے اسی وقت اس کو گرا دیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ اس جگہ سے گزرے تو وہ عمارت نظر نہ آئی آپ کو بتایا گیا کہ اس نے اس کو گرا دیا ہے آپ نے اس کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ (۴)

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال تک (یعنی زندگی میں) اینٹ پر اینٹ اور پر بانس نہ رکھا۔ (۵)

آپ نے ارشاد فرمایا۔

اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ شَرًّا اَھْلَكَ مَالَہٗ فِی الْمَاءِ وَالطِّیْنِ۔ (۶)

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کی برائی کا ارادہ فرمایا ہے تو اس کے مال کو پانی اور گارے میں (تعمیرات میں) ہلاک کر دیتا ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سے گزرے تو ہم ایک چھپر کی مرمت کر رہے تھے آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا یہ چھپر ٹوٹ گیا ہے آپ نے فرمایا میں اس سے بھی جلدی کا معاملہ دیکھتا

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۱۹۵ کتاب اللباس

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۲ کتاب الصوم / کتاب الصلوٰۃ ص ۶۱

(۳) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۷۰ کتاب البیوع

(۴) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۶۵۳ کتاب الادب

(۵) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۱۸۶، کتاب التوبہ

(۶) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۲ ص ۱۸۵ حدیث ۱۷۵۵

(۷) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۶۵۴ کتاب الادب

marfat.com

(موت کی طرف اشارہ ہے)

حضرت نوح علیہ السلام نے بانسوں (کانوں کا) گھر بنایا تو آپ سے کہا گیا کہ آپ پختہ مکان بنا لیتے؟ آپ نے فرمایا جس نے مرنا ہے اس کے لیے اتنا بھی زیادہ ہے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم صفوان بن محیریز کے پاس گئے تو وہ نرکل (بانس وغیرہ) سے بنے ہوئے مکان میں تھے جھکا ہوا تھا۔ عرض کیا گیا اگر آپ اسے ٹھیک کرلیں تو اچھا ہے، فرمایا کتنے ہی لوگ مر گئے اور یہ اپنی حالت پر قائم ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ بَنَى فَوْقَ مَا يَكْفِيهِ كُلِّفَ أَنْ يَحْمِلَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۱)

جو شخص ضرورت سے زیادہ تعمیر کرے قیامت کے دن اسے اس کو اٹھانے کی تکلیف دی جائے گی۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔

كُلُّ نَفَقَةٍ لِلْعَبْدِ يُؤْجَرُ عَلَيْهَا إِلَّا مَا أَنْفَقَهُ فِي الْمَاءِ وَالطِّينِ۔ (۲)

بندے کو تمام خرچ کیے گئے مال پر اجر ملے گا سوائے (غیر ضروری) تعمیر کے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا۔ (۳)

یہ آخرت کا گھر ہے جسے ہم ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو نہ تکبر کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ ہی فساد کا۔

اس سے مراد ریاست اور اونچے مکانوں میں ایک دوسرے پر فخر کرنا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كُلُّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلَى صَاحِبِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَا أَكَنَّ مِنْ حَرٍّ وَبَرْدٍ۔ (۴)

ہر عمارت اپنے مالک کے لیے قیامت کے دن وبال ہوگی سوائے اس (عمارت) کے جو گرمی اور سردی سے محفوظ رکھے۔

ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکان کی تنگی کی شکایت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

اِلْتَمِسْ فِي السَّمَاءِ۔ (۵)

آسمان میں وسیع مکان تلاش کرو۔

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱ ص ۱۸۷ حدیث ۱۰۲۸۷

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۴ ص ۵۷ حدیث ۳۶۲۰

(۳) قرآن مجید، سورۂ قصص آیت ۸۳

(۴) مشکل الآثار جلد اول ص ۴۱۶ مشکل ماروی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۵) کتاب المراسیل لابی داؤد ص ۱۹۵ ما جاء فی البناء

marfat.com

مقصد یہ ہے کہ جنت کے وسیع مکان کے لیے کوشش کرو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شام کے راستے میں ایک محل دیکھا جو چونے اور اینٹوں سے بنا ہوا تھا آپ نے اللہ اکبر کہہ کر فرمایا میرا خیال نہیں تھا کہ اس امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو ہامان کی طرح فرعون کے لیے عمارت بنائیں گے آپ نے اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا۔

فَاَوْقِدْ لِیْ یَا هَامَانُ عَلَی الطِّیْنِ۔ (۱) (فرعون نے کہا) اے ہامان میرے لیے گارے کو پکاؤ (یعنی اینٹیں بناؤ)

کہا گیا ہے کہ فرعون پہلا شخص ہے جس کے لیے چونے اور اینٹوں سے عمارت بنائی گئی اور سب سے پہلے ایسی عمارت بنانے والا ہامان تھا پھر بڑے بڑے سرکش لوگوں نے ان دونوں کی پیروی کی اور یہ زینت ہے۔

کسی بزرگ نے ایک شہر میں جامع مسجد دیکھی تو فرمایا میں نے اس مسجد کو کھجور کی شاخوں سے بنا ہوا دیکھا پھر کچے رد لگے ہوئے اب میں نے اس کو اینٹوں سے بنا ہوا دیکھا ہے کھجور کی شاخوں سے بنانے والے، کچے ردوں کے ساتھ بنانے والوں سے اچھے تھے اور کچے ردوں والے اینٹوں والوں سے اچھے تھے۔

بعض بزرگ ایسے تھے کہ وہ زندگی میں اپنا مکان کئی بار بنائے کیوں کہ وہ اسے کمزور بناتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ زندہ رہنے کی امید رکھتے تھے اور مکان کے سلسلے میں وہ زاہد تھے۔

اور ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو حج یا جہاد کے لیے جائے تو اپنا گھر دیتے یا پڑوسی کو دے جاتے جب واپس لوٹتے تو دوبارہ بناتے اور ان کے مکانات گھاس اور چمڑے کے ہوا کرتے تھے یمن کے علاقے میں عربوں کی آج بھی یہی عادت ہے۔ اور ان کے مکان کی بلندی انسان کے قد سے تقریباً ایک بالشت زیادہ ہوتی تھی۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکانات میں داخل ہوتا تو اپنا ہاتھ چھت سے لگا لیتا۔

حضرت عمرو بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص اپنے مکان کی دیواریں چھ ہاتھ سے بلند بناتا ہے تو فرشتہ آواز دیتا ہے اسے بہت بڑے فاسق کہاں جا رہے ہو؟

حضرت سفیان رحمہ اللہ نے مضبوط عمارت کو دیکھنے سے منع فرمایا اور فرمایا اگر لوگ ان عمارتوں کو نہ دیکھتے تو یہ (اس طرح کی مضبوط و مزین) نہ بنائی جاتیں لہٰذا ان کو دیکھنا اس عمل پر مدد کرنا ہے۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے اس شخص پر تعجب نہیں ہے جو عمارت بنا کر چھوڑ جاتا ہے بلکہ اس پر تعجب ہے جو

---

(۱) قرآن مجید، سورہ قصص آیت ۳۸

marfat.com

اس عمارت کو دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا ایک ایسی قوم آئے گی جو گارے کو بلند کرے گی اور دین کو پست کر دے گی اور وہ عمدہ گھوڑوں کو کام میں لائیں گے وہ تمہارے قبلہ تک پہنچیں گے اور تمہارے دین کے علاوہ پر مریں گے۔

چوتھی ضرورت گھریلو سامان ہے اور اس میں بھی زہد کے کئی درجات ہیں۔

سب سے اعلیٰ درجہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے آپ کے پاس صرف ایک کنگھی اور لوٹا ہوتا تھا آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنی داڑھی کو ہاتھ سے ٹھیک کر رہا ہے تو کنگھی پھینک دی اور دوسرے کو نہر سے ہاتھ کے ساتھ پانی پیتے ہوئے دیکھا تو لوٹا پھینک دیا اور یہ تمام سامان کا حکم ہے کیوں کہ یہ مقصود کے لیے حاصل کیا جاتا ہے اور جب آدمی اس سے بے نیاز ہو تو یہ سامان دنیا اور آخرت میں وبال ہے اور جس سامان کی ضرورت ہو اس میں کم از کم درجے پر اکتفا کرے اور وہ مٹی کا برتن ہے جہاں وہ کام دے سکتا ہو اور اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ اس کا کوئی کنارہ ٹوٹا ہوا ہے کیوں کہ اس سے مقصود حاصل ہو رہا ہے۔

اس سلسلے میں زہد کا درمیانہ درجہ یہ ہے کہ اس کے پاس حاجت کے مطابق سامان ہو اور وہ ٹوٹا ہوا بھی نہ ہو لیکن ایک برتن کو کئی مقاصد کے لیے استعمال کر سکتا ہے جیسے پیالہ ہے اس میں کھانا کھائے، پانی پیئے اور اپنی چیزیں بھی رکھے پہلے بزرگ تخفیف کی غرض سے ایک برتن کو کئی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اچھا سمجھتے تھے۔

اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ہر مقصد کے لیے ایک ادنیٰ چیز رکھتا ہو اگر تعداد میں زیادہ ہو یا جنس کے اعتبار سے اچھا ہو تو زہد کے تمام دروازوں سے نکل جائے گا اور فضول کی طلب کی طرف جھک جائے گا۔

چاہیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کو دیکھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس بچھونے پر آرام فرماتے تھے وہ چمڑے کا ایک گدا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (۱)

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بچھونا ایک کمبل تھا جسے دوہرا کیا جاتا تھا اور چمڑے کا ایک گدا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (۲)

ایک روایت میں ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ایک چارپائی پر آرام فرما تھے جس کو کھجور کے پٹھوں سے بُنا گیا تھا انہوں نے آپ کے پہلو میں پٹھوں کے نشانات دیکھے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابن خطاب! آپ کیوں روتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا (یا رسول اللہ)

---

(۱) جامع ترمذی ص ۲۶۷ کتاب اللباس

(۲) جامع ترمذی ص ۲۶۷ کتاب اللباس

marfat.com

ہیں کسریٰ اور قیصر اور ان کے حکومت کا خیال کرتا ہوں اور ادھر آپ کو دیکھتا ہوں حالانکہ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب پسندیدہ اور رسول لیکن کھجور کے پتوں سے بُنی ہوئی چارپائی پر آرام فرمائیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ ان لوگوں کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو؟ انہوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا تو بات یہی ہے (۱)

جب حمص کے امیر حضرت عمیر بن سعید، رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا تمہارے پاس دنیا میں سے کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ایک عصا ہے جس کا سہارا لیتا ہوں اور اگر سانپ سامنے آجائے تو اسے مارتا ہوں اور ایک تھیلی ہے جس میں کھانا اٹھائے رکھتا ہوں ایک پیالہ ہے جس میں کھاتا ہوں اور سر دھوتا ہوں اور میرے پاس ایک لوٹا ہے جس میں پینے اور نماز کے وضو کے لیے پانی رکھتا ہوں اس لیے کہ جو کچھ دنیا سے ہے وہ میرے اس سامان کے تابع ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے سچ کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپس تشریف لائے تو حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے آپ نے ان کے دروازے پر پردہ اور ہاتھوں میں چاندی کے دو کنگن دیکھے تو آپ واپس تشریف لے گئے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ حضرت خاتون جنت کے پاس آئے تو وہ رو رہی تھیں انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واپس لوٹنے کے بارے میں بتایا حضرت ابو رافع نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے واپسی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے پردے اور کنگن کا ذکر فرمایا (یہ سن کر) حضرت خاتون جنت نے دونوں کنگن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجے اور عرض کیا کہ میں نے ان کو صدقہ کر دیا آپ جہاں چاہیں خرچ کریں آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا جاؤ ان کو بیچ کر رقم اہل صُفہ کو دے دو انہوں نے دونوں کنگن اڑھائی درہم میں بیچے اور وہ رقم اہل صفہ پر صدقہ کر دی پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خاتون جنت کے پاس تشریف لائے اور فرمایا میرے باپ آپ پر قربان ہوں تم نے اچھا کیا۔ (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر پردہ دیکھا تو اسے اتار دیا اور فرمایا میں جب بھی اسے دیکھتا ہوں مجھے دنیا یاد آجاتی ہے اور فرمایا اسے فلاں کے گھر بھیج دو۔ (۳)

ایک رات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک نیا بستر بچھایا اور آپ ایک کمبل پر آرام فرمایا کرتے تھے جس کو دوہرا کیا جاتا تھا اب آپ تمام رات کروٹیں بدلتے رہے صبح ہوئی تو ام المومنین سے فرمایا وہ پرانا

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۴۰ مرویات انس

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۷۱ کتاب الاطعمۃ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۸۶ مرویات عائشہ

marfat.com

کمبل واپس لاؤ اور اس بستر کو مجھ سے دُور کر دو اس نے رات بھر مجھے سونے نہیں دیا۔ (۱)

اسی طرح ایک رات آپ کے پاس پانچ یا چھ دینار آئے وہ رات کو گھر میں ہی رہے تو آپ کو رات بھر نیند نہ آئی حتیٰ کہ رات کے آخری حصے میں ان کو نکال دیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس وقت آپ کو نیند آئی حتیٰ کہ میں نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی پھر فرمایا اگر اسی حالت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو جاتا کہ یہ درہم آپ کے پاس ہوتے تو آپ کا اپنے رب کے بارے میں کیا گمان ہوتا۔ (۲)

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ستر نیک بندے ایسے دیکھے ہیں جن کے پاس صرف ایک کپڑا تھا اور انہوں نے اپنے اور زمین کے درمیان کبھی کپڑا نہیں رکھا (یعنی بچھونا نہیں بچھایا) اور جب وہ سونا چاہتے تو زمین پر لیٹ کر اوپر کپڑا لیتے۔

پانچویں ضرورت نکاح ہے بعض حضرات نے فرمایا اصل نکاح اور اس کی کثرت میں زُہد نہیں ہے حضرت سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ بھی اسی نظریئے کے قائل ہیں اور زاہدوں کے سردار کے نزدیک عورتیں پسندیدہ قرار دی گئیں (حضور علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے) تو ہم ان سے زُہد کیسے اختیار کریں حضرت ابن عیینہ نے بھی اس قول کی موافقت کی ہے اور انہوں نے فرمایا صحابہ کرام میں سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ زیادہ زہد رکھتے تھے اور آپ کی چار بیویاں اور دس سے زائد لونڈیاں تھیں لیکن صحیح بات وہ ہے جو حضرت ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں ہر وہ چیز جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے وہ اولاد ہو یا مال یا گھر والے وہ تمہارے لیے باعث نحوست ہے اور عورت بھی بعض اوقات اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیتی ہے۔

اس میں حق بات کی وضاحت اس طرح ہے کہ بعض حالات میں مجرد رہنا افضل ہے جیسا کہ کتاب النکاح میں گزر چکا ہے پس نکاح کو چھوڑنا زہد ہوگا اور جہاں غالب شہوت کو دُور کرنے کے لیے نکاح افضل ہو وہاں نکاح واجب ہوگا پس نکاح کو چھوڑنا کیسے زُہد ہو سکتا ہے اور اگر اس کے چھوڑنے اور اختیار کرنے دونوں صورتوں میں آفت نہ ہو لیکن اس لیے نکاح کو چھوڑ دے کہ عورتوں کی طرف میلان اور ان سے اُنس پیدا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دے تو اس صورت میں نکاح کو چھوڑنا زُہد ہے۔ اگر وہ جانتا ہے کہ عورت اسے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کرے گی لیکن وہ لذتِ نظر ہم بستری اور مباشرت سے بچنے کے لیے نکاح کو چھوڑتا ہے تو یہ بالکل زُہد نہیں ہے کیوں کہ نسل کو باقی رکھنا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بڑھانا ثواب کا موجب اور عبادت ہے اور وہ لذت جو ضروری امور کے پائے جانے سے حاصل ہو، نقصان دِہ نہیں ہے کیوں کہ اصل مقصد یہ نہیں ہے یہ اسی طرح ہے کہ ایک شخص کھانے پینے کی لذت سے بچنے کے لیے روٹی کھانا یا

---

(۱) جامع ترمذی ص ۲۶۷، ابواب اللباس

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۴۱ مرویات عائشہ

marfat.com

پانی پینا چھوڑ دیتا ہے اس کا بھی زہد سے کوئی تعلق نہیں کیوں کہ اس کو چھوڑنے سے بدن ہی ختم ہو جاتا ہے اسی طرح نکاح کو چھوڑنا نسل کا انقطاع ہے۔

لہٰذا نکاح کی لذت کے خوف سے اسے چھوڑنا جائز نہیں جب تک کسی دوسری آفت کا خوف نہ ہو حضرت سہل رحمہ اللہ کا مقصد بھی لامحالہ یہی ہوگا اور اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی تو جس شخص کی حالت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت جیسی ہو کہ عورتوں کی کثرت نے آپ کو ذکر خداوندی سے نہ روکا اور نہ ہی آپ کا دل ان کی اصلاح اور ان پر خرچ کرنے کی طرف مائل ہوا، تو ایسے شخص کے لیے محض جماع کرنے اور عورت کو دیکھنے کی لذت سے بچنے خاطر زہد اختیار کرنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ لیکن یہ بات انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے کیسے متصور ہو سکتی ہے اکثر لوگوں کو عورتوں کی کثرت اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیتی ہے پس مناسب یہی ہے کہ اگر نکاح اس کو غافل کرتا ہے تو اسے چھوڑ دے اور اگر غافل نہیں کرتا لیکن اسے ڈر ہے کہ عورت کی کثرت یا عورت کا حسن اسے اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے گا تو صرف ایک عورت سے نکاح کرے اور وہ بھی خوبصورت نہ ہو اور اس سلسلے میں اپنے دل کا خیال رکھے۔

حضرت ابو سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں عورتوں کے سلسلے میں زہد یہ ہے کہ ادنیٰ اور یتیم عورت کو خوبصورت خاندانی عورت پر ترجیح دے۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں اپنے مبتدی مرید کے لیے پسند کرتا ہوں کہ وہ تین کاموں میں دل نہ لگائے ورنہ اس کا حال بدل جائے گا ایک تو مال کمانا دوسرا طلب حدیث اور تیسرا کام نکاح۔

اور فرماتے ہیں میں صوفی کے لیے پسند کرتا ہوں کہ نہ لکھے نہ پڑھے اس لیے کہ اس کی توجہ ایک طرف مبذول رہے گی۔

پس جب ظاہر ہوا کہ لذتِ نکاح، کھانے کی لذت جیسی ہے تو جو عمل اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے وہ ان دونوں کاموں میں ممنوع ہے۔

چھٹی ضرورت وہ ہے جو ان پانچوں کی طرف وسیلہ ہو اور وہ مال و جاہ ہے جاہ کا مطلب دلوں کا مالک ہونا ہے یعنی لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنائی جائے تاکہ اس طرح اپنے مقاصد اور کام نکلوائے جائیں اور ہر وہ شخص جو اپنے تمام کام خود نہیں کر سکتا اور خادم کا محتاج ہوتا ہے وہ لازماً اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ خادم کے دل میں جگہ بنائے کیوں کہ اگر اس کے دل میں جگہ نہ ہوگی تو وہ کام نہیں کرے گا اور اسی قدر دل میں جگہ بنانا جاہ کہلاتا ہے اس کا آغاز تو قریب ہے لیکن بالآخر یہ ایسے گڑھے کی طرف لے جاتا ہے جس کی کوئی گہرائی نہیں اور جو شخص ممنوعہ چراگاہ کے قریب چراتا ہے قریب ہے کہ وہ اس کے اندر چلا جائے۔ دلوں میں جگہ بنانے کا مطلب یا تو نفع حاصل کرنا ہے یا نقصان کو دور کرنا یا ظلم سے بچنا۔

جہاں تک نفع کا تعلق ہے تو مال کی موجودگی میں اس کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ جو شخص اجرت پر کام کرتا ہے وہ کام

marfat.com

کرے گا اگرچہ اس کے دل میں کام لینے والے کی قدر و منزلت نہ ہو خدمت کرنے والے کے دل میں مقام بنانے کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب اجرت کے بغیر کام لینا ہو۔

جہاں تک تکلیف کو دُور کرنے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں جاہ کی ضرورت ایسے شہر میں پڑتی ہے جس میں عدل کی تکمیل نہ ہوتی ہو۔ یا وہ ایسے پڑوسیوں کے درمیان ہو جو اس پر ظلم کرتے ہیں اور جب تک وہ ان کے دلوں میں اپنی جگہ نہ بنائے ان کی زیادتی و ظلم کو دور نہیں کر سکتا۔ یا بادشاہ کے ہاں کوئی مقام حاصل کرے اس سلسلے میں حاجت کی مقدار کو تحریر میں نہیں لایا جا سکتا خاص طور پر جب اس کے ساتھ انجام کا خوف اور بدگمانی بھی ملی ہوئی ہو اور جو شخص طلبِ جاہ میں رہتا ہے وہ ہلاکت کے راستے پر چلتا ہے بلکہ زاہد کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں جگہ بنانے کے لیے بالکل کوشش نہ کرے کیوں کہ دین اور عبادت میں اس کی مشغولیت خود بخود دلوں میں اس کے لیے جگہ بنا دے گی جس کی وجہ سے لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی اذیت دور کر سکے گا اگر کافروں کے درمیان ہو تو بھی ایسا ہوتا ہے مسلمانوں کے درمیان ہو تو کیسے بچاؤ نہیں ہو گا۔

اور اگر کسی کسب کے بغیر جاہ حاصل ہو تو اس کے اضافے کے لیے توہمات اور مفروضے محض جھوٹ ہیں کیوں کہ جو شخص مزید جاہ و مرتبہ حاصل کرنا چاہتا ہے وہ بعض حالات میں اذیت سے خالی نہیں ہوتا پس بردباری اور صبر کے ذریعے اس کا علاج طلبِ جاہ کے ذریعے علاج کرنے کی نسبت بہتر ہے پس دلوں میں جگہ بنانے کی بالکل اجازت نہیں ہے اور اس سلسلے میں تھوڑی مقدار کثیر کی طرف لے جاتی اور اس کا شوق شراب کے شوق سے زیادہ سخت ہے لہٰذا اس کے قلیل و کثیر سے بچنا چاہیے۔

جہاں تک مال کا تعلق ہے تو وہ معیشت کے لیے ضروری ہے لیکن اس سے قلیل مال مراد ہے اگر وہ کمائی کرنے والا ہے تو جب ایک دن کی ضرورت کے لیے کمالے تو اب کمانا چھوڑ دیا جائے بعض بزرگوں کا طریقہ تھا کہ جب وہ دو درانے (دینار کا آٹھواں حصہ) کما لیتے تو اپنی ٹوکری اٹھاتے اور کھڑے ہو جاتے۔

زُہد کی شرط ہے اگر اس سے تجاوز کر کے ایک سال کی کفایت تک جائے تو وہ ضعیف اور قوی دونوں قسم کے زاہدین کی تعریف سے نکل جائے گا اگر اس کے پاس زمین ہو لیکن اسے توکل میں قوت یقین حاصل نہ ہو تو اسے اس زمینی آمدنی سے اس قدر رکھ چھوڑنا چاہیے جو سال بھر کے لیے کافی ہو اس مقدار سے وہ زُہد سے نہیں نکلے گا بشرطیکہ سال بھر کی کفایت سے زائد کو صدقہ کر دے لیکن یہ کمزور زاہدین میں سے ہو گا۔

اور اگر زہد میں توکل شرط ہو جیسے حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ نے یہ شرط رکھی ہے تو ایسا شخص زاہدین میں سے نہیں۔ ہو گا ہمارا یہ قول کہ وہ زاہدین کی تعریف سے نکل جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ زاہدین سے جو وعدہ کیا گیا ہے کہ ان کو آخرت کے گھر میں مقامات محمودہ حاصل ہوں گے، یہ شخص ان سے محروم رہے گا ورنہ اسے زاہد کہا جا سکتا کیوں کہ

فضول اور کثرت کے اعتبار سے تو وہ زُہد اختیار کر رہا ہے۔

اس تمام تفصیل میں اکیلے آدمی کا معاملہ عیال دار شخص کے مقابلے میں آسان ہے حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اپنے گھر والوں کو زُہد پر مجبور نہ کرے بلکہ ان کو اس بات کی دعوت دے اگر مان جائیں تو ٹھیک ہے ورنہ ان کو چھوڑ دے اور خود جو چاہے کرے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ زاہد کے لیے تنگی اختیار کرنے کی شرط خود اس کے ساتھ خاص ہے اور اس کے عیال پر لازم نہیں ہے ہاں ان کی ایسی باتیں ماننا اس پر لازم نہیں جو اسے حد اعتدال سے نکال دیں اور اسے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھنی چاہیے کہ آپ حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے مکان سے پردے اور کنگن کی وجہ سے واپس تشریف لے گئے کیوں کہ اس کا تعلق زینت سے ہے حاجت سے نہیں۔

تو انسان جس جاہ و مال کی حاجت محسوس کرتا ہو وہ ممنوع نہیں بلکہ حاجت سے زائد زہر قاتل ہے اور ضرورت پر اکتفا نفع بخش دوا ہے ان دونوں کے درمیان مشتبہ درجات ہیں پس جو زائد کے قریب ہو اگرچہ وہ نافع دوا نہیں لیکن اس کا نقصان تھوڑا ہے اور زہر کا پینا ممنوع ہے جب کہ دوائی کا استعمال فرض ہے اور دونوں کے درمیان مشتبہ بات ہے لیکن جو احتیاط کرتا ہے اسی کا بھلا ہے اور جو سستی کرتا ہے سستی کا نقصان اسے ہی پہنچتا ہے اور جو شخص اپنے دین کو بچائے اور شک والی چیز کو چھوڑ کر غیر مشکوک کو اختیار کرے اور اپنے آپ کو ضرورت کی تنگی کی طرف پھیر دے وہ احتیاط کا دامن پکڑنے والا ہے اور لازماً یہ نجات پانے والے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔

جو شخص ضرورت پر اکتفا کرتا ہو اس کو دنیا دار کہنا جائز نہیں بلکہ دنیا میں سے اس قدر حاصل کرنا تو عین دین ہے کیونکہ یہ دین کی شرط ہے اور شرط کو مشروط میں سے ہی سمجھا جاتا ہے اس بات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ دلالت کرتا ہے آپ کو ایک ضرورت پڑی تو آپ ایک دوست کے پاس قرض لینے تشریف لے گئے اس نے قرض نہ دیا تو پریشان ہو کر واپس تشریف لے آئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ اگر آپ اپنے دوست (اللہ تعالیٰ) سے سوال کرتے تو وہ آپ کو دے دیتا آپ نے عرض کیا اے میرے رب! مجھے معلوم تھا کہ تجھے دنیا ناپسند ہے اس لیے مجھے ڈر لگا کہ دنیا کی کوئی چیز تجھ سے مانگوں اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی اے ابراہیم! حاجت دنیا سے نہیں (بلکہ دین سے ہے)

لہٰذا حاجت کے مطابق جو کچھ ہے وہ دین سے ہے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ آخرت میں وبال ہوگا اور وہ بھی دنیا میں سے ہے جو شخص مالدار لوگوں کے حالات، کسب مال میں ان کی محنت، اسے جمع کر کے محفوظ کرنے اور اس سلسلے میں ذلت اٹھانے سے واقف ہے وہ اس بات کو سمجھتا ہے کہ مالِ دنیا وبال ہے اس کی زیادہ سے زیادہ سعادت یہ ہے کہ یہ مال اس کے وارثوں تک پہنچے اور وہ اسے کھائیں لیکن بعض اوقات وہ اس کے دشمن بن جاتے ہیں اور بعض اوقات وہ اس مال کو گناہ کے کام پر خرچ کرتے ہیں تو گویا یہ شخص گناہ پر ان کا مددگار ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا کو جمع کرنے والے اور خواہشات کے پیچھے چلنے والے کو ریشم کے کیڑے سے تشبیہ دی جاتی ہے وہ اسے اپنے اوپر لپیٹتا ہے اور وہ زندہ ہوتا ہے پھر وہ نکلنا چاہتا ہے لیکن راستہ نہیں پاتا اور مر جاتا ہے تو وہ خود اپنے عمل کے باعث ہلاک ہوتا ہے اسی طرح جو شخص دنیوی خواہشات کی اتباع کرتا ہے وہ اپنے دل کو خواہشات کی زنجیروں سے جکڑ لیتا ہے یہاں تک کہ جب اس پر یہ زنجیریں غالب آجاتی ہیں تو مال جاہ واقتدار، اہل واولاد، دشمنوں کی برائی دوستوں سے بیکاری کرنا اور تمام دنیوی فوائد کی قید میں آجاتا ہے اب اگر اسے محسوس ہو کہ اس نے اس سلسلے میں غلطی کی ہے تو وہ دنیا سے نکلنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن اس بات پر قادر نہیں ہوتا اور اپنے دل کو زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑا ہوا دیکھتا ہے لیکن ان کو کاٹنے پر قادر نہیں ہوتا اور اگر وہ اپنی کسی پسندیدہ چیز کو اپنے اختیار سے چھوڑتا ہے تو قریب ہے کہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے والا اور اس ضمن میں کوشش کرنے والا ہو جائے۔ یہاں تک کہ موت یکدم اس کے اور ان تمام چیزوں کے درمیان جدائی ڈال دے اب وہ بیڑیاں اس کے دل میں باقی رہتی ہیں جو دنیا سے متعلق ہوتی ہیں جو دنیا اس سے رہ گئی اور وہ اس کو پیچھے چھوڑ گیا۔ وہ اسے دنیا کی طرف کھینچتی ہیں اور ملک الموت کے پنجے اس کے دل کی رگوں تک پہنچ چکے ہوتے ہیں جو اس کو آخرت کی طرف کھینچتے ہیں پس موت کے وقت اس کی سب سے ہلکی حالت اس شخص کی طرح ہوگی جس کو آرے سے پھاڑا جائے اور دونوں طرف سے اس کو پکڑ کر اس طرح کھینچا جائے کہ ایک پہلو دوسرے سے الگ ہو جائے اور جس شخص کو آرے سے چیرا جاتا ہے اس کی تکلیف محض اس کے بدن تک پہنچتی ہے اور دل کو تکلیف اس کے اثر کے سرایت کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے تو اس تکلیف کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو پہلے ہی دل کے اندر جاگزیں ہوتی ہے اور اس کے ساتھ خاص ہے دوسری طرف سے سرایت کر کے وہاں نہیں جاتی۔

یہ پہلا عذاب ہے جو اس کو پہنچتا ہے اس سے پہلے کہ وہ اعلیٰ علیین اور رب العالمین کے قرب سے اترنے کے افسوس میں مبتلا ہو کیوں کہ دنیا کی طرف میلان اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے راستے میں رکاوٹ ہے اور رکاوٹ کے وقت اس پر جہنم کی آگ مسلط ہوتی ہے کیوں کہ آگ اسی پر مسلط ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے حجاب میں ہو۔

ارشاد خداوندی ہے۔

كَلَّآ إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ۔ (۱)

ہاں ہاں وہ بے شک اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے پھر بے شک انہیں جہنم میں داخل ہونا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے عذاب کو حجاب کی اذیت پر مرتب فرمایا اور حجاب کی تکلیف ہی کافی ہے دوسرے عذاب کو ایک طرف

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مطففین آیت ۱۵

marfat.com

رکھ دیں اور جب اس کے علاوہ بھی عذاب ہو تو کیا صورت ہوئی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جو بات ڈالی گئی کہ آپ جس چیز سے چاہیں محبت کریں بالآخر آپ کو اس سے الگ ہونا ہوگا (۱)
اللہ تعالیٰ ہمارے کانوں میں بھی اس بات کو پکا کر دے اور جو مثال ہم نے بیان کی تھی اسی کا مفہوم شاعر کے اس قول میں ہے۔

كَدُودِ الْقَزِّ يَنْسِجُ دَائِمًا وَيَهْلِكُ غَمًّا وَسْطَ مَا هُوَ نَاسِجُهُ۔

ریشمی کیڑے کی طرح کہ وہ بنتا رہتا ہے اور جو کچھ بنتا ہے اس کے درمیان میں غم سے ہلاک ہو جاتا ہے۔

اور جب اولیاء کرام پر یہ بات منکشف ہو گئی کہ بندہ اپنے اعمال اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے جس طرح ریشم کا کیڑا اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے، تو اولیاء کرام نے دنیا کو چھوڑ دیا۔ حتیٰ کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ستر بدری صحابہ کرام کو دیکھا وہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء سے اس قدر اجتناب کرتے تھے جس قدر تم حرام اشیاء سے پرہیز نہیں کرتے ـــــ دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ جس قدر تم فراخی کی حالت پر خوش ہوتے ہو اس سے زیادہ وہ آزمائشوں پر خوش ہوتے تھے اگر تم ان کو دیکھ لیتے تو تم کہتے یہ مجنون ہیں اور اگر وہ تمہارے بہترین لوگوں کو دیکھتے تو کہتے کہ ان لوگوں کا کوئی اخلاق نہیں اور اگر وہ تم میں سے بُرے لوگوں کو دیکھتے تو کہتے ان لوگوں کا قیامت کے دن پر ایمان نہیں۔ ان میں سے ایک کے سامنے حلال مال پیش کیا جاتا تو وہ نہ لیتا اور کہتا کہ مجھے اپنے دل کے خراب ہونے کا ڈر ہے۔ پس جس شخص کا دل ہوا سے اس کے خراب ہونے کا ڈر ضرور ہوتا ہے اور جن لوگوں کے دلوں کو دنیا کی محبت نے مردہ کر دیا ہو ان کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا۔

وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ۔ (۲)

اور وہ لوگ دنیا کی زندگی پر راضی ہوئے اور اس پر مطمئن بھی اور وہ لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ۔ (۳)

اور اس کی بات نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۲، کتاب البیوع
(۲) قرآن مجید، سورۂ یونس آیت ۷
(۳) قرآن مجید، سورۂ نجم آیت ۲۹

marfat.com

اور ارشاد خداوندی ہے۔

فَاَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ۔ (۱)

اور اس شخص سے منہ پھیر لیں جس نے ہمارے ذکر سے اعراض کیا اور صرف دنیا کا ارادہ کیا ان کے علم کی پہنچ اسی مقام تک ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس تمام عمل کو غفلت اور عدم علم کا نتیجہ قرار دیا اسی لیے ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت عرض کیا کہ آپ سیاحت کے لیے جاتے ہوئے مجھے بھی ساتھ لے جائیں آپ نے فرمایا اپنا مال کسی کو دے دو اور میرے چل پڑو اس نے کہا یہ نہیں ہو سکتا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا غنی جنت میں داخل ہو یہ تعجب کی بات ہے یا فرمایا ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا نہیں کوئی دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے مگر چار فرشتے آفاق میں چار آوازوں سے ندا کرتے دو فرشتے مشرق میں اور دو مغرب میں ان میں سے ایک مشرق میں کہتا ہے اے خیر کے متلاشی! آگے بڑھ، اور اے شر کے متلاشی رُک جا، اور دوسرا کہتا ہے اے اللہ! خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا کر اور روکنے والے کے مال کو تلف کر، اور مغرب والوں میں سے ایک کہتا ہے موت کے لیے پیدا ہو اور برباد ہونے کے لیے عمارت بناؤ اور دوسرا کہتا ہے حساب کے لیے کھاؤ اور نفع اٹھاؤ۔

فصل ۴:

زہد کی علامات

بعض اوقات گمان کیا جاتا ہے کہ مال کا تارک زاہد ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے کیوں کہ مال کو چھوڑنا اور شدت و ت کا اظہار اس آدمی کے لیے آسان ہے جو زہد کے ساتھ اپنی تعریف چاہتا ہے کتنے ہی راہب (تارک دنیا) ہیں نے اپنے نفسوں کو معمولی کھانے کی طرف لوٹایا اور ایسے عبادت خانے کو اختیار کیا جس کا دروازہ نہیں لیکن وہ اس بات ہوتے ہیں کہ لوگوں کو ان کی حالت کا علم ہو وہ ان کو دیکھیں اور ان کی تعریف کریں۔

تو ترکِ دنیا زاہد ہونے پر قطعی دلیل نہیں ہے بلکہ مال اور جاہ دونوں سے بے رغبتی زہد ہے۔ تاکہ دنیا کی تمام لذات زہد مکمل ہو جائے بلکہ بعض اوقات کچھ لوگ اونی عمدہ لباس اور اس کے علاوہ قیمتی لباس پہننے کے باوجود زہد کا دعویٰ ے ہیں جیسے حضرت خواص رحمہ اللہ نے ان دعویدار لوگوں کے بارے میں فرمایا۔ کہ ایک قوم نے زہد کا دعویٰ کیا لیکن

---

(۱) قرآن مجید سورۃ النجم آیت ۲۹، ۳۰

marfat.com

انہوں نے عمدہ لباس پہنا وہ اس طرح لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ وہ ان کو اس طرح کا لباس تحفہ میں پیش کریں تاکہ ان کی طر
اس نظر سے نہ دیکھا جائے جس نظر سے فقراء کو دیکھا جاتا ہے کیوں کہ اس طرح ان کو حقیر سمجھا جائے گا اور اس انداز
دیا جائے گا جس طرح مساکین کو دیا جاتا ہے اور وہ اپنے نفسوں کے لیے یوں استدلال کرتے ہیں کہ وہ علم کی اتباع کر
ہیں اور سنت کے مطابق چلتے ہیں۔

نیز دنیا کی اشیاء ان کی طرف آرہی ہیں حالانکہ وہ ان سے دور بھاگتے ہیں اور یہ دوسروں کی بیماری اپنے سر
ہیں یہ اس وقت ہے جب ان سے حقائق کا مطالبہ کیا جائے اور ان کو تنگ راستوں کی طرف مجبور کیا جائے یہ سب دین
کے بدلے دنیا کھاتے ہیں اپنے باطن کی صفائی اور نفسوں کی عادات کی تہذیب ان کا مقصد ہی نہیں پس ان پر ان کی صف
ظاہر ہو کر غالب ہو گئیں تو ان کو اپنا حال بتا دیا یہ لوگ دنیا کی طرف مائل ہیں اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں۔
یہ حضرت خواص رحمہ اللہ کا کلام تھا۔

تو زہد کی معرفت مشکل بات ہے بلکہ زاہد پر بھی زہد کا حال مشتبہ رہتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے باطن میں
باتوں پر اعتماد کرے۔

پہلی علامت:

موجود چیز پر خوش نہ ہو اور نہ ہی غیر موجود پر غمگین ہو جیسے۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

لِكَيْلَا تَاسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ۔ (۱)

تاکہ تم اس چیز پر افسوس نہ کرو جو تمہیں نہیں ملی اور نہ اس پر خوش ہو جو اس نے تمہیں عطا کی۔

بلکہ اس کے برعکس ہو یعنی موجود مال پر دکھ ہو اور جو نہیں ملا اس پر خوش ہو۔

دوسری علامت:

اس کے نزدیک برا کہنے والا اور تعریف کرنے والا دونوں برابر ہوں پہلی علامت مال میں زہد کی علامت ہے اور دوسری جا
میں علامتِ زہد ہے۔

تیسری علامت:

اللہ تعالیٰ سے مانوس ہو اور اس کے دل پر اطاعتِ خداوندی کی مٹھاس غالب ہو کیوں کہ دل محبت کی حلاوت سے خال
نہیں ہوتا یا تو وہ دنیوی محبت ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی محبت، اور یہ دونوں دل میں اس طرح ہوتی ہیں جس طرح پیالے میں
پانی اور ہوا ہوتی ہے جب پانی داخل ہوتا ہے تو ہوا خارج ہو جاتی ہے اور دونوں جمع نہیں ہوتیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الحدید آیت ۲۳

marfat.com

یکھتا ہے وہ اسی کے ساتھ مشغول ہوتا ہے اس کے غیر سے مشغول نہیں ہوتا۔
اسی لیے کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ زُہد نے زاہدوں کو کہاں تک پہنچا دیا انہوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ سے اُنس تک
اللہ تعالیٰ سے اُنس اور دنیا سے اُنس دونوں کا اجتماع نہیں ہو سکتا اور اہلِ معرفت نے کہا ہے کہ جب ایمان ظاہر دل
متعلق رہتا ہے تو دنیا اور آخرت دونوں سے محبت کرتا ہے اور دونوں کے لیے عمل بھی کرتا ہے اور جب ایمان دل کے
اہ نقطے پر چلا جاتا ہے اور اس میں جاگزیں ہوتا ہے تو وہ دنیا سے نفرت کرتا ہے اور اس کی طرف نہیں دیکھتا اور نہ ہی اس
لیے عمل کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی دعا میں یوں آیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَالُکَ اِیْمَانًا یُبَاشِرُ قَلْبِیْ۔ یا اللہ! میں تجھ سے ایسے ایمان کا سوال کرتا ہوں جو دل کے ساتھ رہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا جو شخص اپنے دل کے ساتھ مشغول ہوتا ہے وہ جو آدمی اپنے رب کے ساتھ
ہوتا ہے وہ اپنے نفس سے بے خبر ہوتا ہے اور یہ عارفین کا مقام ہے اور زاہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان دونوں
سے کسی ایک مقام میں ہو۔ پہلا مقام یہ ہے کہ اپنے نفس میں ہی مشغول ہو اور اس وقت اس کے نزدیک تعریف اور مذمت
دونوں عدم برابر ہوتے ہیں اور تھوڑا سا مال رکھنے سے اس کے زہد کے چلے جانے پر استدلال نہیں کیا جائے گا۔
حضرت ابن ابو الحواری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابو سلیمان رحمہ اللہ سے پوچھا کیا حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ زاہد
انہوں نے فرمایا ہاں تھے میں نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے بطور وراثت دینار حاصل کئے
چالیس سالوں میں خرچ کیا تو زاہد کیسے ہوئے جب کہ انہوں نے اپنے پاس دینار روک رکھے تھے حضرت ابو سلیمان نے
ہماری مراد یہ ہے کہ وہ حقیقتِ زُہد کو پہنچ جاتے اور حقیقت سے ان کی مراد غایت زُہد تھی کیوں کہ صفاتِ نفس کی کثرت
سے زُہد کی کوئی انتہا نہیں ہے اور زُہد کی تکمیل اسی وقت ہوتی ہے جب ان تمام صفات میں زُہد ہو اور جو شخص دنیا پر
رنے کے باوجود دنیا میں سے کچھ چھوڑتا ہے کیوں کہ اسے اپنے نفس اور دین پر خوف ہوتا ہے تو جس قدر اس نے ترک
ی مقدار میں وہ زہد میں داخل ہوا اور اس کی انتہا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے سب کو چھوڑ دے حتیٰ کہ پتھر کو تکیہ
بنائے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا۔
ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں زُہد کے اول سے ہی کچھ حصہ عنایت فرما دے اگرچہ تھوڑا ہی ہو کیوں کہ ہمارے
وں کو اس کی انتہا کی طمع کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی اگرچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ناامید ہونے کی اجازت نہیں ہے۔
ہم اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے عجائب کو دیکھیں جو اس نے ہمیں عطا فرمائی ہیں تو ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے
کوئی چیز بڑی نہیں ہے پس اگر اس کے جُود و سخا جو ہر کمال سے آگے بڑھنے والا ہے ہر اعتماد کرتے ہوئے بہت بڑا
ل کیا جائے تو کوئی بعید بات نہیں۔

marfat.com

تو زُہد کی علامت ، فقر اور مالداری ، عزت و ذلت اور مدح و ذم کا ایک جیسا ہونا ہے اور اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کے سا
اُنس کا غلبہ ہے اور ان علامات سے لامحالہ کچھ دوسری علامات بھی نکلتی ہیں مثلاً دنیا کو ترک کیا اور یہ پرواہ نہ ہو کہ کس کے پا
گئی ہے ۔

اور کہا گیا کہ زُہد کی علامت یہ ہے کہ دنیا جیسی ہے اسی طرح چھوڑ دی جائے یہ نہ کہے کہ میں سرائے بناؤں گا یا مس
تعمیر کروں گا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں زُہد کی علامت یہ ہے کہ جو کچھ موجود ہے اس کے ساتھ سخاوت کی جائے۔
حضرت ابن خفیف رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کی علامت مِلک سے نکلنے پر خوش ہونا اور اکرام پانا ہے انہوں نے ہی فرمایا
یہ ہے کہ دنیا سے بلا تکلف الگ ہو جائے حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا۔
اُدنیٰ لباس زُہد کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے پس تین درہم کا اُونی لباس بھی مناسب نہیں جب کہ اس کے
دل میں پانچ درہم کی رغبت ہو۔

حضرت امام احمد بن حنبل اور سفیان ثوری رحمہما اللہ نے فرمایا زُہد کی علامت امید کا کم ہونا ہے۔

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ نے فرمایا جب زاہد اپنے نفس سے بے خبر ہو تو اس کی معاشی اچھی نہیں اور عارف جب اپ
نفس میں مشغول ہو تو اس کا عیش و عشرت اختیار کرنا بھی اچھا نہیں۔

حضرت نصر آبادی رحمہ اللہ نے فرمایا زاہد دنیا میں مسافر ہے اور عارف آخرت میں۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ نے فرمایا ز
کی تین علامات ہیں کسی تعلق کے بغیر عمل کرنا ، طمع کے بغیر بات کرنا اور ریاست و اقتدار کے بغیر عزت کا حصول۔ انہوں نے
فرمایا اے زاہد اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لیے تمہیں سرکہ اور رائی سونگھنا ہے (معمولی خوراک کی طرف اشارہ ہے) اور اے عار
تم نے کستوری اور عنبر کو سونگھنا ہے۔

ان سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میں توکل کی دوکان میں کب جا کر زہد کی چادر اوڑھوں گا اور زاہدین کے سا
بیٹھوں گا؟ آپ نے فرمایا جب باطن میں تمہارے نفس کی ریاضت اس حد تک پہنچ جائے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے تین دن تک
رزق روک رکھے تو تیرا اعتماد کمزور نہ ہو لیکن جب تک اس درجہ پر نہیں پہنچو گے تو تمہارا زاہدوں کی نشست پر بیٹھنا جہالت
ہے پھر مجھے تم پر اس بات کا ڈر بھی ہے کہ کہیں تم رسوا نہ ہو جاؤ۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ دنیا ، دلہن کی طرح ہے جو اس کو طلب کرتا ہے وہ اس کی کنگھی کرتا ہے اور زاہد اس کا منہ کالا
کرتا اور اس کے بال اکھیڑتا ہے نیز اس کے کپڑے جلاتا ہے اور عارف اللہ تعالیٰ کی ذات میں مشغول ہوتا ہے اور اس
کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

حضرت سری رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے زُہد میں سے جو بات چاہی وہ حاصل کر لی لیکن میں انسانوں میں زہد تک نہ پہنچا اور نہ

بھی اس کی طاقت ہے۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمام برائی ایک گھر میں رکھی ہے اور اس کی چابی دنیا کی محبت کو بنایا اور بھلائی ایک گھر میں رکھ کر دینا سے بے رغبتی کو اس کی چابی بنایا۔

ہم زہد اور اس کے احکام سے متعلق یہ باتیں بیان کرنا چاہتے تھے اور چونکہ زہد کی تکمیل کے لیے توکل ضروری ہے اس کا بیان شروع کریں گے ان شاء اللہ۔

marfat.com

۵ — توحید اور توکل کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو ملک و ملکوت کا مدبر ہے عزت و جبروت کے ساتھ منفرد دیکتا ہے آس
کو ستون کے بغیر اٹھانے والا اور اس میں بندوں کے رزق کو مقرر کرنے والا ہے وہ اللہ جس نے اربابِ قلوب
کی آنکھوں کو وسائل و اسباب کو دیکھنے سے مسبب الاسباب کی طرف پھیر دیا اور ان کی ہمتوں اور ارادوں کو اپنے
کی طرف متوجہ ہونے اور کسی دوسرے پر اعتماد سے ہٹا دیا ۔ پس وہ اس کے سوا کسی کی پوجا نہیں کرتے کیوں کہ وہ جا
ہیں کہ وہی ایک ہے جو بے نیاز ہے اور معبود ہے اور ان کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ ہر قسم کی مخلوق اس
بندے ہیں ان کے پاس رزق تلاش کرنا مناسب نہیں اور ہر ذرے کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور جو بھی چیز زمین پر چل
اللہ تعالیٰ ہی اس کا رازق ہے اور جب ان کے نزدیک یہ بات ثابت شدہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کے رزق کا ضا
ہے اور کفیل بھی ، تو انہوں نے اسی پر توکل کیا اور کہا ہمیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے ۔

اور رحمت کاملہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو جو باطل کا قلع قمع کرنے والے اور سیدھے راستے کی طرف را
کرنے والے ہیں اور آپ کی آل پر بھی رحمت ہو اور بہت زیادہ سلام ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد :۔ توکل دین کی منازل میں سے ایک منزل اور یقین رکھنے والوں کے مقامات میں سے ایک مقا
بلکہ یہ مقربین کے بلند درجات میں سے ایک درجہ ہے اور توکل ذاتی طور پر علم کی رو سے نہایت دقیق اور عمل کے اعتبار
مشکل ہے سمجھنے کے اعتبار سے اس کی باریکی کی وجہ یہ ہے کہ اسباب پر نگاہ رکھنا اور اعتماد کرنا توحید میں شراکت
اور اسباب کو بالکل ہی چھوڑ دینا سنت پر طعن اور شریعت پر اعتراض ہے اور اسباب پر اس طرح اعتماد کرنا کہ ان کو اس
خیال نہ کرنا قیاس کو بدلنا اور جہالت کی گہرائی میں غوطہ زن ہونا ہے ۔

توکل کا معنیٰ اس انداز پر ثابت کرنا کہ وہ توحید کے تقاضوں کے موافق اور شریعت کے مطابق ہے نہایت مشکل با
ہے اور چونکہ یہ بات نہایت مخفی ہے لہٰذا اس سے پردہ اٹھانے پر ایسے جید علماء قادر ہو سکتے ہیں جن کی آنکھوں میں اللہ
کے فضل سے حقائق کا نور موجود ہے انہوں نے دیکھا اور تحقیق کی پھر جو کچھ دیکھا اسے اس طرح بیان کیا جس طرح ان سے بیا
کرنے کا مطالبہ کیا گیا ۔

اب ہم مقدمہ کے طور پر توکل کی فضیلت بیان کرتے ہیں پھر پہلا حصہ توحید پر اور دوسرا حصہ توکل اور اس پر عمل کے

marfat.com

مقدمہ:

توکل کی فضیلت

آیات کریمہ:

ارشاد خداوندی ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (۱) اور اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۔ (۲) اور توکل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہیے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۔ (۳) اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے

اور ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۔ (۴) بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

تو وہ مقام کتنا عظیم ہے جس پر فائز شخص کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہو اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفایت کی بھی حاصل ہو پس جس کے لیے اللہ تعالیٰ کفایت فرمائے، اس سے محبت کرے اور اس کی رعایت فرمائے اس نے بہت کامیابی حاصل کی کیوں کہ جو محبوب ہوتا ہے اسے نہ تو عذاب ہوتا ہے، نہ دوری ہوتی ہے اور نہ ہی وہ پردے میں رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ۔ (۵) کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے

تو جو شخص اللہ تعالیٰ کے غیر سے کفایت طلب کرے وہ توکل کو چھوڑنے والا ہے اور وہ اس آیت کی تکذیب کرتا ہے کہ یہ سوال حق بات کے اقرار کے طور پر ہے۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

قرآن مجید، سورۃ مائدہ آیت ۲۳

قرآن مجید، سورۃ ابراہیم آیت ۱۲

قرآن مجید، سورۃ طلاق آیت ۳

قرآن مجید، سورۃ آل عمران آیت ۱۵۹

قرآن مجید، سورۃ الزمر آیت ۳۶

marfat.com

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا۔ (۱)

بے شک انسان پر ایک وقت گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا۔

(یعنی ایسا وقت آیا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔ (۲)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

یعنی ایسا غالب اور عزت والا ہے کہ جو کوئی اس کی پناہ میں آجائے وہ ذلیل و رسوا نہیں ہوتا جو اس کی بارگاہ کی پناہ میں پناہ لیتا اور اس کی حمایت میں آجاتا ہے وہ پستی کا شکار نہیں ہوتا وہ ایسا حکیم ہے کہ جو کوئی اس کی تدبیر بھروسہ کرتا ہے اس کی تدبیر میں کوئی کوتاہی نہیں ہوتی۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ۔ (۳)

بے شک وہ کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی تم پوجا کرتے ہو وہ تمہاری طرح بندے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے وہ اس کے مسخر بندے ہیں وہ بھی تمہاری طرح حاجتمند ہیں پس پر کس طرح توکل کیا جا سکتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِکُوْنَ لَکُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ۔ (۴)

تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پوجتے ہو وہ تمہارے لیے رزق کے مالک نہیں ہیں پس اللہ تعالیٰ کے پاس رزق تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

اور ارشاد فرمایا۔

وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَفْقَهُوْنَ۔ (۵)

اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہی آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں لیکن منافق سمجھتے نہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الدھر آیت ۱

(۲) قرآن مجید، سورۃ انفال آیت ۴۹

(۳) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۱۹۴

(۴) قرآن مجید، سورۃ عنکبوت آیت ۱۷

(۵) قرآن مجید، سورۃ منافقون آیت ۷

marfat.com

اور ارشاد ربانی ہے۔

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ۔ (۱)

وہ (اللہ تعالیٰ) امور کی تدبیر فرماتا ہے (اور) کوئی بھی سفارش کرنے والا اس کے حکم کے بغیر سفارش نہیں کر سکتا۔

توحید کے بارے میں قرآن مجید میں جو کچھ مذکور ہے وہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ غیر خدا سے توقعات ختم کر کے ایک قہار ذات پر بھروسہ کیا جائے۔

احادیث:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مجھے موسم حج میں تمام امتیں دکھائی گئیں میں نے ان میں اپنی امت کو دیکھا تو انہوں نے میدان اور پہاڑ سب جگہ کو گھیر رکھا تھا مجھے ان کی کثرت اور انداز نے تعجب میں ڈالا اور خوش کیا مجھ سے پوچھا گیا کیا آپ اس بات پر راضی ہیں؟ میں نے کہا ہاں میں راضی ہوں کہا گیا ان کے ساتھ ستر ہزار مزید ہیں جو کسی حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے ـــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا وہ لوگ جو بلا ضرورت (جسم نہیں داغتے نہ فال لیتے ہیں اور نہ ہی رقیہ کلمات کے ساتھ) دم جھاڑا کرتے ہیں اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ مجھے بھی ان میں سے کر دے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی "یا اللہ! ان (حضرت عکاشہ) کو بھی ان میں سے کر دے" ایک دوسرے صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لیے بھی دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان لوگوں میں کر دے آپ نے فرمایا عکاشہ تم سے سبقت کر گئے ہیں (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَوْ أَنَّكُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا۔ (۳)

اگر تم اللہ تعالیٰ پر صحیح معنیٰ میں توکل کرو تو وہ تمہیں اس طرح رزق عطا فرمائے جیسے پرندے کو رزق عطا فرماتا ہے وہ صبح کے وقت خالی پیٹ نکلتا ہے اور شام کے وقت سیر ہو کر لوٹتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورہ یونس آیت ۳

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۵۶ کتاب الطب

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۰ مرویات عمر بن خطاب

marfat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
مَنِ انْقَطَعَ اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ کَفَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کُلَّ مُؤْنَۃٍ وَرَزَقَہٗ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَمَنِ انْقَطَعَ اِلَی الدُّنْیَا وَکَلَہُ اللّٰہُ اِلَیْھَا۔
(۱)

جو شخص سب سے تعلق توڑ کر اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہر مشقت میں کفایت کرتا ہے (اور ضرورتوں کو پورا کرتا ہے) اور اسے وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے جس جگہ کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص دنیا سے تعلق جوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دنیا کے سپرد کر دیتا ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَّکُوْنَ اَغْنَی النَّاسِ فَلْیَکُنْ بِمَا عِنْدَ اللّٰہِ اَوْثَقَ مِنْہُ بِمَا فِیْ یَدَیْہِ۔
(۲)

جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ مالدار ہو جائے تو اسے اپنے پاس موجودہ مال کے مقابلے میں اس چیز پر زیادہ اعتماد ہونا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

ایک روایت میں ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو بھوک کی شدت پہنچتی تو آپ فرماتے نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور ارشاد فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی بات کا حکم دیا ہے (۳)

ارشاد خداوندی ہے:۔
وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا۔
(۴)

آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور اس پر صبر اختیار کریں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
لَمْ یَتَوَکَّلْ مَنِ اسْتَرْقٰی وَاکْتَوٰی۔
(۵)

اس شخص نے توکل نہیں کیا جس نے دم جھاڑ طلب کیا اور داغ لگوایا۔

---

(۱) شعب الایمان جلد ۲ ص ۲۸ حدیث ۱۰۷۶
(۲) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۰۳ حدیث ۵۶۸۶
(۳) مجمع الزوائد جلد ۷ ص ۶۷ کتاب التفسیر
(۴) قرآن مجید، سورۂ طٰہٰ آیت ۱۳۲
(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۵۱ مرویات مغیرہ

marfat.com

(یعنی ضرورت کے بغیر یہ کام کیا یا یہ ان چیزوں پر ہی اعتماد کیا ان کو سبب ماننے کی بجائے مسبب مانا ورنہ دم کرانا تعویذ باندھنا یا علاج کے لیے داغ وغیرہ حصولِ صحت کے اسباب ہیں ۱۲ ہزاروی)

ایک روایت میں ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کے ذریعے آگ میں ڈالا گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے (حاضر ہو کر) عرض کیا کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ آپ نے فرمایا (ہے تو سہی لیکن) آپ تک نہیں۔ آپ نے "حسبی اللہ نعم الوکیل" (مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے) پر عمل کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی آپ نے یہ کلمات اس وقت کہے تھے جب آپ کو پھینکنے کے لیے پکڑا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَاِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى۔ (۱)

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ ہیں جنہوں نے اپنی بات کو پورا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی ارشاد فرمایا اے داؤد علیہ السلام میرا جو بندہ میرے دامن سے وابستہ ہو جاتا ہے اور مخلوق پر بھروسہ نہیں کرتا پھر اگر آسمان و زمین اس سے کوئی مکر کریں تو میں اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہوں

آثار،

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے بچھو نے ڈس لیا میری ماں نے مجھے قسم دی کہ تم ضرور دم کراؤ گے تو میں نے دم کرنے والے کو دوسرا ہاتھ پکڑا دیا۔

حضرت خواص رحمہ اللہ نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ۔ (۲) اور اس زندہ (ذات) پر بھروسہ کرو جس کے لیے موت نہیں

(یہ آیت پڑھنے کے بعد) فرمایا اس آیت کے بعد کسی بندے کے لیے مناسب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پناہ لے۔

بعض علماء کو خواب میں کہا گیا کہ جس نے اللہ تعالیٰ پر یقین رکھا اس نے اپنی روزی جمع کر لی۔

بعض علماء نے فرمایا جو رزق تمہارے لیے مقدر ہے اس کے لیے فرض عمل سے منہ نہ پھیرو اس طرح آخرت کے امر کو ضائع کرو گے اور دنیا سے وہی ملے گا جو تمہارے لیے لکھ دیا گیا ہے حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب بندے کو طلب کے بغیر ملتا ہے تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ رزق کو حکم دیا گیا کہ وہ بندے کو تلاش کرے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ایک تارکِ دنیا سے پوچھا کہ آپ کہاں سے کھاتے ہیں؟ اس نے کہا اس بات کا مجھے علم نہیں البتہ میرے رب سے پوچھو کہ وہ مجھے کہاں سے کھلاتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النجم آیت ۳۷۔

(۲) قرآن مجید، سورہ فرقان آیت ۵۸

marfat.com

حضرت ہرم بن حیان رحمہ اللہ نے حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آپ مجھے کہاں رہنے کا مشورہ دیتے ہیں؟ انہوں نے شام کی طرف اشارہ کیا حضرت ہرم نے پوچھا معیشت کی کیا کیفیت ہوگی؟ حضرت اویس رحمہ اللہ نے فرمایا ان دلوں پر افسوس ہے ان میں تو شک ملا ہوا ہے ان کو وعظ کیا نفع دے گا۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب آدمی اللہ تعالیٰ کے کارساز ہونے پر راضی ہو جائے تو وہ ہر بھلائی کی طرف راستہ پالیتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے حسن ادب کا سوال کرتے ہیں۔

فصل ۱ :

حقیقت توحید جو توکل کی اصل ہے

جان لو! توکل ایمان کا ایک باب ہے اور ایمان کے تمام ابواب علم، حال اور عمل سے بنتے ہیں اسی طرح توکل بھی ان تینوں چیزوں سے منظم ہوتا ہے علم اصل ہے عمل نتیجہ ہے اور حال سے مراد توکل ہی ہے۔

تو ہم اصل یعنی علم کے بیان سے آغاز کرتے ہیں جس کو بنیادی طور پر ایمان کہا جاتا ہے کیوں کہ ایمان، تصدیق ہے اور ہر قلبی تصدیق علم ہے اور جب یہ مضبوط ہو جائے تو اسے یقین کہتے ہیں لیکن یقین کے دروازے بہت زیادہ ہیں اور ہم ان میں سے اس یقین کے محتاج ہیں جس کو توکل کی بنیاد بنا سکیں اور وہ توحید ہے جس کی ترجمانی "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ" سے ہوتی ہے اور قدرت پر ایمان کی ترجمانی "لہ الملک" کے الفاظ سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے جود و حکمت پر ایمان کی ترجمانی "ولہ الحمد" کہنے سے ہوتی ہے پس جو شخص پڑھے۔

"لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شی قدیر۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے وہ تعریف کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس کا ایمان مکمل ہو جاتا ہے جو توکل کی اصل ہے یعنی اس قول کا معنیٰ ایک وصف بن جاتا ہے جو اس کے دل کے لیے لازم اور اس پر غالب ہو جاتا ہے۔

توحید اصل ہے اور اس میں گفتگو طویل ہے اور یہ علم مکاشفہ سے ہے لیکن علومِ مکاشفہ احوال کے واسطے سے اعمال سے متعلق ہوتے ہیں اور علم کی تکمیل کے لیے ضروری ہوتے ہیں اس لیے ہم صرف اسی قدر بیان کریں گے جس کا تعلق علمِ معاملہ سے ہے ورنہ توحید تو ایک وسیع سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں پس ہم کہتے ہیں۔

توحید کے مراتب :

توحید کے چار مراتب ہیں یعنی مغز، مغز کا مغز، چھلکا اور چھلکے کا چھلکا — ہم اس کو مثال سے بیان کریں گے تاکہ

کمزور ذہن سمجھ سکیں مثلاً اخروٹ کے اوپر دو چھلکے ہوتے ہیں اور اس کے اندر ایک مغز ہوتا ہے اور اس میں تیل ہوتا ہے جو مغز کا مغز ہے۔

پس پہلا مرتبۂ توحید یہ ہے کہ انسان اپنی زبان سے لا الہ الا اللہ کہے اور اس کا دل اس سے غافل ہو اور منکر بھی جیسے منافقوں کی توحید۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس کا دل ان الفاظ کی تصدیق کرے جیسے عام مسلمان تصدیق کرتے ہیں یہ عوام کا اعتقاد ہے

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ کشف کے ذریعے نورِ حق کے واسطے سے مشاہدہ کرے اور یہ مقربین کا مقام ہے یعنی وہ اشیاء کو کثرت کے ساتھ (زیادہ) دیکھتا ہے لیکن ان سب کو ایک قہار ذات کی طرف سے سمجھتا ہے۔

چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ وہ صرف ایک وجود کو دیکھتا ہے اور یہ صدیقین کا مشاہدہ ہے اور صوفیا کرام کی اصطلاح میں اس کو فنا فی التوحید کہتے ہیں کیوں وہ صرف ایک کو دیکھتا ہے وہ اپنے آپ کو بھی نہیں دیکھتا اور جب وہ توحید میں ڈوب جانے کی وجہ سے اپنے آپ کو بھی نہیں دیکھتا تو توحید میں اپنے نفس سے فانی ہوگا یعنی وہ اپنے نفس اور مخلوق کو دیکھنے کے حوالے سے فانی ہے۔ تو پہلا شخص محض زبانی موحد ہے وہ دنیا میں (توحید کی وجہ سے) تلوار اور تیروں کی بوچھاڑ (قتل) سے بچ جاتا ہے دوسرا وہ موحد ہے جو دل سے الفاظ کے مفہوم کا اعتقاد رکھتا ہے اور دل سے اعتقاد کو جھٹلاتا نہیں اور یہ دل پر ایک گرہ ہے جو کھلتی نہیں لیکن اگر ایسا شخص اسی عقیدے پر مر جائے اور گناہوں کی وجہ سے اس کا عقیدہ کمزور نہ ہوا ہو تو وہ آخرت کے عذاب سے بچ جاتا ہے پھر اس گرہ کے کچھ حیلے ایسے ہیں جن کا مقصد اس کو ڈھیلا کرنا اور کھولنا ہوتا ہے اسے بدعت کہتے ہیں اور کچھ حیلے ایسے ہیں جن کا مقصد اس کو کھولنے اور کمزور کرنے والے حیلے کو دور کرنا ہے نیز ان کا مقصد اس گرہ کو دل پر مضبوط کرنا اور باندھنا ہے اس کو کلام کہتے ہیں اور اس بات کو جاننے والا متکلم کہلاتا ہے گویا متکلم، بدعتی کے مقابلے میں ہوتا ہے اور اس کا مقصد بدعتی کو عوام کے دلوں سے اس گرہ کو کھولنے سے روکنا ہے اور بعض اوقات متکلم کو موحد ہی کہتے ہیں کیوں کہ وہ اپنے کلام کے ذریعے لفظ توحید کے مفہوم کو عوام کے دلوں میں محفوظ کرتا ہے حتیٰ کہ یہ گرہ نہیں کھلتی۔

تیسرا وہ موحد ہے جو صرف ایک فاعل کو دیکھتا ہے جب اس کے لیے حق یقینہ منکشف ہوتا ہے اور حقیقت میں وہ ایک ہی فاعل کو دیکھتا ہے اور حقیقت بھی اس کے سامنے منکشف ہو چکی ہے وہ اپنے دل کو لفظ حقیقت کے مفہوم پر گرہ باندھنے کا مکلف نہیں بناتا کیوں کہ یہ تو عوام اور متکلمین کا درجہ ہے اس لیے کہ اعتقاد کے اعتبار سے عامی اور متکلم میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ فرق تو صرف اس بات میں ہے کہ متکلم ایسا کلام بنانے پر قادر ہے جس کے ذریعے بدعتی کے ان حیلوں کو دور کر سکے جو اس گرہ کو کھولتے ہیں۔

چوتھا وہ موحد ہے جس کے سامنے ایک ہی ذات ہے وہ سب چیزوں کو کثیر ہونے کے حوالے سے نہیں دیکھتا بلکہ وحدت کے اعتبار سے دیکھتا ہے اور توحید کی غرض و غایت بھی یہی ہے تو پہلا شخص اخروٹ کے اوپر والے چھلکے کی طرح ہے دوسرا

marfat.com

نچلے چھلکے کی مثل ہے تیرا شخص اخروٹ کے مغز کی طرح ہے اور چوتھا اس تیل کی طرح ہے جو اس مغز سے نکالا جاتا ہے۔

اور جس طرح اخروٹ کے اوپر والے چھلکے میں کوئی بھلائی نہیں بلکہ اگر اسے کھایا جائے تو اس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے اور اگر اس کے اندر دیکھا جائے تو اچھا دکھائی نہیں دکھاتا اگر اس سے لکڑی کا کام لیا جائے تو آگ کو بجھا دیتا ہے اور دھواں زیادہ کرتا ہے اگر گھر میں رکھیں تو جگہ تنگ ہو جاتی ہے پس اس کا کام یہی ہے کہ کچھ عرصہ تک اسے اخروٹ کی حفاظت کے لیے اس کے اوپر ہی چھوڑا جائے پھر اس سے الگ کر کے پھینک دیا جائے اسی طرح محض زبانی توحید جس میں قلبی تصدیق شامل نہ ہو، کا کوئی فائدہ نہیں البتہ نقصان زیادہ ہوتا ہے اس کا ظاہر و باطن مذموم ہے لیکن اندر والے چھلکے کی حفاظت کے لیے مرتے دم تک اس سے نفع اٹھایا جاتا ہے اور اندر والا چھلکا دل اور بدن ہے اور منافق کی توحید اس کے بدن کو مجاہدین کی تلوار سے بچاتی ہے کیوں کہ ان کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ دلوں کو پھاڑ کر دیکھیں۔ اور تلوار بدن کے جسم تک پہنچی ہے اور وہ چھلکا ہے اور موت کی وجہ سے یہ توحید ان کے بدن سے الگ ہو جاتی ہے اس لیے اس کے بعد توحید کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اور جس طرح اوپر والے چھلکے کی نسبت اندر والے چھلکے کا نفع ظاہر ہے کیوں کہ وہ مغز کی حفاظت کرتا ہے اور جب اخروٹ جمع کر کے رکھے جائیں تو یہ ان کو خراب ہونے سے بچاتا ہے اور جب الگ کیا جائے تو لکڑی کا فائدہ دیتا ہے لیکن مغز کے مقابلے میں اس کی قدر کم ہوتی ہے اسی طرح محض دل کا اعتقاد جس میں کشف شامل نہ ہو محض زبانی توحید کے مقابلے میں زیادہ نفع دیتی ہے لیکن کشف و مشاہدہ جو شرحِ صدر اور اس میں نورِ حق کے چمکنے سے حاصل ہوتا ہے کہ مقابلے میں اس توحید کی قدر کم ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے یہی شرحِ صدر مراد ہے ارشاد خداوندی ہے۔

فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ۔ (۱)

پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ (۲)

تو کیا وہ شخص جس کے سینے کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا پس وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

تو جس طرح چھلکے کے مقابلے میں مغز نفیس ہوتا ہے اور وہی مقصود بالذات ہوتا ہے لیکن پھر بھی تیل نکالنے کی صورت میں گدلے پن سے محفوظ نہیں ہوتا اسی طرح توحیدِ فعل (فاعل کو ایک جاننا) سالکین کے لیے ایک بلند مقصد ہے لیکن یہ غیر کے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ انعام آیت ۱۲۵

(۲) قرآن مجید سورۂ الزمر آیت ۲۲

marfat.com

ملاحظہ کی ملاوٹ سے خالی نہیں ہے اور جو شخص صرف ایک ذات حق کو ہی دیکھتا ہے اس کے مقابلے میں اس کی توجہ کثرت کی طرف ہے۔

سوال:۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ایک ہی کو دیکھے حالانکہ وہ آسمان، زمین اور تمام محسوس جسموں کو دیکھتا ہے اور وہ بہت زیادہ ہیں تو کثیر کس طرح ایک ہو جائیں گے۔

جواب:

علوم مکاشفہ کی غایت یہی تو ہے اور اس علم کے اسرار کتاب میں نہیں لکھے جا سکتے عارفین نے فرمایا کہ ربوبیت کے رازوں کو فاش کرنا کفر ہے پھر یہ کہ یہ بات علم معاملہ سے متعلق بھی نہیں ہے ہاں یہ بات بتانا ممکن ہے کہ کثرت کو ایک دیکھنا عقل سے بعید ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک ہی چیز بعض اوقات مشاہدات اور اعتبار کی انواع کے اختلاف سے زیادہ ہو جاتی ہے اور کسی دوسری وجہ سے وہ ایک نظر آتی ہے جیسے انسان کی روح، جسم، اعضاء رگوں، ہڈیوں اور آنتوں کا اعتبار کیا جائے تو اس میں کثرت ہے لیکن ایک دوسرے اعتبار اور مشاہدے کے مطابق وہ ایک ہے۔ کیوں کہ ہم کہتے ہیں یہ ایک انسان ہے تو انسان ہونے کے اعتبار سے وہ ایک ہے اور کئی لوگ ایسے ہیں جو ایک آدمی کو دیکھتے ہیں لیکن ان کے دل میں اس کی آنتوں، رگوں، اعضاء روح، جسم اور اعضاء کی تفصیل نہیں آتی ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ یہ شخص حالت استغراق میں ہے اور استغراق ایک میں ہوتا ہے جس میں تفریق نہیں ہوتی گویا وہ جمع کو دیکھتا ہے اور جو کثرت کو دیکھتا ہے اس کے سامنے تفریق ہوتی ہے۔

اسی طرح خالق اور مخلوق جو بھی موجود ہے اس کے کئی اعتبار اور مشاہدات ہیں جو مختلف ہیں وہ ایک اعتبار سے ایک ہے اور دوسرے کثیر ہے اور ان میں سے بعض دوسرے بعض کی نسبت زیادہ سخت ہیں اس کی مثال انسان ہے اگرچہ یہ غرض کے مطابق تو نہیں لیکن اس سے اس بات سے آگاہی ہو جاتی ہے کہ کثیر، مشاہدے میں ایک کیسے ہوتا ہے۔

اس کلام سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کی سمجھ جس مقام تک نہ پہنچ سکے اس کا انکار نہ کرے بلکہ اس پر تصدیق کے ساتھ ایمان لائے اس طرح توحید پر ایمان لانے کے اعتبار سے حصہ ملے گا اگرچہ جس بات پر ایمان لایا ہے وہ اس کی صفت نہیں ہے جیسے آدمی نبوت پر ایمان لاتا ہے حالانکہ وہ نبی نہیں ہے لیکن جس قدر ایمان ہوگا اس قدر حصہ ملے گا۔

اور یہ مشاہدہ جس میں صرف واحد حق ظاہر ہوتا ہے کبھی دائمی ہوتا ہے اور کبھی بجلی کی چمک کی طرح اچانک آتا ہے اور عام طور پر اسی طرح ہوتا ہے اور بہت نادر ہے حسین بن منصور حلاج نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے جب انہوں نے حضرت خواص رحمہ اللہ کو دیکھا کہ وہ عام طور پر سفر میں رہتے ہیں تو پوچھا آپ کیا کرتے پھرتے ہیں انہوں نے فرمایا سفروں میں رہتا ہوں تاکہ توکل میں اپنی حالت کو صحیح کر سکوں اور وہ متوکل لوگوں میں سے تھے تو حسین بن منصور نے فرمایا تم نے اپنے باطن کی

marfat.com

تعمیر میں زندگی خرچ کر دی تو فنا فی التوحید کہاں ہے؟ تو گویا حضرت خواص رحمہ اللہ توحید میں تیسرے مقام کو صحیح کرنے میں لگے ہوئے تھے تو انہوں نے ان سے چوتھے مقام کا مطالبہ کیا ——— تو اجمالی طور پر توحید والوں کے مقامات اس طرح ہیں۔

سوال :۔

اس بات کی اس قدر شرح ضروری ہے جس سے اس پر توکل کی بنیاد رکھنے کی کیفیت سمجھ آجائے۔

جواب :۔

جہاں تک چوتھے مقام کا تعلق ہے تو اس کے بیان میں غور و خوض کرنا جائز نہیں اور نہ ہی وہ کل کی بنیاد ہے بلکہ توکل، توحید کے تیسرے مرتبے سے حاصل ہوتا ہے پہلا مقام تو واضح منافقت ہے۔

جہاں تک دوسرے مقام کا تعلق ہے اور وہی عقیدہ ہے جو عام مسلمانوں میں موجود ہے اور اس کو کلام کے ذریعے موکد کرتے اور بدعتی لوگوں کے حیلوں کو دور کرنے کا طریقہ علم کلام میں مذکور ہے ہم نے اسے حسب ضرورت اعتقاد کے بیان میں ذکر کیا ہے۔

اور تیسرا مرتبہ وہ ہے جس پر توکل کی بنیاد رکھی جاتی ہے کیوں کہ محض اعتقادی توحید توکل کی حالت پیدا نہیں کرتی پس ہم اس سے اس قدر ذکر کرتے ہیں جس کے ساتھ توکل مربوط ہو تفصیلی ذکر جو اس قسم کی کتابیں برداشت نہیں کر سکتیں، نہیں کریں گے

اس کا حاصل یہ ہے کہ تمہارے لیے یہ بات منکشف ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فاعل (حقیقی) نہیں ہے اور جو کچھ موجود ہے وہ مخلوق ہے، رزق، عطاء، منع، زندگی، موت مالداری، فقر وغیرہ جس کا کوئی بھی نام ہو سکتا ہے تو اس کو پیدا کرنے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں جب تمہارے سامنے یہ بات منکشف ہو جائے گی تو تم اس کے غیر کی طرف نہیں دیکھو گے۔ بلکہ اسی سے ڈرو گے اسی سے امید رکھو گے اسی پر تمہارا اعتماد ہو گا اور اسی پر بھروسہ کرو گے کیوں کہ صرف وہی فاعل ہے دوسرا کوئی نہیں، دوسرے تمام مسخر ہیں وہ آسمانوں اور زمین کی حکومت میں سے ایک ذرے کو بھی ذاتی طور پر اور بالاستقلال حرکت نہیں دے سکتے۔

پس جب تمہارے لیے مکاشفہ کے دروازے کھل جائیں تو یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی جو ظاہری مشاہدہ سے زیادہ مکمل ہو گی۔

شیطان تمہیں اس توحید سے دور کر کے ایسے مقام کی طرف لے جانا چاہتا ہے جہاں تمہارے دل میں شرک کا شائبہ پیدا ہو جائے اور اس کے دو سبب ہیں ایک حیوانات کے اختیار کی طرف توجہ اور دوسرا جمادات کی طرف توجہ۔

جمادات کی طرف توجہ کی مثال یہ ہے کہ مثلاً تم کھیتی کے پیدا ہونے اور بڑھنے کے سلسلے میں بارش پر اعتماد کرتے ہو بارش کے لیے بادلوں پر، بادلوں کے جمع ہونے کے سلسلے میں ٹھنڈک پر اعتماد کرتے ہو کشتی کے چلنے اور ٹھہرنے کے سلسلے میں ہوا پر اعتماد کرتے ہو اور یہ سب باتیں توحید میں شرک اور حقائق امور سے جہالت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

marfat.com

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ۔ (۱)

اور جب وہ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے پس جب اللہ تعالیٰ ان کو بچا کر خشکی پر لے جاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں

مطلب یہ ہے کہ کہتے ہیں اگر ہوا برابر نہ ہوتی تو ہم نجات نہ پاتے اور جس شخص پر اس جہاں کا معاملہ حقیقتاً منکشف ہو جائے وہ جان لیتا ہے کہ ریح تو ہوا ہے اور ہوا خود بخود حرکت نہیں کرتی جب تک کوئی محرک اسے حرکت نہ دے اسی طرح اس کا محرک کسی دوسرے محرک کا محتاج ہے یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس پہلے محرک تک پہنچتا ہے جس کو کوئی حرکت دینے والا نہیں ہے اور نہ وہ خود ذاتی طور پر حرکت کرتا ہے (وہ اللہ تعالیٰ ہے)

توبندے کا ہوا کی طرف متوجہ ہونا اسی طرح ہے کہ ایک شخص کو اس لیے پکڑا جائے کہ اس کی گردن کاٹ دی جائے لیکن شاہ اس کی معافی کا پروانہ لکھ دے اب وہ شخص روشنائی کا غذ اور قلم جس کے ساتھ تحریر لکھی گئی، کی طرف متوجہ ہو جائے اور یوں کہے کہ اگر قلم نہ ہوتا تو مجھے نجات نہ ملتی

وہ قلم کو نجات دہندہ خیال کرے اور قلم کو حرکت دینے والے کو نظر انداز کر دے اور یہ انتہائی جہالت ہے اور شخص اس بات کو جانتا ہے کہ قلم ذاتی طور پر کچھ نہیں کر سکتا وہ تو لکھنے والے کے ہاتھ میں قالو ہے تو وہ شخص قلم کی طرف متوجہ ہی ہوتا، وہ صرف لکھنے والے کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات نجات کی خوشی سے اس قدر مدہوش ہو جاتا ہے کہ وہ بادشاہ لکھنے والے کا شکر ادا کرتا ہے اور اس کے دل میں قلم روشنائی اور دوات، کا خیال تک نہیں آتا ہے۔

سورج، چاند، ستارے، بارش، بادل، زمین اور تمام حیوانات و جمادات قبضۂ قدرت میں ہیں جس طرح قلم کاتب کے ہاتھ میں ہے بلکہ یہ تو انسانوں کے لیے مثال ہے جن کا خیال ہے کہ بادشاہ ہی کاتب پروانہ ہے اور حق تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کاتب ہے وہ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (۱)

اور جب آپ نے کنکریاں پھینکیں تو وہ آپ نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں۔

جب تمہارے لیے یہ بات منکشف ہو جائے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اس طریقے پر مسخر ہے تو شیطان اسے مراد بنا امید ہو کر واپس ہو جائے گا کہ اب وہ تمہارے عقیدۂ توحید میں شرک کی آمیزش نہیں کر سکتا تو اب وہ تمہیں دوسری طرح ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ اختیاری کاموں میں حیوانات کے اختیار کی طرف متوجہ کرتا ہے وہ کہتا ہے تم

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ عنکبوت آیت ۶۵

(۲) قرآن مجید، سورۂ انفال آیت ۱۷

marfat.com

ان سب کاموں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسے دیکھتے ہو حالانکہ یہ شخص تمہیں اپنے اختیار سے رزق دیتا ہے اگر وہ چا
تو نہیں دے اور چاہے تو روک دے اور یہی آدمی اپنی تلوار سے تمہاری گردن کاٹتا ہے اور وہ اس پر قادر بھی ہے ا
اگر چاہے تو تمہیں معاف کر دے تو کس طرح اس سے نہیں ڈرتا اور کس طرح تو اس سے امید نہیں رکھتا حالانکہ تیرا معاملہ
کے کنٹرول میں ہے اور تو اس بات کا مشاہدہ کرتا ہے تجھے اس میں شک نہیں وہ یہ بھی کہتا ہے ہاں اگر تمہاری نظر میں قلم نے
کام نہیں کیا تو کاتب کو کیوں مانتا ہے وہ بھی تو اس کام کے لیے مسخر ہے۔

اس وقت اکثر لوگوں کے قدم پھسلتے ہیں البتہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے محفوظ رہتے ہیں شیطان لعین کو ان پر کو
قدرت اور تسلط حاصل نہیں ہوتا وہ بصیرت کے نور سے دیکھتے ہیں کہ کاتب مسخر اور مجبور ہے جس طرح تمام کمزور لوگ دیکھتے
کہ قلم مسخر ہے اور ان کو معلوم ہے کہ اس سلسلے میں کمزور لوگوں کو اسی طرح مغالطہ لگتا ہے جیسے کوئی چیونٹی کاغذ پر چلے اور اس
قلم کا سر انظر آئے جو کاغذ کو سیاہ کر رہا ہے اور اس کی نگاہ ہاتھوں اور انگلیوں تک نہ جائے کھنے والے تک جاتا تو وہ
کی بات ہے تو اس چیونٹی کو بھی مغالطہ ہوتا ہے وہ خیال کرتی ہے کہ قلم ہی سفید جگہ کو سیاہ کر رہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے
کہ اس چیونٹی کی بینائی میں کوتاہی ہے اور اس کی آنکھ کی پتلی تنگ ہونے کی وجہ سے اس کی نظر قلم کے سرے سے تجاوز نہیں
پس اسی طرح جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ کے نور سے اسلام کے لیے نہ کھلا ہو اس کی بصیرت بھی آسمانوں اور زمین
جبار کو دیکھنے سے کوتاہ ہوتی ہے اور اس بات کا مشاہدہ بھی نہیں کر سکتی کہ وہ سب پر قاہر و غالب ہے پس اس کی نگاہ
میں ہی کاتب پر رُک جاتی ہے اور یہ محض جہالت ہے۔

بلکہ ارباب قلوب و مشاہدات کے حق میں اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کے ہر ذرے کی زبان کو جاری کر دیتا ہے اور ا
میں وہی قدرت کارگر ہوتی ہے جس کے ساتھ ہر چیز بولتی ہے حتیٰ کہ یہ لوگ ان تمام ذرات سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس
ہیں نیز وہ تمام اشیاء اپنی عاجزی کی شہادت ایسی زبان کے ساتھ دیتی ہیں جو تیز ہے وہ حروف اور آواز کے بغیر گفتگو کرتے ہ
اور اس گفتگو کو وہ لوگ نہیں سن سکتے جو سننے سے کنارہ کش ہیں اور اس سے ہماری مراد ظاہری سماعت نہیں جو آوازوں سے
نہیں بڑھ سکتی کیوں کہ اس میں تو گدھا بھی شریک ہے اور جس کام میں جانور بھی شریک ہوں وہ قابلِ قدر نہیں ہوتا ہماری مراد
سماعت ہے جس کے ذریعے اس کلام کا ادراک ہو جاتا ہے جو حرف اور آواز کے بغیر ہے اور وہ عربی اور عجمی نہیں ہے۔

سوال:

یہ تو ایک عجیب بات ہے جسے عقل قبول نہیں کرتی ہمیں ان کے بولنے کا طریقہ بتائیں وہ کس طرح بولتی ہیں اور کیا کہتی ہیں تسبیح
تقدیس کس طرح کرتی ہیں۔ اور اپنے نفس کی عاجزی پر گواہی کس طرح دیتی ہیں۔

جواب:

جان لو کہ آسمانوں اور زمین کے ہر ذرے کے لیے ارباب قلوب کے ساتھ پوشیدہ گفتگو ہوتی ہے اور اس کی کوئی حد اور

marfat.com

(نہیں کیوں کہ یہ کلمات کلام الٰہی کے بحر بے کنار سے مدد حاصل کرتا ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۔ (۱)

آپ فرما دیجیے اگر سمندر میرے رب کے کلمات (کو لکھنے) کے لیے سیاہی ہوں تو سمندر کی سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن میرے رب کے کلمات ختم نہیں ہوں گے اگرچہ ہم اس کی مدد کے لیے اس کی مثل (سیاہی) لائیں۔

پھر یہ سب ذرات مُلک و ملکوت کے اسرار بیان کرتے ہیں اور رازوں کا افشاء بری بات ہے بلکہ آزاد لوگوں کے سینے ل قبریں ہیں اور تم نے کبھی نہیں دیکھا ہو گا کہ کوئی شخص بادشاہ کے رازوں کا امین ہو اور اس سے خفیہ باتیں کہی جائیں تو وہ لوگوں ماننے بیان کر دے اگر ہمارے لیے رازوں کو ظاہر کرنا جائز ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات نہ فرماتے۔

لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا۔ (۲)

اگر تم ان باتوں کو جانتے جن کا مجھے علم ہے تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔

بلکہ حضور علیہ السلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بیان کرتے تاکہ وہ روئیں اور ہنسنے سے باز رہیں اور آپ تقدیر کا ش کرنے سے منع نہ کرتے (۳)

اور آپ یہ بات بھی نہ فرماتے۔

اِذَا ذُكِرَ النُّجُوْمُ فَاَمْسِكُوْا وَاِذَا ذُكِرَ الْقَدَرُ فَاَمْسِكُوْا وَاِذَا ذُكِرَ اَصْحَابِيْ فَاَمْسِكُوْا۔ (۴)

جب ستاروں کا ذکر ہو تو خاموش رہو اور جب تقدیر کا ذکر ہو تو خاموش رہو اور جب میرے صحابہ کرام کا ذکر ہو تو خاموش رہو۔

اور آپ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بعض اسرار کے ساتھ خاص نہ فرماتے (۵)

تو ملک و ملکوت کے ذرات جو کچھ اربابِ مشاہدات کے دلوں سے مناجات کرتے ہیں ان کو بیان کرنے سے دو باتیں ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۱۰۹

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۶۵، کتاب التفسیر

(۳) حلیۃ الاولیاء جلد ۶ ص ۱۸۲ ترجمہ ۳۵۸

(۴) التمہید لابن عبدالبر جلد ۶ ص ۶۸

marfat.com

ایک یہ کہ راز فاش کرنا محال ہے اور دوسری بات یہ کہ ان ذرات کے کلمات گنتی اور شمار سے باہر ہیں لیکن جو شا
نے پہلے ذکر کی ہے اور وہ قلم کی حرکت ہے اس کی گفتگو کا کچھ تذکرہ کر دیتے ہیں تاکہ اس سے اجمالی طور پر معلوم ہو جا
کس طرح یہ توکل کی بنیاد بنتی ہے اور یہ کلمات اگرچہ حروف و آواز سے متعلق نہیں لیکن ہم سمجھانے کی ضرورت کے تحت
حروف اور آواز کی طرف لوٹا دیتے ہیں پس ہم کہتے ہیں۔

ایک شخص جو نورِ الٰہی کی مشعل سے کاغذ کو دیکھتا تھا اس نے دیکھا کہ سیاہی سے اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا تو ا
تیرے چہرے کو کیا ہوا یہ تو سفید چمک دار تھا اور اب اس پر سیاہی ظاہر ہو گئی ہے تو نے اپنے چہرے کو سیا
کر دیا۔ اس کا کیا سبب ہے؟ کاغذ نے کہا تو نے اس گفتگو میں مجھ سے انصاف نہیں کیا میں نے خود اپنے چہرے ک
نہیں کیا سیاہی سے پوچھو وہ دوات میں جمع تھی جو اس کا ٹھکانہ اور وطن ہے پس اس نے وطن سے سفر اختیا
ظلم کرتے ہوئے میرے صحن میں اتر آئی اس نے کہا تو نے سچ کہا۔

پھر اس نے سیاہی سے پوچھا تو اس نے بھی یہی جواب دیا کہ تو نے مجھ سے انصاف نہیں کیا میں تو دوات میں چ
بیٹھی تھی اور میں نے پختہ ارادہ کیا تھا کہ اس سے نہیں نکلوں گی تو قلم نے اپنے فاسد طمع کے ساتھ مجھ پر زیادتی کر ک
بے وطن کر دیا مجھے تتر بتر کر کے سفید کاغذ پر پھیلا دیا تو سوال قلم سے کرنا چاہیے مجھ سے کیوں کر سوال کرتے ہو اس نے کہا تم
ٹھیک کہا ہے۔

پھر قلم سے اس کے ظلم اور زیادتی کے بارے میں پوچھا اور یہ کہ تم نے سیاہی کو کیوں بے وطن کر دیا اس نے کہا
انگلیوں سے پوچھو میں تو دریا کے کنارے ایک کانے (نڑی) کی صورت میں کھڑی تھی اور سرسبز درختوں کے درمیان خوش و خر
پھر ہاتھ چھری لے کر آیا اور میرا چھلکا اتارنے لگا اس نے میرا لباس پھاڑ دیا اور مجھے جڑ سے کاٹ کر میرے اوپر
کیے پھر تراشا اور کاٹ لگا کر روشنائی کی سیاہی اور کڑواہٹ میں غوطہ دیا وہی (ہاتھ) مجھ سے خدمت لیتا اور سر کے بل
ہے تم نے سوال کر کے میرے زخموں پر نمک چھڑکا اور مجھ پر عتاب کیا تم مجھے چھوڑو اور اس سے پوچھو جس نے مجھ پر ظلم کیا
نے کہا تم نے سچ کہا۔

پھر ہاتھ سے پوچھا کہ تم نے قلم پر ظلم و زیادتی کیوں کی اور اس سے خدمت کیوں لی؟ اس نے کہا میں گوشت، ہڈی ا
کا مجموعہ ہوں کیا تم نے گوشت کو ظلم کرتے ہوئے دیکھا ہے یا کوئی جسم اپنے آپ حرکت کرتے دیکھا ہے میں تو ایک سواری ہوں
مسخر کیا گیا مجھ پر ایک سوار ہے جسے قدرت اور غلبہ کہا جاتا ہے وہی مجھے تمام روئے زمین میں دوڑاتا پھرتا ہے لیکن تم نے
ہے کہ ڈھیلے، پتھر اور درخت اپنی جگہ سے خود بخود حرکت نہیں کرتے کیوں کہ ان پر اس قسم کا مضبوط اور غالب سوار، سواری نہیں کر
کیا تم نہیں دیکھتے کہ میرے ہاتھ گوشت، ہڈی اور خون کی صورت میں مردوں کے ہاتھوں کے برابر ہیں لیکن ان کے ہاتھوں ا
قلم کے درمیان کوئی معاملہ نہیں تو میرے اور قلم کے درمیان بھی کوئی معاملہ نہیں پس تم اس معاملے میں قدرت سے سوال کر

marfat.com

سواری ہوں میرا سوار مجھے حرکت دیتا ہے۔ اس نے کہا تو نے ٹھیک کہا ہے۔

پھر اس نے قدرت سے پوچھا کہ وہ ہاتھ کو کیوں استعمال کرتی ہے اور اس سے کیوں زیادہ خدمت لیتی ہے اس نے ملامت نہ کرو بہت سے ملامت کرنے والوں پر خود ملامت ہوتی ہے اور کئی ایسے ہیں جن کو ملامت کیا جاتا ہے لیکن گناہ ہوتے ہیں اور تم پر میرا معاملہ کس طرح پوشیدہ رہ گیا اور تم نے کیسے گمان کر لیا کہ میں نے ہاتھ پر سوار ہو کر اس پر ظلم ہے میں تو اس کو حرکت دینے سے پہلے بھی اس پر سوار تھی۔ میں تو اس کو حرکت نہیں دیتی تھی اور نہ ہی اسے مسخر کرتی تھی بلکہ ئی ہوئی اور خاموش تھی حتیٰ کہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ میں مردہ ہوں یا بالکل معدوم ہوں کیونکہ میں نہ تو حرکت کرتی تھی اور نہ کسی کو حرکت ہاتھی کہ ایک موکل آیا اور اس نے مجھے حرکت دی اور جھنجھوڑا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اب میں اس کی موافقت تو کر سکتی ں اس کی مخالفت میرے بس میں نہ تھی۔ اس موکل کو ارادہ کہتے ہیں میں تو اس کا نام ہی جانتی ہوں یا مجھے اس قدر معلوم ہے س نے یکبارگی چڑھائی کر کے مجھے گہری نیند سے جگا دیا اور مجھ سے بزور وہ کام لیا کہ اگر میری رائے کوئی پوچھتا تو مجھے گنجائش تھی کہ میں کرتی۔ اس نے کہا تو نے ٹھیک کہا تو نے ٹھیک کہا ہے۔

پھر اس نے ارادے سے پوچھا کہ یہ قدرت جو خاموش معطل بیٹھی تھی اس پر تجھے کیسے جرأت ہوئی کہ تو نے اس کو حرکت ں لگا دیا اور اس قدر زبردستی کی کہ وہ مخالفت نہ کر سکی تو ارادے نے جواب دیا مجھ پر جلدی نہ کرو شاید میں بھی معذور تھا اور ملامت کر رہے ہو میں خود نہیں اٹھا یا گیا اور سخت حکم کے تحت مجھے بھیجا گیا اس سے پہلے تو میں خاموش تھا لیکن دل کی بارگاہ سے علم کا قاصد عقل کی دربانی میرے پاس آیا اور یہ پیغام لایا کہ قدرت کو اٹھا دو تو میں نے مجبوراً اسے اٹھایا میں تو ہوں اور علم و عقل کی قدرت کے تحت مسخر ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ مجھ سے کونسا جرم کروایا جائے گا اور کس کے لیے فر کیا گیا۔ اور اس کا حکم ماننا مجھ پر لازم ہوا۔ اتنی بات ضرور جانتا ہوں کہ میں بالکل پُرسکون تھا جب تک یہ زبردستی کرنے والا نہیں آیا میرا حاکم ہے وہ عادل ہے یا ظالم میں اس کے سامنے دستہ بستہ کھڑا ہوں اور اس کی اطاعت کو لازم سمجھتا ہوں بلکہ جب یہ قطعی ے دیتا ہے تو مجھے مخالفت کی تاب نہیں رہتی مجھے اپنی جان کی قسم جب تک وہ خود اپنے دل میں تردد اور حکم میں حیران رہتا ہے خاموش رہتا ہوں لیکن اس کے حکم کا منتظر رہتا ہوں اور چوکنا بھی، پھر جب اس کا حکم قطعی اور یقینی ہوتا ہے تو میں اپنی طبیعت طابق اور اس کی اطاعت کے غلبہ کے تحت مجبور ہو جاتا ہوں اور قدرت کو اٹھاتا ہوں کہ وہ اس کے حکم کے مطابق عمل کرے ے معاملے میں علم سے پوچھو مجھے نہ جھڑکو، میں تو کسی شاعر کے اس قول کا مصداق ہوں۔

مَتَى تَرْتَحِلْتُ عَنْ قَوْمٍ وَقَدْ قَدِرُوْا اَنْ لَّا تُفَارِقَهُمْ فَالرَّاحِلُوْنَ هُمُ۔

جب میں ایک قوم سے کوچ کر جاتا ہوں اور انہوں نے فرض کیا تھا کہ ہم ان سے جدا نہیں ہوں گے تو جدا ہونے والے وہ ہیں۔

اس نے کہا تم نے سچ کہا ہے۔

marfat.com

پھر وہ علم، عقل اور دل کی طرف متوجہ ہوا اور ان کو اس بات پر جھڑکا کہ انہوں نے ارادے کو کیوں برانگیختہ کیا اور قد
کو حرکت دینے پر کیوں مجبور کیا۔ تو عقل نے جواب دیا میں تو ایک چراغ ہوں میں خود بخود نہیں جلتی مجھے روشن کیا جاتا ہے
دل نے کہا میں تو ایک تختی ہوں میں خود بخود نہیں پھیلتا بلکہ مجھے پھیلایا جاتا ہے، علم نے جواب دیا میں تو ایک نقش ہوں جو
کی سفید تختی پر اس وقت نقش کیا جاتا ہے جب عقل کا چراغ روشن ہوتا ہے میں خود بخود منتقل نہیں ہوتا دل کی یہ تختی کتنا عرصہ
سے خالی رہی پس جس قلم نے مجھے نقش کیا اس سے پوچھو کیوں کہ لکھائی تو قلم سے ہی ہوتی ہے۔

اس وقت سائل عاجز ہو جاتا ہے اور جواب پر قناعت نہ کرتے ہوئے کہتا ہے اس راستے میں میری تھکاوٹ بہت
ہو گئی ہے اور میں نے بہت منزلیں طے کی ہیں اور مجھے جس سے توقع ہوئی کہ وہ بتائے گا اس نے مجھے دوسروں کے
کر دیا لیکن کثرت سے پھرنے کی صورت میں بھی میں خوش ہوا کیونکہ ہر ایک سے ایسا کلام سنا جسے میرے دل نے قبول کیا
سوال کو دور کرنے میں اس نے واضح عذر پیش کیا اب اے علم! تمہارا یہ کہنا کہ میں ایک نقش اور خط ہوں اور مجھے قلم نے
ہے یہ بات مجھے سمجھ نہیں آتی مجھے تو ایک ہی قلم کا علم ہے جو کانے (نڑ) سے بنتی ہے اور تختی جو لوہے یا لکڑی کی ہوتی ہے اور
روشنائی سے ہوتا ہے اور چراغ آگ سے روشن کیا جاتا ہے اور میں نے اس منزل میں تختی، چراغ، خط اور قلم کی بات سنی
میں نے ان میں سے کسی کو دیکھا نہیں تعجب کی بات ہے کہ میں چکی کی آواز سنتا ہوں لیکن چکی نظر نہیں آتی تو علم نے اسے جواب
اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو تمہارے پاس سرمایہ کم ہے اور تمہاری سواری کمزور ہے اور جان لو کہ تم جس راستے پر جا رہے ہو اس
ہلاکتیں زیادہ ہیں پس تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم یہ خیال چھوڑ دو اور واپس جاؤ تم اس میدان کے مرد نہیں ہو لہٰذا یہاں سے
ہٹ جاؤ جس کو جس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا وہ کام اس کے لیے آسان کر دیا گیا۔

اگر تم مقصد کی طرف راستے کی تکمیل میں رغبت رکھتے ہو تو کان دھرو اس حال میں کہ تم گواہ ہو اور جان لو کہ تمہارے لا
میں یہ تین عالم ہیں۔

پہلا عالم، عالم الملک والشہادۃ، ہے اور کاغذ، سیاہی، قلم اور ہاتھ کا اسی عالم سے تعلق ہے اور ان منازل کو ہوا
سے طے کیا جا سکتا ہے دوسرا عالم ملکوت ہے اور وہ میرے بعد ہے جب تم مجھ سے تجاوز کر لو گے تو اس کی منزل تک پہ
جاؤ گے اس کے راستے میں لمبے چوڑے جنگل، وسیع میدان، بلند پہاڑ اور غرق کرنے والے سمندر ہیں اور مجھے معلوم نہیں
کس طرح اس میں سلامت رہو گے۔

اور تیسرا عالم، عالم جبروت ہے اور وہ عالم ملک اور عالم ملکوت کے درمیان ہے تم نے اس کی تین منزلیں پہلے طے
کر لی ہیں یعنی قدرت، ارادے اور علم کی منازل۔ اور یہ ملک و شہادت اور ملکوت کے درمیان واسطہ ہے کیوں کہ عالم ملک
راستہ آسان ہے اور عالم ملکوت کا راستہ دشوار گذار ہے۔

جب کہ عالم جبروت جو عالم ملک اور عالم ملکوت کے درمیان ہے وہ اس کشتی کی طرح ہے جو پانی اور زمین کے

رت کرتی ہے اب نہ تو وہ پانی کے اضطراب کی حد میں ہے اور نہ ہی زمین کے سکون اور ٹھہراؤ کی حد میں، اور جو شخص زمین پر
تا ہے وہ ملک و شہادت کے عالم میں چلتا ہے اگر اس کی قوت تجاوز کرے اور کشتی پر سوار ہو سکے تو وہ اس طرح ہے کہ
ے عالم جبروت میں چلتا ہے اگر کشتی کے بغیر پانی پر چلنے کی طاقت نہیں رکھتے تو واپس ہو جاؤ تم زمین سے آگے بڑھ گئے لیکن
شتی سے پیچھے رہ گئے اور اب تمہارے سامنے صاف پانی باقی رہ گیا اور عالم ملکوت کا پہلا مشاہدہ وہ قلم ہے جس کے ساتھ دل
ی تختی پر علم نقش کیا جاتا ہے اور اس یقین کا حاصل ہونا ہے جس کے ذریعے وہ پانی پر چلتا ہے۔ کیا تم نے حضرت عیسیٰ علیہ
سلام کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نہیں سنا۔

آپ نے فرمایا۔

لَوْ ازْدَادَ یَقِیْنًا لَمَشٰی عَلَی الْھَوَاءِ۔ (۱) اگر وہ یقین میں بڑھ جاتے تو ہوا پر چلتے۔

آپ نے یہ بات اس وقت فرمائی جب آپ سے عرض کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانی پر چلتے تھے۔

سوال کرنے والے مالک نے کہا میں اپنے معاملے میں حیران ہوں اور میرے دل میں اس بات سے خوف پیدا ہوا جو تم نے
ے کا خطرہ بیان کیا ہے اور مجھے معلوم نہیں جو کچھ تم نے خوفناک راستے کا ذکر کیا ہے میں اس کو طے کرنے کی طاقت رکھتا
ا یا نہیں تو کیا اس کی کوئی علامت ہے؟

علم نے کہا ہاں اپنی آنکھیں کھولو دونوں آنکھوں کی روشنی کو جمع کر کے میری طرف دیکھو اگر تمہارے سامنے وہ قلم آ جائے
ں کے ساتھ مجھے دل کی تختی پر لکھا جاتا ہے تو تم اس راستے کے اہل ہونے کے لائق ہے کیوں کہ جو آدمی عالم جبروت سے
ے بڑھ جائے اور ملکوت کے دروازوں کو کھٹکھٹائے اس پر قلم منکشف ہو جاتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی اکرم صلی اللہ
ہ وسلم پر پہلی مرتبہ ہی قلم واضح کر دیا گیا جب آپ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ۔ (۲)

پڑھیے اور آپ کا رب زیادہ عزت والا ہے وہ جس نے قلم کے ذریعے سکھایا انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

مالک نے کہا تم نے تو میری آنکھ کھول دی اللہ تعالیٰ کی قسم میں بانس اور لکڑی کو نہیں دیکھتا اور نہ قلم کو جانتا ہوں مگر اس
ا (جس طرح تم نے بیان کیا)

علم نے کہا تم اپنے مقصود سے دور ہو گئے کیا تم نے نہیں سنا کہ گھر کا سامان صاحب خانہ جیسا ہوتا ہے کیوں کہ تم نہیں

---

۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۲ ص ۲۷۰ حدیث ۵۱۲۲

۲) قرآن مجید، سورۃ العلق آیت ۳، ۴، ۵

marfat.com

جانتے کہ کوئی بھی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات کے مشابہ نہیں ہے اسی طرح اس کا ہاتھ (دست قدرت) دوسرے ہاتھوں، اس کا قلم دوسرے قلموں، اس کا کلام دوسرے کلاموں، اس کا خط دوسری تحریروں کی طرح نہیں ہے یہ امور الٰہیہ ہیں جن کا تعلق عالم ملکوت سے ہے اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں جسم نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی مکان میں ہے جب کہ دوسروں (مخلوقات) کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ اس کا ہاتھ گوشت، ہڈی اور خون کا نہیں ہے جب کہ دوسرے ہاتھ ان چیزوں سے بنے ہوئے ہیں اس کا قلم بانس (کانے) کا نہیں نہ اس کی تختی لکڑی کی ہے اس کا کلام اصوات اور حروف سے مرکب نہیں اس کی تحریر نقوش نہیں نہ اس کی روشنائی پھٹکری اور مازو ہے (مازو ایک رنگ ہے جو روشنائی میں ڈالا جاتا ہے) اگر تم ان تمام چیزوں کو اس طرح نہیں دیکھتے تو میں تمہیں ہجڑا سمجھتا ہوں جو پاکیزگی کی مردانگی اور تشبیہ کی تانیث کے درمیان ہے دونوں کے درمیان ڈانواں ڈول ہے نہ ادھر کا نہ ادھر کا۔ پس تو کس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو جسموں اور ان کی صفات سے پاک قرار دے اور اس کے کلام کو حروف اور آوازوں سے پاک کہو گے۔ تم نے اس کے ہاتھ، قلم، تختی اور خط میں غور و فکر کرنا شروع کر دیا اگر تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی۔

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ۔ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی (یا ان کی) صورت پر پیدا فرمایا۔

(اس حدیث) سے ظاہر صورت سمجھے ہو جس کا ادراک آنکھ سے ہوتا ہے تو تم مطلقاً تشبیہ والوں میں ہو گئے جیسے کہا جاتا "محض یہودی بن جاؤ نہ تورات کے ساتھ نہ کھیل" اور اگر اس سے باطنی صورت سمجھے ہو بصیرتوں کے ساتھ جس کا ادراک ہوتا ہے آنکھوں کے ساتھ نہیں تو محض اس کی پاکیزگی بیان کرنے والے بن جاؤ اور راستے کو لپیٹ دو کیوں کہ تم مقدس وادی تک پہنچ چکے ہو اور اپنے دل کی گہرائی کے ساتھ اس بات کو سنو جو وحی کی جاتی ہے شاید تمہیں آگ کی طرف راہنمائی مل جائے اور شاید تمہیں عرش کے پردوں کے پیچھے سے آواز دی جائے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی گئی۔

اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ ۔ (۲)

بے شک میں تمہارا رب ہوں۔

جب سالک نے علم سے یہ بات سنی تو اسے اپنے نفس کی کوتاہی کا شعور حاصل ہوا اور یہ کہ وہ تشبیہ اور تنزیہ کے درمیان ہجڑے کی صورت میں ہے تو اسے اپنے نفس پر اس قدر غصہ آیا کہ اس کی گرمی سے اس کے دل میں آگ شعلہ زن ہوئی جب اس نے اپنے نفس کو نقصان کی آنکھ سے دیکھا اور اس کے دل کے چراغ میں جو تیل تھا قریب تھا کہ وہ آگ کے پہنچے بغیر روشن ہو جائے اور جب اس کی گرمی کی وجہ سے اس میں علم پھونکا گیا تو اس تیل نے شعلہ پکڑا اور اس کی روشنی بڑھ گئی اب علم نے اس سے کہا کہ اس فرصت کو غنیمت جانو اور اپنی آنکھ کھولو شاید تم آگ پر راہنمائی حاصل کرو چنانچہ اس نے

---

(۱) قرآن مجید سورۂ طٰہٰ آیت ۱۲

marfat.com

آنکھ کھولی تو اس کے لیے قلم الٰہی منکشف ہوگئی اس نے دیکھا کہ تسخیر کے سلسلے میں وہ اسی طرح ہے جیسے علم نے بیان کیا تھا نہ وہ مکڑی سے بنی ہے اور نہ کانے (نڑ) سے نہ اس کا سر ہے اور نہ دُم، وہ ہمیشہ انسانوں کے دلوں پر مختلف علوم لکھتی ہے اور ہر دل میں اس کا ایک سر ہے حالانکہ اس کا اپنا کوئی سر نہیں ہے تو اس سے میرا تعجب مکمل ہوا اور اس نے کہا بہترین ساتھی علم ہے اللہ تعالیٰ اسے میری طرف سے اچھی جزاء عطا فرمائے کیوں کہ اب میرے لیے واضح ہوا کہ اس نے قلم کے بارے میں جو کچھ بیان کیا تھا وہ سچ ہے اب میں اس قلم کو دوسری قلموں کی طرح نہیں دیکھتا۔

اس وقت اس سالک نے علم کو رخصت کیا اور اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا میں نے تمہارا بہت وقت لیا اور بہت بحث کی اب میں ارادہ کرتا ہوں کہ قلم کے پاس حاضری کے لیے سفر کروں اور اس کا معاملہ پوچھوں چنانچہ اس نے اس کی طرف سفر کیا اور اس سے پوچھا اے قلم! تجھے کیا ہوا کہ تو ہمیشہ دلوں پر وہ علوم لکھتی رہتی ہے جن کے ذریعے ارادے تقدیر کی طرف اٹھتے ہیں اور پھر مقدورات کی طرف جاتے ہیں۔ اس نے کہا کیا تو وہ سب کچھ بھول گیا جو تو نے ملک و شہادت میں دیکھا اور قلم سے تم نے سوال کیا تو اس نے جواب دیتے ہوئے تمہیں ہاتھ کی طرف پھیر دیا، اس نے کہا میں نہیں بھولا، اس نے کہا میرا بھی وہی جواب ہے اس نے کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے تو اس کی طرح تو نہیں ہے قلم نے کہا کیا تو نے سنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا؟ اس نے کہا ہاں سنا ہے اس نے کہا میرے بارے میں اس سے پوچھ جس کو یمین الملک کہا جاتا ہے میں اس کے قبضہ میں ہوں اور وہی مجھے پھیرتا ہے میں تو اس کے حکم کے تابع اور اس کے لیے مسخر ہوں۔ پس تسخیر اور قابو میں ہونے کے اعتبار سے قلم الٰہی اور انسانی قلم میں کوئی فرق نہیں فرق تو صرف ظاہری صورت کا ہے اس نے پوچھا یمین الملک کون ہے؟ قلم نے جواب دیا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا۔

وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ۔ (۱)

اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ (اس کی قدرت) کے ساتھ لپیٹے گئے ہیں۔

اس نے کہا یہ آیت سنی ہے قلم نے کہا قلمیں بھی تو اس کے قبضۂ یمین میں ہیں اور وہی ان کو ادھر اُدھر پھیرتا ہے۔

اب اس سالک نے یمین کی طرف سفر شروع کر دیا حتیٰ کہ اسے دیکھا اور اس کے عجائب بھی دیکھے جو قلم کے عجائب سے زیادہ تھے اور ان میں سے کسی کا وصف بیان نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس کی وضاحت کی جا سکتی ہے بلکہ کئی جلدوں میں اس کا سواں حصہ بھی نہیں آ سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ یمین (دایاں ہاتھ) ہے لیکن دوسرے دائیں ہاتھوں کی طرح نہیں انگلی ہے لیکن دوسری انگلیوں جیسی نہیں۔

اس نے دیکھا کہ قلم اس یمین کے قبضہ میں حرکت کر رہی ہے تو اس کے سامنے قلم کا عذر ظاہر ہوگیا اس نے یمین سے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۶۷

marfat.com

اس کے معاملے اور قلم کو حرکت دینے کے بارے میں سوال کیا تو اس نے جواب دیا اس نے کہا میرا وہی جواب ہے جو تو نے عالم شہادت کے دائیں ہاتھ سے سنا یعنی اس نے کہا تھا قدرت و طاقت سے پوچھو کیوں کہ ہاتھ ذاتی طور کچھ نہیں کر سکتا اسے قدرت حرکت دیتی ہے۔

پھر اس نے عالم قدرت کی طرف سفر کیا اور اس میں ایسے عجائب دیکھے جن کے سامنے پہلے کے عجائب معمولی معلوم ہوتے اور اس سے یمین کو حرکت دینے کے بارے میں پوچھا اس نے جواب دیا کہ میں ایک صفت ہوں تو قادر سے پوچھ کیوں کہ اعتماد موصوف پر ہوتا ہے صفت پر نہیں۔

اس وقت قریب تھا کہ سالک لغزش کھا جاتا اور زبان سوال جرأت کر جاتی لیکن اسے قول ثابت کے ساتھ استقلال نصیب ہوا اور اسے دربار خداوندی کے پردوں کے پیچھے سے آواز دی گئی۔ ارشاد ہوا۔

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ۔ (۱) اس سے اس کے فعل کے بارے میں نہیں پوچھا جاتا البتہ ان سے (مخلوق سے) پوچھا جائے گا۔

یہ سن کر اس پر ہیبت طاری ہو گئی اور وہ بیہوش ہو کر گر پڑا اور اپنی بیہوشی میں تڑپتا رہا جب افاقہ ہوا تو کہا یا اللہ! تو پاک ہے تیری شان کس قدر عظیم ہے میں نے تیری بارگاہ میں توبہ کی، تجھ پر بھروسہ کیا اور اس بات پر ایمان لایا کہ تو ہی بادشاہ جبار ہے واحد و قہار ہے میں تیرے غیر سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی تیرے سوا کسی سے امید رکھتا ہوں تیرے عذاب سے تیرے عفو و درگزر میں پناہ لیتا ہوں تیری ناراضگی سے تیری رضا میں پناہ تلاش کرتا ہوں مجھے اس کے سوا کوئی کام نہیں کہ میں تیری بارگاہ میں گڑگڑاؤں اور تیرے سامنے التجا کروں کہ تو میرا سینہ کھول دے تاکہ میں تجھے پہچان سکوں اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ میں تیری حمد و ثنا کر سکوں۔

تو حجاب کے پیچھے سے آواز دی خبردار ثنا کی طمع نہ کرنا اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا بلکہ ان ہی کی طرف رجوع کرو وہ جس بات کا حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس کام سے روکیں اس سے رک جاؤ انہوں نے جو کلمات کہے وہی کہو انہوں نے اس دربار میں صرف اتنا کہا۔

سُبْحَانَكَ لَا أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔ (۲) یا اللہ! تو پاک ہے میں تیری ثنا بیان نہیں کر سکتا تو اسی طرح ہے جیسے تو نے خود اپنی ثنا بیان فرمائی۔

اس نے عرض کیا الٰہی! اگر زبان تیری ثنا نہیں کر سکتی تو کیا دل کو بھی تیری معرفت کی طمع ہو سکتی ہے یا نہیں تو آواز دی گئی

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ انبیاء آیت ۲۳

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۵۸ مرویات عائشہ

marfat.com

صدیقین کی گردنیں پھلانگنے سے بچو اور صدیق اکبر کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کی اقتدا کرو کیوں کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ستاروں کی مثل ہیں جس کی اقتدا کرو گے، ہدایت پاؤ گے کیا تم نے نہیں سنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ ۔ (۱) اس کو پانے سے عاجز ہونا ہی اسے پانا ہے۔

تو اے سالک! ہماری بارگاہ سے تیرا حصہ اسی قدر ہے کہ تو اس بات کو جان لے کہ تو ہماری بارگاہ سے محروم ہے اور ہمارے جلال و جمال کے ملاحظہ سے عاجز ہے۔

تو اس وقت سالک نے رجوع کیا اور اپنے سوال اور عتاب سے معذرت کی اور یمین، قلم، علم، ارادے، قدرت اور بعد کی چیزوں سے کہا میرا عذر قبول کر دیں اجنبی تھا اور اس شہر میں نیا نیا آیا تھا اور ہر آنے والے کے لیے دہشت ہوتی ہے میرا تمہارے اوپر اعتراض کوتاہی اور جہالت کی وجہ سے تھا اب تمہارا عذر میرے نزدیک صحیح ہو گیا اور میرے سامنے یہ بات واضح ہو گئی کہ ملک و ملکوت کا واحد بادشاہ اور عزت و جبروت والا واحد قہار ہے اور تم سب اس کے قبضۂ قدرت میں مسخر ہو وہی اول و آخر ہے اور وہی ظاہر و باطن ہے۔

پس جب مالک نے یہ بات عالم ظاہر میں بیان کی تو اس پر اعتراض کیا گیا اور کہا گیا کہ وہ (اللہ تعالیٰ) کس طرح اول اور آخر ہو سکتا ہے جب کہ یہ دونوں صفتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور کس طرح وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی؟ کیوں کہ جو اول ہے وہ آخر نہیں اور جو ظاہر ہے وہ باطن نہیں تو اس نے کہا وہ تمام موجودات کے اعتبار سے اول ہے کیوں کہ تمام موجودات ترتیب کے ساتھ ایک ایک کر کے اسی سے صادر ہوئے ہیں اور جو اس کی طرف چلنے والے ہیں ان کی نسبت سے وہی آخر ہے کیوں کہ وہ ہمیشہ ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کی بارگاہ بے کس پناہ پر انتہا ہوتی ہے تو سفر کا اختتام وہیں ہوتا ہے پس وہ مشاہدہ میں سب سے آخر اور وجود میں سب سے پہلے ہے۔

اور جو لوگ حواس خمسہ کے ذریعے اس کا ادراک کرنا چاہتے ہیں اور عالم شہادت میں بیٹھے ہوئے ہیں ان کی نسبت سے وہ باطن ہے اور جو لوگ باطنی بصیرت جو عالم ملکوت میں ہے کی وجہ سے دل میں روشن چراغ ہیں اس کو تلاش کرتے ہیں ان کی نسبت سے وہ ظاہر ہے تو جو لوگ فعلی توحید کے راستے پر چلتے ہیں ان کی توحید اس طرح ہے یعنی ان پر منکشف ہو جاتا ہے کہ فاعل ایک ہے۔

سوال:

اس عقیدۂ توحید کی انتہا یہ ہے کہ یہ عالم ملکوت پر ایمان لانے پر مبنی ہے تو جو شخص اس بات کو نہ سمجھے یا اس کا انکار کرے اس کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:

منکر کا کوئی علاج نہیں ہاں اس سے یہ کہا جائے کہ تمہارا عالم ملکوت سے انکار اسی طرح ہے جس طرح فرقۂ سمینہ

عالم جبروت کا انکار کرتا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے نزدیک علم حواس خمسہ میں منحصر ہے انہوں نے قدرت، ارادے اور علم کا انکار کیا کیوں کہ ان چیزوں کا تعلق حواس خمسہ سے نہیں ہے پس انہوں نے عالم شہادت کی پستی ہی کو اختیار کر لیا۔

اگر وہ (منکر) کہے کہ میں بھی ان ہی لوگوں میں سے ہوں میں تو صرف حواس خمسہ کے ذریعے عالم شہادت تک ہی ہدایت پا سکتا ہوں اور اس کے سوا میں کسی بات کو نہیں جانتا تو کہا جائے گا کہ تمہارا ان چیزوں کا انکار کرنا جن کا ہم نے مشاہدہ کیا اور ان کا حواس خمسہ سے تعلق نہیں ہے اسی طرح ہے جیسے سوفسطائیہ فرقہ حواس خمسہ کا انکار کرتا ہے وہ کہتے ہیں ہم جو کچھ دیکھتے ہیں اس پر یقین نہیں کر سکتے کیوں کہ ہو سکتا ہے ہم نے اسے خواب میں دیکھا ہو۔

اور اگر وہ کہے کہ میں ان سب میں سے ہوں کیوں کہ میں تو محسوسات میں بھی شک کرتا ہوں تو کہا جائے گا کہ اس شخص کا دماغ خراب ہو گیا ہے اور اس کا علاج نہیں ہو سکتا اسے کچھ دن چھوڑ دیا جائے کیوں کہ طبیب ہر مریض کا علاج نہیں کر سکتا — تو یہ منکر کا حکم ہے۔

اور جو شخص انکار نہیں کرتا لیکن اس کو سمجھ نہیں آتی تو سالکین کو چاہیئے کہ اس کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کریں کہ اس کی اس آنکھ کو دیکھیں جس کے ساتھ عالم ملکوت کو دیکھا جاتا ہے اگر وہ اصل کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن اس میں سیاہ پانی اتر آیا ہے جسے دور کر کے آنکھ کو صاف کیا جا سکتا ہے تو اسے صاف کرنے میں مشغول ہوں جس طرح سرمے کے ذریعے ظاہری آنکھ کو صحیح کیا جاتا ہے پھر جب بینائی صحیح ہو جائے تو اس کو راستہ بتایا جائے جیسے حضور علیہ السلام نے خاص خاص صحابہ کرام کے ساتھ یہ طریقہ اختیار فرمایا۔

اور اگر وہ علاج کے قابل ہی نہ ہو تو جو طریقہ ہم نے توحید کے بارے میں لکھا ہے اس کے لیے وہ ممکن نہیں اور اس کے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ ملک و ملکوت کے ذرات کی شہادتِ توحید کو سن سکے ایسے شخص کے ساتھ حروف و آواز کے ذریعے ہی کلام کیا جائے اور توحید کے سلسلے میں بلند گفتگو اس کے کمزور ذہن کے مطابق کی جائے کیوں کہ عالم شہادت میں بھی توحید ہے کیوں کہ ہر آدمی جانتا ہے کہ ایک گھر دو آدمیوں کی وجہ سے اور ایک شہر دو حاکموں کی وجہ سے خراب ہو جاتا ہے لہذا اس شخص کی عقل کے مطابق کہا جائے کہ تمام جہاں کا معبود اور مدبر ایک ہے کیوں کہ دو معبود ہوتے تو زمین و آسمان کا نظام خراب ہو جاتا تو یہ تقریر اس کے اس ذوق کے مطابق ہو گی جو وہ ظاہری عالم میں دیکھتا ہے تو اس طرح اس کی عقل کے مطابق اس کے دل میں توحید کا پودا لگ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو مکلف بنایا کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق کلام کریں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک عربی زبان میں اہل عرب کی باہمی گفتگو کے طریقے پر نازل فرمایا (یعنی جس انداز کی عربی وہ عام روزمرہ زندگی میں بولتے ہیں اسی انداز کی عربی میں قرآن پاک نازل کیا گیا)

سوال :

marfat.com

اس قسم کی اعتقادی توحید اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ وہ توکل کی بنیاد قرار پائے۔

جواب:

جب اعتقاد مضبوط ہو تو وہ احوال کے پیدا کرنے میں کشف کا عمل کرتا ہے لیکن عام طور پر وہ کمزور ہوتا ہے اور اضطراب اور تزلزل اس میں جلدی سرایت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے عقیدہ والا کسی علم کلام والے کا محتاج ہوتا ہے جو اپنے کلام کے ذریعے اس کی حفاظت کرے یا وہ خود علم کلام سیکھے جس کے ذریعے اس عقیدے کی حفاظت کرے جو اس نے اپنے استاذ یا اپنے والدین یا شہر والوں سے حاصل کیا لیکن جو شخص رستے کا مشاہدہ کرتا اور خود اس پر چلتا ہے اس پر کسی بات کا خوف نہیں ہوتا بلکہ پردہ اٹھ جانے سے یقین نہیں بڑھتا لیکن خلقت کی تفصیل زیادہ واضح ہو جاتی ہے جیسے ایک شخص کسی انسان کو صبح کی سفیدی میں دیکھتا ہے تو طلوع شمس کے وقت اس بات کا یقین نہیں بڑھتا کہ وہ انسان ہے البتہ اس کی جسمانی ساخت کی تفصیل زیادہ واضح ہوتی ہے۔

ارباب کشف اور اصحاب عقیدہ کی مثال فرعون کے جادوگروں اور سامری کے ساتھیوں جیسی ہے فرعون کے جادوگر جب اپنے طویل مشاہدے اور تجربے کی وجہ سے جادو کی تاثیر کی انتہا پر مطلع تھے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وہ عمل دیکھا جو جادو کی حدود سے تجاوز کر گیا اور ان کے لیے حقیقت امر منکشف ہو گئی پس انہوں نے فرعون کی اس بات کی پرواہ نہ کی اس نے کہا تھا۔

لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ مِّنْ خِلَافٍ۔ (۱)

میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں ضرور کاٹوں گا۔

تو انہوں نے (اس بات کی پرواہ نہ کی اور) جواب دیا۔

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَکَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا۔ (۲)

جو واضح دلائل ہمارے پاس آ چکے ہیں ہم ان پر تجھے ترجیح نہیں دیں گے اور اس ذات پر بھی جس نے ہمیں پیدا کیا پس تو جو کچھ کرنا چاہتا ہے کر لے یہ دنیوی زندگی تو ختم ہو جائے گی۔

لیکن جب سامری کے ساتھیوں کی نظر سانپ کے ظاہر پر تھی تو جب انہوں نے سامری کے بچھڑے کو دیکھا اور اس کی آواز کو سنا تو ان میں تبدیلی آ گئی انہوں نے سامری یہ بات سنی۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ طٰہٰ آیت ۷۱

(۲) قرآن مجید، سورۃ طٰہٰ آیت ۷۲

marfat.com

هٰذَا اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى۔ (۱) یہ تمہارا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے۔

اور وہ اس بات کو بھول گئے کہ یہ بچھڑا ان کی بات کا جواب نہیں دے سکتا اور نہ ہی ان کے لیے نفع اور نقصان کا مالک ہے پس جو شخص سانپ کے ظاہر کو دیکھ کر ایمان لایا وہ لازماً انکار کر گیا جب اس نے بچھڑے کو دیکھا کیوں کہ دونوں کا تعلق ظاہر سے تھا اور ظاہری عالم میں اختلاف اور تضاد بہت زیادہ ہے۔

لیکن عالم ملکوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لیے تم اس میں اختلاف اور تضاد بالکل نہیں پاتے۔

سوال :

آپ نے توحید کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ ظاہر بات ہے جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ وسائل اور واسطے مسخر ہیں یہ سب باتیں ظاہر میں لیکن انسان کا معاملہ الگ ہے وہ چاہے تو حرکت کرتا ہے اور چاہے تو ٹھہرا رہتا ہے پس وہ کس طرح مسخر ہو گا۔

جواب :

جان لو! کہ اگر اس کے ساتھ یہ بات بھی ہو کہ انسان جب کسی بات کو چاہنا چاہتا ہے تو چاہتا ہے اور جب اس کی مشیت نہیں ہوتی تو نہیں چاہتا تو یہاں قدم پھسلتا ہے اور غلطی لگتی ہے۔ لیکن جان لو کہ جب وہ چاہتا ہے تو جو کچھ چاہتا ہے وہ کرتا ہے وہ کرنا چاہے یا نہ، تو چاہنا اس کے اختیار میں نہیں ہے کیوں کہ اگر مشیت اس کے اختیار میں ہوتی تو وہ دوسری مشیت کا محتاج ہوتا تو لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا۔ پس جب مشیت پائی جائے جو قدرت کو مقدور کی طرف پھیرتی ہے تو قدرت لازماً پھر جاتی ہے اور اس کے مخالف کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ کیوں کہ قدرت کے لیے حرکت لازمی اور ضروری ہے۔

اور جب مشیت پکی ہو جائے تو قدرت ضرور حرکت کرتی ہے اور مشیت دل میں ایک ضرورت پیدا کرتی ہے اور یہ ضرورتیں ایک دوسری پر مرتب ہوتی ہیں۔ اور بندے کے اختیار میں نہیں کہ وہ مشیت کے وجود کو دور کر سکے اور نہ ہی مشیت کے بعد قدرت کو مقدور تک جانے سے روک سکتا ہے اور جب مشیت قدرت کو اٹھاتی ہے تو اب حرکت کے وجود کو بھی نہیں روک سکتا وہ ان تمام باتوں میں مجبور ہے۔

جبر و اختیار :

سوال :

یہ تو محض جبر ہے اور جبر، اختیار کے خلاف ہے اور آپ اختیار کا انکار بھی نہیں کرتے تو مجبور آدمی، مختار کیسے ہو گا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورہ طٰہٰ آیت ۸۸

marfat.com

جواب :

اگر پردہ اٹھ جائے تو معلوم ہو جائے کہ وہ عین اختیار میں مجبور ہے پس وہ اختیار پر مجبور ہے تو جس کو اختیار کی سمجھ نہ ہو وہ اس بات کو کیسے سمجھ سکتا ہے اس لیے ہم اہل کلام کی زبان میں اختیار کی مختصر تشریح کرتے ہیں جو ہمارے جیسے تابع شخص کے لائق ہے کیوں کہ اس کتاب میں ہم نے صرف علم معاملہ کا قصہ کیا ہے لیکن ہم کہتے ہیں۔

انسان میں فعل کا اطلاق تین طریقوں پر ہوتا ہے جب کہا جاتا ہے کہ انسان انگلیوں سے لکھتا ہے اور پھیپھڑے اور ناس کی نالی سے سانس لیتا ہے اور جب پانی پر کھڑا ہوا تو اپنے جسم سے اس کو پھاڑتا ہے تو پانی کو پھاڑنا، سانس لینا اور کتابت ان کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ یہ تین امور اضطرار اور جبر کی حقیقت میں ایک ہی ہیں اس کے بعد کچھ امور میں مختلف ہیں پس ہم ن سلسلے میں تمہارے لیے تین عبارتیں واضح کرتے ہیں جب آدمی پانی کے اوپر کھڑا ہوتا ہے اور پانی کو پھاڑ دیتا ہے تو اس طبعی فعل کہتے ہیں سانس لینے کو ارادی فعل کہا جاتا ہے اور کتابت کو ہم اختیاری فعل کہتے ہیں طبعی فعل میں جبر (مجبور ہونا) ظاہر ہے کیوں کہ جب وہ پانی کے اوپر کھڑا ہوتا ہے چھت سے فضا میں گرتا ہے تو ہوا لا محالہ پھٹ جاتی ہے اور اس کے بعد اس ن کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔

سانس لینا بھی اسی معنیٰ میں ہے کیوں کہ گلے کی حرکت کی سانس لینے کی طرف نسبت اسی طرح ہے جیسے پانی کے پھٹنے کی بت بدن کے بوجھ کی طرف ہوتی ہے تو جب بوجھ موجود ہوگا تو اس کے بعد پھٹنا ضروری ہوگا اور بوجھ اس کے اختیار میں ں اسی طرح ارادہ بھی اس کے اختیار میں نہیں اسی لیے اگر کسی انسان کی آنکھ کی طرف سوئی کے ساتھ اشارہ کیا جائے تو مجبوراً کھیں بند ہو جاتی ہیں اور وہ ان کو کھلا رکھنے کا ارادہ کرے تو اس بات پر قادر نہیں ہوتا حالانکہ مجبوراً پلکوں کو بند کر دیتا ہے اور نا ارادی فعل ہے لیکن جب سوئی کی صورت اس کے مشاہدہ میں ادراک کے ساتھ آتی ہے تو آنکھیں بند کرنے کا ارادہ لازماً یدا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ حرکت بھی پیدا ہوتی ہے اور اگر وہ اس کو اسی حالت میں چھوڑنا چاہے تو ایسا نہیں کر سکتا۔ ال کہ یہ فعل قدرت اور ارادے کے ساتھ ہے اور ضروری ہونے کی وجہ سے فعل طبعی کے ساتھ مل چکا ہے۔

اور فعل کی تیسری صورت یعنی اختیاری فعل میں التباس ہوتا ہے جیسے کتابت اور گفتگو، اور اسی کے بارے میں کہا جاتا ہے چاہے تو کرے اور چاہے تو نہ کرے اور کبھی چاہتا ہے اور کبھی نہیں چاہتا تو اس وجہ سے گمان ہوتا ہے کہ یہ اس کے تیار میں ہے اور یہ قول اختیار کے معنیٰ سے عدم واقفیت کی وجہ سے کیا جاتا ہے لہٰذا ہم اختیار کا مفہوم واضح کرتے ہیں۔

اختیار کا مفہوم :

اس کا بیان یہ ہے کہ ارادہ اس علم کے تابع ہے جو اس بات کا فیصلہ کرتا ہے کہ کوئی چیز تمہارے موافق ہے اور نیا کی دو قسمیں ہیں ایک قسم میں وہ اشیاء شامل ہیں کہ انسان کا ظاہری یا باطنی مشاہدہ کسی حیرانگی اور تردد کے بغیر اس بات فیصلہ کرتا ہے کہ وہ چیز تمہارے موافق ہے اور دوسری قسم ان اشیاء پر مشتمل ہے جن میں عقل ڈانواں ڈول ہوتی ہے تو

marfat.com

جس میں قطعی فیصلہ ہوتا ہے کوئی تردد نہیں ہوتا اس کی مثال جیسے کوئی سوئی تمہاری آنکھ کا یا تلوار تمہارے بدن کا ارادہ کرتی ہے تو تمہارے علم میں تردد نہیں ہوتا کہ اس کو دُور کرنا تمہارے لیے بہتر اور موافق ہے تو علم کے ساتھ ارادہ اور ارادے کے ساتھ قدرت حرکت میں آتی ہے اور پلکوں کی حرکت سوئی کو دُور کرنے اور ہاتھ کی حرکت تلوار کو دُور کرنے کے لیے سامنے آتی ہے لیکن اس میں کسی قسم کی سوچ اور فکر کا تعلق نہیں ہوتا۔ اور یہ کام صرف ارادے کے تحت ہوتا ہے۔

اور بعض کام وہ ہیں جن میں تمیز اور عقل کا دخل ہوتا ہے اور آدمی کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کام اس کے موافق ہے یا نہیں! لہٰذا وہ دیکھنے اور غور و فکر کا محتاج ہوتا ہے تاکہ اس بات میں امتیاز کر سکے کہ اس کام کے کرنے میں بھلائی ہے یا چھوڑنے میں — اور جب دیکھنے اور سوچنے کے ذریعے اس بات کا علم ہو جائے کہ ان میں سے ایک میں بھلائی ہے (کرنے یا چھوڑنے میں) تو جس کے بارے میں قطعی علم حاصل ہوا کسی غور و فکر کے بغیر اس پر عمل پیرا ہو جاتا ہے تو یہاں ارادہ اسی طرح پیدا ہوتا ہے جس طرح وہ تلوار اور تیر کو دُور کرنے کے لیے پیدا ہوا تھا پس جب اس فعل کے لیے ارادہ پیدا ہو جس کے بارے میں عقل کے لیے واضح ہوا ہو کہ یہ فعل بہتر ہے تو اس ارادے کا نام اختیار ہے جو خیر (بھلائی) سے مشتق ہے یعنی اس کام کی طرف اٹھا جس کے بارے میں عقل کہتی ہے کہ یہ بہتر ہے اور یہ بعینہٖ ارادہ ہے اس کے حرکت میں آنے کے لیے اس چیز کا انتظار نہیں کیا جاتا ہے جس کے لیے پہلے ارادے نے انتظار کیا اور وہ اس آدمی کے حق میں فعل کا اچھا ہونا ہے لیکن تلوار کو دُور کرنے کا بہتر ہونا کسی سوچ و بچار کے بغیر معلوم ہوا بلکہ بدیہی طور پر معلوم ہے اور یہ دوسرا ارادہ غور و فکر اور سوچ و بچار کا محتاج ہے۔

تو اختیار ایک خاص ارادے کا نام ہے اور یہ ارادہ عقل کے اشارے سے اٹھتا ہے اور ایسے فعل میں ہوتا ہے جس کے ادراک میں توقف ہوتا ہے اسی لیے کہا گیا کہ عقل کی ضرورت دو اچھی باتوں کے درمیان اور دو بری باتوں کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کے لیے پڑتی ہے۔ اور اس بات کا تصور نہیں ہو سکتا کہ ارادہ محسوس کرنے اور خیال کرنے کے بغیر یا عقل کے قطعی فیصلے کے بغیر وجود میں آئے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی گردن کاٹنا چاہے تو اس بات پر قادر نہیں ہوتا اس لیے نہیں کہ اسے اپنے ہاتھ یا چھری پر قدرت حاصل نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ ارادہ جو قدرت کو دعوت دیتا ہے، مفقود ہے اور ارادہ اس لیے مفقود ہوتا ہے کہ وہ عقل یا حس کے ذریعے حرکت میں آتا ہے جب فعل موافق ہو۔ جب کہ اپنے آپ کو قتل کرنا اس کے موافق نہیں ہے اس لیے اپنے آپ کو قتل کرنے پر اعضاء کی قوت حاصل ہونے کے باوجود وہ ایسا نہیں کر سکتا البتہ یہ کہ اسے اتنی سخت تکلیف ہو جس کی طاقت نہ رکھتا ہو اس صورت میں عقل فیصلہ کرنے میں تردد کرتی ہے اور فوراً فیصلہ نہیں کرتی کیوں کہ یہ دو خرابیوں کے درمیان تردد ہے پس اگر غور و فکر کے بعد اس بات کو ترجیح حاصل ہو جائے کہ قتل کو چھوڑنے میں شر کم ہے تو اس صورت میں اپنے آپ کو قتل نہیں کر سکے گا اور عقل یہ فیصلہ کرے کہ قتل کی صورت میں شر کم ہے اور اس کا فیصلہ پکا ہو اس میں کوئی میلان یا پھرنے والی بات نہ ہو تو اب ارادہ اور قدرت دونوں جوش میں آتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو ہلاک کر دیتا ہے جیسے کوئی شخص کسی کے پیچھے تلوار لے کر دوڑے کہ اسے قتل کر دے تو وہ اپنے آپ کو چھت سے گرا

ہے اگرچہ یہ باعث ہلاکت ہے لیکن وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا اور اپنے آپ کو گرانے سے بچانا اس کے لیے
ں نہیں ہوتا اور اگر اسی کا پیچھا صرف اس لیے کیا جا رہا ہے کہ اسے ہلکی مار ماری جائے پس جب وہ چھت کے کنارے
پہنچتا ہے تو عقل فیصلہ کرتی ہے کہ گرانے کی نسبت مار کھا لینا آسان ہے تو اس کے اعضاء ٹھہر جاتے ہیں اور وہ
اپنے آپ کو نیچے پھینک نہیں سکتا۔ اور اس کام کا ارادہ بھی نہیں کرتا کیوں کہ جو چیز ارادے کو دعوت دیتی ہے وہ عقل اور
ے کے حکم کے تابع ہے اور قدرت اس داعیہ (ارادے کو دعوت دینے والی بات) کے تابع ہے، حرکت قدرت کے
نے مسخر ہے اور یہ سب باتیں انسان میں لازماً پیدا ہوتی ہیں لیکن اس کو علم نہیں ہوتا وہ ان امور کا محل اور جاری ہونے
جگہ ہے یہ مطلب نہیں کہ یہ اس سے صادر ہوتے ہیں۔

تو اس وقت مجبور ہونے کا معنیٰ یہ ہوا کہ یہ سب باتیں اس میں غیر کی طرف سے حاصل ہوتی ہے اس سے نہیں اور
ر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس ارادے کا محل ہے جو اس میں مجبوراً پیدا ہوا جب عقل نے فیصلہ کیا کہ فعل محض
لائی پر مبنی اور موافق ہے اور حکم بھی جبراً ہوا تو وہ اختیار پر مجبور ہے مثلاً آگ کا جلانے والا عمل محض جبر ہے اور اللہ تعالیٰ
فعل اختیارِ محض ہے اور انسان کا عمل دونوں منزلوں کے درمیان ہے کیوں کہ یہ اختیار پر جبر ہے پس اہل حق نے اس
لیے ایک تیسری عبارت تلاش کی کیوں کہ یہ تیسرا فن ہے تو انہوں نے قرآن پاک کی اقتدا میں اسے کسب کہا اور یہ جبر یا
یار نہیں ہے بلکہ سمجھنے والوں کے نزدیک یہ دونوں کا جامع ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے فعل کو اختیار کہتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اختیار سے وہ ارادہ مراد نہ لیا جائے جو حیرانگی اور تردد کے
ہوتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ بات محال ہے اور لغات میں جتنے الفاظ مذکور ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ کے حق میں
ستعمال کرنا محال ہے البتہ مجازی استعمال ہو سکتا ہے اور اس بات کا ذکر اس علم کے لائق بھی نہیں اور طوالت کا باعث
ا ہے۔

سوال:

کیا آپ یہ بات کہتے ہیں کے علم نے ارادہ پیدا کیا اور ارادے سے قدرت ظہور میں آئی اور قدرت نے حرکت کو جنم
یا اور ہر دوسری بات پہلی سے پیدا ہوئی اگر تم اس بات کو مانتے ہو تو گویا تم یوں کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بغیر یہ چیزیں
سد و سرے سے پیدا ہوئیں اور اگر تم اس بات کو نہیں مانتے تو ان میں سے بعض کے بعض پر مرتب ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب:

یہ بات کہنا کہ یہ باتیں ایک دوسرے سے پیدا ہوئی ہیں محض جہالت ہے اسے پیدا ہونا کہیں یا کوئی دوسرا لفظ استعمال
ریں بلکہ ان سب کا حوالہ اس معنیٰ پر ہے جس قدرت ازلیہ کہتے ہیں اور یہ وہی اصل ہے جس سے عام لوگ واقف نہیں
ہاں ان لوگوں کے جو علم میں راسخ ہیں وہ اس کی ماہیت کو جانتے ہیں اور عوام تو محض اس لفظ کو جانتے ہیں اور اس

marfat.com

ہیں انسانی قدرت کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت سمجھتے ہیں اور یہ بات حق سے دُور ہے اور اس کا بیان بھی طویل ہے۔
البتہ بعض مقدورات دوسرے بعض پر پیدا ہونے کے حوالے سے مرتب ہوتے ہیں جس طرح مشروط، شرط پر مرتب
ہے پس قدرت ازلیہ سے ارادہ علم کے بعد ہی صادر ہوتا ہے اور علم حیات کے بعد ہوتا ہے اور حیات کے لیے محل
کا ہونا ضروری ہے اور جس طرح یہ کہنا صحیح نہیں کہ حیات اس جسم سے حاصل ہوتی ہے جو حیات کے لیے شرط ہے اسی طرح
ترتیب کے دوسرے درجات کا معاملہ ہے لیکن بعض شرطیں عام لوگوں کے لئے ظاہر ہوتی ہیں اور بعض صرف خاص لوگوں
کے سامنے واضح ہوتی ہیں جن کو نورِ حق کے ذریعے کشف ہوتا ہے ورنہ آگے بڑھنے والا اور پیچھے رہنے والا دونوں لزوم
اور حق کے ساتھ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے تمام افعال کا یہی معاملہ ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو تقدم و تاخیر فضول اور بیکار ہوتا
اور پاگلوں کے فعل کے مشابہ ہوتی اللہ تعالیٰ جاہلوں کی باتوں سے بہت بلند بڑا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اسی بات
کی طرف اشارہ ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ (۱)

اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت (اور معرفت) کے لیے پیدا کیا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ مَا خَلَقْنٰهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ۔ (۲)

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل نہیں بنایا اور ہم نے ان کو ٹھیک ٹھیک بنایا۔

اور جو کچھ زمین و آسمان کے درمیان ہے وہ واجب ترتیب اور حق لازم کے ساتھ ہیں وہ جس طرح پیدا ہوئی ہیں اس کے سوا کسی بات کا تصور نہیں ہو سکتا وہ اسی ترتیب پر ہیں جو چیز بعد میں ہوتی ہے وہ اپنی شرط کی منتظر ہوتی ہے اور مشروط کا شرط سے پہلے ہونا محال ہے اور محال چیز، مقدور نہیں ہو سکتی پس علم کا نطفہ کے بعد ہونا اسی لیے ہے کہ اس میں حیات نہیں جو علم کے لیے شرط ہے اور علم کے بعد ارادے کا حیات سے پیچھے ہونا بھی شرطِ علم کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے اور یہ سب کچھ واجب کا منہاج اور حق کی ترتیب ہے ان میں سے کوئی بھی بات کھیل یا اتفاقی نہیں ہے بلکہ ہر ایک میں حکمت اور تدبیر کارفرما ہے۔

اس بات کو سمجھنا مشکل ہے لیکن ہم ایسی مثال بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ مقدور، قدرت کے جانے کے باوجود شرط پر موقوف ہوتا ہے یہ ایسی مثال ہے جس سے ضعیف سمجھ والوں کو بھی حق کی ابتدائی باتیں سمجھ آجاتی ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ ذاریات آیت ۵۶

(۲) قرآن مجید، سورۂ دخان آیت ۳۹ - ۳۸

marfat.com

ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک بے وضو شخص ہے وہ پانی میں گردن تک غوطہ لگا لیتا ہے تو اس کے اعضاء سے حدیث دور
گرچہ حدث کو پانی سے ہی دور کیا جاتا ہے اور وہ اس وقت پانی کے اندر ہے اسی طرح قدرت ازلیہ بھی تمام مقدورات
ی ہے اور اس کا ان مقدورات کے ساتھ اسی طرح تعلق ہے جس طرح پانی کا اعضاء کے ساتھ، لیکن اس کے
ور حاصل نہیں ہوتا جس طرح پانی کے ذریعے حدث دور نہیں ہو رہا ہے کیوں کہ شرط نہیں پائی گئی اور وہ چہرے کا
۔ اور جب پانی میں کھڑا شخص اپنا چہرہ پانی پر رکھ دے تو پانی اس کے تمام اعضاء میں عمل کرے گا اور حدث
ے گا اور بعض اوقات جاہل آدمی سمجھتا ہے کہ منہ سے حدث دور ہونے کی وجہ سے ہاتھوں سے بھی دور ہو گیا یعنی
دث کا دور ہونا ہاتھوں سے اس کی دوری کی علت ہے کیوں کہ وہ پانی کو حدث کے دور ہونے کا سبب نہیں
تے ہیں ہاتھ پانی سے ملے لیکن حدث دور نہیں ہوا اور پانی نے کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی تو جو چیز (چہرے کے دھونے
پانی سے حاصل نہیں ہوئی اب کیسے حاصل ہو گی لہذا چہرے کا دھونا ہی ہاتھوں سے حدث کو ختم کرتا ہے اور یہ
ے جو اس شخص کے گمان کے مشابہ ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ حرکت، قدرت سے حاصل ہوتی ہے قدرت ارادے
یادہ علم سے حاصل ہوتا ہے اور یہ سب باتیں غلط ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ چہرے سے حدث دور ہوتے ہی ہاتھوں
در ہوتا ہے لیکن حدث کی دوری اس پانی کی وجہ سے ہے جو ہاتھوں سے ملا چہرے کے دھونے سے نہیں نہ تو پانی
دیلی آئی اور نہ ہاتھوں میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی اور ان دونوں میں کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوئی البتہ شرط پائی گئی تو
ر ظاہر ہوا۔

قدورات کے قدرتِ ازلیہ سے صدور کو اسی طرح سمجھنا چاہیئے حالانکہ قدرت قدیم ہے اور مقدورات حادث
مکاشفات کے بہانوں میں سے ایک اور جہاں کے دروازے کو کھٹکھٹانا ہے پس ہم ان سب باتوں کو چھوڑتے
ہمارا مقصود توحید فعلی کے طریقے سے آگاہ کرنا ہے کیوں کہ حقیقت میں فاعل ایک ہے وہی خوف اور امید کا مرکز
ی پر توکل اور اعتماد ہے اور ہم تو توحید کے سمندروں میں سے ایک قطرہ مقاماتِ توحید میں سے تیسرے مقام کے
ے بیان کر سکتے ہیں اور اس کو پورا کرنے کے لیے اگر عمر نوح بھی مل جائے تو بھی اس کی تکمیل محال ہے جس طرح
تمام پانی کو لینے کے لیے کوئی شخص قطرہ قطرہ لینا شروع کر دے اور یہ سب باتیں "لا الہ الا اللہ" کے تحت داخل
زبان پر کتنا آسان ہے اور اس کے مفہوم کا اعتقاد دل میں کس قدر سہل ہے اور جو علماء علم میں راسخ ہیں ان کے
س کی حقیقت اور مغز کتنی بڑی بات ہے دوسروں کے نزدیک کیا کیفیت ہو گی۔

سوال:

حید اور شریعت کو کیسے جمع کیا جا سکتا ہے توحید کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فاعل نہیں اور شریعت کا مفہوم
کے لیے افعال کو ثابت کرنا ہے اگر بندہ فاعل ہے تو اللہ تعالیٰ کس طرح فاعل ہو سکتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ فاعل ہے

تو بندہ کیسے فاعل ہو سکتا ہے اور دونوں فاعلوں کے درمیان ایک مفعول کی سمجھ بھی نہیں آتی۔

جواب :

ہاں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب فاعل کا ایک ہی معنیٰ ہو اگر اس کے دو معنیٰ اور یہ لفظ مجمل ہونے کی صورت میں دونوں میں پایا جاتا ہو تو کوئی تناقض و اختلاف نہیں جیسے کہا جاتا ہے امیر نے فلاں کو قتل کیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے جلاد نے قتل کیا تو امیر اور معنیٰ کے اعتبار سے قاتل ہے جب کہ جلاد دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے قاتل ہے پس اللہ تعالیٰ کے فاعل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ موجد اور اختراع کرنے والا ہے بندے کے فاعل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک محل ہے جس میں قدرت پیدا کی گئی اور اس سے پہلے اس میں ارادہ اور ارادے سے پہلے علم پیدا کیا گیا تو قدرت، ارادے سے مربوط ہوتی ہے حرکت کا قدرت کے ساتھ ربط ہے جس طرح شرائط ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ اس کا ربط اس طرح ہے جیسے معلول کا علت اور موجد کا ایجاد سے ربط ہوتا ہے اور جس چیز کو قدرت کے ساتھ ربط حاصل ہو تو محل قدرت اس کے لیے فاعل کہلاتا ارتباط کسی انداز کا بھی ہو جس طرح جلاد کو بھی قاتل کہا جاتا ہے اور امیر کو بھی، کیوں کہ قتل ان دونوں کی طاقت سے ہے لیکن دو مختلف طریقوں پر، اسی لیے اسے دونوں کا فعل کہا جاتا ہے مقدورات کا دو طاقتوں کے ساتھ رابطہ بھی اسی پر ہے۔

اسی موافقت اور ارتباط کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں افعال کو کہیں فرشتوں سے منسوب کیا کبھی بندے کی طرف کی اور کسی جگہ اپنی ذات سے منسوب فرمایا موت کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

(۱) قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ۔ آپ فرما دیجئے ملک الموت تمہیں موت دیتا ہے۔

پھر ارشاد فرمایا۔

(۲) اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا۔ اللہ تعالیٰ نفسوں کو موت سے ہمکنار کرتا ہے جب ان کی موت کا وقت ہوتا ہے۔

اور ارشاد فرمایا۔

(۳) اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ۔ کیا تم دیکھتے ہو جو تم کھیتی باڑی کرتے ہو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ سجدہ آیت ۱۱

(۲) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۴۲

(۳) قرآن مجید، سورۂ واقعہ آیت ۶۳

marfat.com

یی کھیتی باڑی کو ہماری طرف منسوب فرمایا پھر ارشاد فرمایا۔

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا۔ (۱)

بے شک ہم نے اچھی طرح پانی بہایا پھر زمین کو اچھی طرح پھاڑ کر اس میں غلہ اور انگور اگائے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ (۲)

پس بھیجا ہم نے اس (حضرت مریم) کے پاس اپنا فرشتے تو اس نے اس کے لیے پورا آدمی بنایا۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا۔ (۳)

پس ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی۔

اور وہ پھونک مارنے والے حضرت جبریل علیہ السلام تھے۔

اور جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ،۔ (۴)

پس جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں

اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ جب اسے حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے سامنے پڑھیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ۔ (۵)

ان سے لڑو اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں ان کو عذاب دے گا

یاں میں قتل کی نسبت صحابہ کرام کی طرف کی اور عذاب دینے کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور عذاب دینا ہی قتل ہے بلکہ یان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ۔ (۶)

پس تم نے ان کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا۔

قرآن مجید، سورۂ عبس آیت ۲۵ تا ۲۸

قرآن مجید، سورۂ مریم آیت ۱۷

قرآن مجید، سورۂ تحریم آیت ۱۲

قرآن مجید، سورۂ قیامۃ آیت ۱۸

قرآن مجید، سورۂ توبہ آیت ۱۴

(۶) قرآن مجید سورۂ انفال آیت ۱۷

marfat.com

اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (۱)

اور آپ نے کنکریاں نہیں پھینکیں جب آپ نے پھ
بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی ہیں۔

تو ظاہر میں یہ نفی اور اثبات کو جمع کرنا ہے لیکن اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جس معنیٰ میں اللہ تعالیٰ کنکریاں پھینکنے والا
معنیٰ میں آپ پھینکنے والے نہیں ہیں کیوں کہ آپ نے اس معنیٰ کے اعتبار سے پھینکی ہیں جس کے اعتبار سے
ہے۔ اور یہ دونوں معنیٰ مختلف ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ
یَعْلَمْ۔ (۲)

وہ (اللہ) جس نے قلم کے ذریعے سکھایا اس نے
کو وہ کچھ سکھایا جو کچھ وہ نہیں جانتا تھا۔

پھر ارشاد فرمایا۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ (۳)

رحمٰن نے قرآن سکھایا۔

اور فرمایا۔

وَعَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔ (۴)

اور اس نے اس (انسان) کو بیان سکھایا۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ۔ (۵)

بے شک ہم پر ہی اس کا بیان ہے۔

اور ارشاد فرمایا۔

اَفَرَاَيْتُمْ مَا تُمْنُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ
نَحْنُ الْخَالِقُوْنَ۔ (۶)

تمہارا کیا خیال ہے جو مادہ منویہ تم ڈالتے ہو کیا تم اس
پیدا کرتے ہو یا ہم اس کے خالق ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ انفال آیت ۱۷
(۲) قرآن مجید، سورۂ علق آیت ۴، ۵
(۳) قرآن مجید، سورۂ رحمٰن آیت ۱
(۴) قرآن مجید، سورۂ رحمٰن آیت ۲
(۵) قرآن مجید، سورۂ قیامہ آیت ۱۹
(۶) قرآن مجید، سورۂ واقعہ آیت ۵۸، ۵۹

marfat.com

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارحام سے متعلق فرشتے کا وصف یوں بیان فرمایا کہ وہ رحم میں داخل ہوتا ہے اور مادہ منویہ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے جسم کی صورت میں بدل دیتا ہے اور عرض کرتا ہے اے میرے رب! مذکر بناؤں یا مونث سیدھے اور ٹھیک ٹھاک اعضاء رکھوں یا ٹیڑھا بناؤں؟ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے اور فرشتہ اس کی شکل بناتا ہے۔ (۱)

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

فرشتہ شکل بنا کر اس میں نیک بختی یا بدبختی کے ساتھ روح پھونکتا ہے (۲)

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جس فرشتے کو روح کہا جاتا ہے وہی فرشتہ روحوں کو جسموں میں ڈالتا ہے وہ اپنے خاص ریقے پر سانس لیتا ہے تو اس کا ہر سانس روح بن کر جسم میں چلا جاتا ہے اسی لیے اسے روح کہتے ہیں۔

انہوں نے اس فرشتے اور اس کے وصف کے بارے میں جو کچھ بیان کیا وہ حق ہے اور عقل والے لوگ اپنی بصیرت سے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن اس کو روح کہنے کے لیے نقلی دلیل کی ضرورت ہے اس کے بغیر صحیح نہیں اور یہ محض اندازہ ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایسے دلائل ذکر کئے جو زمین اور آسمانوں میں پائے جاتے ہیں پھر فرمایا۔

اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ (۳) کیا تمہارے رب کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ (۴) اللہ تعالیٰ اس بات پر گواہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ وہ خود ہی اپنے اوپر دلیل ہے اور اس سلسلے میں کوئی تناقض نہیں بلکہ استدلال کا طریقہ مختلف ہے کتنے ہی طالب ہیں جنہوں نے موجودات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کو پہچانا اور کتنے ہی طالب ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے بغیر تمام موجودات کی معرفت حاصل کی جس طرح بعض حضرات نے فرمایا میں نے اپنے رب کو اپنے رب کے ذریعے پہچانا اور اگر میرا رب نہ ہوتا تو میں اپنے رب کو نہ پہچان سکتا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ (۵) کیا تمہارا رب اس بات کے لیے کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۲ کتاب القدر

(۲) قرآن مجید سورہ حٰمٓ السجدہ آیت ۵۲

(۳) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۸

(۴) قرآن مجید، سورۂ فصلت آیت ۵۳

marfat.com

اللہ تعالیٰ نے اپنا دفعت بیان فرمایا کہ وہ زندہ رکھنے والا اور موت دینے والا ہے پھر موت اور زندگی کو دو فرشتوں
سپرد کیا حدیث شریف میں ہے کہ موت اور زندگی کے دونوں فرشتوں کے درمیان مناظرہ ہوا تو موت کے فرشتے نے
میں زندوں کو مارتا ہوں اور زندگی کے فرشتے نے کہا میں مردے کو زندہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف و
بھیجی کہ تم دونوں اپنا اپنا کام کرو میں نے تمہارے ذمے جو کام لگایا ہے اس کو بجالاؤ میں موت دینے والا اور زندہ کر
والا ہوں میرے سوا نہ کوئی موت دیتا ہے اور نہ زندہ کرتا ہے (۱)

تو نتیجہ یہ ہوا کہ فعل مختلف طریقوں پر استعمال ہوتا ہے

اگر تم سمجھو تو ان معانی میں کوئی تناقض نہیں ہے اسی لیے جب ایک شخص کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور عنایت
فرمائی تو ارشاد فرمایا۔

خُذْهَا لَوْ لَمْ تَاْتِهَا لَاَتَتْكَ ۔ اسے لے لو اگر تم اس کے پاس نہ آتے تو یہ خود تمہارے پاس آتی۔ (۱)

تو آنے کی نسبت اس شخص اور کھجور دونوں کی طرف فرمائی اور یہ بات معلوم ہے کہ جس طریقے سے انسان کھجور کے پا
جاتا ہے، اس طریقے پر کھجور اس کے پاس نہیں آتی اور اسی طرح جب ایک شخص نے کہا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کرتا
اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توبہ نہیں کرتا تو آپ نے ارشاد فرمایا اس نے حقدار کے لیے حق کو جان لیا۔ (۲)

پس جو شخص تمام امور کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہے وہ محقق ہے جس نے حق اور حقیقت کو پہچان لیا اور جو ا
کے غیر کی طرف اضافت کرتا ہے اور اپنے کلام میں مجاز استعمال کرتا ہے اور مجاز کے لیے بھی ایک وجہ ہے جس طرح حقیقت
کے لیے کوئی وجہ ہوتی ہے اور فاعل کا لفظ واضع نے موجد کے لیے وضع کیا ہے لیکن چونکہ اس نے خیال کیا کہ انسان
اپنی طاقت سے اختراع اور ایجاد کرتا ہے تو اس کی حرکت کی وجہ سے اس کو فاعل کہا اور اسے حقیقت خیال کیا اور ا
وہم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف فعل کی نسبت مجازی ہے جیسے قتل کی نسبت امیر کی طرف کرنا مجاز ہے اور جلاد کی طرف نسبت
حقیقی ہے۔

لیکن جب اہل حق کے لیے حق منکشف ہو گیا تو انہیں معلوم ہوا کہ معاملہ اس کے برعکس ہے اور انہوں نے کہا کہ ا
لغت والے! تو نے فاعل کا لفظ اختراع کرنے والے کے لیے وضع کیا ہے اور فاعل تو صرف اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا اس

---

(۱) تذکرۃ الموضوعات ص ۲۱۲ باب الموت وفضل ذکرہ

(۲) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۱۷ کتاب البیوع

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۵۰ مرویات اسود بن سریع

کے لیے اس لفظ کا استعمال حقیقت ہے اور دوسروں کے لیے یہ لفظ مجازی طور پر استعمال ہوتا ہے یعنی واضع لغت نے اسے جس کے لیے وضع کیا وہ اس کے غیر میں استعمال کیا جا رہا ہے اور جب معنیٰ کی حقیقت بعض عرب کی زبان پر قصداً یا اتفاقیہ جاری ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی آپ نے فرمایا سب سے سچا شعر جو کسی شاعر نے کہا وہ لبید کا یہ قول ہے

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ (۱) سنو! اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے

یعنی ہر وہ چیز جو خود بخود قائم نہیں ہو سکتی بلکہ وہ کسی دوسرے کے سہارے قائم ہے وہ ذات کے اعتبار سے باطل ہے اس کی حقیقت اور حقیقت غیر کے ساتھ ہے اپنے طور پر نہیں۔

تو حقیقت میں حق تو صرف وہی ذات ہے جو حی و قیوم ہے جس کی مثل کوئی چیز نہیں وہ ذاتی طور پر قائم ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اس کی قدرت سے قائم ہے پس وہی حق ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ باطل ہے اسی لیے حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا اے مسکین! وہ (اللہ تعالیٰ) موجود تھا اور تم نہیں تھے اور وہ ہو گا لیکن تم نہیں ہو گے آج جو تو ہو گیا تو کہتا ہے میں، میں، تو اسی طرح ہو جا جیسے تو تھا ہی نہیں کیوں کہ آج کا دن بھی اسی طرح ہے۔

سوال:

اب ظاہر ہوا کہ یہ سب کچھ جبر ہے (مجبوری ہے) تو پھر ثواب، عذاب، ناراضگی اور رضا کا کیا مطلب ہوا اور اس اپنے ہی فعل پر ناراض ہونا کیسا ہے۔

جواب:

ہم نے اس بات کے مفہوم کی طرف شکر کے بیان میں اشارہ کیا ہے اس کو دوبارہ ذکر کر کے ہم بات کو طول دینا ں چاہتے توحید جو توکل کی حالت پیدا کرتی ہے، کی طرف اسی قدر اشارہ کرنا ہم نے مناسب سمجھا۔ اور یہ بات اسی وقت ل ہوتی ہے جب رحمت و حکمت پر ایمان ہو کیوں کہ توحید کی وجہ سے مسبب الاسباب کی طرف نظر جاتی ہے اور رحمت ر اس کی وسعت پر ایمان ہی مسبب الاسباب پر اعتماد کو پیدا کرتا ہے اور جیسا کہ آگے آئے گا جب تک وکیل پر یقین ہو اس وقت تک حالتِ توکل کی تکمیل نہیں ہوتی نیز کفیل کی شفقت پر دل مطمئن ہونا چاہیے۔

اور یہ ایمان بھی ایمان کے بابوں میں سے ایک عظیم باب ہے۔ اور اس سلسلے میں اہل کشف کے طریقے کا ذکر طویل ہے ں ہم اس کا ماحصل بیان کرتے ہیں تاکہ مقام توکل کے سلسلے میں طالب اس پر قطعی اعتقاد رکھے جس میں کوئی شک نہ ہو۔ ہ اس کی یقینی تصدیق کرے جو نہ تو کمزور ہو اور نہ ہی اس میں شک ہو۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص - ۹۶ کتاب الرقاق

marfat.com

اگر اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو سب سے زیادہ عقل والے شخص جیسی عقل اور سب سے زیادہ علم والے کی طرح علم عطا کرتا اور ان کو اتنا علم دیتا جس قدر وہ برداشت کر سکتے۔ اور ان کو ایسی حکمت عطا کرتا جس کے وصف کی کوئی انتہا نہیں ہے ان کی تعداد کے مطابق مزید علم، حکمت اور عقل عطا کرتا اس کے بعد ان کے لیے تمام امور کا انجام منکشف کر دیتا اور اسرارِ ملکوت پر ان کو مطلع کرتا ان کو اپنے کرم کی باریکیاں اور سزاؤں کی خفیہ باتیں سمجھا دیتا حتی کہ وہ اس کے ذریعے خیر و شر اور نفع و نقصان پر مطلع ہو جاتے پھر ان کو حکم دیتا کہ تمہیں جو علوم اور حکمتیں عطا کی گئی ہیں ان کے ذریعے ملک ملکوت کی تدبیر کرو تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے ساتھ دنیا اور آخرت میں جو تدبیر فرمائی ہے وہ باہمی تعاون کے باوجود اس میں مچھر کے پر کے برابر بھی اضافہ نہ کر سکتے اور نہ ہی اس قدر کمی کر سکتے۔ نہ اس سے ایک ذرہ اوپر نیچے کر سکتے اور کسی آزمائش میں مبتلا شخص سے بیماری، عیب، نقص، فقر اور ضرر کو بھی دور نہ کر سکتے اور نہ ہی کسی سے صحت، کمال، مالداری اور نفع کو دور کر سکتے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں پیدا فرمایا اگر اس کی طرف نظر دوڑائیں اور غور سے دیکھیں تو بھی انہیں اس میں کوئی فرق اور قصور نظر نہیں آئے گا اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کے درمیان جو رزق، موت، خوشی اور غم، عاجزی اور طاقت، ایمان اور کفر، عبادت اور گناہ کی تقسیم فرمائی ہے وہ محض عدل ہے اس میں کوئی ظلم نہیں ہے اور یہ محض حق ہے جس میں زیادتی نہیں بلکہ یہ واجب حق کی ترتیب پر ہے جیسے چاہیے اور جس قدر چاہیئے اور اس سے زیادہ اچھا اور زیادہ کامل ممکن ہی نہیں اور بالفرض اس سے زیادہ بہتر ترتیب ممکن تھی اور قدرت کے باوجود اس نے اسے روکے رکھا اور اسے عمل میں لا کر بندوں کو عنایت نہیں کی تو یہ بخل ہے جو جود و سخاوت کے خلاف ہے اور ظلم ہے جو عدل کے خلاف ہے اور اگر وہ اس سے بہتر پر قادر نہیں تھا تو یہ عجز ہوگا جو اس کے معبود ہونے کے خلاف ہے بلکہ جو فقر اور ضرر ہے وہ دینوی اعتبار سے نقصان اور آخرت کے اعتبار سے زیادتی ہے۔ اور جو بات کسی شخص کے حوالے سے آخرت میں نقصان ہے وہ دوسرے کی نسبت سے نعمت ہے کیوں کہ رات نہ ہوتی تو دن کی قدر معلوم نہ ہوتی اور اگر بیماری نہ ہوتی تو تندرست لوگ صحت سے کیسے لطف اندوز ہوتے اور اگر جہنم نہ ہوتا تو اہل جنت کو نعمت کی قدر کیسے معلوم ہوتی۔

اور جس طرح انسانوں کے روحوں کے لیے جانوروں کی ارواح کو قربان کرنا اور انسانوں کو ان کے ذبح کرنے پر کنٹرول دینا ظلم نہیں بلکہ کامل کو ناقص پر ترجیح دینا اور مقدم کرنا عین عدل اسی طرح جنتی لوگوں کو زیادہ نعمت دینے کی خاطر جہنمیوں کو زیادہ سزا دینا اور اہل ایمان پر کفار کو قربان کر دینا بھی عین عدل ہے اور جب تک ناقص کو پیدا نہ کیا جائے کامل کی پہچان نہیں ہوتی اور اگر جانور پیدا نہ کیے جاتے تو انسان کا شرف ظاہر نہ ہوتا۔ کیوں کہ کمال اور نقص اضافت سے ظاہر ہوتا ہے پس جود و حکمت کا تقاضا تھا کہ کامل اور ناقص دونوں کو پیدا کیا جائے۔

اور جس طرح روح کی بقا کے لیے گل سڑ جانے والے ہاتھ کو کاٹنا عدل ہے کیونکہ یہ ناقص کو کامل پر قربان کرنا ہے

marfat.com

اسی طرح دنیا اور آخرت کے سلسلے میں انسانوں کی تقسیم میں فرق کا معاملہ بھی ہے یہ سب کچھ انصاف ہے ظلم و زیادتی نہیں اور ق ہے کھیل کود نہیں۔

اور یہ بیان بھی ایک بہت گہرا سمندر ہے جس کے کنارے بہت وسیع ہیں اس کی موجیں اضطراب میں ہیں اور وسعت ں یہ توحید کے سمندر کے قریب ہے اس میں کئی کم عقل ڈوب گئے اور ان کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ ایک گہرا معاملہ ہے اور سے صرف علماء ہی جان سکتے ہیں۔ اور اس بحر کے کنارے کے بعد تقدیر کا راز ہے جس میں اکثر لوگ حیران ہیں اور اہل کشف اس راز کے افشار سے منع کیا گیا ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ خیر اور شر کا فیصلہ کیا گیا ہے اور جس چیز کا فیصلہ ہو گیا وہ مشیت کے بعد واجب ہو جاتی ہے پس ں کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی اس کی قضاء اور امر کو ٹال سکتا ہے بلکہ ہر چھوٹی اور بڑی چیز لکھی ہوئی ہے اور معلوم مقدار کے ساتھ اس کے حصول کا انتظار ہے اور جس چیز نے تم تک پہنچنا ہے وہ تم سے خطا نہیں کر تی اور جس نے تم تک نہیں پہنچنا وہ پہنچ نہیں سکتی علوم مکاشفہ جو مقام توکل کے اصول ہیں ان کے بارے میں اسی قدر ان پر اکتفا کرتے ہیں اور اب ان شاء اللہ علم معاملہ کی طرف لوٹیں گے اللہ تعالیٰ ہمیں کافی ہے اور وہی کارساز ہے۔

دوسرا حصہ:

توکل اور اس کے اعمال

اس حصے میں درج ذیل امور بیان ہوں گے۔

(۱) حالِ توکل۔
(۲) توکل کی تعریف میں بزرگوں کے اقوال
(۳) مجرد اور عیالدار کے لیے کسب میں توکل
(۴) جمع نہ کر کے توکل کرنا۔
(۵) ضرر رساں امور کو دور کرنے میں توکل
(۶) دوا وغیرہ کے ذریعے ضرر کو دور کرنے میں توکل
(۷) اور اللہ تعالیٰ ہی اپنی رحمت کے ساتھ توفیق دینے والا ہے۔

فصل ۱:

توکل کا حال

ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ توکل علم، حال اور عمل سے بنتا ہے اور علم کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔

جہاں تک حال کا تعلق ہے تو حقیقت میں توکل حال ہی کا نام ہے جب کہ علم اس کی بنیاد ہے اور عمل اس کا نتیجہ ہے
غور و خوض کرنے والوں نے توکل کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے اور ان کی عبارات میں اختلاف ہے اور ہر ایک نے اپنے
ذاتی مقام کے حوالے سے بات کرتے ہوئے توکل کی تعریف بیان کی ہے جس طرح اہل تصوف کی عادت ہے لیکن زیادہ باتیں
نقل کرنے کا کیا فائدہ۔ ہم اصل حقیقت واضح کرتے اور اس سے پردہ اٹھاتے ہیں تو بات یہ ہے کہ توکل وکالت سے مشتق
ہے کہا جاتا ہے فلاں نے اپنا معاملہ فلاں کے سپرد کر دیا اس کے لیے "وَکَّلَ" کا لفظ ہوتا ہے گویا اس نے اس معاملے
میں اس پر اعتماد کر لیا اور معاملہ جس کے سپرد کیا جائے وہ "وکیل" ہوتا ہے اور جو کام اس کے سپرد ہوتا ہے اس "متوکل علیہ"
یا "متوکل علیہ" کہا جاتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وکیل پر نفس مطمئن ہو اور اس پر یقین کرے نہ تو اس پر کوتاہی کی تہمت لگائے
اور نہ ہی اس کے بارے میں عجز و قصور کا اعتقاد رکھے۔

تو گویا توکل صرف وکیل پر قلبی اعتماد کا نام ہے اب ہم مقدمات کے وکیل کو فرض کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں جب کسی
نے کسی شخص پر فریب سے جھوٹا دعویٰ کیا اور اس نے مقدمے کے لیے وکیل مقرر کیا جو اس فریب کا پردہ چاک کرے تو اس
وقت یہ اس پر بھروسہ کرنے والا اور یقین کرنے والا نہیں ہو سکتا اور نہ اس کو وکیل بنانے سے مطمئن ہو سکتا ہے جب تک
اس کے بارے میں چار امور کا خیال نہ کرے نہایت درجے کی ہدایت، انتہائی درجہ کی قوت بہت زیادہ فصیح اور نہایت
ہی شفیق ہونا۔

ہدایت کی شرط اس لیے ہے کہ وہ (وکیل) فریب کی جگہ کو پہچان سکے "تاکہ اس پر باریک قسم کے حیلے بہانے بھی مخفی نہ رہیں
اور قدرت و قوت کی ضرورت اس لیے ہے کہ وہ حق بات کو کسی منافقت کے بغیر واضح طور پر بیان کرنے کی جرأت کر سکے نہ
ڈرے نہ شرمائے اور نہ بزدل بن جائے کیوں کہ بعض اوقات وہ دشمن کے فریب کی وجہ جان لیتا ہے لیکن خوف اور بزدلی
اس کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے یا حیا آڑے آتا ہے یا کوئی دوسری رکاوٹ جو دل کو کمزور کر دیتی ہے وضاحت نہیں
کرنے دیتی۔

فصاحت بھی ایک قسم کی طاقت ہی ہے لیکن اس قدرت کا تعلق زبان سے ہے کہ جس بات کی دل جرأت کرتا ہے اسے
زبان بڑی آسانی سے بیان کر سکے فریب کے مقامات سے آگاہ ہر شخص اپنی زبان کے پھسلنے کی وجہ سے فریب کا عقدہ نہیں
کھول سکتا۔

وکیل میں حد درجہ شفقت کا ہونا اس لیے ضروری ہے کہ اس طرح وہ ہر قسم کی ممکنہ کوشش کر سکتا ہے کیوں کہ جب تک وہ
مہربان نہ ہو تو اس کی طاقت کوئی فائدہ نہیں دے سکتی جب وہ اس موکل کے معاملے کو اہم نہ سمجھتا ہو تو کیا فائدہ؟ وہ اس
بات کی پرواہ نہ کرتا ہو کہ دشمن اس پر غالب آتا ہے یا نہیں اس کا حق مارا جاتا ہے یا نہیں؟

اگر وکیل میں ان چار صفات کے بارے میں شک ہو یا ایک میں شک ہو یا یہ خیال ہو کہ مخالف ان چار صفات میں زیادہ کامل ہے

تو اس صورت میں وکیل پر نفس مطمئن نہیں ہوتا بلکہ دل میں کھٹکا رہتا ہے اور وہ ایسے حیلے اور تدبیر کی تلاش میں رہتا ہے جس کے ذریعے اس بات کا دفاع کرے جس کے بارے میں وکیل کی کوتاہی کی وجہ سے اسے ڈر ہوتا ہے اور دشمن کے غلبے کا بھی خوف رہتا ہے اور جس قدر وکیل میں ان صفات کے بارے میں عقیدے میں تفاوت ہوگا اسی اعتبار سے یقین و اطمینان کی شدت میں بھی اس کے احوال کا درجہ مختلف ہوگا اور عقیدے اور خیالات کی قوت میں اختلاف اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ شمار میں نہیں آسکتا۔ اسی لیے اطمینان اور اعتماد کے سلسلے میں توکل کرنے والوں کے احوال کا تفاوت بہت زیادہ ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ یقین تک پہنچ جائے جس میں کوئی کمزوری نہیں ہوتی جیسے وکیل، موکل کا والد ہو اور وہ اس کے لیے حلال و حرام جمع کرنے کی کوشش کرتا ہو تو اس (بیٹے) کو اس وکیل (باپ) کی انتہائی شفقت و عنایت کا یقین ہوگا اور چار خصلتوں میں سے ایک خصلت تو قطعی ہوگی اسی طرح دیگر خصلتوں کے بارے میں بھی یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ ان میں قطعیت حاصل ہو۔ اور اس کی بنیاد طویل تو یہ ہے نیز ایسی خبروں کا تواتر سے آنا ہے کہ یہ سب لوگوں سے زیادہ فصیح اللسان ہے اور بیان پر زیادہ قادر ہے نیز حق کی مدد پر سب سے زیادہ قدرت رکھتا ہے بلکہ حق کو باطل اور باطل کو حق بنانے پر قادر ہے۔

جب تمہیں اس مثال سے توکل کی پہچان ہو گئی تو اللہ تعالیٰ پر توکل کو بھی اس پر قیاس کر لو اگر کشف یا پختہ عقیدے کے ذریعے تمہارے دل میں یہ بات ثابت ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فاعل نہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تمہارا یہ اعتقاد بھی ہو کہ وہ بندوں کی کفایت کے لیے مکمل علم اور قدرت رکھتا ہے پھر اس کا لطف و عنایت اور رحمت تمام بندوں کو اجتماعی اور انفرادی طور پر شامل ہے اور اس کی قدرت سے بڑھ کوئی قدرت نہیں اور نہ ہی اس کے علم سے اوپر کوئی علم ہے اسی طرح اس کی عنایت اور رحمت سے بڑھ کر کوئی رحمت و عنایت بھی نہیں تو لامحالہ تمہارا دل صرف اسی ذات پر توکل کرے گا اور کسی دوسرے کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوگا بلکہ اپنی ذات اور قوت کی طرف بھی توجہ نہیں کرے گا کیوں کہ نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی قوت تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی حاصل ہوتی ہے جیسے توحید کے ذکر میں حرکت اور قدرت کے بیان میں گزر گیا ہے کیوں کہ حول حرکت کو کہتے ہیں اور قوت، قدرت کا نام ہے۔

پس اگر تمہیں اپنے نفس سے یہ حالت حاصل نہ ہو تو اس کا سبب دو باتیں ہوں گی یا تو ان چار خصلتوں کے بارے میں تمہارا یقین کمزور ہے اور اس کی وجہ دل کی کمزوری اور اس پر بزدلی کے غلبہ کی وجہ سے اس کا بیمار ہوتا ہے اور جو وہم اس پر غالب ہیں ان کی وجہ سے وہ بے قرار ہوتا ہے کیوں کہ بعض اوقات دل وہم کے تابع ہوتا ہے اور اس کی اطاعت کرتے ہوئے وہ بے چین ہوتا ہے حالانکہ یقین میں کوئی کمی نہیں ہوتی کیوں کہ جو شخص شہد استعمال کر رہا ہے اگر اس کے سامنے اسے گندگی کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو بعض اوقات اس کی طبیعت نفرت کرتی ہے اور اس کے لیے شہد کا استعمال مشکل ہو جاتا ہے اور اگر کسی عقل مند کو کہا جائے کہ میت کے ساتھ قبر میں یا اس کے بستر پر لیٹ جاؤ یا گھر میں اس کے ساتھ رہو تو اس سے اس کی طبیعت متنفر ہوتی ہے اگرچہ اسے یقین ہوتا ہے کہ یہ مر چکا ہے یا یہ کہ

marfat.com

اس وقت وہ جماد (غیر متحرک) ہے اور اللہ تعالیٰ کا جاری طریقہ یہی ہے کہ وہ اسے اس وقت نہیں اٹھائے گا اور نہ ہی اسے زندہ کرے گا اگرچہ وہ اس پر قادر ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ یہی ہے کہ جو قلم آدمی کے ہاتھ میں اسے وہ سانپ میں نہیں بدلتا اور نہ بلی کو شیر میں بدلتا ہے حالانکہ وہ اس بات پر قادر ہے لیکن اس یقین کے باوجود اس کی طبیعت میت کے ساتھ بستر پر لیٹنے یا اس کے ساتھ گھر میں ہونے سے نفرت کرتی ہے۔

حالانکہ دیگر جمادات سے وہ نفرت نہیں کرتا یہ دل کی بزدلی ہے اور یہ بھی ایک قسم کی کمزوری ہے کوئی بھی انسان اس سے خالی نہیں ہوتا اگرچہ کم ہی ہو اور بعض اوقات تو یہ بزدلی مضبوط ہو کر مرض بن جاتی ہے حتیٰ کہ آدمی گھر میں اکیلا رہنے سے ڈرتا ہے حالانکہ دروازے کو مضبوط تالہ لگا ہوتا ہے۔

لہٰذا توکل اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک دل کی قوت اور یقین کی قوت دونوں حاصل نہ ہوں کیوں کہ ان دونوں کے ذریعے دل کا سکون اور طمانینت حاصل ہوتی ہے پس دل کا سکون الگ چیز ہے اور یقین الگ بات ہے کتنی ہی مرتبہ یقین ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ اطمینان قلبی نہیں ہوتا، جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا

اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ۔ سورۃ البقر آیت ۱۶۰ ( )

کیا تمہارا ایمان نہیں عرض کیا ہاں کیوں نہیں لیکن اس لیے (سوال کیا ہے) کہ اطمینان قلبی حاصل ہو جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا تھا کہ میں اپنی آنکھوں سے مردے کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ یہ بات میرے خیال میں بیٹھ جائے کیوں کہ نفس خیال کے تابع ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ اطمینان حاصل ہوتا ہے اور ابتدائی مرحلے میں یقین کے ساتھ اطمینان حاصل نہیں ہوتا حتیٰ کہ آخر میں نفسِ مطمئنہ کے درجے تک پہنچ جائے اور شروع میں یہ بات بالکل نہیں ہوتی کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو مطمئن ہوتے ہیں لیکن ان کو یقین حاصل نہیں ہوتا جس طرح دیگر مذاہب کے لوگ ہیں یہودی کو اپنی یہودیت پر اطمینان قلبی حاصل ہے اسی طرح نصرانی کا معاملہ ہے لیکن ان لوگوں کو یقین بالکل نہیں ہوتا وہ گمان اور نفس کی خواہش کے تابع ہوتے ہیں ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آئی اور وہ یقین کا سبب ہے لیکن انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا۔

غرضیکہ بزدلی اور جرأت (دونوں) فطری باتیں ہیں اور ان کی موجودگی میں یقین مفید نہیں ہوتا اور یہ بھی ان اسباب میں سے ایک سبب ہے جو توکل کی ضد ہیں جس طرح (مذکورہ بالا) چار خصلتوں پر یقین کی کمزوری ایک سبب ہے۔

اور جب یہ اسباب جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ پر اعتماد حاصل ہو جاتا ہے کہا گیا ہے کہ تورات میں لکھا ہے۔

مَلْعُوْنٌ مَنْ ثِقَتُهٗ اِنْسَانٌ مِثْلُهٗ ۔ جس شخص کا اپنے جیسے انسان پر توکل ہو وہ ملعون ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنِ اسْتَعَزَّ بِالْعَبِيْدِ اَذَلَّهٗ جو شخص بندوں سے عزت طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے

marfat.com

اللہ ؐ (۱) ذلیل کرتا ہے۔

اور جب تمہارے لیے توکل کا معنیٰ واضح ہو گیا اور تمہیں وہ حالت معلوم ہو گئی جسے توکل کا نام دیا گیا ہے تو جان لو کہ قوت و ضعف کے اعتبار سے اس حالت کے تین درجے ہیں۔

توکل کے درجات:

پہلا درجہ وہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی کفالت و عنایت پر اعتماد کے سلسلے میں اس کا حال اسی طرح ہو جس طرح وکیل پر اعتماد کی حالت ہوتی ہے۔

دوسرا درجہ زیادہ مضبوط ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی حالت اس طرح ہو جس طرح بچے کا حال اس کی ماں کے ساتھ ہوتا ہے وہ اس کے سوا نہ تو کسی کو جانتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے سے فریاد کرتا ہے اور اعتماد بھی صرف اسی پر کرتا ہے جب وہ اسے دیکھتا ہے تو ہر حال میں اس کے دامن سے لپٹ جاتا ہے اور اسے نہیں چھوڑتا اور اگر ماں عدم موجودگی میں اسے کوئی بات پیش آتی ہے تو اس کی زبان پر سب سے پہلے یہی الفاظ آتے ہیں "اے ماں!" اور اس کے دل میں سب سے پہلے ماں ہی کا خیال آتا ہے کیوں کہ وہی اس کا ٹھکانہ ہے اس نے اس کی کفالت، کفایت اور محبت پر ایسا اعتماد کیا ہے جو ایک قسم کے ادراک سے خالی نہیں اور اس کی تمیز اور سمجھ کے مطابق ہے اور یوں گمان کیا جا سکتا ہے کہ یہ طبعی بات ہے کیوں کہ اگر بچے سے ان باتوں کی تفصیل معلوم کی جائے تو وہ الفاظ کے ساتھ بیان نہیں کر سکتا اور نہ ہی ذہن میں تفصیلاً حاضر کر سکتا ہے لیکن یہ سب باتیں ادراک کے سوا ہیں پس جس شخص کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو وہ اسی کی طرف دیکھے اور اسی پر اعتماد کرے تو وہ اس کا اسی طرح شوق رکھے گا جس طرح بچہ اپنی ماں کا اشتیاق رکھتا ہے اور وہی شخص حقیقت میں متوکل ہے کیوں کہ بچہ اپنی ماں پر ہی توکل کرتا ہے ان دونوں درجوں پر فائز لوگوں میں فرق یہ ہے کہ پہلا شخص ایسا متوکل ہے کہ اپنے توکل میں خود توکل سے بے خبر ہے کیوں کہ اس کا دل توکل اور اس کی حقیقت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ جس پر توکل ہے اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس متوکل علیہ (جس پر توکل ہے) کے غیر کے لیے اس کے دل میں کوئی گنجائش نہیں ہوتی جب کہ پہلی قسم کا آدمی تکلف اور کسب کے ساتھ توکل کرتا ہے اور وہ اپنے توکل سے فانی نہیں ہوتا کیوں کہ وہ اپنے توکل کی طرف توجہ بھی کرتا ہے اور اسے اس کا شعور بھی ہوتا ہے اور یہ ایسی مشغولیت ہے جو صرف متوکل علیہ کے ملاحظہ سے دور رکھتی ہے جب حضرت شبلی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ توکل کا ادنیٰ مرتبہ کیا ہے؟ تو انہوں نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا! آرزوؤں کا ترک کرنا سائل نے پوچھا درمیانہ درجہ کیا ہے؟

فرمایا اختیار کو چھوڑ دینا اور یہ دوسرے درجہ کی طرف اشارہ ہے اور اعلیٰ درجہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس

---

(۱) کنز العمال جلد ۹ ص ۷۷، حدیث ۲۵۰۴۲

marfat.com

کا ذکر نہ کیا اور فرمایا اس کی پہچان اسی شخص کو ہو سکتی ہے جو اس کے اوسط درجے تک پہنچ جائے۔

تیسرا درجہ سب سے اعلیٰ ہے وہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح ہو جائے جس طرح غسل دینے والے کے سامنے میت ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو مردہ سمجھے کہ قدرت ازلیہ حرکت دے رہی ہے جیسے غسل دینے والے کا ہاتھ میت کو حرکت دے رہا ہے یہی وہ شخص ہے جس کا یقین اس بات پر مضبوط ہے کہ حرکت دینے والا، قدرت، ارادے علم اور دیگر تمام صفات کا مالک وہی اللہ تعالیٰ ہے اور یہ سب باتیں جبراً ہوتی ہیں پس وہ اس انتظار میں رہتا ہے کہ اس پر کیا حکم جاری ہوتا ہے اور بچے سے اس کا معاملہ جدا ہوتا ہے کیوں کہ بچہ اپنی ماں کی طرف فریاد کرتا ہے، چیختا ہے اس کے دامن سے لپٹتا ہے اور اس کے پیچھے دوڑتا ہے (اور یہ ایسا نہیں کرتا) بلکہ یہ اس بچے کی طرح ہے جسے یہ معلوم ہے کہ اگر وہ اپنی ماں کے لیے نہ بھی تڑپے تو بھی ماں اسے تلاش کرے گی اگر وہ اس کے دامن سے نہ بھی لپٹے پھر بھی وہ اسے اٹھائے گی اگر وہ ماں سے دودھ نہ بھی مانگے تو بھی وہ اسے خود اپنے آپ دودھ پلائے گی توکل میں یہ وہ مقام ہے کہ آدمی دعا کرنا اور سوال کرنا چھوڑ دیتا ہے کیوں کہ اسے اللہ تعالیٰ کے کرم اور عنایت پر اعتماد ہوتا ہے اور سوال کی بجائے جو کچھ وہ خود اپنی طرف سے (ابتداءً) دیتا ہے وہ افضل ہے کتنی ہی نعمتیں سوال و دعا سے پہلے اور استحقاق کے بغیر ملتی ہیں ——— دوسرا مقام دعا اور سوال کو چھوڑنے کا تقاضا نہیں کرتا وہ صرف غیر سے سوال کو چھوڑنے کا تقاضا کرتا ہے۔

سوال،

کیا ان احوال کے پائے جانے کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

جواب:

جان لو کہ یہ بات محال نہیں ہے البتہ بہت ہی نادر ہے جب کہ دوسرا اور تیسرا مقام تو بالکل ہی نادر ہے

البتہ پہلے مقام کا امکان ہے پھر جب دوسرا اور تیسرا مقام پایا جائے تو اس کا دوام بہت مشکل ہے بلکہ قریب ہے کہ تیسرا مقام دوام کے اعتبار سے خوف کی زردی کی طرح ہو کیوں کہ دل کا قوت اور دیگر اسباب کو دیکھ کر خوش ہونا ایک طبعی بات ہے جب کہ اس کا رکنا اور پریشانی عارضی ہے اور خوف کا مطلب یہ ہے کہ خون ظاہری چہرے سے باطن کی طرف سمٹ جاتا ہے حتیٰ کہ ظاہری چمڑے کی سرخی جو جلد کے باریک پردے میں سے جھلکتی تھی چلی جاتی ہے کیوں کہ جلد ایک باریک پردہ ہے اس کے پیچھے سے خون کی سرخی نظر آتی ہے اور جب خون سمٹ جاتا ہے تو زردی ظاہر ہوتی ہے لیکن یہ دائمی نہیں ہوتی اسی طرح دل کا قوت و قدرت اور دیگر ظاہری اسباب سے پھر جانا اور سکڑ جانا بھی عارضی ہوتا ہے۔

جہاں تک دوسرے مقام کا تعلق ہے تو وہ بخار والے کی زردی کی طرح ہے کیوں یہ ایک دو دن باقی رہتی ہے اور پہلی زردی اس بیمار کی زردی کی طرح ہے جس کا مرض پکا ہو گیا ہو اس کا ہمیشہ رہنا بھی دشوار نہیں ہوتا اور زائل ہونا بھی۔

سوال: کیا ان احوال میں بندے کے ساتھ تدبیر اور اسباب کا تعلق باقی رہتا ہے۔

marfat.com

جواب :

تیسرا مقام تو تدبیر کی بالکل نفی کرتا ہے جب تک یہ حالت باقی ہو بلکہ ایسا آدمی، حیران و پریشان شخص کی طرح ہوتا ہے دوسرے مقام میں ہر تدبیر کی نفی ہو جاتی ہے البتہ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنا اور سوال کرنا باقی رہتا ہے جیسے بچہ صرف اپنی ماں سے علق رکھتا ہے اور پہلے مقام میں تدبیر اور اختیار کی بالکل نفی نہیں ہوتی البتہ بعض تدبیروں کی نفی ہوتی ہے جیسے کوئی شخص اپنے مقدمات میں وکیل پر توکل کرتا ہے وہ وکیل کے غیر کے حوالے سے تدبیر کو چھوڑ دیتا ہے لیکن جس تدبیر کی طرف وکیل اشارہ کرتا ہے اسے ترک نہیں کرتا یا اسے اپنے آپ تجربے سے معلوم کر لیتا ہے کہ یہ وکیل کی عادت اور طریقے سے ہے وکیل واضح اشارہ نہیں دیتا۔

جس بات کو وہ اس کے اشارے سے معلوم کرتا ہے اس کی مثال اس طرح ہے کہ وہ کہتا ہے کہ جب تم موجود ہو گے اسی وقت میں گفتگو کروں گا تو وہ لازماً حاضری کی تدبیر میں مشغول ہوتا ہے اور یہ بات اس پر توکل کے خلاف نہیں ہے کیوں کہ یہ بات حجت کے اظہار کے سلسلے میں اپنی قوت یا کسی دوسرے کی قوت کی طرف فریاد رسی نہیں ہے بلکہ یہ بات توکل کی تکمیل سے ہے کہ جو کچھ وکیل اس سے کہے وہ کام کرے کیوں کہ اگر وہ اس پر بھروسہ نہ کرتا اور نہ اس کی بات پر اعتماد ہوتا تو اس کے کہنے پر حاضر نہ ہوتا اور دوسری بات جو وکیل کی عادت سے معلوم ہے اس کے کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی وہ اس طرح ہے کہ موکل جانتا ہے کہ اس کا وکیل مخالف سے دستاویز کے بغیر نہیں لڑتا تو اگر وہ اس پر توکل کرتا ہے تو اس توکل کی تکمیل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس (وکیل) کے طریقے پر کاربند ہو اور اس کے تقاضوں کو پورا کرے اور اس کی صورت یہ ہے کہ جب مقدمہ لڑا جائے تو دستاویزات ساتھ لے کر جائے۔

تو دستاویزات پیش کرنے اور خود حاضر ہونے کے سلسلے میں تدبیر کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اگر ان میں سے کسی بات کو چھوڑے گا تو یہ توکل میں نقص ہو گا پس ان دونوں باتوں کی بجا آوری توکل میں نقصان کا باعث کیسے ہو سکتی ہے ہاں جب وکیل کے کہنے پر خود بھی حاضر ہو جائے اور دستاویزات بھی لے آئے اور بیٹھ کر اس کی دلیل بھی دیکھے سنے تو بعض اوقات یہ بات دوسرے اور تیسرے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ پریشان آدمی کی طرح ہو جاتا ہے جو منتظر ہے اور وہ اپنی قوت و طاقت کی طرف رجوع نہیں کرتا کیوں کہ اس کی اپنی طاقت اور حرکت باقی نہیں رہی کیوں کہ اپنی قوت پر اعتماد اس وقت تک تھا جب تک حاضر نہ ہوا تھا اور نہ دستاویز لایا تھا کیوں کہ اس بات کی طرف وکیل کا اشارہ یا اس کا طریقہ تھا اور اب یہ بات اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ اب تو اطمینان قلبی اور وکیل پر اعتماد نیز کیا فیصلہ ہوتا ہے؟ اس بات کا انتظار باقی ہے۔

جب تم اس بات کو سمجھ جاؤ گے تو توکل کے بارے میں تمام خدشات دور ہو جائیں گے اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہر تدبیر اور عمل کو چھوڑنا توکل کے لیے شرط نہیں ہے اور نہ یہ بات کہ توکل کی صورت میں کسی قسم کی تدبیر اور عمل جائز نہیں بلکہ اس میں تقسیم ہے جس کی تفصیل اعمال کے ذکر میں آئے گی۔

marfat.com

لہٰذا موکل (یا متوکل) کا اپنی حاضری اور دستاویز حاضر کرنے میں اپنی قوت و حرکت پر اعتماد توکل کے خلاف نہیں ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر وکیل نہ ہوتا تو اس کا حاضر ہونا یا دستاویز کو لانا باطل اور بلا فائدہ تھکاوٹ کے بغیر کچھ نہ تھا۔ تو اس وقت فائدہ اس لحاظ سے نہیں کہ یہ اس کی اپنی قوت و طاقت ہے بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ وکیل نے مقدمہ لڑنے کے لیے اسے اس بات کا پابند کیا ہے اور اشارے سے اس کو یہ بات سمجھائی ہے لہٰذا اب تو وکیل کے بغیر کوئی طاقت و قوت نہیں ہے لیکن وکیل کے حق میں ان کلمات کا معنیٰ تکمیل کو نہیں پہنچا کیوں کہ وکیل اس کی قوت کا خالق نہیں ہے بلکہ وکیل نے اس کی ان قوتوں کو مفید بنا دیا کیوں کہ اگر وکیل کا فعل نہ ہوتا تو یہ فائدہ نہ دیتیں۔ اور یہ بات سچے وکیل یعنی اللہ تعالیٰ کے حق میں صادق آتی ہے کیوں کہ حرکت و قوت کا خالق تو وہی ہے جیسا کہ اس سے پہلے توحید کے بیان میں گزر چکا ہے اسی نے ان دونوں کو مفید بنایا کیوں کہ ان کو ان فوائد و مقاصد کی شرط بنایا جن کو ان کے بعد پیدا کرتا ہے۔

تو "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" بالکل درست اور ٹھیک ہے اور جو شخص ان سب امور کا مشاہدہ کرتا ہے اس کے لیے بہت بڑا ثواب ہے جیسا کہ احادیث مبارکہ میں "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" پڑھنے والے کے بارے میں آیا ہے (۱)

بعض اوقات اس بات کو عقل کے بعید سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس قدر اجر ان کلمات پر کیسے ملے گا حالاں کہ ان کلمات کو زبان سے بسہولت ادا کیا جاتا ہے اور ان الفاظ کے مفہوم کا قلبی اعتقاد بھی آسان ہے لیکن یہ بات نہیں بلکہ یہ اس مشاہدے کی جزا ہے جس کا ذکر ہم نے توحید کے بیان میں کیا ہے اور اس کلمہ اور اس کے ثواب کی نسبت "لا الہ الا اللہ" اور اس کے ثواب کی طرف اسی طرح ہے جیسے ایک کلمے کے معنیٰ کو دوسرے کلمہ کے معنیٰ کی طرف نسبت ہے کیوں کہ اس کلمہ میں صرف دو باتوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ایک حول اور دوسری قوت، اور لا الہ الا اللہ میں تمام باتوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے تو غور کیجیے کل اشیا اور دو چیزوں کے درمیان کتنا فرق ہے تاکہ تم "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" کے مقابلے میں "لا الہ الا اللہ" کے ثواب کی پہچان حاصل کر سکو۔

جس طرح ہم نے اس پہلے ذکر کیا کہ توحید کے دو چھلکے اور دو مغز ہیں اسی طرح اس کلمے اور دیگر کلمات کا معاملہ بھی ہے اور اکثر لوگ چھلکوں میں پھنس گئے اور مغزوں کی طرف ان کا جھکاؤ نہیں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں اسی طرف اشارہ ہے آپ نے فرمایا۔

مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ صَادِقًا مِنْ قَلْبِهٖ مُخْلِصًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔ (۱)

جو شخص سچے دل سے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ پڑھے اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۵۴۲ کتاب الدعاء

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۱۹۷ حدیث ۵۰۴

marfat.com

اور جہاں آپ نے مطلق ذکر فرمایا صدق اور اخلاص کا ذکر نہیں کیا تو اس مطلق سے یہی مقید مراد ہے جس طرح بعض مقامات مغفرت کی اضافت ایمان اور اعمال صالحہ کی طرف فرمائی اور جس جگہ صرف ایمان کا ذکر کیا تو اس سے مراد بھی وہی ایمان ہے اعمال صالحہ کے ساتھ مقید ہے اس لیے کہ آخری سلطنت محض زبانی بات سے نہیں ملتی اور زبان کی حرکت بات ہے اور کا عقد بھی بات ہی ہے البتہ اسے حدیثِ نفس کہتے ہیں صدق اور اخلاص ان دونوں باتوں کے علاوہ ہیں اور شاہی تخت ن مقربین کے لیے بچھتا ہے اور وہ مخلص لوگ ہیں ہاں ان میں سے جو لوگ اصحابِ یمین ہیں ان لوگوں کے رتبے کے ب ہوں ان کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات ہیں اگرچہ وہ اس سلطنت تک نہیں پہنچ سکتے کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب ر تعالیٰ نے سورۂ واقعہ میں مقربین سابقین کا ذکر کیا تو ان کے لیے تخت کا ذکر بھی فرمایا۔

ارشاد خداوندی ہے :۔

عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ۔ (۱)

جڑے ہوئے تختوں پر ہوں گے ان پر تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے۔

اور جب اصحاب یمین تک معاملہ پہنچا تو پانی، سائے، پھلوں، درختوں اور حور عین کے ذکر سے زائد کوئی بات نہیں ئی اور یہ سب چیزیں جس کی طرف نظر کی جائے، جس چیز کو پیا جائے جس کو کھایا جائے اور جس سے نکاح کیا جائے کے حوالے سے لذتیں ہیں اور یہ باتیں ہمیشہ جانوروں کے لیے متصور ہوتی ہیں اور جانوروں کی لذت کا اُخروی سلطنت، اعلیٰ ین میں اترنے اور بارگاہ خداوندی کی حاضری کی لذت سے کیا مقابلہ ہے اگر ان لذتوں کی کوئی قدر ہوتی تو جانوروں کے لیے کی فراوانی نہ ہوتی اور ان پر فرشتوں کا درجہ بلند نہ ہوتا۔

کیا تم دیکھتے ہو کہ جانور جو باغوں میں کھلے پھرتے ہیں پانی، درختوں اور طرح طرح کے کھانوں سے نفع اندوز ہوتے یا جفتی کرتے کے ذریعے نفع حاصل کرتے ہیں زیادہ بلند، زیادہ لذیذ اور شرف والے ہیں اور اس بات کے لائق ہیں کہ اصحاب ل کے نزدیک فرشتوں کے ان احوال کے مقابلے میں قابلِ رشک ہیں جو فرشتوں کو رب العالمین کی بارگاہ کا قرب ا علیین میں حاصل ہے؛

ہرگز نہیں کسی شخص کو اختیار دیا جائے کہ وہ گدھا بن جائے یا حضرت جبریل علیہ السلام کے درجہ پر فائز ہو تو وہ حضرت یل علیہ السلام کے درجہ پر گدھے کے درجے کو کیسے پسند کرے گا۔

اور یہ بات مخفی نہیں کہ کسی چیز کی مشابہت اس کی طرف کشش کا سبب ہوتی ہے اور جس نفس کا جوتے بنانے رف جھکاؤ ہو فن کتابت کی طرف جھکاؤ سے زیادہ ہو تو وہ اپنے جوہر میں کاتبوں کی نسبت جوتے بنانے والوں کے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ واقعہ آیت ۱۵، ۱۶

marfat.com

زیادہ مشابہ ہے اسی طرح جانوروں کی لذات کے حصول کی طرف نفس کا جھکاؤ ملائکہ کی لذات پانے کی طرف جھکاؤ کے مقا
میں زیادہ ہوتا ہے کیونکہ وہ فرشتوں کے مقابلے میں جانوروں کے زیادہ مشابہ ہے انہی لوگوں کے بارے میں فرمایا
گیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۔ (۱)

وہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے۔

اور وہ زیادہ بھٹکے ہوئے اس لیے ہیں کہ جانوروں میں فرشتوں کا درجہ طلب کرنے کی قوت نہیں ہے لہٰذا ان کا اس مطلب کو چھوڑنا عاجزی کی وجہ سے ہے لیکن انسان کے بس میں یہ بات ہے اور جو شخص کمال حاصل کرنے پر قادر ہو جب وہ طلبِ کمال سے دستبردار ہو کر بیٹھ جائے تو اسے گمراہی کی طرف منسوب کر کے اس کی مذمت کرنا زیادہ مناسب ہے۔

یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا ہم اصل مقصود کی طرف لوٹتے ہیں ہم نے "لا الہ الا اللہ" کا معنیٰ بیان کر دیا ہے اور "لاحول ولا قو
الا باللہ" کا معنیٰ بھی ذکر کر دیا ہے اور جو شخص مشاہدہ کے ساتھ یہ دونوں کلمات نہیں کہتا اس سے توکل کے حال کا تصور
نہیں ہو سکتا۔

سوال :-

"لاحول ولاقوۃ الا باللہ" میں اللہ تعالیٰ کی طرف دو باتوں کی نسبت ہے اگر کوئی شخص یوں کہے،
"السماء والارض خلق اللہ" (آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے) تو کیا اسے بھی لاحول ولاقوۃ الا باللہ" پڑھنے کی طرح
ثواب ملے گا؟

جواب :

نہیں، کیوں کہ ثواب اس چیز کے درجہ کے مطابق ہوتا ہے جس پر ثواب ملتا ہے اور دونوں درجوں کے درمیان
مساوات نہیں آسمان اور زمین کے بڑا ہونے اور حول و قوت کے چھوٹا ہونے کو نہ دیکھا جائے اگرچہ ان کو مجازاً چھوٹا جا
سکتا ہے لیکن احکام اشخاص کے بڑا ہونے سے متعلق نہیں ہوتے بلکہ ہر عام آدمی بھی جانتا ہے کہ زمین و آسمان انسانوں
کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں لیکن حول و قوۃ کا معاملہ معتزلہ اور فلاسفہ اور ان بہت سی جماعتوں پر مشتبہ ہو گیا جو
رائے اور عقل میں باریک بینی کا دعویٰ کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ بال کی کھال نکالنے کے مدعی ہیں تو یہ مہلک خطرہ اور بہت بڑی لغزش
کا مقام ہے اس میں غافل لوگ ہلاک ہو گئے کیوں کہ وہ اپنے لیے ایک امر ثابت کرتے ہیں (یعنی خود فیصلہ دیتے ہیں) اور یہ
توحید میں شرک اور اللہ تعالیٰ کے سوا خالق ثابت کرنا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ اس گھاٹی کو عبور کرے اس کا

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۱۷۹

marfat.com

رتبہ بلند ہوتا ہے اور اسے عظیم درجہ ملتا ہے وہی شخص "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" کہنے میں سچا ہے۔

ہم نے ذکر کیا ہے کہ توحید میں دو گھاٹیاں ہیں ان میں سے ایک آسمان، زمین، سورج، چاند، ستاروں، بادلوں، بارش اور تمام جمادات کی طرف دیکھنا ہے اور دوسرا حیوانات (جن میں انسان بھی شامل ہیں) کے اختیارات کو دیکھنا ہے اور یہ (دوسری بات) دونوں گھاٹیوں میں سے بڑی اور زیادہ خطرناک گھاٹی ہے اور ان دونوں کو طے کر لینا ہی سر توحید کا کمال ہے اسی لیے اس کلمے کا ثواب زیادہ ہے یعنی اس چیز کا مشاہدہ کرنا جس کی ترجمانی یہ کلمہ کرتا ہے۔

تو توکل کا حال اس بات کی طرف لوٹ گیا کہ انسان اپنے حول وقوت سے دستبردار ہو اور واحد حق پر توکل کرے عنقریب جب ہم توکل کے اعمال ذکر کریں گے تو اس بات کی وضاحت ہو جائے گی ان شاء اللہ۔

فصل ۔ :

احوال توکل سے متعلق بزرگوں کے اقوال

ان اقوال سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے کوئی بات خارج نہیں لیکن ہر ایک نے بعض حوال کی طرف اشارہ کیا ہے حضرت ابو موسیٰ دیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو یزید رحمہ اللہ سے پوچھا کہ توکل کیا ہے ؟ انہوں نے فرمایا تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا ہمارے اصحاب فرماتے ہیں اگر درندے اور سانپ تمہارے دائیں بائیں ہوں تو بھی تمہارے باطن میں کوئی حرکت نہ ہو، حضرت ابو یزید رحمہ اللہ نے فرمایا ہاں یہ بات قریب ہے لیکن اگر اہل جنت، جنت میں نعمتوں سے متمتع ہوں اور جہنمیوں کو جہنم میں عذاب دیا جائے اور توکل والا ان کے درمیان تمیز کرے تو توکل سے نکل جائے گا۔

تو جو کچھ حضرت ابو موسیٰ علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا وہ توکل کے بزرگ ترین احوال کی خبر ہے اور یہ مقام ثالث ہے اور جو کچھ حضرت ابو یزید رحمہ اللہ نے بیان فرمایا وہ علم کی سب سے معزز نوع ہے جو توکل کی بنیادوں میں سے ہے اور وہ حکمت کا علم ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کیا وہی ہونا چاہیے اصل عدل اور حکمت کی طرف نسبت کے حوالے سے اہل جنت اور اہل جہنم میں کوئی فرق نہیں اور یہ نہایت ہی گہرا علم ہے اور اس کے بعد تقدیر کا راز ہے اور حضرت ابو یزید عام طور پر اعلیٰ مقام اور بلند ترین درجہ کے حوالے سے ہی بات کرتے تھے۔

اور سانپوں سے بچنا توکل کے پہلے مقام میں شرط نہیں ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے بچاؤ اختیار کیا کہ (ہجرت کے موقعہ پر غار ثور میں) سانپوں کے سوراخوں کو بند کیا۔ (۱)

ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے پاؤں سے یہ کام کیا اور آپ کے دل میں کوئی تبدیلی نہیں آئی یا یہ کہا جائے کہ آپ نے

---

(۱) الوفا جلد اول ص، ۲۳، ابواب ہجرتہ الی المدینۃ

marfat.com

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ڈرتے ہوئے ایسا کیا اپنی ذات کا خوف نہ تھا اور توکل تب زائل ہوتا ہے جب باطن میں تبدیلی اور حرکت ایسے امر کی وجہ سے ہو جو اس کی ذات کی طرف لوٹتا ہے لیکن اس میں تاویل کی گنجائش ہے اور عنقریب یہ بات بیان ہوگی کہ اس قسم کی مثالیں اور ان میں سے اکثر باتیں توکل کے خلاف نہیں ہیں کیوں کہ سانپوں کی وجہ سے باطنی حرکت خوف ہے اور توکل کرنے والے کو حق حاصل ہے کہ وہ اس سے ڈرے جس نے سانپوں کو مسلط کیا کیوں کہ سانپوں کو جو طاقت حاصل ہوئی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ملی ہے پس اگر وہ بچتا ہے تو یہ اس کی اپنی تدبیر، حرکت اور قوت پر اعتماد نہیں بلکہ حرکت، قوت اور تدبیر کے خالق پر اعتماد ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ سے توکل کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ارباب سے علیحدگی اختیار کرنا اور اسباب سے انقطاع توکل ہے تو ارباب سے علیحدگی میں علمِ توحید کی طرف اشارہ ہے اور اسباب سے قطع تعلق اعمال کی طرف اشارہ ہے اور اس میں حال سے متعلق کوئی صریح بات نہیں لکھی گئی اگرچہ ضمناً اشارہ ہے ان سے عرض کیا گیا کہ اضافہ کیجئے فرمایا اپنے نفس کو بندگی میں ڈالنا اور ربوبیت سے نکالنا (بھی توکل ہے) تو یہ صرف حرکت اور قوت سے بیزاری کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت حمدون القصار رحمہ اللہ سے توکل کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اگر تمہارے لیے ایک ہزار درہم ہوں اور ایک دانق (درہم کا چھٹا حصہ) قرض ہو تو تم اس بات سے بے خوف نہیں ہوتے کہ تم اس طرح مر جاؤ گے کہ تمہارا قرض تمہاری گردن میں ہوگا اور اگر تمہارے ذمہ دس ہزار درہم ہوں اور تم ان کی ادائیگی کے لیے کچھ بھی چھوڑ کر فوت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے ناامید نہ ہو اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے ادا فرمائے گا اور یہ تقدیر کی وسعت پر مجرد ایمان کی طرف اشارہ ہے اور مقدورات میں ان ظاہری اسباب کے علاوہ خفیہ اسباب بھی ہیں۔

حضرت ابو عبداللہ قرشی رحمہ اللہ سے توکل کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم رکھنا سائل نے کہا مزید کچھ بتائیے فرمایا ہر اس سبب کو چھوڑ دینا جو کسی دوسرے سبب تک پہنچاتا ہے حتیٰ کہ حق ہی متولی قرار پائے تو پہلی بات تینوں مقاماتِ توکل کو شامل ہے اور دوسری میں خاص تیسرے مقام کی طرف اشارہ ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے توکل کی طرح ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے ان سے کہا کہ کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ آپ نے فرمایا (حاجت تو ہے لیکن) آپ سے نہیں کیوں کہ ان کا سوال ایک سبب تھا جو دوسرے سبب یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف لے جاتا تھا تو آپ نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ حضرت جبریل علیہ السلام کو اس کام کے لیے مسخر کر دے گا کیوں کہ وہی اس کام کا متولی ہے یہ اس حیران شخص کا حال ہے جو اللہ تعالیٰ کی وجہ سے اپنے نفس سے غائب ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہیں دیکھتا اور اس حال کا وجود بہت کم ہوتا ہے اور اگر پایا جائے تو اس کا دوام اور زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

marfat.com

حضرت ابو سعید حراز رحمہ اللہ نے فرمایا سکون کے بغیر اضطراب اور اضطراب کے بغیر سکون توکل ہے شاید انہوں نے دوسرے مقام کی طرف اشارہ کیا ہے پس اضطراب کے بغیر سکون اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دل کو وکیل کے ساتھ سکون حاصل ہے اور اس پر اس کا اعتماد ہے اور سکون کے بغیر اضطراب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اس کے سامنے فریاد کر رہا ہے جیسے بچہ اپنے ہاتھوں سے ماں کی طرف التجا کرتا ہے اور اس کے دل کا سکون ماں کی مکمل شفقت سے متعلق ہوتا ہے۔

حضرت ابو علی دقاق رحمہ اللہ نے فرمایا توکل کے تین درجات ہیں (۱) توکل (۲) تسلیم اور (۳) تفویض۔ متوکل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے وعدے پر سکون حاصل کر لیتا ہے اور مسلِّم (تسلیم والا) اس کے جاننے پر ہی کفایت کرتا ہے اور تفویض والا اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہوتا ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ متوکل کا دیکھنا اس شخص کے اعتبار سے جسے دیکھتا ہے، مختلف درجات رکھتا ہے علم ہی اصل ہے وعدہ اس کے تابع ہے اور حکم وعدے کے تابع ہے اور بعید نہیں کہ متوکل کے دل پر ان میں سے کوئی چیز غالب ہو مشائخ نے توکل کے بارے میں مزید بھی کچھ فرمایا لیکن ہم بات کو طویل کرنا نہیں چاہتے کیوں کہ روایت اور نقل کی نسبت کشف زیادہ وی ہوتا ہے یہ بیان حالِ متوکل سے متعلق تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور لطف سے توفیق دینے والا ہے۔

فصل ۳:

متوکلین کے اعمال

جان لو کہ علم سے حال پیدا ہوتا ہے اور حال کا نتیجہ اعمال ہیں اور بعض اوقات گمان کیا جاتا ہے کہ بدن سے کوئی کام نہ کرنا اور دل کی تدبیر کو ترک کر دینا توکل ہے اور زمین پر یوں پڑا رہے جس طرح کپڑے کا کوئی ٹکڑا یا گوشت کا لوتھڑا عصاب کے پھٹے پر ہو اور یہ جاہل لوگوں کا خیال ہے کیوں کہ شریعت میں ایسا کرنا حرام ہے اور شریعت نے توکل کرنے والوں کی تعریف کی ہے تو دین کے ممنوع امور کے ذریعے کوئی دینی مقام کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے ہم بات واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

توکل کی تاثیر اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب بندہ اپنے مقاصد کا علم رکھتے ہوئے اس کی طرف حرکت اور کوشش کرے اور بندے کی کوشش اس کے اختیار میں ہے اور یہ کوشش یا تو ان منافع کو حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے جو ابھی اس کے پاس نہیں ہیں جیسے محنت اور کسب وغیرہ یا اس نفع بخش چیز کی حفاظت کے لیے ہوتی ہے جو اس کے پاس موجود ہے جیسے ذخیرہ کرنا یا کسی ایسے ضرر رساں امر کے لیے ہوتی ہے جو ابھی تک نہیں آیا جیسے حملہ آور، چور اور درندے سے دفاع کرنا یا ایسے نقصان دہ کام کو زائل کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے جو واقع ہو چکا ہے

جیسے بیماری کا علاج کرنا تو بندے کی حرکات کا مقصود ان چار باتوں سے باہر نہیں ہے یعنی حصول نفع، حفاظتِ نفع نقصان سے اپنے آپ کو بچانا اور ضرر کو دور کرنا۔

پس ہم ان چاروں امور میں توکل کی شرائط اور درجات ذکر کرتے ہیں جو شرعی دلائل کے ساتھ مزین ہیں۔

فن اوّل: یعنی نفع حاصل کرنا تو اس سلسلے میں ہم کہتے ہیں نفع بخش چیز کے اسباب تین درجات پر ہیں یا تو وہ قطعی اور یقینی ہوں گے یا ظن غالب ہوگا جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یا موہوم ہوں گے یعنی ان کا صرف وہم ہوگا جس پر نفس مکمل اعتماد نہیں کرتا اور نہ ہی مطمئن ہوتا ہے۔

پہلا درجہ جو قطعی ہے ان اسباب کی مثل ہے جن کے ساتھ مسببات اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت کے ساتھ اس طرح مربوط ہوتے ہیں کہ وہ ربط ہمیشہ قائم رہتا ہے اور بدلتا نہیں جیسے تمہارے سامنے کھانا رکھا ہوا ہو اور تم بھوکے ہو تمہیں کھانے کی حاجت ہو لیکن تم اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے بلکہ کہتے ہو کہ میں متوکل ہوں اور توکل کی شرط کوشش کو چھوڑنا ہے جب کہ ہاتھ کو بڑھانا کوشش اور حرکت ہے اسی طرح دانتوں کے ساتھ اسے چبانا اور دونوں جبڑوں کو ملا کر اس نگلنا بھی ایک کام ہے (اور یہ توکل کے خلاف ہے) تو یہ محض پاگل پن ہے توکل کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

اگر تم اس بات کے منتظر ہو کہ اللہ تعالیٰ روٹی کے بغیر تمہیں سیر کر دے گا یا روٹی میں حرکت پیدا کرے گا کہ وہ تمہارے پاس پہنچے یا کسی فرشتے کو مامور کرے گا کہ وہ اس روٹی کو تمہارے لیے چبا کر تمہارے معدے تک پہنچا دے تو تم اللہ تعالیٰ کے طریقے سے ناواقف ہو۔

اسی طرح اگر تم زمین میں کھیتی باڑی نہ کرو اور اس بات کا طمع رکھو کہ اللہ تعالیٰ بیج کے بغیر سبزی اگائے گا یا جماع کے بغیر تمہاری بیوی بچہ جنے گی جیسے حضرت مریم علیہ السلام کے ہاں بچے کی پیدائش ہوئی تو یہ سب باتیں پاگل پن ہے اور اس قسم کی باتیں بے شمار ہیں جن کو شمار میں نہیں لایا جا سکتا اس مقام پر توکل عمل کے ساتھ نہیں بلکہ حال اور علم کے ذریعے ہوتا ہے۔

جہاں تک علم کا تعلق ہے تو وہ اس طرح کہ آدمی اس بات کو جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے کھانا، ہاتھ، دانت اور قوت حرکت پیدا فرمائی ہے اور وہی تمہیں کھلاتا اور پلاتا ہے۔

اور حال کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے دل کا سکون اور اس کا اعتماد اللہ تعالیٰ کے فعل پر ہو ہاتھ اور کھانے پر نہ ہو اور تم اپنے ہاتھ کی صحت پر کیسے اعتماد کر سکتے ہو جب کہ بعض اوقات وہ خشک ہو جاتا ہے اور فالج کا شکار ہو جاتا ہے اور تم اپنی طاقت پر کیسے بھروسہ کر سکتے ہو جب کہ بعض اوقات تم پر ایسی حالت طاری ہوتی ہے جو تمہاری عقل کو زائل کر دیتی ہے اور تمہاری حرکت کی قوت بھی باطل ہو جاتی ہے یا تمہیں کھانے کی موجودگی پر کس طرح اعتماد ہو سکتا ہے

marfat.com

جب کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی کو تم پر غالب کر دیتا ہے یا کوئی سانپ آجاتا ہے اور آدمی کھانا چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔
پس جب اس قسم کی باتیں ہو سکتی ہیں اور اس کا علاج صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے تو اسی پر خوش ہونا چاہیے اور اسی پر اعتماد کرنا چاہیے جب آدمی کا حال اور علم اس طریقے پر ہو تو اسے (کھانے کی طرف) ہاتھ بڑھانا چاہیے کیونکہ وہ متوکل ہے۔

دوسرا درجہ :

وہ اسباب جو یقینی نہیں ہیں لیکن غالب گمان یہی ہے کہ مسببات ان کے بغیر حاصل نہیں ہوتے اور اسباب کے بغیر ان کا حصول بہت بعید ہے جیسے وہ شخص جو شہروں اور قافلوں سے دور ہو جائے اور ایسے جنگلوں میں سفر کر رہا ہو جہاں لوگوں کی آمد و رفت بہت کم ہو اور وہ ایسے سفر میں زادِ راہ ساتھ نہ لے تو یہ توکل نہیں ہے بلکہ پہلے لوگوں کا طریقہ یہی تھا کہ وہ اپنے ساتھ زادِ راہ لے جاتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ ہو سامانِ سفر پر نہیں تو اب اس سامان کے ساتھ لے جانے کی وجہ سے توکل زائل نہیں ہوگا۔
لیکن اگر کوئی شخص زادِ راہ ساتھ نہ لے جائے تو یہ بھی جائز ہے اور یہ توکل کا اعلیٰ مقام ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت خواص رحمہ اللہ اسی طرح کرتے تھے۔

سوال :

یہ تو ہلاکت کی کوشش ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

جواب :

یہ صورت حرام ہونے سے دو وجہ سے خارج ہے ایک یہ کہ آدمی ایک ہفتہ یا اس کے قریب مدت اپنے نفس کو ریاضت، مجاہدہ اور کھانے کے بغیر صبر کی عادت ڈال دے اور یوں وہ صبر کرے کہ اس کے دل میں کوئی تنگی اور تشویش نہ ہو اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں کوئی مشکل پیش آئے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ گھاس یا اس سے بھی معمولی چیز مل جائے اسے بطور خوراک استعمال کر سکے ان دو شرطوں کے پائے جانے کے بعد غالب بات یہی ہے کہ ہر ہفتے اسے جنگل میں کوئی نہ کوئی آدمی مل جائے گا یا کسی گاؤں یا بستی میں گزر ہوگا، یا کوئی ساگ وغیرہ مل جائے گا جس سے وقتی ضرورت پوری ہو جائے گی۔ اور وہ نفس سے مجاہدہ کرتے ہوئے اس چیز کے ساتھ زندہ رہے گا اور مجاہدہ، توکل کا ستون ہے اور حضرت خواص رحمہ اللہ اور ان جیسے دوسرے حضرات کا اسی پر اعتماد تھا۔
اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت خواص رحمہ اللہ سوئی، قینچی، رسی اور ڈولچی اپنے ساتھ ضرور رکھتے تھے وہ فرماتے تھے اس سے توکل میں کوئی فرق نہیں پڑتا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے تھے کہ جنگلوں میں پانی زمین کے اوپر نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ یہ نہیں ہے کہ پانی کو کنویں سے ڈول اور رسی کے بغیر اوپر لے آئے اور جنگلوں میں گھاس

تو عام مل جاتا ہے لیکن رسی اور ڈول عام نہیں ملتا اور دن میں کئی مرتبہ وضو کے لیے پانی کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح پینے کے لیے بھی ایک دو مرتبہ پانی کی حاجت ہوتی ہے کیوں کہ مسافر حرکت کی گرمی کی وجہ سے پانی سے صبر نہیں کر سکتا اگرچہ کھانے سے صبر کر لیتا ہے اسی طرح اس کے پاس جو کپڑا ہوتا ہے بعض اوقات وہ پھٹ جاتا ہے اور ستر ننگا ہو جاتا ہے اور عام طور پر جنگلوں میں قینچی اور سوئی نہیں ملتی اور سینے اور کاٹنے کے لیے ان دونوں کے متبادل بھی کوئی چیز نہیں ملتی اور ہر وہ چیز جو ان چاروں کے معنیٰ میں ہو وہ بھی دوسرے درجہ کے ساتھ ملحق ہے کیوں کہ یہ ظنی بات ہے یقینی نہیں یہ اس لیے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ کپڑا نہ پھٹے یا کوئی شخص اسے دوسرا کپڑا دے دے یا کنویں کے پاس کوئی آدمی موجود ہو جو اس کو پانی نکال کر دے دے لیکن اس بات کا احتمال نہیں کہ چبایا ہوا کھانا اس کے منہ میں چلا جائے پس دونوں درجوں کے درمیان فرق ہے لیکن دوسرا درجہ پہلے درجہ کے معنیٰ میں ہے۔

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی گھاٹی میں جائے جہاں پانی اور کوئی سبزہ نہ ہو نہ وہاں کوئی اترنے والا ہو اور یہ توکل کر کے بیٹھ جائے تو گناہ گار اور اپنے آپ کو ہلاک کرنے والا ہوگا۔ جیسا کہ مروی ہے کہ ایک زاہد بستی سے الگ ہو کر ایک پہاڑ کے دامن میں سات دن ٹھہرا رہا اس نے کہا میں کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا یہاں تک کہ میرا رب مجھے رزق عطا فرمائے وہ سات دن تک بیٹھا رہا حتیٰ کہ مرنے کے قریب ہو گیا لیکن اس کے پاس رزق نہ آیا اس نے کہا اے میرے رب! اگر تو مجھ سے محبت کرتا ہے تو تو نے جو رزق میرے مقدر میں لکھا ہے مجھے عطا فرما ورنہ میری روح قبض کر لے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے الہام ہوا کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں تجھے اس وقت تک رزق نہیں دوں گا جب تک تو شہر میں داخل ہو کر لوگوں کے درمیان نہیں بیٹھے گا۔ چنانچہ وہ شہر میں داخل ہو کر لوگوں کے ساتھ بیٹھا تو کوئی کھانا لا رہا ہے اور کوئی مشروب، اس نے کھانا کھایا اور پانی پیا تو اس کے دل میں کچھ خیال پیدا ہوا اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا تو چاہتا ہے کہ اپنے دینوی زہد کی وجہ سے میری حکمت کو لے جائے کیا تجھے معلوم نہیں میں اپنے بندے کو اپنے دست قدرت سے رزق دینے کی بجائے لوگوں کے ہاتھوں سے دینا زیادہ پسند کرتا ہوں۔

تو تمام اسباب کو ترک کر دینا حکمت خداوندی کے خلاف اور سنت الٰہیہ سے جہالت ہے اور جب آدمی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اسباب پر نہیں اور یوں وہ سنت خداوندی کے مطابق عمل کرے تو یہ بات توکل کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے مقدمات کے وکیل کے حوالے سے ذکر کیا ہے لیکن اسباب ظاہری بھی ہوتے ہیں اور پوشیدہ بھی، اور توکل کا معنیٰ یہ ہے کہ اسباب ظاہری سے اعراض کر کے خفیہ اسباب پر اکتفاء کرے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے نفس کو اسباب سے نہیں بلکہ مسبب الاسباب سے سکون حاصل ہو۔

سوال:

کسی کسب کے بغیر شہر میں بیٹھ جانے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا حرام ہے؟ یا مباح یا مستحب؟

جواب:

جان لو! ایسا کرنا حرام نہیں ہے جب جنگلوں کی سیاحت کرنے والا اپنے آپ کو ہلاک کرنے والا نہیں کہلاتا تو یہ شخص کس طرح نفس کو ہلاک کرنے والا شمار ہوگا کہ اس کے فعل کو حرام قرار دیا جائے بلکہ یہ بات عقل سے بعید نہیں ہے کہ اس کے پاس وہاں سے رزق آئے جس جگہ کے بارے میں اسے گمان بھی نہ ہو۔ ہاں بعض اوقات دیر ہو جاتی ہے اور اس کے ملنے تک صبر بھی کیا جا سکتا ہے لیکن جب دروازے کو کنڈی لگا دے اور کوئی شخص اس تک پہنچ نہ سکے تو ایسا کرنا حرام ہے اور اگر وہ گھر کا دروازہ تو کھلا رکھے لیکن بیکار بیٹھا ہو عبادت میں مشغول نہ ہو تو مال کمانا اور اس کے لیے باہر نکلنا زیادہ بہتر ہے لیکن پھر اس کا نہ نکلنا حرام نہ ہوگا ہاں موت کا خطرہ ہو جائے تو (حرام ہوگا) اور اس وقت نکلنا اور کمانا ضروری ہو جائے گا۔

اور اگر اس کا دل اللہ تعالیٰ کی ذات میں مشغول ہو لوگوں کی طرف جھانکنے والا نہ ہو اور اس بات کی تاک میں نہ رہے کہ کون دروازے سے داخل ہوتا ہے اور رزق لے کر آتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا منتظر رہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہی اس کا شغف ہو تو یہ بات افضل ہے اور یہ توکل کے مقامات میں سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہونا اور رزق کا اہتمام نہ کرنا، تو ایسے شخص کے پاس لامحالہ رزق آتا ہے اس وقت بعض علماء کی یہ بات صحیح قرار پائی ہے کہ اگر بندہ اپنے رزق سے بھاگے تو رزق خود اسے تلاش کرتا ہے جس طرح موت سے بھاگتا ہے تو موت اسے ڈھونڈ نکالتی ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ وہ اسے رزق نہ دے تو اس کی دعا قبول نہ ہوگی اور وہ گناہ گار ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے فرماتا ہے یہ کیسے ہو سکتا کہ میں تجھے پیدا کروں اور رزق نہ دوں۔

اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگوں نے ہر چیز میں اختلاف کیا مگر رزق اور موت میں اختلاف نہیں کیا اس بات پر سب متفق ہیں کہ رزق اور موت صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَوْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْ خِمَاصًا (۱) وَتَرُوْحُ بِطَانًا وَلَزَالَتْ بِدُعَائِكُمُ الْجِبَالُ۔ (۲)

اگر تم صحیح معنیٰ میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو تو وہ تمہیں اسی طرح رزق دے جس طرح پرندے کو دیتا ہے وہ صبح کے وقت بھوکا ہوتا ہے لیکن شام کے وقت شکم سیر ہوتا ہے اور تمہاری دعا سے پہاڑ بھی ہل جائیں۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۲ ص ۱۰۵ حدیث ۵۶۹۴

(۲) کنز العمال جلد ۲ ص ۱۴۶ حدیث ۵۸۹۲

marfat.com

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پرندے کی طرف دیکھو نہ وہ کھیتی باڑی کرتا ہے نہ غلہ کاٹتا ہے اور نہ جمع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے ہر دن رزق عطا فرماتا ہے۔ اور اگر تم کہو کہ ہمارے پیٹ بڑے ہیں تو جانوروں کو دیکھ لو اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق کے لیے اس مخلوق کو کس طرح مقرر فرمایا۔

حضرت ابو یعقوب سوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں توکل کرنے والوں کا رزق بندوں کے ہاتھوں سے ان کو ملتا ہے اور ان (توکل کرنے والوں) کو کوئی تھکاوٹ بھی نہیں ہوتی جب کہ دوسرے لوگ مشغول رہتے اور رنج اٹھاتے ہیں۔

کسی بزرگ نے فرمایا رزق سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے لیکن بعض لوگ ذلت و رسوائی سے کھاتے ہیں مثلاً وہ مانگتے ہیں، بعض تھکاوٹ اور انتظار سے کھاتے ہیں جیسے تاجر لوگ، بعض محنت سے کھاتے ہیں جیسے کاریگر اور بعض کسی محنت کے بغیر کھاتے ہیں جیسے صوفیا کرام بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں اور ان سے رزق حاصل کرتے ہیں اور واسطے کا خیال نہیں کرتے۔

تیسرا درجہ:

ایسے اسباب اختیار کرنا جن کے بارے میں وہم ہو کہ یہ مسببات کی طرف لے جاتے ہیں ظاہر پر اعتماد نہیں ہوتا۔ جیسے مال حاصل کرنے کے لیے باریک تدابیر اختیار کرنا یہ بات توکل کے تمام درجات سے نکال دیتی ہے۔ اور عام لوگ اسی میں مبتلا ہیں یعنی وہ لوگ جو جائز مال جائز طریقے سے باریک حیلوں کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔

جہاں تک شبہ کے ساتھ لینے یا ایسے طریقے پر حاصل کرنے کا تعلق ہے جس میں شبہ ہو تو یہ دنیا کی انتہائی حرص اور اسباب پر توکل ہے اور اس بات میں کوئی پوشیدگی نہیں کہ اس سے توکل باطل ہو جاتا ہے اور یہ ان اسباب کی طرح ہے جن کی نسبت نفع بخش چیز کی طرف اس طرح ہے جیسے دم جھاڑ، فال لینے اور داغنے کی نسبت نقصان دہ چیز کی طرف ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تو فرمایا کہ توکل کرنے والے یہ کام نہیں کرتے لیکن یہ نہیں فرمایا کہ وہ شہروں میں نہیں رہتے اور نہ کسی سے کوئی چیز لیتے ہیں بلکہ فرمایا کہ وہ ان اسباب کو اختیار کرتے ہیں اور اس قسم کے اسباب کہ مسببات کے سلسلے میں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے بہت زیادہ ہیں ان کا شمار نہیں کیا جاتا۔

حضرت سہل رحمہ اللہ نے توکل کے سلسلے میں فرمایا کہ یہ تدبیر کو چھوڑنے کا نام ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرما کر ان کو اپنی ذات سے پردے میں نہیں رکھا ان کا حجاب ان کی تدبیر ہی ہوتی ہے۔

شاید ان کی مراد فکر کے ذریعے اسباب بعید نکالنا ہے کیوں کہ ان ہی اسباب میں فکر کی ضرورت ہوتی ہے واضح اسباب میں نہیں۔ گویا اسباب دو قسم کے ہیں ایک وہ اسباب ہیں کہ ان سے تعلق توکل سے نکال دیتا ہے اور دوسری قسم ان اسباب پر مشتمل ہے جو توکل سے خارج نہیں کرتے پھر وہ اسباب جو توکل سے نکالتے ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو یقینی ہیں اور دوسرے ظنی ہیں اور جو یقینی ہیں ان کو اپنانے سے آدمی توکل سے خارج نہیں ہوتا

جب توکل کا حال اور علم پایا جائے یعنی مسبب الاسباب پر بھروسہ ہو اس وقت توکل حال اور علم کے ساتھ ہوتا ہے عمل کے ساتھ نہیں۔

جہاں تک ظنی اسباب کا تعلق ہے تو ان میں توکل حال، علم اور عمل تینوں کے ساتھ ہوتا ہے اور جو لوگ ان اسباب سے تعلق رکھتے ہیں ان کے تین مقامات ہیں۔

متوکلین اور اسباب

پہلا مقام:

یہ حضرت خواص اور ان جیسے بزرگوں (رحمہم اللہ) کا مقام ہے یعنی وہ لوگ جو زادراہ کے بغیر جنگلوں میں پھرتے ہیں اور وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کرتے ہیں کہ وہ ایک ہفتہ یا اس سے بھی زیادہ صبر کی طاقت عطا فرمائے گا یا انہیں کوئی سبزی وغیرہ کھانے کو مل جائے گی یا کوئی چیز نہ ملی تو موت پر راضی ہو جائے گا کیوں کہ جو آدمی زادراہ لے کر جاتا ہے اس کا یہ توشہ گم بھی ہو سکتا ہے یا وہ راستہ بھٹک کر بھوک کی حالت میں مر جاتا ہے تو یہ صورت زادراہ ہونے کی صورت میں بھی ممکن ہے جس طرح نہ ہونے کی صورت میں اس کا امکان ہے۔

دوسرا مقام:

آدمی اپنے گھر یا مسجد میں بیٹھ جائے لیکن کسی گاؤں یا شہر میں ہو، یہ مقام، پہلے مقام سے کمزور ہے لیکن ایسا شخص بھی متوکل ہے کیوں کہ وہ کمائی اور ظاہری اسباب کو چھوڑ دیتا ہے اور پوشیدہ اسباب کے اعتبار سے اپنے معاملے کی تدبیر میں اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کرتا ہے لیکن شہر میں بیٹھنے کی وجہ سے وہ اسباب رزق سے۔ تعلق رکھتا ہے کیوں کہ شہر میں رہنا بھی رزق حاصل کرنے کے اسباب میں سے ہے لیکن جب اس کی نظر اس ذات کی طرف ہو جس نے شہر والوں کو اس تک رزق پہنچانے کے لیے مسخر کیا ہے، شہریوں کی طرف نہ ہو تو اس سے توکل باطل نہیں ہوتا لیکن اس بات کا احتمال رہتا ہے کہ وہ سب اس سے غافل ہو جائیں اور اس کو ضائع کر دیں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو اس کے حال سے آگاہ نہ کرے اور ان کی خبر گیری کو حرکت میں نہ لائے۔

تیسرا مقام:

جس طرح ہم نے آدابِ کسب کے تیسرے اور چوتھے باب میں ذکر کیا ہے اس طریقے پر وہ باہر جا کر کمائے اس کوشش کی وجہ سے بھی وہ توکل سے نہیں نکلے گا جب کہ اس کا اطمینان قلبی اپنی کفایت و قوت اور جاہ و پونجی پر نہ ہو کیوں کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو ایک لحظہ میں ہلاک کر دے بلکہ اس کی نظر اس سچے کفیل پر ہونی چاہیے جو ان تمام چیزوں کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے لیے اسباب کو آسان فرماتا ہے۔ بلکہ اپنے کسب، پونجی اور کفایت کو اللہ تعالیٰ

marfat.com

کی قدرت کے مقابلے میں اس طرح جانے جیسے حکم صادر کرنے والے بادشاہ کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے پس اس کی نظر قلم پر نہیں ہوتی بلکہ بادشاہ کے دل پر ہوتی ہے کہ وہ کس بات کے ساتھ قلم کو حرکت دیتا ہے اور کس بات کی طرف مائل ہوتا ہے اور کیا حکم دیتا ہے۔

پھر اگر یہ روزی کمانے والا اپنے اہل وعیال کے لیے کماتا ہے یا اس لیے کہ مساکین میں تقسیم کرے گا تو بدن کے ساتھ یہ کمانے والا شمار ہوتا ہے لیکن دل سے وہ الگ ہے اس شخص کی حالت اس کی حالت سے بہتر ہے جو گھر میں بیٹھ جاتا ہے۔

جب توکل میں اس کی شرائط کی رعایت کی جائے اور اس میں حال و معرفت کا لحاظ کیا جائے جیسا کہ پہلے گزر گیا تو یہ کسب توکل کے خلاف نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور آپ کی بیعت کی گئی تو آئندہ صبح آپ نے کپڑوں کی گٹھری بغل کے نیچے رکھی اور ہاتھ میں گزلے کر بازار میں داخل ہوئے آپ آوازیں دیتے تھے حتیٰ کہ مسلمانوں نے اس بات کو ناپسند کیا اور فرمایا آپ خلافتِ نبوت کے قیام کے ساتھ ساتھ یہ کام کیسے کریں گے آپ نے فرمایا مجھے اپنے اہل وعیال سے دور نہ کرو اگر میں نے ان کو ضائع کر دیا تو دوسروں کو بدرجہ اولیٰ ضائع کروں گا حتیٰ کہ صحابہ کرام نے بیت المال میں سے آپ کا وظیفہ مقرر کیا جو کسی بھی مسلمان کے اہل خانہ کے خرچ کے مطابق تھا جب وہ اس بات پر راضی ہوئے اور آپ نے دیکھا کہ وہ تعاون کر رہے ہیں تو ان کے دل کی خوشی اور پورا وقت مسلمانوں کی بھلائی کے لیے خرچ کرنا زیادہ مناسب سمجھا اور یہ کہنا محال ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مقام توکل پر فائز نہ تھے ان سے بڑھ کر کون اس مقام کے لائق ہو سکتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ متوکل تھے لیکن کسب و سعی کو چھوڑ کر نہیں بلکہ اس اعتبار سے کہ آپ کی توجہ اپنی کفایت و قوت کی طرف نہ تھی۔ اور آپ اس بات کو جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی کسب معاش آسان کرنے والا اور اسباب کی تدبیر فرمانے والا ہے نیز آپ کسب کے راستے میں شرائط کا بھی خیال رکھتے تھے یعنی حاجت کی مقدار پر اکتفا کرتے زیادہ مال جمع کرنے فخر کرنے اور ذخیرہ کرنے کی طرف مائل نہ تھے اور دوسروں کے روپے پیسے سے اپنے روپے پیسے کو زیادہ اچھا نہیں سمجھتے تھے جو شخص بازار میں جائے اور اسے دوسروں کی دولت کے مقابلے میں اپنی دولت زیادہ پسند ہو تو وہ دنیا کی حرص رکھتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے اور توکل اسی وقت صحیح ہوتا ہے جب دنیا سے بے رغبتی اختیار کی جائے ہاں زہد، توکل کے بغیر بھی صحیح ہوتا ہے کیوں کہ توکل کا مقام زہد کے بعد آتا ہے۔

حضرت ابو جعفر حداد جو حضرت جنید (رحمہما اللہ) کے شیخ تھے اور متوکلین میں سے تھے، فرماتے ہیں میں نے بیس سال تک توکل کو چھپائے رکھا اور میں بازار سے جدا نہیں ہوا میں روزانہ ایک دینار کماتا لیکن رات کے لیے ایک دمڑی بھی نہ رکھتا اور نہ ہی اپنی راحت کے لیے کچھ خرچ کرتا کہ کچھ دمڑیاں دے کر حمام میں داخل ہو جاؤں بلکہ رات آنے سے پہلے پہلے سارا مال دے دیتا حضرت جنید رحمہ اللہ ان کی موجودگی میں توکل کے بارے میں گفتگو نہیں

marfat.com

کرتے تھے بلکہ فرماتے کہ مجھے حیا آتی ہے کہ ان کی موجودگی میں مقامِ توکل کے بارے میں کچھ کہوں۔

جان لو! کہ صوفیا کی خانقاہوں مقرر مال کے ساتھ بیٹھنا توکل سے دور ہے اگر مقرر مال یا وقف نہ ہو اور وہ خادم کو باہر جا کر لانے کے لیے کہیں تو اس صورت میں کمزور سا توکل ہوگا لیکن حال اور علم کے ذریعے یہ مضبوط ہو جاتا ہے جس طرح کمانے والے کا توکل ہے اور اگر وہ سوال نہ کریں بلکہ جو کچھ ان تک پہنچے اس پر قناعت کریں تو ان کے توکل میں یہ زیادہ مضبوط بات ہے لیکن وہ لوگوں میں مشہور ہو جاتے ہیں اور بازاری بن جاتے ہیں گویا وہ بازار میں داخل ہوئے اور جو آدمی بازار میں جاتا ہے وہ متوکل نہیں ہوتا جب تک بہت سی شرائط نہ پائی جائیں جیسا کہ پہلے گزر گیا ہے۔

سوال:

آدمی کا گھر میں بیٹھ جانا افضل ہے یا باہر نکل کر کمانا؟

جواب:

اگر وہ کسبِ معاش کو فکر و ذکر، اخلاص اور عبادت میں مصروفیت کے لیے چھوڑتا ہے اور کسبِ معاش ان امور میں مخل ہوتا ہے اور اس کے باوجود وہ شخص لوگوں کے انتظار میں نہیں رہتا کہ وہ اس کے پاس کچھ لائیں گے بلکہ صبر اور اللہ تعالیٰ پر توکل کے سلسلے میں اس کا دل مضبوط ہوتا ہے تو ایسے شخص کے لیے گھر میں بیٹھنا بہتر ہے اور اگر گھر میں رہتے ہوئے اس کا دل پریشان ہوتا ہے اور لوگوں کے انتظار میں رہتا ہے تو کسبِ معاش افضل ہے کیوں کہ لوگوں کی تاک میں رہنا دل کے ساتھ سوال کرنا ہے اور اس (سوال) کو چھوڑنا کسب کو چھوڑنے کے مقابلے میں اہم ہے اور پہلے متوکلین کا طریقہ تھا کہ جس چیز کی طرف ان کے نفس منتظر رہیں وہ نہیں لیتے تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت ابوبکر مروزی رحمہ اللہ کو حکم دیا کہ فلاں فقیر کو اجرت سے کچھ زیادہ دینا لیکن فقیر نے واپس کر دیا جب وہ واپس آئے تو حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا جاؤ اور اسے دے دو اب وہ قبول کرے گا وہ دوبارہ گئے اور دیا تو اس نے لے لیا حضرت امام احمد سے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے تو انہوں نے فرمایا اس کا نفس اس زائد مال کی تاک میں تھا تو اس نے نہ لیا جب وہ یہاں سے گیا تو طمع ختم ہو گئی اور نا امید ہو گیا تو اب لے لیا۔

حضرت خواص رحمہ اللہ جب کسی شخص کے دینے کی طرف دیکھتے یا نفس کے عادی ہونے کا خوف ہوتا تو کوئی چیز قبول نہ کرتے۔

حضرت خواص رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے سفر میں کیا عجیب بات دیکھی ہے؟ انہوں نے فرمایا میں نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا اور وہ میری صحبت پر راضی ہوئے لیکن میں ان سے جدا ہو گیا کہ کہیں میرا نفس ان کے ذریعے سکون حاصل نہ کرے اور اس طرح میرے توکل میں نقصان پیدا ہو گا۔

پس جب کسب معاش کرنے والا کسب کے آداب اور اس کی نیت کی شرطوں کی رعایت کرے جیسا کہ کسب کے

marfat.com

بیان میں ذکر کیا گیا یعنی زیادہ مال جمع کرنے کا ارادہ نہ کرے اور اس کا اعتماد اپنے سرمایہ اور کفایت پر نہ ہو تو وہ متوکل ہوگا

سوال :

اپنے سرمایہ اور کفایت پر بھروسہ نہ ہونے کی علامت کیا ہے ؟

جواب :

اس کی علامت یہ ہے کہ اگر اس کا مال چوری ہو جائے یا تجارت میں نقصان ہو جائے یا کوئی کام بند ہو جائے تو وہ اس پر راضی رہے اور اس کا اطمینان ختم نہ ہو اور نہ ہی دل پریشان ہو بلکہ اس کے دل کا سکون اس چوری سے پہلے اور بعد میں ایک جیسا رہے کیوں کہ جو شخص جس چیز کے ذریعے سکون حاصل نہیں کرتا وہ اس کے چلے جانے پر پریشان نہیں ہوتا ۔ اور جو آدمی کسی چیز کے چلے جانے پر پریشان ہو وہ اسی کے ذریعے سکون حاصل کرتا ہے ۔

حضرت بشر رحمہ اللہ چرخے بنایا کرتے تھے پھر آپ نے یہ کام چھوڑ دیا کیوں کہ بعادی (کوئی بزرگ) نے ان کو لکھا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ اپنے رزق کے لیے چرخوں سے مدد لیتے ہیں بتائیے اگر اللہ تعالیٰ آپ کی سماعت و بصارت کو لے جائے تو آپ کے رزق کا کون کفیل ہوگا ؟ ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تو انہوں نے چرخہ بنانے کے تمام اوزار دے دیئے اور یہ کام چھوڑ دیا ۔

یہ بھی کہا گیا کہ جب وہ چرخہ بنانے میں مشہور ہو گئے اور لوگوں نے ان کا قصد شروع کر دیا تو انہوں نے یہ کام چھوڑ دیا یہ بھی کہا گیا کہ جب ان کے اہل و عیال فوت ہو گئے تو انہوں نے یہ کام ترک کر دیا جس طرح حضرت سفیان رحمہ اللہ کے پاس پچاس درہم تھے جن کے ساتھ وہ تجارت کرتے تھے جب ان کے گھر والوں کا انتقال ہوا تو انہوں نے یہ رقم تقسیم کر دی ۔

سوال :

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے پاس سرمایہ ہو اور وہ اس کے لیے باعثِ سکون نہ ہو حالانکہ وہ جانتا ہے کہ سرمائے کے بغیر کسب ممکن نہیں ۔

جواب :

اسے یہ بات جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو سرمائے کے بغیر رزق دیتا ہے وہ زیادہ ہیں اور جن لوگوں کے پاس سرمایہ ہے اور وہ چوری ہو جاتا ہے اور یوں ہلاک ہو جاتا ہے تو وہ بھی بہت زیادہ ہیں اور اس کے دل میں یہ بات بیٹھ جانی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو اس کے حق میں بہتر ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اس کے سرمائے کو ہلاک کر دیا تو یہی اس کے لیے بہتر تھا ہو سکتا ہے اس مال کے باقی رہنے سے اس کا کوئی دینی نقصان ہو جاتا ۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس پر کرم فرمایا ہے زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ بھوکا مر جائے گا پس اسے یہ عقیدہ رکھنا

marfat.com

اہیے کہ بھوک کی حالت میں مرجانا آخرت کے حوالے سے میرے حق میں بہتر ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے میری کسی تقصیر
ے بغیر میرے حق میں یہ فیصلہ فرمایا ہے جب وہ ان سب باتوں کا معتقد ہوگا تو اس کے نزدیک سرمائے کا ہونا اور نہ
ونا برابر ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے۔

إِنَّ الْعَبْدَ لَيَهُمُّ مِنَ اللَّيْلِ بِأَمْرٍ مِنْ أُمُورِ التِّجَارَةِ مِمَّا لَوْ فَعَلَهُ لَكَانَ فِيهِ هَلَاكُهُ فَيَنْظُرُ اللهُ تَعَالَى إِلَيْهِ مِنْ فَوْقِ عَرْشِهِ فَيَصْرِفُهُ عَنْهُ فَيُصْبِحُ كَئِيبًا حَزِينًا يَتَطَيَّرُ بِجَارِهِ وَابْنِ عَمِّهِ. مَنْ سَبَقَنِي مَنْ دَهَانِي وَمَا هِيَ إِلَّا رَحْمَةٌ رَحِمَهُ اللهُ بِهَا۔ (۱)

ایک شخص رات کو کسی تجارتی معاملے کا قصد کرتا ہے اور وہ ایسا کام ہے کہ اگر اسے کرے تو اس میں اس کی ہلاکت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر سے دیکھتا ہے (اللہ تعالیٰ جگہ سے پاک ہے اس کی بلندی کی طرف اشارہ ہے) اور اسے اس کام سے پھیر دیتا ہے صبح کے وقت وہ پریشان غمگین ہوتا ہے اور اپنے ہمسائے اور چچازاد بھائی کی بدشگونی لیتا ہے کہ کون میرے آگے آیا کس نے مجھ پر مصیبت ڈالی حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جو اس پر فرمائی ہے۔

اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ میں مالداری کی حالت میں صبح کرتا ہوں فقر کی حالت میں، کیوں کہ مجھے معلوم نہیں کہ میرے لیے ان میں سے کیا چیز بہتر ہے

اور جس شخص کو ان امور کا کامل یقین نہ ہو اس سے توکل کا تصور نہیں ہو سکتا اسی لیے حضرت سلیمان دارانی رحمہ اللہ نے حضرت احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ سے فرمایا مجھے ہر مقام سے حصہ ملا ہے لیکن اس مبارک توکل سے نہیں ملا مجھے اس کی خوشبو سونگھنے کا اعزاز حاصل نہیں ہوا ـــــ تو آپ نے بلند مقام حاصل ہونے کے باوجود یہ گفتگو فرمائی۔ انہوں نے اس بات کا انکار نہیں کیا کہ وہ مقامات ممکنہ حاصل نہیں کر سکتے بلکہ یہ فرمایا کہ میں نے یہ مقام نہیں پایا۔ شاید ان کی مراد یہ ہو کہ انہوں نے بلند اور انتہائی مقام توکل نہیں پایا۔

جب تک اس بات پر ایمان کامل نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فاعل اور کوئی رزاق نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے بندے کے لیے جو فقر، غنا، موت اور حیات مقدر فرمائی ہے وہ اس کے لیے اس چیز سے بہتر ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے اس وقت تک اس کا حالِ توکل مکمل نہیں ہوتا پس توکل کی بنیاد ان امور پر ایمان کی قوت ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اسی طرح تمام دینی مقامات وہ اقوال ہوں یا اعمال ان کی بنیاد بھی ایمان ہے جو ان سب کی اصل ہے۔

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۳۰۵ ترجمہ ۲۴۳

marfat.com

خلاصہ یہ ہوا کہ توکل ایک مفہوم مقام ہے لیکن یہ دل کی قوت اور قوتِ یقین کو چاہتا ہے اسی لیے حضرت سہل رح
اللہ نے فرمایا جس نے مال کمانے پر طعن کیا اُس نے سنت پر طعن کیا اور جس نے ترک کسب پر طعن کیا اس نے
توحید پر طعن کیا۔

سوال :

کیا کوئی ایسی دوا ہے جس سے دل کو اسباب ظاہرہ سے پھیرنے اور خفیہ اسباب کو آسان کرنے کے لیے
میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں حُسن ظن کا فائدہ حاصل ہو۔

جواب :

ہاں جب تم اس بات کو پہچان لو کہ برا گمان شیطان کی طرف سے بتایا جاتا ہے اور حُسن ظن اللہ تعالیٰ کی طرف سے
القاء ہوتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلًا۔ (۱)

شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کا وعدہ دیتا ہے۔

انسان فطری طور پر شیطان کے ڈرانے پر کان دھرتا ہے اسی لیے کہا گیا ہے بدگمانی کی وجہ سے ڈرنے والا جوش دلانے والا ہے اور جب اس کے ساتھ بزدلی، ضُعفِ قلب اور متکلمین کا ظاہری اسباب اور ان کو برانگیختہ کرنے والے امور کو دیکھنا مل جائے تو برا گمان غالب آجاتا ہے اور توحید کُلی طور پر باطل ہو جاتی ہے بلکہ رزق کا حصول پوشیدہ اسباب کی طرف سے دیکھنا بھی توکل کو باطل کر دیتا ہے ایک عابد کے بارے میں منقول ہے کہ اس نے مسجد میں اعتکاف کیا اور اس کے پاس مال نہ تھا امام مسجد نے کہا اگر تم مال کماتے تو تمہارے لیے یہ بات افضل تھی۔ اس نے جواب نہ دیا حتی کہ اس نے تین بار یہ بات کہی اس نے چوتھی مرتبہ جواب دیا کہ مسجد کے پڑوس میں ایک یہودی ہے جس نے میرے لیے یومیہ دو روٹیوں کی ضمانت دی ہے اس نے کہا اگر وہ اپنی ضمانت میں سچا ہے تو تمہارا مسجد میں اعتکاف بیٹھنا صحیح ہے اس عابد نے کہا اے امام مسجد! تم عقیدۂ توحید میں کمی کے باعث اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان کھڑے ہوتے ہو اگر تم امام نہ ہوتے تو اچھا تھا۔ تم نے یہودی کے وعدے کو اللہ تعالیٰ کی رزق کے ساتھ ضمان پر ترجیح دی۔

ایک امام مسجد نے کسی نمازی سے پوچھا تم کہاں سے کھاتے ہو؟ اس نے کہا اے شیخ! صبر کرو میں وہ نماز دوبارہ پڑھ لوں جو میں نے تمہارے پیچھے پڑھی ہیں پھر جواب دوں گا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ بقرہ آیت ۲۶۸

marfat.com

اگر تمہارا یہ حسن ظن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے پوشیدہ اسباب کے واسطے سے رزق دیتا ہے تو تم وہ حکایات
نو جن میں اللہ تعالیٰ کے بندوں تک رزق پہنچنے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی عجیب صنعت کا ذکر ہے اور نیز تاجروں اور مالدار
دں کے مالوں کو ہلاک کر کے ان کو بھوکے مارنے کا تذکرہ ہے جیسے حضرت حذیفہ مرعشی رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ حضرت
ابہیم بن ادھم رحمہ اللہ کی خدمت کیا کرتے تھے ان سے کہا گیا آپ نے ان سے کیا عجیب بات دیکھی ہے انہوں نے
یا ہم مکہ مکرمہ کے راستے میں کئی دن اس طرح رہے کہ ہمارے پاس کھانا نہ تھا پھر ہم کوفہ میں داخل ہوتے تو ایک ویران
جد میں پناہ لی حضرت ابراہیم بن ادھم نے میری طرف دیکھ کر فرمایا اے حذیفہ! میرا خیال ہے تم بھوکے ہو؟ میں نے کہا آپ
ح فرماتے ہیں فرمایا دوات اور کاغذ لاؤ میں لے آیا۔ تو انہوں نے یوں لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تو ہی ہر حالت میں مقصود ہے اور ہر معنیٰ میں تیری ہی طرف اشارہ ہوتا ہے اور ایک شعر لکھا۔

اَنَا حَامِدٌ اَنَا شَاكِرٌ اَنَا ذَاكِرٌ	میں تعریف کرنے والا شکر کرنے والا اور ذکر کرنے والا
اَنَا جَائِعٌ اَنَا ظَمْاٰنُ عُرْيٌ اَنَا عَارِیْ	ہوں میں بھوکا ہوں پیاسا اور ننگا ہوں یہ چھ باتیں ہیں
هِیَ سِتَّةٌ وَاَنَا الضَّمِيْنُ لِصِنْفِهَا	ان میں سے نصف (تین) کا میں ضامن ہوں باقی نصف
فَكُنِ الضَّمِيْنَ لِنِصْفِهَا يَا بَارِیْ	کا تو ضامن بن جا تیرے غیر کی تعریف جہنم کی آگ
مَدْحِیْ لِغَيْرِكَ لَهَبُ نَارٍ خُفْتُهَا	ہے مجھے اس میں داخل ہونے سے بچا۔
فَاجِرْ عَبِيْدَكَ مِنْ دُخُوْلِ النَّارِ	

(فرماتے ہیں) پھر وہ رقعہ مجھے دیا اور فرمایا جاؤ اور اپنے دل کو غیر خدا سے معلق نہ کرنا اور جس شخص سے سب سے پہلے
فات ہو یہ رقعہ اسے دینا۔ (فرماتے ہیں) میں نکلا تو سب سے پہلے جس شخص سے ملاقات ہوئی وہ خچر پر سوار تھا میں نے
رقعہ اسے دیا اس نے لیا جب وہ اس کے مضمون سے آگاہ ہوا تو رو پڑا اور کہنے لگا یہ رقعہ لکھنے والا کہاں ہے میں نے
ہا فلاں مسجد میں ہے اس نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں چھ سو دینار تھے پھر میں نے ایک اور شخص سے ملاقات کی اور
س سے خچر والے آدمی کے بارے میں پوچھا اس نے کہا یہ عیسائی ہے میں حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کے پاس
یا اور واقعہ عرض کیا انہوں نے فرمایا ان دیناروں کو ہاتھ نہ لگانا وہ شخص ابھی آئے گا چنانچہ کچھ دیر کے بعد وہ نصرانی اندر
یا اور جھک کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سر کو بوسہ دیا اور اسلام قبول کر لیا۔

حضرت ابو یعقوب اقطع بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں ایک دفعہ حرم شریف میں دس دن بھوکا رہا اور مجھے کمزوری محسوس
دئی میرے دل میں خیال آیا کہ باہر نکلوں چنانچہ میں وادی کی طرف چلا گیا کہ شاید کوئی چیز مل جائے جس سے میری کمزوری
تم ہو جائے میں نے زمین پر پڑا ہوا شلغم دیکھا میں نے اسے اٹھا لیا لیکن اس سے میرے دل میں وحشت محسوس ہوئی اور
لو یا کوئی شخص مجھے کہہ رہا ہے تم دس دن بھوکے رہے اور بالآخر تمہارے حصے میں ایک شلغم آیا جو بدل چکا ہے میں نے

marfat.com

اسے پھینکا اور مسجد میں داخل ہو کر بیٹھ گیا میں نے کیا دیکھا کہ ایک عجمی شخص آیا اور میرے سامنے بیٹھ گیا اس نے ایک تھیلا سامنے رکھا اور کہا یہ تمہارے لیے ہے میں نے کہا تم نے کیسے اس کو میرے لیے خاص کر دیا؟ اس نے کہا ہم پندرہ سے سمندر میں تھے کشتی ڈوبنے لگی تو میں نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا تو مجاورین میں سے جو شخص مجھے سے پہلے نظر آیا یہ (تھیلا) میں اس پر صدقہ کروں گا۔ اور سب سے پہلے میری ملاقات تم سے ہوئی ہے میں نے کہا اسے کھولو اس نے کھولا تو اس میں مصر کا میدہ، چھلے ہوئے بادام اور برفیاں تھیں میں نے کچھ ایک میں سے لیا اور کچھ دوسرے میں سے اور باقی واپس کرتے ہوئے کہا اسے میری طرف سے اپنے دوستوں کو بطور ہدیہ دے دو میں نے اسے تبھی کر لیا پھر میں نے اپنے آپ سے کہا کہ تمہارا رزق تو تمہاری طرف سفر کر رہا تھا اور تم اسے وادی میں ڈھونڈ رہے ہو۔

حضرت ممشاد دینوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھ پر قرض تھا جس کی وجہ سے میرا دل اس طرف متوجہ ہو گیا میں نے غور سے میں دیکھا گویا کوئی کہنے والا کہتا ہے اے بخیل! تم نے ہمارے حساب میں اتنا سا قرض مزید لو لینا تمہارا کام ہے ادا ہمارا کام ہے اس کے بعد میں نے کبھی بھی سبزی فروش، قصاب یا کسی دوسرے سے حساب نہیں کیا۔

حضرت بنان حمال رحمہ اللہ سے منقول ہے فرماتے ہیں میں مکہ مکرمہ کے راستے میں تھا میں مصر سے آ رہا تھا اور میرے پاس زاد راہ تھا میرے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا اے بنان! تم حمال ہو جو اپنی پیٹھ پر بوجھ اٹھاتے ہو اور تمہیں وہم ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں رزق نہیں دے گا فرماتے ہیں میں نے اپنا توشہ پھینک دیا پھر تین دن ایسے آئے کہ میں نے کچھ نہ کھایا اس کے بعد میں نے راستے میں ایک پازیب پائی تو دل میں کہا کہ اسے اٹھا لینا چاہیے یہاں تک کہ اس کا مالک جائے ہو سکتا ہے وہ مجھے کچھ دے اور میں اسے یہ واپس کر دوں اچانک دیکھا تو وہی عورت کھڑی تھی کہنے لگی تم تاجر ہو کہتے ہو ہو سکتا ہے اس کا مالک آ جائے اور میں اس سے کچھ لے لوں پھر اس نے میری طرف کچھ درہم پھینکے اور کہا کہ اسے خرچ کرو تو وہ مجھے مکہ مکرمہ کے قریب تک کافی رہے۔

منقول ہے کہ حضرت بنان رحمہ اللہ کو ایک لونڈی کی ضرورت پڑی کہ وہ آپ کی خدمت کرے انہوں نے اپنے بھائیوں سے بلا تکلف (واضح طور پر) کہہ دیا تو انہوں نے ان کے لیے لونڈی کی قیمت جمع کر دی انہوں نے کہا رقم یہ ہے قافلہ آئے گا تو ہم مناسب لونڈی خرید لیں گے جب قافلہ آیا تو ان سب نے ایک لونڈی کے بارے میں اتفاق کیا اور کہا کہ یہ لونڈی حضرت بنان کے لائق ہے انہوں نے اس کے مالک سے پوچھا کہ اس کی قیمت کتنی ہے؟ اس نے کہا یہ بیچنے کے لیے نہیں ہے جب انہوں نے اصرار کیا تو اس نے کہا یہ حضرت بنان حمال کے لئے ہے سمرقند کی ایک خاتون نے آپ کے لیے بطور تحفہ بھیجی ہے چنانچہ اسے حضرت بنان رحمہ اللہ کے پاس لے جایا گیا اور واقعہ بھی بتایا گیا۔

کہتے ہیں پہلے زمانے میں ایک شخص سفر میں تھا اور اس کے پاس ایک روٹی تھی اس نے کہا اگر میں اسے کھا گیا تو مر جاؤں گا چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر کر دیا اور فرمایا اگر وہ کھائے تو اسے اور دو اور اگر نہ کھائے

marfat.com

بری روٹی نہ دینا چنانچہ وہ روٹی مرتے دم تک اس نے نہ کھائی اور وہ اس کے پاس ہی رہی۔

حضرت ابو سعید حراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں ایک جنگل میں داخل ہوا اور میرے پاس زادِ راہ نہ تھا چنانچہ میں فاقے کا شکار یا میں نے دور سے ایک منزل کو دیکھا تو میں خوش ہوا کہ پہنچ گیا پھر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں نے تو غیر خدا پر بھروسہ یا اور سکون حاصل کیا چنانچہ میں نے قسم کھائی کہ میں اس منزل میں نہیں داخل ہوں گا ہاں مجھے اٹھا کر لے جایا جائے ک بات ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے لیے ریت میں ایک گڑھا کھودا اور اپنے جسم کو سینے تک اس میں چھپا دیا جب آدھی ت ہوئی تو میں نے بلند آواز سے سنا اے منزل والو! اللہ تعالیٰ کے ایک ولی نے اپنے آپ کو ریت میں قید کر لیا ہ اس کے پاس جاؤ چنانچہ ایک جماعت نے آکر مجھے نکالا اور مجھے اٹھا کر بستی میں لے گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا تو اس نے کسی کہنے ے سے سنا اے فلاں! تم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف ہجرت کی ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف؟ جاؤ قرآن سیکھو ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے سے بے نیاز کر دے گا چنانچہ وہ شخص چلا گیا اور غائب ہو گیا حتیٰ کہ حضرت اروق رضی اللہ عنہ نے اسے تلاش کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ گوشہ نشین ہو کر عبادت میں مشغول ہو گیا ہے حضرت عمر فاروق اللہ عنہ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا میرا دل تمہیں دیکھنے کا خواہشمند تھا تم ہم سے کیوں غائب ہو گئے ں نے کہا میں نے قرآن پڑھا تو اس نے مجھے عمر اور آل عمر (رضی اللہ عنہم) سے بے نیاز کر دیا۔ حضرت عمر فاروق اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تم نے اس میں کیا پایا؟ اس نے عرض کیا میں نے اس میں یہ لکھا پایا۔

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ۔ (۱) آسمان میں تمہارا رزق بھی ہے اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے

تو میں نے کہا میرا رزق آسمان میں ہے اور میں زمین میں تلاش کر رہا ہوں (یہ سن کر) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ے اور فرمایا تو نے سچ کہا چنانچہ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس شخص کے پاس آکر بیٹھتے تھے۔

حضرت ابو حمزہ خراسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ایک سال حج کیا اس دوران کہ میں راستے میں چل رہا تھا میں کنویں ر گیا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ میں کسی سے مدد طلب کروں لیکن میں نے کہا نہیں اللہ کی قسم میں مدد نہیں مانگوں گا۔ ابھی اسی ں میں تھا کہ کنویں کے پاس سے دو آدمی گزرنے لگے ایک نے دوسرے سے کہا آؤ ہم اس کنویں کا منہ بند کر دیں تاکہ ا اس میں گر نہ جائے چنانچہ وہ بانس اور چٹائی لائے اور اس کا منہ بند کر دیا میں نے چیخنا چاہا لیکن دل میں سوچا کس

---

۱ قرآن مجید، سورۃ ذاریات آیت ۲۲

marfat.com

کے سامنے چلاؤں اللہ تعالیٰ تو ان دونوں سے زیادہ قریب ہے چنانچہ میں پرسکون ہوگیا تھوڑی دیر بعد کوئی چیز آتی اور اس نے کنویں کا منہ کھول کر پاؤں اس میں لٹکایا اور گویا وہ چیز کہہ رہی ہے میرے پاؤں کے ساتھ لٹک جاؤ اس کی آواز میں گنگناہٹ تھی میں نے کہا میں اس کو پہچانتا ہوں چنانچہ میں اس کے ساتھ لٹک گیا اور اس نے مجھے باہر نکالا دیکھا تو وہ ایک درندہ تھا وہ چلا گیا اور یہ آواز دی اے ابو حمزہ! کیا یہ اچھی بات نہیں ہم نے تمہیں موت سے موت کے ذریعہ بچا لیا چنانچہ میں وہاں سے چلا گیا اور میں یہ کہہ رہا تھا۔

نَهَانِيْ حَيَائِيْ مِنْكَ اَنْ اَكْشِفَ الْهَوٰى
وَاَغْنَيْتَنِيْ بِالْفَهْمِ مِنْكَ عَنِ الْكَشْفِ
تَلَطَّفْتَ فِيْ اَمْرِيْ فَاَبْدَيْتَ شَاهِدِيْ
اِلٰى غَائِبِيْ وَاللُّطْفُ يُدْرَكُ بِاللُّطْفِ
تَرَائَيْتَ لِيْ بِالْغَيْبِ حَتّٰى كَاَنَّمَا
تُبَشِّرُنِيْ بِالْغَيْبِ اَنَّكَ فِي الْكَفِّ
اَرَاكَ وَبِيْ مِنْ هَيْبَتِيْ لَكَ وَحْشَةٌ
فَتُؤْنِسُنِيْ بِاللُّطْفِ مِنْكَ وَبِاللُّطْفِ
وَتُحْيِيْ مُحِبًّا اَنْتَ فِي الْحُبِّ حَتْفُهٗ
وَذَا عَجَبٌ كَوْنُ الْحَيَاةِ مَعَ الْحَتْفِ

مجھے حیا نے اس بات سے منع کیا کہ میں عشق کو واضح کردوں اور جب تو نے مجھے سمجھا دیا تو میں اس وضاحت سے بے نیاز ہوگیا تو نے اپنی مہربانی سے میرے غائب گواہ کو ظاہر کر دیا اور مہربانی، دوسری مہربانی سے حاصل ہوتی ہے تو نے غیب میں مجھے دیدار کرایا گویا تو مجھے غیب میں خوشخبری دے رہا ہے کہ تو ہتھیلی میں ہے (یعنی سامنے ہے) میں تجھے دیکھتا ہوں تو تیری ہیبت سے وحشت ہونے لگتی ہے پس تو مجھے اپنی مہربانی سے مانوس کر لیتا ہے تو مجھے محبت میں زندہ رکھتا ہے اور خواہشات مر جاتی ہیں تو تعجب ہے کہ موت و حیات ساتھ ساتھ ہیں۔

اس قسم کے واقعات کی بے شمار مثالیں ہیں اور جب آدمی کا ایمان مضبوط ہو اور وہ تنگ دل کے بغیر ایک ہفتہ تک بھوک برداشت کر سکتا ہو اور اس بات پر بھی ایمان مضبوط ہو کہ اگر ایک ہفتہ تک اسے رزق نہ ملے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا مرنا بہتر ہے اسی لیے اس نے رزق روک لیا ہے تو ان احوال و مشاہدات کے ساتھ توکل پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے بالکل نہیں ہوگا۔

عیالدار کا توکل:

جان لو کہ عیالدار کا حکم، اکیلے آدمی کے حکم سے الگ ہے کیونکہ تنہا آدمی کا توکل دو باتوں سے صحیح قرار پاتا ہے ایک یہ کہ وہ کسی تنگدل اور لوگوں کی تاک کے بغیر ایک ہفتہ تک بھوکا رہ سکتا ہو اور دوسری بات یہ ہے کہ ایمان کی وہ اقسام پائی جائیں جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ اگر اس کے پاس رزق نہ آئے تو وہ موت کو دل کی خوشی سے قبول کرے اس اعتبار سے کہ وہ موت اور بھوک کو ہی اپنا رزق جانتا ہو یہ بات اگرچہ دنیوی اعتبار سے نقصان ہے لیکن آخرت کے اعتبار سے (ثواب کے) اضافے کا باعث ہے پس وہ یوں خیال کرتا ہے کہ دو رزقوں میں اچھا

ں (آخرت کا رزق) اس کی طرف چلایا گیا ہے اور یہی مرض الموت ہے اور وہ اس پر راضی ہے اور یہ اسی طریقے پر جس طرح تقدیر میں لکھا گیا ہے تو اس سے تنہا آدمی کا توکل مکمل ہوتا ہے۔

لیکن بال بچوں کو بھوک پر صبر کرنے کی تکلیف دینا جائز نہیں اور یہ بات بھی ممکن نہیں کہ ان کے سامنے توحید زیر کی جائے اور یہ کہ بھوکا مرنا قابلِ رشک بات ہے اگرچہ شاذ و نادر ایسا ہو بھی جاتا ہے اسی طرح ایمان و اعتقاد سئلہ ہے کہ وہ ان پر جبر کرے لہٰذا ان کے حق میں مال کمانے والے کا توکل ممکن ہے اور یہ تیسرا مقام ہے جیسے ت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا توکل ہے جب آپ کسب معاش کے لیے بازار تشریف لے گئے۔

لیکن اولاد کے حق میں توکل اختیار کرتے ہوئے جنگلوں میں نکل جانا یا ان کے معاملات کا اہتمام نہ کرنا اور اسے ان حق میں توکل سمجھنا حرام ہے اور بعض اوقات یہ بات ان کی ہلاکت کا باعث بنتی ہے اور اسی سے اس کا مواخذہ ا۔

بلکہ تحقیق یہ ہے کہ خود اس کی ذات اور اہل و عیال میں کوئی فرق نہیں اگر وہ کچھ مدت بھوک پر صبر کریں اور بھوک نے کو آخروی رزق اور غنیمت سمجھیں تو ان کے حق میں توکل بھی جائز ہے اور اس کا نفس بھی تو عیال میں شامل ہے اور ہلاک کرنا بھی جائز نہیں ہاں اگر وہ ایک خاص مدت تک بھوک برداشت کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو ٹھیک ہے اور اگر س کی طاقت نہیں رکھتا اور اس سے اس کے دل میں اضطراب اور عبادت میں خلل پیدا ہوتا ہے تو اس کے لیے جائز نہیں۔

اسی لیے منقول ہے کہ حضرت ابوتراب تخشی رحمہ اللہ نے ایک صوفی کو دیکھا کہ اس نے تربوز کے چھلکے کی طرف بڑھایا کہ اسے کھائے اور تین دن بھوک سے گزر چکے تھے تو انہوں نے فرمایا تمہارے لیے تصوف صحیح نہیں بازار و ـــــ مطلب یہ کہ تصوف تو توکل کے ساتھ ہوتا ہے اور توکل اس آدمی کا صحیح ہوتا ہے جو تین دن سے زیادہ ے سے صبر کر سکے۔

حضرت ابوعلی رودباری رحمہ اللہ نے فرمایا جب کوئی فقیر پانچ دن کے بعد کہے کہ مجھے بھوک لگی ہے تو اسے کہو یا کر دینی کام کاج کیا کر تو انسان کا بدن بھی اس کا عیال ہے اور اس کا بدن کے اعتبار سے توکل اسی طرح ں طرح اہل و عیال کے اعتبار سے توکل کرنا ان دونوں میں ایک اعتبار سے فرق ہے وہ یہ کہ آدمی اپنے نفس کو بھوک ا مکلف بنا سکتا ہے لیکن عیال کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں۔

اس گفتگو سے تمہارے لیے یہ بات واضح ہو گئی کہ اسباب سے قطع تعلق کا نام توکل نہیں بلکہ ایک مدت تک برداشت کرنے اور کبھی رزق میں تاخیر ہو جائے تو موت پر راضی ہونے، شہروں اور دیہات میں رہنے یا ایسے ں میں رہنے کا نام توکل ہے جن میں کوئی سبزی وغیرہ مل جائے یہ تمام چیزیں باقی رہنے کے اسباب ہیں البتہ ان

میں کچھ نہ کچھ اذیت بھی ہے اس لیے کہ صبر کے بغیر ان پر برقرار رہنا مشکل ہے اور شہروں میں توکل اختیار کرنا جنگلوں میں تو
کی نسبت اسبابِ بقا کے حصول کے زیادہ قریب ہے اور یہ سب اسباب ہیں لیکن لوگ ان سے زیادہ ظاہر اسباب
طرف جھک گئے اور انہوں نے ان کو اسباب میں شمار نہ کیا اور اس کی وجہ ان کے ایمان کی کمزوری اور حرص کا زیادہ ہو
نیز وہ آخرت کی خاطر دنیا میں اذیتوں پر صبر نہیں کرتے اور سوئے ظن اور طویل امید کی وجہ سے ان کے دلوں پر بزدلی کا غلبہ

اور جو شخص آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کی طرف نظر کرتا ہے اس کے لیے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے ملک و ملکوت کی تدبیر فرمائی اور یہ ایسی تدبیر ہے کہ بندے کا رزق اس سے الگ نہیں ہو سکتا چاہے وہ تردد نہ کر
کیوں کہ جو شخص تردد و اضطراب سے عاجز ہے (یعنی کما نہیں سکتا) اسے بھی تو رزق ملتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو بچہ ماں کے
پیٹ میں ہوتا ہے جب وہ حرکت کرنے سے عاجز ہے تو اللہ تعالیٰ نے کسی طرح اس کی ناف کو اس کی ماں کے ساتھ ملا دیا
کہ ماں کی خوراک کا زائد حصہ اس ناف کے ذریعے بچے تک پہنچتا ہے اور اس میں بچے کی کوئی تدبیر شامل نہیں ہوتی
پھر جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ماں کے دل میں اس کی محبت اور شفقت ڈال دیتا ہے تاکہ وہ اس کی پرورش
اس کا دل مانے یا نہ۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماں کے دل میں محبت کی آگ شعلہ زن ہے پھر جب تک بچہ غذا کو چبانے
کے قابل نہیں ہو جاتا تو اس کا رزق اس دودھ میں رکھا ہے جس کو چبانے کی ضرورت نہیں ہوتی اور چوں کہ بچہ اپنے
کی نرمی کی وجہ سے کثیف غذا کا متحمل نہیں ہو سکتا اس لیے لطیف دودھ اس کی ماں کے پستانوں میں رکھ دیا تاکہ جب بچہ
پیدا ہو جائے تو حسب ضرورت وہ دودھ اسے ملتا رہے تو کیا یہ سب کچھ بچے کی اپنی تدبیر سے ہوتا ہے یا ماں کی تدبیر سے

پھر جب وہ اس عمر کو پہنچتا ہے کہ اب کثیف غذا کھا سکتا ہے تو اس کے دانت اُگ آتے ہیں جو کاٹنے
اور پیسنے بھی تاکہ وہ اسے چبا سکے۔ پھر جب بڑا ہو جاتا ہے اور خود اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو اس
لیے حصولِ علم اور آخرت کے راستے پر چلنا آسان کر دیا جاتا ہے لہٰذا بالغ ہونے کے بعد اس کی بزدلی جہالت کی وجہ سے
کیوں کہ بالغ ہونے کے بعد اسبابِ معیشت کم نہیں ہوتے بلکہ زیادہ ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ پہلے وہ مال کمانے پر قادر نہیں
تھا اب قادر ہو گیا لہٰذا اس کی طاقت بڑھ گئی۔

ہاں پہلے اس پر شفقت کرنے والا ایک ہی شخص تھا یعنی ماں یا باپ، اور اس پر شفقت زیادہ بھی تھی وہ اسے ایک
دن میں ایک یا دو مرتبہ کھلاتا پلاتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی محبت ماں باپ پر مسلط کر دی تھی۔ اسی طرح
اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں اس کی شفقت، محبت، نرمی اور رحمت ڈال دی ہے بلکہ تمام شہر والے اس پر شفقت
کرتے ہیں حتیٰ کہ شہر کے جس آدمی کو کسی محتاج کا علم ہوتا ہے تو اس کا دل دکھتا ہے اور نرمی پیدا ہوتی ہے اور اس کی مدد
کو زائل کرنے کے لیے جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ پہلے اس کا مشفق ایک تھا اب ہزار سے بھی زیادہ ہیں پہلے وہ اس پر اس
شفقت نہیں کرتے تھے کہ وہ اس کی ماں یا باپ کی کفالت کو جانتے تھے اور وہ خاص مشفق تھے لہٰذا وہ اسے محتاج نہیں

جھتے تھے اور اگر کسی یتیم بچے کو دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کسی ایک مسلمان یا تمام مسلمانوں کے دلوں میں اس پر رحم کا جذبہ پیدا ردیتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کی کفالت کرتے ہیں۔ آج تک نہیں دیکھا گیا کہ قحط سالی کے حالات نہ ہونے کی صورت میں کوئی یتیم چہ بھوک سے مر گیا ہو حالانکہ وہ کمانے سے عاجز ہے اور اس کا کوئی خاص کفیل نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ ہی اس شفقت کے واسطے سے اس کی کفالت کرتا ہے جو شفقت اس نے بندوں کے دلوں میں رکھی ہے معلوم بالغ ہونے کے بعد اس کا دل رزق میں ں مشغول ہو جاتا ہے جب کہ بچپن میں مشغول نہیں ہوتا حالاں کہ بچپن میں اس کا مشفق ایک تھا اور اب ایک ہزار ہیں! ہاں یہ بات ہے کہ ماں کی شفقت زیادہ مضبوط اور وافر ہوتی ہے لیکن وہ ایک ہے اور عام لوگوں کی ایک ایک بندے کی شفقت چہ کمزور ہو کر غرض کا فائدہ دیتی ہے۔ کتنے ہی بچے ایسے ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی حالت آسان کر دی جو ماں باپ لے بچے کی حالت سے زیادہ اچھی ہوتی ہے تو ایک ایک آدمی کی کمزور شفقت کا نقصان شفقین کی کثرت سے اور عیاشی ترک کر کے صرف ضرورت کی مقدار پر اکتفا کرنے سے پورا ہوتا ہے کسی شاعر نے اچھی بات کہی ہے۔

جَرٰی قَلَمُ الْقَضَاءِ بِمَا یَکُوْنُ فَسِیَّانِ التَّحَرُّکُ وَالسُّکُوْنُ جُنُوْنٌ مِنْکَ اَنْ تَسْعٰی لِرِزْقٍ وَبِرِزْقٍ فِیْ غِشَاوَتِہِ الْجَنِیْنِ۔

جو کچھ ہونے والا ہے اس کے ساتھ قضاء و قدر کا قلم چل چکا ہے پس حرکت و سکون برابر ہیں تم پاگل ہو کہ رزق کے لیے کوشش کرتے ہو حالانکہ وہ پردے کے اندر (پیٹ کے اندر) بچے کو بھی رزق دیتا ہے۔

سوال:

لوگ یتیم بچے کی کفالت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اس کے بچپن کی وجہ سے اسے عاجز جانتے ہیں لیکن بالغ تو انے پر قادر ہوتا ہے اس لیے لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے بلکہ وہ کہتے ہیں یہ ہماری طرح ہے لہٰذا اسے خود کوشش رنی چاہیے۔

جواب:

اگر یہ شخص جو کمانے پر قادر ہے بیکار پڑا ہے تو لوگ سچ کہتے ہیں اس پر کمانا لازم ہے اس کے حق میں توکل کا کوئی معنیٰ نہیں ے کیوں کہ توکل تو ایک دینی مقام ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے لیے فارغ رہنے پر مدد حاصل کی جاتی ہے لہٰذا بیکار دمی کا توکل سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے لیے مشغول ہے مسجد میں یا گھر میں بیٹھا علم و عبادت کا شغل اختیار ئے ہوئے ہے تو لوگ اسے ترکِ کسب پر ملامت نہیں کرتے اور نہ ہی اسے کمانے کی زحمت دیتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ے اس کی مشغولیت کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت مضبوط ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کے پاس ضرورت سے یادہ لے جاتے ہیں اس پر لازم ہے کہ وہ دروازہ بند کر لے لیکن بھاگ کر پہاڑوں پر نہ چلا جائے آج تک کوئی ایسا عالم یا ابد نہیں دیکھا گیا کہ وہ شہر میں رہ کر اپنا وقت اللہ تعالیٰ کے لیے (علم یا عبادت میں) گزارے اور وہ بھوکا مر جائے اور آئندہ

marfat.com

بھی یہ صورت نظر نہیں آئے گی بلکہ اگر وہ کسی ایک جماعت کو کھانا کھلانا چاہے تو محض اپنے کلام سے ایسا کر سکتا ہے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے اور جو شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ (کے دین) کے لیے وقف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتا ہے اور اس کے لیے دلوں کو مسخر کر دیتا ہے جس طرح بچے کے لیے اس کی ماں کے دل کو مسخر کر دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ملک و ملکوت کی ایسی تدبیر فرمائی ہے جو تمام اہل ملک و ملکوت کو کافی ہے جو شخص اس تدبیر پر نظر کرتا ہے وہ مدبر پر اعتماد کرتا اور یقین رکھتا ہے اور اس کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے نیز اس پر ایمان لاتا ہے وہ اسباب کے مدبر کو دیکھتا ہے اسباب کو نہیں دیکھتا۔ ہاں اس نے یہ انتظام نہیں کیا کہ جو اس کی ذات میں مشغول ہو گا وہ اسے حلوا، موٹے موٹے پرندے، باریک پتلے کپڑے اور عمدہ گھوڑے ضرور بضرور اور ہمیشہ دے گا ہاں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے لیکن وہ ایسی تدبیر ضرور کرتا ہے کہ جو شخص اس کی عبادت میں مشغول ہو اسے ہر ہفتے میں جو کی ایک روٹی یا سبزی ضرور دے گا جسے وہ کھائے۔

لیکن عام طور پر اس سے زیادہ ملتا ہے بلکہ حاجت اور کفایت سے زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ پس توکل کو ترک کرنے کا سبب یہ ہے کہ نفس کو ہمیشہ ناز و نعمت میں پلنے، عمدہ کپڑے پہننے اور لطیف غذائیں کھانے کی رغبت ہوتی ہے اور یہ آخرت کا طریقہ نہیں ہے۔ اور یہ (عمدہ چیزیں) محنت و حرکت کے بغیر حاصل نہیں ہوتیں بلکہ محنت کی صورت میں بھی شاذ و نادر ہی حاصل ہوتی ہیں اور بعض اوقات کسی حرکت و محنت کے بغیر بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا جس شخص کی بصیرت کی آنکھ کھلی ہو اس کے نزدیک حرکت و محبت کا اثر کمزور ہوتا ہے اسی لیے وہ اپنی محنت پر مطمئن نہیں ہوتا بلکہ وہ ملک و ملکوت کے مدبر سے مطمئن ہوتا ہے جو ایسی تدبیر فرماتا ہے کہ بندے کا رزق اس سے الگ نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ گھر بیٹھا ہو ہاں محنت کرنے والے کے بارے میں بھی یہ تصور ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات اس کا رزق تاخیر سے ملے۔

جب ان امور کا انکشاف ہو جائے اور اسے قلبی قوت اور نفسانی شجاعت بھی حاصل ہو تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے اس قول کا ثمرہ اسے حاصل ہو گا آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ تمام اہل بصرہ میرے عیال میں ہوں (ان کا کھانا میرے ذمہ ہو) اور ایک ایک دانہ ایک دینار کا ملتا ہو حضرت وہیب بن ورد رحمہ اللہ نے فرمایا اگر آسمان تانبے کا اور زمین سیسے کی ہو اور میں اپنے رزق کا اہتمام خود کروں تو میں اپنے آپ کو مشرک سمجھوں گا۔

جب تمہیں ان امور کی سمجھ آ جائے تو سمجھ لو کہ توکل ایک ایسا مقام ہے جو ذاتی طور پر معلوم ہے اور جو شخص اپنے نفس پر غالب آ سکتا ہے وہ اس مقام تک پہنچ سکتا ہے اور تمہیں یہ بات بھی معلوم ہو جائے گی کہ جو شخص توکل اور اس کے امکان کا منکر ہے وہ جہالت کی وجہ سے انکار کرتا ہے تو تمہیں دو غربتوں کو جمع کرنے سے بچنا چاہیے یعنی اس توکل کے پائے جانے کا ذوق بھی نہ ہو اور بطور علم اس کا اعتقاد بھی نہ ہو (ایسا نہیں ہونا چاہیے)

تو تھوڑے سے مال پر قناعت کرنا اور حسب ضرورت رزق پر راضی ہونا تمہارے لیے ضروری ہے وہ تمہارے پاس ضرور

ئے گا اگرچہ تم اس سے بھاگو اس وقت اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر لازم ہے کہ وہ تمہاری طرف رزق ایسے شخص کے ذریعے بھیجے جس کے بارے میں تمہیں گمان بھی نہ ہو اگر تم تقویٰ اور توکل میں مشغول ہو جاؤ تو تم تجربے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق دیکھو گے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ (۱)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو اللہ تعالیٰ اس کے لیے (پریشانیوں سے) نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جس جگہ کے بارے میں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

ہاں وہ اس بات کا کفیل نہیں کہ وہ اسے پرندوں کا گوشت اور لذیذ کھانے دے گا وہ صرف اسی رزق کا ضامن ہے جس کے ذریعے انسان کی زندگی باقی رہے اور یہ چیز جس کی ضمان ہے ہر اس شخص کو ملے گی جو ضامن کے ساتھ مشغول اور اس کی ضمان پر اسے اطمینان حاصل ہو۔ کیوں کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی تدبیر جو خفیہ اسبابِ رزق میں سے ہے، برے وہ اس سے بہت بڑی ہے جو مخلوق کے لیے ظاہر ہوتی ہے بلکہ رزق آنے کے دروازے بے شمار ہیں اور اس راستوں کی طرف راہنمائی نہیں ہوتی کیوں کہ اس کا ظہور زمین پر ہے اور سبب آسمان میں ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ۔ (۲)

اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

اور آسمان کے اسرار پر اطلاع نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ ایک جماعت حضرت جنید رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہوئی تو پہنے پوچھا تم کیا مانگتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا رزق مانگتے ہیں آپ نے فرمایا اگر تمہیں اس کی جگہ معلوم ہے تو وہاں طلب کرو انہوں نے کہا ہم اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں فرمایا اگر تمہارا خیال ہے کہ اس نے تمہیں بھلا دیا ہے تو اس کو یاد دلاؤ ں نے کہا ہم گھر میں داخل ہو کر توکل کرتے ہیں اور جو ہوگا اس کے منتظر رہتے ہیں آپ نے فرمایا تجربے کی بنیاد پر توکل ہے ان لوگوں نے پوچھا پھر کیا تدبیر اختیار کریں فرمایا تدبیر چھوڑ دو۔

حضرت احمد بن عیسیٰ خراز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں ایک جنگل میں تھا تو مجھے سخت بھوک لگی میرے دل نے مجبور کیا کہ اللہ تعالیٰ سے کھانا مانگوں لیکن میں نے سوچا کہ یہ توکل کرنے والوں کا کام نہیں پھر دل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے صبر کا سوال کرو

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ طلاق آیت ۲، ۳

(۲) قرآن مجید، سورۂ ذاریات آیت ۲۲

marfat.com

جب میں نے اس کا ارادہ کیا تو ہاتف غیبی نے آواز دی اس نے کہا۔

وَيَزْعَمُ اَنَّهٗ مِنَّا قَرِيْبٌ وَاَنَّا لَا نُضَيِّعُ مَنْ اَتَانَا وَيَسْاَلُنَا عَلَى الْاِقْتَارِ جُهْدَ كَاَنَّا لَا نَرَاهُ وَلَا يَرَانَا۔

وہ خیال کرتا ہے کہ ہمارے قریب ہے اور یہ کہ جو ہمارے پاس آتا ہے ہم اسے ضائع نہیں کرتے اور تنگی میں صبر کا سوال کرتا ہے گویا ہم اسے اور وہ ہمیں نہیں دیکھتا۔

تم یہ بات سمجھ گئے کہ جس کا نفس ٹوٹ جائے اور دل مضبوط ہو جائے بزدلی کے ذریعے اس کا باطن کمزور نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر پر ایمان بھی مضبوط ہو تو اس کا نفس ہمیشہ مطمئن رہتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد اور یقین ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ برا حال یہی ہوگا کہ وہ مر جائے گا اور موت کا آنا تو یقینی ہے جس طرح اس آدمی کو بھی موت آتی ہے جس کا دل مطمئن نہ ہو۔

توکل کی تکمیل یوں ہوتی ہے کہ ایک طرف سے قناعت ہوتی ہے اور دوسری جانب (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے) رزق کی جو ضمانت ہے وہ پوری کی جاتی ہے اور وہ ذات سچی ہے جس نے ان لوگوں کو دینے کی ضمانت دی ہے جو ان اسباب پر قناعت کرتے ہیں جن کی تدبیر اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے تو اے انسان! قناعت اختیار کر کے تجربہ کر کہ اس کو تم وعدے میں سچا پاؤ گے کہ اس نے جس عجیب و غریب قسم کے رزق کا تم سے وعدہ کیا جو تمہارے خیال میں بھی نہیں تھا وہ تمہیں عطا فرمائے گا اپنے توکل میں اسباب کے منتظر نہ رہو بلکہ مسبب الاسباب پر توکل کرو جیسے تم کاتب کے قلم کے نہیں بلکہ کاتب کے دل کے منتظر رہتے ہو، کیوں کہ حرکت قلم کی اصل تو وہی ہے اور محرک اول ایک ہی ہے لہٰذا صرف اسی کی طرف نظر ہونی چاہیے اور یہ اس شخص کے توکل کی شرط ہے جو جنگلوں میں زاد راہ کے بغیر پھرتا ہے یا شہروں میں گمنام بیٹھتا ہے۔

ہاں جو شخص عبادت اور علم کے ساتھ مشہور ہو پس جب وہ رات اور دن میں ایک مرتبہ کے کھانے پر قناعت کرے وہ کھانا جیسا بھی ہو اگرچہ لذیذ کھانوں میں سے نہ ہو اور موٹا کپڑا جو دینداروں کے لائق ہے تو اسے یہ کھانا ہمیشہ ملے گا وہاں سے بھی جس جگہ کا اسے گمان ہے اور وہاں سے بھی جہاں کا گمان نہیں ہے بلکہ کئی گنا زیادہ آئے گا۔ پس اس کا توکل کو چھوڑ دینا اور رزق کا اہتمام کرنا انتہائی کمزوری اور کوتاہی ہے کیوں کہ جو شخص کسی شہر میں گمنام ہے وہ کمانے کے باوجود اس قدر رزق حاصل نہیں کر سکتا جس قدر اس شخص کی شہرت حصول رزق کا مضبوط سبب ہے پس دیندار لوگوں کے لئے رزق کا اہتمام قبیح ہے اور علماء کے لیے تو زیادہ برا ہے کیوں کہ ان کے لیے قناعت شرط ہے اور قناعت کرنے والے عالم کے پاس اس کا اپنا رزق بھی آتا ہے اور بہت بڑی جماعت کا رزق بھی، اگر اس کے ساتھ ہوں۔ ہاں اگر اس کا ارادہ یہ ہو کہ وہ لوگوں کے ہاتھوں سے نہیں لے گا بلکہ اپنی کمائی سے کھائے گا تو اس کی بھی وجہ ہے جو اس باعمل عالم کے لائق ہے جو ظاہر علم و عمل پر چلتا ہے اور باطنی سیر نہیں کرتا کیوں کہ مال کمانا باطنی فکر کے راستے میں رکاوٹ ہے لہٰذا ایسا عالم سلوک الی اللہ میں

marfat.com

مشغول ہو اور ایسے شخص سے رزق حاصل کرے جو اس کو دینے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو یہ زیادہ مناسب بات ہے کیوں کہ اس نے اللہ عزوجل کے لیے فراغت حاصل کی ہے اور حصول ثواب میں دینے والے کی مدد کی ہے۔

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے جاری طریقوں کو دیکھتا ہے اس کو معلوم ہے کہ رزق اسباب کی مقدار کے مطابق نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ ایران کے کسی بادشاہ نے ایک دانا سے پوچھا کہ بیوقوف کو رزق ملتا ہے اور عقل مند محروم رہتا ہے اس کی کیا وجہ ہے اس نے کہا کہ خالق و صانع نے چاہا کہ اس کی ذات کو پہچانا جائے اگر ہر عقل مند کو رزق ملتا اور ہر بیوقوف محروم رہتا تو یہ گمان ہوتا کہ اس کی عقل اس کے رزق کا ذریعہ ہے جب انہوں نے اس کے خلاف دیکھا تو جان لیا کہ رازق کوئی اور ہے اور اب وہ ظاہری اسباب پر اعتماد نہیں کرتے۔ شاعر نے کہا۔

وَلَوْ كَانَتِ الْأَرْزَاقُ تَجْرِيْ عَلَى الْحِجَا — اگر رزق عقل کی بنیاد پر جاری ہوتے تو اس وقت جانور
هَلَكْنَ إِذًا مِنْ جَهْلِهِنَّ الْبَهَائِمُ — اپنی جہالت کی وجہ سے ہلاک ہو جائے۔

متوکلین کے اسباب سے تعلق کی مثال

اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلوق کی مثال اس طرح ہے جیسے مانگنے والوں کی ایک جماعت بادشاہ کے محل کے دروازے پر ایک میدان میں کھڑی ہو اور وہ سب کھانے کے محتاج ہوں بادشاہ ان کی طرف کئی غلاموں کو بھیجے جن کے پاس روٹیاں ہوں اور ان کو حکم دے کہ بعض کو دو دو روٹیاں دیں اور بعض کو ایک ایک روٹی دیں اور کوشش کریں کہ کوئی رہ نہ جائے اور ایک منادی کو حکم دے کہ اعلان کر دو سب اپنی جگہ ٹھہرے رہیں جب غلام باہر آئیں تو ان سے لٹک نہ جانا بلکہ ہر شخص اپنی جگہ مطمئن کھڑا رہے کیوں کہ غلام حکم کے پابند ہیں وہ تمہارا حصہ ضرور تم تک پہنچائیں گے۔

پس جو شخص غلاموں سے چمٹ جائے گا اور ان کو اذیت دے کر دو روٹیاں لے جائے گا پھر جب میدان کا دروازہ کھلے گا اور وہ وہاں سے نکالا جائے گا تو میں اس کے پیچھے ایک غلام بھیجوں گا جو اس پر مقرر ہو گا یہاں تک کہ وہ اسے پکڑ کر میرے پاس لائے گا اور میں اسے ایک دن سزا دوں گا جو مجھے معلوم ہے لیکن میں نے اسے پوشیدہ رکھا ہے۔ اور جو غلام کو اذیت نہ پہنچائے اور ایک روٹی پر قناعت کرے جو اسے غلام کے ہاتھ سے پہنچی ہے اور وہ خاموش رہے حرکت نہ کرے تو میں اسے ایک قیمتی خلعت دوں گا اور یہ اسی دن ہو گا جس دن دوسرے کو سزا دوں گا اور جو اپنی جگہ بیٹھا رہا لیکن دو روٹیاں لیں تو اسے نہ تو سزا ہو گی اور نہ ہی خلعت ملے گی اور جس کو میرے غلاموں سے کچھ نہ مل سکا اور اس نے بھوک کی حالت میں رات گزاری لیکن میرے غلاموں پر ناراضگی کا اظہار بھی نہ کیا اور نہ یہ کہا کہ کاش مجھے ایک روٹی مل جاتی تو ایسے شخص کو میں اپنا وزیر بناؤں گا اور اپنی سلطنت اس کے حوالے کروں گا۔

marfat.com

چنانچہ اس ندا کے بعد مانگنے والوں کی چار قسمیں ہوگئیں ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جن پر پیٹ غالب آگیا اور انہوں نے اس سزا کی طرف توجہ نہ کی جس سے ڈرایا گیا تھا اور کہنے لگے کل تک بڑا وقت ہے اور ہمیں بھوک لگی ہوئی ہے چنانچہ انہوں نے غلاموں پر چڑھائی کردی اور ان کو اذیت دے کر دو دو روٹیاں لے لیں تو اس مقررہ وقت میں ان کو سزا دی گئی اب وہ وہ پشیمان ہوتے لیکن اس پشیمانی کا ان کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ دوسری قسم کے لوگ سزا کے ڈر سے غلاموں سے نہ لپٹے لیکن بھوک کے غلبہ کی وجہ سے دو دو روٹیاں حاصل کرلیں۔ اور وہ سزا سے محفوظ رہے لیکن ان کو خلعت عطا نہ ہوئی تیسری قسم کے لوگوں نے کہا ہم ایسی جگہ بیٹھتے ہیں جہاں غلام ہمیں دیکھ لیں اور ہمیں چھوڑ نہ دیں لیکن جب وہ دیں گے تو ہم ایک ایک روٹی لیں گے اور اس پر قناعت کریں گے۔ چوتھی قسم کے لوگ میدان کے مختلف کونوں میں پھیل گئے اور غلاموں کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے انہوں نے کہا اگر وہ غلام ہمارے پیچھے آکر ہمیں دیں گے تو ہم ایک ایک روٹی پر قناعت کریں گے اور اگر انہوں نے ہمیں کچھ نہ دیا تو رات بھر بھوک کی سختی برداشت کریں گے ہوسکتا ہے ہم ناراضگی نہ کرنے کی قوت حاصل کریں تو وزارت کا رتبہ اور بادشاہ کے قریب کا درجہ حاصل ہو لیکن وہ اپنے منصوبے میں کامیاب نہ ہوئے کیوں کہ غلاموں نے میدان کے مختلف کونوں میں ان کا پیچھا کیا اور ان میں سے ہر ایک کو ایک روٹی دی۔ کچھ دن اسی طرح ہوتا رہا اس کے بعد اتفاقاً تین آدمی ایک کونے میں چھپ گئے اور ان پر غلاموں کی نگاہ نہ پڑی اور کسی وجہ سے وہ زیادہ تفتیش نہ کرسکے چنانچہ انہوں نے بھوک کی حالت میں رات گزاری ان میں سے دو نے کہا اچھا ہوتا ہم غلاموں کے سامنے ہو جاتے اور ہمیں کھانا مل جاتا ہم صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے لیکن تیسرا صبح تک خاموش رہا چنانچہ اس نے قرب اور وزارت کا درجہ پایا۔

مخلوق کی مثال اسی طرح ہے میدان سے مراد دنیوی زندگی کا میدان ہے اور میدان کا دروازہ موت ہے اور مجہول میعاد سے قیامت کا دن مراد ہے اور وزارت کا وعدہ شہادت کا وعدہ ہے جو متوکل کے لیے ہے جب وہ بھوک کی حالت میں راضی رہتے ہوئے انتقال کرے اس وعدے کا ایفاء قیامت تک مؤخر نہیں ہوگا کیوں کہ شہداء زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں رزق حاصل کرتے ہیں اور غلاموں سے چمٹنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسباب کے سلسلے میں حد سے بڑھتے ہیں اور مسخر غلام اسباب ہیں غلاموں کے سامنے میدان میں بیٹھنے والے وہ لوگ ہیں جو شہروں کی خانقاہوں اور مساجد میں سکون کے ساتھ بیٹھتے ہیں میدان کے کونوں میں چھپنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو توکل کی صورت میں جنگلوں کی سیر کرتے ہیں اور اسباب ان کے پیچھے جاتے ہیں اور ان کے پاس رزق کبھی آتا ہے اگر ان میں سے کوئی بھوک پر راضی رہتے ہوئے فوت ہو جائے تو اسے شہادت اور قربِ خداوندی کا مقام حاصل ہوتا ہے مخلوق ان چار قسموں میں تقسیم ہے شاید نوے فیصد اسباب سے تعلق رکھتے ہوں اور باقی دس میں سے سات شہروں میں رہتے ہوں اور محض اپنی حاضری اور شہرت کو سبب بناتے ہو باقی تین جنگلوں میں پھرتے ہوں پھر ان میں سے دو اسباب پر ناراض ہوں اور ایک کو قرب کے ذریعے کامیابی حاصل ہو۔ شاید گذشتہ زمانے میں

marfat.com

ی طرح ہو لیکن آج کل اسباب کو چھوڑنے والے دس ہزار میں سے ایک بھی نہیں۔

دوسرا فن :

مال جمع کرنے کے اسباب کے درپے ہونا۔

جس شخص کو مال حاصل ہو، چاہے وراثت کے طور پر ہو یا کمانے کے ذریعے، یا مانگ کر حاصل کیا ہو یا اس کا کوئی دوسرا سبب ہو تو اس شخص کے لیے مال جمع کرنے میں تین حالتیں ہیں۔

پہلی حالت :

وقتی ضرورت کے مطابق مال حاصل کرے اگر بھوکا ہے تو کھالے ننگا ہے تو پہن لے اور رہائش کی ضرورت ہے تو سستی رہائش گاہ خرید لے باقی مال اسی وقت تقسیم کر دے اور اسے جمع نہ کرے ہاں اتنی مقدار جمع کرے جس کی کسی دوسرے وقت حاجت ہو اور وہ اس نیت سے رکھے تو ایسا شخص توکل کے تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے اور یہی سب سے بلند درجہ ہے۔

دوسری حالت :

پہلی حالت کے مقابلے میں ہے اور وہ توکل کی حدود سے باہر نکال دیتی ہے یعنی ایک شخص سال بھر یا اس سے زیادہ وقت کے لیے جمع کرے یہ شخص توکل کرنے والوں میں سے بالکل نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ جانوروں میں سے صرف تین حیوانات اکٹھا کرتے ہیں چوہا، چیونٹی اور انسان۔

تیسری حالت :

چالیس دن یا اس سے کم کے لیے جمع کرے تو کیا ایسا شخص اس مقام محمود سے محروم ہے جس کا آخرت میں متوکلین سے وعدہ کیا گیا ہے؟ تو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ حضرت سہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ توکل کی حد سے نکل جاتا ہے حضرت حارث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چالیس دنوں کے لیے جمع کرنے کی صورت میں توکل سے نہیں نکلتا البتہ زیادہ سے نکلتا ہے حضرت مطلب کی رحمہ اللہ فرماتے ہیں چالیس دن سے زیادہ کے لیے جمع کرے تو بھی توکل کی حد سے نہیں نکلتا۔

جب جمع کرنے کی اصلاً اجازت ہے تو اس اختلاف کا کوئی مطلب نہیں ہاں یہ جائز ہے کہ کوئی شخص یوں گمان کرے کہ جمع کرنا ہی توکل کے خلاف ہے اس کے بعد مقدار کسی کو معلوم نہیں اور ہر وہ ثواب جس کا کسی رتبہ پر وعدہ کیا گیا ہے وہ اس رتبہ پر تقسیم ہوتا ہے۔ اور اس رتبے کا آغاز بھی ہوتا ہے اور انتہا بھی۔ انتہائی درجہ والوں کو سابقین کہا جاتا ہے اور ابتدائی درجہ والوں کو اصحاب یمین کہتے ہیں پھر اصحاب یمین کے کئی درجات ہیں اسی طرح سابقین بھی کئی درجات میں تقسیم ہوتے ہیں اور اصحاب یمین کے اونچے درجہ والے سابقین کے سب سے نچلے درجے والوں سے ملے ہوتے ہیں لہذا اس سلسلے میں کوئی مقدار مقرر کرنا صحیح نہیں۔

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ذخیرہ نہ کرنے کی صورت میں بھی توکل کی تکمیل اسی وقت ہوگی جب امید کم ہو اور یہ شرط لگانا

marfat.com

بہت بعید کہ اسے بالکل زندہ رہنے کی امید نہ ہو اگرچہ ایک دم کے لیے ہی ہو یہ تو غیر ممکن بات ہے۔ البتہ لوگ امید کے طویل اور کوتاہ ہونے میں مختلف ہیں کم از کم امید ایک دن رات اور اس سے کم وقت ہے اور زیادہ سے زیادہ جس کا تصور ہو سکتا ہے وہ انسان کی پوری زندگی ہے اور ان دونوں کے درمیان بے شمار درجات ہیں جو شخص ایک ہفتے سے زیادہ کی امید نہیں رکھتا وہ اس شخص کے مقابلے میں جو ایک سال کی امید رکھتا ہے، مقصود کے زیادہ قریب ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی (کوہ طور پر جانے کے سلسلے میں) میعاد کے حوالے سے چالیس دن کی قید لگانا بعید ہے کیوں کہ اس واقعہ میں یہ بتانا مقصود نہ تھا کہ اتنی مدت کی امید کی اجازت دی جاتی ہے بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا استحقاق موعود چالیس دن کے بعد ہی پایہ تکمیل کو پہنچ سکتا تھا اور یہ ایک راز کی وجہ سے تھا جو اللہ تعالیٰ کی عادات میں سے ہے اور اس قسم کی مثالوں میں اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ امور کو تدریجاً بڑھانا ہے۔

جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ خَمَّرَ طِيْنَةَ اٰدَمَ بِيَدِهٖ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا۔ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر اپنے دستِ قدرت سے چالیس دنوں میں تیار کیا۔

کیوں کہ اس گوندھے ہوئے خمیر کا استحقاق اسی مدت پر موقوف تھا جس کا ذکر کیا گیا۔

پس جو شخص ایک سال سے زیادہ کے لیے جمع کرے وہ قلبی کمزوری کے باعث ایسا کرتا ہے نیز اس کا جھکاؤ ظاہری اسباب کی طرف ہے وہ مقام توکل سے خارج ہے اور وہ سچے وکیل کی خفیہ اسباب کے ساتھ تدبیر پر یقین نہیں رکھتا کیوں کہ داخلی اسباب پیداوار اور زکوٰۃ کے اعتبار سے ہر سال پیدا ہوتے ہیں اور جو شخص سال سے کم مدت کے لیے جمع کرتا ہے اس کے لیے امید کے کوتاہ ہونے کے اعتبار سے درجہ ہے جس آدمی کی امید دو مہینے کی ہو اس کا درجہ اس شخص کے درجے جیسا نہیں جس کی امید ایک مہینہ ہے اور جو آدمی تین مہینے کی امید رکھتا ہے بلکہ وہ رتبہ کے اعتبار سے ان دونوں کے درمیان ہے اور جمع کرنے سے مانع امید کی کمی ہی ہے پس افضل یہی ہے کہ بالکل جمع نہ کرے اگرچہ اس کا دل کمزور ہو جب وہ کم جمع کرے گا تو فضیلت زیادہ ہو گی۔

ایک فقیر جس کو غسل دینے کا حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کو دیا تھا انہوں نے اس کو غسل دیا اور اسی کی چادر کا کفن دے کر دفن کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا۔

اِنَّهٗ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهٗ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَكُوْرَ غَسْلَةٌ كَانَتْ فِيْهِ

اسے قیامت کے دن اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا ہو گا اگر اس میں

---

(۱) الفوائد المجموعۃ ص ۱۵۴ کتاب الصفات

marfat.com

لَبِثَ وَجْهُهٗ كَالشَّمْسِ الضَّاحِيَةِ۔

ایک عادت نہ ہوتی تو وہ قیامت کے دن اس طرح اٹھتا کہ اس کا چہرہ روشن سورج کی طرح ہوتا۔

٭ ٭ ٭

فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا عادت ہے؟ آپ نے فرمایا۔

كَانَ صَوَّامًا قَوَّامًا كَثِيْرَ الذِّكْرِ لِلّٰهِ تَعَالٰى غَيْرَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا جَاءَ الشِّتَاءُ اَخَّرَ حُلَّةَ الصَّيْفِ لِصَيْفِهٖ وَاِذَا جَاءَ الصَّيْفُ اَخَّرَ حُلَّةَ الشِّتَاءِ لِشَتَائِهٖ۔

وہ بہت زیادہ روزے رکھتا راتوں کو عبادت کرتا اور اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کرتا تھا البتہ جب سردیوں کا موسم آتا تو گرمیوں کا لباس آئندہ گرمیوں کے لیے رکھتا تھا اور جب گرمی کا موسم آتا تو سردیوں کا لباس دوسرے موسم سرما کے لیے رکھ چھوڑتا تھا۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا۔

بَلْ اَقَلُّ مَا اُوْتِيْتُمُ الْيَقِيْنُ وَعَزِيْمَةُ الصَّبْرِ۔ (۱)

بلکہ کم از کم جو چیز تمہیں دی گئی ہے وہ یقین اور صبر کا عزم ہے

(لوٹا اور چھری وغیرہ جن کی ہمیشہ ضرورت پڑتی ہے وہ اس معنی میں نہیں ہیں کیوں کہ ان چیزوں کو جمع کرنا درجے کی کمی کا باعث ہے (اس میں ضرورت کا تمام سامان داخل ہے) سردیوں کے کپڑوں کی گرمیوں میں ضرورت نہیں پڑتی اور یہ اس شخص کے لیے ہے کہ ترکِ ذخیرہ سے اس کا دل مضطرب نہ ہو اور نہ ہی وہ لوگوں کے ہاتھوں کی طرف دیکھے بلکہ اس کا دل صرف سچے وکیل (اللہ تعالیٰ) کی طرف متوجہ رہے اور اگر وہ اپنے دل میں اضطراب محسوس کرتا ہے جو اسے عبادت، ذکر اور فکر سے غافل کرتا ہے ایسے شخص کے لیے مال جمع کرنا زیادہ بہتر ہے بلکہ اگر وہ ایسا سامان رکھے جس کی آمدن اسے بقدر کفایت حاصل ہو اور اس کی وجہ سے دل کو فراغت بھی حاصل ہوتی ہے تو ایسا کرنا بہتر ہے کیوں کہ مقصود تو یہ ہے کہ دل کی اصلاح کی جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے خالی ہو جائے اور کئی لوگ ایسے ہیں جن کے پاس مال کا ہونا انہیں غافل کرتا ہے اور بعض کے پاس نہ ہونا غافل کرتا ہے اور ممنوع وہ ہے جو اسے اللہ تعالیٰ سے غافل کرتا ہے ورنہ ذاتی طور پر دنیا ممنوع نہیں ہے اس کا وجود اور نہ ہی اس کا عدم۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف قسم کے لوگوں کی طرف بھیجا گیا جن میں تاجر بھی ہیں اور صنعت و حرفت والے بھی تھے تاجر کو تجارت چھوڑنے اور کسی پیشے والے کو اپنا پیشہ چھوڑنے کا حکم نہیں دیا گیا اور جو لوگ ان دونوں باتوں سے تعلق نہیں رکھتے تھے ان کو یہ کام اپنانے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور ان کی راہنمائی فرمائی کہ ان کی کامیابی اور نجات صرف اسی بات میں ہے کہ اپنے دلوں کو دنیا سے اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دیں اور دل کا بہترین شغل اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہے پس کمزور آدمی کا حاجت کے مطابق جمع کرنا بہتر ہے جیسے مضبوط (دل والے) کا جمع نہ کرنا اچھا ہے اور یہ سب (مذکورہ بالا) منفرد کا حکم ہے۔

---

(۱)

marfat.com

جہاں تک عیال دار کا تعلق ہے تو بال بچوں کے لیے ایک سال کا خرچ جمع کرنے سے توکل کی تعریف سے نہیں نکلتا ہے اس سے زیادہ جمع کرنا توکل کو باطل کر دیتا ہے کیوں کہ سال کے بدلنے سے اسباب بدل کر آتے ہیں لہٰذا اس سے زیادہ جمع کرنے کا سبب دل کی کمزوری ہے اور یہ قوتِ توکل کے خلاف ہے۔

پس متوکل اس شخص کو کہتے ہیں جو توحید پر ایمان رکھتا ہو اس کا دل مضبوط ہو، نفس اللہ تعالیٰ کے فضل پر مطمئن ہو اور اس کی تدبیر پر اعتماد ہو اسباب ظاہرہ کے وجود پر نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کا رزق جمع فرمایا (۱)

اور حضرت ام ابن رضی اللہ عنہا کو دوسرے دن کے لیے جمع کرنے سے منع فرمایا (۲)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے روٹی کا ایک ٹکڑا افطاری کے لیے رکھا تو آپ نے منع کرتے ہوئے فرمایا۔

اَنْفِقْ بِلَالًا وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِی الْعَرْشِ اِقْلَالًا۔ (۳)

اے بلال اسے خرچ کرو اور عرش والے سے مفلسی کا ڈر نہ رکھو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی سے ارشاد فرمایا۔

اِذَا سُئِلْتَ فَلَا تَمْنَعْ وَاِذَا اُعْطِیْتَ فَلَا تُخْبَأْ۔ (۴)

جب تم سے مانگا جائے تو نہ روکو اور جب تمہیں دیا جائے تو نہ چھپاؤ۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں ایسا کرنا چاہیے آپ اتنی کم امید رکھتے تھے کہ جب پیشاب فرماتے تو پانی کے قریب ہونے کے باوجود تیمم فرماتے اور ارشاد فرماتے

مَا یُدْرِیْنِیْ لَعَلِّیْ لَا اَبْلُغُهٗ۔ (۵)

مجھے معلوم نہیں شاید اس (پانی) تک نہ پہنچوں۔

حالاں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم توجمع بھی کرتے تو آپ سے توکل میں فرق نہ پڑتا کیوں کہ آپ کا بھروسہ اس چیز پر نہ تھا جسے آپ جمع فرماتے لیکن آپ نے اپنی امت کے مضبوط دل والوں کی تعلیم کے لیے یہ راستہ اختیار کیا کیوں کہ آپ کی امت کے مضبوط لوگ آپ کی نسبت سے کمزور ہیں۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۰۶ کتاب النفقات

(۲) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۴۱ کتاب الزھد

(۳) مجمع الزوائد جلد ۳ ص ۲۶۴ کتاب الزکوٰۃ

(۴) تاریخ ابن عساکر جلد ۴ ص ۲۱۴ ذکر من اسمہ بلال

(۵) مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۰ کتاب الرقاق

marfat.com

آپ نے جو اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کا خرچ جمع کیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کا دل یا آپ کے اہل خانہ
لے دل کمزور تھے لیکن امت کے کمزور لوگوں کے لیے سنت بنانے کی خاطر ایسا کیا۔ بلکہ آپ نے اس بات کی خبر دی کہ
ہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ جس طرح عزیمت (اصل حکم) پر عمل کیا جاتا ہے اسی طرح کمزور لوگوں کی دلجوئی کے لیے
صت پر بھی عمل کیا جائے (۱)

تاکہ ان کی کمزوری ان کو مایوسی تک نہ لے جائے اور وہ انتہائی درجہ تک پہنچنے سے عاجز ہونے کی وجہ سے آسان
ں بھی چھوڑ دیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے حالاں کہ ان کی مختلف اقسام اور مختلف
جات ہیں۔

جب تم نے اس بات کو سمجھ لیا تو تمہیں معلوم ہو گیا کہ مال کا جمع کرنا بعض لوگوں کے لیے نقصان دِہ ہے اور بعض کے
ے نہیں اس پر حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی روایت دلالت کرتی ہے کہ اصحاب صفہ میں سے ایک صحابی انتقال کر گئے
ن کے کفن کے لیے کپڑا نہ ملا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے کپڑوں کی تلاشی لو تو دیکھا کہ ازار کے اندر دو
بار تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دو داغ ہیں۔ (۲)

ان (صحابی) کے علاوہ کئی مسلمان فوت ہوئے اور مال چھوڑا لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں یہ بات
ن فرمائی اس بات میں دو وجہوں کا احتمال ہے کیوں کہ ان کی حالت کے بھی دو احتمال تھے ایک یہ کہ داغ سے آگ کا داغ
ا دیا ہو جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ۔ (سورہ توبہ ۳۵)

(زکوٰۃ نہ دینے والوں کے مال کو آگ میں گرم کر کے) اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ (۱)

اور یا اس صورت میں جب اس کی حالت سے زُہد، فقر اور توکل کا اظہار ہو حالانکہ وہ ان امور سے خالی ہو تو یہ ایک
م کا دھوکہ ہے دوسری صورت یہ ہے کہ یہ بات دھوکے کی وجہ سے نہ ہو اب مراد یہ ہو گی کہ درجۂ کمال میں نقصان واقع ہوا۔
ے چہرے پر دو داغ ہوں تو چہرے کے جمال میں کمی آجاتی ہے اور یہ کسی دھوکے کی وجہ سے نہیں ہوتا کیوں کہ انسان جو مال
ں چھوڑتا ہے وہ اس کے آخری درجہ میں نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ کیوں کہ انسان کو دنیا میں سے جس قدر دیا جاتا ہے
، قدر اس کے اُخروی حصے میں کمی واقع ہوتی ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۰۸ مرویات ابن عمر

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۱ اول ص ۱۳۷ مرویات علی

marfat.com

لیکن جب اس صورت میں جمع کرے کہ اس جمع شدہ مال سے دل فارغ ہو تو اس سے توکل کا باطل ہونا لازم نہیں آتا
اس سلسلے میں حضرت بشر رحمہ اللہ سے مروی بات گواہ ہے حضرت حسین مغازلی رحمہ اللہ جو اُن کے شاگردوں سے تھے فرماتے
ہیں میں چاشت کے وقت حضرت بشر رحمہ اللہ کے پاس حاضر تھا کہ ایک شخص جو کمزور تھا، اس کا رنگ گندمی تھا اور تھوڑی
تھوڑی داڑھی تھی حضرت بشر رحمہ اللہ ان کے استقبال میں کھڑے ہوئے راوی کہتے ہیں میں نے ان کو کسی کے اعزاز میں کھڑے
ہوئے نہیں دیکھا تھا پھر انہوں نے مجھے ہتھیلی بھر درہم دیئے اور فرمایا جس قدر اچھا کھانا مل سکے خرید لاؤ حالانکہ اس سے
پہلے انہوں نے کبھی بھی مجھے یہ بات نہیں فرمائی تھی فرماتے ہیں میں کھانا لے کر آیا اور ان کے سامنے رکھ دیا انہوں نے اس
شخص کے ساتھ مل کر کھایا حالانکہ اس سے پہلے میں نے ان کو کبھی کسی کے ساتھ مل کر کھاتے نہیں دیکھا فرماتے ہیں ہم نے
نے ضرورت کے مطابق کھایا اور بہت سا کھانا بچ گیا جو اس شخص نے لے کر کپڑے میں جمع کیا اور اٹھا کر ساتھ لے گیا
مجھے اس بات پر تعجب بھی ہوا اور میں نے اسے ناپسند بھی کیا حضرت بشر رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا شاید تمہیں اس شخص
کے عمل پر اعتراض ہے؟ میں نے کہا ہاں وہ شخص اجازت کے بغیر باقی ماندہ کھانا لے کر چلا گیا حضرت بشر رحمہ اللہ نے فرمایا
وہ ہمارے بھائی حضرت فتح مُوصلی رحمہ اللہ تھے وہ آج ہماری ملاقات کے لیے مُوصل سے تشریف لائے تھے انہوں نے
ہمیں یہ بات سکھانے کا ارادہ کیا کہ جب توکل صحیح ہو تو مال جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

تیسرا فن:

وہ اسباب اختیار کرنا جو خوف کے باعث پیش آنے والے ضرر کو دُور کرتے ہیں بعض اوقات نفس یا مال میں خوف
کی وجہ سے بھی ضرر ہوتا ہے اور توکل کی شرائط میں یہ شرط نہیں کہ ضرر کو دُور کرنے والے اسباب کو بالکل چھوڑ دیا جائے
مثلاً نفس کے اعتبار سے یوں کہ اس زمین پر سونا جہاں درندے ہوں یا وادی میں سیلاب کے راستے میں سو جانا یا گرنے
والی دیوار اور ٹوٹی ہوئی چھت کے نیچے سونا یہ سب باتیں ممنوع ہیں اور ایسا شخص بعض اوقات کسی فائدے کے بغیر اپنے
آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے ہاں یہ اسباب قطعی بھی ہوتے ہیں، ظنی بھی اور موہوم بھی، ان میں سے موہوم کو چھوڑنا توکل کی
شرط ہے اور یہ وہ ہیں جن کی دفعِ ضرر کی طرف نسبت داغ لگانے اور دم کروانے کی نسبت جیسی ہے کیوں کہ داغ
لگانا اور دم کروانا بعض اوقات آنے والے خطرے کے پیش نظر پہلے ہی اختیار کر لیے جاتے ہیں۔

اور بعض اوقات اس خطرے کے آنے پر اس کے ازالہ کے لیے ان کاموں کو اختیار کیا جاتا ہے اور نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے توکل کرنے والوں کا وصف اسی طرح بیان فرمایا کہ وہ داغ لگانے، دم وغیرہ کروانے اور فال لینے
کو چھوڑ دیتے ہیں آپ نے یوں نہیں فرمایا کہ جب وہ کسی ٹھنڈی جگہ جاتے ہیں تو جُبہ نہیں پہنتے اور جبہ متوقع سردی کو
دور کرنے کے لیے پہنا جاتا ہے اسی طرح دوسرے اسباب جو اس کے معنیٰ میں ہیں ہاں سردیوں میں سفر پر جاتے وقت
اندر سے قوتِ حرارت کو برانگیختہ کرنے کے لیے لہسن کھانے کو بعض اوقات اسباب میں غور و فکر کرنا اور ان پر اعتماد

marfat.com

کرنا سمجھا جاتا ہے اور یہ داغ لگانے کے قریب ہے بخلاف جُبہ پہننے کے (اس کا حکم یہ ہیں)
اور ضرر کو دُور کرنے والے اسباب اگرچہ قطعی ہوں ان کو ترک کرنے کی ایک وجہ ہے کہ جب اسے انسانوں سے ضرر پہنچے اگر وہ صبر کر سکتا ہو اور ان کو دُور کرکے شفی حاصل کر سکتا ہو تو توکل کی شرط یہ ہے کہ برداشت کرے اور صبر کرے ارشاد خداوندی ہے۔

فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ۔ (۱)

پس اس کو (اپنا) کارساز سمجھو اور ان (کفار) کی باتوں پر صبر کرو۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَا آذَيْتُمُونَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ۔ (۲)

اور ہم ضرور بضرور ان اذیتوں پر صبر کریں گے جو تم سے ہمیں پہنچیں اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

اور ارشاد فرمایا۔

وَدَعْ أَذَاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ۔ (۳)

اور ان کی اذیتوں سے درگذر فرمائیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ (۴)

پس صبر کریں جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔

اور ارشاد خداوندی ہے:۔

نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ۔ (۵)

کتنا اچھا اجر ہے عمل کرنے والوں کا وہ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔

لیکن سانپوں، درندوں اور بچھوؤں کی اذیت پر صبر کرنا اور ان کو دُور نہ کرنا توکل نہیں ہے کیوں کہ اس میں کوئی

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مزمل آیت ۹، ۱۰
(۲) قرآن مجید، سورۂ ابراہیم آیت ۱۲
(۳) قرآن مجید، سورۂ احزاب آیت ۴۸
(۴) قرآن مجید، سورۂ احقاف آیت ۳۵
(۵) قرآن مجید، سورۂ عنکبوت آیت ۵۸، ۵۹

marfat.com

فائدہ نہیں ہے اور کوشش کرنا یا اسے ترک کرنا ذاتی طور پر مقصود نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد دین پسند حاصل کرنا ہے او
یہاں اسباب کا ترتب اسی طرح ہے جس طرح کسب اور حصول نفع کے سلسلے میں بیان ہوا ہم دوبارہ ذکر کرکے کلام کو لم
کرنا نہیں چاہتے اسی طرح مال کی حفاظت والے اسباب کا حال ہے کہ باہر جاتے وقت دروازے کو تالہ لگانے یا
اونٹ کا پاؤں باندھنے سے توکل میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ یہ اسباب اللہ تعالیٰ کی جاری عادت سے قطعی یا ظنی طور پر
معلوم ہوئے ہیں اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی سے جس نے اپنا اونٹ کھلا چھوڑ کر کہا کہ میں نے اللہ تعا
پر توکل کیا، فرمایا باندھ کر توکل کرو (۱)

اور ارشاد خداوندی ہے :

خُذُوْا حِذْرَكُمْ۔ (۲) اپنا بچاؤ اختیار کرو۔

اور نماز خوف کی کیفیت کے ضمن میں ارشاد فرمایا۔

وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ۔ (۳) اور چاہیے کہ وہ اپنا اسلحہ پکڑے رکھیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ۔ (۴) اور ان (دشمنوں) کے مقابلے میں قوت تیار کرو اور (سرحدوں کی حفاظت کے لیے) گھوڑے باندھنا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔

فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا۔ (۵) پس میرے بندوں کو لے کر راتوں رات چلے جائیں۔

اور رات کے وقت نکلنا دشمنوں سے چھپنا اور اذیت سے بچنا ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غار میں چھپنا دشمنوں کی آنکھوں سے چھپ کر ضرر سے بچنا تھا (۱) اور نماز میں ہتھیار اٹھائے رکھنا سانپ اور بچھو کو قتل کرنے کی طرح قطعی طور پر ضرر کو دفع کرنا نہیں ہے (کیوں کہ وہ قطعی ہیں) لیکن ہتھیار سنبھالے رکھنا ظنی سبب تو ہے اور ہم نے بیان کیا ہے کہ جو چیز ظنی ہو وہ قطعی کی طرح ہوتی ہے صرف موہوم وہ ہے کہ اس کا ترک توکل کا تقاضا ہے۔

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد ۸ ص ۳۹۰ ترجمہ ۴۲۸

(۲، ۳) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۱۰۲

(۴) قرآن مجید، سورۂ انفال آیت ۶۰

(۵) قرآن مجید، سورۂ دخان آیت ۲۳

(۶) الوفا، جلد اول ص ۲۲۰، ابواب ہجرت

marfat.com

سوال :

ایک جماعت سے منقول ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے کاندھے پر شیر نے پاؤں رکھا تو انہوں نے حرکت نہیں کی۔

جواب :

میں کہتا ہوں ایک جماعت سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ شیر پر سوار ہوئے اور انہوں نے اسے مسخر کیا پس تمہیں یہ مقام دھوکہ نہ دے اگرچہ یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے لیکن غیر سے سیکھنے کے سلسلے میں اقتدا کے لائق نہیں ہے بلکہ یہ تو کرامات میں ایک بلند مقام ہے اور یہ توکل میں شرط نہیں ہے اور اس میں ایسے اسرار ہیں کہ ان سے وہی واقف ہو سکتا ہے جو ان اسرار تک رسائی حاصل کرے۔

سوال :

کیا کوئی ایسی علامت ہے جس سے مجھے معلوم ہو کہ میں اس تک پہنچ گیا ہوں۔

جواب :

پہنچنے والا علامات کا محتاج نہیں ہوتا لیکن اس کے پائے جانے سے پہلے کی کچھ علامات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے تمہارے ساتھ جو کتا رہتا ہے جسے غصہ کہا جاتا ہے اور وہ تمہیں بھی اور دوسروں کو بھی مسلسل کاٹتا رہتا ہے وہ تمہارے مسخر ہو جائے۔ اگر یہ کتا تمہارے قابو میں آ جائے کہ وہ تمہارے اشارے سے ہی حرکت میں آئے اشارے کے بغیر نہ ابھرے تمہارے قابو میں رہے اور بعض اوقات تمہارا درجہ اس قدر بلند ہوتا ہے کہ تمہارے سامنے درندوں کا بادشاہ شیر بھی مسخر ہو جاتا ہے اور جنگلی کتوں کے مقابلے تمہارے گھر کے کتے کا مسخر ہونا زیادہ بہتر ہے اور تمہارے اندر کے کتے (غضب) کا مسخر ہونا گھر کے کتے کے مسخر ہونے سے زیادہ بہتر ہے پس جب تک تمہارا یہ باطنی کتا مسخر نہ ہو ظاہری کتے کے مسخر ہونے کی سعی نہ کرو۔

سوال :۔

جب متوکل دشمنوں سے بچنے کے لیے اسلحہ اٹھائے چور سے بچنے کے لیے دروازے کو تالہ لگا دے اور بھاگنے کے خوف سے اونٹ کے پاؤں کو باندھ کر رکھے تو وہ کس اعتبار سے متوکل کہلائے گا۔

جواب :۔

میں کہتا ہوں وہ جانتا ہے کہ اگر چور کو دور کیا جائے تو وہ صرف دروازہ بند کرنے سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دور کرنے سے ہوگا کتنے ہی دروازے بند کئے جاتے ہیں لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور کتنے ہی اونٹ پاؤں سے باندھے جاتے ہیں لیکن کھل جاتے ہیں یا بھاگ جاتے ہیں اور کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جنہوں نے ہتھیار پکڑ رکھے ہوتے ہیں لیکن وہ قتل ہو جاتے ہیں یا ان پر غلبہ آ جاتا ہے پس ان اسباب پر بالکل بھروسہ نہ رکھو بلکہ مسبب الاسباب پر توکل کرو جیسا کہ ہم نے مقدمہ کے دلیل کی

مثال دیتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اگر موکل خود حاضر ہو اور دستاویز بھی حاضر کرے تو اپنے آپ پر اور دستاویز پر بھروسہ نہ کرے بلکہ وکیل کی کفایت اور قوت پر توکل کرے۔

جہاں تک حال کا تعلق ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گھر اور نفس کے بارے میں جو فیصلہ ہے اس پر راضی رہے اور کہے یا اللہ! اگر تو میرے گھر کے مال پر کسی شخص کو مسلط کرے جو اسے لے جائے تو وہ تیرے راستے میں ہے اور میں تیرے فیصلے پر راضی ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ جو کچھ تو نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ ہبہ ہے تو واپس نہیں لے گا یا اُدھار اور امانت ہے جسے تو واپس لے لے گا اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ میرا رزق ہے یا تیری ازلی مشیت میں وہ کسی اور کا رزق ہے تو نے جو بھی فیصلہ کیا ہے میں اس پر راضی ہوں میں نے گھر کو تالہ اس لیے نہیں لگایا تھا میں تیرے فیصلے سے بچنا چاہتا تھا یا میں اس پر ناراض تھا بلکہ ترتیب اسباب کے سلسلے میں تیرے طریقے کے مطابق میں نے ایسا کیا ہے اے مسبب الاسباب! میرا اعتماد تو صرف تیرے اوپر ہے اگر آدمی کی حالت یہ ہو اور علم کی وہ صورت ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی ہے تو وہ اونٹ کا پاؤں باندھنے، ہتھیار پکڑنے اور دروازہ بند کرنے کی وجہ سے توکل سے باہر نہیں نکلے گا پھر جب گھر واپس آئے اور سامان کو گھر میں پائے تو مناسب یہ ہے کہ یہ اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نئی نعمت ہو اور اگر وہ مال موجود نہ ہو بلکہ چوری ہو گیا ہو تو اپنے دل کو دیکھے اگر اسے اس پر یعنی پائے یا اس پر اس لیے راضی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ مال اس لیے لیا کہ اس کے مقابلے میں آخرت میں زیادہ عطا فرمائے گا تو توکل اس کا مقام صحیح قرار پایا اور اس کی صداقت ظاہر ہو گئی۔ اور اگر وہ اس وجہ سے دل میں دُکھ محسوس کرے اور صبر کی بھی پاتا ہو تو اس کے لیے ظاہر ہو گیا کہ وہ توکل کے دعویٰ میں سچا نہیں تھا کیوں کہ توکل زُہد کے بعد آتا ہے اور زاہد اسی شخص سے صحیح قرار پاتا ہے جو دنیا کے جانے پر افسوس نہیں کرتا اور جو کچھ آئے اس پر خوش نہیں ہوتا بلکہ اس کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے تو اس کے لیے توکل کیسے صحیح قرار پائے گا، ہاں بعض اوقات اس کے لیے صبر صحیح قرار پاتا ہے جب اسے چھپائے اور شکوہ ظاہر نہ کرے اور تجسس و طلب میں اس کی کوشش زیادہ نہ ہو۔

اور اگر وہ صبر پر قادر نہ ہو حتیٰ کہ اس کے دل کو اذیت پہنچے زبان سے شکوہ کرے اور بدن کو مال کی طلب میں لگا دے تو چوری سے اس کا گناہ بڑھ جائے گا کیوں کہ ظاہر ہو گیا کہ تمام مقامات میں کوتاہی ہے اور وہ اپنے دعووں میں جھوٹا ہے اس کے بعد کوشش کرے اور نفس کی کسی بات کی تصدیق نہ کرے اور اس کے دھوکے کے جال میں نہ پھنسے کیوں کہ یہ دھوکہ باز ہے حکم برائی کا دیتا ہے اور دعویٰ نیکی کا کرتا ہے۔

سوال :۔

متوکل کے پاس مال کیسے ہو سکتا ہے جسے چوری کیا جائے۔

جواب:

marfat.com

توکل کے گھر میں کچھ نہ کچھ سامان تو ہوتا ہے جیسے ایک پیالہ جس میں وہ کھانا کھائے لوٹا جس سے پانی پیئے، وضو کرنے کے لیے کوئی برتن، تھیلی جس میں سامانِ سفر کی حفاظت ہو اور لاٹھی جس کے ساتھ دشمن کو دور کرے اور اس کے علاوہ گھریلو زندگی کا سامان۔

اور بعض اوقات اس کے پاس مال آتا ہے اور وہ اسے روک کر رکھتا ہے کہ جب کوئی محتاج آئے گا تو اسے دوں گا تو اس نیت سے جمع کرنا توکل کو باطل نہیں کرتا اور توکل کی شرط یہ نہیں ہے کہ جس لوٹے سے پانی پیتا ہے اور جس تھیلے میں سامان رکھتا ہے اسے گھر سے نکال دے دینے کا حکم کھانے کے سامان اور ضرورت سے زائد چیزوں کے بارے میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہی ہے کہ مسجد کے کونوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں تک کھانا پہنچاتا ہے انہیں ہر دن یا ہر ہفتے میں لوٹے اور دیگر سامان پہنچانے کا طریقہ جاری نہیں ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی عادت سے نکلنا توکل کی شرط نہیں ہے اسی لیے حضرت خواص رحمہ اللہ سفر میں اسی، ڈولچی، قینچی اور سوئی دھاگہ ساتھ رکھتے تھے کھاتے پینے کا سامان نہیں رکھتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی سنت دونوں چیزوں میں فرق کے ساتھ جاری ہے۔

سوال:

جب کسی کا ایسا سامان چوری ہو جائے جس کی اسے حاجت ہے تو وہ کیسے غمگین نہیں ہوگا اور افسوس نہیں کرے گا اور اگر وہ اسے نہیں چاہتا تو روک کر کیوں رکھتا ہے اور دروازہ کیوں بند کرتا ہے اور اگر وہ اس لیے روکتا ہے کہ اپنی حاجت کے لیے چاہتا ہے تو اس کے دل کو اذیت کیسے نہیں پہنچے گی اور کس طرح وہ غمگین نہیں ہوگا حالانکہ اس کے اور اس کی خواہش کے درمیان رکاوٹ پیدا ہو گئی۔

جواب:

اس نے اسے اس لیے محفوظ رکھا تھا کہ اس کے ذریعے دین پر مدد حاصل کرے کیوں کہ اس کا یہی گمان تھا کہ اس کی بھلائی اسی میں تھی کہ یہ سامان اس کے پاس ہوتا اگر اس میں اس کی بھلائی نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے یہ سامان عطا نہ فرماتا۔ تو اس نے اس بات سے استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ چیز بہم پہنچائی اور اس کے لیے آسان کی اور یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حُسنِ ظن ہے اس کے باوجود کہ یہ چیز اس کے دینی اسباب کے لیے مددگار ہے اور یہ بات اس کے نزدیک قطعی نہیں ہے کیوں کہ ہو سکتا ہے اس کی بھلائی کو اس مال کے گم کرنے سے آزمایا جائے حتیٰ کہ وہ اپنی غرض کے حصول کے لیے مشقت برداشت کرے اور اسے مشقت اور تھکاوٹ کی صورت میں زیادہ ثواب حاصل ہو۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے اس پر چور کو مسلط کر کے اس سے یہ مال لے لیا تو اس کا گمان بدل گیا کیوں کہ وہ تمام

حالتوں پر اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا اور اس کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہے وہ کہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق اس مال کے آج تک میرے پاس ہونے اور اب میرے پاس سے جانے میں بھلائی نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ مجھ سے نہ لیتا تو اس قسم کے گمان سے اس بات کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس کا غم دور ہو جائے کیوں کہ اس صورت میں اس کا اسباب پر خوش ہونا اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ وہ اسباب ہیں بلکہ اس اعتبار سے خوش ہوتا ہے کہ مسبب الاسباب نے اپنے فضل وکرم سے اس کے لیے ان اسباب کو آسان کر دیا سو وہ اس بیمار کی طرح ہے جو شفیق طبیب کے سامنے ہو وہ طبیب کے ہر فعل پر راضی ہوتا ہے اگر وہ اسے غذا دیتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے اگر طبیب اس بات کو نہ جانتا کہ یہ غذا میرے لیے نفع بخش ہے اور میں اس کو برداشت کی طاقت رکھتا ہوں تو وہ اسے میرے قریب نہ کرتا اور اگر وہ اس سے غذا کو دور رکھتا ہے تو وہ اس بات پر بھی خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے اگر غذا مجھے نقصان نہ دیتی اور موت کی طرف نہ لے جاتی تو طبیب اس کے اور میرے درمیان رکاوٹ کھڑی نہ کرتا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کے بارے میں وہ عقیدہ نہ رکھتا ہو جو مریض اپنے مشفق اور ماہر طبیب والد کے بارے میں رکھتا ہے تو اس شخص سے توکل بالکل درست نہیں ہوتا۔

اور جو شخص اللہ تعالیٰ اس کے افعال اور بندوں کی اصلاح کے سلسلے میں سنت الٰہیہ کی پہچان رکھتا ہے وہ اسباب پر خوش نہیں ہوتا کیوں کہ معلوم نہیں کہ کون سے اسباب اس کے لیے بہتر ہیں جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ میں غنی ہونے کی حالت میں صبح کرتا ہوں یا حالتِ فقر میں، کیوں کہ میں نہیں جانتا کہ ان میں سے کونسی بات میرے لیے بہتر ہے اسی طرح مناسب یہی ہے کہ متوکل آدمی اپنے مال کے چوری ہونے یا نہ ہونے کی پرواہ نہ کرے کیوں کہ وہ نہیں جانتا کہ ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات اس کے لیے دنیا اور آخرت میں بہتر ہے کتنے ہی دنیوی سامان انسان کی ہلاکت کا سبب ہوتے ہیں اور کتنے ہی مالدار اپنی مالداری کی وجہ سے کسی واقعہ میں مبتلا ہو کر کہتے ہیں کہ کاش میں فقیر ہوتا۔

متوکلین کا سامان چوری ہو جائے تو کیا کریں

جب متوکل گھر سے نکلے تو اس سلسلے میں اس کے لیے کئی آداب ہیں۔

پہلا ادب :۔

دروازہ بند کر دے اور حفاظت کے اسباب کے درپے نہ ہو مثلاً پڑوسیوں سے کہنا کہ خیال رکھنا حالانکہ تالہ بھی لگا دیا ہے اور جیسے کئی تالے لگانا حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ اپنے دروازے کو تالہ نہیں لگاتے تھے لیکن کسی رسی وغیرہ سے باندھ دیتے اور فرماتے اگر کتے نہ ہوتے تو میں اسے نہ باندھتا۔

دوسرا ادب:

گھر میں ایسا سامان نہ چھوڑنے جو چوروں کی رغبت کا باعث ہو یہ ان لوگوں کے گناہ کا سبب بنے گا یا اس کا روکنا ن کی رغبت کے بڑھنے کا سبب ہوگا یہی وجہ ہے کہ جب حضرت مغیرہ رحمہ اللہ نے حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ کو ایک دیہی بطور تحفہ دی تو انہوں نے فرمایا اسے لے جاؤ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے پوچھا کیوں ؟ فرمایا اس لیے کہ شمن میرے دل میں وسوسہ ڈالے گا کہ چورا سے لے گیا ہے گویا انہوں نے اس بات سے احتراز کیا کہ چور گناہ کا مرتکب ہو جائے اسی لیے حضرت ابوسلیمان رحمہ اللہ نے فرمایا یہ صوفیا کے دلوں کی کمزوری ہے اس نے دنیا سے رغبتی اختیار لی تو جو کوئی لے جائے اسے کیا غرض ہے۔

تیسرا ادب:۔

جو چیز گھر میں چھوڑ کر جانے پر مجبور ہے جاتے وقت اس کے بارے اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونے کی نیت ہے کہ اس نے اس پر چور کو مسلط کیا اور سمجھے کہ جو کچھ چور لے گیا ہے وہ اس کے لیے حلال ہے یا وہ اللہ تعالیٰ کے ستے میں ہے اور اگر وہ فقیر ہے تو یہ مال اس پر صدقہ ہے اور اگر فقر کی شرط نہ رکھے تو یہ زیادہ بہتر ہے پس اس کے لیے نیتیں ہوں اگر اس مال کو مال دار نے لیا ہے یا فقیر نے، ایک یہ کہ یہ مال اس کے لیے گناہ سے بچنے کا ذریعہ بنے ں کر بعض اوقات وہ (چور) اس مال کی وجہ سے مستغنی ہو جاتا ہے اور اس کے بعد چوری کی حاجت نہیں رہتی اور ام کھانے کی وجہ سے جو گناہ ہوا تھا وہ حلال قرار دینے سے زائل ہو گیا۔ اور دوسری نیت یہ کہ وہ کسی مسلمان پر ظلم رے پس اس کا مال دوسرے مسلمان کے لیے فدیہ قرار پائے گا اور جب وہ اپنے مال کے ذریعے دوسرے کے ال حفاظت کی نیت کرے گا یا چور سے گناہ دور کرنے کی نیت کرے گا یا اس کے لیے آسانی کی نیت ہو گی تو گویا اس نے مسلمانوں کی خیر خواہی کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی پر عمل کیا۔

اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا۔ (۱) اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم۔

ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے روکو اور اسے معاف کر دینا بھی ظلم کو ختم کرنا اور اس سے روکنا ہے۔ اور یہ ب حقیقت ہے کہ یہ نیت اسے کسی وجہ سے بھی نقصان نہیں دیتی کیوں کہ اس (نیت) میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو چور ر مسلط کرے اور ازلی فیصلے کو بدل دے لیکن زہد کی وجہ سے اس کی نیت ثابت ہو جاتی ہے اگر اس کا مال لے ا گیا تو اسے ہر درہم کے بدلے سات سو درہم ملیں گے کیوں کہ اس نے اس (صدقہ) کی نیت کی اور اسی کا قصد کیا ہے۔ اگر اس کا مال چوری نہ ہوا تو بھی اسے اجر ملے گا۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۲۸ کتاب الاکراہ

marfat.com

مردی ہے جس نے عزل ترک کر دیا (جماع کے وقت جب انزال ہونے لگے تو بیوی سے الگ ہو جانا عزل ہے) پھر نطفہ ٹھہر گیا تو اسے اتنا ثواب ہوگا کہ گویا اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا وہ زندہ رہا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا اور شہید ہو گیا اگرچہ بچہ پیدا نہ ہو کیوں کہ بچے کے سلسلے میں اس کے اختیار میں صرف جماع ہے تخلیق، حیات، رزق اور بقا اس کے اختیار میں نہیں ہے (۱)

اور اگر وہ پیدا ہوا تو بھی ثواب اس کے فعل پر ہوگا اور وہ معدوم نہیں ہوا تو چوری کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔

چوتھا ادب:

جب مال چوری ہو جائے تو غمگین نہیں ہونا چاہیے بلکہ اگر ممکن ہو تو خوش ہو اور یوں کہے کہ اگر اس (چوری) میں میری بھلائی نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے نہ لیتا پھر اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں وقف نہ کیا ہو تو اس کی تلاش میں زیادہ کوشش نہ کرے اور نہ ہی مسلمانوں کے بارے میں زیادہ بدگمانی کرے اور اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں وقف کر دیا ہے تو اس کی طلب چھوڑ دے کیوں کہ اس نے اپنی آخرت کے لیے ذخیرہ بھیجا ہے اور اگر وہ اس کی طرف لوٹایا جائے تو بہتر یہ ہے کہ قبول نہ کرے کیوں کہ وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں وقف کر چکا ہے اور اگر اس نے قبول کر لیا تو ظاہری علم (فقہ) کے مطابق وہ اس کی ملک ہے کیوں کہ محض نیت کرنے سے ملک زائل نہیں ہوتی لیکن یہ بات متوکلین کے نزدیک ناپسندیدہ ہے

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اونٹنی چوری ہو گئی آپ اسے تلاش کرتے کرتے تھک گئے پھر فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں وقف ہے آپ مسجد میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی اتنے میں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا اے ابو عبدالرحمٰن! آپ کی اونٹنی فلاں جگہ پر ہے آپ نے فرمایا میں نے کہہ دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں (وقف) ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں میں نے اپنے ایک بھائی کو اس کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو میں نے پوچھا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور جنت میں داخل کیا نیز جنت میں میرے محلات میرے سامنے پیش کئے تو میں نے ان کو دیکھا لیکن اس کے باوجود وہ پریشان حال اور غمگین تھا میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا اور جنت میں داخل کیا اور تو غمگین ہے؟ اس نے دردمند دل سے ایک سرد آہ بھری پھر کہا میں قیامت تک غمگین ہی رہوں گا۔ میں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا جب میں نے جنت میں اپنا مقام دیکھا تو میرے سامنے علیین میں ایسے مقامات بلند کئے جن کی مثل میں نے نہیں دیکھے چنانچہ میں ان پر خوش ہوا لیکن جب وہاں جانے کا ارادہ کیا تو ان کے اوپر سے ایک منادی نے ندا دی کہ اسے یہاں سے واپس کر دو یہ مقام اس کے لیے نہیں ہے یہ اس شخص کے لیے ہے جو راستے کو پورا کرے میں نے پوچھا راستے کو پورا کرنا کیا ہے؟ مجھے کہا گیا کہ تم کہتے تھے یہ چیز اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہے پھر اس میں رجوع کر لیتے اگر تم اس سبیل کو پورا کرتے تو ہم بھی تمہارے لیے پورا کرتے۔

marfat.com

مکہ مکرمہ میں عبادت کرنے والوں میں سے ایک شخص کے بارے میں حکایت کی گئی ہے کہ وہ ایک شخص کے پہلو میں لیٹا ہوا تھا اور اس شخص کے پاس پیسوں کی تھیلی تھی جب وہ آدمی بیدار ہوا تو تھیلی نہ پائی چنانچہ اس نے اس عبادت گزار پر تہمت لگائی اس نے پوچھا تمہاری تھیلی میں کتنی رقم تھی اس نے رقم بتائی تو وہ اسے اپنے گھر لے گیا اور اتنی رقم وزن کر کے دے دی پھر اس شخص کے دوستوں نے کہا ہم نے مذاق میں وہ تھیلی لی تھی چنانچہ وہ اور اس کے ساتھ اس عابد کے پاس آئے اور سونا لوٹایا لیکن اس عابد نے انکار کر دیا اور فرمایا نے جاؤ یہ تمہارے لیے حلال اور پاکیزہ ہے میں نے جو مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکالا ہے اسے واپس نہیں لوں گا پس اس نے قبول نہ کیا جب انہوں نے زیادہ اصرار کیا تو اس نے اپنے بیٹے کو بلا کر وہ مال تھیلوں میں رکھ کر فقراء کے پاس بھیجنا شروع کر دیا حتیٰ کہ اس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہا۔

تو اسلاف کے اس قسم کے اخلاق تھے اسی طرح جو شخص فقیر کو دینے کے لیے روٹی پکڑتا ہے اور فقیر چلا جاتا تو اسے واپس لوٹانا پسند نہ کرتا کیوں کہ وہ اسے نکال چکا تھا پس کسی اور فقیر کو دے دیتا۔ درہم و دینار اور دوسرے صدقات کے بارے میں بھی وہ لوگ یہی طریقہ اختیار کرتے تھے۔

پانچواں ادب :

یہ سب سے کم درجہ ہے یعنی جس چور نے اس کا مال چوری کیا ہے اس کے خلاف بددعا نہ کرے اگر ایسا کیا تو اس کا توکل باطل ہو گیا اور یہ اس بات کی دلیل ہو گی کہ اس نے اس مال کا جانا برا جانا اور اسے افسوس ہوا اس طرح اس کا زہد باطل ہو گیا اور اگر زیادہ بددعا کرے گا تو اس پہنچنے والی مصیبت پر اجر و ثواب بھی نہیں ملے گا۔

حدیث شریف میں ہے۔

مَنْ دَعَا عَلٰى ظَالِمِهٖ فَقَدِ انْتَصَرَ۔ (۱) جس نے اپنے اوپر ظلم کرنے والے کے لیے بددعا کی اس نے خود بدلہ لے لیا۔

حضرت ربیع بن خثیم رحمہ اللہ کا ایک گھوڑا چوری ہو گیا اور اس کی قیمت بیس ہزار (درہم) تھی آپ نماز پڑھ رہے آپ نے نہ تو نماز توڑی اور نہ ہی اس کی تلاش کے لیے مضطرب ہوئے لوگ آپ کے پاس تسلی دینے کے لیے آئے تو آپ نے فرمایا میں دیکھ رہا تھا جب اس شخص نے گھوڑا کھولا کہا گیا کہ آپ کو اس شخص کے خلاف آواز بلند کرنے سے کس چیز نے روکا؟ فرمایا میں اس سے زیادہ محبوب کام میں مصروف تھا یعنی نماز پڑھ رہا تھا وہ لوگ چور کو بددعا دینے لگے تو آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو بلکہ اس کے لیے اچھے کلمات کہو میں نے یہ گھوڑا اس کے لیے صدقہ کر دیا ہے۔

کسی بزرگ کی کوئی چیز گم ہو گئی تو ان سے کہا گیا کیا آپ اس ظالم کے خلاف بددعا نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا میں اس

---

(۱) مصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱۰ ص ۳۰۴ حدیث ۹۶۲۵

marfat.com

کے خلاف شیطان کا مددگار بننا پسند نہیں کرتا عرض کیا گیا اگر وہ لوٹا دے تو؟ فرمایا نہ تو میں اسے لوں گا اور نہ اس چیز کی طرف دیکھوں گا کیوں کہ میں نے اس چیز کو اس کے لیے حلال کر دیا ہے۔

کسی دوسرے بزرگ سے عرض کیا گیا کہ جس نے آپ پر ظلم کیا ہے اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے کیا اس مسکین کے لیے یہ کافی نہیں کہ اس نے اپنے آپ پر خود ظلم کیا کہ میں (بددعا کے ذریعے) اس کے شر میں اضافہ کروں۔

کسی شخص نے بعض اکابر کے سامنے حجاج بن یوسف کو بہت گالیاں دیں کیوں کہ اس نے اس پر کچھ زیادتی کی تھی فرمایا گالی دینے میں مت ڈوبو اللہ تعالیٰ جس طرح حجاج سے لوگوں کے مال لینے اور خون بہانے کا بدلہ لے گا اسی طرح لوگوں سے اس کی ہتکِ عزت کا بدلہ بھی لے گا۔ اور ایک حدیث شریف میں ہے

اِنَّ الْعَبْدَ لَيُظْلَمُ الْمَظْلَمَةَ فَلَا يَزَالُ يَشْتُمُ ظَالِمَهٗ وَيَسُبُّهٗ حَتّٰى يَكُوْنَ بِمِقْدَارِ مَا ظَلَمَهٗ ثُمَّ يَبْقَى لِلظَّالِمِ عَلَيْهِ مُطَالَبَةٌ بِمَا زَادَ عَلَيْهِ يُقْتَصُّ لَهٗ مِنَ الْمَظْلُوْمِ۔ (۱)

کسی شخص پر کوئی ظلم ہوتا ہے پس وہ ظلم کرنے والے کو مسلسل گالیاں دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کے ظلم برابر ہو جاتی ہیں اور اس کے بعد جو زائد ہوتی ہیں اس کا مطالبہ ظالم کے اس شخص کے ذمہ باقی رہتا ہے اور مظلوم سے اس کا بدلہ لیا جائے گا۔

چھٹا ادب:

اس بات پر غمگین ہو کہ چور نے چوری کر کے گناہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اس کو مظلوم بنایا ظالم نہیں بنایا اور اس بات کو اس کی دنیا کا نقصان بنایا دین کا نہیں کسی شخص نے ایک عالمِ دین سے شکایت کی کہ اس پر ڈاکہ پڑا اور اس کا مال لوٹا گیا ہے تو انہوں نے فرمایا اگر تمہیں اس بات کا غم ہے کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو لوٹ کھسوٹ کے مال کو حلال سمجھتے ہیں تو تم مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو۔

حضرت علی بن فضیل رحمہما اللہ کے کچھ دینار چوری ہو گئے اور اس وقت وہ طواف کر رہے تھے ان کے والد حضرت فضیل رحمہ اللہ نے ان کو دیکھا کہ رو رہے ہیں اور غمگین ہیں تو فرمایا کیا دیناروں کے لیے روتے ہو؟ عرض کیا نہیں بلکہ مجھے تو اس مسکین پر رونا آ رہا ہے کہ جب قیامت کے دن اس سے سوال ہو گا تو اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہو گی۔

کسی بزرگ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ جس نے آپ پر ظلم کیا ہے اس کے خلاف بددعا کریں انہوں نے فرمایا مجھے اس کا غم اس قدر ہے کہ بددعا کے لیے میرے پاس وقت ہی نہیں ـــــ تو اسلاف کرام رحمۃ اللہ علیہم کے اخلاق مبارکہ اس انداز کے تھے۔

چوتھا فن:

(۱)

marfat.com

ضرر کو دور کرنے کی کوشش کرنا جس طرح بیماری وغیرہ کو دُور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے بیماری کو زائل کرنے والے اسباب بھی تین قسم کے ہیں یعنی یا تو وہ قطعی ہوتے ہیں جس طرح پیاس کے ضرر کو دُور کرنے کے لیے پانی بھوک کے ضرر کے ازالہ کے لیے روٹی ہے یا وہ اسباب ظنی ہوتے ہیں جس طرح پچھنے کے ذریعے خون نکلوانا اور جلاب لینا اور اس طرح دیگر دوائیاں ـــــ یعنی ٹھنڈک کا علاج حرارت سے .اور حرارت کا علاج ٹھنڈک سے کرنا طب کے ظاہری اسباب یہی ہیں اور تیسری قسم موہوم اسباب کی ہے جس طرح داغ لگوانا اور دم وغیرہ کروانا۔

جہاں تک قطعی اسباب کا تعلق ہے تو توکل کے لیے ان کو چھوڑنا شرط نہیں ہے بلکہ موت کے خوف کے وقت ان اسباب کو چھوڑنا حرام ہے موہوم اسباب کا ترک کرنا توکل کے لیے شرط ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متوکلین کا وصف یہی بیان فرمایا کہ وہ اسباب کو ترک کرتے ہیں اور ان میں سے سب سے زیادہ قوی داغ لگوانا ہے پھر دم کروانا اور آخر میں فال لینا ہے اور ان سب باتوں پر اعتماد کرنا اور بھروسہ کر لینا اسباب کو ملاحظہ کرنے میں انتہائی درجہ کا ڈر بنا ہے۔

جہاں تک درمیانے درجہ یعنی ظنی اسباب کا تعلق ہے جیسے ڈاکٹروں کا ظاہری اسباب سے علاج کرنا تو ایسا کرنا توکل کے خلاف نہیں ہاں موہوم اسباب توکل کے خلاف ہیں لیکن ظنی اسباب کو چھوڑنا بھی ممنوع نہیں ہے جب کہ قطعی اسباب کو ترک کرنا ممنوع ہے بلکہ بعض اوقات اسبابِ موہومہ کو اپنانے کی بجائے ترک کرنا افضل ہے اسی طرح بعض اشخاص کے لیے بھی یہی حکم ہے تو یہ ایک درمیانہ درجہ ہے اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ دوا استعمال کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل، قول اور حکم سے یہ بات ثابت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اس طرح ہے۔

مَامِنْ دَاءٍ اِلَّا وَلَهٗ دَوَاءٌ عَرَفَهٗ مَنْ عَرَفَهٗ وَجَهِلَهٗ مَنْ جَهِلَهٗ اِلَّا السَّامُ۔ (۱)

ہر بیماری کی دوا ہے جس نے اسے پہچانا اس نے پہچانا اور جس کو معلوم نہ ہوا اسے معلوم نہ ہوا سوائے موت کے۔

یعنی موت کا کوئی علاج نہیں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

تَدَاوَوْا عِبَادَ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ۔ (۲)

اے اللہ کے بندو! دوائی استعمال کیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ نے بیماری اور علاج دونوں کو پیدا فرمایا ہے۔

پوچھا گیا کہ کیا دوا اور دَم اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو رد کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں۔(۳)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اوّل ص مرویات عبداللہ

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۸۲ کتاب الطب

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۲۵۴، ابوابِ الطب

marfat.com

ایک مشہور حدیث میں ہے (آپ نے ارشاد فرمایا)

مَا مَرَرْتُ بِمَلَاءٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوا مُرْ أُمَّتَكَ بِالْحِجَامَةِ۔ (۱)

میں، فرشتوں کی جس جماعت سے گزرا انہوں نے کہا کہ اپنی امت کو پچھنے لگوانے کا حکم دیں۔

اور حدیث شریف میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اِحْتَجِمُوا لِسَبْعَ عَشْرَةَ وَتِسْعَ عَشْرَةَ وَاحِدَى وَعِشْرِيْنَ لَا يَتَبَيَّغْ بِكُمُ الدَّمُ فَيَقْتُلُكُمْ۔ (۲)

سترہ، انیس اور اکیس تاریخ کو پچھنے لگوایا کرو کہیں خون جوش مار کر تمہیں ہلاک نہ کر دے۔

آپ نے بیان فرمایا کہ خون کا جوش مارنا موت کا سبب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہلاک کرتا ہے یہ بھی بتایا کہ خون کا نکلنا اس سے بچنے کا ذریعہ ہے مہلک خون کو چمڑے سے نکالنے، بچھو کو کپڑے کے نیچے سے نکالنے اور سانپ کو گھر سے نکالنے میں کوئی فرق نہیں اور اسے چھوڑ دینا توکل کی شرائط میں سے نہیں ہے بلکہ یہ اسی طرح ہے جس طرح گھر میں آگ لگ جائے تو اس کے نقصان سے بچنے کے لیے اس پر پانی ڈال کر اسے بجھایا جاتا ہے اور وکیل برحق کی عادت سے باہر نکلنا توکل بالکل نہیں ہے ایک مقطوع روایت میں ہے (تابعی کا قول حدیث مقطوع ہوتی ہے)

مَنِ احْتَجَمَ يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ لِسَبْعَ عَشْرَةَ مِنَ الشَّهْرِ كَانَ لَهُ دَوَاءٌ مِنْ دَاءِ سَنَةٍ۔ (۳)

جو شخص مہینے کی سترہ تاریخ کو منگل کے دن پچھنے لگوائے اس کے لیے یہ سال بھر کی بیماری کا علاج ہوگا۔

جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کا تعلق ہے تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بارہا دوائی استعمال کرنے اور پرہیز کرنے کا حکم دیا۔ (۴)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی فصد (رگ) کھولی، (۵)

اور حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو داغ لگایا (۶)

نیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں تکلیف تھی تو آپ نے ان سے فرمایا ان (ترکھجوروں) سے نہ کھاؤ اور یہ

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اوّل ص ۲۵۴ مرویات ابن عباس

(۲) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۹۳ کتاب الطب

(۳) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۹۳ کتاب الطب

(۴) سنن ابن ماجہ ص ۲۵۳، ابواب الطب

(۵) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۲۵ کتاب السلام

(۶) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ جلد اول ص ۴۳ ترجمہ ۱۰۹

marfat.com

ھاڈیہ تمہارے مزاج کے موافق ہے یعنی ساگ جو جَو کے آٹے میں پکایا گیا تھا را)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں تکلیف تھی تو آپ نے ان کو کھجوریں کھاتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ آپ کھجور ھا رہے ہیں حالانکہ آپ کی آنکھوں میں درد ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں دوسری طرف سے کھا رہا ہوں اس پر نبی اکرم صلی ہ علیہ وسلم مسکرا پڑے (۲)

جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا تعلق ہے تو اہل بیت کے طریق سے مروی ہے کہ آپ ہر رات سرمہ لگایا رتے تھے اور ہر مہینے پچھنے لگاتے نیز ہر سال دوا پیتے (۳) کہا گیا کہ وہ سنا مکی تھی (یعنی اس کا جلاب لیتے تھے)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار بچھو وغیرہ کے کاٹنے سے علاج کرایا (۴)

ایک روایت میں ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے سر میں درد ہو جاتا اور آپ اس پر ہندی کا لیپ کرتے تھے۔ (۵)

ایک حدیث شریف میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زخم پر مہندی لگایا کرتے ہیں (۶) اور آپ نے ایک زخم پر مٹی بھی ھر لگی تھی (۷)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوائی استعمال کرنے اور اس بات کا حکم دینے کے سلسلے میں بے شمار روایات آئی ہ اور اس سلسلے میں ایک کتاب تصنیف ہوئی ہے جس کا نام "طب نبوی" ہے۔

اسرائیلی روایات میں بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک بیماری لاحق ہو گئی بنی اسرائیل آپ کے ں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ کی بیماری کو معلوم کر لیا اور آپ کو ایک دوائی استعمال کرنے کا مشورہ دیا آپ نے فرمایا میں ائی استعمال نہیں کروں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ دوائی کے بغیر مجھے صحت عطا فرمائے چنانچہ آپ کی بیماری بڑھ گئی انہوں نے کہا اس اری کی دوائی معروف اور مجرب ہے اور ہم اس دوائی کے ذریعے صحت حاصل کیا کرتے ہیں آپ نے فرمایا میں دوائی نہیں ں گا آپ اپنی بات پر ڈٹے رہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی (فرمایا) مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں آپکو

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۵۴، ابواب الطب (۲)

(۳) کنز العمال جلد ۷، ص ۱۴۳ حدیث ۱۸۳۶۰

(۴) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۷۸، کتاب الطب

(۵) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۹۵ کتاب الطب

(۶) جامع ترمذی ص ۳۰۰، ابواب الطب

(۷) مسند امام بن حنبل جلد ۶ ص ۹۳ مرویات عائشہ

marfat.com

اس وقت تک صحت یاب نہیں کروں گا جب تک آپ ان لوگوں کی بیان کردہ دوائی استعمال نہ کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے وہ دوائی دو جس کا تم نے ذکر کیا ہے چنانچہ انہوں نے دوائی دی اور آپ ٹھیک ہو گئے اس سے آپ کے دل میں کچھ محسوس ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی (ارشاد فرمایا) کہ کیا آپ مجھ پر توکل کے ذریعے میری حکمت کو باطل کرنا چاہتے ہیں بتائیے دوائیوں میں نفع میرے سوا کس نے رکھا ہے؟

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک نبی علیہ السلام کو بیماری کی شکایت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ آپ انڈے کھائیں ایک دوسرے نبی علیہ السلام نے کمزوری کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ دودھ کے ساتھ کھائیں کیوں کہ اس میں قوت ہے کہا گیا کہ یہ قوت باہ کی کمزوری تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے نبی سے شکایت کی کہ ان کی اولاد کی شکلیں اچھی نہیں ہوتیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی بیویوں کو حمل کے دوران بہی دانہ کھلایا کریں اس سے اولاد خوبصورت ہوگی۔ اور یہ کام تیسرے اور چوتھے مہینے میں کریں۔ کیوں کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ بچے کی شکل بناتا ہے وہ لوگ حمل دوران عورتوں کو بہی اور پیدا ہونے کے بعد کھجور کھلاتے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ مسبب الاسباب کا طریقہ جاریہ یہ ہے کہ اس نے مُسبَّاب کو اسباب سے مربوط کیا اور یہ اس کی حکمت کے اظہار کے طور پر ہے اور دوائیں بھی دوسرے اسباب کی طرح اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہیں جس طرح روٹی، بھوک کا علاج ہے پانی، پیاس کی دوا ہے اسی طرح سکنجبین، صفراء کی دوا ہے، سقمونیا، اسہال کی دوا ہے البتہ دو باتوں میں فرق ہے ایک بات یہ کہ پانی اور روٹی کے ذریعے بھوک اور پیاس کا علاج واضح ہے جس کا ادراک تمام لوگوں کو ہوتا ہے جب کہ سکنجبین کے ذریعے صفراء کے علاج کا ادراک ہو جاتا ہے اس کے حق میں پہلی بات اور اس میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ دوائی جو اسہال پیدا کرتی ہے اور سکنجبین جو صفراء کو ٹھہراتی ہے اس کے لیے کچھ دیگر باطنی شرائط بھی ہیں اور مزاج کے اندر کچھ اسباب ہیں بعض اوقات تمام اسباب سے آگاہی مشکل ہوتی ہے اور کبھی بعض شرائط فوت ہو جاتی ہیں جس کے نتیجے میں دوائی دست و اسہال نہیں لاتی جب کہ پیاس کے پانی کے علاوہ کوئی شرط نہیں ہے البتہ بعض اوقات کچھ ایسے عوارض پیدا ہوتے ہیں جو بہت زیادہ پانی پینے کے باوجود پیاس کو باقی رکھتے ہیں لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے

اسباب میں جو خلل واقع ہوتا ہے وہ ان ہی دو باتوں سے ہوتا ہے ورنہ جب سبب پایا جائے تو لامحالہ مسبب اس کے ساتھ آتا ہے بشرطیکہ سبب کی شرائط مکمل ہوں اور یہ سب کچھ مسبب الاسباب کی تدبیر، تسخیر اور ترتیب سے ہوتا ہے جو اس کی حکمت اور کمالِ قدرت کا فیصلہ ہوتا ہے اب جب متوکل کی نگاہ مسبب الاسباب پر ہوتی ہے طبیب اور دوائی پر نہیں تو اسے کچھ نقصان نہیں ہوتا۔

marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ اسلام سے مروی ہے انہوں نے عرض کیا اے اللہ! بیماری اور علاج کس کی طرف سے ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میری طرف سے، عرض کیا طبیب کیا کرتے ہیں؟ فرمایا وہ اپنا رزق کھاتے ہیں اور میرے بندوں کا دل خوش کرتے ہیں یہاں تک کہ میرے بندوں پر میری قضایا شفا آجائے۔

تو علاج کروانے کے باوجود توکل اختیار کرنے کا مطلب علم اور حال کے ساتھ توکل ہے جیسا کہ ضرر کو دور کرنے اور نفع لانے والے اعمال کے سلسلے میں گزر چکا ہے لیکن دوائی کے استعمال کو مکمل طور پہ ترک کر دینا توکل کے لیے شرط نہیں ہے۔

سوال:

داغ لگوانا بھی ان اسباب میں سے ہے جن کا نفع ظاہر ہے۔

جواب:

یہ بات اس طرح نہیں ہے کیوں کہ ظاہری اسباب ایسے ہوتے ہیں جیسے رگ کٹوانا، خون نکلوانا، مسہل دوائی پینا درحرارت والے کو ٹھنڈی چیزیں پلانا اگر داغ لگانے جیسے عمل کا اثر ظاہر ہوتا تو بے شمار شہر اس سے خالی نہ ہوتے حالانکہ اکثر شہروں میں داغنے کا طریقہ جاری نہیں ہے یہ تو بعض ترکیوں اور اعرابیوں کی عادت ہے یہ دم جھاڑے کی طرح موہوم سبب ہے البتہ ان میں ایک بات کے حوالے سے فرق ہے وہ یہ کہ داغنا بلا ضرورت آگ سے جلانا ہے کیوں کہ ہر وہ تکلیف جس کا علاج داغنے کے ذریعے کیا جاتا ہے اس کا علاج جلانے کے بغیر بھی ہو سکتا ہے آگ سے جلانا ایسا زخم ہے جو جسم کو خراب کر دیتا ہے جب اس کی ضرورت نہ ہو تو اس سے احتراز کیا جائے کیوں اس کے سرایت کرنے کا بھی ڈر ہوتا ہے جبکہ رگ کٹوانے اور پچھنے کی سرایت کا ڈر بہت بعید بات ہے اور کوئی دوسری چیز ان کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے داغنے سے منع فرمایا دم جھاڑے سے منع نہیں کیا (۱) حالاں کہ یہ دونوں توکل سے دور ہیں۔

ایک روایت میں ہے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو ان کو داغ لگوانے کا مشورہ دیا گیا لیکن انہوں نے نہ مانا جب بار بار اصرار کیا گیا اور ان کو قسم دی گئی تو انہوں داغ لگوایا وہ فرماتے تھے میں نور دیکھا کرتا تھا آواز سنا کرتا تھا اور فرشتے مجھے سلام کرتے تھے لیکن جب میں نے داغ لگوایا تو یہ سلسلہ ختم ہو گیا وہ فرماتے تھے میں نے کئی داغ لگوائے لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا نہ مقصود حاصل ہوا پھر انہوں نے اس سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا وہ پہلا معاملہ ان کی طرف لوٹا دیا۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۵۰/۸۵۴ کتاب الطب

marfat.com

انہوں نے حضرت عبداللہ بن مطرف رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جن فرشتوں کے ذریعے مجھے اعزاز بخشا تھا ان کو لوٹا دیا حالاں کہ اس سے پہلے ان کے جانے کی خبر دے دی تھی۔

تو داغ لگوانا اور اس طرح کے دیگر امور توکل کرنے والے کے لائق نہیں ہیں کیوں کہ اس کے لیے متوکل کو تدبیر اختیار کرنا پڑتی ہے اور یہ مذموم ہے اور اس میں اسباب کی طرف توجہ اور ان میں اچھی طرح غور کرنا پایا جاتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصل ۔ :

ترک علاج اور توکل

بعض اوقات علاج کو ترک کرنا قابلِ تعریف اور قوتِ توکل کی دلیل ہوتا ہے اور یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے خلاف نہیں۔

جان لو کہ بے شمار اسلاف نے دوائی استعمال کی ہے لیکن اکابرین سے ایک جماعت نے علاج معالجے کو ترک بھی کیا ہے تو اس سے گمان ہوتا ہے کہ یہ نقصان ہے کیوں کہ اگر یہ کمال ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے ترک فرماتے کیوں کہ توکل کے سلسلے میں دوسروں کا حال آپ کے حال سے زیادہ کامل نہیں ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ سے عرض کیا گیا اگر ہم آپ کے لیے طبیب کو بلائیں تو کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا طبیب نے مجھے دیکھا اور فرمایا ہے کہ میں جو چاہوں کرتا ہوں۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی بیماری کے دوران ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو کیا تکلیف ہے؟ فرمایا مجھے گناہوں کی شکایت ہے پوچھا گیا آپ کیا چاہتے ہیں؟ فرمایا اپنے رب کی طرف سے مغفرت چاہتا ہوں انہوں نے پوچھا کیا آپ کے طبیب کو بلاؤں؟ فرمایا طبیب نے ہی مجھے بیمار کیا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دکھتی تھیں تو آپ سے کہا گیا آپ دوائی استعمال کریں تو کیا حرج ہے؟ انہوں نے فرمایا مجھے ان آنکھوں کی کوئی فکر نہیں کیا گیا اگر آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ آپ کو صحت عطا فرمائے تو اچھا ہے فرمایا میں اس سے اس بات کا سوال کرتا ہوں جو ان آنکھوں سے زیادہ اہم ہے۔

حضرت ربیع بن خثیم رحمہ اللہ فالج کے مرض میں مبتلا ہوئے تو ان سے عرض کیا گیا کہ آپ علاج کروائیں انہوں نے فرمایا میں نے ارادہ کیا تھا لیکن پھر مجھے قوم عاد، ثمود کنویں والے (حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم) اور دوسری قومیں یاد آئیں ان کے معالج بھی تھے پس طبیب بھی ہلاک ہوا اور مریض بھی۔ اور ان کو دم جھاڑ نے بھی کوئی فائدہ نہ دیا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے تھے جو شخص توکل کا عقیدہ رکھتا ہوا اور اس راستے پر چلتا ہے میں اس کے لیے

marfat.com

دوائی وغیرہ پینے کے ذریعے علاج کے ترک کو پسند کرتا ہوں آپ کو کئی بیماریاں تھیں لیکن آپ طبیب کے پوچھنے پر بھی بتاتے۔

حضرت سہل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ بندے کے لیے توکل کب صحیح ہوتا ہے؟ فرمایا جب انسان کے جسم میں کوئی ضرر در حال میں نقصان واقع ہو تو وہ اپنے حال میں مشغولیت کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ نہ ہو اور یوں خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر پر قائم ہے۔

تو بہت سے بزرگوں نے دوائی کا استعمال ترک کیا اور ان میں سے بعض نے اس کو ناپسند کیا تو ان کے افعال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل میں مطابقت اسی وقت ہو سکتی ہے جب علاج کے موانع بیان کئے جائیں تو ہم کہتے ہیں کہ ترکِ علاج کے کئی اسباب ہیں۔

پہلا سبب:

مریض اہل مکاشفہ میں سے ہو اور اسے کشف ہو کہ اس کا وقت پورا ہو چکا ہے اور دوائی اسے نفع نہیں دیتی اور بات بعض اوقات اسے سچے خواب کے ذریعے بھی معلوم ہوتی ہے اور کئی مرتبہ اندازے سے علم ہوتا ہے اور کبھی بھی کشف کے ذریعے معلوم ہوتا ہے ہو سکتا ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی وجہ سے علاج ترک فرمایا کیونکہ آپ اہل مکاشفہ میں سے تھے آپ نے وراثت کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تمہاری دو بہنیں ہیں حالاں کہ آپ کی ایک ہی بہن تھیں لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ حاملہ تھیں اور ان کے ہاں بچی پیدا ہوئی معلوم ہوا کہ آپ کو کشف کے ذریعے معلوم ہوا تھا کہ آپ کی زوجہ کے پیٹ میں بچی ہے تو یہ بات بعید نہیں کہ آپ کو اسی کے ذریعے اپنی وفات کا حال معلوم ہو گیا ہو حالانکہ آپ نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوائی استعمال کی اور اس کا حکم بھی دیا۔

دوسرا سبب:

یہ ہے کہ مریض اپنے حال میں مشغول ہو اسے اپنی عاقبت کا خوف ہو نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پر مطلع ہے تو اس وجہ سے وہ بیماری کی تکلیف کو بھول جائے اور اس کا دل اپنے حال میں مشغولیت کی وجہ سے علاج معالجے کے لیے فارغ ہو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ مجھے آنکھوں کی فکر نہیں اسی بات پر دلالت ہے اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا جو یہ بات فرمائی کہ مجھے اپنے گناہوں کی بیماری ہے تو گویا ان کا دل گناہوں کے خوف کی وجہ سے بدنی بیماری کی تکلیف کے بارے میں زیادہ تکلیف میں تھا اس کی مثال اسی طرح ہے کہ کسی شخص کا کوئی بہت ہی عزیز رشتہ دار فوت ہو جائے یا کسی شخص کو بادشاہ کے پاس قتل کے لیے لے جایا جا رہا ہو اور وہ خوف زدہ ہو جب اس سے کہا جائے کہ تم بھوک کے باوجود کھانا کیوں نہیں کھاتے تو وہ جواب دیتا ہے میں بھوک کی تکلیف بھول چکا ہوں تو اس کا یہ کہنا اس بات کا انکار

نہیں ہے کہ کھانا بھوک کی حالت میں نفع دیتا ہے اور نہ کھانے والے پر کچھ طعن ہے۔

حضرت سہل رحمہ اللہ سے جب پوچھا گیا کہ قوت (رزق) کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا یہ حیّ وقیوم ذات کا ذکر ہے عرض کیا گیا ہم قوام (جس سے جسم قائم رہتا ہے) کے بارے میں پوچھتے ہیں فرمایا وہ علم ہے کہا گیا کہ ہم آپ سے غذا کے بارے میں سوال کر رہے ہیں فرمایا وہ ذکر ہے عرض کیا گیا ہم نے کھانوں کے بارے میں سوال کیا ہے تو حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا تمہیں جسم سے کیا غرض ہے اسے اسی ذات پر چھوڑ دو جس نے پہلے اس کی پرورش کی ہے وہی اس کی آخر میں بھی پرورش کرے گا اور جب وہ کسی بیماری کا شکار ہو تو اسے اس کے بنانے والے کی طرف لوٹا دو کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب کسی چیز میں خرابی پیدا ہوتی ہے تو اسے اس کے بنانے والے (کاریگر) کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے وہی اسے درست کرتا ہے۔

تو حضرت سہل رحمہ اللہ کے قول کا بھی وہی مطلب ہے (جو اوپر بیان ہوا)

تیسرا سبب:

بیماری پرانی ہوتی ہے اور جس دوائی کا اسے مشورہ دیا گیا ہے اس کا نفع بیماری کی نسبت موہوم ہوتا ہے تو داغ لگوانے اور دم کروانے کی طرح ہے اس لیے متوکل اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ حضرت ربیع بن خثیم رحمہ اللہ کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے جب انہوں نے فرمایا کہ میں قوم عاد اور قوم ثمود کو یاد کرتا ہوں ان میں طبیب بھی تھے لیکن علاج کرنے والے اور بیمار دونوں ہلاک ہو گئے یعنی دوائی پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ بات بعض اوقات واقعتاً اسی طرح ہوتی ہے کہ دوائی کا نفع یقینی نہیں ہوتا اور کبھی مریض کے خیال میں ایسا ہوتا ہے کیوں کہ طب کے ساتھ اس کا زیادہ تعلق نہیں ہوتا اور اس کا تجربہ بھی کم ہوتا ہے لہٰذا اس کو اس کے نفع بخش ہونے کا غالب گمان نہیں ہوتا اور اس میں شک نہیں کہ تجربہ کار طبیب دواؤں کے بارے میں دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ پکا اعتقاد رکھتا ہے اور اعتقاد تجربہ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

اور جن عبادت گزار اور زاہد لوگوں نے علاج معالجے کو ترک کیا ہے ان میں سے اکثر کی دلیل اور سند یہی بات ہے کیوں کہ ان کے نزدیک دوائی ایک موہوم چیز ہے جس کی کوئی اصل نہیں اور یہ بات بعض دوائیوں کے بارے میں ان لوگوں کے نزدیک صحیح ہوتی ہے جو فن طب سے واقف ہیں اور بعض دوائیوں کے بارے میں صحیح نہیں ہوتی لیکن جو شخص طبیب نہیں ہے وہ تمام دوائیوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے پس وہ علاج کروانے کو داغ لگوانے اور دم وغیرہ کی طرح اسباب کی پابندی قرار دیتا ہے پس توکل کی بنیاد پر علاج معالجے کو ترک کر دیتا ہے۔

چوتھا سبب:

بندہ اس لیے دوائی کا استعمال ترک کرتا ہے کہ اس کا مرض باقی رہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائش پر اچھی طرح صبر کرنے کا ثواب حاصل ہو یا وہ صبر کرنے پر طاقت حاصل ہونے کا تجربہ کرے اور مرض کے ثواب کے بارے

بے شمار روایات آئی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ يُبْتَلَى الْعَبْدُ عَلَى قَدْرِ اِيْمَانِهٖ فَاِنْ كَانَ صَلْبَ الْاِيْمَانِ شَدَّدَ عَلَيْهِ الْبَلَاءَ وَاِنْ كَانَ فِيْ اِيْمَانِهٖ ضَعْفٌ خَفَّفَ عَنْهُ الْبَلَاءَ۔ (۱)

ہم گروہ انبیاء پر باقی سب لوگوں کی نسبت زیادہ آزمائش آتی ہے پھر درجہ بدرجہ کم ہو جاتی ہے بندہ اپنے ایمان کے اندازے پر آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے اگر اس کا ایمان مضبوط ہو تو آزمائش بھی سخت ہوگی اور اگر اس کے ایمان میں کچھ کمزوری ہو تو اس کی آزمائش بھی ہلکی ہوتی ہے۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُجَرِّبُ عَبْدَهٗ بِالْبَلَاءِ كَمَا يُجَرِّبُ اَحَدُكُمْ ذَهَبَهٗ بِالنَّارِ فَمِنْهُمْ مَنْ يَخْرُجُ كَالذَّهَبِ الْاِبْرِيْزِ لَا يَزْيُدُ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ وَمِنْهُمْ مَنْ يَخْرُجُ اَسْوَدَ مُحْتَرِقًا۔ (۲)

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو آزمائش میں ڈال کر اس کا تجربہ کرتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی ایک سونے کو آگ میں ڈال کر اس کا تجربہ کرتا ہے پس ان میں سے بعض تو خالص سونا ہوتا ہے یہ زیادہ نہیں ہوتا اور بعض اس کے علاوہ ہوتا ہے اور بعض کالے جلے ہوئے ہوتے ہیں۔

ایک دوسری حدیث جو اہل بیت کے طریق سے مروی ہے اس میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا اِبْتَلَاهُ فَاِنْ صَبَرَ اِجْتَبَاهُ فَاِنْ رَضِيَ اِصْطَفَاهُ۔

(۳)

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے پس اگر وہ صبر کرے تو اسے مجتبیٰ (چنا ہوا) بنا دیتا ہے اور اگر وہ اس پر راضی ہو تو اسے مصطفیٰ (منتخب) بنا دیتا ہے۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْا كَالْحُمُرِ النَّاهِقَةِ لَا تَمْرَضُوْنَ وَلَا تَسْقَمُوْنَ۔ (۴)

کیا تم چاہتے ہو کہ تم بھٹکے ہوئے گدھوں کی طرح ہو جاؤ تمہیں کوئی بیماری نہ آئے۔

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۴۳ کتاب معرفۃ الصحابۃ / کنز العمال جلد ۳ ص ۳۲۹ حدیث ۶۷۸۳

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۱۴ کتاب الرقاق

(۳) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۲۹۱ کتاب الجنائز

(۴) شعب الایمان جلد ۷ ص ۱۶۴ حدیث ۹۸۵۶ / التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۷ ص ۲۶۷ ترجمہ ۱۱۲۹

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تم مومن کو دیکھو گے تو اس کا دل صحیح اور جسم بیمار ہوگا۔ اور منافق
یوں دیکھو گے کہ اس کا جسم تندرست اور دل بیمار ہوگا۔

گویا جب لوگوں نے بیماری اور آزمائش کی تعریف زیادہ دیکھی تو ایک جماعت نے بیماری کو پسند کیا اور غنیمت جانا تا
وہ اس پر صبر کا ثواب پائیں ان میں سے بعض اپنی بیماری کو چھپاتے تھے اور طبیب کے سامنے ذکر نہیں کرتے تھے بیماری کی
تکلیف برداشت کرتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی رہتے تھے وہ اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ دل پر حق کا غلبہ اس قد
ہے کہ بیماری کی وجہ سے اس میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا بیماری محض اعضاء کے لیے رکاوٹ بنتی ہے وہ اس بات کو بھی جا
تھے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر صبر کرتے ہوئے بیٹھ کر نماز پڑھنا صحت وعافیت کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے زی
فضیلت رکھتی ہے ایک حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ لِمَلَائِکَتِہٖ اُکْتُبُوْا لِعَبْدِیْ صَالِحَ مَا کَانَ یَعْمَلُہٗ فَاِنَّہٗ فِیْ وِثَاقِیْ اِنْ اَطْلَقْتُہٗ اَبْدَلْتُہٗ لَحْمًا خَیْرًا مِنْ لَحْمِہٖ وَدَمًا خَیْرًا مِنْ دَمِہٖ وَاِنْ تَوَفَّیْتُہٗ تَوَفَّیْتُہٗ اِلٰی رَحْمَتِیْ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے میرے نیک بندے کے وہ اعمال لکھو جو وہ کیا کرتا تھا کیوں کہ یہ شخص میری قید میں ہے اگر میں اس کو رہا کر دوں تو اسے اس گوشت سے عمدہ گوشت اور اس خون سے اچھا خون عطا کروں گا اور اگر میں اس کو موت دوں تو اپنی رحمت کی طرف اس کو وفات دوں گا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ مَا اُکْرِھْتُ عَلَیْہِ النُّفُوْسُ۔ (۲)

بہترین اعمال وہ ہیں جن پر جن کے کرنے پر نفس مجبور ہوں۔

کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر بیماریاں اور مصیبتیں زیادہ آئیں اسی بات کی طرف اس ارشاد خداوندی میں اشارہ ہے۔

وَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ (۳)

اور ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۳ ص ۳۰۹ حدیث ۶۶۸۵

(۲) یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا قول ہے (رب نواز)

(۳) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۱۶

marfat.com

حضرت سہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں علاج معالجے کا ترک اگرچہ عبادات میں کمزوری اور فرائض میں کوتاہی کا باعث ہو اس علاج سے بہتر ہے جو عبادات کے لیے کیا جائے اور آپ خود بہت بڑی بیماری میں مبتلا تھے لیکن اس کا علاج نہیں کرواتے تھے اور دوسرے لوگ جو اس بیماری میں مبتلا ہوتے ان کا علاج کیا کرتے تھے اور جب آپ کسی شخص کو دیکھتے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے اور بیماری کی وجہ سے نیک اعمال نہیں کر سکتا اور وہ نماز کے لیے کھڑا ہونے اور عبادات کے لیے اٹھنے کی خاطر علاج کرواتا ہے تو آپ کو اس پر تعجب ہوتا اور آپ فرماتے اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتے ہوئے بیٹھ کر نماز پڑھنا قوت اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے لیے علاج کروانے سے بہتر ہے۔

جب آپ سے کوئی شخص دوائی پینے کے بارے میں پوچھتا تو آپ فرماتے کمزور لوگوں کے لیے اس کی بھی گنجائش ہے لیکن دوائی استعمال نہ کرنا افضل ہے کیوں کہ جو شخص دوائی استعمال کرتا ہے اگرچہ وہ ٹھنڈا پانی ہی ہو تو اس سے پوچھا جائے گا کہ اس نے اسے کیوں استعمال کیا اور جو استعمال نہیں کرے گا اس سے سوال ہو گا۔

اور حضرت سہل رحمہ اللہ اور بصریوں کا مذہب یہ تھا کہ بھوک اور خواہشات کو توڑنے کے ذریعے نفس کو کمزور کر دیا جائے وہ کہ وہ جانتے تھے کہ دل کے اعمال مثلاً صبر، رضا اور توکل وغیرہ کا ایک ذرہ بھی اعضاء کے پہاڑوں جیسے اعمال سے افضل ہیں اور بیماری قلبی اعمال کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتی ہاں جب اس کی تکلیف غالب ہو اور دہشت میں ڈالتی ہو۔ حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا جسمانی بیماریاں رحمت ہیں اور دلوں کی بیماریاں سزا ہیں۔

پانچواں سبب:

بندے نے پہلے کچھ گناہ کئے ہوں اور اسے ان کا ڈر ہو اور ان کا کفارہ بھی ادا نہ کر سکتا ہو تو وہ بیماری کی طوالت کو ان گناہوں کا کفارہ خیال کرتا ہے اور اس لیے علاج نہیں کرواتا کہ بیماری جلدی ختم نہ ہو جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا تَزَالُ الْحُمَّى وَالْمَلِيلَةُ بِالْعَبْدِ حَتَّى يَمْشِيَ عَلَى الْأَرْضِ كَالْبَرْدَةِ مَا عَلَيْهِ ذَنْبٌ وَلَا خَطِيئَةٌ۔ (۱)

آدمی ہمیشہ بخار اور ملال میں رہتا ہے حتی کہ وہ زمین پر اولے کی طرح چلتا ہے اس پر کوئی گناہ اور خطا باقی نہیں رہتی۔

ایک روایت میں ہے۔

حُمَّى يَوْمٍ كَفَّارَةُ سَنَةٍ۔ (۲)

ایک دن کا بخار ایک سال کا کفارہ ہوتا ہے۔

---

(۱) الکامل لابن عدی ترجمہ ضمام بن اسماعیل جلد ۴ ص ۱۴۲۴

(۲) تذکرۃ الموضوعات ص ۲۰۶ باب المرض من الحمّٰی

marfat.com

اس کی وجہ یوں بیان کی گئی کہ یہ ایک سال کی قوت کو ختم کر دیتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسان کے تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اور بخار ان سب میں داخل ہو جاتا ہے اور ہر جوڑ تکلیف محسوس کرتا ہے پس ہر درد ایک دن کا کفارہ بنتا ہے۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ بخار گناہوں کا کفارہ بنتا ہے تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ وہ ہمیشہ بخار کی حالت میں رہیں۔ چنانچہ ان سے بخار کبھی بھی جدا نہ ہوا حتی کہ انتقال فرما گئے انصار میں سے ایک گروہ نے بھی یہی تمنا کی چنانچہ وہ بھی ہمیشہ بخار کی حالت میں رہتے تھے۔

اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ اَذْهَبَ اللّٰهُ كَرِيْمَتَيْهِ لَمْ يَرْضَ لَهٗ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ۔

جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کی دو کریم چیزوں (آنکھوں) کو لے جاتا ہے تو اس کے ثواب کے طور پر جنت سے کم پر راضی نہیں ہوتا۔

* * *

تو انصار میں سے ایسے لوگ بھی تھے جو نابینا ہونے کی تمنا کرتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ شخص جو اپنے جسم اور مال پر مصائب و امراض کے داخل ہونے پر خوش نہیں ہوتا وہ عالم نہیں ہو سکتا کیوں ان میں خطاؤں کے کفارے کی امید ہوتی ہے۔

مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا جو بہت بڑی آزمائش میں مبتلا تھا آپ نے عرض کیا اے میرے رب! اس پر رحم فرما اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جس چیز کے ذریعے اس پر رحم کر رہا ہوں اس میں کیا رحم کروں؟ یعنی اس آزمائش کو میں اس کے گناہوں کا کفارہ بناتا ہوں اور اس کے ذریعے اس کے درجات میں اضافہ کرتا ہوں۔

چھٹا سبب:

یہ ہے کہ بندہ زیادہ دیر تک صحت مند رہنے سے اپنے نفس میں تکبر اور سرکشی کا ڈر محسوس کرتا ہے لہٰذا وہ اس خوف سے علاج ترک کرتا ہے کہ مرض زائل ہونے کی صورت میں دوبارہ غفلت، اکڑ، سرکشی، لمبی امید، فوت شدہ کے تدارک میں ڈھیل اور نیکیوں میں تاخیر پیدا ہو جائے گی کیوں کہ صحت، قوتِ صفات کا نام ہے اور اس سے خواہش ابھرتی ہے شہوات حرکت میں آتی ہیں اور گناہوں کی دعوت دیتی ہیں اور کم از کم بات یہ ہوتی ہے کہ مباح چیزوں میں عیش پسندی کی طرف بلاتی ہیں اور یہ وقت کا ضیاع ہے نیز مخالفتِ نفس اور اطاعت کو لازم پکڑنے کے سلسلے میں حاصل ہونے والے بہت بڑے نفع کو بیکار چھوڑنا ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے امراض و مصائب میں مبتلا کرنے کے ذریعے خبردار کرنے سے خالی نہیں چھوڑتا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ مومن بیماری، قلت، لغزش سے خالی نہیں ہوتا ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے مفلسی میرا قید خانہ ہے اور بیماری میری بیڑی ہے میں اپنی مخلوق میں سے جس کو سب سے

marfat.com

زیادہ پسند کرتا ہوں اسے اس میں قید کرتا ہوں۔

پس جب بیماری کی صورت میں سرکشی سے اور گناہوں کی سواری سے رکاوٹ ہے تو اس سے بہتر چیز کیا ہو سکتی ہے اور جس آدمی کو اس سرکشی) کا ڈر ہو اس کے لیے بیماری کے علاج میں مشغول ہونا مناسب نہیں۔ پس عافیت، گناہوں کو ترک کرنے میں ہے ایک عارف نے ایک شخص سے پوچھا کہ میرے بعد تم کیسے رہے؟ اس نے کہا عافیت میں رہا اس نے کہا اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی تو تم عافیت میں ہو اور اگر تم نے اس کی نافرمانی کی ہے تو نافرمانی سے بڑھ کر کون سی بیماری ہو سکتی ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اس کے لیے کیا عافیت ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عید کے دن عراق میں نبطیوں کو زینت میں دیکھا تو پوچھا ان لوگوں نے یہ کیا طریقہ اختیار کیا ہے انہوں نے کہا اے امیر المومنین! یہ ان کی عید کا دن ہے آپ نے فرمایا ہر وہ دن جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کی جائے وہ ہمارے لیے عید کا دن ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

فَعَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ (۱)

اس کے بعد کہ اس نے تمہیں تمہارا پسندیدہ کام دکھایا، تم نے نافرمانی کی۔

کہا گیا ہے اس سے عافیت مراد ہے۔ اور ارشاد خداوندی ہے۔

كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَىٰ أَنْ رَآهُ اسْتَغْنَىٰ۔ (۲)

ہاں ہاں بے شک انسان سرکشی کرتا ہے اس پر کہ اپنے آپ کو غنی سمجھ لیا۔

اسی طرح جب وہ صحت و عافیت کے ساتھ مستغنی ہوتا ہے (تو بھی سرکشی کرتا ہے) اور بعض بزرگوں نے فرمایا کہ چونکہ فرعون ایک عرصہ دراز تک عافیت کے ساتھ رہا کیوں کہ وہ چار سو سال تک زندہ رہا لیکن اس دوران نہ تو کبھی اس کے سر میں درد ہوا اور نہ اس کا جسم بخار کا شکار ہوا اسی لیے اس نے کہا۔

أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ (۳)

میں تمہارا بلند و بالا رب ہوں۔

فرعون نے اسی وجہ سے رب ہونے کا دعویٰ کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر اسے ایک دن بھی درد شقیقہ ہوتا (آدھے سر کا درد) تو وہ اسے فضول کاموں سے روک دیتا ہے ربوبیت کا دعویٰ تو ایک طرف رہا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ آل عمران آیت ۱۵۲

(۲) قرآن مجید، سورۂ علق آیت ۶، ۷

(۳) قرآن مجید سورۃ نازعات آیت ۲۴

marfat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَکْثِرُوْا مِنْ ذِکْرِ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ - (۱) لذتوں کو توڑنے والی چیز (موت) کا زیادہ ذکر کیا کرو۔

کہا گیا ہے کہ بخار موت کا قاصد ہے اور وہ اس کی یاد دلاتا ہے نیز (عمل میں) ٹال مٹول سے بچاتا ہے)

ارشاد خداوندی ہے۔

اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّھُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَلَا ھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ - (۲)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ان کو سال میں ایک یا دو مرتبہ آزمایا جاتا ہے پھر وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

کہا گیا کہ اس سے مراد ان کو امراض میں مبتلا کر کے آزمانا ہے۔

اور کہا جاتا ہے کہ جب بندہ دو بیماریوں میں مبتلا ہو پھر توبہ نہ کرے تو موت کا فرشتہ اس سے کہتا ہے اے غافل! تیرے پاس قاصد کے بعد قاصد آیا لیکن تو نے اس کی بات نہ مانی اور اسلاف کا طریقہ تو یہ تھا کہ اگر کسی سال ان کو نفس یا مال میں کوئی نقصان نہ پہنچتا تو وہ گھبرا جاتے اور وہ کہتے تھے کہ مومن پر چالیس دن میں کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور آتی ہے یا وہ کسی آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے حتی کہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے شادی کی اور وہ کبھی بیمار نہ ہوئی تو آپ نے اسے طلاق دے دی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عورت کی پیشکش کی گئی اور اس کے اوصاف ذکر کئے گئے حتی کہ آپ نے اس سے نکاح کا ارادہ فرمایا تو عرض کیا گیا کہ وہ کبھی بیمار نہیں ہوئی آپ نے فرمایا مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں اور دردوں حتی کہ سر درد وغیرہ کا ذکر فرمایا تو ایک شخص نے عرض کیا صداع (دردِ سر) کیا ہوتا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے دور ہو جاؤ (اور) جو شخص کسی جہنمی کو دیکھنا چاہتا ہے وہ اس شخص کو دیکھے (۴) اور یہ بات اس لئے فرمائی ہے کہ دوسری حدیث شریف میں آیا ہے۔

اَلْحُمّٰی حَظُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ مِنَ النَّارِ - (۵) بخار ہر مومن کا آگ سے حصہ ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۳۲۴، ابواب الزھد

(۲) قرآن مجید، سورۂ توبہ آیت ۱۲۶

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳ مرویات ابوبکر الصدیق

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۲۲ مرویات ابوہریرہ

(۵) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۳۰۶ کتاب الجنائز

marfat.com

نوٹ :۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو جہنمی قرار دیا تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعے اس کا انجام بتایا گیا ہو یا بطور تنبیہ فرمایا کہ اس میں مومنوں والی صفات نہیں ورنہ بیمار نہ ہونا جہنم میں جانے کا ذریعہ نہیں ہے ۱۲ ہزاروی ——

حضرت انس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے عرض کیا گیا یارسول اللہ! کیا قیامت کے دن شہداء کے ساتھ ان کے علاوہ بھی کچھ لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں جو شخص روزانہ بیس مرتبہ موت کو یاد کرے۔ (۱)

اور دوسری حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ جو شخص اپنے گناہوں کو یاد کر کے روئے (۲) اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مریض عام طور پر موت کا ذکر کرتا ہے

پس جب بیماری کے فوائد زیادہ ہیں تو ایک جماعت نے اس کے زوال کا حیلہ ترک کر دیا کیونکہ انہوں نے اس میں اپنے لیے زیادہ ثواب دیکھا اس لیے نہیں کہ وہ علاج معالجے کو نقصان دِہ سمجھتے تھے اور یہ نقصان کیسے ہو سکتا ہے جبکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل کیا۔

فصل ۲ :

ہر حال میں ترکِ علاج کو افضل سمجھنے والوں کا رد

اگر کوئی شخص کہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل (علاج کروانا) اس لیے اختیار کیا کہ لوگوں کے لیے سنت بنے ورنہ یہ تو کمزور لوگوں کی حالت ہے اور مضبوط لوگوں کا درجہ دوائی کے ترک کے ساتھ توکل کو واجب کرتا ہے۔

تو (اس کے جواب میں) کہا جائے گا کہ اس طرح تو مناسب یہی ہے کہ جوشِ خون کے وقت پچھنے نہ لگوانا اور رگ نہ کٹوانا بھی توکل کی شرط ہونی چاہیے۔

اگر کہا جائے کہ یہ بھی شرط ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ جب اسے بچھو یا سانپ کاٹے تو اسے اپنے پاس سے دُور نہ کرے کیوں کہ خون باطن کو ڈستا ہے اور بچھو ظاہر کو، تو دونوں میں فرق کیا ہے۔

اگر وہ کہے کہ توکل کے لیے یہ بات بھی شرط ہے تو کہا جائے گا کہ اس کا مطلب یہی ہوا کہ پیاس کے ڈسنے کو پانی کے ذریعے دُور نہ کرے اور بھوک کے ڈسنے کا علاج روٹی کے ذریعے نہ کرے ٹھنڈک ڈسے تو جُبے کے ذریعے اس کا علاج بھی نہ کرے اور اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں اور ان درجات کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ یہ سب

---

(۱) الفوائد المجموعہ ص ۲۶۴ کتاب الادب حدیث ۱۷۵

(۲)

marfat.com

اسباب ہیں مسبب الاسباب سبحانہ وتعالیٰ نے ان کو مرتب فرمایا اور ان کے ساتھ اپنا طریقہ جاری کیا۔

ان امور سے توکل کی شرائط میں سے نہ ہونے پر حضرت عمر فاروق اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے طاعون کے قصے میں سردی بات دلالت کرتی ہیں کہ انہوں نے ملک شام کا قصد کیا اور جب جابیہ کے مقام پر پہنچے تو انہیں خبر ملی کہ وہاں بہت زیادہ موت واقع ہو رہی ہے اور وبا پھیلی ہوئی ہے تو اب صحابہ کرام دو گروہوں میں بٹ گئے ان میں سے بعض نے کہا ہم وبا پر داخل نہیں ہوں گے اس طرح تو ہم خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالیں گے جب کہ دوسرے گروہ نے کہا بلکہ ہم داخل ہوں گے اور توکل کریں گے اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور موت سے نہیں بھاگیں گے ورنہ ان لوگوں کی مثل ہو جائیں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ۔ (۱)

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے موت کے خوف سے نکلے اور وہ کئی ہزار تھے۔

پھر انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کر کے آپ کی رائے معلوم کی آپ نے فرمایا ہم واپس لوٹیں گے اور وبا میں نہیں داخل ہوں گے لیکن آپ کی رائے کی مخالفت کرنے والوں نے کہا کیا ہم اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں ہم اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

پھر آپ نے ان کے لیے ایک مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے اگر تم میں سے کسی ایک کی بکریاں ہوں پس وہ ایک وادی میں اترے جس کی دو گھاٹیاں ہوں ایک سرسبز و شاداب اور دوسری خشک ہو تو کیا یہ بات نہیں کہ اگر وہ سبزی والی گھاٹی میں چرائے تو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے چراتا ہے اور اگر خشک گھاٹی میں چرائے تو بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے چراتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں یہی بات ہے پھر آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا تاکہ ان کی رائے طلب کریں اور آپ موجود نہ تھے صبح ہوئی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تشریف لائے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا اے امیرالمومنین! اس سلسلے میں میرے پاس ایک بات ہے جو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے یہ سن کر حضرت عمر فاروق نے فرمایا اللہ اکبر (بیان کیجیے)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

اِذَا سَمِعْتُمْ بِالْوَبَاءِ فِيْ اَرْضٍ فَلَا تَقْدُمُوْا عَلَيْهِ وَاِذَا وَقَعَ فِيْ اَرْضٍ وَاَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِنْهُ۔ (۲)

جب تم سنو کہ کسی علاقے میں وبا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب کسی جگہ وبا پھیلے اور تم وہاں موجود ہو تو اس (وبا) سے بھاگتے ہوئے وہاں سے نہ نکلو۔

---

(۱) سورہ بقرہ آیت ۲۴۳۔
(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۰۶ مرویات اسامہ۔

marfat.com

(یہ بات سن کر) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی کہ ان کی رائے حدیث کے مطابق ہوئی۔ اور لوگوں کو مقام جابیہ سے واپس لے گئے۔

تو کس طرح تمام صحابہ کرام توکل کو چھوڑنے پر متفق ہوتے حالانکہ یہ سب سے اعلیٰ مقام ہے اگر اس قسم کی مثالیں توکل کی شرائط میں سے ہوتیں۔

سوال :-

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وبا والے مقام سے نکلنے سے کیوں منع فرمایا اور طب کے مطابق وبا کا سبب ہوا ہے اور علاج کا سب سے زیادہ ظاہر طریقہ مضر چیز سے بھاگنا ہے اور ہوا ہی مضر ہے تو اس کی اجازت کیوں نہ دی گئی؟

جواب :-

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مضر چیز سے بھاگنا منع نہیں ہے کیوں کہ پچھنے لگوانا اور رگ کٹوانا مضر چیز سے بھاگنا ہے اور اس قسم کی مثالوں میں توکل کو چھوڑنا مباح ہے۔ اور یہ مقصود پر دلالت نہیں لیکن اس میں جو چیز خرابی پیدا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ہوا اس لیے نقصان نہیں دیتی کہ وہ ظاہری بدن سے ملتی ہے بلکہ اس لیے نقصان دیتی ہے کہ آدمی مسلسل سانس لیتا ہے پس جب اس میں بدبو ہو اور پھیپھڑوں، دل اور آنتوں کے اندر تک تو دیر تک سانس لینے سے ان میں اثر ہوتا ہے پس ظاہر پر اس وقت اثر نہیں ہوتا جب تک باطن میں زیادہ دیر تک تاثیر نہ ہو پس شہر سے نکلنا عام طور پر اس اثر سے نجات نہیں دیتا جو پہلے پکا ہو چکا ہے لیکن خلاصی کا بھی احتمال ہے پس یہ ان باتوں کی جنس سے ہے جن کا محض وہم ہوتا ہے جیسے دم کروانا اور فال نکالنا وغیرہ۔ اب اگر وہاں سے نکلنے میں صرف یہی بات پائی جاتی تو یہ توکل کے خلاف تھی لیکن منع نہیں ہاں یہ کسی دوسری بات کے مل جانے سے ممنوع قرار پائی وہ یہ کہ اگر صحیح لوگوں کو وہاں سے نکلنے کی اجازت دی جاتی تو شہر میں صرف بیمار ہی رہ جاتے جن کو طاعون نے وہاں روک رکھا ہے پس ان کے دل ٹوٹ جاتے اور ان کی نگرانی کرنے والا کوئی بھی باقی نہ رہتا نہ کوئی شخص ان کو پانی پلانے والا ہوتا اور نہ ہی کھانا کھلانے والا، جب کہ وہ خود یہ کام نہیں کر سکتے تو اس طرح یہ ان بیماروں کو ہلاک کرنے والی بات ہوتی اور ان کے بچ جانے کی امید بھی ہے جیسے تندرست لوگوں کے بچنے کی امید ہے کیوں کہ اگر تندرست لوگ وہاں ٹھہرے رہیں تو ان کی موت قطعی نہیں ہے اور اگر وہاں سے نکل جائیں تو یہ نکلنا ان کی خلاصی کے لیے قطعی نہیں ہے جب کہ باقی لوگوں کی ہلاکت کے لیے قطعی ہے اور مسلمان ایک دیوار کی طرح ہیں جس کا بعض، دوسرے بعض کو مضبوط کرتا ہے جب اس کے کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو تمام جسم میں تکلیف ہوتی ہے۔

تو ہمارے نزدیک ممانعت کی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے اور جو شخص ابھی تک شہر میں نہیں آیا اس کے حق میں معاملہ برعکس ہے کیوں کہ ہوا نے اس کے باطن میں اثر نہیں کیا اور نہ ہی شہر والوں کو اس کی حاجت ہے ہاں اگر شہر میں

marfat.com

صرف طاعون زدہ لوگ ہی ہوں اور ان کو نگران کرنے والوں کی ضرورت ہو اور ایک جماعت ان کے پاس آئے تو بعض اوقات ان کی اعانت کے لیے ان لوگوں کا شہر میں داخل ہونا اچھا قرار پاتا ہے اور ان کو داخل ہونے سے منع نہیں کیا جاتا کیوں کہ یہ موہوم ضرر ہے اور باقی مسلمانوں سے ضرر کو دور کرنے کا یقین ہے اسی لیے بعض روایات میں طاعون سے بھاگنے کو میدان جنگ سے بھاگنے کی طرح قرار دیا گیا ہے (۱) اس لیے کہ اس میں باقی مسلمانوں کا دل توڑنا اور ان کی ہلاکت کی کوشش کرنا ہے۔

تو یہ باریک باتیں ہیں پس جو شخص ان کا خیال نہ کرے اور روایات و آثار کے ظاہر کو دیکھے تو جو کچھ وہ سنتا ہے ان میں سے اکثر کو وہ ایک دوسرے کے خلاف جانتا ہے عابدین و زاہدین کو عام طور پر یہاں دھوکہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے علم کو شرف اور فضیلت حاصل ہے۔

سوال :

جب علاج معالجہ ترک کرنے میں فضیلت ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کیوں ترک نہیں فرمایا تاکہ آپ بھی فضیلت حاصل کرتے۔

جواب :۔

اس میں ان لوگوں کی نسبت سے فضیلت ہے جن کے گناہ زیادہ ہیں تاکہ یہ بات ان گناہوں کا کفارہ بنے یا اسے صحت کی حالت میں اپنے پر سرکشی اور غلبۂ شہوات کا خوف ہو یا وہ اس بات کا محتاج ہو جو اسے موت کی یاد دلائے کیوں کہ اس پر غفلت کا غلبہ ہے یا وہ راضی رہنے والوں اور متوکلین کے مقامات سے کوتاہی کی وجہ سے صابرین کا درجہ پانے کا محتاج ہو یا وہ فوائد جو اللہ تعالیٰ نے دواؤں میں رکھے ہیں ان پر مطلع ہونے سے اس کی بصیرت کوتاہ ہو، حتیٰ کہ اس کے حق میں یہ موہوم ہو جیسے دم کروانا، یا وہ اپنے حال میں مشغول ہو جو علاج کروانے سے اسے خبر رکھے اور اگر علاج کروائے تو یہ حالت چلی جائے کیوں کہ وہ دونوں باتوں کو جمع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو علاج نہ کروانے کے یہ اسباب ہیں اور یہ سب باتیں بعض لوگوں کی نسبت سے کمالات ہیں لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کی نسبت نقصان ہیں بلکہ آپ کا مقام ان تمام مقامات سے اعلیٰ ہے کیوں کہ آپ کے حال کا تقاضا یہ ہے کہ اسباب ہوں یا نہ دونوں صورتوں میں آپ کا مشاہدہ ایک ہی طریقے پر ہو کیوں کہ آپ کی نظر اسباب پر نہیں بلکہ مسبب الاسباب پر تھی اور جس شخص کا یہ مقام ہو اسے اسباب نقصان نہیں پہنچا سکتے جیسے مال کی رغبت نقصان دہ ہے اور اسے ناپسند کرتے ہوئے اس سے اعراض کرنا اگرچہ کمال ہے لیکن اس شخص کے مقابلے میں نقصان ہے جس کے نزدیک مال ہونا نہ ہونا برابر ہو پس پتھر اور سونے

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۷۷ حدیث ۲۸۴۲۵

marfat.com

لوایک جیسا سمجھنا سونے سے بھاگنے اور پتھر سے نہ بھاگنے کے مقابلے میں زیادہ کامل بات ہے جب کہ نبی اکرم صلی اللہ یہ وسلم کی حالت یہ تھی کہ آپ کے نزدیک مٹی کا ڈھیلا اور سونا برابر تھا آپ اسے لوگوں کو زہد کی تعلیم دینے کی خاطر نہیں بھتے تھے کیوں کہ ان کی انتہائی قوت یہی ہے یہ بات نہیں تھی کہ مال کو روک رکھنے سے آپ کو اپنے اوپر کسی قسم کا خوف ہا کیوں کہ آپ کا مقام اس قدر بلند ہے کہ دنیا آپ کو دھوکہ نہیں دے سکتی تھی اور آپ پر دنیا کے خزانے پیش کئے لئے لیکن آپ نے ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا (۱)

اور اسی مشاہدہ کی بنیاد پر آپ کے لیے اسباب کو اختیار کرنا اور نہ کرنا ایک جیسا تھا آپ نے علاج معالجہ اس ے ترک نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت اسی طرح جاری ہے (کہ علاج کے ذریعے بیماری دور کرتا ہے) اور امت کو ان کی جت کے مطابق اجازت دینا بھی مقصود تھا باوجود یکہ اس (علاج کروانے) میں کوئی ضرر بھی نہ ہو بخلاف مال جمع کرنے ے کیوں کہ اس کا ضرر زیادہ ہے ہاں دوائی کا استعمال اس اعتبار سے ضرر رساں ہے جب دوائی کو نفع بخش سمجھا ئے اس کے خالق کو نہیں اور اس بات سے منع کیا گیا ہے نیز یہ کہ اس کے ذریعے صحت اس لیے حاصل کی جائے ، اس کے ذریعے گناہوں پر مدد حاصل کرے اور یہ ممنوع بات ہے اور مومن عام طور پر اس بات کا قصد نہیں کرتا ۔

اور کوئی بھی مسلمان دوائی کو ذاتی طور پر نافع نہیں سمجھتا بلکہ اس کا عقیدہ یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نفع کا سبب ایا ہے جیسے وہ پانی کو ذاتی طور پر سیراب کرنے والا اور روٹی کو سیر کرنے والی نہیں جانتا پس مقصود کے اعتبار سے لاج کروانا مال کمانے کی طرح ہے اگر وہ نیکی پر مدد حاصل کرنے یا گناہوں پر مدد کے لیے مال کمائے تو اس کا وہی حکم گا اور اگر مباح چیز سے لذت حاصل کرنے کے لیے کمائے تو اس کا وہی حکم ہوگا ۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے ظاہر ہوا کہ بعض حالات میں علاج معالجہ ترک کرنا افضل ہے اور بعض صورتوں میں ج کروانا افضل ہے اور یہ تبدیلی ، احوال کی تبدیلی سے پیدا ہوتی ہے نیز اشخاص ، اور نیتوں کا اختلاف بھی اس تفاوت ، موثر ہے نیز توکل میں دوا کا استعمال اور عدم استعمال شرط نہیں ہاں موہوم امور مثلاً داغ لگوانا اور دم وغیرہ کو ترک نا شرط ہے کیوں کہ یہ کام تدبیروں میں پڑنا ہے جو توکل کرنے والوں کے شایان شان نہیں ۔

مرض کو ظاہر کرنے اور چھپانے کے سلسلے میں متوکلین کے احوال

جان لو! بیماری ، فقر اور دیگر مصائب کو چھپانا نیکی کے خزانوں میں سے ہے اور اس کا بہت بڑا مقام ہے کیوں اللہ تعالیٰ ے حکم پر راضی رہنا اور اس کی آزمائش پر صبر کرنا یہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملہ ہے لہذا اس کو مخفی رکھنا

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۵۴ مرویات ابوامامہ

marfat.com

آفات سے زیادہ محفوظ رہتا ہے لیکن اس کے باوجود اسے ظاہر کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں جب نیت اور مقصد ہی
ہو اور مقاصدِ اظہار تین ہیں۔

پہلا مقصد :

اس کی غرض علاج کروانا ہو پس ڈاکٹر کے سامنے ذکر کرنے کی ضرورت ہو گی تو وہ شکایت کے طور پر نہیں بلکہ
حکایت کے طور پر ذکر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کو ظاہر کیا ہے حضرت بشر رحمہ اللہ، عبدالرحمٰن طبیب کے ساتھ
اپنی بیماریوں کا ذکر کرتے تھے، اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جس بیماری کا شکار ہوتے اس کی خبر دیتے تھے اور
فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تے مجھ پر جو اثر کیا میں اس کی خبر دے رہا ہوں۔

دوسرا مقصد :

طبیب کے علاوہ کسی سے بیان کرے اور یہ شخص (مریض) ان لوگوں میں سے ہو جن کی اقتدا کی جاتی ہے اور
معرفت میں صاحبِ مرتبہ ہو پس وہ کسی شخص سے اس لیے ذکر کرے کہ وہ اس سے مرض میں اچھی طرح صبر کرنا سیکھے بلکہ
اچھی طرح شکر کرنا، یعنی وہ اس بات کا اظہار کرے کہ بیماری ایک نعمت ہے اور اس پر شکر کرنا چاہیے اس لیے
اس کا اس طرح ذکر کرتا ہے جیسے وہ نعمت کا ذکر کرتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب مریض اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے اور اس کا شکر ادا کرے پھر اپنے
درد کا ذکر کرے تو یہ شکوہ نہیں ہے۔

تیسرا مقصد :

بیماری کا ذکر کرے نیز اپنے عجز اور بارگاہ خداوندی میں محتاجی کو ظاہر کرے اور یہ بات اس شخص سے اچھی معلوم
ہوتی ہے جو قوت و شجاعت کے لائق ہو اور عاجزی کرنا اس سے بعید معلوم ہو جیسا کہ مروی ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی
اللہ عنہ سے ان کی بیماری کے دوران پوچھا گیا آپ کیسے ہیں؟ آپ نے فرمایا بہت برا ہوں لوگ ایک دوسرے کی طرف
دیکھنے لگے گویا انہوں نے اس بات کو پسند نہ کیا اور اسے شکایت خیال کیا آپ نے فرمایا کیا میں اللہ تعالیٰ پر بیماری
ظاہر کروں تو آپ نے اس بات کو پسند فرمایا کہ اپنا عجز اور محتاجی ظاہر کریں حالانکہ آپ کی قوت و شجاعت معروف
تھی لیکن آپ نے وہی طریقہ اختیار فرمایا جس کی تعلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ
عنہ بیمار ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ الفاظ کہتے ہوئے سنا۔

اَللّٰهُمَّ صَبِّرْنِیْ عَلَی الْبَلَاءِ۔ — یا اللہ مجھے مصیبت پر صبر عطا فرما۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

لَقَدْ سَأَلْتَ اللّٰهَ تَعَالٰی الْبَلَاءَ فَسَلِ اللّٰهَ — آپ نے اللہ تعالیٰ سے مصیبت کا سوال کیا ہے پس

marfat.com

الْعَافِيَةَ۔ (۱) اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کریں۔

تو یہ مقاصد مرض کے ذکر کی اجازت دیتے ہیں اور یہ باتیں اس لیے شرط ہیں کہ بیماری کا ذکر شکایت ہے اور اللہ تعالیٰ سے شکایت اور شکوہ حرام ہے جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا کہ فقراء کے لیے ضرورت کے بغیر سوال کرنا حرام ہے۔

بیماری کا اظہار اس وقت شکوہ قرار پاتا ہے جب اس میں اللہ تعالیٰ کے فعل پر ناراضگی اور ناپسندیدگی ظاہر کی جائے اور اگر ناراضگی کے قرینے اور ان نیتوں سے بھی خالی ہو جن کا ہم نے ذکر کیا ہے تو اسے حرام نہیں کہا جائے گا بلکہ یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ ترکِ ذکر زیادہ بہتر ہے کیوں کہ بعض اوقات اس سے شکایت کا وہم ہوتا ہے اور کبھی اس کی بناوٹ ہوتی ہے کہ جس قدر بیماری موجود ہے اس سے زیادہ بیان کی جاتی ہے اور جو شخص توکل کی وجہ سے علاج کو دانا ترک ہے اس کے حق میں اظہار کی کوئی وجہ نہیں کیوں کہ اظہار کے ذریعے راحت کے حصول سے دوائی کے ذریعے حاصل ہونے والی راحت افضل ہے بعض بزرگوں نے فرمایا جس نے مرض کا ذکر کیا اس نے صبر نہیں کیا۔ اور اللہ کریم

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ (۱) پس صبر اچھا ہے۔

معنیٰ کے سلسلے میں کہا گیا ہے کہ اس سے وہ صبر مراد ہے جس میں شکوہ نہ ہو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ کی آنکھوں کی بینائی کیسے چلی گئی؟ آپ نے فرمایا زمانے کے گزرنے اور رونے کی طوالت سے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ میرے بندوں کے سامنے شکایت پر آمادہ ہو گئے۔ تو آپ نے عرض کیا اے میرے رب! میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

حضرت طاؤس اور حضرت مجاہد رحمہما اللہ نے فرمایا بیمار کا آہ آہ کرنا اس پر لکھا جاتا ہے اور اسلاف مریض کی آہ کو برا جانتے تھے کیوں کہ یہ ایسے معنیٰ کا اظہار ہے جو شکوہ کا مقتضی ہے یہاں تک کہ کہا گیا کہ حضرت ایوب علیہ السلام سے شیطان کو جو عداوت تھی وہ آپ کے حالتِ مرض میں آہ کرتا تھا اس ملعون نے اسی آہ کو اپنا حصہ قرار دیا۔

اور حدیث شریف میں ہے۔

إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ أَوْحَى اللّٰهُ تَعَالَى إِلَى الْمَلَكَيْنِ انْظُرَا مَا يَقُولُ لِعُوَّادِهِ فَإِنْ حَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى بِخَيْرٍ دَعَوَا لَهُ وَإِنْ شَكَا وَذَكَرَ شَرًّا قَالَا كَذٰلِكَ	جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کی طرف وحی بھیجتا ہے کہ دیکھو یہ شخص اپنے عیادت کرنے والوں سے کیا کہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے تو وہ اس کے لیے دعا مانگتے ہیں اور اگر وہ شکایت کرے اور برائی کا ذکر

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۲۵ مرویات معاذ (۲) قرآن مجید، سورۂ یوسف آیت ۸۳

marfat.com

تَکُوْنُوْ۔ (۱) کرے تو وہ کہتے ہیں اسی طرح ہو۔

بعض عبادت گزار عیادت کو اس لیے برا جانتے تھے کہ انہیں شکایت اور کلام کے زیادہ ہونے کا خوف تھا چنانچہ
میں سے بعض بیماری کی حالت میں اپنا دروازہ بند کر دیتے تھے۔

پس ان کے پاس کوئی بھی نہ جاتا حتی کہ وہ ٹھیک ہو کر خود ان کے پاس باہر تشریف لاتے ان میں حضرت فضیل
وہیب اور حضرت بشر رحمہم اللہ شامل ہیں اور حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے تھے میں چاہتا ہوں کہ بیمار ہوں تو کوئی شخص میر
بیمار پرسی نہ کرے اور فرماتے تھے میں بیماری کو عیادت کرنے والوں کی وجہ سے ناپسند کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو
توحید و توکل کی بحث اللہ تعالیٰ کی مدد اور حسن توفیق سے مکمل ہوتی اس کے بعد محبت، شوق، اُنس اور رضا کا باب
ہوگا اللہ سبحانہ وتعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۳ ص ۳۱۲ حدیث ۶۷۰۴

marfat.com

۶- محبت، شوق، انس اور رضا کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اپنے اولیاء (دوستوں) کے دلوں کو دنیا کے بناؤ سنگھار اور
ندتازگی کی طرف توجہ سے پاک رکھا اور ان کے باطن کو سوائے اپنے دربار گہربار کے کسی اور کے ملاحظہ سے صاف رکھا۔
ان کو اپنی عزت کے بچھونے پر متمکن ہونے کے لیے خاص کیا اس نے ان پر اپنے اسمائے مبارکہ اور صفات کی تجلی
ال حتیٰ کہ وہ اس کی معرفت کے انوار سے چمک اٹھے بعد ازاں ان کے لیے انوار الٰہیہ سے پردہ اٹھایا حتیٰ کہ وہ (دل) اس
محبت کی آگ سے جل گئے پھر اپنے جلال کی گہرائی کے ساتھ ان سے پردے میں ہو گیا حتیٰ کہ وہ اس کی کبریائی اور عظمت
ہم ہو گئے وہ جب بھی اس کے جلال کی گہرائی کے ملاحظہ کے لیے حرکت کرتے ہیں۔ تو ایسی حیرانی ان کو چلاتی ہے
عقل سے چہرے اور بصیرت کو گرد آلود کر دیتی ہے اور جب وہ مایوس ہو کر واپس لوٹنا چاہتے ہیں تو جمال کے سایہ فگن
ے سے آواز دی جاتی ہے اے وہ شخص! جو اپنی جہالت اور جلدی کی وجہ سے حق کو پانے سے مایوس ہو گیا ہے
کر۔ پس وہ رد اور قبول، رکاوٹ اور وصول کے درمیان یوں باقی رہتا، ہے کہ اس کی معرفت کے سمندر میں غرق اور اس
محبت کی آگ میں جلا ہوا ہوتا ہے۔

اور رحمت کاملہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تکمیل نبوت کے ساتھ آخری نبی ہیں اور آپ کے آل و اصحاب پر
خلق کے سردار اور امام ہیں اور حق کے قائد اور راہبر ہیں اور ان سب پر بہت زیادہ سلام ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد ——

اللہ تعالیٰ کی محبت تمام مقامات میں سے انتہائی بلند مقام اور درجات کی بلند چوٹی ہے محبت کے بعد کوئی مقام
بلکہ جو کچھ ہے وہ اس کے پھلوں میں سے ایک پھل اور توابع میں سے ایک تابع ہے جیسے شوق، اُنس اور رضا وغیرہ۔
طرح محبت سے پہلے بھی کوئی مقام نہیں بلکہ جو کچھ ہے وہ اس کے مقدمات ہیں مثلاً توبہ، صبر اور زہد وغیرہ۔
دوسرے مقامات کا وجود اگرچہ نادر ہے پھر بھی دل ان کے امکان پر ایمان سے خالی نہیں ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ سے
ت پر ایمان بہت مشکل ہے حتیٰ کہ بعض علماء نے اس کے امکان کا ہی انکار کیا ہے اور فرمایا کہ اس کا مفہوم صرف یہی
ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے جہاں تک حقیقتِ محبت کا تعلق ہے تو وہ محال ہے کیوں کہ وہ تو اپنے ہم
ں اور ہم مثل سے ہوتی ہے اور جب انہوں نے محبت کا انکار کیا تو اُنس شوق، لذتِ مناجات اور محبت کے تمام،

لوازم وتوابع کا انکار کیا ہے اور اس بات سے پردہ اٹھانا ضروری ہے پس ہم اس حصۂ کتاب میں درج ذیل امور بیا کرتے ہیں۔

(۱) محبت کے بارے میں شرعی شواہد کا بیان

(۲) محبت کی حقیقت واسباب کا بیان

(۳) محبت کا استحقاق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

(۴) سب سے بڑی لذت دیدار خداوندی کی لذت ہے۔

(۵) دنیا میں حاصل ہونے والی مغفرت کے مقابلے میں آخرت کے دیدار کی لذت زیادہ ہے۔

(۶) محبت الٰہیہ کو تقویت دینے والے اسباب

(۷) محبت کے حوالے سے لوگوں میں تفاوت کے اسباب

(۸) معرفت خداوندی میں ذہنوں کی کوتاہی کا سبب

(۹) شوق کا مفہوم

(۱۰) بندے سے اللہ تعالیٰ کی محبت

(۱۱) بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامات

(۱۲) اللہ تعالیٰ سے اُنس کا مفہوم

(۱۳) اُنس میں کشادگی (انبساط) کا معنیٰ

(۱۴) رضا کا مفہوم۔

(۱۵) رضا کی فضیلت

(۱۶) رضا کی حقیقت

(۱۷) دعا مانگنا اور گناہوں سے نفرت، نیز گناہوں سے بھاگنا رضا کے خلاف نہیں۔

(۱۸) محبین کی حکایات و کلماتِ متفرقہ ——

فصل ۱ :

بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کے شرعی شواہد

اس بات پر امت کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت فرض ہے اور جب محبت کا وجود ہی نہیں ہوگا تو وہ فرض کیسے ہوگی پھر محبت کی تقصیر اطاعت سے کیسے جا سکتی ہے جب کہ اطاعت

بت کے تابع اور اس کا نتیجہ ہے پس محبت کا مقدم ہونا ضروری ہے اس کے بعد آدمی اس کی اطاعت کرتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی محبت کے اثبات پر یہ ارشاد خداوندی دلالت کرتا ہے۔

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ۔ (۱) وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں

نیز یہ ارشاد خداوندی بھی محبت پر دلالت کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ اور وہ جو ایمان لائے وہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔ (۲)

یہ آیت محبت کے ثبوت اور اس میں تفاوت (دونوں باتوں) پر دلالت کرتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں اللہ تعالیٰ کی محبت کو ایمان کی شرط قرار دیا ہے۔

حضرت ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایمان کیا ہے؟

آپ نے فرمایا۔

اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْكَ مِمَّا سِوَاهُمَا۔ (۳) یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے نزدیک ان دونوں کے علاوہ (ہر چیز) سے زیادہ محبوب ہوں

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا۔ (۴) تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس کے نزدیک ان (دونوں) کے غیر سے زیادہ محبوب ہو جائیں۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

لَا يُؤْمِنُ الْعَبْدُ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَهْلِهٖ وَمَالِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (۵) کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے اہل و مال اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مائدہ آیت ۵۴

(۲) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۱۶۵

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۱ مرویات ابو رزین

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۰۷ مرویات انس بن مالک

(۵) صحیح مسلم جلد اول ص ۹۴ کتاب الایمان

marfat.com

اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں "وَمِنْ نَفْسِہٖ" (۱) اور اپنے نفس سے بھی زیادہ مجھ سے محبت کرے
اور اس محبت کے بغیر ایمان کیسے مکمل ہو سکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۔

آپ فرما دیں اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کا مکان یہ چیزیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۲)

اور یہ بات جھڑکنے اور انکار کے طور پر ارشاد فرمائی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کا حکم دیا۔
آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوْكُمْ بِهٖ مِنْ نِعْمَةٍ وَاَحِبُّوْنِيْ لِحُبِّ اللّٰهِ اِيَّايَ ۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کہ وہ تمہیں ہر صبح نعمت عطا کرتا ہے اور مجھ سے محبت کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ (۳)

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ سے محبت کرتا ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِسْتَعِدَّ لِلْفَقْرِ ۔ فقر کے لیے تیار ہو جاؤ۔

اس نے عرض کیا میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہوں تو آپ نے فرمایا۔

اِسْتَعِدَّ لِلْبَلَآءِ ۔ (۴) آزمائشوں کے لیے تیار ہو جاؤ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت مصعب بن عمیر

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۸۱ کتاب الایمان والنذور
(۲) قرآن مجید۔ سورۃ توبہ آیت ۲۴
(۳) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۱۵۰ کتاب معرفۃ الصحابۃ
(۴) کنز العمال جلد ۶ ص ۳۸۳ حدیث ۱۶۶۴۶

marfat.com

تشریف لا رہے ہیں اور ان کے اوپر دنبے کی کھال ہے جو انہوں نے اپنے اوپر لپیٹ رکھی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اس شخص کو دیکھو جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے منور کیا میں نے اس کو دیکھا کہ اس کے ماں باپ اسے نہایت اچھا کھانا کھلاتے اور پانی پلاتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت نے اسے اُس چیز کی طرف بلایا جو تم دیکھ رہے ہو(۱)

ایک مشہور روایت میں ہے جب موت کا فرشتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی روح قبض کرنے حاضر ہوا تو آپ نے اس سے پوچھا کیا تم نے دیکھا ہے کہ کوئی خلیل اپنے خلیل کو موت دے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی وحی فرمائی کہ کیا آپ نے کسی محب کو اپنے محبوب کی ملاقات سے نفرت کرتے ہوئے دیکھا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اے موت کے فرشتے! اب روح قبض کرو ——

اور یہ بات اسی بندے پر کھلتی ہے جو مکمل دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہو پس جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ موت ملاقات کا سبب ہے تو اس کا دل اس کی طرف راغب ہوتا ہے اور اس کا دوسرا محبوب نہیں ہوتا جس کی طرف رغبت کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ اَحَبَّكَ وَحُبَّ مَا یُقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّكَ وَاجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ۔ (۱)

یا اللہ! مجھے اپنی محبت، اپنے محبین کی محبت اور اس (عمل) کی محبت عطا فرما جو مجھے تیرے قریب کر دے اور اپنی محبت کو میرے نزدیک ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب بنا دے۔

ایک اعرابی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ قیامت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے اس نے عرض کیا میں نے اس کے لیے کوئی زیادہ نماز روزے کی تیاری نہیں کی البتہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے مسلمانوں کو اسلام کے بعد اس بات سے زیادہ کسی بات پر خوش ہوتے نہیں دیکھا۔

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد اول ص ۱۰۸ ترجمہ ۱۲

(۲) کنز العمال جلد ۲ ص ۹، ۱ حدیث ۳۶۲۲

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۱۱ کتاب الادب

marfat.com

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص خالص اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذائقہ حاصل کر لیتا ہے تو یہ بات اسے دنیا کی طلب سے خبر کر دیتی ہے اور اسے تمام انسانوں سے وحشت دلاتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص اپنے رب کو پہچان لیتا ہے وہ اس سے محبت کرتا ہے اور جو آدمی دنیا کی پہچان حاصل کر لیتا ہے وہ اس سے بے رغبت ہو جاتا ہے اور مومن کھیل کود میں نہیں پڑتا کہ غافل ہو جائے پس جب وہ فکر کرتا ہے تو غمگین ہو جاتا ہے حضرت ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کو جنت اور ان کے درمیان کی نعمتیں اللہ تعالیٰ سے بے خبر نہیں کرتیں تو وہ دنیا کے ذریعے اس سے کس طرح بے خبر ہو سکتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین آدمیوں کے پاس سے گزرے جن کے بدن کمزور اور رنگ بدل چکے تھے آپ نے پوچھا تمہارا یہ حال کیسے ہوا؟ انہوں نے جواب دیا جہنم کے خوف سے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ خوف رکھنے والوں کو ضرور امن دے گا پھر آپ دوسرے تین آدمیوں سے گزرے تو وہ پہلوں کی نسبت زیادہ کمزور اور متغیر تھے آپ نے فرمایا تمہاری یہ حالت کیسے ہوئی؟ انہوں نے جواب دیا جنت کے شوق کی وجہ سے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری امید کے مطابق ضرور دے گا۔ پھر آپ تین آدمیوں سے گزرے تو وہ سب سے زیادہ کمزور تھے اور ان کا رنگ بھی بہت زیادہ بدلا ہوا تھا۔ گویا ان کے چہروں پر نور نظر آتا ہے آپ نے پوچھا تمہاری یہ حالت کس وجہ سے ہوئی ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم مقرب ہو (تین بار فرمایا)

حضرت عبدالواحد بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں ایک آدمی کے پاس سے گزرا جو برف میں کھڑا تھا میں نے پوچھا کیا آپ کو سردی نہیں لگتی؟ اس نے جواب دیا جس کو اللہ تعالیٰ کی محبت مصروف کر دے وہ سردی محسوس نہیں کرتا۔

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قیامت کے دن امتوں کو ان کے انبیاء کرام کی نسبت سے پکارا جائے گا پس کہا جائے گا اے امت موسیٰ! اے امتِ عیسیٰ! اے امت محمد! (علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام)

لیکن جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہیں ان کو یوں پکارا جائے گا اے اللہ کے دوستو! اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف آؤ تو خوشی کے مارے ان کے دل نکلنے والے ہوں گے۔

حضرت ہرم بن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں مومن جب اپنے رب کو پہچان لیتا ہے تو اس سے محبت کرتا ہے اور جب اس سے محبت کرتا ہے تو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جب اس کی طرف توجہ کی مٹھاس پاتا ہے تو دنیا کو خواہش کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور نہ آخرت کو سستی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس بات سے اسے دنیا میں مسرت اور آخرت میں راحت ہو گی۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا معاف کرنا تمام گناہوں کو گھیر لیتا ہے تو اس کی رضا کا کیا عالم ہو گا اور اس کی رضا تمام امیدوں کو پورا کر دیتی ہے تو اس کی محبت کا کیا عالم ہو گا اور اس کی محبت عقلوں کو مدہوش

کر دیتی ہے تو اس کی دوستی کا کیا حال ہوگا اس کی دوستی (مودّت) کی وجہ سے سب کچھ بھول جاتا ہے تو اس کے لطف وکرم کا کیا حال ہوگا۔

بعض کتب میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندے! مجھے تیرے حق کی قسم ہیں تجھ سے محبت کرتا ہوں میں تجھے اپنے حق کی قسم دیتا ہوں کہ تو مجھ سے محبت کر۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں رائی کے دانے کے برابر محبت، میرے نزدیک محبت کے بغیر کی گئی ستر سال کی عبادت سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور آپ یہ بھی فرماتے ہیں الٰہی! میں تیرے صحن میں کھڑا ہوں اور بچپن سے تیری تعریف میں مشغول ہوں تو نے مجھے اپنی طرف لے لیا، اپنی معرفت کا لباس پہنایا اور اپنے لطف وکرم سے حصہ عطا فرمایا تو مجھے احوال، اعمال، پردہ پوشی، توبہ، زُہد، شوق، رضا اور محبت میں بدستار رہا تو نے مجھے اپنے حوضوں سے پلایا اور اپنے باغوں میں پھرایا میں تیرے حکم کو اختیار کئے ہوئے اور تیرے قول میں مشغول رہا اے جب میری مونچھیں نکل آئیں اور مجھے طاقت حاصل ہوگئی تو آج میں بڑا ہو کر تجھ سے کس طرح پھر سکتا ہوں حالاں کہ میں تو بچپن سے تیرے ساتھ ان امور کا عادی ہوں تو جب تک رہوں گا تیرے گرد ہی بھنبھناؤں گا اور تیری بارگاہ ہی میں گڑگڑاؤں گا کیوں کہ میں محبت کرتا ہوں اور ہر محب اپنے محبوب کے ساتھ مشغول ہوتا ہے اور محبوب کے غیر سے رُوگردانی کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے سلسلے میں اس قدر احادیث وآثار مروی ہیں جو شمار سے باہر ہیں اور یہ ظاہر بات ہے البتہ اس کے معنیٰ کی تحقیق میں پوشیدگی ہے لہٰذا ہم اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

فصل ۲:

محبت کی حقیقت واسباب اور بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا معنیٰ

اس بیان کا مطلب اسی وقت واضح ہوگا جب محبت کی فی نفسہا حقیقت بیان کی جائے پھر اس کی شرائط واسباب کی معرفت کا ذکر کیا جائے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حق میں اس کے معنیٰ کی تحقیق کی طرف نظر کی جائے۔

سب سے پہلی بات جس کو جاننا ضروری ہے، یہ ہے کہ محبت کا تصور معرفت وادراک کے بعد ہی ہوتا ہے کیوں کہ انسان اسی چیز سے محبت کرتا ہے جس کی معرفت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ جمادات محبت سے موصوف نہیں ہوتے بلکہ محبت زندہ ادراک کرنے والی مخلوق کی خاصیت ہے۔

پھر جن چیزوں کا ادراک ہوتا ہے (یعنی مُدرَکات) ان کی تین صورتیں ہیں یا تو وہ مدرک کی طبیعت کے موافق ہوں گے اور وہ ان سے لذت حاصل کرتا ہے یا وہ اس کی طبیعت کے منافی ہوتے ہیں وہ ان سے نفرت اور تکلیف محسوس کرتا ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ ان میں لذت وتکلیف کسی بات کا اثر نہیں ہوتا پس جس چیز کے ادراک میں لذت وراحت ہو

وہ مُدرک کے نزدیک محبوب ہوتی ہے اور جس کے ادراک میں تکلیف ہو مُدرِک کے نزدیک وہ قابلِ نفرت ہوتی ہے اور جس کا ادراک لذت و تکلیف دونوں سے خالی ہو وہ نہ تو محبوب کہلاتی ہے اور نہ ہی مکروہ ——

تو لذت حاصل کرنے والے کے نزدیک ہر لذیذ چیز محبوب ہوتی ہے اور محبوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ طبیعت میں اس کی طرف میلان ہوتا ہے اور ناپسند (مبغوض) ہونے کا مطلب یہ ہے کہ طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے تو محبت لذت والی چیز کی طرف میلانِ طبع کا نام ہے اگر یہ میلان مضبوط ہو جائے تو اسے عشق کہتے ہیں اور بُغض اس چیز سے طبعی نفرت کا نام ہے جو تکلیف دہ تھکانے والی ہے جب یہ نفرت مضبوط ہو جاتی ہے تو اسے مقت (ناراضگی) کہا جاتا ہے محبت کے معنیٰ کی حقیقت میں یہ بات اصل ہے جس کی معرفت ضروری ہے۔

دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ جب محبت ادراک اور معرفت کے تابع ہے تو جس طرح مدرِکات اور حواس تقسیم ہوتے ہیں لامحالہ محبت بھی تقسیم ہوتی ہے ہر حس مدرَکات میں سے کسی ایک نوع کا ادراک کرتی ہے اور ہر ایک کو بعض مدرکات سے لذت حاصل ہوتی ہے اور اس لذت کے باعث طبیعت کا ان مدرکات کی طرف میلان ہوتا ہے۔ پس یہ مدرکات طبعِ سلیم کے نزدیک محبوب ہوتے ہیں مثلاً آنکھ کی لذت ان چیزوں میں ہوتی ہے جن کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ دکھائی دینے والی خوبصورت چیزوں اور باعث لذت حسین صورتوں کا ادراک کرتی ہے اور کان کی لذت کھائی جانے والی چیزوں اور چھونے کی لذت نرم و نازک چیزوں میں ہوتی ہے۔

پس جب ان مدرکات سے حواس کو لذت حاصل ہوتی ہے تو یہ محبوب ہوتے ہیں یعنی سلیم طبیعت ان کی طرف مائل ہوتی ہے حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ الطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَجُعِلَ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ (۱)

تمہاری دنیا سے مجھے تین چیزیں محبوب ہیں خوشبو، عورتیں اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

خوشبو کو محبوب قرار دیا گیا اور یہ بات معلوم ہے کہ آنکھ اور کان کا اس میں کوئی حصہ نہیں بلکہ صرف سونگھنے کا تعلق ہے اور عورتوں کو محبوب قرار دیا گیا حالانکہ ان میں صرف دیکھنے اور چھونے کا تعلق ہے سونگھنے، چکھنے اور کان کا کوئی تعلق نہیں اور نماز کو آنکھ کی ٹھنڈک قرار دیا گیا اور اسے سب سے زیادہ محبوب قرار دیا گیا اور یہ بات معلوم ہے کہ اس سے حواس خمسہ کا کوئی تعلق نہیں بلکہ ایک چھٹی حس ہے جو دل کے ماتحت ہے اس کا ادراک اسی شخص کو ہوتا ہے جس کے پاس دل ہو۔ ان پانچ حواس میں جانور بھی انسان کے ساتھ شریک ہیں۔

اگر محبت کا تعلق صرف ان چیزوں سے ہوتا جن کا ادراک حواس خمسہ سے ہوتا ہے حتیٰ کہ یوں کہا جائے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۱۶۰ کتاب النکاح

marfat.com

کا ادراک حواس سے نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ خیال میں آسکتا ہے لہذا اس سے محبت نہیں ہوگی تو اس بات سے انسان کی کی خاصیت باطل ہو جائے گی اور وہ چھٹی حس بیکار ہو جائے گی جس کے ذریعے انسان، حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے اور اسے عقل یا نور یا قلب یا اس طرح کا کوئی دوسرا نام دے سکتے ہیں۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور یہ بات بعید ہے کیوں کہ باطنی بصیرت ظاہری نگاہ سے زیادہ قوت رکھتی ہے اور آنکھ کے مقابلے میں دل کو زیادہ ادراک ہوتا ہے اور عقل کے ذریعے جن معانی کا ادراک ہوتا ہے ان کا جمال ان صورتوں کے جمال سے زیادہ ہوتا ہے جو آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوتی ہیں پس دل جن امور شریفہ الٰہیہ کا ادراک کرتا ہے اور حواس ان کا ادراک نہیں کر سکتے وہ زیادہ مکمل اور ابلغ ہوتے ہیں پس طبع سلیم اور عقل صحیح کا اس کی طرف میلان زیادہ قوی ہوتا ہے لہذا محبت کا مفہوم یہ ہوا کہ اس چیز کی طرف میلان ہو جس کے ادراک میں لذت ہوتی ہے جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آئے گی پس اس وقت اللہ تعالیٰ کی محبت کا وہی شخص انکار کرتا ہے جس کو اس کی کوتاہی اسے جانوروں کے درجہ میں بٹھا دیتی ہے اور اس کا ادراک حواس سے آگے بالکل نہ بڑھ سکے۔

تیسرا ضابطہ:

اس بات میں کوئی پوشیدگی نہیں کہ انسان اپنے نفس سے محبت کرتا ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ بعض اوقات وہ اپنی ذات کے لیے دوسروں سے محبت کرتا ہے اور کیا یہ تصور ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں سے ان کی ذات کی وجہ سے محبت کرے اپنے لیے نہیں یہ بات ضعیف لوگوں کے لیے مشکل ہو گئی حتی کہ ان کے خیال میں اس بات کا تصور نہیں ہو سکتا کہ انسان دوسرے سے اس کی ذات کے لیے محبت کرے جب تک محب کو محبوب کی ذات کے ادراک کے علاوہ کوئی فائدہ نہ ہو، لیکن حق بات یہ ہے کہ اس بات کا تصور بھی ہو سکتا ہے اور عملاً یہ موجود بھی ہے اب ہم محبت کے اسباب اور ان کی اقسام بیان کرتے ہیں۔

اسباب محبت:-

اس بات کا بیان یہ ہے کہ ہر زندہ کے لیے سب سے پہلا محبوب اس کا نفس اور ذات ہے اور اپنے نفس سے محبت کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ طبعی طور چاہتا ہے کہ اس کا وجود دائمی ہو اور وہ اپنے معدوم ہونے اور ہلاکت سے نفرت کرتا ہے کیوں کہ طبعی طور پر محبوب چیز ہوتی ہے جو محبوب کے موافق ہو اور انسان کے لیے اپنے نفس اور دوام وجود سے بڑھ کر کیا چیز موافق ہو سکتی ہے اور اپنے عدم اور ہلاکت سے بڑھ کر مخالفِ طبع کیا چیز ہوگی اسی لئے انسان وجود کا دوام چاہتا ہے اور موت و قتل کو ناپسند کرتا ہے صرف یہ بات نہیں کہ موت کے بعد (کے حالات) سے خوف کھاتا ہے اور موت کی سختیوں سے بچنا چاہتا ہے بلکہ اگر اسے کسی تکلیف کے بغیر اٹھا لیا جائے اور کسی ثواب و عذاب کے بغیر اسے موت دی جائے تو بھی وہ اس پر راضی نہیں ہوتا اور اسے ناپسند کرتا ہے ہاں اگر دنیا میں کوئی سختی وغیرہ پہنچے تو موت کو پسند کرتا ہے اور جب وہ

marfat.com

کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو مصیبت کا زوال چاہتا ہے اب اگر معدوم ہونے کو پسند کرے تو اس لیے اس کو پسند نہیں کرتا کہ وہ عدم ہے (نہ ہونا ہے) بلکہ اس لیے کہ اس میں مصیبت کا زوال ہے پس ہلاکت اور معدوم ہونے سے نفرت ہوتی ہے اور ہمیشہ کے لیے باقی رہنا محبوب ہوتا ہے۔

اور جس طرح دوامِ وجود محبوب ہوتا ہے اسی طرح کمالِ وجود بھی محبوب ہوتا ہے کیوں کہ ناقص میں کمال نہیں اور جس قدر کمال میں نقص ہوگا۔ اسی قدر عدم ہوگا اور یہ ایک قسم کی ہلاکت ہے اور صفات میں ہلاکت و عدم سے بھی نفرت ہوتی ہے اور کمال وجود میں کمی ہو تو یہ بھی باعثِ نفرت ہے جس طرح اصل ذات میں عدم سے نفرت ہوتی ہے اور کمال صفات کا پایا جانا محبوب ہوتا ہے جس طرح اصل وجود کا پایا جانا محبوب ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی عادت مبارکہ کے مطابق فطرتی اور طبعی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ (۱) اور تم ہرگز سنتِ الٰہیہ میں تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ انسان کے لیے محبوب اول اس کی ذات ہے پھر اس کے اعضاء کی سلامتی اس کے بعد اس کا مال، اولاد، خاندان، اور پھر دوست احباب، پس اعضاء محبوب ہیں اور ان کی سلامتی مطلوب ہے کیوں کہ وجود کا کمال اور دوام ان اعضاء پر موقوف ہے اور مال بھی محبوب ہوتا ہے کیوں کہ یہ وجود کے دوام اور کمال کے لیے ایک آلہ ہے نیز تمام اسباب کا یہی حال ہے۔

پس انسان ان چیزوں سے ان کی ذات کی وجہ سے محبت نہیں کرتا بلکہ اس لیے کہ وجود کے دوام و کمال کے سلسلے میں اس کا فائدہ ان سے ملا ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے اگرچہ اسے اس سے کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ اس کے لیے مشقت برداشت کرتا ہے کیوں کہ یہ اس کے مرنے کے بعد اس کا نائب بنتا ہے پس اس کی نسل کے باقی رہنے میں ایک طرح سے خود اس کا باقی رہنا ہے تو چونکہ وہ اپنے وجود کے بقا کو زیادہ چاہتا ہے اس لیے وہ ان لوگوں کے باقی رہنے کا خواہش مند ہوتا ہے جو اس کے قائم مقام ہوں گویا وہ اس کا ایک جزو ہے کیوں کہ وہ خود اپنی ذات کے دوام کی طمع سے عاجز ہے ہاں اگر اسے اس کے اور بیٹے کے قتل کے درمیان اختیار دیا جائے اور اس کی طبیعت اعتدال پر ہو تو وہ اولاد کے باقی رہنے پر اپنی بقا کو ترجیح دیتا ہے کیوں کہ اس کی اولاد کا باقی رہنا من وجہ اس کا باقی رہنا ہے لیکن بعینہٖ اس کا باقی رہنا نہیں ہے اسی طرح قرابت داروں اور خاندان سے محبت بھی ذاتی کمال کی محبت کی طرح لوٹتی ہے کیونکہ وہ ان کے ذریعے اپنی کثرت اور ان کے سبب سے اپنی قوت دیکھتا ہے اور ان کے کمال کو اپنے لیے باعثِ فخر جانتا ہے کیونکہ خاندان، مال اور خارجی اسباب بازو کی طرح ہیں جو انسان کو مکمل کرتے ہیں اور وجود کا کمال اور دوام لازماً طبعی

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ احزاب آیت ۶۲

marfat.com

طور پر محبوب ہوتے ہیں۔
تو ہر زندہ کے نزدیک سب سے پہلا محبوب اس کی ذات کا کمال اور ان سب چیزوں کا دوام ہے اور اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ ناپسند ہوتا ہے۔ یہ سب سے پہلا سبب ہے۔

دوسرا سبب:

محبت کا دوسرا سبب احسان ہے کیوں کہ انسان احسان کا بندہ ہے اور محسن سے محبت اور بُرا سلوک کرنے والے سے بُغض پر دل مجبور ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ لِفَاجِرٍ عَلَیَّ یَدًا فَیُحِبَّتُہٗ قَلْبِیْ۔ (۱)

یا اللہ! کسی فاجر (بدکار) کو میرا محسن نہ بنانا اس طرح میرا دل اس سے محبت کرنے لگے گا۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ محسن سے قلبی محبت اضطراری ہے اسے دُور نہیں کیا جا سکتا ہے اور یہ جبلی اور فطری بات ہے اس کی تبدیلی کی طرف کوئی راہ نہیں اسی وجہ سے بعض اوقات اجنبی انسان سے محبت ہوتی جس کے ساتھ نہ تو قرابت کا تعلق ہوتا ہے اور نہ کوئی دوسرا تعلق۔ اگر اس (دوسرے سبب) میں غور کیا جائے تو یہ بھی پہلے سبب کی طرف ہی لوٹتا ہے کیوں کہ محسن وہ ہوتا ہے جو مال اور دوسرے اسباب جو دوام وجود تک پہنچاتے ہیں کے ذریعے مدد کرتا ہے اس کی مدد سے کمال وجود اور ان فوائد کا حصول ہوتا ہے جن کے ذریعے وجود پایا جاتا ہے۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ انسانی اعضاء اس لیے محبوب ہوئے ہیں کہ ان کے ذریعے وجود کامل ہوتا ہے اور یہ کمال بعینہٖ مطلوب ہے لیکن محسن عینِ کمال مطلوب نہیں ہے ہاں بعض اوقات اس کا سبب بنتا ہے جس طرح طبیب صحتِ اعضاء کے دوام کے لیے سبب قرار پاتا ہے پس صحت کی چاہت اور صحت کے سبب یعنی طبیب کی محبت میں فرق ہے کیوں کہ صحت ذاتی طور پر مطلوب ہوتی ہے اور طبیب ذاتی طور پر محبوب نہیں ہوتا بلکہ اس سے محبت اس لیے ہوتی ہے کہ وہ صحت کا سبب ہے اسی طرح علم محبوب ہے اور استاذ سے بھی محبت ہوتی ہے لیکن علم ذاتی طور پر محبوب ہوتا ہے اور استاذ سے محبت کی وجہ یہ ہے کہ وہ علم محبوب کا سبب ہے اسی طرح کھانا اور پانی محبوب ہیں اور دینار بھی محبوب ہیں لیکن کھانا ذاتی طور پر محبوب ہے اور دیناروں سے محبت اس لیے ہوتی ہے کہ وہ کھانے تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔

تو فرق رتبہ میں تفاوت کے اعتبار سے ہوا ورنہ دونوں میں انسان کی محبت اپنے نفس سے ہوتی ہے پس جو شخص کسی محسن سے اس کے احسان کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو وہ حقیقت میں اس کی ذات سے محبت نہیں کرتا بلکہ اس کے احسان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس کا ایک فعل ہے اگر وہ زائل ہو جائے تو محبت بھی ختم ہو جائے حالانکہ اس

---

(۱) الفوائد المجموعۃ ۲۱۱ حدیث ۱۸ کتاب الجہاد

marfat.com

(محسن) کی ذات باقی رہتی ہے اور احسان میں کمی محبت میں کمی اور اس میں اضافہ محبت بھی زیادتی کا باعث ہے اس (محبت) کی کمی بیشی کا دارومدار احسان میں کمی بیشی پر ہے۔

تیسرا سبب:

کسی چیز سے اس کی ذات کی وجہ سے محبت کرے اس سے کچھ اور فائدہ حاصل کرنا مقصود نہ ہو بلکہ صرف اس کی ذات ہی مطلوب ہو یہ حقیقی محبت ہے جس کے دوام کا اعتماد ہوتا ہے جیسے حسن وجمال کی محبت ہے کیوں کہ جس شخص کو جمال کا ادراک ہوتا ہے اس کے نزدیک ہر جمال محبوب ہوتا ہے اور یہ محبت صرف جمال کی وجہ سے ہوتی ہے کیوں کہ جمال کے ادراک میں ہی لذت ہوتی ہے جو ذاتی طور پر محبوب ہوتی ہے کسی غیر کی وجہ سے نہیں اور یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ اچھی صورتوں سے محبت صرف قضائے شہوت کے لیے ہوتی ہے کیوں کہ شہوت کو پورا کرنا دوسری لذت ہے اور بعض اوقات اس مقصد کے لیے اچھی صورتوں سے محبت کی جاتی ہے اور محض جمال کا ادراک بھی لذیذ ہوتا ہے پس جائز ہے کہ وہ ذاتی طور پر محبوب ہو اور اس بات کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے جب کہ سبزی اور جاری پانی محبوب ہوتا ہے لیکن اس لئے نہیں کہ اس پانی کو پیا جائے اور سبزی کو کھایا جائے یا ان سے دیکھنے کے علاوہ کوئی فائدہ اٹھایا جائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سبزہ اور چلتا ہوا پانی پسند تھا (آپ اسے دیکھنا چاہتے تھے) (۱)

سلیم طبیعتیں شگوفوں، پھولوں اور خوبصورت عمدہ نقش ونگار والے اور مناسب شکل کے پرندوں کو دیکھ کر لذت حاصل کرتی ہیں حتی کہ آدمی جب ان چیزوں کو دیکھتا ہے تو اس کا غم اور پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں حالانکہ وہ ان سے دیکھنے کے علاوہ کوئی دوسرا فائدہ نہیں اٹھاتا۔

پس یہ اسباب لذت رساں ہیں اور ہر لذیذ چیز محبوب ہوتی ہے اور کسی بھی حسن وجمال کا ادراک لذت سے خالی نہیں ہوتا اور کوئی بھی شخص اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ جمال طبعی طور پر محبوب ہوتا ہے پس اگر ثابت ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ جمال ہے تو جس کے لیے اس کے جمال وجلال کا انکشاف ہوگا اس کے نزدیک وہ محبوب ہوگا جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ (۲) بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے

چوتھا اصل:

حسن وجمال کا معنیٰ

جو لوگ خیالات اور محسوسات کی قید میں بند ہیں وہ بعض اوقات گمان کرتے ہیں کہ حسن وجمال کا مفہوم صرف یہ ہے کہ شکل وصورت

---

(۱) کنز العمال جلد ۷، ص ۱۵۰ حدیث ۱۸۴۶۱
(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۶۵ کتاب الایمان

marfat.com

مناسب ہو، رنگ اچھا ہو سُرخی اور سفیدی کی آمیزش ہو اور قد لمبا ہو وغیرہ وغیرہ یعنی صرف وہ باتیں جن سے کسی انسان کے حلیے
ا ذکر کیا جاتا ہے کیوں کہ مخلوق پر غالب حُسن وہی ہے جو آنکھوں سے نظر آئے اور انسان عام طور پر انسانی صورتوں کی طرف
ی متوجہ ہوتا ہے اور وہ گمان کرتا ہے کہ جس چیز کو دیکھا نہیں جا سکتا یا اس کو خیال میں نہیں لایا جا سکتا یا اس کی کوئی شکل نہیں
اس کا کوئی رنگ ہو تو اس کے حُسن کا تصور نہیں ہو سکتا اور جب اس کے حُسن کا تصور نہیں ہو سکتا تو اس کے ادراک
ں کوئی لذت بھی نہیں پس وہ محبوب نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ واضح غلطی ہے کیوں کہ حُسن صرف ان چیزوں میں بند نہیں ہوتا جن کا
ادراک آنکھوں سے نہ ہو سکتا ہو اور نہ ان چیزوں سے خاص ہے جن کی خِلقت میں تناسب ہے اور اس کا رنگ سرخ و سفید
ہے کیوں کہ ہم کہتے ہیں یہ خط اچھا ہے، یہ آواز اچھی ہے اور یہ گھوڑا اچھا ہے بلکہ ہم کہتے ہیں یہ کپڑا اچھا ہے یہ برتن اچھا ہے
آواز، خط اور باقی چیزوں کے حُسن کا کیا معنیٰ ہوگا اگر حُسن صرف صورت میں ہو اور یہ بات معلوم ہے کہ آنکھوں کو اچھا خط دیکھ
لذت حاصل ہوتی ہے، کان اچھے خوبصورت نغمے سن کر لذت حاصل کرتے ہیں اور جن جن چیزوں کا ادراک ہوتا ہے وہ
ن بھی ہوتی ہیں اور قبیح بھی، تو جس حُسن میں یہ چیزیں شریک ہیں اس کا کیا مفہوم ہوگا لہٰذا اس مسئلے پر بحث کرنا ضروری
ہے اور یہ طویل بحث ہے جو عام معاملہ کے لائق نہیں جس میں اختصار ہوتا ہے پس ہم تصریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر چیز کا
ل وہی ہے جو اس کے لائق اور ممکن ہو۔

تو جب اس میں تمام مُمکنہ کمالات جمع ہوں تو وہ انتہائی جمال میں ہوگا اور اگر بعض کمالات ہوں تو جس قدر کمالات موجود
ں گے اسی قدر حُسن و جمال ہوگا پس اچھا گھوڑا وہی ہے جس میں اس کے لائق و مناسب شکل رنگ، اچھی رفتار اور دوڑ
وپ ہو اور اچھا خط وہ ہوگا جس میں وہ خوبیاں جمع ہوں جو خط کے لائق ہیں یعنی حروف مناسب و متوازی ہوں اور ترتیب و
ظام عمدہ ہو۔

تو ہر چیز کا ایک کمال ہوتا ہے جو اس کے لائق ہوتا ہے اور اس کے غیر میں بعض اوقات اس کی ضد ہوتی ہے
ہر چیز کا حسنِ کمال وہی ہے جو اس کے لائق ہو پس انسان کا حُسن اس چیز کے ساتھ نہیں ہوتا جس کے ساتھ گھوڑے کا
ن ہوتا ہے اور جس چیز کے ذریعے آواز کو حُسن حاصل ہوتا ہے اس کے ذریعے خط کو حُسن حاصل نہیں ہوتا اسی طرح برتنوں
حُسن ان امور کے ساتھ نہیں ہوتا جن کے ذریعے کپڑوں یا دیگر اشیاء کو حُسن حاصل ہوتا ہے۔

سوال:

اگرچہ ان چیزوں کا ادراک آنکھوں سے نہیں ہوتا جیسے آواز، ذائقے وغیرہ لیکن دیگر حواس سے تو ان کا ادراک
ہوتا ہے پس یہ محسوسات ہیں اور محسوسات کے حُسن و جمال کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جب ان کے حُسن کا ادراک ہو تو حصول
ت کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا اور انکار ان ہی چیزوں میں ہوتا ہے جن کا ادراک حواس سے نہ ہو سکے۔

جواب:-

marfat.com

غیر محسوسات میں بھی حُسن وجمال موجود ہوتا ہے کیوں کہ کہا جاتا ہے کہ یہ اچھا خُلق ہے یہ اچھا علم ہے یہ اچھی سیرت ہ
اور یہ اخلاق جمیلہ ہیں اور اخلاق جمیلہ سے مراد علم، عقل پاک دامنی، شجاعت، تقویٰ، کرم، مروّت اور اچھی خصلتیں ہ
ہیں اور ان میں سے کسی بات کا ادراک حواس خمسہ کے ذریعے نہیں ہوتا بلکہ باطنی نُورِ بصیرت سے ہوتا ہے اور یہ تمام اچھی خصل
محبوب ہیں اور جو شخص ان صفات سے موصوف ہوتا ہے وہ ان لوگوں کے نزدیک طبعی طور پر محبوب ہوتا ہے جو اس کی
صفات کو پہچانتے ہیں اور اس کی نشانی یہ ہے اور معاملہ یہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ
کی محبت انسان کی سرشت میں رکھدی گئی ہے حالانکہ ان کو دیکھا نہیں بلکہ ارباب مذاہب مثلاً حضرت امام شافعی، حضرت
امام ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک (حضرت امام احمد بن حنبل) رحمہم اللہ سے محبت بھی فطری ہے حتی کہ بعض اوقات آدمی ا
امام کی محبت میں عشق کی حد سے بھی تجاوز کر جاتا ہے اور اس محبت کے باعث اپنا تمام مال اپنے مذہب کی نصرت اور
دفاع میں خرچ کر ڈالتا ہے اور جو شخص اس کے امام اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں زبان طعن دراز کرے
یہ اس سے لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے ارباب مذاہب کی مدد میں کتنے ہی خون بہہ چکے ہیں۔

معلوم جو شخص حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے محبت کرتا ہے تو وہ ان سے کیوں محبت کرتا ہے حالانکہ اس نے
کبھی بھی ان کی صورت نہیں دیکھی اور اگر دیکھی بھی ہو تو شاید اس صورت کو ناپسند کرتا ہو تو اس کو جو صورت اچھ
لگی اور اس نے اسے محبت پر مجبور کیا وہ ان کی باطنی صورت ہے ظاہری صورت نہیں آپ کی ظاہری صورت تو خاک
میں مل گئی (قبر میں چلی گئی) لیکن ان سے محبت ان کی باطنی صفات یعنی دین تقویٰ، کثرتِ علم اور طریق دین سے آگاہی
شریعت کی تدریس کے لیے کمربستہ ہونے اور دنیا میں ان نیکیوں کو پھیلانے کی وجہ سے ہے۔

یہ تمام امور جمیل ہیں لیکن ان کے جمال کا ادراک نُورِ بصیرت کے بغیر نہیں ہوتا حواس خمسہ ان کے ادراک سے
قاصر ہیں اسی طرح جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے اور آپ کو دوسرے صحابہ کرام سے افضل
سمجھتا ہے یا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے محبت کرتا ان کو افضل سمجھتا اور ان کے حق میں تعصب سے کام لیتا
ہے تو وہ ان حضرات کی باطنی صورتوں یعنی علم، دین تقویٰ، شجاعت وغیرہ کے حُسن کے باعث ان سے محبت کرتا ہے
اور یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے وہ آپ کی ہڈیوں، گوشت، کھال
اعضاء اور شکل وصورت کی وجہ سے محبت نہیں کرتا کیوں کہ یہ سب چیزیں (دنیا سے رخصت ہو کر) بدل گئی ہیں بلکہ ان باتوں کی وجہ سے
محبت کرتا ہے جن کے باعث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صدیق تھے اور یہ صفات محمودہ ہیں جو اچھی سیرتوں کے مصادر
(مراکز) ہیں لہذا ان صفات کے باقی رہنے کی وجہ سے آپ کی محبت بھی باقی ہے حالانکہ ظاہری صورتیں زائل ہو چکی ہیں
اور یہ تمام صفات علم اور قدرت کی طرف رجوع کرتی ہیں کیوں کہ آپ نے حقائق امور کو جانا اور خواہشات کو دبا کر ان صفا
سے نفس کو موصوف کرنے پر قادر ہوئے۔

marfat.com

تو تمام اچھی خصلتوں کا پھیلاؤ ان دو وصفوں سے ہوتا ہے اور ان دونوں کا ادراک حواس سے نہیں ہوتا اور پورے
م میں۔ ان کا محل ایک ایسی جز ہے جو آگے تقسیم نہیں ہوتی اور حقیقت میں وہی محبوب ہے اور ایسی جز جو آگے تقسیم
یں ہوتی اس کی کوئی صورت شکل اور رنگ نہیں ہوتا جو آنکھوں کے سامنے ظاہر ہو اور اس کی وجہ سے وہ محبوب ہو۔
لہٰذا جمال سیرت میں پایا جاتا ہے اور اگر اچھی سیرت علم اور بصیرت کے بغیر صادر ہو تو اس سے محبت پیدا نہ ہوگی پس
ب مصدر سیرتِ جمیلہ ہے اور یہ اچھے اخلاق اور فضائل شریفہ ہیں جن کی بنیاد علم و قدرت کا کامل ہونا ہے اور یہ طبعاً
ب ہیں اور ان کا ادراک حواس سے نہیں ہوتا ـــــ حتیٰ کہ وہ بچہ جو صرف اپنی طبیعت کا پابند ہو جب ہم کسی غائب
ا مفر یا فوت شدہ کو اس کے نزدیک محبوب بنانا چاہئیں تو ہمارے پاس صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اس شخص کے اوصاف
شجاعت، کرم، علم اور دیگر خصائل حمیدہ کو مبالغے کے ساتھ بیان کریں جب وہ اس کا اعتقاد رکھے گا تو بے اختیار محبت
ے لگے گا اور اس کی محبت چھوڑنے پر قادر نہ ہوگا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت اور ابوجہل نیز ابلیس سے نفرت
بب اسی وجہ سے ہے کہ صحابہ کرام کے محاسن اور ابوجہل وغیرہ کی قباحتوں کو اچھی طرح بیان کیا جاتا ہے حالانکہ ان محاسن
باحتوں کا ادراک حواس سے نہیں ہوتا جب حاتم طائی کی سخاوت اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی شجاعت بیان
ہ تو دلوں میں ان کی محبت ضروری طور پر جاگزیں ہوگئی اور یہ محبت ان کی صورت محسوسہ کو دیکھنے کی وجہ سے نہیں اور نہ
ن سے محبت کرنے والے ان سے کوئی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

بلکہ جب دنیا کے مختلف علاقوں میں موجود بعض بادشاہوں کی سیرت بیان کی جاتی ہے یعنی ان کے عدل، احسان اور صدقہ و
ت کا ذکر ہوتا ہے تو دلوں پر ان کی محبت غالب آجاتی ہے حالانکہ اس بات سے مایوسی ہوتی ہے کہ ان بادشاہوں کا احسان
بت کرنے والوں تک پہنچے گا کیوں کہ وہ دور دراز کے علاقے میں رہتے ہیں اور ان سے ملاقات بھی نہیں ہو سکتی لہٰذا نتیجہ
ا کہ انسان کی محبت صرف ان لوگوں سے نہیں ہوتی جو اس سے حُسن سلوک کریں بلکہ مُحسن ذاتی طور پر ہی محبوب ہوتا ہے
ا اس کا احسان محب تک کبھی نہ پہنچے کیوں کہ ہر جمال اور حُسن محبوب ہوتا ہے اور صورت ظاہری بھی ہوتی ہے اور باطنی بھی،
سن و جمال دونوں میں ہوتا ہے ظاہری صورتیں ظاہری آنکھ سے دیکھی جاتی ہیں اور باطنی صورتوں کو باطنی بصیرت سے
دیکھا جاتا ہے پس جو شخص باطنی بصیرت سے محروم ہو وہ باطنی صورتوں کا نہ تو ادراک کر سکتا ہے نہ ان سے لذت اندوز
سکتا ہے نہ ان سے محبت کرتا ہے اور نہ ہی ان کی طرف مائل ہوتا ہے اور جس شخص کی باطنی بصیرت حواس ظاہرہ پر غالب ہو
اہری معانی کی نسبت باطنی معانی کو زیادہ چاہتا ہے پس وہ شخص جو دیوار پر بنے ہوئے نقش و نگار سے ظاہری صورت کی وجہ
محبت کرتا ہے اور وہ جو کسی نبی (علیہ السلام) سے ان کی باطنی صورت کے جمال کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو ان دونوں میں
ے۔

پانچواں سبب:

marfat.com

محب اور محبوب کے درمیان پوشیدہ مناسبت کی وجہ سے محبت ہوتی ہے کیوں کہ بعض اوقات دو آدمیوں کی درمیا
جمال یا کسی نفع کی وجہ سے پکی نہیں ہوتی بلکہ محض ارواح کے درمیان مناسبت کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے جیسا کہ نبی اکرم ص
علیہ وسلم نے فرمایا۔

فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ، وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ۔ (۱)

پس ان میں سے جو (عالم ارواح میں) ایک دوسرے سے متعارف ہوئے ان کے درمیان الفت پیدا ہوگئی اور جو ایک دوسرے سے اجنبی رہے ان کے درمیان اختلاف

ہم نے اس بات کو آدابِ صحبت کے بیان میں اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے وہاں سے معلو
کیوں کہ یہ بھی اسبابِ محبت کے عجائب میں سے ہے۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ محبت کی اقسام پانچ اسباب کی طرف لوٹتی ہیں یعنی (۱) انسان اپنے نفس کے پائے جانے اور اس کے
اور بقا کی چاہت رکھتا ہے (۲) اس شخص سے محبت کرتا ہے جو اس پر ایسی چیز کے ذریعے احسان کرے جو اس کے بقا
وجود کے دوام کا باعث ہے نیز اس سے مہلکات کو دور کرتی ہے (۳) جو شخص اس پر احسان نہیں کرتا لیکن وہ ذاتی
لوگوں پر احسان کرنے والا ہے (۴) جو چیز ذاتی طور پر جمیل ہو چاہے (۵) باطن میں جن دو شخصوں کے درمیان پوشیدہ م
ہو۔ اگر کسی شخص میں یہ تمام اسباب جمع ہو جائیں تو لامحالہ اس سے محبت بڑھ جاتی ہے جس طرح کسی شخص کا بیٹا خوب
ہو، اچھے اخلاق کا مالک ہو، علم میں کامل ہو، اچھی تدبیر والا ہو، لوگوں سے حُسن سلوک کرنے والا اور باپ کے ساتھ حُسن سلو
سے پیش آنے والا ہو تو لامحالہ اس سے انتہائی درجہ کی محبت ہوگی ان خصلتوں کے جمع ہونے کے بعد جس قدر یہ خصلتیں
ہوں گی اسی قدر محبت بھی قوی ہوگی اگر یہ صفات کمال کے انتہائی درجہ کو پہنچی ہوئی ہوں تو لامحالہ محبت بھی نہایت اعلیٰ د
کی ہوگی۔

پس ہم اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ ان تمام اسباب کا کامل ہونا اور جمع ہونا صرف اللہ تعالیٰ کے حق میں متصور ہوتا ہے
درحقیقت محبت کا استحقاق صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ہے۔

فصل ۳:

مستحق محبّت صرف اللہ تعالیٰ ہے

جو شخص اللہ تعالیٰ کے غیر سے یوں محبت کرتا ہے کہ اس (غیر) کی اللہ تعالیٰ سے نسبت نہ ہو تو وہ اپنی جہالت اور معرف

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۳۱ کتاب البر والصلۃ

marfat.com

دندی میں کوتاہی کی وجہ سے ایسا کرتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت محمود ہے کیوں کہ یہ بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اسی طرح علماء اور متقی لوگوں سے محبت بھی اللہ تعالیٰ سے ہی محبت کرنا ہے کیوں کہ محبوب کا محبوب نیز محبوب کا رسول اور وب کا محب بھی محبوب ہوتا ہے اور ان سب سے محبت اصل سے محبت کی طرف لوٹتی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ سے ہی محبت ے) اس کے غیر کی طرف تجاوز نہیں کرتی اور ارباب بصیرت کے نزدیک حقیقت میں محبوب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ی کے علاوہ کوئی محبت کا مستحق نہیں ہے۔

اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ ہم ان پانچوں اسباب کی طرف رجوع کریں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور اس بات بیان کریں کہ یہ تمام اسباب اللہ تعالیٰ کی ذات میں جمع ہیں اور دوسروں میں یہ انفرادی طور پر پائے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ذات میں ان کا پایا جانا حقیقتاً ہے اور اس کے غیر میں ان کی موجودگی وہم وخیال ہے اور محض مجاز ہے اس کی کوئی بقت نہیں۔

پس جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہر صاحب بصیرت کے لیے اس بات کی ضد منکشف ہوگی جس کا خیال کمزور عقل اور ور دل والے لوگ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے حقیقتاً محبت محال ہے اور یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ تحقیق کا تقاضا یہ ہے للہ تعالیٰ کے سوا کسی سے محبت نہ کی جائے۔

پہلا سبب یعنی انسان کا اپنے آپ سے محبت کرنا اور اپنے باقی رہنے نیز کمال اور دوام وجود کی چاہت رکھنا نیز ت، عدم اور نقصان نیز کمال کو ختم کرنے والے امور سے نفرت کرنا ہے یہ بات ہر زندہ شخص کی فطرت میں داخل ہے اس سے اس کی جدائی کا تصور نہیں ہوسکتا اور یہ بات اللہ تعالیٰ سے انتہائی درجہ کی محبت کا تقاضا کرتی ہے۔ کیوں کہ ص اپنے آپ کو بھی پہچانتا ہے اور اپنے رب کو بھی پہچانتا ہے وہ قطعی طور پر اس بات کو جانتا ہے کہ اس کا ذاتی طور ئی وجود نہیں اور اس کی ذات، کا وجود، وجود کا دوام اور کمال وجود سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ کی طرف نے والا) ہے اور اللہ تعالیٰ (کی رحمت) کے ساتھ ہے وہی بنانے والا وجود عطا کرنے والے ہے وہی باقی رکھنے والا ے اور صفاتِ کمال کی تخلیق کے ذریعے وہی اس (انسان) کے وجود کو مکمل کرنے والا ہے اسی نے وہ اسباب ئے جو اس تک پہنچاتے ہیں اور اسی نے اسباب کے استعمال کے لیے ہدایت کو تخلیق کیا ورنہ بندے کا ذاتی طور ئی وجود نہیں بلکہ وہ محض عدم اور مٹا ہوا ہے اگر اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل سے پیدا نہ کرتا اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے اسے باقی نہ رکھتا تو وہ وجود میں آنے کے بعد ہلاک ہو جاتا ہے نیز اگر اللہ تعالیٰ اس کی خلقت کو مکمل کرنے کے ذریعے ا پنا فضل نہ فرماتا تو وہ وجود میں آنے کے بعد ناقص رہتا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ کوئی بھی موجود چیز ایسی نہیں جو خود بخود قائم ہو سوائے قیوم اور حی ذات کے جو ذاتی طور پر قائم ہے باقی ب کچھ اسی کے ساتھ قائم ہے پس اگر اپنی ذات سے محبت رکھے گا اور اس کو وجود کا فائدہ غیر سے حاصل ہوا ہے

تو لازماً اسے اس ذات سے بھی محبت ہوگی جس نے اسے وجود عطا کیا ہے اور وہ اسے باقی رکھنے والا ہے اگر وہ اس کو خالق، موجد، مخترع (بنانے والا) باقی رکھنے والا، ذاتی طور پر قائم اور دوسروں کو قائم رکھنے والا سمجھتا ہے اب اگر وہ اس سے محبت نہیں کرتا تو وہ اپنے سے بھی اور اپنے رب سے بھی جاہل ہے اور محبت، معرفت کا نتیجہ ہے لہٰذا معرفت کے معدوم ہونے سے محبت بھی معدوم ہو جاتی ہے اس کے کمزور ہونے سے کمزور اور مضبوط ہونے سے مضبوط ہوتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے وہ اس سے محبت کرتا ہے اور جو آدمی دنیا کی معرفت حاصل کر لیتا ہے وہ اس میں زہد اختیار کرتا ہے (یعنی رغبت ہو جاتا ہے) اور اس کا تصور کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے آپ سے محبت کرے لیکن اپنے رب سے محبت نہ کرے حالانکہ اسی کے ساتھ قائم ہے۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص سورج کی گرمی میں مبتلا ہو جب وہ سائے کو پسند کرتا ہے تو لازمی طور پر وہ درخت کو بھی پسند کرے گا جن کے ساتھ سایہ قائم ہے اور ہر وہ چیز جو اپنے وجود میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف منسوب ہوتی ہے اس طرح ہے جیسے سائے کو درخت سے نسبت ہوتی ہے اور روشنی کو سورج سے، کیوں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار ہیں اور ان سب کا وجود اس کے وجود کے تابع ہے جس طرح نور کا وجود سورج کے تابع ہے اور سائے کا وجود درخت کے تابع ہے بلکہ عوام الناس کے ذہنوں کے مطابق یہ مثال صحیح ہے کیوں کہ ان کے خیال میں روشنی، سورج کا اثر اور فیض ہے اور اسی کے ساتھ موجود ہے اور یہ محض خطا ہے کیوں کہ اربابِ قلوب کے لیے ایسا انکشاف ہوتا ہے جو آنکھ کے مشاہدے سے زیادہ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ نورُ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے حاصل ہوتا ہے یعنی جب سورج کثیف اجسام کے مقابلے میں آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نور پیدا ہوتا ہے جس طرح سورج کی روشنی اور اس کی شکل و صورت بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے حاصل ہوتی ہے لیکن ان مثالوں سے ہماری غرض بات سمجھانا ہے حقائق کی طلب مقصود نہیں

تو نتیجہ یہ ہوا کہ اگر انسان کا اپنے آپ سے محبت کرنا ضروری ہے تو اس ذات سے محبت کرنا جس کے ذریعے پہلے وہ قائم ہوتا ہے پھر اسے اپنے اصل، صفات، ظاہر، باطن اور جواہر و اعراض میں دوام حاصل ہوتا ہے سے محبت بدرجہ ضروری ہے اگر وہ اس بات کو اسی طرح جانتا ہے کہ اس کے ساتھ قائم و دائم ہے)۔

اور جو آدمی اس محبت سے خالی ہو تو وہ اس لیے خالی ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات اور خواہشات میں مشغول ہوتا ہے اپنے رب اور خالق سے اس کی توجہ ہٹی ہوئی ہوتی ہے وہ اسے کما حقہ نہیں پہچانتا اور اس کی نظر صرف خواہشات اور محسوسات تک محدود ہوتی ہے اور یہ عالم شہادت ہے اس میں حصول لذت کے سلسلے میں اس کے ساتھ جانور بھی شریک ہیں اس کی نظر عالم ملکوت کی طرف نہیں جاتی جس (عالم ملکوت) کی زمین کو وہی طے کرتا ہے جس کو فرشتوں سے کچھ مشابہت ہو تو وہ صفات کے اعتبار سے فرشتوں سے جس قدر قریب ہوتا ہے اسی قدر عالم ملکوت میں دیکھے گا اور جس قدر جانوروں کی پستی میں گرے گا اسی قدر اس کی نگاہ عالم ملکوت سے کوتاہ ہوگی۔

marfat.com

دوسرا سبب یعنی اس ذات سے محبت کرنا جو اس پر احسان کرے تو یہ اپنے مال سے اس کا بدلہ دیتا اور کلام میں نرمی
تا ہے نیز اس کی مدد کرے اسے قوت۔ مہیا کرتا ہے اور دشمنوں کے قلع قمع کرنے اور بروں کی برائی ختم کرنے میں اس
مدد کرتا ہے نیز اس کی ذات اولاد اور اقارب کے حوالے سے اس کی اغراض اور فوائد کی تکمیل کے لیے وسیلہ بنتا
ہے تو یقیناً ایسا شخص اس کے نزدیک محبوب ہوگا اور یہ بات بعینہٖ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ سے
ت کرے بونکہ اگر اس کو صحیح معرفت حاصل ہو جائے تو اسے معلوم ہوگا کہ اس پر احسان کرنے والا تو صرف اللہ تعالیٰ
ے ہمارا مقصود اس کے احسانات کی تفصیل کہ کس بندے پر کیا احسان ہے، معلوم کرنا نہیں کیوں کہ کوئی بھی شمار کرنے
والا ان احسانات کی گنتی نہیں کر سکتا جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ [1] اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ان کو گن نہیں سکتے۔

ہم نے اس سلسلے میں کچھ باتیں شکر کے بیان میں ذکر کی ہیں اب ہم صرف یہ بات بیان کریں گے کہ بندوں کی طرف
سان صرف مجازی طور پر ہوتا ہے محسن (حقیقی) تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مثلاً ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک شخص تمہیں اپنے
خزانے دیتا ہے تمہیں ان پر قادر کر دیتا ہے کہ تم جس طرح چاہو ان میں تصرف کرو اب اگر تم سمجھو کہ اس نے تم پر احسان
ہے تو یہ غلط ہے اس لیے کہ اس کے احسان کی تکمیل کے لیے خود اس کا اپنا وجود، مال پر قدرت، تمہیں مال دینے
رج وغیرہ کا ہونا ضروری ہے تو وہ کون ہے جس نے خود اس کو، اس کے مال اور قدرت نیز ارادے وغیرہ کو پیدا کر کے
پیدا نعام کیا اور وہ کون ہے جس نے تمہیں اس کا محبوب بنایا اور اس کی توجہ کو تمہاری طرف پھیرا نیز اس کے دل میں
ت ڈالی کہ اس کی دینی یا دنیوی بھلائی اس میں ہے کہ وہ تم پر احسان کرے اگر یہ سب باتیں نہ ہوتیں تو وہ تمہیں اپنے
میں سے ایک دانہ بھی نہ دیتا جب اللہ تعالیٰ نے یہ تمام لوازم پیدا کئے اور اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اس کی دینی
نیوی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اپنا مال تمہارے حوالے کرے تو وہ اس سلسلے میں مجبور ہے اس کی مخالفت نہیں کر سکتا تو
ا وہ ہے جس نے اسے تمہارے لیے مجبور اور مسخر کیا اور اس پر وہ باتیں مسلط کیں جو اس فعل کا باعث بنیں اس کا ہاتھ
یک واسطہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا احسان تم تک پہنچتا ہے مال کا مالک اس سلسلے میں اسی طرح مجبور ہے جیسے
اپنے چلنے میں مجبور ہے۔

اگر تم اسی کو محسن سمجھتے ہو اور اس لیے اس کا شکریہ ادا کرتے ہو کہ وہ ذاتی طور پر محسن ہے واسطے کے طور پر
تو تم حقیقت امر سے ناواقف ہو انسان سے احسان کا تصور صرف یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس پر احسان کرتا ہے دوسروں پر

---

[1] قرآن مجید، سورۂ نحل آیت ۱۸

marfat.com

احسان مخلوق کے لیے محال ہے کیوں کہ وہ اپنا مال کسی غرض کے تحت خرچ کرتا ہے یا تو وہ غرض اُخروی ہے یعنی ثواب حاص
کرنا مقصود ہوتا ہے یا فوری غرض ہے یعنی دوسرے پر احسان رکھنا، مسخر کرنا، تعریف اور شہرت کی طلب کرنا یا یہ کہ سخاو
اور کرم کے ساتھ مشہوری ہو یا یہ کہ لوگوں کے دل اس کی محبت اور اطاعت میں کھینچے جائیں جس طرح انسان اپنا مال دریا میں
نہیں ڈالتا کہ اس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں اسی طرح کسی انسان کے ہاتھ میں بھی صرف غرض کے تحت دیتا ہے اور یہی
اس کا مطلوب و مقصود ہے لینے والے کی ذات مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس کا ہاتھ تو مال لینے کا ایک ذریعہ اور آلہ ہے جو
اس کی غرض پوری ہو جاتی ہے اور وہ ذکر، ثنا، شکر یا ثواب ہے اور یہ باتیں اس مال پر تمہارے قبضہ کی وجہ سے حاص
ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے تجھے قبضہ کے سلسلے میں مسخر کیا تاکہ نفس کی غرض تک رسائی ہو تو وہ خود اپنے اوپر احسان کرتا ب
اور جو مال خرچ کرتا ہے اس کا ایسا عوض لیتا ہے جو اس کے نزدیک مال سے زیادہ ترجیح رکھتا ہے اگر اس مقصد کو ترجیح نہ
تو تمہارے لیے اپنا مال ہرگز نہ چھوڑتا لہذا وہ دو وجہ سے مال دینے والا شکر اور محبت کا مستحق نہیں ہے ایک وجہ یہ ہے
یہ مال دینے کے تمام لوازم اللہ تعالیٰ نے اس پر مسلط کئے اور اس میں مخالفت کی طاقت نہیں اور وہ حاکم کے خزانچی کی
ہے اگر وہ کسی کو خلعت دیتا ہے تو اسے اس وجہ سے محسن نہیں سمجھا جاتا کیوں کہ یہ امیر کی طرف سے ہے اور خازن اس
کی بات ماننے اور حکم کی تعمیل کے لیے مجبور ہوتا ہے اور اس کی مخالفت نہیں کر سکتا اگر بادشاہ اس کی صوابدید پر چھوڑ دے
تو وہ نہ دیتا اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی محسن کو کھلی چھٹی دے دیتا تو وہ اپنے مال میں سے ایک دانہ بھی خرچ نہ کرتا حتی کہ اللہ تعا
نے اس پر لوازم کو مسلط کیا اور اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اس کا دینی یا دنیوی فائدہ مال خرچ کرنے میں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس خرچ کرنے کا اسے ایسا عوض ملتا ہے جو اس کے نزدیک خرچ کئے جانے والے مال سے
زیادہ فائدہ مند اور محبوب ہے۔ پس جس طرح سودا بیچنے والے کو محسن نہیں کہا جاتا کیوں کہ اس نے جو سامان دیا وہ اس چ
کے بدلے میں دیا ہے جو اس کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اسی طرح ہبہ کرنے والا اس کے عوض میں ثواب یا تعریف یا
کوئی دوسری چیز لیتا ہے۔ اور عوض کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ مال کی قسم سے کوئی چیز ہو بلکہ تمام لذتیں اور فوائد اسے
ہیں جن کے مقابلے میں مال اور دوسری اشیاء کی کوئی حقیقت نہیں۔

پس احسان، سخاوت کی صورت میں ہوتا ہے اور سخاوت کسی ایسے عوض کے بغیر مال خرچ کرنا ہے جو خرچ کر
والے کی طرف لوٹے اور اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے یہ بات محال ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام جہانوں پر احسان کرتے ہو
ان کو انعامات سے نوازتا ہے اور اس میں ان ہی کا فائدہ ہے یہ بات نہیں کہ اس کا کوئی نفع یا غرض اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ
ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ اغراض سے پاک ہے اور اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے جود و احسان کا لفظ استعمال کرنا جھوٹ یا مجا
ہے اور اس کا معنیٰ غیر خدا کے حق میں اس طرح ممتنع اور محال ہے جیسے سفیدی اور سیاہی کا اجتماع محال ہے
لہذا جود و احسان اور فضل و کرم میں وہ یکتا ہے پس اگر طبیعت میں محسن سے محبت کا جذبہ ہو تو مناسب یہ ہے کہ عار

صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کرے کیوں کہ اس کے غیر کی جانب سے احسان محال ہے پس اس محبت کا واحد مستحق وہی ہے جب کہ اس کا غیر احسان پر محبت کا مستحق اسی وقت ہو سکتا ہے جب محبت کرنے والے کو احسان کا معنیٰ معلوم نہ ہو۔

اور تیسرا سبب یعنی اس شخص سے محبت کرنا جو ذاتی طور پر محسن ہو اگرچہ اس تک اس شخص کا احسان نہ پہنچا ہو اور یہ بات بھی فطری ہے جب تمہیں کسی ایک ایسے بادشاہ کی خبر پہنچے کہ وہ عبادت گزار، عادل اور عالم ہے لوگوں پہ نرمی کرنے والا اور ان کے لیے تواضع اختیار کرنے والا ہے اور وہ زمین کے کسی ایسے حصے میں ہو جو تم سے دُور ہے اور تمہیں ایک دوسرے بادشاہ کی خبر پہنچے جو ظالم، متکبر، فاسق، شریر اور لوگوں کی ہتک کرنے والا ہو اور وہ بھی تم سے دُور ہو تو تم اپنے دل میں ان دونوں کے درمیان فرق محسوس کرو گے کیوں تمہارے دل میں پہلے بادشاہ کی طرف میلان پایا جاتا ہے اور یہی محبت ہے جب کہ دوسرے سے نفرت پائی جاتی ہے اور یہی بُغض ہے حالانکہ تم پہلے بادشاہ کی طرف سے حصول خیر سے نا امید اور دوسرے کے شر سے بے خوف ہو کیوں کہ تمہیں ان کے ملکوں میں جانے کی توقع نہیں تو یہ محسن سے اس اعتبار سے محبت ہے کہ وہ محسن ہے یہ نہیں کہ اس نے تم پر احسان کیا ہے اور یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا تقاضا کرتی ہے بلکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے غیر سے بالکل محبت نہ کی جائے ہاں جو کسی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام مخلوق کا محسن ہے اور ہر قسم کی مخلوق پر فضل فرمانے والا ہے پہلے ان کو وجود عطا کرتا ہے پھر اعضاء اور اسباب کے ذریعے ان کی تکمیل کرتا ہے جو ان کی ضرورتوں میں شامل ہیں پھر ان اسباب کو پیدا کر کے جو ان کی حاجات میں شامل ہیں اور ضرورت کے زمرے میں نہیں آتے ان پر انعام فرماتا ہے پھر زوائد کے ذریعے ان کو زینت دیتا ہے جو زینت کے مقام پر ہیں اور ضرورت و حاجت سے خارج ہیں۔

ضروری اعضاء کی مثال سر، دل اور جگر ہے جب کہ جن اعضاء کی حاجت ہوتی ہے ان کی مثال آنکھ، ہاتھ اور پاؤں ہیں جب کہ زینت کی مثال ابروؤں کا کمان کی شکل میں ہونا، ہونٹوں کا سرخ ہونا اور آنکھوں کا بادامی ہونا اور اس کے علاوہ وہ چیزیں کہ ان سے حاجات اور ضرورتوں کا کوئی تعلق نہیں۔

انسانی بدن سے خارج نعمتوں میں سے پانی اور غذا ضروری ہیں جب کہ دوائی، گوشت اور پھل حاجات میں شامل ہیں اور زائد کی مثال درختوں کا سرسبز ہونا پھولوں اور کلیوں کی خوبصورتی نیز پھلوں اور کھانوں کا لذیذ ہونا ہے کیوں کہ ان کے نہ ہونے سے حاجت اور ضرورت زائل نہیں ہوتی اور یہ تینوں اقسام ہر حیوان بلکہ ہر اُگنے والی چیز میں موجود ہیں یہی نہیں عرش سے فرش تک مخلوق کی جتنی اقسام ہیں سب میں موجود ہیں۔

پس وہی محسن ہے اور دوسرا کوئی کس طرح محسن ہو سکتا ہے جب کہ وہ احسان کرنے والا خود اللہ تعالیٰ کی قدرت کی حسنات میں سے ایک حسنہ (بھلائی) ہے اللہ تعالیٰ ہی حُسن کا خالق ہے محسن، احسان اور اسباب احسان کا خالق ہے پس اس علت کی بنیاد پر اس کے غیر سے محبت کرنا بھی محض جہالت ہے اور جو شخص اس بات کو جان لیتا ہے وہ

اس بنیاد پر صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور چوتھا سبب یعنی پر جمیل چیز سے اس کے جمال کی وجہ سے محبت کرنا ہے اس لیے نہیں کہ اس سے ادراکِ جمال کے علاوہ کوئی فائدہ حاصل کیا جائے ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ محبت بھی فطری ہے اور جمال صورت ظاہرہ کا بھی ہوتا ہے جس کا ادراک سر کی آنکھوں سے ہوتا ہے اور باطنی صورت کا بھی ہوتا ہے جس کا ادراک دل کی آنکھ اور نورِ بصیرت سے ہوتا ہے پہلی قسم کے جمال کا ادراک بچوں اور جانوروں کو بھی ہوتا ہے جب کہ دوسری قسم کا ادراک اربابِ قلوب کے ساتھ خاص ہے اور وہ شخص ان کے ساتھ شریک نہیں ہوتا جو صرف ظاہری دنیوی زندگی کو جانتا ہے۔

جس کو جمال کا ادراک ہوتا ہے اس کے نزدیک جمال محبوب ہوتا ہے اگر دل کے ساتھ اس کا ادراک ہو تو وہ دل کا محبوب ہوتا ہے اور اس قسم کا مشاہدہ انبیاء کرام، علماء عظام اور اچھے پسندیدہ اخلاق والے لوگوں سے محبت میں ہوتا ہے کیوں کہ یہ بات ان کے چہروں اور دیگر اعضاء کے بظاہر زیادہ خوبصورت نہ ہونے کی صورت میں بھی ممکن ہے صورتِ باطنہ کے حسن سے یہی مراد ہے اور جس سے اس کا ادراک نہیں ہو سکتا ہاں اس کے اچھے آثار جو اس پر دلالت کرتے ہیں ان کا ادراک ہو سکتا ہے حتیٰ کہ جب دل اس پر دلالت کرے تو دل بھی اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے پس جو شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یا حضرت امام شافعی رحم سے محبت کرتا ہے تو وہ اس حُسن کی وجہ سے محبت کرتا ہے جو اس کے سامنے ظاہر ہوا اور یہ ان کی صورتوں کے حُسن کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے اچھے افعال کی وجہ سے ہے بلکہ ان کے اچھے افعال ان کی ان صفات کے حُسن پر دلالت کرتے ہیں جو افعال کے مراکز ہیں کیوں کہ افعال تو آثار ہیں جو ان صفات سے صادر ہوتے ہیں اور ان پہ دلالت کرتے ہیں۔

پس جو شخص کسی کی اچھی تصنیف یا کسی شاعر کے اچھے اشعار یا کسی نقاش کے نقوش کا حُسن دیکھتا ہے یا کسی معمار کی اچھی تعمیر دیکھتا ہے تو اس کے لیے ان افعال سے اس کی باطنی اچھی صفات ظاہر ہوتی ہیں جو بالآخر علم اور قدرت کی طرف لوٹتی ہیں پھر جب معلوم زیادہ شرف والا ہو اور اس کا جمال کامل ہو اور عظمت بھی زیادہ ہو تو علم بھی اشرف و اجمل ہوگا۔ اسی طرح جب مقدور کا رتبہ اور منزل بڑی ہو تو اس پر قدرت کا درجہ بھی زیادہ ہوگا اور معلومات میں سے سب سے بڑی معلوم ذات اللہ تعالیٰ کی ہے لہٰذا سب سے زیادہ عمدہ اور اشرف علم بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اسی طرح جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے ساتھ قرب اور اختصاص ہوگا تو اسی اعتبار سے اس کا مقام بھی ہوگا۔

تو صدیقین جن سے محبت فطرتِ انسانی میں داخل ہے ان کی صفات کا جمال تین باتوں کی طرف لوٹتا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اس کی کتب، اس کے رسولوں اور اس کے انبیاء کرام کی شریعتوں کو جاننا۔

(۲) ان کا اپنی ذات کی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کی رُشد و ہدایت اور سیاست کے ذریعے راہنمائی کرنے پر قادر ہونا۔

marfat.com

(۳) ان کا گھٹیا حرکتوں، خباثتوں اور غالب شہوتوں جو اچھے راستوں سے روکتی ہیں اور برائی کی طرف کھینچتی ہیں، سے پاک ہونا۔
یہی وہ باتیں ہیں جن کے باعث انبیاء کرام، علماء، خلفاء اور عدل وکرم کے پیکر بادشاہوں سے محبت کی جاتی ہے تو ن صفات کو اللہ تعالیٰ کی نسبت سے دیکھنا چاہیے جہاں تک علم کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اولین و خرین کے علم کی کیا حیثیت ہے وہ تمام چیزوں کا اس طرح احاطہ کرتا ہے کہ اس کی کوئی انتہا نہیں حتی کہ آسمانوں اور زمین کا کوئی ذرہ اس سے غائب نہیں ہو سکتا۔ اس نے تمام مخلوق کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۔ (۱) اور تمہیں تو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

بلکہ اگر آسمان وزمین کی تمام مخلوق جمع ہو کر ایک چیونٹی یا مچھر کی تخلیق کی تفصیل کے سلسلے میں اس کے علم وحکمت کا احاطہ کرنا چاہے تو وہ اس کے سویں (۱۰۰/۱) حصے تک بھی نہیں پہنچ سکتے اور وہ تھوڑا سا علم جو مخلوق کو حاصل ہے وہ بھی اس کے سکھانے سے حاصل ہوا جیسے ارشاد فرمایا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔ (۲) اس نے انسان کو پیدا فرمایا (پھر) اسے بیان سکھایا۔

پس اگر علم کا جمال اور شرف محبوب ہے اور وہ ذاتی طور پر موصوف کے لیے زینت اور کمال ہے تو اس سبب سے ف اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہی مناسب ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے علم کی نسبت سے علماء کے علوم جہالت ہیں۔

بلکہ جو شخص اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم کو بھی جانتا ہو اور سب سے بڑے جاہل کو بھی، تو محال ہے کہ علم کے سبب سے جاہل سے محبت کرے اور علم والے کو چھوڑ دے اگرچہ جاہل کو بھی کسی نہ کسی چیز کا علم ہوتا ہے جس کا اس ا معیشت سے تعلق ہوتا ہے مخلوق میں سے سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے جاہل کے علم میں جس قدر فرق ہے س سے زیادہ فرق اللہ تعالیٰ کے علم اور مخلوق کے علم کے درمیان ہے کیوں کہ زیادہ علم والے کو بڑے جاہل پر صرف د معدود متناہی علوم کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔

اور اس بات کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ جو سب سے زیادہ جاہل ہے وہ کسب واجتہاد کے ذریعے ان علوم کو حاصل رلے جب کہ تمام مخلوق کے علوم پر اللہ تعالیٰ کے علم کو جو فضیلت حاصل ہے اس کی کوئی انتہا نہیں کیوں کہ اس کی معلومات ں بے انتہا ہیں جب کہ مخلوقات کی معلومات متناہی ہیں۔

جہاں تک صفتِ قدرت کا تعلق ہے تو وہ بھی کمال ہے جب کہ کمزوری نقص ہے پس ہر کمال، حُسن، عظمت، بزرگی رغلبہ محبوب ہوتا ہے اور اس کا ادراک لذیذ ہوتا ہے حتی کہ آدمی جب حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بنی اسرائیل آیت ۸۵

(۲) قرآن مجید، سورۂ رحمٰن آیت ۳، ۴

marfat.com

اوران کے علاوہ بہادر لوگوں کے واقعات اور اپنے ہم عصر لوگوں پر اس اعتبار سے ان کی برتری کے بارے میں سنتا ہے تو اس کے دل میں ایک حرکت، خوشی اور راحت لازماً پیدا ہوتی ہے جس کا تعلق صرف، لذتِ سماعت سے ہے مشاہدہ تو بعد کی بات ہے اور اس وجہ سے اس شخص کی محبت دل میں ضرور پیدا ہوتی ہے جو اس صفت کو موصوف ہے کیوں کہ یہ ایک قسم کا کمال ہے۔

تو اب تمام مخلوق کی قدرت کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مقابل لاؤ تو دیکھو کہ جو شخص سب سے زیادہ قوت اور سب سے زیادہ وسیع حکومت والا ہے جس کی گرفت سب سے زیادہ ہے، شہوات کو سب سے زیادہ دبانے والا، نفس کی خباثتوں کا سب سے زیادہ قلع قمع کرنے والا اور اپنے نفس نیز غیر کے حوالے سے سیاست پر زیادہ قادر ہے تو اس کی قدرت طاقت کی انتہا کیا ہے۔

اس کی طاقت کی انتہا یہی ہے کہ اپنے نفس کی بعض صفات پر اور انسانوں میں سے بعض لوگوں کے بعض امور پر اسے قدرت حاصل ہوتی ہے اس کے باوجود وہ اپنی زندگی، قوت، دوبارہ زندہ ہونے نیز نقصان اور نفع کا مالک نہیں بلکہ وہ اپنی آنکھ کو اندھے پن سے زبان کو گونگا ہونے سے کانوں کو بہرا ہونے سے اور بدن کو بیماری سے نہیں بچا سکتا۔

اور ان باتوں کو بیان کرنے کی حاجت نہیں جن سے وہ اپنے نفس اور دوسروں کے حوالے سے عاجز ہے حالاں کہ وہ اس کی طاقت سے متعلق ہیں اور جو اس کی طاقت سے متعلق نہیں مثلاً آسمانوں کی حکومت، آسمان ستارے، زمین، اس کے پہاڑ، سمندر، ہوائیں، بجلیاں کانیں، سبزیاں، حیوانات اور ان کے تمام اجزاء ان میں سے ایک ذرے پر بھی اسے قدرت حاصل نہیں ہے۔

اور جس چیز پر وہ اپنے لیے اور دوسروں کے لیے قادر ہے تو وہ قدرت بھی اس کی ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس کا، اس کی قدرت کا اور اس کے لیے اسباب کا خالق ہے اور وہ اسے طاقت دیتا ہے اگر ایک مچھر کو سب سے بڑے بادشاہ اور سب سے زیادہ مضبوط شخص پر مسلط کر دیا جائے تو وہ اسے ہلاک کر دے پس بندے کو جو قدرت حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کے سب سے بڑے بادشاہ ذوالقرنین کے بارے میں فرمایا۔

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ۔ (۱) ہم نے اسے زمین میں ٹھکانہ دیا۔

پس اس کی تمام بادشاہی اور سلطنت اللہ تعالیٰ کی عطا سے تھی کہ اس نے اس کو زمین کے ایک حصے کا مالک بنایا

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۸۴

marfat.com

اور زمین تمام اجسام عالم کی نسبت ایک ڈھیلا ہے اور زمین کی وہ تمام حکومتیں جن سے انسان حصہ حاصل کرتا ہے اس ڈھیلے کی گرد و غبار ہے پھر وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل اور طاقت عطا کرنے سے ہے لہٰذا یہ بات محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے سے اس کی طاقت، سیاست، غلبے اور کمال قوت کی وجہ سے محبت کی جائے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے محبت نہ کرے حالانکہ نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی تمام قوت اللہ تعالیٰ بلندی و عظمت والے کی عطا سے حاصل ہوتی ہے وہی جبار و قاہر ہے اور وہی علیم و قادر ہے تمام آسمان اس کی قدرت کے تحت ہیں اور زمین نیز جو اس کے اندر اور اوپر ہے وہ اسی کے قبضے میں ہے تمام مخلوق اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اگر وہ ان سب کو ہلاک کر دے تو اس کی بادشاہی اور حکومت میں سے ایک ذرہ بھی کم نہ ہوگا اور اگر وہ ان جیسے لوگ ہزار بار مزید پیدا کرے تو ان کے پیدا کرنے سے عاجزی اور تھکاوٹ نہیں ہوگی اور نہ ان کے پیدا کرنے میں سستی ہوگی پس قدرت اور قادر سب اسی کی قدرت کے آثار ہیں جمال، حُسن، عظمت، کبریائی، غلبہ سب اسی کی قدرت کے آثار ہیں جمال، حُسن، کبریائی، غلبہ سب اسی کو حاصل ہے پس اگر اس بات کا تصور ہو سکتا ہے کہ کسی قادر سے اس کے کمال قدرت کی وجہ سے محبت کی جائے تو اس بنیاد پر اس کے سوا کوئی بھی محبت کا مستحق نہیں۔

جہاں تک عیوب اور نقائص سے پاک ہونے نیز رذیل اور خبیث باتوں سے پاکیزگی کا تعلق ہے تو یہ بھی محبت کے موجبات میں سے ایک مُوجب اور باطنی صورتوں میں حُسن و جمال کے مقتضیات میں سے ہے۔ انبیاء کرام اور صدیقین اگرچہ عیبوں اور خباثتوں سے پاک ہیں لیکن کمال تقدس صرف اسی واحد حق ذات کے لیے ہے جو بادشاہ ہے پاک ہے جلال و اکرام کا مالک ہے جب کہ تمام مخلوق کی صورت حال یہ ہے کہ ان میں ایک یا ایک زیادہ نقص ضرور ہوتے ہیں بلکہ اس کا عاجز، مخلوق، مسخر اور مجبور ہونا عین عیب اور نقص ہے پس (حقیقی) کمال صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اس کے غیر کے لیے اسی قدر کمال ہے جس قدر اس نے عطا کیا اور یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے غیر کو کمال کا انتہائی درجہ عطا کرے کمال کی انتہا کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ وہ ایسا بندہ نہ ہو جو کسی اور کے سامنے مسخر ہوا اور اس کے ساتھ قائم ہو اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے غیر میں محال ہے پس وہی کمال کے ساتھ منفرد ہے نقص اور عیبوں سے بھی پاک ہے عیبوں سے اس کے پاک ہونے کی تشریح ایک طویل بحث ہے اور یہ علوم مکاشفہ کے اسرار میں سے ہے ہم اس کا ذکر کر کے بات کو لمبا کرنا نہیں چاہتے۔

پس یہ وصف بھی اگر کمال، جمال اور محبوب ہے تو اس کی حقیقت بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہی مکمل ہوتی ہے اور اس کے غیر کے لیے کمال اور پاکیزگی مطلقاً نہیں بلکہ اس کی نسبت سے ہے جس میں بہت زیادہ نقص پایا جاتا ہے جیسے گھوڑے کا کمال گدھے کی نسبت سے اور انسان کا کمال گھوڑے کے مقابلے میں ہے اور اصل نقص سب کو شامل ہے ان کے درمیان فرق صرف درجات کا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جمیل محبوب ہوتا ہے اور جمیل مطلق وہ واحد ذات ہے جس کا کوئی مثل نہیں وہ واحد ذات جس کی کوئی

marfat.com

ضد اور مقابل نہیں ایسا بے نیاز جس کا کوئی مزاحم نہیں ایسا غنی جسے کوئی حاجت نہیں ایسا قادر کہ جو چاہے کرے اور جو چاہے فیصلہ دے اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی اسے پھیر سکتا ہے وہ ایسا عالم ہے جس کے علم سے آسمانوں اور زمین کا ایک ذرہ بھی باہر نہیں ایسا غالب ہے کہ اس کے قبضۂ قدرت سے بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں باہر نہیں نکل سکتیں اس کی گرفت اور سطوت سے بادشاہوں کی گردنیں باہر نہیں نکل سکتیں اس کی گرفت اور سطوت سے بادشاہوں کی گردنیں چھوٹ نہیں سکتیں وہ ازلی ہے کہ اس کے وجود کے لیے آغاز نہیں اور ابدی ہے کہ اس کے بقایا کی کوئی انتہا نہیں اس کا وجود ضروری ہے کہ اس کی بارگاہ سے عدم کا تصور کوسوں دور ہے وہ قیوم ہے جو خود قائم ہے اور تمام موجودات اس کے ساتھ قائم ہیں آسمانوں اور زمینوں کا جبار وہی ہے جمادات، حیوانات اور نباتات کا خالق بھی وہی ہے عزت و جبروت میں وہ یکتا ہے ملک و ملکوت کا مالک صرف وہی ہے فضل و جلال، حسن و جمال اور قدرت و کمال والا ہے اس کے جلال کی معرفت میں عقلیں حیران ہیں اور اس کا وصف بیان کرنے سے زبانیں گنگ ہیں عارفین کی معرفت کا کمال یہی ہے کہ اس کی معرفت سے اپنے عجز کا اعتراف کریں اور انبیاء کرام کی نبوت کی انتہا یہی ہے کہ اس کے وصف (کے بیان) سے قصور کا اقرار کریں۔

جیسا کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔ (۱)

میں تیری ثناء کا شمار نہیں کر سکتا تو اسی طرح ہے جس طرح تو نے خود اپنی ثنا بیان فرمائی ہے۔

اور صدیقین کے سردار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ۔ (۲)

ادراک کو پانے سے عاجزی کا اظہار بھی ادراک ہے

وہ ذات پاک ہے جس نے اپنی معرفت کے لیے، معرفت سے عجز کے سوا کوئی راستہ نہیں رکھا۔

تو جو لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت کو حقیقتاً یا مجازاً ممکن نہیں مانتے معلوم نہیں وہ ان اوصاف کو جمال اور حمد کے اوصاف اور کمال اور محاسن کی نعت قرار نہیں دیتے یا وہ اللہ تعالیٰ کو ان اوصاف سے موصوف نہیں سمجھتے یا وہ اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ کمال، جمال، حُسن اور عظمت صاحب ادراک کے نزدیک محبوب ہوتے ہیں تو وہ ذات پاک ہے جو اپنے جمال و جلال کی غیرت کی وجہ سے اندھوں کی نگاہوں سے پردے میں ہے کہ اس پر وہی لوگ مطلع ہوں جن کے لیے بھلائی سبقت کر گئی وہ جو حجاب کی آگ سے دُور ہیں وہ اندھے پن کے اندھیروں میں حیران و سرگردان ہیں اور محسوسات کی وسعتوں اور جانوروں کی خواہشات میں پریشان پھرتے ہیں وہ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو دیکھتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں لیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں۔

تو اس سبب (کمالات کی وجہ) سے محبت، احسان کی بنیاد پر محبت سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے کیوں کہ احسان میں

marfat.com

کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ محبوب لوگوں میں سے بھی زیادہ محبوب میرے نزدیک وہ شخص ہے جو کسی عطا کے بغیر میری عبادت کرے لیکن ربوبیت اپنا حق ضرور ادا کرتی ہے۔

اور زبور میں ہے کہ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو میری عبادت جنت یا جہنم کے لیے کرتا ہے اگر میں جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کرتا تو کیا میں عبادت کے لائق نہ ہوتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبادت گزار لوگوں کی ایک جماعت پر گزرے جو کمزور ہو چکے تھے انہوں نے کہا کہ ہم جہنم سے ڈرتے اور جنت کی امید رکھتے ہیں آپ نے فرمایا تم مخلوق کا خوف رکھتے ہو اور مخلوق کی امید رکھتے ہو اور آپ ایک دوسری قوم پر گزرے جو اسی حالت پر تھی انہوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس سے محبت کرتے ہوئے اور اس کے جلال کی تعظیم میں کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔ تم اللہ تعالیٰ کے حقیقی دوست ہو مجھے تمہارے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا۔

حضرت ابو حازم رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے شرم آتی ہے کہ میں ثواب اور عذاب کے حوالے سے عبادت کروں اور برے غلام کی طرح ہو جاؤں کہ جسے ڈر نہ ہو تو کام نہیں کرتا اور برے مزدور کی طرح ہو جاؤں جو مزدوری نہ ملنے کی صورت میں کام نہیں کرتا۔ اور حدیث شریف میں ہے۔

لَا يَكُوْنَنَّ اَحَدُكُمْ كَالْاَجِيْرِ السُّوْءِ اِنْ لَّمْ يُعْطَ اَجْرًا لَمْ يَعْمَلْ وَلَا كَالْعَبْدِ السُّوْءِ اِنْ لَّمْ يَخَفْ لَمْ يَعْمَلْ۔ (۱)

تم میں کوئی اس برے مزدور کی طرح نہ ہو جائے جو اجر نہ ملنے پر کام نہیں کرتا اور برے غلام کی طرح بھی نہ ہو کہ اگر اسے ڈر نہ ہو تو کام نہیں کرتا۔

محبت کا پانچواں سبب مناسبت اور مشاکلت ہے کیوں کہ جو چیز کسی کے مشابہ ہو وہ اسے اپنی طرف کھینچتی ہے اور ایک شکل دوسری شکل کی طرف مائل ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ تم دیکھو گے ایک بچہ دوسرے بچے سے محبت کرتا ہے اور بڑا آدمی بڑے آدمی سے مانوس ہوتا ہے پرندہ اپنے ہم جنس سے محبت کرتا اور دوسری جنس سے نفرت کرتا ہے ایک عالم کسی کاریگر کی نسبت دوسرے عالم سے زیادہ الفت رکھتا ہے اور بڑھئی کو جس قدر بڑھئی سے الفت ہوتی ہے اس قدر کاشتکار سے نہیں ہوتی اور اس بات پر تجربہ شاہد ہے اور اس پر روایات و آثار شہادت دیتے ہیں جیسا کہ ہم نے آداب محبت کے بیان میں اللہ تعالیٰ کے لیے بھائی چارے کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ وہاں سے معلوم کرنا چاہیے۔

پس جب مناسبت محبت کا سبب ہے تو مناسبت بعض اوقات ظاہری معنیٰ میں ہوتی ہے جس طرح بچہ، بچپن کے حوالے سے دوسرے بچے کے مناسب ہوتا ہے اور کبھی پوشیدہ ہوتی ہے حتیٰ کہ اس پر اطلاع نہیں ہو سکتی جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ دو آدمیوں کے درمیان اتحاد ہوتا ہے حالانکہ انہوں نے نہ تو ایک دوسرے کے جمال کو دیکھا ہوتا ہے اور نہ مال وغیرہ کا لالچ

---

(۱)

marfat.com

ہوتا ہے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ۔ (۱)

اور رُوحیں اکٹھا لشکر ہیں پس ان میں جو ایک دوسرے سے متعارف ہوئیں وہ ایک دوسرے سے مانوس ہوگئیں اور جنہوں نے ایک دوسرے کو نہ پہچانا ان کے درمیان اختلاف ہوا۔

تو ایک دوسرے سے تعارف مناسبت ہے جب کہ ایک دوسرے کو نہ پہچاننا ایک دوسرے کے خلاف ہوتا ہے۔

یہ سبب بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا تقاضا کرتا ہے کیوں کہ بندے اور اللہ تعالیٰ میں باطنی مناسبت ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کہ صورت اور شکل ایک جیسی ہوتی ہے بلکہ باطنی معانی کی طرف رجوع ہوتا ہے ان میں سے بعض کو ذکر کرنا جائز ہے جب کہ بعض کا ذکر جائز نہیں بلکہ ان کا پردۂ غیب میں ہی رہنا ٹھیک ہے حتیٰ کہ اس سے سالکانِ طریقت آگاہی حاصل کریں جب وہ سلوک کی شرط پوری کریں پس جو بات لکھنے کے قابل ہے وہ بندے کا ان صفات میں اپنے رب کا قرب حاصل کرنا ہے جن میں اقتداء اور اخلاقِ ربوبیت کا حکم ہے یہاں تک کہ کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے موصوف ہو جاؤ۔

یعنی ان صفات کے محامد کو حاصل کرو جو اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں مثلاً علم نیکی، احسان، مہربانی، مخلوق سے بھلائی اور رحمت کا سلوک کرنا ان کی خیر خواہی، حق کی طرف ان کی راہنمائی کرنا اور ان کو باطل سے روکنا وغیرہ امور جو شریعت میں اچھے شمار ہوتے ہیں یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرتی ہیں لیکن یہ قربِ مکانی نہیں ہوتا بلکہ صفات میں قرب مقصود ہے۔

اور جو خاص مناسب کتب میں لکھی نہیں جا سکتی اور وہ صرف آدمی میں پائی جاتی ہے اس کی طرف اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔ (۲)

لوگ آپ سے رُوح کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے رُوح میرے رب کے حکم سے ہے۔

جب بیان فرمایا کہ رُوح امر ربانی ہے اور مخلوق کی عقلوں کی حد سے خارج ہے اور اس سے بھی واضح قول یہ ارشاد خداوندی ہے۔

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔ (۳)

پس جب میں نے اس (آدم علیہ السلام) کو برابر کر دیا اور اس میں اپنی رُوح پھونکی۔

---

(۱)

(۲) قرآن مجید، سورہ اسراء آیت ۸۵ (۳) قرآن مجید، سورۂ حجر آیت

marfat.com

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں سے ان کو سجدہ کرایا اور اس بات کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے

اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ۔ (۱) بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا۔

یوں کہ حضرت آدم علیہ السلام اسی مناسبت کی وجہ سے خلافت الٰہیہ کے مستحق قرار پائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اس ارشاد گرامی میں اسی طرف اشارہ ہے آپ نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے اخلاق کا مظہر بنایا۔

حتی کہ کوتاہ بین لوگوں نے خیال کیا کہ صورت تو صرف ظاہری ہوتی ہے جس کا ادراک حواس کے ذریعے ہوتا ہے

انچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے تشبیہ دی اور اس کے لیے جسم اور صورت کا قول کیا اللہ تعالیٰ جاہلوں کی بات سے

ت بلند ہے۔ اور اسی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں بیمار ہوا تو آپ

ے میری عیادت نہ کی عرض کیا اے میرے رب! یہ کیسے ہو سکتا ہے فرمایا میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو آپ نے اس کی بیمار

ی نہ کی اگر آپ اس کی بیمار پرسی کرتے تو مجھے (میری رحمت کو) اس کے پاس پاتے (۳)

اور یہ مناسبت اسی وقت ظاہر ہوتی ہے جب فرائض کی تکمیل کے بعد نفلی عبادت زیادہ سے زیادہ کی جائے جیسا کہ

ر تعالیٰ فرماتا ہے (حدیث قدسی ہے)

لَا يَزَالُ يَتَقَرَّبُ الْعَبْدُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَلِسَانَهُ الَّذِيْ يَنْطِقُ بِهٖ۔ (۴) بندہ نوافل کے ذریعے مسلسل میرا قرب حاصل کرتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں پس جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔

یہ وہ مقام ہے جہاں قلم کی لگام کو روکنا ضروری ہے کیوں کہ اس سلسلے میں لوگ متفرق ہو گئے ہیں بعض کوتاہ بین ہیں وظاہر تشبیہ کی طرف مائل ہو گئے بعض حد سے بڑھ گئے اور انہوں نے غلو اختیار کر کے مناسبت کی حد سے اتحاد کی

---

(۱) قرآن مجید سورۂ ص آیت ۲۶

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۴۴ مرویات ابوہریرہ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۰۴ مرویات ابوہریرہ

(۴) میزان الاعتدال جلد اول ص ۶۴۱ ترجمہ ۲۴۶۳

marfat.com

طرف تجاوز کیا اور حلول کے قائل ہو گئے (یعنی اللہ تعالیٰ بندے میں داخل ہوتا ہے) حتیٰ کہ بعض نے "انا الحق" (میں ہی
ہوں) کا نعرہ لگایا اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گمراہ ہوئے اور انہوں نے کہا کہ وہ معبود ہیں ان میں
سے کچھ دوسرے لوگوں نے کہا کہ عالم ناسوت نے عالمِ لاہوت کا لباس پہنا ہے اور کچھ نے کہا کہ لاہوت اور ناسوت
ایک ہو گئے، مگر جن لوگوں پر اس بات کا انکشاف ہوا کہ تشبیہ و تمثیل اور اتحاد و حلول محال ہے اور ان کے سامنے اصل
راز واضح ہوا تو وہ کم لوگ ہیں اور شاید حضرت ابوالحسن نوری رحمہ اللہ اسی مقام کو دیکھتے جب شاعر کے اس شعر سے ان پر
وجد طاری ہوتا تھا

لَازِلْتُ اَنْزِلُ مِنْ وُدَادِكَ مَنْزِلًا تَتَحَيَّرُ الْاَلْبَابُ عِنْدَ نُزُوْلِهٖ۔

میں تیرے عشق میں ہر دم ایسی منزل میں اترتا ہوں کہ اس اترنے پر عقل مند لوگ حیران ہوتے ہیں۔

آپ اسی وجد کی حالت میں مسلسل گنے کے کھیتوں میں دوڑتے رہے گنا کاٹا گیا تھا اور اس کی جڑیں باقی تھیں جن
سے آپ کے پاؤں چر گئے اور ان میں ورم آ گئے اور اسی وجہ سے آپ کا انتقال ہوا۔

غرضیکہ مناسبت، اسباب محبت میں سے سب سے بڑا، سب سے زیادہ مضبوط عمدہ ترین اور بعید تر سبب ہے اور یہ
بہت کم پایا جاتا ہے۔

تو اسباب محبت جو معلوم ہیں وہ یہی پانچ ہیں اور یہ تمام اسباب اللہ تعالیٰ کی ذات میں حقیقتاً جمع ہیں مجازی طور
پر نہیں۔ نیز اعلیٰ درجات میں ہیں ادنیٰ میں نہیں گویا ارباب بصیرت کے ہاں معقول و مقبول محبت صرف اللہ تعالیٰ کی محبت
ہے جیسے (دل کے) اندھوں کے نزدیک معقول محبت صرف اللہ تعالیٰ کے غیر سے ہوتی ہے پھر جو شخص مخلوق میں سے
جس شخص سے ان اسباب میں سے کسی ایک سبب کے باعث محبت کرتا ہے تو اس بات کا تصور پایا جاتا ہے کہ اس سبب
میں شرکت کی وجہ سے کسی دوسرے سے بھی محبت کرے اور محبت میں شرکت نقصان ہے اور محبوب کے کمال سے آنکھیں
بند کرنا ہے اور کوئی بھی شخص کسی وصف محبوب کے ساتھ موصوف نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ کوئی دوسرا بھی شریک ہوتا ہے
اور اگر عملاً ایسا نہ بھی ہو تو امکان ضرور ہوتا ہے البتہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں ایسا نہیں ہوتا وہ ان صفات کے ساتھ موصوف
ہے جو جمال و کمال میں انتہا کو پہنچی ہوئی ہیں اس سلسلے میں اس کا شریک نہ عملاً موجود ہے اور نہ اس کا امکان ہے
لہٰذا اس کی محبت میں شرکت قطعاً نہیں ہو سکتی اور نہ اس میں نقص آ سکتا ہے پس وہی اصل محبت اور کمال محبت کا اس طرح
مستحق ہے کہ اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔

فصل ۴۲:

سب سے بڑی لذت معرفت خداوندی ہے

سب سے بڑی اور اعلیٰ لذت اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی زیارت ہے اور کسی دوسری لذت کو اس پر ترجیح ہو

marfat.com

یات کا تصور بھی نہیں ہو سکتا ہاں جو اس لذت سے محروم ہو (تو الگ بات ہے)
جاننا چاہیے کہ لذتیں، ادراکات کے تابع ہیں اور انسان بہت سی قوتوں اور طبیعتوں کا جامع ہے اور ہر قوت و
ت کے لیے ایک لذت ہے اور وہ لذت طبیعت کے اس مقتضا کو پانا ہے جس کے لیے اس کی تخلیق ہوئی ہے
کہ یہ قوی انسان میں بیکار پیدا نہیں کئے گئے بلکہ ہر قوت و طبیعت طبیعت کے مقتضیٰ امور میں سے کسی امر کے لیے رکھی
ہے مثلاً طبیعتِ غضب تشفی اور انتقام کے لیے ہے پس یقیناً اس کی لذت غلبہ اور انتقام کی صورت میں ہوتی ہے
ر یہی اس کی طبیعت کا تقاضا ہے اور کھانے کی خواہش کی طبیعت حصول غذا کے لیے پیدا کی گئی جس کے ذریعے
ن قائم رہتا ہے لہٰذا اس طبیعت کو لذت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب اس کا مقتضیٰ (غذا) حاصل ہو اسی طرح دیکھنے،
، اور سونگھنے سے ان کی لذتیں حاصل ہوتی ہیں پس ان طبیعتوں میں سے کوئی بھی طبیعت اپنے مدرکات کی نسبت سے
ت یا لذت سے خالی نہیں ہوتی اسی طرح دل کے اندر ایک طبیعت ہے جسے نورِ الٰہی کہا جاتا ہے۔
ارشاد خداوندی ہے :۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ (۱)	تو کیا وہ شخص جس کے سینے کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا پس وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

اسی قلبی قوت کو عقل بھی کہا جاتا ہے کبھی اسے باطنی بصیرت کہا جاتا ہے اور کبھی اس کا نام نورِ ایمان اور یقین رکھا
ہے لیکن ناموں میں مشغولیت کا کوئی مطلب نہیں کیوں کہ اصطلاحات مختلف ہیں اور کمزور آدمی گمان کرتا ہے کہ اختلاف
میں ہے کیوں کہ ضعیف آدمی الفاظ سے معانی تلاش کرتا ہے اور یہ واجب کا عکس ہے۔
پس دل بدن کے اجزاء سے مختلف ہوتا ہے کیوں کہ اس کے ذریعے ان معانی کا ادراک ہوتا ہے جو نہ تو خیال میں
ے ہیں اور نہ محسوس کئے جا سکتے ہیں جیسے عالم کا پیدا ہونا یا اس کا خالق کا محتاج ہونا جو قدیم ہے مدبر اور حکیم ہے
صفاتِ الٰہیہ سے موصوف ہے اور اس طبیعت کو ہم عقل کا نام دیتے ہیں بشرطیکہ لفظ عقل سے وہ چیز نہ سمجھی جائے جس
ذریعے مجادلے اور مناظرے کا طریقہ آتا ہے کیوں کہ عقل اسی نام سے مشہور ہے اسی لیے بعض صوفیاء کرام نے اس
مت کی ہے ورنہ جس صفت کی وجہ سے انسان، جانوروں سے ممتاز ہوتا ہے اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت
راک ہوتا ہے وہ سب سے اچھی صفت ہے اس کی مذمت کرنا مناسب نہیں۔
اور یہ صفت اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ اس کے ذریعے تمام امور کے حقائق معلوم کئے جائیں پس اس کی
ت کا مقتضیٰ معرفت اور علم ہے اور یہی اس کی لذت ہے جس طرح تمام صفات اور طبیعتوں کا مقتضیٰ ان کی لذات ہیں۔

---

۱ قرآن مجید، سورۃ زمر آیت ۲۲

marfat.com

اور یہ بات مخفی نہیں کہ علم اور معرفت میں لذت ہے حتی کہ جس شخص کی نسبت علم اور معرفت کی طرف کی جائے اگرچہ کسی خبیث چیز میں ہو، وہ اس پر خوش ہوتا ہے۔ اور جس کو جاہل کہا جائے اگرچہ کسی حقیر چیز کے حوالے سے ہو وہ اس بات سے غمگین ہوتا ہے حتی کہ انسان اگر حقیر چیز کا بھی علم رکھتا ہو وہ اس پر فخر کرنے اور بڑائی کا اظہار کرنے سے صبر نہیں کرتا۔

مثلاً شطرنج سے کھیلنے والا باوجود اس کھیل کے خسیس ہونے کے اس کی تعلیم دینے سے خاموش نہیں رہ سکتا اور جو کچھ وہ جانتا ہے اس کا ذکر اس کی زبان پر جاری رہتا ہے اور یہ سب باتیں اس لیے ہیں کہ علم کی لذت زیادہ ہوتی ہے اور اسی علم کے ذریعے وہ اپنی ذات کا کمال جانتا ہے کیوں کہ علم صفاتِ ربوبیت میں سے خاص صفت ہے اور کمال کی انتہا ہے یہی وجہ ہے کہ جب کسی آدمی کی تعریف سمجھداری اور علم کی زیادتی کے ساتھ کی جاتی ہے تو اس کی طبیعت کو راحت حاصل ہوتی ہے کیوں کہ تعریف سنتے وقت وہ اپنی ذات اور علم کے کمال سے آگاہ ہوتا ہے پس وہ خود پسندی کا شکار ہوتا اور لذت حاصل کرتا ہے۔

پھر جس قدر لذت ملکی سیاست اور مخلوق کے معاملات کی تدبیر کے علم سے حاصل ہوتی ہے اس قدر لذت زراعت اور سلائی کے علم سے نہیں ہوتی اور نحو اور شعر و شاعری کے علم سے اس قدر لذت حاصل نہیں ہوتی جتنی لذت اللہ تعالیٰ اس کی صفات فرشتوں اور زمین و آسمان کے علم سے حاصل ہوتی ہے بلکہ جس قدر علم کا شرف ہوتا ہے اسی قدر اس کی لذت بھی ہوتی ہے اور علم کا شرف معلوم کے شرف کے اندازے سے ہوتا ہے حتی کہ جو شخص لوگوں کے باطنی احوال کو جانتا اور اس کی خبر دیتا ہے وہ اس میں لذت محسوس کرتا ہے اور اگر اسے ان باتوں کا علم نہ ہو تو جستجو کرتا ہے۔ رئیس شہر کے باطنی حالات اور ریاست کے سلسلے میں اس کی تدبیر کے اسرار کا علم اس کے نزدیک کاشتکار یا جولاہے کے باطنی حالات جاننے کی نسبت زیادہ لذت رکھتا ہے اور نہایت عمدہ ہوتا ہے۔

پس اگر وہ وزیر کے اسرار اور تدبیر نیز جن امور وزارت کا وہ عزم رکھتا ہے ان پر مطلع ہو جائے تو رئیس کے اسرار جاننے کی نسبت اس میں زیادہ لذت محسوس کرتا ہے اور بادشاہ کے احوال باطنی سے خبردار ہو جو وزیر سے بھی بڑھ کر ہے تو وزیر کے اسرار باطنی کی نسبت یہ بات زیادہ اچھی لگے گی اور اس پر تعریف اور اس کی حرص اور بحث کا زیادہ خواہاں ہوگا اور اس کی چاہت بھی زیادہ ہوگی کیوں کہ اس میں لذت بہت زیادہ ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ جو معارف اشرف ہیں وہ لذیذ تر ہیں اور ان کا شرف معلوم چیز کے اعتبار سے ہوتا ہے اگر معلومات میں ایسی چیز ہو جو نہایت بزرگی و کمال کی حامل ہے اور اشرف و اعظم ہے تو اس کا علم لامحالہ لذیذ ترین، نہایت شرف کا حامل اور بہت اچھا ہوگا۔

تو کیا کسی چیز کا وجود اس ذات سے ارفع و اعلیٰ، اشرف و اکمل اور اعظم ہو سکتا ہے جو تمام اشیاء کا خالق ہے

marfat.com

کی تکمیل کرنے والا ان کو زینت دینے والا، ان کا آغاز کرنے والا اور دوبارہ وجود میں لانے والا نیز ان کی تدبیر اور ترتیب
ینے والا ہے۔

اور کیا اس بات کا تصور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ جس کے جلال کے مبادی اور عجائبِ احوال کا احاطہ
ف بیان کرنے والے نہیں کر سکتے، ملک، کمال، جمال اور خوبصورتی میں اس جیسا کوئی دربار ہو سکتا ہے! پس اگر تجھے
س بات میں شک نہیں تو اس بات میں بھی شک نہیں ہونا چاہیے کہ اسرار ربوبیت پر اطلاع اور تمام موجودات کا احاطہ کرنے
لے امور کی ترتیب کا علم تمام قسم کے معارف اور اطلاعات سے زیادہ لذیذ، زیادہ اچھا اور من پسند ہے یہ واقعیت ایسی
ہ کہ جب نفس اس سے متصف ہو تو اس کو اپنے کمال و جمال کو سمجھنا زیادہ مناسب ہے اور اس پر زیادہ خوش ہونا،
ر اس سے راحت پانا بھی زیادہ مناسب ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ علم لذیذ ہوتا ہے اور سب سے زیادہ لذیذ علم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے افعال
عرش کی انتہا سے زمین کے نیچے تک مملکت میں اس کی تدبیر کا علم ہے پس یہ بات جاننا زیادہ مناسب ہے کہ معرفت کی
ت تمام لذتوں سے زیادہ قوی ہے یعنی خواہش، غصے اور حواس خمسہ کی تمام لذتوں سے زیادہ لذیذ ہے پہلے تو لذتوں کی
ام مختلف ہیں جیسے جماع کی لذت سماع کی لذت کے خلاف ہے اور ریاست و اقتدار کی لذت اور لذتِ معرفت میں
لاف ہے دوسری بات یہ ہے کہ قوت و ضعف کے اعتبار سے بھی لذتوں میں فرق ہے جیسے شہوت رکھنے والے حریص
جماع سے جو لذت حاصل ہوتی ہے کم شہوت والے کو حاصل ہونے والی لذت کے خلاف ہے اسی طرح خوبصورت
ی جو حُسن و جمال میں فوقیت رکھتا ہے اس کی طرف دیکھنے اور اس سے کم حُسن والے کو دیکھنے میں فرق ہے۔

لذت کی قوت کو اس طرح پہچانا جاتا ہے کہ اسے دوسروں پر ترجیح دی جاتی ہے اگر کسی شخص کو اچھی صورت دیکھنے
ر اس کا مشاہدہ کرنے اور اچھی خوشبو میں سونگھنے کے درمیان اختیار دیا جائے اور وہ اچھی صورت دیکھنے کو اختیار کرے
علوم ہو گا کہ اس کے نزدیک یہ عمل اچھی خوشبو سونگھنے سے زیادہ لذیذ ہے۔ اسی طرح جب کھانے کے وقت کھانا حاضر
ور شطرنج کھیلنے والا، کھیلنے میں ہی مصروف رہے اور کھانا نہ کھائے تو معلوم ہو گا کہ اس کے نزدیک شطرنج کے غلبہ
لذت کھانے کی لذت سے زیادہ قوی ہے۔ تو لذتوں کی ترجیح معلوم کرنے کے سلسلے میں یہ سچا معیار ہے اب ہم
صل موضوع کی طرف لوٹتے ہوئے کہتے ہیں کہ لذتیں ظاہری بھی ہوتی ہیں جس طرح حواس خمسہ کی لذت اور باطنی بھی ہوتی ہیں
س طرح حکومت غلبے، کرامت اور علم وغیرہ کی لذت، کیوں کہ یہ لذتیں آنکھ ناک، کان اور چھونے کی لذتیں نہیں ہیں اور نہ
ان کا چکھنے کے ساتھ تعلق ہے اور اربابِ کمال پر ظاہری لذتوں کے مقابلے میں باطنی معانی زیادہ غالب ہوتے ہیں۔

اگر کسی شخص کو اختیار دیا جائے کہ وہ موٹے تازہ مرغ اور حریرے کی لذت حاصل کرے یا ریاست، دشمنوں پر غلبے اور
بندی کا درجہ پانے سے لطف اندوز ہو تو اگر اس کی ہمت خسیس ہے دل مردہ اور حرص و لالچ کا شکار ہے تو وہ گوشت

marfat.com

اور حلوے کو اختیار کرے گا اگر اس کی ہمت زیادہ اور عقل کامل ہے تو ریاست کو اختیار کرے گا اور اس کے لیے بھوکا
اور کئی دن تک ضروری غذا سے صبر کرنا آسان ہوگا پس اس شخص کا ریاست کو اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے
نزدیک اس بات کی لذت اچھے کھانوں کی لذت سے زیادہ ہے۔

ہاں جو شخص ناقص ہو یعنی ابھی اس کے باطنی معانی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچے ہوں جیسے بچہ ہے یا جس کی باطنی قوتیں مر
ہیں جس طرح کم عقل ہے تو بعید نہیں کہ وہ لذتِ ریاست پر کھانوں کی لذت کو ترجیح دے تو جس طرح اس شخص کے لیے
جو بچپن اور کم عقلی سے نکل چکا ہو اس پر ریاست اور کرامت کی لذت تمام لذتوں سے غالب ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ
کی معرفت اس کے دربار ربوبیت کے جمال کا مطالعہ اور امور الٰہیہ کے اسرار کی طرف نظر کرنا ریاست سے زیادہ لذیذ ہے
جو مخلوق پر غالب لذتوں میں سے سب سے اعلیٰ ہے۔ تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ کوئی نفس اس بات کو نہیں جانتا کہ اس
کے لیے کیا چیز یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ رکھی گئی ہے اور ان کے لیے وہ کچھ تیار کیا گیا جسے نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا
نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا خیال پیدا ہوا۔ اور یہ لذت اسے ہی معلوم ہوگی جو دونوں لذتوں
کو چکھے وہ یقیناً تنہائی، تجرد اور فکر و ذکر کو ترجیح دے گا اور معرفت کے سمندر میں غوطہ زن ہوگا اور ریاست کو ترک کر دے
گا اور مخلوق کی ریاست کو حقیر جانے گا کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ یہ ریاست بھی فنا ہوگی اور جن لوگوں پر ریاست و حکومت
ہے وہ بھی دنیا سے چلے گئے اور اس میں طرح طرح کی خرابیاں ہیں جن سے اس کا خالی ہونا متصور نہیں ہو سکتا اور موت
پر اس کا خاتمہ لازماً ہوگا جس کا آنا یقینی ہے جیسے زمین جب اپنے سنگھار پکڑتی ہے اور مزین ہو جاتی ہے اور اس کے
مالک خیال کرتے ہیں کہ وہ اس پر قادر ہیں۔ (تو رات یا دن کو ہمارا حکم آتا ہے تو اسے اس طرح کٹا ہوا کر دیتا ہے کہ
گویا کل وہ تھی ہی نہیں)

پس وہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی صفات و افعال کے مطالعہ اور اعلیٰ علیین سے اسفل السافلین تک
اس کے نظام مملکت کی لذت کو بڑا جانے گا کیوں کہ اس میں نہ کوئی مزاحمت ہے اور نہ ہی کوئی خرابی وہ وہاں جانے
والوں کے لیے وسیع ہے اور بڑی ہونے کی وجہ سے اس میں تنگی نہیں اس کی چوڑائی تو آسمانوں اور زمین کی چوڑائی
جیسی ہے لیکن جب ان حدود سے بڑھ جائیں تو اس کی چوڑائی کی کوئی انتہا نہیں پس عارف اس کے مطالعہ کی وجہ
سے ہمیشہ ایسی جنت میں رہتا ہے جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے وہ اس کے باغ سے لطف اندوز
ہوتا ہے اس کے پھل چنتا ہے اور اس کے حوضوں سے پانی پیتا ہے نیز وہ اس کے ختم ہونے سے بے خوف ہوتا ہے
کیوں کہ جنت کے پھل نہ تو ختم ہونے والے ہیں اور نہ ان سے روکا جائے گا۔

پھر یہ کہ یہ ابدی ہیں موت سے ختم نہیں ہوتے کیوں کہ موت محلِ معرفت کو ختم نہیں کرتی اور اس (معرفت) کا محل روح
ہے جو امر ربانی آسمانی ہے موت اس کے احوال میں تبدیلی پیدا کرتی ہے اور اس کے مشاغل اور رکاوٹوں کو ختم

marfat.com

یکے اسے قید سے آزاد کرتی ہے۔ اسے مٹاتی نہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ۔ (۱)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید کیے جائیں انہیں مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں انہیں ان کے رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں جو اپنا فضل عطا کیا اس پر وہ خوش ہوتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں ان لوگوں سے جو ان کے بعد ان سے آکر نہیں ملے۔

اور تمہیں یہ گمان نہیں کرنا چاہیئے کہ یہ اعزاز ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو میدان جنگ میں قتل ہو جاتے ہیں کیونکہ ن کو ہر سانس میں ایک ہزار شہید کا درجہ ملتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ شہید آخرت میں تمنا کرے گا کہ اسے دنیا ف لوٹا دیا جائے پھر وہ دوبارہ شہید ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے بہت بڑا ثواب ملے گا اور شہید تمنا کریں گے اش وہ علما (عارفین) ہوتے کیوں کہ وہ دیکھیں گے کہ علماء کا بہت بلند مرتبہ ہے (۲)

تو آسمانوں اور زمین کے تمام کنارے عارف کا میدان ہے وہ جس جگہ چاہے جائے لیکن اسے اپنے جسم کے ساتھ ت کی ضرورت نہیں پس وہ جنت میں جس کی چوڑائی تمام آسمان اور زمین ہے جمالِ ملکوت کے مطالعہ میں ہوتا ہے اور ہر عارف ی حال ہوگا ایک دوسرے کی وجہ سے تنگی نہیں ہوگی ہاں یہ کہ جس قدر کسی کی معرفت زیادہ ہوگی اسی قدر اس کے لیے وسعت ده ہوگی اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات ہیں اور ان کے درجات کے درمیان فرق کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔

پس ظاہر ہوا کہ ریاست کی لذت جو باطنی ہے اصحابِ کمال میں اس کی قوت تمام حواس کی قوت سے زیادہ ہے اور یہ لذت روں، بچوں اور کم عقل لوگوں کو حاصل نہیں ہوتی اور اربابِ کمال کو اس لذتِ ریاست کے ساتھ ساتھ محسوسات اور ہوات کی لذت بھی حاصل ہوتی ہے لیکن وہ ریاستِ باطنی کو ترجیح دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس کی صفات و افعال، ملکوت سماوی اور اسرارِ سلطنت کی معرفت کی لذت کا ریاست کی لذت سے ہونا ان لوگوں کی معرفت کے ساتھ خاص ہے جو معرفت کے مرتبے تک پہنچیں اور اس کو چکھیں۔

اور جس آدمی کا دل نہ ہو اس کے لیے یہ معرفت ثابت کرنا ممکن نہیں کیوں کہ اس قوت کا مرکز دل ہے جس طرح بچوں نزدیک گیند سے کھیلنے کی لذت کے مقابلے میں جماع کی لذت کو ترجیح نہیں ہوتی اور نہ ہی نامرد عطر سونگھنے کے مقابلے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران ۱۶۹، ۱۷۰

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۹۵۔ یہ الفاظ نہیں کہ شہداء اس بات کی تمنا کریں گے کہ وہ علماء ہوں ۱۲ رب نواز

ہیں جماع کو ترجیح دیتا ہے کیوں کہ ان دونوں (بچے اور نامرد) کے پاس وہ قوت نہیں جس کے ذریعے اس لذت کا ادراک ہوتا ہے لیکن جو شخص نامردی کی آفت سے محفوظ ہو اور اس کی سونگھنے کی حس بھی صحیح سالم ہو وہ دونوں لذتوں کے درمیان فرق محسوس کرتا ہے اب اس صورت میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ جس نے چکھا اسے پہچان حاصل ہوئی۔

علوم کو طلب کرنے والے اگرچہ امور الٰہیہ کی معرفت کے درپے نہیں ہوتے لیکن جب ان کے سامنے مشکل مسائل حل ہوتے ہیں اور مشتبہات دُور ہوتے ہیں جن کی طلب کے وہ حریص ہوتے ہیں تو یہ بھی معارف و علوم ہیں اگرچہ ان کی معلومات کو وہ شرف حاصل نہیں جو معلوماتِ الٰہیہ کو حاصل ہے۔

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت میں خوب غور و فکر کرتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی سلطنت کے اسرار منکشف ہوتے ہیں اگرچہ کچھ کم معرفت ہی کیوں نہ ہو اس کشف کے وقت اس کے دل میں اس قدر خوشی ہوتی ہے کہ اس کا دل اُڑا جاتا ہے اور اسے اپنے نفس پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ ثابت قدم رہا اور فرحت و سرور کی قوت کو اٹھایا اور یہ بات ذوق کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اس کا بیان اتنا زیادہ فائدہ نہیں دیتا۔

اس قدر بیان سے تمہیں آگاہی حاصل ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سب سے زیادہ لذیذ ہے اور اس سے بڑھ کر لذت نہیں اسی لئے حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کو جہنم کا خوف اور جنت کی امید اللہ تعالیٰ کی ذات سے غافل نہیں کر سکتی تو دنیا کس طرح ان کو اللہ تعالیٰ سے بے خبر کر سکتی یہی وجہ ہے کہ حضرت کرخی رحمہ اللہ کے بعض احباب نے ان سے کہا اے ابو محفوظ! کس چیز نے آپ کو عبادت کی ترغیب دی اور مخلوق سے الگ کیا؟ آپ نے خاموشی اختیار کی، اس نے کہا موت کے ذکر نے؛ آپ نے فرمایا موت کیا چیز ہے؟ اس نے پوچھا اور برزخ کے ذکر نے؟ آپ نے فرمایا قبر کیا چیز ہے، پوچھا جہنم کے خوف اور جنت کی امید نے؟ فرمایا کہ یہ کیا چیزیں ہیں یہ سب کچھ ایک بادشاہ کے قبضے میں ہے اگر تم اس سے محبت کرو تو یہ سب کچھ تمہیں بھول جائے گا اور اگر تمہارے اور اس کے درمیان معرفت ہو تو وہ تمہیں ان چیزوں سے کفایت کرے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خبروں میں ہے (آپ نے فرمایا) جب تم کسی نوجوان کو اللہ تعالیٰ کی طلب میں مشغول دیکھو تو جان لو کہ اس نے اسے سب چیزوں سے غافل کر دیا ہے۔

کسی بزرگ نے حضرت بشر بن حارث رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا ابو نصر تمہارا اور عبدالوہاب وزّاق کا کیا حال ہے؟ فرمایا میں نے اس وقت ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھاتے پیتے چھوڑا ہے میں نے پوچھا اور آپ؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ میں نے کھانے پینے میں زیادہ رغبت نہیں رکھی تو اس نے مجھے اپنا دیدار نصیب فرمایا۔

حضرت علی بن موفق رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں جنت میں داخل ہوتا ہوں میں نے ایک

marfat.com

شخص کو دیکھا وہ دسترخوان کے پاس بیٹھا ہوا ہے اور دو فرشتے اس کے دائیں بائیں اس کے منہ میں تمام اچھے کھانوں کے لقمے ڈال رہے ہیں اور وہ کھا رہا ہے اور میں نے ایک دوسرے شخص کو جنت کے دروازے پر کھڑا دیکھا جو لوگوں کے چہروں کو دیکھ دیکھ کر بعض کو اندر جانے دیتا ہے اور بعض کو واپس کر دیتا ہے، فرماتے ہیں پھر میں ان سے آگے بڑھ کر نظیرۃ قدس (جنت) کی طرف گیا تو عرش کے خیموں میں ایک شخص کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف نظر لگائے دیکھ رہا ہے ادھر ادھر نہیں دیکھتا میں نے رضوان فرشتے سے پوچھا یہ کون ہے؟ حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ نے فرمایا اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی عبادت جہنم کے خوف اور جنت کے شوق سے نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں کی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے اس کو اپنے دیدار کی اجازت دے دی کہا گیا ہے کہ دوسرے دونوں شخص حضرت بشر بن حارث اور حضرت احمد بن حنبل رحمہما اللہ تھے۔

اسی لیے حضرت ابو سلیمان رحمہ اللہ نے فرمایا جو شخص آج اپنے نفس میں مشغول ہوگا وہ کل بھی اپنے نفس میں مشغول ہوگا اور جو آج اپنے رب کے ساتھ مشغول رہے گا وہ کل بھی اپنے رب کے ساتھ مشغول رہے گا۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے حضرت رابعہ رحمہا اللہ سے پوچھا کہ آپ کے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت جہنم کے خوف اور جنت کی محبت میں نہیں کی کہ میرا حال برے مزدور کی طرح ہوتا بلکہ میں نے اللہ تعالیٰ کی محبت اور شوق میں عبادت کی ہے اور انہوں نے محبت کے معنیٰ میں کچھ اشعار فرمائے۔

اُحِبُّكَ حُبَّيْنِ حُبَّ الْهَوٰى	میں نے تجھ سے دو وجہ سے محبت کی ایک عشق کی وجہ
وَحُبًّا لِاَنَّكَ اَهْلٌ لِذَا	سے اور دوسری بات یہ کہ تو محبت کے لائق ہے
فَاَمَّا الَّذِیْ هُوَ حُبُّ الْهَوٰى	پس وہ جو عشق کے باعث محبت ہے تو میں دوسروں
فَشُغْلِیْ بِذِكْرِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ	کو چھوڑ کر صرف تیرے ذکر میں مشغول ہوں اور وہ محبت
وَاَمَّا الَّذِیْ اَنْتَ اَهْلٌ لَهٗ	کہ تو اس کا اہل ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تو نے
فَكَشْفُكَ لِیَ الْحُجْبَ حَتّٰى اَرَاكَ	پردے کھول دیئے حتیٰ کہ میں تجھے دیکھتی ہوں پس اس
فَلَا الْحَمْدُ فِیْ ذَا وَلَا ذَاكَ لِیْ	میں تعریف ہو یا اس میں وہ میرے لیے نہیں بلکہ سب
وَلٰكِنْ لَكَ الْحَمْدُ فِیْ ذَا وَذَا كَا	تعریف تیرے لیے ہے۔

شاید انہوں نے عشق کی محبت سے اللہ تعالیٰ کی وہ محبت مراد لی ہو جو دنیا میں ملنے والے اس کے انعامات اور احسان کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ اور جس محبت کا وہ اہل ہے اس سے مراد وہ محبت ہے جو اس کے جلال و جمال کی وجہ سے ہے جو اس نے حضرت رابعہ رحمہا اللہ کے لیے منکشف فرمایا اور یہ محبت، دونوں محبتوں میں سے اعلیٰ اور زیادہ مضبوط ہے اور مطالعۂ جمالِ ربوبیت کی لذت وہ ہے جس کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس ارشاد گرامی میں اشارہ فرمایا

marfat.com

آپ نے اللہ تعالیٰ سے نقل فرمایا کہ وہ ارشاد فرماتا ہے۔

اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ۔ (۱)

میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ (نعمتیں) تیار کی ہیں جو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال پیدا ہوا۔

اور اگر کسی شخص کا دل انتہائی درجہ کا صاف ہو تو ان میں سے بعض لذتیں اسے دنیا میں ہی مل جاتی ہیں اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں اے میرے رب اے اللہ! تو میں اس بات کو اپنے دل پر پہاڑ سے زیادہ وزنی پاتا ہوں کیوں کہ پکارنا پردے کی آڑ سے ہوتا ہے اور کبھی تم نے دیکھا کہ کوئی شخص اپنے ہمنشین کو پکارتا ہو اور یہ بھی ان کا قول ہے کہ جب کوئی شخص اس علم میں انتہا کو پہنچتا ہے تو لوگ اسے پتھروں سے مارتے ہیں یعنی اس کا کلام ان کی عقلوں کی سے باہر نکل جاتا ہے اور وہ اس کی بات کو پاگل پن یا کفر قرار دیتے ہیں پس تمام عارفین کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ تک پہنچنا اس سے ملاقات کرنا ہے اور یہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہے جس کے بارے میں کوئی نفس نہیں جانتا کہ اس کے لیے کیا چیز چھپا کر رکھی گئی ہے اور جب یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے تو تمام ارادے اور خواہشات مٹ جاتی ہیں اور اس کا دل اس کی نعمتوں میں مشغول ہو جاتا ہے پس اگر اسے جہنم میں ڈالا جائے تو اس استغراق کی وجہ سے اسے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی اور اگر جنت کی نعمتیں اس کے سامنے پیش کی جائیں تو اس نعمت کی وجہ سے وہ ان نعمتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا کیوں کہ وہ اس انتہا کو پہنچ چکا ہے کہ اس سے اوپر کوئی لذت نہیں۔

معلوم وہ لوگ جو صرف محسوسات کی حمیت کو ہی جانتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کی لذت پر کس طرح ایمان رکھتے ہیں حالانکہ اس کی کوئی صورت اور شکل نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے جو وعدہ کیا اور بتایا کہ یہ سب سے بڑی نعمت ہے تو اس کا کیا مطلب ہوگا بلکہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل ہوتی ہے وہ اس بات کو بھی جانتا ہے کہ مختلف خواہشات کے تحت جو متفرق لذتیں ہیں وہ سب اس لذت کے تحت داخل ہیں جیسا کہ بعض شعراء نے فرمایا۔

كَانَتْ لِقَلْبِیَ اَهْوَاءٌ مُفَرَّقَةٌ
فَاسْتَجْمَعَتْ مُذْ رَاَتْكَ الْعَیْنُ اَهْوَائِیْ
فَصَارَ یَحْسُدُنِیْ مَنْ كُنْتُ اَحْسُدُهٗ
وَصِرْتُ مَوْلَی الْوَرٰی مُذْ صِرْتَ مَوْلَائِیْ
تَرَكْتُ لِلنَّاسِ دُنْیَاهُمْ وَدِیْنَهُمْ
شُغْلًا بِذِكْرِكَ یَا دِیْنِیْ وَدُنْیَائِیْ

میرے دل میں متفرق و مختلف خواہشات تھیں لیکن جب تجھے دیکھا تو تمام خواہشات جمع ہو گئیں۔ پس جس پر میں رشک کرتا تھا وہ مجھ پر رشک کرنے لگا اور جب سے میں نے تجھے اپنا مولیٰ سمجھا میں نوکروں کا آقا بن گیا میں نے تیرے ذکر میں مشغول ہو کر لوگوں کی دنیا اور دین کو ان کے لیے چھوڑ دیا اے میرے دین اور اے میری دنیا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۳۸ مرویات ابوہریرہ

اسی لیے کسی دوسرے شاعر نے فرمایا۔

وَهِجْرُهٗ اَعْظَمُ مِنَ النَّارِ — اور اس (اللہ تعالیٰ) کو چھوڑنا جہنم سے بھی بڑا (عذاب) ہے

وَوَصْلُهٗ اَطْيَبُ مِنْ جَنَّةٍ — اور اس کا وصال جنت سے بھی زیادہ اچھا ہے۔

ان لوگوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے حاصل ہونے والی قلبی لذت کو کھانے، پینے اور نکاح کی لذت پر ترجیح دی جائے کیوں کہ جنت وہ مقام ہے جہاں حواس کو نفع حاصل ہوگا اور دل کی لذت صرف اللہ تعالیٰ کی ملاقات میں ہے۔

اور لذتوں کے سلسلے میں مخلوق کے حالات کو یوں سمجھیں کہ بچے کے لیے اس کی پہلی حرکت اور سمجھ حاصل ہونے کی صورت میں ایک ایسی قوت پیدا ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ کھیل کود میں لذت محسوس کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے نزدیک کھیل کود کی لذت تمام اشیاء کی لذت سے زیادہ ہوتی ہے پھر زینت، لباس پہننے، جانوروں پر سوار ہونے وغیرہ کی لذت آتی ہے تو کھیل کی لذت کو حقیر جاننے لگتا ہے پھر جماع اور عورتوں کی خواہش کی لذت پیدا ہوتی ہے تو وہ ان تک پہنچنے کے لیے پہلی تمام لذتوں کو چھوڑ دیتا ہے پھر اقتدار، بلند مرتبہ اور کثرتِ مال کی لذت ظاہر ہوتی ہے اور یہ دنیوی لذتوں میں سے آخری سب سے بلند اور مضبوط ترین لذت ہے۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ۔ (۱) — بے شک دنیا کی زندگی کھیل کود زینت، باہمی فخر اور کثرتِ مال کی تلاش ہے۔

پھر ایک اور قوت ظاہر ہوتی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے افعال کی معرفت حاصل ہوتی ہے اب اس صورت میں پہلے کی تمام لذتیں حقیر نظر آتی ہیں پس ہر پچھلی لذت، پہلی لذت کے مقابلے میں زیادہ قوی ہوتی ہے اور یہ سب سے آخری لذت ہے کیوں کہ کھیل کود کی لذت سمجھ بوجھ آنے کی عمر میں ہوتی ہے، عورتوں اور زینت کی محبت بلوغت کی عمر میں، اقتدار کی محبت بیس سال کے بعد اور علوم کی محبت چالیس سال کی عمر کے قریب ہوتی ہے اور یہ انتہائی درجہ ہے اور جس طرح بچہ اس شخص پر ہنستا ہے جو کھیلتا نہیں اور عورتوں سے میل جول اور ریاست کی طلب میں مشغول ہوتا ہے اسی طرح رئیس لوگ ان لوگوں پر ہنستے ہیں جو ریاست کی طلب ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مشغول ہوتے ہیں اور عارفین کہتے ہیں کہ اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم بھی تم پر ہنسیں گے جیسا کہ تم ہنستے ہو پس عنقریب تم جان لو گے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الحدید آیت ۲۰

marfat.com

فصل ۵ :

معرفت دینوی کی نسبت آخرت میں لذتِ دیدار کے زیادہ ہونے کا سبب

واضح ہو کہ مدرکات دو قسم کے ہیں ایک وہ جو خیال میں آتے ہیں جس طرح خیالی صورتیں اور رنگ برنگ کے حیوانات جو مختلف شکلیں رکھتے ہیں دوسری قسم ان مدرکات کی ہے جو خیال میں نہیں آسکتے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اور وہ اشیاء جن کا جسم نہیں ہوتا مثلاً علم، قدرت اور ارادہ وغیرہ جو شخص کسی انسان کو دیکھ کر اپنی آنکھ کو بند کر دے وہ اس کی صورت کو اپنے خیال میں پاتا ہے گویا وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہے لیکن جب آنکھ کھول کر اسے دیکھتا ہے تو اس کو دونوں کے درمیان فرق کا ادراک ہوتا ہے اور یہ فرق دونوں صورتوں کے درمیان اختلاف کی شکل میں نہیں ہوتا کیوں کہ دکھائی دینے والی صورت خیال میں آنے والی صورت کے موافق ہوتی ہے فرق صرف زیادہ واضح ہونے اور کشف کے اعتبار سے ہوتا ہے کیوں کہ جو صورت دکھائی دے رہی ہے اس کا کشف زیادہ ہوتا ہے اور وہ زیادہ واضح ہوتی ہے اور یہ اس شخص کی طرح ہے جو دن کی روشنی پھیلنے سے پہلے صبح کی سفیدی میں دیکھا جائے اور پھر مکمل روشنی کے وقت دکھائی دے تو دونوں حالتوں میں فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک میں وہ شکل زیادہ واضح ہوتی ہے۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ خیال، ادراک کا آغاز ہے اور دیکھنا اس ادراکِ خیال کی تکمیل ہے اور یہ کشف کی انتہا ہے اسی لیے اس کو رؤیت (دیکھنا) کہا جاتا ہے اس لیے نہیں کہ اس کا آنکھ سے تعلق ہے۔ بلکہ اگر اللہ تعالیٰ اس کامل مکشوف ادراک کو پیشانی یا سینے میں رکھ دیتا ہے تو اسے بھی رؤیت (دیکھنا) ہے کہا جاتا۔

جب خیال میں آنے والی چیزوں کے بارے میں تم یہ بات سمجھ گئے تو جان لو کہ جو معلومات خیال میں متشکل نہیں ہوتیں ان کی معرفت وادراک کے دو درجے ہیں ایک پہلا درجہ ہے اور دوسرا درجہ اس کی تکمیل ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان کشف کی زیادتی کے حوالے سے اسی قدر تفاوت ہے جس قدر خیال میں آنے والی اور دیکھی جانے والی چیز کے درمیان فرق ہے تو دوسری صورت کو پہلی کے مقابلے میں مشاہدہ، لقاء اور رؤیت کہا جاتا ہے اور یہ نام رکھنا حق ہے۔ کیوں کہ رؤیت (دیکھنے) کو رؤیت اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں کشف زیادہ ہوتا ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ جاری فرمایا کہ آنکھوں کی پلکیں ملانے سے پوری طرح دکھائی نہیں دیتا آنکھ اور دکھائی دینے والی چیز کے درمیان پردہ باقی رہتا ہے اور دیکھنے کے لیے اس پردے کا اٹھنا ضروری ہے اور جب تک یہ پردہ نہ اٹھے حاصل ہونے والا ادراک محض خیال ہوگا اسی طرح اللہ تعالیٰ کے جاری کردہ طریقے کا مقتضیٰ یہ بھی ہے کہ جب تک نفس بدنی عوارض اور خواہشات کے تقاضوں کے پردے میں ہوتا ہے اور جب تک اس پر بشری صفات کا غلبہ رہتا ہے اس وقت تک خیال سے خارج معلومات کے سلسلے میں وہ مشاہدے اور لقاء تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ یہ زندگی (دنیوی زندگی) رؤیت سے حجاب ہے جس طرح پلکوں کا حجاب، آنکھوں

سے دیکھنے کے سلسلے میں رکاوٹ ہے اور اس زندگی کے حجاب ہونے کے سلسلے میں گفتگو بہت طویل ہے جو اس علم کے لائق نہیں ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔

لَنْ تَرَانِیْ (۱) آپ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔

نیز ارشاد فرمایا۔

لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ۔ (۲) آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔

یعنی دنیا میں آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں اور صحیح بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا (۳)

نوٹ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر علماء کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کی زیارت کی ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا وہ نورانی ہے (نور ہے) اور اس کے راوی صحیح احادیث کے راوی ہیں۔ تفصیل کے لیے اتحاف السادۃ المتقین جلد ۹ ص ۵۸۰ دیکھئے۔ (۱۲ ہزاروی)

پس جب موت کی وجہ سے حجاب اٹھ جاتا ہے تو نفس دنیوی کدورتوں میں ملوث رہتا ہے وہ مکمل طور پر اس پر دور نہیں ہوتیں اگرچہ فرق ہوتا ہے بعض نفس ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر خباثت اور زنگ چڑھا رہتا ہے اور وہ اس شیشے کی طرح ہوتے ہیں جو ایک عرصہ تک زنگ آلود رہتا ہے اور اس وجہ سے اس کا اصل جوہر ہی خراب ہو جاتا ہے اب صفائی اور دیگ مال ملنا اسے کوئی فائدہ نہیں دیتا یہ لوگ اپنے رب سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حجاب میں ہوتے ہیں ہم اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

اور بعض نفس ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی کدورت زنگ اور مُہر کی حد تک نہیں پہنچتی اور وہ تزکیہ اور اصلاح کی قبولیت سے خارج نہیں ہوتے وہ جہنم پر صرف اس قدر پیش کئے جائیں گے کہ ان کا میل کچیل دُور ہو اور یہ کم از کم ایک لحظہ ہے اور مومنوں کے حق میں زیادہ سے زیادہ سات ہزار سال ہے جیسا کہ روایات میں آیا ہے (۴) اور اس عالم سے جو بھی نفس جاتا ہے اس پر کچھ نہ کچھ کدورت ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۱۴۳

(۲) قرآن مجید، سورہ انعام آیت ۱۰۳

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۹۸ کتاب الایمان

(۴) کنز العمال جلد ۱۴ ص ۵۳۶ حدیث ۳۹۵۴۹

marfat.com

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا۔ (۱)

اور ہر ایک جہنم سے گزرنا ہے یہ تمہارے رب کا قطعی فیصلہ ہے پھر ہم ان لوگوں کو نجات دیں گے جو (ہم سے) ڈرتے ہیں اور ظالموں کو اس میں منہ کے بل چھوڑ دیں گے۔

تو ہر نفس کا جہنم سے گزرنا تو یقینی ہے لیکن وہاں سے بچ نکلنا یقینی نہیں ہے جب اللہ تعالیٰ اس کی تطہیر و تزکیہ کو مکمل کر دے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھی ہوئی مدت پوری ہو جائے گی اور حساب و کتاب نیز پیشی سے متعلق جن باتوں کا شریعت نے وعدہ کیا ہے ان سے فراغت ہو جائے گی اور جنت کا استحقاق ثابت ہو جائے گا اور یہ وقت مبہم ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی اس پر مطلع نہیں ہے کیونکہ یہ قیامت کے بعد واقع ہوگا اور قیامت کا وقت مجہول ہے، تو اس وقت اس کی صفائی اور کدورتوں کو دور کرنے میں مشغولیت ہوگی کہ اس کے چہرے پر کوئی گرد و غبار نہیں چڑھے گی کیونکہ اس میں حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی اور یہ اس طرح کی تجلی ہوگی کہ اس میں پہلا علم منکشف اور واضح ہوگا جس طرح تخیلات کی نسبت دیکھنے میں زیادہ ظہور ہوتا ہے اسی مشاہدہ اور تجلی کو رؤیت کہتے ہیں۔

تو رؤیت حق ہے بشرطیکہ اس سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ خیالی صورت کا خیال کسی جہت اور مکان کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے ذریعے اس کی تکمیل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اس تصور سے بلند و بالا ہے بلکہ جس طرح تم دنیا میں اسے ایسی حقیقت تامہ کے ساتھ پہچانتے ہو جس میں کوئی تخیل و تصور اور شکل و صورت نہیں ہوتی آخرت میں بھی اسی طرح دیکھو گے بلکہ میں کہتا ہوں کہ دنیا میں جو صورت حاصل ہوتی بعینہٖ وہ پایۂ تکمیل کو پہنچے گی اور اس میں کشف و ظہور درجۂ کمال کو پہنچے گا اور مشاہدہ کی صورت اختیار کرے گا۔ پس آخرت میں مشاہدہ اور دنیا میں علم کے درمیان اختلاف صرف کشف و ظہور کے زیادہ ہونے کا ہے جس طرح ہم نے خیال کی مثال کے سلسلے میں پہلے بیان کیا ہے پس جب اللہ تعالیٰ کی معرفت میں صورت اور جہت کو ثابت نہیں کیا جا سکتا تو اس معرفت کی تکمیل اور انتہائی کشف کے سلسلے میں بھی جہت اور صورت کا کوئی دخل نہیں ہے کیوں کہ دونوں ایک ہی ہیں صرف کشف کے زائد ہونے کا فرق ہے جس طرح دکھائی دینے والی صورت بعینہٖ خیالی صورت ہوتی ہے البتہ اس میں کشف زیادہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ (۲)

ان کا نور اُن کے آگے اور دائیں طرف دوڑتا ہوگا وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہمارے لیے ہمارے نور کو مکمل کر دے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ مریم آیت ۷۱

(۲) قرآن مجید، سورۂ حدید آیت ۱۲

marfat.com

کیوں کہ نور کی تکمیل کا مطلب کشف و ظہور کی زیادتی ہے یہی وجہ ہے کہ نظر و رؤیت کے درجے پر وہی لوگ پہنچیں گے جو دنیا میں عارف ہوں گے کیوں کہ معرفت ہی وہ بیج ہے جو قیامت کے دن مشاہدہ کی شکل میں بدل جائے گا جس طرح گٹھلی درخت کی شکل اختیار کرتی ہے اور دانہ کھیتی بن جاتا ہے تو جس شخص کی زمین میں گٹھلی نہ ہو اسے درخت کیسے حاصل ہوگا اور جو زمین میں بیج نہیں ڈالتا وہ کھیتی کس طرح کاٹے گا پس اسی طرح جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کرتا وہ آخرت میں اس کے دیدار سے کیسے مشرف ہوگا۔

پس جب معرفت کے مختلف درجات ہیں تو تجلی کے درجات میں بھی اختلاف ہے تو معارف کی نسبت سے تجلی میں تفاوت اسی طرح ہے جیسے مختلف قسم کے بیج مختلف قسم کی فصل دیتے ہیں کیوں کہ ان کے درمیان کثرت قلت، حسن، قوت اور کمزوری کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّ اللّٰهَ يَتَجَلَّى لِلنَّاسِ عَامَّةً وَلِأَبِي بَكْرٍ خَاصَّةً۔ (۱)	بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے عمومی طور پر اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے خصوصی طور پر تجلی فرماتا ہے۔

لہٰذا یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ جو لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کم درجہ میں ہیں ان کو مشاہدے اور دیکھنے کی وہی لذت حاصل ہوگی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی بلکہ وہ اس کا سوواں حصہ پائیں گے اگر دنیا میں ان کی معرفت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معرفت کا سوواں حصہ ہو۔ پس جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سر معرفت میں لوگوں سے افضل تھے یہ راز آپ کے سینہ مبارکہ میں جاگزیں تھا اس لیے آپ آخرت میں انفرادی تجلی کی فضیلت کے مستحق ہوئے۔

اور جس طرح تم دیکھتے ہو کہ دنیا میں بعض لوگ لذتِ ریاست کو کھانے اور نکاح کی لذت پر ترجیح دیتے ہیں اور تم یہ بھی دیکھتے ہو کہ بعض لوگ علم اور آسمانوں اور زمین کی سلطنتوں کے مشکل مقامات کے کشف اور تمام امور الٰہیہ کو ریاست نکاح، کھانے اور مشروب سب پر ترجیح دیتے ہیں اسی طرح آخرت میں ایک قوم ایسی ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی زیارت کو جنت کی نعمتوں پر ترجیح دیں گے۔ کیوں کہ جنت کی نعمتیں کھانے اور نکاح سے متعلق ہیں اور یہ لوگ وہی ہیں جن کا دنیوی حال ہم نے بیان کیا وہ علم و معرفت اور اسرار ربوبیت پر اطلاع کو نکاح، کھانے اور مشروب کی لذت پر ترجیح دیتے ہیں حالاں کہ تمام مخلوق ان لذات میں مشغول ہے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت رابعہ رحمہا اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ جنت کے بارے میں کیا کہتی ہیں؟ بول نے فرمایا "اَلْجَارُ ثُمَّ الدَّارُ" (پہلے صاحبِ خانہ اور پھر گھر) تو انہوں نے بیان کیا کہ ان کے دل میں جنت کی طرف نہیں بلکہ جنت کے رب کی طرف توجہ ہے۔

اور جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں رکھتا وہ آخرت میں اسے نہیں دیکھے گا اور جس شخص کو دنیا میں لذت، معرفت

---

(۱) تاریخ بغداد جلد ۱۲ ص ۱۹ ترجمہ ۶۲۸۱

marfat.com

حاصل نہیں وہ آخرت میں لذت نظر نہیں پائے گا کیوں کہ جس شخص کو دنیا میں کسی چیز کا ساتھ حاصل نہ ہو آخرت میں اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں ہوگی اور ہر آدمی وہی چیز کاٹے گا جو اس نے بویا ہوگا اور آدمی جس حالت پر فوت ہوتا ہے اسی پر اٹھایا جائے گا اور موت بھی اسی حالت میں آتی ہے جس پر وہ زندگی گزار رہا ہوتا ہے پس جس قدر معرفت لے کر جائے گا اسی قدر لذت پائے گا اور وہی معرفت مشاہدہ کی صورت اختیار کرے گی پس اس کی لذت اسی انداز میں دوبالا ہوگی جس طرح معشوق کی خیالی صورت رویت و مشاہدہ میں بدلتے وقت عاشق کو لذت حاصل ہوتی ہے یہ اس کی لذت کی انتہا ہے اور چوں کہ جنت میں ہر شخص کو من پسند چیز ملے گی پس جو شخص صرف اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی خواہش رکھتا ہے اسے کسی اور عمل کی لذت حاصل نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات اس کی وجہ سے اذیت محسوس کرتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جنت کی نعمتیں اللہ تعالیٰ کی محبت کے اندازے پر ملیں گی اور محبتِ خداوندی اسی قدر ہوتی ہے جس قدر معرفت حاصل ہوتی ہے پس تمام سعادتوں کی اصل وہ معرفت ہے جسے شریعت ایمان سے تعبیر کرتی ہے۔

سوال :-

لذتِ دیدار کی نسبت اگر لذتِ معرفت کی طرف ہے تو وہ کم ہے اگرچہ وہ اس سے کئی گنا زیادہ ہو کیوں کہ دنیا میں معرفت کی لذت ضعیف ہوتی ہے پس اس کا دو گنا چوگنا ہونا ایسی حد کو نہیں پہنچائے گا جس کے سامنے جنت کی لذتیں حقیر معلوم ہوں

جواب :

لذتِ معرفت کو کم سمجھنا، معرفت سے خالی ہونے کی دلیل ہے پس جو شخص معرفت سے خالی ہو وہ اس کی لذت کو کیسے پائے گا اور اگر تھوڑی سی معرفت ہو اور اس کا دل دنیوی تعلقات سے بھرا ہوا ہو تو کس طرح اس کی لذت محسوس کرے گا پس عارفین اپنی معرفت، فکر اور اللہ تعالیٰ سے مناجات میں اس قدر لذت پاتے ہیں کہ اگر دنیا میں اس کے بدلے ان کے سامنے جنت کو پیش کیا جائے تو وہ اس کے بدلے میں جنت نہیں لیں گے پھر یہ لذت اپنے کمال کے باوجود دیدار اور مشاہدہ کی لذت سے کچھ نسبت نہیں رکھتی جس طرح معشوق کے تصور کی لذت کو اس کے دیکھنے سے کوئی نسبت نہیں ہوتی اور نہ ہی عمدہ اور پسندیدہ کھانوں کو سونگھنے کی لذت ان کے کھانے سے کچھ نسبت رکھتی ہے ہاتھ سے چھونے کو جماع کی لذت سے کوئی نسبت نہیں ہوتی اور ان دونوں میں فرق کو مثال بیان کیے بغیر ظاہر نہیں کیا جا سکتا پس ہم کہتے ہیں۔

دنیا میں معشوق کے چہرے کی طرف دیکھنے کی لذت کچھ اسباب کی بنیاد پر مختلف ہوتی ہے۔

پہلا سبب :

معشوق کے جمال کا کامل اور ناقص ہونا ہے کیوں کہ زیادہ خوبصورت کو دیکھنے میں لامحالہ لذت بھی زیادہ کامل ہوتی ہے

دوسرا سبب :

محبت، شہوت اور عشق کا قوی ہونا ہے پس جس شخص کا عشق زیادہ ہو اس کو حاصل ہونے والی لذت اور کمزور

marfat.com

محبت والے کو حاصل ہونے والی لذت میں فرق ہے۔

تیسرا سبب:

کمالِ ادراک ہے پس اگر کوئی شخص اپنے محبوب کو اندھیرے میں یا باریک پردے کے پیچھے سے یا دُور سے دیکھے تو یہ لذت قریب سے کسی پردے کے بغیر دیکھنے یا روشنی میں دیکھنے سے حاصل ہونے والی لذت جیسی نہیں ہے۔ اسی طرح برہنگی کی حالت میں اس کے ساتھ لیٹنے کی جو لذت ہے اس کے مقابلے میں وہ لذت کم ہوتی ہے جب دونوں کے درمیان کپڑا حائل ہو۔

چوتھا سبب،

دل کو پریشان کرنے والے ترددات کا دُور ہونا ہے اور تندرست فارغ اور تنہائی میں محبوب کو دیکھنے والے کو جو لذت حاصل ہوتی ہے خوف زدہ یا بیمار یا تکلیف میں مبتلا شخص یا جس کا دل اہم امور میں مشغول ہو وہ اس قسم کی لذت حاصل نہیں کر سکتا فرض کیجئے ایک عاشق کا عشق ضعیف ہو وہ اپنے محبوب کو باریک پردے کے پیچھے سے دُور سے دیکھتا ہے کہ اس کی صورت کی ماہیت اچھی طرح واضح نہیں ہوتی اور مزید یہ کہ وہاں کھوا اور بھیڑیں جمع ہیں جو اس کو کاٹتی اور اذیت پہنچاتی ہیں اور اس کے دل کو مشغول رکھتی ہیں تو وہ اس حالت میں بھی معشوق کے دل کو مشغول رکھتی ہیں تو وہ اس حالت میں بھی معشوق کے مشاہدہ سے کچھ نہ کچھ لذت حاصل کرتا ہے اب اگر اچانک ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ پردہ اُٹھ جائے اور روشنی زیادہ ہو جائے نیز مُوذی کیڑے مکوڑے بھی چلے جائیں اور وہ فارغ محفوظ ہو جائے اور شہوت قوی ہو جائے نیز عشق کا اس قدر ہجوم ہو کر انتہائی درجہ تک پہنچ جائے تو دیکھو لذت کس طرح بڑھے گی حتیٰ کہ پہلی صورت اس کے مقابلے میں غیر معتبر ہو جائے گی، اسی طرح لذتِ معرفت کی نسبت سے لذتِ دیدار کو دیکھنا چاہیئے باریک پردہ بدن انسانی کی طرح ہے کھوا اور بھڑیں ان شہوتوں کی طرح ہیں جو انسان پر مسلط ہیں مثلاً بھوک، پیاس، غصہ اور غم وغیرہ، اور خواہش و محبت کی کمزوری اس بات کی مثال ہے کہ دنیا میں ملاءِ اعلیٰ کی طرف شوق میں کمی اور کوتاہی ہو اور وہ اسفل السافلین کی طرف متوجہ ہو جس طرح پھر لذتِ ریاست کے ملاحظہ سے قاصر ہوتا ہے اور اس کی توجہ پرندوں سے کھیلنے کی طرف ہوتی ہے۔

عارف کی معرفت اگرچہ دنیا میں قوی ہو جائے پھر بھی وہ ان کدورتوں سے خالی نہیں ہوتی اور یہ تصور نہیں ہو سکتا کہ وہ ان باتوں سے خالی ہو ہاں بعض اوقات یہ موانع کسی صورت میں ضعیف ہوتے ہیں اور دائمی نہیں ہوتے پس جمالِ معرفت اس پر چمکتا ہے کہ اس سے عقل حیران رہ جاتی ہے اور اس کی لذت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ اس کی عظمت کی وجہ سے دل پھٹنے کے قریب ہو جاتا ہے لیکن یہ بجلی کی چمک کی طرح ہوتی ہے اور بہت کم ٹھہرتی ہے بلکہ اسے کچھ ایسے شغل اور افکار پیش آتے ہیں یہ بات ہمیشہ رہتی ہے اس لیے مرتے دم تک یہ لذت آلودہ رہتی ہے اور حیاتِ طیبہ موت کے بعد ہوتی ہے اور حقیقی عیش (اور زندگی) تو آخرت کی ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

marfat.com

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۔ (۱)

اور اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے (کیا اچھا ہوتا) اگر تم جانتے۔

اور جو شخص اس مرتبے تک پہنچتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے پس وہ موت کو بھی پسند کرتا ہے اور اگر اسے برا جانتا ہے تو صرف اس وجہ سے کہ وہ موت سے پہلے تکمیل معرفت کا خواہاں ہوتا ہے کیوں کہ معرفت بیج کی طرح ہے اور معرفت کے سمندر کا کوئی کنارہ نہیں پس اللہ تعالیٰ کے جلال کی گہرائی تک رسائی محال ہے تو جب اللہ تعالیٰ، اس کی صفات و افعال اور اس کی مملکت کے اسرار کی معرفت زیادہ اور مضبوط ہوتی ہے تو آخرت کی نعمتیں بھی بڑھ جاتی ہیں اور عمدہ ہونے کا باعث ہے اور اس بیج کا حصول صرف دنیا میں ممکن ہے اور یہ کھیتی صرف دل کی زمین میں ہوتی ہے اور اسے آخرت میں کاٹا جاتا ہے اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَفْضَلُ السَّعَادَاتِ طُوْلُ الْعُمُرِ فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ ۔ (۲)

سب سے اچھی سعادت طویل زندگی ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں گزرے۔

کیوں کہ معرفت کی تکمیل اور کثرت نیز اس کی وسعت اس وقت ہوتی ہے جب لمبی زندگی حاصل ہو اور دائمی فکر اور مجاہدہ نیز دنیوی تعلقات سے انقطاع اور طلب کے لیے گوشہ نشینی نصیب ہو اور ان کاموں کے لیے وقت درکار ہوتا ہے پس جو شخص موت کو چاہتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو معرفت میں انتہائی مقام پر دیکھتا ہے جو اس کے لیے آسان کر دیا گیا اور جو شخص موت کو ناپسند کرتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ طویل عمر کے ذریعے مزید معرفت کی امید رکھتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ زیادہ عمر ملنے کی صورت میں جو قوت وہ حاصل کر سکتا ہے اس کی نسبت سے ابھی وہ کمی ہے پس اہل معرفت کے نزدیک موت کی چاہت اور ناپسندیدگی کی یہ وجہ ہے۔

جب کہ باقی لوگوں کی نظر دنیوی خواہشات تک محدود ہوتی ہے اگر ان کا حصول ممکن ہو تو وہ باقی رہنا پسند کرتے ہیں اور اگر خواہشات کے پورا ہونے میں تنگی محسوس کریں تو موت کی تمنا کرتے ہیں اور یہ سب باتیں محرومی اور خسارے کا باعث ہیں جن کی بنیاد جہالت اور غفلت ہے پس جہالت و غفلت ہر بدبختی کی جڑ ہے جب کہ علم و معرفت ہر قسم کی نیک بختی کی بنیاد ہیں۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے تمہیں محبت اور عشق کی پہچان ہو گئی کہ عشق محبت میں زیادتی کو کہتے ہیں نیز لذت معرفت کا مفہوم، رؤیت کا معنیٰ اور لذتِ رؤیت کا معنیٰ بھی معلوم ہو گیا نیز یہ بات بھی تم نے جان لی کہ عقل والوں اور

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ عنکبوت آیت ۶۴

(۲) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۶۶۶ حدیث ۴۲۶۴۴

marfat.com

مال کے نزدیک لذتِ دیدار تمام لذتوں سے بڑھ کر ہے اگرچہ کم عقل لوگوں کے نزدیک یہ صورت نہ ہو جس طرح بچوں کے یک کھانوں کے مقابلے میں ریاست کی لذت زیادہ نہیں ہوتی۔

سوال :

آخرت میں دیدار دل سے ہوگا یا آنکھ سے؟

جواب :-

اس سلسلے میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہے اور اہل بصیرت اس اختلاف کی طرف دھیان نہیں دیتے بلکہ عقل مند کو پھل کھانے سے غرض ہوتی ہے پیڑ گننے سے نہیں اور جو شخص معشوق کو دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے اس کا عشق اسے بات کو دیکھنے سے روکتا ہے کہ اس کا دیدار آنکھوں سے ہوگا یا پیشانی سے بلکہ وہ محض دیکھنے اور لذت کا قصد کرتا ہے وہ آنکھ سے ہو یا کسی دوسرے عضو سے، کیوں کہ آنکھ تو محل اور ظرف ہے نہ اس کی طرف نظر ہوتی ہے اور نہ اس فیصلہ ہوتا ہے۔

حق یہ ہے کہ قدرت ازلیہ وسیع ہے پس ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم اسے دو باتوں میں سے کسی ایک میں بند کر دیں یہ تو صورت ہے تو دونوں جائز صورتوں میں سے آخرت میں کونسی واقع ہوگی تو یہ شارع سے سنے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی ہے۔ دلائل کی روشنی میں اہل سنت وجماعت کے لیے جو حق بات ظاہر ہوئی ہے وہ یہ کہ اس دیدار کی قوت آنکھ کو دی جائے گی[1] نظر رویت، نظر اور دوسرے تمام الفاظ جو شریعت میں آئے ہیں ان کو ظاہر پر محمول کیا جائے کیوں کہ ضرورت کے بغیر الفاظ کو چھوڑنا جائز نہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فصل ۶:

محبت خداوندی کو مضبوط کرنے والے اسباب

جان لو کہ آخرت میں سب سے زیادہ سعادت مند وہ شخص ہوگا جس کی اللہ تعالیٰ سے محبت زیادہ مضبوط ہوگی کیونکہ ت کا مطلب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری اور اس کی ملاقات کی سعادت حاصل کرنا ہے اور محب کے لیے محبوب کے اُسنے سے بڑھ کر کیا نعمت ہو سکتی ہے جب کہ وہ ایک عرصہ سے اس بات کا شوق رکھتا ہو اور اب وہ دائمی مشاہدے ر ہو اور مشاہدہ بھی ایسا کہ اس میں کوئی خرابی، روک ٹوک اور رقابت نہ ہو اور نہ ہی اس کے ختم ہونے کا ڈر ہو البتہ یہ قوتِ محبت کے اندازے پر ہوگی جب محبت میں اضافہ ہوگا تو لذت بھی بڑھے گی اور بندے کو اللہ تعالیٰ کی محبت دنیا حاصل ہوتی ہے اور اصلِ محبت مومن سے جدا نہیں ہوتی کیوں کہ اصل معرفت سے کوئی بھی خالی نہیں ہوتا البتہ محبت کا ہونا اور غالب ہونا جسے عشق کہا جاتا ہے اکثر لوگ اس سے خالی ہوتے ہیں اور اس کے حصول کے دو سبب ہیں۔

marfat.com

پہلا سبب :

دنیا سے تعلق توڑنا اور غیر اللہ کی محبت کو دل سے نکال دینا کیوں کہ دل برتن کی مثل ہے جب تک اس سے پانی نہ
اس میں سرکے کی گنجائش نہیں ہوتی ارشاد خداوندی ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۔(۱) اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے اندر دو دل نہیں رکھے۔

کمالِ محبت یہ ہے کہ پورے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے محبت کرے اور جب تک غیر کی طرف متوجہ رہے گا اس
دل کا ایک زاویہ اللہ تعالیٰ کے غیر میں مشغول ہوگا اور جس قدر غیر میں مشغولیت ہوگی اسی قدر اللہ تعالیٰ سے محبت میں نقصان
اور جس قدر برتن میں پانی ہوگا اسی قدر سرکہ کم ہوگا اور اسی فراغت ہوگا۔ اور جس قدر برتن میں پانی ہوگا اسی قدر سرکہ کم ہوگا او
فراغت قلبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ (۲) بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے پھر انہوں نے استقامت اختیار کی ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں)

اور ارشاد فرمایا۔

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ۔ (۳) آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ (نے کتاب اتاری) ہے پھر ان کو ان کی بیہودگی میں کھیلتا ہوا چھوڑ دیں۔

بلکہ "لا الہ الا اللہ" کا معنیٰ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود و محبوب نہیں ہے کیوں کہ ہر محبوب، معبود ہوتا ہے
اس لیے کہ عبد، مقید کو کہتے ہیں اور جس کا قیدی ہو وہی معبود ہوتا ہے اور ہر محب اپنے محبوب کی قید میں ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعا
نے ارشاد فرمایا۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ۔ (۴) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنایا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ احزاب آیت ۴ ۲۔ حٰمٓ السجدۃ

(۳) قرآن مجید، سورۂ انعام آیت ۹۱

(۴) قرآن مجید، سورۂ فرقان آیت ۴۳

marfat.com

اَبْغَضُ اِلٰهٍ عُبِدَ فِی الْاَرْضِ الْهَوٰی۔ (۳)

سب سے بُرا معبود جس کی دنیا میں پوجا کی جائے وہ خواہش ہے۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (۴)

جس شخص نے اخلاص کے ساتھ "لا الہ الا اللہ" پڑھا وہ جنت میں داخل ہوا۔

پس جس شخص کی یہ حالت ہو اس کے لیے دنیا قید خانہ ہے کیوں کہ یہ اس کے لیے مشاہدۂ محبوب کے راستے میں ٹ ہے اور اس کی موت قید سے چھٹکارا اور محبوب کی طرف جانے کا باعث ہے پس جس شخص کا ایک ہی محبوب ہو کے لیے ایک طویل اشتیاق ہو پھر وہ قید خانے میں بند بھی ہو تو اب قید خانے سے چھوٹنا اور محبوب سے ملنے پر قادر ر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امن اور چین سے رہنا کتنا اچھا ہو گا۔

تو دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے کمزور ہونے کا ایک سبب دنیوی محبت کی قوت ہے اور اس میں گھر والوں مال، اولاد، تہ داروں، زمین، جانوروں، باغوں اور سیر و سیاحت کی محبت بھی شامل ہے حتیٰ کہ جو شخص پرندوں کی عمدہ آوازوں اور م سمری کی حرکت سے سرور حاصل کرتا ہے وہ دنیوی نعمتوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت میں نقصان ر پے ہوتا ہے پس جس قدر دنیا سے اُنس پیدا ہوتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُنس میں کمی آتی ہے اور انسان کو ا جس قدر دیا جاتا ہے اسی قدر آخرت سے کم کر دیا جاتا ہے جیسے انسان مشرق کے جس قدر قریب ہوتا جائے گا اس مغرب سے ضرور دُور ہو گا۔ اور کسی عورت کا دل جس قدر خوش ہوتا ہے اس کی سوتن (سوکن) کا دل اسی قدر تنگ ہوتا ں دنیا اور آخرت دو سوتنیں ہیں اور یہ مشرق و مغرب کی طرح ہیں اور یہ بات اہل دل پر زیادہ منکشف ہوتی ہے جو آنکھوں ر یعے دیکھنے سے زیادہ واضح ہوتی ہے اور دل سے محبت دنیا کا قلع قمع اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب زُہد کے راستے ا اور ہمیشہ صبر اختیار کرے اور خوف و رجاء (امید) کی باگ سے ان دونوں کاموں کے لیے مطیع ہو ہم نے جن مقامات لیا ہے یعنی توبہ، صبر، زُہد، خوف اور رجاء توبہ مقدمات ہیں تاکہ ان کے ذریعے محبت کے کسی ایک رکن کو حاصل کرے للہ سے دل کو خالی کرنا ہے اس کا آغاز اللہ تعالیٰ، آخرت کے دن، جنت اور دوزخ پر ایمان لانا ہے پھر اس سے ، اور بعاد کی شاخیں پھوٹتی ہیں اور ان دونوں سے توبہ اور صبر نکلتا ہے پھر یہ دنیا، مال و جاہ اور تمام دنیوی فوائد سے طرف لے جاتا ہے حتیٰ کہ ان تمام باتوں کی وجہ سے دل غیر اللہ سے پاک ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے بعد اس

---

(۳) مجمع الزوائد جلد اول ص ۱۸۸ کتاب العلم

(۴) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۵ ص ۱۹۷ حدیث ۵۰۴۷

marfat.com

میں اللہ تعالیٰ کی معرفت و محبت کے نزول کے لیے وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ سب باتیں تطہیر قلب کے مقدمات اور یہ محبت کے دو رکنوں میں سے ایک رُکن ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف ہے آپ نے فرمایا۔

اَلطَّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ (۱) پاکیزگی نصفِ ایمان ہے۔

جیسا کہ ہم نے کتاب کے شروع میں ذکر کیا ہے۔

محبت کے قوی ہونے کا دوسرا سبب اللہ تعالیٰ کی معرفت کا قوی اور وسیع ہونا نیز اس کا دل پر غالب ہونا اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب دل کو تمام دنیوی مشاغل اور تعلقات سے پاک کیا جائے یہ اسی طرح ہے جیسے زمین کو پھونس سے پاک کرنے کے بعد اس میں بیج ڈالا جاتا ہے اور یہ محبت کا دوسرا رکن ہے پھر اس بیج سے محبت و معرفت درخت اُگتا ہے اور وہ کلمہ طیبہ ہے جس کی مثال اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ (۲) اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال اس پاک درخت کے مطابق دی ہے جس کی بنیاد قائم ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ (۳) اسی کی طرف اچھے کلمات بلند ہوتے ہیں۔

اس سے معرفت مراد ہے اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ۔ (۴) اور وہ (اللہ تعالیٰ) اچھے عمل کو اٹھا لیتا ہے

اور اچھا عمل اس معرفت کے جمال اور خادم کی طرح ہے اور اچھے اعمال سب کے سب پہلے دل کو دنیا کی محبت سے پاک کرتے ہیں پھر اس طہارت کو باقی رکھنے کا سبب بنتے ہیں پس عمل سے یہی معرفت مقصود ہوتی ہے جہاں تک کیفیتِ عمل کے علم کا تعلق ہے تو وہ عمل کے لیے مقصود ہوتا ہے پس علم ہی اول ہے اور یہی آخر ہے پہلے علم معاملہ ہوتا ہے جس سے عمل مقصود ہوتا ہے اور معاملہ (یعنی عمل) کا مقصد دل کی طہارت و تزکیہ ہے تاکہ اس میں حق کی تجلی ہو اور علم معرفت سے مزین ہو اور وہ علم مکاشفہ ہے۔ اور جب یہ معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو اس کے پیچھے معرفت ضرور آتی ہے جیسے مقدمہ

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۱۸ کتاب الطہارۃ

(۲) قرآن مجید، سورۂ ابراہیم آیت ۲۴

(۳)، (۴) قرآن مجید، سورۂ فاطر آیت ۱۰

marfat.com

مزاج شخص جب خوبصورت چیز کو دیکھتا ہے اور ظاہری آنکھ سے اس کا ادراک کر لیتا ہے تو وہ اس سے محبت کرتا اور اس کی طرف مائل ہوتا ہے اور جب اس سے محبت کرتا ہے تو اسے لذت حاصل ہوتی ہے پس محبت کے بعد لذت ضرور حاصل ہوتی ہے اور معرفت کے بعد محبت کا آنا بھی لازمی ہے۔ اور دل کو دنیوی مشاغل سے پاک کرنے کے بعد جب تک ریاضات، ذکر دائمی، طلب کی بھرپور کوشش اور اللہ تعالیٰ اس کی صفات اور آسمانی حکومت نیز تمام مخلوق میں غور و فکر نہ ہو اس معرفت تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

عارفین کی اقسام:

اس مرتبۂ معرفت تک پہنچنے والے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو مضبوط ہوتے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ پہلے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتے ہیں پھر اس کے ذریعے اس کے غیر کو پہچانتے ہیں۔

دوسری قسم ان لوگوں پر مشتمل ہے جو کمزور ہیں وہ پہلے افعال کی معرفت حاصل کرتے ہیں پھر اس سے فاعل کی طرف ترقی کرتے ہیں پہلی قسم کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔

اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ (۱) کیا تمہارا رب ہر چیز پر گواہی کے لیے کافی نہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ (۲) اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

بعض عارفین نے اسی نظر سے جواب دیا جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے رب کو کس طرح پہچانا؟ انہوں نے فرمایا میں نے اپنے رب کو اسی سے پہچانا۔ اگر میرا رب نہ ہوتا تو میں اپنے رب کو نہ پہچانتا۔

اور دوسری قسم کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ارشاد فرمایا۔

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ۔ (۳) عنقریب ہم ان کو آفاق میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے اور ان کے نفسوں میں بھی، تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہی حق ہے۔

اور اسی سلسلے میں ارشاد فرمایا۔

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اور کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں نہیں دیکھا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ فصلت آیت ۵۳

(۲) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۸

(۳) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۱۸۵

marfat.com

اور ارشاد خداوندی ہے ۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔(۱)

آپ فرما دیجئے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسے دیکھو

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ
الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ
تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ
يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۔(۲)

اور وہ ذات جس نے سات آسمان تہہ بہ تہہ بنائے تو رحمٰن کی تخلیق میں کوئی فرق دیکھتے ہو نگاہ اٹھا کر دیکھو کیا تمہیں کوئی رخنہ نظر آتا ہے پھر دوبارہ نگاہ اٹھاؤ نظر تمہاری طرف ناکام پلٹ آئے گی تھکی ماندی ۔

یہ طریقہ اکثر لوگوں پر آسان ہے اور سالکین کے لیے زیادہ وسعت بھی اسی میں ہے اور قرآن پاک کی اکثر آیات بھی اسی کو متضمن ہیں جن میں تدبر، تفکر اور غور و فکر کا حکم دیا ایسی آیات بے شمار ہیں۔

سوال :۔

یہ دونوں طریقے مشکل ہیں ہمارے لیے کوئی ایسی تدبیر بیان کریں جس کی مدد سے معرفت حاصل ہو اور منزل تک پہنچا جا سکے ۔

جواب :

اعلیٰ طریقہ تو یہ ہے کہ معرفتِ خداوندی سے مخلوق کی معرفت حاصل کی جائے لیکن یہ نہایت مشکل ہے اور اس لیے بھی گفتگو عام لوگوں کی سمجھ سے خارج ہے لہذا کتابوں میں اس کو ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

لیکن ادنیٰ اور آسان طریقہ عام طور پر سمجھ میں آجاتا ہے ہاں اس کے سمجھنے سے فہم اس لیے قاصر ہوتا ہے کہ تدبر سے اعراض کیا جاتا ہے اور دنیوی خواہشات میں مشغولیت ہوتی ہے اور چونکہ یہ بات بکثرت پائی جاتی ہے اور اس کے ابواب کی شاخیں بے انتہا ہیں کیوں کہ آسمان کی بلندی سے زمین کی پستی تک کوئی ذرہ ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور کمال حکمت پر دلالت کرنے والی عجیب نشانیاں نہ ہوں اور اس کی عظمت و جلال کی انتہا پر دلالت نہ پائی جاتی ہو اس لیے اس کا ذکر بھی نہیں ہو سکتا ارشاد خداوندی ہے ۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ
رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ

آپ فرما دیجئے اگر سمندر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لئے روشنائی ہو تو میرے رب کے کلمات ختم نہ ہوں گے

---

(۱) قرآن مجید سورۂ یونس آیت ۱۰۱

(۲) قرآن مجید، سورۂ ملک آیت ۳، ۴

marfat.com

كَلِمَاتُ رَبِّيْ۔ (۱) اور سمندر ختم ہو جائے گا۔

پس اس میں غور و فکر علوم مکاشفہ کے سمندروں میں غوطہ لگانا ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اسے علوم معاملہ کا طفیلی بنا کر لیا جائے البتہ اختصار کے ساتھ ایک مثال کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تاکہ اس سے اس کی جنس پر تنبیہ ہو جائے ں ہم کہتے ہیں۔

دونوں طریقوں میں سے آسان ترین طریقہ افعال میں نظر کرنا ہے پس ہمیں اس میں کلام کرنا اور اعلیٰ کو چھوڑنا چاہیے ر افعال الٰہیہ بہت زیادہ ہیں لہٰذا ہم ان میں سے کم تر اور حقیر ترین تلاش کرتے ہیں اور ان کے عجائب میں نظر کرتے ہیں پس لوق میں سے کم تر زمین ہے اور جو کچھ اس کے اوپر ہے یعنی ملائکہ اور آسمانی سلطنت اس کی نسبت سے کم تر ہے اگر اس کے جسم اور حجم کی رُو سے اسے دیکھو تو سورج اس کے باوجود کہ اس کا حجم چھوٹا نظر آتا ہے لیکن اس سے ایک ستر گنا سے بھی زیادہ ہے تو اس کے مقابلے میں زمین کی چھوٹائی کو دیکھو پھر دیکھو کہ سورج اپنے اس فلک کے مقابلے میں وٹا ہے جس میں وہ مرکوز ہے کیوں کہ اس سے اس کو کوئی نسبت نہیں اور یہ چوتھے آسمان میں ہے اور یہ اپنے اوپر والے مانوں کی نسبت چھوٹا ہے پھر ساتوں آسمان کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے جنگل میں پڑا ہوا لوہے کا کڑا اسی طرح عرش ے مقابلے میں کرسی کا معاملہ ہے یہ تو مقدار کے اعتبار سے ظاہر حجم کی طرف نظر کرنے کی صورت ہے تو ان کے مقابلے میں ب کس قدر چھوٹی ہے بلکہ زمین تو سمندروں کی نسبت چھوٹی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْاَرْضُ فِی الْبَحْرِ کَالْاِصْطَبْلِ فِی الْاَرْضِ۔ (۲) سمندر کے مقابلے میں زمین اس طرح ہے جیسے زمین کے مقابلے میں اسطبل ہوتا ہے۔

تجربہ اور مشاہدہ بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے اور پانی سے باہر زمین یوں معلوم ہوتی ہے جس طرح تمام زمین کے بلے میں ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔

پھر انسان کو دیکھو جو مٹی سے پیدا کیا گیا اور مٹی زمین کی ایک جُز ہے نیز تمام حیوانات کو دیکھو کہ یہ سب زمین کی نسبت کس ر چھوٹے ہیں ان سب کو بھی چھوڑو جس حیوان کو تم سب سے چھوٹا جانتے ہو مثلاً مچھر اور شہد کی مکھی وغیرہ کو دیکھو۔

اب دیکھو کہ مچھر کو اس کے چھوٹا ہونے کے باوجود عقل حاضر اور صاف فکر عطا کی گئی تو دیکھو اللہ تعالیٰ نے اسے کس قدر ں کی شکل میں پیدا کیا جو سب سے بڑا حیوان ہے کہ اس کی سونڈ کی طرح اس کی سونڈ بھی پیدا کی اور اس کے چھوٹے سے م میں ہاتھی کی طرح تمام اعضاء پیدا کئے بلکہ دو پیروں کا اضافہ کیا دیکھو اس کے ظاہری اعضاء کو کس طرح تقسیم کیا اس کے پیر

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۱۰۹

(۲) تذکرۃ الموضوعات ص ۱۳ باب اوصافہ المتشابہۃ

marfat.com

ہاتھ اور پاؤں بنائے اور اس کو کان اور آنکھیں بھی دیں اور اس کے باطنی اعضاء میں بھی یوں تدبیر فرمائی کہ باقی حیوانات کی طرح غذا کے اعضاء اور آلات پیدا کئے اور اس میں قوتِ غذا جذب کرنے، دُور کرنے، ٹھہرانے اور ہضم کرنے کی قوت رکھی جو باقی تمام حیوانات کو عطا فرمائی ہے۔

یہ اس کی شکل اور صفات میں ہے پھر اس کی راہنمائی کی طرف دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی غذا کی طرف کیسے راہنمائی فرمائی اور اسے بتایا کہ اس کی غذا انسانی خون میں ہے پھر دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس میں انسان تک پہنچنے کے لیے اڑنے کا سامان پیدا کیا اور کس طرح اس کے لیے ایک لمبی نوکیلی سونڈ پیدا کی اور کیسے اس کو انسانی چمڑے میں مساموں تک راہنمائی فرمائی کہ وہ کسی ایک مسام پر اپنی سونڈ رکھتا ہے پھر اسے کس طرح قوت عطا فرمائی کہ وہ اس میں سونڈ کو گاڑتا ہے پھر اسے بتایا کہ وہ کس طرح اسے چُوس کر خون پیلے نیز سونڈ کو اس کے پتلا ہونے کے باوجود کس طرح اندر سے خالی رکھا کہ خون پتلا ہو کر اس کے ذریعے اس کے پیٹ تک جاتا ہے پھر اس کے تمام اجزاء میں پھیل کر غذا بنتا ہے۔

پھر اسے یہ بھی بتایا کہ انسان اسے اپنے ہاتھ سے مارنا چاہتا ہے تو اسے بھاگنے کی تدبیر بتائی اور اس کا سامان اسے عطا کیا اس کے لیے قوتِ سماعت پیدا کی جس کے ذریعے وہ ہاتھ کی خفیف حرکت کو سُن لیتا ہے حالاں کہ وہ اس سے بہت دُور ہوتا ہے پس وہ خون چُوسنا چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے پھر جب ہاتھ رُک جاتا ہے تو دوبارہ آتا ہے پھر دیکھئے اس کے لیے آنکھوں کے ڈھیلے کس طرح بنائے حتیٰ کہ وہ اپنی غذا کی جگہ دیکھ لیتا ہے اور وہاں کا قصد کرتا ہے حالانکہ اس کے جسم کا حجم بہت چھوٹا ہوتا ہے۔

اور دیکھئے ہر چھوٹے حیوان کا ڈھیلا چھوٹا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ پپوٹوں کو برداشت نہیں کر سکتا اور پپوٹے ڈھیلے کے شیشے کو تنکوں اور غبار وغیرہ سے صاف رکھنے کا آلہ ہیں اس لیے مچھر اور مکھی کے لیے دو پاؤں بنائے تم مکھی کو دیکھو وہ ہمیشہ اپنی آنکھوں کے ڈھیلوں کو اپنے پاؤں سے ملتی ہے لیکن انسان اور بڑے حیوانات کے پپوٹے بنائے کہ وہ ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں اور ان کے کنارے پتلے رکھے ہیں تاکہ جو غبار ڈھیلے پر آئے اس کو جمع کر کے پلکوں پر ڈالیں اور پلکوں کو سیاہ بنایا تاکہ آنکھوں کی روشنی کو جمع رکھیں اور دیکھنے پر مدد دیں نیز آنکھ خوبصورت معلوم ہو اور غبار کے وقت ایک جال بُن جائے اور جال کے پیچھے سے دیکھنے میں دِقت نہ ہو یہ جال غبار کے داخل ہونے میں رکاوٹ بنتا ہے لیکن دیکھنے میں رکاوٹ نہیں ہوتی۔

لیکن مچھر کے لیے دو ڈھیلے بنائے جو صاف ہیں اور پلکوں سے خالی ہیں اور اسے ہاتھوں کے ساتھ ان کی صفائی کا طریقہ سکھایا چوں کہ اس کی بینائی کمزور ہوتی ہے اس لیے وہ چراغ پر گرپڑتا ہے اور وہ دن کی روشنی تلاش کرتا ہے جب وہ بیچارہ رات کے وقت چراغ کی روشنی دیکھتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ وہ اندھیرے گھر میں ہے اور چراغ کی روشنی کو روشندان سمجھتا ہے اس لیے وہ روشنی کی طلب میں وہاں تک جاتا ہے اور جب وہاں سے تجاوز کرتا ہے اور اندھیرا دیکھتا ہے

تو خیال کرتا ہے کہ مجھے روشندان نہیں ملا اور وہ اس کی سیدھ میں نہیں گیا لہٰذا دوبارہ اس طرف جاتا ہے یہاں تک کہ وہ جل جاتا۔
شاید تمہارا خیال یہ ہو کہ یہ بات اس میں کمی اور جہالت کی وجہ سے ہوتی ہے تو جان لو کہ انسان کی جہالت اس کی جہالت سے زیادہ ہے بلکہ دنیوی خواہشات پر گرنے کے اعتبار سے انسان ان پروانوں کی طرح ہے جو آگ پر گرتے ہیں کیوں کہ انسان کے لیے خواہشات ظاہری صورت میں چمکتی ہیں اور وہ نہیں جانتا کہ ان کے پیچھے زہر قاتل ہے تو وہ اپنے آپ کو ہمیشہ ان خواہشات کے پیچھے لے جاتا ہے حتی کہ ان میں ڈوب جاتا ہے اور ان میں قید ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے کاش کہ انسان کی جہالت پروانے کی جہالت جیسی ہوتی کیوں کہ وہ ظاہری روشنی کے دھوکے میں اگر جلتا ہے تو اسی وقت چھوٹ جاتا ہے لیکن انسان تو ہمیشہ ہمیشہ یا ایک عرصۂ دراز تک آگ میں رہے گا اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعلانیہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

إِنِّي مُمْسِكٌ بِحُجَزِكُمْ وَأَنْتُمْ تَتَهَافَتُونَ فِيهَا تَهَافُتَ الْفَرَاشِ۔ (۱)	میں تمہیں تمہاری کمر سے پکڑ کر پیچھے ہٹاتا ہوں اور تم پروانے کی طرح جہنم میں گرتے ہو۔

تو یہ سب سے چھوٹے حیوان میں اللہ تعالیٰ کی عجیب صنعت کا ایک عجیب کرشمہ ہے اور اس میں اس کے علاوہ اتنے عجائبات ہیں کہ اگر اولین و آخرین جمع ہو کر اس کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کریں تو اس کی حقیقت سے عاجز آجائیں گے اور اس کی ظاہری صورت میں سے واضح امور پر بھی مطلع نہیں ہو سکیں گے جہاں تک اس کے پوشیدہ معانی کا تعلق ہے تو اس سے صرف اللہ تعالیٰ ہی آگاہ ہے۔

پھر تمام حیوانات اور سبزیوں میں ایسے ایسے عجائب ہیں جو اس کے ساتھ خاص ہیں ان میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا حیوان شریک نہیں ہے۔ شہد کی مکھی اور اس کے عجائب کو دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے یہ بات سمجھائی کہ اس نے پہاڑوں میں درختوں اور مکانوں کی چھتوں میں گھر بنائے اور وہ کس طرح اپنے لعاب سے موم اور شہد بناتی ہے ان میں سے ایک کو روشنی اور دوسری کو شفاء بنایا پھر اگر تم اس کی ان عجیب باتوں پر غور کرو کہ وہ کس طرح پھولوں اور کلیوں سے رس حاصل کرتی ہے اور گندگی سے بچتی ہے اور اپنے امیر کی اطاعت کرتی ہے جو جسمانی طور پر ان سب سے بڑی ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی امیر مکھی کو عدل و انصاف پر مجبور کیا کہ اگر ان میں سے کوئی نجاست پر بیٹھتی ہے تو اسے چھتے کے منہ پر ہی قتل کر دیا جاتا ہے تو مزید تعجب پیدا ہوتا ہے اگر تم غور و فکر کرو اور اپنے پیٹ اور شرمگاہ سے نیز اپنے ہم عصر لوگوں سے دشمنی اور بھائیوں کے ساتھ دوستی کی خواہشات سے فارغ ہو پھر ان سب باتوں کو چھوڑ کر اس بات کو دیکھو کہ وہ موم سے کس طرح اپنا گھر بناتی ہے اور تمام شکلوں کو چھوڑ کر مسدس شکل اختیار کرتی ہے اپنا گھر گول، مربع یا پانچ کونوں والا نہیں بناتی بلکہ چھ کونوں والا نہیں بناتی ہے اور اس شکل میں جو خاصیت ہے اس کو سمجھنے سے انجینئر بھی عاجز ہیں وہ یہ کہ تمام شکلوں

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۰ ص ۲۶۵ حدیث ۱۰۵۱۱

marfat.com

میں سے زیادہ وسیع شکل دائرے کی ہے اور جو اس کے قریب ہو مربع میں زاویے بیکار رہ جاتے ہیں اور مکھی کا جسم گول لمبا ہوتا ہے تو اس نے مربع شکل کو چھوڑ دیا تاکہ زاویے ضائع ہو کر فارغ نہ رہیں پھر اگر وہ گول شکل کا گھر بناتی تو اس شکل کا گھر بناتی تو اس کے باہر کشادگی رہ جاتی جو ضائع ہوتی کیوں کہ گول شکلوں کو جمع کیا جائے تو آپس میں اچھی طرح متصل نہیں ہوتیں اور زاویوں والی اشکال میں سے کوئی شکل ایسی نہیں جو گنجائش میں گول کے قریب ہو پھر ملانے میں کشادگی باقی نہ رہے صرف مسدس شکل کی یہ خاصیت ہے۔

پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے مکھی جیسے چھوٹے سے جانور کو یہ سب باتیں کس طرح بتائیں تو یہ سب اس کی مہربانی اور عنایت ہے شہد کی مکھی جس چیز کی محتاج ہے وہ بھی اس کو سکھا دی تاکہ سکون سے رہے تو اللہ تعالیٰ کس قدر بلند شان کا مالک ہے اور اس کا لطف و کرم اور احسان کس قدر وسیع ہے۔

تو اس معمولی سے حیوان میں قدرت کا یہ کرشمہ دیکھ کر عبرت اختیار کرو اور زمین و آسمان کے اسرار کو چھوڑ دو جو کچھ ہماری ناقص فہم میں گزرا ہے اس کی وضاحت میں عمریں گزر سکتی ہیں اور جو کچھ ہمارے علم کے احاطہ میں آیا ہے اسے اس کے ساتھ کوئی نسبت نہیں جو انبیاء کرام اور علماء عظام کے احاطۂ علم میں ہے۔ اور جو کچھ تمام مخلوق کے احاطۂ علم میں ہے اسے اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی نسبت نہیں بلکہ مخلوق جس قدر جانتی ہے اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے اسے علم بھی نہیں کہنا چاہیے۔

تو اس قسم کی باتوں میں غور و فکر کرنے سے آسان طریقے سے حاصل ہونے والی معرفت میں اضافہ ہوتا ہے اور معرفت کا پڑھنا محبت میں اضافہ کا باعث ہے پس اگر تم اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے ذریعے سعادت مندی حاصل کرنا چاہتے ہو تو دنیا کو اپنی پیٹھ کے پیچھے چھوڑ دو اور اپنی زندگی ذکر دائم اور فکر لازم میں صرف کرو بعید نہیں کہ تھوڑا بہت چھوڑنے سے تمہیں بہت بڑی سلطنت ملے جس کی کوئی انتہا نہیں۔

فصل ۷:

محبت میں لوگوں کے درمیان تفاوت کا سبب

چوں کہ ایمان میں تمام مومن مشترک ہیں اس لیے اصل محبت میں بھی ان سب کے درمیان اشتراک ہے لیکن معرفت خداوندی اور محبتِ دنیا کے حوالے سے ان کے درمیان تفاوت کی وجہ سے محبت میں بھی وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں کیوں کہ اسباب میں اختلاف، مسبب کے اختلاف کا باعث ہوتا ہے اور اکثر لوگ صرف اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات ہی سیکھتے ہیں جو سنتے ہیں اور بعض اوقات ان کے ایسے معانی خیال کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ذات بلند اور پاک ہے اور بعض اوقات وہ ان کی حقیقت پر بھی مطلع نہیں ہوتے اور فاسد معنیٰ کا خیال بھی نہیں آتا بلکہ وہ صرف تسلیم و تصدیق کی مد تک ایمان لاتے ہیں اور عمل میں مصروف ہوتے ہیں بحث مباحثہ ترک کر دیتے ہیں یہ لوگ اصحاب یمین میں سے ہیں اور ان

کو سلامتی حاصل ہوتی ہے جب کہ فاسد معانی کا تخیل رکھنے والے گمراہ لوگ ہیں اور حقائق کو جاننے والے مقربین لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قسم کے لوگوں کا حال یوں بیان فرمایا۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ۔ (۱)

پس اگر وہ مقربین میں سے ہے تو راحت ہے اور پھول اور جنت کی نعمتیں ہیں اور اگر داہنی طرف والوں سے ہے تو اے محبوب آپ پر داہنی طرف والوں سے سلام ہو اور گروہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہو تو اس کی مہمانی کھولتا پانی اور بھڑکتی آگ میں دھنسنا۔

مثلاً حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد، ان کی محبت میں مشترک ہیں وہ فقہاء ہوں یا عوام کیوں کہ ان سب کو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے فضل، دین، حُسنِ تدبیر اور عمدہ خصائل کی معرفت حاصل ہے لیکن عام لوگوں کو ان کے علم کے اجمالی معلومات ہیں۔ اور فقیہ تفصیلاً جانتا ہے پس اس سلسلے میں فقیہ کی معرفت زیادہ مکمل ہوتی ہے اور اس کا اس پر خوش ہونا اور اسے پسند کرنا زیادہ شدید ہوتا ہے کیوں کہ جو شخص کسی مصنف کی تصنیف کو دیکھ کر اسے اچھا سمجھتا ہے اور اس کی فضیلت سے آگاہ ہوتا ہے وہ لامحالہ اسے پسند کرتا ہے اور اس کی طرف اس کا دل مائل ہوتا ہے اور اگر وہ کوئی دوسری تصنیف دیکھے جو اس سے بھی اچھی ہو تو یقیناً اس کی محبت دوگنا ہو جاتی ہے کیوں کہ اس علم کی وجہ سے اس کی معرفت بڑھ جاتی ہے اسی طرح جب کسی شاعر کے بارے میں عقیدہ ہو کہ وہ اچھے اشعار کہتا ہے تو وہ اس سے محبت کرتا ہے پس جب اس کے عمدہ اشعار سنتا ہے جن سے اس کی سمجھداری اور فن کی عظمت اجاگر ہوتی ہے تو اس کی معرفت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس سے اس کی محبت بھی بڑھ جاتی ہے، تمام فنون اور فضائل کا یہی حال ہے۔

عوام الناس میں کوئی شخص جب سنتا ہے کہ فلاں آدمی مصنف ہے اور اس کی تصانیف عمدہ ہیں لیکن اسے معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اس تصنیف میں کیا ہے تو اس کی معرفت اجمالی ہوتی ہے اور اسی حوالے سے اس کا میلان اور محبت بھی اجمالی ہوتی ہے لیکن صاحبِ بصیرت جب تصانیف کا مطالعہ کر کے ان کے عجائب سے آگاہ ہوتا ہے تو لامحالہ اس کی چاہت دوگنا ہو جاتی ہے کیوں کہ کسی فن، شعر اور تصنیف کی عمدہ باتیں فاعل اور مصنف کے کمال پر دلالت کرتی ہیں اور یہ سارا جہان اللہ تعالیٰ کی صنعت اور تصنیف ہے عام آدمی اسے جانتا اور اس کا اعتقاد رکھتا ہے لیکن اہل بصیرت اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی صنعت کا تفصیلی مطالعہ کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ پھر میں اللہ تعالیٰ کی کاریگری کے وہ عجائب دیکھتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اس سبب سے یقیناً ان کے دل میں اللہ تعالیٰ جلال اور کمالِ صفات کی عظمت بڑھ جاتی ہے اور اس وجہ سے ان کی محبت میں بھی اضافہ ہوتا ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ واقعہ آیت ۸۸ تا ۹۴

marfat.com

اور جب بھی اللہ تعالیٰ کی کاریگری کے عجائب پر اطلاع زیادہ ہوتی ہے تو وہ اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے جلال کی عظمت پر استدلال کرتے ہیں اور اس وجہ سے ان کی معرفت اور محبت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

اور اس معرفت یعنی اللہ تعالیٰ کی صنعت کے عجائب کی معرفت کا سمندر، بحر بے کنار ہے لہٰذا اہل معرفت کی محبت میں تفاوت بھی شمار سے باہر ہے۔

اختلافِ محبت کے اسباب پانچ ہیں جو ہم لکھ چکے ہیں پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ وہ اس پر احسان کرنے والا اور انعامات سے نوازنے والا ہے اور اس کی ذات کی وجہ سے محبت نہیں کرتا اس کی محبت کمزور ہوتی ہے کیوں کہ احسان کی تبدیلی سے محبت میں بھی تبدیلی واقع ہوتی ہے ظاہر بات ہے کہ رضا اور آسائش کی حالت میں جو محبت ہوتی ہے ابتلا و آزمائش کے دوران وہ محبت نہیں ہوتی۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس کی ذات کی وجہ سے اور اس لیے محبت کرتا ہے کہ وہ اپنے کمال و جمال، بزرگی اور عظمت کی وجہ سے محبت کا مستحق ہے تو احسان کے تفاوت سے اس کی محبت میں فرق نہیں پڑتا۔

تو اس قسم کی باتیں محبت میں لوگوں کے تفاوت کا سبب ہیں اور محبت میں تفاوت آخروی سعادت میں تفاوت کا سبب ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا (۱) اور آخرت کے درجات اور فضیلت بہت بڑی ہے۔

فصل ۸:

معرفت خداوندی میں مخلوق کی سمجھ کیوں کوتاہ ہوتی ہے

جاننا چاہیئے کہ موجودات میں سے سب سے زیادہ ظاہر اور روشن اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس بات کا تقاضا یہ ہے کہ سب سے زیادہ اسی کی معرفت ہو، اور عقلوں پر سب سے زیادہ آسان بھی وہی ہو لیکن تم معاملہ اس کے برعکس دیکھتے ہو لہٰذا اس کا سبب بیان کرنا ضروری ہے۔

ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات موجودات میں سے سب سے زیادہ ظاہر اور سب سے زیادہ روشن ہے اس کو سمجھنے کے لیے ایک مثال بیان کرنا ضروری ہے وہ یوں کہ مثلاً ہم ایک آدمی کو دیکھتے ہیں وہ لکھتا ہے یا کپڑوں کی سلائی کرتا ہے تو ہمارے نزدیک اس کا زندہ ہونا سب سے زیادہ ظاہر بات ہے پس اس کی زندگی، علم قدرت اور سلائی کا ارادہ ہمارے نزدیک اس کی تمام ظاہری و باطنی صفات سے زیادہ واضح ہے کیوں کہ اس کی باطنی صفات مثلاً شہوت، غضب، خُلق، صحت اور مرض

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اسراء آیت ۲۱

marfat.com

دیغرہ کو ہم نہیں جانتے اور ظاہری صفات میں سے بعض کا ہمیں علم ہے اور بعض کے بارے میں ہمیں شک ہے جیسے اس کی لمبائی اور چہرے کا رنگ وغیرہ صفات کو دیکھا جا سکتا ہے لیکن ان میں شک بھی ہو سکتا ہے جب کہ اس کی حیات، قدرت، ارادہ، علم اور اس کا حیوان ہونا نہایت واضح ہیں کہ اس کی حیات قدرت اور ارادے کے ساتھ دیکھنے کی حس کا کوئی تعلق نہیں کیوں کہ یہ صفات حواس خمسہ کے ذریعے معلوم نہیں ہوتیں پھر ممکن نہیں کہ اس کی حیات، قدرت اور ارادے کو اس کی سلائی یا حرکت کے بغیر معلوم کیا جا سکے اگر ہم اللہ تعالیٰ کے سوا ان تمام چیزوں کو دیکھیں جو اس جہاں میں ہیں تو ان سے اس کی صفت کی پہچان نہیں ہو سکتی تو اس کے وجود پر صرف ایک دلیل ہے اور وہ اس کے باوجود واضح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا وجود، اس کی قدرت، علم اور تمام صفات پر وہ تمام چیزیں گواہ ہیں جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں اور ظاہری و باطنی حواس سے ان کا ادراک کرتے ہیں وہ پتھر ہوں ڈھیلے، سبزی، درخت، حیوانات آسمان، زمین، ستارے، خشکی، سمندر، آگ، ہوا، جوہر اور عرض کچھ بھی ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر سب سے پہلا گواہ ہمارے نفس، ہمارے جسم، ہمارے اوصاف، ہمارے احوال کی تبدیلی دلوں کا تغیر اور ہماری حرکات و سکنات کے تمام طور طریقے ہیں اور ہمارے علم میں سب سے زیادہ ظاہر ہمارے نفس ہیں پھر جن کا ادراک عقل اور بصیرت سے ہوتا ہے ان تمام مدرکات میں سے ہر ایک کا ایک مدرک ہے ایک شاہد اور ایک دلیل ہے اور اس جہاں میں جو کچھ ہے وہ اپنے خالق، مدبر، اسے پھیرنے والے اور حرکت دینے والے پر شاہد ناطق اور دلیل شاہد ہے اور اس کے علم، قدرت لطف و کرم اور حکمت پر دلالت کرنے والا ہے اور موجودات مدرکہ کی کوئی انتہا نہیں پس اگر کاتب کی حیات ہمارے لیے ظاہر ہے اور اس کا ایک ہی شاہد ہے کہ ہم اس کے ہاتھ کی حرکت محسوس کرتے ہیں تو وہ ذات کس طرح ہمارے سامنے ظاہر نہ ہوگی کہ جو کچھ بھی ہمارے اندر یا باہر موجود ہے وہ سب چیز اس کی ذات اور عظمت و جلال پر شاہد ہیں کیوں کہ ہر ذرہ زبان حال سے پکار رہا ہے کہ اس کے نفس کا وجود اور اس کی ذات کی حرکت کسی موجد و محرک کی محتاج ہے اس پر سب سے پہلے ہمارے اعضاء کی ترکیب، ہڈیوں کے جوڑ، ہمارے گوشت، اعصاب، بالوں کے اگنے کی جگہ، ہاتھ پاؤں اور تمام ظاہری و باطنی اجزاء اس پر گواہی دیتے ہیں کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ چیزیں خود بخود مرکب نہیں ہیں جس طرح ہمیں معلوم ہے کہ کاتب کا ہاتھ خود بخود حرکت نہیں کرتا لیکن جب تمام موجودات جن کا ادراک و احساس ہوتا ہے یا وہ عقل میں آتی ہیں وہ حاضر ہوں یا غائب وہ اللہ تعالیٰ کی شاہد اور اس کی پہچان کرانے والی ہیں تو اس کا ظہور زیادہ ہوا پس اس کے ادراک سے عقل حیران رہ گئی کیوں کہ جس چیز کو سمجھنے سے ہماری عقل عاجز ہو اس کے دو سبب ہیں۔

۱۔ وہ چیز ذاتی طور پر پوشیدہ اور گہری ہو اس کی مثال واضح ہے۔

۲۔ جو انتہائی درجہ روشن ہو اس کی مثال یوں ہے کہ چمگادڑ رات کے وقت دیکھتی ہے دن کو اسے کچھ نظر نہیں آتا اس

marfat.com

لیے نہیں کہ دن پوشیدہ ہے بلکہ اس کا ظہور زیادہ ہے چمگادڑ کی بینائی کمزور ہوتی ہے جب سورج کی روشنی چمکتی ہے تو اس کی بینائی دیکھنے سے قاصر ہو جاتی ہے تو دن کا زیادہ ظہور اور چمگادڑ کی بینائی کی کمزوری اس کے دیکھنے میں رکاوٹ ہوتی ہے اس لیے وہ اسی وقت دیکھ سکتی ہے جب روشنی اور اندھیرا باہم مل جائیں اور روشنی کمزور پڑ جائے۔

اسی طرح ہماری عقلیں کمزور ہیں اور جمال حضرت الٰہی نہایت روشن اور انتہائی شمولیت کا حامل ہے حتیٰ کہ اس کے ظہور سے آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا ایک ذرہ بھی نہیں باہر نہیں ہوتا تو اس کا یہ ظہور ہی اس کی پوشیدگی کا سبب ہے تو وہ ذات پاک ہے جو اپنے نور کی چمک کی وجہ سے حجاب میں ہے اور وہ اپنے ظہور کی وجہ سے ظاہری و باطنی آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔

تو ظہور کے باعث اس کی پوشیدگی پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ اشیاء اپنی ضد کے ساتھ پہچانی جاتی ہیں اور جو اس کا قدر عام ہو کہ اس کی ضد ہی نہ ہو تو اس کا ادراک مشکل ہو جاتا ہے یا اشیاء اس طرح کی ہوں کہ ان میں بعض، بعض پر دلالت کرتی ہوں تو ان میں فرق معلوم ہو جاتا ہے لیکن جب ایک ہی طریقے پر سب کی دلالت ہو تو معاملہ مشکل ہو جاتا ہے۔

اس کی مثال سورج کی روشنی ہے جو زمین پر چمکتی ہے ہم جانتے ہیں کہ یہ ایک عرض ہے جو زمین پر پیدا ہوا اور سورج کے غائب ہونے سے یہ بھی زائل ہو جائے گی پس اگر سورج ہمیشہ چمکتا رہتا کبھی غروب نہ ہوتا تو ہم خیال کرتے کہ جسموں میں ان کے رنگ یعنی سیاہی یا سفیدی وغیرہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں کیوں کہ ہم سیاہ چیزیں صرف سیاہی اور سفید میں صرف سفیدی دیکھتے ہیں محض روشنی کا ادراک نہیں لیکن جب سورج غروب ہو جاتا ہے اور اندھیرا چھا جاتا ہے تو دونوں حالتوں میں فرق کا ادراک ہوتا ہے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجسام دھوپ کی وجہ سے چمک رہے تھے اور ایسی صفت سے موصوف تھے جو غروب کے وقت ان اشیاء سے جدا ہو گئی پس دھوپ کا وجود اس کے عدم سے معلوم ہوا اگر وہ معدوم نہ ہوتی تو اس کے وجود کا علم بڑی مشکل سے ہوتا کیوں کہ اس صورت میں تمام اجسام ایک طرح نظر آتے اندھیرے اور روشنی کا فرق نہ ہوتا ہو اس کے باوجود کہ نور تمام محسوسات میں سے زیادہ ظاہر ہے کیوں کہ اس کے ذریعے محسوسات کا ادراک ہوتا ہے، یہ صورت حال پیدا ہوئی۔

تو جو ذات خود بخود ظاہر ہے اور غیر کو ظاہر کرتی ہے اگر اس کی ضد نہ ہوتی تو اس کے ظہور کے سبب سے اس کا معاملہ کس طرح مبہم ہوتا پس اللہ تعالیٰ تو سب سے زیادہ ظاہر ہے اور اسی سے تمام اشیاء ظاہر ہیں اگر اس کے لیے عدم اور غائب ہونا ہوتا یا اس میں تغیر ہوتا تو زمین و آسمان گر پڑتے اور ظاہری و باطنی حکومت باطل ہو جاتی اور دونوں حالتوں کے درمیان فرق کا ادراک ہو جاتا ——

اور اگر بعض اشیاء اس کے ساتھ موجود ہوتیں اور بعض اس کے غیر کے ساتھ تو دلالت میں دونوں کے درمیان فرق کا ادراک ہوتا۔ مگر اس کی دلالت تمام اشیاء میں ایک طرح کی ہے اور اس کا وجود تمام احوال میں قائم و دائم ہے اس

marfat.com

ے خلاف ہونا محال ہے پس شدتِ ظہور نے خفاء پیدا کیا اور یہی سبب ہے کہ اس سے فہم قاصر ہیں۔
لیکن جس کی بصیرت قوی ہو وہ اپنے اعتدال کی حالت میں صرف اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور اس کے غیر کو نہیں جانتا
ہ جانتا ہے کہ (حقیقی) وجود تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس کے افعال اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار ہیں پس یہ اس کے
ابع ہیں لہٰذا حقیقی وجود اس کے علاوہ کسی کا نہیں وجود تو صرف اسی ایک حق ذات کا ہے جس کے ساتھ تمام افعال کا وجود
ائم ہے

اور جس شخص کی یہ حالت ہو وہ کسی بھی فعل کو دیکھتا ہے تو اس میں اس کے فاعل کو دیکھتا ہے اور فعل سے
نی توجہ کو ہٹا دیتا ہے آسمان، زمین، حیوان اور درخت کو ان کی حیثیت سے نہیں بلکہ فاعل کے حوالے سے دیکھتا ہے
ذریعہ کہ یہ تمام چیزیں ایک ذاتِ حق کی صنعت و کاریگری ہے اس کی نظر غیر خدا کی طرف نہیں جاتی جس طرح کوئی شخص
سی انسان کی شعر گوئی یا اس کے خط یا اس کی تصنیف کو دیکھے اور اس میں شاعر یا مصنف کی طرف نظر ہو وہ یہ
یکھے کہ یہ اس کے اثرات ہیں یہ نہیں کہ یہ دوات ہے، روشنائی ہے، پٹھکڑی ہے (یعنی سیاہی قلم دوات پر نظر نہیں
اتی) تو ظاہر بات ہے کہ اس شخص کی نظر مصنف کے غیر کی طرف نہیں ہوتی یہ تمام جہاں اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے پس
ہ شخص اس کی طرف اس طریقے پر دیکھتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اسی حوالے سے اسے جانتا ہے اور فعل
ہ دی ہونے کی بنیاد پر اس سے محبت کرتا ہے تو اس کی نظر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے اسی کا عارف ہوتا ہے اور
ی کا محب ہوتا ہے اور سچا موحد وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ دیکھے بلکہ اپنے نفس کو بھی اس حیثیت سے نہ
یکھے کہ وہ اس کا نفس ہے ہاں اس کو اللہ تعالیٰ کے بندے کے طور پر دیکھے۔ اسی بات کو فنافی التوحید کہتے ہیں اور
یسا شخص اپنے نفس سے فانی کہلاتا ہے اور جس بزرگ نے یہ فرمایا کہ "ہم اپنے ساتھ تھے اور اپنے آپ سے فنا
ہ گئے اور اپنے آپ کے بغیر رہ گئے" تو ان کا یہ قول اسی بنیاد پر ہے۔

تو یہ امور اصحابِ بصیرت کے ہاں معلوم ہیں لیکن جن لوگوں کی سمجھ اس سے قاصر ہے ان کے نزدیک یہ امور مشکل
یں اور بڑے بڑے علماء اس کی وضاحت اس قسم کی عبارت سے نہیں کر سکتے جس سے ان کو غرض سمجھ آ جائے پھر یہ کہ
ہ اپنی اپنی ذاتوں میں مصروف ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ بات دوسروں کے سامنے ذکر کرنا مفید نہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے لوگوں کے افہام کی کوتاہی کا سبب یہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ وہ
ام مدرکات جو اللہ تعالیٰ پر شاہد ہیں انسان بچپن میں بے عقلی میں ان کا ادراک کرتا ہے پھر آہستہ آہستہ عقل ظاہر ہوتی ہے
ر اس وقت وہ اپنی خواہشات میں ڈوبا ہوتا ہے اور مدرکات و محسوسات سے مانوس ہو جاتا ہے اور اس طویل
نس کی وجہ سے ان مدرکات کی وقعت اس کے دل سے گر جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب وہ کسی عجیب و غریب حیوان یا
بزی کو دیکھتا ہے یا اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل دیکھتا ہے جو عادت کے خلاف اور عجیب ہو تو طبعی طور پر اس کی زبان سے

marfat.com

معرفت سرزد ہوتی ہے اور وہ "سُبحان اللہ" کہتا ہے وہ تمام دن اپنے نفس، اعضاء اور ان تمام حیوانات کو دیکھتا ہے جو سے اسے الفت و اُنس ہے اور یہ تمام کے تمام قطعی شہادت دیتے ہیں لیکن ان سے اُنس کی وجہ سے وہ اس بار کو محسوس نہیں کرتا۔

اگر کوئی مادر زاد اندھا فرض کیا جائے جو عقل مند ہونے کی صورت میں بالغ ہو پھر اس کی آنکھ کھل جائے اور وہ آسمان درختوں، سبزیوں اور حیوانات کو اچانک ایک بار دیکھ لے تو اس بات کا ڈر ہوگا کہ کہیں اس کی عقل چلی نہ جائے کیوں کہ اسے اپنے خالق پر ایسی شہادت دیکھ کر تعجب ہوگا۔ تو یہ تمام اسباب اور ان کے ساتھ ساتھ خواہشات میں انہماک مخلوق پر انوارِ معرفت کے ساتھ روشنی کے حصول کی راہ بند کر دیتا ہے پس اس کے سمندروں میں سیاحت و ہے اور لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت طلب کرنے میں اس مدہوش شخص کی طرح ہیں جس کی مثال یوں دی جاتی ہے کہ وہ گدھے پر سوار ہو کر گدھے کو تلاش کرتا ہے اور روشن امور جب مطلوب بن جاتے ہیں تو مشکل ہو جاتے ہیں تو اس امر کا راز یہ ہے اس کی تحقیق کی جائے۔

اسی لیے کہا گیا ہے۔

فَقَدْ ظَهَرَتْ فَمَا تَخْفٰى عَلٰى اَحَدٍ اِلَّا عَلٰى اَكْمَهٍ لَا يَعْرِفُ الْقَمَرَا لٰكِنْ بَطَنْتَ بِمَا اَظْهَرْتَ مُحْتَجِبًا فَكَيْفَ يُعْرَفُ مَنْ بِالظُّهْرِ قَدْ سَتَرَا۔

بے شک وہ ظاہر ہے کسی پر مخفی نہیں البتہ جو پیدائشی اندھا ہو جو چاند کو نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن ظہور ہی تیرا پردہ ہو گیا تو جس کی شہرت ہی اس کا پردہ ہو وہ کیسے معلوم ہوگا۔

فصل ۵:

شوق خداوندی کا مفہوم

جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا منکر ہے وہ شوق کی حقیقت سے لازماً انکار کرے گا کیوں کہ شوق کا تصور محبوب کے بغیر نہیں ہوتا اور ہم ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا شوق ضرور ہوتا ہے اور اس سلسلے میں عارف مجبور ہوتا ہے یہ بات انوار بصیرت کے ذریعے نظر کرنے اور اخبار و آثار سے ثابت ہے پہلے طریقے یعنی غور و فکر کرنے کے سلسلے میں اتنی بات ہی کافی ہے جو ثبوت محبت کے سلسلے میں گزر چکی ہے کیوں کہ محبوب کے غائب ہونے کی صورت میں اس کا اشتیاق ضرور ہوتا ہے لیکن جو محبوب حاصل و حاضر ہو اس کا شوق نہیں ہوتا کیوں کہ شوق کسی چیز کی طلب کا نام ہے اور جو چیز موجود ہو اسے تلاش نہیں کیا جاتا لیکن شوق کا تصور صرف ایسی چیز میں ہوتا ہے جس کا ادراک کسی وجہ سے ہو سکتا ہو اور کسی وجہ سے نہ ہو۔ لیکن جس چیز کا ادراک بالکل نہ ہو سکتا ہو اس کا شوق نہیں ہوتا۔ اگر کسی شخص نے دوسرے آدمی کو نہ دیکھا اور نہ سُنا ہو تو اس کا شوق نہیں ہوتا اور جس چیز کا ادراک مکمل طور پر ہو جائے اس کا شوق بھی نہیں ہوتا اور کمالِ ادراک دیکھنے سے ہوتا ہے

marfat.com

ں جو شخص اپنے محبوب کو ہمیشہ دیکھتا ہو اس کے لیے شوق متصور نہیں ہوتا البتہ شوق اس چیز سے متعلق ہوتا ہے جس ادراک کسی وجہ سے ہو سکے اور کسی وجہ سے نہ ہو سکے۔ مشاہدات میں سے اس کی مثال اس طرح ہے کہ مثلاً کسی شخص کا محبوب اس سے غائب ہو اور اس کے دل میں اس کا خیال باقی ہو تو اسے اس خیال کی تکمیل کے لیے دیکھنے کی ضرورت ہوگی پس اگر اس کے دل سے یہ خیال ختم ہو جائے اور اس کا ذکر اور معرفت وغیرہ سب مٹ جائیں حتیٰ کہ نسیاً منسیاً ہو جائے تو اس کے شوق کا تصور نہیں ہو سکتا۔

اور اگر وہ اسے دیکھ لے تو دیکھنے کے وقت شوق نہیں ہوگا کیوں کہ شوق کا معنیٰ یہ ہے کہ خیال کی تکمیل کے لیے ں میں اس کا اشتیاق پایا جائے اسی طرح بعض اوقات وہ اسے اندھیرے میں دیکھتا ہے کہ اس کی صورت حقیقتاً ثت نہیں ہوتی تو وہ تکمیلِ دیدار کا مشتاق ہوتا ہے اور اسی صورت میں انکشافِ تام ہوتا ہے جب اس پر روشنی چمکے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ محبوب کے چہرے کو دیکھے لیکن اس کے بال نہ دیکھے اور نہ اس کے تمام محاسن کو ہا ہو تو اس کو دیکھنے کا شوق ہوتا ہے اگرچہ ان محاسن کو کبھی نہ دیکھا ہو اور نہ ہی دیکھنے کے بعد نفس میں کوئی خیال ثابت ہو لیکن وہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی ایک عضو یا تمام اعضاء خوبصورت ہیں اور دیکھنے کے ذریعے اس جمال کی تفصیل ہا نہیں ہوئی تو اس کو شوق ہوتا ہے کہ جس چیز کو اس نے بالکل نہیں دیکھا وہ اس کے سامنے ظاہر ہو۔

اللہ تعالیٰ کے حق میں ان دونوں صورتوں کا تصور ہو سکتا ہے بلکہ یہ دونوں تمام عارفین کے لیے لازم ہیں کیوں کہ عارفین ے لیے جو امور الٰہیہ واضح ہوتے ہیں اگرچہ وہ بہت زیادہ واضح ہوں لیکن پھر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا باریک پردے ے پیچھے سے دیکھا ہے پس وہ بہت زیادہ واضح نہیں ہوتے بلکہ ان میں تخیلات کا شائبہ ہوگا کیوں کہ اس عالم میں ومات کے لیے خیالات تمثیل اور حکایت سے خالی نہیں ہوتے اور عارف کے لیے اس کے مزے میں تلخی پیدا کر دیتے ا اسی طرح دنیوی مشاغل بھی ان سے مل جاتے ہیں اور مکمل طور پر واضح تو مشاہدے اور پوری تجلی کی صورت میں ہوتے ہیں یہ بات صرف آخرت میں ہوتی ہے اور اس سے لازماً شوق جنم لیتا ہے اور عارفین کے محبوب کی انتہا یہی ہے تو شوق کی ا قسم یہ ہے یعنی جس چیز کا شوق ہوا تھا وہ مکمل طور پر واضح ہو جائے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ امور الٰہیہ کی کوئی انتہا نہیں ہر بندے کے لیے ان میں سے بعض منکشف ہوتے ہیں اور بے شمار پوشیدہ رہ جاتے ہیں اور عارف کو ان کے وجود کا بھی علم ہوتا ہے اور وہ اس بات کو بھی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ امور م ہیں اور اسے اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ معلومات میں سے جو امور اس کے علم میں نہیں آ سکے وہ بے شمار ہیں ا اسے ہمیشہ شوق رہتا ہے یہاں تک کہ وہ باقی معلومات جو ابھی تک حاصل نہیں ہوئیں ان کی اصلِ معرفت حاصل ہو جائے ا کان کا علم نہ تو واضح طور پر ہوا اور نہ مجمل طریقے سے ——

پہلا شوق تو آخرت میں پایۂ تکمیل کو پہنچے گا یعنی وہ حالت حاصل ہوگی جسے رؤیت (دیکھنا) ملاقات اور مشاہدہ کہتے ہیں۔

marfat.com

دنیا میں اس کا تصور ممکن نہیں حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ مشتاق لوگوں میں سے تھے فرماتے ہیں میں نے ایک دن
کیا اے میرے رب! اگر تو مشتاقین کو اپنی ملاقات سے پہلے ایسی چیز عطا کرتا ہے جس سے اس کے دل کو سکون
تو مجھے بھی عطا فرما یا مجھے اضطراب نے بہت پریشان کر رکھا ہے، فرماتے ہیں پھر میں نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ
مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور فرمایا اے ابراہیم! کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ تو مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں تجھے ملاقات
پہلے ایسی چیز دوں جس سے تجھے سکونِ قلب حاصل ہو کیا شوق رکھنے والے کو محبوب کی ملاقات سے پہلے سکون
میں نے عرض کیا اے میرے رب! میں تیری محبت میں حیرت زدہ تھا مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ میں کیا کہوں مجھے بخش دے اور
دے کہ میں کیا کہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا یوں کہو۔

اَللّٰهُمَّ رَضِّنِيْ بِرِضَائِكَ وَصَبِّرْنِيْ عَلٰى بَلَائِكَ وَاَوْزِعْنِيْ شُكْرَ نَعْمَائِكَ۔

یا اللہ! مجھے اپنی رضا پر راضی رکھ اپنی آزمائشوں پر صبر عطا کر اور اپنی نعمتوں کے شکر کی توفیق عطا فرما۔

کیوں کہ یہ شوق تو آخرت میں ختم ہو گا۔

جہاں تک دوسرے شوق کا تعلق ہے تو وہ اس لائق ہے کہ دنیا اور آخرت میں اس کی کوئی انتہا نہ ہو کیوں کہ اس
نہایت یہ ہے کہ بندے کے لئے آخرت میں اللہ تعالیٰ کا جلال، اس کی صفات، اس کی حکمت اس کے افعال اور معلو
خداوندی منکشف ہوں اور یہ محال ہے کیوں کہ اس کی کوئی انتہا نہیں اور بندے کو ہمیشہ یہی معلوم ہو گا کہ جمال و جلال
ابھی کچھ باقی ہے جو اس کے لیے واضح نہیں ہوا تو اس کا شوق بالکل ختم نہیں ہو گا خاص طور پر وہ شخص جو اپنے درجہ
اور پر کئی درجات دیکھتا ہے، ہاں اصل وصال حاصل ہونے کے بعد اس کی تکمیل مطلوب ہوتی ہے تو وہ اس کے لیے لذیذ
پاتا ہے جس میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور یہ بات بعید نہیں کہ کشف و نظر کے الطاف مسلسل اور بے انتہا ہوں پس
لذت ہمیشہ بڑھتی رہتی ہے اور لطف و کرم کی یہ نئی نئی لذتیں اس چیز کے شوق سے جو حاصل نہیں ہوتی، بے فکر کر دیتی ہیں
یہ بات اس شرط کے ساتھ ہے کہ جس چیز کا کشف دنیا میں بالکل نہیں ہوا اس کے کشف کا حصول ممکن ہو اگر ایسا نہ ہو
تو راحت و لذت ایسی حد پر ٹھہر جائے گی کہ اس سے نہیں بڑھے گی ہاں ہمیشہ جاری رہے گی اور اس ارشاد خداوندی کا
اس بات کا احتمال ہے۔

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ (۱)

ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہے وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمارے لیے ہمارے نور کو مکمل کر دے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ تحریم آیت ۸

marfat.com

یعنی اگر دنیا میں اصل نور ہو گا تو وہ قیامت کے دن پورا کیا جائے گا یہ بھی احتمال ہے کہ نور کی تکمیل سے مراد یہ ہو کہ دنیا جو اس کی روشنی حاصل ہوئی وہ آخرت میں تکمیل کو پہنچے پورا ہونے کا یہی مطلب ہو،

اور ارشاد خداوندی ہے :

اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا۔ (۱)

ہمیں ایک نگاہ دیکھو ہم تمہارے نور سے کچھ حصہ لیا کہا جائے گا اپنے پیچھے لوٹو وہاں نور ڈھونڈو۔

یہ اس بات پر دلالت ہے کہ دنیا میں اصل نور کا سرمایہ پاس ہو پھر وہ آخرت میں خوب چمکے گا، یہ نہیں کہ نیا نور ہو گا نم کی باتوں میں تخمینے سے بات کہنا خطرناک ہے اس سلسلے میں ہمیں ابھی تک کوئی یقینی بات نہیں ملی ہم اللہ تعالیٰ سے رتے ہیں کہ وہ ہمارے علم اور ہدایت میں اضافہ فرمائے اور حق کا حق ہونا ہم پر ظاہر فرمائے پس حقائق شوق اور معانی کے کشف کے لیے انوارِ بصیرت میں سے اس قدر کافی ہے۔

جہاں تک اخبار و آثار سے حاصل ہونے والے شواہد کا تعلق ہے تو وہ شمار سے زیادہ ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ یہ دعا معروف ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ وَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰى وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَائِكَ (۲)

یا اللہ! میں تجھ سے قضا کے بعد رضا موت کے بعد خوش عیشی اور تیری کریم ذات کے دیدار کی لذت اور تیری ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھے تورات کی کوئی خاص آیت بتائیں انہوں نے فرمایا فرماتا ہے نیکو کار لوگوں کو میری ملاقات کا بہت زیادہ شوق ہے اور میں ان سے ملاقات اس سے بھی زیادہ شائق ہوں اس آیت کے قریب یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ جو شخص مجھے تلاش کرے گا وہ مجھے پالے گا اور جو میرے غیر کو تلاش کرے ے نہیں پا سکتا حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ بات میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سنی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی روایات میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے داؤد علیہ السلام! میری زمین والوں تک پہنچا دیں کہ میں اس شخص کا حبیب ہوں جو مجھ سے محبت کرتا ہے جو میرے پاس بیٹھتا ہے میں اس کا جلیس (ہمنشین) میرے ذکر سے مانوس ہو میں اس کا مونس ہوں جو میرا ساتھی بننے میں اس کا ساتھی ہوں جو مجھے اختیار کرے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حدید آیت ۱۳

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۲۱۹ حدیث ۷۲۵۰

marfat.com

میں اسے اختیار کروں گا جو میری اطاعت کرے میں اس کی بات مانوں گا جو شخص قلبی یقین کے ساتھ مجھ سے محبت کرتا
میں اسے اپنی ذات کے لیے قبول کرتا ہوں اور اس سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس سے آگ
نہیں بڑھتا جو شخص سچی طلب کے ساتھ مجھے تلاش کرتا ہے وہ مجھے پا لیتا ہے اور جو میرے غیر کو ڈھونڈتا ہے وہ
مجھے نہیں پا سکتا اے زمین والو! تم جس دھوکے میں ہو اسے چھوڑ دو میری کرامت، صحبت اور میری مجلس کی طرف آؤ تم
سے اُنس حاصل کرو میں تمہارے ساتھ اُنس رکھوں گا اور تمہاری محبت کی طرف جلدی کروں گا میں نے اپنے دوستوں کو
خمیر اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ہم کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اپنے منتخب بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کے خمیر سے پیدا کیا ہے مشتاق لوگوں کے دلوں کو اپنے نور سے پیدا کیا اور اپنے جلال سے ان کی پرورش
بعض اسلاف سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی صدیق بندے کی طرف الہام فرمایا کہ میرے کچھ بندے
سے محبت کرتے ہیں اور میں ان سے محبت کرتا ہوں وہ میرا شوق رکھتے ہیں اور میں ان کا مشتاق ہوں وہ مجھے یاد کرتے
اور میں ان کو یاد کرتا ہوں وہ مجھے دیکھتے ہیں اور میں ان کو دیکھتا ہوں اگر تو ان کے طریقے پر چلے تو میں تجھ سے بھی محبت
کروں گا اور اگر ان کی راہ سے رُوگردانی کرے گا تو میں تجھ سے ناراض ہوں گا، پوچھا اے میرے رب! ان کی علامت
کیا ہے؟ فرمایا وہ دن کے وقت سائے کو یوں دیکھتے ہیں جس طرح شفیق چرواہا اپنی بکریوں کو دیکھتا ہے اور غروب
آفتاب کو اس طرح مشتاق ہوتے ہیں جیسے پرندہ اس وقت اپنے گھونسلے کا مشتاق ہوتا ہے پھر جب ان
پر رات چھا جاتی ہے اور اندھیرا ہو جاتا ہے بستر بچھ جاتے ہیں اور تخت بچھائے جاتے ہیں اور ہر محب اپنے محبوب
کے پاس چلا جاتا ہے تو وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور پیشانی بچھا لیتے ہیں میرے کلام کے ساتھ مجھ سے سرگوشی
کرتے ہیں اور میرے انعام کے باعث میری خوشامد کرتے ہیں کوئی چیختا اور روتا ہے کوئی آہیں بھرتا اور شکوہ کرتا
کوئی قیام میں ہے تو کوئی قعدہ کر رہا ہے کوئی حالتِ رکوع میں ہے تو کوئی سجدے کی حالت میں ہے وہ میری رضا
حصول کے لیے جو مشقت اٹھاتے ہیں میں اسے دیکھتا ہوں اور میری محبت میں جو شکوہ و شکایت کرتے ہیں میں ا
سنتا ہوں۔

میں ان کو سب سے پہلے جو کچھ دوں گا وہ تین چیزیں ہیں۔

(۱) اپنا نور ان کے دل میں ڈالوں گا تو وہ میرے بارے میں خبر دیں گے جیسے میں ان کے بارے میں خبر دیتا ہوں

(۲) اگر آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے، ان کے وزن کے مقابلے میں ہوگی تو میں اسے ان کی نظروں میں کم کر دوں

(۳) میری رحمت ان کی طرف متوجہ ہوگی تو کسی کو معلوم ہے کہ میں جس کی طرح متوجہ ہوں اسے کیا دیتا ہوں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعات میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجتے ہوئے فرمایا اے داؤد
علیہ السلام! آپ کب تک جنت کا ذکر کرتے رہیں گے اور مجھ سے میرے شوق کا سوال نہیں کریں گے آپ نے عرض

ند! تیرا شوق رکھنے والے لوگ کون ہیں ؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ میرا شوق رکھتے ہیں میں نے ان کے دلوں کو ہر
ی کدورت سے پاک کر دیا ہے اور ان کو ہر خوف سے آگاہ کر دیا ہے ان کے دلوں میں اپنی طرف ایک سوراخ بنا
یا ہے کہ وہ مجھے دیکھتے ہیں میں ان کے دلوں کو اپنے دستِ قدرت سے اٹھا کر اپنے آسمان پر رکھ دیتا ہوں پھر اپنے
فرشتوں کو بلاتا ہوں جب وہ جمع ہو جاتے ہیں تو میرے لیے سجدہ کرتے ہیں میں کہتا ہوں میں نے تمہیں اس لیے
بلایا کہ مجھے سجدہ کرو بلکہ اس لیے بلایا ہے کہ تمہارے سامنے اپنے مشتاق بندوں کے دل پیش کروں اور
کے باعث تم پر فخر کروں ان کے دل میرے آسمان میں فرشتوں کو اس طرح نور دیتے ہیں جس طرح سورج زمین
ں کو روشنی دیتا ہے۔

اے داؤد علیہ السلام ! میں نے مشتاق لوگوں کے دلوں کو اپنی رضا سے بنایا اور اپنے چہرے کے نور سے
یا کہ اس کے شایانِ شان ہے) ان کو زینت دی ان کو اپنی ذات کے لیے بات کرنے والا بنایا اور ان کے بدنوں
ں میں اپنی نظر کا مرکز بنایا نیز ان کے دلوں سے ایک راستہ بنایا جس کے ذریعے وہ مجھے دیکھتے ہیں اور ہر دن ان
رق بڑھتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! مجھے اپنے اہل محبت لوگ دکھا دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا
ے داؤد علیہ السلام ! لبنان کے پہاڑ میں جاؤ وہاں چودہ آدمی ہیں جن میں نوجوان بھی ہیں اور بوڑھے بھی جب ان کے
جائیں تو ان کو میرا سلام کہیں اور ان سے کہیں کہ تمہارا رب تمہیں سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا تم اپنی حاجت کا سوال
کرتے تم تو میرے محبوب، پسندیدہ اور دوست ہو میں تمہاری خوشی پر خوش ہوتا ہوں اور تمہاری محبت کے لیے
کرتا ہوں۔

چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے تو ان کو ایک چشمے کے پاس دیکھا وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت
ر و فکر کر رہے تھے انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دیکھا تو ان سے دور ہونے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے
حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا میں تمہارے
س لیے آیا ہوں کہ تمہیں تمہارے رب کا پیغام پہنچاؤں چنانچہ وہ آپ کی طرف متوجہ ہو گئے اور آپ کی بات غور سے
گے نیز انہوں نے اپنی نگاہوں کو جھکا لیا حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس
لے کر آیا ہوں اللہ تعالیٰ تمہیں سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کیا تم مجھ سے اپنی حاجت کا سوال نہیں کرتے کیا تم مجھے
پکارتے کہ میں تمہاری آواز اور کلام سنوں بے شک تم میرے محبوب منتخب بندے اور میرے دوست ہو میں تمہاری
پر خوش ہوتا ہوں اور تمہاری محبت میں جلدی کرتا ہوں اور ہر گھڑی تمہاری طرف یوں دیکھتا ہوں جیسے شفیق مہربان
دیکھتی ہے یہ سن کر ان کے آنکھوں سے آنسو چہروں پر بہنے لگے ان کے شیخ نے کہا یا اللہ! تو پاک ہے تو

پاک ہے ہم تیرے بندے اور تیرے بندوں کے بیٹے ہیں ہمارے دلوں سے تیرے ذکر میں جو کوتاہی ہوتی ہے اسے معاف فرمادے۔

دوسرے نے کہا یا اللہ! تو پاک ہے تو پاک ہے ہم تیرے بندے اور تیرے بندوں کی اولاد ہیں ہمارے اور تیرے درمیان جو معاملہ ہے اس میں ہم پر نظر رحمت فرما۔ تیسرے نے کہا تو پاک ہے تو پاک ہے ہم تیرے بندے اور تیرے بندوں کی اولاد ہیں کیا ہم دعا کی جرأت کریں تو جانتا ہے کہ ہمیں اپنے کسی کام کی حاجت نہیں تو ہم پر احسان فرما کہ ہمیں ہمیشہ اپنے راستے پر رکھے اور اس طرح ہم پر احسان فرما چوتھے نے کہا یا اللہ ہم تیری رضا کی طلب میں کوتاہی کرنے والے ہیں اپنے جود و کرم سے ہماری مدد فرما۔

پانچویں نے کہا تو نے ہمیں مادہ منویہ سے پیدا فرمایا اور اپنی عظمت میں غور و فکر کے ذریعے ہم پر احسان فرمایا جو شخص تیری عظمت میں مشغول اور تیرے جلال میں غور و فکر کرنے والا ہو گیا وہ کلام کی جرأت کر سکتا ہے ہم تو تیرے نور کا قرب مانگتے ہیں۔

چھٹے شخص نے کہا ہماری زبانیں تجھ سے دعا کرنے کی طاقت نہیں رکھتیں کیوں کہ تیری شان عظیم ہے، تو اپنے اولیاء کے قریب ہے اور اہل محبت پر تیرے بے شمار احسانات ہیں۔

ساتویں بزرگ نے کہا (یا اللہ!) تو نے ہمارے دلوں کو اپنے ذکر کی ہدایت دی اور اپنی ذات میں مشغولیت کے لیے تو نے ہمیں فراغت عطا فرمائی پس تیرا شکر ادا کرنے میں ہم سے جو کوتاہی ہوئی ہے اسے معاف کر دے آٹھویں نے کہا تو ہماری حاجات کو جانتا ہے اور وہ تیرا دیدار ہے۔

نویں شیخ نے کہا یا اللہ! غلام اپنے آقا پر کیسے جرأت کر سکتا ہے لیکن چونکہ تو نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں دعا کا حکم دیا ہے تو یا اللہ تو ہمیں ایسا نور عطا فرما کہ اس کے ذریعے ہمیں آسمان کے طبقات میں اندھیروں میں راستہ ملے۔

دسویں بزرگ نے کہا ہم تجھ سے دعا کرتے ہیں کہ تو ہماری طرف توجہ فرما اور ہمیں ہمیشہ تیرا قرب حاصل رہے۔

گیارہویں بزرگ نے کہا یا اللہ! تو نے ہمیں جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔

اور ہم پر فضل کیا ہم ان کی تکمیل کا سوال کرتے ہیں۔

بارھویں بزرگ نے کہا ہمیں تیری مخلوق سے کسی قسم کی حاجت نہیں ہے تو ہمیں اپنے دیدار کی دولت عطا فرما۔

تیرھویں بزرگ نے کہا یا اللہ! تو مجھے دنیا اور دنیا داروں کو دیکھنے سے نابینا کر دے اور میرے دل کو آخرت (کے معاملے) میں مشغول کر دے۔

چودھویں بزرگ نے کہا یا اللہ! مجھے معلوم ہے تو بلند اور بابرکت ذات ہے تو اپنے دوستوں سے محبت کرتا ہے یا اللہ تو مجھ پر یوں احسان فرما کہ میرا دل سب کچھ چھوڑ کر تیری ذات میں مشغول ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ ان سے کہہ دیں میں نے تمہارا کلام سنا اور جو کچھ تمہیں پسند ہے

marfat.com

میں نے قبول کیا پس تم میں سے ہر ایک دوسرے ساتھی سے جدا ہو جائے اور اپنے لیے زمین میں تہہ خانہ بنالے کیونکہ میں اپنے اور تمہارے درمیان سے پردہ اٹھانے والا ہوں تاکہ تم میرے نور اور جلال کو دیکھ سکو۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! یہ لوگ کس طرح اس درجے کو پہنچے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! انہوں نے میرے بارے میں اچھا گمان کیا نیز دنیا اور دنیا داروں سے کنارہ کشی اختیار کر کے میرے لیے خلوت اختیار کی اور مجھ سے مناجات کرتے رہے اس منزل کو وہی شخص پا سکتا ہے جو دنیا اور دنیا والوں کو چھوڑ دے اور ان کے ذکر میں سے کسی بات میں مشغول نہ ہو نیز اپنے دل کو میرے لیے فارغ کر دے اور تمام مخلوق کے مقابلے میں مجھے اختیار کرے اس وقت میں اس پر لطف و کرم کی بارش برساتا ہوں اس کے نفس کو فارغ کرتا ہوں اور اپنے اور اس کے درمیان قائم حجاب کو دور کر دیتا ہوں حتیٰ کہ وہ مجھے اس طرح دیکھتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنی آنکھ سے کسی چیز کو دیکھتا ہے میں اسے ہر وقت اپنی کرامت دکھاتا ہوں اور اسے اپنے نورِ ذات کے قریب کرتا ہوں اگر وہ بیمار ہو جائے تو میں اس کی تیمارداری اس طرح کرتا ہوں جس طرح شفیق ماں اپنے بیٹے کی تیمارداری کرتی ہے اگر وہ پیاسا ہوتا ہے تو میں اسے سیراب کرتا ہوں اسے اپنے ذکر کا ذائقہ چکھاتا ہوں اے داؤد علیہ السلام! جب میں اس کے ساتھ یوں کرتا ہوں تو اس کا نفس دنیا اور اہلِ دنیا سے اندھا ہو جاتا ہے اور میں اس دنیا کو اس کا محبوب نہیں بناتا وہ میرے ساتھ مشغولیت میں کمی نہیں کرتا اور میری طرف آنے کی جلدی کرتا ہے میں اس کی موت کو ناپسند کرتا ہوں کیونکہ یہ شخص لوگوں کے درمیان میری نظر کا محل ہے وہ میرے غیر کو نہیں دیکھتا اور میں اس کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا اے داؤد علیہ السلام! اگر آپ اسے دیکھیں تو اس کا نفس گھل گیا جسم لاغر ہو گیا اور اعضاء ٹوٹ گئے ہیں جب وہ میرا ذکر سنتا ہے تو اس کا دل ٹھکانے پر نہیں رہتا میں فرشتوں اور آسمان والوں کے سامنے اس پر فخر کرتا ہوں تو اس کا خوف اور عبادت بڑھ جاتی ہے۔

اے داؤد علیہ السلام! مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے میں اسے جنت الفردوس میں بٹھاؤں گا اور اپنے دیدار سے اس کے سینے کو شفا دوں گا حتیٰ کہ وہ راضی ہو جائے بلکہ رضا سے بھی اوپر کا مقام حاصل ہو گا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی روایات و حکایات میں یہ بھی ہے کہ میرے ان بندوں سے فرما دیں جو میری طرف متوجہ ہیں کہ اگر میں مخلوق سے پوشیدہ رہوں اور اپنے اور تمہارے درمیان سے پردہ اٹھا دوں حتیٰ کہ تم مجھے اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھو تو اس میں تمہارا کیا نقصان ہے اور اگر میں تم سے دنیا کو لپیٹ دوں اور تمہارے لیے دین کو کشادہ کر دوں تو تمہارا کیا نقصان ہو گا اور جب تم میری رضا کے طالب ہو تو مخلوق کا ناراض ہونا تمہیں کیا نقصان پہنچائے گا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعات میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ کا خیال یہ ہے کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں اگر واقعی مجھ سے محبت کرتے ہیں تو اپنے دل سے دنیا کی محبت نکال دیں کیوں کہ میری

marfat.com

محبت اور دنیا کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی اے داؤد! مجھ سے خالص محبت کریں اور دنیا والوں سے یوں میل جول رکھیں کہ دین میں میری تقلید کریں اور دینی معاملات میں لوگوں کی تقلید نہ کریں ہاں ان کی جو بات میری محبت کے موافق ہو اسے اختیار کریں لیکن جو بات مشکل ہو تو اسے میرے حوالے کر دیں۔ میرے ذمۂ کرم پر لازم ہے کہ میں تیری سیاست اور درستگی کی طرف جلدی کروں میں تیرا قائد اور راہنما رہوں مانگنے کے بغیر آپ کو عطا کروں اور مشکلات میں آپ کی مدد کروں میں نے قسم کھائی ہے کہ صرف اسی بندے کو ثواب عطا کروں گا جس کی طلب و ارادہ سے مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ میرے سامنے عاجزی کرتا ہے اور مجھ سے بے نیازی اختیار نہیں کرتا۔

اے داؤد! اگر آپ ایسے ہوں گے تو میں آپ کے دل سے وحشت کو دور کر دوں گا اور آپ کے دل کو غنی کر دوں گا میں نے قسم کھائی ہے کہ میرا جو بندہ اپنے نفس پر مطمئن ہو کر اس کے افعال کو دیکھتا ہے تو میں اسے اس کے حوالے کر دیتا ہوں اشیاء کی نسبت میری طرف کیجئے آپ کے اعمال اس کے خلاف نہ ہوں ورنہ آپ مشقت میں پڑ جائیں گے اور آپ کے ہم مجلس آپ سے نفع نہیں اٹھا سکیں گے اور نہ ہی آپ میری معرفت کی کوئی حد پا سکیں گے کیوں کہ اس کی کوئی انتہا نہیں جب آپ مجھ سے زیادہ مانگیں گے تو میں آپ کو زیادہ دوں گا اور اس کی کوئی حد نہیں۔

پھر آپ بنی اسرائیل کو بتا دیں کہ میرے اور مخلوق کے درمیان کوئی رشتہ نہیں لہذا ان کی رغبت اور ارادہ ہی میرے نزدیک زیادہ ہونا چاہیئے تاکہ میں ان کو وہ چیز دوں جسے نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا خیال آیا مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیں اور دل کی نظر سے مجھے دیکھیں اور اپنے سر کی آنکھوں سے ان لوگوں کی طرف نہ دیکھیں جن کی عقلیں مجھ سے پردے میں ہیں تو انہوں نے ان کو تکبر میں ڈال دیا اور میں نے ان سے اپنے ثواب کو منقطع کر دیا ہے۔

میں نے اپنی عزت و جلال کی قسم کھائی ہے کہ میں اس شخص کے لیے ثواب کا دروازہ نہیں کھولوں گا جو میری اطاعت تجربے یا ٹال مٹول کے طور پر کرتا جن کو آپ سکھائیں ان کے لیے تواضع اختیار کریں اور عقیدت مندوں پر زیادتی نہ کریں اگر اہل محبت کو علم ہو جائے کہ مریدین کا میرے نزدیک کیا مقام ہے تو وہ ان کے لیے زمین بن جائیں تاکہ وہ ان پر چلیں۔

اے داؤد علیہ السلام! اگر آپ کسی مرید کو گئے سے نکال کر پاک صاف کر دیں تو میں آپ کو اپنے ہاں نہایت محنت کرنے والا لکھوں گا اور جس کو میں اپنے ہاں محنت کرنے والا لکھ دوں اس پر کوئی وحشت نہیں ہوتی اور نہ وہ مخلوق کا محتاج ہوتا ہے۔

اے داؤد علیہ السلام! میرے کلام کو مضبوطی سے اختیار کریں اپنے نفس کے لیے نفس سے ہی حصہ لیں اس میں سے کچھ ہرگز نہ دیں ورنہ میں اپنی محبت کو آپ سے پردے میں کر دوں گا۔ میرے بندوں کو میری رحمت سے ناامید نہ کرنا اور اپنی خواہش کو میرے لیے ترک کر دینا میں نے اپنی مخلوق میں سے کمزور لوگوں کے لیے خواہشات کو جائز قرار دیا ہے۔ مضبوط لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ خواہشات حاصل کریں اس طرح میری مناجات کی حلاوت کم ہو جائے گی مضبوط لوگ شہوت اختیار کریں تو

marfat.com

بری طرف سے ان کی ادنیٰ سزا یہ ہے کہ میں ان کی عقلوں پر اپنی طرف سے حجاب ڈال دوں گا کیوں کہ میں دنیا اور اس کی رتازگی کو اپنے محبوب بندوں کے لیے پسند نہیں کرتا۔

اے داؤد علیہ السلام! اپنے اور میرے درمیان کسی ایسے عالم کو ذریعہ نہ بنانا جو اپنی غفلت کے باعث تجھے میری بت سے حجاب میں کر دے یہ لوگ میرے مریدوں کے لیے راہزن ہیں شہوتوں کو چھوڑنے کے سلسلے میں ہمیشہ روزہ رکھیں روزے کو چھوڑنے کا تجربہ نہ کرنا کیوں میں دائمی رونے کو پسند کرتا ہوں۔

اے داؤد علیہ السلام! اپنے نفس کی دشمنی کر کے میرے محبوب بنیں اور اپنے نفس کو شہوت سے دور رکھیں تاکہ آپ کی طرف نظر کروں گا اور آپ دیکھیں کہ میرے اور آپ کے درمیان جو پردہ تھا وہ اُٹھ گیا ہے میں آپ کی خاطر رات اس لیے کر رہا ہوں کہ آپ میرے ثواب پر قادر ہو جائیں جب میں آپ پر ثواب کا احسان کروں اور میں آپ کو پ سے روک کر رکھتا ہوں کہ آپ میری عبادت میں رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے داؤد علیہ السلام! اگر روگردانی کرنے والوں کو معلوم ر میں کس طرح ان کا منتظر رہتا ہوں اور ان سے نرمی کرتا ہوں اور ان کے گناہوں کے ترک کے لیے کیسا مشتاق ں تو وہ میرے شوق میں مر جائیں اور میری محبت میں ان کے جوڑ ٹوٹ جائیں۔

اے داؤد علیہ السلام! جو لوگ مجھ سے پیٹھ پھیرتے ہیں ان کے لیے میرا یہ ارادہ ہے تو جو لوگ میری طرف متوجہ ہوتے ان کے ساتھ میرا کیا ارادہ ہوگا۔ اے داؤد علیہ السلام! میرا بندہ جب مجھ سے بے نیازی اختیار کرتا ہے تو اس وقت ے میری حاجت زیادہ ہوتی ہے اور جب وہ مجھ سے پیٹھ پھیرتا ہے تو اس وقت مجھے اس پر زیادہ رحم آتا ہے اور جب میری طرف رجوع کرتا ہے تو اس وقت وہ مجھے بہت بڑا معلوم ہوتا ہے۔

یہ روایات اور اس قسم کی مثالیں بے شمار ہیں جو محبت، شوق اور اُنس پر دلالت کرتی ہیں اور ان کے معانی کی بقت پہلے معلوم ہو چکی ہے۔

فصل نمبر ۱:

محبّت خداوندی اور اس کا مفہوم

قرآن مجید سے متواتر شواہد اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے محبت کرتا ہے لہٰذا اس کا ی معلوم کرنا ضروری ہے لیکن پہلے ہم محبت کے ثبوت سے متعلق شواہد ذکر کرتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

marfat.com

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ۔ (۱)

وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے راستے میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ (۳)

بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور وہ خوب پاک ہونے والوں کو چاہتا ہے۔

اسی لیے جن لوگوں نے دعویٰ کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا۔

قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ۔ (۴)

آپ فرما دیجئے (اگر تم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہو) تو وہ تمہیں تمہارے گناہوں پر عذاب کیوں دے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں۔

اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ تَعَالٰى عَبْدًا لَمْ يَضُرَّهٗ ذَنْبٌ۔ (۵)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔

آپ نے فرمایا۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ۔ (۶)

گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو،

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ۔ (۷)

بیشک اللہ تعالیٰ خوب توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ مائدہ آیت ۵۴

(۲) قرآن مجید، سورۃ الصف آیت ۴

(۳) قرآن مجید، سورہ بقرہ آیت ۲۲۲

(۴) قرآن مجید، سورۃ مائدہ آیت ۱۸،

(۵) الدر المنثور جلد اول ص ۲۶۱ تحت آیت ان اللہ یحب التوابین

(۶) سنن ابن ماجہ ص ۳۲۲، ابواب الزھد

(۷) قرآن مجید، سورۃ بقرہ آیت ۲۲۲

marfat.com

مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت رکھتا ہے تو مرنے سے پہلے اس کی توبہ کرلیتا ہے پس اسے گذشتہ گناہ نقصان نہیں دے سکتے اگرچہ زیادہ ہوں جس طرح اسلام قبول کرنے والے کو گذشتہ کفر نقصان نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے محبت کے لیے گناہوں کی بخشش کا بھی ذکر فرمایا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔ (۱)

آپ فرمادیں اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُّحِبُّ وَمَنْ لَّا يُحِبُّ وَلَا يُعْطِيْ الْاِيْمَانَ اِلَّا مَنْ يُّحِبُّ۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ دنیا اس شخص کو بھی دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے اور اسے بھی جس سے محبت نہیں کرتا لیکن ایمان صرف ان لوگوں کو عطا فرماتا ہے جن سے محبت کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ (۳) وَمَنْ اَكْثَرَ ذِكْرَ اللّٰهِ اَحَبَّهُ اللّٰهُ۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سربلندی عطا کرتا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پست کردیتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو اکثر یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهُ فَاِذَا اَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ بندہ مسلسل نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں پس جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان ہوجاتا ہوں جس

---

(۱) قرآن مجید سورۃ آل عمران آیت ۳۱

(۲) شعب الایمان جلد ۴ ص ۳۹۵ حدیث ۵۵۲۴

(۳) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۸۲ کتاب الادب

(۴) کنز العمال جلد ۱ ص ۴۲۵ حدیث ۱۸۲۸

marfat.com

الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ۔ سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ (۱)

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کی محبت میں اس مقام تک پہنچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔

محبت کے سلسلے میں جس قدر الفاظ آئے ہیں وہ بے شمار ہیں اور ہم نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت حقیقت ہے مجاز نہیں ہے کیوں کہ لغت میں محبت کا معنیٰ موافق چیز کی طرف میلانِ نفس ہے اور عشق اس خواہش کے غلبے اور بڑھ جانے کا نام ہے اور ہم نے بیان کیا ہے کہ احسان، نفس کے موافق ہوتا ہے اور جمال بھی اس کے موافق ہوتا ہے۔

نیز جمال اور احسان بعض اوقات ظاہری آنکھ سے اور بعض اوقات باطنی آنکھ سے دکھائی دیتے ہیں اور محبت ان دونوں کے پیچھے جاتی ظاہری آنکھ سے خاص نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت اس طرح ممکن نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر جتنے الفاظ بھی بولے جاتے ہیں تو خالق و مخلوق پر ان کا اطلاق ایک جیسا نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ لفظ وجود جس میں خالق و مخلوق کا اشتراک سب سے زیادہ ہے وہ بھی خالق و مخلوق پر ایک انداز میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ بھی ہے اس کا وجود اللہ تعالیٰ کے وجود کا فیضان ہے اور تابع کا وجود متبوع کے وجود کے مساوی نہیں ہوتا محض اطلاق لفظی میں برابری ہے اس کی مثال یوں سمجھیں کہ گھوڑے اور درخت دونوں کو جسم کہا جاتا ہے کیوں کہ جسمیت کا معنیٰ اور حقیقت دونوں میں ایک جیسی ہے یہ نہیں کہ ایک کا استحقاق ہو یعنی اس کے لیے لفظ جسم بطور اصل استعمال ہوتا ہو۔ اور ایک کی جسمیت دوسرے کی جسمیت کا فیضان ہو لیکن اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے لئے لفظ وجود کے اطلاق میں فرق ہے اور یہ فرق تمام ناموں میں ظاہر ہے جیسے علم، ارادہ اور قدرت وغیرہ تمام ناموں میں خالق اور مخلوق میں کوئی مشابہت نہیں ہے واضع لغت نے پہلے ان ناموں کو مخلوق کے لیے وضع کیا کیوں کہ عقل و فہم میں مخلوق پہلے آتی ہے پھر خالق کے حق میں ان کا استعمال بطور مجاز و استعارہ ہوا۔

محبت کا لغوی معنیٰ نفس کا ایسی چیز کی طرف میلان ہے جو اس کے مناسب و موافق ہو اور یہ اس نفس میں متصور ہو سکتی ہے جو اس کے نہ ملنے سے ناقص رہے اور جب وہ اسے مل جائے تو وہ کامل ہو جائے اور اس سے فائدہ اٹھائے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے کیوں کہ ہر کمال، جمال اور فضیلت اللہ تعالیٰ کو ہر وقت حاصل ہے اور ازل سے ابد تک واجب الحصول ہے نہ اس کے زوال کا تصور کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی جدت

---

(۱) میزان الاعتدال جلد اول ص ۶۴۱ حدیث ۲۴۶۳

marfat.com

کا، پس اللہ تعالیٰ کا غیر کی طرف نظر کرنا اس لیے نہیں کہ وہ اس کا غیر ہے بلکہ اس لیے کہ وہ اس کا فعل ہے لہٰذا وہ صرف اپنی ذات اور افعال کو دیکھتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وجود بھی صرف اس کی ذات اور افعال ہی کا ہے۔

اسی لیے حضرت شیخ ابو سعید مبنی رحمہ اللہ کے سامنے جب یہ آیت پڑھی گئی۔

یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ۔ (۱) وہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے اور وہ اس (اللہ تعالیٰ) سے محبت کرتے ہیں۔

تو آپ نے فرمایا اس کی محبت صحیح ہے کیوں کہ وہ اپنی ذات سے ہی محبت کرتا ہے یعنی وہی کُل ہے اور اس کے علاوہ کسی کا وجود نہیں اور جو صرف اپنی ذات اپنے افعال اور اپنی تصانیف سے محبت کرے تو اس کی محبت اس کی ذات اور توابع ذات سے تجاوز نہیں کرتی کیوں کہ وہ اس کی ذات سے ہی متعلق ہے تو گویا وہ صرف اپنے آپ سے محبت کرتا ہے اور بندوں سے اس کی محبت کے سلسلے میں جو الفاظ آئے ہیں تو ان کی تاویل یوں کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے دل سے پردہ اٹھا دیتا ہے حتیٰ کہ وہ اسے اپنے دل سے دیکھتا ہے نیز وہ بندے کو اپنے قریب کر دیتا ہے اور یہ اس کا ازلی ارادہ ہے پس جب اللہ تعالیٰ کی محبت کی نسبت اس کے ارادۂ ازلی کی طرف ہے کہ اس نے بندے کو قرب کے اس راستے پر چلنے کا ارادہ کیا تو معلوم ہوا کہ بندے سے اس کی محبت بھی ازلی ہے۔

اور جب اس محبت کی اضافت اس کے اس فعل کی طرف ہو جس کے ذریعے وہ بندے کے دل سے پردہ ہٹا دیتا ہے تو یہ حادث ہے کیوں کہ اس کا سبب بھی حادث ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بندہ مسلسل نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو نوافل کے ذریعے اس کا قرب اس کی باطنی صفائی اور دل سے حجاب کے اٹھ جانے کا سبب ہوتا ہے نیز اس طرح اسے اپنے رب کے قرب کا درجہ ملتا ہے پس یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کی وجہ سے ہے اور اس کی محبت کا یہی معنیٰ ہے اور اس بات کو سمجھنے کے لیے ایک مثال پیش کرنا ضروری ہے

مثلاً ایک بادشاہ کسی غلام کو اپنے قریب کرتا ہے اور اسے ہر وقت اپنے حضور میں حاضر ہونے کا حکم دیتا ہے کیونکہ بادشاہ کا اس کی طرف میلان ہے یا تو اس لیے کہ وہ اپنی طاقت کے ذریعے بادشاہ کی مدد کرے یا وہ اس کے مشاہدے سے راحت پائے یا اس سے مشورہ کر کے اس کی رائے حاصل کرے یا وہ اس کے لیے کھانے پینے کا سامان تیار کرے تو کہا جاتا ہے کہ بادشاہ اس سے محبت کرتا ہے یعنی بادشاہ کا اس کی طرف میلان ہے کیوں کہ اس میں موافق و مناسب معنیٰ پایا جاتا ہے اور بعض اوقات بادشاہ اپنے غلام کو مقرب بناتا ہے اور اسے پاس آنے سے نہیں

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مائدہ آیت ۵۴

marfat.com

رد کتا لیکن اس کا مقصد اس سے کوئی نفع لینا نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اس کے ذریعے طاقت حاصل کرتا ہے بلکہ اس کی وجہ اس غلام کا اچھے اخلاق کا مالک ہونا ہے اس میں ایسے اوصاف حمیدہ پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ بادشاہ کے قرب کے لائق ہو جاتا ہے اور اس کو قرب سے وافر حصہ ملتا ہے حالانکہ بادشاہ کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی پس جب بادشاہ اس کے اور اپنے درمیان سے حجاب اٹھا لیتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ بادشاہ تک پہنچ گیا اور اور اس کا محبوب ہو گیا۔

تو اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے ہے پہلے معنیٰ کے اعتبار سے نہیں اور دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے ہی مثال دینا بھی اس شرط کے ساتھ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں کچھ تبدیلی نہ سمجھی جائے کیوں کہ جو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے وہ اس کا قرب حاصل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جانوروں، درندوں اور شیطانوں سے دور ہے اور ان اچھے اخلاق سے موصوف ہو گیا ہے جو اخلاق خداوندی ہیں تو یہ صفت کے اعتبار سے قریب ہے مکان کے اعتبار سے نہیں۔

اور جو پہلے قریب نہ ہو اور اب قریب ہو جائے تو اس میں تبدیلی آگئی پس بعض اوقات اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ جب نیا قرب آتا ہے تو بندے اور رب دونوں کے وصف میں تبدیلی آجاتی ہے یعنی پہلے قریب نہ تھا اور اب قریب ہو گیا تو یہ بات اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ پر تبدیلی محال ہے بلکہ وہ تو ہمیشہ اسی کمال اور جلال پہ رہتا ہے جس پہ ازل میں تھا۔

اور اس بات کی مثال لوگوں کے باہم قرب کے حوالے سے بھی جا سکتی ہے مثلاً دو آدمی بعض اوقات ایک دوسرے کی طرف حرکت کر کے باہم قریب ہوتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک اپنی جگہ ٹھہرا رہتا ہے اور دوسرا حرکت کرتا ہے اور اس قرب میں ایک کے اندر تبدیلی آتی ہے دوسرے میں نہیں۔ بلکہ صفات کا معاملہ بھی اسی طرح ہوتا ہے مثلاً شاگرد علم و جمال میں کمال حاصل کر کے اپنے استاذ کے درجے کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے جب کہ استاذ اپنے کمال علم میں غیر متحرک ہوتا ہے وہ شاگرد کے درجہ کی طرف نزول نہیں کرتا بلکہ شاگرد حرکت کر کے جہالت کی پستی سے علم کی بلندی کی طرف ترقی کرتا ہے پس وہ مسلسل تبدیلی اور ترقی کی منازل طے کرتا ہے حتیٰ کہ اپنے استاذ کے قریب ہو جاتا ہے جب کہ استاذ میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ تو درجاتِ قرب میں بندے کی ترقی کو بھی اسی طرح سمجھنا چاہیے جب وہ اپنی صفات میں کامل ہو جائے علم کی تکمیل ہو جاتی ہے اور وہ حقائقِ امور کو جان لیتا ہے نیز شیطان اور خواہشات کے قلع قمع کے لیے اس میں قوت ثابت ہو جاتی ہے نیز بری خصلتوں سے اس کی پاکیزگی ظاہر ہو جاتی ہے تو وہ درجۂ کمال کے زیادہ قریب ہوتا ہے اور انتہائی درجہ کا کمال تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور ہر شخص جس قدر کمال حاصل کرتا ہے اسی قدر اسے قربِ خداوندی حاصل ہوتا ہے ہاں ایسا ہوتا ہے کہ بعض اوقات

ردِ استاذ کے قریب ہونے اس کے برابر ہونے بلکہ اس سے آگے بڑھنے پر بھی قادر ہوتا ہے لیکن یہ بات اللہ تعالیٰ
حق میں محال ہے کیوں کہ اس کے کمال کی کوئی انتہا نہیں جب کہ درجاتِ کمال میں بندے کے سلوک (چلنے) کی ایک
ہے وہ ایک محدود حد تک ہی پہنچتا ہے لہذا اس کے لیے مساوات کی کوئی طمع نہیں ہو سکتی۔

پھر قرب کے درجات بھی مختلف ہیں اور اس اختلاف کی کوئی انتہا نہیں کیوں کہ اس کمال کی بھی کوئی انتہا نہیں تو
ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا بندے سے محبت کرنا یہ ہے کہ وہ بندے سے دنیوی کدورتوں سے اس کے اندر کو صاف کر
اور اس کے دل سے پردہ ہٹا کر اسے اپنے قریب کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کا مشاہدہ اس طرح کرتا ہے گویا
دل سے دیکھ رہا ہے۔

جہاں تک بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا تعلق ہے تو وہ اس کا اس کمال کو پانے کی طرف میلان ہے جس
وہ مفلس ہے اور اس سے خالی ہے پس وہ لازماً اس چیز کا شوق رکھتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہے اور جب
ہیں سے کوئی چیز پا لیتا ہے تو اس سے لطف اندوز ہوتا ہے اور اس معنیٰ کے اعتبار سے شوق اور محبت اللہ تعالیٰ
لیے محال ہیں۔

سوال :۔

اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کا معاملہ مشتبہ ہے بندے کو کس طرح معلوم ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔

جواب :

اس بات کی کچھ علامتیں ہیں جن کے ذریعے معلوم ہو سکتا ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا اِبْتَلَاهُ فَإِذَا أَحَبَّهُ الْحُبَّ الْبَالِغَ اِقْتَنَاهُ۔

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے آزمائش میں ڈال دیتا ہے اور جب اس سے زیادہ محبت کرتا ہے تو اس کو چن لیتا ہے (اقتناہ کا لفظ فرمایا) عرض کیا گیا کہ اقتنا (چننا) کیا ہے فرمایا اس کے لیے مال و اولاد نہیں چھوڑتا ——

تو اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اسے غیر سے متنفر کر دے اور اس کے اور غیر کے درمیان
ہو جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ ہم آپ کی سواری کے لیے دراز گوش کیوں نہ خرید لیں! آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ
بات پسند نہیں ہے کہ وہ مجھے اپنی ذات کی مشغولیت سے ہٹا کر دراز گوش میں مشغول کر دے۔

ایک روایت میں ہے

marfat.com

اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا اِبْتَلَاہُ فَاِنْ صَبَرَ اِجْتَبَاہُ فَاِنْ رَضِیَ اِصْطَفَاہُ۔ (۱)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے پس اگر وہ صبر کرے تو اسے اپنا مجتبیٰ بنا دیتا ہے اور اگر راضی ہو تو اس کو اپنا مصطفیٰ (منتخب بندہ) بنا دیتا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں جب تم دیکھو کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو اور وہ تمہیں آزمائش میں ڈالتا ہے تو جان لو کہ تمہیں پاک صاف کرنا چاہتا ہے۔

کسی مرید نے اپنے استاذ (شیخ) سے کہا کہ مجھے کچھ محبت کا پتہ چل رہا ہے انہوں نے فرمایا اے بیٹے! کیا اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے سوا کسی دوسرے محبوب کی محبت میں مبتلا کیا ہے اور پھر تم نے اس پر اللہ تعالیٰ کو ترجیح دی ہے! اس نے کہا نہیں فرمایا پھر محبت کی طمع نہ کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ جس بندے کو اپنی محبت عطا فرماتا ہے اسے آزمائش میں بھی ڈالتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا جَعَلَ لَہٗ وَاعِظًا مِنْ نَفْسِہٖ وَزَاجِرًا مِنْ قَلْبِہٖ یَاْمُرُہٗ وَیَنْھَاہُ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کے نفس کو اس کا واعظ اور دل کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے والا بنا دیتا ہے وہ اسے (اچھے کاموں کا) حکم دیتا اور (برے کاموں سے) روکتا ہے)

اور ارشاد فرمایا۔

اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْرًا بَصَّرَہٗ عُیُوْبَ نَفْسِہٖ۔ (۳)

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے اس کے نفسانی عیوب پر مطلع کر دیتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کی محبت کی خاص علامت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرے یہ بات اللہ تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے۔

جہاں تک محبت خداوندی پر دلالت کرنے والے عمل کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ظاہری اور باطنی کاموں کا کفیل سمجھے اللہ تعالیٰ ہی اس کو مشورہ دینے والا، وہی کاموں کی تدبیر فرمانے والا اور وہی اس کے اخلاق کو

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۱ ص ۱۰۰، ۱۰۱ حدیث ۳۰۷۹۲

(۲) الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ص ۲۵۱ حدیث ۹۷۱

(۳) الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ص ۲۴۲ حدیث ۹۳۶

(۴) الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ص ۲۴۲ حدیث ۹۳۵

marfat.com

ینے والا ہے وہی اس کے اعضاء کو مصروف رکھتا اور اس کے ظاہر و باطن کو درست کرنے والا ہے وہی اس کے تمام روں کو سمیٹ کر ایک فکر بنا دیتا ہے اس کے دل میں دنیا سے نفرت ڈالتا ہے اور اپنے غیر سے بیگانہ کر دیتا ہے نیز دت میں مناجات کے ذریعے اُنس عطا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ ہی اس کے اور اپنے درمیان سے حجاب اٹھاتا ہے۔

تو اس قسم کی باتیں اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کی علامات ہیں اب ہم بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامات بیان رتے ہیں یہ علامات اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کی علامتیں بھی ہیں۔

فصل ۱۱:

بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامات

جان لو کہ محبت کا دعویٰ ہر شخص کرتا ہے لیکن دعویٰ تو آسان ہے اس پر عمل کرنا مشکل ہے لہٰذا انسان کو چاہیے وہ شیطان کے مکر و فریب اور نفس کے دھوکے میں آکر مغرور نہ ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرے جب علامات کے ذریعے نفس کا امتحان نہ لے اور اس سے دلائل کا مطالبہ نہ کرے محبت ایک ایسا درخت ہے جس کی جڑیں بوط و قائم ہیں اس کی شاخیں آسمانوں میں ہیں اور اس کا پھل دل، زبان اور اعضاء پر جاری ہوتا ہے اور یہ فیض بخش ر جو دل اور اعضاء پر اثر انداز ہوتے ہیں محبت پر اس طرح دلالت کرتے ہیں جس طرح دھواں آگ پر اور پھل درختوں پر ت کرتے ہیں ان علامات میں سے ایک یہ ہے کہ دار السلام میں محبوب کی ملاقات کشف و مشاہدہ کے طور پر چاہے اور ب اسے معلوم ہو کہ اس تک پہنچنے کے لئے موت کے ذریعے دنیا سے کوچ کرنا اور اسے چھوڑنا ضروری ہے تو اسے ہیئے کہ موت کو پسند کرے اس سے نہ بھاگے کیوں کہ محب اپنے وطن سے سفر کر کے محبوب کے ٹھکانے تک جانے کو بوجھ محسوس نہیں کرتا کیوں کہ وہ اس کے مشاہدے سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہے اور موت ملاقات کی چابی اور مشاہدہ ں داخلے کا دروازہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ۔ (۱) جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات چاہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند فرماتا ہے

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے وصال کے وقت فرمایا حبیب فقر پر آیا ہے جو پشیمان ہوگا وہ فلاح نہیں پائے گا۔

کسی بزرگ نے فرمایا بندے میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی چاہت کے بعد کثرتِ سجود سے بڑھ کر کوئی خصلت اللہ تعالےٰ پسند نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی چاہت کو سجدے سے مقدم کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے محبت میں سچائی کی

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۲ کتاب الرقاق

marfat.com

حقیقت کے لیے راہ خداوندی میں شہادت کو شرط قرار دیا ہے جب لوگوں نے دعویٰ کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہونے اور طلبِ شہادت کو اس محبت کی علامت قرار دیا ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کے راستے میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے،

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ۔ (۲)

وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑتے ہیں پس قتل کرتے اور شہید ہوتے ہیں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جو وصیت فرمائی تھی اس میں یہ بھی فرمایا۔ حق بات گراں ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود خوش گوار ہے اور باطل ہلکا ہے لیکن اس ہلکے پن کے باوجود ناموا ہے اگر آپ میری وصیت کی حفاظت کریں تو کوئی غائب چیز آپ کے نزدیک موت سے زیادہ پسند نہ ہوگی جو یقیناً آپ تک آنے والی ہے اور اگر آپ نے میری وصیت کو ضائع کر دیا تو کوئی بھی غائب چیز آپ کے نزدیک موت سے زیا ناپسندیدہ نہ ہوگی اور آپ اسے ٹال نہیں سکیں گے۔

حضرت اسحاق بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھ سے میرے والد نے بیان کیا کر اُحد کے دن حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کیا ہم اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کریں! چنانچہ وہ ایک طرف کو ہو گئے اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے یوں دعا مانگی۔

"اے میرے رب! میں تجھے قسم دے کر کہتا ہوں کہ کل جب میں دشمن کے مقابلے میں جاؤں تو میرا مقابلہ کسی سخت ہولناک اور غضب ناک آدمی سے ہو میں تیرے راستے میں اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے پھر وہ مجھے پکڑ کر میرا ناک اور میرے کان کاٹ دے اور میرے پیٹ کو پھاڑ دے تاکہ کل جب (روز قیامت) تجھ سے ملاقات کروں تو تُو فرمائے اے عبداللہ! تیرا ناک اور کان کس نے کاٹے تو میں کہوں یا اللہ! تیرے اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں یہ حال ہوا پھر تو فرمائے کہ تو نے سچ کہا حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دن کے آخر میں دیکھا کہ ان کا ناک اور کان ایک دھاگے میں لٹک رہے تھے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی قسم کے آخری حصے کو بھی اسی طرح سچا کرے گا۔ جس طرح اس کے پہلے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الصف آیت ۴

(۲) قرآن مجید، سورۃ توبہ آیت ۱۱۱

marfat.com

پچا کر دیا۔ (۱)

حضرت سفیان ثوری اور حضرت بشر حافی رحمہما اللہ فرماتے تھے کہ موت کو وہی ناپسند کرتا ہے جیسے شک ہو کیوں کہ محب ی حالت میں بھی محبوب کی ملاقات کو ناپسند نہیں کرتا حضرت بویطی رحمہ اللہ نے کسی زاہد سے پوچھا کہ کیا تم موت کو پسند کرتے ؟ گویا اس نے کچھ توقف کیا تو حضرت بویطی نے فرمایا اگر تم سچے ہوتے تو موت کو محبوب جانتے پھر آپ نے یہ آیت رت فرمائی۔

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (۲) پس موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ۔ (۳) تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے۔

آپ کا مقصد یہ تھا کہ کسی مصیبت کے آنے پر موت کی تمنا نہ کرے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی رہنا اس سے فرار بت افضل ہے۔

سوال :۔

جو شخص موت کو پسند نہیں کرتا تو کیا اس کے بارے میں تصور ہو سکتا ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے۔

جواب:

موت کو ناپسند کرنا بعض اوقات دنیا کی محبت نیز گھر والوں دولت اور دولت سے جدائی پر افسوس کی وجہ سے ہے اور یہ بات کمالِ محبت کے منافی ہے کیوں کہ کامل محبت وہ ہوتی ہے جو پورے دل کو گھیر لے لیکن یہ بات بعید کہ اہل و اولاد کی محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے بھی کمزوری محبت ہو۔

اور اس محبت میں لوگوں کے درمیان فرق ہے جس پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ س رضی اللہ عنہ نے جب اپنی بہن فاطمہ کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت سالم رضی اللہ سے کیا تو قریش نے اس سلسلے ان پر ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ تم نے ایک عقل مند عورت کا نکاح ایک غلام سے کر دیا انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم! میں نے ں کا نکاح اس سے کیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ غلام اس (میری بہن) سے زیادہ علم والا ہے قریش کو ان کے عمل بت اس بات سے زیادہ تکلیف ہوئی انہوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ فاطمہ تو آپ کی بہن ہے جب کہ وہ

---

(۱) حلیۃ الاولیاء، جلد اول ص ۱۰۹ ترجمہ ۱۲

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۹۴

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۶۲ مرویات انس

marfat.com

آپ کا غلام ہے انہوں نے فرمایا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا۔

مَنْ اَرَادَ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى رَجُلٍ يُحِبُّ اللّٰهَ بِكُلِّ قَلْبِهٖ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى سَالِمٍ۔ (۱)

جو شخص کسی ایسے آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے جو پورے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو وہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔

تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بعض لوگ پورے دل سے اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں کرتے بلکہ وہ ان سے بھی محبت کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں سے بھی ——

تو یقیناً ایسے لوگوں کو بارگاہ خداوندی میں حاضری کے وقت ملاقات کی لذت محبت کے مطابق ہوگی اور جس قدر وہ سے محبت کرتے ہیں موت کے وقت دنیا کی جدائی کا افسوس بھی اسی حساب سے ہوتا ہے۔

موت کو ناپسند کرنے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ بندہ فی الحال محبت کے ابتدائی مراحل میں ہو وہ موت کو ناپسند نہیں کرتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لیے تیاری سے پہلے موت کے آنے کو ناپسند کرتا ہے تو یہ بات، محبت کی کمزوری پر دلالت نہیں کرتی اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جسے اطلاع ملے کہ اس کا کوئی دوست (محبوب) آرہا ہے تو وہ اس کے آنے میں تاخیر کا خواہاں ہوتا ہے تاکہ اس کے لیے اپنے گھر کو تیار کر سکے اور دیگر اسباب کی تیاری بھی کرے اور اس سے اس صورت میں ملاقات کرے کہ اس کا دل دنیوی مشاغل سے فارغ ہو اور اس ملاقات میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

تو اس مقصد کے تحت موت کو ناپسند کرنا کمال محبت کے بالکل منافی نہیں ہے اس کی علامت ہمیشہ عمل کرتے رہنے اور تیاری کی فکر کرنا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ جس بات کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اسے اپنی محبوب چیزوں پر ظاہری اور باطنی طور ترجیح دے پس اسے عمل کا شوق ہو اور خواہشات کی اتباع سے بچتا رہے سستی کو قریب بھٹکنے نہ دے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں رہے اور نوافل کے ذریعے اس کا قرب حاصل کرے نیز اللہ تعالیٰ کے ہاں مزید درجاتِ قرب کا خواہشمند ہو جس طرح محب اپنے محبوب کے دل میں مزید قرب کی طلب کرتا ہے۔ اس ایثار کے ساتھ محبت کرنے والوں کی تعریف اللہ تعالیٰ نے یوں فرمائی ہے۔

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ

وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے اور جو کچھ ان کو دیا گیا اس سے اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اور وہ ان کو اپنے آپ پر

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۱ ص ۶۸۵ حدیث ۳۲۳۱۰

marfat.com

بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ (۱) ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود بھوکے ہوں۔

پس جو شخص ہمیشہ خواہشات کی اتباع میں رہتا ہے تو اس کا محبوب وہی چیز ہے جس کی وہ خواہش رکھتا ہے اب اپنے محبوب کی محبت میں اپنے آپ سے محبت کو بھی چھوڑ دیتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔

اُرِیْدُ وِصَالَہٗ وَیُرِیْدُ ھِجْرِیْ فَاَتْرُکُ مَا اُرِیْدُ لِمَا یُرِیْدُ۔ (۲)

میں اس کا وصال چاہتا ہوں اور وہ مجھ سے جدائی چاہتا ہے پس میں اس کی چاہت پر اپنی چاہت کو قربان کرتا ہوں۔

بلکہ جب محبت غالب آجائے اور خواہش کا قلع قمع ہو جائے تو اس کے لیے محبوب کے غیر سے لطف اندوزی باقی نہیں رہتی۔ جیسا کہ مروی ہے حضرت زلیخا جب ایمان لائیں اور انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے نکاح کیا ان سے الگ تھلگ ہو کر عبادت کرنے لگیں آپ دن کے وقت حضرت زلیخا کو اپنے بستر پر بلاتے تو وہ رات ٹال دیتیں اور جب رات کو دعوت دیتے تو دن پر ٹال دیتیں۔ وہ فرماتی تھیں اے یوسف علیہ السلام! میں آپ سے اس وقت محبت کرتی تھی جب مجھے اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل نہ تھا لیکن جب میں نے اسے پہچان لیا تو اس کی محبت نے میرے دل میں کسی اور کی محبت باقی نہیں چھوڑی اور مجھے اس محبت کا عوض منظور نہیں ہے حتیٰ کہ آپ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس بات کا حکم دیا ہے اور اس نے مجھے بتایا کہ وہ تیرے بطن سے دو لڑکے عطا فرمائے گا جن کو نبوت کے منصب پر فائز کرے گا حضرت زلیخا نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کا حکم دیا اور مجھے اس کا ذریعہ بنایا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتی ہوں اس وقت وہ آمادہ ہو گئیں۔ تو معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتا اسی لیے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں فرمایا۔

تَعْصِی الْاِلٰہَ وَاَنْتَ تُظْھِرُ حُبَّہٗ ھٰذَا لَعَمْرِیْ فِی الْفِعَالِ بَدِیْعٌ لَوْ کَانَ حُبُّکَ صَادِقًا لَاَطَعْتَہٗ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُحِبُّ مُطِیْعٌ۔

تم اپنے معبود کی نافرمانی بھی کرتے ہو اور اس کی محبت کا دعویٰ بھی قسم بخدا! یہ عجیب عمل ہے۔ اگر تم اپنی محبت میں سچے ہوتے تو اس کی اطاعت کرتے کیوں کہ محب اپنے محبوب کی بات مانتا ہے۔

اسی سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے۔

وَاَتْرُکُ مَا اَھْوٰی لِمَا قَدْ ھَوَیْتُہٗ فَاَرْضٰی بِمَا تَرْضٰی وَاِنْ سَخِطَتْ نَفْسِیْ۔

اے محبوب میں تیری خواہش کے لیے اپنی خواہش کو بھی چھوڑ دیتا ہوں پس میں اس پر راضی ہوں جس پر تو راضی ہے اگرچہ میرا نفس ناراض ہو جائے۔

* * *

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حشر آیت ۹

marfat.com

حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا محبت کی علامت یہ ہے کہ تم اپنے محبوب کو اپنے نفس پر ترجیح دو اللہ تعالیٰ کی فرمانبر
کرنے والے تمام لوگ اس محبوب نہیں ہوتے بلکہ اس کا محبوب وہی ہے جو ممنوع کاموں سے اجتناب کرے۔
اور بات یہی ہے کیوں کہ بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت اس بات کا سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت
جیسے ارشاد فرمایا۔

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ۔ (۱) وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہ

توجب اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرے گا تو دشمنوں کے خلاف اس کی مدد فرمائے گا اور اس کے دشمن اس کا نق
اور خواہشات ہیں پس اللہ تعالیٰ اسے نہ تو رسوا کرے گا اور نہ ہی اس کو خواہش و شہوت کے سپرد کرے گا اسی لیے ا
تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا۔ (۲)

اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی دوستی بھی کافی ہے اور بطور مددگار وہ تمہیں کافی ہے۔

سوال :۔

کیا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ، اصل محبت کے خلاف ہے ؟

جواب :۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کمالِ محبت کی ضد ہے اصلِ محبت کی نہیں کتنے ہی لوگ اپنے آپ سے محبت کرتے ہیں اور
بیمار ہونے کی صورت میں صحت کے خواہشمند ہوتے ہیں لیکن وہ چیز کھاتے ہیں جو نقصان دہ ہے حالاں کہ وہ جانتے ہیں کہ
یہ ضرر رساں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے آپ سے محبت نہیں کرتے البتہ معرفت کمزور ہو جاتی ہے اور شہوت
کے غالب آنے سے وہ حقِ محبت کو قائم رکھنے سے عاجز ہو جاتا ہے اس پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ نعیمان بہت
جلد گناہوں میں پکڑا جاتا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جاتا ایک دن وہ لایا گیا تو آپ نے اس پر حد قائم
ایک شخص نے اس پر لعنت بھیجی اور کہا کہ اس شخص کو اکثر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جاتا ہے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَلْعَنْهُ فَاِنَّهٗ يُحِبُّ اللّٰهَ اس پر لعنت نہ بھیجو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مائدہ آیت ۵۴
(۲) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۴۵

marfat.com

وَرَسُوْلَہٗ۔ (۱) صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔

تو اس کو گناہ نے محبت سے نہ نکالا۔ ہاں بعض اوقات گناہ کی وجہ سے محبت کامل نہیں رہتی۔

کسی عارف کا قول ہے کہ جب ایمان دل کے ظاہر میں ہو تو اللہ تعالیٰ سے درمیانہ درجہ کی محبت رکھتا ہے اور جب ایمان دل کے اندر چلا جائے تو وہ اس سے انتہائی محبت کرتا ہے اور گناہوں کو چھوڑ دیتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ محبت کے دعویٰ میں خطرہ ہے اسی لیے حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا جب تم سے پوچھا جائے کہ کیا اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو؟ تو تم خاموش رہو اگر تم کہو گے "نہیں" تو یہ کفر ہے اور اگر "ہاں" کہو گے تو تمہارا وصف محبین والا وصف نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرو بعض علماء نے فرمایا کہ جنت میں اہل محبت و معرفت کو حاصل ہونے والی نعمت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور نہ جہنم میں اس شخص کے عذاب سے زیادہ عذاب ہے جو معرفت و محبت کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اس میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں پائی جاتی۔

محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ ذکر الٰہی کا بہت زیادہ حریص ہو اس کی زبان اس سلسلے میں نہ تو کوتاہی کرے اور نہ خالی ہو۔ کیوں کہ جو شخص کسی چیز سے محبت کرتا ہے وہ لازماً اس کا ذکر بکثرت کرتا ہے بلکہ اس کے متعلقین کا ذکر بھی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت اس کے ذکر اور قرآن پاک سے محبت کرنا ہے کیوں کہ یہ اس کا کلام ہے نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ہے اور جو چیز اس کی طرف منسوب ہوتی ہے اس سے محبت کرنا ہے کیونکہ جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے وہ اس کے محل کے کتوں سے بھی محبت کرتا ہے پس جب محبت مضبوط ہو جاتی ہے تو وہ محبوب سے متعدی ہو کر ہر اس چیز تک پہنچ جاتی ہے جس کا محبوب سے تعلق ہو اور یہ محبت میں شرکت نہیں ہے کیوں کہ جو شخص محبوب کے قاصد سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ وہ محبوب کا قاصد ہے اور اس کے کلام سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ وہ اس کا کلام ہے تو اس کی محبت محبوب کے غیر کی طرف نہیں جاتی بلکہ یہ تو اس کی محبت کے کمال کی دلیل ہے اور جس آدمی کے دل پر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہو وہ تمام مخلوق سے محبت کرتا ہے کیوں وہ اس کی مخلوق ہے تو وہ قرآن پاک، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت کیسے نہیں کرے گا۔

ہم نے اس بات کو اخوت و محبت کے بیان میں تحقیق سے بیان کیا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (۲)

آپ فرما دیجیے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

---

(۱) مصنف عبدالرزاق جلد ۷، ص ۳۸۱ حدیث ۱۳۵۵۲

(۲) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۳۱

marfat.com

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَحِبُّوا اللّٰہَ لِمَا یَغْذُوْکُمْ بِہٖ مِنْ نِعْمَۃٍ وَاَحِبُّوْنِیْ لِلّٰہِ تَعَالٰی۔ (۱)

اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کہ وہ تمہیں نعمت عطا فرماتا ہے اور مجھ سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرو۔

حضرت سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا جو شخص اس آدمی سے محبت کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنے والے کی تعظیم کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتا ہے۔

کسی مرید سے منقول ہے وہ کہتا ہے میں ارادت کے دنوں میں مناجات کی حلاوت پاتا تھا تو میں نے دن رات قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی پھر مجھ سے کوتاہی ہوئی تو تلاوت چھوٹ گئی میں نے سنا کوئی شخص حالتِ نیند میں کہہ رہا ہے اگر تمہارا خیال ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو تم نے میری کتاب کے ساتھ کیوں ظلم کیا، کیا تم نے اس میں مذکور ہمارے لطیف عتاب پر غور نہیں کیا وہ کہتا ہے میں جاگا تو میرے دل میں قرآن پاک کی محبت ڈال دی گئی تھی چنانچہ میں پہلی حالت کی طرف لوٹ آیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تم میں کوئی شخص اپنے نفس سے قرآن پاک کے علاوہ کسی بات کا سوال کرے اگر وہ قرآن پاک سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے بھی محبت کرے گا اور اگر قرآن پاک سے محبت نہیں تو اللہ تعالیٰ سے بھی محبت نہ ہو گی۔

حضرت سہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت قرآن پاک سے محبت کرنا ہے نیز اللہ تعالیٰ اور قرآن پاک سے محبت کی علامت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامت سنت سے محبت ہے اور سنت سے محبت کی علامت آخرت سے محبت کرنا ہے اور آخرت سے محبت کی علامت دنیا سے بُغض رکھنا ہے اور دنیا سے بُغض کی پہچان یہ ہے کہ ضروری اخراجات اور آخرت کے سوا کچھ نہ لے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ گوشہ نشینی اللہ تعالیٰ سے مناجات اور قرآن پاک کی تلاوت سے مانوس ہو۔ ہمیشہ تہجد پڑھے رات کے سکون اور مشاغل سے انقطاع کے ذریعے وقت کے خالص ہونے کو غنیمت جانے محبت کا کم از کم درجہ محبوب سے خلوت کی اذنت حاصل کرنا اور اس کی مناجات سے لطف اندوز ہونا ہے جس شخص کے نزدیک نیند اور گفتگو میں مشغولیت مناجاتِ خداوندی کے مقابلے میں زیادہ لذیذ ہو تو اس کی محبت کیسے صحیح ہو گی۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ پہاڑ سے اتر رہے تھے تو کسی نے پوچھا آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُنس سے (آ رہا ہوں)

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۱۵۰ کتاب معرفۃ الصحابۃ

marfat.com

حضرت داؤد علیہ السلام کی خبروں میں ہے (اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا) میری مخلوق میں سے کسی سے مانوس نہ ہونا میں دو طرح کے آدمیوں کو اپنے آپ سے دُور کرتا ہوں ایک وہ شخص جو ثواب کے ملنے میں تاخیر جان کر علیحدہ ہو اور دوسرا شخص وہ ہے جو مجھے بھول کر اپنے حال پر راضی ہوتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ میں اسے اس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہوں اور دنیا میں حیران پریشان چھوڑتا ہوں۔

جب انسان اللہ تعالیٰ کے غیر سے مانوس ہو تو جس قدر یہ اُنس ہوگا اسی قدر اللہ تعالیٰ سے وحشت ہوگی اور وہ درجۂ محبت سے گر جائے گا۔

ایک حبشی غلام جس کا نام بُرخ تھا اور اس کے توسل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارش طلب کی تھی، کے واقعات میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ بُرخ میرا بہترین بندہ ہے لیکن اس میں ایک عیب ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اے میرے رب! اس میں کیا عیب ہے؟ فرمایا اسے نسیم سحر اچھی لگتی ہے اور وہ اس سے سکون حاصل کرتا ہے اور جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے وہ کسی چیز سے سکون حاصل نہیں کرتا۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک عابد نے عرصہ دراز تک کسی جنگل میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی پھر ایک پرندے کو دیکھا جس نے درخت پر آشیانہ بنایا اور اس میں بیٹھ کر چہچہاتا ہے اس عابد نے کہا اگر میں اپنی عبادت کی جگہ اس درخت کے قریب کر دوں تو اس پرندے کی آواز سے مانوس ہوں گا چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ فلاں عابد سے فرمائیں تم نے مخلوق سے اُنس حاصل کیا ہے تو میں نے تیرا درجہ کم کر دیا ہے اب تو اپنے کسی عمل سے اسے نہیں پا سکے گا۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ محبت محبوب سے کمال درجے کا اُنس اور مناجات ہے نیز اس کے ساتھ تنہائی سے لطف اندوز ہونا ہے اور جس کام سے خلوت میں نقص پیدا ہو اور لذتِ مناجاتِ مکدر ہو جائے وہ کامل وحشت ہے۔ اور اُنس کی علامت یہ ہے کہ عقل و فہم مکمل طور پر لذتِ مناجات میں مستغرق ہوں جیسے کوئی شخص اپنے معشوق کو پکارتا اور اس سے ہمکلام ہوتا ہے۔

بعض لوگوں میں یہ لذت انتہا کو پہنچ گئی تھی حتیٰ کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ان کا گھر جل گیا لیکن ان کو پتہ نہ چل سکا اور ایک بزرگ کے پاؤں میں تکلیف تھی تو حالتِ نماز میں ان کا پاؤں کاٹا گیا لیکن ان کو اس کی خبر ہی نہ ہوئی۔

اور جب آدمی پر محبت و اُنس کا غلبہ ہوتا ہے تو خلوت و مناجات اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتی ہے جس کے ذریعے تمام فکر دور ہو جاتے ہیں بلکہ اُنس اور محبت اس کے دل کو اس طرح گھیر لیتی ہے کہ جب تک اس کے سامنے دنیوی امور کا بار بار ذکر نہ کیا جائے اسے سمجھ نہیں آتی جیسے عاشقِ فریفتہ، زبان سے بول رہا ہوتا ہے اور اس کے باطن میں ذکر محبوب سے اُنس ہوتا ہے۔

marfat.com

تو محب وہ ہوتا ہے جو اپنے محبوب کے بغیر مطمئن نہیں ہوتا حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ (۱)

وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن ہوئے، سنو! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا وہ دل مراد ہیں جو اس کے خواہشمند ہوں اور اس سے مانوس ہوتے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی خالص محبت کا ذائقہ چکھتا ہے تو وہ اسے طلبِ دنیا سے روک دیتا ہے اور تمام انسانوں سے متنفر کر دیتا ہے۔

حضرت مطرف بن ابو بکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محب اپنے محبوب کی باتوں سے ملال میں نہیں پڑتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ جو شخص میری محبت کا دعویٰ کرے اور جب رات چھا جائے تو وہ میرے ذکر کو چھوڑ کر سو جائے تو ایسا شخص جھوٹ بولتا ہے کیوں کہ وہ کیسا محب ہے جو محبوب کی ملاقات نہیں چاہتا میں اس وقت طلب کرنے والوں کے لیے موجود رہتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! تو کہاں ہے کہ میں تیرا قصد کروں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تو قصد کرے گا تو پہنچ جائے گا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ اپنے آپ سے بُغض رکھتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جس آدمی میں تین خصلتیں نہ ہوں وہ محب نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے کلام کو مخلوق کے کلام پر ترجیح دے مخلوق کی ملاقات کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو اور خدمتِ خلق کے مقابلے میں عبادت کو ترجیح دے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی جو کچھ اس سے چلا جائے اس پر افسوس کا اظہار نہ کرے البتہ جس وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اطاعت نہ کر سکے اس پر بہت زیادہ افسوس کرے جب غفلت ہو جائے تو اس وقت خوب توبہ و استغفار کرے۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو اس سے محبت کرتے اور اس کے ساتھ ہی مطمئن ہوتے ہیں تو اس طرح ان سے جو چیز چلی جائے اس پر افسوس نہیں ہوتا وہ نفسانی لذت میں مشغول نہیں ہوتے کیوں کہ ان کے مالک کی مِلک کامل ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے جو کچھ ان کے لیے ہے وہ ان کو پہنچتا ہے اور جو ان سے جاتا رہتا ہے وہ ان کے لیے اس کی تدبیر فرماتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ رعد آیت ۲۸

marfat.com

اور محب کو چاہیے کہ جب وہ کسی وقت غفلت کا شکار ہونے کے بعد اس سے رجوع کرے تو محبوب کی طرف متوجہ ہو اور یہ اس کے عتاب کو دور کرے اللہ تعالیٰ سے سوال کرے اور کہے کہ یا اللہ! تو نے میرے کس گناہ کے سبب مجھ سے اپنے احسان کو دُور کیا اور مجھے اپنی بارگاہ سے دُور فرمایا نیز مجھے میرے نفس اور شیطان کی اتباع میں مشغول کر دیا اس طرح ذکر خداوندی کی صفائی اور دل کی نرمی پیدا ہوگی اور سابقہ غفلت کا کفارہ ہوگا اور یہ لغزش نئے ذکر اور قلبی صفائی کا ذریعہ ہوگی۔

اور جب محب، محبوب کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھتا اور سب کچھ اسی کی طرف سے دیکھتا ہے تو نہ افسوس کرتا ہے اور نہ شک، بلکہ مکمل طور پر راضی ہوتا ہے اور اس بات پر یقین کرتا ہے کہ محبوب نے اس کے لیے وہی کچھ مقدر کیا ہے جس میں اس کی بھلائی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو یاد کرتا ہے۔

وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ (۱) قریب ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کی ایک اور علامت یہ ہے کہ اطاعتِ خداوندی سے آرام پائے اور اس کو بوجھ نہ سمجھے اور نہ اس میں دشواری محسوس ہو جیسے کسی بزرگ کا قول ہے کہ ہم نے بیس سال رات کو مشقت برداشت کی پھر بیس سال اس سے آسائش حاصل کی۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں محبت کی علامت ہمیشہ خوش رہنا اور اس طرح کوشش کرنا کہ اس سے بدن تھک جائے دل نہ تھکے بعض بزرگ فرماتے ہیں محبت کی حالت میں عمل کرنے سے تھکن نہیں ہوتی اور بعض علماء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا کبھی سیر نہیں ہوتا اگرچہ بڑے بڑے وسائل تک پہنچ جائے اس قسم کی تمام باتیں مشاہدات میں موجود ہیں بے شک عاشق معشوق کی محبت میں کوشش کرنے سے نہیں تھکتا اور اس کی خدمت کو دل سے اچھا جانتا ہے اگرچہ بہ عمل اس کے بدن پر شاق ہو اور جب اس کا بدن تھک جائے تو اس کے نزدیک محبوب ترین چیز یہ ہوتی ہے کہ اس میں دوبارہ طاقت آجائے اور عاجزی ختم ہو جائے تاکہ وہ اس محبت میں مشغول ہو پس اللہ تعالیٰ کی محبت اس طریقے پر ہوتی ہے کہ اس سے غلبے کی صورت میں اس کی عبادت و اطاعت سے بہتر کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی۔

پس جس شخص کے نزدیک اس کا محبوب، سستی سے زیادہ پسندیدہ ہو تو وہ اس کی خدمت کے لیے سستی کو ترک کر دیتا ہے اور اگر مال سے زیادہ محبوب ہو تو اس کی محبت میں مال کو چھوڑ دیتا ہے۔

ایک محب نے اپنے محبوب کی خاطر اپنا جان و مال سب فدا کر دیا حتی کہ اس کے پاس کچھ بھی باقی نہ رہا تو اس سے پوچھا گیا

---

(۱) قرآن مجید۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۱۶

marfat.com

اس محبت میں تیری یہ حالت کیسے ہوگئی؟ اس نے کہا میں نے ایک دن ایک محب سے سنا وہ خلوت میں اپنے محبوب سے کہہ رہا تھا اللہ کی قسم میں پورے دل سے تجھے چاہتا ہوں اور تم مکمل طور پر مجھ سے پھرتے ہو محبوب نے اس سے کہا اگر تو مجھ سے محبت کرتا ہے تو بتا مجھ پر کیا خرچ کرے گا؟ اس نے کہا اے میرے سردار! میں اپنا سارا مال تمہاری ملک کر دوں گا پھر تیرے اوپر اپنی جان فدا کر دوں گا۔ میں نے سوچا جب بندہ، بندے کے ساتھ اس طرح کرے تو بندے کو اپنے معبود کے ساتھ کیسے کرنا چاہیئے، تو محبت میں اس ترقی کا یہ سبب ہے۔

محبتِ خداوندی کی ایک اور علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں پر شفیق اور مہربان ہو اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر اور ان تمام لوگوں پر بہت سخت ہو جو اس کی مرضی کے خلاف کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (۱) وہ کافروں پر بہت سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔

اور اس سلسلے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے لیے آنے والے غصے سے کوئی عمل اسے پھیر نہ سکے اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کا یہی وصف بیان فرمایا حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (میرے دوست) وہ لوگ ہیں جو میری محبت پر اس طرح فریفتہ ہوتے ہیں جیسے بچہ کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور وہ میرے ذکر کو اس طرح ٹھکانہ بناتے ہیں جس طرح پرندہ اپنے گھونسلے میں پناہ لیتا ہے۔ اور وہ میرے حرام کردہ کاموں پر اس طرح غصے میں آتے ہیں جس طرح چیتا کسی پر غضب ناک ہو کر غصے میں آتا ہے وہ لوگوں کی قلت و کثرت کی پرواہ نہیں کرتا۔

تو اس مثال کو دیکھو جب بچے کا دل کسی چیز پر آجاتا ہے تو وہ اسے بالکل نہیں چھوڑتا اور جب وہ چیز اس سے لی جائے تو وہ رونے اور چیخنے کے سوا کچھ نہیں کرتا حتیٰ کہ وہ چیز اسے واپس دی جائے پھر جب وہ سو جاتا ہے تو اس کو اپنے ساتھ کپڑوں میں رکھ لیتا ہے اور جب جاگتا ہے تو دوبارہ اسے اٹھا لیتا ہے اور اگر اس سے وہ چیز لے لی جائے تو وہ روتا ہے اور جب اسے پا لیتا ہے تو ہنسنے لگتا ہے اور جو اس سے جھگڑا کرے وہ اسے ناپسند کرتا ہے اور جو اس کو وہ چیز دیتا ہے اس سے محبت کرتا ہے اور چیتے کو جب غصہ آتا ہے تو وہ اپنے آپ میں نہیں رہتا حتیٰ کہ وہ شدید غصے کی حالت میں اپنے آپ کو ہلاک کر دیتا ہے۔

تو یہ محبت کی علامات ہیں پس جس شخص میں یہ علامات مکمل طور پر پائی جائیں اس کی محبت مکمل اور خالص ہوتی ہے اور آخرت میں اس کی شراب صاف اور میٹھی ہوگی اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت میں اس کے غیر کی محبت کو شامل کرتا ہے اسے آخرت میں محبت کی مقدار میں نعمت حاصل ہوگی یعنی اس کی شراب میں مقربین کی کچھ شراب ملائی جائے گی جیسے اللہ تعالیٰ نے مقربین کے احوال سے متعلق فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ فتح آیت ۲۹

marfat.com

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ۔ (۱) بے شک نیک لوگ ضرور چین میں ہوں گے۔

پھر فرمایا۔

يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ خِتَامُهُ مِسْكٌ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ وَمِزَاجُهُ مِن تَسْنِيمٍ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ۔ (۲)

صاف شراب پلائے جائیں گے جو مُہر کی ہوئی رکھی ہے اس کی مُہر مُشک پر ہے اور اسی پر للچانے والوں کو للچانا چاہیے اور اس کا مزاج تسنیم سے ہے یہ وہ چشمہ ہے جس سے مقربین پیتے ہیں۔

نیک لوگوں کی شراب اس لیے اچھی ہوگی کہ اس میں مقربین کی خالص شراب ملی ہوگی اور شراب سے مراد تمام جنتی نعمتیں ہیں طرح کتاب سے مراد تمام اعمال ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ۔ (۳) نیک لوگوں کے اعمال علیین (بلند مقام) میں ہوں گے۔

پھر ارشاد فرمایا۔

يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ۔ (۴) مقرب جس کی زیارت کرتے ہیں۔

تو ان کی کتاب (اعمال) کی بلندی کی علامت یہ ہے کہ وہ وہاں تک اٹھائے جاتے ہیں کہ فرشتے ان کو دیکھتے ہیں اور طرح نیک لوگ مقربین کے قرب اور مشاہدہ کی وجہ سے اپنی حالت اور معرفت میں اضافہ پاتے ہیں اسی طرح آخرت ں ان کی یہی حالت ہوگی۔

ارشاد خداوندی ہے۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ۔ (۵) تم سب کا پیدا کرنا اور قیامت میں اٹھانا ایسا ہی ہے جیسا ایک جان کا۔

اور ارشاد فرمایا۔

كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ۔ (۶) جیسے ہم نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا (اسی طرح) لوٹائیں گے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ انفطار آیت ۱۳

(۲) قرآن مجید، سورۂ مطففین آیت ۲۵ تا ۲۸

(۳) قرآن مجید، سورۂ مطففین آیت ۱۸

(۴) قرآن مجید، سورۂ مطففین آیت ۲۱

(۵) قرآن مجید، سورۂ لقمان آیت ۲۸

(۶) قرآن مجید، سورۂ انبیاء آیت ۱۰۴

maarfat.com

اور ارشاد خداوندی ہے۔

جَزَآءً وِّفَاقًا۔ (۱) پورا پورا بدلہ ہے۔

یعنی ان کی جزا اعمال کے موافق ہوگئی تو خالص عمل کی جزا خالص شراب اور مخلوط اعمال کی جزا مخلوط شراب ہوگی اور جس قدر محبتِ خداوندی اور اعمال میں ملاوٹ ہوگی اسی قدر شراب میں بھی ملاوٹ ہوگی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ (۲)

پس جو شخص ذرہ برابر بھی نیک عمل کرے گا اسے (اس کی جزا کو) دیکھ لے گا اور جو آدمی ذرہ بھر برائی کرے گا وہ بھی اسے (اس کا بدلہ) دیکھ لے گا۔

اور یہ بھی ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ (۳)

بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا۔ (۴)

اور بے شک اللہ تعالیٰ ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اس کو بڑھا دیتا ہے۔

اور ارشاد فرمایا۔

وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ۔ (۵)

اور اگر وہ (نیکی) رائی کے ایک دانے کے برابر ہو تو بھی ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب کرنے والے کافی ہیں۔

پس جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ سے جنت کی نعمتوں اور حور و قصور کے لیے محبت کرتا تھا اسے جنت میں قادر کر

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النباء آیت ۲۶

(۲) قرآن مجید، سورۃ الزلزال آیت ۷، ۸

(۳) قرآن مجید، سورۃ رعد آیت ۱۱

(۴) قرآن مجید، سورۃ النساء آیت ۱۱

(۵) قرآن مجید، سورہ انبیاء آیت ۴۷

marfat.com

ا جائے گا کہ جہاں چاہے رہے پس وہ بچوں کے ساتھ کھیلے گا اور عورتوں سے لطف اندوز ہوگا آخرت میں اس کی لذت
خاتمہ اسی بات پر ہوگا کیوں کہ محبت میں ہر انسان کو وہی کچھ دیا جاتا ہے جو اس کا نفس چاہتا ہے اور اس سے اس
، آنکھوں کو لذت حاصل ہوتی ہے اور جس شخص کا مقصد آخرت کا مالک اور تمام کائنات کا مالک ہو اس پر صرف اسی کی
الص اور سچی محبت غالب ہوتی ہے وہ سچے ٹھکانے میں طاقت والے بادشاہ کے پاس اتارا جائے گا پس نیک لوگ
ت کے باغات سے متمتع ہوں گے اور جنت کے باغات میں حور عین، بچوں، اور مقربین دربار عالی کے ساتھ لطف
دوز ہوں گے اسی کی طرف تاگ لگائے ہوں گے اور اس لذت کے ایک ذرے کے مقابلے میں بھی جنت کی نعمتوں
معمولی سمجھیں گے پس پیٹ اور شرمگاہ کی خواہشات کو پورا کرنے والے اور لوگ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں
ٹھنے والے دوسرے لوگ ہوں گے۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَکْثَرُ اَھْلَ الْجِنَّۃِ الْبَلْہُ وَعِلِّیُّوْنَ لِذَوِی الْاَلْبَابِ۔ (۱)

اکثر اہل جنت بھولے بھالے ہوں گے اور بلند مرتبہ عقل مند لوگ ہوں گے۔

اور جب علیین کا مفہوم ذہن میں نہیں آتا تو اس کا معاملہ بہت بڑا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا اَدْرَاكَ مَا عِلِّیُّوْنَ۔ (۲)

اور تمہیں کیا معلوم علیّون کیا ہے

جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلْقَارِعَۃُ مَا الْقَارِعَۃُ وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَۃُ۔ (۳)

دل دہلانے والی، کیا ہے دل دہلانے والی اور تمہیں کیا معلوم دل دہلانے والی کیا ہے۔

محبت کی ایک اور علامت یہ ہے کہ محب اللہ تعالیٰ کی محبت میں خائف ہو اور اس کی ہیبت و تعظیم میں دبلا پتلا ہو جائے بعض اوقات خیال کیا جاتا ہے کہ خوف، محبت کی ضد ہے حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ عظمت کا ادراک ہیبت کو جنم دیتا ہے جس طرح جمال کے ادراک سے محبت پیدا ہوتی ہے اور مخصوص محبتین کے لیے مقام محبت میں ایسے خوف ہوتے ہیں جو دوسروں کے لیے نہیں ہوتے اور بعض خوف دوسرے بعض کے مقابلے میں سخت ہوتے ہیں پس سب سے پہلا خوف عدم توجہ کا ہے اور اس سے سخت خوف، حجاب کا خوف ہے اور اس سے بھی سخت خوف اپنے آپ سے دور کرنے کا خوف ہے۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۹، کتاب الادب (وعلیّون سے آگے کے الفاظ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں ۱۲۔ رب نواز

(۲) قرآن مجید، سورۂ مطففین آیت ۱۹

(۳) قرآن مجید، سورۂ القارعۃ آیت ۱ تا ۳

marfat.com

اور سورۂ ہود جس نے تمام مجبین کے سردار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بوڑھا کر دیا، (۱)
میں یہی مضمون ہے جب آپ نے سنا۔

اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ۔ (۲) سنو! قوم ثمود کے لیے دوری ہے۔

اور فرمایا۔

اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ کَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ۔ (۳) سنو! مدین (والوں) کے لیے دُوری ہے جیسے ثمود کے لیے دوری ہے۔

بُعد کی ہیبت اور خوف اسی کے دل میں ہوتا ہے جو قرب سے مانوس ہو اور اس سے لطف اندوز ہوتا ہو۔ دُور کیے گئے لوگوں کے حق میں دُوری کی بات سن کر اہل قرب بوڑھے ہو جاتے ہیں اور جو آدمی دُوری سے مانوس ہو وہ قرب کا مشتاق کیسے ہوگا اور جس شخص کے لیے قرب کی بساط ممکن نہ ہو وہ دُوری کے خوف سے نہیں رہتا۔

پھر ٹھہر جانے اور زیادتی مراتب کے چلے جانے کا خوف ہوتا ہے ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ قرب کے درجات بے انتہا ہیں اور بندے پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت کوشش کرے حتی کہ اس کا قرب بڑھ جائے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ وَمَنْ کَانَ یَوْمُہٗ شَرًّا مِّنْ اَمْسِہٖ فَھُوَ مَلْعُوْنٌ۔ (۴) جس آدمی کے دو دن برابر ہوں وہ نقصان میں ہے اور جس کا آج، کل کے مقابلے میں برا ہو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور ہے۔

اور اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ حَتّٰی اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً۔ (۵) میرے دل پر دن اور رات میں کچھ پردہ آجاتا ہے حتی کہ میں اللہ تعالیٰ سے ستر مرتبہ بخشش طلب کرتا ہے۔

آپ کا استغفار پہلے قدم کے طور پر تھا کیوں کہ دوسرے قدم کی نسبت پہلا قدم دُوری قرار پاتا ہے اور سالکین کا

---

(۱) جامع ترمذی ص ۱، ۵، ابواب الشمائل
(۲) قرآن مجید سورۃ ہود آیت ۶۸
(۳) قرآن مجید، سورۃ ہود آیت ۹۵
(۴) تذکرۃ الموضوعات ص ۲۲، کتاب العلم
(۵) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۴۶ کتاب الذکر

marfat.com

تے میں تھک جانا اور محبوب کے غیر کی طرف توجہ کرنا بھی ان کے لیے سزا ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ
اد فرماتا ہے جب کوئی عالم دنیوی خواہشات کو میری عبادت پر ترجیح دیتا ہے تو میں اسے کم از کم یہ سزا دیتا ہوں
سے اپنی مناجات کی لذت سلب کر دیتا ہوں تو شہوت کے باعث درجات کے اضافے کا چھن لینا عوام کے حق
سزا ہے اور خواص کا حال تو یہ ہے کہ صرف دعویٰ کرنے یا خود پسندی یا ابتدائی لطف و کرم کے ظہور پر اس کی
توجہ ہونے کی وجہ سے ان کو مزید درجات سے حجاب میں کر دیا جاتا ہے اور یہ پوشیدہ مکر ہے جس سے صرف
لوگ بچ سکتے ہیں جن کے قدم راہ سلوک میں راسخ ہوتے ہیں پھر اس چیز کا خوف ہوتا ہے جس کے جاتے رہنے
بعد دوبارہ اس کا حصول ممکن نہ ہو۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ سیاحت کے دوران ایک پہاڑ پر تھے تو آپ نے کسی کہنے والے سے سنا۔

كُلُّ شَيْءٍ مِنْكَ مَغْفُورٌ سِوَى الْإِعْرَاضِ عَنَّا
قَدْ وَهَبْنَا لَكَ مَا فَاتَ فَهَبْ مَا فَاتَ مِنَّا۔

تمہارے تمام گناہ بخش دیئے گئے لیکن تمہارا ہم سے اعراض کرنا نہیں بخشا جائے گا جو تجھ سے فوت ہوا وہ معاف ہے اور جو ہم سے فوت ہوا تم اسے نظر انداز کرو۔

اس سے آپ پر اضطراب طاری ہوا اور آپ بیہوش ہو گئے حتیٰ کہ ایک دن رات آپ کو افاقہ نہ ہوا اور آپ پر بہت حالات طاری ہوئے پھر فرمایا میں نے پہاڑ سے سنا اے ابراہیم! بندہ ہو جاؤ فرماتے ہیں میں بندہ ہو گیا اور ہوش آیا۔

پھر محبوب سے بے غم ہو جائے یا بھول جانے کا خوف ہے کیوں کہ محب ہمیشہ شوق، طلب اور حرص میں رہتا ہے درجات کی طلب میں کوتاہی نہیں کرتا اور اسے لطف جدید سے تسلی ہوتی ہے اور اگر یہ بات نہ ہو تو یہ اس کے ٹھہر سے یا رجوع کا سبب ہوتا ہے اور اس پر بے غمی اس طرح آتی ہے کہ اس کو پتہ نہیں چلتا جس طرح بعض اوقات اس بے خبری میں اس پر محبت داخل ہو جاتی ہے۔

ان تبدیلیوں کے اسباب پوشیدہ آسمانی ہوتے ہیں ان پر اطلاع انسانی طاقت سے باہر ہے جب اللہ تعالیٰ اس خفیہ تدبیر کا نشانہ بنانا چاہتا ہے تو اس پر جو بے غمی طاری ہوتی ہے اسے مخفی رکھتا ہے پس بندہ امید ہی امید رہتا ہے اور حسنِ نظر یا غلبۂ غفلت یا خواہش یا بھول جانے کی وجہ سے دھوکہ کھاتا ہے۔

یہ سب شیطانی لشکر ہیں جو فرشتوں کے لشکروں یعنی علم، عقل، ذکر اور بیان پر غالب آتے ہیں اور جس طرح اللہ کے اوصاف میں جو وصف ظاہر ہوتے ہیں وہ جوشِ محبت کا تقاضا کرتے ہیں اور وہ لطف و رحمت اور حکمت کے اوصاف ہیں اسی طرح بندے کے بعض اوصاف جو روشن ہوتے ہیں وہ بے غمی کا باعث بنتے ہیں جیسے جبر، عزت اور استغنا اور یہ مکر، بدبختی اور محرومی کے مقدمات ہیں۔

marfat.com

پھر اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ دل محبت الٰہی سے اس کے غیر کی محبت کی طرف منتقل نہ ہو جائے یہی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے اور محبوب سے بے غمی اس مقام کا مقدمہ ہے جب کہ منہ پھیرنا اور حجابِ بے غمی کا مقدمہ ہے اور نیکی سے سینے کی گھٹن دوامِ ذکر سے تنگ پڑ جانا اور وظائف اوراد سے ملال محسوس کرنا اعراض و حجاب کے اسباب و مقدمات ہیں اور ان اسباب کا ظہور مقامِ محبت سے ناراضگی کے مقام کی طرف انتقال ہے ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

جب کہ ان امور سے ہمیشہ خائف رہنا اور مراقبہ کی صفائی کے ذریعے ان سے بچنا سچی محبت کی دلیل ہے کیوں کہ جو شخص کسی چیز سے محبت کرتا ہے وہ لامحالہ اس کے چلے جانے کا ڈر محسوس کرتا ہے پس محب کو ہر وقت خوف رہتا ہے جب اس کا محبوب ایسا ہو جس کا جانا ممکن ہو۔

کسی عارف کا قول ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف محبت سے کرتا ہے اس میں خوف شامل نہیں ہوتا وہ زیادہ پاؤں پھیلانے اور ناز کی وجہ سے ہلاک ہو جاتا ہے اور جو آدمی محبت کے بغیر محض خوف سے عبادت کرتا ہے تو وہ وحشت اور دوری کی وجہ سے اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور جو شخص محبت اور خوف دونوں کے باعث اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے لہٰذا اس کو اپنے قریب کرتا اور قدرت و عام عطا فرماتا ہے۔

پس محب خوف سے خالی نہیں ہوتا اور ڈرنے والا محبت سے خالی نہیں ہوتا لیکن جس آدمی پر محبت غالب ہو حتیٰ کہ اس میں خوب پھیل جائے اور خوف معمولی ہو تو کہا جاتا ہے کہ یہ مقامِ محبت میں ہے اور اسے محبین میں شمار کیا جاتا ہے اور خوف کی آمیزش محبت کے نشے کو کچھ تسکین دے گی۔

پس اگر محبت غالب ہو اور معرفت بھی زیادہ ہو تو بشری طاقت اس کو برداشت نہیں کر سکتی البتہ خوف کی وجہ سے اس میں کچھ اعتدال آ جاتا ہے اور دل پر اس کا وقوع خفیف ہوتا ہے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ کسی صدیق نے ایک ابدال سے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ مجھے تھوڑی کا معرفت عطا فرمائے چنانچہ انہوں نے دعا کی (اور وہ قبول ہو گئی) تو اس بزرگ کا حال یہ ہوا کہ وہ پہاڑوں میں سرگرداں پھرنے لگے، عقل حیران اور دل پریشان ہو گیا سات دن اس طرح گزرے گئے کہ نہ اس نے کسی چیز سے نفع اٹھایا اور نہ کسی چیز نے اس سے نفع اٹھایا۔

اس صدیق نے بارگاہ خداوندی میں درخواست کی کہ یا اللہ کچھ معرفت کم کر دے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں القا فرمایا کہ ہم نے معرفت کے ایک لاکھ اجزاء میں سے صرف ایک جزء ان کو دی تھی کیوں کہ ایک لاکھ آدمیوں نے مجھ سے اس وقت محبت کا سوال کیا جب اس نے سوال کیا تھا میں نے دعا قبول کرنے میں تاخیر کی حتیٰ کہ تم نے اس کی سفارش کی تو میں نے جہاں تمہاری دعا قبول کی دوسروں کی دعا بھی قبول کی اور اس کی طرح ان کو بھی معرفت عطا کی میں نے معرفت کے ایک ذریعے کو ایک لاکھ بندوں میں تقسیم کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا۔

اس صدیق نے کہا اے تمام حاکموں کے حاکم! تو پاک ہے جو کچھ تو نے اسے عطا کیا ہے اس میں سے کچھ کم کر دے
اللہ تعالیٰ نے اس لاکھویں حصے میں سے صرف دس ہزارواں حصہ رہنے دیا باقی اٹھا لیا تو اس کا خون، محبت اور امید
اعتدال پر آ گئے اور اسے سکون مل گیا چنانچہ وہ باقی عارفین کی طرح ہو گیا عارف کے حال کا وصف یوں بیان کیا گیا ہے۔

قَرِيْبُ الْوَجْدِ ذُوْ مَرْمًى بَعِيْدٍ
عَنِ الْاَمْرَارِ مِنْهُمْ وَالْعَبِيْدِ
غَرِيْبُ الْوَصْفِ ذُوْ عِلْمٍ غَرِيْبٍ
كَاَنَّ فُؤَادَهٗ زُبَرُ الْحَدِيْدِ
لَقَدْ عَزَّتْ مَعَانِيْهِ وَجَلَّتْ
عَنِ الْاَبْصَارِ اِلَّا لِلشَّهِيْدِ
يَرَى الْاَعْيَادَ فِي الْاَوْقَاتِ تَجْرِيْ
لَهٗ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ اَلْفُ عِيْدٍ
وَلِلْاَحْبَابِ اَفْرَاحٌ بِعِيْدٍ
وَلَا يَجِدُ السُّرُوْرَ لَهٗ بِعِيْدٍ

اس کا وجد قریب اور مقصود بعید ہے اور وہ تمام
آزاد لوگوں اور غلاموں سے دور ہے اس کا علم
اور دیگر وصف غریب (اجنبی) ہیں اور اس کا دل لوہے
کی تختیوں کی طرح ہے اس کے معانی آنکھوں سے
نہایت بلند سوائے شہید کے۔

∴ ∴ ∴

وہ اپنے اوقات میں عیدوں کو جاری دیکھتا ہے اور
اس کے لیے ہر روز ہزاروں عیدیں ہیں دوست احباب
عید بہت خوش ہوتے لیکن وہ اس عید پر سرور نہیں
پاتا۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کچھ اشعار پڑھتے اور ان سے احوالِ عارفین کے اسرار کی طرف اشارہ فرماتے اگرچہ ان
اسرار کا اظہار ناجائز ہے وہ یہ اشعار پڑھتے۔

سِرْتُ بِاُنَاسٍ فِي الْعُيُوْبِ قُلُوْبُهُمْ
فَحَلُّوْا بِقُرْبِ الْمَاجِدِ الْمُتَفَضِّلِ
عَرَاصًا بِقُرْبِ اللّٰهِ فِيْ ظِلِّ قُدْسِهٖ
تَجُوْلُ بِهَا اَرْوَاحُهُمْ وَتَنَقَّلُ
مَوَارِدُهُمْ فِيْهَا عَلَى الْعِزِّ وَالنُّهٰى
وَمَصْدَرُهُمْ عَنْهَا لِمَا هُوَ اَكْمَلُ
تَرُوْحُ بِعِزٍّ مُفْرَدٍ مِنْ صِفَاتِهٖ
وَفِيْ حُلَلِ التَّوْحِيْدِ تَمْشِيْ وَتَرْفُلُ
وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا مَا تَدُقُّ صِفَاتُهٗ
وَمَا كَتَمُوْهُ اَوْلٰى لَدَيْهِ وَاَعْدَلُ

میں ایسے لوگوں کے ساتھ چلا کہ ان کے دل ہزاروں میں
ہیں پس وہ بزرگی و فضل والی ذات کے قریب ایسے
میدان میں اترے جو اس کی ظلِ قدس کے قرب میں
ہے وہاں ان کی ارواح پھرتی اور اِدھر اُدھر جاتی ہیں
وہ وہاں عزت و عقل والے مقام پر اترے اور اس
سے زیادہ کامل مقام سے نکلتے ہیں وہ ایسی ذات کی
عزت میں چلتے ہیں جو اپنی صفات میں منفرد ہے اور
وہ توحید کے لباس میں ناز سے چلتے ہیں اس کے بعد
وہ ہے جو اس کی صفات کو کھٹکھٹاتا ہے اور اس
کا چھپانا زیادہ مناسب ہے عنقریب میں اس سلسلے

marfat.com

سَاَكْتُمُ مِنْ عِلْمِیْ بِهٖ مَا یَصُوْنُهٗ
وَاَبْذَلُ مِنْهُ مَا اَرَی الْحَقَّ یَبْذُلُ
وَاُعْطِیْ عِبَادَاللّٰهِ مِنْهُ حُقُوْقَهُمْ
وَاَمْنَعُ مِنْهُ مَا اَرَی الْمَنْعَ یَفْضُلُ
عَلَی اَنَّ لِلرَّحْمٰنِ سِرًّا یَصُوْنُهٗ
اِلٰی اَهْلِهٖ فِی السِّرِّ وَالصَّوْنُ اَجْمَلُ

میں اپنے علم کا وہ حصہ چھپاؤں گا جس کا چھپانا ضروری ہے
ہے اور جس کو استعمال کرنا صحیح ہے اس کو ظاہر کروں
گا اس سے بندوں کے حقوق دوں گا اور جس کا روکنا بہتر
ہے اس کو روکوں گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا راز ہے جسے
وہ اس کے اہل لوگوں تک پوشیدگی کے ساتھ پہنچاتا
ہے اور حفاظت زیادہ اچھی ہے۔

اس قسم کے معارف جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان میں سب لوگوں کا شریک ہونا جائز نہیں اور جس کے لیے یہ
ہوں اس کے لیے جائز نہیں اور جس کے لیے یہ منکشف ہوں اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کے سامنے ظاہر کرے
کے لیے منکشف نہیں ہوئے بلکہ اگر اس میں تمام لوگوں کی شرکت ہو تو دنیا کا نظام تباہ و برباد جائے پس حکمت کا تقاضا
سب پر غفلت رہے تاکہ دنیا آباد رہے بلکہ اگر سب لوگ چالیس دن تک حلال کھانا کھائیں تو ان کے زہد کی وجہ
دنیا تباہ ہو جائے اور بازار اور رزق کے تمام ذرائع ختم ہو جائیں بلکہ اگر علماء حلال کھائیں تو وہ اپنے آپ میں
مشغول ہو جائیں اور بے شمار علوم کی نشر و اشاعت سے زبانیں اور قلمیں رک جائیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کاموں میں
رکھی ہے جو بظاہر برے ہیں جس طرح اچھے کاموں میں اس کی حکمتیں اور اسرار ہیں اور اس کی قدرت کی طرح
کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ (اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی حرام رزق کھائے جان بوجھ کر حرام رزق حاصل کرنا گناہ ہے
خداوندی بیان ہوئی ہے ۱۲ ہزاروی)

محبت خداوندی کی ایک علامت یہ ہے کہ محبت کو چھپائے اور دعویٰ کرنے سے پرہیز کرے اور محبوب
تعظیم، اجلال اور ہیبت کی وجہ سے وجد کو ظاہر کرنے سے بچے کیوں کہ اس کے راز کو ظاہر کرنا اس کی غیرت
خلاف ہے اور محبت بھی محبوب کے اسرار میں سے ایک ہے اور بعض اوقات دعویٰ میں اصل بات سے زائد بات
سے نکل جاتی ہے اور یہ بہتان ہوگا جس کا نتیجہ آخرت میں برا ہے۔ اور دنیا میں بھی آزمائش ہوتی ہے ہاں بعض
محب کو محبت کا نشہ اس قدر ہوتا ہے کہ وہ اس میں مدہوش ہو جاتا ہے اور اس کے احوال میں اضطراب پ
ہوتا ہے اس وقت محبت ظاہر ہوتی ہے پس اگر اس قسم کا اظہار کسی تکلیف اور اختیار کے بغیر سرزد ہو تو وہ
ہوگا کیوں کہ وہ مغلوب ہوا اور بعض اوقات آتشِ محبت شعلہ زن ہوتی ہے کہ کسی کو اس کی تاب نہیں ہوتی اور کبھی اگر
دل بہہ جاتا ہے تو اس بہاؤ کو روکا نہیں جا سکتا۔

پس جو شخص راز کو چھپانے پر قادر ہو تو وہ یوں کہتا ہے۔

marfat.com

وَقَالُوْا قَرِیْبٌ فَلْتُ مَا اَنَا مَا نِعُ
بِقُرْبِ شُعَاعِ الشَّمْسِ لَوْ كَانَ فِیْ حُبِّیْ
فَمَالِیْ مِنْهُ غَیْرُ ذِكْرٍ بِخَاطِرٍ
یَهِیْجُ نَارُ الْحُبِّ وَالشَّوْقِ فِیْ صَدْرِیْ

اگرچہ وہ کہتے ہیں کہ دوست قریب ہے لیکن میں سورج کی شعاعوں کے قریب ہو کر کیا کروں اگرچہ وہ میرے کرے میں ہوں میرے دل میں صرف اسی کا ذکر ہے اور میرے سینے میں محبت و شوق کی آگ شعلہ زن رہتی ہے۔

اور جو شخص اس راز کو چھپانے سے عاجز ہو وہ کہتا ہے۔

یُخْفِیْ فَیُبْدِیْ الدَّمْعُ اَسْرَارَهٗ
وَیُظْهِرُ الْوَجْدَ عَلَیْهِ النَّفَسُ

وہ چھپاتا ہے لیکن آنسو اس کے اسرار کو ظاہر کر دیتے ہیں اور آہ بھرنا اس کے وجد کو ظاہر کرتا ہے۔

وہ یہ بھی کہتا ہے۔

وَمَنْ قَلْبُهٗ مَعَ غَیْرِهٖ كَیْفَ حَالُهٗ
وَمَنْ سِرُّهٗ فِیْ جَفْنِهٖ كَیْفَ یَكْتُمُ

اور جس کا دل اس کے غیر کے ساتھ ہو اس کا حال کیا ہو گا اور جس کا راز اس کی پلکوں میں ہو وہ کیسے چھپائے گا۔

بعض عارفین فرماتے ہیں لوگوں میں سے وہ شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ دور ہوتا ہے جو اس کی طرف اشارہ زیادہ کرے ریا ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر چیز میں بناوٹ سے کام لے اور اس طرح ہر ایک کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔ ا آدمی مبین اور اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والوں کے نزدیک ناپسندیدہ اور غضب کے لائق ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ اپنے کسی بھائی کے پاس تشریف لے گئے جو محبت کا ذکر کرتا تھا تو آپ نے اسے حان میں مبتلا دیکھا تو فرمایا جو اس کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کو محسوس کرے وہ اس سے محبت نہیں کرتا اس ں نے کہا میں کہتا ہوں وہ شخص اللہ تعالیٰ کا محب نہیں جو اس کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کی لذت محسوس نہیں کرتا ت ذوالنون رحمہ اللہ نے فرمایا میں کہتا ہوں جو شخص محبت میں شہرت چاہتا ہے اسے اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں اس پر ، آدمی نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

سوال :-

محبت ، مقامات کی انتہا ہے اس لیے اس کا ظاہر کرنا بہتر ہے تو اس کے اظہار کو برا کیوں قرار دیا گیا۔

جواب :-

جان لو کہ محبت قابل تعریف ہے اور اس کا ظاہر ہونا بھی محمود ہے البتہ بتکلف ظاہر کرنا برا ہے کیوں کہ اس میں ی اور تکبر ہے اور محب کا حق تو یہ ہے کہ اس کی پوشیدہ محبت افعال و احوال سے ظاہر ہو اقوال سے نہیں۔ اور سب یہ ہے کہ اس کی محبت قصد و ارادے کے بغیر ظاہر ہو اور وہ ایسے فعل کو بھی ظاہر نہ کرے جو محبت پر دلالت کرتا ہے حب کو چاہیئے کہ صرف محبوب کو مطلع کرنے کا ارادہ کرے دوسروں کی اطلاع کا ارادہ محبت میں شرک ہے اور اس میں

marfat.com

خلل پیدا کرتا ہے جیسا کہ انجیل میں آیا ہے کہ جب تم صدقہ کرو تو اس طرح کرو کہ تمہارے ہاتھ کے عمل کا بائیں ہاتھ کو علم نہ ہو اس
کا بدلہ اعلانیہ طور پر وہ دے گا جو پوشیدہ باتوں کو دیکھتا ہے اور جب تم روزہ رکھو تو اپنے چہرے کو دھولو اور سر میں تیل
تاکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس کا علم نہ ہو پس قول اور فعل دونوں کو ظاہر کرنا مذموم ہے ہاں جب محبت کا نشہ غالب
ہو تو زبان بولتی ہے اور اعضاء میں بے چینی پائی جاتی ہے تو اس صورت میں اس پر کوئی ملامت نہیں۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے کسی مجنون سے ایسا عمل دیکھا جس سے اپنے آپ کو ناواقف پایا اس نے یہ بات
حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ سے عرض کی تو انہوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا اے بھائی! اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے
والے چھوٹے بڑے، عقلمند اور مجنون سب طرح کے لوگ ہیں تم نے جو حالت دیکھی ہے وہ مجنون محبین کی حالت ہے
محبت کو ظاہر کرنا اس لیے بھی ناپسند ہے کہ محب اگر عارف ہے اور دائمی محبت اور لازمی شوق کے سبب
میں فرشتوں کے احوال سے واقف ہے کہ وہ دن رات کسی کوتاہی کے بغیر اس کی تسبیح کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی
نافرمانی نہیں کرتے اور ان کو جو حکم دیا جاتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں تو اسے اپنے آپ سے اور محبت کے ادعا
سے شرمندگی ہوتی ہے اور وہ قطعی طور پر جان لیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مملکت میں سب سے کمزور محب ہے اور اس
محبت ناقص ہے۔

کسی صاحب کشف محب نے فرمایا کہ میں نے تیس سال تک دل اور اعضاء کے اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت
کی اور اس میں خوب محنت کی اور جس قدر طاقت تھی خرچ کی حتیٰ کہ میں نے خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا مرتبہ ہے اور
آسمانی نشانیوں کے مکاشفات سے متعلق کئی باتیں ذکر کیں، یہ ایک طویل قصہ ہے اس کے آخر میں فرمایا میں فرشتوں
کی ایک صف میں پہنچا جن کی تعداد اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات کے برابر تھی میں نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم
سے محبت کرنے والے ہیں ہم تین لاکھ سال سے یہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں ہمارے دلوں میں اس کے
کسی کا خیال نہیں آیا اور نہ ہی ہم نے کسی اور کا ذکر کیا وہ بزرگ فرماتے ہیں (یہ سن کر) مجھے اپنے اعمال سے بہت حیا آئی
نے اپنے تمام اعمال ان لوگوں کو بخش دیئے جن کے لیے عذاب ثابت ہو گیا تھا تاکہ ان کے لیے جہنم میں آسانی
تو نتیجہ یہ ہوا کہ جو شخص اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے وہ اپنے رب کو پہچان لیتا ہے اور اس سے اس طرح
کرتا ہے جیسے حیا کرنے کا حق ہے تو اس کی زبان دعویٰ کرنے سے گنگ ہو جاتی ہے البتہ اس کی حرکات و سکنات
کسی عمل کا اقدام یا اعراض وغیرہ اس کی محبت پر گواہی دیتے ہیں جیسے حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے بارے میں
وہ فرماتے ہیں ہمارے استاذ حضرت سری سقطی رحمہ اللہ بیمار ہو گئے اور ہمیں ان کی بیماری کا سبب بھی معلوم نہ ہو
اور دوائی کے بارے میں بھی پتہ نہ چل سکا ہمیں ایک ماہر طبیب کے بارے میں بتایا گیا تو ہم ان کا قارورہ لے کر اس
پاس گئے طبیب نے اسے دیکھا اور کچھ دیر تک دیکھتا رہا پھر کہا مجھے یہ کسی عاشق کا پیشاب نظر آتا ہے حضرت جنید رحمہ

ہتے ہیں میں یہ بات سن کر گر پڑا اور بیہوش ہوگیا اور وہ قارورہ میرے ہاتھ سے گر پڑا۔
پھر میں حضرت سری رحمہ اللہ کے پاس آیا اور تمام بات بتادی وہ مسکرائے اور فرمایا اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے وہ
س قدر پہچان رکھتا ہے میں نے کہا اے استاذ! کیا پیشاب سے بھی محبت کا پتہ چلتا ہے؟ فرمایا ہاں ——
ایک مرتبہ حضرت سری رحمہ اللہ نے فرمایا تھا اگر میں چاہوں تو یوں کہوں کہ میری ہڈیوں پر میرے چمڑے کو اس کی محبت نے
ک کیا اور میرے جسم کو بھی اسی محبت نے کھینچا پھر ان پر بیہوشی طاری ہوگئی اور یہ بیہوشی اس بات کی دلیل تھی کہ انہوں
نے یہ بات غلبۂ وجد میں اس وقت فرمائی جب بیہوشی آنے والی تھی —— تو محبت کی علامات اور اس کے نتیجے
یہ بیان تھا۔
محبت کی علامات میں اُنس اور رضا بھی ہے جس کا بیان عنقریب ہوگا خلاصہ یہ ہے کہ دین کے تمام محاسن اور
ارم اخلاق محبت کا ثمرہ ہیں اور اگر محبت کا ثمرہ نہ ہو تو وہ خواہش کی اتباع ہے اور یہ نہایت ہی بُرے اخلاق سے ہے
ں بعض اوقات آدمی اللہ تعالیٰ سے اس کے احسانات کی وجہ سے محبت کرتا ہے اور بعض اوقات اس کا جلال و
ل باعثِ محبت ہوتا ہے اگرچہ اس کا احسان نہ ہو اور محبت کرنے والے ان دو قسموں سے باہر نہیں جاتے۔ اسی لیے
نرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے سلسلے میں بندے عام بھی ہیں اور خاص بھی، عام لوگوں نے یہ مرتبہ
ں لیے پایا کہ وہ ہمیشہ اس کے احسانات اور نعمتوں کی کثرت کو دیکھتے ہیں تو وہ اسے راضی کیے بغیر نہیں رہ سکتے البتہ
عامات و احسانات کی کمی زیادتی سے ان کی محبت بھی کم اور زیادہ ہوتی ہے لیکن خاص لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر،
رت علم، حکمت اور سلطنت میں یکتائی کے باعث اس کی عظمت کے پیش نظر محبت کا مقام حاصل کیا۔
جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ اور اسمائے حسنیٰ کی پہچان حاصل کرلی تو وہ اس سے محبت کیے بغیر
رہ سکے کیوں کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ اس بنیاد پر محبت کا مستحق ہے اس لیے وہ ان صفات کا اہل ہے
رچہ ان سے تمام نعمتیں چلی جائیں۔
ہاں بعض لوگ اپنی خواہشات نفسانیہ اور شیطان لعین سے محبت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے لیکن اس
ے باوجود ان کو دھوکہ ہوتا ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں حالانکہ ان لوگوں میں محبت کی ان
امات میں سے کوئی علامت نہیں پائی جاتی اور اگر ہوتی ہے تو وہ محض منافقت، ریاکاری اور شہرت کی وجہ سے ایسا
عاتے ہیں اور ان کی غرض دنیا کا فوری نفع ہے جب کہ وہ اس کے خلاف ظاہر کرتا ہے جس طرح علماء سُوء اور برے
ری اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کے دشمن ہیں۔
حضرت سہل رحمہ اللہ جب کسی انسان سے کلام کرتے تو فرماتے اے دوست! اے محبوب! آپ سے عرض کیا گیا
ہ بعض اوقات مخاطب دوست نہیں ہوتا تو آپ اسے کس طرح دوست کہتے ہیں؟ حضرت سہل رحمہ اللہ نے سوال کرنے

والے کے کان میں کہا کہ یہ دو حال سے خالی نہیں مومن ہوگا یا منافق ہے اگر مومن ہے تو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے اور منافق ہے تو شیطان کا دوست ہے۔

حضرت ابوتراب نخشبی رحمہ اللہ نے محبت کی علامات کے سلسلے میں چند اشعار کہے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

لَا تَخْدَعَنْ فَلِلْحَبِيْبِ دَلَائِلُ
وَلَدَ بِهٖ مِنْ تُحَفِ الْحَبِيْبِ رَسَائِلُ
مِنْهَا تَنَعُّمُهٗ بِمُرِّ بَلَائِهٖ
وَسُرُوْرُهٗ فِيْ كُلِّ مَا هُوَ فَاعِلٌ
فَالْمَنْعُ عَنْهُ عَطِيَّةٌ مَقْبُوْلَةٌ
وَالْفَقْرُ اِكْرَامٌ وَبِرٌّ عَاجِلٌ
وَمِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ تَرٰى مِنْ عَرْفِهٖ
طَوْعُ الْحَبِيْبِ وَاِنْ اَلَحَّ الْعَاذِلُ
وَمِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ يُرٰى مُتَبَسِّمًا
وَالْقَلْبُ فِيْهِ مِنَ الْحَبِيْبِ بَلَابِلُ
وَمِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ يُرٰى قُتَفِهِمًا
لِكَلَامِ مَنْ يُحْظٰى لَدَيْهِ السَّائِلُ
وَمِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ يُرٰى مُتَقَشِّفًا
مُتَحَفِّظًا مِنْ كُلِّ مَا هُوَ قَائِلٌ

دھوکہ نہ دے محبت کرنے والے کی کچھ علامات ہیں اور محبوب سے پہنچنے والے تحائف ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ محبوب کی طرف سے پہنچنے والی کڑوی تکلیف کو بھی برداشت کرے اور محبوب اس کے ساتھ جو سلوک کرے اس پر خوش ہو اگر وہ نعمت روک دے تو اسے مقبول عطیہ سمجھے اور فقر کو عزت اور فوری اچھائی خیال کرے محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ محبوب کی اطاعت کا عزم کرے اگرچہ ملامت گر بار بار ملامت کرے۔

اور حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ نے فرمایا۔

وَمِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ تَرَاهُ مُشْمِرًا
فِيْ خِرْقَتَيْنِ عَلٰى شُطُوْطِ السَّاحِلِ
وَمِنَ الدَّلَائِلِ حُزْنُهٗ وَنَحِيْبُهٗ
جَوْفَ الظَّلَامِ فَمَالَهٗ مِنْ عَاذِلِ
وَمِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ تَرَاهُ مُسَافِرًا
نَحْوَ الْجِهَادِ وَكُلِّ فِعْلٍ فَاضِلٍ
وَمِنَ الدَّلَائِلِ زُهْدُهٗ فِيْمَا يَرٰى
مِنْ دَارِ ذُلٍّ وَالنَّعِيْمِ الزَّائِلِ۔

محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ تم محب کو پست دیکھو اور وہ پانی کے کناروں پر نظر آئے۔ اور وہ رات کے اندھیرے میں گریہ اور آہ وزاری کرے نیز وہ جہاد اور ہر اچھے کام کی طرف سفر کرے نیز ذلت والے گھر اور زائل ہونے والی نعمتوں سے بے رغبت ہو۔

marfat.com

وَمِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ تَرَاهُ بَاكِيًا — محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ تم اسے روتا ہوا دیکھو
اِنْ قَدَرَاهُ عَلٰى قَبِيْحِ فَضَائِلِ — اگر وہ اپنے آپ کو بُرے کاموں میں دیکھے نیز یہ
وَمِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ تَرَاهُ مُسَلِّمًا — بھی محبت کی علامت ہے کہ وہ اپنے تمام امور کو
كُلَّ الْاُمُوْرِ اِلَى الْمَلِيْكِ الْفَاعِلِ — اپنے مالک کے سپرد کر دے۔
وَمِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ تَرَاهُ لَاضِيًا — نیز یہ کہ وہ اپنے مالک کی طرف سے آنے والے ہر
بِمَلِيْكِهٖ فِيْ كُلِّ حُكْمٍ نَازِلٍ — حکم پر راضی ہو یہ بھی محبت کی علامت ہے کہ لوگوں کے
وَمِنَ الدَّلَائِلِ فُحْكُهٗ بَيْنَ الْوَرٰى — سامنے ہنستا ہے لیکن اس کا دل اس شخص کے دل
وَالْقَلْبُ مَحْزُوْنٌ كَقَلْبِ الثَّاكِلِ — کی طرح غمگین ہوتا ہے جس کا بچہ گم ہو جائے۔

فصل ۱۲:

اللہ تعالیٰ سے انس کا معنیٰ

ہم نے ذکر کیا ہے کہ اُنس، خوف اور شوق محبت کے آثار میں سے ہیں لیکن یہ آثار مختلف ہیں محب کی نظر اور غلبۂ کیفیت کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں جب اس پردۂ غیب کے پیچھے سے انتہائے جمال تک اطلاع غالب ہو اور جلال کی حقیقت سے واقف ہونے سے اپنا قاصر ہونا سمجھ جائے تو دل اس کی طلب میں برانگیختہ ہوتا ہے اور اس کی طرف جوش مارتا ہے اس حالت کو شوق کہا جاتا ہے اور یہ امر غائب کی نسبت سے ہوتا ہے۔

اور جب اس پر قرب اور کشف سے حاصل ہونے والے مشاہدہ حضوری پر خوشی غالب ہو اور اس کی نظر صرف اس جمال کے مطالعہ تک محدود ہو جو حاضر اور واضح ہے اس کی طرف توجہ نہ ہو جس کا ادراک بعد میں ہوگا تو جو کچھ دیکھا ہے اس کی وجہ سے دل خوش ہوتا ہے اور اس خوشی کو اُنس کہتے ہیں اور اگر اس کی نظر عزت، استغناء، بے پرواہی اور زوال و بُعد کے امکان کے خطرے پر ہو تو اس شعور سے دل میں دُکھ پیدا ہوتا ہے اور اس دُکھ کا نام خوف ہے

تو یہ احوال ان ملاحظات کے تابع ہیں اور ملاحظات ان اسباب کے تابع ہیں جو ان ملاحظات کا تقاضا کرتے ہیں اور یہ بے شمار ہیں تو اُنس کا معنیٰ مطالعۂ جمال سے دل کا خوش ہونا ہے حتیٰ کہ جب یہ خوشی غالب ہو اور جو کچھ غائب ہے اس کا خیال نہ رہے اور نہ ہی خطرۂ زوال ہو تو اس کی لذت اور راحت بڑھ جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ مشتاق ہیں انہوں نے جواب دیا نہیں شوق تو غائب چیز کا ہوتا ہے جب غائب، حاضر ہو جائے تو کس کا شوق ہوگا؟ تو یہ اُس شخص کا قول ہے جو حاصل شدہ پر خوشی میں ڈوبا ہوا تھا مزید لطف و کرم جو ممکن ہے ان کی طرف توجہ نہ تھی اور جس آدمی پر اُنس غالب ہو اس کی خواہش تنہائی اور گوشہ نشینی کی طرف ہوتی ہے جیسا کہ حضرت

marfat.com

ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ پہاڑ سے اترے تو ان سے عرض کیا گیا آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے اُنس سے، یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سے اُنس کو غیر اللہ سے وحشت لازم ہوتی ہے بلکہ جو کام تنہائی میں رکاوٹ ہو وہ دل پر سب سے زیادہ گراں گزرتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا تو ایک عرصہ تک آپ لوگوں میں سے جس کی گفتگو سنتے آپ پر بیہوشی طاری ہو جاتی کیوں کہ محبت کی وجہ سے محبوب کا کلام اور ذکر میٹھا لگتا ہے لہٰذا دل سے اس کے غیر کی مٹھاس نکل جاتی ہے۔

اسی لیے کسی دانا نے اپنی دعا میں یوں کہا کہ اے وہ ذات جس نے اپنے ذکر سے مجھے مانوس کیا اور مخلوق سے وحشت میں ڈالا ——

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ میرے مشتاق ہو جائیں اور مجھ سے اُنس حاصل کریں نیز میرے غیر سے متنفر ہو جائیں۔

حضرت رابعہ رحمہا اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ مقام کیسے پایا؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے بے مقصد بات کو چھوڑ دیا اور اس ذات سے اُنس حاصل کیا جو ہمیشہ رہے گا۔

حضرت عبدالواحد بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں ایک راہب کے پاس سے گزرا تو میں نے کہا اے راہب! کیا تمہیں تنہائی پسند ہے؟ اس نے کہا بھائی! اگر تم گوشہ نشینی کا مزہ چکھتے تو اپنے نفس سے بھی نفرت کرتے تنہائی عبادت کی جڑ ہے میں نے کہا اے راہب! تنہائی سے کم از کم کیا فائدہ پاتے ہو؟ اس نے کہا لوگوں کی خوشامد سے راحت اور ان کی شر سے سلامتی حاصل ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا اے راہب! بندہ اللہ تعالیٰ سے اُنس کی مٹھاس کب پاتا ہے؟ اس نے کہا جب دوستی صاف اور معاملہ خالص ہو میں نے پوچھا محبت کب صاف ہوتی ہے؟ اس نے کہا جب تمام افکار جمع ہو کر اطاعت میں ایک ہو جائیں۔

کسی دانا کا قول ہے کہ لوگوں پر تعجب ہے وہ کیسے تجھ سے بدل چاہتے ہیں اور دلوں پر تعجب ہے وہ کیسے تجھے چھوڑ کر دوسروں سے اُنس حاصل کرتے ہیں۔

سوال :-

اُنس کی علامت کیا ہے؟

جواب :-

جان لو کہ اس کی خاص علامت یہ ہے کہ لوگوں کی مجلس سے اس کا دل تنگ ہو اور ان سے گھبراہٹ ہو نیز ذکر خداوندی کی شیرینی کا بہت زیادہ حریص ہو اس صورت میں اگر وہ ملے گا تو وہ جماعت میں تنہا خلوت میں مجتمع، وطن میں اجنبی، سفر میں مقیم، غائب ہونے کی حالت میں حاضر اور حاضری کی حالت میں غائب ہوتا ہے بدن سے میل جول کرتا ہے لیکن قلبی

طور پر تنہا ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی مٹھاس میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان لوگوں کے وصف میں فرمایا کہ یہ ایسے لوگ ہے جن پر حقیقتِ علم ہجوم کر گیا تو وہ رُوحِ یقین سے بہرہ ور ہوئے جس چیز کو دولت مند مشکل جانتے ہیں ان کے نزدیک وہ آسان ہے انہوں نے اس چیز سے انس حاصل کیا جس سے جاہلوں کو وحشت ہوتی ہے دنیا سے ان کا تعلق صرف جسمانی ہے اور ان کی ارواح محلِ اعلیٰ سے معلق ہیں یہ لوگ زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلفاء اور اس کے دین کے داعی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ سے اُنس کا یہی معنیٰ ہے اور یہ اس کی علامت اور شواہد ہیں۔

بعض متکلمین نے اُنس، شوق اور محبت کا انکار کیا کیوں کہ ان کے خیال میں یہ تشبیہ (اللہ تعالیٰ کے مخلوق کے مشابہ ہونے) پر دلالت ہے حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ ظاہری آنکھوں سے نظر آنی والی چیزوں کے جمال کے مقابلے میں دل کی آنکھوں سے دیکھی جانے والی صفات کا جمال زیادہ مکمل ہوتا ہے اور معرفت کی لذت اربابِ قلوب پر زیادہ غالب ہوتی ہے۔

ان میں سے احمد بن غالب ہے جس کو غلامِ خلیل کے نام سے پہچانا جاتا ہے، اُس نے حضرت جنید بغدادی اور حضرت ابوالحسن نوری رحمہما اللہ اور ایک جماعت پر محبت، شوق اور عشق کے حوالے سے اعتراض کیا حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے مقامِ رضا کا انکار کیا اور کہا کہ صرف صبر ہی ہے رضا کا تصور نہیں ہو سکتا اور یہ تمام گفتگو ناقص و قاصر ہے یہ لوگ دین سے صرف چھلکے کو جانتے ہیں ان کے خیال میں صرف چھلکے کا وجود ہے کیوں کہ محسوسات اور جو کچھ دین کے طریقے سے خیال میں آتا ہے وہ محض چھلکا ہے اور یہ مطلوب مغز کے علاوہ ہے جس شخص کی رسائی اخروٹ کے چھلکے تک ہو وہ اخروٹ کو مکمل طور پر کڑوی خیال کرتا ہے اور اس کے نزدیک اس سے تیل کا نکلنا محال ہے تو ایسا شخص معذور ہے لیکن اس کا عذر قابلِ قبول نہیں اسی سلسلے میں کہا گیا ہے۔

اَلْاُنْسُ بِاللّٰہِ لَا یَخْوِیْہِ بُطَّالٌ وَلَیْسَ یُدْرِکُہٗ بِالْحَوْلِ مُحْتَالٌ وَالْاٰنِسُوْنَ رِجَالٌ کُلُّھُمْ نُجُبٌ وَکُلُّھُمْ صَفْوَۃٌ لِلّٰہِ عُمَّالٌ۔

اللہ تعالیٰ سے اُنس اہلِ باطل کی سمجھ میں نہیں آسکتا اور حیلہ گر اس کا ادراک نہیں کر سکتا اُنس رکھنے والے تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ منتخب شریف اور باعمل لوگ ہیں۔

فصل ۱۱:

غلبۂ انس کا نتیجہ کشادگی اور محبت کا مفہوم

جب اُنس دائمی، غالب اور مستحکم ہو اور شوق کی پریشانی یا تبدیلی اور حجاب کا خوف اسے گدلا نہ کرے تو اس سے اقوال و افعال اور اللہ تعالیٰ سے مناجات میں کشادگی پیدا ہوتی ہے بعض اوقات بظاہر یہ برا ہوتا ہے کیوں کہ اس میں جرأت ہوتی ہے اور ہیبت کم ہوتی ہے لیکن جو شخص مقامِ اُنس میں ہوتا ہے اس سے یہ بات برداشت کی جاتی ہے اور جو آدمی اس

marfat.com

مقام میں نہیں ہوتا بلکہ فعل اور کلام میں ان لوگوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو وہ ہلاک ہوتا اور کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔
اس کی مثال برخ اسود کی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس سے کہیں کہ وہ بنی اسرائیل کے لیے بارش مانگے اس وقت بنی اسرائیل سات سال قحط کا شکار ہو گئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر ہزار آدمیوں کو لے کر باہر تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ میں ان لوگوں کی دعا کیسے قبول کروں جب کہ ان پر ان کے گناہوں کا اندھیرا چھایا ہوا ہے ان کے باطن خبیث ہیں جو مجھے یقین کے بغیر پکارتے ہیں اور میری خفیہ تدبیر سے بے خوف ہیں میرے بندوں میں سے ایک بندے برخ سے پاس تشریف لے جائیں اور اس سے کہیں کہ وہ باہر نکلے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے برخ کے بارے میں پوچھا تو پتہ نہ چلا اچانک ایک دن آپ راستے میں جا رہے تھے کہ ایک سیاہ غلام آگے سے آرہا تھا اس کی آنکھوں کے درمیان مٹی لگی ہوئی تھی جو سجدے کا نشان تھا اس کے اوپر ایک چادر تھی جسے گردن کے ساتھ باندھ رکھا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نور الٰہی سے اسے پہچان لیا اسے سلام کیا اور نام پوچھا اس نے عرض کیا کہ میرا نام برخ ہے آپ نے فرمایا ہم ایک مدت سے تجھے تلاش کر رہے ہیں آپ باہر تشریف لے جائیں اور ہمارے لیے بارش کی دعا مانگیں۔ چنانچہ برخ نے باہر نکل کر یوں دعا مانگی۔

یا اللہ! نہ تو تیرا یہ کام ہے اور نہ تیری بردباری پھر ایسا کیوں ہے؟ کیا تیرے چشمے کم ہو گئے ہیں یا ہواؤں نے تیری اطاعت سے منہ پھیر لیا ہے یا تیرے خزانے ختم ہو گئے ہیں یا گناہ گاروں پر تیرا غضب بڑھ گیا ہے؟ یا اللہ! کیا تو بخشنے والا نہیں ہے تو نے خطا کرنے والوں سے پہلے اپنی رحمت کو پیدا کیا اور مہربانی کا حکم دیا کیا تو ہمیں یہ بتاتا ہے کہ تجھ تک رسائی نہیں ہو سکتی یا مخلوق کے بھاگنے کے خوف سے ان کو جلد سزا دیتا ہے۔

وہ اس قسم کی باتیں کرتا رہا حتیٰ کہ بارش برسنا شروع ہو گئی اور بنی اسرائیل تر ہو گئے اللہ تعالیٰ نے نصف دن میں گھاس کو اگا کر اتنا بڑا کر دیا کہ وہ گھٹنوں تک پہنچ گئی فرماتے ہیں برخ واپس ہوا تو راستے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا میں اپنے رب سے کیسے جھگڑا اور اس نے کس طرح مجھ سے انصاف کیا (فضل فرمایا) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی طرف قصد کیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ برخ روزانہ تین مرتبہ ہنستا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ بصرہ میں چند چھپر آگ سے جل گئے لیکن درمیان میں ایک چھپر نہ جلا ان دنوں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ بصرہ کے امیر تھے ان کو اس بات کی اطلاع کی گئی تو انہوں نے اس چھپر والے کو طلب فرمایا۔ وہ بوڑھا شخص آیا تو آپ نے فرمایا اے شیخ! کیا وجہ ہے تمہارا چھپر نہیں جلا اس نے کہا میں نے اللہ تعالیٰ کو قسم دی تھی کہ وہ میرا چھپر نہ جلائے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

marfat.com

يَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ قَوْمٌ شَعِثَةٌ رُؤُوْسُهُمْ دَنِسَةٌ ثِيَابُهُمْ لَوْ اَقْسَمُوْا عَلَى اللهِ لَاَبَرَّهُمْ (۱)

میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کے بال بکھرے ہوئے اور کپڑے میلے ہوں گے اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کرے گا۔

حضرت حسن رحمہ اللہ سے ہی روایت ہے کہ بصرہ میں آگ لگ گئی تو حضرت ابو عبیدہ بن خواص رحمہ اللہ آگ پر سے گزرتے ہوئے تشریف لائے امیر بصرہ نے ان سے کہا خیال کیجیے کہیں آگ میں جل نہ جائیں انہوں نے فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل کو قسم دی ہے کہ وہ مجھے نہیں جلائے گا فرمایا پھر آگ کو بھی قسم دو کہ بجھ جائے چنانچہ انہوں نے قسم دی تو وہ بجھ گئی۔

حضرت ابو حفص رحمہ اللہ ایک دن جا رہے تھے کہ سامنے سے ایک گنوار (دیہاتی) آیا جس کے ہوش و حواس قائم نہیں تھے حضرت ابو حفص نے پوچھا تجھے کیا پریشانی ہے؟ اس نے کہا میرا گدھا گم ہو گیا ہے اور میرے پاس دوسرا گدھا نہیں ہے راوی کہتے ہیں حضرت ابو حفص کھڑے ہوئے اور کہا (اے اللہ!) تیری عزت کی قسم! جب تک تو اس شخص کا گدھا واپس نہیں لائے گا میں یہاں سے ایک قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ چنانچہ اس کا گدھا اسی وقت ظاہر ہو گیا اور حضرت حفص رحمہ اللہ وہاں سے چل پڑے۔

اس قسم کی مثالیں انس والوں کے لیے جاری ہوتی ہیں دوسروں کو ان سے تشبیہ کا حق نہیں حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل انس خلوت میں اپنے کلام اور مناجات میں ایسی باتیں کہتے ہیں جو عام لوگوں کے نزدیک کفر ہیں اور ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا اگر عام لوگ یہ باتیں سنیں تو ان کو کافر قرار دیں۔ حالانکہ وہ ان باتوں سے اپنے معاملات میں ترقی پاتے ہیں ان سے یہ باتیں برداشت بھی کی جاتی ہیں اور یہ ان کے لائق بھی ہیں کسی شاعر نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے

قَوْمٌ تَغَالَبُهُمْ زَهْوٌ بِسَيِّدِهِمْ
وَالْعَبْدُ يَزْهُوْ عَلَى مِقْدَارِ مَوْلَاهُ
تَاهُوْا بِرُؤْيَتِهٖ عَمَّا سِوَاهُ لَهُ
بِاَحْسَنِ رُؤْيَتِهِمْ فِيْ عِزِّمَا هَوَوْا

وہ ایک قوم ہے جو اپنے مولا پر ناز کرتے ہیں اور بندہ اپنے مولیٰ کی قدر کے مطابق ناز کرتا ہے انہوں نے اس کو دیکھا تو سب کچھ چھوڑ دیا کیوں کہ اس کو دیکھنا ہی ان کے لیے باعث فخر ہے۔

اور اس بات کو بعید نہ جانو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کی ایک بات پر راضی ہوتا ہے جب کہ وہی دوسرے سے ناپسند فرماتا ہے لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے جب ان کا مقام مختلف ہو۔

قرآن پاک میں ان معانی پر تنبیہات ہیں اگر تم سمجھو کیوں کہ قرآن پاک میں مذکور تمام واقعات اصحاب بصیرت و بصارت کے لیے تنبیہات ہیں کہ وہ ان سے عبرت پکڑیں اور ایسے لوگوں کے لیے یہ محض نام ہیں مثلاً سب سے پہلا قصہ حضرت آدم

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۵ ص ۴۰۹ حدیث ۸۵۵۸

marfat.com

اور ابلیس لعین کا کیا تم نہیں دیکھتے کہ لفظ معصیت اور مخالفت میں دونوں شریک ہیں لیکن منتخب اور معصوم ہونے کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے۔ ابلیس اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور ہوا اور کہا گیا کہ وہ رحمت سے دُور لوگوں میں سے ہے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى۔ (۱)

اور حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم سے (بظاہر) روگردانی کی تو لغزش واقع ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو منتخب فرمایا ان کی توبہ قبول فرمائی اور ہدایت دی

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک آدمی سے اعراض کرنے اور دوسرے کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے ناراضگی کا اظہار فرمایا حالاں کہ بندہ ہونے میں دونوں برابر تھے لیکن دونوں کا حال مختلف تھا۔

ارشاد فرمایا۔

وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى وَهُوَ يَخْشٰى فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى۔ (۲)

اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہ ڈرتا ہے تو آپ اس سے غفلت برتتے ہیں۔

اور دوسرے کے بارے میں فرمایا۔

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى۔ (۳)

اور جو آپ سے بے نیاز ہوتا ہے آپ اس کی فکر میں ہیں۔

اسی طرح آپ کو ایک جماعت کے ساتھ بیٹھنے کا حکم دیا ارشاد فرمایا۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ۔ (۴)

اور جب آپ کے پاس ہماری آیات پر ایمان لانے والے آئیں تو ان کو سلام کہیں۔

جب کہ دوسروں سے اعراض کا حکم دیا فرمایا۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ۔ (۴)

اور جب ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں پڑتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ طٰہٰ آیت ۱۲۱ - ۱۲۲

(۲) قرآن مجید سورۂ عبس آیت ۸

(۳) قرآن مجید سورۂ عبس آیت ۵

(۴) قرآن مجید، سورۂ انعام آیت ۵۴ تا ۶۸

marfat.com

یہاں تک کہ فرمایا۔

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (۱)

پس یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ نہ بیٹھو۔

اور ارشاد فرمایا۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ۔ (۲)

اور آپ اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ روک رکھیں جو صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں (اس کی عبادت کرتے ہیں)

اسی طرح کشادگی اور ناز بھی بعض بندوں سے برداشت کیا جاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول بھی اسی انبساط (کشادگی) کی دلیل ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ۔ (۳)

یہ سب تیرا آزمائش ہے اس سے جس کو چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا گیا تو آپ نے عذر پیش کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ۔ (۴)

ان کا مجھ پر ایک الزام ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ۔ (۵)

مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں اور میرا سینہ تنگ ہو جائے اور میری زبان رک جائے۔

اور انہوں نے یہ بھی کہا (ارشاد خداوندی ہے)

اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى (۶)

ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا وہ سرکشی کرے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۶۸

(۲) قرآن مجید، سورۃ کہف آیت ۲۸

(۳) قرآن مجید، سورۃ اعراف آیت ۱۵۵

(۴) قرآن مجید، سورۃ شعراء آیت ۱۴

(۵) قرآن مجید، سورۃ شعراء آیت ۱۲، ۱۳

(۶) قرآن مجید، سورۃ طٰہٰ آیت ۴۵

marfat.com

حالاں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی شخص یہ باتیں کہتا تو بے ادبی شمار ہوتی کیوں کہ جو شخص مقام اُنس
ہوتا ہے اس سے نرمی برتی جاتی ہے اور اس کی باتیں برداشت کی جاتی ہیں حضرت یونس علیہ السلام جب مقام قبض اور
ہیبت میں تھے تو ان سے اس سے کم بات بھی برداشت نہ کی گئی پس ان کو مچھلی کے پیٹ میں تین اندھیروں میں قید میں
ڈال دیا گیا اور قیامت تک ان کے حق میں یہ ندا دی گئی۔

لَوْلَآ اَنْ تَدَارَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ۔ (۱)

اگر اس کے رب کی نعمت اس کی خبر کو نہ پہنچ جاتی تو ضرور میدان پر پھینک دیا جاتا الزام دیا ہوا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "عراء" سے مراد قیامت ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان (حضرت یونس علیہ السلام) کی اقتدا سے منع کیا گیا اور فرمایا گیا۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ۔ (۲)

آپ اپنے رب کے حکم پر صبر کریں اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں کہ اس نے پکارا تو وہ غصے میں بھرا ہوا تھا۔

ان اختلافات میں سے بعض اختلاف احوال و مقامات کے اعتبار سے ہیں اور بعض اس وجہ سے ہیں کہ ازل میں بندوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دے دی گئی اور ان کی قسمت میں تفاوت رکھا گیا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ۔ (۳)

اور بے شک ہم نے بعض انبیاء کرام کو بعض پر فضیلت دی۔

اور ارشاد فرمایا۔

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔ (۴)

ان میں سے کسی سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور ان میں سے بعض کے درجات کو ہم نے بلند فرمایا۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان انبیاء کرام میں سے تھے جن کو فضیلت دی گئی اور اسی نازکی وجہ سے انہوں نے اپنے اوپر سلام بھیجا فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ قلم آیت ۴۹
(۲) قرآن مجید، سورۃ قلم آیت ۴۸
(۳) قرآن مجید، سورۃ اسراء آیت ۵۵
(۴) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۵۳

marfat.com

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا۔ (۱)

اور مجھ پر سلام ہو جس دن میری ولادت ہوئی جس دن میں انتقال کر جاؤں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔

تو جب آپ نے مقام اُنس دیکھا تو جرأت کی اور ناز کے طور پر یہ بات فرمائی جب کہ حضرت زکریا علیہ السلام ہیبت کے مقام پر تھے تو انہوں نے یہ بات نہیں فرمائی بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ۔ (۲)

اور ان پر سلام ہو۔

اور دیکھئے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے جو سلوک کیا وہ کس طرح برداشت کیا گیا بعض علماء ہیں کہ میں نے ارشاد خداوندی

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰى اَبِيْنَا مِنَّا۔ (۳)

جب انہوں نے کہا البتہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں۔

(اس آیت) سے لے کر بیس آیات تک جہاں یہ فرمایا گیا کہ

وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ۔ (۴)

اور وہ، حضرت یوسف علیہ السلام میں رغبت نہیں رکھتے تھے

(ان آیات میں) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی چالیس سے زیادہ خطائیں شمار کی ہیں ان میں سے بعض دوسری کے مقابلے میں بڑی ہیں۔ ایک ایک کلمہ میں تین تین چار چار خطائیں جمع ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا اور معاف

اسی طرح بلعم بن باعورا جو اکابر علماء میں تھا اس نے دین کے بدلے میں دنیا کو کھایا تو اس سے یہ عمل برداشت اور اسراف (زیادتی) کرنے والوں میں سے تھا اور اس کا گناہ اعضاء سے متعلق تھا تو اسے معاف کر دیا گیا۔

ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے عابدین کے سردار! اے نبی کی حجت کے بیٹے! تیری خالہ کا بیٹا آصف کب تک میری نافرمانی کرتا رہے گا میں بار بار بردباری سے پیش آ رہا ہوں اپنی عزت و جلال کی قسم! اگر میری ہوا کے کسی جھونکے نے اسے پکڑ لیا تو میں اس کے ساتھیوں کے لیے اسے مثال

قرآن مجید سورۂ مریم آیت ۳۳

قرآن مجید، سورۂ مریم آیت ۱۵

قرآن مجید سورۃ یوسف آیت ۸

قرآن مجید سورۃ یوسف آیت ۲۰

marfat.com

اور بعد والوں کے لیے عبرت بنا کر چھوڑوں گا۔ جب آصف، حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئے اور آپ نے وحی
کی خبر دی چنانچہ وہ باہر چلے گئے اور ریت کے ایک ٹیلے پر چڑھ کر اپنا منہ اور ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر عرض کیا ا
میرے معبود! اے میرے آقا! تو تُو ہے اور میں میں ہوں اگر تو میری توبہ قبول نہیں کرے گا تو میں کیسے توبہ کرو
اور اگر تو مجھے نہیں بچائے گا تو میں کیسے بچوں گا اور دوبارہ اس طرف لوٹ جاؤں گا اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی
کی اے آصف! تم نے سچ کہا تو تُو ہے اور میں میں ہوں تو، تو بہ کی طرف متوجہ ہو میں نے تیری توبہ قبول کر لی اور میں
توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں۔

حضرت آصف کا یہ کلام اسی طرح ہے جس طرح کوئی نماز سے بات کرے اور اللہ تعالیٰ سے اسی کی طرف بھا
اور اسی کے ذریعے اس کو دیکھے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک بندہ جو ہلاکت کے کنارے پر پہنچ چکا تھا اسے بچانے کے لیے وحی بھیجی کہ تو
کتنے ہی ایسے گناہ کیے کہ میں نے ان سے کمتر گناہ کے باعث ایک پوری امت کو ہلاک کر دیا۔

توبہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ جاریہ ہے کہ اس کی مشیت ازلیہ کے مطابق بندوں کے درمیان فضیلت اور تقدیم و
وغیرہ کا سلسلہ رکھا گیا ہے قرآن مجید میں یہ واقعات مذکور ہیں تاکہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کے بار
میں جو پہلے گزر چکے ہیں اس کا طریقہ معلوم ہو کیوں کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے وہ ہدایت اور نور ہے نیز اللہ تعالیٰ کی طر
بندوں کو آگاہی ہے کبھی تو وہ بندوں کو اپنی تقدیس کی پہچان کراتا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ
وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (۱)

آپ فرما دیجیے اللہ تعالیٰ ایک ہے وہ بے نیاز ہے
نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور
اس کا کوئی ہمسر بھی نہیں۔

بعض اوقات اس کے جلال کی صفات سے آگاہی ہوتی ہے جیسے وہ ارشاد فرماتا ہے۔

اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ
الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ۔ (۲)

وہ بادشاہ ہے پاک سلامتی دینے والا امان بخشنے والا
حفاظت فرمانے والا عزت والا، عظمت والا، تکبر والا۔

کبھی وہ اپنے افعال کی پہچان کراتا ہے جو خوف پیدا کرتے یا امید دلاتے ہیں چنانچہ وہ اپنے دشمنوں اور اپنے انبیاء کرام
علیہم السلام سے متعلق اپنے طریقے کو یوں بیان کرتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ اخلاص (مکمل)
(۲) قرآن مجید، سورۃ الحشر آیت ۲۳

marfat.com

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ۔ (۱)

کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے عاد کے ساتھ کیسا کیا وہ ارم جو زیادہ طول والے (لمبے قد والے) تھے

اور ارشاد فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ۔ (۲)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔

قرآن پاک میں یہی تین اقسام ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی تقدیس کی معرفت یا اس کی صفات و اسمائے کی معرفت یا اس کے افعال اور طریقے کی معرفت کی طرف راہنمائی کرنا۔

چونکہ سورۂ اخلاص تین اقسام میں سے ایک قسم پر مشتمل ہے اور وہ تقدیس ہے اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کا تیسرا حصہ قرار دیا آپ نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ قَرَاَ سُوْرَةَ الْاِخْلَاصِ فَقَدْ قَرَاَ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ۔ (۳)

جس نے سورۂ اخلاص پڑھی اس نے قرآن پاک کا تیسرا حصہ پڑھا۔

وجوں کہ تقدیس کی انتہا یہ ہے کہ وہ تین امور میں یکتا ہو ایک یہ کہ اس سے اس کی کوئی نظیر اور شبیہ حاصل نہ ہو اس کا خداوندی "لَمْ يَلِدْ" دلالت کرتا ہے دوسرا یہ کہ وہ خود اپنی مثل اور نظیر سے نہ ہو اس پر ارشاد خداوندی "وَلَمْ" دلالت کرتا ہے تیسرا یہ کہ اس کی اصل و فرع نہ ہونے کے ساتھ ساتھ کوئی بھی اس کے درجہ میں نہ ہو اس "لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ" دلالت کرتا ہے اور ان تمام باتوں کو "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" میں جمع کیا گیا ہے تمام سورت "لا الہ الا اللہ" کی تفصیل ہے۔

اسرار قرآن ہیں اور قرآن میں ایسے اسرار بے انتہا ہیں

شک و تر چیز (کا ذکر) قرآن پاک ہے اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

وْدُوا الْقُرْاٰنَ وَالْتَمِسُوْا غَرَائِبَهٗ فَفِيْهِ عِلْمُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ۔

قرآن مجید سے روشنی حاصل کرو اور اس کے عجائب تلاش کرو کیوں کہ اس میں پہلوں اور پچھلوں کا علم ہے۔

ت اسی طرح ہے جس طرح انہوں نے فرمایا اور اس کی پہچان صرف اسی شخص کو ہو سکتی ہے جو اس کے ایک ایک

قرآن مجید، سورۃ الفجر آیت ۶، ۷

قرآن مجید، سورۃ فیل آیت ۱

مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۱۷ مروی از ابو ایوب

marfat.com

کلمے میں خوب غور کرے اور اس کا فہم بھی صاف ہو حتیٰ کہ اس کے لیے ہر کلمہ گواہی دے کہ وہ جبار و قاہر اور مالک و
ذات کا کلام ہے نیز وہ انسانی طاقت سے باہر ہے۔

اور اکثر اسرارِ قرآن واقعات اور خبروں کے ضمن میں ہیں لہٰذا تمہیں ان کے حصول کی حرص کرنا چاہیئے تاکہ تمہار
لئے اس کے وہ عجائب منکشف ہوں جن کے سامنے وہ گھڑے ہوئے علوم، ہیچ معلوم ہوں جو اس سے خارج ہ

معنیٰ و اُنس کے سلسلے میں ہم یہ باتیں ذکر کرنا چاہتے تھے نیز وہ بے تکلفی جو اس کا نتیجہ ہے اور یہ کہ اس سلسلے
بندوں کے درمیان تفاوت ہے ـــــ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فصل ۱۲:

اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونے کا مفہوم، حقیقت اور فضیلت

جاننا چاہیے کہ رضا محبت کے ثمرات میں سے ایک ثمر ہے اور یہ مقربین کا سب سے اعلیٰ مقام ہے اس کی حقیقت
لوگوں پر مخفی ہے اس سلسلے میں جو مشابہت اور ابہام ہے وہ صرف ان لوگوں کے سامنے واضح ہوتا ہے جن کو اللہ
تاویل کا علم اور فہم عطا فرماتا اور دین کی سمجھ مرحمت فرماتا ہے منکر لوگوں نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ جوابات
کے خلاف ہو اس پر آدمی راضی ہو پھر انہوں نے کہا کہ اگر ہر چیز پر راضی ہونا ممکن ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تو کفر
گناہ پر راضی ہونا چاہیے یہ لوگ دھوکے میں پڑ گئے اور انہوں نے گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر راضی ہونے اور
انکار کو چھوڑنے کو بھی اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو تسلیم کرنا قرار دیا۔

اگر یہ اسرار آدمی پر صرف ظاہری احکام شرع سننے سے کھل جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن عباس
رضی اللہ عنہما کے لیے یہ دعا نہ مانگتے۔

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ (۱) یا اللہ! ان کو دین کی سمجھ اور تاویل کا علم عطا فرما۔

سب سے پہلے ہم رضا کی فضیلت بیان کرتے ہیں پھر اہل رضا کے احوال کی حکایات پھر حقیقت رضا اس کے
خواہش کے خلاف رضا کے تصور کی کیفیت بیان کریں گے پھر ان امور کا بیان ہوگا جن کو رضا کی تکمیل قرار دیا جاتا ہے
ان کا رضا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا جس طرح دعا کو چھوڑ دینا اور گناہوں پر خاموشی اختیار کرنا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۶۶ مرویات ابن عباس

فصل ۱۳:

فضیلتِ رضا

آیات:

ارشاد خداوندی ہے۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔ (۱) اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔ (۲) اور نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کیا ہے۔

اور احسان کی انتہا اللہ تعالیٰ کا بندے سے راضی ہونا ہے اور یہ بندے کے اللہ تعالیٰ سے راضی ہونے کا ثواب ہے اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔ (۳) اور ہمیشہ رہنے والے باغات میں پاک گھر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا بہت بڑی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے "جنات عدن" کے مقابلے میں رضا کا مقام بڑھ کر فرمایا جیسے اپنے ذکر کو نماز سے اوپر قرار دیا ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔ (۴) بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اس سے بھی بڑا ہے۔

تو جس طرح اس ذات کا مشاہدہ جس کا نماز میں ذکر ہوتا ہے نماز سے بڑا ہے تو جنت کے مالک کی رضا بھی جنت سے بڑھ ہے بلکہ یہ تو جنتیوں کا انتہائی مقصود ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَتَجَلّٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ فَیَقُوْلُ سَلُوْنِیْ فَیَقُوْلُوْنَ رِضَاکَ۔ (۵) بیشک اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے تجلی فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا مجھ سے سوال کرو تو وہ کہیں گے ہم تیری رضا چاہتے ہیں۔

---

۱ قرآن مجید، سورۃ البینہ آیت ۸

۲ قرآن مجید، سورۃ رحمٰن آیت ۶۰

۳ قرآن مجید، سورۃ توبہ آیت ۷۲

۴ قرآن مجید، سورۃ عنکبوت آیت ۴۵

(۵) تذکرۃ الموضوعات ص ۲۲۶ باب امور القیامۃ

marfat.com

تو دیدار کے بعد رضا کا سوال کرنا نہایت ہی فضیلت کا باعث ہے جہاں تک بندے کی رضا کا تعلق ہے تو ہم عنقریب اس کی حقیقت بیان کریں گے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کا بندے سے راضی ہونا ہے تو اس کا معنی دوسرا ہے اور یہ اس بات کے قریب ہے جو ہم اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کے سلسلے میں لکھی ہے۔

اس کی حقیقت کا انکشاف جائز نہیں کیوں کہ اس بات کو سمجھنے سے لوگوں کے فہم قاصر ہیں اور جو اس پر قادر ہے اس کو بتانے کی ضرورت نہیں خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بڑھ کر کوئی رتبہ نہیں انہوں نے رضا کا سوال اس لیے کیا کہ یہ دائمی دیدار کا سبب ہے گویا انہوں نے اسے سب سے بڑا مقصود اور انتہائی درجہ کی خواہش سمجھا جب وہ دیدار کی لذت سے کامیاب ہوئے اور جب ان کو سوال کرنے کی اجازت دی تو انہوں نے صرف اس کے دوام کا سوال کیا اور جان لیا کہ رضا کی وجہ سے پردہ ہمیشہ کے لیے اٹھ جائے گا۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ۔ (۱) اور ہمارے پاس مزید ہے۔

بعض مفسرین نے اس سلسلے میں فرمایا کہ اہل جنت کے پاس وقتِ مزید میں رب العالمین کی طرف سے تین تحفے آئیں گے ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدیہ ہوگا کہ جنت میں اس کی مثل ان کے پاس نہیں ہوگا اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ۔ (۲) پس کسی نفس کو علم نہیں کہ ان کے لیے کون سی چیز مخفی رکھی گئی جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

دوسرا تحفہ ان کے رب کی طرف سے ان کو سلام کا پہنچنا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ۔ (۳) ان پر سلام ہوگا جو رحمت والے رب کی طرف سے فرمایا ہوا۔

اور تیسرا تحفہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہوگا کہ میں تم سے راضی ہوں اور یہ ہدیہ اور سلام سے افضل ہوگا۔ ارشاد خداوندی ہے

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ (۴) اور اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ ق آیت ۳۵

(۲) قرآن مجید، سورۂ السجدۃ آیت ۱۷

(۳) قرآن مجید، سورۂ یٰسین آیت ۵۸

(۴) قرآن مجید، سورۂ توبہ آیت ۷۲

marfat.com

یعنی وہ نعمتیں جن میں وہ ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی صورت میں اس کا فضل ہے جو بندے کی رضا کا نتیجہ ہے۔

احادیث:

روایات میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی ایک جماعت سے پوچھا کہ تم کیا ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم مومن ہیں آپ نے فرمایا تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہم آزمائش کے وقت صبر کرتے ہیں فراخی کے وقت شکر ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی رہتے ہیں آپ نے فرمایا ربِ کعبہ کی قسم! تم مومن ہو۔ (۱)

ایک دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا۔

حُکَمَاءُ عُلَمَاءُ کَادُوْا مِنْ فِقْهِهِمْ اَنْ یَّکُوْنُوْا اَنْبِیَاءَ۔ (۲)

اہل حکمت علماء ہیں قریب ہے کہ وہ اپنی سمجھ کی وجہ سے انبیاء کرام کے مقام تک پہنچ جائیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

طُوْبٰی لِمَنْ هُدِیَ لِلْاِسْلَامِ وَکَانَ رِزْقُهٗ کَفَافًا وَرَضِیَ بِهٖ۔ (۳)

اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس کو اسلام کی ہدایت دی گئی اور ضرورت کے مطابق رزق دیا گیا اور وہ اس پر راضی ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ رَضِیَ مِنَ اللّٰهِ بِالْقَلِیْلِ مِنَ الرِّزْقِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنْهُ بِالْقَلِیْلِ مِنَ الْعَمَلِ۔ (۴)

جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے (ملنے والے) تھوڑے رزق پر راضی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے تھوڑے عمل پر راضی ہوتا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔

اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ تَعَالٰی عَبْدًا اِبْتَلَاهُ فَاِنْ صَبَرَ اِجْتَبَاهُ فَاِنْ

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کی آزمائش کرتا پس اگر وہ صبر کرے تو اسے چُن لیتا

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۱ ص ۱۵۳ حدیث ۱۱۲۳۶

(۲) البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۹۴ فصل فی قدوم الازد

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۹ مرویات فضالہ ابن عبید۔

(۴) العلل المتناہیہ جلد ۲ ص ۲۳۱ حدیث ۱۳۴۷

marfat.com

رَضِیَ اِصْطَفَاہُ۔ (۱) ہے اور اگر وہ راضی ہو تو اسے منتخب بندہ بناتا ہے۔

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ میری امت کی ایک جماعت کے پَر پیدا کرے گا چنانچہ وہ اپنی قبروں سے اُڑ کر جنت میں چلے جائیں گے اور جیسے چاہیں گے مزے اُڑائیں گے فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ کیا تم حساب دیکھ چکے ہو؟ وہ کہیں گے ہم نے حساب نہیں دیکھا فرشتے پوچھیں گے تمہارا تعلق کس امت سے ہے! وہ کہیں گے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے تعلق ہے فرشتے کہیں گے ہم تمہیں قسم دے کر کہتے ہیں کہ ہمیں بتائیے دنیا میں کیا عمل کرتے تھے وہ کہیں گے ہمارے اندر دو خصلتیں تھیں اس لیے ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس مقام تک پہنچے فرشتے پوچھیں گے وہ کیا خصلتیں ہیں؟ وہ کہیں گے جب ہم علیحدگی میں ہوتے تھے کہ تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے حیا کرتے تھے۔ اور تھوڑے مال پر راضی ہوتے تھے جو ہمارے لیے مقدر کیا گیا تھا فرشتے کہیں گے اس لیے تم اس بات کے مستحق تھے۔ (۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یَا مَعْشَرَ الْفُقَرَاءِ اُعْطُوا اللّٰہَ التِّرْضَا مِنْ قُلُوْبِکُمْ تَظْفَرُوْا بِثَوَابِ فَقْرِکُمْ وَاِلَّا فَلَا۔ (۳)

اے فقراء کے گروہ! اگر تم اپنے دلوں سے اس چیز پر راضی ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا ہے تو اپنے فقر کا ثواب پاؤ گے ورنہ نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اخبار میں ہے کہ بنی اسرائیل نے ان سے عرض کیا کہ اپنے رب سے سوال کریں کہ وہ ہمیں ایسا کام بتائے جس کے کرنے سے وہ ہم پر راضی ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا الٰہی! جو کچھ یہ کہتے ہیں وہ تو نے سن لیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! آپ ان سے فرما دیں کہ وہ مجھ سے راضی ہوں اور میں ان سے راضی ہوں۔

اس بات کی شہادت اس روایت سے ملتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَعْلَمَ مَالَہٗ عِنْدَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فَلْیَنْظُرْ مَا لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ عِنْدَہٗ فَاِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی یُنْزِلُ الْعَبْدَ مِنْہُ حَیْثُ

جو شخص یہ بات معلوم کرنا چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لیے کیا ہے تو وہ دیکھے کہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کے لیے کیا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے ہاں وہ مقام

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ص ۲۵۱ حدیث ۹۷۱

(۲) الاحادیث الضعیفۃ الموضوعۃ جلد ۲ ص ۴ حدیث ۵۰۷

(۳) کنز العمال جلد ۶ ص ۸۵۴ حدیث ۱۶۶۵۵

marfat.com

اَنْزَلَهُ الْعَبْدُ مِنْ نَفْسِهٖ۔ (۱) دیتا ہے جو مقام بندے نے اپنے ہاں اللہ تعالیٰ کو دیا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے اخبار میں ہے کہ میرے اولیاء کو دنیا کی فکر سے کیا کام ؟ دینوی غم میرے ساتھ مناجات کی حلاوت ان کے دلوں سے ختم کر دیتا ہے اسے داؤد علیہ السلام میں اپنے اولیاء سے اس لیے محبت کرتا ہوں کہ وہ رُوحانی ہوں اور کچھ غم نہ کریں۔

ایک روایت میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! کسی ایسے کام پر میری راہنمائی فرما جس میں تیری رضا ہے کہ میں اس پر عمل کروں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ میری رضا اس کام میں ہے جو آپ کو ناپسند ہو اور آپ ایسے عمل پر صبر نہیں کرتے آپ نے عرض کیا یا اللہ وہ کیا بات ہے فرمایا میری رضا اس بات میں ہے کہ آپ میرے فیصلے پر راضی ہوں (۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مناجات کے دوران بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے میرے رب! مخلوق میں سے کون تجھے زیادہ پسند ہے ؟ فرمایا وہ شخص کہ جب میں اس کے محبوب کو لے جاؤں تو وہ مجھ سے متفق ہو، عرض کیا مخلوق میں سے کس پر تو ناراض ہوتا ہے ؟ فرمایا وہ لوگ جو کسی کام میں مجھ سے خیر طلب کرتے ہیں پھر جب میں فیصلہ کروں تو وہ میرے فیصلے پر ناراض ہوتے ہیں اور اس سے بھی سخت بات مروی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا مَنْ لَمْ يَصْبِرْ عَلٰى بَلَآئِيْ وَلَمْ يَشْكُرْ نَعْمَآئِيْ وَلَمْ يَرْضَ بِقَضَآئِيْ فَلْيَتَّخِذْ رَبًّا سِوَائِيْ۔

میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں جو شخص میری آزمائش پر صبر نہیں کرتا اور میری نعمتوں پر شکر نہیں کرتا نیز میری قضا پر راضی نہیں ہوتا وہ میرے علاوہ کسی کو رب بنالے۔ (۳)

اسی قسم کی حدیث قدسی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قَدَّرْتُ الْمَقَادِيْرَ وَدَبَّرْتُ التَّدْبِيْرَ وَاَحْكَمْتُ الصُّنْعَ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا مِنِّيْ حَتّٰى يَلْقَانِيْ وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السُّخْطُ مِنِّيْ حَتّٰى يَلْقَانِيْ۔ (۴)

میں نے سب مقداریں مقرر کیں تدبیر فرمائی اور اس کام کو مضبوط کیا پس جو راضی ہو اس کے لیے میری طرف سے رضا ہے کہ وہ مجھ سے ملاقات کرے اور جو ناراض ہوا اس پر میری ناراضگی یہاں تک کہ وہ مجھ سے ملاقات کرے۔

---

(۱) تاریخ ابن عساکر جلد ۲ ص ۲۸۹ من اسمہ ابراہیم بن محمد

(۲) شعب الایمان جلد ۲ ص ۲۰۸ حدیث ۱۸۹۴

(۳) تاریخ ابن عساکر جلد ۶ ص ۱۲۸ من اسمہ سعید بن زیاد

(۴) تذکرہ الموضوعات ص ۱۸۹ باب الاخلاق المحمودۃ

marfat.com

ایک مشہور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

خَلَقْتُ الْخَيْرَ وَالشَّرَّ فَطُوْبٰى لِمَنْ خَلَقْتُهُ لِلْخَيْرِ وَاَجْرَيْتُ الْخَيْرَ عَلٰى يَدَيْهِ وَوَيْلٌ لِمَنْ خَلَقْتُهُ لِلشَّرِّ وَاَجْرَيْتُ الشَّرَّ عَلٰى يَدَيْهِ وَوَيْلٌ ثُمَّ وَيْلٌ لِمَنْ قَالَ لِمَ وَكَيْفَ۔

میں نے خیر شر کو پیدا کیا پس اس کے لیے خوشخبری ہے جسے میں نے خیر کے لیے پیدا کیا اور اس کے ہاتھوں پر خیر کو جاری کیا اور اس کے لیے خرابی ہے جسے میں نے شر کے لیے پیدا کیا اور ہلاکت پر ہلاکت ہے اس کے لیے جو "کیوں اور کیسے" کے چکر میں پڑتا ہے (یعنی چون وچرا کرتا ہے)

(۴)

گذشتہ امتوں کے واقعات میں ہے کہ ایک نبی علیہ السلام نے دس سال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھوک، محتاجی اور جوؤں کی شکایت کی لیکن جو کچھ انہوں نے چاہا اس کا جواب نہ ملا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ کب تک شکایت کرتے رہو گے؟ ہمارے نزدیک تمہارا حال لوح محفوظ میں زمین وآسمان کی پیدائش سے پہلے کا اسی طرح لکھا ہوا ہے میری طرف سے اسی طرح لکھا گیا ہے میں نے دنیا کو پیدا کرنے سے پہلے تمہارے بارے میں اسی طرح فیصلہ کیا ہے کیا تم چاہتے کہ میں تمہارے لیے دنیا کی تخلیق کو بدل دوں

یا تم چاہتے کہ جو کچھ میں نے تمہارے لیے مقدر کیا ہے اسے بدل دوں پس جو کچھ تم چاہتے ہو وہ میرے چاہنے سے اور پر ہو مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم اگر آپ کے دل میں دوبارہ یہ خیال آیا تو میں نبوت کے رجسٹر سے آپ کا نام نکال دوں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا کوئی چھوٹا بچہ آپ کے جسم پر چڑھتا اترتا آپ کی پسلیوں پر پاؤں رکھ کر سیڑھیوں کی طرح آپ کے سر کی طرف جاتا پھر پسلیوں کی طرف اترتا اور آپ نے سر جھکایا ہوتا نہ بولتے اور نہ سر اٹھاتے آپ کے کسی دوسرے صاحبزادے نے کہا ابا جان! آپ کو معلوم نہیں یہ کیا کرتا ہے اگر آپ اس کو روکیں تو اچھا ہے۔

آپ نے فرمایا اے بیٹے! جو کچھ میں دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے اور جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے میں نے ایک حرکت کی تو میں عزت والے مقام سے نیچے آگیا اور نعمتوں والی جگہ سے بدبختی کی جگہ آگیا مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے دوبارہ کوئی ایسا کام کیا تو معلوم نہیں کیا مصیبت آجائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دس سال تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی تو آپ

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۲ ص ۱۷۲ حدیث ۱۲۷۹۷

marfat.com

نے کبھی کسی کام کے بارے میں جو میں نے کیا یہ نہیں فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور نہ کسی کام کے بارے میں یہ فرمایا جو میں نے
ہ کیا ہو کہ تم نے کیوں نہیں کیا۔ اور جو ہوا اس کے بارے میں نہیں فرمایا کہ کاش ایسا نہ ہوتا اور جو کچھ نہ ہوا اس کے بارے
ں نہیں فرمایا کہ کاش ایسا نہ ہوتا اور جو کچھ نہ ہوا اس کے بارے میں یہ نہ فرمایا کہ کاش ایسا ہو جاتا اور اگر آپ کے
گھر والوں میں سے کوئی مجھ سے جھگڑتا تو آپ فرماتے۔

دَعُوْہُ لَوْ قُضِیَ شَیْءٌ لَکَانَ۔ اس کو چھوڑ دو اگر کسی کام کا فیصلہ ہو چکا ہوتا تو وہ کام ہو جاتا۔ (۱)

اور مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد! تم بھی ایک بات چاہتے ہو
میں بھی چاہتا ہوں اور ہو گا وہی جو میں چاہتا ہوں اور اگر آپ میرے چاہے ہوئے کو تسلیم کریں تو میں آپ کی خواہش
کے لیے کفایت کروں گا اور اگر میرے ارادے کے مطابق فیصلے کو قبول نہ کریں تو میں آپ کو آپ کی خواہش کے سلسلے
میں مشقت میں ڈالوں گا۔ پھر ہو گا وہی جو میں چاہتا ہوں۔

آثار:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں قیامت کے دن جنت کی طرف سب سے پہلے ان لوگوں کو بلایا جائے گا جو
ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے سوائے تقدیر کے مواقع کے کوئی خوشی نہیں رہی آپ سے پوچھا گیا کہ
آپ کیا چاہتے ہیں! فرمایا اللہ تعالیٰ جو فیصلہ فرمائے۔

حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی نہ ہو اس کی بیوقوفی کا کوئی علاج نہیں۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر تم اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صبر نہیں کر سکتے تو اپنے نفس کی تقدیر پر بھی صبر نہیں
کر سکتے۔

حضرت عبدالعزیز بن ابورواد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جَو کی روٹی سرکے کے ساتھ کھانے اور اونی کپڑے پہننے میں
کوئی شان نہیں بلکہ شان اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنے میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر میں چنگاری چاٹوں حتیٰ کہ وہ مجھے جلا دے جو کچھ جلانا ہے اور باقی
چھوڑے جو چھوڑنا ہے تو یہ بات مجھے اس سے بات سے زیادہ پسند ہے کہ جو کچھ ہو چکا میں اس کے بارے میں
کہوں کہ کاش ایسا نہ ہوتا یا جو کچھ نہیں ہوا اس کے بارے میں کہوں کہ کاش ایسا ہو جاتا۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۱۶ کتاب علامات النبوۃ

marfat.com

ایک شخص نے حضرت محمد بن واسع رحمہ اللہ کے پاؤں میں زخم دیکھ کر فرمایا مجھے اس زخم کی وجہ سے آپ پر رحم آتا ہے آپ نے فرمایا جب سے یہ زخم لگا ہے میں شکر کرتا ہوں کہ یہ میری آنکھ میں نہیں ہوا اسرائیلی روایات میں ہے کہ ایک عابد نے طویل عرصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تو اس کو خواب میں دکھایا گیا کہ فلاں عورت جو بکریاں چراتی ہے جنت میں تمہاری ساتھی ہوگی اس نے اس کے بارے میں پوچھ گچھ کی یہاں تک کہ اسے پالیا اس کو تین دن تک مہمان بنائے رکھا تاکہ اس کا عمل دیکھ سکے تو وہ رات کو کھڑا عبادت کرتا جب کہ وہ عورت سو جاتی وہ دن بھر روزہ رکھتا اور یہ روزے کے بغیر ہوتی اس نے پوچھا کیا تو اس کے علاوہ بھی کوئی عمل کرتی ہے؟ اس نے کہا یہی ہے جو تم نے دیکھا مجھے اس کے علاوہ کسی عمل کا پتہ نہیں وہ مسلسل کہتا رہا کہ یاد کرو حتی کہ اس عورت نے کہا میرے اندر ایک خصلت ہے وہ یہ کہ جب میں سختی کی حالت میں ہوں تو اچھی حالت کی تمنا نہیں کرتی اور اگر بیمار ہوں تو صحت کی خواہش نہیں کرتی سورج میں ہوں تو سائے میں ہونے کی تمنا نہیں کرتی (یہ سن کر) عابد نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور کہا کیا یہ چھوٹی سی خصلت ہے اللہ کی قسم یہ بہت بڑی خصلت ہے جس سے عبادت گزار بندے بھی عاجز ہیں۔

بعض بزرگ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ جب آسمان میں کوئی فیصلہ فرماتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ زمین والے اس پر راضی ہوں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایمان کی سربلندی اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کرنا اور تقدیر پر راضی رہنا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ میں کس حال میں صبح اور شام کرتا ہوں سختی میں یا خوشحالی میں۔

ایک دن حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے حضرت رابعہ رحمہا اللہ کے پاس یوں کہا اے اللہ! ہم سے راضی ہو جاؤ" حضرت رابعہ نے فرمایا کیا آپ کو اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں آتا کہ اس سے رضا کا مطالبہ کر رہے ہیں انہوں نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہوں حضرت جعفر بن سلیمان ضبعی رحمہ اللہ نے پوچھا کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے کب راضی ہوتا ہے! حضرت رابعہ نے فرمایا جب وہ مصیبت پر بھی اسی طرح خوش ہو جس طرح وہ نعمت پر خوش ہوتا ہے۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جب بندے کے نزدیک منع اور عطا برابر ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہے۔

حضرت احمد بن ابو الحواری رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں سے اسی بات پر راضی ہو جاتا ہے جس بات پر غلام اپنے آقاؤں سے راضی ہوتے ہیں۔

حضرت احمد فرماتے ہیں میں نے پوچھا یہ کس طرح ہوتا ہے؟ فرمایا کیا مخلوق میں سے جو غلام ہیں ان کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ ان کا مولیٰ ان پر راضی ہو؟ میں نے کہا ہاں ایسا ہی ہوتا ہے فرمایا بندوں سے اللہ تعالیٰ کی محبت یہ ہے کہ وہ اس سے راضی ہوں۔

حضرت سہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں بندوں کو یقین میں سے اسی قدر حصہ ملتا ہے جس قدر ان کو رضا سے حصہ ملتا ہے اور رضا سے ان کا حصہ اسی قدر ہوتا ہے جس قدر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔

marfat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ بِحِکْمَتِہٖ وَجَلَالِہٖ جَعَلَ الرَّوْحَ وَالْفَرَحَ فِی الرِّضَا وَالْیَقِیْنِ وَ جَعَلَ الْغَمَّ وَالْحُزْنَ فِی الشَّکِّ وَالسُّخْطِ" (۱)

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت وجلال سے خوشی اور راحت رضا اور یقین میں رکھی ہے اور غم وحزن کو شک اور ناراضگی میں رکھا ہے۔

فصل ۱۴ :

رضا کی حقیقت اور خواہش کے خلاف اس کا تصور

جو لوگ کہتے ہیں کہ خواہش کے خلاف امور اور مختلف مصیبتوں میں صرف صبر ہو سکتا ہے رضا کا تصور نہیں ہو سکتا نہ یا وہ لوگ محبت کا انکار کرتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کا تصور اور تمام ہمت کا اس میں مستغرق ہونا ثابت ہو جائے تو اس بات میں کوئی پوشیدگی نہیں کہ محبت محبوب کے کاموں پر راضی ہونے کا باعث ہے اور یہ دو طریقوں سے ہوتا ہے۔

۱۔ تکلیف کا احساس ختم ہو جائے حتی کہ اس پر کوئی تکلیف دِہ بات آئے تو اس کا احساس نہ ہو اور کوئی زخم پہنچے تو اس کا ادراک بھی نہ ہو اس کی مثال یہ ہے کہ لڑنے والے شخص کو غصے یا خوف کی حالت میں زخم پہنچے تو وہ محسوس نہیں کرتا حتی کہ جب وہ خون دیکھتا ہے تو اسے زخم کا علم ہوتا ہے۔ بلکہ اگر کوئی شخص کسی معمولی سے کام میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس کے پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا ہے تو دل کی مشغولیت کی وجہ سے اسے اس کا احساس نہیں ہوتا۔ بلکہ جو شخص سینگی لگواتا (خون نکلواتا) ہے یا استرے سے سر منڈواتا ہے تو اس سے آدمی کو ایذا پہنچتی ہے لیکن جب دل ٹھکانے میں نہ ہو اور کسی دوسری طرف مشغول ہو تو خون نکالنے والا اور حجام فارغ ہو جاتا ہے لیکن اس کو پتہ نہیں چلتا۔ اور یہ سب باتیں اس لیے ہیں کہ جب دل کسی بات میں مشغول ہوتا ہے اور مکمل طور پر اس میں مستغرق ہوتا ہے تو دوسری کسی بات کا ادراک نہیں ہوتا۔

اسی طرح عاشق جو اپنے معشوق کے مشاہدے میں مکمل طور پر مستغرق ہوتا ہے یا اس کی محبت کا شکار ہوتا ہے بعض اوقات وہ اذیت محسوس کرتا ہے یا غمگین ہوتا ہے اگر وہ عشق میں مبتلا نہ ہو لیکن دل پر محبت کے بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے اسے غم واندوہ کا ادراک نہیں ہوتا۔ یہ تو اس صورت میں ہے جب اسے تکلیف محبوب کے غیر کی طرف سے پہنچے تو جب محبوب کی طرف سے پہنچے تو کیا کیفیت ہوگی اور دل کا محبت اور عشق میں مشغول ہونا سب سے اہم

---

(۱)

marfat.com

مصروفیت ہے اور جب خفیف محبت کے باعث تھوڑی سے تکلیف کے سلسلے اس بات کا تصور ہو سکتا ہے تو بڑی محبت کے باعث بہت بڑی تکلیف کے سلسلے میں بھی اس کا تصور ہو سکتا ہے اس لیے کہ جس طرح تکلیف کا بڑھنا ممکن ہے اسی طرح محبت کا بڑھنا بھی ممکن ہے اور جس طرح آنکھ سے دکھائی دینے والی خوبصورت چیزوں کی محبت مضبوط ہوتی ہے اسی طرح ان خوبصورت چیزوں کی محبت بھی قوی ہوتی ہے جن کا ادراک باطنی نگاہ سے ہوتا ہے جو نورِ بصیرت ہے اور اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال پر کسی دوسرے جلال و جمال کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ پس جس کے لیے یہ منکشف ہو جائے تو تعجب نہیں کہ وہ مدہوش ہو کر بے ہوش ہو جائے اور اس پر جو کچھ جاری ہو اس کا احساس نہ ہو سکے چنانچہ منقول ہے کہ حضرت فتح موصلی رحمہ اللہ کی زوجہ گر پڑیں تو ان کا ناخن ٹوٹ گیا اس پر وہ ہنس پڑیں پوچھا گیا کیا آپ کو تکلیف نہیں ہوتی؟ اس نے کہا اس کے ثواب کی لذت نے مجھ سے درد کی کڑواہٹ کو زائل کر دیا گیا ہے۔

حضرت سہل رحمہ اللہ کو ایک بیماری لاحق تھی تو آپ دوسروں کو لاحق اس بیماری کا علاج کرتے لیکن اپنا علاج نہیں کرتے تھے اس سلسلے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اے دوست! محبوب کے مارنے سے درد نہیں ہوتا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس درد کا ادراک ہو لیکن وہ اس پر راضی ہو بلکہ وہ اس میں رغبت رکھتا ہو اور عقل کی بنیاد پر اس کا ارادہ کرے اگرچہ اس کی طبیعت پر گراں گزرے جیسے کوئی شخص رگ کھلوانا اور خون نکلوانا چاہتا ہے تو وہ اس کا درد محسوس کرتا ہے لیکن وہ اس پر راضی ہوتا اور اس میں رغبت رکھتا ہے اور رگ کھولنے والے کا احسان مند ہوتا ہے۔ تو جس کو تکلیف پہنچتی ہے اس کا بھی یہی حال ہے۔

اسی طرح جو شخص نفع طلب کرتا ہے وہ سفر کی مشقت بھی برداشت کرتا ہے لیکن سفر کے نتائج کی محبت اس کے نزدیک سفر کی مشقت سے زیادہ خوشگوار ہوتی ہے اور وہ اس پر راضی ہوتا ہے تو جب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی آزمائش پہنچے اور اسے یقین ہو کہ اس کے لیے جو ثواب رکھا گیا ہے وہ اس فوت شدہ چیز سے زیادہ ہے تو وہ اس پر راضی ہوتا ہے اس میں رغبت رکھتا ہے اور اس کو پسند کرتے ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ اور یہ اس وقت ہے جب وہ ثواب اور احسان کا لحاظ رکھے جو اس مصیبت کے بدلے میں اسے ملتا ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محبت غالب ہو اور اس کا مقصود محبوب کی مراد اور رضا کے سوا کچھ نہ ہو اور یہ سب باتیں مخلوق کی محبت میں مشاہدے میں آتی ہیں اور وصف کرنے والوں نے نظم و نثر میں اس بات کو بیان کیا ہے اور اس کا مطلب صرف آنکھ سے ظاہری صورت کے جمال کو دیکھتا ہے اور جمالِ ظاہری کا حال تو یہ ہے کہ وہ چمڑہ، گوشت اور خون ہے جس میں نجاست ملی ہوئی ہے اس کا آغاز ناپاک نطفہ ہے جب کہ اس کا انجام ناپاک مردار ہے درمیان میں وہ پاخانہ اٹھائے پھرتا ہے اور اگر دیکھنے والے کو دیکھو تو آنکھ خیس ہے جو اکثر دھوکہ کھاتی ہے چھوٹی چیز کو بڑی اور بڑی کو چھوٹی سمجھتی ہے اسی طرح دور والی چیز کو قریب سمجھتی ہے اور بدصورت کو خوبصورت قرار دیتی ہے۔

marfat.com

تو جب اس حالت میں محبت کا غلبہ متصور ہوتا ہے تو ازلی، ابدی جمال جس کے کمال کی کوئی انتہا نہیں اور اس کا ادراک
ت کی آنکھ سے ہوتا ہے نہ اس میں غلطی کا امکان ہے اور نہ ہی موت اس کے گرد بھٹکتی ہے بلکہ وہ موت کے بعد
اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ رہتی اور اللہ تعالیٰ کے رزق پر خوش ہوتی ہے اور موت کی وجہ سے زیادہ تنبیہ اور کشف ہوتا
تو اس محبت میں ایسی کیفیت کا پیدا ہونا کیسے محال ہوگا۔

اگر اس بات کو غور و فکر کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ واضح ہے اس کا پایا جانا اور محبت کرنے والوں کے احوال و
اس پر شاہد ہیں حضرت شفیق بلخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص سنتی کا ثواب دیکھ لیتا ہے وہ اس سے نکلنے کی خواہش
رکھتا۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت سری سقطی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا محب کو تکلیف کا احساس
ہے؟ فرمایا نہیں میں نے کہا اگرچہ اسے تلوار سے مارا جائے؟ فرمایا ہاں اگرچہ اسے تلوار کے ساتھ ستر مرتبہ مارا جائے اور
ب لگائی جائے۔

اور بعض بزرگوں نے فرمایا کہ میں ہر اس چیز سے محبت کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو حتیٰ کہ اگر وہ جہنم کو پسند کرتا تو میں
ں داخل ہونے کو پسند کرتا۔

حضرت بشر بن حارث رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں ایک آدمی کے پاس سے گزرا جس کو بغداد کے محلہ شرقیہ میں ایک ہزار
ے مارے گئے تھے لیکن اس نے کوئی بات نہ کی پھر اسے قید خانے کی طرف لے جایا گیا تو میں اس کے پیچھے چلا میں
پوچھا تمہیں کیوں مارا گیا؟ اس نے کہا اس لیے کہ میں عاشق ہوں میں نے پوچھا تم خاموش کیوں رہے؟ اس نے
اس لیے کہ میرا محبوب میرے سامنے تھا اور مجھے دیکھتا تھا میں نے کہا اگر تم سب سے بڑے محبوب کو دیکھو تو کیسا
؟ فرماتے ہیں یہ سن کر اس نے ایک چیخ ماری اور گر کر مر گیا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب اہل جنت اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے تو ان کی آنکھیں دلوں میں چلی
ب گی اور آٹھ سال تک واپس نہیں آئیں گی تو ان دلوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو اس کے جمال و جلال کے
یان پڑے ہوتے ہیں اور جب اس کے جمال کو دیکھتے ہیں تو پریشان ہوتے ہیں۔

حضرت بشر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے سلوک کے آغاز میں جزیرہ عبادان کا ارادہ کیا تو میں نے وہاں ایک آدمی
اجو نابینا بھی تھا، کوڑھ بھی اور مجنون بھی اور مرگی کا شکار تھا چیونٹیاں اس کے جسم کو کھا رہی تھیں میں نے اس کا سر
لر اپنی گود میں رکھ لیا اور کچھ بولتا رہا جب اسے ہوش آیا تو اس نے کہا یہ کون فضول شخص ہے جو میرے اور میرے
ب کے درمیان مداخلت کر رہا ہے اگر وہ میرا ایک ایک جوڑ کاٹ دے تو میری محبت میں اضافہ ہوگا۔ حضرت بشر رحمہ اللہ
تے ہیں میں نے اس کے بعد جب بھی بندے اور اس کے رب کے درمیان کوئی اذیت دیکھی تو مجھے برا معلوم

marfat.com

نہیں ہوا۔

حضرت ابوعمرو محمد بن اشعث رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل مصر کو چار مہینے تک غذا نہ ملی صرف حضرت یوسف علیہ السلا
کے حسن وجمال کا دیدار کر کے بھوک کا ازالہ کرتے انہیں جب بھی بھوک لگتی آپ کا دیدار کر لیتے تو آپ کے جمال م
مشغولیت کی وجہ سے ان کو بھوک کی تکلیف محسوس نہ ہوتی بلکہ قرآن پاک میں اس سے بھی زیادہ معاملہ مذکور ہے یعنی مصر کی عو
نے جمال یوسفی پر فریفتہ ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ لیے لیکن ان کو احساس تک نہ ہوا۔

حضرت سعید بن یحیٰی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے بصرہ میں حضرت عطا بن مسلم کی سرائے میں ایک نوجوان کو دیکھا
اس کے ہاتھ میں چھرا تھا، وہ بلند آواز سے پکار رہا تھا اور لوگ اس کے گرد جمع تھے۔ وہ کہتا تھا۔

يَوْمُ الْفِرَاقِ مِنَ الْقِيَامَةِ اَطْوَلُ وَالْمَوْتُ مِنْ ۔ جدائی کا دن قیامت سے بھی زیادہ لمبا ہے اور اس
اَلَمِ التَّفَرُّقِ اَجْمَلُ قَالُوا الرَّحِيْلُ فَقُلْتُ جدائی سے موت اچھی ہے انہوں نے کہا یہ کوچ کرنا ہے
لَسْتُ بِرَاحِلٍ لٰكِنْ مُهْجَتِيْ الَّتِيْ تَتَرَحَّلُ۔ میں نے کہا میرا کوچ نہیں بلکہ یہ تو میری زندگی کا سفر ہے

پھر اس نے چھری سے اپنا پیٹ چیرا اور مر گیا میں نے اس کے بارے میں اور اس کے واقعہ سے متعلق پوچھا
تو مجھے بتایا گیا کہ وہ بادشاہ کے ایک غلام پر عاشق تھا جو اس سے صرف ایک دن غائب رہا۔

مروی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ مجھے زمین میں سب بڑی عبادت گاہ
کے بارے میں بتائیے انہوں نے ایک آدمی بتایا کہ کوڑھ کی وجہ سے اس کے ہاتھ پاؤں کٹ چکے تھے اور بینائی بھی
چلی گئی تھی انہوں نے سنا وہ کہہ رہا تھا یا اللہ! جب تک تو نے چاہا مجھے ان چیزوں سے نفع دیا اور جب چاہا مجھ سے
ان کو لے لیا اے نیکی کا اچھا بدلہ دینے والے اور مطلب تک پہنچانے والے! اپنی ذات میں میری امید کو باقی رکھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کا ایک صاحبزادہ بیمار ہو گیا تو آپ کو اس کا بہت دکھ ہوا
حتی کہ بعض لوگوں نے کہا ہمیں ڈر ہوا کہ کہیں اس بچے کی وجہ سے آپ کو کچھ ہو نہ جائے چنانچہ وہ صاحبزادے انتقال
کر گئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جنازے کے ساتھ تشریف لے گئے آپ کو اس وقت جس قدر خوشی تھی کبھی کسی کو نہ ہوئی
ہو گی آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا میرا غم اس پر رحمت و شفقت کی وجہ سے تھا جب اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا تو
ہم راضی ہو گئے۔

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنگل میں ایک شخص تھا جس کے پاس کتا، گدھا اور مرغ تھا، مرغ ان کو نماز کے
لیے جگاتا گدھا ان کے لیے پانی لاتا اور ان کے خیمے اٹھا کر لے جاتا جب کہ کتا ان کی حفاظت کرتا فرماتے ہیں ایک لومڑی
آئی اور مرغ کو اٹھا کر لے گئی ان لوگوں کو اس بات کا بہت دکھ ہوا وہ شخص نیک تھا کہنے لگا ہو سکتا ہے اس میں
بھلائی ہو پھر بھیڑیا آیا اور اس نے گدھے کا پیٹ پھاڑ کر اسے ہلاک کر دیا گھر والوں کو اس کا دکھ ہوا لیکن اس نے

marfat.com

سکتا ہے اس میں بھلائی ہو پھر اس کے بعد کتا مر گیا اس نے کہا ممکن ہے اس میں بہتری ہو، پھر ایک دن وہ اٹھے تو
گمان کے اردگرد کے سب لوگوں کو قید کر لیا گیا اور وہ محفوظ رہے اس نے کہا وہ اس لیے پکڑے گئے کہ ان کے
توں گدھوں اور مرغوں کی آوازیں تھیں تو تقدیر خداوندی کے مطابق ان لوگوں کو ان حیوانات کی ہلاکت سے فائدہ ہوا۔
پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ لطف و کرم کو جان لیتا ہے وہ ہر حال میں اس کے فعل پر راضی ہوتا ہے۔
ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرے جو اندھا بھی تھا، برص کی
میں بھی مبتلا تھا، اپاہج بھی تھا اور دونوں طرف سے فالج زدہ بھی تھا کوڑھ کی وجہ سے اس کا گوشت بجھ چکا تھا اور
رہا تھا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اس چیز سے بچایا جس میں اپنی مخلوق میں سے بے شمار لوگوں کو مبتلا کیا
ی علیہ السلام نے اس سے پوچھا اے فلاں! وہ کونسی آزمائش ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تجھ سے دور رکھا؛
نے کہا اے روح اللہ! میں اس شخص سے بہتر ہوں جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت نہیں ڈالی جب
ے میں ڈالی ہے آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا اپنا ہاتھ لاؤ اس نے ہاتھ پکڑایا تو اس کا چہرہ نہایت خوبصورت
ی شکل بھی اچھی ہو گئی اور اللہ تعالیٰ اس کی تمام تکلیف کر لے گیا چنانچہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحبت اختیار
اور عبادت کرنے لگا۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو خارش تھی تو آپ نے اپنا پاؤں گھٹنے سے کٹوایا پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے
نے ایک پاؤں لے کیا یا اللہ! تیری قسم ہے اگر تو ایک پاؤں لے گیا تو دوسرا باقی بھی رکھا ہے اگر تو نے آزمائش میں
ہے تو عافیت بھی عطا فرمائی ہے پھر اس رات یہی وظیفہ پڑھتے رہے۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ فقر اور مالداری دو سواریاں ہیں مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں
س پر سوار ہوتا ہوں اگر فقر ہو تو میں صبر کرتا ہوں اور اگر مالداری ہو خرچ کرتا ہوں۔
حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ہر مقام سے ایک کیفیت حاصل کی سوائے رضا کے، اس سے
و شبو کا صرف ایک جھونکا ملا ہے اور اس کے باوجود اگر اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو جنت میں اور مجھے دوزخ میں بھیجے تو میں
ی راضی ہوں گا۔

ایک اور عارف سے پوچھا گیا کیا آپ کو رضا کا انتہائی درجہ حاصل ہو گیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا میں نے انتہائی
ہیں پایا البتہ مجھے مقام رضا حاصل ہو گیا ہے اگر اللہ تعالیٰ مجھے جہنم کے اوپر پل بنا دے کہ تمام مخلوق میرے اوپر سے
جنت میں جائے پھر اپنی قسم کو پورا کرنے کے لیے مجھ سے ہی دوزخ کو بھر دے تو میں اس حکم کو پسند کروں گا اور
تعالیٰ کی اس تقسیم پر راضی ہوں گا۔
تو یہ ایسے شخص کا کلام ہے جسے معلوم ہے کہ محبت نے اس کے تمام فکر کو گھیر لیا حتیٰ کہ اسے آگ کی تکلیف کا

marfat.com

احساس تک نہ ہوا اور اگر احساس ہو بھی تو وہ محبوب کی رضا حاصل ہونے کے شعور کی لذت میں گم ہو جائے اور اس حالت کا غلبہ ذاتی طور پر محال نہیں ہے اگرچہ ہماری کمزور حالت سے دُور ہے لیکن یہ بات مناسب نہیں کہ کمزور محروم شخص قوت والے لوگوں کے احوال کا انکار کرے اور یہ خیال کرے کہ جس بات سے وہ عاجز ہے اولیاء کرام بھی اس سے عاجز ہیں۔

حضرت وہ ذباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن جلاء دمشقی سے پوچھا کہ فلاں شخص کہتا ہے کہ میں چاہتا ہوں میرا جسم قینچی سے کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور تمام مخلوق اس کی اطاعت کرے تو اس کا کیا مطلب ہے! انہوں نے فرمایا اگر یہ بات اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی بزرگی کے پیش نظر ہے تو مجھے معلوم نہیں اور خوف اور لوگوں کی خیر خواہی کے طور پر ہے تو میں جانتا ہوں پھر ان پر بیہوشی طاری ہو گئی۔

حضرت عمران بن حصین رحمہ اللہ کے پیٹ میں تکلیف تھی آپ تیس سال تک پیٹھ کے بل لیٹے رہے نہ کھڑے ہو سکتے اور نہ بیٹھ سکتے آپ کی چارپائی کا بان کاٹ کر قضائے حاجت کے لیے جگہ بنائی گئی تھی حضرت مطرف اور ان کے بھائی حضرت علاء رحمہما اللہ ان کے پاس آئے اور ان کی اس حالت کو دیکھ کر رونے لگے فرمایا تم کیوں روتے ہو؟ حضرت مطرف نے فرمایا آپ کی اس حالت کو دیکھ کر رونے ہیں فرمایا تم نہ روؤ کیوں کہ جو بات اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے وہ مجھے بھی زیادہ پسند ہے پھر فرمایا میں تم سے ایک بات بیان کرتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے نفع عطا فرمائے میرے مرنے تک کسی کو نہ بتانا فرشتے میرے پاس آتے ہیں اور میں ان سے مانوس ہوتا ہوں وہ مجھے سلام کرتے ہیں میں ان کا سلام سنتا ہے تو میں جان لیتا ہوں کہ یہ بیماری سزا نہیں بلکہ اس بہت بڑی نعمت کا سبب ہے پس جو شخص آزمائش کی حالت میں اس قسم کا مشاہدہ کرے وہ اس پر کیسے راضی نہیں ہوگا۔

حضرت مطرف رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم حضرت سوید بن منجبہ رحمہ اللہ کی عیادت کے لیے ان کے پاس گئے ہم نے دیکھا کہ ایک کپڑا پڑا ہوا ہے ہم نے سوچا اس کے نیچے کچھ نہیں حتی کہ کپڑا ہٹایا گیا تو ان کی زوجہ نے کہا آپ کے گھر والے آپ پر فدا ہوں آپ کو کیا کھلائیں پلائیں انہوں نے فرمایا ایک عرصہ سے لیٹا ہوا ہوں اور میری پیٹھ زخمی ہو گئی اور میں کمزور ہو گیا ہوں میں نے ایک عرصہ دراز سے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے لیکن مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ اس کیفیت سے ایک ناخن کے برابر بھی کمی کر دوں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں تشریف لائے اور آپ کی بینائی چلی گئی تھی لوگ آپ کے پاس جوق در جوق آتے اور دعا کی درخواست کرتے آپ ان سب کے لیے دعا مانگتے اور آپ کی دعا قبول ہوتی تھی حضرت عبداللہ بن سائب رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں بھی آپ کے پاس حاضر ہوا اور ان دنوں میں لڑکا تھا میں نے ان کو اپنی پہچان کرائی تو انہوں نے مجھے پہچان لیا اور فرمایا تو اہل مکہ کا قاری ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں انہوں نے واقعہ ذکر کیا جس سے

marfat.com

یں فرمایا کہ میں نے عرض کیا اے چچا جان! آپ لوگوں کے لیے دعا مانگتے ہیں اگر اپنے لیے بھی دعا مانگیں تو اللہ تعالیٰ آپ بینائی لوٹا دے گا۔ یہ سن کر وہ مسکرائے اور فرمایا۔ اے بیٹے! میرے نزدیک اللہ تعالیٰ کا فیصلہ میری بینائی سے زیادہ ا ہے۔

ایک صوفی کا بیٹا گم ہوگیا تین دن تک پتہ نہ چلا ان سے کہا گیا کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو وہ آپ کی طرف لوٹا ے گا انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے فیصلے پہ اعتراض کرنا میرے نزدیک بیٹے کے گم ہونے سے زیادہ سخت ہے۔

ایک عبادت گزار نے فرمایا کہ میں نے بہت بڑا گناہ کیا تو میں ساٹھ سال سے رو رہا ہوں انہوں نے اس گناہ سے ی قبولیت کے لیے بہت زیادہ عبادت کی پوچھا گیا وہ گناہ کیا ہے؟ فرمایا ایک دفعہ میں نے ایک کام کے بارے ہو گیا تھا، کہا کہ کاش ایسا نہ ہوتا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں اگر میرا جسم قینچیوں سے کاٹا جائے تو میرے لیے یہ بات اس سے بہتر ہے کہ میں اللہ تعالیٰ ں فیصلے کے بارے میں کہوں کہ کاش ایسا نہ ہوتا۔

حضرت عبدالواحد بن زید رحمہ اللہ کو بتایا گیا کہ یہاں ایک شخص ہے جس نے پچاس سال عبادت کی ہے وہ اس کے ں تشریف لے گئے اور فرمایا مجھے بتاؤ کہ کیا تم سیر ہو گئے جواب دیا نہیں پوچھا کیا تم اس سے مانوس ہوئے؟ کہا ، پھر سوال کیا اس پر راضی ہو؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ پوچھا تو تمہیں اس سے صرف روزے اور نماز کا حصہ ہے؟ جواب دیا جی ہاں فرمایا اگر مجھے تم سے شرم نہ آتی تو میں بتا دیتا کہ تمہارا معاملہ پچاس سال سے اندر سے خالی ہے تمہارے دل کا دروازہ نہیں کھلا کہ تم قلبی اعمال کے ذریعے قرب کے درجات تک ترقی کرتے تم اصحاب یمین کے ات میں شمار ہوتے ہو کیوں کہ تمہیں صرف ظاہری اعمال میں ترقی ہوئی ہے جو عام لوگوں کو ہوتی ہے۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ مارستان میں قید تھے تو ایک جماعت آپ کے پاس گئی انہوں نے اپنے سامنے پتھر جمع کر رکھے ے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا آپ سے محبت کرنے والے ہیں چنانچہ آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو پتھر مارنے ، وہ بھاگ نکلے فرمایا تمہیں کیا ہوا کہ تم مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو؟ اگر تم سچے ہو تو میری مصیبت پر صبر کرو۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ نے یہ شعر کہا۔

اِنَّ الْمَحَبَّۃَ لِلرَّحْمٰنِ سَکَّرَنِیْ	بے شک رحمٰن کی محبت نے مجھے نشے میں مبتلا کر دیا اور
وَھَلْ رَاَیْتَ مُحِبًّا غَیْرَ سَکْرَانِ	کیا تم نے ایسا محب دیکھا ہے جو نشے میں نہ ہو۔

شام کے کسی عبادت گزار نے کہا تم میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتے ہوئے اس سے ملتا ہے اور شاید س نے تکذیب بھی کی ہو کیوں کہ تم میں سے کسی کی انگلی سونے کی ہو تو وہ اس سے اشارہ کرتا ہے اور اگر اس میں کچھ خلل ہو تو اسے چھپاتا پھرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سونا مذموم ہے اور لوگ اس پر فخر کرتے ہیں اور آزمائش اہل آخرت

marfat.com

کے نزدیک زینت ہے اور وہ اس سے نفرت کرتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ بازار میں آگ لگ گئی تو حضرت سری رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ تمام بازار جل گیا اور آپ کی دوکان نہیں جلی آپ فرمایا "الحمدللہ" پھر فرمایا میں نے کیسے الحمدللہ کہا حالاں کہ میں بچا ہوں دوسرے مسلمان تو نہیں بچے چنانچہ آپ نے تجارت سے توبہ کرلی اور باقی ساری زندگی اس بات سے استغفار کرتے ہوئے دوکانداری چھوڑ دی کہ میں نے الحمدللہ کیوں کہا۔

اگر تم ان واقعات پر غور کرو تو قطعی طور پر جان لوگے کہ خواہشات کے خلاف بات پر رضا محال نہیں بلکہ وہ اہل دل کے مقامات میں سے ایک اہم مقام ہے اور جب یہ مخلوق کی محبت اور اس سے حصہ حاصل کرنے میں ممکن ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُخروی فوائد میں بدرجہ اولیٰ ممکن ہے اور اس امکان کی دو وجہیں ہیں۔

۱۔ تکلیف پہنچنے پر راضی ہونا کیوں کہ اس پر ثواب کی توقع ہوتی ہے جیسے خون نکلوانے مرگ کٹوانے اور دوائی پینے آدمی شفایابی کے انتظار میں راضی ہوتا ہے۔

۲۔ کسی دوسرے مقصد کے لیے رضا نہ ہو بلکہ اس لیے راضی ہو کہ یہ محبوب کی مراد اور رضا ہے اور بعض اوقات محبت اس لیے غالب ہوتی ہے کہ محبوب کی مراد میں محب کی مراد غوطہ زن ہوتی ہے پس اس کے نزدیک سب سے لذیذ محبوب کے دل کی خوشی اور اس کی رضا نیز اس کے ارادے کا نفاذ ہے اگرچہ اس میں اس کی روح ہلاک کیوں نہ ہو جائے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

فَمَا لِجَرْحٍ اِذَا اَرْضَاكُمُ اَلَمٌ۔ جس زخم میں تمہاری خوشی ہو اس میں تکلیف کہاں۔

اور یہ بات احساس تکلیف کے باوجود ممکن ہے اور بعض اوقات محبت کا اس طرح غلبہ ہوتا ہے کہ تکلیف کے ادراک سے وہ مدہوش ہو جاتا ہے قیاس تجربہ اور مشاہدہ ایسی حالت کے وجود پر دلالت کرتا ہے لہٰذا جس آدمی میں یہ بات نہ پائی جائے اسے اس کا انکار نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ وہ اس سے اس لیے محروم ہے کہ اس میں اس کا سبب نہیں پایا جاتا اور وہ محبت کا زیادہ ہونا ہے اور جو شخص محبت کے ذائقے سے آگاہ نہیں وہ اس کے عجائبات کی پہچان نہیں رکھتا تو محبت کرنے والوں کے لیے بڑے بڑے عجائبات ہیں جو ہم نے بیان کئے ہیں۔

حضرت عمرو بن حارث رافعی رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں موضع رقہ میں اپنے ایک دوست کے پاس مجلس میں تھا اور ہمارے ساتھ ایک نوجوان تھا جو گانے والی ایک لونڈی پر عاشق تھا اور وہ لونڈی بھی اسی مجلس میں تھی اس نے باجا بجایا اور گانا گایا۔

عَلَامَةُ ذِلِّ الْهَوٰى۔ عَلَى الْعَاشِقِيْنَ الْبُكَا
وَلَا سِيَّمَا عَاشِقٌ۔ اِذَا لَمْ يَجِدْ مُشْتَكٰى

عاشق کی ذلت کی پہچان رونا ہے خصوصاً جب عاشق کوئی تدبیر نہ پائے۔

marfat.com

نوجوان نے کہا تو نے خوب کہا کیا تو مجھے مرنے کی اجازت دیتی ہے؟ اس نے کہا اگر تو سچا ہے تو مر جا چنانچہ
نے تکیے پر سر رکھا اور منہ اور آنکھیں بند کرلیں ہم نے اسے حرکت دی تو وہ مر چکا تھا۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک بچے کی آستین پکڑے ہوئے اس کے سامنے
گڑگڑاتا اور محبت کا اظہار کر رہا تھا بچہ اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا یہ منافقت جو تم میرے سامنے ظاہر کر رہے ہو کب تک
ہے گی؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں سچا ہوں حتیٰ کہ اگر تو مجھ سے مرنے کے لیے کہے گا
میں مر جاؤں گا اس نے کہا اگر تو سچا ہے تو مر جا حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ شخص ایک طرف کو ہوا اور اپنی آنکھیں
بند کرلیں لوگوں نے دیکھا تو مرا ہوا تھا۔

حضرت میمون مصبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے پڑوس میں ایک شخص تھا اور اس کی ایک لونڈی تھی جس سے وہ محبت
کرتا تھا لونڈی بیمار ہوگئی تو وہ اس کے لیے حلوہ بنانے بیٹھا وہ ہنڈیا میں چمچہ پھیر رہا تھا کہ لونڈی نے درد کے مارے "آہ"
کہی سن کر وہ شخص بیہوش ہوگیا اور اس کے ہاتھ سے چمچہ گر پڑا اور وہ اپنے ہاتھ سے ہنڈیا کو حرکت دینے لگا حتیٰ کہ اس کی
انگلیاں جل گئیں لونڈی نے کہا یہ کیا؟ اس نے کہا تمہارے آہ بھرنے سے یہ ہوا ہے۔

حضرت محمد بن عبداللہ بغدادی رحمہ اللہ سے منقول ہے فرماتے ہیں میں نے بصرہ میں ایک نوجوان کو بلند چھت پر دیکھا
لوگوں کو جھانک رہا تھا اور یوں کہتا تھا۔

مَنْ مَاتَ عِشْقًا فَلِمَ تُمْ هٰكَذَا لَا خَيْرَ فِي عِشْقٍ بِلَا مَوْتٍ۔ جو شخص عشق میں مرنا چاہے وہ یوں مرے کیوں کہ عشق میں موت کے سوا کوئی بھلائی نہیں۔

پھر اپنے آپ کو گرا دیا تو لوگوں نے اسے مردہ حالت میں اٹھایا۔

اس قسم کی مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ جب مخلوق کی محبت اور اس کی تصدیق میں یہ باتیں ہو سکتی ہیں تو خالق کی
میں بدرجہ اولیٰ ہو سکتی ہیں کیوں کہ ظاہری بینائی کی نسبت باطنی بصیرت زیادہ صداقت پر مبنی ہے اور حضرتِ ربوبیت کا
ہر جمال سے کامل تر ہے بلکہ دنیا کا ہر جمال اسی جمال کی خوبیوں میں سے ایک ہے۔

ہاں جو آدمی بینائی سے محروم ہو وہ صورتوں کے جمال کا منکر ہوتا ہے جو قوتِ سماعت سے محروم ہو وہ خوش آوازی اور
اس سے انکار کرتا ہے اور جس کو دل کی دولت حاصل نہ ہو وہ یقیناً ان لذتوں سے انکار کرتا ہے جو دل کے بغیر سمجھ
میں آسکتیں۔

فصل:-

دعا، رضا کے خلاف نہیں

دعا مانگنے والا مقام رضا سے باہر نہیں جاتا اسی طرح گناہوں کو برا جاننا مجرموں سے ناراض رہنا اور اسبابِ گناہ کو ناپسند

کرنا نیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے ان کے ازالے کی کوشش کرنا بھی رضا کے خلاف نہیں۔ بعض اہل
اور دھوکے کے شکار لوگوں کو اس سلسلے میں مغالطہ لگا اور انہوں نے گمان کیا کہ گناہ فسق و فجور اور کفر اللہ تعالیٰ کی
قدر سے ہیں پس ان باتوں پر راضی ہونا واجب ہے یہ بات تاویل سے جہالت اور اسرارِ شریعت سے غفلت کا نتیجہ

جہاں تک دعا کا تعلق ہے تو اس کے ذریعے ہم عبادت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرا
علیہم السلام نے کثرت سے دعا مانگی ہے جس طرح ہم نے دعاؤں کے بیان میں نقل کیا ہے حالاں کہ نبی اکرم صلی
علیہ وسلم کو رضا کا اعلیٰ مقام حاصل تھا اور اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کی یوں تعریف فرماتا ہے۔

وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا۔ (۱) اور وہ امید و خوف کے ساتھ ہم سے دعا مانگتے ہیں

اور گناہوں سے نفرت کرلے اور ان پر راضی نہ ہونے کو بھی اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے عبادت قرار دیا ہے
اور ان پر راضی ہونے کی مذمت فرمائی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا۔ (۲) وہ لوگ دنیا کی زندگی پر راضی ہوئے اور اس پر مطمئن ہو گئے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ (۳) اور وہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہنے (اور جہاد کے لیے نہ جانے) پر راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔

ایک مشہور حدیث میں ہے۔

مَنْ شَهِدَ مُنْكَرًا فَرَضِيَ بِهٖ كَانَ كَمَنْ قَدْ فَعَلَهٗ۔ (۴) جو شخص برائی کے قریب گیا اور اس پر خوش ہوا گویا اس نے اس برائی کا ارتکاب کیا۔

اور ایک دوسری حدیث شریف میں ہے۔

اَلدَّالُّ عَلَى الشَّرِّ كَفَاعِلِهٖ۔ (۵) برائی کی راہ دکھانے والا برائی کرنے والے کی طرح ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ انبیاء ۹۰

(۲) قرآن مجید، سورۂ یونس آیت ۷

(۳) قرآن مجید، سورۂ توبہ آیت ۹۳

(۴) مسند ابو یعلیٰ جلد ۶ ص ۱۸۲ حدیث ۶۷۵۲

(۵) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۲ ص ۲۳۲ حدیث ۳۱۲۱

marfat.com

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک شخص برائی سے غائب رہتا ہے لیکن اس
ا ہی گناہ ہوتا ہے جتنا جرم کرنے والے پر ہوتا پوچھا گیا یہ کس طرح ہوتا ہے؟ فرمایا اسے اس گناہ کی خبر پہنچتی ہے تو
ں پر راضی ہوتا۔

حدیث شریف میں ہے۔

لَوْاَنَّ عَبْدًا قُتِلَ بِالْمَشْرِقِ وَرَضِیَ بِقَتْلِهٖ آخَرُ بِالْمَغْرِبِ کَانَ شَرِیْکًا فِیْ قَتْلِهٖ۔ (۱)

اگر کوئی بندہ مشرق میں قتل ہو جائے اور دوسرا شخص مغرب میں اس کے قتل پر راضی ہو تو یہ اس قتل میں شریک ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اچھے کاموں میں رشک کرنے اور للچانے اور بُرے کاموں سے بچنے کا حکم دیا۔
ارشاد خداوندی ہے۔

فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۔ (۲)

پس للچانے والوں کو للچانا چاہیئے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَاحَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ حِکْمَةً فَهُوَ یَقْضِیْ بِهَا فِی النَّاسِ وَیُعَلِّمُهَا وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهٗ عَلٰی هَلَکَتِهٖ فِی الْحَقِّ۔ (۳)

رشک صرف دو آدمیوں پر ہو سکتا ہے ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا فرمائی اور وہ اسے لوگوں میں پھیلاتا ہے اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا پس وہ اسے راہ حق میں خرچ کرتا ہے۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے۔

وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَهُوَ یَقُوْمُ بِهٖ آنَاءَ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ فَیَقُوْلُ الرَّجُلُ لَوْ آتَانِیَ اللّٰهُ مِثْلَ مَا آتٰی هٰذَا لَفَعَلْتُ مِثْلَ مَا یَفْعَلُ۔ (۴)

وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی اور وہ رات اور دن کی گھڑیوں میں اس کے ساتھ قیام کرتا ہے تو دوسرا شخص کہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس کی مثل عطا فرمائے جو اس کو عطا کیا تو میں بھی اس کی طرح عمل کروں۔

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد، ص ۲۶۶ کتاب الصلوٰۃ
(۲) قرآن مجید سورۂ مطففین آیت ۲۶
(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۷۲ کتاب صلاۃ المسافرین
(۴) ایضاً۔

marfat.com

کفار، اور فاسق و فاجر سے بُغض اور ان پر اعتراض و ناراضگی کے بارے میں قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں بے شمار شواہد پائے جاتے ہیں جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکَافِرِیْنَ اَوْلِیَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (۱)

مومن، مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اَوْلِیَاءَ (۲)

اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَکَذٰلِکَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا۔ (۳)

اسی طرح ہم بعض ظالموں کو دوسرے بعض پر مسلط کرتے ہیں

حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اَخَذَ الْمِیْثَاقَ عَلٰی کُلِّ مُؤْمِنٍ اَنْ یُّبْغِضَ کُلَّ مُنَافِقٍ وَّعَلٰی کُلِّ مُنَافِقٍ اَنْ یُّبْغِضَ کُلَّ مُؤْمِنٍ۔ (۴)

بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر مومن سے وعدہ لیا کہ وہ ہر منافق سے بغض رکھے اور ہر منافق سے وعدہ لیا کہ ہر مومن سے بُغض رکھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ (۵)

آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ اَحَبَّ قَوْمًا وَّوَالَاھُمْ حُشِرَ مَعَھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (۶)

جو شخص کسی قوم سے محبت کرے اور دوستی رکھے وہ قیامت کے دن اسی قوم کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۲۸

(۲) قرآن مجید، سورہ مائدہ آیت ۵۱

(۳) قرآن مجید، سورۂ انعام آیت ۱۲۹

(۴) الاسرار المرفوعۃ ص ۲۷۶ حدیث ۲۷۱

(۵) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۱۱ کتاب الادب

(۶) کنز العمال جلد ۹ ص ۲۱ حدیث ۲۴۷۳۰

marfat.com

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَوْثَقُ عُرَی الْاِیْمَانِ اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ۔ (۱)

ایمان کی سب سے مضبوط رسی اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنا اور اللہ تعالیٰ کے لیے بُغض رکھنا ہے۔

اس بات کے شواہد ہم نے آداب صحبت کے بیان میں اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بُغض کے ضمن میں بھی ذکر کئے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے بیان میں بھی ذکر کئے ہیں لہذا ہم دوبارہ ذکر نہیں کرتے۔

سوال:۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر رضا کے سلسلے میں آیات واحادیث آئی ہیں (۲) پس اگر گناہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے بغیر ہو تو یہ بات محال ہے اور عقیدۂ توحید میں خلل کا باعث ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی قضا سے ہیں تو ان کو ناپسند کرنا اور ان پر ناراض ہونا اللہ تعالیٰ کی قضا کو ناپسند کرنا ہے تو ایک ہی بات میں رضا اور کراہت کو کیسے جمع کیا جا سکتا ہے۔

جواب:۔

یہ بات ان لوگوں پر مشتبہ ہوتی ہے جو ضعیف اور اسرارِ علوم سے زیادہ واقف نہیں ہوتے حتیٰ کہ بعض لوگوں پر معاملہ مشتبہ ہوا تو انہوں نے برائیوں سے خاموشی کو مقامِ رضا خیال کیا اور اس کا نام حُسن خلق رکھا حالانکہ یہ محض جہالت ہے رضا اور کراہت دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں جب یہ دونوں ایک چیز پر ایک ہی جہت سے آتے ہیں البتہ جب کراہت اور وجہ سے ہو اور رضا دوسری وجہ سے ہو تو اس میں کوئی تضاد نہیں کیوں کہ بعض اوقات تمہارا دشمن مرجاتا ہے تمہارے دشمنوں کا بھی دشمن ہوتا ہے اور اس کی ہلاکت کی کوشش کرتا ہے تو اس کی موت کو تم اس لیے ناپسند کرتے تمہارے دشمن کا دشمن مرگیا لیکن اس لیے خوش ہوتے ہو کہ تمہارا دشمن مرگیا۔

اسی طرح گناہ کی دو وجہ ہیں ایک کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فعل، اختیار اور ارادہ ہے پس وہ اس وجہ سے راضی ہوتا ہے کہ مالک اپنی مِلک میں جو چاہے کرے اور وہ اپنے فعل پر راضی ہو۔ اور ایک رُخ بندے کی جانب ہے اس کا کسب اور وصف ہے نیز اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے اور اس سے بُغض رکھتا ہے کہ اس پر دُوری اور ناراضگی کے اسباب مسلط کئے اس اعتبار سے یہ منکر اور مذموم ہے اور یہ بات ایک مثال سے واضح ہوگی۔

ہم مخلوق میں سے ایک محبوب فرض کرتے ہیں جو اپنے عاشقوں کے سامنے کہتا ہے کہ میں محبت کرنے والوں اور

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۱ ص ۴۸ حدیث ۱۰۴۹۲

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اوّل ص ۱۶۸ مرویات ابو وقاص

marfat.com

بُغض رکھنے والوں میں تمیز کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لیے ایک سچا معیار اور بولنے والا میزان مقرر کرتا ہوں وہ اس طر
کہ میں فلاں شخص کے بارے میں قصد کرتا ہوں کہ اسے ایذا پہنچاؤں اور اسے ایسی مار ماروں کہ وہ مجھے گالی دینے پر مج
ہو جائے۔ حتیٰ کہ جب وہ مجھے گالی دے گا تو میں اس سے نفرت کروں گا اور اسے اپنا دشمن سمجھوں گا جو شخص اس س
محبت کرے گا تو میں سمجھوں گا کہ وہ بھی میرا دشمن ہے اور جو آدمی اس سے نفرت کرے گا تو میں اسے اپنا محب اور دوست
سمجھوں گا۔ پھر اس نے ایسا ہی کیا اور گالی دینے سے اس کی مراد حاصل ہو گئی جو نفرت کا باعث تھی۔ اور وہ نفرت حاص
ہو گئی جو دشمنی کا سبب تھی اس صورت میں جو شخص اس کا سچا عاشق ہے اور محبت کی شرائط کو جانتا ہے وہ یوں کہے
تم جو اس شخص کو ایذا پہنچانے، مارنے اور دُور کرنے کی تدبیر کر رہے ہو کہ اس سے بُغض و عداوت ہو تو میں اس بات پر را
ہوں اور اس کو پسند کرتا ہوں کیوں کہ یہ تیری رائے، تیری تدبیر، تیرا فعل اور تیرا ارادہ ہے لیکن اس نے جو تجھے گالی دی
ہے تو یہ اس کی طرف سے زیادتی ہے کیوں کہ اس کا فرض تھا کہ وہ صبر کرتا اور گالی نہ دیتا۔ لیکن اس سے تمہاری مراد
یہی تھی کیوں کہ تم نے اس کو اسی لیے مارا کہ وہ تمہیں گالی دے جو ناراضگی کا باعث ہے تو اس اعتبار سے کہ یہ سب کچھ تمہاری
تدبیر اور رضا کے مطابق ہوا میں اس پر راضی ہوں کیوں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو تمہاری تدبیر میں نقص واقع ہوتا اور تیری مراد حاص
نہ ہوتی اور مجھے تیری مراد کا پورا نہ ہونا پسند نہیں لیکن چوں کہ یہ اس شخص کا وصف اور کسب ہے اور تیرے جمال کے
تقاضے کے خلاف دشمنی ہے کیوں کہ اس پر لازم تھا کہ وہ تجھ سے اس مار کو برداشت کرتا اور گالی کے ذریعے مقابلہ نہ
کرتا تو اس حوالے سے مجھے یہ بات پسند نہیں گویا ناپسندیدگی اس وجہ سے ہے کہ یہ اس کا وصف ہے اس
لیے نہیں کہ یہ تیری مراد اور تیری تدبیر کا تقاضا ہے ہاں اس کی گالی کی وجہ سے جو تم اس سے نفرت کرتے ہو تو میں اس
پر راضی ہوں اور اس کو پسند کرتا ہوں کیوں کہ وہ تمہاری مراد ہے اور تمہاری موافقت میں، میں بھی اس سے نفرت کرتا ہوں
اس لیے کہ محبت کی شرط یہ ہے کہ محبوب کے محبوب سے محبت کی جائے اور اس کے دشمن کو دشمن سمجھا جائے۔

اور اس کا تجھ سے نفرت کرنا مجھے اس لیے پسند ہے کہ تو نے خود اس بات کو چاہا کہ وہ تجھ سے نفرت کرے جب
تو اسے اپنے آپ سے دُور کر دے اور اس پر بُغض کے اسباب مسلط کر دے لیکن ناپسند اس لیے کرتا ہوں کہ
یہ اس بُغض رکھنے والے کا وصف، کسب اور فعل ہے اور میں اس سے ناراض ہوں کیوں کہ وہ تم سے ناراض ہے اور اس
کی یہ بات مجھے اس لیے ناپسند ہے کہ یہ اس کا وصف ہے لیکن جب یہ سب کچھ تمہاری مراد ہے تو میں اس پر
راضی ہوں۔

رضا اور کراہت میں تناقض اس صورت میں ہوتا ہے کہ وہ یوں کہے کہ تمہاری مراد ہونے کی وجہ سے یہ پسندیدہ ہے
اور تمہاری مراد کی نسبت سے ہی ناپسند بھی ہے لیکن جب اس کا فعل اور مراد ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے غیر
کا وصف اور کسب ہونے کی وجہ سے ناپسند ہو تو اس میں کوئی تناقض نہیں اس پر ہر وہ بات شاہد ہے جس میں نفرت

marfat.com

ی اور وجہ سے ہو اور رضا کسی دوسری وجہ سے، اور اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے جب بندے پر شہوت اور گناہ کے اسباب مسلّط کر دیئے حتیٰ کہ یہ بات اسے گناہ کی محبت تک ے گئی اور وہ محبت ارتکابِ گناہ تک لے جاتی ہے تو یہ اسی طرح ہے جیسے مذکورہ بالا مثال میں محبوب نے دوسرے شخص ذاتنا مارا کہ اس کی وجہ سے اسے غصہ آیا اور غصے کے نتیجے میں وہ گالیاں دینے لگا اور اللہ تعالیٰ نافرمان بندے پر جب راضی ہوتا ہے تو اگرچہ اس کے گناہ میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر شامل ہوتی ہے لیکن یہ اسی طرح ہے جیسے گالی کھانے والے گالی دینے والے پر غصہ آتا ہے اگرچہ اس گالی میں خود اس گالی کھانے والے کی تدبیر و اختیار شامل ہوتا ہے کیونکہ س کی مار گالی کا سبب بنی اور اللہ تعالیٰ جب بندے کے ساتھ یہ عمل کرتا ہے کہ گناہ کے اسباب اس پر مسلط کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلالت ہے کہ پہلے سے اس کی مشیت میں اس شخص کو دور کرنا اور اس پر ناراضگی پائی جاتی ہے۔

پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اس پر واجب ہے کہ جس شخص سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے یہ بھی اس شخص سے نفرت کرے جس پر وہ غصہ فرمائے یہ بھی اس پر غصہ کرے اور جسے وہ اپنی بارگاہ سے دور کرے یہ بھی اسے نے آپ سے دور رکھے اگرچہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے قہر اور قدرت سے ہی اللہ تعالیٰ کی دشمنی اور مخالفت پر مجبور ہوا ہے لیکن وہ بارگاہ خداوندی سے دور کیا ہوا اور ملعون تو ہے اور جو شخص درجاتِ قرب سے دور کیا گیا ہے وہ اللہ ال سے محبت کرنے والے تمام افراد کے نزدیک قابلِ نفرت ہونا چاہیے کیوں کہ اس طرح محبوب سے موافقت ہو جاتی ہے کہ اس نے جس کو اپنے آپ سے دور کرنے کے ذریعے اس پر غضب فرمایا یہ بھی اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔

اس تقریر سے اللہ تعالیٰ کے لیے بغض، اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور کفار پر سختی کرنے نیز ان سے ناراض ہونے ، مبالغہ کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی رہنا اس لیے کہ وہ اس کا فیصلہ ہے، کے سلسلے میں وارد یات موکّد ہو گئیں۔

اور یہ روایات اس تقدیر کے راز سے مدد چاہتی ہیں جسے افشار کرنا صحیح نہیں وہ یہ کہ خیر اور شر دونوں مشیّت اور ے میں داخل ہیں لیکن شر مکروہ مراد ہے جب کہ خیر پسندیدہ مراد ہے پس جو شخص کہتا ہے کہ شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ا ہے وہ جاہل ہے اور جو شخص یوں کہتا ہے کہ دونوں اسی کی طرف سے ہیں لیکن رضا اور کراہت کے اعتبار سے ں کوئی فرق نہیں تو وہ بھی کوتاہی کرنے والا ہے اور اس سے پردہ اٹھانے کی اجازت نہیں لہٰذا سب سے بہتر بات یہی ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے اور شرعی آداب کو اختیار کیا جائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْقَدَرُ سِرُّ اللّٰهِ فَلَا تُفْشُوْهُ۔ (۱) تقدیر اللہ تعالیٰ کا راز ہے اسے ظاہر نہ کرو۔

---

(۱) الکامل لابن عدی جلد، ص ۲۶۴۹ ترجمہ یحییٰ بن مسلم

marfat.com

اور ہر علم مکاشفہ سے متعلق ہے اور اس وقت ہماری مراد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا پہ راضی ہونا چ
اور گناہوں سے نفرت کی جائے باوجودیکہ دونوں کا تعلق قضائے الٰہی سے ہے، دونوں کو جمع کرنا ممکن ہے لہٰذا ازکو
کرنے کی حاجت کے بغیر ہماری غرض پوری ہوگئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ مغفرت کے حصول اور گناہوں سے بچنے کی دعا کرنا اور تمام اسباب جو دین پہ مدد کرتے ہ
قضائے خداوندی پر راضی رہنے کے خلاف نہیں اللہ تعالیٰ نے بندے کو حکم دیا کہ وہ دعا کرے تاکہ اس کے ذریعے اس
سے صاف ذکر قلبی خشوع اور گڑگڑانا سامنے آئے اور یہ دل کے روشن ہونے کا سبب، کشف کی چابی اور مزید لطف
کرم کے مسلسل آنے کا سبب ہے جیسے پیاس کی صورت میں لوٹا اٹھانا اور پانی پینا اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی ہونے کے
خلاف نہیں ہے اور پیاس کو دور کرنے کے لیے کسی ایسے سبب کو اختیار کرنا جسے مسبب الاسباب نے اس کے
ساتھ مرتب فرمایا قضا پر راضی رہنے کے منافی نہیں ہے۔

اسی طرح دعا بھی ایک سبب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مرتب فرمایا اور اس کا حکم دیا اور ہم نے یہ بات بیان کی
کہ جس طرح سنت الٰہیہ جاری ہے اس کے مطابق اسباب کو اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے ہم نے یہ بات توکل
کے بیان میں تفصیل سے بیان کردی ہے اور یہ بھی رضا کے خلاف نہیں ہے کیوں کہ رضا ایک مقام ہے جو توکل سے
ملا ہوا ہے۔

ہاں شکوہ کے طور پر مصیبت کا اظہار اور دل سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا رضا کے خلاف ہے البتہ شکر کے طور
پر اور قدرت کے منکشف ہونے کے طور پر مصیبت کا اظہار رضا کے خلاف نہیں۔

کسی بزرگ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اچھے طرح راضی ہونا یہ ہے کہ وہ یہ نہ کہے کہ آج گرم دن ہے یعنی شکایت
کے طور پر نہ کہے اور یہ گرمیوں کے موسم کی بات ہے سردیوں میں اس قسم کا کلام شکر کے طور پر ہے اور شکوہ ہر حال
رضا کے خلاف ہے کھانوں کی مذمت کرنا اور ان میں عیب نکالنا بھی قضائے الٰہی پر رضا کے خلاف ہے کیوں کہ صنعت
کی مذمت صانع کی مذمت ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔

اور کسی شخص کا یہ کہنا کہ فقر مصیبت اور محنت ہے اور اہل و اولاد غم اور تھکاوٹ کا باعث ہیں اور کوئی پیشہ اختیار کرنا شقت
اور پریشانی ہے تو یہ تمام باتیں رضا میں خرابی پیدا کرتی ہیں بلکہ آدمی کو چاہیے کہ وہ تدبیر کو اس کے مدبر اور مملکت کو اس کے
مالک کے سپرد کردے اور وہ بات ہے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمائی تھی آپ نے فرمایا مجھے اس بات کی
پرواہ نہیں کہ میں مالداری کی حالت میں صبح کرتا ہوں یا فقر کی حالت میں کیوں کہ مجھے معلوم نہیں کہ ان میں کونسی بات میرے
لیے بہتر ہے۔

marfat.com

فصل ۱۵

گناہوں کے مراکز سے بھاگنا اور گناہوں کی مذمت رضا کے خلاف نہیں

مگر ور آدمی بعض اوقات یوں خیال کرتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شہر سے باہر جانے سے منع فرمایا جس میں طاعون پھیل جائے (۱)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس شہر میں گناہ پھیل جائیں وہاں سے نکلنا بھی منع ہے کیوں کہ ان میں سے ہر ایک میں اللہ تعالیٰ کی قضا سے بھاگنا ہے اور یہ محال ہے۔

بلکہ جس شہر میں طاعون پھیلتا ہے اس سے نکلنا اس لیے منع ہے کہ اگر اس قسم کی اجازت کا دروازہ کھول دیا جائے تو تندرست لوگ وہاں سے چلے جائیں اور بیمار لوگ رہ جائیں جن کی تیمارداری کرنے والا کوئی نہ ہو انتو تباہ و برباد ہو جائیں گے اور وہ کمزوری اور بیماری کی وجہ سے مر جائیں گے۔

اسی لیے بعض روایات کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بھاگنے کو میدان جنگ سے بھاگنے کی طرح قرار دیا ہے اور اگر یہ قضا سے بھاگنے کی صورت ہوتی تو جو آدمی اس وبا زدہ شہر کے قریب پہنچتا ہے اسے واپسی کا حکم نہ فرماتے ہم نے اس کا حکم توکل کے بیان میں لکھا ہے۔

اور جب ممانعت کی علت معلوم ہو گئی تو ظاہر ہوا کہ گناہوں والے شہروں سے بھاگنا قضا سے بھاگنا نہیں بلکہ جس چیز سے بھاگنا ضروری ہے وہاں سے بھاگنا بھی قضا سے بھاگنا نہیں بلکہ جس چیز سے بھاگنا ضروری ہے وہاں سے بھاگنا بھی قضا ہے اسی طرح وہ مقامات اور اسباب جو گناہوں کی دعوت دیتے ہیں ان کی مذمت اس لیے کرنا کہ لوگوں کو نفرت ہو مذموم بات نہیں ہے پہلے بزرگ ہمیشہ اسی طرح کرتے تھے حتیٰ کہ ایک جماعت نے بغداد کی برائی بیان کرنے اور اس کو ظاہر کرنے پر اتفاق کیا تو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے مشرق و مغرب کا چکر لگایا تو بغداد سے برا شہر نہ دیکھا پوچھا گیا وہ کیسے؟ فرمایا اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کی حقارت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو معمولی بات سمجھا جاتا ہے اور جب آپ خراسان تشریف لے گئے تو آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے بغداد کو کیسے دیکھا؟ آپ نے فرمایا میں نے وہاں (تین قسم کے لوگ دیکھے ہیں) سپاہی کو غصے کی حالت میں تاجر کو حسرت کا اظہار کرتے ہوئے اور قاری کو حیران دیکھا اس کو غیبت گمان کرنا مناسب نہیں

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۳۱۵ کتاب الجنائز

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۲۴ مرویات جابر بن عبداللہ

marfat.com

کیوں کہ آپ نے کسی خاص آدمی کا ذکر نہیں کیا کہ اس سے اس شخص کو ضرر پہنچتا بلکہ آپ کا مقصد ان لوگوں کو ڈرانا
حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ مکہ مکرمہ جانے کے لیے باہر تشریف لاتے تو بغداد شریف میں ٹھہرتے حتی کہ قافلہ
دن میں تیار ہو جاتا اور آپ اس کی نگرانی کرتے اور وہاں ٹھہرنے کی وجہ سے سولہ دینار صدقہ کرتے ایک دن کے بعد
ایک دینار ہوتا۔

ایک جماعت نے عراق کی مذمت بھی کی ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہما بھی ان
شامل ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے پوچھا تم کہاں رہتے ہو؟ اس نے کہا عراق میں رہتا ہوں آپ
پوچھا وہاں کیا کرتے ہو؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جو شخص عراق میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے پیچھے کوئی مصیبت لگا دیتا
ایک دن حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ نے عراق کا ذکر کیا تو فرمایا اس میں دس حصوں میں سے نو حصے برائی
اور اس میں لاعلاج بیماری ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نیکی کے دس اجزا ہیں جن میں سے نو حصے شام میں اور دسواں
عراق میں ہے جب کہ برائی کے دس حصے اس کے برخلاف ہیں۔

کسی محدث نے فرمایا کہ ہم ایک دن حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کے پاس تھے اتنے میں ایک صوفی آئے جنہوں نے
عبا پہن رکھی تھی انہوں نے اسے اپنے پاس بٹھایا پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہاں رہتے ہو؟ اس نے کہا بغداد میں
رہتا ہوں آپ نے اس سے منہ پھیر لیا اور فرمایا ان میں سے کوئی ایک ہمارے پاس راہبوں کا لباس پہن کر آتا ہے
پس جب ہم اس سے سوال کرتے ہیں کہ کہاں رہتے ہو؟ تو کہتا ہے ظالموں کے گھونسلے میں رہتا ہوں۔

حضرت بشر بن حارث رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ بغداد میں عبادت کرنے والا کھجوروں کے جھنڈ میں عبادت کرنے والے
کی طرح ہے اور وہ فرماتے تھے کہ میں وہاں رہتا ہوں تو اس سلسلے میں میری اقتدا نہ کرو جو یہاں سے نکلنا چاہتا ہے
نکل جائے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے تھے اگر ان بچوں کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوتا تو میں اس شہر سے نکل
کو ترجیح دیتا کہا گیا کہ آپ کہاں سکونت پذیر ہونا چاہتے ہیں؟ فرمایا پہاڑوں (یا وادیوں) میں۔

کسی بزرگ سے بغداد والوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ان کے زاہد پکے زاہد ہیں اور ان کے شریر
پکے شریر ہیں یہ اس بات پر دلالت ہے کہ جس شہر میں کثرت سے گناہ ہوتے ہوں اور نیکی کم ہو اور وہاں کوئی شخص پھنس جائے
تو اس کے پاس وہاں ٹھہرنے کے لیے کوئی عذر نہیں بلکہ اسے وہاں سے ہجرت کرنی چاہیے ارشاد خداوندی ہے۔

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا۔(۱) کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم وہاں ہجرت کرتے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء، آیت ۹۷

marfat.com

پس اگر وہ اہل وعیال یا علاقہ کی وجہ سے ہجرت نہ کرسکے تو اسے اس جگہ رہنے پر راضی نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی اسے اطمینان حاصل ہو بلکہ ہمیشہ دل برداشتہ رہے اور یوں دعا مانگتا رہے۔

رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا۔ (۱)

اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال دے جس کے رہنے والے ظالم ہیں۔

کیوں کہ جب ظلم عام ہوتا ہے تو مصیبت آتی ہے اور سب کو تباہ و برباد کرتی ہے تو وہ اطاعت گزار بندوں کو بھی رفت میں لیتی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً۔ (۲)

اور اس فتنہ سے (عذاب سے) ڈرو جو تم میں سے صرف ظالموں کو ہی نہیں پہنچے گا (بلکہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے گا۔

تو دین کے نقصان کے اسباب میں سے کسی چیز میں مطلق رضا نہیں مگر جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کے فعل کی طرف ن اس کی ذات کے حوالے سے رضا کی کوئی وجہ نہیں۔

ین مقامات والے لوگوں میں سے کون سے افراد افضل ہیں وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق میں لو پسند کرتا ہے دوسرا وہ جو اپنے مولیٰ کی عبادت کے لیے زندہ رہنا چاہتا ہے اور تیسرا ان دونوں باتوں میں سے کسی بات یار نہیں کرتا بلکہ اس بات پر راضی رہتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے پسند فرمائی ہے، اس سلسلے میں علماء کے ن اختلاف ہے۔

کسی عارف کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہوتا ہے وہ ان میں فضل ہے کیوں کہ وہ غیر ضروری باتوں سے محفوظ ہے ایک دن حضرت وہیب بن ورد، سفیان ثوری اور یوسف بن اسباط ٹھے اکٹھے ہو گئے حضرت ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا میں اس سے پہلے اچانک موت کو ناپسند کرتا تھا لیکن آج میں چاہتا ہوں ں حضرت یوسف بن اسباط رحمہ اللہ نے پوچھا کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ مجھے فتنے کا خوف ہے پھر حضرت یوسف سباط نے فرمایا کہ میں لمبی زندگی کو ناپسند نہیں کرتا حضرت سفیان رحمہ اللہ نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے ہو سکتا ہے میں کسی دن توبہ کروں اور نیک اعمال. بجالاؤں حضرت وہیب سے پوچھا گیا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ انہوں یا میں کسی بات کو پسند نہیں کرتا بلکہ مجھے وہ بات پسند ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۷۵

(۲) قرآن مجید، سورۂ انفال آیت ۲۵

marfat.com

نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے فرمایا ربِ کعبہ کی قسم ! یہ روحانیت ہے ۔

فصل ۱۶ :۔

محبتِ کرنے والوں کے کچھ واقعات، اقوال اور مکاشفات

کسی عارف سے پوچھا گیا کہ آپ محب ہیں ؟ انہوں نے جواب دیا میں محب نہیں ہوں بلکہ محبوب ہوں کیوں کہ محب مشقت برداشت کرتا ہے ان سے مزید کہا گیا کہ لوگ کہتے ہیں آپ سات میں سے ایک ہیں انہوں نے جواب دیا میں پورا سات ہوں وہ فرماتے تھے جب تم مجھے دیکھو تو گویا تم نے چالیس ابدال دیکھ لیے عرض کیا گیا یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ آپ تو ایک ہیں ؟ انہوں نے فرمایا اس لیے کہ میں نے چالیس ابدال دیکھے اور ان میں سے ہر ایک کا ایک خُلق اپنایا۔ ان سے پوچھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے آپ نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا ہے تو انہوں نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا اس آدمی پر تعجب نہیں جو حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھتا ہے تعجب تو اس شخص پر ہے جسے حضرت خضر علیہ السلام دیکھنا چاہیں اور وہ چھپ جائے ۔

حضرت خضر علیہ السلام سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا جب کبھی میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کوئی ایسا نہیں جسے میں نے نہ دیکھا ہو تو اسی دن میں نے ایک اور ولی کو دیکھا جس کو میں پہلے سے نہیں جانتا تھا ۔

حضرت ابو یزید بسطامی رحمہ اللہ سے ایک مرتبہ گذارش کی گئی کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ فرمایا تو اس سلسلے میں ہمیں بھی کچھ بتائیں تو انہوں نے چیخ ماری اور فرمایا اس بات کو جاننا تمہارے شایانِ شان نہیں عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ کے لیے آپ نے جو سخت سے سخت مجاہدہ کیا ہے اس کے بارے میں بتایئے تو انہوں نے فرمایا اس بات سے تمہیں آگاہ کرنا بھی جائز نہیں عرض کیا گیا اپنی شروع شروع کی ریاضت کے بارے میں بتائیں فرمایا ہاں یہ ٹھیک ہے میں نے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا تو اس نے سرکشی کی پس میں نے قسم کھائی کہ ایک سال تک پانی نہیں پیوں گا اور سال بھر تک آرام نہیں کروں گا تو نفس نے اسے پورا کر دیا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے بعض مشاہدات میں حضرت ابو یزید رحمہ اللہ کو دیکھا کہ وہ نماز عشاء کے بعد صبح تک قدموں کے پنجوں کے بل بیٹھے ہوئے ہیں ایڑیوں سمیت تلووں کو زمین سے اٹھا رکھا ہے ٹھوڑی کو سینے سے لگایا ہوا ہے اور آنکھیں کھلی ہوتی ہیں جھپکتی بھی نہیں فرماتے ہیں پھر انہوں نے سحری کے وقت ایک طویل سجدہ کیا اس کے بعد بیٹھ گئے اور بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا۔

اے اللہ ! کچھ لوگوں نے تجھ سے سوال کیا تو تُو نے انہیں پانی اور ہوا پر چلنے کی طاقت دی وہ اس پر راضی ہو گئے لیکن میں ان باتوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں کچھ لوگوں نے تیری بارگاہ میں عرض کیا تو تُو نے ان کے لیے زمین کو

marfat.com

لپیٹ دیا وہ اس پر راضی ہو گئے لیکن میں اس سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں پھر ایک اور جماعت نے تجھ سے طلب کیا تو تُو نے ان کو زمین کے خزانے عطا فرمائے وہ اس پر راضی ہو گئے لیکن میں اس سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں حتیٰ کہ انہوں نے کراماتِ اولیاء سے بیس سے زیادہ مقامات شمار کئے پھر میری طرف متوجہ ہو کر مجھے دیکھا اور فرمایا تم یحییٰ ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں میرے آقا! فرمایا کس وقت سے تم یہاں موجود ہو؟ میں نے عرض کیا کافی دیر سے موجود ہوں تو وہ خاموش ہو گئے میں نے کہا اے میرے آقا مجھ سے کچھ بیان کریں فرمایا میں تجھ سے وہ بات بیان کرتا ہوں جو تیرے حال کے مناسب ہو وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سب سے پہلے فلک میں داخل کیا اور مجھے ملکوت سفلیٰ میں پھیرا مجھے تمام زمینیں اور تحت الثریٰ دکھایا پھر اوپر والے فلک میں داخل کیا اور مجھے آسمانوں میں پھرایا اور اس میں تمام جنتیں عرش تک دکھائیں پھر اپنے سامنے ٹھہرا کر کے فرمایا جو کچھ تم نے دیکھا ہے اس میں سے جو چاہتا ہے مانگ کہ میں تجھے عطا کروں میں نے عرض کیا اے میرے آقا! میں نے کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس کو اچھا سمجھتا ہوں اور تجھ سے مانگوں فرمایا تو میرا سچا بندہ ہے تو نے صدقِ دل سے میرے لیے عبادت کی ہے میں تیرے ساتھ یہ کروں گا اور وہ کروں گا کئی باتوں کا ذکر کیا۔

حضرت یحییٰ فرماتے ہیں میں اس بات سے گھبرا گیا اور میرا دل بھر گیا اور مجھے تعجب ہوا میں نے کہا اے میرے آقا! آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس کی معرفت کا سوال کیوں نہیں کیا؟ حالاں کہ بادشاہوں کے بادشاہ نے آپ سے فرمایا کہ جو چاہتے ہیں پوچھیں، فرماتے ہیں اس پر حضرت ابو یزید رحمہ اللہ نے مجھ پر ایک چیخ ماری اور فرمایا چپ رہو مجھے اپنے نفس سے اللہ تعالیٰ پر غیرت آئی کہ اس کے سوا کوئی اور اسے نہ پہچانے۔

منقول ہے کہ حضرت ابو تراب نخشبی رحمہ اللہ اپنے ایک مرید کو پسند کرتے تھے چنانچہ آپ اسے اپنے قریب کرتے اور اس کی ضرورت کو پورا فرماتے مرید اپنی عبادت اور وجد میں مشغول رہتا ایک دن حضرت ابو تراب رحمہ اللہ نے اس سے پوچھا اگر تم ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ کو دیکھو تو کیسا ہے؟ اس نے کہا مجھے ان کے لیے فرصت نہیں۔

جب حضرت ابو تراب رحمہ اللہ نے بار بار یہی بات کہی کہ اگر تم حضرت ابو یزید رحمہ اللہ کو دیکھو تو کیسا ہے تو اس نے کہا میں ابو یزید کو کیا کروں گا میں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے پس اس نے مجھے حضرت ابو یزید سے بے نیاز کر دیا ہے حضرت ابو تراب فرماتے ہیں اس وقت میری اپنی طبیعت بھی بگڑ گئی اور مجھے اپنے اوپر قابو نہ رہا میں نے کہا تو اللہ تعالیٰ کے دیکھنے پر مغرور ہے اگر تو حضرت ابو یزید رحمہ اللہ کو ایک بار دیکھے تو اللہ تعالیٰ کو ستر بار دیکھنے سے زیادہ مفید ہو گا۔ فرماتے ہیں وہ مرید بہت حیران ہوا اور اس نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے انہوں نے فرمایا تو اللہ تعالیٰ کو اپنے پاس دیکھتا ہے تو وہ تیری مقدار کے مطابق ظہور فرماتا ہے اور ابو یزید کو اللہ تعالیٰ کے پاس دیکھے گا کہ وہ ان کے لیے ان کی مقدار کے مطابق ظاہر ہوتا ہے تو اس نے میری بات کا راز پایا کہا مجھے ان کے پاس لے چلیں۔

حضرت ابو تراب نے تفصیل لکھتے ہوئے آخر میں لکھا ہے کہ ہم ایک ٹیلے پر جا کر کھڑے ہو گئے ان کی انتظار کرنے

marfat.com

لگے کہ وہ جنگل سے ہماری طرف تشریف لائیں گے اور آپ درندوں سے بھرپور جنگل میں رہا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ ہمارے پاس سے گزرے اور انہوں نے ایک پوستین اپنی پیٹھ پر ڈال رکھی تھی میں نے اس نوجوان سے کہا کہ یہ ابو یزید ہیں ان کو دیکھو نوجوان نے ان کی طرف دیکھا تو بے ہوش ہو کر گر پڑا ہم نے اسے حرکت دی تو دیکھا کہ وہ مر چکا ہے چنانچہ ہم نے اسے دفن کیا میں نے حضرت ابو یزید بسطامی رحمہ اللہ سے عرض کیا میرے آقا! آپ کے دیکھنے سے یہ نوجوان مر گیا۔ انہوں نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارا ساتھی سچا تھا اس کے دل میں ایک راز تھا کہ اس کا وصف اس پر منکشف نہ ہوا جب اسنے ہمیں دیکھا تو اسکا قلبی راز منکشف ہو گیا وہ اسے برداشت نہ کر سکا کیونکہ وہ کمزور مریدوں کے مقام پر تھا اس سے وہ ہلاک ہو گیا۔

اور حبب زنگی (افریقی) بصرہ میں داخل ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو قتل کیا ان کے مال لوٹے تو حضرت سہل رحمہ اللہ کے مریدان کے پاس جمع ہوئے انہوں نے عرض کیا اگر آپ اللہ تعالیٰ سے ان کو دور کرنے کی دعا مانگیں تو اچھا ہے وہ خاموش رہے پھر فرمایا اس شہر میں اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ ظالموں کے خلاف بددعا کریں تو زمین پر کوئی ظالم نہ رہے سب اسی رات مر جائیں لیکن وہ ایسا نہیں کرتے پوچھا گیا کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں وہ ان کو بھی پسند نہیں۔ پھر انہوں نے قبولیت کے سلسلے میں چند باتیں بیان کیں جن کا ذکر ہمارے بس میں نہیں۔

حتیٰ کہ انہوں نے فرمایا اگر وہ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ قیامت قائم نہ کرے تو وہ اسے قائم نہیں کرے گا۔

تو یہ تمام امور ذاتی طور پر ممکن ہیں پس جس کو ان سے کچھ حصہ نہ ملے تو حتی الامکان تصدیق اور ایمان سے خالی نہیں رہنا چاہیے کیوں کہ قدرت وسیع ہے فضل عام ہے ملک و ملکوت کے عجائب بے شمار ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے اس کی کوئی انتہا نہیں نیز اس کے منتخب بندوں پر اس کے فضل کی بھی کوئی حد نہیں۔

اسی لیے حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر تجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مناجات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خُلّت (خلیل ہونا) دیا جائے تو اس سے بھی زاہد کا مطالبہ کر دیکھوں کہ اس سے اوپر کئی گنا زیادہ ہے اگر تم کسی درجہ پر مطمئن ہو جاؤ گے تو اس سے حجاب میں ہو جاؤ گے اور اس قسم کی باتیں ان لوگوں کے لیے آزمائش ہیں جو ان جیسا مقام رکھتے ہیں کیوں کہ ان کے مختلف درجات ہیں۔

کسی عارف نے فرمایا کہ چالیس حوریں میرے سامنے کی گئیں میں نے ان کو دیکھا کہ وہ ہوا میں دوڑ رہی ہیں اور ان پر سونے، چاندی اور جواہرات کا لباس ہے جو چھن چھن کرتا ان کے ساتھ پھیرتا ہے میں نے ان کو ایک نظر دیکھا تو مجھے چالیس دن سزا دی گئی پھر میرے سامنے اسّی حوریں آئیں جو حُسن و جمال میں ان سے بھی اوپر تھیں مجھے کہا گیا کہ ان کو دیکھو میں نے سجدہ کیا اور سجدے میں آنکھیں بند کر دیں تاکہ میں ان کی طرف نہ دیکھ سکوں میں نے کہا (اے اللہ!) میں تیرے سوا سب سے پناہ چاہتا ہوں مجھے اس کی حاجت نہیں میں مسلسل گڑگڑاتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مجھ سے پھیر دیا۔

تو مومن کو چاہیے کہ وہ اس قسم کے مکاشفات سے اس لیے انکار نہ کرے کہ وہ خود اس سے خالی ہے اگر

marfat.com

ومن اسی بات پر ایمان لاتا جس کا وہ تاریک نفس اور سخت دل سے مشاہدہ کرتا ہے تو ایمان کا میدانِ تنگ ہو جائے گا بلکہ
حال اس وقت ظاہر ہوتے ہیں جب آدمی کئی گھاٹیوں کو عبور کرتا اور کئی مقامات کو حاصل کر لیتا ہے ان میں سے
ی مقام اخلاص ہے نیز تمام ظاہری و باطنی اعمال سے نفسانی فوائد اور مخلوق کے ملاحظہ سے نفس کو نکالنا ہے پھر
نے حال کو چھپاتے ہوئے لوگوں سے مخفی رہنا ہے حتیٰ کہ وہ گوشۂ گمنامی کے قلعے میں بند ہو جائے۔ تو یہ باتیں ان لوگوں
ے سلوک کا آغاز ہیں اور سب سے کم مقام ہے اور یہ بڑے بڑے متقی لوگوں میں بھی بہت کم پائی جاتی ہیں۔

اور جب مخلوق کی طرف توجہ کی کدورتوں سے دل صاف ہو جاتا ہے تو اس پر نورِ یقین کا فیضان ہوتا ہے اور مبادی
منکشف ہوتے ہیں اور تجربے اور سلوکِ طریقت کے بغیر اس کا انکار کرنا اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ لوہے
ن صورت ممکن نہیں اگرچہ اسے خوب رگڑ کر اور صاف کر کے شیشے کی طرح کر دیا جائے پس منکر کی نگاہ اس لوہے
رتی ہے جو اس کے پاس ہے نہایت سیاہ ہے اور اس کے اوپر ژنگ اور میل چڑھی ہوتی ہے اس پر کوئی صورت
ن نہیں ہوتی اس لیے اس نے اس دقت کے انکشاف کا بھی انکار کیا جب اس کا جوہر ظاہر ہو جائے تو اس بات کا
انتہائی درجہ کی جہالت اور گمراہی ہے۔

پس یہ ہر اس شخص کا حکم ہے جو کراماتِ اولیاء کا منکر ہے اور اس انکار پر اس کے پاس سوائے اس کی کوتاہ بینی
کوئی دلیل نہیں اور جس کو اس نے دیکھا وہ بھی قاصر ہے تو قدرت خداوندی سے انکار کی یہ بہت بُری دلیل ہے بلکہ
س شخص سے مکاشفہ کی خوشبو سونگھو گے جو اس راہ میں کچھ بھی چلتا ہے اگرچہ وہ راستے کی ابتداء ہی میں ہو جیسا کہ
ت بشر رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ مقام کیسے پایا؟ انہوں نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا تھا کہ وہ میرے
ا کو پوشیدہ رکھے کسی پر ظاہر نہ کرے۔

منقول ہے کہ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا تو کہا کہ وہ ان کے لیے دعا کریں انہوں نے دعا مانگی کہ
عالیٰ تمہاری عبادت کو آسان کرے عرض کیا مزید دعا مانگیں فرمایا اللہ تعالیٰ اسے مخلوق سے پوشیدہ رکھے یہ بھی کہا
ان کی دعا کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ خود آپ سے بھی اس کو پوشیدہ رکھے کہ آپ کی توجہ اس کی طرف نہ ہو۔

بعض بزرگوں سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھنے کا شوق ہوا ایک مرتبہ میں نے
عالیٰ سے سوال کیا کہ یا اللہ مجھے ان کی زیارت کرا دے تاکہ میں ان سے وہ بات سیکھوں جو میرے لیے اہم ہے
مجھے ان کی زیارت ہوئی تو مجھے کوئی بات نہ سوجھی صرف اتنا کہا اے ابو العباس! مجھے کوئی چیز سکھا دیں کہ جب
ہوں تو مخلوق کے دلوں سے پردے میں ہو جاؤں ان کے دلوں میں میری کوئی قدر نہ رہے اور کوئی شخص بھی
ور دیانت سے مجھے نہ جانے انہوں نے فرمایا تم یوں کہو۔

یا اللہ! مجھ پر اپنا گاڑھا پردہ ڈال دے اور اپنے حجابات مجھ پر تار دے مجھے اپنے غیب کے پردوں میں

کر دے اور مخلوق کے دلوں سے مجھے چھپا دے فرماتے ہیں پھر وہ غائب ہو گئے اور میں ان کو نہ دیکھ سکا اور نہ ہی اس کے بعد مجھے ان کا شوق ہوا میں روزانہ یہ کلمات کہتا۔

کہتے ہیں ان کلمات کی تاثیر اس قدر ہوئی کہ لوگ ان کو ذلیل کرتے اور توہین کرتے حتی کہ ذمی (کافر) ان کے ساتھ مذاق کرتے اور ان کو بیگار میں پکڑ کر اپنا سامان ان پر رکھ دیتے۔ بچے ان کے ساتھ مذاق کرتے یعنی ان کے کا سکون اور راحت اسی ذلت اور پوشیدگی میں تھا۔

تو اولیاء کرام کا یہ حال ہے اور ان کو ایسے ہی لوگوں میں تلاش کرنا چاہیے جب کہ دھوکے میں مبتلا لوگ ان کو ایسے لوگوں میں تلاش کرتے ہیں جو پیوندگی ہوئی گدڑیاں اور چادریں پہنے ہوئے ہوں اور علم و تقویٰ وغیرہ میں مشہور ہوں حالانکہ اولیاء کرام کے سلسلے میں غیرت خداوندی یہی ہے کہ وہ پوشیدہ رہیں جیسے حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ لَا یَعْرِفُهُمْ غَیْرِیْ۔ میرے اولیاء کرام میری قبا کے نیچے ہیں میرے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔

* * *

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ ذِیْ طِمْرَیْنِ لَا یُؤْبَهُ لَهٗ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ۔ (۱) کئی لوگ بکھرے ہوئے بالوں اور گرد آلود چہروں والے دو چادروں میں ہوتے ہیں اور ان کی پرواہ نہیں کی جاتی اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان معانی کی خوشبو سے زیادہ تر وہی دل دور ہیں جو تکبر کرنے والے خود پسند اور اپنے علم و عمل پر نازاں ہیں لیکن جو لوگ شکستہ دل ہیں اور اپنے آپ کو اس قدر ذلت و رسوائی میں دیکھتے ہیں کہ اگر ان کو ذلیل کیا جائے تو ان کو احساس نہیں ہوتا جیسے غلام کا آقا اس سے بلند بیٹھتا ہے تو اسے ذلت کا احساس نہیں ہوتا تو ایسے لوگوں کے دلوں کو زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے پس جب اسے ذلت کا احساس نہ ہو اور اس ذلت کی طرف توجہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کو اس کی خبر بھی نہ ہو بلکہ وہ اپنے آپ کو اس سے بھی کم درجے میں سمجھتا ہو کہ ہر قسم کی ذلت کو اپنے حق میں ذلت سمجھے بلکہ اپنے آپ کو اس سے بھی کم سمجھتا ہو حتی کہ طبعی تواضع اس کی ذاتی صفت بن جائے تو اس قسم کے دل کے بارے میں امید کی جا سکتی ہے کہ وہ ان خوشبوؤں کے مبادی کی خوشبو سونگھے۔

اگر اس قسم کا دل نہ پایا جائے اور اس قسم کی رُوح سے بھی ہم محروم ہوں تو ہمارے لیے مناسب نہیں کہ جو لوگ اس کے اہل ہیں ان کے لیے اس کے امکان پر ایمان نہ رکھیں۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کا دوست بننے پر قادر نہیں اسے ان

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۹ کتاب البر والصلۃ

marfat.com

ں کا محب ہونا چاہیے اور ان پر ایمان رکھے امید ہے کہ جس سے محبت کرتا ہے اس کے ساتھ اٹھایا جائے۔

اس بات پر یہ روایت شاہد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے پوچھا جنت کہاں اگتی ہے؟ انہوں نے ب دیا مٹی میں، آپ نے فرمایا میں تم سے سچ کہتا ہوں حکمت بھی دل میں پیدا ہوتی ہے جو مٹی کی طرح ہوتا ہے اور ولایت ندی کے طلب گاروں نے ولایت کی شرائط کی طلب میں اپنے نفس کو اس قدر ذلیل کیا کہ نہایت درجے کی عاجزی فاست تک پہنچا دیا۔ حتیٰ کہ منقول ہے کہ حضرت ابن کریبی رحمہ اللہ جو حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے استاذ تھے و ایک شخص نے تین مرتبہ کھانے کے لیے بلایا اور تینوں مرتبہ واپس کر دیا وہ ار بلاتا اور آپ تشریف لاتے چوتھی مرتبہ وہ آپ کو اپنے گھر لے گیا اور پوچھا کہ آپ نے یہ سب کچھ کیسے برداشت یا آپ نے فرمایا میں تیس سال سے نفس کی ذلت پر راضی ہوں حتیٰ کہ میرا نفس کتے کی طرح ہو گیا ہے جسے دھتکارا ے تو چلا جاتا ہے پھر بلا کر اس کے سامنے ہڈی ڈالی جائے تو لوٹ آتا ہے اگر تم مجھے پچاس مرتبہ بھی بلا کر واپس گے پھر بلاؤ گے تو میں تمہاری دعوت قبول کروں گا۔

آپ سے یہ بھی مروی ہے فرمایا میں ایک محلے میں گیا تو نیک بختی کے حوالے سے مجھے پہچانا گیا اس سے میرا پریشان ہو گیا تو میں حمام میں چلا گیا اور قصداً وہاں سے کسی کے عمدہ کپڑے اٹھا کر پہن لیے پھر اس کے اوپر اپنی گدڑی را اپنے کپڑے لے لیے اور مجھے خوب مارا پیٹا۔ اس کے بعد میں حمام کا چور معروف ہو گیا اور یوں میرے دل کو سکون ں ہوا۔

تو وہ لوگ اس طرح اپنے نفسوں کو مشقت و ریاضت میں مبتلا کرتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو مخلوق کی نظر سے بچائے اپنے نفس سے بھی حجاب میں ہو جائیں اور اب ان کے دلوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب دوری پیدا نہ کرے ہی کوئی چیز حائل ہو۔ دلوں کی دوری کا باعث اپنے آپ میں اور دوسروں میں مشغولیت ہے بلکہ اپنے نفس میں ل ہونا تو بہت بڑا حجاب ہے اسی لیے منقول ہے کہ بسطام کا ایک معزز شخص حضرت ابو یزید بسطامی رحمہ اللہ کی مجلس بھی جدا نہ ہوتا ایک دن اس نے عرض کیا میں تیس سال سے دن کو روزہ رکھ رہا ہوں کبھی اسے ترک نہیں کیا اور رات م کرتا ہوں سوتا نہیں لیکن جو کچھ آپ ذکر کرتے ہیں میں اس میں سے کچھ بھی اپنے دل میں نہیں پاتا حالاں کہ میں اس کی ق کرتا ہوں اور اس سے محبت بھی رکھتا ہوں حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر تم تین سو سال روزہ رکھو اور قیام میں گزارو تو بھی تم اس سے ایک ذرہ نہیں پا سکتے اس نے پوچھا کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ تم اپنے نفس کی وجہ جاب میں ہو۔ اس نے پوچھا اس کا کوئی علاج؟ فرمایا ہاں ہے اس نے عرض کیا آپ مجھے بتائیں میں اس پر عمل کروں نے فرمایا حجام کے پاس جاؤ اور اپنا سر اور داڑھی منڈوا دو اور یہ لباس اتار کر ایک کمبل اوڑھ لو اپنے گلے میں اخروٹوں بھرا ہوا کپڑا لٹکا دو بچوں کو اپنے گرد جمع کرو اور کہو کہ جو کوئی مجھے مارے گا اسے ایک اخروٹ دوں گا۔ بازار

marfat.com

میں جاؤں اور بازار میں ان سب کے پاس چکر لگاؤں جو وہاں موجود ہیں اور وہ جو تمہیں جانتے ہیں اس شخص نے کہا سبحان اللہ! آپ مجھے یہ مشورہ دیتے ہیں؟ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے فرمایا تمہارا "سبحان اللہ" کہنا شرک ہے اس نے پوچھا وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا تم نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور پھر "سبحان اللہ" کہا تو نے اپنے رب کی تسبیح بیان نہیں کی اس نے کہا یہ کام تو میں نہیں کروں گا کچھ اور بتائیے آپ نے فرمایا سب سے پہلے یہی کام کرنا ہوگا اس نے کہا مجھے اس کی طاقت نہیں آپ نے فرمایا میں نے کہا تھا کہ تو اسے قبول نہیں کرے گا۔

تو حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے جو کچھ فرمایا یہ اس شخص کا علاج ہے جو اپنے آپ کو دیکھنے اور لوگوں کی توجہ کا طالب ہونے جیسی مرض میں مبتلا ہو اس بیماری سے صرف یہی علاج نجات دے سکتا ہے یا اس قسم کا کوئی دوسرا عمل ہو اور جو شخص علاج کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس شخص کے لیے شفا کے امکان کا انکار کرے جو مرض کے بعد اس قسم کا علاج کرتا ہے یا وہ جو اس قسم کی بیماری میں بالکل مبتلا نہیں ہوتا اس لیے کہ صحت کا کم از کم درجہ اس کے امکان پر ایمان لانا ہے پس جو شخص اس قلیل مقدار سے بھی محروم ہو اس کے لیے ہلاکت ہے

یہ امور شریعت میں واضح ہیں لیکن اس کے باوجود اس شخص کے نزدیک بہت دشوار ہیں جو اپنے آپ کو علمائے شریعت میں شمار کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يَسْتَكْمِلُ الْعَبْدُ الْاِيْمَانَ حَتّٰى تَكُوْنَ قِلَّةُ الشَّيْءِ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ كَثْرَتِهٖ وَحَتّٰى يَكُوْنَ اَنْ لَا يُعْرَفَ اَحَبَّ مِنْ اَنْ يُعْرَفَ

بندے کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک قلیل چیز اس کے نزدیک اس کے کثیر سے زیادہ محبوب نہ ہو اور جب تک معروف ہونے کی نسبت معروف نہ ہونا اسے پسند نہ ہو۔

(۱)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ اسْتَكْمَلَ اِيْمَانَهٗ لَا يَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَلَا يُرَائِي بِشَيْءٍ مِنْ عَمَلِهٖ وَاِذَا عُرِضَ عَلَيْهِ اَمْرَانِ اَحَدُهُمَا لِلدُّنْيَا وَالْاٰخَرُ لِلْاٰخِرَةِ

جس شخص میں تین باتیں پائی جائیں اس کا ایمان کامل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرے اس کا کوئی عمل دکھاوے کے لیے نہ ہو جب اس کے سامنے دو باتیں پیش کی جائیں ان میں

---

(۱) تذکرۃ الموضوعات ص ۱۷۸ باب ذم الدنیا

marfat.com

آثَرَ اَمْرَ الْاٰخِرَةِ عَلَى الدُّنْيَا۔

(۱)

سے ایک دنیا کے لیے ہو اور دوسری آخرت کے لیے تو وہ اُخروی بات کو دنیوی بات پر ترجیح دے۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَلَا يَكْمُلُ اِيْمَانُ عَبْدٍ حَتّٰى يَكُوْنَ فِيْهِ ثَلَاثُ خِصَالٍ اِذَا غَضِبَ لَمْ يُخْرِجْهُ غَضَبُهُ عَنَ الْحَقِّ وَاِذَا رَضِيَ لَمْ يُدْخِلْهُ رِضَاهُ فِي بَاطِلٍ وَاِذَا قَدَرَ لَمْ يَتَنَاوَلْ مَا لَيْسَ لَهُ (۲)

جب تک بندے میں تین خصلتیں نہ ہوں اس کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب اسے غصہ آئے تو غصہ اسے سچ بات کہنے سے نہ نکالے اور جب راضی ہو تو اس کی رضا اسے باطل میں نہ داخل کر دے اور جب طاقت حاصل ہو تو جو چیز اس کی نہیں اسے نہ لے۔

ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا۔

ثَلَاثٌ مَنْ اُوْتِيَهُنَّ فَقَدْ اُوْتِيَ مِثْلَ مَا اُوْتِيَ آلُ دَاوٗدَ اَلْعَدْلُ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَالْقَصْدُ فِي الْغِنٰى وَالْفَقْرِ وَخَشْيَةُ اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ۔ (۳)

تین باتیں ایسی ہیں کہ جس کو دی گئیں اسے داؤد علیہ السلام کی طرح کا عطیہ ملا خوشی اور غصہ کی حالت میں انصاف کرنا مالداری اور محتاجی کی حالت میں میانہ روی اختیار کرنا اور پوشیدہ و ظاہر (دونوں حالتوں میں) اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان والوں کے لیے ان شرائط کا ذکر کیا ہے پس ایسے شخص پر تعجب ہے جو علم دین کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اس میں ان شرائط میں سے ایک ذرہ بھی نہیں پایا جاتا پھر اس کو علم و عقل سے اس قدر حصہ ملا ہے کہ جو مرتبہ ایمان لانے اور کئی مقامات طے کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ اس کا انکار کرتا ہے۔

روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں اس شخص کو اپنا خلیل بناتا ہوں جو میرے [illegible] میں کوتاہی نہ کرے اور اسے میرے علاوہ کسی کی فکر نہ ہو اور نہ ہی مخلوق میں سے کسی کو مجھ پر ترجیح دے اور اگر اسے [illegible] میں جلایا جائے تو وہ اس جلن سے تکلیف محسوس نہ کرے اور اگر اسے آروں سے چیرا جائے تو اس سے بھی درد محسوس نہ کرے۔

تو جس شخص کی محبت اس درجے کو بھی نہ پہنچی ہو تو اسے کس طرح پتہ چلے گا کہ محبت کے بعد کرامات اور مکاشفات ہیں

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۸۱۷ حدیث ۴۳۳۴۷

(۲) المعجم الصغیر للطبرانی جلد اول ص ۶۱ من اسمہ احمد

(۳) کنز العمال جلد ۵ ص ۸۱۱ حدیث ۴۳۲۲۴

marfat.com

یہ سب چیزیں محبت کے بعد ہوتی ہیں اور محبت ایمان کے کامل ہونے کے بعد ہوتی ہے۔ اور ایمان کے مقامات اور کمی زیادتی کے اعتبار سے اس میں تفاوت شمار سے باہر ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ اَعْطَاکَ مِثْلَ اِیْمَانِ کُلِّ مَنْ آمَنَ بِیْ مِنْ اُمَّتِیْ وَاَعْطَانِیْ مِثْلَ اِیْمَانِ کُلِّ مَنْ آمَنَ بِہٖ مِنْ وَلَدِ آدَمَ۔ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو میری امت کے تمام مومنوں کے ایمان کے برابر ایمان عطا فرمایا جو مجھ پر ایمان لاتے اور مجھے تمام اولادِ آدم کے برابر ایمان عطا فرمایا جو وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ کے تین سو اخلاق ہیں جو شخص توحید کے ساتھ ساتھ ان میں سے کسی ایک خُلق کے ساتھ اس سے ملاقات کرے گا وہ جنت میں داخل ہو گا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ان میں سے کوئی خُلق مجھ میں بھی ہے آپ نے فرمایا اے ابوبکر وہ تمام اخلاق تم میں موجود ہیں۔ اور ان میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ خُلق سخاوت ہے۔ (۲)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

میں نے ایک ترازو دیکھا جو آسمان سے لٹکایا گیا اس کے ایک پلڑے میں مجھے رکھا گیا اور دوسرے پلڑے میں میری امت کو رکھا گیا تو میرا پلڑا بھاری ہو گیا نیز ایک پلڑے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رکھا گیا اور میری امت کو لا کر دوسرے پلڑے میں رکھا گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ والا پلڑا بھاری ہو گیا۔

ان سب باتوں کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں اس طرح استغراق تھا کہ آپ کے دل میں کسی اور کو خلیل بنانے کی گنجائش نہ تھی۔ آپ نے فرمایا۔

لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا مِنَ النَّاسِ خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا وَلٰکِنْ صَاحِبُکُمْ خَلِیْلُ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ (۴)

اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو خلیل بناتا۔ لیکن تمہارا ساتھی اللہ تعالیٰ کا خلیل ہے (اپنے بارے میں فرمایا)

---

(۱) العلل المتناہیۃ جلد اول ص ۱۸۴ حدیث ۲۹۳۔

(۲) تذکرۃ الموضوعات ص ۱۲ باب اوصاف المتشابہۃ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۶۷، مرویات ابن عمر

(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۱۶ کتاب المناقب

marfat.com

خاتمہ ـــــ محبت سے متعلق متفرق مفید کلمات :

حضرت سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں محبت، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام اور دوسرے لوگ کہتے ہیں ہمیشہ اکرنا محبت ہے جب کہ کچھ حضرات فرماتے ہیں محبوب کو ترجیح دینا محبت ہے کچھ دیگر حضرات کے نزدیک دنیا میں باقی رہنے والا جاننا محبت کہلاتا ہے۔

ان تمام اقوال میں محبت کے نتائج کی طرف اشارہ ہے جب کہ نفسِ محبت کے سلسلے میں انہوں نے کچھ نہیں کہا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ محبت ایک ایسا معنیٰ ہے جو محبوب کی طرف سے ہوتا ہے دل اس کے ادراک سے مغلوب ہوتے ہیں اور زبانیں اس کی تعبیر نہیں کر سکتیں۔

حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر محبت کو حرام کر دیا ہے جن کا اللہ تعالیٰ کے غیر سے تعلق ہو۔ اور فرمایا ہر محبت کا عوض ہوتا ہے جب عوض زائل ہو جائے تو محبت بھی زائل ہو جاتی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا اظہار کرے اس سے کہو کہ اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے ذلیل بننے سے بچے۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ ہمارے سامنے عارف اور محب کی صفت بیان کریں تو انہوں نے فرمایا اگر عارف کلام کرے تو ہلاک ہوتا ہے اور محب خاموش رہے تو ہلاک ہوتا ہے اور حضرت شبلی رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں۔

يَا اَيُّهَا السَّيِّدُ الْكَرِيْمُ	اے کریم سردار! تیری محبت میرے دل میں قائم ہے
حُبُّكَ بَيْنَ الْحَشَا مُقِيْمُ	اے میری پلکوں سے نیند کو دور کرنے والے جو کچھ مجھ
يَا رَافِعَ النَّوْمِ عَنْ جَفْنِيْ	پر گزرتا ہے تو اسے جانتا ہے۔
اَنْتَ بِمَا مَرَّ بِيْ عَلِيْمُ	

کسی دوسرے شخص نے یوں کہا ہے۔

عَجِبْتُ لِمَنْ يَقُوْلُ ذَكَرْتُ اَلْفِيْ	اس شخص پر تعجب ہے جو کہتا ہے مجھے اپنا محبوب یاد
وَهَلْ اَنْسٰى فَاَذْكُرُ مَا نَسِيْتُ	آیا کیا میں بھول گیا تھا کہ اب، کہوں یاد آیا میں تیری
اَمُوْتُ اِذَا ذَكَرْتُكَ ثُمَّ اَحْيَا	یاد سے جتنا مرتا ہوں اگر میرا حُسن ظن نہ ہو تو کیسے زندہ
وَلَوْلَا حُسْنُ ظَنِّيْ مَا حَيِيْتُ	رہتا میری زندگی آرزوؤں سے ہے اور موت شوق کی
فَاَحْيَا بِالْمُنٰى وَاَمُوْتُ شَوْقًا	کی وجہ سے تو میں تیرے لیے کس قدر زندہ رہتا اور
فَكَمْ اَحْيَا عَلَيْكَ وَكَمْ اَمُوْتُ	مرتا ہوں۔

marfat.com

شَرِبْتُ الْحُبَّ كَاسًا بَعْدَ كَاسٍ
فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَمَا رَوِيْتُ
فَلَيْتَ خَيَالُهٗ نُصِبَ لِعَيْنِيْ
فَاِنْ قَصَرَتْ فِيْ نَظَرِيْ عَمِيْتُ

میں نے محبت کے جام پر جام پیے پس نہ شراب ختم ہوئی اور نہ میں سیر ہوا کاش اس کا خیال میری آنکھوں کے سامنے ہو پھر کوتاہی کروں تو اندھا ہو جاؤں۔

حضرت رابعہ عدویہ رحمہا اللہ نے ایک دن فرمایا کون ہے جو ہمیں ہمارے حبیب کا پتہ بتائے ان کی خادمہ نے عرض کیا کہ ہمارا حبیب تو ہمارے ساتھ ہے لیکن دنیا نے ہمیں اس سے علیحدہ کر رکھا ہے۔

حضرت ابن جلاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ جب میں کسی بندے کے دل کی طرف دیکھتا ہوں اور اس میں دنیا اور آخرت کی محبت نہیں پاتا تو اس کے دل کو اپنی محبت سے بھر دیتا ہوں اور اس کی حفاظت کا کفیل ہو جاتا ہوں۔

کہتے ہیں ایک دن حضرت سمنون رحمہ اللہ نے محبت کے سلسلے میں گفتگو کی تو ایک پرندہ آپ کے سامنے اترا وہ اپنی چونچ مسلسل زمین میں مارتا رہا حتی کہ اس سے خون جاری ہو گیا اور وہ مر گیا۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے میرے مولا! تو جانتا ہے کہ اپنی محبت کے ذریعے تو نے مجھے جو عزت عطا کی ہے مجھے اپنے ذکر سے مانوس کیا اور اپنی عظمت میں غور و فکر کے لیے مجھے فراغت عطا کی اس کے مقابلے میں جنت میرے نزدیک مچھر کے پر کی حیثیت بھی نہیں رکھتی۔

حضرت سری رحمہ اللہ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ عیش کرتا ہے اور جو آدمی دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے وہ اپنی عقل کھو بیٹھتا ہے بیوقوف آدمی صبح و شام مکمی چیزوں کے لیے کوشش کرتا ہے اور عقل مند آدمی اپنے عیب تلاش کرتا ہے۔

حضرت رابعہ رحمہا اللہ سے پوچھا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی محبت کا کیا عالم ہے؟ انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم! میں اس سے بہت زیادہ محبت کرتی ہوں لیکن خالق کی محبت نے مجھے مخلوق کی محبت سے روک رکھا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ فضیلت والا عمل کونسا ہے! آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے راضی رہنا اور اس سے محبت کرنا۔

حضرت ابو یزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں محب دنیا اور آخرت سے محبت نہیں کرتا وہ تو اپنے مولا سے مولا ہی کو چاہتا ہے۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ نے فرمایا محبت لذت میں مدہوشی اور تعظیم میں حیرت کا نام ہے اور کہا گیا ہے کہ محبت یہ ہے کہ وہ تم سے تمہارے نشان کو مٹا دے حتی کہ تمہارے اندر کوئی ایسی چیز نہ رہے جو تجھ سے تیری طرف رجوع کرتی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ محبت دل کا خوشی اور بشارت کے ساتھ محبوب کے قریب ہونا ہے۔ حضرت خواص رحمہ اللہ فرماتے ہیں محبت

marfat.com

تمام ارادوں کو ختم کرنا اور تمام صفات و حاجات کو جلا کر رکھ دینا ہے۔

حضرت سہل رحمہ اللہ سے محبت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی بندے کی مراد کو دیکھ کر اس کے دل کو اپنے مشاہدے کی طرف پھیر دے تو محبت ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ محب کا معاملہ چار منزلوں پر ہوتا ہے محبت، ہیبت، حیا اور تعظیم اور ان میں سے افضل منزل تعظیم اور محبت ہے کیوں کہ یہ دو منزلیں اہل جنت کے ساتھ جنت میں باقی رہیں گی اور دوسری منزلیں اٹھا لی جائیں گی۔

حضرت ہرم بن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں مومن جب اپنے رب عزوجل کو پہچان لیتا ہے تو اس سے محبت کرتا ہے اور جب وہ اس سے محبت کرتا ہے تو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جب اس کی طرف توجہ کی مٹھاس حاصل کر لیتا ہے تو دنیا کو خواہش کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور یہ لذت اسے دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی راحت پہنچاتی ہے۔

حضرت محمد بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ایک عبادت گزار عورت کو دیکھا وہ رو رہی تھی اور اس کے رخسار آنسوؤں سے تر تھے وہ اللہ تعالیٰ کے شوق اور اس سے ملاقات کی چاہت میں کہہ رہی تھی اللہ کی قسم میں دنیا سے تنگ آ چکی ہوں اگر موت مجھے خریدنے سے ملے تو میں اسے خرید لوں۔ حضرت محمد بن عبداللہ فرماتے ہیں میں نے اس سے پوچھا کیا تجھے اپنے عمل پر اطمینان ہے؟ اس نے کہا نہیں لیکن میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے بارے میں حسن ظن کی وجہ سے ایسا کہتی ہوں تمہارا کیا خیال ہے وہ مجھے اس محبت کے باوجود عذاب دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ مجھ سے پیٹھ پھیرنے والے لوگ اگر یہ حدیث جان لیں کہ میں ان کا انتظار کس طرح کرتا ہوں ان سے نرمی برتتا ہوں اور ان کے گناہ چھوڑنے کا مشتاق ہوں تو وہ میرے شوق میں مر جائیں اور میری محبت میں ان کے جسم کے جوڑ جدا ہو جائیں اے داؤد علیہ السلام! میرا یہ ارادہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو مجھ سے پیٹھ پھیرتے ہیں تو میری طرف متوجہ ہونے والوں کے بارے میں میرا ارادہ کیا ہوگا؟ اے داؤد علیہ السلام! جو بندہ مجھ سے بے پرواہ ہو جائے وہ میرا زیادہ محتاج ہوتا ہے اور جب کوئی بندہ مجھ سے پیٹھ پھیرتا ہے تو میں اس پر زیادہ رحم کرتا ہوں اور جب کوئی بندہ میری طرف رجوع کرتا ہے تو وہ میرے نزدیک بہت معزز ہوتا ہے۔

حضرت ابو خالد صفار رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک نبی علیہ السلام کی کسی عابد سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا اے عابدین کے گروہ! تم ایسے طریقے پر عمل کرتے ہو جس پر ہم انبیاء کرام عمل نہیں کرتے تم خوف اور امید پر عمل کرتے ہو اور ہم محبت اور شوق پر عمل کرتے ہیں۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اے داؤد! میرا ذکر، ذکر کرنے والوں کے لیے ہے میری جنت اطاعت گزار لوگوں کے لیے ہے، میری زیارت مشتاق لوگوں کے لیے ہے اور میں خود محبت کرنے والوں کے لیے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی فرمایا اے آدم! جو

marfat.com

اپنے محبوب سے محبت کرتا ہے وہ اس کے قول کو سچا جانتا ہے ،جو اپنے محبوب سے مانوس ہوتا ہے وہ اس کے فعل پر راضی ہوتا ہے اور جو اس کا شوق رکھتا ہے وہ اپنے سفر میں کوشش کرتا ہے۔

حضرت خواص رحمہ اللہ اپنے سینے پہ ہاتھ مار کر فرماتے ہائے اس کا شوق جو مجھے دیکھتا ہے اور میں اسے نہیں دیکھتا۔

حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت یونس علیہ السلام اس قدر روئے کہ نابینا ہو گئے انہوں نے اس قدر قیام کیا کہ کُبڑے ہو گئے اور اس قدر نماز پڑھی کہ چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی ۔اور بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا یا اللہ! تیری عزت و جلال کی قسم اگر میرے اور تیرے درمیان آگ کا دریا ہوتا تو تیرے شوق کی وجہ سے میں اس میں گھس جاتا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی سنت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا۔

معرفت میرا سرمایہ اور عقل میرے دین کی اصل ہے ،محبت میری بنیاد اور شوق میری سواری ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر میرا ہمنشین اور اعتماد میرا خزانہ ہے غم میرا رفیق اور علم میرا اسلحہ ہے ، صبر میری چادر اور رضا میری غنیمت ہے عاجزی میرا فخر اور زہد میرا پیشہ ہے یقین میری قوت اور سچائی میری شفیع ہے اطاعت میری محبت اور جہاد میرا اخلاق ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے (۱)

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے فرمایا وہ ذات پاک ہے جس نے ارواح کو مجتمع لشکر بنایا عارفین کی ارواح جلالی اور قدسی ہیں اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ کے مشتاق ہیں مومنوں کی روحیں روحانی ہیں اسی لیے وہ جنت کے شائق ہیں اور غافل لوگوں کی ارواح ہوائی ہیں اسی لیے وہ دنیا کی طرف مائل ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں میں نے لکام پہاڑ میں ایک شخص کو دیکھا جس کا رنگ گندمی تھا اور جسم کمزور تھا وہ ایک پتھر سے دوسرے پتھر کی طرف جا رہا تھا ۔اور کہتا تھا۔

اَلشَّوْقُ وَالْهَوٰی صَيَّرَانِیْ كَمَا تَرٰی ۔ (تیرے) شوق اور خواہش نے مجھے اس طرح کر دیا جس طرح تو دیکھ رہا ہے۔ (۱)

کہا جاتا ہے کہ شوق ایک آگ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کرام کے دلوں میں روشن کرتا ہے حتیٰ کہ اس کی وجہ سے ان کے دلوں کے خیالات، ارادے اور عوارض و حاجات سب کچھ جل جاتا ہے ۔محبت ، اُنس ، شوق اور رضا کے سلسلے میں اس قدر بیان کافی ہے اور ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی راہ راست کے توفیق دینے والا ہے۔

محبت ، شوق، رضا اور اُنس کا بیان مکمل ہوا اس کے بعد نیت اخلاص اور صدق کا بیان ہوگا ۔ان شاء اللہ تعالیٰ

---

(۱) تذکرۃ الموضوعات ص ۸۶ باب فضل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

۷۔ نیت و اخلاص کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

ہم اللہ تعالیٰ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں جس طرح شکر گزار بندے کرتے ہیں اس پر اس طرح ایمان لاتے ہیں جس طرح اہل یقین ایمان لاتے ہیں اور اس کی توحید کا اقرار اس طرح کرتے ہیں جس طرح سچے لوگ اقرار کرتے ہیں۔

ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تمام جہانوں کا رب ہے آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے جنوں، انسانوں اور مقرب فرشتوں کو مکلف بنانے والا ہے کہ وہ خلوص کے ساتھ اس کی عبادت کریں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ (۱)

اور ان کو یہی حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔

تو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص دین ہی ہے جو سیدھا بھی ہے اللہ تعالیٰ شریک ٹھہرانے والوں کے شرک سے بہت بے نیاز ہے اور رحمت کاملہ اس کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو جو تمام رسولوں کے سردار ہیں اور تمام انبیاء کرام نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آل و اصحاب پر رحمت ہو جو طیب و طاہر ہیں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد ——

اہل دل لوگوں پر ایمانی بصیرت اور انوارِ قرآن کی وجہ سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ سعادت تک رسائی کے لیے علم و عبادت ضروری ہے پس علماء کے علاوہ تمام لوگ ہلاک ہونے والے ہیں اور تمام علماء ہلاک ہونے والے ہیں سوائے عمل کرنے والوں کے، اور مخلص لوگوں کے علاوہ تمام اہل عمل بھی ہلاک ہونے والے ہیں جب کہ مخلص لوگوں کو بھی بہت بڑا خطرہ ہے نیت کے بغیر عمل محض مشقت ہے اور اخلاص کے بغیر نیت ریاکاری ہے اور منافقت کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے اور گناہ کے برابر ہے جب کہ صدق کے بغیر اخلاص، گرد و غبار کے ذرات ہیں۔

ہر وہ عمل جو غیر اللہ کے ارادے سے کیا جائے اور نیت خالص نہ ہو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ

اور جو کچھ انہوں نے کام کئے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ بینہ آیت ۵

marfat.com

هَبَاءً مَنْثُوْرًا۔

باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کر دیا کہ کھڑکی کی دھوپ میں سے نظر آتے ہیں۔ (۱)

توجو شخص حقیقتِ نیت سے واقف نہ ہو اس کی نیت کیسے صحیح ہوگی یا جو شخص اخلاص کی حقیقت سے آگاہ نہ ہو وہ نیت کو صحیح کرنے میں مخلص کیسے ہوگا یا وہ شخص جو صداقت کے مفہوم سے آگاہی نہ رکھتا ہو وہ اپنے نفس سے صدق کا مطالبہ کیسے کرے گا لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ارادہ رکھتا ہو اس کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ نیت کا علم حاصل کرے تاکہ اس کو اس کی معرفت حاصل ہو۔ پھر صدق و اخلاص کی حقیقت سے آگاہ ہو کر عمل کے ذریعے نیت کو صحیح کرے کیوں بندے کی نجات اور چھٹکارے کا وسیلہ یہی دو باتیں ہیں (اخلاص اور صدق) لہٰذا ہم صدق اور اخلاص کے معانی کو تین بابوں میں ذکر کریں گے۔

پہلا باب :- نیت کی حقیقت اور معنیٰ

دوسرا باب :- اخلاص اور اس کے حقائق

تیسرا باب :- صدق اور اس کی حقیقت

پہلا باب

نیّت کا بیان

اس باب میں نیت کی فضیلت، حقیقتِ نیت، نیت کا عمل سے اچھا ہونا نفس سے متعلق اعمال کی تفصیل اور نیت کے اختیار سے نکلنے کا بیان ہوگا۔

فصل ۱ :

فضیلتِ نیت

ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔ (۲)

اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام اس کی رضا چاہتے ہوئے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ فرقان آیت ۲۳

(۲) قرآن مجید، سورۂ انعام آیت ۵۲

marfat.com

یہاں ارادے سے مراد نیت ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَلِکُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِ امْرَاَۃٍ یَنْکِحُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ۔

(۱)

اعمال (کے ثواب) کا دارو مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی پس جس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوا اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو کہ اسے حاصل کرنا مقصود ہو یا کسی عورت کی طرف کہ اس سے نکاح کرے تو وہ جس کی طرف ہجرت کرے گا اس کی ہجرت اسی کی طرف شمار ہوگی۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَکْثَرُ شُھَدَاءِ اُمَّتِیْ اَصْحَابُ الْفُرُشِ وَرُبَّ قَتِیْلٍ بَیْنَ الصَّفَّیْنِ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِنِیَّتِہٖ۔ (۲)

میری امت کے اکثر شہداء بستر (پر فوت ہونے) والے ہوں گے اور دو فوجوں کے درمیان قتل ہونے والے اکثر لوگوں کی نیت کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَھُمَا۔ (۳)

اگر وہ دونوں (میاں بیوی میں صلح کرانے والے) اصلاح کی نیت کریں تو اللہ تعالیٰ ان (میاں بیوی) کے درمیان اتفاق پیدا فرمائے گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے نیت کو توفیق (باہم اتفاق) کا سبب بنایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَاِنَّمَا یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ۔

بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲ باب کیف کان بدء الوحی

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴۰۷ مرویات عبداللہ بن مسعود

(۳) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۳۵ (۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۸۵ مرویات ابوہریرہ

وہ دلوں کو اس لیے دیکھتا ہے کہ دل نیتوں کی جگہ ہیں۔
اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
بندہ اچھا عمل کرتا ہے تو فرشتے اسے مہر لگائے ہوئے صحیفوں (رجسٹروں) میں لے کر اوپر جاتے ہیں اور اس عمل کو اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا اس صحیفے کو ڈال دو اس میں جو عمل ہے اس میں میری رضا کی نیت نہیں کی گئی پھر فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اس شخص کے لیے فلاں فلاں بات لکھ دو وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب اس نے تو یہ کام نہیں کیا اللہ تعالیٰ فرماتا اس نے اس کام کی نیت کی تھی۔ (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

النَّاسُ اَرْبَعَةٌ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عِلْمًا وَمَالًا فَهُوَ يَعْمَلُ بِعِلْمِهٖ فِيْ مَالِهٖ فَيَقُوْلُ رَجُلٌ لَوْ آتَانِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى مِثْلَ مَا آتَاهُ لَعَمِلْتُ كَمَا يَعْمَلُ فَهُمَا فِي الْاَجْرِ سَوَاءٌ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَالًا وَلَمْ يُؤْتِهٖ عِلْمًا فَهُوَ يَتَخَبَّطُ بِجَهْلِهٖ فِيْ مَالِهٖ فَيَقُوْلُ رَجُلٌ لَوْ آتَانِيَ اللّٰهُ مِثْلَ مَا آتَاهُ عَمِلْتُ كَمَا يَعْمَلُ فَهُمَا فِي الْوِزْرِ سَوَاءٌ۔

لوگ چار قسم کے ہیں ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے علم اور مال عطا فرمایا تو وہ اپنے مال میں علم کے مطابق عمل کرتا ہے دوسرا شخص کہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی مثل دیا ہوتا تو میں بھی اس کی طرح عمل کرتا پس ان دونوں کا اجر ایک جیسا ہے دوسرا وہ شخص ہے جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور علم نہیں دیا وہ اپنی جہالت کی وجہ سے مال کو فضول کاموں میں خرچ کرتا ہے تو ایک اور شخص کہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ مجھے بھی مال دیتا تو میں بھی اس کی طرح کرتا تو یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں۔ (۲)

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے گئے تو فرمایا مدینہ طیبہ میں کچھ لوگ ہیں کہ ہم جو بھی وادی طے کرتے ہیں یا ایسی جگہ کو پامال کرتے ہیں جس سے کفار کو غصہ آئے نیز ہم کوئی مال خرچ کرتے ہیں یا ہم بھوکے ہوتے ہیں تو وہ ان تمام باتوں میں ہمارے ساتھ شریک ہوتے ہیں حالاں کہ وہ مدینہ طیبہ میں ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کیسے؟ وہ تو ہمارے ساتھ نہیں ہیں آپ نے فرمایا انہیں عذر نے روک رکھا ہے۔ (۳)

---

(۱)

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۳۲۲، ابواب الزھد

(۳) سنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۹ ص ۴۲ کتاب السیر

marfat.com

تو وہ حُسنِ نیت کی وجہ سے شریک تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

مَنْ هَاجَرَ يَبْتَغِيْ شَيْئًا فَهُوَ لَهٗ۔ (۱) جو شخص کسی چیز کی تلاش میں ہجرت کرتا ہے تو اس کے لیے وہی ہے۔

ایک شخص نے ہجرت کی اور ہمارے خاندان کی ایک خاتون سے شادی کی تو اس کا نام ام قیس کا مہاجر پڑ گیا۔ (۱)

اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہوا تو اس کا نام "قتیل حمار" (گدھے کے لیے ہونے والا) قرار پایا کیوں کہ وہ ایک شخص سے اس لیے لڑا کہ اس کا سامان اور گدھا حاصل کرے تو اسی وجہ سے قتل کیا گیا پس وہ اپنی نیت کی طرف منسوب ہوا۔ (۲)

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

مَنْ غَزَا وَهُوَ لَا يَنْوِيْ اِلَّا عِقَالًا فَلَهٗ مَا نَوٰى۔ (۳) جو شخص ایک رسی حاصل کرنے کے لیے لڑا تو اس کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے ایک شخص سے مدد طلب کی جو میرے ساتھ مل کر جہاد کر رہا تھا اس نے انکار کیا حتی کہ میں اس کے لیے اجرت مقرر کروں میں نے اس کے لیے اجرت مقرر کی پھر میں نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا اس کے لیے دنیا اور آخرت میں وہی کچھ ہے جو تم نے اس کے لیے مقرر کیا۔ (۴)

اسرائیلی روایات میں ہے کہ ایک شخص بھوک کی حالت میں ریت کے ایک ٹیلے سے گزرا تو اس نے دل میں کہا یہ ریت غلہ ہوتی تو میں اسے لوگوں میں تقسیم کر دیتا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی کی طرف وحی بھیجی کہ اس سے فرمائیں تعالیٰ نے تمہارا صدقہ قبول کر لیا اور تیری اچھی نیت کے بدلے میں اس قدر ثواب دیا کہ اگر یہ ریت غلہ ہوتی اور تم صدقہ نے تو تمہیں جس قدر ثواب ملتا کئی روایات میں آیا ہے۔

مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ وَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کر

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۰۱ کتاب الصلوٰۃ

(۲)

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۲۰ مرویات عبادہ بن صامت

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۲۳ مرویات یعلیٰ ابن امیہ

marfat.com

لَہٗ حَسَنَۃٌ۔

سکے تو اس کے لیے نیکی کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

(۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی عنہ کی روایت میں ہے۔

مَنْ کَانَتِ الدُّنْیَا نِیَّتَہٗ جَعَلَ اللّٰہُ فَقْرَہٗ بَیْنَ عَیْنَیْہِ وَفَارَقَھَا اَرْغَبَ مَا یَکُوْنُ فِیْھَا وَمَنْ تَکُنِ الْاٰخِرَۃُ نِیَّتَہٗ جَعَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی غِنَاہُ فِیْ قَلْبِہٖ وَجَمَعَ عَلَیْہِ ضَیْعَتَہٗ وَفَارَقَھَا اَزْھَدَ مَا یَکُوْنُ فِیْھَا،

جو شخص دنیا کی نیت کرے اللہ تعالیٰ اس کا فقر اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے اور جس وقت اسے دنیا کی زیادہ رغبت ہوتی ہے اس وقت اسے دنیا سے جدا کرتا ہے اور جو شخص آخرت کی نیت کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے، اس کا سامان اس کے لیے جمع کر دیتا ہے اور جب دنیا سے اسے جدا کرتا ہے تو وہ دنیا سے بہت زیادہ بے رغبت ہوتا ہے۔

(۲)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کا ذکر فرمایا جو جنگل میں دھنسا دیئے جائیں گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ان میں زبردستی لائے ہوئے اور اجرت پر کام کرنے والے بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ان سب کا حشر ان کی نیتوں پر ہوگا۔ (۳)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا

اِنَّمَا یُقْتَلُ الْمُقْتَتِلُوْنَ عَلَی النِّیَّاتِ۔(۴)

لڑنے والے اپنی اپنی نیتوں پر لڑتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا الْتَقَی الصَّفَّانِ نَزَلَتِ الْمَلَائِکَۃُ تَکْتُبُ الْخَلْقَ عَلٰی مَرَاتِبِھِمْ فُلَانٌ یُقَاتِلُ لِلدُّنْیَا فُلَانٌ یُقَاتِلُ حَمِیَّۃً فُلَانٌ یُقَاتِلُ عَصَبِیَّۃً اَلَا فَلَا تَقُوْلُوْا فُلَانٌ قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَمَنْ قَاتَلَ

جب دو لشکر باہم مقابل ہوتے ہیں تو فرشتے اترتے ہیں اور مخلوق کو درجہ بدرجہ لکھتے ہیں کہ فلاں آدمی دنیا کے لیے لڑتا ہے فلاں شخص غیرت کی خاطر لڑتا ہے فلاں آدمی قومی عصبیت میں لڑتا ہے سنو! یہ نہ کہو کہ فلاں اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو گیا پس جو شخص اس لیے

---

(۱) صحیح مسلم جلد اوّل ص ۸۷ کتاب الایمان

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۱ ص ۲۶۲ حدیث ۱۱۶۹۰

(۳) المستدرک جلد ۴ ص ۴۳۱ کتاب الفتن

(۴) میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۶۹ ترجمہ ۶۲۸۴

marfat.com

لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (۱)

لڑے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہی بلند ہو وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں (لڑنے والا) ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔
آپ نے ارشاد فرمایا۔

يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلٰى مَا مَاتَ۔ (۲)

ہر بندے کو اسی (نیت) پر اٹھایا جائے گا جس پر اس کا انتقال ہوا

حضرت احنف رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں

اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ۔

جب دو مسلمانوں اپنی تلواروں کے ساتھ باہم مقابل ہوتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔

عرض کیا گیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) قاتل (کا جہنم میں جانا) تو ٹھیک ہے مقتول کیوں جائے گا؟
آپ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّهٗ اَرَادَ قَتْلَ صَاحِبِهٖ۔ (۳)

کیوں کہ اس نے اپنے مقابل کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

مَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً عَلٰى صَدَاقٍ وَهُوَ يَنْوِيْ اَدَاءَهٗ فَهُوَ زَانٍ وَمَنْ اِدَّانَ دَيْنًا وَهُوَ لَا يَنْوِيْ قَضَاءَهٗ فَهُوَ سَارِقٌ۔ (۴)

جو شخص کسی عورت سے مہر پر نکاح کرے اور اس کی ادائیگی کی نیت نہ ہو تو وہ زانی ہے اور جو آدمی قرض لے اور اس کو ادا کرنے کی نیت نہ ہو تو وہ چور ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ تَطَيَّبَ لِلّٰهِ تَعَالٰى جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَجِدُ الطِّيْبَ مِنَ الْمِسْكِ وَمَنْ تَطَيَّبَ لِغَيْرِ اللّٰهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَرِيْحُهٗ

جو شخص اللہ تعالیٰ (کی رضا جوئی) کے لیے خوشبو لگائے تو وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کی خوشبو کستوری سے زیادہ مہک رہی ہو گی اور جو آدمی غیر خدا کی

---

۱ مسلم جلد ۲ ص ۲۸۷ کتاب الجنۃ
۲ مسلم جلد ۲ ص ۳۸۹ کتاب الفتن
۳ ترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۶۰۲ کتاب البیوع

marfat.com

اَنْتَنُ مِنَ الْجِيْفَةِ۔ (۱)

خاطر خوشبو لگائے وہ قیامت کے دن یوں آئے گا کہ اس کی بُو مردار سے زیادہ بدبودار ہوگی۔

آثار :

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بہترین عمل فرائض خداوندی کو ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء سے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں نیت کا سچا ہونا ہے

حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ عنہ کو لکھا کہ جان لیں! بندے کو اللہ تعالیٰ کی اس کی نیت کے مطابق ملتی ہے جس کی نیت مکمل ہو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد بھی مکمل ہوتی ہے اور اگر نیت ہو تو اسی کے مطابق مدد بھی کم ملتی ہے۔

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اکثر چھوٹے اعمال کو نیت بڑا کر دیتی ہے اور کئی بڑے کام نیت کی وجہ سے چھ ہو جاتے ہیں۔

حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ نیکو کار کہ اس کی نیت تقویٰ کی ہوتی ہے اگر اس کے تمام اعضاء بھی سے متعلق ہو جائیں تو کسی دن اس کی نیت اسے اچھی نیت کی طرف لوٹا دے گی اور جاہل کا حال اس کے خلاف

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلے لوگ، عمل کے لیے نیت سیکھتے تھے جس طرح وہ عمل سیکھتے

بعض علماء نے فرمایا عمل سے پہلے اس کے لیے نیت سیکھو اور جب تک تم نیکی کی نیت میں رہو گے تم بھ رہو گے۔

ایک طالب علم علماء کے پاس جا کر کہتا کہ کون ہے جو مجھے ایسے عمل کی راہ بتائے کہ اس کے باعث میں ہمیشہ اللہ تعال کے لیے عامل رہوں کیوں کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ رات اور دن میں مجھ پر کوئی ایسا وقت آئے جس میں میں اللہ تعالیٰ کے عمل نہ کرتا ہوں۔ اس سے کہا گیا تم نے اپنی حاجت کو پا لیا جس قدر ممکن ہو نیکی کرو پس جب تم تھک جاؤ یا اس کو چھ تو اس عمل کی نیت کرو کیوں کہ نیت کرنے والا بھی عمل کرنے والے کی طرح نیک عمل کر رہا ہوتا ہے۔

اسی طرح بعض اسلاف نے فرمایا کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں اور تمہارے گناہ تمہارے علم سے مخفی ہیں لیکن چاہیئے کہ صبح و شام توبہ کرو اللہ تعالیٰ درمیان والے گناہ بخش دے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس آنکھ کے لیے خوشخبری ہے جو سو جائے اور گناہ کا ارادہ نہ کرے اور پھ پر جاگے۔

---

(۱) مصنف عبدالرزاق جلد ۴ ص ۳۱۹ حدیث ۷۹۳۲

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگ قیامت کے دن اپنی نیتوں کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔
حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ جب یہ آیت کریمہ پڑھتے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ۔ (۱)

اور ہم، تمہیں ضرور بضرور آزمائیں گے حتیٰ کہ ہم، تم میں سے مجاہدین کی پہچان کرادیں اور تمہارے اچھے لوگوں کی آزمائش کریں۔

تو حضرت فضیل رحمہ اللہ رو پڑے اور اس آیت کو بار بار پڑھتے ہوئے فرماتے (یا اللہ!) اگر تو نے ہماری آزمائش کی تو ہم رُسوا ہو جائیں گے اور ہماری پردہ دری ہو جائے گی۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل جنت جنت میں اور جہنمی جہنم میں اپنی نیتوں کی وجہ سے ہمیشہ رہیں گے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس عمل سے میری رضا مطلوب ہو وہ تھوڑا بھی زیادہ ہوتا ہے اور جس سے میرا غیر مقصود ہو وہ زیادہ بھی تھوڑا ہوتا ہے۔
حضرت بلال بن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں بندۂ مومن آدمی جیسا قول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے قول کو نہیں چھوڑتا حتیٰ کہ وہ اس کے عمل کو دیکھتا ہے اور جب عمل کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑتا یہاں تک کہ اس کے نیت کو دیکھتا ہے اور اگر وہ پرہیز گاری اختیار کرے تو اسے نہیں چھوڑتا یہاں تک کہ اس کی نیت کو دیکھے۔ پس اگر اس کی نیت صحیح ہو تو اس لائق ہے کہ اس کے دوسرے کام بھی صحیح ہوں۔
تو اعمال کا ستون نیتیں ہیں عمل تو نیت کا محتاج ہے تاکہ وہ اس (نیت) کے ذریعے بہتر ہو جائے۔ جب کہ نیت ذاتی طور پر بہتر ہے اگرچہ کسی رکاوٹ کی وجہ سے عمل مشکل ہو جائے۔

فصل ۲:

حقیقتِ نیّت

جاننا چاہیئے کہ نیت، ارادہ اور قصد مترادف الفاظ ہیں جو ایک ہی معنیٰ کے لیے آتے ہیں اور یہ ایک قلبی حالت و صفت ہے جس کو علم و عمل نے گھیر رکھا ہے علم پہلے ہوتا ہے کیوں کہ وہ اس کی اصل اور شرط ہے اور عمل نیت کے بعد ہوتا ہے کیوں کہ وہ اس کے تابع اور اس کی فرع ہے کیوں کہ ہر عمل یعنی ہر حرکت و سکون اختیاری ہے اور وہ تین باتوں یعنی علم ارادے اور قدرت سے پورا ہوتا اس لئے کہ انسان اسی چیز کا ارادہ کرتا ہے جس کا اسے علم ہوتا ہے لہٰذا علم ضروری ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ محمد آیت ۳۱

marfat.com

اور جب تک ارادہ نہ ہو عمل نہیں کرتا لہٰذا ارادہ ضروری ہے اور ارادے کا مطلب یہ ہے کہ دل ایسے کام کے لیے برانگیخ
ہو جسے وہ اپنی غرض کے موافق سمجھتا ہے چاہے فی الحال ہو یا مستقبل میں ـــــ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طر
پیدا فرمایا کہ بعض امور اس کے موافق اور غرض کے مناسب ہوتے ہیں اور کچھ امور اس کے مخالف ہوتے ہیں۔ پس
وہ موافق و مناسب کاموں کو اپنی طرف کھینچنے اور نقصان دہ باتوں کو جو اس کے نفس کے خلاف ہیں دُور کرنے کی ضرور
محسوس کرتا ہے تو مضر اور نفع بخش چیز کا ادراک حاصل کرنا اس کے لیے ضروری ہے تاکہ نفع بخش کو حاصل کرے اور
نقصان دِہ سے بھاگے۔ کیوں کہ جو شخص غذا کو نہیں دیکھتا اور نہ اس کی پہچان رکھتا ہے اس کے لیے اس کا کھانا ممکن
نہیں ہوتا اور جو آگ کو نہ دیکھے اس کے لیے اس سے بھاگنا ممکن نہیں ہوتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور معرف
کو پیدا فرمایا اور اس کے لیے اسباب بنائے اور وہ ظاہری و باطنی اسباب نہیں (اور اس وقت) ان سے ہمارا
غرض نہیں۔

پھر اگر وہ غذا کو دیکھ لے اور جان لے کہ یہ اس کے موافق ہے تو پھر بھی اسے کھانے کے لیے اتنی بات کافی نہیں
جب تک اس کی طرف میلان رغبت اور ایسی خواہش نہ ہو جو اس کی طرف برانگیختہ کرتی ہو کیوں کہ مریض غذا کو دیکھتا ہے اور
جانتا ہے کہ یہ اس کے موافق ہے لیکن رغبت اور میلان نہ ہونے کی وجہ سے اس کے لیے اس تک پہنچنا ممکن نہیں ہوتا
پس اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف میلان رغبت اور ارادہ پیدا فرمایا یعنی اس کے نفس میں شوق اور دل میں توجہ رکھ دی
پھر یہ بات بھی کافی نہیں کتنے ہی لوگ کھانے کو دیکھتے ہیں اس میں رغبت بھی رکھتے ہیں اور اس کو کھانے
ارادہ بھی ہوتا ہے لیکن وہ اپاہج ہونے کی وجہ سے اس سے عاجز ہوتے ہیں لہٰذا آدمی کے لیے قدرت اور متحرک اعضاء
کیے گئے تاکہ اس تک پہنچنا مکمل ہو اعضاء طاقت کے بغیر حرکت نہیں کر سکتے اور طاقت ارادے کی منتظر ہوتی ہے یعنی
میں یہ خیال پکا ہو کہ یہ چیز اس کے موافق ہے جب پختہ و مصمم معرفت حاصل ہو جاتی ہے کہ یہ کام موافق ہے اور اس
کرنا ضروری ہے نیز کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہوتی جو اس سے پھیر دے تو ارادہ برانگیختہ ہوتا اور میلان ثابت ہوتا ہے پس جب
ارادے میں حرکت پیدا ہوتی تو قدرت اعضاء کو متحرک کرنے کے لیے حرکت میں آئی ہے پس قدرت ارادے کی خادمہ ہے ارادہ اعتقاد و معرفت
تابع ہے لہٰذا نیت اس صفت کا نام ہوا جو اعتقاد اور قدرت کے درمیان ہے اور یہ ارادہ اور نفس کا رغبت و میلان کی بنیاد پر غرض کے موافق کام
کی طرف برانگیختہ ہوتا ہے چاہے وہ فی الحال موافق ہو یا مستقبل میں ہو۔

پس پہلا محرک وہ غرض ہے جو مطلوب ہے اور اسی کو باعث کہا جاتا ہے اور یہ غرض یا باعث وہ مقصد ہے جس کی نیت
کی گئی اور برانگیختگی قصد اور نیت کا نام ہے اور قدرت کا اعضاء کو حرکت دینے کے ذریعے ارادے کی خدمت کے لیے برانگیختہ
ہونا عمل ہے البتہ بعض اوقات قدرت کا عمل کے لیے برانگیختہ کرنا ایک باعث کی بنیاد پر ہوتا ہے اور کبھی اس کے دو باعث
ہوتے ہیں جو ایک فعل میں جمع ہوتے ہیں اور جب اس کے دو باعث ہوں تو بعض اوقات ایک باعث بھی قدرت کو برانگیختہ

marfat.com

رنے کے لیے کافی ہوتا ہے اور بعض اوقات دونوں الگ الگ اس کام سے قاصر ہوتے ہیں جب تک جمع نہ ہوں۔ اور بعض اوقات ایک بھی کافی ہوتا ہے لیکن دوسرا اس کا معاون ہوتا ہے لہٰذا اس سے چار اقسام پیدا ہوئیں ہم ان میں سے ہر ایک کا نام اور مثال بیان کرتے ہیں۔

(۱) ایک باعث تنہا ہو جیسے انسان پر درندہ حملہ آور ہوتا ہے تو وہ اسے دیکھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اس بات کا محرک صرف یہ ہے کہ وہ درندے سے بھاگنا چاہتا ہے وہ درندے کو دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ یہ نقصان پہنچانے والا ہے اس کے دل میں بھاگنے کا خیال پیدا ہوتا ہے تو اس رغبت کے مطابق قدرت کام کرتی ہے پس کہا جاتا ہے کہ اس کی نیت درندے سے بھاگنا ہے اس اٹھنے کا کوئی دوسرا مقصد نہیں اس کو خالص نیت کہتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کو خالص عمل کہا جاتا ہے کیوں کہ اس کی غرض ایک ہی ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ عمل غیر کی مشارکت سے خالص ہے۔

۲- کسی عمل کے دو باعث ہوں لیکن دونوں الگ الگ مستقل ہوں محسوسات میں سے اس کی مثال یہ ہے کہ دو آدمی کسی چیز کو اٹھانے پر ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ لیکن اگر ان میں سے ایک بھی اسے اٹھانا چاہے تو اٹھا سکتا ہے۔ و۔ اس سلسلے میں مثال یہ ہے کہ کسی شخص کا قریبی رشتہ دار جو محتاج ہو وہ اس سے اپنی حاجت کے سلسلے میں سوال رے اور یا اس کی قرابت اور فقر کی وجہ سے اُس کی حاجت کو پورا کرے اور اسے معلوم ہے کہ اگر وہ محتاج نہ بھی ہوتا تو اس کی حاجت کو قرابت کی وجہ سے پورا کرتا اور اگر قرابت نہ ہوتی تو محض فقر کی وجہ سے پورا کرتا اور دل میں اس بات یقین رکھتا ہے کہ اگر اس کا کوئی مالدار رشتہ دار حاضر ہو تو اس کی حاجت کو پورا کرنے میں بھی رغبت رکھے گا اور اگر اجنبی یر ہو تو اس میں بھی رغبت ہو گی۔

اسی طرح ڈاکٹر کسی شخص کو کھانا چھوڑنے کا حکم دیتا ہے اور یوم عرفہ (نو ذوالحجہ) کا دن آجاتا ہے پس وہ روزہ رکھتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اگر نو ذوالحجہ کا دن نہ ہوتا تو وہ پرہیز کی وجہ سے کھانا چھوڑ دیتا ہے اور اگر پرہیز کا مسئلہ نہ ہوتا یوم عرفہ کی وجہ سے کھانا ترک کرتا۔

اور اب دونوں سبب جمع ہیں پس وہ اس کام کی طرف بڑھتا ہے اور دوسرا سبب پہلے سبب کا رفیق بنتا ہے تو اس صورت کو ہم مرافقت کہتے ہیں کیوں کہ دونوں سبب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔

۳- دونوں سبب الگ الگ کافی نہ ہوں لیکن جب جمع ہو جائیں تو طاقت کو برانگیختہ کر سکتے ہوں اس کی مثال محسوس چیز میں ہے کہ دو کمزور آدمی ایک چیز کو مل کر اٹھاتے ہیں جس کو دونوں الگ الگ نہیں اٹھا سکتے ہمارے موضوع سے متعلق اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص کا مال دار رشتہ دار اس کا قصد کر کے اس سے ایک درہم مانگے اور وہ اسے نہ دے لیکن کوئی اجنبی مانگے تو اسے دے دے پھر غریب رشتہ دار مانگے تو اسے دے دے تو اس صورت میں اس کے ارادے کا باعث قرابت اور فقر دونوں کا مجموعہ ہے اسی طرح ایک شخص لوگوں کے سامنے ثواب اور تعریف کی غرض سے صدقہ

marfat.com

کرتا ہے اور اگر وہ اسے تنہائی میں ملتا تو محض ثواب کا حصول اسے صدقہ دینے پر برانگیختہ نہ کرتا اور اگر مانگنے والا فاسق ہ
کہ اسے دینے سے ثواب نہ ہوتا تو محض دکھاوا اسے دینے پر مجبور نہ کرتا اور گردانوں باتیں جمع ہو جائیں تو ان سے دل
تحریک ہوتی اس جنس کو ہم مشارکت کہتے ہیں۔

۴- دو سببوں میں سے ایک مستقل ہے جو تنہا بھی کارگر ہو سکتا ہے لیکن دوسرا مستقل نہیں ہے لیکن جب
پہلے کے ساتھ ملایا جائے تو اس کا مددگار بن کر آسانی پیدا کر دیتا ہے محسوسات میں اس کی مثال یہ ہے کہ بوجھ اٹھانے میں کم
آدمی، طاقتور کی مدد کرے اگر طاقتور آدمی اکیلا بھی اٹھانا چاہے تو اٹھا سکتا ہے لیکن کمزور آدمی تنہا نہیں اٹھا سکتا۔ لیکن ا
کی وجہ سے کام آسان ہو جاتا ہے اور کمزور شخص اس آسانی میں موثر ہوتا ہے۔

ہمارے موضوع سے متعلق اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک آدمی نماز کا وظیفہ بھی کرتا ہے اور صدقہ دینے
کا عادی بھی ہے اب اتفاق سے کچھ لوگ آ گئے تو ان کو دیکھنے کی وجہ سے کام آسان ہو گیا اور وہ دل سے جانتا ہے کہ اگر
وہ تنہا ہوتا تو بھی اس کے عمل میں کوتاہی نہ ہوتی اور وہ اس بات کو بھی جانتا ہے کہ اگر اسے اطاعت کا خیال نہ بھی ہو
تو بھی محض ریاکاری اسے اس عمل پر مجبور نہ کرتی تو اس قسم کی نیت میں کسی قدر آمیزش ہو جاتی ہے اس جنس کو معاونت
کہتے ہیں۔

تو دوسرا باعث رفیق ہوتا ہے یا شریک یا معین، اور ہم اس بات کو اخلاص کے باب میں بیان کریں گے
اس وقت ہمارا مقصود نیتوں کی اقسام بیان کرنا ہے کیوں کہ عمل نیت کے تابع ہوتا ہے اس کا ذاتی حکم نہیں ہوتا بلکہ جنس
کا حکم ہی اس کا حکم ہوتا ہے۔

فصل ۳:

مومن کی نیّت اس کے عمل سے بہتر ہے کا کیا مطلب ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نیۃ المؤمن خیر من عملہ۔ (۱) مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے

جاننا چاہیے کہ بعض اوقات اس ترجیح کے بارے میں یہ گمان ہوتا ہے کہ نیت ایک پوشیدہ چیز ہے جس پر صرف
اللہ تعالیٰ ہی مطلع ہے اور عمل ظاہر ہے جب کہ پوشیدہ عمل کو فضیلت حاصل ہوتی ہے اور یہ صحیح بات ہے لیکن یہ بات مراد
نہیں ہے کیوں کہ اگر کوئی شخص دل سے ذکر کرنے کی نیت کرے یا مسلمانوں کی بھلائی کے بارے میں غور و فکر کرے تو

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۶ ص ۱۸۵، ۱۸۶ حدیث ۵۹۴۲

marfat.com

عمومِ حدیث کی وجہ سے تفکر کی بجائے نیت بہتر ہونی چاہیے۔

اور کبھی یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ترجیح کا سبب یہ ہے کہ نیت عمل کے آخر تک رہتی ہے جب کہ عمل کو دوام نہیں ہوتا لیکن یہ بات بھی کمزور ہے کیوں کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کثیر عمل، تھوڑے عمل کے مقابلے میں بہتر ہے حالاں کہ یہ بات نہیں کیوں کہ نماز کے افعال کی نیت بعض اوقات دائمی نہیں ہوتی بلکہ چند لمحات پر مشتمل ہوتی ہے جب کہ اعمال میں دوام ہوتا ہے اور عموم اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہو۔

بعض اوقات اس کا مطلب یوں بیان کیا جاتا ہے کہ محض نیت اس عمل سے بہتر ہے جو نیت سے خالی ہو اور بات یہی ہے لیکن اس کا مراد ہونا بعید ہے کیوں کہ نیت کے بغیر یا غفلت کے ساتھ عمل میں کوئی خیر نہیں اور محض نیت بہتر ہے اور ظاہر ترجیح ان امور میں ہوتی ہے جو اہلِ خیر میں مشترک ہوں۔

بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر عبادت نیت اور عمل سے مشترک ہوتی ہے اور نیت بھی ایک قسم کی نیکی ہے جب کہ عمل بھی ایک نیکی ہے تو عمل کی نسبت نیت سب سے بہتر نیکی ہے یعنی ہر ایک کا مقصود میں اثر ہوتا ہے لیکن عمل کی نسبت، نیت کا اثر زیادہ ہوتا ہے پس مطلب یہ ہوا کہ مومن کی نیت جو تمام عبادات میں سے اس کے عمل سے بہتر ہے جبکہ عمل بھی ایک اطاعت ہے غرض یہ ہے کہ بندے کو نیت اور عمل دونوں کا اختیار ہے اور یہ دونوں عمل ہیں لیکن ان دونوں میں سے نیت بہتر ہے۔ تو حدیث شریف کا یہ مفہوم ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ نیت عمل سے کس طرح بہتر ہے اور اس کی عمل پر ترجیح کا کیا سبب ہے تو اس بات کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو دین کے مقصود اور اس کے طریقے کی سمجھ رکھتا ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ مقصود تک پہنچنے کا طریقہ کیا ہے؛ وہ بعض اثرات کو دوسرے بعض پر قیاس کرے حتی کہ مقصود کی نسبت سے زیادہ ترجیح والے اثرات ظاہر ہوں پس جو شخص کہتا ہے کہ روٹی، پھل سے بہتر ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ جسمانی غذا ہونے کے اعتبار سے روٹی بہتر ہے اور اس بات کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے۔ جو اس بات کو سمجھے کہ غذا کا مقصد صحت اور بقا ہے اور غذاؤں کے مختلف اثرات ہیں وہ ہر اثر کو سمجھے اور بعض کو بعض پر قیاس کرے۔

پس عبادات دلوں کی غذائیں ہیں اور مقصود دلوں کی شفا اور بقا ہے نیز یہ کہ آخرت میں سلامت رہیں، سعادت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے لطف اندوز ہوں غرضیکہ مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے سعادت مندی کا حصول ہے اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے لطف اندوز وہی شخص ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے عرفان پر دنیا سے رخصت ہوا اور اس سے محبت وہی شخص کرتا ہے جو اس کی معرفت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اُنس بھی اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اس کا طویل ذکر کرتا ہے پس اُنس، دوام ذکر کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور معرفت، دوامِ فکر سے حاصل ہوتی ہے اور معرفت کے بعد محبت ضرور آتی ہے اور دائمی ذکر و فکر کے لیے دل اسی وقت فارغ ہوتا ہے جب دنیوی شاغل

marfat.com

سے فارغ ہو اور مشاغل سے فراغت اسی وقت ہوتی ہے جب خواہشات سے علیحدگی ہو حتی کہ وہ نیکی کی طرف مائل ہو اور اس کا ارادہ کرے شر سے نفرت کرے اور بغض رکھے جب کہ نیکیوں اور عبادات کی طرف میلان اس وقت ہوتا ہے جب معلوم ہو کہ آخروی سعادت کا دارومدار اسی بات پر ہے جس طرح عقل مند آدمی پچھنہ لگوانے اور خون نکلوانے کی طرف مائل ہوتا ہے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ ان دونوں کاموں میں سلامتی ہے۔

اور جب اصل میلان معرفت سے حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی مواظبت (ہمیشگی) کی ضرورت ہوتی ہے جو عمل سے حاصل ہوتی ہے کیوں کہ دل کی صفات اور ارادے کے تقاضے کے مطابق مواظبت عمل کے ذریعے غذا کی جگہ اختیار کرتی ہے حتی کہ قلبی صفت مضبوط ہو جاتی ہے پس جو شخص علم یا اقتدار کا خواہش مند ہوتا ہے ابتدا میں اس کا میلان کمزور ہوتا ہے پس اگر وہ میلان کے تقاضے کے پیچھے چلے اور علم میں نیز اقتدار کو بڑھانے اور اس کے لیے مطلوبہ اعمال میں مشغول ہو تو اس کا میلان پکا اور راسخ ہو جاتا ہے اور اس سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے اور اگر وہ میلان کے تقاضے کے خلاف چلے تو میلان کمزور پڑ جاتا ہے اور ٹوٹ جاتا ہے بلکہ بعض اوقات زائل ہو جاتا ہے اور مٹ جاتا ہے اسی طرح ان تمام صفات نیکیوں اور عبادات کا معاملہ ہے جن سے آخرت کا ارادہ کیا جاتا ہے اور تمام برائیوں سے دنیا کا ارادہ کیا جاتا ہے آخرت مقصود نہیں ہوتی اور نفس کا اخروی بھلائیوں کی طرف میلان اور دنیوی مقاصد سے اس کو پھیرنا ہی دل کو ذکر و فکر کے لیے فارغ کرتا ہے اور یہ بات اسی وقت پختہ ہوتی ہے جب نیک کاموں پر مواظبت ہو اور اعضاء سے گناہوں کے ارتکاب کو ترک کیا جائے کیونکہ اعضاء اور دل کے درمیان ایک تعلق ہے حتی کہ یہ ایک، دوسرے سے متاثر ہوتے ہیں تم دیکھتے ہو کہ جب کوئی عضو زخمی ہوتا ہے تو اس سے دل کو تکلیف پہنچتی ہے اور جب کسی عزیز کی موت پر دل کو رنج پہنچتا ہے یا کسی خوف ناک بات سے دل غمگین ہوتا ہے تو اس سے اعضاء بھی متاثر ہوتے ہیں بدن کانپتا ہے اور رنگ بدل جاتا ہے البتہ فرق یہ ہے کہ دل اصل اور متبوع ہے گویا وہ امیر اور حاکم ہے اور اعضاء خدام کی طرح ہیں۔

اعضاء دل کے خادم ہیں کیوں کہ ان کی صفات اس میں پختہ ہوتی ہیں پس دل ہی مقصود ہے اور اعضاء آلات ہیں جو مقصود تک پہنچاتے ہیں۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ لَهَا سَائِرُ الْجَسَدِ (۱)

بے شک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ ٹھیک ہوتا ہے تو اس کے لیے تمام جسم ٹھیک رہتا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸ کتاب المساقات۔

marfat.com

اَللّٰھُمَّ اَصْلِحِ الرَّاعِیَ وَالرَّعِیَّۃَ۔ (۱) یا اللہ! نگران اور رعایا دونوں کو درست کردے۔

آپ نے راعی (نگران) سے دل مراد لیا اور ارشاد خداوندی ہے۔

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَاؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ (۲) اللہ تعالیٰ تک ان (جانوروں) کا گوشت ہرگز نہیں پہنچتا لیکن اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

اور تقویٰ دل کی صفت ہے ـــــ اسی اعتبار سے ضروری ہے کہ دل کے اعمال مطلقاً اعضاء کی حرکات سے افضل ہوں پھر یہ بھی ضروری بات ہے کہ ان سب میں سے نیت افضل ہو کیوں کہ یہ دل کا نیکی کی طرف میلان اور ارادہ ہے اور اعضاء کے ذریعے اعمال سے ہماری غرض دل کو نیکی کے ارادے کا عادی بنانا اور اس کی طرف میلان کو پکا کرنا ہے تاکہ وہ دنیوی خواہشات سے فارغ ہو اور ذکر و فکر کی طرف متوجہ ہو پس غرض کے حوالے سے وہ لازماً بہتر ہے جیسے کسی شخص کے معدے میں درد ہو تو اس کا علاج یوں کرتے ہیں کہ سینے پر لیپ کرتے ہیں اور دوائی پلاتے ہیں جو معدے تک پہنچتی ہے تو لیپ کی نسبت دوائی پلانا بہتر ہے کیوں کہ لیپ سے مقصود بھی یہی ہوتا ہے کہ اس کا اثر معدے تک پہنچے وہ زیادہ بہتر اور زیادہ نفع بخش ہے۔

پس نیکیوں کی تاثیر کو بھی اسی طرح سمجھنا چاہیے کیوں کہ ان سے دل کو بدلنا اور صفات میں تبدیلی لانا مقصود ہوتا ہے اعضاء میں تبدیلی مقصد نہیں تمہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ پیشانی کو زمین پر رکھنے کی غرض پیشانی اور زمین کو جمع کرنا ہے بلکہ عادت یہی ہے کہ اس سے دل میں صفتِ تواضع پختہ ہوتی ہے کیوں کہ جس شخص کے دل میں تواضع پائی جاتی ہو جب وہ اعضاء کو تواضع کی صورت دے گا تو اس سے دل میں تواضع پختہ ہو جائے گی اور جس آدمی کے دل میں یتیم بچے پر نرمی کرنے کی صفت موجود ہو جب وہ اس بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے اور اسے بوسہ دیتا ہے تو دل میں پائی جانے والی نرمی مضبوط ہو جاتی ہے اسی وجہ سے نیت کے بغیر عمل بالکل فائدہ نہیں دیتا کیوں کہ جو شخص یتیم بچے کے سر پر ہاتھ پھیر لے اور اس کا دل غافل ہو یا وہ اپنے خیال میں کپڑے پر ہاتھ پھیر رہا ہے تو اس کے اعضاء کا اثر دل تک نہیں پہنچے گا کہ اسے پختہ کر دے اسی طرح جو شخص غفلت میں سجدہ کرتا ہے اور اس کا دل دنیوی خیالات میں مصروف ہے تو اس کی پیشانی سے اور اسے زمین پر رکھنے سے دل پر کوئی اثر نہیں ہوگا جس سے تواضع پختہ ہو جائے اس لیے اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور مقصود کی نسبت سے جس عمل کا وجود و عدم برابر ہو وہ عمل باطل ہوتا ہے پس کہا جاتا ہے کہ نیت کے بغیر عبادت باطل ہے اور جب غفلت میں کرے تو یہی صورت ہوتی ہے۔

---

(۱) الاسرار المرفوعۃ ص ۲۶۷ حدیث ۲۲۵

(۲) قرآن مجید، سورۃ الحج آیت ۳۷

marfat.com

اور جب عبادت سے ریاکاری یا کسی دوسرے شخص کی تعظیم مقصود ہو تو اس کا وجود معدوم کی طرح نہیں ہوتا بلکہ برائی میں اضافہ ہوتا ہے یعنی جس صفت کی تاکید مطلوب تھی وہ حاصل نہ ہوئی بلکہ جس کا قلع قمع مقصود تھا اس کی تاکید ہوئی۔ اور یہ ریاکاری ہے جو دنیا کی طرف میلان ہے۔

اس اعتبار سے نیت عمل سے بہتر ہے اور اسی بات سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا معنیٰ سمجھ آتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةً۔ (۱)

جو شخص نیکی کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کر سکے اس کے لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

کیوں کہ دل کا ارادہ ہی نیکی کی طرف جھکاؤ اور میلان اور خواہش نیز دنیوی محبت سے انحراف ہے اور یہ تمام نیکیوں کی انتہا ہے عمل کے ساتھ اس کی تکمیل اس کی تاکید میں اضافہ کرتی ہے پس قربانی کا خون بہانے کا مقصد خون اور گوشت نہیں بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ دل دنیا کی محبت سے پھر جائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو ترجیح دیتے ہوئے مال خرچ کیا جائے اور یہ صفت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب نیت اور ارادہ پختہ ہو اگرچہ عمل کے راستے میں کوئی رکاوٹ آجائے لہٰذا اللہ تعالیٰ تک تمہارے (جانوروں) کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے اور تقویٰ یہاں ہے (یعنی دل میں ہے) اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ قَوْمًا بِالْمَدِيْنَةِ قَدْ شَرَكُوْنَا فِيْ جِهَادِنَا۔ (۲)

بے شک مدینہ طیبہ میں ایک جماعت ہے جو ہمارے ساتھ جہاد میں شریک ہیں۔

یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے ——— کیوں کہ ان کے دلوں میں بھلائی کا سچا ارادہ پایا جاتا ہے۔ وہ مال و جان خرچ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں طلب شہادت اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے میں رغبت بھی رکھتے ہیں جس طرح یہ باتیں ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں جو جہاد کے لیے باہر نکلے ان میں فرق صرف یہ ہے کہ یہ اپنے جسموں کے ذریعے جہاد میں شریک نہیں ہیں کیوں کہ ان کو خاص رکاوٹیں درپیش ہیں جن کا تعلق ایسے اسباب سے ہے جو دل سے خارج ہیں اور مطلوب تو صرف ان صفات کو پختہ کرنا ہے۔

ان معانی کے اعتبار سے ان تمام احادیث کی سمجھ آجائے گی جو ہم نے نیت کی فضیلت کے ضمن میں ذکر کی ہیں تو ان کو ان معانی کے مطابق کریں تاکہ ان کے اسرار تم پر واضح ہوں ہم دوبارہ ذکر کر کے بات کو لمبا کرنا نہیں چاہتے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد اوّل ص ۸۰ کتاب الایمان

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۹ ص ۲۴ کتاب السیر

marfat.com

فصل ۴:

نیت سے متعلق اعمال کی فضیلت

اگرچہ اعمال کی بے شمار اقسام ہیں مثلاً فعل، قول، حرکت، سکون، حصول نفع دفع ضرر، فکر اور ذکر وغیرہ لیکن بنیادی طور پر ان کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ عبادات (۲) گناہ (۳) مباح امور (جائز کام)

پہلی قسم یعنی گناہوں میں نیت کی وجہ سے کوئی تبدیلی نہیں آتی لہذا کسی جاہل کو حدیث شریف "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" (اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے) سے یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ نیت سے گناہ نیکی میں بدل جائے گا جیسے ایک شخص کسی آدمی کی دلجوئی کے لیے کسی دوسرے کی غیبت کرے یا کسی کے مال سے فقیر کو کھانا کھلائے یا حرام مال سے کوئی مدرسہ یا مسجد بنوائے اور اس کا ارادہ اچھا ہو یہ سب جہالت کی باتیں ہیں نیت اس کو ظلم و زیادتی یا گناہ ہونے سے نکالنے میں موثر نہیں ہوگی بلکہ شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بُرے کام سے اچھا ارادہ کرنا مزید شر ہے اگر وہ یہ بات جانتا ہے تو وہ شریعت کا دشمن ہے اور جہالت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو جہالت کے باعث گناہ گار ہوگا کیوں کہ ہر مسلم پر طلبِ علم فرض ہے اور اچھے کاموں کا اچھا ہونا شریعت سے معلوم ہوتا ہے تو کسی شر کا خیر ہونا کیسے ممکن ہوگا یہ بات نہایت بعید ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ شہوت خفی اور باطنی خواہش دل میں یہ بات ڈالتی ہے کیوں کہ جب دل طلب جاہ و مرتبہ اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی طرف جھکتا ہے اور تمام نفسانی فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے تو شیطان کو موقع مل جاتا ہے کہ جاہل آدمی کو گمراہ کر دے۔

اسی لیے حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جہالت سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں ہوتی آپ سے پوچھا گیا اے ابو محمد! کیا آپ کے نزدیک جہالت سے زیادہ سخت بھی کوئی چیز ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں جہالت کی خبر نہ ہونا آپ نے بجا فرمایا کیوں کہ جب جہالت سے غفلت ہو تو سیکھنے کا دروازہ مکمل طور پر بند ہوتا ہے جس شخص کا یہ خیال ہو کہ وہ عالم ہے تو وہ کیسے سیکھے گا! اسی طرح علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت سب سے افضل ہے اور علم کی بنیاد، علم کے بارے میں علم کا ہونا ہے جیسے جہالت کی بنیاد جہالت سے جاہل رہنا ہے کیوں کہ جو شخص علمِ نافع اور نقصان دہ علم میں امتیاز نہیں کر سکتا وہ ان خود ساختہ علوم میں مشغول ہوتا ہے جن پر لوگ اوندھے پڑے ہوئے ہیں اور وہ حصول دنیا کے وسائل ہیں۔ یہی بات جہالت کا مادہ اور فسادِ عالم کا منبع ہے۔

مقصود یہ ہے کہ جو شخص جہالت کی وجہ سے گناہ کے ذریعے نیکی حاصل کرنا چاہتا ہے وہ معذور نہیں ہے ہاں (اس وقت معذور تھا) جب اسلام کا ابتدائی دور تھا۔ اور ابھی تک حصول علم کی مہلت نہ ملی ارشاد خداوندی ہے۔

marfat.com

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (۱)

اہل علم سے پوچھو اگر تم علم نہیں رکھتے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يُعْذَرُ الْجَاهِلُ عَلَى الْجَهْلِ وَلَا يَحِلُّ لِلْجَاهِلِ اَنْ يَسْكُتَ عَلَى جَهْلِهٖ وَلَا لِلْعَالِمِ اَنْ يَسْكُتَ عَلَى عِلْمِهٖ۔ (۲)

جاہل، جہالت کی وجہ سے معذور نہیں سمجھا جائے گا اور جاہل کو اپنی جہالت پر اور عالم کو اپنے علم پر خاموشی اختیار کرنا جائز نہیں (مطلب یہ ہے کہ جاہل سیکھے اور عالم سکھائے)

جو لوگ حرام مال سے مساجد اور مدارس بنا کر بادشاہوں کا قرب حاصل کرتے ہیں وہ ان علماء سُوء کے قریب قریب ہیں جو بیوقوف اور شر پسند لوگوں کو سکھاتے ہیں جو فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہیں ان کا کام صرف اور صرف یہ ہے کہ علماء سے لڑیں بیوقوف لوگوں کو گمراہ کریں لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کریں دنیوی مال و متاع جمع کریں اور بادشاہوں، یتیموں اور مساکین کا مال حاصل کریں یہ لوگ جب علم حاصل کرتے ہیں تو وہ راہ خداوندی کے ڈاکو بن جاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے شہر میں دجال کا نائب بن جاتا ہے دنیا پرستوں کی طرف جھک پڑتے ہیں اور خواہشات کی پیروی کرتے ہیں یہ لوگ تقویٰ سے دور رہتے ہیں اور ان کو دیکھ کر لوگوں کو گناہ کی جرأت ہوتی ہے پھر یہ علم ان جیسے لوگوں تک نسل در نسل پہنچتا ہے اور وہ بھی اس علم کو برائی اور اتباعِ خواہش کا آلہ اور وسیلہ بناتے ہیں یہ سلسلہ مسلسل چلتا ہے اور اس سب خرابی کا وبال اس معلم پر ہوتا ہے جو ایسے لوگوں کی نیت اور ارادے کی خرابی کو دیکھنے کے باوجود انہیں سکھاتا ہے اور اس کے طرح طرح کے گناہوں کو جو قول، فعل اور کھانے پینے اور لباس سے متعلق ہیں، آنکھوں سے دیکھا اور اس کو تعلیم دنیا ترک نہ کیا اس طرح کا عالم دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے لیکن اس کے آثارِ شر دنیا میں ہزار دو ہزار سال تک پھیلتے رہتے ہیں اور وہ شخص اچھا ہے جس کی موت کے ساتھ ہی اس کے گناہوں کا خاتمہ ہو جائے پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ اس قسم کے علماء جہالت کی وجہ سے کہتے ہیں کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور اس سے میرا ارادہ علم دین کو پھیلانا ہے اب اگر وہ اس علم کو فساد پھیلانے میں استعمال کرتا ہے تو اس کا وبال اس پر ہے میرا نہیں میں نے تو صرف یہ ارادہ کیا تھا کہ اس سے بھلائی پر مدد حاصل کرے تو اس کا یہ قول جاہ و اقتدار کی محبت لوگوں کو اپنا تابع بنانا اور علم کی بلندی سے دوسروں پر فخر کرنا ہے وہ ان باتوں کو اپنے دل میں اچھا سمجھتا ہے اور اس محبتِ اقتدار کے واسطے سے شیطان اسے دھوکہ دیتا ہے۔

لیکن معلوم نہیں وہ اس بات کا کیا جواب دے گا کہ اگر وہ کسی ڈاکو کو تلوار دے اور اس کے لیے گھوڑا اور دیگر سامان تیار کرے کہ اس کے ذریعے وہ اپنے مقصود پر مدد حاصل کرے اور اب یہ شخص کہے کہ میں نے مال خرچ کیا اور سخاوت

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ انبیاء آیت ۷

(۲) مجمع الزوائد جلد اول ص ۱۶۴، ۱۶۵ کتاب العلم

marfat.com

ں اللہ تعالیٰ کی عمدہ صفات کو اپنایا اور اس سے میری غرض یہ تھی کہ وہ اس تلوار اور گھوڑے کے ذریعے راہِ خداوندی
ں جہاد کرے اور غازی کے لیے یہ سامان تیار کرنا بہت بڑی عبادت ہے اب اگر اس نے اس قوت کو ڈاکہ زنی میں استعمال
یا تو وہ خود گناہ گار ہے۔

تو اس بات پر فقہاء کا اجماع ہے کہ یہ کام (ڈاکو کی اس طرح مدد کرنا) حرام ہے حالانکہ سخاوت اللہ تعالیٰ کی سب سے
یادہ پسندیدہ صفت ہے حتی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى ثَلٰثُمِائَةِ خُلُقٍ مَنْ تَقَرَّبَ إِلَيْهِ بِوَاحِدٍ مِنْهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَأَحَبُّهَا إِلَيْهِ السَّخَاوَةُ۔

بے شک اللہ تعالیٰ کی تین سو صفات ہیں جو شخص ان میں سے ایک کے ذریعے بھی قرب حاصل کرے جنت میں جائے گا اور ان میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ سخاوت ہے

تو کیا وجہ ہے کہ اس سخاوت کو حرام کیا اور اس ظالم ڈاکو کے قرینۂ حال کو دیکھنا ضروری قرار دیا پس جب اس
عادت ظاہر ہو گئی کہ وہ تلوار کے ذریعے برائی پر مدد حاصل کرتا ہے تو مناسب یہی ہے کہ اس سے تلوار چھیننے کی کوشش
جائے نہ یہ کہ اپنی طرف سے تلوار دے کر اس کی مدد کی جائے تو علم بھی ایک ہتھیار ہے جس کے ذریعے شیطان اور
تعالیٰ کے دشمنوں کے خلاف لڑائی لڑی جاتی ہے اور بعض اوقات اس سے دشمنانِ خدا کو مدد پہنچتی ہے جیسے خواہشات
انی میں پس جو شخص ہمیشہ دین پر دنیا کو اور آخرت پر خواہشات کو ترجیح دیتا ہو اور وہ کم علمی کی وجہ سے اس مقصود کے
ول سے عاجز ہو تو اس کی امداد کس طرح جائز ہو گی کہ اسے کس قسم کا علم دیا جائے جس کے ذریعے خواہشات تک
نا ممکن ہو۔

بلکہ ہمارے اسلاف کا طریقہ یہ تھا کہ جو لوگ ان کے پاس آتے جاتے تھے وہ ان کے حالات کی چھان بین کیا کرتے
اگر وہ ان میں نوافل کے سلسلے میں کوتاہی دیکھتے تو اس بات کو برا جانتے اور ان کی تعظیم چھوڑ دیتے۔ اور اگر وہ ان
کوئی گناہ یا حرام کو حلال سمجھنا دیکھ لیتے تو ان سے قطع تعلق کرتے اور اپنی مجالس سے ان کو نکال دیتے ان کو تعلیم دینا
درکنار ان سے گفتگو بھی نہ کرتے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ جو شخص ایک مسئلہ سیکھتا ہے اور اس پہ عمل نہیں کرتا بلکہ اس
دوسرے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے وہ تو برائی کا آلہ طلب کر رہا ہے اور تمام علماء سلف نے بدکار عالم سے
ہ مانگی ہے بدکار جاہل سے نہیں منقول ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک شخص کئی سال تک آتا رہا
اتفاقاً آپ نے اس سے منہ پھیر لیا اس کا بائیکاٹ کیا اور اس سے گفتگو کرنا چھوڑ دیا وہ اس تبدیلی کا سبب بار
پوچھا لیکن آپ نہ بتاتے بالآخر کافی اصرار کے بعد آپ نے فرمایا مجھے خبر ملی ہے کہ تو نے اپنی دیوار کو سڑک کی جانب

---

(۱) تذکرۃ الموضوعات ص ۱۲ باب اوصاف المتشابہۃ

marfat.com

سے گارا لگایا ہے اور قد آدم کے برابر مٹی لی ہے اور وہ مسلمانوں کے راستے کا کنارہ ہے لہٰذا تو علم کو منتقل کرنے کے لائق نہیں ہے تو اسلاف طالبانِ علم کی نگرانی اس طرح کرتے تھے۔

اس قسم کی مثالیں غبی اور شیطان کے پجاری لوگوں پر مخفی رہتی ہیں اگرچہ ان کے اوپر چادریں ہوں اور ان کی آستینیں کھلی ہوں زبان دراز مقرر ہوں اور بہت زیادہ علم رکھتے ہوں لیکن یہ علم دنیا سے ڈرانے اور روکنے نیز آخرت کی ترغیب اور اس کی دعوت پر مشتمل نہ ہو بلکہ اس علم کا تعلق مخلوق سے ہو اس کے ذریعے دنیوی حرام مال جمع کرتے ہیں لوگوں کو اپنے پیچھے لگاتے ہیں اور ساتھیوں سے آگے بڑھ بڑھ کر بیٹھتے ہیں۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی "اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے" نیکیوں اور محض جائز امور کے ساتھ خاص ہے گناہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں کیوں کہ نیت اور ارادے کی وجہ سے نیکی گناہ میں بدل جاتی ہے اور مباح کام نیت کی بنیاد پر گناہ اور عبادت دونوں سے بدل سکتا ہے لیکن گناہ، نیت کی وجہ سے نیکی میں کبھی نہیں بدلتا۔ ہاں اس میں نیت کا دخل ہوتا ہے یعنی جب اس میں کئی خبیث نیتیں شامل ہوں تو اس کا گناہ بڑھ جاتا ہے اور سزا بھی زیادہ ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے توبہ کے بیان میں ذکر کیا ہے۔

دوسری قسم — اعمال کی دوسری قسم عبادات پر مشتمل ہے تو عبادات کا نیت سے دو طرح کا تعلق ہوتا ہے ایک ان کا صحیح قرار پانا اور دوسرا ان کی فضیلت کا دو چند ہو جانا عبادت کی صحت کا دار و مدار نیت پر ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت مقصود ہو کسی غیر کی نہیں اگر دکھاوے کی نیت ہوگی تو یہ گناہ قرار پائے گا اور فضیلت میں اضافے کی صورت یہ ہے کہ ایک عبادت میں کئی اچھی نیتیں پائی جائیں اس طرح ہر نیت کا الگ ثواب ملے گا کیوں کہ ہر نیت مستقل نیکی ہے اور ہر نیکی کا ثواب دس گنا بڑھتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے (۱)

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص مسجد میں بیٹھتا ہے تو یہ بیٹھنا ایک کارِ ثواب ہے اور ممکن ہے اس کی نیتیں جمع ہوں حتیٰ کہ متقی لوگوں کے اعمال کی فضیلت حاصل ہو جائے اور اس کے ذریعے مقربین کے درجہ تک پہنچ جاتے پہلی نیت یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اس میں داخل ہونے والا اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کی نیت کرے اور اس بات کی امید رکھے جس کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وعدہ فرمایا ہے آپ نے فرمایا۔

مَنْ قَعَدَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَدْ زَارَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَحَقٌّ عَلَى الْمَزُوْرِ اِكْرَامُ زَائِرِهٖ۔ (۲)

جو شخص مسجد میں بیٹھتا ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی زیارت کی اور جس کی زیارت (یا ملاقات) کی جائے اس پر لازم ہے کہ زیارت کرنے والے کی عزت افزائی کرے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۹۶ مرویات ابوہریرہ (۲)

marfat.com

دوسری نیت یہ کہ نماز کے بعد نماز کے انتظار میں ہے تو وہ نماز کا منتظر ہی شمار ہوگا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا
طلب ہے فرمایا۔

وَرَابِطُوْا۔ (۱) اور (نمازوں کی) حفاظت کرو۔ (یا اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرو)

تیسری نیت کان، آنکھ اور دیگر اعضاء کو حرکات اور تردد سے روک کر رہبانیت اختیار کرنا ہے کیوں کہ مسجد میں
ن روزے کی طرح رُکنے کا نام ہے اور یہ ایک قسم کی رہبانیت ہے

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رَهْبَانِيَّةُ اُمَّتِيْ الْقُعُوْدُ فِي الْمَسَاجِدِ۔ (۲) میری امت کی رہبانیت مساجد میں بیٹھنا ہے۔

چوتھی نیت اپنی ہمت کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر محدود کرنا ہے اور آخرت کی فکر کے سلسلے میں راز کا پیچھا کرنا اور مسجد
شہ نشینی کے ذریعے ان مشاغل کو دور کرنا جو اس کے راستے میں رکاوٹ ہیں۔

پانچویں نیت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے یا سننے اور اس کی یاد کے لیے علیحدگی اختیار کرنا ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے

مَنْ غَدَا اِلَى الْمَسْجِدِ لِيَذْكُرَ اللّٰهَ تَعَالٰى اَوْ يُذْكَرَ بِهٖ كَانَ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ (۳)

جو شخص صبح کے وقت مسجد میں جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے یا اس کے ذکر کی تلقین کرے وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔

چھٹی نیت یہ ہے کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے ذریعے علم کا فائدہ پہنچائے کیوں کہ مسجد ایسے لوگوں سے
ں ہوتی جو اپنی نمازیں بھول جاتے ہیں یا ایسا کام کرتے ہیں جو جائز نہیں پس یہ ان کو اچھے کام کا حکم دے اور
طرف راہنمائی کرے تاکہ وہ اس بھلائی میں شریک ہو جو وہ سیکھیں اور یوں اس کی نیکیوں میں اضافہ ہو۔

ساتویں نیت یہ کہ کسی دینی بھائی سے استفادہ کرے کیوں کہ یہ غنیمت اور اُخروی گھر کے لیے ذخیرہ ہے اور مسجد
ے لوگ موجود ہوتے ہیں جو دیندار اور اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے والے ہیں۔

آٹھویں نیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے اور اس بات کے خوف سے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کے گھر میں ایسا
ہو جائے جس سے اس گھر کی عزت میں فرق پڑتا ہے، وہ گناہوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۲۰۰

(۲) تذکرۃ الموضوعات ص ۳۷، باب فضل المسجد

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۱۱۱، ۱۱۲ حدیث ۷۴۳۴

marfat.com

فرماتے ہیں جو شخص مسجد میں بکثرت آتا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سات خصلتوں میں سے ایک خصلت عطا فرماتا ہے یا کوئی بھائی ملتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے بارے استفادہ ہوتا ہے یا رحمت نازل ہوتی ہے یا عجیب علم حاصل ہوتا ہے یا ایسا کلمہ سیکھتا ہے جو راہ راست کی راہنمائی کرتا ہے یا اسے کسی بات سے دُور رکھتا ہے یا وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور حیاء کرتے ہوئے گناہوں کو ترک کر دیتا ہے تو نیتوں کو بڑھانے کا یہ طریقہ ہے اور اسی پر تمام عبادات اور جائز امور کو قیاس کرو۔ کیوں کہ ہر عبادت میں کئی نیتوں کا احتمال ہوتا ہے اور بندہ مومن کے دل میں اسی قدر نیتیں حاضر ہوتی ہیں جس قدر طلب خیر کے لیے وہ کوشش کرتا ہے اور غور و فکر کرتا ہے تو اس طرح اعمال ستھرے ہوتے ہیں اور نیکیاں بڑھتی ہیں۔

تیسری قسم یعنی مباحات ـــــ ہر مباح کام ایک یا زیادہ نیتوں کا احتمال رکھتا ہے جس کے ذریعے وہ مباح کام عمدہ عبادات میں سے ہو جاتے ہیں اور ان کے ذریعے بلند درجات حاصل ہوتے ہیں وہ شخص کتنے بڑے نقصان میں ہے جو ان سے غافل ہے اور ان کاموں کو جانوروں کی طرف غفلت سے بجالاتا ہے بندے کے لیے مناسب نہیں کہ کسی حظ سے، لحظے اور قدم کو حقیر جانے کیوں کہ ان تمام کاموں کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہوگا کہ کیوں کیا تھا؟ اور اس کا مقصود کیا تھا؟

یہ بات صرف ان مباح امور کے بارے میں ہے جن میں کراہت نہ ہو اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حَلَالُهَا حِسَابٌ وَحَرَامُهَا عِقَابٌ۔ (۱) اس (مال) کے حلال میں حساب ہے اور حرام میں عذاب۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ الْعَبْدَ لَيُسْأَلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى عَنْ كُحْلِ عَيْنَيْهِ وَعَنْ فَتَاتِ الْخَيْطِ بِأُصْبُعِهِ وَعَنْ لَمْسِهِ ثَوْبَ أَخِيهِ۔ (۲)

قیامت کے دن بندے سے ہر چیز کے بارے میں پوچھا جائے گا حتیٰ کہ آنکھ کے سرے انگلی سے مٹی کریدنے اور اپنے بھائی کا کپڑا چھونے کے بارے میں بھی سوال ہوگا۔

ایک دوسری روایت میں ہے۔

مَنْ تَطَيَّبَ لِلّٰهِ تَعَالَى جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَرِيحُهُ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ وَمَنْ تَطَيَّبَ لِغَيْرِ اللّٰهِ تَعَالَى جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

جو شخص اللہ تعالیٰ (کی رضا جوئی) کے لیے خوشبو لگائے وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کی خوشبو کستوری سے بھی زیادہ ہوگی اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کے

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۵ ص ۲۸۲ حدیث ۸۱۹۲

(۲) تذکرۃ الموضوعات ص ۲۴۲ باب امور القیامۃ

marfat.com

رَدِيحُهُ اَنْتَنُ مِنَ الْجِيفَةِ۔ غیر کے لیے خوشبو لگائے وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کی بُو مردار کی بدبو سے زیادہ ہوگی۔ (۱)

تو خوشبو کا استعمال جائز ہے لیکن اس میں نیت ضروری ہے (تاکہ ثواب حاصل ہو)

سوال:

خوشبو تو اپنی ذات کے لیے لگائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے لگانے کا کیا مطلب ہے؟

جواب:

جو شخص جمعۃ المبارک کے دن یا کسی اور وقت خوشبو لگاتا ہے تو اس کے بارے میں کئی باتوں کا تصور ہو سکتا ہے ملاً یہ کہ لذاتِ دنیا سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہے یا اس کے ذریعے وہ لوگوں پر کثرتِ مال کے ساتھ تکبر کا اظہار کرتا ہے را اس کے ساتھی اس سے حسد کریں یا وہ لوگوں کو دکھانا چاہتا ہے تاکہ اس طرح لوگوں کے دلوں میں اس کی دھاک د جائے اور اچھی خوشبو کے ساتھ اس کا ذکر کیا جائے یا وہ اجنبی عورتوں کے دلوں میں محبوب ہو جائے جب وہ ان لرف دیکھنے کو جائز سمجھتا ہو اور اس کے علاوہ بے شمار امور ہیں اور ان تمام باتوں میں خوشبو لگانے والا گناہ گار ہوتا ہے اور انہی صورتوں میں یہ خوشبو قیامت کے دن مردار سے بھی زیادہ بدبودار ہوگی البتہ پہلا ارادہ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ف اندوز ہونا، گناہ نہیں ہے لیکن اس سے سوال ضرور ہوگا اور جس سے حساب میں جھگڑا ہوا اسے عذاب دیا گیا اور دی دنیا میں مباح چیزوں کو استعمال کرتا ہے اگرچہ اسے قیامت کے دن عذاب نہیں ہوگا لیکن اسی حساب سے اس ے لیے اخروی نعمتیں کم ہو جائیں گی۔

غور کیجئے کتنے بڑے نقصان کی بات ہے کہ آدمی فنا ہونے والی نعمتوں کی جلدی کرے اور اس کے بدلے میں اُخروی توں میں کمی کے ذریعے نقصان اٹھائے۔

لیکن اچھی نیتیں یہ ہیں کہ ان سے جمعہ کے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلنا مقصود ہو (۲) مسجد کی م کی نیت کی جاتی ہو اللہ تعالیٰ کے گھر کا احترام مطلوب ہو جو شخص مسجد میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لیے جاتا ہے وہ اچھی شبو لگاتا ہے اور اپنے ساتھ بیٹھنے والوں کو راحت پہنچانا چاہتا ہے تاکہ وہ اس کے پاس بیٹھ کر خوشبو سے سکون صل کریں یا وہ اپنے آپ سے بدبو کو دور کرتا ہے کیوں کہ اس سے دوسروں کو ایذا پہنچتی ہے۔ یہ مقصد بھی ہوتا ہے یت کا دروازہ بند کر دیا جائے کیوں کہ وہ بدبو کی وجہ سے غیبت کرتے ہیں اور یوں وہ گناہ گار ہوتے ہیں کیوں کہ جو

---

(۱) مصنف عبدالرزاق جلد ۳ ص ۱۹۳ حدیث ۵۹۳۲

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۳ ص ۲۴۱ کتاب الجمعہ

marfat.com

شخص غیبت کرتا ہے اور یہ اس سے بچانے پر قادر ہے (لیکن نہ بچائے) تو یہ بھی اس گناہ میں شریک ہوگا جسے کہا گیا

إِذَا تَرَحَّلْتَ عَنْ قَوْمٍ وَقَدْ قَدَرُوا أَنْ لَا تُفَارِقَهُمْ فَالرَّاحِلُونَ هُمُ۔

جب تم کسی قوم سے کوچ کر چکو اور وہ اس بات پر قادر ہوں کہ تم ان سے جدا نہ ہو (یعنی روک سکیں اور نہ روکیں تو) پس وہی کوچ کرنے والے ہیں۔

* * *

اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ (۱)

اور ان (بتوں) کو گالی نہ دو جن کو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہیں اس طرح وہ جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے دشمنی کرتے ہوئے اس کی توہین کریں گے۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ برے کام کا سبب بھی برا ہوتا ہے خوشبو لگانے سے اپنے دماغ کے علاج کا ارادہ بھی کیا جائے تاکہ اس سے اس کی ذہانت اور ذکاوت زیادہ ہو اور غور و فکر کے ذریعے دین کے مسئلہ کو حل کرنا آسان ہو۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا جس کی خوشبو اچھی ہو اس کی عقل میں اضافہ ہوتا ہے۔

یہ اور اس طرح کی دیگر نیتوں سے کوئی فقیہ عاجز نہیں ہو سکتا جب آخرت کی تجارت اور طلب خیر اس کے دل پر غالب ہو البتہ جب اس کے دل پر دنیوی نعمتوں کا غلبہ ہو تو اس قسم کی نیتیں ذہن میں نہیں آتیں اور اگر کوئی ذکر بھی کرے تو اس کے دل میں اس قسم کی نیتوں کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا اگر نیت ہو بھی تو بھی محض ایک خیال کے طور پر ہوتی ہے حالانکہ اس بات کا نیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

مباح امور بے شمار ہیں اور ان میں نیتوں کا شمار کرنا ممکن نہیں اسی ایک پر باقی سب کو قیاس کر لو اسی لیے بعض اسلاف عارفین نے فرمایا کہ میں ہر کام میں نیت کو پسند کرتا ہوں حتیٰ کہ کھانے، پینے، سونے اور بیت الخلاء میں داخل ہونے کے لئے بھی ــــ اور ان سب باتوں میں اللہ تعالیٰ کا قرب مقصود ہو کیوں کہ یہ سب باتیں بدن کے باقی رہنے اور بدن کے معاملات سے فارغ کرنے کا سبب ہیں اور یہ بات دین پر مدد گار ہوتی ہے پس جو شخص اس لیے کھانا کھائے کہ عبادت پر طاقت حاصل ہو جماع کا مقصد اپنے دین کی حفاظت اور بیوی کے دل کو خوش کرنا نیز نیک اولاد تک رسائی ہو جو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور یوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت زیادہ ہو تو وہ کھانا کھانے اور نکاح میں اللہ تعالیٰ کا مطیع ہوگا۔

نفس کو سب سے زیادہ کھانے اور جماع سے تعلق ہوتا ہے اور ان دونوں باتوں میں بھلائی کی نیت اس شخص

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۱۰۸

marfat.com

کے لیے مشکل نہیں جس کے دل میں آخرت کا خیال زیادہ ہو اسی لیے جب آدمی کا مال ضائع ہو جائے تو اسے اچھی نیت کر لینی چاہیے۔ وہ یوں کہے کہ یہ مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہے اور جب سنے کہ کوئی شخص اس کی غیبت کرتا ہے تو دل میں خوش ہو کہ اس وجہ سے وہ اس کے گناہ اٹھا رہا ہے اور اُس شخص کی نیکیاں میرے نامۂ اعمال میں منتقل ہوں گی لیکن یہ نیت زبان سے نہیں بلکہ خاموشی کے ذریعے ہونی چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے

بندہ کا حساب ہوگا تو کسی آفت کے آجانے سے تمام اعمال بیکار ہو جائیں گے حتیٰ کہ وہ جہنم کا مستحق ہو جائے گا پھر اس کے لیے نیک اعمال صالحہ کا دفتر کھولا جائے گا جس سے اس کے لیے جنت واجب ہوگی وہ تعجب کرتے ہوئے کہے گا اے اللہ! یہ اعمال میں نے کبھی نہیں کیے تو جواب دیا جائے گا یہ ان لوگوں کے اعمال ہیں جنہوں نے تیری غیبت کی تجھے اذیت پہنچائی اور تجھ پر ظلم کیا۔ (۱)

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے۔

بندہ قیامت کے دن ایسے اعمال لائے گا جو پہاڑوں جیسے ہوں گے اگر وہ اس کے لیے خالص ہوں تو وہ جنت میں داخل ہو جائے لیکن وہ اس صورت میں آئے گا کہ اس نے کسی پر ظلم کیا گیا ہوگا کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی کو مارا ہوگا

پس ہر ایک کو اس کی نیکیوں میں سے بدلہ دیا جائے گا حتیٰ کہ اس کی کوئی نیکی باقی نہیں رہے گی تو فرشتے کہیں گے اس کی نیکیاں تو ختم ہو گئیں اور مطالبہ کرنے والے ابھی باقی ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا ان لوگوں کے گناہ اس پر ڈال دو اور اسے جہنم کا پروانہ لکھ دو۔ (۲)

خلاصہ یہ ہوا کہ ہمیں کسی عمل کو حقیر جاننے سے بہت زیادہ پرہیز کرنا چاہیے تم اس کے مرہونِ منت ہو گے اور شر سے بچ نہیں سکتے اور حساب و سوال کے دن تمہارے پاس جواب تیار نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر مطلع ہے اور تمہیں دیکھ رہا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ۔ (۳)

وہ زبان سے کوئی بات نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں میں نے ایک خط لکھا تو اسے پڑوسی کی دیوار کی مٹی سے خشک کرنے لگا لیکن میں نے اچھا

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ص ۱۹۷ حدیث ۷۴۴

(۲) حلیۃ الاولیاء جلد اول ص ۱۷۸ ترجمہ ۲۹

(۳) قرآن مجید، سورۂ ق آیت ۱۸

marfat.com

نہ سمجھا پھر میں نے کہا یہ تو مٹی ہے اور مٹی کی کیا حیثیت ہے ؛ جب میں نے اس پر مٹی ڈالی تو مجھے غیبی آواز آئی۔

سَيَعْلَمُ مَنِ اسْتَخَفَّ بِتُرَابٍ مَا يَلْقٰى عَذَابًا مِنْ سُوْءِ الْحِسَابِ۔

جو شخص مٹی کو معمولی سمجھتا ہے اسے عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کل قیامت کے دن اس سے کیا سلوک ہوگا

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے ساتھ ایک شخص نے نماز پڑھی تو اس نے دیکھا کہ آپ کا کپڑا اٹھا ہوا ہے نے آپ کو بتایا آپ نے اسے درست کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا پھر روک لیا اور اسے ٹھیک نہ کیا اس شخص نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا میں نے اسے اللہ تعالیٰ کے لیے پہنا ہے اس لیے میں نہیں چاہتا کہ اس کے غیر کے لیے اسے درست کروں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں قیامت کے دن ایک شخص دوسرے آدمی سے اُلجھے گا اور کہے گا میرا اور تیرا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے وہ کہے گا اللہ کی قسم میں تجھے نہیں جانتا وہ کہے گا ہاں تُو نے میری دیوار سے ایک اینٹ لی تھی اور میرے کپڑے سے ایک دھاگہ لیا تھا۔

یہ اور اس قسم کی مثالیں ڈرنے والوں کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہیں اگر تم عقل اور حوصلہ رکھتے ہو اور دھوکے کے شکار لوگوں میں سے نہیں ہو تو اس وقت اپنے نفس کی نگرانی کرو اور نہایت باریکی سے اپنا حساب کتاب کرو اس سے پہلے کہ تمہارا حساب و کتاب کیا جائے اپنے احوال کی نگرانی کرو اور تمہاری حرکات و سکنات سوچے سمجھے بغیر نہیں ہونی چاہئیں تم سوچ لیا کرو کہ حرکت کیوں کرتے ہو ؛ تمہارا ارادہ کیا ہے اور اس کے باعث تمہیں دنیا سے کیا ملے گا ؛ اور آخرت سے کیا جاتا رہے گا اور تم دنیا کو آخرت پر کس لیے ترجیح دیتے ہو ؛ پس جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ اس عمل کا باعث محض دینی ہے تو وہ کام کر گزرو جس کا تمہارے دل میں خیال آیا ورنہ رک جاؤ پھر اس رکنے میں بھی اپنے دل کی نگرانی کرو کیوں کہ کسی فعل کو چھوڑنا بھی ایک فعل ہے پس اس کے لیے نیت کا صحیح ہونا ضروری ہے لہٰذا اس ترکِ فعل کا داعی خفی خواہش نہیں ہونی چاہیے جس پر اطلاع نہیں ہوتی۔ اور تمہیں ظاہری امور اور نیکیوں کی شہرت سے دھوکہ نہ ہو باطن اور اسرار میں غور کرو تاکہ تم دھوکے کے مقام سے نکل جاؤ حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں مروی ہے کہ آپ اُجرت گارے کی دیوار بناتے تھے اور اس کے بدلے میں آپ کو ایک روٹی دی جاتی کیوں کہ آپ ہاتھ کی کمائی کے علاوہ نہیں کھاتے تھے۔ کچھ لوگ آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان کو کھانے کی دعوت نہ دی حتیٰ کہ آپ فارغ ہوئے تو ان لوگوں کو تعجب ہوا کیوں کہ آپ سخاوت اور زہد میں مشہور تھے اور ان کا خیال تھا کہ کھانے کے ساتھ تواضع کرنا بہتر ہے آپ نے فرمایا میں ایک قوم کے لیے اجرت پر کام کرتا ہوں اور وہ مجھے ایک روٹی دیتے ہیں تاکہ مجھے ان کے لیے کام کرنے کی قوت حاصل ہو اگر تم بھی میرے ساتھ کھاؤ تو نہ تمہیں کفایت کرے گی اور نہ مجھے لیکن میرے عمل میں کمزوری آجائے گی تو صاحبِ بصیرت شخص اس طرح نورِ الٰہی سے باطن میں دیکھتا ہے کیوں کہ آپ کا عمل سے کمزور ہو جانا فرائض میں نقصان کا باعث

marfat.com

جب کہ کھانے کی دعوت نہ دینا فضیلت میں کمی تھی اور فرائض کے ساتھ فضائل (نوافل) کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔
ایک بزرگ فرماتے ہیں میں حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے پاس گیا اور وہ کھانا کھا رہے تھے انہوں نے مجھ سے گفتگو
ی حتی کہ جب انگلیاں چاٹ لیں تو فرمایا اگر میں نے یہ کھانا قرض کے طور پر نہ لیا ہوتا تو مجھے یہ بات پسند ہوتی کہ تم میرے
ساتھ کھاؤ۔

حضرت سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص کسی کو کھانے کی دعوت دیتا ہے لیکن وہ اسے کھلانا نہیں چاہتا اب
گر وہ دعوت کو قبول کر لے تو اس (دعوت دینے والے) پر دو گناہ ہیں اور اگر وہ نہ کھائے تو اس پر ایک گناہ ہے یعنی ایک
گناہ منافقت ہے اور دوسرا اپنے مسلمان بھائی کو ایسے کام کے لیے پیش کرنا ہے کہ اگر وہ جان لے تو اسے یہ ناپسند ہو۔
تو بندے کو اسی طرح تمام اعمال میں نیت کا خیال رکھنا چاہیے کوئی کام بھی کرے اس میں نیت ضروری ہے اگر اس
وقت نہ ہو تو ٹھہر جائے کیوں کہ نیت اختیار میں نہیں ہوتی۔

فصل ۵:

نیت اختیاری چیز نہیں

جان لو کہ جاہل شخص جب ان تمام باتوں کو سنتا ہے جو ہم نے نیت کے اچھا ہونے کے سلسلے میں بطور وصیت ذکر
ی ہیں اور بتایا کہ زیادہ نیتیں ہونی چاہیں اور اس کے ساتھ ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کو
ھی سنتا ہے کہ آپ نے فرمایا۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (۱) اعمال (کے ثواب) کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

تو وہ دل میں کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھانے، یا تجارت کرنے یا کھانے کی نیت کرتا ہوں اور اسے نیت سمجھتا
ہے حالاں کہ یہ بات نہیں یہ تو حدیثِ نفس ہے یا زبانی کلام ہے یا فکر ہے یا خیالات کی منتقلی ہے۔ ان سب میں نیت کنارہ
کش ہے نیت اس بات کا نام ہے کہ نفس اس کام کی طرف برانگیختہ، متوجہ اور مائل ہو جس میں انسان کی غرض ظاہر ہوتی ہے
چاہے وہ فوری غرض ہو یا اس کا تعلق مستقبل سے ہو اور اگر میلان نہ ہو تو محض ارادے سے فعل کا حصول اور ایجاد ممکن نہیں
بلکہ یہ پیٹ بھرے ہوئے آدمی کے اس قول کی طرح ہے کہ میں کھانے کی خواہش کی نیت کرتا ہوں اور اس کی طرف مائل
ہوتا ہوں یا کوئی بے فکر شخص کہے کہ میں نیت کرتا ہوں کہ فلاں شخص سے عشق و محبت کروں اور دل سے اسے عظیم سمجھوں
تو یہ بات محال ہے بلکہ دل کا کسی بات کی طرف پھرنا اس کی طرف متوجہ ہونا اور مائل ہونا اس وقت تک نہیں ہو سکتا

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲ کتاب بدء الوحی

marfat.com

جب تک اس کے اسباب حاصل نہ ہوں اور اس بات پر کبھی وہ قادر ہوتا ہے اور کبھی اسے یہ طاقت حاصل نہیں ہوتی اور نفس، فعل کی طرف اسی وقت برانگیختہ ہوتا ہے جب نفس کے موافق و مناسب غرض پیدا ہو اور جب تک آدمی کا یہ اعتقاد نہ ہو کہ اس کی غرض کسی فعل سے وابستہ ہے اس وقت تک اس کا ارادہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور یہ ان امور میں سے ہے کہ جن کے اعتقاد پر وہ ہر وقت قادر نہیں ہوتا اور جب اس کا اعتقاد ہو تو دل اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے بشرطیکہ دل فارغ ہو اور کسی دوسری زیادہ مضبوط غرض میں مصروف نہ ہو اور یہ بات ہر وقت ممکن نہیں ہوتی پھر رغبت دینے والی اور پھیرنے والی چیزوں کے لیے بہت سے اسباب ہیں جن سے وہ امور جمع ہوتے ہیں اور یہ اجتماع اشخاص، احوال اور اعمال کے حوالے سے مختلف ہوتا ہے پس جب نکاح کی خواہش غالب ہو اور اولاد کے سلسلے میں کوئی دینی یا دنیوی صحیح غرض نہ ہو تو وہ بچے کی نیت سے جماع نہیں کر سکے گا بلکہ شہوت کی نیت کے بغیر جماع نہیں ہو سکے گا کیوں کہ نیت غرض پر موقوف ہے اور اس کا باعث تو شہوت ہے وہ اولاد کی نیت کیسے کرے گا اور جب اس کے دل پر یہ بات غالب نہ ہو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں سنتِ نکاح کو قائم کرنے کی بہت زیادہ فضیلت ہے (۱) تو نکاح سے اتباعِ سنت کی نیت کرنا ممکن نہ ہوگا ہاں یہ کہ وہ زبان سے یا دل سے کہے اور وہ حدیثِ نفس ہے نیت نہیں ہے۔

ہاں اس نیت کو حاصل کرنے کا طریقہ ہے کہ پہلے شریعت پر ایمان مضبوط ہو اور اس بات پر ایمان مضبوط ہو کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اضافہ کرے گا اسے زیادہ ثواب ملے گا اور اپنے دل سے ان تمام باتوں کو دور کر دے جو اولاد سے نفرت کا باعث ہیں مثلاً زیادہ بوجھ اور طویل تھکاوٹ وغیرہ۔

جب وہ یہ کام کرے گا تو ہو سکتا ہے ثواب کی غرض سے اس کے دل میں اولاد کی رغبت پیدا ہو اور وہ رغبت اس کو حرکت دے اور اس کے اعضاء عقدِ نکاح کے لیے حرکت میں آئیں۔

پس جب زبان کو حرکت دینے والی قدرت، دل پر غالب اس باعثِ عقد کی اطاعت کرتے ہوئے قبول عقد کے لیے برانگیختہ ہو تو وہ نیت کرنے والا ہوگا اور اگر یہ صورت نہ ہو تو اولاد کے قصد کے سلسلے میں جو بات وہ دل میں رکھتا ہے اور اس کو بار بار دہراتا ہے وہ وسوسہ اور ہذیان (بخار کی حالت میں بے مقصد گفتگو) ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بزرگوں کی ایک جماعت نے نیت نہ ہونے کی وجہ سے بعض عبادات سے پہلوتہی کی وہ فرماتے تھے کہ ہماری نیت حاضر نہ تھی حتی کہ حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی نماز جنازہ نہ پڑھی اور فرمایا میری نیت موجود نہ تھی اور ان میں سے ایک اپنے بالوں میں کنگھی کرنا چاہتے تھے تو انہوں نے بیوی کو آواز دی کہ کنگھی لاؤ اس نے کہا شیشہ لاؤں؟ وہ کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا ہاں، اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا تو فرمایا کنگھی کے لیے تو میری نیت تھی لیکن شیشے کے لیے نیت حاضر نہ تھی اس لیے میں نے توقف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے مہیا کر دیا۔

marfat.com

حضرت حماد بن سلیمان جو علمائے کوفہ میں سے ایک تھے جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے عرض کیا گیا کہ آپ ان کے جنازے میں تشریف نہیں لے جاتے ؟ فرمایا اگر میری نیت ہوتی تو میں ایسا کرتا اسی طرح ان لوگوں میں سے کسی ایک سے کسی نیک عمل کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ فرماتے اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی نیت عطا فرمائی تو میں ایسا کروں گا۔

حضرت طاؤس رحمہ اللہ نیت کے بغیر حدیث بیان نہ فرماتے آپ سے حدیث بیان کرنے کا مطالبہ ہوتا لیکن آپ بیان نہ کرتے اور (جب نیت ہوتی تو) سوال کئے بغیر بیان کرنا شروع کر دیتے۔ اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ میں نیت کے بغیر بیان کروں ؟ جب میری نیت ہوگی تو میں بیان کروں گا۔

منقول ہے کہ حضرت داؤد بن محبر رحمہ اللہ نے جب کتاب العقل تصنیف فرمائی تو حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس آئے کتاب طلب کی پھر ایک صفحہ دیکھنے کے بعد واپس کر دی انہوں نے پوچھا کیا ہوا ؟ فرمایا اس میں ضعیف اسناد ہیں حضرت داؤد بن محبر نے فرمایا میں نے اسے اسناد کے طریقے پر نہیں لکھا امتحان کی نگاہ سے اس کا مطالعہ کر لیں میں نے اسے عمل کی نگاہ سے دیکھا اور نفع اٹھایا حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے واپس کریں میں اسے اس نگاہ سے دیکھوں جس نگاہ سے آپ نے اسے دیکھا ہے چنانچہ وہ اسے پکڑ کر دیر تک کھڑے رہے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے میں نے اس سے نفع اٹھا لیا۔

حضرت طاؤس رحمہ اللہ سے عرض کیا گیا کہ ہمارے لیے دعا کیجئے انہوں نے فرمایا جب نیت حاضر ہوگی تو دعا کروں گا۔

ایک بزرگ نے فرمایا میں ایک مہینے سے ایک شخص کی بیمار پرسی کے لیے نیت تلاش کر رہا ہوں لیکن مجھے نہیں مل رہی۔

حضرت عیسیٰ بن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ کے ساتھ گیا حتی کہ جب وہ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے تو میں واپس لوٹ گیا ان کے بیٹے نے ان سے کہا کہ کیا آپ ان کو عشاء کے کھانے کی دعوت نہیں دیتے فرمایا اس وقت میری نیت میں نہیں ہے اور یہ اس لیے ہے کہ نیت نظر کے تابع ہوتی ہے جب نظر بدل جاتی ہے تو نیت میں بھی تبدیلی آجاتی ہے اور وہ لوگ نیت کے بغیر عمل کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ نیت عمل کی رُوح ہے اور یہی نیت کے بغیر عمل ریا کاری اور تکلیف ہے اور یہ غضب کا سبب ہے قرب کا نہیں۔ اور وہ لوگ اس بات کو بھی جانتے تھے کہ نیت اس بات کا نام نہیں کہ کوئی شخص اپنی زبان سے کہے کہ میں نے نیت کی بلکہ وہ دل کا ابھار ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل کشادگی کے قائم مقام ہے بعض اوقات یہ آسان ہوتا ہے اور کبھی مشکل۔

ہاں جس شخص کے دل پر دین کا معاملہ غالب ہو اس پر اکثر حالات میں نیک امور کے لیے نیت کو حاضر کرنا آسان ہوتا ہے کیونکہ دل کسی نہ کسی طور پر اصل بھلائی کی طرف مائل ہوتا ہے لہٰذا وہ عام بھلائیوں کی طرف بھی اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور جس آدمی

marfat.com

کا دل دنیا کی طرف مائل ہو اور اس پر دنیا غالب آجائے اس کے لیے یہ بات آسان نہیں ہوتی بلکہ فرائض میں بھی نیت کو حاضر کرنا بڑی جدوجہد کے ساتھ ہوتا ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جہنم کو یاد کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے عذاب سے ڈراتا ہے یا جنتی نعمتوں کا ارادہ ہوتا ہے تو اس سلسلے میں نفس کو ترغیب دیتا ہے اس سلسلے میں کبھی ایک کمزور سا ارادہ پیدا ہوتا ہے تو اسے نیت و رغبت کی مقدار کے مطابق ثواب ملتا ہے۔

لیکن وہ اطاعت جو اللہ تعالیٰ کی بزرگی کے پیش نظر ہوتی ہے کہ وہی عبادت و اطاعت کے لائق ہے یہ جذبہ ایسے شخص کو حاصل نہیں ہوتا جو دنیا کی طرف راغب ہو اور یہ سب سے اعلیٰ اور عمدہ نیت ہے روئے زمین پر ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اس کو سمجھ سکیں استعمال کرنا تو دور کی بات ہے۔

نیت کی اقسام :

عبادات میں لوگوں کی نیتوں کی کئی اقسام ہیں کیوں کہ بعض لوگ خوف کی وجہ سے عمل کرتے ہیں وہ جہنم سے بچ جائیں گے بعض لوگ امید کے باعث عمل کرتے ہیں اور یہ جنت کی رغبت ہے اگرچہ اس قسم کی نیت اس نیت کے مقابلے میں کم درجے پر ہے جو محض اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے جلال کی تعظیم اور عبادت کے لیے کی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود یہ اچھی نیتوں میں سے ہے کیوں کہ یہ اس بات کی طرف میلان ہے جس کا آخرت میں وعدہ کیا گیا ہے اگرچہ وہ ان چیزوں میں سے ہے جن سے دنیا میں الفت ہوتی ہے اور سب سے غالب باعث شرمگاہ اور پیٹ ہے اور ان کی خواہش کو پورے کرتے کہ جگہ جنت ہے پس جنت کے لیے عمل کرنے والا اپنے پیٹ اور شرمگاہ کے لیے عمل کرتا ہے جس طرح برا مزدور ہوتا ہے۔

ایسے لوگوں کا درجہ سیدھے سادے لوگوں کا درجہ ہے اور یہ اپنے عمل کی وجہ سے مقصود کو پالیں گے کیوں کہ اکثر اہل جنت سیدھے سادے لوگ ہوں گے۔

لیکن عقل مند لوگوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر سے تجاوز نہیں کرتی وہ اس کے جمال و جلال سے محبت کرتے ہیں اعمال تو محض تاکید کے لیے ہوتے ہیں اور جنت میں نکاح یا کھانے کی طرف توجہ سے ان لوگوں کا مقام بلند ہے وہ ان باتوں کا قصد نہیں کرتے بلکہ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اسے صبح و شام پکارتے ہیں اور چوں کہ لوگوں کو ان کی نیتوں کے مطابق ثواب ملے گا اس لیے یہ لوگ لازماً اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ اور ان لوگوں پر ہنسیں گے جو حوروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس طرح حوروں کو دیکھ کر لطف اندوز ہونے والے ان لوگوں پر ہنسیں گے جو مٹی سے بنی ہوئی صورتوں کے چہروں کو دیکھ کر لطف اٹھاتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہنسیں گے کیوں کہ جمال ربوبیت اور حوروں کے جمال میں اس سے زیادہ تفاوت ہے جس قدر حوروں کے جمال اور مٹی سے بنی ہوئی صورت کے درمیان فرق ہے بلکہ جانوروں والی صفات رکھنے والے شہوت پرست لوگوں کا خوبصورت چہروں والوں سے

marfat.com

ں جول رکھنا تاکہ اپنی خواہش کو پورا کریں اور جمالِ الٰہی سے اعراض کرنا اسی طرح ہے جس طرح گبریلا (کالا کیڑا جو گوبر میں ہوتا ہے)
پنے جوڑے کو عظیم سمجھتا اور اس سے مانوس ہوتا ہے اور عورتوں کے جمال کو دیکھنے سے اعراض کرتا ہے پس اللہ تعالیٰ
ے جمال و جلال کو دیکھنے سے اکثر دل اندھے ہیں اور یہ اس گبریلے کی طرح ہیں جو عورتوں کے جمال کو دیکھنے سے اندھا
ہے اسے اس بات کا بالکل شعور نہیں اور نہ ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اگر اسے عقل ہوتی اور اس کے
امنے عورتوں کا ذکر ہوتا تو وہ ان لوگوں کی عقل کو اچھا سمجھتا جو ان کی طرح متوجہ ہوتے ہیں اور یہ لوگ ہمیشہ مختلف رہیں کیوں کہ
ہر وہ اس بات پر خوش ہوتا ہے جو اس کے پاس ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی لیے پیدا فرمایا۔

منقول ہے کہ حضرت احمد بن حضرویہ نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا سب لوگ مجھ
ے جنت کا سوال کرتے ہیں لیکن حضرت ابو یزید مجھ سے صرف میرا سوال کرتے ہیں۔ اور حضرت ابو یزید رحمہ اللہ نے خواب
ں اپنے رب کی زیارت کی تو انہوں نے عرض کیا یا اللہ! مجھ تک پہنچنے کا کونسا راستہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے
س کو چھوڑ کر میری طرف آؤ۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے
ا سلوک کیا؟ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کسی دعویٰ پر دلیل نہیں مانگی البتہ ایک بات کی دلیل مانگی ہے میں نے
ب دن کہا کہ جنت کے نقصان سے بڑھ کر کونسا نقصان ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے دیدار کے نقصان سے
ڑھ کر کونسا نقصان ہے۔

غرض یہ ہے کہ ان نیتوں کے درجات مختلف ہیں اور جس شخص کے دل پر ان میں سے کوئی دلیل غالب ہو بعض اوقات
س کے لیے اس سے منہ پھیرنا آسان نہیں ہوتا اور ان حقائق کی معرفت سے ایسے اعمال و افعال پیدا ہوتے ہیں جس کا
ہائے ظاہر بھی انکار نہیں کرتے۔

پس ہم کہتے ہیں کہ جس شخص کے لیے مباح کام میں نیت ظاہر ہو لیکن کسی نفل کے لیے نیت نہ ہو تو مباح کام زیادہ
تر ہے اور فضیلت اسی کی طرف منتقل ہو جائے گی اور اس کے حق میں نفل نقصان کا باعث ہوگا کیوں کہ اعمال کا دار و مدار
ول پر ہے یہ معاف کرنے کی طرح ہے کیوں کہ یہ انتقام لینے سے افضل ہے لیکن بعض اوقات معاف کرنے کی نیت
یں ہوتی البتہ انتقام لینے کی نیت ہوتی ہے تو یہ بات افضل ہے۔

اسی طرح وہ کھانے پینے اور سونے کی نیت رکھتا ہے تاکہ اپنے نفس کو آرام پہنچائے اور مستقبل میں اسے عبادت
قوت حاصل ہو اور اس وقت روزے اور نماز کی نیت حاضر نہیں ہوتی تو کھانا اور سونا ہی افضل ہے بلکہ اگر اسے مسلسل
بادت کرنے سے ملال ہو، رغبت کم ہو اور خوشی خوشی عبادت نہ کر سکے اور وہ جانتا ہو کہ کچھ دیر کھیل کود اور گفتگو میں گزارنے
سے سرور لوٹ آئے گا تو اس کے لیے کھیلنا اس نماز سے افضل ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں اپنے

marfat.com

نفس کو تھوڑے سے کھیل کے ساتھ راحت دیتا ہوں تو یہ کھیل میرے لیے حق پر مدد گار ہوتا ہے۔
حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں دلوں کو آرام دیا کرو کیوں کہ جب ان پر زبردستی کی جائے تو وہ اندھے ہو جا
گے یہ وہ حقائق ہیں جن کا ادراک جید علماء کو ہی ہو سکتا ہے۔
محض بھوسہ قسم کے لوگوں کو نہیں بلکہ ماہر حکیم بعض اوقات گرمی کے شکار مریض کا علاج گوشت سے کرتا ہے حالا
وہ بھی گرم ہے۔ اور جس شخص کو طب کا علم نہ ہو وہ اس بات کو بعید جانتا ہے جب کہ علاج کرنے والا پہلے اس کی قوت
بحال کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ علاج بالضد کو برداشت کر سکے اور جو شخص شطرنج کھیلنے میں ماہر ہو کبھی رُخ اور گھوڑا مفت
چھوڑ دیتا ہے تاکہ اس حیلے سے غلبہ پائے لیکن جو کھیلنے میں زیادہ ماہر نہ ہو اسے اس پر تعجب ہوتا ہے اور وہ اس پر
ہنستا ہے اسی طرح جو شخص لڑائی کے فن سے واقف ہو بعض اوقات وہ اپنے مقابل سے بھاگتا ہے اور اس سے
پھیرتا ہے اور اس طرح وہ ایسی تدبیر اختیار کرتا ہے جس سے مقابل کو تنگ جگہ پر آنے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے اور
یہ موقعہ پاکر یکدم اس پر حملہ آور ہوتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا طریقہ بھی اسی طرح ہے یہ شیطان سے لڑائی اور دل کا علاج ہے جو شخص صاحب
بصیرت ہو اور اسے توفیق دی گئی ہو تو وہ اس میں نہایت لطیف حیلے اختیار کرتا ہے جن کو کمزور لوگ عقل سے بعید سمجھتے
ہیں پس مرید کے لیے مناسب نہیں کہ جو کچھ وہ اپنے شیخ سے دیکھتا ہے دل میں اس سے انکار چھپائے رکھے اور
طالب علم کو بھی اپنے استاذ پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسی حد تک توقف کرے جہاں تک اس کی بصیرت کی رسائی
ہو اور ان کی جو بات سمجھ میں نہ آئے وہ ان کے سپرد کر دے حتیٰ کہ ان کے مقام تک پہنچ جائے اور اس پر اسرار منکشف
ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اچھی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

دوسرا باب

اخلاص، اسکی فضیلت، حقیقت اور درجات

فصل ۱:

فضیلتِ اخلاص

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ اور ان کو یہی حکم دیا گیا کہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے اس

marfat.com

لَهُ الدِّيْنَ۔ (۱)

کی بندگی کریں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ۔ (۲)

سنو! اللہ تعالیٰ کے لیے ہی خالص دین ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ۔ (۳)

مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی (اپنی) اصلاح کی اور اللہ تعالیٰ (کی رسی) کو مضبوطی سے پکڑا اور اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ (۴)

پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ اچھا عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کریں اور چاہیں کہ لوگ ان کی تعریف کریں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ثَلَاثٌ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ رَجُلٍ مُسْلِمٍ اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَالنَّصِيْحَةُ لِلْوُلَاةِ وَلُزُوْمُ الْجَمَاعَةِ۔ (۵)

تین کام ایسے ہیں جن پر مومن کا دل خیانت نہیں کرتا خالص اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرنا حکمرانوں کی خیر خواہی اور جماعت سے وابستگی۔

حضرت مصعب بن سعد اپنے والد حضرت سعد (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں میرے باپ کو خیال ہوا کہ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض دوسرے صحابہ کرام پر فضیلت ہے جو ان سے کم درجہ میں ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) قرآن، سورۃ البینۃ آیت ۵

(۲) قرآن مجید، سورۃ الزمر آیت ۳

(۳) قرآن مجید، سورۃ النساء آیت ۱۴۶

(۴) قرآن مجید، سورۃ کہف آیت ۱۱۰

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۸۰ مرویات جبیر بن مطعم

marfat.com

اِنَّمَا نَصَرَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ بِضُعَفَائِهَا وَدَعْوَتِهِمْ وَاِخْلَاصِهِمْ وَصَلَاتِهِمْ (۱)

اللہ تعالیٰ نے اس امت کے کمزور لوگوں، ان کی دعا، اخلاص اور نماز کے ذریعے امت کی مدد فرمائی۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْاِخْلَاصُ سِرٌّ مِّنْ سِرِّيْ اَسْتَوْدِعُهٗ قَلْبَ مَنْ اَحْبَبْتُ مِنْ عِبَادِيْ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے جو میں نے اپنے ان بندوں کے دلوں میں بطور امانت رکھا ہے جن سے مجھے محبت ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

عمل کی کمی کی فکر نہ کرو اس کی قبولیت کی فکر کرو کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

اَخْلِصِ الْعَمَلَ يُجْزِكَ مِنْهُ الْقَلِيْلُ۔ (۳)

اپنے عمل کو خالص کرو تھوڑا بھی کافی ہوگا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا مِنْ عَبْدٍ يُخْلِصُ لِلّٰهِ الْعَمَلَ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا اِلَّا ظَهَرَتْ يَنَابِيْعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰى لِسَانِهٖ۔ (۴)

جو بندہ چالیس دن خالص اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرے اللہ تعالیٰ حکمت کے چشمے اس کے دل سے اس کی زبان پر ظاہر کر دیتا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قیامت کے دن سب سے پہلے تین قسم کے لوگوں سے سوال ہوگا۔ ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا اللہ تعالیٰ پوچھے گا تجھے جو علم حاصل ہوا اس کے سلسلے میں تو نے کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا اے میرے رب! میں رات کی ساعتوں اور دن کے اطراف میں اس کے لیے کمر بستہ رہتا تھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹ کہتا ہے بلکہ تیرا مقصد یہ تھا کہ لوگ کہیں فلاں شخص عالم ہے تو یاد رکھو یہ بات کہی گئی ـــــ دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تجھ پر انعام کیا تو نے کیا کیا؟ وہ جواب دے گا اے میرے رب! میں رات

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۳ ص ۳۴۵ کتاب صلاۃ الاستسقاء

(۲)

(۳) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۰۶ کتاب الرقاق

(۴) الترغیب والترہیب جلد اوّل ص ۵۶ مقدمتہ الکتاب

marfat.com

گھڑیوں اور دن کے اوقات میں صدقہ کرتا تھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹ
ا ہے بلکہ تمہارا ارادہ یہ تھا کہ کہا جائے فلاں شخص سخی ہے سنو! یہ بات کہی گئی اور تیسرا شخص جو اللہ تعالیٰ کے راستے
ں قتل کیا گیا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا اے میرے رب! مجھے جہاد کا حکم دیا گیا تو میں لڑا حتیٰ کہ قتل کر
ا گیا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ تمہارا ارادہ یہ تھا کہ کہا جائے فلاں
شخص بہت بہادر ہے سنو! یہ بات کہی گئی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ران پر ایک لکیر کھینچی اور فرمایا اے ہریرہ! یہ وہ لوگ ہیں جو قیامت کے دن جہنم میں سب سے پہلے ان پر آگ بھڑکائی جائے گی (۱)

اس حدیث کے راوی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو وہ پڑے حتیٰ کہ قریب تھا ان کی روح پرواز کر جاتی پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ارشاد خداوندی ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ۔ (۲)	جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتے ہیں ہم ان کو اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے اور ان کے لیے ان میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

اسرائیلی روایات میں ہے کہ ایک عابد نے طویل عرصہ تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی پھر اس کے پاس کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا یہاں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر درخت کی پوجا کرتے ہیں اس پر اسے غصہ آیا اور اس نے کلہاڑا اپنے کاندھے پر رکھ کر درخت کو کاٹنے کا ارادہ کیا راستے میں شیطان ایک بزرگ کی صورت میں ملا اس نے پوچھا کہاں جاتے ہو؟ عابد نے جواب دیا میں نے اس درخت کو کاٹنے کا ارادہ کیا ہے شیطان نے کہا تجھے اس سے کیا غرض ہے تم عبادت اور نفس کی مشغولیت چھوڑ کر دوسرے کاموں میں مشغول ہوتے ہو عابد نے کہا یہ بھی میرے لیے عبادت ہے شیطان نے کہا میں تجھے یہ درخت کاٹنے نہیں دوں گا چنانچہ دونوں لڑ پڑے اور عابد نے اسے زمین پر دے مارا اور اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا شیطان نے کہا مجھے چھوڑ دو میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں وہ اٹھ کھڑا ہوا شیطان نے اس سے کہا اے فلاں! اللہ تعالیٰ نے یہ کام تم پر فرض نہیں کیا اور نہ ہی تو اس کی پوجا کرتا ہے اور دوسروں کا گناہ تجھ پر نہیں ہوگا روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار انبیاء کرام ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان لوگوں کی طرف ان کو بھیج دیتا اور ان کو حکم دیتا کہ درخت کو کاٹ دیں۔

---

(۱) جامع ترمذی ص ۳۴۳، ۳۴۴، ابواب الزھد

(۲) قرآن مجید، سورۂ ہود آیت ۱۵

marfat.com

عابد نے کہا میں اسے ضرور کاٹوں گا اس نے پھر لڑنے کا ارادہ کیا تو عابد اس پر غالب آگیا اس نے اور اسے پچھاڑ
اور اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا ابلیس عاجز آیا تو اس نے کہا چلو ہم ایک اور بات کرتے ہیں جس سے ہم دونوں کے درمیان فیص
ہو جائے گا وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر اور نفع بخش ہے عابد نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو میں تمہیں بتاتا ہ
اس نے چھوڑ دیا تو شیطان نے کہا تم ایک فقیر شخص ہو تمہارے پاس کچھ نہیں تم لوگوں پر بوجھ ہو وہ تمہاری خبر گیر
کرتے ہیں شاید تم چاہتے ہو گے کہ اپنے بھائیوں سے اچھا سلوک کرو، پڑوسیوں کی غمخواری کرو خود سیر ہو کر کھاؤ اور
لوگوں سے بے نیاز ہو جاؤ؟ اس نے کہا ہاں یہ بات تو ہے۔ شیطان نے کہا تو یہ کام چھوڑ دو اور واپس چلے جاؤ میں
ہر رات تمہارے سرہانے کے پاس دو دینار رکھ دوں گا جب صبح اٹھو تو ان کو اٹھا لو اور اپنے اور اپنے اہل و عیال
پر خرچ کرو نیز اپنے بھائیوں پر صدقہ کرو یہ تمہارے لئے اور مسلمانوں کے لیے اس درخت کے کاٹنے سے زیادہ نفع بخش
ہو گا کیوں کہ اس کی جگہ دوسرا درخت لگا دیا جائے گا۔ اور اس کے کاٹنے سے ان لوگوں کو کوئی نقصان نہ ہو گا اور نہ ہی
اس سے تمہارے مسلمان بھائیوں کو کوئی فائدہ ہو گا۔

عابد نے شیطان کی گفتگو کے بارے میں سوچ بچار کی اور کہنے لگا شیخ نے سچ کہا میں کوئی نبی نہیں ہوں کہ مجھ
پر اس کو کاٹنا لازم ہو اور نہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے کاٹنے کا حکم دیا ہے کہ میں اس عمل کو چھوڑنے کی وجہ سے گناہ گا
کہلاؤں گا جو کچھ اس نے ذکر کیا ہے اس میں زیادہ نفع ہے چنانچہ اس نے شیطان سے عہد و پیمان اور قسم لی پھر
عابد اپنے عبادت خانے کی طرف لوٹ آیا اور رات گزاری صبح ہوئی تو دیکھا کہ اس کے سرہانے دو دینار پڑے ہوئے ہیں
اس نے ان کو اٹھا لیا دوسرے دن بھی اسی طرح ہوا لیکن تیسرے دن اور اس کے بعد اس نے کچھ نہ دیکھا تو وہ غصے
میں آگیا اور کلہاڑا کاندھے پر رکھ لیا راستے میں شیطان بزرگ آدمی کی شکل میں ملا تو پوچھا کہاں جا رہے ہو اس نے کہا
اس درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں اس نے کہا اللہ کی قسم تم جھوٹ بولتے ہو تم اس پر قادر نہیں ہو اور نہ تم اس کام کو کر سکتے ہو
چنانچہ عابد نے اس کو پکڑ کر پہلے کی طرح گرانا چاہا تو اس نے کہا اب ایسا نہیں ہو سکتا چنانچہ شیطان نے اس
پکڑ کر پچھاڑ دیا تو یوں معلوم ہوا جیسے اس کے سامنے چڑیا پڑی ہوئی ہو شیطان اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور کہا اپنے اس
ارادے سے باز آجاؤ ورنہ تمہیں ذبح کر دوں گا عابد نے دیکھا کہ اب وہ اس سے نہیں لڑ سکتا تو کہا اے فلاں! تو مجھ پر غالب
آگیا مجھے چھوڑ دے اور بتا کہ یہ کیسے ہو گیا پہلے میں تم پر غالب آیا اور اب تم مجھ پر غالب آگئے اس نے کہا پہلی مرتبہ تمہیں
اللہ تعالیٰ کے لیے غصہ آیا تھا اور تم آخرت کی نیت کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے سامنے مسخر کر دیا اور اس
مرتبہ تمہیں اپنی ذات اور دنیا کے لیے غصہ آیا تو میں نے تمہیں پچھاڑ دیا اس حکایت نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تصدیق
کر دی ارشاد خداوندی ہے۔

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ (شیطان نے کہا) مگر (میں) تیرے مخلص بندوں کو قابو نہیں

marfat.com

اَلْمُخْلَصِیْنَ (سورۂ حجر آیت ۴۰) کرسکوں گا۔
کیوں کہ انسان کو شیطان سے صرف اخلاص بچا سکتا ہے۔
اسی لیے حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ اپنے آپ کو مارتے اور فرماتے اے نفس! اخلاص اختیار کرتا کہ تو چھٹکارا پائے
عزت یعقوب مکفوف رحمہ اللہ فرماتے تھے مخلص وہ شخص ہے جو اپنی نیکیوں کو اس طرح چھپاتا ہے جس طرح اپنے گناہوں
کو چھپاتا ہے۔
حضرت سلیمان رحمہ اللہ فرماتے تھے اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس کا ایک قدم بھی صحیح ہو جائے اور اس
سے صرف اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرے۔
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جس کی نیت صحیح ہو جائے اللہ تعالیٰ
سے اس کی ان باتوں میں کفایت کرتا ہے جو اس کے اور لوگوں کے درمیان ہیں۔
کسی ولی نے اپنے بھائی کو لکھا اپنے اعمال میں خالص نیت رکھو تمہیں تھوڑا عمل بھی کفایت کرے گا۔ حضرت ایوب سختیانی
رحمہ اللہ فرماتے ہیں عمل کرنے والوں پر سب سے زیادہ سخت نیت کو خالص کرنا ہے اور حضرت مطرف رحمہ اللہ فرماتے تھے
شخص خالص نیت رکھتا ہو اس کے لیے اجر بھی صاف ہوتا ہے اور جس کی نیت میں اختلاط ہو اس کے لیے اسی قسم کا اجر
ہوتا ہے۔

کسی بزرگ کو خواب میں دیکھا گیا تو پوچھا گیا آپ نے اپنے اعمال کو کیسا پایا؟ انہوں نے فرمایا میں نے جو عمل بھی اللہ تعالیٰ کے
ے کیا اس کا اجر پایا حتیٰ کہ انار کا ایک دانا جو راستے سے ہٹایا اور ہماری ایک بلی مر گئی تھی اس کو بھی میں نے اپنی نیکیوں میں پایا
ر میری ٹوپی میں ایک ریشمی دھاگہ تھا میں نے اس کو برائیوں کے پلڑے میں پایا اور میرا ایک گدھا جس کی قیمت ایک سو
ینار تھی، مر گیا تو میں نے اس کا ثواب نہ دیکھا میں نے کہا بلی کی موت نیکیوں کے پلڑے میں ہے اور گدھے کی موت اس
ں نہیں ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ وہ وہاں بھیجا گیا جہاں تو نے اسے بھیجا کیوں کہ جب تجھے کہا گیا کہ گدھا
لیا ہے تو تو نے کہا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو گیا پس اس میں تیرا اجر باطل ہو گیا اگر تم کہتے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں گیا تو تم اسے
نیکیوں میں پاتے۔
ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے ایک صدقہ لوگوں کے سامنے دیا تو ان کا میری طرف دیکھنا مجھے
سند آیا تو میں نے دیکھا کہ نہ تو مجھے اس کا ثواب ملا اور نہ ہی اس پر عذاب ہوا۔
حضرت سفیان رحمہ اللہ نے جب یہ بات سنی تو فرمایا یہ تو ان کا اچھا مال ہے کہ عذاب نہ ہو یہ تو عین احسان ہے۔
حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اخلاص، اعمال کو عیبوں سے ممتاز کر دیتا ہے جس طرح دودھ، گوبر اور خون میں
سے صاف نکل آتا ہے کہا گیا ہے کہ ایک شخص عورتوں کا لباس پہن کر عورتوں کے اجتماع میں جاتا تھا شادی بیاہ ہو یا غمی کا

اجتماع ، اتفاق سے ایک دن وہ عورتوں کے اجتماع میں گیا تو وہاں ایک موتی چوری ہوگیا آواز دی گئی کہ دروازہ بند کرکے تفتیش کرو وہ ایک ایک کی تلاشی لینے لگے حتی کہ اس شخص اور اس کے ساتھ عورت کی باری آئی اس نے اخلاص کے ساتھ دعا مانگی کہ یا اللہ! آج اگر اس ذلت سے چھٹکارا عطا فرما دے تو آئندہ ایسا کام نہیں کروں گا تو وہ موتی اس عورت کے پاس سے مل گیا اور انہوں نے آواز دی کہ موتی مل گیا اب کسی کی تلاشی نہ لینا۔

صوفیاء کرام میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں ہیں حضرت ابو عبید تستری رحمہ اللہ کے ساتھ کھڑا تھا وہ نو ذوالحجہ کے دن عصر کے بعد زمین میں ہل چلا رہے تھے اتنے میں ان کا کوئی ابدال بھائی آیا اور اس نے آہستہ سے کچھ کہا حضرت ابو عبید رحمہ اللہ نے فرمایا "نہیں اس پر وہ بادلوں کے طرح زمین کو چھوتا ہوا چلا گیا حتی کہ میری نگاہ سے غائب ہوگیا میں نے حضرت ابو عبید رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اس نے آپ کو کیا کہا تھا؟ انہوں نے فرمایا اس نے مجھے کہا تھا کہ میرے ساتھ حج کرو میں نے کہا نہیں، وہ بزرگ فرماتے ہیں میں نے پوچھا آپ نے انکار کیوں کیا؟ فرمایا میری نیت نہیں تھی اور میں نے نیت کی تھی کہ شام تک اس زمین کا کام مکمل کروں گا۔ تو مجھے اس بات کا ڈر ہوا کہ اگر میں اس ابدال کی خاطر اس کے ساتھ حج کے لیے جاؤں تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا نشانہ بنوں گا۔ کیوں کہ اس طرح میں اللہ تعالیٰ کے لیے کیے جانے والے عمل میں اس کے غیر کو شریک کرنے والا ہوں گا تو میں جو کام کر رہا ہوں وہ میرے نزدیک ستر حجوں سے زیادہ بڑا ہے۔

کسی دوسرے بزرگ سے منقول ہے فرماتے ہیں میں سمندر کے راستے جہاد کے لیے نکلا تو ہم میں ایک نے توشہ دان بیچ کیا میں نے کہا میں اسے خرید لیتا ہوں یہ مجھے جہاد میں کام آئے گا جب میں فلاں شہر میں داخل ہوں گا تو اسے بیچ کر نفع حاصل کروں گا چنانچہ میں نے وہ توشہ دان خرید لیا اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا آسمان سے دو آدمی اترے اور ان میں سے ایک نے دوسرے ساتھی سے کہا کہ جہاد کرنے والوں کے نام لکھو چنانچہ وہ اسے لکھوانا کہ فلاں شخص سیر کے لیے نکلا ہے فلاں دکھاوے کے لیے آتا ہے فلاں تاجر ہے اور فلاں اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہے پھر میری طرف دیکھا اور کہا لکھو فلاں تاجر بن کر نکلا ہے میں نے کہا خدا کا خوف کرو میں کب تجارت کے لیے نکلا ہوں میرے پاس تو تجارت کا سامان بھی نہیں ہے جس کی تجارت کروں گا میں تو صرف جہاد کے لیے نکلا ہوں اس نے کہا اے شیخ! تم نے گذشتہ رات ایک توشہ دان خریدا تم چاہتے ہو کہ اس سے نفع حاصل کرو فرماتے ہیں میں نے رونے لگا اور میں نے کہا مجھے تاجر نہ لکھو اس نے دوسرے ساتھی کی طرف دیکھا اور پوچھا کیا خیال ہے اس نے کہا لکھو فلاں شخص جہاد کے لئے نکلا لیکن اس نے راستے میں توشہ دان خریدا تاکہ اس کو نفع پر بیچے اللہ تعالیٰ جو فیصلہ مناسب سمجھے گا فرمائے گا۔

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر تم خلوص کے ساتھ علیحدگی میں دو رکعتیں پڑھو تو یہ بات تمہارے لیے ستر یا سات سو احادیث عمدہ اسناد کے ساتھ لکھنے سے بہتر ہے۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ ایک ساعت کا اخلاص ہمیشہ کی نجات کا باعث ہے لیکن اخلاص بہت کم پایا جاتا ہے۔

marfat.com

اور کہا جاتا ہے کہ علم بیج ہے، عمل کھیتی ہے اور اس کا پانی اخلاص ہے۔ اور بعض بزرگوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب ی بندے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے تین باتیں عطا کرتا ہے اور تین باتوں سے روک دیتا ہے اسے صالحین کی صحبت تو عطا ا ہے لیکن وہ ان کی کوئی بات قبول نہیں کرتا اسے اچھے اعمال کی توفیق دیتا ہے لیکن اس سے اخلاص کو روک دیتا ہے اسے ت عطا فرماتا ہے لیکن اس میں سچائی سے محروم رکھتا ہے۔

حضرت موسیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بندوں کے اعمال سے اللہ تعالیٰ کو صرف اخلاص مطلوب ہے حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ، اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو عقل مند ہیں جب وہ عقل مند ہیں تو عمل کرتے ہیں اور جب عمل کرتے ہیں تو اس میں اس ہوتا ہے اور اخلاص ان کو نیکیوں کی تمام اقسام کی دعوت دیتا ہے۔

حضرت محمد بن سعید مروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمام معاملہ دو بنیادی باتوں کی طرف لوٹتا ہے ایک اس کا فعل تمہارے تھ ہے اور دوسرا تمہارا فعل اس کے ساتھ ہے جو کچھ وہ کرے اس پر راضی ہو جا اور جو عمل تو کرے اس میں اخلاص کو نبار کر۔ اگر یہ دونوں باتیں ہو جائیں تو دونوں جہانوں میں کامیابی پائے گا۔

فصل ۲:

حقیقتِ اخلاص

ہر چیز میں ملاوٹ ممکن ہے جب وہ ملاوٹ سے پاک صاف ہو تو اسے خالص کہتے ہیں اور جس فعل سے وہ عمل صاف ا ہے اس کو اخلاص کہتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

وَنُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ۔ (۱)

اور ہم تمہیں ان جانوروں کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان سے دودھ پلاتے ہیں جو خالص ہے اور پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے۔

دودھ کا خالص ہونا یہ ہے کہ اس میں خون اور گوبر بلکہ کسی ایسی چیز کی آمیزش نہ ہو جو اس میں مل سکتی ہے اخلاص کی شرک کرنا ہے پس جو شخص مخلوص نہیں ہوتا وہ مشرک ہوتا ہے لیکن شرک کے کئی درجات ہیں۔

شرک کے درجات:

توحید میں اخلاص کے مقابل الوہیت میں شریک ٹھہرانا ہے شرک خفی بھی ہوتا ہے اور جلی بھی اسی طرح اخلاص کا معاملہ ے اور اخلاص نیز اس کی ضد دونوں دل پر وارد ہوتے ہیں لہٰذا اس کا محل دل ہے اور ان کے ورود کا تعلق قصد و نیت

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نحل آیت ۶۶

marfat.com

سے ہے اور نیت کی حقیقت ہم بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی کہ نیت، باعثِ عمل موافق ہوتی ہے پس جب باعثِ عمل صرف ایک ہو تو اس کی وجہ سے جو فعل صادر ہوگا وہ اخلاص ہوگا اور اس کا تعلق نیت سے ہے پس جو شخص صدقہ کرے اور اس کی نیت اور غرض ریاکاری ہو تو وہ اس حوالے سے مخلص ہے لیکن عرف عام یہ ہے کہ اخلاص کا اطلاق اس عمل پر ہوتا ہے جس میں مقصود صرف اللہ تعالیٰ کا قرب ہو اور اس میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہو۔ جس طرح الحاد صرف میلان کا نام ہے لیکن عرف میں حق سے دوسری جانب کے میلان کو الحاد کہتے ہیں پس جس فعل کا باعث محض ریا ہو وہ باعث ہلاکت ہے اور ہماری گفتگو اس سے متعلق نہیں ہے کیوں کہ ریا سے متعلق ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اس سلسلے میں ادنیٰ بات وہ ہے جس کا حدیث شریف میں ذکر آیا ہے کہ قیامت کے دن ریاکار کو چار ناموں سے پکارا جائے گا۔ اے ریاکار، اے دھوکے باز، اے مشرک اور اے کافر ——— (۱)

اس وقت ہماری گفتگو اس سلسلے میں ہے کہ انسان کا مقصد قربِ خداوندی ہی ہو لیکن اس میں کوئی دوسرا باعث مثلاً ریاکاری یا نفسانی فوائد وغیرہ شامل ہو جائیں ———

اس کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص تقربِ خداوندی کے لیے روزہ رکھے لیکن اس میں پرہیز کا فائدہ بھی حاصل کرنا چاہتا ہو یا وہ غلام آزاد کرتا ہے اور اس میں یہ ارادہ بھی ہے کہ اس کے اخراجات اور بداخلاقی سے جان چھوٹ جائے گی یا حج کرتا ہے تاکہ حرکتِ سفر کی وجہ سے مزاج صحیح ہو جائے یا شہر میں پائی جانے والے کسی شر سے بچ جائے گا یا اس کے گھر میں کوئی دشمن ہے جس سے بھاگنا بھی مقصود ہے یا بیوی بچوں یا کسی دوسرے کام سے تھک گیا ہے اور کچھ دن آرام کرنا چاہتا ہے یا وہ جہاد کرتا ہے تاکہ فنِ لڑائی میں مہارت ہو اور لشکر وغیرہ تیار کرنے کا طریقہ سیکھ جائے یا کوئی آدمی رات کے وقت نماز پڑھتا ہے اور اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اپنے آپ سے اونگھ کو دور کرے گھر والوں یا سامان کی حفاظت کرے یا علم حاصل کرتا ہے تاکہ اس کے لیے ضروری مال حاصل کرنا آسان ہو جائے یا خاندان میں اسے عزت حاصل ہو یا علم کی عزت کے باعث طمع کرنے والوں سے اس کی زمین اور مال محفوظ رہے یا کوئی شخص درس و تدریس اور وعظ میں معروف ہوتا ہے کہ خاموشی کی تکلیف سے جان چھوٹ جائے اور لذتِ حدیث سے خوشی حاصل ہو یا وہ علماء اور صوفیاء کی خدمت کرتا ہے تاکہ لوگوں کے نزدیک اس کی عزت زیادہ ہو یا دنیا میں اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے۔

یا کوئی شخص قرآن مجید اس لیے لکھتا ہے کہ بار بار کی کتابت سے اس کا خط اچھا ہو جائے یا کوئی آدمی پیدل حج کرتا ہے تاکہ کرایہ بچ جائے یا وضو اس لیے کرتا ہے کہ بدن صاف ہو جائے یا ٹھنڈک حاصل ہو یا غسل کرتا ہے کہ

---

(۱) الجامع لاحکام القرآن جلد اول ص ۱۹ مقدمۃ الکتاب

marfat.com

شبو ہو یا حدیث روایت کرتا ہے تاکہ عمدہ اور اعلیٰ سند کا علم ہو یا مسجد میں اعتکاف بیٹھتا ہے تاکہ گھر کے کرائے
یف ہو یا روزہ رکھتا ہے تاکہ کھانے پکانے کے تردد سے بچ جائے یا اس لیے کہ دوسرے کاموں کے لیے فراغت
ہو جائے۔

یا کوئی شخص کسی سائل کو صدقہ اس لیے دیتا ہے کہ وہ اس کے مانگنے سے عاجز آگیا ہے یا کسی مریض کی عیادت اس
تا ہے کہ جب وہ بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی بھی کی جائے۔ یا جنازے کے ساتھ اس لیے جاتا ہے کہ لوگ اس کے
ے کے ساتھ بھی جائیں یا ان کاموں میں سے کوئی کام اس لیے کرتا ہے تاکہ بھلائی کے ساتھ اس کی پہچان ہو اور
کا ذکر کیا جائے اور لوگ اسے اچھی نگاہ سے دیکھیں۔

پس جب عمل کا باعث تقربِ خداوندی ہو لیکن اس کے ساتھ ان امور میں سے بھی کوئی بات ملی ہوئی ہو تاکہ ان
ا وجہ سے اس کے لیے عمل آسان ہو جائے تو اس کا عمل اخلاص کی حد سے نکل گیا اور اب وہ خالص رضائے الٰہی
لیے نہیں ہے بلکہ اس میں شرکت پائی گئی اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (حدیث شریف میں ہے) کہ میں شرکت سے تمام شرکاء
ہ کر بے نیاز ہوں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ وہ تمام دنیوی فوائد جن سے نفس کو راحت پہنچتی ہے اور ان کی طرف دل مائل ہوتا ہے وہ کم ہوں یا
جب وہ عمل میں پائے جائیں تو وہ عمل صاف اور خالص نہیں رہتا اس کا اخلاص زائل ہو جاتا ہے اور انسان کی
نوبہ ہے کہ وہ مفاداتِ دنیوی سے مربوط ہے اور خواہشات کے سمندر میں غوطہ زن ہے بہت کم اس کا فعل یا
ت اس قسم کے فوری فوائد اور غرض سے جدا ہوتی ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ جس شخص کی زندگی کا ایک لمحہ بھی خالص
لصاحبی کے لیے میسر ہو گیا اس نے نجات پائی اور یہ بات اس لیے ہے کہ خلوص بہت نادر ہے اور ان آمیزشوں
ل کا صاف ہونا بہت مشکل ہے۔

بلکہ خالص تو وہ ہے جس کا باعث صرف اللہ تعالیٰ کے قرب کی طلب ہو اور اگر عمل کا باعث صرف یہی امور ہوں تو
عامل کا معاملہ کس قدر سخت ہوگا یہ بات مخفی نہیں ہے لیکن ہمارے پیش نظر وہ صورتیں ہیں کہ جب مقصد اصلی اللہ تعالیٰ
رب کا حصول ہو اور اس کے ساتھ یہ امور مل جائیں پھر یہ آمیزش یا تو موافقت کے رتبہ میں ہوگی یا بطور شرکت ہوگی
اعانت کے طور پر ہوگی۔ جس طرح نیت کے بیان میں گزر چکا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ باعثِ نفسی، باعثِ دینی کی طرح ہوگا یا اس سے قوی ہوگا یا کمزور ہوگا۔ اور ہر ایک کا الگ حکم ہے
ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ عمل ان تمام امور کی آمیزش سے خالص ہو یہ آمیزش کم ہو یا زیادہ، حتیٰ کہ صرف تقربِ خداوندی
ہو اس کے سوا عمل کا کوئی باعث نہ ہو اور یہ بات اسی شخص سے متصور ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے محبت

marfat.com

کرتا ہے اس کا عاشق زار ہے اور آخرت کی فکر میں اس قدر ڈوبا ہوا ہے کہ اس کے دل میں محبتِ دنیا کے لیے کو
جگہ نہیں ہے حتی کہ اسے کھانے پینے سے بھی محبت نہیں ہے بلکہ اس سلسلے میں اس کی رغبت اسی قدر ہے جس قد
قضائے حاجت کی رغبت ہے کہ یہ ایک فطری ضرورت ہے لہٰذا وہ کھانے کی خواہش اس لیے نہیں رکھتا کہ یہ کھانا
بلکہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر طاقت حاصل ہو۔ اور وہ تمنا کرے کہ کیا اچھا ہو وہ بھوک کی آفت سے محفوظ ہو جائے کہ ا
کھانے کی ضرورت نہ پڑے۔

پس اس کے دل میں ضرورت سے زائد چیزوں کے لیے کوئی جگہ نہ ہو اور بقدر ضرورت مطلوب ہو کیوں کہ یہ ا
کے دین کی ضرورت ہے۔ اس کو صرف فکرِ الٰہی ہو پس اس قسم کا شخص اگر کھاتا یا پیتا ہے یا قضائے حاجت کے
جاتا ہے تو تمام حرکات و سکنات میں اس کا عمل خالص اور نیت صحیح ہوتی ہے۔

مثلاً وہ سو جاتا ہے تاکہ آرام حاصل ہو اور اس کے بعد عبادت پر قدرت ہو تو اس کا سونا بھی عبادت ہے ا
اس سلسلے میں اسے مخلصین کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور جس شخص کی حالت اس طرح نہ ہو اس پر اعمال کے سلسلے
اخلاص کا دروازہ بند ہوتا ہے ہاں کبھی کبھی کھلتا ہے اور جس طرح ایسا شخص جس پر اللہ تعالیٰ اور آخرت کی محبت غالب ہو ا
کی عام حرکات بھی یہی صفت ہو جاتی ہیں اور وہ اخلاص بن جاتی ہیں اسی طرح جس شخص کے نفس پر دنیا بلندی اور اقت
یا کوئی دوسری بات جس کا اللہ تعالیٰ سے تعلق نہ ہو، غالب آجائے تو اس کی تمام حرکات میں بھی یہی صفت آجاتی ہے
اس کی عبادات نماز اور روزہ وغیرہ بہت کم محفوظ رہتی ہیں۔

پس اخلاص سے اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ نفسانی خواہشات کو توڑ پھوڑ دیا جائے اور دنیا کی طمع کو ختم کر
صرف آخرت کو پیش نظر رکھا جائے یعنی وہی دل پر غالب ہو اس وقت اخلاص آسان ہوگا کتنے ہی اعمال ایسے ہیں جن
انسان تھکاوٹ برداشت کرتا ہے اور اس کے خیال میں یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوتا ہے حالانکہ وہ اس
میں دھوکے کا شکار ہوتا ہے کیوں کہ ان میں آفت کی وجہ سے معلوم نہیں ہوتی جیسے کہ کسی بزرگ کے بارے میں منقول
انہوں نے فرمایا میں نے تیس سال کی نمازیں جو میں پہلی صف میں پڑھتا تھا، قضا کیں کیوں کہ ایک دن کسی عذر کی وجہ سے
تاخیر ہوگئی اور میں نے دوسری صف میں نماز پڑھی اس سے مجھے لوگوں کے سامنے شرمندگی ہوئی کہ انہوں نے مجھے دوسر
صف میں دیکھا اس سے مجھے معلوم ہوا کہ جب لوگ مجھے پہلی صف میں دیکھتے تھے تو اس سے مجھے خوشی ہوتی تھی اور یہ بات
میرے لیے راحتِ قلبی کا سبب تھی لیکن مجھے اس کی خبر نہ تھی اور یہ ایک باریک خفیہ بات ہے کہ اس جیسی باتوں سے بہت
کم اعمال محفوظ ہوتے ہیں اور اس بات سے صرف انہی لوگوں کو آگاہی ہو سکتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ اس بات کی توفیق عطا
فرماتا ہے۔ اور جو لوگ اس سے غافل ہیں وہ قیامت کے دن اپنی تمام نیکیوں کو گناہوں کی شکل میں پائیں گے اللہ تعالیٰ کے
اس ارشاد گرامی سے وہی لوگ مراد ہیں۔

marfat.com

وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوْا۔

(۱)

اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ چیز ظاہر ہوئی جس کا وہ خیال نہیں رکھتے تھے اور ان کے لیے وہ برائیاں ظاہر ہوئیں جو انہوں نے کمائی تھیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۔

(۲)

آپ فرما دیجیے کیا میں تمہیں ان لوگوں کی خبر دوں جو اعمال کے اعتبار سے بہت خسارے میں ہیں وہ لوگ جن کی کوشش دنیوی زندگی میں بیکار گئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

اور اس قسم کے زیادہ تر شکار علماء ہیں کیوں کہ ان میں سے اکثر اپنے علم کو پھیلانے سے غلبے کی لذت دوسروں کو پیچھے نے کی خوشی اور حمد و ثناء سے سرور محسوس کرتے ہیں۔ اور شیطان ان کو دھوکے میں ڈالتے ہوئے کہتا ہے تمہاری رض تو دین خداوندی کو پھیلانا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین سے مخالفوں کو دور کرنا ہے اور عظیں لوگوں اور بادشاہوں کی خیر خواہی اور وعظ و نصیحت کا اللہ تعالیٰ پر احسان جتاتے ہیں اور اس بات پر خوش ہوتے یں کہ لوگ ان کی بات کو قبول کرتے ہیں اور ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور واعظ دعویٰ کرتا ہے کہ میری خوشی کا باعث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کی نصرت میرے لیے آسان کر دی اور اگر اس کا کوئی ہمعصر اس سے اچھا وعظ کرتا ہو اور لوگ اس سے ہٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو جائیں تو یہ بات اسے بُری لگتی ہے اور وہ غمگین ہو جاتا ہے۔ اگر اس کے وعظ کا باعث ین ہوتا تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام دوسرے کے سپرد کر دیا اس کے باوجود شیطان اسے ہا نہیں چھوڑتا اور کہتا ہے تیرے غم کا سبب یہ ہے کہ تجھ سے ثواب چلا گیا تو اس لئے غمگین نہیں کہ لوگ تجھے چھوڑ کر دوسری رف چلے گئے۔ کیوں کہ اگر وہ تیری بات سے نصیحت حاصل کرتے تو تجھے ثواب ہوتا اور تیرا ثواب کے چلے جانے پر غمگین ونا اچھا ہے اور اس بیچارے کو معلوم نہیں کہ اس کا حق کے لیے جھگڑا اور تبلیغ کا کام اپنے سے افضل کے سپرد رنا زیادہ ثواب کا باعث ہے اور تنہا تبلیغ کے مقابلے میں اس صورت میں ثواب زیادہ ہوگا۔ تو بتائیے اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر غمگین ہوتے تو کیا یہ غم اچھا ہوتا یا بُرا؟ اور کسی بھی دین دار آدمی کو اس بات میں شک نہیں کہ اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایسا کرتے تو یہ بات قابلِ تعریف نہ ہوتی کیوں کہ ان کا حق کے

---

(۱) قرآن مجید سورۂ زمر آیت ۴۷، ۴۸

(۲) قرآن مجید سورۂ کہف آیت ۱۰۳

marfat.com

سامنے جھک جانا اور قوم کا معاملہ اپنے سے افضل کے سپرد کر دینا خود لوگوں کے مسائل کی ذمہ داری اٹھانے سے بہتر تھا اور اس میں ثواب بھی زیادہ ہے بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس بات پر خوش ہوئے کہ جو شخصیت ان سے افضل ہے اس نے تن تنہا اس ذمہ داری کو اٹھایا علماء کو کیا ہوا کہ وہ اس بات پر خوش نہیں ہوتے بعض اوقات کچھ اہل علم شیطان کے دھوکے میں آجاتے ہیں اور دل میں کہتے ہیں کہ اگر کوئی ہم سے افضل عالم پیدا ہوا تو ہمیں خوشی ہوگی لیکن امتحان سے پہلے یہ بات کہنا محض جہالت اور دھوکہ ہے کیوں کہ نفس اس قسم کے وعدوں میں فوراً جھک جاتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ معاملہ درپیش نہیں ہوتا لیکن جب وہ معاملہ آجاتا ہے تو اس میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اور اپنے خیال سے رجوع کر لیتا ہے اپنا وعدہ پورا نہیں کرتا اور اس بات کی معرفت اسی شخص کو ہو سکتی ہے جو شیطان اور نفس کے مکر و فریب کو جانتا ہے اور اس سلسلے میں اسے کافی تجربہ ہوتا ہے۔

پس حقیقتِ اخلاص کی معرفت اور اس پر عمل ایک گہرا سمندر ہے اس میں سب لوگ ڈوب جاتے ہیں اکا دکا ہی محفوظ رہتے ہیں قرآن مجید کی اس آیت میں اس استثناء کا ذکر ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ (۱) مگر تیرے مخلص بندے (میرے قابو میں نہیں آئیں گے)

تو بندے کو چاہیئے کہ ان باریک امور کی خوب چھان بین کرے ورنہ وہ نادانستہ طور پر شیطان کے پجاریوں میں شامل ہو جائے گا۔

فصل ۳:

اخلاص کے بارے میں بزرگوں کے اقوال

حضرت سوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اخلاص اس بات کا نام ہے کہ خود اخلاص پر بھی نظر نہ رہے کیوں کہ جو شخص اپنے اخلاص میں اخلاص کو دیکھتا ہے اس کا اخلاص بھی اخلاص کا محتاج ہے انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے عمل کو خود پسندی سے بھی پاک صاف رکھا جائے کیوں کہ اخلاص کی طرف توجہ اور اس پر نظر بھی خود پسندی ہے اور یہ بھی آفات میں سے ایک آفت ہے خالص عمل وہ ہے جو تمام آفات سے پاک ہو اور یہ ایک آفت ہے۔

حضرت سہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں" اخلاص یہ ہے کہ بندے کی حرکت و سکون سب کچھ خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو" آپ کا یہ قول جامع ہے اور پوری غرض کو گھیرے ہوئے ہے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کے قول کا بھی یہی مطلب ہے آپ نے فرمایا اخلاص، اللہ تعالیٰ کے ساتھ نیت کو سچا کرنے کا نام ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ ص آیت ۸۳

marfat.com

حضرت سہل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ نفس پر سب سے سخت بات کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "اخلاص" کیوں کہ اس
نفس کا اپنا کوئی حصہ نہیں ہے۔

حضرت رویم رحمہ اللہ فرماتے ہیں عمل میں اخلاص یہ ہے کہ عمل کرنے والا دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں اس
کا عوض طلب نہ کرے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نفسانی مقاصد دنیوی ہوں یا اُخروی وہ آفت ہیں اور جو شخص اس
عبادت کرے کہ جنت میں نفسانی خواہشات سے بہرہ ور ہو وہ آفت زدہ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عمل سے صرف
مال کی رضا مقصود ہونی چاہیے اور یہ صدیقین کے اخلاص کی طرف اشارہ ہے جسے مطلق اخلاص کہتے ہیں۔

لیکن جو شخص جنت کی امید اور جہنم کے خوف سے عبادت کرتا ہے وہ فوری طور پر ملنے والے فوائد کے حوالے
مخلص ہے ورنہ وہ پیٹ اور شرمگاہ کی خواہش کو پورا کرنے والا ہے اور عقل مند لوگوں کا سچا مطلوب تو فقط اللہ تعالیٰ
ہوتا ہے اور کسی قائل کا یہ قول اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی حرکت کسی نہ کسی مقصد کے لیے ہوتی ہے
مقاصد و اغراض سے پاک ہونا تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور جو اپنے لیے یہ دعویٰ کرے وہ کافر ہے حضرت ابو بکر باقلانی
رحمہ اللہ نے ان لوگوں کو کافر قرار دیا جو ہر قسم کی غرض سے پاک ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت
ہے۔ آپ نے جو فرمایا وہ حق ہے لیکن لوگوں نے اغراض سے پاک ہونے کا مطلب یہ لیا ہے کہ ان اغراض سے پاک
ہیں کو لوگ اغراض کہتے ہیں اور وہ جنتی خواہشات ہیں محض معرفت، مناجات اور دیدار الٰہی سے لطف اندوز ہونا تو ان لوگوں
کی غرض ہے اور لوگوں کے نزدیک یہ باتیں غرض شمار نہیں ہوتیں بلکہ وہ اس بات پر تعجب کرتے ہیں۔

اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اطاعت، مناجات اور بارگاہ خداوندی کی دائمی حاضری جیسی اہم نعمت جو ان کے پاس ہے اگر
اس کے بدلے میں ان کو جنت کی تمام نعمتیں بھی دی جائیں تو وہ اسے حقیر جانیں اور اس کی طرف متوجہ نہ ہوں پس ان کی
عبادت بھی کسی غرض کے لیے ہوتی ہے اور عبادت کا بھی ایک مقصد ہوتا ہے اور وہ فقط ذاتِ معبود ہے اس کے
علاوہ کچھ نہیں۔

حضرت ابو عثمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اخلاص یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے خالق کی طرف دیکھے اور یوں مخلوق کو دیکھنا
بھول جائے ـــــ اس قول میں صرف ریا کی آفت کی طرف اشارہ ہے اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا عمل میں اخلاص
یہ ہے کہ شیطان اس پر مطلع نہ ہو ورنہ وہ اسے بگاڑ دے گا اور نہ فرشتوں کو اس کا علم ہو کہ وہ اسے لکھیں۔
یہ محض پوشیدہ رکھنے کی طرف اشارہ ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اخلاص وہ چیز ہے جو مخلوق سے پوشیدہ اور ملاوٹ سے پاک ہو۔ یہ قول تمام مقاصد
کو جامع ہے۔

حضرت محاسبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اخلاص یہ ہے کہ رب کے معاملے سے مخلوق کو نکال دے۔ اس قول میں محض

marfat.com

ریا کی نفی کی طرف اشارہ ہے اسی طرح حضرت خواص رحمہ اللہ نے فرمایا جو شخص ریاست (اقتدار اور دوسروں پر برتری) کا پیالہ پیتا ہے وہ بندگی کے اخلاص سے نکل جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ کس کا عمل خالص ہے؟ آپ نے فرمایا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرتا ہے اسے یہ بات پسند نہیں ہوتی کہ اس پر کوئی اس کی تعریف کرے تو یہ بھی ریا کو چھوڑنے کی بات ہے آپ نے اس بات کو خاص طور پر اس لیے ذکر فرمایا کہ اخلاص میں خلل کا یہ سب سے مضبوط سبب ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اخلاص، عمل کے کدورتوں سے پاک ہونے کا نام ہے۔ حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کو چھوڑنا ریا ہے اور ان کے لیے عمل کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان دونوں مصیبتوں سے بچائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اخلاص دائمی مراقبہ (اعمال کی حفاظت) اور نفسانی اغراض کو بھولنے کا نام ہے۔

یہ کامل بیان ہے ورنہ اس سلسلے میں بے شمار اقوال ہیں لیکن حقیقت واضح ہو جانے کے بعد زیادہ باتیں نقل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں اور اس سلسلے میں شافی بیان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے آپ سے اخلاص کے بارے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

اَنْ تَقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ ثُمَّ تَسْتَقِیْمَ کَمَا اُمِرْتَ۔ (۱)

تم کہو کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے پھر اس پر استقامت اختیار کرو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا۔

یعنی اپنے نفس اور خواہش کے پجاری نہ بنو اور صرف اپنے رب کی عبادت کرو اور اس کی عبادت میں اسی طرح سیدھی راہ پر رہو جس طرح تمہیں حکم دیا گیا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے غیر سے نظر کو دور ہٹا دے اور یہی سچا اخلاص ہے۔

فصل ۴:

اخلاص میں پائی جانے والی آفات اور آمیزشوں کے درجات

وہ آفات جو اخلاص کو مکدر کر دیتی ہیں ان میں سے بعض واضح ہیں اور بعض پوشیدہ ہیں اور بعض واضح ہونے کے باوجود کمزور ہیں جب کہ بعض پوشیدہ ہونے کے باوجود قوی و مضبوط ہیں اور پوشیدہ و ظاہر ہونے کے حوالے سے ان کے درجات کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے اور اخلاص کو سب سے زیادہ خراب کرنے والی چیز ریاکاری ہے تو اس سلسلے میں

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۹۴، ابواب الفتن۔

marfat.com

ل بیان کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص خلوص سے نماز پڑھ رہا ہو تو شیطان اس کو آفت میں مبتلا کرتا ہے
ہ کہ جب کچھ لوگ اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہوں یا اس کے پاس کوئی شخص آئے تو شیطان کہتا ہے اچھی طرح
ر پڑھو تاکہ دیکھنے والا تمہیں تعظیم کی نگاہ سے دیکھے اور تجھے اچھا سمجھے نہ تو تجھے حقارت کی نگاہ سے دیکھے اور نہ تمہاری
ت کرے، اب یہ شخص شیطان کی بات سن کر اپنے اعضاء میں خشوع ظاہر کرے اور اچھے طریقے سے نماز ادا کرے تو یہ
خ ریا ہے حتیٰ کہ ابتدائی مریدین پر بھی مخفی نہیں ہوتا۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ مرید اس آفت کو سمجھ گیا اور اس نے اس سے بچاؤ کی راہ اختیار کر لی اور وہ شیطان کی اطاعت
ں کرتا اور نہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے بلکہ پہلے کی طرف نماز کو جاری رکھتا ہے تو اب شیطان کسی خیر کے بہانے سے
ے کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے تیری اتباع اور اقتدا کی جاتی ہے اور تجھے دیکھا جاتا ہے تو جو عمل کرتا ہے لوگ اس سے
ر لیتے ہیں اور تیری اقتدا کرتے ہیں اگر تو اچھا عمل کرے گا تو ان کے عمل کا ثواب بھی پائے گا۔ اور اگر برا کرے گا تو ان کا گناہ بھی
ھ پر ہو گا لہٰذا اس آدمی کے سامنے اچھا کرو ہو سکتا ہے وہ خشوع و خضوع اور اچھی طرح عبادت کرنے میں تیری اقتدا
رے۔ یہ درجہ پہلے درجے کی نسبت کچھ پوشیدہ ہے اور بعض اوقات اس صورت میں وہ لوگ بھی دھوکے کا شکار ہو جاتے
ں جو پہلی صورت میں نہیں ہوتے یہ بھی عین ریاکاری ہے اور اس سے اخلاص باطل ہو جاتا ہے کیوں کہ اگر وہ خشوع اور
سن عبادت کو اچھا سمجھتا ہے کہ دوسرے کے لیے اسے چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتا تو خلوت میں اس کو اپنانے پر راضی کیوں نہیں
وتا اور یہ بات ممکن نہیں کہ اپنے نفس کے مقابلے میں دوسرے کے نفس کو زیادہ عزیز سمجھے پس یہ محض دھوکہ ہے بلکہ پیشوا تو
شخص ہے جو اپنے آپ سیدھے راستے پر ہو اور اس کا دل روشن ہو پھر یہ نور دوسروں تک پہنچے اور اس کو ثواب حاصل
ہو۔ لیکن یہ تو محض منافقت اور دھوکہ ہے پس جو شخص اس کی اقتدا کرے گا اسے ثواب حاصل ہو گا لیکن خود اس سے
س بات کی باز پرس ہو گی کہ اس نے دھوکہ کیا اور جو کچھ اس میں ظاہر نہ تھا اس سے اپنے آپ کو موصوف بتایا۔

تیسرا درجہ پہلے دونوں درجوں سے بھی زیادہ دقیق ہے کہ اس سلسلے میں بندہ اپنی آزمائش کرے اور شیطان کے
مر و فریب سے آگاہ ہو اور جان لے کہ خلوت کی صورت میں عبادت کی کیفیت کا کچھ اور ہونا اور کسی کے سامنے دوسری
یفیت کا ہونا محض ریا ہے اور اس بات کو بھی جان لے کہ اخلاص اس چیز کا نام ہے کہ خلوت میں نماز لوگوں کے سامنے
والی نماز کی طرح ہو اسے اپنے آپ سے بھی حیا آئے اور اپنے رب سے بھی حیا کرے کہ خلوت میں جو خشوع پایا جاتا ہے
لوگوں کے سامنے اس سے زائد خشوع ہو پھر خلوت میں اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو اور اپنی نماز کو اس طریقے پر اچھا بنائے
جس طریقے کو لوگوں کے سامنے پسند کرتا تھا۔ اور لوگوں کے سامنے بھی اسی طریقے پر نماز پڑھے تو یہ باریک قسم کی ریاکاری
ہے کیوں کہ اس نے علیحدگی میں نماز کو اس لیے اچھا کیا کہ لوگوں کے سامنے بھی اسی طرح اچھا بنائے تو اب خلوت اور مجمع دونوں
میں اس کی توجہ مخلوق کی طرف ہو گی بلکہ اخلاص تو یہ ہے کہ اس کی نماز کی طرف جانوروں اور انسانوں کا دیکھنا برابر ہو گویا اس

marfat.com

کا دل برداشت نہیں کرتا کہ لوگوں کے سامنے نماز بری طرح ادا کرے پھر اپنے دل میں شرماتا ہے کہ کہیں ریاکاروں میں سے نہ ہو جائے اور وہ خیال کرتا ہے کہ جب خلوت اور مجلس کی نماز ایک جیسی ہو جائے گی تو ریاکاری ختم ہو جائے گی۔

لیکن یہ بات صحیح نہیں بلکہ ریاکاری کا زوال اس وقت ہوگا کہ خلوت اور اجتماع دونوں صورتوں میں مخلوق پیش نظر نہ ہو جس طرح جمادات کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ تو یہ شیطان کے خفیہ فریب ہیں۔

چوتھا درجہ سب سے زیادہ باریک اور خفی ہے کہ لوگ اسے نماز میں دیکھیں اور شیطان یہ بات کہنے سے عاجز آ جائے کہ ان کے لیے خشوع اختیار کر دیکھوں کہ شیطان اس بات کو جانتا ہے کہ وہ شخص یہ بات سمجھ چکا ہے اس لیے شیطان کہتا ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال میں غور کرو اور دیکھو تم کس کے سامنے کھڑے ہو اور اس بات سے حیا کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو دیکھے اور تمہارا دل اس سے غافل ہو اس خیال کے آنے سے اس کا دل حاضر ہوتا ہے اور اعضاء میں خشوع پیدا ہوتا ہے اور وہ اسے عین اخلاص سمجھتا ہے حالاں کہ یہ تو خالص مکر اور دھوکہ ہے اگر اس کا خشوع اللہ تعالیٰ کے جلال کو دیکھتے ہوئے ہوتا تو تنہائی میں بھی یہ خطرہ ہوتا اور یہ حالت دوسروں کے دیکھنے کے ساتھ خاص نہ ہوتی اس آفت سے محفوظ ہونے کی علامت یہ ہے کہ یہ خیال تنہائی میں بھی اس کے دل میں جاری ہے جس طرح مجلس میں رہتا ہے اور دوسروں کی موجودگی اس خیال کی حاضری کا سبب نہ ہو جس طرح جانوروں کی موجودگی اس خیال کا باعث نہیں ہوتی پس جب تک وہ انسانی مشاہدے اور جانور کے مشاہدے میں فرق کرتا ہے اخلاص کی صفائی سے خارج رہے گا اور اس کا باطن شرک خفی یعنی ریا سے ملوث رہے گا اور یہ شرک انسان کے دل میں سیاہ چیونٹی کے سخت اندھیری رات میں سخت پتھر پر چلنے سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ (۱)

شیطان سے وہی شخص بچ سکتا ہے جو گہری نظر رکھتا ہو اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور اس کی توفیق سے سعادت مند ہو ورنہ شیطان ہر وقت ان لوگوں کی تاک میں رہتا ہے جو عبادت خداوندی میں مستعد ہوتے ہیں وہ ان سے ایک لحظہ کے لیے بھی غافل نہیں ہوتا اور ان کو ہر حرکت میں ریاکاری پر ابھارتا ہے حتیٰ کہ آنکھوں میں سرمہ لگائے مونچھیں کاٹنے، جمعہ کے دن خوشبو لگانے اور کپڑے پہننے میں ریاکاری کرتے ہیں یہ امور مخصوص اوقات میں سنت ہیں اور نفس کے لیے ان میں ایک خفی غرض ہے کیوں کہ لوگ ان کاموں کو دیکھتے ہیں اور طبیعت ان سے مانوس ہوتی ہے اس لیے شیطان ان کاموں کے کرنے کی طرف بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سنت ہے اس لیے ایسے چھوڑنا نہیں چاہیے اور نفس کو اس تقریر سے اس لیے ترغیب ہوتی ہے کہ اس میں خفیہ شہوتیں موجود ہیں یا اس میں کچھ آمیزش ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اخلاص کی حد سے نکل جاتا ہے اور جو ان تمام آفات سے محفوظ نہ ہو وہ خالص نہیں بلکہ جو شخص ایسی مسجد میں طواف کرتا ہے جس کی تعمیر اور صفائی وغیرہ عمدہ ہے تو اس

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۲۹۱ کتاب التفسیر

marfat.com

سے طبیعت مانوس ہوتی ہے اور شیطان اس سلسلے میں اسے رغبت دیتا ہے اور اعتکاف کے فضائل کثرت سے بیان کرتا ہے اور بعض اوقات اس کا محرک خفی مسجد کی خوبصورتی کی وجہ سے اس سے مانوس ہونا اور اس میں طبیعت کا آرام پانا ہے اور یہ بات اس وقت واضح ہوتی ہے جب ایک مسجد، دوسری کے مقابلہ میں زیادہ خوبصورت ہو اور اس وجہ سے اس کی طرف میلان ہو اور ان سب صورتوں میں طبیعت کی آمیزش اور نفس کی کدورت ملی ہوتی ہے اور یہ بات اخلاص کو باطل کر دیتی ہے جس طرح خالص سونے میں کھوٹ ملی ہوئی ہو تو اس کے لیے درجات ہیں۔ بعض اوقات کھوٹ غالب ہوتی ہے اور بعض کھوٹ کم ہوتی ہے لیکن جلد معلوم ہو جاتی ہے اور کبھی نہایت دقیق ہوتی ہے تجربہ کار آدمی کے سوا کسی کو پتہ نہیں چلتا۔

لیکن دل کی کھوٹ شیطان کا مکر و فریب اور نفس کا خبث اس سے بھی زیادہ پوشیدہ اور دقیق ہوتا ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ عالم کی دو رکعتیں جاہل کی ایک سال کی عبادت سے افضل ہیں اور اس سے وہ عالم مراد ہے جو اعمال کی باریک و دقیق آفات کی بصیرت رکھتا ہو تاکہ ان آفات سے اپنے اعمال کو صاف کر سکے کیوں کہ جاہل کی نظر ظاہری عبادت پر ہوتی ہے اور اسی سے وہ دھوکہ کھا جاتا ہے جس طرح ایک دیہاتی جو دینار کو دیکھتا ہے کہ سرخ اور گول ہے حالاں کہ وہ کھوٹا اور نکما سا دینار ہوتا ہے جب کہ تھوڑا سا خالص سونا جس کو تجربہ کار شخص پرکھتا ہے اس دینار سے بہتر ہے جس کو غبی اور ناواقف شخص اچھا سمجھتا ہے۔

پس عبادات میں تفاوت کا بھی یہی مسئلہ ہے بلکہ یہ اس سے بھی زیادہ سخت اور بڑا ہے اور جس قدر آفات اعمال میں داخل ہوتی ہیں وہ شمار سے باہر ہیں لہٰذا ہم نے جو مثال بیان کی ہے اس سے نفع حاصل کرنا چاہیے سمجھدار آدمی کے لیے تھوڑی سی گفتگو بھی کافی ہے جب کہ غبی شخص کو لمبی چوڑی باتوں سے بھی فائدہ نہیں لہٰذا تفصیل میں جانا بے فائدہ ہے۔

فصل ۵:

مخلوط عمل کا حکم اور ثواب

جان لو جب عمل اللہ تعالیٰ کے لیے خالص نہ ہو بلکہ اس میں دکھاوا یا نفس کی اغراض شامل ہوں تو اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا اس سے ثواب ملے گا یا عذاب ہوگا۔؟ یا کچھ بھی نہیں ہوگا ثواب نہ عذاب۔ لیکن جس عمل میں ریاکاری ہی مقصود ہو وہ قطعی طور پر نقصان دِہ ہے اور وہ ناراضگی اور عذاب کا سبب ہے اور جو عمل اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہو وہ باعثِ ثواب ہے اختلاف صرف مخلوط عمل میں ہے احادیث کے ظاہر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس عمل کا ثواب نہیں ہوگا اور اس سلسلے میں روایات میں تعارض ہے (۱)

---

(۱) سنن ابوداؤد میں ہے ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا یا رسول اللہ ایک شخص جہاد کرتا ہے لیکن وہ سامانِ دنیا کا خواہشمند ہے آپ نے فرمایا اس کا جہاد نہیں (سنن ابی داؤد جلد اول ص ۳۴۱ کتاب الجہاد

marfat.com

ہمارے خیال میں باعثِ عمل کی طاقت کو دیکھا جائے اگر دینی اور نفسانی باعث برابر ہوں یعنی ان کا قیام اور سقوط مسا
ہو تو اس سلسلے میں ثواب و عذاب کچھ نہ ہوگا اور اگر دکھاوے کا سبب غالب اور قوی ہو تو یہ عمل نفع نہ دے گا بلکہ باعث
نقصان و عذاب ہوگا۔ ہاں اس صورت میں عذاب اس عذاب سے ہلکا ہوگا جو محض ریا کی صورت میں ہوتا ہے اور اس
عمل میں تقربِ خداوندی کی نیت بالکل نہیں ہوتی اور اگر کسی دوسرے باعث کے مقابلے میں تقربِ خداوندی غالب ہو تو
جس قدر باعثِ دینی زیادہ ہوگا اسی قدر ثواب بھی ملے گا۔ کیوں کہ ارشاد خداوندی ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ (۱)

پس جو شخص ذرہ بھر نیکی کرتا ہے وہ اسے دیکھ لے گا (اس کا ثواب پائے گا) اور جو ذرہ بھر برائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اسے بڑھا دیتا ہے۔

لہٰذا نیکی کا ارادہ ضائع نہیں ہوگا بلکہ اگر ریا کا قصد غالب ہو تو اس کے مساوی ثواب ضائع ہو جائے گا اور جو زائد ہے باقی رہ جائے گا اور اگر قصدِ ریا مغلوب ہو تو اس کے سبب سے اتنا عذاب ساقط ہو جائے گا جو محض قصد فاسد سے ہوتا ہے۔

اس بات کی تحقیق اس طرح ہے کہ اعمال کی تاثیر دلوں میں ہوتی ہے کہ جس صفت سے وہ صادر ہوتے ہیں وہ اسے پکا کرتے ہیں پس جو چیز ریا کی دعوت دیتی ہے وہ مہلکات میں سے ہے اور اس مہلک کی غذا اور قوت اس کے مطابق عمل کرنا ہے اور خیر کا داعیہ نجات دینے والے امور میں سے ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا اس صفت کو مضبوط کرنا ہے جب یہ دونوں متضاد صفات دل میں اکٹھی ہو جائیں اور پھر ریا کے تقاضے کے مطابق عمل کرے تو یہ صفت مضبوط ہو جائے گی اور تقربِ خداوندی کے تقاضے کے مطابق عمل کرے تو یہ قوت بھی مضبوط ہو جائے گی اور ان دونوں میں سے ایک مہلک ہے اور دوسری نجات دینے والی ہے اب اگر دونوں کی تقویت برابر ہو تو دونوں مساوی ہو جائیں گی مثلاً کسی شخص کو گرم چیزیں نقصان دیتی ہیں جب وہ گرم چیز کھانے کے بعد ٹھنڈی چیز کھائے جس کی طاقت گرم چیز کی طاقت کے برابر ہو تو ان دونوں کو کھانے کے بعد اس طرح ہوگا کہ گویا اس نے دونوں چیزیں نہیں کھائیں اور اگر ان میں سے ایک

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ زلزال آیت ۷، ۸

(۲) قرآن مجید، سورۃ النساء آیت ۴۰

marfat.com

ب ہو تو وہ اثر سے خالی نہ ہوگی۔ تو جس طرح کھانے، پانی اور دواؤں میں سے ذرہ بھر بھی ضائع نہیں ہوتا اور سنتِ الٰہیہ مطابق جسم پر اس کا اثر ضرور ہوتا ہے اسی طرح خیر و شر کا کوئی ذرہ بھی ضائع نہیں ہوتا اور دل کو روشن یا تاریک کرنے ذ تعالیٰ سے قرب یا دوری کے سلسلے میں اس کی تاثیر ہوتی ہے پس جب ایسا عمل کرے جو اسے بالشت بھر اللہ تعالیٰ ریب کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ عمل بھی ہو جو دُوری کا باعث ہے تو وہ پہلی حالت کی طرف لوٹ آئے گا اور نہ تو کوئی فائدہ ہوگا اور نہ ہی نقصان۔

اور اگر ایسا عمل ہو جو دو بالشت قریب کرتا ہے اور دوسرا عمل ایک بالشت دُور کرتا ہے تو ظاہر بات ہے کہ ایک ت کی فضیلت باقی رہے گی۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا (۱) برائی کے پیچھے نیکی لاؤ وہ اسے مٹا دے گی۔

جب محض ریا کو اخلاصِ محض مٹا دیتا ہے تو جس صورت میں دونوں جمع ہوں تو وہ ضرور ایک دوسرے کو دُور کریں گے۔

اور اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ جو شخص حج کے لیے جائے اور اس کے پاس تجارت کا مال بھی ہو تو اس صحیح ہوگا اور اس پر اسے ثواب بھی ملے گا اگرچہ اس میں نفسانی غرض شامل ہو گئی۔ ہاں ممکن ہے کہا جائے کہ اعمالِ ب اس وقت ملے گا جب وہ مکہ مکرمہ پہنچ جائے اور تجارت حج پر موقوف نہیں ہے پس وہ خالص ہے البتہ سفرِ حج رک ہے اور جب تجارت کی نیت ہو تو اس (سفر) کا ثواب نہیں ملے گا لیکن بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے جب محرک اصلی ہے اور تجارت کی غرض بطور مددگار اور تابع کے ہے تو نفسِ سفر بھی ثواب سے خالی نہ ہوگا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ جب کفار سے لڑیں اور مال غنیمت حاصل ہو اور دوسری صورت میں غنیمت حاصل نہ ہو تو وہ ان دونوں صورتوں میں میں پاتے لیکن یہ بات بھی عقل سے بعید ہے کہ یہ فرق ان کے ثواب کو بالکل ضائع کر دیتا ہے بلکہ انصاف کی بات تو یہ جب جہاد کا باعث اصلی اور محرکِ قوی اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہی بلند کرنا ہو اور غنیمت میں رغبت تابع ہو تو اس سے ثواب نہ ہوگا ہاں اس کا ثواب اُس کے ثواب کے مساوی نہیں ہوگا جس کا دل غنیمت کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتا کیوں کہ ن کی طرف توجہ بہرحال نقصان ہے۔

سوال:

آیات و احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ ریا سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے اور طلبِ غنیمت، تجارت اور تمام نفسانی اغراض فی میں ہیں حضرت طاؤس اور دیگر تابعین رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۵۳ مرویات ابوذر

marfat.com

اس شخص کے بارے میں پوچھا جو نیکی کرتا ہے یا آپ نے فرمایا صدقہ کرتا ہے تو پسند کرتا ہے کہ اس کی تعریف کی جا۔ اور اسے اجر ملے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب نہ دیا حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ (۱)

پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ اچھا عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو شریک نہ ٹھہرائے۔

اور اس شخص نے تعریف اور اجر دونوں کا ارادہ کیا تھا۔ (۲)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا آپ نے فرمایا۔

اَدْنَى الرِّيَاءُ شِرْكٌ۔ (۳)

تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

يُقَالُ لِمَنْ اَشْرَكَ فِيْ عَمَلِهٖ خُذْ اَجْرَكَ مِمَّنْ عَمِلْتَ لَهٗ۔ (۴)

جو شخص اپنے عمل میں شرک کرتا ہے (قیامت کے دن) اس سے کہا جائے گا کہ تو نے جس کے لیے عمل کیا ہے اسی سے اجر طلب کرو۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ (ایک حدیث قدسی) روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں شرکت سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں جو شخص میرے لیے عمل کرے اور اس میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کرے تو میں اپنا حصہ بھی اپنے شریک کے لیے چھوڑ دیتا ہوں۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کیا یا رسول اللہ! ایک شخص غیرت کے تحت لڑتا ہے دوسرا بہادری دکھانے کے لیے لڑتا ہے اور تیسرا شخص جنت میں اپنا مکان دیکھنے کے لیے لڑتا ہے (تو مجاہد فی سبیل اللہ کون ہے؟)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا

جو شخص اس لیے لڑے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہی بلند ہو

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ کہف آیت ۱۱۰

(۲) الدر المنثور جلد ۴ ص ۲۵۵ تحت آیت فمن کان یرجو لقاء ربہ

(۳) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۲۷۲ کتاب معرفۃ الصحابۃ

(۴) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۶۹ مقدمۃ الکتاب

marfat.com

فَهُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ (۱) تو وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں (مجاہد) ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم کہتے ہو فلاں شخص شہید ہے اور ہو سکتا ہے اس نے اپنے جانور کے لے چاندی سے بھر لیے ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ هَاجَرَ يَبْتَغِیْ شَيْئًا مِنَ الدُّنْيَا فَهُوَ لَهٗ۔ (۲) جو شخص دنیا کی کوئی چیز حاصل کرنے کے لیے ہجرت کرے تو اس کے لیے وہی کچھ ہوگا۔

جواب:

ہم کہتے ہیں یہ احادیث ہماری مذکورہ تقریر کے خلاف نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو شخص صرف دنیا چاہتا ہو جیسا کہ حدیث ہجرت میں گزرا اور یہی (دنیا) اس کے ارادے پر غالب ہو اور ہم نے ذکر کیا کہ یہ گناہ اور زیادتی ہے یہ بات کہ طلبِ دنیا حرام ہے بلکہ دینی کاموں کو طلبِ دنیا کا آلہ بنانا حرام ہے کیوں کہ اس میں ریا اور عبادت کو اپنی جگہ سے ل کرنا ہے۔

لیکن لفظ شرکت جہاں کہیں وارد ہوا مطلق برابری کے معنیٰ میں آیا ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب دو ارادے ی ہوں تو ساقط ہو جاتے ہیں اور نفع نقصان کچھ بھی نہیں ہوتا لہٰذا اس پر ثواب کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔

پھر انسان حالتِ شرکت میں ہمیشہ خطرے میں رہتا ہے اسے معلوم نہیں کہ دونوں باتوں میں سے کونسی بات اس ارادے پر زیادہ غالب ہوگی پس بعض اوقات وہ اس کے لیے وبال بن جاتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ (۳) پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اچھے کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

مطلب یہ ہے کہ شرکت کے ہوتے ہوئے ملاقاتِ خداوندی کی امید نہ رکھے کیوں کہ شرکت کا سب سے مضر یہ ہے کہ عمل ساقط ہو جائے۔

---

۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۰۹ کتاب الجہاد

۱) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۰۱ کتاب الصلوٰۃ

۱) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۱۱۰

marfat.com

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ منصبِ شہادت جہاد میں اخلاص کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور یہ بات کہنا بعید از
ہے کہ جس شخص کا دینی ارادہ اس انداز کا ہو کہ وہ اسے محض جہاد کی رغبت دے اگرچہ غنیمت حاصل نہ ہو اور کو
کی دونوں قسم کی جماعتوں یعنی تونگر اور مفلس (دونوں) سے لڑ سکتا ہو پس وہ مالدار جماعت کی طرف مائل ہوتا کہ اللہ تعا
کا حکم بھی بلند ہو اور غنیمت بھی حاصل ہو تو اسے ثواب بالکل نہیں ملے گا اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ معاملہ اس انداز کا ہو
کیوں کہ یہ دین میں حرج کا باعث ہے اور اس سے مسلمان مایوسی کا شکار ہوتے ہیں کیوں کہ اس قسم کے ضمنی آمیز
سے انسان کبھی بھی خالی نہیں ہوتا ہاں نادر صورتیں مستثنیٰ ہیں اور اس قسم کی بات ثواب میں کمی پیدا کرتی ہے عمل کو
ضائع نہیں کرتی۔

ہاں اس میں انسان کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے کیوں کہ بعض اوقات وہ خیال کرتا ہے کہ قوی سبب تقرب
کا قصد ہے حالاں کہ اس کے دل میں نفسانی اغراض غالب ہوتی ہیں اور یہ بات نہایت خفی ہوتی ہے پس اجر کا حصو
صرف اخلاص کی بنیاد پر ہوتا ہے اور انسان اگرچہ بہت زیادہ احتیاط کرے اسے اپنے نفس سے اخلاص کا یقین
کم ہوتا ہے۔

اسی لیے مناسب ہے کہ وہ ہمیشہ خوب کوشش کرے اور قبول و رد کے درمیان متردد رہے اور اس بات کا
خوف رکھے کہ کہیں اس کی عبادت میں ایسی آفت نہ آ جائے جس کا وبال ثواب کے مقابلے میں زیادہ ہو ارباب بصیرت
خوف رکھنے والے تھے وہ اسی طرح کرتے تھے۔ اور ہر صاحبِ بصیرت کو اسی طرح کرنا چاہیے۔ اسی لیے حضرت سفیان
نے فرمایا میں اپنے ظاہر ہونے والے عمل پر اعتماد نہیں کرتا۔

حضرت عبدالعزیز بن رواد رحمہ اللہ نے فرمایا میں اس گھر (بیت اللہ شریف) کا ساٹھ سال مجاور رہا اور میں نے سا
حج کیے لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے جو عمل بھی کیا اس میں اپنے نفس کا محاسبہ کیا تو شیطان کا حصہ اللہ تعالیٰ کے حصے
زیادہ پایا کاش میرا حساب برابر ہو نفع نہ ہو تو نقصان بھی نہ ہو۔

لیکن اس کے باوجود آفت اور ریا کے خوف سے عمل کو چھوڑنا مناسب نہیں کیوں کہ شیطان کی انتہائی آرزو یہی ہے
مقصود تو یہ ہے کہ اخلاص نہ جانے پائے اور جب عمل کو چھوڑے گا تو عمل اور اخلاص دونوں چلے جائیں گے۔

منقول ہے کہ ایک فقیر حضرت ابو سعید خراز رحمہ اللہ کی خدمت کیا کرتا اور ان کے اعمال میں مدد کرتا ایک دن
حضرت ابو سعید رحمہ اللہ نے حرکات کے سلسلے میں اخلاص کا ذکر کیا تو فقیر ہر حرکت میں دل کی نگرانی کرنے لگا
اور اخلاص کو تلاش کرتا۔ چنانچہ اس کے لیے حاجات کی تکمیل بھی مشکل ہو گئی جس سے شیخ کو نقصان ہوا انہوں نے فقیر
سے پوچھا کہ کام کیوں نہیں کرتے تو اس نے بتایا کہ میں نفس سے حقیقت اخلاص طلب کرتا ہوں اور میرا نفس اخلاص
سے عاجز ہے لہذا میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔

marfat.com

حضرت ابو سعید رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا اس طرح نہ کرو کیوں کہ اخلاص عمل کو ختم نہیں کرتا لہٰذا ہمیشہ عمل کرو اور اخلاص بخش کرو میں نے تم سے یہ نہیں کہا کہ عمل چھوڑ دو میں نے تو صرف یہ کہا کہ عمل میں اخلاص پیدا کرو۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا لوگوں کی وجہ سے عمل کو چھوڑنا ریا ہے اور مخلوق کو دکھانے کے لیے عمل شرک ہے۔

marfat.com

تیسرا باب

صدق اور اس کی فضیلت و حقیقت

فصل ۱:

فضیلتِ صدق

ارشاد خداوندی ہے۔

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (۱)

کچھ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ سچ کر دیا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي اِلَى الْبِرِّ وَالْبِرَّ يَهْدِي اِلَى الْجَنَّةِ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا وَاِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي اِلَى الْفُجُوْرِ وَالْفُجُوْرُ يَهْدِي اِلَى النَّارِ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا۔

بے شک سچ نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کا راستہ دکھاتی ہے اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ صدیق (بہت سچ بولنے والا) لکھ دیا جاتا ہے اور بلاشبہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کا راستہ دکھاتا ہے اور آدمی مسلسل جھوٹ بولتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب (بہت جھوٹ بولنے والا) لکھا جاتا ہے۔ (۲)

فضیلتِ صدق کے بارے میں اتنی بات کافی ہے کہ لفظ صدیق، صدق سے مشتق ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی تعریف میں لفظ صدیق ذکر فرمایا سارشاد خداوندی ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ

اور کتاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیجئے بیشک

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ احزاب آیت ۲۳

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۰۰، کتاب الادب

marfat.com

صِدِّیْقًا نَّبِیًّا۔ (۱) آپ سچے نبی تھے۔

ور فرمایا۔

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ اِنَّهٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَکَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا (۲) اور کتاب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کیجیے آپ وعدے کے سچے اور رسول، نبی ہے۔

ور ارشاد خداوندی ہے۔

اُذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِدْرِیْسَ اِنَّهٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا۔ (۳) اور کتاب میں حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر کریں بیشک آپ سچے نبی تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جس شخص میں یہ چار باتیں ہوں وہ نفع حاصل کرتا ہے سچائی، حیا، اچھے اور شکر۔

حضرت بشر بن حارث رحمہ اللہ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے سچائی کا معاملہ کرتا ہے وہ لوگوں سے دُور رہتا ہے۔

حضرت ابو عبداللہ ملی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت منصور دینوری رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا تو میں نے پوچھا اللہ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا اس نے مجھے بخش دیا اور مجھ پر رحم فرمایا اور مجھے وہ کچھ عطا فرمایا جس کی مجھے تمنا تھی۔ میں نے پوچھا اللہ تعالیٰ کی طرف بندہ کس چیز کے ذریعے اچھی طرح متوجہ ہوتا ہے؟ فرمایا سچ کے ساتھ اور سب سے بڑی چیز جس کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ جھوٹ ہے۔

حضرت ابو سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں سچ کو اپنی سواری اور حق کو اپنی تلوار بناؤ اور اللہ تعالیٰ ہی تمہاری طلب کی غایت ہیے۔

ایک شخص نے کسی دانا آدمی سے کہا میں نے کوئی سچا آدمی نہیں دیکھا۔ انہوں نے فرمایا اگر تو خود سچا ہوتا تو سچے لوگوں کو پا لیتا۔

حضرت محمد بن علی کتانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم نے اللہ تعالیٰ کے دین کو تین باتوں یعنی حق، صدق اور عدل پر پایا پس حق اعضاء پر ہوتا ہے، عدل دلوں پر اور سچ عقلوں پر ہوتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ مریم آیت ۴۱
(۲) قرآن مجید سورۃ مریم آیت ۵۴
(۳) قرآن مجید سورۃ مریم آیت ۵۶

marfat.com

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۔ (۱)

اور قیامت کے دن تم ان لوگوں کے چہروں کو سیاہ دیکھو گے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کیا لیکن یہ سچے نہ تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد علیہ السلام! جو شخص دل سے میری تصدیق کرتا ہے میں مخلوق کے سامنے علانیہ طور پر اس کو سچا کرتا ہوں۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ کی مجلس میں ایک شخص نے چیخ ماری اور اپنے نفس کو دجلہ میں ڈال دیا حضرت شبلی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر یہ شخص سچا ہوا تو اللہ تعالیٰ اسے نجات دے گا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی اور اگر جھوٹا ہے اللہ تعالیٰ اسے غرق کرے گا جس طرح فرعون کو غرق کیا بعض بزرگوں نے فرمایا کہ فقہاء اور علماء کا تین باتوں پر اتفاق ہے اگر وہ صحیح ہو جائیں تو آدمی نجات پا لیتا ہے اور وہ تینوں باتیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر پوری ہوتی ہیں۔ اسلام جو ہوا اور خواہش سے خالص ہو، اعمال میں اللہ تعالیٰ کے لیے صدق اور پاکیزہ کھانا۔

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے تورات کے حاشیے میں بیس حروف ایسے پائے جن کو بنی اسرائیل کے نیک لوگ اکٹھے ہو کر پڑھا کرتے تھے وہ الفاظ یہ ہیں۔

علم سے بڑھ کر کوئی خزانہ نافع نہیں، بردباری سے زیادہ نفع بخش کوئی مال نہیں غصے سے بڑھ کر کوئی نسب ہلکا نہیں سے زیادہ بہتر کوئی ساتھی نہیں جہالت سے برا کوئی دوست نہیں، تقویٰ سے بڑھ کر کوئی عزت نہیں خواہش کو چھوڑنے سے کوئی کرم نہیں، فکر سے زیادہ افضل کوئی عمل نہیں صبر سے اعلیٰ کوئی نیکی نہیں تکبر سے زیادہ رسوا کوئی برائی نہیں، نرمی سے نرم کوئی دوا نہیں، بیوقوفی سے زیادہ دردناک کوئی بیماری نہیں، حق سے بڑھ کر عادل کوئی رسول نہیں کوئی دلیل سچائی سے بڑھ کر خیر خواہ نہیں، طمع سے بڑھ کر کوئی فقر ذلیل تر نہیں مال جمع کرنے سے بڑھ کر کوئی بدبخت مال داری نہیں صحت سے زیادہ اچھی کوئی زندگی نہیں، عفت سے زیادہ محافظ کوئی معیشت نہیں خشوع سے زیادہ اچھی کوئی عبادت نہیں، قناعت سے بہتر کوئی نہیں خاموشی سے زیادہ حفاظت کرنے والا کوئی نگران نہیں اور کوئی غالب چیز موت سے بڑھ کر قریب نہیں۔

حضرت محمد بن سعید مروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب تم اللہ تعالیٰ کو سچائی کے ساتھ طلب کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ میں ایک ایسا آئینہ دے گا کہ تم دنیا اور آخرت کے عجائب میں سے ہر چیز دیکھو گے۔

حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سچائی کی حفاظت کرو اور اپنے اور لوگوں کے درمیان نرمی اختیار کرو حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا بندہ اپنے امور کی اصلاح کے لیے

---

(۱) قرآن مجید سورۂ زمر آیت ۶۰

marfat.com

کوئی راستہ پاتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔

قَدْ یَقِیْنَا مِنَ الذُّنُوْبِ حَیَارٰی نَطْلُبُ الصِّدْقَ مَا اِلَیْہِ سَبِیْلٌ فَدَعَاوِی الْھَوٰی تَخِفُّ عَلَیْنَا وَخِلَافُ الْھَوٰی عَلَیْنَا ثَقِیْلٌ۔

ہم گناہوں کے باعث حیران ہیں ہم سچائی چاہتے ہیں لیکن اس کی طرف کوئی راستہ نہیں ہمارے لیے عشق کا دعویٰ آسان ہے لیکن خواہش کی خلاف ورزی بہت مشکل ہے۔

حضرت سہل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ہمارے اس معاملے کی اصل کیا ہے آپ نے فرمایا صدق، سخاوت اور شجاعت، رض کیا گیا اضافہ فرمائیے فرمایا تقویٰ، حیا اور حلال غذا ——

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

قَوْلُ الْحَقِّ وَالْعَمَلُ بِالصِّدْقِ۔ سچی بات اور سچائی کے ساتھ عمل۔

ارشاد خداوندی ہے۔

لِیَسْئَلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِھِمْ (۱) تاکہ وہ سچوں سے ان کے سچ کے بارے میں پوچھے۔

حضرت جنید رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ جو لوگ اپنے آپ کو سچا سمجھتے ہیں ان کے رب کے ہاں ان سے اس صداقت کے بارے میں سوال ہوگا اور یہ پُرخطر معاملہ ہے۔

فصل ۲:

صدق کی حقیقت، معنیٰ اور مراتب

جان لو اصدق چھ معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) گفتگو میں صدق (۲) نیت و ارادہ میں صدق (۳) عزم میں صدق (۴) ارادے کو پورا کرنے میں صدق (۵) عمل میں صدق (۶) تمام مقامات دین کی تحقیق میں صدق۔

پس جو شخص ان تمام معانی میں صدق سے موصوف ہو وہ صدیق ہے کیوں کہ وہ صدق میں انتہائی درجہ تک پہنچتا ہے اور صادقین کے بھی بہت سے درجات ہیں پس جس شخص میں کسی خاص چیز میں صدق پایا جائے وہ اسی چیز کی نسبت سے صادق کہلائے گا۔

پہلا صدق :۔ یہ زبان کا صدق ہے اور یہ صرف خبریں دینے میں یا ان باتوں میں ہوتا ہے جو خبروں میں شامل ہوں

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ احزاب آیت ۸

marfat.com

اور ان سے آگاہی ہو اور خبر یا تو ماضی سے متعلق ہوتی ہے یا مستقبل سے اور اس میں وعدے کو پورا کرنا اور اس کی خلاف ورزی کرنا بھی داخل ہے ہر بندے پر لازم ہے کہ اپنے الفاظ کی حفاظت کرے لہٰذا سچی بات ہی کہے صداقت کی اقسام میں سے سب سے زیادہ مشہور اور ظاہر یہی قسم ہے پس جو شخص خلافِ حقیقت خبر دینے سے اپنی زبان کی حفاظت کرے وہ سچا ہے۔

لیکن اس صدق کے دو کمال ہیں ایک کنایات سے بچنا کیوں کہ کہا گیا ہے کہ کنایات میں جھوٹ کے لیے کھلا میدان ہے کیوں کہ یہ بھی جھوٹ کے قائم مقام ہیں اس لیے کہ جھوٹ میں یہی بات ممنوع ہے کہ جو بات جس طرح ہے اس کے خلاف سمجھائی جائے۔ لیکن اس کی ضرورت پڑتی ہے اور بعض اوقات مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے مثلاً بچوں اور عورتوں وغیرہ کو ادب سکھانے، دشمنوں کے ساتھ لڑائی اور ان کو مملکت کے اسرار پر اطلاع سے احتراز کرنے ظالموں سے بچاؤ وغیرہ کے سلسلے میں اگر کوئی شخص جھوٹ بولنے پر مجبور ہو تو سچائی کے باقی رہنے کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے وہ گفتگو کرے جس کا حق نے اس کو حکم دیا اور وہی دین کا تقاضا ہے اس سلسلے میں وہ سچا ہو گا اگرچہ بظاہر اس کا کلام خلافِ حقیقت سمجھا جاتا ہے۔ کیوں کہ صدق ذاتی طور پر مراد نہیں ہوتا بلکہ حق پر دلالت اور اس کی طرف دعوت مقصود ہوتی ہے لہٰذا اس کی صورت کو دیکھنے کی بجائے اس کے معنیٰ کو دیکھا جائے۔

ہاں ایسی جگہوں میں جہاں تک ممکن ہو سکے کنایات کی طرف رجوع کیا جائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر کی طرف تشریف لے جانا چاہتے تو اسے چھپاتے (۱) تاکہ یہ خبر دشمنوں تک نہ پہنچ جائے اس طرح وہ آپ کا قصد کریں گے۔ اور یہ بات جھوٹ نہ ہوتی کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَيْسَ بِكَذَّابٍ مَنْ اَصْلَحَ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَقَالَ خَيْرًا اَوْ نَمٰى خَيْرًا۔ (۲)

وہ شخص جھوٹا نہیں جو دو آدمیوں کے درمیان صلح کراتے ہوئے اچھی بات کہے یا نیکی کو بڑھائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین جگہوں میں مصلحت کے موافق بات کرنے کی اجازت دی ہے (۱) وہ شخص جو دو آدمیوں کے درمیان صلح کرائے (۲) جس کی دو بیویاں ہوں اور (۳) وہ شخص جو لڑائی کی مصلحتوں کو پیش نظر رکھے یہاں سچائی نیت کی طرف پھر جاتی ہے پس جب اس کی نیت صحیح اور قصد درست ہو اور محض بھلائی کا ارادہ ہو تو وہ صادق و صدیق ہو گا اس کے الفاظ کچھ بھی ہوں پھر اس میں بھی کنایہ کا استعمال زیادہ بہتر ہے اور اس کا طریقہ جس طرح بعض بزرگوں سے منقول ہے اس طرح ہے کہ ظالم ان کی تلاش میں تھے اور وہ گھر میں موجود تھے انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۱۴ کتاب الجہاد

(۲) المعجم الصغیر للطبرانی جلد اول ص ۱۰۲ باب من اسمہ اسماعیل

marfat.com

ی انگلی سے دائرہ کھینچا اور دائرے میں انگلی رکھ کر کہو کہ وہ یہاں نہیں ہیں اس طرح وہ جھوٹ سے اور ظالم کے ظلم دونوں سے بچ جاتے اور ان کی بات بھی سچ تھی لیکن ظالم سمجھتا کہ وہ گھر میں نہیں ہیں۔

تو کلام میں سب سے پہلا کمال تو یہ ہے کہ صریح جھوٹ اور کنایات دونوں سے بچے البتہ ضرورت کے وقت استعمال ہے۔ اور دوسرا کمال یہ ہے کہ ان الفاظ میں سچائی کے معنی کی رعایت کرے جن کے ذریعے اپنے رب سے مناجات ہے مثلاً وہ کہتا ہے میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا پس اگر اس کا دل ہ تعالیٰ سے پھرا ہوا ہو اور دنیا کی امیدوں اور خواہشات میں مشغول ہو تو یہ جھوٹ ہے اسی طرح وہ کہتا ہے "اِیَّاکَ بُدُ" (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) اور کہتا ہے "اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ" (میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں) تو اگر وہ حقیقتِ عبودیت ے متصف نہ ہو اور اس کا مطلوب اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ اور ہو تو اس کا کلام سچا نہ ہوگا اور اگر قیامت کے دن اس سے مطالبہ کیا گیا کہ اپنے اس قول کی سچائی ثابت کرو تو وہ اس کو ثابت کرنے سے عاجز ہوگا کیوں کہ یہ شخص تو اپنے نفس بندہ تھا یا دنیا کی پوجا کرتا تھا یا خواہشات کا پجاری تھا اور اپنے قول میں سچا نہ تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔

اور آدمی جس چیز کا پابند ہو جائے اسی کا بندہ کہلاتا ہے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "اے دنیا کے دو!" اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ وَعَبْدُ الْحُلَّةِ وَعَبْدُ الْخَمِیْصَةِ۔(۱)

دینار کا بندہ ہلاک ہوا درہم کا بندہ ہلاک ہوا لباس اور جُبّے کا بندہ ہلاک ہو۔

تو جس شخص کا دل جس چیز کی قید میں تھا اس کو اسی کا بندہ فرمایا اللہ تعالیٰ کا سچا بندہ تو وہ ہے جو سب سے پہلے غیر خدا سے آزاد ہو کر مطلق آزاد ہو جاتا ہے جب یہ آزادی آئے گی تو دل فارغ ہو جائے گا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بندگی جائے گی اور اس سے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی محبت میں مشغول ہو جائے گا اور اس کا ظاہر و باطن اطاعتِ خداوندی ی قید میں مقید ہو جائے گا اب اس کی مراد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہوگی پھر یہ مقام طے کرنے کے بعد بندہ اس سے ی بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے جسے حریت کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے خود بخود ارادہ کرنے سے بھی آزاد ہو جاتا ہے بلکہ اللہ الیٰ اس کے لیے جو کچھ چاہتا ہے وہ قریب کرنے کا ہو یا دور کرنے کا، اسی پر قناعت کرتا ہے اور اب اس کا ارادہ للہ تعالیٰ کے ارادے میں فنا ہو جاتا ہے یہ بندہ غیر اللہ سے آزاد ہو جاتا ہے پھر اپنے نفس سے بھی آزاد ہو جاتا ہے اور پنے نفس سے بھی نیت دنا بود ہو جاتا ہے اور اپنے آقا و مولیٰ کے لیے موجود رہتا ہے اگر وہ اسے حرکت دے تو حرکت رتا ہے اور اگر وہ اسے ٹھہرنے کا حکم دے تو ٹھہر جاتا ہے اگر کسی آزمائش میں ڈالے تو اس پر راضی رہتا ہے۔ اور

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۱۵، ابواب الزھد

marfat.com

اب اس میں طلب، التماس اور اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح ہوتا ہے جس طرح غسل دینے والے کے سامنے میت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے بندگی میں صدق کی انتہا یہ ہے پس سچا بندہ وہی ہے جس کا وجود اپنے مالک و مولیٰ کے لیے ہوتا ہے اپنے نفس کے لیے نہیں اور یہ صدیقین کا درجہ ہے۔

غیر خدا سے آزادی سچے لوگوں کا درجہ ہے اس کے بعد عبودیت خداوندی حاصل ہوتی ہے اس سے پہلے بندہ نہ صادق کہلا سکتا اور نہ ہی صدیق ——— قول میں صدق کا یہ مطلب ہے۔

دوسرا صدق:

یہ صدق ارادے اور نیت سے متعلق ہے اور یہ اخلاص کی طرف لوٹتا ہے یعنی حرکات و سکنات کا باعث صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے اگر اس میں کوئی نفسانی غرض بھی آجائے تو صدقِ نیت باطل ہو جاتا ہے اور ایسے شخص کو جھوٹا کہنا صحیح ہے جس طرح ہم نے اخلاص کی فضیلت کے ضمن میں تین آدمیوں کے سلسلے میں حدیث نقل کی ہے یعنی عالم، سخی اور شہید سے سوال ہوگا کہ تم نے کیا عمل کیا تو وہ کہیں گے ہم نے فلاں فلاں عمل کیا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے جھوٹ بولا ہے تمہارا ارادہ، یہ تھا کہ تمہیں عالم کہا جائے (۱)

تو اللہ تعالیٰ یوں نہیں فرمائے گا کہ تو نے عمل نہیں کیا بلکہ اسے اس کے ارادے اور نیت کے حوالے سے جھٹلائے گا۔

بعض حضرات نے فرمایا قصد میں توحید کی صحت صدق ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (۲) اور اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔

حالانکہ انہوں نے کہا کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور یہ سچ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے زبانی کلام کو نہیں جھٹلایا بلکہ قلبی پوشیدہ بات کے اعتبار سے جھٹلایا اور تکذیب خبر کے حوالے سے ہوئی ہے اور یہ قول قرینۂ حال سے خبر دینے کو متضمن ہے کیوں کہ کہنے والا اپنا عقیدہ زبان سے بتا رہا ہے تو دل میں پوشیدہ بات ہر حال کی دلالت کی بنیاد پر جھٹلایا گیا تو دل کی بات کو جھٹلایا تلفظ کو نہیں جھٹلایا۔ تو صدق کا ایک معنیٰ خلوصِ نیت کی طرف لوٹتا ہے اور وہ اخلاص ہے پس ہر صادق کا مخلص ہونا ضروری ہے۔

تیسرا صدق:

عزم کا صدق ہے کیوں کہ بعض اوقات انسان کسی عمل کا پختہ ارادہ (عزم) کرتا ہے اور دل میں کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مال عطا فرمایا تو میں تمام مال صدقہ کر دوں گا یا یہ کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں دشمن کے مقابل ہوا تو اس سے

---

(۱) جامع ترمذی ص ۳۴۳، ۳۴۴، ابواب الزھد

(۲) قرآن مجید، سورۃ منافقون آیت ۱

marfat.com

لڑوں گا۔ اگر میں قتل بھی ہو جاؤں تو مجھے اس کی پرواہ نہ ہوگی اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے حکومت دے تو میں انصاف کروں گا
ور ظلم کرنے نیز مخلوق کی طرف میلان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

تو یہ عزم و ارادہ کبھی دل میں ہوتا ہے اور نہایت پختہ اور سچا ہوتا ہے لیکن بعض اوقات اس میں دوسری طرف میلان
ور تردد ہوتا ہے نیز ایسی کمزوری ہوتی ہے جو عزم میں صدق کے مقابل اور اس کی ضد ہوتی ہے تو یہاں صدق پورا
ہونے اور قوی ہونے کا نام ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ فلاں کی شہوت و خواہش سچی ہے اور اس مریض کی خواہش
جھوٹی ہے اور یہ بات اس وقت کہی جاتی ہے جب اس خواہش کا سبب قوی اور ثابت نہ ہو یا کمزور ہو اور بعض اوقات
لفظ صدق بول کر یہ معنی مراد لیا جاتا ہے اور صادق و صدیق وہ شخص ہے جس کا عزم صمیم تمام نیکیوں میں قوت تامہ کے ساتھ
ہوتا ہے اس میں کسی قسم کا میلان، تردد اور کمزوری نہیں ہوتی اور اس کا نفس ہمیشہ نیک کاموں پر پختہ ارادہ رکھتا ہے
جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اگر لوگ میری گردن کاٹنے کے لیے مجھے آگے کریں تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں اس قوم کا امیر بنوں
جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود ہوں ـــــ تو آپ نے اپنے دل میں پختہ ارادہ اور سچی محبت پائی کہ آپ
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں امیر نہیں بنیں گے اور اس بات کو آپ نے قتل کا ذکر کر کے پکا کیا۔

عزائم کے سلسلے میں صدیقین کے مراتب مختلف ہیں کبھی اس قدر عزم پایا جاتا ہے کہ اس کی کوئی انتہا نہیں حتیٰ کہ وہ قتل
پر بھی راضی ہو جاتا ہے لیکن اگر اپنی رائے پر چھوڑا جائے تو اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش نہ کرے اور اگر اس سے قتل
کی گفتگو کی جائے تو اس کا عزم نہیں ٹوٹے گا بلکہ صادقین مومنین میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر ان کو اختیار دیا جائے کہ تمہیں
قتل کیا جائے یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تو ان کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی کے مقابلے میں اپنی زندگی
زیادہ پسند ہوگی۔

چوتھا صدق :

عزم کو پورا کرنے کا صدق ہے کیوں بعض اوقات نفس فی الحال عزم کر لیتا ہے کیوں کہ وعدے اور عزم میں کوئی
مشقت نہیں ہوتی اور اس میں محنت بھی کم ہوتی ہے لیکن جب حقیقت کا سامنا ہوتا ہے اور قدرت حاصل ہو جاتی ہے
ور شہوت کا زور ہوتا ہے تو عزم ختم ہو جاتا ہے اور خواہشات غالب آجاتی ہیں پس وہ اس عزم کو پورا نہیں کر سکتا
یہ بات صدق کے خلاف ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ۔ [1] یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ احزاب ایت ۲۳

marfat.com

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر نہ ہوئے یہ بات ان پر گراں گزری اور انہوں نے فرمایا یہ پہلا جہاد تھا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شریک ہوئے لیکن میں آپ کی خدمت سے غائب تھا اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے کسی غزوہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شرکت کا موقعہ دیا تو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ میں کیا کرتا ہوں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آئندہ سال وہ غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ انکے سامنے آئے تو فرمایا اے ابو عمرو! کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا جنت کی ہوا کتنی اچھی ہے اور وہ مجھے اُحد کی طرف سے آرہی ہے چنانچہ انہوں نے لڑائی لڑی اور درجہ شہادت پایا اور ان کے جسم میں اسّی (۸۰) سے زیادہ زخم پائے گئے یہ زخم تلوار، تیر اور نیزے کے زخم تھے۔ چنانچہ ان کی بہن نضر رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے بھائی کو صرف کپڑوں سے پہچانا۔ (۱)

اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی۔

رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ۔ (۲)

وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدے کو سچ کر دکھاتے ہیں۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اُحد کے دن شہید ہو کر منہ کے بل گرے ہوئے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس کھڑے ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا بھی ان کے پاس تھا آپ نے یہ آیت پڑھی۔ (۳)

رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ۔ (۴)

کچھ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب سے کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا پس ان میں سے کوئی اپنی ذمہ داری کو پورا کر چکا اور کوئی منتظر ہے۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

"شہداء چار قسم کے ہیں ایک وہ مومن جس کا ایمان کھرا ہے اس نے دشمن کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔ یہ وہ شہید ہے کہ قیامت کے دن لوگ اس کی طرف سر اٹھائیں گے یہ فرما کر آپ نے سر اٹھایا حتیٰ کہ آپ کی ٹوپی

---

(۱) جامع ترمذی ص ۴۶۱، ابواب التفسیر

(۲) قرآن مجید، سورۃ احزاب آیت ۲۳

(۳) حلیۃ الاولیاء جلد اول ص ۱۰۸ ترجمہ ۱۲

(۴) قرآن مجید، سورۃ احزاب آیت ۲۳

marfat.com

ٹوپی گرگئی راوی کہتے ہیں مجھے معلوم نہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ٹوپی مراد ہے یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ٹوپی ؟۔

(فرمایا) دوسرا وہ شخص جس کا ایمان کھرا ہے جب وہ دشمن کے مقابل ہوتا ہے تو گویا اس نے ببول کے درخت کا کانٹا مارا اس پر ایک کاری تیر آکر لگتا ہے تو وہ شہید ہو جاتا ہے پس یہ دوسرے درجہ میں ہے۔

تیسرا شخص وہ ہے جس کے عمل میں نیکی اور برائی مخلوط ہے وہ دشمن سے مقابلہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتا ہے حتیٰ کہ شہید ہو جاتا ہے یہ تیسرے درجہ میں ہے اور چوتھا شخص وہ ہے جس نے اپنے نفس پر زیادتی کی وہ دشمن کے مقابلے میں آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتا ہے حتیٰ کہ شہید ہو جاتا ہے تو یہ چوتھے درجہ میں ہے (۱)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں دو آدمی لوگوں کی ایک مجلس میں آئے اور کہنے لگے اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مال دیا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے لیکن انہوں نے بخل سے کام لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمِنْهُمْ مَنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (۲)

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مال دیا تو ہم ضرور بضرور صدقہ کریں گے اور لازماً سچے لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ یہ عہد ایسی چیز تھی جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں روشن کیا انہوں نے زبان سے کچھ نہیں کہا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمِنْهُمْ مَنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَلَمَّا اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ۔ (۳)

ان میں سے بعض نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے (مال) عطا فرمائے تو ہم ضرور بضرور صدقہ کریں گے اور نیکو کار لوگوں میں سے ہو جائیں گے جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا فضل عطا فرمایا تو انہوں نے اس میں بخل سے کام لیا اور پھر گئے اس حال میں کہ وہ منہ پھیرنے والے تھے پس اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ملاقات کے دن تک ان کے دلوں میں منافقت ڈال دی کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کی اور وہ جھوٹ بولتے تھے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۴ مرویات عمر بن خطاب

(۲) قرآن مجید، سورۂ توبہ آیت ۷۵ (۳) قرآن مجید سورۂ توبہ آیت ۷۵ تا ۷۷

marfat.com

تو اللہ تعالیٰ نے عزم کو وعدہ قرار دیا اور اس کی خلاف ورزی کو جھوٹ سے تعبیر کیا جب کہ اس کی تکمیل کو صدق بتایا۔ یہ صدق تیسرے قسم کے صدق سے زیادہ سخت ہے کیوں کہ بعض اوقات نفس، عزم پر تیار ہو جاتا ہے لیکن جب پورا کرنے کا وقت آتا ہے تو اسباب اور قدرت کے حاصل ہونے کے باوجود اسے پورا نہیں کرتا کیوں کہ اس وقت خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے استثنا کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں کسی قوم کا امیر بننے کی بجائے مجھے یہ بات پسند ہے کہ مجھے قتل کرنے کے لیے آگے کیا جائے بشرطیکہ قتل کے وقت میرا نفس مجھے کوئی ایسی بات نہ بتا دے جو اس وقت نہیں ہے۔ کیوں کہ میں اس بات سے بے خوف نہیں ہوں کہ یہ کام مجھے بھاری محسوس ہو اور میرا عزم بدل جائے آپ نے اس بات میں عزم کو پورا کرنے کی شدت کی طرف اشارہ فرمایا۔

حضرت ابوسعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے اترے اور انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ صدق کیا ہے؟ میں نے کہا وعدے کو پورا کرنا انہوں نے فرمایا تم نے سچ کہا پھر وہ آسمان کی طرف چلے گئے۔

پانچواں صدق:

یہ اعمال کا صدق ہے یعنی انسان کوشش کرے حتی کہ اس کے ظاہری اعمال ایسی بات پر دلالت نہ کریں کہ اس کے دل میں جو کچھ ہے وہ ظاہر کے خلاف ہے یہ کوشش اعمال کو چھوڑنے سے نہ ہو بلکہ باطن کو ظاہر کی تصدیق کی طرف کھینچنے سے ہو اور یہ بات ترکِ ریا کے خلاف ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے کیوں کہ ریا کار تو یہی چاہتا ہے کہ اس کے ظاہر سے باطن کی اچھی صفات سمجھی جائیں ——

لیکن کئی نمازی، نماز میں خشوع و خضوع کی صورت میں کھڑے ہوتے ہیں اور ان کا مقصد دوسروں کو دکھانا نہیں ہوتا لیکن ان کا دل نماز سے غافل ہوتا ہے پس جو شخص اسے دیکھتا ہے وہ اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا دیکھتا ہے لیکن باطنی طور پر وہ خواہشات میں سے کسی خواہش کے سامنے بازار میں کھڑا ہوتا ہے پس یہ اعمال زبانِ حال سے باطن کی خبر دیتے ہیں اور وہ اس میں جھوٹا ہوتا ہے اس سے اعمال میں صدق کی باز پرس ہوگی اسی طرح کوئی شخص سکون و وقار سے چل رہا ہوتا ہے حالاں کہ اس کا باطن سکون اور وقار سے موصوف نہیں ہوتا پس یہ اپنے عمل میں سچا نہیں ہوتا اگرچہ اس کی توجہ مخلوق کی طرف نہ ہو۔ اور نہ وہی ان کو دکھا رہا ہو۔ تو اس قسم کی خرابی سے نجات کی صورت یہی ہے کہ ظاہر و باطن ایک جیسا ہو بلکہ باطن، ظاہر سے بہتر ہے۔

اسی خوف سے بعض لوگوں نے ظاہر کو خراب رکھا اور برے لوگوں کا لباس اختیار کیا تاکہ ظاہر کی وجہ سے ان کو اچھا نہ سمجھا جائے اس طرح ظاہر کی باطن پر دلالت کے اعتبار سے وہ جھوٹے ہوں گے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اگر ظاہر کا باطن کے خلاف ہونا قصد و ارادے سے ہو تو وہ ریا ہے اور اس سے اخلاص ختم ہو جاتا ہے

marfat.com

مد کے بغیر ہو تو اس سے صدق فوت ہو جاتا ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ سَرِیْرَتِیْ خَیْرًا مِنْ عَلَانِیَتِیْ وَاجْعَلْ عَلَانِیَتِیْ صَالِحَةً۔ (۱)

یا اللہ! میرے باطن کو میرے ظاہر سے اچھا کر دے اور میرے باطن کو اچھا بنا دے۔

حضرت یزید بن حارث رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر بندے کا باطن اور ظاہر برابر ہو جائیں تو یہ نصف ہے اور اگر اس کا اس کے ظاہر سے افضل ہو تو یہ فضل ہے اور اگر اس کے باطن کے مقابل اس کا ظاہر افضل ہو تو یہ ظلم ہے اور نے یہ اشعار پڑھے۔

إِذَا السِّرُّ وَالْإِعْلَانُ فِي الْمُؤْمِنِ اسْتَوٰى فَقَدْ عَزَّ فِي الدَّارَيْنِ وَاسْتَوْجَبَ الثَّنَا
فَإِنْ خَالَفَ الْإِعْلَانُ سِرًّا فَمَا لَهٗ عَلٰى سَعْيِهٖ فَضْلٌ سِوَى الْكَدِّ وَالْعَنَا
فَمَا خَالِصُ الدِّيْنَارِ فِي السُّوْقِ نَافِقٌ وَمَغْشُوْشُهُ الْمَرْدُوْدُ لَا يَقْتَفِي الْمُنَا

جب مومن کا اندر اور باہر ایک جیسا ہو تو وہ دونوں جہانوں میں معزز اور تعریف کا مستحق ہوتا ہے اور ظاہر، باطن کے خلاف ہو تو اسے اپنی کوشش سے سوائے تھکاوٹ کے کچھ حاصل نہیں ہوتا خالص دینار کا بازار میں رواج ہوتا ہے جب کہ کھوٹ والا دینار مردود ہو جاتا ہے اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

حضرت عطیہ بن عبدالغافر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب مومن کا باطن اس کے ظاہر کے موافق ہو تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے یہ میرا سچا بندہ ہے۔

اور حضرت معاویہ بن قرہ رحمہ اللہ نے فرمایا کوئی شخص مجھے ایسے آدمی کے بارے میں بتائے جو رات کو روتا ہے ان کو ہنستا ہے۔

حضرت عبدالواحد بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو جب کسی بات کا حکم دیا جاتا تو وہ اس پر سب سے عمل کرنے والے ہوتے اور جب ان کو کسی کام سے روکا جاتا تو وہ اسے سب سے زیادہ چھوڑنے والے ہوتے اور نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کا باطن، اس کے ظاہر سے اس قدر مشابہ ہو جس قدر یہ وصف حضرت حسن رحمہ اللہ میں تھا۔

حضرت ابوعبدالرحمن بن زاہد رحمہ اللہ کہتے تھے اے میرے اللہ! میں نے اپنے اور لوگوں کے درمیان معاملہ امانت کے لیا لیکن اپنے اور تیرے درمیان والے معاملے میں خیانت کی اور آپ رو پڑتے۔

حضرت ابویعقوب نہرجوری رحمہ اللہ نے فرمایا صدق یہ ہے کہ ظاہر و باطن ایک دوسرے کے موافق ہوں ـــــ پس

---

(۱) جامع ترمذی ص ۵۱۶، ابواب الدعوات

marfat.com

باطن کا ظاہر کے مساوی ہونا صدق کی انواع میں سے ایک قسم ہے۔

چھٹا صدق:

یہ سب سے اعلیٰ اور معزز درجہ ہے اور یہ مقاماتِ دین میں صدق ہے جس طرح خوف، امید، تعظیم، زہد، روح محبت اور باقی تمام امور دینیہ میں صدق کا پایا جانا ان امور کی کچھ بنیادیں ہیں جہاں ان کا ظہور ہوتا ہے وہاں یہ نام پا جاتے ہیں پھر ان کی حقیقت کو پالے۔ اور جب کوئی چیز غالب آجائے اور اس کی حقیقت کامل ہو تو اس سے موصو شخص کو صادق کہا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے فلاں شخص لڑائی کا سچا ہے اور کہا جاتا ہے یہ سچا خوف ہے اور یہ شہوت سچی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔

بے شک وہ مومن جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا وہی لوگ سچے ہیں۔ (۱)

اور ارشاد فرمایا۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا۔ (۲)

لیکن نیکی اس شخص کی ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنا عزیز مال رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دے اور گردنیں چھڑانے میں خرچ کرے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور اپنا قول پورا کرنے والے جب عہد کریں اور مصیبت و سختی میں نیز جہاد کے وقت صبر کرنے والے، یہی لوگ سچے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ایمان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے یہی آیت پڑھی عرض کیا گیا ہم سے آپ سے ایمان کے بارے میں پوچھا ہے! انہوں نے فرمایا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے بارے میں

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حجرات آیت ۱۵

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱۷۷

marfat.com

چا تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی (۱)

ہم خوف کے سلسلے میں ایک مثال بیان کرتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ
تعالیٰ سے خوف رکھتا ہے اسے خوف کہا جاتا ہے لیکن یہ سچا خوف نہیں ہے یعنی حقیقت کے درجہ تک نہیں پہنچا کیا تم
ں دیکھتے کہ جب وہ بادشاہ سے ڈرتا ہے یا سفر کے دوران ڈاکوؤں کا خوف ہوتا ہے تو کس طرح اس کا رنگ پیلا پڑ جاتا
ے اور اس پر کپکپاہٹ طاری ہو جاتی ہے بلکہ زندگی تلخ ہو جاتی ہے کھانا پینا مشکل ہو جاتا ہے اور اس کی سوچ تقسیم
جاتی ہے حتیٰ کہ اس سے اس کے اہل و عیال بھی نفع اٹھا نہیں سکتے۔ بعض اوقات وہ خوف کی وجہ سے اپنے وطن کو
ڑ دیتا ہے اور اُنس کی جگہ وحشت اور راحت کی جگہ تھکاوٹ اور مشقت برداشت کرتا ہے اور خطرات کو سینے سے لگاتا ہے
یہ سب کچھ خوف کے باعث ہوتا ہے پھر کیا بات ہے کہ جہنم سے ڈرنے کے باوجود گناہ کے ارتکاب کی صورت میں
ن پیمان میں سے کوئی بات ظاہر نہیں ہوتی اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَمْ أَرَ مِثْلَ النَّارِ نَامَ هَارِبُهَا وَلَا مِثْلَ الْجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا۔ (۲)

میں نے جہنم کی طرح کوئی چیز نہیں دیکھی کہ اس سے بھاگنے والا سو جاتا ہے اور جنت کی مثل بھی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ اس کو طلب کرنے والا سو جاتا ہے۔

پس ان امور میں حقیقت کو پہچاننا بہت مشکل ہے اور ان مقامات کی کوئی انتہا نہیں کہ ان کو مکمل طور پر حاصل کر سکیں
من ہر بندے کو اس سے اس کے حسبِ حال حصہ ملتا ہے ضعیف ہو یا قوی ۔ جب حال قوی ہو تو اسے اس میں صادق
جاتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی تعظیم نیز اس سے خوف کی کوئی انتہا نہیں اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
ریل علیہ السلام سے فرمایا کہ میں آپ کو آپ کی اصل صورت میں دیکھنا چاہتا ہوں تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا
پ کو اس کی طاقت نہیں آپ نے فرمایا نہیں بلکہ دکھاؤ انہوں نے وعدہ کیا کہ چاندنی رات میں جنت البقیع میں دکھا دوں گا
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آسمان کے کناروں کو ڈھانپ رکھا تھا رسول اکرم صلی اللہ
یہ وسلم بیہوش ہو کر گر پڑے جب افاقہ ہوا تو حضرت جبریل علیہ السلام اپنی اصل صورت پر لوٹ آئے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ
سلم نے فرمایا مجھے یہ خیال نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی اس طرح بھی ہو گا۔ انہوں نے عرض کیا اگر آپ حضرت
سرافیل علیہ السلام کو دیکھیں تو کیا ہو؟ عرش معلیٰ ان کے کاندھے پر ہے اور ان کے پاؤں سب سے نچلی زمین میں

---

(۱) الدر المنثور جلد اول ص ۱۶۹ تحت آیت لیس البران تولوا وجوھکم

(۲)

marfat.com

اترے ہوئے ہیں اور اس کے باوجود جب عظمتِ خداوندی سے وہ سکڑتے ہیں تو چھوٹی چڑیا کی طرح ہو جاتے ہیں۔
تو دیکھو حضرت اسرافیل علیہ السلام پر کس قدر ہیبت چھا جاتی ہے کہ وہ اس حد تک پہنچ جاتے ہیں اور تمام فرشتوں کا یہ حال نہیں کیوں کہ معرفت کے لحاظ سے ان میں تفاوت ہے پس تعظیم میں صدق یہ ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

شب معراج میں گزرا تو حضرت جبریل علیہ السلام فرشتوں میں اس طرح تھے جیسے پرانی چادر جو اونٹ کی پیٹھ پر ڈالی ہے اور ایسا خوفِ خداوندی کی وجہ سے تھا (۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح ڈرتے تھے لیکن وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف کو نہیں پہنچ سکے اسی لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم اس وقت تک حقیقتِ ایمان تک نہیں پہنچ سکتے جب تک تم، سب لوگوں کو دینِ خداوندی میں احمق نہ جانو۔

حضرت مطرف رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر شخص اپنے اور اپنے رب کے درمیان والے معاملات میں احمق ہے البتہ بعض بیوقوف دوسرے بعض کے مقابلے میں کمتر ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يَبْلُغُ عَبْدٌ حَقِيقَةَ الْإِيمَانِ حَتَّى يَنْظُرَ إِلَى النَّاسِ كَالْأَبَاعِرِ فِي جَنْبِ اللهِ ثُمَّ يَرْجِعَ إِلَى نَفْسِهِ فَيَجِدَهَا أَحْقَرَ حَقِيرٍ۔ (۲)

بندہ اس وقت حقیقتِ ایمان کو پاتا ہے جب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اونٹوں کی طرح جانے پھر اپنے نفس کی طرف رجوع کرے اور اسے سب سے زیادہ حقیر پائے۔

تو ان تمام مقامات میں صادق آدمی بہت کم ملتا ہے پھر درجاتِ صدق کی کوئی انتہا نہیں اور کبھی بندہ بعض امور میں سچا ہوتا ہے بعض میں نہیں اگر وہ سب امور میں صادق ہو تو وہ حقیقی صدیق ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں تین باتوں میں مضبوط ہوں اور ان کے علاوہ امور میں کمزور ہوں جب سے اسلام میں آیا ہوں میں نے نماز پڑھتے وقت کبھی نہیں سوچا کہ کب فارغ ہوں گا اور جب میں کسی جنازے کے ساتھ جاتا ہوں تو اس کو دفن کرنے تک یہی سوچتا ہوں کہ یہ کیا کہے گا اور اس سے کیا کہا جائے گا اور میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بات بھی فرماتے ہوئے سنا اس کے بارے میں یقین کیا کہ یہ حق ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے خیال میں یہ تمام خصلتیں صرف نبی میں جمع ہو سکتی ہیں۔

پس یہ ان امور میں صدق ہے کتنے ہی جلیل القدر صحابہ کرام نے نمازادا کی اور جنازوں کے ساتھ گئے لیکن اس مقام تک نہ پہنچے۔

---

(۱)

marfat.com

پس یہ صدق کے درجات اور معانی ہیں مشائخ عظام سے حقیقتِ صدق کے بارے میں جو کلمات منقول ہیں وہ طور پر انفرادی معانی کے لیے ہیں ہاں حضرت ابو بکر وراق رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ صدق تین ہیں۔ توحید میں صدق، اطاعت صدق اور معرفت میں صدق۔

توحید میں صدق عام مومنوں کے لیے ہوتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ۔ (۱)

اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی لوگ سچے ہیں۔

اور صدقِ اطاعت علماء اور پرہیز گار لوگوں کے لیے ہوتا ہے اور معرفت کی صداقت ان اولیاء کرام کے لیے ہوتی ہے (ان کے اوتاد رمیخیں) ہیں اور یہ تمام اقسام پھر پھر اکر ان امور میں آجاتی ہیں جو ہم نے چھٹی قسم میں ذکر کی ہیں لیکن انہوں وہی اقسام لکھی ہیں جن میں صدق ہوتا ہے لیکن وہ بھی تمام اقسام کو محیط نہیں۔

حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صدق، مجاہدے کا نام ہے نیز یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر کسی کو اختیار نہ کرو جس اس نے تمہارے مقابلے میں دوسرے کو ترجیح نہیں دی اور ارشاد فرمایا۔

هُوَ اجْتَبٰكُمْ۔ (۲)

اس نے تمہیں چن لیا۔

کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میں جب میں کسی بندے سے محبت کرتا ہوں تو اسے ب میں مبتلا کرتا ہوں جن کی تاب پہاڑ بھی نہیں لا سکتے۔ تاکہ میں دیکھوں کہ اس کا صدق کس قسم کا ہے اگر میں اسے صبر ے والا پاتا ہوں تو اسے اپنا ولی اور حبیب بناتا ہوں اور اگر وہ واویلا کرتا ہے اور مخلوق سے میری شکایت کرتا ہے تو سے ذلیل و رسوا کرتا ہوں اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتا۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ صدق کی علامات مصائب اور عبادات کو چھپانا اور مخلوق کے اس پر مطلع ہونے کو ناپسند ہے۔

صدق اور اخلاص کا بیان مکمل ہوا اس کے بعد مراقبہ اور محاسبہ کا بیان ہوگا ـــــ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ستائش ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الحدید آیت ۱۹

(۲) قرآن مجید، سورۃ الحج آیت ۷۸

marfat.com

۸۔ مراقبہ اور محاسبہ کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم !

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو ہر نفس کے عمل کا نگہبان اور ہر کاسب کے کسب کا نگران ہے دلوں میں پوشیدہ وسوسوں پر مطلع ہے اور بندوں کے قلبی خلجان کا حساب کرنے والا ہے آسمان میں ایک ذرے کے برابر بھی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں وہ حرکت کرے یا پرسکون ہو، وہ گٹھلی کے سوراخ اور اس کی جھلی کے برابر اور کم یا زیادہ تمام اعمال کا محاسبہ کرنے والا ہے اگر وہ عمل پوشیدہ ہو بندوں کی عبادت اگرچہ تھوڑی ہوں قبول کرکے ان پر فضل فرماتا ہے اور ان کے گناہوں کو معاف کرتا ہے اگرچہ زیادہ ہوں وہ ان کا محاسبہ اس لیے فرماتا ہے تاکہ ہر نفس کو اپنے عمل کا علم ہو جائے اور وہ دیکھے کہ اس نے آگے کیا بھیجا اور پیچھے کیا چھوڑا۔

اسے معلوم ہو جائے کہ اگر دنیا میں اس کی نگرانی اور محاسبہ نہ ہو تو وہ قیامت کے دن بدبختی کا شکار ہو کر ہلاک ہو جائے اور اگر محاسبہ اور مراقبہ کے بعد وہ اپنے فضل و کرم سے اس کی اس معمولی پونجی کو قبول نہ فرمائے تو ہر نفس نقصان اٹھائے اور خسارے میں رہے۔

تو وہ ذات پاک ہے جس کی نعمت تمام بندوں کو کافی اور شامل ہے اور اس کی رحمت نے دنیا اور آخرت میں تمام مخلوق کو ڈھانپ لیا تو اس کے فضل کی خوشبوؤں سے دل، ایمان کے لیے کھل گئے اور اس کی توفیق کی برکت سے اعضا عبادات سے مقید اور مودب ہو گئے نیز اس کے حسنِ ہدایت سے دلوں سے جہالت کے اندھیرے چھٹ گئے اور اس کی تائید و مدد سے شیطان کے مکر و فریب ٹوٹ گئے اور دور ہو گئے اس کے لطف و کرم سے نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا اور اس کے آسان کرنے سے عبادات آسان ہو گئیں۔

پس عطا و جزا، قرب و بُعد اور نیک بختی و بدبختی سب اسی کی طرف سے ہے انبیاء کرام کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی منتخب آل پر جو منصب سیادت پر فائز ہیں اور آپ کے صحابہ کرام پر جو متقی قائد ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد ارشاد خداوندی ہے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ

اور ہم قیامت کے دن عدل کے ترازو میں تولیں گے تو کسی نفس پر کچھ بھی زیادتی نہ ہوگی اور اگر کوئی عمل رائی کے

حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ۔ (۱)

دانے کے برابر بھی ہو گا تو ہم اسے لے آئیں گے اور حساب کرنے کے لیے ہم کافی ہیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا۔

(۲)

اور (جب) نامہ اعمال رکھا جائے گا تو تم مجرموں کو دیکھو گے وہ اس سے ڈر رہے ہوں گے جو اس میں لکھا ہے وہ کہیں گے ہائے افسوس! اس نوشتے کو کیا ہوا نہ اس نے کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا اور نہ بڑا مگر اس کو شمار کیا اور انہوں نے جو عمل کیا اسے سامنے پائیں گے اور تمہارا رب کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَيَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا اَحْصَاهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۔

(۳)

جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا تو ان کو ان کے اعمال کی خبر دے گا اللہ تعالیٰ نے اس (عمل) کو یاد رکھا لیکن انہوں نے بھلا دیا اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔

(۱)

جس دن لوگ باہر نکلیں گے گروہ در گروہ تا کہ وہ ان کے عمل اُن کو دکھائے پس جس نے کی ہو گی ذرہ کی ایک ذرہ کے برابر وہ اس کو دیکھے گا اور جس نے کی ہو گی برائی ایک ذرہ کے برابر وہ اس کو دیکھے گا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قرآن مجید، سورۃ انبیاء آیت ۴۷

قرآن مجید، سورۃ کہف آیت ۴۹

قرآن مجید سورۃ مجادلہ آیت ۶

قرآن مجید، سورۃ زلزال آیت ۶، ۷، ۸

marfat.com

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ (۱)

پھر ہر نفس کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ۔ (۲)

جس دن ہر نفس اپنے اچھے عمل کو سامنے پائے گا اور برے عمل کو بھی (اور) چاہے گا کہ اس (برے عمل) کے اور اس (شخص) کے درمیان بہت دور کا فاصلہ ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ۔ (۳)

اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتیں بھی جانتا ہے پس اس سے ڈرو۔

اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ارباب بصیرت نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ ان کا منتظر ہے اور عنقریب ان سے حساب میں جھگڑا ہوگا اور ان سے ذرے کے برابر خطرات کا بھی حساب ہوگا انہیں یقین ہو گیا کہ ان خطرات سے نجات کی یہی صورت ہے کہ ہمیشہ اپنا محاسبہ کریں اور سچے دل سے نگرانی کریں اپنے نفس سے ہر سانس اور حرکت کا مطالبہ اور خطرات و لحظات کا محاسبہ کریں جو شخص محاسبہ سے پہلے خود اپنا محاسبہ کرتا ہے قیامت کے دن اس کا حساب آسان ہوگا اور سوال کے وہ جواب دے سکے گا اور اس کا انجام بھی اچھا ہوگا اور جو آدمی اپنا محاسبہ نہیں کرتا وہ ہمیشہ حسرت کا شکار رہے گا اور کے میدان میں اسے زیادہ دیر رکنا پڑے گا نیز اس کی برائیاں اسے ذلت اور غضب میں مبتلا کر دیں گی۔

جب ان پر یہ بات منکشف ہو گئی تو انہیں معلوم ہو گیا کہ ان خرابیوں سے نجات صرف اطاعتِ خداوندی کے ذریعے ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو صبر اور نگاہداشت کا حکم دیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا۔ (۴)

اے ایمان والو! صبر کرو صبر میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۸۱

(۲) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۳۰

(۳) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۳۵

(۴) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۲۰۰

marfat.com

تو انہوں نے اپنے نفسوں کی نگہداشت اس طرح کی کہ پہلے ان سے شرطیں باندھیں پھر ان کی نگرانی کی پھر محاسبہ کیا
ں کے بعد ان کو سزا دی پھر مجاہدہ کیا پھر ان کو جھڑکا۔

تو ان کے لیے نفس کی نگہداشت کے چھ مرحلے اور مقامات ہیں تو ان سب کی تشریح کرنا اور حقیقت و فضیلت
ان کرنا ضروری ہے اس سلسلے میں اعمال کی تفصیل بیان کرنا بھی لازمی ہے اور اس کی اصل محاسبہ ہے لیکن ہر حساب شرط
ھنے اور حفاظت کرنے کے بعد ہوتا ہے اور حساب کے بعد اگر نقصان والی صورت ہو تو جھڑک اور عذاب ہوتا ہے ہم
یق خداوندی سے ان مقامات کی تشریح کرتے ہیں۔

فصل ۱:

نگہداشت کا پہلا مقام ـــ باہم شرط رکھنا

جو لوگ مل کر تجارت کرتے ہیں اور ان کا سامان مشترک ہوتا ہے حساب کے وقت ان کا مقصد نفع کی سلامتی ہے تو جس طرح
یک تاجر اپنے شریک سے مدد طلب کرتا ہے اور وہ اسے مال دیتا ہے تاکہ یہ تجارت کرے اور پھر وہ اس سے حساب
تا ہے اسی طرح عقل راہِ آخرت کی تاجر ہے اور اس کا مطلب اور نفع نفس کا تزکیہ ہے کیوں کہ یہی کامیابی کا باعث ہے
ارشاد خداوندی ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا[1] کامیاب ہوا جس نے اس کو پاک کیا اور ناکام ہوا جس نے اُسے خاک میں ملا دیا۔
اور اس کی فلاح اچھے اعمال کے ذریعے۔ حاصل ہوتی ہے

عقل اس تجارت میں نفس سے مدد طلب کرتی ہے کیوں کہ وہ اس (نفس) کو استعمال کرتی اور اسے مسخر کر کے اس
تزکیہ کرتی ہے جس طرح تاجر اپنے شریک سے مدد طلب کرتا ہے اور اسی طرح اپنے غلام سے مدد لیتا ہے کہ وہ اس کے
ں میں تجارت کرے۔

تو جس طرح شریک اس کا فریق بن جاتا ہے کہ نفع کے بارے میں اس سے جھگڑا کرتا ہے تو پہلے وہ اس سے شرائط
ے کرنے کا محتاج ہوتا ہے پھر اس کی نگرانی کرتا ہے تیسرے مرحلے میں اس سے حساب کرتا ہے اور چوتھے مرحلے میں اس
ناراض ہوتا ہے اور جھڑکتا ہے۔ اسی طرح عقل پہلے نفس سے شرائط طے کرتی ہے اور اسے کچھ ذمہ داریوں کا پابند بناتی
ہے اسے کامیابی کے راستے دکھاتی ہے اور ان راستوں پر چلنے کی تاکید کرتی ہے پھر کسی وقت بھی ان کی نگرانی سے
فل نہیں ہوتی کیوں کہ اگر وہ اسے کھلی چھٹی دے دے تو اس سے خیانت اور اصل سرمایہ کے ضیاع کے سوا کچھ بھی حاصل
یں ہوتا جس طرح خائن غلام کو مال دے کر اسے خالی میدان دے دیا جائے تو وہ اسی طرح کرتا ہے۔

---

[1] قرآن مجید، سورۂ شمس آیت ۹، ۱۰

marfat.com

پھر فراغت کے بعد اس کا محاسبہ کرنا اور مقررہ شرائط کو پورا کرنے کا مطالبہ کرنا مناسب ہے اس تجارت کا فائدہ فردوس اعلیٰ (جنت) کی صورت میں ملتا ہے اور انبیاء کرام اور شہداء عظام کی معیت میں سدرۃ المنتہیٰ تک رسائی ہوتی ہے۔

لہٰذا دینوی نفع کی نسبت اس نفع کی گہرائی میں جانا بہت ضروری ہے کیوں کہ دنیا کا نفع اُخروی نعمتوں کے مقابلے میں بہت حقیر ہے۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ دنیا کا نفع ختم ہو جاتا ہے اور ایسے مال کا کیا فائدہ جو دائمی نہ ہو اس سے وہ شئے ہی اچھی ہے جو دائمی نہ ہو۔ کیوں کہ جو شر دائمی نہیں ہوتی اس کے ختم ہونے سے دائمی خوشی حاصل ہوتی ہے اور برائی بھی ختم ہو جاتی ہے لیکن جو بھلائی باقی نہ رہے اس کے منقطع ہونے پر ہمیشہ کے لیے افسوس ہوتا ہے اور بھلائی الگ چلی جاتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے۔

اَشَدُّ الْغَمِّ عِنْدِیْ فِیْ سُرُوْرٍ تَیَقَّنَ عَنْهُ صَاحِبُهٗ اِنْتِقَالاً۔

میرے نزدیک اس خوشی کے حصول میں زیادہ غم (پوشیدہ) ہے جس کے حاصل کرنے والے کو اس کے چلے جانے کا یقین ہو۔

لہٰذا ہر وہ محتاط شخص جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کے محاسبہ سے غافل نہ ہو اور اس کی حرکات و سکنات اور خطرات اور لطف اندوزی کے گرد گھیرا تنگ کر دے کیوں کہ زندگی کا ہر سانس ایک ایسا نفیس جوہر ہے جس کی کوئی قیمت نہیں اس سے ایسے خزانے خریدے جا سکتے ہیں جن کی نعمتیں کبھی بھی ختم نہ ہوں تو ایسے سانسوں کو ضائع کرنا یا ایسے کاموں میں صرف کرنا جو ہلاکت کا باعث ہیں بہت بڑا نقصان ہے جو ہلاکت خیز ہے اور کوئی بھی سمجھدار آدمی ایسا سودا نہیں کرتا۔

بندہ جب صبح کے وقت نماز فجر سے فارغ ہو جائے ایک گھڑی اپنے دل کو نفس کے ساتھ شرائط طے کرنے کے لیے فارغ کرے اور نفس سے کہے کہ میری تمام پونجی یہی زندگی ہے اگر یہ ضائع ہو گئی تو میرا تمام مال ضائع ہو جائے گا اور تجارت اور اس کے نفع کی طلب سے مایوسی ہو گی۔ اس نئے دن میں مجھے اللہ تعالیٰ نے مہلت دی ہے اور میری موت میں تاخیر فرمائی ہے اور اس کے ذریعے مجھ پر انعام فرمایا اگر وہ مجھے موت دے دیتا تو میں تمنا کرتا کہ وہ مجھے دوبارہ دنیا میں صرف ایک دن بھیج دے تاکہ میں اس میں اچھا عمل کروں۔

تو اے نفس! تم یوں سمجھو کہ تمہیں موت آ گئی تھی اور اب تمہیں دوبارہ بھیجا گیا ہے تو آج کے دن کو ضائع کرنے سے بچو، کیوں کہ ہر سانس ایک جوہر ہے جو انمول ہے۔

اے نفس! جان لو کہ دن رات میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں اور حدیث شریف میں آیا ہے ـــــ کہ ہر بندے کے لیے

دن اور رات میں چوبیس خزانے ایک قطار میں پھیلائے جاتے ہیں پھر ان میں سے ایک خزانہ اس کے لیے کھولا جاتا ہے وہ اسے دیکھتا ہے کہ وہ اس کی نیکیوں کے نور سے بھرا ہو جو عمل اس نے اس وقت کیا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ بہت زیادہ خوش ہوتا ہے کیوں کہ یہ انوار جبار بادشاہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔

اگر وہ سرور دوزخ والوں پر تقسیم کیا جائے تو یہ خوشی جہنم کی تکلیف کے احساس کے وقت ان کو مدہوش کر دے اور انہیں اس کا احساس نہ ہو) اور اس کے لیے ایک دوسرا سیاہ تاریک خزانہ کھولا جاتا ہے اس کی بدبو پھیلتی ہے اور اس کا اندھیرا ڈھانپ لیتا ہے اور یہ وہ وقت ہے جس میں اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اس سے اسے اس قدر خوف و دہشت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ اگر اسے اہل جنت پر تقسیم کیا جائے تو ان پر اس کی نعمتیں اور خوشی میں پریشانی داخل ہو جائے اس کے لیے ایک اور خزانہ بھی کھولا جاتا ہے جو خالی ہوتا ہے جس میں نہ تو کوئی خوشی کا سامان ہوتا ہے اور نہ پریشانی کا، یہ وہ گھڑی ہے جس میں وہ سویا رہا یا غافل رہا یا دنیا کے کسی جائز کام میں مشغول رہا اسے اس کے خالی ہونے کا خوف ہوتا ہے اسے اس میں اس طرح نقصان اور خسارہ ہوتا ہے جیسے کسی بڑے نفع پر قادر شخص اور بڑے بادشاہ کو نقصان ہوتا ہے کیوں کہ اس نے اس میں سستی کی حتیٰ کہ وہ وقت ہاتھوں سے نکل گیا تمہیں یہی نقصان اور حسرت کافی ہے۔

اسی طرح اس پر زندگی بھر کے خزانے کھولے جاتے ہیں تو وہ اپنے آپ سے کہتا ہے کہ آج محنت کرو اور اپنے خزانے کو بھرو اور اسے ان خزانوں سے خالی نہ رکھو جو تمہاری سلطنت کا باعث ہیں۔ سستی، آرام طلبی اور کاہلی کی طرف نہ جاؤ اس طرح تم علیین کے درجات سے محروم ہو جاؤ گے جو دوسروں کو حاصل ہوں گے اور تمہارے پاس افسوس کے سوا کچھ نہیں رہے گا جو تمہارے ساتھ چمٹا رہے گی، اگرچہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ لیکن نقصان اور حسرت کی تکلیف برداشت نہیں کر سکو گے اگرچہ وہ جہنم کے عذاب سے کم ہے۔

بعض بزرگ فرماتے ہیں یہ ٹھیک ہے کہ گناہ گار کی بخشش ہو گی لیکن کیا وہ نیکی کرنے والوں کو حاصل ہونے والے ثواب سے محروم نہیں ہو گا انہوں نے اس کے نقصان اور حسرت کی طرف اشارہ کیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ۔	جس دن تم سب کو اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن وہ دن (کافروں کے لیے) نقصان اٹھانے کا دن ہے۔ (۱)

یہ تو اوقات کے حوالے سے نفس کو دہشت ہے پھر اسے اس کے سات اعضاء آنکھ، کان، زبان، پیٹ، شرمگاہ، ہاتھ

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ تغابن آیت ۹

marfat.com

اور پاؤں کے حوالے سے وصیت کرے اور ان کو اس کے حوالے کر دے کیوں کہ اس تجارت میں یہ اعضاء نفس کے خادم ہیں اور تجارت کے امور ان کے ذریعے مکمل ہوتے ہیں اور جہنم کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے کے لیے ایک حصہ مقرر ہے اور یہ دروازے اس شخص کے لیے متعین ہوں گے جو ان اعضاء کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے پس اپنے نفس کو وصیت کرے کہ وہ ان کو گناہوں سے محفوظ رکھے۔

آنکھ ـــــ آنکھ کو غیر محرم کی طرف دیکھنے، کسی مسلمان کی شرمگاہ کی طرف نظر کرنے یا کسی مسلمان کو حقارت کی نظر سے دیکھنے سے بچائے بلکہ ہر فضول بات جس کی ضرورت نہ ہو، سے بچائے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ جس طرح فضول کلام کے بارے میں پوچھے گا اسی طرح بندے سے فضول نظر کے بارے میں بھی سوال کرے گا۔

پھر جب ان باتوں سے نظر کو پھیر لے تو صرف اسی پر قناعت نہ کرے بلکہ اسے ان کاموں میں مشغول رکھے جو اس کی تجارت اور اس کا نفع ہے اور یہ وہ امور ہیں جن کے لیے نظر کو پیدا کیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صنعتوں کے عجائب کو عبرت کی نگاہ سے دیکھے اور اچھے اعمال کو اس نیت سے دیکھے کہ ان کی اقتدا کرے قرآن پاک اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نظر کرے اور کتبِ حکمت کا مطالعہ کرے تاکہ ان سے نصیحت اور فائدہ حاصل کرے ـــــ اسی طرح ایک ایک عضو کے بارے میں نفس کو تفصیل بتا دے بالخصوص زبان اور پیٹ کے بارے میں زیادہ تاکید کرے۔

زبان ـــــ فطری طور پر زبان چلتی رہتی ہے اور حرکت کرنے میں اسے کوئی مشقت نہیں ہوتی لیکن اس کی خطائیں مثلاً غیبت، جھوٹ چغلی، اپنی پاکیزگی بیان کرنا، مخلوق اور کھانے کی چیزوں کی برائی بیان کرنا، لعن طعن کرنا، دشمنوں کے لیے بد دعا کرنا اور گفتگو میں جھگڑا کرنا اور اس کے علاوہ جو کچھ ہم نے زبان کی آفات کے بیان میں ذکر کیا ہے بہت بڑے جرم ہیں۔

زبان ان آفات کے درپے رہتی ہے حالاں کہ اسے ذکر و تذکیر تکرارِ علم، تعلیم، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے اور ان کے درمیان صلح کرانے اور اس کے علاوہ نیکیوں کے لیے پیدا کیا گیا ہے لہٰذا اپنے نفس پر شرط رکھے کہ وہ دن بھر زبان کو ذکر کے علاوہ حرکت میں نہیں لائے گا کیوں کہ مومن کا بولنا ذکر، دیکھنا عبرت اور خاموشی فکر کے لیے ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔ (۱)

وہ زبان سے کوئی بات نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک تیار محافظ نہ بیٹھا ہو۔

پیٹ ـــــ اسے حرص چھوڑنے پر مجبور کرے نیز یہ کہ وہ حلال کھانا اور وہ بھی تھوڑا سا کھائے شبہے والی چیزوں

---

(۱) قرآن مجید سورۃ ق آیت ۱۸

marfat.com

اور خواہشات سے بچے اور ضرورت کی مقدار پر اکتفا کرے اور نفس کو بتا دے کہ اگر اس نے اس سلسلے میں مخالفت کی تو وہ پیٹ کی خواہشات سے بالکل منع کر کے سزا دے گا تا کہ جس قدر اس نے خواہشات سے زیادہ حاصل کیا وہ جاتا رہے اسی طرح ہر عضو کے بارے میں نفس پر شرط رکھے ان تمام کا احاطہ بہت طویل ہے اور اعضاء کے گناہ اور اطاعت پوشیدہ نہیں ہے۔

پھر اسے ان فرائض کی نصیحت کرے جو دن رات میں بار بار آتے ہیں پھر نوافل کے بارے میں جن پر قادر ہو اور زیادہ سے زیادہ ادا کر سکے ان نوافل کی تفصیل، کیفیت اور اسباب کے ذریعے ان کی استعداد سے متعلق سب کچھ بتا دے۔

یہ وہ شرائط ہیں جن کی روزانہ ضرورت پڑتی ہے لیکن جب آدمی روزانہ یہ شرائط بیان کرنے کی عادت بنا لے اور نفس ان سب کو پورا کرنے میں اس کی بات مان لے تو اب شرائط بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی اور اگر بعض باتوں میں اطاعت کرے تو باقی امور میں شرط رکھنے کی ضرورت باقی رہے گی۔

لیکن ہر روز کوئی نیا کام سامنے آتا ہے اور کوئی نہ کوئی واقعہ درپیش ہوتا ہے اور اس سلسلے میں اس پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور جو آدمی دنیا کی کوئی ذمہ داری اٹھاتا ہے مثلاً حکومت کرتا ہے یا تجارت یا تدریس میں مشغول ہوتا ہے ان کے ساتھ یہ معاملہ زیادہ ہوتا ہے کیونکہ کوئی دن ایسے جدید واقعہ سے خالی نہیں ہوتا جس میں اسے حق خداوندی کو پورا کرنے کی حاجت نہ ہو۔ لہٰذا اس پر لازم ہے کہ نفس کو استقامت اور اطاعتِ حق کی تاکید کرے اور اسے بیکار رہنے کے انجام سے بھی ڈرائے اور اسے اس طرح نصیحت کرے جس طرح ایک بھاگے ہوئے سرکش غلام کو نصیحت کی جاتی ہے کیونکہ فطری طور پر نفس عبادات سے بھاگتا ہے اور بندگی سے انحراف کرتا ہے لیکن وعظ و تادیب اس پر اثر کرتی ہے

ارشاد خداوندی ہے۔

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ۔ (۱)

اور آپ یاد دلاتے رہیں کیونکہ یاد دلانا مومنوں کو فائدہ دیتا ہے۔

یہ تمام باتیں نفس کی نگہداشت کا پہلا مرحلہ ہے اور عمل سے پہلے محاسبہ یہی ہے محاسبہ کبھی عمل کے بعد ہوتا ہے اور کبھی عمل سے پہلے تاکہ ڈرایا جائے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ۔ (۲)

اور جان لو اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتیں بھی جانتا ہے پس اس سے ڈرو۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ الذاریات آیت ۵۵ (۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۳۵

marfat.com

یہ محاسبہ مستقبل کے حوالے سے ہے۔
کثرت اور مقدار میں زیادتی اور نقصان کی معرفت کے لیے جو غور کیا جاتا ہے وہ محاسبہ ہے پس اگر بندہ اپنے دن بھر کے اعمال کو سامنے رکھے تاکہ اسے کمی بیشی کا پتہ چلے تو یہ بھی محاسبہ ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا۔ (۱)

اے ایمان والو! جب تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں (جہاد کے لیے) چلو تو تحقیق کر لو۔

ارشاد خداوندی ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا۔ (۲)

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تصدیق کرو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ۔ (۳)

بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم اس کے نفسانی وسوسوں کو جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بطور تنبیہ اور ڈراتے ہوئے ذکر فرمایا تاکہ وہ مستقبل میں پرہیز کرے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیں تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

إِذَا أَرَدْتَ أَمْرًا فَتَدَبَّرْ عَاقِبَتَهُ فَإِنْ كَانَ رُشْدًا فَامْضِهِ وَإِنْ كَانَ غَيًّا فَانْتَهِ عَنْهُ۔ (۴)

جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اس کے انجام کے بارے میں سوچو اگر وہ اچھا ہے تو اسے کرو اور اس کا نتیجہ غلط (گمراہی) ہے۔ تو اس سے بچو۔

کسی دانا کا قول ہے کہ اگر عقل کو خواہش پر غالب رکھنا چاہتے ہو تو خواہشات کی پیروی اس وقت تک نہ کرو جب تک اس کا انجام نہ دیکھ لو کیوں کہ دل میں ندامت کا ٹھہرنا، خواہش کے پورا نہ ہونے سے زیادہ بُرا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۹۴
(۲) قرآن مجید، سورۂ حجرات آیت ۶
(۳) قرآن مجید، سورۂ ق آیت ۱۶
(۴) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۰۱ حدیث ۵۶۷۶

marfat.com

حضرت لقمان حکیم نے فرمایا جب مومن اپنے انجام پر نظر رکھتا ہے تو وہ ندامت سے محفوظ رہتا ہے۔
حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْاَحْمَقُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَہٗ ھَوَاھَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ۔ (۱)

سمجھ دار آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرتا ہے جب کہ بیوقوف اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرتا اور اللہ تعالیٰ پر تمنا کرتا ہے۔

لفظ "دَانَ" کا معنیٰ محاسبہ کرنا حساب کرنا ہے اور "یوم الدین" حساب کے دن کو کہا جاتا ہے۔
ارشاد خداوندی ہے۔

اَئِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ۔ (۲)

تو کیا ہمیں جزا، سزا دی جائے گی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنے نفس کا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے اور وزن کئے جانے سے پہلے اپنے اعمال کا خود وزن کرو اور بہت بڑی پیشی کے لیے تیار ہو جاؤ۔
اور آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ شدت کے حساب سے پہلے راحت کے وقت میں اپنے نفس کا احتساب کرو۔
اور آپ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اللہ کی کتاب میں آپ محاسبے کے بارے میں کیا پاتے ہیں انہوں نے کہا کہ زمین کے حساب کرنے والے کو آسمان کے حساب کرنے والے کی طرف سے ہلاکت ہے آپ نے اپنا درہ اٹھایا اور فرمایا ہاں مگر وہ جو اپنا احتساب خود کرے (وہ محفوظ رہے گا) حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اے امیرالمومنین اسی کے ساتھ تورات میں یہ بات (استثناء) بھی مذکور ہے اور درمیان میں کوئی دوسرا کلمہ نہیں کہ مگر وہ اپنا احتساب کرے ان سب باتوں میں اس طرف اشارہ ہے کہ مستقبل کے لیے بھی محاسبہ ہوتا ہے۔
اسی لیے فرمایا کہ جو شخص اپنے نفس کا احتساب کرتا ہے وہ موت کے بعد کے لیے عمل کرتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کے سلسلے میں پہلے وزن کرے خوب سوچے اور غور و فکر کے بعد ان پر عمل پیرا ہو۔

نگاہداشت کا دوسرا مقام ـــــ مراقبہ

جب آدمی اپنے نفس کو وصیت کرلے اور مذکورہ بالا شرائط کا اسے پابند بنالے تو اب اعمال شروع کرتے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۴ مرویات شداد بن اوس
(۲) قرآن مجید، سورۂ صافات آیت ۵۳

marfat.com

وقت نفس کی خوب حفاظت کرے اور حفاظت کی نگاہ سے دیکھے کیوں کہ اگر اسے کھلی چھٹی دے تو وہ خراب اور سرکش ہو جائے گا اب ہم مراقبہ کی فضیلت اور اس کے بعد اس کے درجات ذکر کرتے ہیں۔

مراقبہ کی فضیلت :

حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احسان کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔

اُعْبُدُوا اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے اور اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اَفَمَنْ ھُوَ قَائِمٌ عَلٰی کُلِّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ (۳) تو کیا وہ ہر نفس کے اعمال کی نگہداشت رکھتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی۔ (۴) کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

اور ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا۔ (۵) بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِشَھٰدٰتِھِمْ قَآئِمُوْنَ (۶) اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں کا خیال رکھتے ہیں اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم ہیں۔

حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ نے ایک شخص سے فرمایا اللہ تعالیٰ کو دیکھتے رہا کرو اس نے عرض کیا اس کی وضاحت فرمائیں

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۲ کتاب الایمان

(۲) ایضاً

(۳) قرآن مجید، سورۂ رعد آیت ۳۳

(۴) قرآن مجید، سورۂ علق آیت ۱۴

(۵) قرآن مجید، سورۂ النساء آیت ۱

(۶) قرآن مجید، سورۂ المعارج آیت ۳۲، ۳۳

marfat.com

نے فرمایا ہمیشہ اس طرح رہو کہ گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔
حضرت عبدالواحد بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب میرا سردار میرا نگہبان ہے تو مجھے کسی اور کی پرواہ نہیں۔
حضرت ابوعثمان مغربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس راستے میں انسان جو چیزیں اپنے اوپر لازم کرتا ہے ان میں سے افضل
سبہ اور مراقبہ ہے نیز اپنے عمل کی سیاست کو علم کے مطابق کرنا ہے۔
حضرت ابن عطار رحمہ اللہ فرماتے ہیں سب سے بہترین عبادت ہمہ وقت مراقبۂ حق کو اختیار کرنا ہے۔
حضرت جریری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارا معاملہ دو ضابطوں پر مبنی ہے ایک اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے نفس کا مراقبہ اور
علم کو اپنے ظاہر پر قائم کرنا۔
حضرت ابوعثمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوحفص رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا جب تم لوگوں میں بیٹھو تو اپنے نفس
ل کو وعظ کرنے والے بنو اور ان کا تمہارے پاس جمع ہونا تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے کہ وہ تمہارے ظاہر کو اور اللہ
تمہارے باطن کو دیکھتا ہے۔
منقول ہے کہ اس گروہ کے مشائخ میں سے ایک بزرگ کا ایک نوجوان شاگرد تھا وہ بزرگ اس کی تعظیم کرتے اور
ے مقدم کرتے تھے ان کے کسی مرید نے پوچھا کہ آپ اس کی عزت کیسے کرتے ہیں جب کہ یہ نوجوان ہے اور ہم عمر رسیدہ
اس بزرگ نے کچھ پرندے منگوائے اور ان سب کو ایک ایک پرندہ اور ایک ایک چھری دے دی اور فرمایا کہ تم میں
ہر ایک اس پرندے کو وہاں ذبح کرے جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو اس نوجوان کو بھی اسی طرح پرندہ دیا اور اس سے
وہی بات فرمائی۔
اب ان میں سے ہر ایک ذبح کیا ہوا پرندہ لے کر واپس آیا لیکن وہ نوجوان زندہ پرندہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے واپس آیا،
ب نے پوچھا کہ دوسروں کی طرح تم نے اسے کیوں ذبح نہ کیا! اس نے کہا مجھے کوئی ایسی جگہ نہیں ملی جہاں کوئی دیکھتا
یوں کہ اللہ تعالیٰ تو مجھے ہر جگہ دیکھتا ہے۔
تو ان سب نے اس کے مراقبے کو پسند کیا اور کہا کہ تو واقعی عزت و احترام کے لائق ہے۔
منقول ہے کہ حضرت زلیخا رضی اللہ عنہا جب حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ خلوت میں گئیں تو انہوں نے اپنے بت
کا چہرہ ڈھانپ لیا حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تمہیں کیا ہوا تم ایک پتھر کے دیکھنے سے حیا کرتی ہو (حالاں کہ وہ دیکھ
ں سکتا) لیکن میں جبار بادشاہ کے دیکھنے سے حیا نہ کروں۔
ایک نوجوان کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ اس نے ایک لونڈی کو اپنے قریب کرنا چاہا تو اس نے کہا تمہیں حیا نہیں
ا! اس نے پوچھا کس سے حیا کروں، ہمیں تو صرف ستارے دیکھ رہے ہیں لونڈی نے کہا پھر ستاروں والا کہاں گیا
نی ستاروں کو پیدا کرنے والا تو دیکھتا ہے)

marfat.com

ایک شخص نے حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ میں نگاہیں پست کرنے پر کسی چیز سے مدد حاصل کروں؟ انہوں نے فرمایا یہ عقیدہ رکھو کہ تمہیں دیکھنے والے کی نظر تم تک اس سے پہلے پہنچتی ہے کہ تمہاری نظر کسی دوسرے تک پہنچے حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس شخص کا مراقبہ پکا ہوتا ہے جو اپنے رب سے حاصل ہونے والے حصے کے فوت ہو جانے کا خوف رکھتا ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جنت عدن جنت الفردوس میں سے ہے اور وہاں ایسی حوریں ہیں جو جنت کے گلاب سے پیدا کی گئی ہیں پوچھا گیا وہاں کون رہے گا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جنت عدن میں وہ لوگ ہوں گے جو گناہوں کا ارادہ کریں تو میری عظمت کو یاد کر کے میرا لحاظ کرتے ہیں اور وہ لوگ جن کی کمر میرے خوف کی وجہ سے جھک گئی مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے میں زمین والوں کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہوں پھر جب ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جو میری رضا کی خاطر بھوکے پیاسے رہتے ہیں تو لوگوں سے عذاب کو پھیر دیتا ہوں۔

حضرت محاسبی رحمہ اللہ سے مراقبہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اس کا آغاز یوں ہوتا ہے کہ دل کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا علم ہو۔

حضرت مراقش رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراقبہ یہ ہے کہ ہر لحظہ اور ہر کلمے پر غیب کو ملاحظہ کرتے ہوئے باطن کا خیال رکھے۔ ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا تم ظاہر پر مقرر ہو اور میں باطن کو دیکھتا اور اس کی نگرانی کرتا ہوں۔

حضرت محمد بن علی ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنا مراقبہ اس ذات کے لیے کر جس کی نظر سے تو غائب نہیں اور اس کا شکر ادا کر جس کی نعمتیں تجھ سے منقطع نہ ہوں اس کی عبادت کر جس سے تو بے نیاز نہیں ہو سکتا اپنا خشوع وخضوع اس کے لیے اختیار کر جس کی بادشاہی اور ملک سے تو باہر نہیں نکل سکتا۔

حضرت سہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے بڑھ کر کسی چیز سے دل مزین نہیں ہوتا کہ بندہ اس بات کا یقین رکھے کہ جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے۔

کسی بزرگ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر پوچھی گئی ارشاد خداوندی ہے۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے یہ اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔

انہوں نے فرمایا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنے رب کو دیکھتے ہیں اپنے نفس کا احتساب کرتے ہیں اور اپنی آخرت کے لیے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بینہ آیت ۸

marfat.com

اختیار کرتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ بندے کو جنت کیسے حاصل ہوتی ہے؟ انہوں نے فرمایا پانچ باتوں سے حاصل ہوتی ہے۔

(۱) ایسی استقامت جس میں ٹیڑھا پن نہ ہو (۲) ایسا اجتہاد جس میں بھول نہ ہو (۳) ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کو سامنے رکھنا (۴) مراقبہ (۵) تیاری کے ساتھ موت کا انتظار (۶) اور نفس کا احتساب کرنا اس سے پہلے کہ اس کا محاسبہ ہو۔

ہے۔

فَاِذَا خَلَوْتَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ
خَلَوْتُ وَلٰكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيْبٌ
وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ يَغْفُلُ سَاعَةً
وَلَا اَنَّ مَا تُخْفِيْهِ عَنْهُ يَغِيْبُ
اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْيَوْمَ اَسْرَعَ ذَاهِبٌ
وَاَنَّ غَدًا لِلنَّاظِرِيْنَ قَرِيْبٌ

اور جب کسی دن تو تنہا ہو تو یہ نہ کہہ کہ میں تنہا ہوں بلکہ یوں کہہ کہ وہ (اللہ تعالیٰ) مجھے دیکھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ایک گھڑی بھی غافل نہ سمجھ اور نہ یہ کہ جو کچھ تو اس سے چھپاتا ہے وہ اس سے غائب ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ آج کا دن کتنی جلدی کر جا رہا ہے اور کل کا دن دیکھنے والوں کے لیے قریب ہے۔

حضرت حمید الطویل نے حضرت سلیمان بن علی رحمہما اللہ سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجئے انہوں نے فرمایا اگر تم تنہائی میں نہ ہو تو یہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے تو تم نے بہت بڑی بات پر جرأت کی اور اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے تو تم نے اس کا انکار (کفر) کیا۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمہیں اس ذات کو نگاہ میں رکھنا چاہیئے کہ کوئی چھپنے والی چیز اس سے چھپ نہ سکے۔ اور اس ذات سے امید رکھو جو وفا کی مالک ہے اور اس سے ڈرو جو سزا دینے کا مالک ہے۔

حضرت فرقد سنجی رحمہ اللہ نے فرمایا منافق دیکھتا ہے کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا اگر اس کا خیال ہو کہ اسے کوئی دیکھتا تو وہ برائی کی راہ اختیار کرتا ہے اور لوگوں کا خیال رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کا لحاظ نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ کی طرف گیا ہم راستے میں ایک جگہ تو پہاڑ سے ایک چرواہا آپ کے پاس آیا آپ نے فرمایا اے چرواہے! اس ریوڑ میں سے ایک بکری مجھ پر بیچ دو نے کہا میں کسی کا غلام ہوں، آپ نے فرمایا اپنے مالک سے کہہ دینا کہ اسے بھیڑیئے نے کھا لیا ہے۔ اس نے عرض کیا مال کہاں ہے (وہ تو دیکھتا ہے) فرماتے ہیں (یہ سن کر) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رو پڑے پھر دوسرے دن اس مالک سے خرید کر آزاد کر دیا اور فرمایا دنیا میں تجھے اس کلمے نے آزاد کر دیا اور مجھے امید ہے کہ یہ تیری آخرت کی آزادی کا باعث بھی ہوگا۔

marfat.com

فصل ۲:

مراقبہ کی حقیقت اور اس کے درجات

مراقبہ کی حقیقت یہ ہے کہ نگرانی کرنے والے کا لحاظ کیا جائے اور اپنی پوری توجہ کو اس کی طرف پھیرا جائے کسی دوسرے کی وجہ سے کسی بات سے پرہیز کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ فلاں کا خیال اور لحاظ کرتا ہے اور اس مراقبہ مراد دل کی حالت ہے جو معرفت سے حاصل ہوتی ہے اور اس حالت کے نتیجے میں اعضاء اور دل میں کچھ اعمال پیدا ہیں پس حالت تو یہ ہے کہ دل رقیب (نگران) کا خیال کرتا ہے اس کے ساتھ مشغول ہو، اس کی طرف متوجہ ہو اس کو دیکھتا اور اسی کی طرف رجوع کرے۔

اور اس حالت سے جو معرفت حاصل ہوتی ہے وہ اس بات کا علم حاصل ہونا ہے کہ اللہ تعالیٰ دل کی باتوں پر اور پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے بندوں کے اعمال اس کے سامنے ہیں ہر نفس جو کچھ کرتا ہے وہ اس سے واقف کے حق میں دل کا راز کھلا ہے جس طرح مخلوق کے لیے جسم کا ظاہر کھلا ہوتا ہے بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ کھلا ہے شک زائل ہو جائے اور یہ معرفت یقین میں بدل جائے اور دل پر غالب ہو کر اسے دبا دے تو اسے رقیب کا کی طرف لے جاتی ہے اور اس کی ہمت اور توجہ کو اسی طرف پھیر دیتی ہے لیکن بہت سے علم بلاشبہ دل پر غالب جو لوگ اس معرفت کا نام یقین رکھتے ہیں وہ مقربین ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں ایک صدیقین ہیں اور دوسرے یمین، لہٰذا ان کے مراقبہ کے بھی دو درجے ہیں۔

پہلا درجہ:

یہ صدیقین مقربین کا مراقبہ ہے اور یہ تعظیم اور بڑائی کا مراقبہ ہے یعنی دل اس بڑائی کو دیکھنے میں اچھی طرح ہو اور ہیبت کے نیچے دبا ہوا ہو، اور اس میں کسی دوسری طرف توجہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ ہم اس مراقبے کے اعمال میں نہیں جاتے کیوں کہ یہ دل کے ساتھ خاص ہے جہاں تک اعضاء کا تعلق ہے تو وہ مباح چیزوں کی طرف بھی توجہ کرتے چہ جائیکہ ممنوعات کی طرف توجہ کریں اور جب فرمانبرداری اور عبادات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو گویا اسی مقصد کے لیے استعمال ہو رہے ہیں۔

تو یہاں ان اعضاء کو درست راستوں پر رکھنے کے لیے کسی تدبیر وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ نگران راہ راست پر ہو تو رعایا خود بخود درست راہ پر رہتی ہے اور دل حاکم و نگران ہے تو جب وہ اپنے معبود کی طرف متوجہ ہو گیا تو تمام اعضاء تکلف کے بغیر درستگی اور استقامت کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

marfat.com

ہ شخص ہے جس کا صرف ایک فکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُسے باقی تمام فکروں سے بچا لیا اور جو آدمی اس درجے
ئے وہ مخلوق سے غافل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اسے پاس بیٹھے ہوئے آدمی کا بھی پتہ نہیں چلتا حالانکہ اس کی آنکھیں
ہیں اور جو کچھ کہا جا رہا ہے اسے نہیں سنتا حالاں کہ وہ بہرہ نہیں ہوتا کبھی اس کا بیٹا اس کے پاس سے گزرتا ہے
ے پتہ نہیں چلتا حتیٰ کہ بعض بزرگوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوا اور کسی نے ان کو عتاب کیا تو انہوں نے اس سے فرمایا
رے پاس سے گزرو تو مجھے حرکت دے دینا۔

ہ یہ بات بعید نہیں ہے کیوں کہ تم دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کے دلوں میں اس کی مثال پاؤ گے حتیٰ کہ
خادم ان کے دربانوں میں ان کی طرف اس قدر متوجہ ہوتے ہیں کہ ان کو اپنی خبر تک نہیں ہوتی۔

بعض اوقات دنیا کے ادنیٰ کام میں مشغولیت کی وجہ سے تمام توجہ اس طرف مبذول ہو جاتی ہے اور آدمی اس
جاتا ہے اور چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ مقصود مقام سے تجاوز کر جاتا ہے اور جس کام کے لیے اٹھا تھا اسے
ہے۔

رت عبدالواحد بن زید رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اس زمانے میں کسی ایسے آدمی کو پاتے ہیں جو اپنی حالت میں
ر مخلوق سے بے خبر ہو انہوں نے فرمایا میں صرف ایک آدمی کو جانتا ہوں جو عنقریب آئے گا زیادہ دیر نہ گزری کہ عتبہ غلام
حضرت عبدالواحد بن زید نے اس سے پوچھا اے عتبہ! کہاں سے آ رہے ہو اس نے کہا فلاں جگہ سے، اور
ستہ بازار کی طرف سے تھا پوچھا راستے میں کس سے ملاقات ہوئی؟ اس نے کہا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

رت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے بارے میں مروی ہے کہ آپ ایک عورت کے پاس سے گزرے اسے
اور وہ منہ کے بل گر گئی آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے فرمایا میں نے سمجھا یہ دیوار ہے۔

ایک بزرگ کے بارے میں منقول ہے وہ فرماتے ہیں میں ایک جماعت کے پاس سے گزرا وہ تیر اندازی کر رہے تھے
شخص ان سے دور بیٹھا ہوا تھا میں اس کے پاس گیا اور اس سے گفتگو کرنا چاہی تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ کے ذکر
لذت ہے میں نے پوچھا تم تنہا ہو اس نے کہا میرے ساتھ میرا رب اور دو فرشتے ہیں میں نے پوچھا ان لوگوں میں
ن لے جانے والا کون ہے؟ فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ بخش دے میں نے پوچھا راستہ کہاں ہے انہوں نے آسمان
شارہ کیا پھر وہ اٹھ کر چلے گئے اور فرمایا (اے اللہ!) تیری مخلوق تجھ سے زیادہ غافل ہے تو یہ ایسے شخص کی گفتگو
تعالیٰ کے مشاہدے میں مستغرق ہو اسی سے کلام کرے اور اسی سے سنے اسے اپنی زبان اور اعضا کی حفاظت
نہیں رہتی کیوں کہ یہ لوگ اسی چیز کے ساتھ حرکت کرتے ہیں جو ان میں پائی جاتی ہے۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ حضرت ابوالحسین نوری رحمہ اللہ کے پاس تشریف لے گئے تو ان کو حالت اعتکاف میں نہایت
درجہ خاموشی سے بیٹھا ہوا دیکھا کہ ان کے جسم میں کسی قسم کی حرکت نہیں ہے انہوں نے پوچھا کہ آپ نے یہ مراقبہ اور

marfat.com

سکون کہاں سے سیکھا فرمایا ہمارے پاس ایک بلی تھی اس سے سیکھا ہے وہ جب شکار کا ارادہ کرتی تو بلوں کے
گھات لگا کر بیٹھتی اور اس کا ایک بال بھی حرکت نہ کرتا۔

حضرت ابو عبداللہ بن خفیف رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں مصر سے رملہ جانے کے لیے نکلا تاکہ وہاں ابو علی رودباری رحمہ
سے ملاقات کروں تو عیسیٰ بن یونس مصری نے جو معروف زاہد تھے مجھے فرمایا کہ مقام صور میں ایک نوجوان اور ایک بوڑھا
مراقبہ کی حالت میں ہیں اگر آپ ان کو ایک نظر دیکھ لیں تو شاید ان سے آپ کو نفع حاصل ہو (فرماتے ہیں) میں مقام صو
داخل ہوا اور میں بھوکا اور پیاسا تھا۔ میری کمر میں ایک کپڑا بندھا ہوا تھا لیکن میرے کاندھوں پر کچھ بھی نہ تھا۔ میں مسجد میں
ہوا تو وہاں دو آدمیوں کو دیکھا جو قبلہ رُخ بیٹھے ہوئے تھے میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے مجھے کوئی جواب نہ دیا میں
ان کو دوسری اور تیسری بار سلام کیا لیکن مجھے جواب سنائی نہ دیا میں نے کہا میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ میرے
سلام کا جواب دیں نوجوان نے مراقبہ سے سر اٹھایا اور میری طرف دیکھ کر کہا اے ابن خفیف دنیا بہت تھوڑی ہے اور
تھوڑی میں سے بھی تھوڑی رہ گئی ہے۔

اے ابن خفیف! تجھے کتنی تھوڑی مشغولیت ہے کہ تو ہماری ملاقات کے لیے فارغ ہو فرماتے ہیں اس نے مجھ پر کیا
پر اثر کیا پھر وہیں سر جھکا لیا میں ان دونوں کے پاس ٹھہرا رہا حتیٰ کہ ہم نے ظہر اور عصر کی نماز پڑھی اور میری بھوک پیاس سب
چلا گیا۔

جب عصر کا وقت ہوا تو میں نے کہا مجھے کچھ نصیحت کریں تو انہوں نے سر اٹھا کر فرمایا اے ابن خفیف! ہم مصیبت
مارے ہوئے لوگ ہیں ہمارے پاس نصیحت کے لیے زبان نہیں ہے فرماتے ہیں میں تین دن تک ان کے پاس رہا اور اس
میں نے نہ کچھ کھایا نہ پیا اور نہ ہی میں سویا اور میں نے ان کو بھی کوئی چیز کھاتے پیتے نہیں دیکھا تیسرا دن ہوا تو میں نے دل میں
ان کو قسم دیتا ہوں کہ مجھے کوئی نصیحت کریں شاید ان کی نصیحت سے مجھے کوئی نفع حاصل ہو۔ نوجوان نے سر اٹھایا اور فرمایا
ابن خفیف! ان لوگوں کی مجلس اختیار کرو جن کو دیکھنے سے تمہیں خدا یاد آجائے اور ان کی ہیبت تمہارے دل پر چھا جائے
وہ تجھے عمل کی زبان سے نصیحت کریں قول کی زبان سے نہیں۔ ہمارے پاس سے چلے جاؤ ——— تو یہ ان مراقبہ کرنے
والوں کا درجہ ہے جن کے دلوں پر بزرگی اور تعظیم کا غلبہ ہوتا ہے اور ان میں کسی غیر کی گنجائش نہیں ہوتی۔

تیسرا درجہ:

یہ ان لوگوں کا مراقبہ ہے جو اصحاب یمین متقی ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو اس بات کا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظا
باطن پر مطلع ہے لیکن ملاحظۂ جلال سے وہ مدہوش نہیں ہوتے بلکہ ان کے دل حد اعتدال پر رہتے ہیں اور احوال و اعمال کی طر
توجہ کی گنجائش بھی نہیں رہتی۔

لیکن وہ اعمال کے ساتھ مکمل تعلق کے باوجود مراقبہ سے غافل نہیں رہتے لیکن ان پر اللہ تعالیٰ سے حیا کا غلبہ ہوتا ہے

ہلئے وہ کسی بھی کام کو کرنے سے پہلے ثابت قدمی اختیار کرتے ہیں اور ہر ایسے کام سے اجتناب کرتے ہیں جس کے باعث
ت کے دن ذلت و رسوائی ہو۔

وہ دنیا میں ہی یوں سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر مطلع ہے لہٰذا وہ اس کے انتظار کے محتاج نہیں ہوتے۔

ان دونوں درجوں میں اختلاف مشاہدے کے ذریعے معلوم ہوتا ہے جب تم علیحدگی میں کوئی عمل کر رہے ہو اور
چہ یا عورت آجائے اور تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ اس سے آگاہ ہو چکا ہے تو تمہیں اس سے حیا آتا ہے اور اس کے
اچھی طرح بیٹھ جاتے ہو اور اپنے حالات کا خیال رکھتے ہو لیکن اس کا سبب بزرگی اور تعظیم نہیں ہے بلکہ حیا کی وجہ
یسا کرتے ہو۔ اس لیے کہ اس کا مشاہدہ اگرچہ تمہیں مدہوش نہیں کرتا اور نہ ہی تم مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوتے
ن اس کی وجہ سے تمہارے حیا کو حرکت ہوتی ہے۔

اور بعض اوقات تمہارے پاس کوئی بادشاہ یا کوئی بزرگ شخصیت آتی ہے تو تم اس کی تعظیم کی طرف مکمل طور پر
ہو جاتے ہو حتیٰ کہ اپنی تمام مصروفیت چھوڑ دیتے ہو اور یہ چھوڑنا حیا کی وجہ سے نہیں ہوتا۔

نو اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مراقبہ کے سلسلے میں بندوں کے درجات بھی مختلف ہیں لہٰذا جو شخص اس درجے میں ہو
تمام حرکات و سکنات اور خطرات و لحظات کی نگرانی کرے بلکہ تمام اختیارات کی حفاظت کرے اور ان امور میں دو
ہوتی ہیں ایک نظر عمل سے پہلے اور دوسری نظر عمل کے دوران۔

عمل سے پہلے نظر یہ ہے کہ وہ دیکھے کہ جو کچھ اس کے سامنے ظاہر ہوا یا دل میں عمل کے لیے حرکت پیدا ہوئی ہے کیا
رتعالیٰ کے لیے خالص ہے یا وہ نفسانی خواہش اور شیطان کی پیروی میں ہے تو اس سلسلے میں اچھی طرح غور کرے
نورِ حق کے ذریعے یہ بات واضح ہو جائے۔

اگر وہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو اسے کرے اور اگر غیرِ خدا کے لیے ہو تو اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے اس کام سے
جائے۔

پھر اپنے نفس کو ملامت کرے کہ اس نے اس میں رغبت کی اس کا قصد کیا اور اس کی طرف جھکا اور اسے اس
ل کی برائی سمجھا دے اور بتائے کہ اس (نفس) نے اپنی رسوائی کے لیے یہ کوشش کی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اسے
نہ رکھتا تو وہ خود اپنے آپ سے دشمنی کرنے والا ہوتا۔

حقیقت حال کی وضاحت تک یہ توقف ضروری ہے اور اس سے کسی کے لیے بھی فرار کی گنجائش نہیں کیوں کہ حدیث شریف
ہے کہ بندے کے لیے اس کی ہر حرکت کے تین دفتر (رجسٹر) کھولے جائیں گے اگرچہ وہ حرکت چھوٹی ہی ہو ایک دفتر یہ کہ کیوں
دوسرا یہ کہ کس طرح کیا؟ اور تیسرا یہ کہ کس کے لیے کیا؟

مطلب یہ ہے کہ تو نے یہ کام کیوں کیا؟ کیا تجھ پر اپنے آقا کے لیے اس کا کرنا لازم تھا یا اپنی خواہشات کے تحت اس کی

طرف مائل ہوا۔ اگر اس سے بچ گیا کہ اپنے آقا کے لیے (اللہ تعالیٰ کے لیے) اسے کرنا مطلوب تھا تو دوسرا سوال کیسے کیا؟ کیوں کہ ہر عمل میں اللہ تعالیٰ کے لیے شرط اور حکم ہے اس کی مقدار، وقت اور صفت سے آگاہی علم کے بغیر نہ ہوتی تو اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے یہ عمل کس طریقے سے کیا؟ یقینی علم کے ساتھ یا جہالت کے ساتھ یا گمان اور ا کے ساتھ؟ اگر اس سوال سے بھی محفوظ رہا تو تیسرا دفتر کھلے گا اور اخلاص کے بارے میں سوال ہوگا اور اس سے جائے گا کس کے لیے عمل کیا؟ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور لاالہ الا اللہ ہر عمل کرنے کے لیے؟ اگر یہ صورت تو تیرا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر واجب ہوگیا اور اگر اپنے جیسی مخلوق کو دکھانے کے لیے یہ عمل کیا ہے تو ثواب بھی سے طلب کر اگر دنیا کا مال حاصل کرنے کے لیے کیا ہے تو ہم تمہارا دنیوی حصہ تمہیں دے چکے ہیں اور اگر غفلت اور کے طور پر کیا ہے تو تیرا اجر بھی گیا عمل بھی ضائع ہوگیا اور کوشش بھی برباد ہوگئی اور اگر میرے غیر کے لیے یہ کام کیا تو اور ناراضگی لازم ہوگئی کیوں کہ تو میرا بندہ تھا میرا رزق کھاتا اور میری نعمتوں سے نفع حاصل کرتا تھا پھر تو نے دوسروں کے کیا کہا تو نے میرا یہ قول نہیں سنا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ۔ (۱)

بے شک تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پوجتے ہو وہ تمہاری طرح بندے ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَمْلِکُوْنَ لَکُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰہِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْہُ۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو تم پوجتے ہو وہ تمہارے لیے رزق کے مالک نہیں ہیں پس اللہ تعالیٰ کے پاس رزق تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

تجھے کیا ہوا تو نے میری یہ بات نہیں سنی۔

اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ۔ (۳)

سنو! صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔

پس جب بندے کو معلوم ہو جائے کہ اس سے یہ سوالات ہوں گے اور جھڑکیوں کا سامنا کرنا پڑے گا تو وہ اپنے نفس سے مطالبہ کرتا ہے اس سے پہلے کہ اس سے پوچھا جائے اور سوال کے لیے جواب تیار رکھتا ہے۔ لیکن جواب درست ہونا چاہیے اور کوئی کام شروع سے کرے یا دوبارہ کرے اس کے لیے پہلے سے غور و فکر ہونا چاہیے بلکہ پک اللہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۱۹۴

(۲) قرآن مجید، سورۂ عنکبوت آیت ۱۷

(۳) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۳

marfat.com

وسوچ وبچار کے بعد حرکت دے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

إِنَّ الرَّجُلَ لَيُسْئَلُ عَنْ كُحْلِ عَيْنَيْهِ وَ عَنْ فَتِّهِ الطِّيْنَ بِاُصْبُعَيْهِ وَعَنْ لَمْسِهِ ثَوْبَ اَخِيْهِ۔ (۱)

بے شک آدمی سے اس کی آنکھوں کے سرمے انگلیوں سے گارا توڑنے اور اپنے بھائی کے کپڑوں کو چھونے کے بارے میں بھی سوال ہوگا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اسلاف میں سے کوئی شخص اگر صدقہ کرنا چاہتا تو وہ غور وفکر کرتا اور سوچتا اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوتا تو صدقہ بنا۔

حضرت حسن رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو کسی چیز کا ارادہ کرتے وقت رک جاتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو کر گزرتا اور اگر غیر خدا کے لیے ہو تو ٹھہر جاتا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ان کو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔

جب کسی بات کا ارادہ کرو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو (۲)

حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔

مومن توقف کرنے والا اور غور وفکر کرنے والا ہوتا ہے وہ ارادہ کرتے وقت توقف کرتا ہے رات کے وقت لکڑیاں اکٹھا کرنے والے کی طرح نہیں ہوتا تو مراقبے کے سلسلے میں یہ پہلی نظر اور سوچ وبچار ہے۔ اور اس سے بچاؤ کے لیے علم متین (مضبوط) اعمال کے اسرار کی حقیقی معرفت اور نفس وشیطان کے مکر وفریب سے آگاہی ضروری ہے۔

جب تک آدمی اپنے نفس، اپنے رب اور اپنے دشمن شیطان کی پہچان حاصل نہ کرے اور اسے معلوم نہ ہو کہ نفس کی کن کے مطابق کونسا کام ہے اور جب تک وہ اپنی نیت، ارادے، فکر اور حرکات وسکنات کے سلسلے میں خواہش ت ورضائے خداوندی کے درمیان تمیز نہ کرے اس مراقبہ میں محفوظ نہیں ہو سکتا بلکہ اکثر لوگ ان کاموں میں جہالت رتکب ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

اور تمہیں یہ گمان نہیں کرنا چاہیئے کہ جاہل جس بات کو سیکھنے پر قادر ہوتا ہے اس میں اس کا عذر قبول کیا جائے گا نہیں بلکہ علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے یہی وجہ ہے کہ عالم کی دو رکعتیں، غیر عالم کی ہزار رکعات سے بہتر ہیں کیوں کہ وہ نفوس

---

۱ حلیۃ الاولیاء جلد اول ص ۲۶ مقدمۃ الکتاب

۲ سنن ابن ماجہ ص ۳۱۲، ابواب الزھد

marfat.com

کی آفات، شیطان کی مکاریوں اور دھوکے کے مقامات سے واقف ہوتا ہے۔ لہٰذا ان سے بچتا ہے۔
جب کہ جاہل کو اس بات کی پہچان نہیں ہوتی پس وہ کیسے بچے گا؟ لہٰذا جاہل ہمیشہ مشقت میں مبتلا رہتا ہے اور شیطان اس سے خوش خوش رہتا ہے ہم جہالت اور غفلت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں کیوں کہ یہ ہر بدبختی کی جڑ اور ہر نقصان کی بنیاد ہے۔

تو ہر بندے کو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ جب وہ کسی عمل کا ارادہ کرے اور اپنے اعضاء کو کوشش میں لگانا چاہے تو اس وقت تک عمل میں جلدی نہ کرے جب تک نورِ علم کے ذریعے اس پر واضح نہ ہو جائے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے ہے پھر اسے کرنا چاہیے۔ اور اگر وہ نفس کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے ہے تو بچنا چاہیے اور وہ اپنے دل کو اس کے بارے میں سوچنے اور اس کا ارادہ کرنے پر جھڑک دے کیوں کہ باطل کام میں پہلے خطرے کو دور نہ کیا جائے تو اس سے رغبت پیدا ہوتی ہے رغبت ارادے کو جنم دیتی ہے اور ارادہ عزم صمیم کا باعث بنتا ہے اور عمل تباہی اور غضب خداوندی کا سبب ہوتا ہے۔

لہٰذا شروع ہی سے شر کے مادے کی بیخ کنی کی جائے اور یہ دل کا خیال ہوتا ہے باقی سب باتیں اس کے بعد آتی ہیں اور جب آدمی پر یہ بات مشکل ہو جائے اور واقعہ منکشف نہ ہو بلکہ تاریکی میں ہو تو نورِ علم کے ساتھ اس میں غور و فکر کرے اور شیطان کے مکر و فریب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہیے جو خواہش کے ذریعے سامنے آتا ہے اور اگر خود سوچ و بچار نہ کر سکے تو علماء دین کے نور سے روشنی حاصل کرے اور گمراہ کرنے والے دنیادار علماء سے اس طرح بھاگے جس طرح شیطان سے بھاگتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ بھاگے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اس عالم کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھیں جس پر دنیا کی محبت کا نشہ غالب ہے وہ تمہیں میری محبت سے الگ کر دے گا ایسے علماء میرے بندوں کو لوٹنے والے لٹیرے ہیں۔

تو جو دل دنیا کی محبت اور سخت حرص کی وجہ سے اندھیرے میں ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے پردے میں ہوتا ہے کیوں کہ دلوں کے انوار حضرت ربوبیت سے چمکتے ہیں تو جو شخص اس سے پیٹھ پھیر کر اس کے دشمن کی طرف متوجہ ہو اور اس سے اللہ تعالیٰ کو بغض اور دشمنی ہو یعنی وہ دنیاوی خواہشات کا عاشق ہو وہ انوار ربوبیت سے کب تجلّی حاصل کر سکتا ہے۔

تو مرید کا پہلا ارادہ اچھی طرح علم حاصل کرنا ہے یا کسی ایسے عالم کو تلاش کرے جو دنیا سے منہ پھیرنے والا ہے یا اس میں اس کی رغبت کم ہو بشرطیکہ ایسا شخص نہ ملے جو بالکل رغبت نہیں رکھتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْبَصَرَ النَّافِذَ عِنْدَ شبہات کے وقت چشم بینا اور خواہشات کے ہجوم

marfat.com

دُرُوْدِ الشُّبُهَاتِ وَالْعَقْلَ الْكَامِلَ عِنْدَ هُجُوْمِ الشَّهَوَاتِ (۱)

کے وقت عقل کامل کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔

آپ نے ان دو چیزوں کو جمع فرمایا اور یہ دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں کیوں کہ جس شخص کے پاس خواہشات روکنے والی عقل نہ ہو اس کے پاس شبہات کو پرکھنے والی نگاہ بھی نہیں ہوتی۔

ی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ فَارَقَ ذَنْبًا فَارَقَهُ عَقْلٌ لَا يَعُوْدُ اِلَيْهِ اَبَدًا۔ (۲)

جو شخص کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اس سے عقل یوں جدا ہو جاتی ہے کہ کبھی بھی اس کی طرف نہیں لوٹتی۔

انسان کو جس عقل کے ذریعے سعادتمندی حاصل ہے وہ کس قدر ہے گناہوں کے ذریعے اسے بھی مٹانے کا قصد ہے۔

س زمانے میں اعمال کی آفات کی پہچان بالکل مٹ چکی ہے اور تمام لوگوں نے ان علوم کو چھوڑ دیا اور خواہشات کی بنیاد کے درمیان جو جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں ان میں پڑ کر اس کا نام فقہ رکھ دیا ہے اور یہ علم جو دین کی فقہ تھا اسے م سے خارج کر دیا اور دنیوی فقہ میں مشغول ہو گئے جس کا مقصد صرف اتنا تھا کہ دلوں کے شغل کو دور کر کے دین کی فقہ یے فارغ ہوں تو اس فقہ کے واسطے سے دینوی فقہ دین بنی تھی۔

حدیث شریف میں ہے۔

اَنْتُمُ الْيَوْمَ فِيْ زَمَانٍ خَيْرُكُمْ فِيْهِ الْمُسَارِعُ وَسَيَاْتِيْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ خَيْرُكُمْ فِيْهِ الْمُتَثَبِّتُ۔ (۳)

آج تم ایسے زمانے میں ہو کہ تم میں سے وہ شخص بہتر ہے جو عمل میں جلدی کرتا ہے اور عنقریب تم پر ایسا زمانہ آئے گا کہ تم میں سے وہ شخص بہتر ہو گا جو توقف کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے عراقیوں اور شامیوں سے لڑنے میں توقف کیا کیوں کہ ان پر یہ معاملہ مشتبہ تھا۔ جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت اسامہ حضرت محمد بن مسلمہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ اور جو شخص کو شبہ کے وقت توقف نہ کرے وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اپنی رائے کو پسند کرنے والا ہو گا ان لوگوں میں سے ہو گا جن کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) تذکرہ الموضوعات ص ۱۸۸ باب الاخلاق المحمودہ

(۲) تذکرہ الموضوعات ص ۱۶۹ باب الاخلاق المحمودہ

(۳)

marfat.com

فَاِذَا رَاَیْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَھَوًی مُتَّبَعًا وَاِعْجَابَ کُلِّ ذِیْ رَاْیٍ بِرَاْیِہٖ فَعَلَیْکَ بِخَاصَّۃِ نَفْسِکَ۔ (۱)

جب تم دیکھو کہ بخل کی اطاعت اور خواہش کی پیروی کی جاتی ہے نیز ہر رائے دینے والا اپنی رائے کو ہی پسند کرتا ہے تو اس وقت تمہیں اپنی فکر کرنی چاہیے۔

اور جو شخص تحقیق کے بغیر شبہ میں پڑتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی کی مخالفت کرتا ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ۔ (۲)

اور جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو۔

اور اس نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث شریف کی بھی مخالفت کی آپ نے فرمایا۔

اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ۔ (۳)

اپنے آپ کو گمان سے بچاؤ کیوں کہ گمان سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔

اس سے وہ گمان مراد لیا جو دلیل کے بغیر ہو جیسے عوام میں سے بعض لوگ اشتباہ کے وقت اپنے دل سے فتویٰ لے کر گمان کے پیچھے چلتے ہیں چوں کہ یہ کام مشکل بھی ہے اور عظیم بھی اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یوں دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنِی الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنِیْ اِتِّبَاعَہٗ وَاَرِنِی الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنِیْ اِجْتِنَابَہٗ وَلَا تَجْعَلْہُ مُتَشَابِھًا عَلَیَّ فَاَتَّبِعَ الْھَوٰی۔

یا اللہ مجھ پر حق کو واضح فرما کر مجھے اس کی اتباع کی توفیق عطا فرما اور باطل کو میرے سامنے واضح کر کے مجھے اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما اور اسے میرے لیے مشتبہ نہ بنانا تاکہ میں خواہش کی پیروی کروں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

امور تین قسم کے ہیں ایک وہ بات ہے جس کا اچھا ہونا ظاہر ہے اس کی اتباع کرو دوسرا وہ جس کی خرابی (گمراہی) واضح ہے اس سے بچو اور تیسری قسم کا کام وہ ہے جس میں تمہیں شبہ پڑتا ہے اسے اس کے عالم کے حوالے کر دو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا اس طرح تھی۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَقُوْلَ فِی الدِّیْنِ بِغَیْرِ عِلْمٍ۔ (۴)

یا اللہ! میں دین میں علم کے بغیر کوئی بات کرنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

---

(۱) حلیۃ الاولیا، جلد ۳ ص ۲۱۹ ترجمہ ۲۳۸

(۲) قرآن مجید، سورۂ اسراء آیت ۳۶

(۳) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۳۸۴ کتاب الوصایا

(۴) تذکرہ الموضوعات ص ۲۲، کتاب العلم

marfat.com

تو اللہ تعالیٰ کا بندوں پر سب سے بڑا انعام علم اور حق کا واضح ہونا ہے اور ایمان بھی ایک قسم کا علم اور کشف ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بندوں پر احسان رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ (۱) اور یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

اور اس سے علم مراد ہے۔ نیز ارشاد فرمایا۔

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۲) اور اہل علم سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى۔ (۳) بے شک ہدایت ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔

اور فرمایا۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (۴) پھر اس کا بیان ہمارے ذمہ ہے۔

اور فرمایا۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ۔ (۵) اور سیدھی راہ اللہ تعالیٰ ہی بتاتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

خواہش نفس، تابینائی کی شریک ہے اور حیرانگی کے وقت توقف کرنا توفیق کی بات ہے اور غم کو ٹالنے والی بہترین یقین ہے جھوٹ کا انجام پشیمانی ہے اور سچ میں سلامتی ہے بہت سے بیگانے اپنوں سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور یب وہ ہے جس کا کوئی حبیب نہ ہو اور صدیق وہ ہے جس کا اندر اس کی تصدیق کرے بدظنی کے باعث کسی دوست کو ونہ دینا بہترین عادتِ کرم ہے حیاء ہر اچھی بات کا باعث ہے اور سب سے مضبوط رسی تقویٰ ہے اور سب سے مستحکم ب جسے تو اختیار کرے وہ سبب ہے جو تیرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے دنیا میں سے تیرا حصہ وہی ہے جس کے ریعے تو اپنی آخرت کو درست کرے رزق کی دو قسمیں ہیں ایک رزق وہ ہے جسے تو تلاش کرتا ہے اور دوسرا وہ جو تجھے لاش کرتا ہے اگر تو اس کے پاس نہ جائے تو وہ تیرے پاس آئے گا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۱۱۳

(۲) قرآن مجید، سورۂ النحل آیت ۴۳

(۳) قرآن مجید، سورۂ اللیل آیت ۱۲

(۴) قرآن مجید، سورۂ القیامۃ آیت ۱۹

(۵) قرآن مجید، سورۂ النحل آیت ۹

marfat.com

اگر تو اس چیز پر پہنچنے والی مصیبت پر واویلا کرتا ہے جو تجھ تک پہنچی ہے تو جو تجھ تک نہیں پہنچی اس پر واویلا نہ کر۔
اور جو چیز نہیں ہوئی اسے اس پر قیاس کر جو ہو چکی ہے کیوں کہ تمام امور ایک جیسے ہیں انسان اس چیز کے حصول پر خو
ہوتا ہے جو جانے والی نہ ہو اور جسے کبھی نہیں پا سکتا اس کے نہ ملنے پر ناراض ہوتا ہے تجھے دنیا سے جو کچھ ملے اس پر
خوش نہ ہو اور جو کچھ تجھے نہ مل سکا اس پر افسوس نہ کر۔ تجھے اس پر خوش ہونا چاہیئے جو آگے بھیجا اور اس پر افسوس کرنا چاہ
جو تم نے پیچھے چھوڑا تجھے آخرت کے لیے مشغول ہونا چاہیئے اور موت کے بعد کے بارے میں فکر مند ہونا چاہیئے۔
ان تمام کلمات کو نقل کرنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ حیرت کے وقت توقف کرنا توفیق کی بات ہے۔
تو مراقبہ کرنے والے کی پہلی نظر اس بات پر ہونی چاہیے کہ اس کا ارادہ اور حرکت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یا خواہش کے
تابع ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ اسْتَكْمَلَ إِيمَانَهُ لَا يَخَافُ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَلَا يُرَائِي بِشَيْءٍ مِنْ عَمَلِهِ وَإِذَا عَرَضَ لَهُ أَمْرَانِ أَحَدُهُمَا لِلدُّنْيَا وَالْآخَرُ لِلْآخِرَةِ آثَرَ الْآخِرَةَ عَلَى الدُّنْيَا۔ (۱)

تین باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں پائی جائیں اس کا ایمان مکمل ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے معاملات میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتا اپنے کسی عمل میں ریاکاری نہیں کرتا اور جب اس کے سامنے دو باتیں پیش ہوں ایک کا تعلق دنیا سے ہو اور دوسری آخرت سے متعلق ہو تو وہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔

اور جب کوئی عمل ایسا معلوم ہو کہ وہ مباح (جائز) ہے لیکن اس کا کوئی مقصد نہیں تو اسے چھوڑ دے کیوں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ۔ (۲)

انسان کے حُسنِ اسلام سے ہے کہ بے فائدہ کام کو چھوڑ دے۔

دوسری نظر، مراقبے کی دوسری نظر عمل شروع کرتے وقت ہوتی ہے وہ یہ کہ کیفیتِ عمل کا طالب ہوتا کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے حق کو پورا کر سکے۔ اس کو پورا کرنے میں نیت اچھی ہو اور اس کی صورت کو مکمل کر کے حتی الامکان اسے کامل بنائے اور یہ بات اسے ہر حالت میں لازم ہوتی ہے کیوں کہ وہ کسی بھی حالت میں حرکت و سکون سے خالی نہیں ہوتا جب وہ ان تمام حالتوں میں اللہ تعالیٰ کو سامنے رکھے گا تو، نیت، حُسنِ عمل اور رعایتِ ادب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر قادر ہو گا ش

---

(۱) کنز العمال جلد ۵ ص ۸۱، حدیث ۴۳۲۴۷
(۲) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۱۸ کتاب الادب

marfat.com

ب وہ بیٹھے تو اسے چاہیے کہ قبلہ رُخ ہو کر بیٹھے کیوں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

خَیْرُ الْمَجَالِسِ مَا اسْتُقْبِلَ بِهِ الْقِبْلَةَ۔(۱) بہترین مجلس وہ ہے جس میں قبلہ کی طرف رُخ ہو۔

اور چوکڑی مار کر نہ بیٹھے کیوں کہ بادشاہوں کے سامنے اس طرح نہیں بیٹھتے اور تمام بادشاہوں کا بادشاہ اس پر مطلع ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ میں ایک دفعہ چوکڑی مار کر بیٹھا تو میں نے ایک غیبی آواز سنی کہ بادشاہوں کے امنے اس طرح بیٹھتے ہیں؟ اس کے بعد میں کبھی بھی چوکڑی مار کر نہیں بیٹھا۔

اور اگر سوئے تو قبلہ رُخ ہو کر دائیں ہاتھ پر سوئے، اور ان تمام آداب کا خیال رکھے جن کا ذکر ہم ان کے مقام پر کر چکے ہ یہ سب باتیں مراقبے میں شامل ہیں۔

بلکہ قضائے حاجت کے وقت آداب کا خیال رکھنا بھی مراقبے کو پورا کرنا ہے۔

تو انسان تین حال سے خالی نہیں ہوتا عبادت میں مصروف ہوگا یا گناہ میں یا کسی مباح کام میں تو عبادت میں اس کا مراقبہ ت کا خالص ہونا، عبادت کو مکمل کرنا، آداب کا خیال رکھنا اور عبادت کو آفات سے بچانا ہے۔

اگر گناہ میں مشغول ہو تو اس کا مراقبہ توبہ کرنا، نادم ہونا باز رہنا، حیا کرنا اور غور و فکر میں مشغول ہونا ہے اگر کسی مباح (جائز) ام میں مصروف ہے (جس کا کرنا ضروری نہیں ہے) تو اس صورت میں آداب کا لحاظ کرنا نعمتوں کے ملنے پر منعم کا شکر ادا رنا ہے۔

بندہ کسی بھی حالت میں ہو، مصیبتوں اور آزمائشوں سے خالی نہیں ہوتا لہٰذا اسے ان پر صبر کرنا چاہیے اسی طرح اسے نعمت ہ ملتی ہے تو اس پر اسے شکر ادا کرنا چاہیے یہ تمام باتیں مراقبے سے تعلق رکھتی ہیں۔

بلکہ بندے پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے فریضہ عائد ہوتا ہے وہ یا تو کوئی فعل ہوگا جس کی ادائیگی اس پر لازم ہوگی لوئی ممنوع بات ہوگی جس کا چھوڑنا ضروری ہوگا یا کوئی مستحب کام ہوگا جس کی اسے ترغیب دی جاتی ہے تاکہ اس کے ذریعے ند تعالیٰ کی طرف سے مغفرت حاصل کرنے میں جلدی کرے اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے بندوں سے سبقت لے جائے وہ کام مباح ہوگا جس میں اس کے جسم اور دل کی اصلاح اور عبادت خداوندی پر مدد ہوگی۔

ان میں سے ہر ایک کی کچھ حدود ہیں جن کی رعایت ضروری ہے اور وہ دائمی مراقبے سے ہوتی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ۔ (۲)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کر جائے اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۲۷۰ کتاب الادب (۲) قرآن پاک سورۃ طلاق آیت ۱

marfat.com

تو بندے کو ہر وقت ان تین قسموں سے متعلق اپنے نفس کا خیال رکھنا چاہیے جب فرائض سے فارغ ہو اور نوافل پر قادر ہو تو اسے سب سے بہتر عمل تلاش کرنا چاہیے تاکہ اس میں مشغول ہو۔ کیوں کہ جو شخص زیادہ نفع حاصل کر سکے لیکن حاصل نہ کرے وہ نقصان اٹھاتا ہے اور زیادہ نفع، نفلی اعمال کے زیادہ ہونے سے حاصل ہوتا ہے اسی لیے بندہ اپنی دنیا سے آخرت کا حصہ وصول کرتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔ (۱) اور دنیا سے اپنا حصہ لینا نہ بھولنا۔

اور یہ سب کچھ ایک ساعت کے صبر سے ہو سکتا ہے کیوں کہ ساعتیں تین ہیں ایک وہ ساعت ہے جو گزر چکی ہے اسی میں کوئی تھکاوٹ نہیں وہ مشقت میں گزری یا آرام میں، دوسری ساعت وہ ہے جو ابھی آئے گی بندے کو اس بات کا علم نہیں کہ اس میں زندہ رہے گا یا نہیں ؟۔ اور اسے اس بات کا علم بھی نہیں کہ اس ساعت میں اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں کیا فیصلہ فرمائے گا اور تیسری ساعت وہ ہے جس میں بندہ موجود ہے اسے اس میں اپنے نفس سے مجاہدہ کرنا اور اپنے رب کو سامنے رکھنا چاہیئے اگر اسے آئندہ ساعت نہ بھی ملی تو اس کے فوت ہونے پر افسوس نہ ہوگا اور اگر آنے والی ساعت حاصل ہو گئی تو اس سے بھی اپنا حق وصول کرے گا جس طرح پہلی ساعت سے حصہ حاصل کیا اور اپنی عمر کی امید پچاس سال نہ ٹھہرائے اس طرح وہ اتنی لمبی مدت میں مراقبہ سے گھبرا جائے گا بلکہ یوں سمجھے کہ اس کا وقت پورا ہو چکا ہے اور یہ اس کے آخری سانس ہیں ہو سکتا ہے یہ اس کے آخری سانس ہوں اور اسے علم نہ ہو اور جب اس بات کا امکان ہے کہ یہ اس کے آخری سانس ہیں تو اسے ایسے طریقے پر ہونا چاہیئے جس میں اسے موت آجائے تو وہ اسے ناپسند نہ کرے بلکہ اس کے تمام احوال اس طریقے پر رہیں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يَكُونُ الْمُؤْمِنُ ظَاعِنًا إِلَّا فِي ثَلَاثَةٍ تَزَوُّدٍ لِمَعَادٍ أَوْ مَرَمَّةٍ لِمَعَاشٍ أَوْ لَذَّةٍ فِي غَيْرِ مُحَرَّمٍ۔ (۲)

مومن صرف تین باتوں کی طمع رکھتا ہے آخرت کے لیے سامان کی معاش کی درستگی کی یا حلال چیز کی لذت کی۔

اور اسی طرح کی ایک دوسری حدیث بھی ان سے مروی ہے۔

عَلَى الْعَاقِلِ أَنْ تَكُونَ لَهُ أَرْبَعُ سَاعَاتٍ سَاعَةٌ يُنَاجِي فِيهِ رَبَّهُ وَسَاعَةٌ يُحَاسِبُ فِيهَا نَفْسَهُ وَسَاعَةٌ يَتَفَكَّرُ فِيهَا فِي

عقل مند آدمی کے لیے چار ساعتیں ہونی چاہیں ایک ساعت میں اپنے رب سے مناجات کرے دوسری ساعت میں اپنے نفس کا احتساب کرے تیسری میں

---

(۱) قرآن پاک سورہ قصص آیت ۷۷

(۲) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۱۸۸، ۱۸۹ کتاب الفقہاء

marfat.com

صُنْعِ اللهِ وَسَاعَةٍ يَخْلُوْنَ فِيْهَا لِلْمَطْعَامِ وَ الْمَشْرَبِ ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کی تخلیق وصنعت میں غور کرے اور چوتھی ساعت میں کھانے پینے کے لیے فارغ ہو۔

کیوں کہ یہ ساعت (کھانے پینے والی ساعت) باقی تین ساعتوں پر مددگار ہوگی پھر جس ساعت میں کھانے پینے میں مشغول ہو ی افضل عمل سے خالی نہیں ہونی چاہیے اور وہ ذکر وفکر ہے مثلاً اس نے جو کھانا حاصل کیا اس میں اتنے عجائب راگران میں غور وفکر کرے اور ان کو سمجھے تو یہ اعضا کے بہت سے اعمال سے افضل ہے۔

اور اس سلسلے میں لوگوں کی کئی قسمیں ہیں۔

ایک قسم ان لوگوں پر مشتمل ہے جو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی صنعت کے عجائبات کو دیکھتے پر یہ کہ حیوانات کی زندگی اس سے کس طرح مربوط ہے اسباب کے سلسلے میں تقدیر خداوندی کی کیفیت کیا ہے نیز خواہشات کو پیدا کیا جو اس کا باعث ہے اور اس خواہش کے لوازم جو مسخر ہیں ان کو پیدا کیا جیسا کہ ہم نے ان میں ے بعض باتیں شکر کے بیان میں ذکر کی ہیں یہ عقل مند لوگوں کا مقام ہے۔

ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو غصے اور ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس میں صرف مجبوری کی حالت کو پیش رکھتے ہیں وہ اس سے بے نیاز ہونا چاہتے ہیں لیکن وہ دیکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں نفس خواہش کی وجہ سے مجبور ہیں اہد لوگوں کا مقام ہے۔

تیسری قسم ان لوگوں سے متعلق ہے جو صانع کی صنعت کو دیکھتے ہیں اور اس سے خالق کی صفات کی طرف ترقی تے ہیں ان کا غذاؤں کو دیکھنا فکر کے دروازے کو کھولتا ہے اور یہ سب سے اعلیٰ مقام ہے یہ عارفین کا مقام اور ن کی علامت ہے کیوں کہ جب کوئی محب، اپنے محبوب کی کاریگری اس کی کتاب اور تصنیف کو دیکھتا ہے تو وہ ت کو بھول جاتا ہے اور اس کا دل صانع (بنانے والے) میں مشغول ہو جاتا ہے۔

بندہ جس چیز میں بھی غور وفکر کرتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی صنعت موجود ہوتی ہے اب اگر اس کے لیے ملکوت کے ازے کھل جائیں تو صانع کی طرف دیکھنے کی بہت گنجائش ہے لیکن یہ بہت ہی کمیاب ہے۔

اور چوتھی قسم ان لوگوں کی ہے جو ان کھانوں کو حرص اور رغبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں چنانچہ جو کچھ انہیں ملا اس پر ن افسوس ملتے ہیں اور جو کچھ حاصل ہوا اس پر خوش ہوتے ہیں جو کچھ ان کی خواہش کے مطابق نہیں ہوتا اسے چھوڑ دیتے ا اس میں عیب نکالتے ہیں اور اس کے فاعل کی برائی بیان کرتے ہیں یعنی پکانے والے کی مذمت کرتے ہیں اور انہیں وم نہیں کہ پکانے والے کو جو قدرت اور علم حاصل ہوا وہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۱۸۸، ۱۸۹، کتاب الافکار

marfat.com

بغیر اس کی مخلوق میں سے کسی چیز کی مذمت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناشائستہ کلمات کہتا ہے اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ۔ (۱)

زمانے کو گالی نہ دو کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی زمانے کو پیدا کرنے والا ہے۔

یہ مراقبے کا دوسرا درجہ ہے اس میں اعمال کے دوام کی نگاہداشت ہوتی ہے اس کی تشریح بہت طویل ہے اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے اصول کو مضبوط کرنے والے کے لیے راستے سے آگاہی ہے۔

فصل ۳:

نگہداشت کا تیسرا مقام ــــ عمل کے بعد نفس کا محاسبہ

اس کی فضیلت کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ۔ (۲)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ہر نفس کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل (قیامت) کے لیے کیا آگے بھیجا ہے

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ گذشتہ اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیے اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ محاسبہ کیا جائے اور وزن کئے جانے سے پہلے وزن کرو۔"

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی نصیحت کیجئے آپ نے پوچھا کیا تم نصیحت طلب کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا۔

اِذَا هَمَمْتَ بِاَمْرٍ فَتَدَبَّرْ عَاقِبَتَهٗ فَاِنْ كَانَ رُشْدًا فَامْضِهٖ وَاِنْ كَانَ غَيًّا فَانْتَهِ عَنْهُ۔

جب کسی کام کا ارادہ کرو تو اس کے انجام میں غور و فکر کرو اگر وہ درست ہو تو اسے کر گزرو اور اگر گمراہی ہو تو اس سے رک جاؤ۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ عقل کے لیے چار ساعتیں ہونی چاہیں (اور) ایک ساعت میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ

اے ایمان والو! تم سب بارگاہ خداوندی میں توبہ کرو

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۳۷ کتاب الالفاظ من الادب

(۲) قرآن مجید، سورۂ حشر آیت ۱۸

marfat.com

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ (۱) تاکہ کامیابی حاصل کرو۔

اور توبہ یہ ہے کہ عمل کے ندامت کے ساتھ اسے دیکھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ فِی الْیَوْمِ مِائَۃَ مَرَّۃٍ ۔ (۲)

بے شک میں دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۔ (۳)

بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی ٹھیس پہنچتی ہے تو وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ جب رات ہو جاتی تو آپ اپنے پاؤں پر دُرہ مارتے اور اپنے پ سے پوچھتے کہ آج تم نے کیا عمل کیا ہے؟

حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں آدمی اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے شریک کی نسبت خود اپنے نفس کا محاسبہ شدت سے نہ کرے اور دو شریک کام کے بعد ایک دوسرے سے ساب کرتے ہیں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وصال کے وقت ان سے فرمایا کہ مجھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہیں پھر فرمایا میں نے کیا کہا ہے؟ نہوں نے وہی بات دھرائی کہ آپ نے یہ فرمایا ہے۔

آپ نے فرمایا (نہیں بلکہ) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے زیادہ مجھے کوئی عزیز نہیں ـــــ تو دیکھئے کس طرح انہوں نے ل کے بعد غور و فکر کیا اور ایک بات کو دوسری بات سے بدل دیا۔

اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب نماز میں پرندے نے ان کی توجہ دوسری طرف مبذول کر دی انہوں نے اپنا باغ اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ کر دیا (۴)

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نور آیت ۳۱

(۲) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۰۸ کتاب الادعیۃ

(۳) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۲۰۱

(۴)

marfat.com

اس کی وجہ ندامت اور اس (صدقہ) کے عوض (ثواب) کی امید تھی حضرت ابن سلام رضی اللہ عنہ کی روایت ہیں۔ انہوں نے لکڑیوں کا ایک گٹھا اٹھایا تو ان سے کہا گیا اے ابو یوسف! آپ کے بیٹے اور غلام اس کام کے لیے کافی تھے۔ فرمایا میں اپنے نفس کا تجربہ کرنا چاہتا تھا کہ کہیں وہ انکار تو نہیں کرتا۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں مومن اپنے نفس پر حاکم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا محاسبہ کرتا رہتا ہے ان لوگوں کا حساب آسان ہوگا جو دنیا میں اپنے نفسوں کا محاسبہ کرتے ہیں اور قیامت کے دن ان لوگوں کا حساب سخت ہوگا جنہوں نے اس کام کو حساب کے بغیر لیا پھر انہوں نے محاسبہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا مومن کے سامنے اچھا کوئی بات آتی ہے اور وہ اسے اچھی لگتی ہے تو وہ کہتا ہے قسم بخدا! تو مجھے اچھی لگتی ہے اور تو میری ضرورت بھی ہے لیکن کروں تیرے اور میرے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی ہے یہ عمل سے پہلے حساب ہے ـــــ پھر فرمایا کہ بعض اوقات سے کوتاہی ہو جاتی ہے تو وہ اپنے نفس کی طرف رجوع کرتا ہے اور کہتا ہے اس سے تیرا کیا ارادہ ہے؟ اللہ تعالیٰ کی اس سلسلے میں میرا عذر قبول نہیں کیا جائے گا اور اللہ کی قسم میں آئندہ کبھی بھی یہ کام نہیں کروں گا - ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلا حتی کہ آپ ایک باغ میں تشریف لے گئے میرے اور آپ کے درمیان ایک دیوار حائل تھی میں نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے اور اس وقت آپ باغ کے اندر تھے اے عمر بن خطاب تو امیر المومنین ہے، کیا خوب! اللہ کی قسم تجھے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہوگا ورنہ وہ تجھے عذاب دے گا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (۱) ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں

اس آیت کی تفسیر میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مومن ہمیشہ اپنے نفس کو جھڑکتا رہتا ہے کہ اس کلام سے میرا کیا ارادہ تھا! اس کھانے سے کیا مقصود تھا! میرے اس پینے سے کیا ارادہ تھا؟ اور بدکار اکثر زندگی بسر کرتا اور کام کرتا رہتا ہے کبھی بھی اپنے نفس کو عتاب نہیں کرتا۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو اپنے نفس سے کہتا ہے کیا تو فلاں گناہ والا نہیں؟ کیا تو فلاں عمل والا نہیں؟ پھر اسے لگام ڈال کر اللہ تعالیٰ کی کتاب کا پابند کر دیتا ہے تو یہ شخص فائدے میں رہتا ہے اور نفس کا محاسبہ اور عتاب ہے جیسا کہ اپنے مقام پر آئے گا۔

حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں مومن شخص اپنے نفس کا محاسبہ ظالم بادشاہ اور بخیل شریک سے بھی

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ القیامۃ آیت ۲

marfat.com

ہ کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اپنے نفس کو جنت میں اس طرح دیکھا کہ میں اس کے پھل کھا رہا ہوں
ں کی نہروں سے پانی پیتا ہوں۔

اور وہاں کی کنواریوں سے گلے ملتا ہوں پھر میں نے اپنے نفس کو جہنم میں یوں دیکھا کہ اس کی کڑوی غذا (تھوہر) کھا رہا
ا ور پیپ پیتا ہوں نیز اس کے طوق اور زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں میں نے اپنے نفس سے کہا اے نفس! تم کیا چاہتے
اس نے کہا میں دوبارہ دنیا میں جا کر اچھے کام کرنا چاہتا ہوں میں نے کہا تم امین ہو پس عمل کرو۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حجاج بن یوسف کو دیکھا اس نے خطبہ دیتے ہوئے کہا اللہ تعالیٰ اس
پر رحم فرمائے جو اپنا محاسبہ کرتا ہے اس سے پہلے کہ محاسبہ کسی اور کے ہاتھ میں چلا جائے اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم
ے جو اپنے عمل کی لگام پکڑتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو اپنے ماپ تول میں
تا ہے وہ مسلسل کہتا رہا حتیٰ کہ میں رو پڑا۔

احنف بن قیس رحمہ اللہ کے ایک مرید نے بیان کیا کہ میں ان کی مجلس میں رہتا تھا وہ رات کو اکثر نماز کی جگہ دعا مانگتے تھے
رغ کے پاس آ کر اس میں انگلی رکھتے حتیٰ کہ آگ کی تپش محسوس ہوتی پھر اپنے نفس سے فرماتے اے حُنیف! آج تم نے
یا اس کی کیا وجہ تھی؟ آج تم نے جو عمل کیا اس پر تجھے کس نے ابھارا؟۔

فصل ۴ :

عمل کے بعد محاسبہ کی حقیقت

جان لو! جس طرح بندے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دن کے شروع میں ایک وقت مقرر کرے جس میں اپنے نفس کو
وصیت کرے اور اس سے اس بات کی شرط رکھے اسی طرح دن کے آخر میں بھی ایک وقت مقرر ہونا چاہیے جس میں
ے نفس سے مطالبہ اور اس کی تمام حرکات و سکنات پر محاسبہ کرے جس طرح تاجر لوگ دنیا میں اپنے شریکوں کے ساتھ
کتاب کے لیے سال کے آخر میں یا مہینے یا دن کے آخر میں ایک وقت مقرر کرتے ہیں اور وہ دنیوی حرص کی وجہ سے ایسا
ہیں نیز اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں دنیوی مال تلف نہ ہو جائے حالانکہ اس کا فوت ہو جانا ان کے لیے بہتر ہے
ر یہ ان کو حاصل ہو تو بھی چند دن ہی باقی رہتا ہے تو عقلمند آدمی اپنے نفس سے اس بات کا حساب کیسے نہیں کرے گا
سے دائمی بدبختی اور نیک بختی کا تعلق ہے۔

اس میں سستی، غفلت، ذلت و رسوائی اور عدم توفیق کی وجہ سے ہوتی ہے ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔
شریک کے ساتھ حساب کتاب کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اصل مال اور نفع و نقصان کا جائزہ لے تاکہ اس کے لیے کمی

زیادتی واضح ہو اگر مال میں اضافہ ہو تو اسے وصول کرے اور اس کا شکریہ ادا کرے اور اگر نقصان ہو تو اس سے نقصان بھرنے اور مستقبل میں اس کے تدارک کا مطالبہ کرے۔ اسی طرح دین کے حوالے سے اصل مال فرائض اور نفع نوافل ہیں اور اس کا نقصان گناہ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اس تجارت کا موسم پورا دن ہوتا ہے اور عمل کرنے والا نفس امارہ ہے لہذا پہلے اس سے فرائض کے بارے میں پوچھے اگر اس نے اس طرح ادائیگی کر دی جس طرح چاہیے تھا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اسی طرح ادائیگی کرتے رہنے کی رغبت دے اور اگر اس نے بالکل ادا نہیں کئے تو اس سے قضا کا مطالبہ کرے اگر اس نے ناقص طور پر ادائیگی کی ہو تو اسے نوافل کے ذریعے نقصان کو پورا کرنے کا پابند بنائے۔

اور اگر اس نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہو تو اسے (نفس کو) سزا دینے اور جھڑکنے میں مشغول ہو تاکہ اس کی کوتاہی کا اچھی طرح تدارک کرے جس طرح تاجر اپنے شریک کے ساتھ کرتا ہے۔

اور جس طرح وہ دنیا میں ایک ایک پیسے کا حساب کر کے کمی زیادتی کے راستوں کی حفاظت کرتا ہے حتیٰ کہ اسے اس میں کچھ بھی نقصان نہیں ہوتا تو اسے چاہیے کہ نفس کے معمولی سے نقصان اور مکر و فریب سے بھی بچے کیوں کہ یہ بڑا دھوکے باز اور مکار ہے لہذا پہلے اس سے تمام دن کی گفتگو کا صحیح جواب طلب کرے اور اپنے نفس سے اس بات کا خود حساب لے جس کا حساب قیامت کے دن دوسرے لیں گے۔

اسی طرح نظر بلکہ دل کے خیالات اور وسوسوں، اٹھنے، بیٹھنے کھانے پینے، سونے حتیٰ کہ خاموشی کا حساب بھی لے کہ اس نے خاموشی کیوں اختیار کی تھی اور سکون کے بارے میں پوچھ گچھ کرے کہ اس کا کیا مقصد تھا جب ان تمام باتوں کا علم ہو جائے جو نفس پر واجب تھیں اور اس کے نزدیک صحیح طور پر ثابت ہو جائے کہ کس قدر واجب کی ادائیگی ہوئی ہے تو اس قدر کا حساب ہو گیا اب باقی نفس کے ذمہ لکھ لے اس پر لازم کر دے اور اسے دل کے کاغذ پر لکھ دے جیسے اپنے شریک کے ذمہ باقی حساب کو دل پر بھی لکھتا ہے اور حساب و کتاب کے رجسٹر میں بھی۔

پھر جب نفس قرضدار ٹھہرا تو ممکن ہے کہ اس سے قرض محصول کرے کچھ تو نادان کے ذریعے اور کچھ اسی کی واپسی سے اور بعض کے حوالے سے اسے سزا دے اور یہ سب کچھ حساب کی تحقیق کے بعد ہی ممکن ہے تاکہ جس قدر واجب باقی ہے اس کی تمیز ہو سکے جب یہ بات معلوم ہو جائے تو اب اس سے مطالبہ اور تقاضا کرنا چاہیے اسے چاہیے کہ نفس سے ایک ایک دن گھڑی کر کے تمام عمر کا حساب تمام ظاہری اور باطنی اعضا کے حوالے سے کرے جیسے حضرت توبہ بن صمہ رحمہ اللہ سے منقول ہے وہ رقہ کے مقام پر تھے اور اپنے نفس کا محاسبہ کیا کرتے تھے انہوں نے ایک دن حساب لگایا تو ان کی عمر ساٹھ سال تھی دنوں کا حساب کیا تو وہ اکیس ہزار پانچ سو تھے انہوں نے چیخ ماری اور فرمایا ہائے افسوس! میں حقیقی بادشاہ سے اکیس ہزار پانچ سو گناہوں کے ساتھ ملاقات کروں گا۔ اور جب روزانہ دس ہزار گناہ ہوں تو کیا

marfat.com

ا حال ہوگی پھر وہ غش کھا کر گر پڑے اور معلوم ہوا کہ وفات پا گئے ہیں لوگوں نے سنا کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا اے
ا فردوس اعلیٰ کی طرف چلا جا ــــــ
اسی طرح ہر وقت نفس سے سانسوں کا حساب بھی کیا جائے نیز دل کے گناہ اور اعضاء سے سرزد ہونے والی نافرمانیوں
حساب کرے اگر آدمی ہر گناہ پر اپنے گھر میں ایک پتھر پھینکے تو تھوڑی سی مدت میں اس کا گھر پتھروں سے بھر
گا۔ لیکن وہ گناہوں کو یاد رکھنے میں سستی کرتا ہے جب کہ دو فرشتے اسے یاد رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے شمار
اور انسان بھول جاتے ہیں۔

فصل ۵ :

چوتھی نگہداشت ــــ کوتاہی پر نفس کو سزا

جب آدمی اپنے نفس کا احتساب کرے اور پھر گناہ کے ارتکاب اور حق خداوندی میں کوتاہی سے محفوظ نہ ہو تو اس
بے مناسب نہیں کہ نفس کو کھلی چھٹی دے دے کیوں کہ اسے مہلت دینے کی صورت میں گناہوں کا ارتکاب آسان
ئے گا نفس ان سے مانوس ہو جائے گا اور ان کا ترک مشکل ہوگا۔ اور یہ اس کی ہلاکت کا سبب ہے بلکہ اسے چاہیے
کو تنبیہ کرتا رہے جب نفس کی خواہش کے مطابق کوئی مشتبہ لقمہ کھائے اور اسے چاہیے کہ نفس کو بھوک کے ذریعے
دے اور اگر کسی غیر محرم کو دیکھے تو آنکھ کو روکنے کے ذریعے سزا دے اسی طرح جسم کے ہر عضو کو خواہشات کی تکمیل
کنے کے ذریعے سزا دے آخرت کے راستے پر چلنے والے لوگوں کا یہی طریقہ تھا۔
حضرت منصور بن ابراہیم رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ایک عبادت گزار آدمی نے کسی عورت سے بات کی حتیٰ کہ اس
کی ران پر ہاتھ رکھ دیا پھر اسے ندامت ہوئی تو اس نے اپنا ہاتھ آگ پر رکھ دیا حتیٰ کہ وہ جل کر کباب ہو گیا۔
ایک روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی اپنے عبادت خانے میں عبادت کیا کرتا تھا ایک طویل عرصہ
اسی حالت میں رہا ایک دن باہر جھانکا تو ایک عورت پر نظر پڑی چنانچہ وہ اس کے عشق میں مبتلا ہو گیا اور اس
کیا اپنا پاؤں باہر نکالا کر اس کی طرف جائے تو رحمت خداوندی سے مدد ملی اور کہنے لگا میں کیا کرنا چاہتا ہوں۔
چنانچہ اس کی خواہش دب گئی اور اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ فرمایا وہ پشیمان ہوا اور جب اپنا پاؤں عبادت خانے
واپس کرنے لگا تو سوچا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو پاؤں گناہ کے ارادے سے باہر نکلا اب وہ میرے ساتھ
خانے میں واپس آئے اللہ کی قسم ایسا کبھی بھی نہیں ہوگا۔
چنانچہ اس نے وہ پاؤں باہر ہی لٹکتا چھوڑ دیا حتیٰ کہ بارشوں ہواؤں، برف اور دھوپ کی وجہ سے وہ کٹ کر گر پڑا
نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور بعض کتب میں اس بات کا ذکر آیا ہے۔

marfat.com

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے منقول ہے فرماتے ہیں میں نے ابن کریبی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک رات جنبی ہو گیا اور مجھے غسل کی ضرورت پڑ گئی رات ٹھنڈی تھی میں نے محسوس کیا کہ میرا دل اس میں تاخیر کر رہا ہے اور کوتاہی کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ صبح ہو جائے اور میں پانی گرم کر کے حمام میں جاؤں اور نفس پر مشقت نہ ڈالوں۔

میں نے کہا تعجب کی بات ہے میرا زندگی بھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہے اور اس کا مجھ پر حق واجب ہوا اور میں جلدی کرنے کی بجائے توقف اور تاخیر کر رہا ہوں میں نے قسم کھائی کہ میں اسی گدڑی میں غسل کروں گا اور یہ بھی قسم کھائی کہ میں نہ تو اسے اتاروں گا اور نہ نچوڑوں گا اور نہ ہی اسے دھوپ میں خشک کروں گا۔

منقول ہے کہ غزوان اور ابو موسیٰ دونوں ایک جہاد میں تھے کہ ایک عورت سامنے آئی غزوان نے اس کی طرف دیکھا پھر اپنی آنکھ پر اس قدر زور سے طمانچہ مارا کہ آنکھ پتھرا گئی (روشنی چلی گئی) اور فرمایا تو اسی چیز کو دیکھتی ہے جو تیرے لیے نقصان دہ ہے کسی بزرگ نے ایک عورت کی طرف ایک نگاہ کی تو اپنے اوپر لازم کر دیا کہ وہ زندگی بھر ٹھنڈا پانی نہیں پئیں گے اور چنانچہ وہ گرم پانی پیتے تھے تاکہ نفس پر عیش تلخ رہے۔

حسان بن ابو سنان رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک مالا خانے کے پاس سے گزرے اور کہنے لگے یہ کب بنا ہے پھر اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ایسے کام کے بارے میں پوچھتا ہے جو بے مقصد ہے میں تجھے ایک سال روزہ رکھنے کی سزا دوں گا چنانچہ انہوں نے سال بھر روزہ رکھا۔

حضرت مالک بن ضیغم رحمہ اللہ فرماتے ہیں رباح قیسی عصر کے بعد آئے اور میرے والد کے بارے میں پوچھا ہم نے کہا وہ تو سوئے ہوئے ہیں فرمایا اس وقت سو رہے ہیں؟ یہ سونے کا وقت ہے پھر واپس پھر گئے ہم نے ان کے پیچھے ایک آدمی بھیجا اور پوچھا کیا آپ کے لیے ان کو جگا دیں؟ قاصد واپس آیا اور کہنے لگا وہ تو میری بات سمجھنے سے زیادہ اہم بات میں مشغول ہیں میں نے دیکھا کہ وہ قبرستان میں چلے گئے اور اپنے نفس کو عتاب کیا اور فرمایا۔ کیا تم نے یہ کہا کہ کیا یہ سونے کا وقت ہے؟ کیا یہ بات کہنا تم پر لازم تھا آدمی جب چاہے سوئے تمہیں کیا معلوم کہ یہ سونے کا وقت نہیں ہے جس بات کا علم نہیں اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہو میں اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتا ہوں جسے کبھی نہیں توڑوں گا کہ سال بھر تک سونے کے علاوہ زمین پر پیٹھ نہیں لگاؤں گا البتہ یہ کہ کوئی مرض حائل ہو جائے یا عقل زائل ہو جائے تو الگ بات ہے تجھے شرم نہیں آتی کب تک تو لوگوں کو جھڑکتا رہے گا اور اپنی گمراہی سے باز نہیں آئے گا۔ راوی فرماتے ہیں وہ رونے لگے اور انہیں میری موجودگی کا علم نہ ہوا میں نے یہ بات دیکھی تو انہیں چھوڑ کر واپس آ گیا۔

حضرت تمیم داری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ ایک رات سوئے اور تہجد کے لیے نہ اٹھ سکے تو اس کوتاہی کی سزا کے طور پر وہ ایک سال تک نہ سوئے اور رات کو قیام کرتے رہے۔

marfat.com

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک دن ایک شخص چلا اور وہ کپڑے اتار کر کے گرم ریت پر خوب
یا اور اپنے نفس سے کہنے لگا اے رات کے مردار اور دن کے بیکار چکھو اور جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے
اسی حالت میں تھا کہ اس کی نگاہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی اور آپ ایک درخت کے سائے میں آرام فرما تھے۔
حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ مجھ پر میرا نفس غالب ہو گیا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ تم نے کیا اس کے
وہ کوئی دوسرا علاج نہ تھا! سنو! تمہارے لیے آسمان کے دروازے کھل گئے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تم
ر کا اظہار فرماتا ہے اس کے بعد آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا اپنے بھائی سے کچھ توشہ لے لو تو ایک صحابی
کہا اے فلاں! میرے لیے دعا کرو میرے لیے دعا کرو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سب کے لیے
ا کرو چنانچہ اس نے یوں دعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلِ التَّقْوٰی زَادَھُمْ وَاجْمَعْ عَلَی الْھُدٰی اَمْرَھُمْ۔

یا اللہ! تقویٰ ان کا سامان بنا دے اور ان سب کے معاملے کو ہدایت پر جمع کر دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے یا اللہ! اس کو راہ راست پر رکھ تو اس نے کہا یا اللہ ان سب کا ٹھکانہ جنت
ں بنا دے (۱)

حضرت حذیفہ بن قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص سے پوچھا گیا کہ تم اپنے نفس کی خواہشات کے سلسلے میں کیا
کرتے ہو؟ اس نے کہا روئے زمین پر مجھے اپنے نفس سے زیادہ کسی چیز سے نفرت نہیں تو میں اس کی خواہشات کو
یسے پورا کر سکتا ہوں۔

حضرت ابن سماک، حضرت داؤد طائی (رحمہما اللہ) کے وصال کے بعد ان کے پاس پہنچے اور وہ اپنے گھر میں مٹی پر
ے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا اے داؤد! تو نے اپنے نفس کو اس کے قید ہونے سے پہلے قید کر دیا اور اس کو عذاب
ہونے سے پہلے عذاب میں مبتلا کیا آج تم اس کی طرف سے ثواب دیکھو گے جس کے لیے ایسا کرتے تھے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک شخص نے ایک عرصہ تک عبادت کی پھر اسے کوئی حاجت پیش آئی تو
ہ ستر ہفتے اس طرح کھڑا رہا کہ وہ ہر ہفتے میں گیارہ کھجوریں کھاتا تھا۔ پھر اپنی حاجت کا سوال کیا لیکن اس کی حاجت پوری نہ
ہوئی چنانچہ اس نے اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو کر کہا یہ تیری وجہ سے ہوا اگر تجھ میں کوئی بھلائی ہوتی تو تیری حاجت پوری ہو جاتی
اس وقت ایک فرشتہ نازل ہوا اور اس نے کہا اے ابن آدم! تیری یہ ساعت تیری گذشتہ عبادت سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ
نے تیری حاجت کو پورا کر دیا ہے۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۲ ص ۶۱۷، ۶۱۸ حدیث ۴۸۹۷

marfat.com

حضرت عبداللہ بن قیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم ایک جہاد میں شریک تھے جب دشمن سر پہ آگیا تو لوگوں میں چیخ و پکار شروع ہوگئی وہ سخت ہوا کا دن تھا لوگ اسی حالت میں میدان جنگ کی طرف چل پڑے تو میں نے اپنے سامنے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے نفس سے مخاطب تھا اور کہہ رہا تھا اے میرے نفس کیا میں فلاں فلاں جنگ میں شریک نہیں ہوا تو تو نے کہا اپنے اہل وعیال کی طرف چل میں نے تیری بات مانی اور واپس لوٹ گیا کیا میں فلاں جنگ میں شریک نہیں ہوا اور اس میں بھی تم نے وہی بات کہی اور اہل وعیال کی یاد دلائی تو میں نے تیری بات مانی اور واپس لوٹ گیا اللہ کی قسم! آج میں تجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کروں گا اس کی مرضی ہے وہ تجھے پکڑے یا چھوڑ دے ــــ راوی کہتے ہیں میں نے دل میں کہا کہ آج میں اس شخص کی نگرانی کروں گا میں اسے دیکھتا رہا لوگوں نے دشمن پر حملہ کیا تو وہ سب سے آگے تھا پھر دشمن ان لوگوں پر حملہ آور ہوئے تو وہ بکھر گئے لیکن وہ شخص اپنی جگہ کھڑا رہا حتیٰ کہ وہ کئی مرتبہ اِدھر اُدھر ہوئے لیکن یہ ثابت قدمی سے لڑتا رہا اللہ کی قسم وہ اسی حالت میں رہا حتیٰ کہ وہ شہید ہو کر گر پڑا تو میں نے اس پر اور اس کی سواری پر ساٹھ یا اس سے بھی زیادہ زخم شمار کیے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے متعلق حدیث ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جب ایک پرندے نے نماز میں ان کی توجہ کو ہٹایا جو ان کے باغ میں تھا تو انہوں نے اس کے کفارے کے طور پر اپنا باغ صدقہ کر دیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہر رات اپنے پاؤں پر درہ مارا کرتے تھے اور فرماتے آج تو نے کیا عمل کیا ہے؟

حضرت مجمع رحمہ اللہ سے منقول ہے انہوں نے اپنا سر چھت کی طرف اٹھایا تو ان کی نظر ایک عورت پر پڑی تو انہوں نے قسم کھائی کہ وہ جب تک دنیا میں موجود ہیں آسمان کی طرف نظر نہیں اٹھائیں گے۔

حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ ہمیشہ رات کے وقت اپنی انگلی جلتے ہوئے چراغ پر رکھتے اور اپنے نفس سے فرماتے کہ تم نے فلاں دن فلاں عمل کیوں کیا؟

حضرت وہیب بن ورد رحمہ اللہ کو اپنے نفس کی کوئی بات بری معلوم ہوئی تو انہوں نے اپنے سینے کے کچھ بال اکھیر دیئے حتیٰ کہ جب سخت تکلیف محسوس ہوئی تو فرمانے لگے میں تو تیری بھلائی چاہتا ہوں۔

حضرت محمد بن بشر نے حضرت داؤد طائی رحمہما اللہ کو دیکھا کہ وہ افطاری کے وقت نمک کے بغیر روٹی کھا رہے تھے فرمایا اگر نمک کے ساتھ کھاتے تو کیا حرج تھا؟ انہوں نے جواب دیا میرا نفس ایک سال سے مجھ سے نمک کا مطالبہ کر رہا ہے اور جب تک حضرت داؤد دنیا میں رہے انہوں نے نمک نہیں چکھا۔

تو محتاط لوگ اس طرح اپنے نفسوں کو سزا دیتے تھے اور تعجب کی بات ہے کہ تم اپنے غلام، لونڈی اور اپنی بیوی بچوں سے کوئی بداخلاقی یا کسی کام میں کوتاہی دیکھتے ہو تو ان کو سزا دیتے ہو اور تمہیں اس بات کا ڈر ہے کہ اگر ان سے درگزر کیا جائے تو یہ لوگ ہاتھ سے نکل جائیں گے اور سرکشی کریں گے لیکن اپنے نفس کو چھوڑ دیتے ہو حالاں کہ وہ تمہارا

marfat.com

بہت بڑا دشمن ہے اور اس کی سرکشی کا نقصان تمہارے اہل وعیال کی سرکشی کے نقصان سے زیادہ ہے وہ تو زیادہ سے زیادہ تیری زندگی میں تجھے پریشان کریں گے اور اگر تم سمجھدار ہوتے تو معلوم ہوتا کہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے اور اس میں دائمی نعمتیں ہیں جن کی انتہا نہیں اور تیرا نفس ہی تو تجھ پر آخرت کی زندگی کو مکدر کرتا ہے لہٰذا دوسروں کی نسبت یہ سزا کا زیادہ مستحق ہے۔

فصل ۶ :

پانچویں نگہداشت ـــــ مجاہدہ

جب نفس کا احتساب کر لیا اور دیکھا کہ وہ گناہ سے الگ ہو گیا ہے تو اب چاہیے کہ گذشتہ گناہوں پر اسے سزا دے اور دیکھے اگر وہ کسی مستحب کام میں سستی کرتا ہے یا کسی وظیفہ میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کی تادیب اس طرح کرے کہ اس پر وظائف کا بوجھ ڈال دے اور یہ اس گذشتہ نقصان کو پورا کرنا اور کوتاہی کا تدارک ہے اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرنے والے اسی طرح عمل کرتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نماز عصر رہ گئی تو انہوں نے اپنی وہ زمین صدقہ کر دی جس کی قیمت دو لاکھ درہم تھی۔

اگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نماز باجماعت رہ جاتی تو آپ وہ پوری رات عبادت میں گزارتے۔

ایک مرتبہ نماز مغرب میں تاخیر ہو گئی حتی کہ دوستار سے نکل آئے تو آپ نے دو غلام آزاد فرمائے۔ ابن ابی ربیعہ رحمہ اللہ سے فجر کی دو رکعتیں رہ گئیں تو انہوں نے ایک غلام آزاد کیا۔

اور ان بزرگوں میں سے بعض اپنے نفس پر ایک سال روزہ رکھنا یا پیدل حج کرنا یا اپنا تمام مال صدقہ کرنا لازم کر دیتے یہ تمام کام نفس کی نگہداشت اور حصول نجات کے لیے کرتے تھے۔

اگر تم کہو کہ میرا نفس مجاہدے اور دائمی وظائف کے بارے میں میری بات نہیں مانتا تو اس کے علاج کی کیا صورت ہو گی؟ تو میں کہتا ہوں اسے وہ احادیث سناؤ جو مجتہدین (عبادت میں کوشش کرنے والوں) کے حق میں آئی ہیں (۱) اور علاج کے لیے زیادہ نفع بخش اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی ایسے بندے کی صحبت اختیار کرو جو عبادت میں خوب کوشش اور مجاہدہ کرتا ہے۔ اس کی باتیں ملاحظہ کرو اور ان کو اپنے پلے باندھو۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں جب مجھے عبادت کرتے ہوئے کچھ کوتاہی محسوس ہوتی ہے تو میں حضرت محمد بن واسع رحمہ اللہ کے حالات دیکھتا ہوں اور ایک ہفتہ تک اس پر عمل کرتا ہوں۔

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۴۳۹ کتاب النوافل

marfat.com

لیکن یہ علاج مشکل ہے کیوں کہ اس زمانے میں ایسے لوگ نہیں ملتے جو پہلے لوگوں کی طرح عبادت میں کوشاں ہوں۔ لہذا مشاہدے کو چھوڑ کر سننے کی طرف رجوع کرے کیوں کہ ان کے احوال سننے سے بڑھ کر کوئی بات نفع نہیں دیتی۔ ان کی خبروں کا مطالعہ کرے اور انہوں نے جو مجاہدہ کیا اسے دیکھے کہ اب ان کی محنت ختم ہوگئی اور اب دائمی نعمتوں اور ثواب کا حصول ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ تو ان کی مِلک کتنی بڑی ہے اور اس شخص پر کس قدر افسوس ہے جو ان کے پیچھے نہیں چلتا اور چند روزہ خواہشات سے نفع اٹھانے کی کوشش کرتا ہے جو زندگی کو مکدر کر دیتی ہیں پھر اسے موت آئے گی اور وہ اس کے اور اس کی خواہشات کے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حائل ہو جائے گی۔ ہم اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

ہم ان مجاہدہ کرنے والوں کی فضیلت کے اوصاف اور فضائل کا ذکر کرتے ہیں جو مریدین کی رغبت کو متحرک کرے گی اور وہ اس کوشش میں ان کے پیچھے چلیں گے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

رَحِمَ اللّٰهُ قَوْمًا يَحْسَبُهُمُ النَّاسُ مَرْضٰى وَمَا هُمْ بِمَرْضٰى۔ (۱)

اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم فرمائے جن کو لوگ بیمار خیال کرتے ہیں حالاں کہ وہ بیمار نہیں ہیں۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عبادت میں کوشش کی وجہ سے بیمار (لاغر اور کمزور) نظر آتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ۔ (۲)

اور وہ لوگ جو دیتے ہیں وہ چیز جو دیتے ہیں اس حال میں ان کے دل ڈرتے ہیں۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ نیک اعمال کرتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں کہ شاید وہ عذاب خداوندی سے نجات حاصل نہ کر سکیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

طُوْبٰى لِمَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ (۱)

اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس کی عمر لمبی اور اعمال اچھے ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے میرے ان بندوں کا کیا حال ہے جو عمل میں کوشش کرتے ہیں؟ وہ عرض کرتے ہیں یا اللہ! تو نے انہیں ایک چیز سے ڈرایا ہے پس وہ اس سے ڈرتے ہیں اور تو نے ان کو ایک بات کا شوق دلایا تو وہ اس کے مشتاق ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر میرے بندے مجھے دیکھ لیں تو کیسا ہوگا!

---

(۱)

(۲) قرآن مجید، سورۂ مومنون آیت ۶۰ (۲) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۴۲۵ کتاب التوبۃ

وہ کہتے ہیں اس صورت میں وہ زیادہ کوشش کریں گے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے بہت سے لوگوں کو پایا اور ان میں سے کچھ حضرات کی مجلس اختیار کی وہ دنیا کی کسی چیز پر جو ان کے پاس آتی تھی، خوش نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی انہیں دنیا کے چلے جانے پر افسوس ہوتا تھا اور ان کے نزدیک یہ دنیا اس مٹی سے بھی زیادہ حقیر تھی جسے تم اپنے پاؤں سے روندتے ہو ان میں سے ایک پوری زندگی گزار لیتا لیکن اس کے لیے نہ تو کپڑے کو تہہ لگائی جاتی اور نہ وہ اپنے گھر والوں کو کھانا تیار کرنے کے لیے کہتا نہ اس کے سونے کے لیے زمین پر کوئی چیز بچھائی جاتی میں نے دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے تھے جب رات چھا جاتی تو وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو جاتے اپنے چہروں کو بچھا دیتے اور ان کے آنسوؤں کے رخساروں پر جاری ہوتے اور وہ آخرت کی نجات کے بارے میں اپنے رب سے مناجات کرتے تھے جب وہ اچھا کام کرتے تو اس پر خوش ہوتے اور اس کا شکر ادا کرنے میں جدوجہد کرتے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی قبولیت کا سوال کرتے اور جب کوئی برا عمل کرتے تو اس سے غمگین ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کا سوال کرتے اللہ کی قسم! وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہے اور قسم بخدا انہوں نے گناہوں سے سلامتی اور نجات مغفرت کے بغیر نہیں پائی۔

منقول ہے کہ کچھ لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ آپ کی بیمار پرسی کے لیے آئے تھے ان میں ایک دبلا پتلا نوجوان تھا حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے پوچھا اے نوجوان! تمہاری یہ حالت کیسے ہوئی؟ اس نے عرض کیا امیر المومنین! کچھ بیماریوں نے یہ حالت بنا دی ہے آپ نے فرمایا میں تجھے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ سچ سچ بتاؤ اس نے کہا اے امیر المومنین میں نے دنیا کا مٹھاس چکھا تو میں نے اس کو کڑوا پایا اور اس کی تروتازگی اور حلاوت میری نظروں میں حقیر ہو گئی اور اس طرح میرے نزدیک اس کا سونا اور پتھر ایک جیسے ہو گئے اور گویا میں اپنے رب کے عرش کو دیکھ رہا ہوں اور لوگوں کو جنت و جہنم کی طرف لے جایا جا رہا ہے اس دن سے میں دن کو پیاسا اور رات کو بیدار رہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ثواب و عذاب کے مقابلے میں اس حالت کی کوئی حیثیت نہیں جس میں میں ہوں۔

حضرت ابونعیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ روٹی کے ٹکڑے بھگو کر پیتے اور روٹی نہ کھاتے ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا روٹی چبانے اور ان چورہ شدہ ٹکڑوں کو پینے کے درمیان پچاس آیات پڑھنے کا وقت ہوتا ہے (اور یہ وقت روٹی کھانے میں صرف ہو جاتا ہے)

ایک دن ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ کی چھت میں ایک شہتیر ٹوٹا ہوا ہے فرمایا اے بھتیجے! میں نے بیس سال سے مکان کی چھت کی طرف نہیں دیکھا۔

تو وہ لوگ جس طرح فضول کلام کو ناپسند کرتے تھے اسی طرح وہ فضول نظر کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

marfat.com

حضرت محمد بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم صبح سے عصر تک حضرت احمد بن رزین رحمہ اللہ کی خدمت میں بیٹھے رہے تو انہوں نے دائیں بائیں نہیں دیکھا ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آنکھیں اس لیے پیدا کی ہیں کہ ان سے بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کو دیکھے تو جو شخص عبرت کے حصول کے بغیر دیکھتا ہے اس کے ذمہ ایک گناہ لکھ دیا جاتا ہے۔

حضرت مسروق رحمہ اللہ کی بیوی کہتی ہیں کہ حضرت مسروق کو جب بھی دیکھا گیا تو لمبی نماز کی وجہ سے ان کی پنڈلیاں سوجی ہوئی ہوتی تھیں وہ فرماتی ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم میں ان کے پیچھے بیٹھتی تو ان کی یہ حالت دیکھ کر رو پڑتی۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر تین باتیں نہ ہوتیں تو میں ایک دن بھی زندہ رہنا پسند نہ کرتا ایک دوپہر کے وقت پیاسا رہنا دوسرا رات کے درمیان اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرنا اور تیسری بات یہ کہ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا جو اچھی باتوں کو اس طرح چھانٹتے ہیں جس طرح اچھی کھجوریں چھانٹی جاتی ہیں۔

حضرت اسود بن یزید رحمہ اللہ عبادت میں خوب کوشش کرتے وہ گرمی میں روزہ رکھتے حتیٰ کہ ان کا جسم سبز اور زرد ہو جاتا حضرت علقمہ بن قیس رحمہ اللہ ان سے فرماتے کہ آپ اپنے نفس کو کیوں تکلیف میں مبتلا کرتے ہیں؟ وہ فرماتے میں اس کی عزت واحترام چاہتا ہوں آپ کا دستور تھا کہ مسلسل روزے رکھتے حتیٰ کہ جسم زرد ہو جاتا اور نماز پڑھتے حتیٰ کہ گر پڑتے حضرت انس بن مالک اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کاموں کا حکم نہیں دیا فرمایا میں ایک مملوک غلام ہوں عاجزی اور مسکینی کی کسی بات کو عمل میں لائے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔

اور بعض عبادت گزار ہر دن ایک ہزار رکعات پڑھتے یہاں تک کہ وہ بیٹھے اور اسی حالت میں ایک ہزار رکعتیں پڑھ لیتے۔ جب عصر کی نماز پڑھتے تو ٹانگیں کھڑی کر کے بیٹھے پھر فرماتے مخلوق پر تعجب ہے انہوں نے کیسے تیرے بدلے میں کسی دوسری چیز کا ارادہ کیا؟ مخلوق پر تعجب ہے وہ تیرے ماسوا سے کیسے مانوس ہو گئی۔

حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ کو نماز سے بہت محبت تھی وہ کہا کرتے تھے یا اللہ اگر تو نے کسی کو اجازت دی ہے کہ وہ قبر میں تیرے لیے نماز پڑھے تو مجھے بھی اجازت دے کہ میں قبر میں تیرے لیے نماز پڑھوں گا۔

حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت سری سقطی رحمہ اللہ سے بڑھ کر کسی کو عبادت گزار نہیں دیکھا انہیں اٹھاوے سال کے عرصہ میں مرض الموت کے علاوہ بستر پر نہیں دیکھا گیا۔

حضرت حارث بن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک جماعت ایک راہب کے پاس سے گزری تو انہوں نے اسے دیکھا کہ وہ عبادت میں خوب کوشش کر رہا ہے تو انہوں نے اس سلسلے میں اس سے بات چیت کی اس نے کہا جو کچھ مصائب و احوال مخلوق پر آنے والے ہیں اور وہ ان سے غافل ہیں ان کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں وہ اپنی نفسانی لذتوں پر جھک گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بہت بڑا حصہ ملے گا اسے بھول گئے یہ بات سن کر سب لوگ رو پڑے۔

marfat.com

حضرت ابو محمد مغازلی رحمہ اللہ سے منقول ہے فرماتے ہیں حضرت ابو محمد جریری رحمہ اللہ مکہ مکرمہ میں ایک سال رہے
ں دوران نہ وہ سوئے اور نہ کسی سے کلام کیا انہوں نے کسی ستون یا دیوار کے ساتھ ٹیک بھی نہیں لگائی اور اپنے
یں بھی نہیں پھیلائے حضرت ابوبکر کتانی رحمہ اللہ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے انہیں سلام پیش کرنے کے
فرمایا اے ابو محمد! آپ اس اعتکاف پر کس طرح قادر ہوئے؟ انہوں نے فرمایا وہ علم جس نے میرے باطن میں سچائی
ی اس نے میرے ظاہر پر بھی مدد کی ہے یہ سن کر حضرت کتانی سوچتے سوچتے آگے چلے گئے۔

بعض بزرگوں سے منقول ہے فرماتے ہیں میں حضرت فتح موصلی رحمہ اللہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ ہاتھوں کو پھیلائے
ئے رو رہے ہیں حتی کہ میں نے دیکھا ان کے آنسو ان کی انگلیوں کے درمیان سے نکل رہے ہیں جب میں ان کے
پ گیا تو دیکھا کہ ان آنسوؤں میں زردی ہے میں نے پوچھا اے فتح! آپ خون کے آنسو کیوں روتے ہیں اللہ کی قسم
پ بتائیں۔ انہوں نے فرمایا اگر تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم نہ دی ہوتی تو میں تمہیں نہ بتاتا ہاں میں خون کے آنسو روتا ہوں
نے پوچھا آپ اس طرح کیوں روتے ہیں فرمایا روتا اس لیے ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے فرائض میں کوتاہی کر رہا ہوں اور
ں کے آنسو اس لیے روتا ہوں کہ جس بات پر آنسو نکل رہے ہیں کہیں وہ صحیح ہی نہ ہو جائے۔

فرماتے ہیں میں نے بعد میں انہیں خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ فرمایا اس
نے مجھے معاف فرما دیا میں نے پوچھا آپ کے آنسوؤں سے متعلق کیا ہوا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے قریب کیا اور فرمایا
ے فتح! آنسو بہانے کا کیا مقصد تھا؟ میں نے عرض کیا اس لیے کہ مجھ سے واجب کی ادائیگی میں کوتاہی ہوئی۔ فرمایا خون
ں مقصد کے تحت تھا؟ میں نے عرض کیا اس ڈر سے کہ کہیں آنسو غیر مقبول نہ ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا۔ اے
خ! ان سب باتوں سے تیری کیا مراد تھی مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے چالیس سال سے تیرے دونوں محافظ فرشتوں
ہ جو نامہ اعمال بھیجا ہے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

کہا گیا ہے کہ ایک جماعت نے سفر کا ارادہ کیا تو وہ راستے سے ہٹ گئے چنانچہ وہ ایک راہب کے پاس پہنچے جو
وں سے الگ تھلگ گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے تھا۔

انہوں نے اسے آواز دی تو اس نے عبادت خانے سے ان کو جھانکا انہوں نے کہا اے راہب! ہم راستہ
ول چکے ہیں ہمیں راستہ بتائیں اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو لوگ اس کا ارادہ سمجھ گئے انہوں نے کہا اے راہب!
آپ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں آپ جواب دیں گے؟ اس نے کہا پوچھو لیکن زیادہ سوال نہ کرنا کیوں کہ نہ دن واپس
تا ہے اور نہ زندگی لوٹ کر آئے گی اور موت جلدی کر رہی ہے لوگوں کو اس کی بات پسند آئی انہوں نے پوچھا اے
ہب! کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں لوگوں کا حشر کس چیز پر ہوگا؟ اس نے کہا ان کی نیتوں پر، انہوں نے
ہمیں کوئی نصیحت کریں اس نے کہا اپنے سفر کے مطابق زاد راہ حاصل کرو کیوں کہ بہترین توشہ وہ ہے جو مقصود تک

marfat.com

پہنچائے پھر ان کو راستہ بتایا اور اپنا سر عبادت خانے کے اندر کر دیا۔

حضرت عبدالواحد بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں چین کے عبادت گزاروں میں سے ایک عبادت گزار کے عبادت خانے سے گزرا تو میں نے آواز دی اے راہب! اس نے مجھے جواب نہ دیا میں نے دوبارہ آواز دی تو بھی جواب نہ دیا تیسری مرتبہ آواز دی تو وہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا اے فلاں! میں راہب نہیں ہوں راہب تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی بلندی سے ڈرے اس کی کبریائی کی تعظیم کرے اس کی طرف سے پہنچنے والی آزمائش پر صبر کرے اس کے فیصلے پر شکر کرے اس کی نعمتوں پر اس کی تعریف کرے اس کی عظمت کے سامنے تواضع کرے اس کی عزت کے سامنے ذلت اختیار کرے اس کی قدرت کے سامنے جھک جائے اس کے خوف کے سامنے دم نہ مارے اور اس کے حساب و عذاب کے بارے میں سوچے۔ دن کو روزہ رکھے اور رات کو عبادت کے ساتھ قیام کرے دوزخ کی یاد اور اللہ تعالیٰ سے سوال اسے بیدار رکھے ایسا شخص راہب ہوتا ہے۔

میں تو ایک کاٹنے والا کتا ہوں میں نے اپنے آپ کو اس عبادت خانے میں بند کر دیا ہے تاکہ لوگوں کو نہ کاٹوں میں نے کہا اے راہب! معرفت خداوندی کے بعد لوگوں کو اس سے کس چیز نے دور کر دیا ہے؟ اس نے کہا اے میرے بھائی! لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے دنیا کی محبت اور اس کی زینت نے الگ کر رکھا ہے کیوں کہ یہ گناہوں کی جگہ ہے سمجھدار وہ ہے جو اسے دنیا سے نکال پھینکے اپنے رب کے ہاں اپنے گناہ سے توبہ کرے اور ایسی باتوں کی طرف متوجہ ہو جو اسے اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔

حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ آپ کنگھی کریں انہوں نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ میں فارغ ہوں۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے یہ رکوع کی رات ہے پھر وہ تمام رات رکوع میں گزارتے اور دوسری رات آتی تو فرماتے یہ سجدے کی رات ہے پھر وہ پوری رات سجدے میں گزار دیتے کہا گیا کہ جب حضرت عتبہ غلام تابع ہوئے تو وہ کھانے پینے کے لیے آمادہ نہ ہوتے ان کی ماں نے ان سے کہا اگر تم اپنے نفس پر کچھ نرمی کرو تو کیا حرج ہے؟ انہوں نے فرمایا میں آرام ہی تو چاہتا ہوں مجھے تھوڑی سے مشقت کر لینے دیں پھر میں طویل مدت عیش کروں گا۔

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو سوائے حالتِ سجدہ کے وہ نہیں سوئے۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگ رات کو چلنے کی تعریف صبح کے وقت کرتے ہیں اور مرنے کے وقت تقویٰ کی تعریف کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں بزرگان دین میں سے جب کوئی چالیس برس کا ہوتا تو اپنا بستر لپیٹ دیتا یعنی وہ تمام رات نہ سوتا۔

حضرت کہمس بن حسن رحمہ اللہ ہر دن ایک ہزار رکعات پڑھتے پھر اپنے نفس سے فرماتے اے تمام برائیوں کی پناہ گاہ اٹھو۔

marfat.com

جب آپ کمزور ہو گئے تو پانچ سو رکعات پر اکتفا کر لیا پھر روتے ہوئے کہنے لگے میرا نصف عمل چلا گیا۔
حضرت ربیع بن خثیم رحمہ اللہ کی صاحبزادی ان سے پوچھتی تھی ابا جان! کیا بات ہے میں دیکھتی ہوں کہ لوگ سوتے ہیں
آپ آرام نہیں فرماتے؟ وہ جواب دیتے اے بیٹی! تیرے باپ کو رات کے حملے کا ڈر ہے۔
جب حضرت ربیع کی والدہ نے ان کا رونے اور جاگنے کا حال دیکھا تو آواز دی اے بیٹے! شاید تو نے کسی کو
یا ہے انہوں نے کہا ہاں اے ماں اسی طرح ہے۔ ماں نے پوچھا وہ کون ہے؟ تاکہ ہم اس کے گھر والوں کو
ں کر کے ان سے معافی مانگیں اللہ کی قسم اگر ان کو تمہاری اس حالت کا علم ہو جائے تو وہ تمہیں معاف کر دیں گے اور
پر رحم کھائیں گے انہوں نے فرمایا اماں جان یہ میرا نفس ہے۔
حضرت بشر بن حارث رحمہ اللہ کے بھانجے حضرت عمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اپنے ماموں حضرت بشر سے سنا
یری ماں سے فرما رہے تھے اے میری بہن! میرا پیٹ اور پسلیاں مجھ سے ٹکرائی ہیں تو میری ماں نے کہا بھائی! اگر تم
رت دو تو میں تمہارے لیے ایک مٹھی میدے کا حریرہ بنا دوں اس کے پینے سے طاقت آ جائے گی انہوں نے
مجھے یہی تو ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے یہ آٹا کہاں سے آیا! تو مجھے معلوم نہ ہو کہ میں کیا جواب دوں یہ سن
یری ماں اور ماموں دونوں رونے لگے۔ اور میں بھی ان کے ساتھ روتا تھا۔
یہی (مذکورہ بالا) حضرت عمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میری ماں نے جب حضرت بشر کو دیکھا کہ بھوک کی وجہ سے ان کا سانس لینا
ا ہو گیا ہے تو انہوں نے کہا بھائی جان! کاش میں تمہاری ماں سے پیدا نہ ہوتی اللہ کی قسم! تیری حالت دیکھ کر میرا جگر ٹکڑے
ے ہو گیا ہے میں نے سنا وہ جواب میں فرماتے میں بھی یہی کہتا ہوں کہ کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور اگر جنا تھا تو مجھے
ہ نہ پلاتی حضرت عمر فرماتے ہیں میری ماں ان کو دیکھ کر دن رات روتی رہتی تھیں۔
حضرت ربیع فرماتے ہیں میں حضرت اویس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا تو میں نے ان کو نماز فجر سے فراغت کے
لیا ہوا پایا پھر وہ بھی بیٹھے رہے اور میں بھی ان کے ساتھ بیٹھا رہا اور میں نے دل میں کہا کہیں میری وجہ سے ان کی
یع میں حرج نہ ہو وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے یہاں تک کہ انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی اور عصر تک نماز پڑھتے رہے پھر
ی نماز پڑھنے کے بعد دوبارہ بیٹھ گئے مغرب کی نماز تک بیٹھے رہے اور پھر مغرب کی نماز ادا کی پھر وہیں بیٹھے رہے
ر نماز عشاء ادا کی پھر اسی جگہ ٹھہرے رہے یہاں تک کہ فجر کی نماز پڑھی پھر بیٹھے تو نیند آنے لگی آپ نے بارگاہ خداوندی
رض کیا۔

یا اللہ! میں زیادہ سونے والی آنکھوں اور نہ سیر ہونے والے پیٹ سے تیری پناہ چاہتا ہوں ——

حضرت ربیع فرماتے ہیں میں نے کہا ان سے مجھے یہی کافی ہے پھر میں واپس چلا گیا۔
ایک شخص نے حضرت اویس رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو پوچھا اے ابو عبداللہ! کیا بات ہے میں آپ کو ایک بیمار آدمی کی طرح

marfat.com

دیکھتا ہوں ؟ انہوں نے فرمایا اویس کو کیا ہوا کہ وہ بیمار نہ ہو بیماروں کو کھانا ملتا ہے اور اویس کھانا نہیں کھاتا اور بیمار آدمی سوتا ہے لیکن اویس نہیں سوتا۔

حضرت احمد بن حرب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس شخص پر تعجب ہے جو جانتا ہے کہ اس کے اوپر جنت آراستہ ہے اور اس کے نیچے جہنم کی آگ جل رہی ہے پھر وہ ان کے درمیان کیسے سو جاتا ہے۔

ایک عابد بزرگ نے فرمایا کہ میں حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ عشاء کی نماز پڑھ چکے ہیں میں ان کے انتظار میں بیٹھ گیا انہوں نے ایک کمبل لپیٹا اور لیٹ گئے انہوں نے رات بھر پہلو نہ بدلا حتی کہ صبح ہو گئی اور مؤذن نے اذان دی وہ جلدی جلدی نماز کی طرف اٹھے لیکن وضو نہ کیا میرے دل میں یہ بات کھٹکی اور میں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ رات بھر لیٹے رہے پھر وضو نہیں فرمایا۔

انہوں نے فرمایا میں رات بھر کبھی جنت کے باغوں میں اور کبھی جہنم کی وادیوں میں پھرتا رہا تو کیا ایسی صورت میں نیند آتی ہے ؟

حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے کئی آدمیوں کو دیکھا ان میں سے ایک نماز پڑھتا تو اس قدر تھک جاتا کہ بستر پر گھٹنوں کے بل چل کر آتا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت ابو بحر بن عیاش رحمہ اللہ نے چالیس سال اس طرح گزارے کہ انہوں نے بستر پر پہلو نہ رکھا اور ان کی ایک آنکھ میں پانی اتر آیا تو انہوں نے بیس سال اسی طرح گزار دیئے اور ان کے گھر والوں کو علم نہ ہو سکا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت سمنون رحمہ اللہ روزانہ پانچ سو رکعات پڑھتے تھے۔ اور حضرت ابو بکر مطوعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جوانی میں روزانہ دن رات میں اکتیس ہزار یا چالیس ہزار مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھا کرتا تھا۔ راوی کو تعداد میں شک ہے

حضرت منصور بن معتمر رحمہ اللہ کی حالت یہ تھی کہ جب تم ان کو دیکھو تو کہو کہ اس شخص کو کوئی مصیبت پہنچی ہے آنکھیں جھکی ہوئی آواز پست اور آنکھیں تر رہتی تھیں اگر ذرا حرکت دو تو چار چار آنسو نکلیں ان کی ماں نے کہا اپنے نفس سے یہ کیا معاملہ کر رہے ہو کہ ساری رات روتے رہتے ہو اے بیٹے شاید تم نے کوئی قتل کیا ہے وہ جواب دیتے اے ماں! میں خوب جانتا ہوں جو کچھ میں نے اپنے نفس کے ساتھ کیا ہے۔

حضرت عامر بن عبداللہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ رات کی بیداری اور دوپہر کی پیاس پر کیسے صبر کرتے ہیں! انہوں نے فرمایا اس طرح کہ میں دن کے کھانے کو رات پر اور رات کی نیند کو دن پر ٹال دیتا ہوں اور یہ کوئی بڑی بات نہیں۔

وہ فرمایا کرتے تھے میں نے جنت کی مثل کوئی چیز نہیں دیکھی جس کا طلب گار ہو سویا رہے اور دوزخ جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ اس سے بھاگنے والا بھی سویا رہے اور ان کی عادت تھی کہ جب رات آجاتی تو فرماتے جہنم کی گرمی نیند کو لے گئی پھر وہ صبح تک نہ سوتے اور جب دن کا وقت آتا تو فرماتے جہنم کی گرمی نیند کو اڑا کر لے گئی اور اس طرح وہ شام تک

رجب رات آتی تو فرماتے جو ڈرتا ہے وہ رات کے وقت ہی چل دیتا ہے اور صبح کے وقت لوگ رات کے چلنے سمجھتے ہیں۔

ک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے چار مہینے حضرت عامر بن عبد القیس رحمہ اللہ کی صحبت اختیار کی تو میں نے ان کو رات سوتا ہوا نہیں دیکھا۔

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں میں نے فجر کی ت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی جب انہوں نے سلام پھیرا تو دائیں طرف پھر گئے اور آپ پر کچھ غم کا اثر لوعِ آفتاب تک وہاں ٹھہرے رہے پھر اپنا ہاتھ پلٹ کر فرمایا اللہ کی قسم! میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے م کو دیکھا ہے اور آج ان کی مثل کوئی نہیں ہے وہ یوں صبح کرتے کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہوتے چہروں پر رہوتی اور رنگ پیلا پڑ چکا ہوتا وہ تمام رات اللہ تعالیٰ کے لیے سجدے اور قیام میں گزارتے کتاب اللہ کی تلاوت ں قیام کرتے تو کبھی سجدہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو اس طرح ہلتے جس طرح آندھی والے دن درخت ہ اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے حتی کہ ان کے کپڑے تر ہو جاتے اور یہ لوگ غفلت میں رات گزارتے ں مراد وہ لوگ تھے جو ان کے اردگرد تھے۔

رت ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ نے اپنے گھر کی مسجد میں ایک ڈنڈا لٹکا رکھا تھا اس کے ذریعے آپ اپنے نفس کو ڈراتے ر آپ اپنے نفس سے فرماتے اٹھو اللہ کی قسم! ورنہ میں تمہیں اس قدر گھسیٹوں گا کہ تم تھک جاؤ گے میں نہیں تھکوں گا۔ ان پر سستی طاری ہوتی تو ڈنڈا لے کر اپنی پنڈلیوں پر مارتے اور فرماتے تو میرے جانور کی نسبت مار کھانے کے زیادہ ہے اور فرماتے تھے کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ خیال کیا ہو گا کہ انہوں نے ہی دین کو اختیار کیا اور ان کے ساتھ مرا شریک نہیں قسم بخدا! ہم بھی اس میں اس طرح شرکت کریں گے کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے بعد بھی کچھ ۔

رت صفوان بن سلیم رحمہ اللہ کے زیادہ دیر قیام کی وجہ سے ان کی پنڈلیاں جواب دے گئی تھیں اور وہ عبادت ں قدر کوشش تک پہنچ گئے تھے کہ اگر ان سے کہا جاتا کہ قیامت کل ہے تو ان کی عبادت میں کوئی اضافہ نہ ہوتا اور دی کا موسم آتا تو وہ چھت پر لیٹ جاتے تاکہ سردی لگے اور جب گرمی کا موسم ہوتا تو گھر کے اندر لیٹ جاتے تاکہ گرمی ہو اور نیند نہ آئے ان کا وصال ہوا تو وہ سجدے کی حالت میں تھے وہ فرمایا کرتے تھے۔ یا اللہ! مجھے تیری ملاقات ہے تو میری ملاقات کو پسند فرما۔

رت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں ایک دن صبح اٹھا اور میری عادت تھی کہ صبح کے وقت میں پہلے حضرت نی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو سلام کیا کرتا تھا تو ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ چاشت کی

marfat.com

نماز پڑھ رہی تھیں۔
اس میں انہوں نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا السَّمُوْمِ۔ (۱)

پس اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں تپش کے عذاب سے بچایا۔

آپ روتی ہوتی دعا مانگ رہی تھیں اور یہ آیت بار بار پڑھتی تھیں میں کھڑا رہا حتی کہ تھک گیا اور آپ اسی حالت میں تھیں میں نے یہ حالت دیکھی تو بازار چلا گیا میں نے سوچا اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس آؤں گا جب میں اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس لوٹا تو ابھی بھی آپ یہ آیت بار بار پڑھتیں، روتیں اور دعا مانگ رہی تھیں۔

حضرت محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب حضرت عبدالرحمٰن بن اسود حج کر کے واپس ہمارے پاس تشریف لائے تو ان کے ایک پاؤں میں کچھ تکلیف تھی تو وہ ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے حتی کہ وہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صالحین کی علامت یہ ہے کہ شب بیداری کی وجہ سے ان کے رنگ زرد پڑ جاتے ہیں رونے کی وجہ سے ان آنکھوں کی بینائی کمزور ہو جاتی ہے اور روزے کی وجہ سے ان کے ہونٹ خشک ہو جاتے ہیں ان پر خشوع و خضوع کرنے والوں کی طرح غبار ہوتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے تہجد پڑھنے والوں کے چہرے حسین ہوتے ہیں انہوں نے فرمایا اس لیے کہ وہ اپنے رب کے لیے تنہائی اختیار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے نور کا لباس پہنا دیتا ہے۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں موت سے صرف اس لیے ڈرتا ہوں کہ وہ میرے اور رات کی عبادت کے درمیان حائل ہو جائے گی۔ حضرت عامر بن عبدالقیس رحمہ اللہ بارگاہ خداوندی میں یوں دعا کیا کرتے تھے یا اللہ! تو نے مجھے پیدا کیا تو مجھ سے مشورہ نہیں لیا اور تو مجھے موت دے گا تو اس کی خبر بھی نہیں دے گا تو نے میرے ساتھ دشمن پیدا کیا اور اسے خون کی طرح جاری کیا تو نے اسے طاقت دی کہ وہ مجھے دیکھتا ہے لیکن میں اسے نہیں دیکھ سکتا پھر تو نے فرمایا رک جاؤ تو یا اللہ! جب تک تو مجھے نہ روکے میں کیسے رک سکتا ہوں۔ یا اللہ! دنیا میں غم اور پریشانی ہے اور آخرت میں عذاب و سزا ہے راحت اور خوشی کہاں ہے؟

حضرت جعفر بن محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں حضرت عتبہ غلام رات کو تین چیخوں میں گزار دیتے تھے جب عشاء کی نماز سے فارغ ہوتے تو اپنا سر دونوں گھٹنوں کے درمیان رکھ کر چیخ مارتے اور اپنا سر گھٹنوں کے درمیان رکھ کر غور و فکر کرتے جب رات کا دوسرا تہائی گزر جاتا تو پھر ایک چیخ مارتے اور گھٹنوں میں سر دے کر فکر کرتے پھر جب سحری کا وقت ہوتا تو ایک چیخ مارتے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ طور آیت ۲۷

marfat.com

ا جعفر بن محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں میں نے ایک بصری سے یہ بات بیان کی تو اس نے کہا آپ اس کی چیخ کی طرف
ن نہ دیں بلکہ اس بات کو دیکھیں جو دو چیخوں کے درمیان ہے اور اس کی وجہ سے وہ چیخ مارتے ہیں۔
حضرت قاسم بن راشد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت زمعہ رحمہ اللہ ہمارے پاس محصب میں ٹھہرے ہوئے تھے ان
ی اور بیٹیاں بھی ساتھ تھیں وہ رات کو اٹھتے اور دیر تک نماز پڑھتے جب سحری کا وقت ہوتا تو بلند آواز سے پکارتے
ونے والے سوارو! کیا تم رات بھر سوئے رہو گے اور اٹھ کر چلو گے نہیں تو وہ لوگ جلدی جلدی اٹھ بیٹھتے تو کسی سے
ل آواز آتی کوئی دعا مانگ رہا ہوتا کوئی قرآن پاک پڑھ رہا ہوتا کوئی وضو کر رہا ہوتا جب صبح ہوتی تو وہ بلند آواز سے
ے لوگ صبح کے وقت چلنے کو اچھا سمجھتے ہیں۔
کسی دانا کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا تو انہوں نے اسے پہچان لیا
ان کے سینوں کو کھول دیا تو انہوں نے اس کی اطاعت کی اس پر توکل کیا تو خلق اور امر کو اس کے حوالے کر دیا ان
ں یقین کی صفائی کی کانیں حکمت کے گھر، عظمت کے صندوق اور قدرت کے خزانے بن گئے وہ لوگوں کے درمیان
جاتے ہیں لیکن ان کے دل ملکوت میں پھرتے ہیں اور غیب کے پردوں میں پناہ لیتے ہیں پھر وہ لوٹتے ہیں اور ان کے
طائف کے کچھ فوائد ہوتے ہیں جن کا وصف کوئی بھی بیان نہیں کر سکتا وہ لوگ باطنی خوبی میں ریشم کی طرح خوبصورت
ر ظاہر میں رومال ہیں ان کی تواضع کی وجہ سے جو چاہے ان کو استعمال کرے یہ وہ طریقہ جس تک پہنچنا تکلف کے ذریعے
یں یہ تو محض فضل خداوندی ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔
یک نیک اور صالح بزرگ سے منقول ہے فرماتے ہیں میں بیت المقدس کے کسی پہاڑ میں چل رہا تھا کہ میں وہاں ایک وادی
یا وہاں میں نے ایک بڑی گونج سنی وہ پہاڑ بہت بڑی آواز کے ساتھ اس کا جواب دے رہے تھے میں آواز کے
پلا تو دیکھا کہ ایک باغ ہے جو درختوں سے ڈھانپا ہوا ہے اور وہاں ایک شخص کھڑا بار بار یہ آیت کریمہ پڑھ رہا ہے۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ۔ (۱)

جس دن ہر نفس اپنے اچھے اور برے عمل کو سامنے پائے گا وہ چاہے گا کہ اس کے اور برے عمل کے درمیان بہت فاصلہ ہو اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔

ہ فرماتے ہیں میں اس کے پیچھے بیٹھ کر اس کا کلام سننے لگا وہ یہ آیت بار بار پڑھتا تھا کہ اچانک اس نے ایک چیخ ماری
ش ہو کر گر پڑا میں نے کہا ہائے افسوس! یہ میری بدبختی کی وجہ سے ہوا پھر میں نے اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کیا

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۳۰

marfat.com

جب ایک گھڑی اسے افاقہ ہوا تو میں نے سنا وہ کہہ رہا تھا میں جھوٹوں کے مقام سے تیری پناہ چاہتا ہوں میں اہل باطل اعمال سے تیری پناہ کا طالب ہوں میں غافل لوگوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ پھر کہا ڈرنے والوں کے دل تیرے جھک گئے، کوتاہی کرنے والوں کی توقع تیری طرف مائل ہوتی ہے تیری عظمت کے سامنے عارفین کے دل جھک جاتے ہیں پھر اپنے دونوں ہاتھ جھاڑے اور کہا مجھے اس دنیا سے کیا سروکار ہے اور دنیا کا مجھ سے کیا تعلق ہے اے اپنے ہم جنس لوگوں کے پاس جا جو تجھے بلاتے اور پسند کرتے ہیں اپنی آسائشیں ان کے پاس لے جا اور ان کو دے پھر کہا گذشتہ زمانے کے لوگ کدھر گئے وہ مٹی میں بوسیدہ ہو گئے اور وہ چند روز میں فنا ہو جاتے ہیں۔

میں نے اسے آواز دی کہ اے بندۂ خدا میں دن بھر سے تیرے پیچھے کھڑا ہوں اور تیری فراغت کا منتظر ہوں نے کہا وہ شخص کیسے فارغ ہو سکتا ہے جو زمانے سے آگے جانا چاہتا ہے اور زمانہ اس سے آگے بڑھتا ہے اور ڈر ہے کہ کہیں موت اس کے نفس پر سبقت نہ کر جائے یا وہ شخص کیسے فارغ ہو گا جس کا وقت گزر گیا اور گناہ باقی رہ گئے فرمایا تو ان گناہوں کے لیے ہے اور میں ہر شدت کے اترنے کی توقع کرتا ہوں پھر کہا مجھ سے ایک گھڑی الگ ہو اس کے بعد اس نے قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ پڑھی۔

وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ۔ (۱۱)

اور ان کے لیے وہ بات ظاہر ہو گئی جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا۔

پھر دوسری چیخ ماری جو پہلی سے بھی زیادہ سخت تھی اور بیہوش ہو کر گر پڑا میں نے سوچا اس کی روح پرواز کر ہے میں اس کے قریب ہوا تو دیکھا کہ وہ تڑپ رہا ہے پھر اسے افاقہ ہوا تو وہ کہہ رہا تھا میں کون ہوں؟ میرا دل کہ اپنے فضل سے میری برائی معاف کر دے اپنی رحمت میں مجھے چھپا لے اپنے کرم سے میرے گناہ معاف فرما جب میں تیرے سامنے کھڑا ہوں گا۔

میں نے کہا اس ذات کی قسم جس کی تو اپنے نفس کے لیے امید رکھتا ہے اور اس پر تیرا اعتماد ہے مجھ سے کچھ کر دا اس نے کہا اس سے کلام کر دے جس کے کلام سے تمہیں کوئی نفع بھی ہو اور اس سے گفتگو کا ارادہ ترک کر دے جس گناہوں نے تنگ کر رکھا ہو میں اس جگہ ایک عرصہ سے جب سے اللہ تعالیٰ نے چاہا ابلیس سے لڑتا ہوں اور وہ مجھ لڑ رہا ہے میں نے تمہارے سوا کوئی مددگار نہیں پایا جو مجھے اس حالت سے نکالے تم مجھ سے الگ رہو تم سے رہو تم نے میری زبان کو بیکار کر دیا اور میرے دل کا تھوڑا سا حصہ تمہارے ساتھ گفتگو کی طرف مائل ہو گیا میں تمہارے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں پھر میں امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنی ناراضگی سے مجھے بچائے گا اور اپنی رحمت سے مجھ پر

---

(۱۱) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۴۷

marfat.com

بزرگ فرماتے ہیں میں نے کہا یہ شخص اللہ تعالیٰ کا ولی ہے مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے اسے باتوں میں مشغول رکھا تو کہیں مقام پر مجھ پر عذاب نہ آجائے پس میں اسے چھوڑ کر واپس چلا گیا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں میں ایک سفر میں جا رہا تھا کہ آرام کے لیے میں ایک درخت کی طرف گیا میں نے ایک بزرگ دیکھا جو میری طرف آرہے تھے انہوں نے مجھ سے کہا اے فلاں! کھڑے ہو جاؤ موت ابھی نہیں مری پھر وہ سامنے کی چل دیئے میں ان کے پیچھے چلا تو سنا وہ کہہ رہے تھے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ (۱) ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے۔

یا اللہ! مجھے موت میں برکت عطا فرما میں نے کہا اور موت کے بعد؟ فرمایا جس کو موت کا یقین ہو وہ خوف کی وجہ دامن اٹھا کر چلتا ہے اور اس کے لیے دنیا میں کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا پھر وہ کہنے لگے۔

اے وہ ذات! جس کے لیے چہرے جھکتے ہیں اپنے دیدار کے ذریعے میرے چہرے کو روشن کر دے اپنی محبت میرے دل کو بھر دے اور کل قیامت کے دن اپنے سامنے جھڑک کی ذلت سے مجھے بچا لے اب مجھے تجھ سے شرم آتی ہے اور تجھ سے روگردانی کے ارتکاب سے میں باز آیا۔

پھر فرمایا اگر تیری بردباری نہ ہوتی تو موت کے پاس بھی میری گنجائش نہ ہوتی اور اگر تو معاف نہ کرتا تو میرے بچاؤ کی صورت نہ تھی پھر وہ بزرگ مجھے چھوڑ کر چلے گئے، مجاہدے کے سلسلے میں یہ اشعار ہیں۔

نَحِيْلُ الْجِسْمِ مُكْتَئِبُ الْفُؤَادِ
تَرَاهُ بِقُمَّةٍ اَوْ بِطْنِ وَادِيْ
يَنُوْحُ عَلَى مَعَاصٍ فَاضِحَاتٍ
يُكَدِّرُ ثِقْلُهَا صَفْوَ الرُّقَادِ
فَاِنْ هَاجَتْ مَخَافَتُهُ وَزَادَتْ
فَدَعْوَتُهُ اَغِثْنِيْ يَا عِمَادِيْ
فَاَنْتَ بِمَا اُلَاقِيْهِ عَلِيْمٌ
كَثِيْرُ الصَّفْحِ عَنْ زَلَلِ الْعِبَادِ

دبلا پتلا جسم اور غمگین دل تو اسے پہاڑوں کی چوٹیوں یا وادیوں کے دامن میں دیکھے گا رسوا کرنے والے جرموں پر روتا ہے ان کا بوجھ اس کی راحت بھری نیند کو خراب کر دیتا ہے اگر خوف میں جوش پیدا ہو تو وہ پریشان ہو کر دعا مانگتا ہے اے میرے سہارے میری مدد فرما تو میری مصیبتوں سے آگاہ ہے اور بندوں کی لغزشوں کو بہت معاف کرنے والا ہے۔

* * *

اور یہ بھی کہا گیا ہے۔

اَلَذُّ مِنَ التَّلَذُّذِ بِالْغَوَانِيْ

گانے بجانے والی عورتیں جب اچھی حالت میں آئیں

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ آل عمران آیت ۱۸۵

marfat.com

إِذَا اقْتَبَلْنَ فِي حَالٍ حِسَانٍ
مُنِيبٌ فَرَّ مِنْ اَهْلٍ وَمَالٍ
يَسِيحُ إِلَى مَكَانٍ مِنْ مَكَانٍ
لِيَحْمِلَ ذِكْرَهُ وَيَعِيشُ فَرْدًا
وَيَظْهَرُ فِي الْعِبَادَةِ بِالْأَمَانِيْ
تَلَذُّذَهُ التِّلَادَةَ اَيْنَ وَلِّي
وَذِكْرٌ بِالْفُؤَادِ وَبِاللِّسَانِ
وَعِنْدَ الْمَوْتِ يَأْتِيهِ بَشِيرٌ
يُبَشِّرُ بِالنَّجَاةِ مِنَ الْهَوَانِ
فَيُدْرِكُ مَا اَرَادَ وَمَا تَمَنَّى
مِنَ الْغُرُفَاتِ فِي عُرُفِ الْجِنَانِ

تو ان کی لذت سے یہ لذت بڑھ کر ہے وہ اہل و مال سے
بھاگ کر اللہ تعالیٰ کی طلب میں رہتا ہے اور ایک جگہ
سے دوسری جگہ جاتا ہے تاکہ اس کے ذکر میں ہو اور
کل (قیامت) کی زندگی کو یاد کرے اور اس کی خواہشات
عبادت میں ظاہر ہوں وہ جہاں بھی اسے تلاوت کا
ذوق ہوتا ہے نیز دل اور زبان سے ذکر خداوندی
کرتا ہے موت کے وقت اس کے پاس خوشخبری
دینے والا آتا ہے جو ذلت سے نجات کی خوشخبری
دیتا ہے پس وہ اپنی مراد اور تمنا کو پاتا ہے
اور یہ تمنا جنت کے بالاخانوں میں آرام و
سکون ہے۔

حضرت کرز بن وبرہ رحمہ اللہ ہر دن تین بار قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے اور عبادات میں انتہائی درجے کا مجاہدہ فرماتے
ان سے کہا گیا کہ آپ نے اپنے نفس کو مشقت میں ڈال دیا فرمایا دنیا کی عمر کتنی ہے؟ عرض کیا گیا سات ہزار سال فرمایا
قیامت کا دن کتنا بڑا ہوگا؟ کہا گیا پچاس ہزار سال کا ہوگا فرمایا تو تم میں سے کوئی شخص کیسے اس بات سے عاجز
ہے کہ سات دن عمل کرے تاکہ اس دن کے عذاب سے بے خوف ہو جائے مطلب یہ کہ اگر تم دنیا میں زندہ رہو اور
سات ہزار سال عبادت کرو اور اس طرح ایک دن سے چھوٹ جاؤ جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے تو تمہارے
لیے نفع زیادہ ہوگا اور اس صورت میں اسے رغبت ہونی چاہیے اور کیسے نہیں ہوگا جب کہ عمر تھوڑی ہے اللہ عزت
کی کوئی انتہا نہیں تو نفس کی نگہداشت اور حفاظت کے سلسلے اسلاف صالحین کا طریقہ یہ تھا لہٰذا جب تمہارا نفس تم سے
سرکش ہو جائے اور عبادت کی پابندی سے رُک جائے تو ان لوگوں کے حالات کا مطالعہ کیا کرو کیوں کہ اب ان جیسے
لوگ ناپید ہو گئے ہیں اور اگر ایسے لوگوں کی زیارت نصیب ہو جو ان بزرگوں کی اقتدا کرتے ہیں تو یہ دل کے لیے نفع
بخش اور اقتدا کا زیادہ باعث ہے کیوں کہ خبر، دیکھنے کی طرح نہیں ہوتی اور اگر تم اس بات سے عاجز ہو تو ان لوگوں کے
حالات سننے سے غفلت نہ برتو اگر اونٹ نہ ملے تو بکری پر ہی گزارہ کر لو اب تمہیں اختیار ہے کہ ان لوگوں کی اقتدا کرو
اور ان کی جماعت میں شامل ہو جاؤ جو عقل مند اور دانا ہیں اور دین کی بصیرت رکھتے ہیں یا اپنے زمانے کے جاہلوں غافلوں
کے پیچھے چلو لیکن یہ بات ہرگز پسندیدہ نہیں کہ تم ان جاہلوں بے وقوفوں میں شامل ہو اور غبی لوگوں سے مشابہت
قناعت کرو اور یوں عقل مند لوگوں کی مخالفت کرو اگر تمہارا دل تمہیں بتائے کہ یہ مضبوط لوگ ہیں اور ان کی پیروی کی

ت نہیں ہے تو ان عورتوں کی طرف دیکھو جنہوں نے عبادت میں مجاہدے کئے اور اپنے نفس سے کہو کہ تجھے اس بات
ے غیرت نہیں آئے گی کہ تو عورتوں سے بھی کم ہو یہ تو نہایت ذلت کی بات ہے کہ مرد ہو کر دینی اور دینوی معاملات میں
ت سے کم رہے۔

فصل ۸:

عبادت گزار خواتین

اب ہم عبادت میں محنت کرنے والی کچھ خواتین کے حالات ذکر کرتے ہیں۔

منقول ہے کہ حضرت حبیبہ عدویہ رحمہا اللہ جب عشا کی نماز پڑھ کر فارغ ہوتیں تو اپنی چھت پر کھڑی ہو جاتیں اور اپنا
رتہ اور دوپٹہ خوب کس کر باندھ لیتیں پھر بارگاہ خداوندی میں عرض کرتیں۔

"یا اللہ! ستارے چلے گئے، آنکھیں سو گئیں، بادشاہوں کے دروازے بند ہو گئے، ہر محب اپنے محبوب
ے پاس تنہائی میں چلا گیا اور میں تیرے سامنے کھڑی ہوں"

پھر آپ نماز کی طرف متوجہ ہو جاتیں جب فجر طلوع ہوتی تو آپ عرض کرتیں۔

یا اللہ! رات چلی گئی دن روشن ہو گیا کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تو نے میری رات (کی عبادت) کو قبول کیا تاکہ میں اپنے
پ کو مبارک دوں یا تو نے رد کر دیا تو میں تعزیت کروں۔ مجھے تیری عزت کی قسم جب تک تو مجھے باقی رکھے گا تیری
گاہ میں میرا یہی طریقہ ہوگا اور تیری عزت کی قسم اگر تو مجھے اپنے دروازے سے جھڑک بھی دے تو میں نہیں ہٹوں گی کیونکہ
ں تیرے جود و کرم سے بخوبی واقف ہوں۔

ایک بوڑھی خاتون کے بارے میں منقول ہے کہ وہ رات بھر عبادت کرتی تھیں اور وہ نابینا تھیں جب سحری کا وقت
وتا تو ایک درد بھری آواز سے کہتیں عبادت گزار لوگوں نے تیرے لیے رات کی تاریکی کو برداشت کیا وہ تیری رحمت
ضل اور مغفرت کی طرف سبقت کرتے ہیں یا اللہ! میں تیرے ہی نام پر تجھ سے سوال کرتی ہوں کسی دوسرے کے نام پر نہیں
ر تو مجھے سبقت کرنے والوں کی جماعت میں سے پہلے لوگوں میں کر دے اور مجھے اپنے ہاں اعلیٰ علیین میں مقربین کے درجے
ں جگہ دے اور اپنی عبادت کے صدقے مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

فجر تک روتیں اور دعا مانگتی رہتیں۔

حضرت یحییٰ بن بسطام رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں شعوانہ (نامی خاتون) کے ہاں حاضر ہوتا اور اس کے رونے اور آہ و زاری
کو دیکھتا میں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ جب یہ تنہا ہوں تو ہم ان کے پاس جا کر کہیں کہ وہ اپنے نفس سے نرمی کا
سلوک کریں اس نے کہا جیسے آپ کی مرضی، فرماتے ہیں پھر ہم ان کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ اگر آپ اپنے نفس سے

marfat.com

نرمی برتیں اور اس رونے کو کم کر دیں تو یہ بات آپ کی مراد پر زیادہ معاون ہو گی، فرماتے ہیں وہ رونے لگیں پھر کہا اللہ کی قسم! میں چاہتی ہوں کہ اتنا روؤں کہ تمام آنسو ختم ہو جائیں پھر میں خون کے آنسو روؤں یہاں تک کہ میرے جسم کے کسی حصے میں بھی خون کا ایک قطرہ باقی نہ رہے میں کب روتی ہوں میں کب روتی ہوں وہ بار بار یہ الفاظ کہتی رہیں حتی کہ ان پر غشی طاری ہو گئی۔

حضرت محمد بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھ سے ایک عبادت گزار خاتون نے بیان کیا وہ فرماتی ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں جنت میں داخل کی گئی ہوں وہاں کیا دیکھتی ہوں کہ تمام جنتی اپنے دروازوں پر کھڑے ہیں میں نے کہا اہل جنت کو کیا ہوا کہ وہ اس طرح کھڑے ہیں؟ کسی کہنے والے نے مجھے بتایا کہ یہ سب اس خاتون کو دیکھنے کے لیے باہر آئے ہیں جس کی آمد پر جنتوں کو سجایا گیا ہے میں نے کہا وہ خاتون کون ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ وہ ایک سیاہ فام لونڈی ہے جو مقام ابیکہ کی رہنے والی ہے اور اسے شعوانہ کہا جاتا ہے میں نے کہا وہ تو میری بہن ہیں فرماتی ہیں میں اسی حالت میں تھی کہ وہ ایک اونٹنی پر سوار ہوا میں اڑتی ہوئی پہنچ گئی جب میں نے اسے دیکھا تو میں نے آواز دی اے میری بہن! میرا تم سے جو تعلق ہے اس کا تمہیں علم ہے اگر تم اپنے مولا کی خدمت میں میرے لیے دعا کرو کہ وہ مجھے بھی تمہارے ساتھ ملا دے تو اچھا ہے وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائیں اور کہا کہ ابھی تمہارے آنے کا وقت نہیں ہوا لیکن میری طرف سے دو باتیں یاد رکھیں ایک یہ کہ اپنے دل کو غمگین رکھنا اور دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنی خواہش پر مقدم رکھنا جب تمہیں موت آئے گی تو تمہیں کوئی نقصان نہ ہو گا۔

حضرت عبداللہ بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے پاس ایک رومی لونڈی تھی اور وہ مجھے پسند تھی ایک رات وہ تیرے پاس سوئی ہوئی تھی جب میں بیدار ہوا تو دیکھا وہاں نہ تھی میں اسے تلاش کرنے کے لیے اٹھا تو دیکھا کہ وہ حالت سجدہ میں کہہ رہی ہے۔

یا اللہ! تجھے مجھ سے جو محبت ہے اس کے صدقے میں میرے گناہ معاف کر دے میں نے کہا یہ نہ کہو کہ اپنی محبت کے صدقے میں، بلکہ یوں کہو کہ مجھے تجھ سے جو محبت ہے اس کے صدقے میں میرے گناہ بخش دے اس نے کہا اے میرے آقا! اس طرح نہیں بلکہ وہی مجھ سے محبت رکھتا ہے اس نے مجھے شرک سے نکال کر اسلام کی دولت سے مالا مال کیا اور اسی محبت کی وجہ سے جو اسے مجھ سے ہے وہ مجھے بیدار رکھتا ہے جب کہ بے شمار لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔

حضرت ابو ہاشم قرشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یمن کی ایک خاتون جس کو سریہ کہا جاتا تھا ہمارے ہاں آ کر ٹھہری میں رات کے وقت اس کی فریاد اور آہ و زاری سنا کرتا تھا ایک دن میں نے خادم سے کہا ذرا جھانک کر دیکھو یہ خاتون کیا کرتی ہیں فرماتے ہیں اس نے جھانکا تو دیکھا کہ وہ کچھ بھی نہیں کرتیں البتہ اپنی نظر آسمان کی طرف سے نہیں ہٹاتیں اور قبلہ رخ بیٹھی ہوئی ہیں اور کہہ رہی ہیں۔

marfat.com

(یا اللہ!) تو نے سریر کو پیدا کیا پھر اپنی نعمت سے اسے غذا دی اور ایک حال سے دوسرے حال میں رکھا تیری طرف سے پہنچنے والی تمام حالتیں اس کے لیے اچھی ہیں اور تیری طرف سے پہنچنے والی تمام آزمائشیں خوبصورت ہیں اور اس کے باوجود یہ اپنے آپ کو تیری ناراضگی کے لیے پیش کرتی ہے کہ اس نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر تیری نافرمانی کی کیا تو جانتا ہے کہ اس نے یہ گمان کیا ہوگا کہ تو اس کے بُرے افعال کو نہیں دیکھتا حالاں کہ تو جاننے والا خبر رکھنے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں ایک رات ولوی کنعان سے نکلا جب وادی کے اوپر گیا تو دیکھا کہ ایک سیاہ چیز میری طرف آرہی ہے اور وہ یہ آیت پڑھ رہی ہے۔

وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ (۱)

اور ان کے لیے وہ بات ظاہر ہوگئی جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا۔

اور وہ چیز رو رہی ہے جب وہ سیاہ چیز میرے قریب آئی تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک عورت ہے جس پر اُونی جبہ ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک ڈولچی ہے اس نے مجھ سے پوچھا تم کون ہو؟ جو مجھ سے خوفزدہ نہیں ہوئے میں نے کہا میں ایک اجنبی ہوں اس نے کہا اے فلاں! کیا اللہ تعالیٰ کی موجودگی میں بھی اجنبیت اور غربت ہوتی ہے! حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں اس کی بات سن کر رو پڑا اس نے کہا تو کیوں روتا ہے میں نے کہا بیماری کے لیے دوا مل گئی ہے رنجم ہوگیا تھا اب جلدی ٹھیک ہو جائے گا۔ اس نے کہا اگر تم سچے ہو تو رونے کا کیا مطلب؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے کیا سچا آدمی نہیں روتا؟ اس نے کہا نہیں میں نے کہا کیوں؟ اس نے کہا اس لیے کہ رونا دل کا آرام ہے میں اس کی بات پر متعجب ہو کر خاموش ہوگیا۔

حضرت احمد بن علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم نے حضرت عفیرہ کے پاس جانے کی اجازت چاہی تو انہوں نے ہمیں اجازت نہ دی ہم دروازے پر کھڑے رہے جب اسے علم ہوا تو وہ ہمارے لیے دروازہ کھولنے آئیں میں نے سنا وہ کہہ رہی تھیں۔ یا اللہ! میں اس شخص سے تیری پناہ چاہتی ہوں جو آکر مجھے تیرے ذکر سے روک دے پھر اس نے دروازہ کھولا اور ہم اندر داخل ہوئے ہم نے کہا اے اللہ کی بندی! ہمارے لیے دعا کر اس نے کہا اللہ تعالیٰ میرے گھر میں تمہاری مہمانی مغفرت سے کرے پھر کہا حضرت عطاء سلمی رحمہ اللہ چالیس سال تک ٹھہرے وہ آسمان کی طرف نہیں دیکھتے تھے ان سے ایک نگاہ میں خیانت ہوگئی تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑے چنانچہ ان کے پیٹ کا کوئی پردہ پھٹ گیا کاش عفیرہ اپنا سر اٹھائے اور نافرمانی نہ کرے اور کاش اگر اس سے نافرمانی سرزد ہو تو دوبارہ نہ کرے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورہ زمر آیت ۴۷

marfat.com

ایک بزرگ فرماتے ہیں میں ایک دن بازار میں گیا اور میرے ساتھ ایک حبشی لونڈی تھی میں نے اسے بازار کے ایک کنارے پر ٹھہرا دیا اور خود اپنے کام کے لیے چلا گیا میں نے کہا میری واپسی تک یہاں سے نہ ہٹنا فرماتے ہیں میں واپس آیا تو وہ وہاں نہ تھی میں گھبرا گیا اور مجھے بہت غصہ آرہا تھا اس نے مجھ دیکھا تو میرے غصے کو بھانپ گئی کہنے لگی اے میرے آقا مجھ پر جلدی نہ کرنا آپ نے مجھے ایسی جگہ ٹھہرایا جہاں میں نے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ دیکھا تو مجھے ڈر ہوا کہ کہیں یہ جگہ زمین میں نہ دھنس جائے وہ بزرگ فرماتے ہیں مجھے اس کی بات بہت اچھی لگی اور میں نے کہا تو آزاد ہے اس نے کہا آپ نے اچھا نہیں کیا میں آپ کی خدمت کرتی تھی تو مجھے دو اجر ملتے تھے لیکن اب ان میں سے ایک اجر سے میں محروم ہو گئی۔

حضرت ابن علاء سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میری ایک چچا زاد بہن تھی وہ عبادت گزار تھی اور قرآن مجید کی تلاوت بہت زیادہ کرتی تھی۔ جب وہ کسی ایسی آیت پر پہنچتی جس میں جہنم کا ذکر ہوتا تو وہ رو پڑتی مسلسل رونے کی وجہ سے اس کی بینائی چلی گئی۔ اس کے چچا زاد بھائیوں نے آپس میں کہا چلو چل کر اس کو زیادہ رونے پر ملامت کریں فرماتے ہیں جب ہم اس کے پاس پہنچے تو ہم نے کہا اے بریرہ! کیسی ہو؟ اس نے کہا مہمان ہیں جو اجنبی زمین میں پڑے ہیں اس انتظار میں ہیں کہ کب بلاوا آئے اور ہم اسے قبول کریں ہم نے کہا یہ رونا کب تک رہے گا تمہاری بینائی تو زائل ہو گئی اس نے کہا اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں میری آنکھوں کے لیے بھلائی ہے تو دنیا میں ان سے جو کچھ چلا گیا اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے بھلائی نہیں ہے تو اس سے بھی زیادہ رونے کی ضرورت ہے، پھر اس نے منہ پھیر لیا حضرت ابن العلاء فرماتے ہیں آنے والوں نے کہا چلتے اللہ کی قسم! یہ ایسی حالت میں ہے جس میں ہم نہیں ہیں۔

حضرت معاذہ عدویہ رحمہا اللہ کا طریقہ مبارکہ تھا کہ جب دن نکلتا تو کہتیں یہ میری موت کا دن ہے اور وہ شام تک کھانا، کھاتیں پھر جب رات آتی تو کہتیں یہ وہ رات ہے جس میں میں مر جاؤں گی چنانچہ وہ صبح تک نماز میں مشغول رہتیں۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں ایک رات حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ کے ہاں ٹھہرا وہ اپنے محراب میں کھڑی ہوئیں تو میں مکان کے ایک کونے میں کھڑا ہو گیا وہ سحری تک کھڑی رہیں سحری کا وقت ہوا تو میں نے کہا جس نے ہمیں اس رات میں کھڑا ہونے کی قوت دی اس کا شکر کس طرح ادا کیا جائے انہوں نے فرمایا اس کا شکر یوں ادا کرو کہ کل دن کو روزہ رکھو۔

حضرت شعوانہ رحمہ اللہ یوں دعا کیا کرتی تھیں یا اللہ! مجھے تیری ملاقات کا بہت شوق ہے اور مجھے تیری طرف سے جزا کی بہت بڑی امید ہے تو وہ کریم ہے کہ تیرے ہاں امیدواروں کی امیدیں نہیں ٹوٹتیں اور نہ شوق رکھنے والوں کا شوق باطل ہوتا ہے — یا اللہ! اگر میری موت کا وقت قریب آ چکا ہے اور میرے عمل نے مجھے تیرے قریب نہیں کیا تو مجھے اپنے گناہ کا اعتراف ہے جس کا سبب میری بیماریاں ہیں اگر تو معاف کر دے تو تجھ سے بڑھ کر اس کے

marfat.com

لائق کون ہے اور اگر تو عذاب دے تو تجھ سے زیادہ عدل کرنے والا کون ہے یا اللہ! میں نے اپنے نفس کی طرف نظر کی تو اس پر ظلم کیا اب اس کے لیے تیری اچھی نظر باقی ہے اگر وہ اس سے سعادت مندی حاصل نہ کر سکے تو اس کے لیے ہلاکت ہے۔

یا اللہ! تو نے میری زندگی میں ہمیشہ مجھ سے اچھا سلوک کیا اب میری موت کے بعد اس حسن سلوک کو منقطع نہ کرنا مجھے اس ذات سے امید ہے جس نے میری زندگی میں مجھ پر احسانات کئے کہ وہ میری موت کے وقت مجھے بخش دے گا۔

یا اللہ! میں اپنی موت کے بعد تیرے حسن نظر سے کس طرح نا امید ہو جاؤں جب کہ میری زندگی میں تو نے ہمیشہ اچھا سلوک فرمایا، یا اللہ! اگر میرے گناہوں نے مجھے ڈرایا ہے تو مجھے جو تجھ سے محبت ہے اس نے مجھے اطمینان دلایا ہے یا اللہ میرے ساتھ ایسا معاملہ کر جو تیری شان کے لائق ہے اور اس شخص پر اپنا فضل لوٹا دے جسے اس کی جہالت نے دہوکے میں ڈالا ہے الٰہی! اگر تو نے مجھے رسوا کرنا ہوتا تو تو مجھے ہدایت نہ دیتا اور اگر تو نے مجھے ذلیل کرنا ہوتا تو میری پردہ پوشی نہ فرماتا تو نے جس سبب سے مجھے ہدایت عطا فرمائی اس سے مجھے بہرہ ور فرما اور میری پردہ پوشی سے سبب کو دائمی کر دے یا اللہ! میں نے جس حاجت میں عمر کاٹی ہے میں نہیں خیال کرتی کہ تو اسے رد کر دے گا یا اللہ! اگر میں نے گناہ نہ کیا ہوتا تو مجھے تیرے عذاب سے ڈر نہ ہوتا اور اگر مجھے تیرے کرم کی پہچان نہ ہوتی تو میں تیرے ثواب کی امید نہ کرتی۔

حضرت خواص رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم حضرت رحلہ عابدہ کے پاس گئے اور وہ روزے رکھ رکھ کر سیاہ ہو چکی تھیں اور اس قدر روتی تھیں کہ آنکھوں کی بینائی چلی گئی تھی اور نماز پڑھتے پڑھتے وہ چلنے پھرنے سے عاجز ہو گئی تھیں وہ بیٹھ کر نماز پڑھتی تھیں ہم نے انہیں سلام کیا پھر اللہ تعالیٰ کے عفو و درگزر کا کچھ بیان کیا تاکہ ان پر معاملہ آسان ہو جائے انہوں نے یہ بات سن کر ایک چیخ ماری پھر فرمایا مجھے اپنے نفس کا علم ہے اور اس نے میرے دل کو زخمی کر دیا ہے اور جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے اللہ کی قسم میں چاہتی ہوں کہ کاش مجھے اللہ تعالیٰ نے پیدا نہ کیا ہوتا اور میرا ذکر نہ ہوتا پھر وہ نماز کی طرف متوجہ ہو گئیں ——

(اے قاری!) اگر تو اپنے نفس کی حفاظت کرنے والے لوگوں میں سے ہے تو تجھے چاہیئے کہ عبادت میں خوب محنت کرنے والے مردوں اور عورتوں کے حالات کا مطالعہ کیا کرتا کہ تیرا سرور بھی بڑھے اور تیری حرص زیادہ ہو، اپنے زمانے کے لوگوں کو نہ دیکھ کیوں کہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ۔ (۱)

اور اگر تو زمین کے اکثر لوگوں کی اطاعت کرے گا تو وہ تجھے گمراہ کر دیں گے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ انعام آیت ۱۱۶

marfat.com

عبادت میں خوب محنت کرنے والے لوگوں کے واقعات بے شمار ہیں عبرت والوں کے لیے اس قدر کافی ہے جو ہم نے ذکر کیا اور اگر تو اس سے بھی زیادہ حالات معلوم کرنا چاہتا ہے تو "حلیۃ اولادلیا" (کتاب) کا مطالعہ کر یہ کتاب صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد والے لوگوں کے حالات پر مشتمل ہے اس کتاب کے مطالعہ سے تمہیں پتہ چلے گا کہ تم اور تمہارے زمانے کے لوگ اہل دین سے کس قدر دور ہیں۔ پھر اگر تمہارا نفس اپنے زمانے کے لوگوں کی طرف نظر کرنے کا مشورہ دے اور یہ دلیل دے کہ اسی زمانے میں بھلائی ہے کیوں کہ اس میں مددگار زیادہ ہیں علاوہ ازیں اگر زمانے والوں کی مخالفت کرو گے تو لوگ تمہیں مجنون کہیں گے اور تم سے مذاق کریں گے لہٰذا ان کے ساتھ ہر طرح کی موافقت کرو اب تمہیں مصیبت بھی پہنچی تو وہ تمہارے ساتھ شریک ہوں گے اور جب مصیبت میں سب مبتلا ہوں تو اچھی لگتی ہے تو تمہیں نفس کی اس دلیل سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے اور نہ ہی اس کے دام تزویر میں پھنسنا چاہیئے بلکہ تم اس سے کہو کہ بتاؤ اگر کوئی بڑا سیلاب آجائے جو تمام شہر والوں کو غرق کر دے اور وہ حقیقت حال سے بے خبری کی وجہ سے وہاں ہی ٹھہرے رہیں اور بچاؤ کی کوئی تدبیر اختیار نہ کریں جب کہ تم ان سے جدا ہو کر کشتی کے ذریعے ڈوبنے سے بچ سکتے ہو تو کیا تمہارے دل میں یہ خیال آئے گا کہ مصیبت جب سب پر آئے تو خوشی خوشی برداشت ہو جاتی ہے یا تم ان کی موافقت چھوڑ دو گے ان کے احتیاط نہ کرنے کو بیوقوفی سمجھتے ہو اور خود اپنا بچاؤ اختیار کرتے ہو تو جب تم ڈوبنے کے خوف سے ان کی موافقت چھوڑ دیتے ہو حالاں کہ ڈوبنے کا عذاب ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ہوتا تو اس عذاب سے کیوں نہیں بچتے جو دائمی ہوگا اور ہر وقت اس کے مستحق ہوتے جاتے ہو یہ بات صحیح نہیں کہ جب مصیبت عام ہو تو اچھی معلوم ہوتی ہے جہنمیوں کو یہ مہلت کہاں ملے گی کہ وہ عموم و خصوص کی طرف متوجہ ہو سکیں اور کفار بھی اپنے زمانے کے لوگوں کی موافقت کی وجہ سے ہلاک ہوئے جب انہوں نے کہا۔

اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ۔ (۱)	بے شک ہم نے اپنے باپ دادے کو ایک طریقے پر پایا اور ہم ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔

جب تم اپنے نفس کو جھڑکنے میں مشغول ہو اور اسے مجاہدہ کی تلقین کرو اور وہ تمہاری بات نہ مانے تو تم پر لازم ہے کہ اس کو جھڑکنے سے باز نہ رہو اور اسے بتاتے رہو کہ یہ نافرمانی تیرے حق میں بری ہے ہو سکتا ہے وہ سرکشی سے باز آجائے۔

فصل ۹ :

چھٹی نگہداشت ـــــ نفس کو جھڑکنا اور اس پر غصّہ کرنا

جان لو کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے پہلو میں ہے اور اسے یوں پیدا کیا گیا کہ وہ برائی کا حکم

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ زخرف آیت ۲۳

marfat.com

ہے شر کی طرف مائل ہے اور نیکی سے بھاگتا ہے اور تمہیں اس کو پاک اور سیدھا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے نیز یہ کہ تم اسے
ی کی زنجیروں میں جکڑ کر اس کے رب اور خالق کی عبادت کی طرف لے جاؤ اسے خواہشات اور لذات سے روکو اگر تم اسے
پٹی دو گے تو وہ سرکش ہو جائے گا اور یوں بھاگ جائے گا کہ پھر تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا اور اگر تم اسے مسلسل
تے رہو ڈانٹ ڈپٹ اور ملامت کرتے رہو تو یہی نفس، ملامت کرنے والا نفس (نفس لوامہ) بن جائے گا جس کی
مالی نے قسم کھائی ہے اور اس بات کی امید ہے کہ پھر وہ نفس مطمئنہ بن جائے جس کو پکارا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے
بندوں میں شامل ہو کر اللہ تعالیٰ سے راضی ہو اور وہ اس سے راضی ہو۔ لہٰذا تم ایک ساعت بھی اپنے نفس کو وعظ و
ن کرنے اور عتاب و جھڑک سے غافل نہ رہو اور جب تک اپنے نفس کو نصیحت نہ کر لو دوسروں کو نصیحت کرنے
قول نہ ہو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے ابن مریم! اپنے نفس کو نصیحت کیجئے اگر
نے نصیحت مان لی تو پھر لوگوں کو نصیحت کرنا ورنہ مجھ سے حیا کرنا ارشاد خداوندی ہے۔

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ۔ (۱) اور نصیحت کیجئے بے شک نصیحت مومنوں کو فائدہ دیتی ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ نفس کی طرف متوجہ ہو کر اسے اس کی جہالت اور اس کا غبی ہونا بتاؤ اور یہ کہ وہ ہمیشہ اپنی دانائی اور
ہوز زیادہ خیال کرتا ہے اور جب اسے بیوقوف کہا جائے تو بہت برا مناتا ہے پس تم اسے کہو اے نفس! تو کتنا بڑا
ہے جو دانائی اور ہوشیاری کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ تو لوگوں میں سے سب سے زیادہ بے وقوف اور ناسمجھ ہے۔
جھے معلوم نہیں کہ تیرے سامنے جنت بھی ہے اور دوزخ بھی اور عنقریب تو ان میں سے ایک میں جائے گا تو تو کیوں
ہوتا ہے، ہنستا ہے اور لہو و لعب میں مشغول ہے حالانکہ تو اس بڑے کام کے لیے مطلوب ہے ہو سکتا ہے آج
جھے موت آ جائے تو میں دیکھتا ہوں کہ تو موت کو دور سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے قریب جانتا ہے کیا تو نہیں جانتا
یز یقیناً آنے والی ہو وہ قریب ہی ہوتی ہے اور جو دور ہو وہ آنے والی نہیں ہوتی کیا تو نہیں جانتا کہ موت اچانک آئے
اس سے پہلے کوئی قاصد نہیں آئے گا اور نہ ہی کوئی وعدہ ہو گا اور یہ بات بھی نہیں کہ وہ ایک وقت میں آتی ہے دوسرے
یں نہیں گرمی کے موسم میں آتی ہے اور سردیوں میں تمہیں یا سردیوں میں آتی ہے اور گرمیوں میں نہیں نہ وہ رات دن میں تمیز
ہے اور نہ بچپن اور جوانی کا امتیاز ہوتا ہے بلکہ ہر نفس کے لیے موت کا اچانک آنا ممکن ہے اور اگر موت اچانک نہ آئے
ی اچانک آتی ہے پھر وہ موت تک پہنچاتی ہے تو تمہیں کیا ہوا کہ موت کی تیاری نہیں کرتے حالاں کہ وہ ہر قریب چیز
ت تمہارے زیادہ قریب ہے کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں غور نہیں کرتے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ الذاریات آیت ۵۵

marfat.com

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ یَلْعَبُوْنَ لَاهِیَةً قُلُوْبُهُمْ۔ (۱)

لوگوں کے لیے حساب قریب آگیا اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نئی نصیحت نہیں آتی مگر وہ اسے کھیل میں مشغول ہو کر سنتے ہیں اور ان کے دل بھی کھیل میں مصروف ہیں۔

اے نفس! اگر گناہ پر تیری جرأت اس عقیدے کی بنیاد پر ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے نہیں دیکھتا تو تیرا کفر کتنا بڑا ہے اور اگر تو جانتا ہے کہ وہ تجھ پر مطلع ہے تو تو کس قدر بے حیاء ہے تجھے کیا ہوا اگر تیرا کوئی غلام بلکہ تیرا کوئی بھائی تیرے سامنے ایسا کام کرے جسے تو ناپسند کرتا ہے تو تو اس پر کس قدر غضبناک اور ناراض ہوتا ہے تو کس جسارت کے تحت تو اللہ تعالیٰ کے غضب، ناراضگی اور سخت عتاب کو دعوت دیتا ہے اے نفس! تیرا کیا خیال ہے تو اس کے عذاب کو برداشت کر لے گا ہرگز نہیں اپنے دل سے اس خیال کو دور رکھ اگر تیری اکڑ اس کے سخت عذاب سے تجھے غافل رکھتی ہے تو اپنے نفس کا تجربہ کر ایک ساعت سورج کے دھوپ میں کھڑا ہو یا حمام کے قریب بیٹھ یا اپنی انگلی کو آگ کے قریب کر تجھے اپنی طاقت کا علم ہو جائے گا کیا تو اللہ تعالیٰ کے کرم اور فضل سے دھوکہ کھا رہا ہے اور یہ کہ وہ تیری عبادت سے بے نیاز ہے تو دنیا کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کے کرم پر اعتماد کیوں نہیں کرتا جب دشمن تیرے درپے ہوتا ہے تو اسے دور کرنے کے لیے حیلے کیوں کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کے کرم سے حوالے کیوں نہیں کرتا اور جب تجھے کوئی دنیوی خواہش پیش آتی ہے جو درہم اور دینار کے بغیر پوری نہیں ہوتی تو تجھے کیا ہوا اس وقت تیرا دم کیوں نکلتا ہے تو مختلف طریقوں سے اس کی طلب اور حصول کی کوشش کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے کرم کے حوالے کیوں نہیں کرتا کہ وہ تجھے کوئی خزانہ بتائے یا اپنے کسی بندے کو مسخر کر دے اور وہ تیری کسی محنت کے بغیر تیری ضرورت قدموں میں لا کر رکھ دے کیا تیرا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں کریم ہے دنیا میں نہیں ہے حالانکہ تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ بدلتا نہیں ہے اور دنیا و آخرت کا رب ایک ہی ہے اور انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے اس نے کوشش کی۔

اے نفس! تیرا نفاق اور جھوٹے دعوے بڑے عجیب ہیں تو زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے جب کہ نفاق کا اثر تجھ پر ظاہر ہے کیا تیرے مولا اور سردار نے تجھے نہیں فرمایا۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (۱)

اور زمین پر چلنے والے ہر جانور کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ انبیاء آیت ۱، ۲، ۳

(۲) قرآن مجید، سورۂ ہود آیت ۶

marfat.com

اور آخرت کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۔ (۱) اور انسان کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے کمایا۔

تو اللہ تعالیٰ نے دنیوی معاملات کو خاص طور پر اپنے ذمہ لیا ہے اور تجھے اس کی سعی سے الگ رکھا لیکن تو نے اپنے افعال سے اسے جھوٹا قرار دیا کہ تو اس (دنیا) پر مدہوش اور فریفتہ آدمی کی طرح گرتا ہے جب کہ آخرت کا معاملہ تیری محنت کے سپرد کیا ہے اور تو اس سے اس طرح منہ پھیرتا ہے جس طرح مغرور اور حقیر جاننے والا کرتا ہے یہ ایمان کی علامات نہیں ہیں اگر ایمان محض زبانی ہوتا تو منافق جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں کیوں جائے۔

اے نفس! تجھ پر افسوس ہے تو آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اور تیرا خیال یہ ہے کہ جب مر جائے گا تو تجھے رہائی مل جائے گی اور تیری جان چھوٹ جائے گی ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

اے نفس! تیرا خیال ہے کہ تجھے بیکار چھوڑا جائے گا، کیا تو مادہ منویہ نہ تھا پھر جما ہوا خون بنا تو اس نے تجھے ٹھیک ٹھیک بنایا تو کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ مردوں کو (دوبارہ) زندہ کرے۔

اگر تیرا یہی عقیدہ ہے تو تجھ سے بڑھ کر کافر اور جاہل کون ہے؟ کیا تو غور و فکر نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے کس چیز سے بنایا تجھے نطفے سے بنا کر تجھے مناسب طریقے پر ٹھیک کیا پھر تیرے لیے راستے کو آسان کیا پھر تجھے موت دے کر قبر میں پہنچائے گا کیا تو اس کے اس قول کو جھٹلاتا ہے کہ پھر جب وہ چاہے گا تو تجھے اٹھائے گا۔

اے نفس اگر تو اسے جھٹلاتا نہیں ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ پرہیز نہیں کرتا اگر کوئی یہودی تجھے اس کھانے کے بارے میں جو تیرے لیے زیادہ لذیذ ہے یہ کہے کہ یہ تیری بیماری کے لیے نقصان دہ ہے تو تو اس سے صبر کر لیتا ہے اور اسے چھوڑ دیتا ہے اور اپنے نفس کو مشقت میں ڈال دیتا ہے کیا انبیاء کرام جن کو معجزات سے تائید حاصل ہے ان کا قول اور اللہ تعالیٰ کا اپنی کتب میں ارشاد، تیرے نزدیک یہودی کے قول سے کم تاثیر رکھتا ہے جو اندازے اور گمان سے بات کرتا ہے اور اس کی عقل ناقص اور علم میں کمی ہے۔

تعجب کی بات ہے اگر کوئی بچہ تمہیں کہہ دے کہ تمہارے کپڑوں میں بچھو ہے تو تم اس کپڑوں کو اتار پھینکتے ہو اور اس دلیل و برہان کا مطالبہ نہیں کرتے تو کیا انبیاء کرام، علماء عظام، حکماء اور اولیاء کرام کا قول تمہارے نزدیک اس بچے کی بات سے کم وقعت رکھتا ہے حالانکہ وہ بچہ نادان ہے یا جہنم کی گرمی، اس کے طوق، عذاب گرز، تھوہر، پیپ، گرم ہوا، سانپ اور بچھو تمہارے نزدیک اس دنیا کے بچھو کے مقابلے میں معمولی ہیں جس کی تکلیف ایک دن یا اس سے بھی کم ہوتی ہے۔

یہ عقل مند لوگوں کے طور طریقے نہیں ہیں بلکہ اگر جانوروں پر تمہاری حالت ظاہر ہو تو وہ تجھ پر ہنسیں اور تیری عقل کا مذاق اڑائیں ——— اے نفس! اگر تجھے ان تمام باتوں کی پہچان ہے اور تو ایمان بھی رکھتا ہے تو پھر عمل میں کوتاہی کیوں

marfat.com

کرتا ہے جب کہ موت تیرے انتظار میں ہے ہوسکتا ہے وہ کسی مہلت کے بغیر تجھے اچانک اٹھالے تو موت کے جلدی آنے سے کس طرح بے خوف ہے۔

اگر تجھے سو سال کی مہلت مل بھی جائے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ جو شخص گھاٹی کے دامن میں جانور کو چارہ دیتا ہے وہ راستہ کاٹے بغیر اسی طرح سفر طے کرے گا؟ اگر تیرا یہ خیال ہے تو تُو بہت بڑا جاہل ہے۔

تمہارا کیا خیال ہے اگر ایک شخص اس لئے سفر کرتا ہے کہ وہ فقہ سیکھے اب وہ دوسرے ملک میں کئی سال بیکار رہتا ہے اور اپنے نفس سے وعدہ کرتا ہے جب وہ گھر کی طرف لوٹنے والا ہوگا تو اس (آخری) سال فقہ سیکھے گا تو تجھے اس شخص کی عقل پر ہنسی نہیں آئے گی کہ وہ تھوڑی سی مدت میں فقہ حاصل کرنے کی طمع رکھتا ہے یا اس کا خیال ہے کہ وہ فقہ سیکھے بغیر محض اللہ تعالیٰ کے کرم سے فقہاء کرام کا منصب پائے گا۔ پھر یہ کہ آخری عمر کی کوشش نفع دے گی اور وہ بلند درجات پائے گا حالاں کہ ہوسکتا ہے آج کا دن تیری زندگی کا آخری دن ہو تو اب اس میں کیوں مشغول نہیں ہوتا اگر تجھے مہلت کا پروانہ مل بھی گیا ہو تو جلدی کرنے میں کیا رکاوٹ ہے اور لیت ولعل سے کام لینے میں کیا حکمت ہے یہی بات ہے کہ تو اپنی خواہشات کی مخالفت سے عاجز ہے کیوں کہ اس میں تھکاوٹ اور مشقت ہے کیا تو اس دن کا منتظر ہے جب خواہشات کی مخالفت مشکل نہ ہو اللہ تعالیٰ نے ایسا دن پیدا نہیں فرمایا اور نہ ہی پیدا کرے گا۔ اور جنت اسی صورت میں حاصل ہوتی ہے جب آدمی مشکل باتوں کو اپنائے اور یہ مشکل امور نفس پر کبھی بھی آسان معلوم نہیں ہوتے اس کا وجود محال ہے۔

کیا تم غور نہیں کرتے کہ تم کب سے اپنے نفس سے وعدہ کر رہے ہے کہ کل عمل کروں گا کل عمل کروں گا اور وہ کل آج میں بدل گیا تو تم اس کو کس طرح پا سکتے ہو کیا تم نہیں جانتے کہ جو کل آیا اور چلا گیا وہ کل گذشتہ کے حکم میں ہو گیا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ تم آج عمل کرنے سے عاجز ہو تو کل زیادہ عاجز ہو گے کیوں کہ خواہش اس درخت کی طرح ہے جو زمین میں پختہ ہو چکا ہے اور بندہ اس کو اکھاڑنے سے عاجز ہے جب وہ کمزوری کی وجہ سے اسے اکھاڑ نہیں سکتا اور اسے مؤخر کر دیتا ہے تو وہ اس آدمی کی طرح ہو جاتا ہے کہ جو درخت کو اکھاڑنے سے جوانی میں عاجز ہو اور اسے دوسرے سال تک مؤخر کر دے حالاں کہ وہ جانتا ہے کہ جوں جوں وقت گزرے گا درخت زیادہ مضبوط اور پکا ہو جائے گا اور اکھاڑنے والا زیادہ کمزور ہو جائے گا تو جو شخص جوانی میں اس پر قادر نہیں ہوتا وہ بڑھاپے میں اسے نہیں اکھاڑ سکتا بلکہ بڑھاپے کی محنت ایک تھکاوٹ ہی ہے اور بھیڑیئے کو تہذیب سکھانا تکلیف دینا ہے تو لکڑی ٹیڑھی ہو سکتی ہے جب خشک ہو جائے اور زیادہ وقت گزر جائے تو اب اس بات کو قبول نہیں کرتی۔

اے نفس! جب تو ان واضح باتوں کو قبول نہیں کرتا اور ٹال مٹول کی طرف مائل ہے تو پھر اپنے آپ کو عاقل کیوں کہتا ہے اس حماقت سے بڑھ کر کونسی حماقت ہو سکتی ہے۔

marfat.com

شاید تم یہ کہو کہ مجھے استقامت سے خواہشات کی لذت پر حرص اور مشقتوں اور تکالیف پر کم صبر کی وجہ سے رکاوٹ ہے
ر کس قدر غبی ہے اور تیرا عذر کتنا بُرا ہے اگر تو اس بات میں سچا ہے تو ایسی خواہشات کے ساتھ حصول نعمت کی طلب
و دائمی خرابیوں سے پاک اور صاف ہے اور اس سلسلے میں تمہارا مقصود جنت ہی ہونا چاہیے اگر تو اپنی خواہشات کو
نا ہے تو ان کی مخالفت کی طرف بھی نظر کر بعض اوقات ایک لقمے کے باعث بہت سے لقموں کو چھوڑنا پڑتا ہے۔
اس بیمار کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس کو ڈاکٹر نے تین دن ٹھنڈا پانی پینے سے منع کیا تاکہ وہ صحت مند
بائے اور پھر عمر بھر پی سکے اور اس نے اسے بتا دیا کہ اگر وہ ٹھنڈا پانی پیئے گا تو وہ ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے گا
یر تک رہے گی اور وہ زندگی بھر یہ پانی نہیں پی سکے گا تو خواہش کو پورا کرنے میں عقل کا تقاضا کیا ہو گا کیا وہ تین دن صبر
کے عمر بھر اس سے نفع اندوز ہو یا وہ تین دن صبر نہ کرنے کے خوف سے اسی وقت پی لے حتیٰ کہ وہ تین سو اور تین ہزار دن
لیف برداشت کرے۔

ابدی زندگی جس میں اہل جنت کو نعمتیں حاصل ہوں گی اور جہنمی عذاب میں مبتلا ہوں گے، کے مقابلے میں تمہاری تمام عمر کو
ت حاصل ہے وہ ان تین دنوں سے بھی کم ہیں جو تمہاری عمر کے مقابلے میں ہیں اگرچہ تمہاری عمر کتنی طویل کیوں نہ ہو۔
کاش کوئی بتا دے کہ خواہشات سے پرہیز کی تکلیف زیادہ ہے اور اس کی مدت طویل ہے یا جہنم میں جانے کی تکلیف
ہے تو جو شخص دنیا میں مجاہدے کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی تکلیف کیسے برداشت کرے گا۔
تم جو اپنے نفس پر شفقت میں سستی کرتے ہو تو اس کی دو وجہ ہو سکتی ہیں یا تو وہ خفیہ کفر ہے یا ظاہر بیوقوفی ——
ت تک پوشیدہ کفر کا تعلق ہے تو وہ یوم حساب پر ایمان میں کمزوری اور ثواب و عذاب کی عظمت کی پہچان کا نہ ہونا ہے۔
اور واضح بیوقوفی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے کرم اور عفو و درگزر پر اعتماد کرتے ہو لیکن اس کے راستے میں تکلیف برداشت
ے، عذاب دینے میں مہلت اور اس کی عبادت سے بے نیاز ہونے کی طرف توجہ نہیں کرتے ہو اس کے ساتھ ساتھ
رٹی کے ایک لقمے یا مال کے ایک دانے یا ایک بات جو مخلوق سے سنتے ہو، کے سلسلے میں اس پر اعتماد نہیں کرتے
پنی غرض تک پہنچنے کے لیے تمام حیلے اور اسباب استعمال کرتے ہو۔
اور ان حیلوں اور اسباب کی وجہ سے تمہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حماقت کا لقب ملتا ہے آپ نے فرمایا۔

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْاَحْمَقُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ الْاَمَانِيَّ۔ (۱)

سمجھدار شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھتا ہے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرتا ہے جب کہ بیوقوف وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے آرزوؤں کی تمنا کرتا ہے۔

---

۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۴ مرویات شداد بن اوس

marfat.com

اے نفس! تجھے دنیا کی زندگی سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوئی دھوکہ ہونا چاہیے تو اپنی فکر کر دوسروں کا معاملہ تیرے لیے اہم نہیں ہے زندگی کو ضائع نہ کر سانس معدود ہیں جب ایک سانس چلا جاتا ہے تو تجھ سے کچھ کم ہی ہوتا ہے بیماری سے پہلے صحت کو، مصروفیت سے پہلے فراغت کو، محتاجی سے پہلے مال داری کو، بڑھاپے سے پہلے جوانی کو اور موت سے پہلے زندگی کو غنیمت جان۔

جس قدر تو آخرت میں رہے گا اس کے مطابق تیاری کر۔ اے نفس! کیا تو سردیوں کے لیے اس مدت کے مطابق تیاری نہیں کرتا اس مدت کے لیے رزق، لباس، لکڑیاں اور باقی تمام سامان اکٹھا کرتا ہے اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ نہیں کرتا کہ وہ کسی جُبے، اُون اور لکڑی کے بغیر تجھ سے سردی کی تکلیف دور کر دے حالاں کہ وہ اس پر قادر ہے۔

اے نفس! کیا تیرا خیال یہ ہے کہ جہنم کے زمہریر (جہنم کے ٹھنڈے طبقے) میں سردی کم ہوگی اور موسم سرما کے مقابلے میں اس کا وقت بھی تھوڑا ہوگا۔

یا تمہارا خیال یہ ہے کہ اس کی شدت اس سے کم ہوگی ہرگز نہیں ایسا نہیں ہوگا اور نہ ہی شدت اور سردی کے اعتبار سے ان کے درمیان کوئی مناسبت ہے کیا تمہارا خیال ہے کہ بندہ کسی محنت کے بغیر اس سے نجات پالے گا ہرگز نہیں مثلاً سردیوں کے موسم کی شدت جیسے، آگ اور دیگر اسباب کے بغیر دور نہیں ہوگی اسی طرح جہنم کی گرمی اور ٹھنڈک سے بچنے کے لیے توحید کے قلعے اور عبادات کی خندق کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے تمہیں قلعہ بند ہونے کا طریقہ سکھا دیا اور اس کے اسباب کو آسان کر دیا یہ نہیں کہ وہ قلعے کے بغیر تجھ سے عذاب کو دور کر دے جیسے اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے آگ کو پیدا کیا اور اس کے ذریعے سردی کی ٹھنڈک کو دُور کر دیا اور تجھے لوہے اور پتھر کے درمیان سے آگ نکالنے کا طریقہ بتایا یہاں تک کہ تو اپنے آپ سے سردیوں کی ٹھنڈک کو دور کرتا ہے اور جس طرح جبہ اور لکڑیاں وغیرہ خریدنے سے تیرا خالق و مالک بے نیاز ہے بلکہ تو یہ چیزیں اپنے لیے خریدتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو تیرے آرام کے لیے پیدا کیا ہے تو اسی طرح عبادات اور مجاہدات سے بھی اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے وہ تو صرف تیرے لیے نجات کا راستہ ہے پس جو شخص نیکی کرے گا تو اپنے لیے کرے گا اور جو برائی کرے گا تو اس کا نقصان بھی خود اسے برداشت کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

اے نفس! جہالت سے باہر نکل اور آخرت کو دنیا پر قیاس کر تم سب پیدائش اور قیامت کے دن اٹھنے میں ایک نفس کی طرح ہو۔ اور جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا اسی طرح دوبارہ لوٹائیں گے اور جس طرح اس نے تمہیں پیدا کیا اسی طرح تم لوٹو گے اور اللہ تعالیٰ کی سنت میں کوئی تبدیلی یا اس کا پھر جانا نہیں پاؤ گے۔

marfat.com

اے نفس! میں دیکھتا ہوں کہ تو دنیا سے محبت کرتا ہے اور اسی سے مانوس ہے اس سے جدائی تجھ پر شاق گزرتی ہے اور تو اس کے قریب ہو رہا ہے تو اپنے اندر اس کی محبت کو پکا کر رہا ہے جان لے کہ تو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور ثواب سے غافل ہے اسی طرح قیامت کی ہولناکیوں اور احوال سے بھی بے خبر ہے اور تو موت پر ایمان نہیں رکھتا جو تجھے تیری محبوب چیزوں سے جدا کر دے گی بتاؤ اگر کوئی شخص بادشاہ کے گھر میں داخل ہو کر وہ دوسری طرف سے نکل جائے گا اور وہ وہاں کسی خوبصورت چہرے پر یہ سوچ کر نظر ڈالے کہ اس کا دل مکمل اسی کی طرف متوجہ ہو جائے گا تو کیا یہ شخص عقل مند لوگوں میں شمار ہو گا یا بیوقوفوں میں؟ - کیا تمہیں معلوم نہیں کہ دنیا بادشاہوں کے بادشاہ کا گھر ہے اور تمہیں تو صرف اس سے گزرنے کی اجازت ہے اور اس میں جو کچھ ہے وہ گزرنے والوں کو مرنے کے بعد ملے گا۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رُوعِي أَحْبِبْ مَنْ أَحْبَبْتَ فَإِنَّكَ مُفَارِقُهُ وَاعْمَلْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مَجْزِيٌّ بِهِ وَعِشْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مَيِّتٌ۔

بے شک حضرت جبریل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ جس سے محبت کرنا چاہتے ہیں کریں وہ آپ سے جدا ہونے والی چیز ہے اور جو عمل چاہیں کریں اس کا بدلہ دیا جائے گا اور جب تک چاہیں زندہ رہیں بالآخر دنیا سے جانا ہے۔ (۱)

اے نفس تجھے معلوم نہیں کہ جو شخص دنیوی لذتوں کی طرف متوجہ ہوتا اور ان سے مانوس ہوتا ہے حالانکہ موت اس کے پیچھے ہے تو انہیں چھوڑتے وقت اسے بہت زیادہ حسرت ہوتی ہے اور وہ غیر شعوری طور پر ہلاک کرنے والی زہر کو اپنا توشہ بناتا ہے۔

یا تو ان لوگوں کو نہیں دیکھتا جو پہلے گزر گئے انہوں نے بلند و بالا مکانات بنائے پھر ان کو چھوڑ کر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کی زمین اور مکانات کا وارث ان کے دشمنوں کو بنایا کیا تو ان کو نہیں دیکھتا کہ کس طرح وہ ان چیزوں کو جمع کرتے ہیں جن کو کھاتے نہیں اور ایسی عمارتیں بناتے ہیں جن میں رہائش پذیر نہیں ہوتے اور ایسی چیزوں کی امید رکھتے ہیں جن کو حاصل نہیں کر سکتے۔

ہر شخص ایک بلند محل بناتا ہے جو آسمان کی طرف جاتا ہے جب کہ اس کا ٹھکانہ زمین میں کھودی ہوئی قبر ہے کیا دنیا میں کوئی شخص اس سے بڑا بیوقوف ہے؟ ایک شخص اپنی دنیا تعمیر کرتا ہے حالانکہ وہ یقیناً اس سے کوچ کرنے والا ہے اور اپنی آخرت کو خراب کرتا ہے حالانکہ قطعی طور پر اس نے اس کی طرف جانا ہے اے نفس! کیا تجھے ایسے بیوقوفوں کی بیوقوفی پر

---

(۱) العلل المتناہیہ جلد ۲ ص ۴۰۳ حدیث ۱۴۸۱

marfat.com

ان کی مدد کرتے ہوئے حیا نہیں آتا۔

فرض کرو کہ تم بصیرت نہیں رکھتے کہ ان باتوں کی طرف راہنمائی حاصل کرو لیکن تم فطری طور پر کسی طرف مائل ہونا اور کسی کی مشابہت چاہتے ہو تو انبیاء کرام، علماء عظام اور عقلمند لوگوں کی عقل اور ان لوگوں کے عقل جو دنیا پر اوندھے گرے ہوئے ہیں، کے درمیان مقابلہ کرو اور تمہارے نزدیک جو زیادہ عقل مند ہوں اس کے پیچھے چلو اگر تم عقل اور سمجھداری کی اقتداء اور اتباع کرنا چاہتے ہو۔

اے نفس! تیرا معاملہ کتنا عجیب اور تیری جہالت کتنی سخت ہے تیری سرکشی کس قدر ظاہر ہے تو کس طرح ان واضح اور روشن باتوں سے اندھا ہو چکا ہے اے نفس! شاید تجھے جاہ و مرتبہ کی چاہت نے نشے میں ڈال دیا ہے اور تو اس بات کو سمجھنے سے مدہوش ہو چکا ہے یا تو اس بات کو نہیں سمجھتا کہ جاہ و مرتبہ صرف اس بات کا نام ہے کہ بعض لوگوں کے دل تیری طرف مائل ہوں تو تم فرض کر لو کہ زمین پر جو لوگ بھی ہیں وہ تمہیں سجدہ کرتے اور تیری اطاعت کرتے ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ پچاس سال بعد نہ تو زمین پر رہے گا اور نہ وہ جنہوں نے تجھے سجدہ کیا اور تیری پوجا کی اور عنقریب ایک وقت آئے گا کہ تیرا ذکر باقی رہے گا اور نہ تیرا ذکر کرنے والوں کی یاد باقی رہے گی جس طرح تجھ سے پہلے بادشاہوں کے ساتھ ہوا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَهَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا۔ (۱)

کیا تو ان میں سے کسی ایک کا احساس کرتا ہے یا ان کی آہٹ سنتا ہے۔

تو پھر تو اے نفس! کس طرح ہمیشہ رہنے والی چیز کے بدلے میں بیچتا ہے جو پچاس سال سے زیادہ نہیں رہے گی اگر باقی رہے بھی تو؟

اور یہ بھی اس صورت میں ہے جب تو زمین کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہو اور مشرق و مغرب تیری اطاعت کریں حتی کہ گردنیں تیرے سامنے جھک جائیں اور تمام اسباب تیرے لیے منظم ہو جائیں اور جس صورت میں اپنے محلے کا بلکہ اپنے گھر کا معاملہ بھی تیرے قبضے میں نہ ہو اور تیری نحوست و بدبختی کے باعث ایسا ہو تو اس صورت میں آخرت کو چھوڑنے کس قدر غلطی اور بیوقوفی ہے۔

اے نفس! اگر تو اپنی جہالت کی وجہ سے آخرت میں رغبت کی خاطر دنیا کو نہیں چھوڑتا اور تو بصیرت کے اعتبار سے اندھا ہو چکا ہے تو یہی سوچ کر اسے چھوڑ دے کہ دنیا کے شرکاء خسیس ہیں اور اس میں مشقت زیادہ ہے نیز یہ جلد فنا ہونے والی ہے جب دنیا کی کثرت نے تجھے چھوڑ دیا تو اس کے قلیل کو تو کیوں نہیں چھوڑتا اگر دنیا تیرے موافق ہو تو خوش کیوں

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ مریم آیت ۹۸

marfat.com

یا ہے تمہارا شہر یہودیوں اور مجوسیوں کی ایسی جماعت سے خالی نہیں ہے جو دنیوی مال کے ذریعے تجھ سے آگے بڑھے ہوئے ہیں اور ان کے پاس دنیوی نعمتیں اور زینت تیرے مقابلے میں زیادہ ہے تو دنیا پر تُف ہے کہ اس کے ذریعے ہیں لوگ بھی تجھ سے سبقت لے گئے تو کس قدر جاہل ہے تیری قیمت کس قدر ہلکی ہے اور تیری رائے کس قدر گری ہوئی ہے کہ تو انبیاء کرام اور صدیقین کی جماعت میں ہونا نہیں چاہتا جو اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں اور تمام جہانوں کے رب کی ہمسائیگی ہمیشہ ہمیشہ رہتے ہیں تو ان لوگوں سے منہ موڑ کر بیوقوف جاہل لوگوں کی جوتیوں میں بیٹھنا چاہتا ہے حالانکہ یہ بھی چند دن بات ہے تو تجھ پر افسوس ہے کہ تیری دنیا اور دین دونوں برباد ہو گئے۔

اے نفس! اب تو جلدی کر کیوں کہ موت سر پر آپہنچی ہے اور ڈرانے والا آ موجود ہوا ہے تیرے مرنے کے بعد کی طرف سے کون نماز پڑھے گا؟ تیرے انتقال کے بعد تیری طرف سے کون روزہ رکھے گا؟ اور تیرے مرنے کے بعد تیری طرف سے کون اللہ تعالیٰ کو راضی کرے گا۔

اے نفس! تیری پونجی صرف چند دن ہیں اگر ان میں تجارت کرلے اکثر دنوں کو تو نے ضائع کر دیا اگر تو اس ضائع ہونے پر زندگی بھر روتا رہے تب بھی تیرے نفس کے حق میں تھوڑا ہے تو اب باقی کو ضائع کرنے اور پرانی عادت کو اپنائے رہنے کی صورت میں کیا حال ہوگا؟

اے نفس! کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ موت کا تجھ سے وعدہ کیا گیا ہے قبر تیرا گھر اور مٹی تیرا بچھونا ہے کپڑے تیرے ساتھی ہیں اور بہت بڑا خوف سامنے ہے۔

اے نفس! کیا تجھے معلوم نہیں کہ مُردوں کا لشکر شہر کے دروازے پر تیرا منتظر ہے ان سب نے پکی قسم کھائی ہے کہ وہ تجھے ساتھ لیے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے۔ اے نفس! کیا تجھے معلوم نہیں کہ وہ صرف ایک دن دنیا میں پس آنا چاہتے ہیں تاکہ گذشتہ کوتاہی کا تدارک کر سکیں اور تجھے یہ بات حاصل ہے تیری زندگی کا ایک دن اگر تمام دنیا کے بدلے میں بیچا جائے تو وہ اسے ضرور خریدیں گے اگر اس پر قادر ہوں۔ اور تو غفلت اور بے کاری میں اپنے دنوں کو ضائع کر رہا ہے اے نفس! تجھ پر افسوس ہے کیا تجھے حیا نہیں آتی تو لوگوں کے لیے اپنے ظاہر کو مزین کرتا ہے اور باطنی طور پر بڑے بڑے گناہوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے لڑتا ہے پھر یہ کہ تو مخلوق سے حیا کرتا ہے لیکن خالق سے حیا نہیں کرتا۔

اے کمبخت! کیا وہ تجھے دیکھنے والوں میں سے سب سے ہلکا معلوم ہوتا ہے تو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برے کاموں میں ملوث ہے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے اور خود اس سے بھاگتا ہے اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہے لیکن خود اسے بھول جاتا ہے۔ جب تو خود پاک نہیں ہے تو دوسروں کی پاکیزگی کی طمع کیوں کرتا ہے۔

اے نفس! اگر تجھے اپنی صحیح پہچان ہو جائے تو تُو یہی گمان کرے کہ لوگوں کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تیری نحوست سے ہے

اے نفس! تو نے اپنے آپ کو شیطان کا گدھا بنا لیا ہے وہ جہاں چاہتا ہے تجھے لے جاتا ہے اور تیرا مذاق اڑاتا ہے اس کے باوجود تو اپنے عمل پر خوش ہوتا ہے۔

اور اس میں وہ آفات ہیں کہ تو ان سے بچ جائے تو یہ بھی نفع ہے اور تو اپنے اعمال پر کیسے خوش ہوتا ہے حالاں کہ تیری خطائیں اور لغزشیں بہت زیادہ ہیں اللہ تعالیٰ نے شیطان کی ایک خطا کی وجہ سے اس پر لعنت بھیجی ہے اور وہ اس سے پہلے دو لاکھ سال اس کی عبادت کر چکا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو ایک خطا کی وجہ سے جنت سے باہر آنا پڑا حالانکہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور منتخب تھے اے نفس! تو کس قدر غدار، بے حیا، جاہل اور گناہوں پر جرأت کرنے والا ہے کمبخت تو معاہدہ کر کے اسے توڑ دیتا ہے اور وعدہ کر کے دھوکہ دیتا ہے۔

اے کمبخت نفس! تو ان خطاؤں کے باوجود اپنی دنیا بسانے پر لگا ہوا ہے گویا کہ تو یہاں سے کوچ نہیں کرے گا کیا تو قبرستان والوں کو نہیں دیکھتا کہ وہ کیسے تھے! انہوں نے بہت سامان جمع کیا، مضبوط محل بنائے اور بہت دور کی امید رکھی لیکن ان کا جمع شدہ مال تباہ و برباد ہو گیا مکانات قبروں میں بدل گئے اور ان کی امیدیں دھوکے میں بدل گئیں اے نفس! تجھے کیا ہو گیا ہے کیا تو عبرت حاصل نہیں کرتا ان کے حالات کو دیکھتا نہیں کیا تیرا خیال یہ ہے کہ ان کو آخرت کی طرف بلایا گیا ہے اور تو ہمیشہ یہیں رہے گا۔ ہرگز ایسا نہیں ہو گا تیرا وہم نہایت بیہودہ اور برا ہے تو صرف اپنی عمر ضائع کر رہا ہے اور تیری پیدائش سے اب تک یہ سلسلہ جاری ہے تو زمین پر اپنے لیے عمارت بناتا ہے لیکن تھوڑی ہی مدت بعد زمین کے اندر تیری قبر ہو گی کیا تجھے اس بات کا ڈر نہیں کہ جب جان گلے میں آ کر رک جائے گی اور تیرے رب کے رسول (فرشتے) تیرے پاس آئیں گے ان کے رنگ سیاہ اور چہرے تیوری چڑھے ہوں گے وہ تجھے عذاب کی خبر دیں گے۔ کیا اس وقت تجھے ندامت فائدہ دے گی یا تجھ سے غم قبول کیا جائے گا یا تیرے رونے پر ترس کھایا جائے گا۔

اے نفس! بہت تعجب کی بات ہے تو ان سب باتوں کے باوجود بصیرت اور دانائی کا دعویٰ کرتا ہے تیری دانائی تو یہ ہے کہ تو ہر دن مال کے زیادہ ہونے پر خوش ہوتا ہے لیکن عمر کے کم ہونے پر غمگین نہیں ہوتا حالاں کہ مال کی زیادتی کیا فائدہ دے گی جب کہ عمر کم ہو رہی ہو۔

اے نفس! تو آخرت سے منہ پھیرتا ہے حالاں کہ وہ تیری طرف بڑھ رہی ہے اور تو دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے حالاں کہ وہ تجھ سے منہ پھیرتی ہے اور کتنے ہی لوگ ہیں جنہوں نے کل پر کام رکھا تو پورا نہ ہوا اور ان کی کتنی آرزوئیں پوری نہ ہوئیں تو اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں اس بات کو دیکھتا ہے۔ اے نفس! تو دیکھتا ہے کہ ان کو اس بات پر افسوس ہوتا ہے لیکن تو پھر بھی اپنی جہالت سے باز نہیں آتا اے مسکین نفس! اس دن سے بچ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ وہ اس بندے کو ہرگز نہیں چھوڑے گا جس کو دنیا میں کسی کام کے کرنے کا حکم

یا اور کسی کام سے روکا حتی کہ اس سے اس کے عمل کے بارے میں سوال ہوگا وہ عمل چھوٹا ہو یا بڑا ظاہر ہو یا پوشیدہ ،
اے نفس ! دیکھ کس بدن کے ساتھ تو اس کے سامنے کھڑا ہوگا اور کس زبان کے ساتھ جواب دے گا نیز سوال کا
واب تیار کر اور جواب بھی صحیح ہو زندگی کے باقی دنوں میں جو چھوٹے چھوٹے نہیں بڑے دنوں کے لیے عمل کر، ختم ہونے
لے گھر میں باقی رہنے والے گھر کے لیے، غم اور تھکاوٹ والے گھر میں نعمتوں اور ہمیشہ رہنے والے گھر کے لیے عمل کر
ں سے پہلے کہ تو عمل نہ کر سکے اب عمل کر لے دنیا سے خود اپنے اختیار کے ساتھ آزاد لوگوں کی طرح نکل جا اس سے پہلے
تو مجبور ہو کر نکلے دنیوی تر و تازگی اگر تیری مددگار ہے تو اس پر خوش نہ ہو کیوں کہ اکثر خوش ہونے والا نقصان اٹھاتا ہے
ربت سے نقصان اٹھانے والوں کو شعور نہیں ہوتا اس شخص کے لیے خرابی ہے جو خرابی میں مبتلا ہے لیکن اسے
ور نہیں وہ ہنستا اور خوش ہوتا ہے کھیل کود میں مبتلا ہے اور مذاق کرتا ہے، کھاتا اور پیتا ہے حالاں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں لوح
فوظ میں لکھ دیا گیا ہے کہ وہ اہل جہنم سے ہے ۔

اے نفس ! تو دنیا کو عبرت کی نگاہ سے دیکھ اور اس کے لیے مجبوروں کی طرح کوشش کر اسے اپنے اختیار سے
چھوڑ اور آخرت کی طلب میں سبقت کرنے والوں میں سے نہ ہو جا جو اس چیز کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہیں جو ان کو دی
ئی اور باقی عمر میں زیادتی کے خواہاں ہیں وہ لوگوں کو منع کرتے ہیں اور خود باز نہیں آتے اے نفس ! جان لے دین کا کوئی
ین اور ایمان کا کوئی بدل نہیں اور نہ ہی جسم کا کوئی نائب ہے جس شخص کی سواری دن اور رات ہوں تو وہ اسے لے چلتے
ں اگرچہ وہ نہ چلے ۔

اے نفس ! اس نصیحت کو قبول کر اور اس سے فائدہ حاصل کر کیوں کہ جو شخص اس نصیحت سے منہ پھیرتا ہے وہ جہنم
راضی ہوتا ہے اور میں تجھے اس پر راضی نہیں دیکھتا اور نہ یہ کہ تو اس نصیحت پر کان نہ دھرے ۔ اگر دل کی سختی تجھے اس وعظ
قبولیت سے روکتی ہے تو دائمی تہجد اور شب بیداری کے ذریعے اس پر مدد طلب کر اگر یہ نہ ہو سکے تو مسلسل روزے
کھ اگر اس سے بھی ختم نہ ہو تو لوگوں سے میل جول اور گفتگو کم کر دے اگر اس سے بھی نہ جائے تو رشتہ داروں سے صلہ رحمی
ر یتیموں پر نرمی اختیار کر اور اگر اس سے بھی زائل نہ ہو تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل پر مہر اور تالا لگا دیا ہے
ر گناہوں کی تاریکی دل کے ظاہر اور باطن پر خوب چھا گئی ہے ۔

اب اپنے نفس کو دوزخی جان اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا تو اس کے لائق لوگوں کو بھی پیدا فرمایا اور جہنم کو پیدا
یا تو اس کے مناسب لوگ بھی پیدا کیے تو جس کو جس جگہ کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ اس کے لیے آسان کر دی
ئی ہے ۔

اگر اب تیرے اندر وعظ و نصیحت کی گنجائش نہ رہے تو اپنے آپ سے ناامید ہو جا اور ناامیدی بہت بڑا گناہ ہے ہم
اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اب تیرے لیے نہ تو ناامیدی کا راستہ ہے اور نہ ہی امید کا، بلکہ بھلائی کے تمام راستے

marfat.com

تجھ پر بند ہو چکے ہیں اور یہ دھوکہ ہے امید نہیں۔

اب تو دیکھ کہ کیا تجھے اس مصیبت پر دکھ ہوتا ہے جس میں تو مبتلا ہے اور کیا اپنے نفس پر رحم کھاتے ہوئے تیری آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں اگر آنسو بہتے ہیں تو ان کا منبع بحر رحمت ہے اس سے معلوم ہوا کہ ابھی تجھ میں امید کی جگہ باقی ہے لہٰذا رونا دھونا اپنا وطیرہ بنالے اور سب سے زیادہ رحم کرنے والی ذات سے مدد مانگ سب سے زیادہ کریم کی بارگاہ میں شکایت کر اس سے مسلسل مدد مانگ اور اس شکایت کی طوالت سے تھک نہ جانا۔

شاید وہ تیرے ضعف پر رحم فرمائے اور تیری فریاد کو پہنچے کیوں کہ تیری مصیبت بہت بڑی ہے اور تیری آزمائش سخت ہو گئی ہے نافرمانی بڑھ گئی ہے اور کوئی حیلہ باقی نہیں رہا اور بیماریاں تیرے پاس سکون پاتی ہیں اب نہ کوئی مقام طلب ہے نہ مدد کی جگہ نہ راہ فرار ہے اور نہ کوئی ٹھکانہ صرف اپنے مولیٰ کے ہاں پناہ لے سکتا ہے لہٰذا آہ وزاری کے ساتھ اس کے حضور حاضر ہو جا اور اپنی حالت اور گناہوں کی کثرت کی مقدار خشوع وخضوع کا مظاہرہ کرتے ہوئے تضرع اور گڑگڑانے کی راہ اختیار کر کیوں کہ وہ عاجزی کرنے اور گڑگڑانے والے پر رحم کرتا ہے اور مجبور طالب کی مدد فرماتا اور اس کی دعا کو قبول کرتا ہے آج تو اس کی طرف مجبور اور اس کی رحمت کا محتاج ہے تجھ پر راستے تنگ اور بند ہو گئے ہیں تمام اسباب منقطع ہو چکے ہیں اور نصیحت نے تجھ پر کوئی اثر نہیں کیا اور نہ ہی جھڑک نے تیرے اندر توڑ پھوڑ کی تو جس سے طلب کرتا ہے وہ کریم ہے جس سے مانگتا ہے وہ جود وسخا کا منبع ہے جس سے مدد طلب کی جا رہی ہے وہ رؤف ورحیم ہے اور اس کی رحمت کشادہ، کرم فیض سے بھرپور اور عفو ودرگزر عام ہے تم یوں کہو۔

"اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے اے رحمٰن، اے رحیم، اے حلیم اے عظیم، اے کریم! میں بار بار گناہ کا مرتکب ہوا میں نے بہت زیادہ جرأت کی میں نے دیر تک گناہ کئے اور مجھے حیا نہ آئی یہ گڑگڑانے والے مسکین مفلس فقیر کمزور حقیر اور ہلاک ہونے والے ڈوبنے والے کا مقام ہے

میری مدد میں جلدی فرما اور میری پریشانی کو دور کر دے مجھے اپنی رحمت کے آثار دکھا دے اور اپنے عفو اور مغفرت کی ٹھنڈک کا مزا چکھا دے مجھے گناہوں سے بچنے کی قوت عطا فرما اے ارحم الراحمین"

اے نفس! اس سلسلے میں تو اپنے باپ آدم علیہ السلام کی اقتدا کر حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین میں اتارا گیا تو کچھ عرصہ آپ یوں رہے کہ آنسو نہیں تھمتے تھے ساتویں دن اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف نظر رحمت فرمائی تو آپ غمگین اور پریشان تھے اور آپ نے سر جھکایا ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا اے آدم علیہ السلام! میں آپ کو کیسی مشقت میں دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے عرض کیا اے میرے رب میری مصیبت بہت بڑی ہے مجھے میری خطاؤں نے گھیر لیا ہے اور ان کے باعث میں اپنے رب کی بادشاہوں سے باہر آگیا ہوں۔ اب میں عزت کے بعد ذلت کے مقام پر آگیا ہوں۔ سعادت کے بعد بدبختی کی جگہ پر اور راحت کے بعد تھکاوٹ کی جگہ پر عافیت کے بعد آزمائش کے مقام پر ہمیشہ رہنے

والے مقام کے بعد مٹ جانے والی جگہ پر اور دائمی زندگی کے مقام میں رہنے کے بعد موت اور فنا کی جگہ پر آگیا ہوں تو میں کس طرح اپنے گناہ پر نہ روؤں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے آدم علیہ السلام! کیا میں نے تجھے اپنے لیے منتخب نہیں کیا تجھے اپنے گھر میں نہیں اتارا اپنی کرامت و عزت کے ساتھ تجھے خاص نہیں کیا اپنی ناراضگی سے تجھے نہیں بچایا کیا میں نے تجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا نہیں کیا اور تجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی میں نے فرشتوں سے تجھے سجدہ کرایا پھر تم نے میری حکم عدولی کی میرے عہد کو بھلا دیا اور میری ناراضگی مول لی۔

مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے اگر میں تمام زمین کو آپ جیسے لوگوں سے بھر دوں اور وہ سب میری عبادت کریں اور میری تسبیح بیان کریں پھر میری نافرمانی کریں تو میں ان کو گناہ گاروں کی جگہ اتاروں گا، اس پر حضرت آدم علیہ السلام تین سو سال تک روتے رہے۔

حضرت عبید اللہ بجلی رحمہ اللہ بہت رویا کرتے تھے وہ رات بھر روتے اور کہتے یا اللہ! میں وہ شخص ہوں جس کی عمر بڑھی تو گناہ بھی زیادہ ہو گئے میں ہی وہ آدمی ہوں کہ جب میں نے ایک خطا کو چھوڑنے کا ارادہ کیا تو دوسری خواہش سامنے آگئی۔

ہائے عبید! تمہاری پہلی خطا پر ندامت نہ ہوئی اور تُو دوسری کا طالب ہو گیا اے عبید! اگر آگ تیرا مقام اور ٹھکانہ ہو (تو کیا کرے گا) اے عبید! ہو سکتا ہے گرز تیرے سر کے لیے بنے ہوں اے عبید! طالبین کی حاجات پوری ہو گئیں لیکن شاید تیری حاجت پوری نہ ہو۔

حضرت منصور بن عمار رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ایک رات کوفہ میں ایک عبادت گزار سے سنا وہ اپنے رب سے مناجات کرتے ہوئے کہہ رہا تھا اے میرے رب مجھے تیری عزت کی قسم میں نے تیری نافرمانی سے تیری مخالفت کا ارادہ نہیں کیا اور جب تیری نافرمانی کی تو تیرے مقام سے ناواقف ہوتے ہوئے نہیں کی اور نہ ہی اپنے نفس کو تیرے عذاب کے لیے پیش کرنا مقصود تھا میں تیری نظر کو حقیر بھی نہیں جانتا تھا۔ لیکن میرے نفس نے اس کام کو میرے سامنے اچھا کر کے پیش کیا میری بدبختی نے اس معاملے میں مدد کی اور مجھ پر جو تیری پردہ پوشی ہے اس سے دھوکہ ہوا تو میں نے اپنی جہالت کی وجہ سے تیری نافرمانی کی اور اپنے عمل سے تیری مخالفت کی اب تیرے عذاب سے مجھے کون بچائے گا یا میں کس کی رسی کو پکڑوں گا اگر تیری رسی مجھ سے ٹوٹ جائے۔

بڑی خرابی تو یہ ہے کہ کل قیامت کے دن تیرے سامنے کھڑا ہونا ہوگا جب ہلکے پھلکے لوگوں سے کہا جائے گا تم گزر جاؤ اور زیادہ بوجھ والوں سے کہا جائے گا کہ اترو تو کیا میں کم بوجھ والوں کے ساتھ گزر جاؤں گا یا زیادہ بوجھ والوں کے ساتھ نیچے اتار دیا جاؤں گا ہائے میرے لیے خرابی ہے جب میری عمر زیادہ ہو گئی تو گناہ بھی بڑھ گئے تو میں کہاں تک توبہ کروں گا اور کب تک دوبارہ گناہ کرتا جاؤں گا۔ کیا وہ وقت نہیں آیا کہ میں اپنے رب سے حیا کروں!۔

marfat.com

تو ان لوگوں کا اپنے مالک سے مناجات کا یہ طریقہ تھا اور اس طرح وہ اپنے نفس کو جھڑکتے تھے وہ مناجات کے ذریعے اپنے رب کی رضا چاہتے تھے اور نفس کو جھڑکنے کا مقصد اسے تنبیہ کرنا اور رعایتِ نفس مقصود تھی تو جو شخص نفس کو جھڑکنے اور اللہ تعالیٰ سے مناجات میں سستی کرتا ہے وہ اپنے نفس کی رعایت اور خیال کرنے والا نہیں ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے راضی نہ ہو ـــــ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کے لیے حمد ہے اور ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل واصحاب پر درود (وسلام) ہو۔

marfat.com

۹۔ فکر اور عبرت کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کی انتہائے عزت کا کوئی کنارہ نہیں اور نہ ہی اس کی عظمت تک وہم وفہم کی رسائی ہو سکتی ہے بلکہ اس کی کبریائی کے سامنے طالبین کے دل حیران ہیں جب یہ حیرانگی اپنے مطلوب کے حصول کے لیے حرکت کرتی ہے تو اس کے جلال کے پردے اس کو پیچھے دھکیل دیتے ہیں اور جب وہ مایوس ہو کر لوٹتی ہے تو جمال کے پردوں سے آواز آتی ہے صبر کرو صبر کرو پھر اس سے کہا جاتا ہے بندگی کی ذلت میں فکر طلب کرو کیوں کہ جلالِ ربوبیت میں فکر کرو گی تو اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں کرو گی۔

اور اگر تم اپنی صفات میں فکر کے علاوہ کچھ طلب کرو تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات کی طرف نظر دوڑاؤ کہ وہ کس طرح تسلسل کے ساتھ تمہیں مل رہی ہیں اور ہر نعمت پر نئے سرے سے شکر ادا کرو اور تقدیر کے سمندر میں غور کرو کہ کس طرح عالمین پر خیر وشر، نفع ونقصان، تنگی وآسانی کامیابی اور خسارہ، جوڑ توڑ، لپیٹنا اور پھیلانا، ایمان اور کفر، پہچان اور انکار کو جاری کیا۔ اگر تم اپنی نظر افعال سے ذات کی طرف لے جاؤ گے تو تم ظلم وزیادتی کرتے ہوئے بشری طاقت سے تجاوز کرنے والے ہو گے اس کی چمک کے لیے عقلیں خوب کوشش کرتی اور ان کے پیچھے مجبوراً اوندھی گرتی ہیں۔

اور ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت ہو جو تمام اولاد آدم کے سردار ہیں اگرچہ آپ نے اس سیادت پر فخر نہیں فرمایا ایسی رحمت جو قیامت کے میدانوں میں آپ کے لیے سامان اور ذخیرہ ہو اور آپ کے آل واصحاب پر بھی رحمت ہو کہ ان میں سے ہر ایک آسمان دین کا بدر منیر تھا اور مسلمان جماعتوں کے قائد تھے بہت زیادہ سلام ہو۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد ــــ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک ساعت کا غور وفکر سال بھر کی عبادت سے اچھا ہے (۱) اور قرآن پاک میں غور وفکر اور عبرت حاصل کرنے کی بہت زیادہ ترغیب دی گئی ہے اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ انوارِ خداوندی کی چابی یہی تفکر ہے اور بصیرت کے دھارے بھی اسی سے پھوٹتے ہیں یہ علوم کے لیے مچھلی کے جال کی طرح ہے اور معارفِ مفاہیم کے لیے شکارگاہ ہے اکثر لوگ اس کی فضیلت اور رتبہ سے واقف ہیں لیکن اس کی حقیقت اور فوائد، اس کی ابتداء، راستوں اور کیفیت سے واقف نہیں ہیں اور ان کو معلوم نہیں کہ فکر کی کیا صورت ہے کس میں غور وفکر کرنا ہے اور کیوں کرنا ہے اور اس سے کیا مطلوب ہے کیا بذات خود یہ مراد ہے یا اس سے کوئی نفع لینا مقصود ہے اگر کسی نفع

---

(۱) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۰۹ حدیث ۵۷۱۱

marfat.com

کے لیے ہے تو وہ نفع کیسے ہے کیا اس کا تعلق علوم سے ہے یا احوال سے یا دونوں سے؟ ان تمام باتوں کو ظاہر کرنا بہت مشکل ہے اب ہم پہلے فکر کی فضیلت ذکر کریں گے پھر اس کی حقیقت اور فائدہ اس کے بعد اس کے مقامات کا ذکر ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

فصل ۱:

تفکر کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں بے شمار جگہ غور و فکر اور تدبر کا حکم دیا اور تفکر کرنے والوں کی تعریف فرمائی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا۔ (۱)

وہ لوگ جو کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے اس کو بے کار پیدا نہیں فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک جماعت اللہ تعالیٰ کے بارے میں غور و فکر کرنے لگی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تَفَکَّرُوْا فِیْ خَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَتَفَکَّرُوْا فِی اللّٰہِ فَاِنَّکُمْ لَنْ تَقْدِرُوْا قَدْرَہٗ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے بارے میں غور و فکر کرو لیکن اللہ تعالیٰ کے بارے میں نہ کرو کیوں کہ تم اس کی قدر پر قادر نہیں ہوگے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو صحابہ کرام میں سے کچھ لوگ غور و فکر میں مصروف تھے۔ آپ نے فرمایا تمہیں کیا ہو گیا کہ تم باتیں نہیں کرتے؟ انہوں نے عرض کیا ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں غور و فکر کر رہے ہیں فرمایا اسی طرح کیا کرو اس کی مخلوق میں فکر کرو لیکن اس کے بارے میں فکر نہ کیا کرو کیوں کہ اس مغرب میں ایک زمین ہے جس کی روشنی سفیدی ہے اور اس کی سفیدی روشنی ہے وہاں سورج چالیس دن چلتا ہے اس جگہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے جو پلک جھپکنے کی مقدار بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ!

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۹۱

(۲) کنز العمال جلد ۲ ص ۱۰۸ حدیث ۵۷۰۶

marfat.com

شیطان ان سے کدھر ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ان کو معلوم بھی نہیں کہ شیطان پیدا بھی ہوا ہے یا نہیں، صحابہ کرام نے
مِن کیا وہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں؟ آپ نے فرمایا ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام پیدا
وئے یا نہیں۔ (۱)

حضرت عطار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک دن میں اور حضرت عبید بن عمیر، حضرت عائشہ (رضی اللہ
ہم) کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے ہم سے گفتگو فرمائی اور ہمارے اور ان کے درمیان پردہ تھا ام المومنین
ے فرمایا اے عبید! تمہیں ہمارے پاس آنے سے کس چیز نے روکا ہے انہوں نے عرض کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
س ارشاد گرامی نے آپ نے فرمایا۔

زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا۔ (۲) کبھی کبھی ملا کرو اس طرح محبت بڑھتی ہے۔

حضرت ابن عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ ہمیں تعجب خیز (اور پسندیدہ ترین) بات جو آپ نے رسول اکرم
لی اللہ علیہ وسلم سے دیکھی ہو بتائیں فرماتے ہیں ام المومنین رونے لگیں اور فرمایا آپ کا ہر معاملہ عجیب تھا۔ ایک رات
پ میرے پاس تشریف لائے حتیٰ کہ ہم دونوں کے جسم نے ایک دوسرے کو چھوا پھر فرمایا مجھے اجازت دو کہ اپنے رب
زوجل کی عبادت کروں، پھر آپ مشکیزے کی طرف تشریف لے گئے اور اس سے وضو فرمایا پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے
گے آپ اس قدر روئے کہ داڑھی مبارک تر ہو گئی پھر سجدہ کیا حتیٰ کہ زمین تر ہو گئی اس کے بعد دائیں پہلو پر آرام فرما ہو گئے
ی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر نماز فجر کی اطلاع کی اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کیوں رو رہے ہیں اللہ تعالیٰ
ے آپ کے وسیلہ سے آپ کے اگلوں پچھلوں کے گناہ معاف کر دیتے ہیں آپ نے فرمایا اے بلال! میں کیوں نہ روؤں
ج رات مجھ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔ (۳)

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے آنے جانے میں عقل مند لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

پھر فرمایا اس شخص کے لیے خرابی ہے جو اس آیت کریمہ کو پڑھے اور اس میں غور و فکر نہ کرے۔ (۴)

---

(۱) الدر المنثور جلد ۶ ص ۱۴۰ تحت آیت وان الی ربک المنتہی

(۲) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۲۶۶

(۳) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۹۰

(۴) کنز العمال جلد اول ص ۵۷۰ حدیث ۲۵۷۶

marfat.com

حضرت اوزاعی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ان آیات میں غور وفکر کی انتہا کیا ہے؟
انہوں نے فرمایا کہ ان کو پڑھا اور سمجھا جائے۔

حضرت محمد بن واسع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بصرہ کا ایک شخص حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی عبادت کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا وہ دن بھر گھر کے ایک کونے میں غور وفکر میں مصروف رہتے تھے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک ساعت کا تفکر رات بھر قیام کرنے سے بہتر ہے، حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا تفکر ایک شیشہ ہے جو تجھے تیری نیکیاں اور برائیاں دکھاتا ہے۔

حضرت ابراہیم رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ بہت زیادہ تفکر کرتے ہیں آپ نے فرمایا غور وفکر عقل کا مغز ہے۔

اور حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اکثر اس شعر سے مثال دیتے تھے۔

اِذَا الْمَرْءُ كَانَتْ لَهٗ فِكْرَةٌ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ لَهٗ عِبْرَةٌ۔	جب کسی شخص کو فکر کی عادت ہو تو اس کے لیے ہر چیز میں عبرت کا سامان ہوتا ہے۔

حضرت طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا اے روح اللہ! کیا اس وقت زمین پر آپ کی مثل کوئی ہے؟ فرمایا ہاں ہے وہ شخص جس کا بولنا ذکر، خاموشی فکر اور دیکھنا عبرت ہو وہ میری مثل ہے۔
(یاد رہے کہ کوئی شخص کسی بھی نبی کی مثل نہیں ہو سکتا یہ اس شخص کی فضیلت کا ذکر ہے ۱۲ ہزاروی)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس آدمی کے کلام میں حکمت نہ ہو اس کا کلام لغو ہوتا ہے اور جس کی خاموشی میں غور و فکر نہ ہو اس کی خاموشی بھول ہے اور جو دیکھ کر سبق نہ سیکھے وہ محض کھیل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (۱)	عنقریب میں اپنی آیات سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے پھرتے ہیں۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ میں ان کو اپنی آیات میں غور وفکر کرنے سے روک دوں گا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَعْطُوْا اَعْيُنَكُمْ مِنَ الْعِبَادَةِ۔	اپنی آنکھوں کو عبادت میں سے حصہ دو۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! عبادت میں ان کا کیا حصہ ہے؟
آپ نے فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۱۴۶

marfat.com

اَلنَّظَرُ فِی الْمُصْحَفِ وَالتَّفَکُّرُ فِیْہِ وَ الْاِعْتِبَارُ عِنْدَ عَجَائِبِہٖ۔ (۱)

قرآن پاک میں نظر کرنا پھر اس میں غور و فکر کرنا اور اس کے عجائب سے عبرت حاصل کرنا۔

ایک عورت مکہ مکرمہ کے قریب جنگل میں رہتی تھی اس نے کہا اگر متقی لوگ اپنے فکر کے ذریعے اس چیز کو دیکھیں ن کے لیے غیب کے پردوں میں آخرت کی بھلائی کے طور پر ذخیرہ کی گئی ہے تو ان کو دنیا کا عیش کبھی صاف نظر نہ آئے ر نہ ہی ان کی آنکھوں کو دنیا میں قرار ہو۔

حضرت لقمان دیر تک تنہا بیٹھے رہتے ان کا مالک گزرتا تو کہتا اے لقمان! تم ہمیشہ تنہا بیٹھتے ہو اگر لوگوں کے ساتھ ہو تو اس میں زیادہ دل لگے گا تو حضرت لقمان فرماتے زیادہ دیر کی تنہائی فکر میں سمجھ زیادہ پیدا کرتی ہے اور زیادہ فکر جنت ے راستے کی راہنمائی کرتا ہے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص زیادہ غور و فکر کرتا ہے وہ جان جاتا ہے اور جسے علم حاصل ہوتا ، وہ عمل کرتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر کرنا عبادت سے افضل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ایک دن حضرت سہل بن علی رحمہ اللہ سے پوچھا اور انہوں نے ان کو لت فکر میں دیکھا تھا، آپ کہاں تک پہنچے؟ انہوں نے فرمایا پل صراط پر (پہنچ گیا ہوں)

حضرتِ بشر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت میں غور و فکر کریں تو وہ کبھی بھی اس کی نافرمانی نہ کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں دو رکعتیں جو فکر کے ساتھ ہوں پوری رات کے ایسے قیام سے بہتر ہیں جس ں دل حاضر نہ ہو۔

حضرت ابو شریح رحمہ اللہ چل رہے تھے کہ اچانک بیٹھ گئے اور چادر منہ پر لے کر رونے لگے آپ سے پوچھا گیا کہ پ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا میں نے اپنی عمر کے چلے جانے، عمل کی کمی اور موت کے قریب آنے میں غور و فکر کیا (تو رونے لگا)

حضرت ابو سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنی آنکھوں کو رونے اور دلوں کو غور و فکر کے عادی بناؤ۔

وہی فرماتے ہیں دنیا کے بارے میں فکر، آخرت سے حجاب اور ارباب اختیار کے لیے سزا ہے اور آخرت کے رے میں غور و فکر حکمت پیدا کرتا اور دلوں کو زندہ رکھتا ہے۔

حضرت حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں فکر سے علم بڑھتا ہے، ذکر سے محبت بڑھتی ہے اور تفکر سے خوف زیادہ ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اچھی باتوں کے بارے میں سوچنا ان پر عمل کی دعوت دیتا ہے اور برائی پر

---

(۱) کنز العمال جلد اول ص ۵۱۰ حدیث ۲۲۶۲

marfat.com

ندامت اسے چھوڑنے کی دعوت دیتی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی کتاب میں فرمایا۔

میں ہر حکمت والے کی بات قبول نہیں کرتا لیکن میں اس کے قصد اور خواہش کو دیکھتا ہوں جب اس کا ارادہ اور خواہش میرے لیے ہو تو میں اس کی خاموشی کو تفکر اور کلام کو حمد بنا دیتا ہوں اگرچہ وہ کلام نہ کرے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں عقل مند لوگ ہمیشہ ذکر کے ساتھ فکر اور فکر کے ساتھ ذکر کے عادی ہوتے ہیں حتیٰ کہ جب ان کے دل بولتے ہیں تو وہ حکمت کی باتیں کرتے ہیں۔

حضرت اسحٰق بن خلف فرماتے ہیں حضرت داؤد طائی (رحمہما اللہ) ایک روشن رات میں مکان کی چھت پر تھے آسمان کی طرف دیکھ کر رو رہے تھے وہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی میں فکر کرنے لگے حتیٰ کہ وہ اپنے پڑوسی کے گھر میں گر پڑے مالک مکان اپنے بستر سے ننگا اٹھ کھڑا ہوا اس کے ہاتھ میں تلوار تھی اس نے خیال کیا کہ کوئی چور ہے جب اس نے حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ کو دیکھا تو واپس جا کر تلوار رکھ دی اور کہنے لگا آپ کو چھت سے کس نے پھینکا ہے؟ آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔

حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں سب سے بہتر اور اعلیٰ مجلس وہ ہے جب آدمی توحید کے میدان میں فکر کے ساتھ بیٹھتا ہے اور معرفت کی بادِ نسیم سے لطف اندوز ہوتا ہے محبت کے سمندر سے محبت کا پیالہ پیتا ہے اور حسنِ ظن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھتا ہے پھر فرمایا ان مجالس کا کیا کہنا یہ کتنی اعلیٰ ہیں وہ شراب کس قدر لذیذ ہے اور جس کو یہ عطا ہوئی وہ نہایت ہی خوش نصیب اور مبارک باد کا مستحق ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں خاموشی کے ذریعے کلام پر اور فکر کے ذریعے اجتہاد پر مدد حاصل کرو۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کاموں میں اچھی طرح نظر کرنا دھوکے سے نجات ہے رائے میں پختگی کوتاہی اور ندامت سے سلامتی ہے، دیکھنا اور فکر کرنا احتیاط اور دانائی کو ظاہر کرتا ہے دانا لوگوں کا باہمی مشورہ نفس میں پختگی اور بصیرت میں قوت ہے ارادہ کرنے سے پہلے سوچ و بچار کرو کام کے سر پر آجانے سے پہلے غور و فکر کرنا چاہیے اور شروع کرنے سے پہلے مشورہ کرنا ضروری ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ فضائل چار ہیں ایک حکمت ہے اور اس کا مادہ فکر ہے دوسری فضیلت عفت ہے اور وہ شہوت میں اعتدال ہے تیسری فضیلت قوت ہے اور یہ غصے میں اعتدال سے ظاہر ہوتی ہے اور چوتھی فضیلت عدل ہے جو نفسانی قوتوں کو اعتدال میں رکھنے سے قائم ہوتا ہے۔

تو فکر کے سلسلے میں علماء کرام کے یہ اقوال ہیں لیکن ان میں سے کسی نے اس کی حقیقت اور بنیادوں کو بیان نہیں کیا۔

marfat.com

فصل ۲:

فکر کی حقیقت اور اس کا نتیجہ

جان لو کہ فکر کا معنیٰ دل میں دو معرفتوں کو حاضر کرنا ہے تاکہ اس سے تیسری معرفت حاصل ہو اور اس کی مثال یہ ہے کہ جو
دی نفع کی طرف مائل ہوتا ہے اور دنیوی زندگی کو ترجیح دیتا ہے اور معلوم کرنا چاہتا ہے کہ دنیا کی نسبت آخرت کو ترجیح
یادہ بہتر ہے تو اس کے لیے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ کسی دوسرے سے سنے کہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دینا زیادہ بہتر ہے
ادہ حقیقتِ امر کی بصیرت حاصل کئے بغیر اس کی بات مان لے اور اس کی تصدیق کرے اور اس کی طرح یہ بھی آخرت
ح دیتے ہوئے عمل کرے اسے تقلید کہتے ہیں یہ معرفت نہیں ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اسے اس بات کی معرفت حاصل ہو کہ جو چیز باقی رہتی ہے اسے ترجیح دینا زیادہ بہتر ہے۔ پھر وہ
ت کو جان لے کہ آخرت زیادہ باقی رہنے والی ہے تو اسے ان دو معرفتوں سے ایک تیسری معرفت حاصل ہو گی وہ یہ کہ
ترجیح کے زیادہ لائق ہے لیکن آخرت کے ترجیح کے زیادہ لائق ہونے کی معرفت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی
ک پہلی دو باتوں کی معرفت حاصل نہ ہو تو دل میں پہلی دو قسم کی معرفتوں کا حصول تیسری معرفت تک پہنچنے کا ذریعہ ہے جسے
تبار تذکر، تامل، نظر اور تدبر کہا جاتا ہے۔

تدبر، تامل اور تفکر تینوں مترادف ہیں اور ان تینوں کا معنیٰ ایک ہی ہے ان کے نیچے کئی معانی نہیں ہیں۔

لیکن تذکر، اعتبار اور نظر کے مختلف معانی ہیں اگرچہ اصل مسمّٰی ایک ہے جیسے صارم، مہند اور سیف ایک ہی چیز (تلوار)
ام ہیں لیکن ان کے اعتبارات مختلف ہیں۔ تلوار کو صارم اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ وہ کاٹتی ہے، مہند اس لیے
تا ہے کہ وہ ایک جگہ (ہند) کی طرف منسوب ہے جب کہ لفظ سیف تلوار کے لیے مطلقاً استعمال ہوتا ہے کسی زائد
ن کا اعتبار نہیں ہوتا۔

اسی طرح اعتبار (باقیاس) یہ ہے کہ دونوں قسم کی معرفت کے وجود کے بعد تیسری معرفت کی طرف عبور کرتے ہیں اور اگر
ری معرفت کی طرف) عبور نہ ہو اور صرف دو معرفتوں سے ہی واقفیت ہو سکے تو اسے تذکر کہتے ہیں اعتبار نہیں کہتے اسے
ر تفکر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تیسری قسم کی معرفت کی طلب ہوتی ہے تو جو شخص تیسری معرفت طلب نہ کرے اسے
نہیں کہتے پس ہر متفکر، متذکر بھی ہوتا ہے لیکن ہر متذکر، متفکر نہیں ہوتا۔

تذکار (بار بار ذکر) کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دل پر معارف کا تکرار ہو جاتا ہے تاکہ وہ پکے ہو جائیں اور دل سے مٹ نہ جائیں۔
تفکر کا فائدہ علم کو بڑھانا اور ایسی معرفت حاصل کرنا ہے جو پہلے سے حاصل نہیں ہے تو تذکر اور تفکر میں یہ فرق ہے۔

marfat.com

معارف جب دل میں جمع ہو جائیں اور ان میں خاص ترتیب قائم ہو جائے تو یہ ایک اور معرفت کا فائدہ دیتے ہیں گویا معرفت کا نتیجہ معرفت ہے پھر جب اس کے ساتھ ایک اور معرفت ملتی ہے تو مزید معرفت حاصل ہوتی ہے اسی طرح نتائج بڑھتے چلے جاتے ہیں، علوم بھی بڑھتے ہیں اور فکر بھی بڑھتی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہوتی اور یہ معرفت یا تو موت سے ختم ہوتی ہے یا کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے تو ختم ہوتی ہے یہ صورت ان لوگوں کے لیے ہے جو علوم سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اور انہیں تفکر کے راستے کی راہنمائی بھی حاصل ہوتی ہے۔

لیکن عام کو زیادہ علوم سے روک دیا گیا ہے کیوں کہ ان کے پاس اصل مال ہی نہیں ہے۔ اور اصل مال وہ معارف ہیں جن کے ذریعے علوم ثمر آور ہوتے ہیں۔ جیسے ایک شخص کے پاس سامان نہ ہو تو وہ نفع حاصل کرنے پہ قادر نہیں ہوتا اور بعض اوقات اس کے پاس سامان ہوتا ہے لیکن وہ اچھی طرح تجارت نہیں کر سکتا پس اس کو نفع نہیں ہوتا اسی طرح بعض اوقات اس کے پاس معارف ہوتے ہیں جو علوم کا اصل سرمایہ ہے لیکن ان کو اچھی طرح استعمال نہیں کر سکتا اور نہ ہی اچھی طرح ترتیب دے کر جوڑ سکتا ہے کہ نتائج تک پہنچے۔

معارف کے استعمال اور اس سے نفع حاصل کرنے کی معرفت کا طریقہ بعض اوقات دل میں پائے جانے والے نورِ خداوندی سے حاصل ہوتا ہے جو فطری ہوتا ہے جیسے انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل تھا اور یہ طریقہ بہت کمیاب ہے اور بعض اوقات سیکھنے اور علم کے ساتھ تعلق کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اور یہ زیادہ ہے۔

پھر بعض اوقات متفکر کو یہ معارف حاصل ہوتے ہیں اور وہ نتیجہ خیز بھی ہوتے ہیں لیکن اسے ان کے حصول کی کیفیت کا شعور نہیں ہوتا اور وہ اسے بیان بھی نہیں کر سکتا کیوں کہ بیان کرنے کی مہارت نہیں ہوتی۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو اس بات کا علم حقیقی حاصل ہے کہ آخرت کو ترجیح دنیا اولیٰ ہے لیکن اگر اس کی معرفت کا سبب پوچھا جائے تو وہ بیان نہیں کر سکتے۔ حالانکہ پہلی دو معرفتوں کے بغیر تیسری معرفت حاصل نہیں ہوتی ایک معرفت یہ کہ جو چیز زیادہ باقی رہتی ہے وہ ترجیح کے زیادہ لائق ہوتی ہے اور دوسری معرفت یہ کہ دنیا کے مقابلے میں آخرت زیادہ باقی رہنے والی ہے اس طرح اسے ایک تیسری معرفت حاصل ہو جاتی ہے وہ یہ کہ آخرت کو ترجیح دینا زیادہ بہتر ہے۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ حقیقتِ تفکر کے لیے پہلے دو معرفتوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ تیسری معرفت تک پہنچ سکیں۔

فکر کا نتیجہ علوم، احوال اور اعمال ہیں لیکن اس کا خاص نتیجہ علم ہے دوسری کوئی چیز نہیں۔ ہاں جب دل میں علم حاصل ہو جائے تو دل کی حالت بدل جاتی ہے اور جب دل کی حالت بدل جائے تو اعضاء سے صادر ہونے والے اعمال بھی بدل جاتے ہیں تو عمل، حال کے تابع حال علم کے تابع اور علم، فکر کے تابع ہوتا ہے گویا تمام بھلائیوں کی ابتداء اور چابی فکر ہے اسی سے فکر کی فضیلت واضح ہوتی ہے اور یہ ذکر اور تذکر سے بہتر ہے کیوں کہ فکر، ذکر بھی ہے اور اس سے زائد بھی، اور دل کا ذکر اعضاء کے عمل سے بہتر ہے بلکہ عمل کا شرف اسی لیے ہے کہ اس میں ذکر ہے لہٰذا

marfat.com

م اعمال سے افضل ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ ایک ساعت کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے پھر کہا
ال وہ ہے جو ناپسندیدہ امور سے پسندیدہ باتوں کی طرف اور رغبت و حرص سے زُہد اور قناعت کی طرف
وتا ہے ـــــ کسی نے کہا کہ حال وہ ہے جو مشاہدہ اور تقویٰ پیدا کرتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔
لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا۔ شاید وہ تقویٰ اختیار کریں یا ان کے لیے ذکر (کی حالت)
(۱) پیدا ہو۔

اور جب فکر کے ذریعے حال کی تبدیلی کی کیفیت معلوم کرنا چاہو تو اس کی مثال وہ ہے جو ہم نے امر آخرت کے
ے میں ذکر کی ہے کیوں کہ اس کے بارے میں فکر سے ہمیں اس بات کی معرفت حاصل ہوتی ہے کہ آخرت کو ترجیح
لی ہے اور جب یہ معرفت ہمارے دلوں میں یقین بن کر راسخ ہوتی ہے تو ہمارے دلوں میں آخرت کی طرف رغبت
ں آتی ہے اور دنیا سے بے رغبتی ہو جاتی ہے حال سے ہماری یہی مراد ہے کیوں کہ اس معرفت کے حصول سے
ل کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیا سے محبت کرتا ہے اور اس کی طرف مائل ہوتا ہے، آخرت سے نفرت کرتا ہے
ے کوئی رغبت نہیں ہوتی اسی معرفت سے دل کی حالت بدلتی ہے نیز ارادے اور رغبت میں بھی تبدیلی آتی ہے
ے کی تبدیلی سے اعضا کے عمل میں بھی تبدیلی آتی ہے اور وہ دنیا کو چھوڑ کر اعمالِ آخرت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو
نچ درجات ہیں۔

ـــــ تذکر ـــــ دل میں دو معرفتوں کا حاصل ہونا۔
ـــــ تفکر ـــــ ان دونوں سے جو معرفت مقصود ہے اسے طلب کرنا
ـــــ حصولِ معرفت ـــــ مطلوبہ معرفت کا حاصل ہونا اور اس سے دل کا روشن ہو جانا۔
دل کی حالت کا بدل جانا ـــــ نورِ معرفت سے دل پہلی حالت سے بدل جاتا ہے۔
اعضا کا دل کے تابع ہو جانا ـــــ اس نئی حالت سے اعضا دل کی خدمت اور اتباع میں لگ جاتے ہیں۔
جس طرح پتھر کو لوہے پر مارا جائے تو اس سے آگ نکلتی ہے اور اس سے وہ جگہ روشن ہو جاتی ہے اور آنکھ کو بھی
ینے لگتا ہے جب کہ اس پہلے وہاں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اور اب اعضا عمل کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔
اسی طرح نورِ معرفت یعنی فکر کی صورت حال ہے جب یہ فکر دو معرفتوں کو جمع کرتی ہے جیسے لوہا اور پتھر اکٹھے ہوتے ہیں
ان دونوں کے درمیان ایک خاص ترکیب ہوتی ہے جس طرح پتھر کو لوہے پر ایک خاص طریقے سے مارتے ہیں
لوہے سے آگ نکلتی ہے اسی طرح نورِ معرفت پیدا ہوتا اور اس نور کی وجہ سے دل میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ طٰہٰ آیت ۱۱۳

marfat.com

اس چیز کی طرف مائل ہو جاتا ہے جس کی طرف پہلے مائل نہ تھا یہ ایسے ہی ہے جیسے آگ کی روشنی سے نگاہ میں تبدیلی آتی ہے اور آدمی وہ چیز دیکھتا ہے جو پہلے نظر نہیں آ رہی تھی پھر قلبی حالت کے مطابق اعضا عمل کے لیے برانگیختہ ہوتے ہیں جس ایک شخص اندھیرے کی وجہ سے کوئی کام نہیں کر سکتا تھا اور اب وہ دکھائی دینے کی وجہ سے کام کرنے لگتا ہے۔

تو فکر کا نتیجہ علوم اور احوال ہیں، علوم کی کوئی انتہا نہیں اور وہ احوال جو دل پر بدل بدل کر آتے ہیں ان کو بھی شمار نہیں کیا جا سکتا یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص فکر کے تمام فنون اور راہوں اور جن امور میں فکر کرتا ہے ان کو شمار کرنا چاہے تو ایسا نہیں کر سکتا کیوں کہ فکر کی گذر گاہیں بے شمار ہیں اور اس کے ثمرات غیر متناہی ہیں۔

ہاں ہم اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ فکر کی ان گذر گاہوں کو ضبط کریں جو اہم دینی علوم کے اعتبار سے ہیں اور ان کی اضافت ان احوال کی طرف ہے جو سالکین کے مقامات ہیں۔ اور یہ ایک اجمالی ضبط ہے کیوں کہ اس کی تفصیل علوم کی تشریح کا تقاضا کرتی ہے اور یہ سب باب گویا ان علوم میں سے بعض کی شرح ہیں کیوں کہ یہ ان علوم پر مشتمل ہیں جو افکار سے حاصل ہوئے لہٰذا ہم اجمالی طور پر اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں تاکہ فکر کی گذر گاہوں سے واقفیت حاصل

فصل ۳:

فکر کی گذر گاہیں

فکر بعض اوقات ایسے امر میں ہوتا ہے جو دین سے متعلق ہوتا ہے اور کبھی غیر دین میں جاری ہوتا ہے ہماری غرض اس فکر سے ہے جو دین سے متعلق ہوتا ہے لہٰذا ہم دوسری قسم کو چھوڑ دیتے ہیں اور دین سے ہماری مراد وہ بات ہے جو بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتی ہے۔

تو بندے کے تمام افکار یا تو خود اس کے اپنے احوال اور صفات سے متعلق ہوتے ہیں یا معبود اور اس کی صفات و افعال سے ان کا تعلق ہوتا ہے۔

جن افکار کا تعلق بندے سے ہوتا ہے وہ ان کاموں سے متعلق ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہیں یا ان کے بارے میں فکر ہوگا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں ان دو قسموں کے علاوہ فکر کی ضرورت نہیں ہوتی اور جن افکار کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے ان کی بھی دو صورتیں ہیں یا تو وہ اس کی ذات و صفات اور اسمائے حسنیٰ کے حوالے سے ہوں گے یا اس کے افعال، اس کی زمین و آسمان میں بادشاہی اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں اور ان کے درمیان میں ہے اس سے متعلق ہوگا۔

فکر کا ان اقسام میں بٹ جانا ایک مثال سے واضح ہوتا ہے وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والوں اور اس کی ملاقات کا شوق رکھنے والوں کی حالت، عاشقوں کی حالت جیسی ہوتی ہے اس لیے ہم ایک شیدائی عاشق کو شمار

نے ہوئے کہتے ہیں۔

عشق میں ڈوبے ہوئے عاشق کی فکر دو باتوں سے تجاوز نہیں کرتی یا تو وہ فکر اس کے معشوق سے متعلق ہوتی ہے
س کا تعلق اس کی اپنی ذات سے ہوتا ہے اگر وہ اپنے معشوق کے بارے میں فکر کرتا ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں
اس کے ذاتی حسن و جمال میں فکر کرتا ہے تاکہ اس کے مشاہدے سے لذت حاصل کرے یا اس کے نہایت لطیف
دہ افعال میں فکر کرتا ہے جو اس کے اخلاق اور صفات پر دلالت کرتے ہیں تاکہ اس سے لذت میں اضافہ ہو
بت مضبوط ہو۔

اگر وہ اپنی ذات میں فکر کرتا ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں یا تو اس کی فکر ان صفات سے متعلق ہوتی ہے جو
محبوب کی نظر سے گرا دیتی ہیں یہ فکر اس لیے ہوتی ہے کہ ان باتوں سے اجتناب کرے یا ان صفات کے بارے
ور و فکر کرتا ہے جو اسے محبوب کے قریب کرتی ہیں اور اس کی محبت کا ذریعہ بنتی ہیں تاکہ ان صفات سے موصوف ہو۔

اگر ان اقسام سے باہر کسی چیز میں غور کرتا ہے تو وہ عشق کی حد سے خارج ہے اور نقصان کا باعث ہے کیوں کہ کامل عشق
وتا ہے جس میں عاشق ڈوبا رہے اور وہ اس کے دل پر اس طرح چھایا رہے کہ کسی دوسرے کی گنجائش باقی نہ رہی۔

تو اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے اس کی نظر اور فکر اس کے محبوب سے آگے نہ بڑھے جب
تفکر ان چار اقسام میں محصور ہوگا تو وہ محبت کی تقاضے سے بالکل باہر نہیں ہوگا۔

فکر کی پہلی قسم :

یعنی جب آدمی اپنی صفات اور ذاتی افعال میں فکر کرتا ہے تاکہ اچھے اور برے افعال کے درمیان تمیز ہو سکے تو یہ
لم معاملہ سے تعلق رکھتی ہے جو اس کتاب کا مقصود ہے کیوں کہ دوسری کا تعلق علم مکاشفہ سے ہوتا ہے پھر تمام افعال
ہے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہوں یا نہ، ان کی دو قسمیں ہیں یا تو وہ ظاہری عبادات اور گناہ ہوتے ہیں یا باطنی صفات ہوتی
چاہے وہ نجات دینے والی ہوں یا ہلاک کرنے والی، اور ان صفات کا محل دل ہے۔ ان کی تفصیل ہم ہلاک کرنے
لے اور نجات دینے والے کاموں کے بیان میں ذکر کر چکے ہیں۔

پھر عبادات اور گناہ کا تعلق یا تو سات اعضا سے ہوتا ہے یا وہ تمام جسم کی طرف منسوب ہوتے ہیں جیسے میدان جنگ
بھاگ جانا، والدین کی نافرمانی کرنا، حرام جگہ پر ٹھہرنا۔ ان تمام ناپسندیدہ امور میں تین باتوں کے حوالے سے غور و فکر
بب ہوتا ہے۔

۱۔ اس بارے میں سوچنا کہ آیا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مکروہ ہے یا نہیں؟ کیوں کہ کئی چیزوں کی کراہیت ظاہر نہیں ہوتی لیکن
باریک بینی سے اس کا ادراک ہوتا ہے۔

۲۔ اس بارے میں سوچ و بچار کرنا کہ اگر وہ مکروہ ہے تو اس سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟

marfat.com

۴۔ کیا وہ فی الحال اس مکروہ بات سے موصوف ہے تو اسے چھوڑ دے یا اسے مستقبل میں اس سے واسطہ پڑے گا تو اس سے بچے یا گذشتہ احوال میں وہ اس سے ملوث ہو چکا ہے تو اب اس کے تدارک کی ضرورت ہوگی۔

اسی طرح تمام محبوب باتیں بھی ان اقسام میں تقسیم ہوتی ہیں پس جب یہ اقسام جمع ہو جائیں تو ان اقسام میں فکر کے راستے ایک سو سے زیادہ ہو جاتے ہیں اور آدمی کو ان میں فکر کی ضرورت ہوتی ہے ان سب میں فکر کرے یا اکثر میں مان تمام اقسام کی علیحدہ علیحدہ تفصیل نہایت طویل ہے لیکن ان کو چار قسموں میں منحصر کیا جا سکتا ہے اطاعت، نافرمانی، ہلاک کرنے والی صفات اور نجات دینے والی صفات۔

اب ہم ان میں سے ہر نوع کی ایک مثال ذکر کرتے ہیں تاکہ مرید اس پر باقی مثالوں کو قیاس کر لے اور اس کے لیے فکر کا دروازہ کھل جائے نیز راستہ کشادہ ہو جائے۔

پہلی قسم:

(گناہ) انسان کو چاہیے کہ ہر دن صبح سویرے اپنے تمام (سات) اعضاء کا جائزہ لے اور پھر پوری تفصیل کے ساتھ مکمل بدن کو دیکھے کہ کیا وہ فی الحال گناہ میں ملوث تو نہیں؟ اگر ایسا ہے تو اسے چھوڑ دے یا وہ کل (گذشتہ) اس میں مبتلا تھا تو اسے چھوڑے اور ندامت کے ذریعے تدارک کرے یا وہ گناہ اسے آج دن کو پیش آنے والا ہے تو اس سے بچنے اور دور رہنے کے لیے تیار ہو جائے۔

زبان کو دیکھے اور کہے کہ یہ غیبت کر سکتی ہے جھوٹ بول سکتی ہے اپنی پاکیزگی بیان کر سکتی ہے دوسروں کا مذاق اڑا سکتی ہے، دوسروں کی بات کاٹ سکتی ہے مزاح کر سکتی ہے اور غیر ضروری باتوں میں مشغول ہو سکتی ہے اور اس طرح کے دیگر ناپسندیدہ کام کر سکتی ہے تو سب سے پہلے اپنے دل میں اس بات کو بٹھائے کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور غور و فکر کرے کہ قرآن و سنت میں اس پر سخت عذاب کی شہادت موجود ہے پھر وہ اپنے حالات میں غور کرے کہ کس طرح وہ غیر شعوری طور پر ان باتوں کو اپنا لیتا ہے پھر سوچے کہ ان سے بچنے کا طریقہ کیا ہے اور یہ بات بھی جان لے کہ جب تک علیحدگی اور تنہائی اختیار نہیں کرے گا بات نہیں بنے گی یا یہ کہ وہ متقی اور نیک لوگوں کی مجلس اختیار کرے تاکہ جب وہ ایسی ناپسندیدہ باتیں کرنے لگے تو وہ اسے روک دیں ورنہ جب وہ دوسرے لوگوں کے پاس بیٹھے تو منہ میں کنکریاں رکھ لے تاکہ اسے یاد رہے کہ خاموش رہنا ہے تو بچاؤ اختیار کرنے کا یہ حیلہ ہے۔

کان کے بارے میں سوچے کہ غیبت، جھوٹ، فضول گفتگو، لہو و لعب اور بدعت وغیرہ (پر مبنی گفتگو) اس تک پہنچتی ہے وہ زید اور عمرو وغیرہ سے یہ باتیں سنتا ہے لہٰذا وہ تنہائی اختیار کر کے یا برائی سے روکتے ہوئے ان باتوں سے بچ سکتا ہے۔

marfat.com

پیٹ کے بارے میں بھی سوچ و بچار کرے کہ وہ کھانے پینے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے یا تو وہ
مال کھانا زیادہ کھاتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مکروہ ہے اور شہوت کو قوت دیتا ہے۔
جو اللہ تعالیٰ کے دشمن شیطان کا ہتھیار ہے یا وہ حرام یا مشکوک کھانا کھاتا ہے پس اسے چاہیے کہ دیکھے کہ
کھانا، لباس، اور مکان وغیرہ کہاں سے آئے ہیں اور اس کا کسب کیا ہے؟ نیز حلال کے راستوں اور ان میں داخل ہونے
کے طریقوں کے بارے میں سوچے۔ پھر غور کرے کہ حلال مال کمانے اور حرام سے بچنے کے لیے کیا حیلہ اختیار کیا جائے۔
دل میں اس بات کو اچھی طرح بٹھا دے کہ حرام کھانے کی وجہ سے تمام عبادات ضائع ہو جاتی ہیں نیز حلال کھانا
تمام عبادات کی بنیاد ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَا یَقْبَلُ صَلَاۃَ عَبْدٍ فِیْ ثَمَنِ ثَوْبِہٖ دِرْھَمٌ حَرَامٌ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ اس بندے کی نماز قبول نہیں فرماتا جس کے کپڑے کی قیمت میں ایک درہم بھی حرام کا ہو۔

اسی طرح وہ اپنے تمام اعضاء کے بارے میں غور و فکر کرے اس قدر تفصیل کافی ہے جب غور و فکر سے ان احوال
کی حقیقی معرفت حاصل ہو جائے تو دن بھر مراقبہ (نگرانی) میں مشغول رہے حتیٰ کہ اس کے اعضاء ان تمام خرابیوں سے
محفوظ رہیں۔

دوسری قسم:

یہ عبادات اور نیکیاں ہیں تو سب سے پہلے فرائض کے بارے میں غور کرنا چاہیے کہ وہ ان کو کس طرح ادا کرتا ہے
اور ان کو کیسے نقصان اور کوتاہی سے بچاتا ہے یا کیسے ان کی کمی کو نوافل کی کثرت سے پورا کرتا ہے۔ پھر ایک ایک عضو کو
لے اور ان افعال کے بارے میں فکر کرے جو ان اعضاء سے متعلق ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہیں مثلاً وہ
کہے کہ آنکھ کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہیوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اندازہ لگائے
آنکھوں کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں استعمال کرے نیز قرآن و سنت کو دیکھے اور کہے کہ میں اپنی آنکھ کو مطالعۂ قرآن میں
مشغول رکھ سکتا ہوں پھر میں ایسا کیوں نہیں کرتا۔
میں فلاں عبادت گزار اور نیک آدمی کو تعظیم کی نگاہ سے دیکھ کر اس کے دل کو خوش کر سکتا ہوں نیز فاسق کو
حقارت دیکھ کر اسے اس کے گناہ سے دور رکھ سکتا ہوں پھر میں ایسا کیوں نہیں کرتا؟
اسی طرح کان کے بارے میں کہے کہ میں مظلوم کی بات سن سکتا ہوں یا حکمت و علم کی باتیں سن سکتا ہوں
بات اور ذکر بھی خوب اچھی طرح سن سکتا ہوں تو پھر کیا وجہ ہے کہ میں نے اسے بیکار چھوڑ رکھا ہے حالاں کہ

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵، ۳۹۹ مرویات شیخ من بنی سلیم

marfat.com

اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی ہے اور اس کی یہ امانت مجھے اس لیے ملی ہے کہ میں اس کا شکر ادا کروں تو مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا نہیں کرتا اور اسے ضائع کر رہا ہوں یا بیکار چھوڑ رکھا ہے۔

اسی طرح زبان کے بارے میں بھی فکر کرے اور سمجھے کہ میں تعلیم و وعظ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہوں نیز نیک لوگوں کے دلوں میں محبوب بن سکتا ہوں، فقراء کے احوال کے بارے میں پوچھ سکتا ہوں کسی نیک شخص کے دل کو خوش کر سکتا ہوں اور کسی عالم سے اچھی بات کر سکتا ہوں اور اچھی بات بھی صدقہ ہے۔

یوں ہی اپنے مال کے بارے میں غور و فکر کرے اور سمجھے کہ میں فلاں مال صدقہ کرنے پر قادر ہوں کیوں کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اور جب مجھے حاجت ہو گی تو اللہ تعالیٰ مجھے اس طرح کا مال عطا فرما دے گا اور اگر اس وقت میں حاجت مند ہوں تو اس مال کی نسبت اس ثواب کا زیادہ محتاج ہوں جو مجھے اس ایثار کی وجہ سے ملے گا۔

اسی طرح تمام اعضاء، پورے بدن، مال، بلکہ جانوروں، غلاموں اور اولاد کے بارے میں سوچ و بچار کرے کیونکہ یہ سب کچھ اس کے اسباب اور آلات ہیں اور وہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قادر ہے لہٰذا وہ نہایت دقیق فکر کے ذریعے ان سے عبادت و اطاعت کے ممکنہ طریقے نکالے اور اس بات کے بارے میں غور و فکر کرے جو اسے ان عبادات کی طرف جلدی لے جاتی ہے نیز اس سلسلے میں خلوصِ نیت کی بھی فکر کرے۔

اور اس کے استحقاق کا جہاں جہاں گمان ہو اسے طلب کرے تاکہ اس کے ذریعے اس کے اعمال پاک اور صاف ہوں۔ باقی عبادات کو بھی اسی پر قیاس کرلو۔

تیسری قسم:

یہ وہ صفات ہیں جو ہلاکت میں ڈالتی ہیں اور ان کا محل دل ہے لہٰذا جو کچھ ہم نے مہلکات کے باب میں بیان کیا ہے اس کے ذریعے ان کی معرفت حاصل کرے اور یہ صفات شہوت کا غلبہ، غصہ، بخل، تکبر، ریاکاری خود پسندی، حسد، بدگمانی، غفلت اور غرور وغیرہ ہیں اپنے دل سے ان کا بوجھ ختم کرے اور اس کا خیال ہو کہ اس کا دل ان سے پاک ہے تو اس کے امتحان کی کیفیت کے بارے میں غور کرے اور علامات کے ذریعے اس بات کی شہادت طلب کرے۔ کیوں کہ نفس ہمیشہ اچھی بات کا وعدہ کر کے اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ جب تواضع کا دعویٰ کرے یا یہ کہ وہ تکبر سے پاک ہے تو اس کا تجربہ یوں کیا جائے کہ لکڑیوں کا ایک گٹھا لے کر بازار میں جائے جس طرح پہلے لوگ اپنے نفسوں کی آزمائش کرتے تھے اور جب وہ بردباری کا دعویٰ کرے تو دوسرے آدمی کو غصہ دلائے پھر غصہ پی جانے کے ذریعے اپنی آزمائش کرے ——— اسی طرح دیگر صفات میں ہے۔

یہ تو اس سلسلے میں تفکر ہے کہ آیا میں ان صفاتِ مکروہ سے موصوف ہوں یا نہیں؟

اور اس کی علامات ہم نے مہلکات کے بیان میں ذکر

marfat.com

ہیں جب ان میں سے کسی صفت کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس میں پائی جاتی ہے تو اب اس بات پر غور
ے جس کے ذریعے اس صفت کی برائی اس پر واضح ہو جائے اور اسے پتہ چل جائے کہ جہالت اور غفلت کی وجہ
ے یہ مکروہ صفت پیدا ہوئی ہے نیز اس کا سبب باطنی خبث ہے۔ مثلاً وہ دیکھتا ہے کہ عمل کرنے کے بعد خود پسندی
شکار ہو جاتا ہے تو غور کرے اور کہے کہ میرا عمل تو میرے بدن اور اعضاء کے ذریعے ہے نیز مجھے اس کی قدرت
مل ہے اور میرے ارادے سے ایسا ہوا ہے اور یہ سب کچھ میرے اختیار میں نہیں ہے یہ تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا
مجھ پر فضل فرمایا ہے۔ اسی نے مجھے بھی پیدا کیا اور وہی میرے اعضاء میری طاقت اور میرے ارادے کا خالق ہے
ہا ذات ہے جس نے اپنی قدرت سے میرے اعضاء، ارادے اور طاقت کو حرکت دی تو میں کس طرح اپنے عمل یا اپنے
ں پر شیخی مار سکتا ہوں میرا نفس خود بخود تو قائم نہیں ہے۔

اور جب اپنے نفس میں تکبر محسوس کرے تو سمجھ جائے کہ یہ حماقت ہے اور اب اپنے نفس سے کہے کہ کیوں اپنے
پ کو بڑا سمجھتا ہے بڑا تو وہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑائی حاصل ہو۔ اور اس بات کا علم موت کے بعد ہوگا۔
کتنے ہی کافر ہیں جو مرتے وقت کفر سے نکل کر اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے بن کر دنیا سے رخصت ہوتے ہیں اور کتنے
سلمان ہیں جن کی حالت مرتے وقت بدل جاتی ہے اور وہ بدبخت ہو کر مرتے ہیں جب معلوم ہو جائے کہ تکبر ہلاکت میں ڈالنے
لا ہے اور یہ بے وقوفی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے تو اس کے ازالے کے لیے علاج کی فکر کرے یعنی تواضع کرنے والے
ں جیسے اعمال کرے اور جب کھانے کی خواہش اور حرص پائے تو سوچے کہ یہ تو جانوروں کی صفت ہے

اور اگر کھانے اور جماع کی خواہش میں کمال ہوتا تو یہ
رتعالیٰ اور فرشتوں کی صفات ہوتیں جیسے علم اور قدرت ہے — اور جانور اس صفت سے موصوف نہ ہوتے
ر جب اس پر حرص غالب ہو گی تو وہ جانوروں کے زیادہ مشابہ اور فرشتوں سے زیادہ دور ہو گا۔ اسی طرح غضب کے
رے میں اپنے نفس سے بات چیت کرے اور پھر اس کے علاج کے بارے میں غور و فکر کرے ہم نے یہ تمام باتیں
ابواب میں بیان کر دی ہیں تو جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے لیے فکر کا راستہ کشادہ ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ
بیانات سے استفادہ کرے۔

چوتھی قسم:

وہ باتیں جو نجات دیتی ہیں اور وہ توبہ، گناہوں پر ندامت، مصیبت پر صبر، نعمتوں پر شکر، خوف، امید دنیا سے
رغبتی، اخلاص، عبادت میں صداقت، اللہ تعالیٰ کی محبت اور تعظیم، اس کے افعال پر راضی رہنا، اس کی طرف شوق اور
س کے لیے خشوع و خضوع ہے اور یہ تمام باتیں ہم نے کتاب کے اس حصے میں ذکر کی ہیں اور ان کے اسباب و
مات کا بھی ذکر کیا ہے پس بندے کو روزانہ اپنے دل میں فکر کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والی ان صفات

marfat.com

یں سے مجھے کس صفت کی حاجت ہے جب ان میں سے کسی ایک کی حاجت ہو تو جان لے کہ یہ تو نتائج اور پھل ہیں جو علوم کے بغیر حاصل نہیں ہوتے اور علوم، افکار کا نتیجہ ہیں۔

پھر جب اپنے نفس کے لیے توبہ اور ندامت کے احوال حاصل کرنا چاہے تو پہلے اپنے گناہوں کی چھان بین کرے اور ان کو دل میں جمع کر کے بڑا سمجھے پھر اس سزا اور تنبیہ کو دیکھے جو اس سلسلے میں شریعت میں آئی ہے اور دل میں ٹھان لے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لے رہا ہے تاکہ اسے ندامت ہو، اور جب وہ دل سے شکر کے حال کو برانگیختہ کرنا چاہے تو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نعمتوں کو دیکھے نیز یہ کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہوں پر پردہ ڈال کر اسے رسوا ہونے سے بچا لیا۔ یہ سب باتیں ہم نے شکر کے بیان میں ذکر کی ہیں وہاں مطالعہ کیا جائے۔

اور جب محبت اور شوق کا ارادہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال اس کی عظمت اور اس کی کبریائی میں غور و فکر کرے اور اس مقصد کے لیے اس کے حکمتوں کے عجائب اور عمدہ صنعتوں کو دیکھے۔ اس کا تھوڑا سا بیان ہم فکر کی دوسری قسم میں کریں گے اور جب خوف کے حال کا ارادہ کرے تو پہلے اپنے ظاہری اور باطنی گناہوں کو دیکھے پھر موت اور اس کی سختیوں اور اس کے بعد منکر نکیر کے سوالات، عذاب قبر، قبر کے سانپوں بچھوؤں اور کیڑوں مکوڑوں پر نظر کرے پھر سوچے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو کیا ہولناک صورت ہوگی پھر جب میدان محشر میں تمام لوگ ایک ہی مقام پر کھڑے ہوں گے تو کس قدر خوف طاری ہوگا اس کے بعد حساب کا جھگڑا اور چھوٹی چھوٹی باتوں کی باز پرس اور اس کے بعد پل صراط کی باریک اور تیزی ہے۔

اور اس بات کا خطرہ کہ کس طرف پھیرا جائے گا اگر بائیں طرف پھیرا گیا تو جہنم میں جائے گا اور دائیں طرف پھیرا گیا تو جنتی ہوگا۔

قیامت کے ہولناک منظر پر نظر کرنے کے بعد جہنم اور اس کے طبقات کا نقشہ دل میں لائے جہنم کے گرز اور اس کا خوفناک منظر، بیڑیاں، زنجیریں، تھوہڑ (کڑوی خوراک) اور پیپ نیز طرح طرح کے عذاب، اور اس پر جو فرشتے مقرر ہیں ان کی ڈراؤنی شکل کو سامنے رکھے یہ بھی سوچے کہ جب چمڑے پک جائیں گے تو ان کو دوسرے چمڑوں سے بدل دیا جائے گا اور جب اہل جہنم وہاں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو ان کو دوبارہ وہاں داخل کر دیا جائے گا اور جب وہ اسے دور سے دیکھیں گے تو اس کی چیخ و پکار سنیں گے اسی طرح وہ باتیں جو قرآن پاک میں جہنم کے بارے میں مذکور ہیں ان سب کو پیش نظر رکھے۔

اور جب امید کی حالت کا حصول مطلوب ہو تو جنت اور اس کی نعمتوں پر نظر دوڑائے اس کے درختوں، نہروں، حوروں اور غلمان، دائمی نعمتوں اور ہمیشہ کی بادشاہی کو سامنے رکھے۔

غرضیکہ ایسے علوم جو پسندیدہ احوال کے حصول یا بری صفات سے بچنے کا ذریعہ ہیں ان کو حاصل کرنے کے لیے

marfat.com

ر فکر کا یہ طریقہ ہے اور ہم نے ان میں سے ہر حالت کے بارے میں مستقل باب مقرر کیا ہے جس کی مدد سے فکر کی تفصیل
وم کی جا سکتی ہے سب کا ذکر ایک جگہ نہیں ہے اور اس کے لیے غور و فکر کے ساتھ تلاوت قرآن پاک سے
ر کوئی بات نفع بخش نہیں ہے کیوں کہ قرآن پاک تمام مقامات و احوال کا جامع ہے اور اس میں تمام جہانوں کے لیے
ہے نیز قرآن پاک میں وہ باتیں بھی ہیں جو خوف، امید، صبر، شکر، محبت، شوق اور باقی تمام احوال پیدا کرتی ہیں۔
نیز اس میں بری صفات سے زجر اور جھڑک بھی مذکور ہے تو بندے کو چاہیے کہ قرآن پاک پڑھے اور جس آیت میں
ر فکر کی ضرورت ہو اسے بار بار پڑھے اگرچہ ایک سو بار پڑھنا پڑے قرآن پاک کی ایک آیت سوچ سمجھ کر اور غور و فکر
ساتھ پڑھنا غور و فکر اور سمجھ کے بغیر پورے ختمِ قرآن سے بہتر ہے۔

تو آیات میں غور و فکر کے لیے توقف کرے اگرچہ ایک رات ہی گزر جائے کیوں کہ ہر آیت کے تحت بے شمار
رہیں اور ان سے آگاہی اسی وقت ہو سکتی ہے جب صدقِ معاملہ کے بعد صاف دل سے نہایت باریکی کے ساتھ غور و
رے اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں بھی غور و فکر کرے کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
امع کلمات عطا کیے گئے ہیں اور آپ کا ہر کلمہ حکمت کے دریاؤں میں سے ایک دریا ہے اور کوئی شخص ان میں اس
ا غور کرے جس طرح چاہیے تو زندگی بھر اس کا غور و فکر ختم نہ ہو۔ (۱) ایک ایک آیت اور حدیث کی شرح نہایت
ب ہے مثلاً حضور علیہ السلام کی اس حدیث کو دیکھئے۔ آپ نے فرمایا۔

اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ اَحْبِبْ مَنْ اَحْبَبْتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُهٗ وَعِشْ مَا شِئْتَ فَاِنَّكَ مَیِّتٌ وَاعْمَلْ مَا شِئْتَ فَاِنَّكَ مَجْزِیٌّ بِهٖ۔

بے شک حضرت جبریل علیہ السلام میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ جس سے محبت کرنا چاہیں کریں بالآخر اس سے جدا ہونا ہے اور جب تک چاہیں زندہ رہیں بالآخر آپ نے جانا ہے اور جو عمل چاہیں کریں بے شک اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

(۲)

بے شک یہ کلمات تمام اولین و آخرین کو جامع ہیں اور زندگی بھر غور و فکر کرنے والوں کو کفایت کرتے ہیں جب وہ ان
معانی سے واقف ہو جائیں اور وہ ان کے دل پر یقین کی طرح چھا جائیں اور یہ معانی ان کے اور دنیا کی طرف توجہ سے
یان حائل ہو جائے تو علوم معاملہ اور بندے کی صفات میں غور و فکر کا یہ طریقہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہوں
ر پسندیدہ۔

---

(۱) الضعفاء الکبیر للعقیلی جلد ۲ ص ۲۱ حدیث ۴۳۷

(۲) العلل المتناہیۃ جلد ۲ ص ۴۰۳ حدیث ۱۴۸۱

marfat.com

راہ سلوک میں ابتدا کرنے والے کو چاہیے کہ ہر وقت ان افکار میں ڈوبا رہے حتی کہ اپنے دل کو اخلاق محمودہ اور مقامات شریفہ سے آباد کرے اور اس کا ظاہر و باطن مکروہات سے پاک رہے۔

اور یہ بات بھی یاد رہے کہ ان امور میں فکر کرنا اگرچہ تمام عبادات سے افضل ہے لیکن انتہائی مقصود یہ نہیں بلکہ جو شخص ان فکروں میں مشغول ہوتا ہے وہ صدیقین کے مطالب سے پردے میں رہتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال میں فکر کے ذریعے لذتوں کا حصول ہے۔ اور اس میں دل اس طرح ڈوب جائے کہ اپنے آپ کو فنا کر دے اپنے نفس، احوال اور مقامات سب کو بھول جائے اور محبوب کی فکر میں ڈوب جائے بلکہ وہ یوں ہو جائے جس طرح کوئی شخص حیران و پریشان اپنے نفس سے غافل ہوتا ہے اور عشاق کی لذت کی انتہا یہی ہے۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ باطن کو آباد کرنا ہے تاکہ قرب و وصال کی صلاحیت پیدا ہو جب آدمی اپنی تمام عمر نفس کی اصلاح میں فنا کر دے تو قرب کی لذت کب حاصل ہوگی؟ اسی لیے حضرت خواص رحمہ اللہ جنگلوں میں پھرتے تھے حسین بن منصور حلاج رحمہ اللہ نے ان سے پوچھا آپ کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں جنگلوں کے چکر کاٹ کر توکل کے سلسلے میں اپنے حال کی اصلاح کرتا ہوں حضرت حسین بن منصور نے فرمایا آپ نے اپنی عمر اپنے باطن کی تعمیر اور آبادی میں صرف کر دی توحید میں کب فنا ہوں گے؟

تو ایک ذات حق میں فنا ہونا طالبین کا آخری مقصد ہے اور صدیقین کی لذت کی انتہا ہے ہلاک کرنے والی صفات سے بچنا نکاح کی عدت سے نکلنے کی طرح ہے جب کہ نجات دینے والی صفات اور تمام عبادات سے موصوف ہونا ایسے ہے جیسے کوئی عورت خاوند کے لیے تیار ہوتی ہے وہ اپنے چہرے کو دھوتی ہے اور بالوں کو کنگھی کرتی ہے تاکہ اپنے خاوند سے ملاقات کے قابل ہو سکے اگر وہ زندگی بھر رحم کی صفائی اور چہرے کی زینت میں ہی مصروف رہے تو یہ بات اس کے لیے محبوب کی ملاقات میں حائل رہے گی۔

اگر تم اہل مجالس میں سے ہو تو دین کے طریقے کو اس طرح سمجھنا چاہیے اور اگر تم شریر غلام کی طرح ہو جو مار کے خوف یا اجرت کی طمع میں حرکت کرتا ہے تو ظاہری اعمال کے ذریعے بدن کو تھکانا چھوڑ دو کیوں کہ تمہارے اور تمہارے دل کے درمیان ایک موٹا پردہ ہے اور جب تم اعمال کا حق پورا کرو گے تو جنتی لوگوں میں سے ہو گے لیکن ہم نشینی کے لیے اور لوگ ہی ہوں گے جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ بندے اور اس کے رب کے درمیان معاملہ کے علوم میں فکر کا میدان کیا ہے تو اب صبح و شام اسے اپنی عادت بنا لے اور اپنے نفس نیز اس کی ان صفات سے غافل نہ ہو جو اللہ سے دور کر دیتی ہیں اور وہ جو اس کے قریب کرتی ہیں۔ بلکہ ہر مرید کے پاس ایک کاپی ہونی چاہیے جس پر ہلاک کرنے والے امور اور نجات دینے والی صفات سب کا ذکر ہو نیز تمام گناہوں اور عبادت کا بھی تذکرہ ہو اور وہ روزانہ اس کے ساتھ اپنے نفس کا موازنہ کرے۔

ہلاک کرنے والے امور میں سے دس باتوں کو سامنے رکھنا کافی ہے اگر وہ ان سے بچ گیا تو ان کے علاوہ سے بھی

marfat.com

بچ جائے گا اور وہ بخل، تکبر، خود پسندی، ریا کاری، حسد، سخت غصہ، کھانے کی حرص، جماع کی حرص، مال کی محبت، اور جاہ و مرتبے کی محبت ہے۔

اور نجات دینے والی صفات میں سے بھی دس باتوں کو سامنے رکھے گناہوں پر ندامت، مصیبت پر صبر، اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونا اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا، خوف اور امید کے درمیان راستہ اختیار کرنا، دنیا سے بے رغبتی، عمل میں اخلاص مخلوق کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا اور اس کے سامنے خشوع و خضوع کا اظہار کرنا۔

تو یہ بیس خصلتیں ہیں جن میں سے دس مذموم اور دس محمود ہیں تو جب ایک بری بات چلی جائے تو اس پر لکیر کھینچ دے اور اس کے بارے میں فکر کو چھوڑ دے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اسے اس سے بچا لیا اور اس کے دل کو پاک کر دیا اور اس بات کا یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد کے بغیر ایسا نہیں ہو سکتا تھا اور اگر وہ اپنے آپ کو اپنے نفس کے حوالے کر دے تو چھوٹی سی برائی کو مٹانے پر قادر نہیں ہو سکتا۔

اب وہ باقی نو کی طرف متوجہ ہو اسی طرح کرتا رہے حتیٰ کہ تمام پر لکیر پھیر دے۔

اسی طرح نفس سے نجات دینے والی صفات کے ساتھ متصف ہونے کا مطالبہ کرے جب ان میں سے کسی ایک سے موصوف ہو جائے مثلاً توبہ اور ندامت اختیار کرے تو اس پر لکیر پھیر دے اور دوسری صفات میں مشغول ہو جائے یہ بات اس مرید کے لیے ہے جو کوشش کے مراحل میں ہو۔

لیکن جو لوگ صالحین میں شمار ہوتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ اپنی کاپیوں پر ظاہری گناہ بھی لکھ دیں جیسے شبہ والی چیز کھانا، زبان کو غیبت کے لیے استعمال کرنا، چغلی کھانا، دوسرے کی بات کاٹنا، اپنی تعریف کرنا، دشمنوں سے دشمنی اور دوستوں سے دوستی کرتے ہوئے حد سے بڑھ جانا نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں مخلوق کے ساتھ منافقت سے پیش آنا کیوں کہ عام طور پر جو لوگ نیک لوگوں میں شمار ہوتا ہیں ان کے اعضاء ان گناہوں سے محفوظ نہیں ہوتے اور جب تک اعضاء گناہوں سے پاک نہ ہوں دل اور اس کی تطہیر میں مشغولیت ممکن نہیں بلکہ لوگوں میں سے ہر گروہ پر ایک خاص قسم کا گناہ غالب ہوتا ہے۔

پس ان کو چاہیے کہ ان گناہوں کے درپے ہوں اور ان میں غور و فکر کریں جن گناہوں سے محفوظ ہیں ان کی فکر نہ کریں۔

مثلاً ایک متقی عالم عام طور پر اپنے علم کا اظہار کرتا رہتا ہے وہ شہرت چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ چار دانگ عالم میں اس کا نام ہو چاہے تدریس کے حوالے سے ہو یا وعظ کی وجہ سے، اور جو شخص اس قسم کی بات کے درپے ہوتا ہے وہ ایک بہت بڑے فتنے کے پیچھے جاتا ہے جس سے صرف صدیقین لوگ ہی نجات پاتے ہیں اگر اس کی بات مقبول ہو اور دلوں پر اچھی طرح اثر کرتی ہو تو وہ خود پسندی اور تکبر کا شکار ہوتا ہے اس میں رذیلت اور بناوٹ

marfat.com

پیدا ہوتی ہے اور یہ تمام چیزیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں اور اگر اس کی بات کو رد کیا جاتا ہے تو وہ نہ ماننے والے سے نفرت کرتا ہے اس پر اسے غصہ آتا ہے اور کینہ پیدا ہوتا ہے اور یہ غصہ اس غصے سے زیادہ ہوتا ہے جو دوسروں کا کلام نہ ماننے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور شیطان اس کو بہکاتا ہے کہ تمہیں تو غصہ صرف اس لیے آیا کہ اس شخص نے حق بات کو رد کیا اور اس کا انکار کیا ہے۔

اگر وہ اپنے کلام کے رد اور کسی دوسرے عالم کے کلام کے رد ہونے میں فرق کرتا ہے تو وہ مغرور ہے اور شیطان کا آلۂ کار بھی۔ پھر جب لوگوں کے ماننے کی وجہ سے اسے خوشی ہوتی ہے، اپنی تعریف پر خوش ہوتا ہے اور اپنے کلام کے رد ہونے پر نفرت اور غصے کا اظہار کرتا ہے تو اب وہ الفاظ کی ادائیگی میں تکلف اور بناوٹ کو اختیار کرتا ہے اور الفاظ میں حسن پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کی وجہ اس بات کی حرص ہوتی ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور اللہ تعالیٰ تکلف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

اور بعض اوقات شیطان اسے یوں دھوکہ دیتا ہے کہ تمہارا یہ تکلف اور اچھے الفاظ استعمال کرنا اس لیے ہے کہ حق پھیلے اور دلوں میں جاگزیں ہو اور یہ دین کی سربلندی کے لیے ہے۔ پس اگر وہ اپنی اس خوش الفاظی اور لوگوں کی تعریف پر زیادہ خوش ہوتا ہے اور کسی دوسرے عالم کی لوگ تعریف کریں تو اس قدر خوشی نہیں ہوتی تو یہ شخص دھوکے میں ہے۔ اور جاہ و مرتبہ کی حرص رکھتا ہے اگرچہ اس کا گمان یہی ہو کہ اس کا مطلب محض دین ہے۔

اور جب یہ باتیں اس کے دل میں پیدا ہوتی ہیں تو اس کے ظاہری جسم پر بھی ظاہر ہوتی ہیں حتیٰ کہ جو شخص اس کی تعظیم کرتا ہے اور اس کی فضیلت کا معتقد ہے یہ اس کا زیادہ احترام کرتا ہے اور اس کی ملاقات سے زیادہ خوش ہوتا ہے جب کہ کسی دوسرے عالم کے معتقد کی آؤ بھگت اس طرح نہیں کرتا اگرچہ وہ دوسرا عالم اس اعتقاد کے زیادہ لائق ہو اور بعض اوقات اہل علم ایک دوسرے سے اس قدر غیرت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ عورتوں کی طرح ہو جاتے ہیں چنانچہ اگر ان میں سے کسی ایک کے شاگرد دوسرے کے پاس چلے جائیں تو اسے تکلیف ہوتی ہے اگرچہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس دوسرے عالم سے دینی فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔

یہ سب باتیں ان ہلاک کرنے والے امور کا نتیجہ ہیں جو دل سے اندر پوشیدہ ہیں اور عالم اس دھوکے میں ہوتا ہے کہ وہ ان سے بچا ہوا ہے اور یہ ان مذکورہ بالا علامات سے ظاہر ہوتے ہیں تو عالم کا فتنہ بہت بڑا ہے وہ یا تو بادشاہ ہوتا ہے یا ہلاک ہونے والا، اسے عوام کی طرح بچ جانے کی طمع نہیں ہوتی لہٰذا جو شخص اپنے اندر ان صفات کو محسوس کرے اس پر گوشہ نشینی اور تنہائی نیز گمنامی لازم ہے اور جب اس سے مسئلہ پوچھا جائے تو فتویٰ دینے سے گریز کرے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں مسجد شریف میں بہت سے صحابہ کرام ہوتے تھے اور وہ سب کے سب مفتی تھے لیکن وہ فتویٰ ایک دوسرے پر ٹال دیتے تھے اور اگر کوئی فتویٰ دیتا بھی تو اس کی خواہش یہی ہوتی کہ کوئی دوسرا مجھے

marfat.com

سے بچالیتا تو اچھا تھا۔

اور اس وقت انسانی شیطانوں سے بچے کیوں کہ وہ کہتے ہیں تم ایسا مت کرو کیوں کہ اگر یہ دروازہ (گوشہ نشینی دروازہ) کھل گیا تو لوگوں سے علوم مٹ جائیں گے تو ان کو یوں جواب دے کہ دین اسلام کو میری ضرورت نہیں ہے مجھ سے پہلے بھی بھرپور تھا اور میرے بعد بھی اسی طرح رہے گا اور اگر میں مر گیا تو اسلام کے ارکان مٹ نہیں جائیں گے، ہاں کہ دین مجھ سے بے نیاز ہے البتہ میں اپنے دل کی اصلاح کے سلسلے میں اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بات کہ میرے بیٹھ جانے سے علم مٹ جائے گا محض ایک خیال ہے جو انتہائی درجہ کی جہالت پر دلالت کرتا ہے یہ کہ اگر سب لوگ قید خانہ میں قید کر دیئے جائیں اور ان کو بیڑیاں ڈال کر ڈرایا جائے کہ اگر تم علم حاصل کرو گے تو آگ میں ڈالے جاؤ گے تو بلند مرتبے اور ریاست کی محبت ان کو اس بات پر مجبور کرے گی کہ وہ بیڑیاں توڑ کر اور دیواریں گرا کر ان سے باہر نکلیں اور طلب علم میں مشغول ہو جائیں کیوں کہ جب تک شیطان مخلوق کے دل میں جاہ و مرتبے کی محبت ڈالتا رہے علم مٹ نہیں سکتا اور شیطان قیامت تک اپنے عمل میں کوتاہی نہیں کرے گا بلکہ ایسے لوگ علم کے پھیلانے کے لئے کھڑے ہوں گے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِاَقْوَامٍ لَا خَلَاقَ لَھُمْ۔ (۱)	بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد ایسے لوگوں سے کراتا ہے جن کا (آخرت یا دین میں) کوئی حصہ نہیں۔

اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔

وَاِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ (۲)	اور بے شک اللہ تعالیٰ کسی فاجر شخص کے ذریعے اس دین کی مدد فرماتا ہے۔

لہٰذا کسی عالم دین کو اس قسم کے دھوکوں میں آکر لوگوں کے ساتھ مخلوط نہیں ہونا چاہیے اس طرح اس کے دل میں جاہ و رتبے اور مال کی محبت بڑھے گی اور اس سے دل میں اس طرح منافقت پیدا ہوگی جس طرح پانی سبزی کو اگاتا ہے (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَا ذِئْبَانِ ضَارِیَانِ اُرْسِلَا فِیْ زَرِیْبَۃِ غَنَمٍ بِاَکْثَرَ اِفْسَادًا فِیْھَا مِنْ حُبِّ	دو بھوکے بھیڑیئے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑے جائیں وہ اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جس قدر مسلمان آدمی کے

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۳۰۲ کتاب الجہاد

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۲۱ کتاب الجہاد

(۳) تذکرہ الموضوعات ص ۱۱۱ باب ذم الدنیا

marfat.com

اَلْجَاہُ وَالْمَالُ فِیْ دِیْنِ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ (۱) دین کو مال اور مرتبے کی خواہش سے نقصان ہوتا ہے۔

اور دل سے مرتبے کی خواہش اسی صورت میں نکل سکتی ہے جب وہ لوگوں سے دُور رہے اور ان کے ساتھ میل جول سے بھاگے نیز ہر اس چیز کو چھوڑ دے جس سے ان کے دلوں میں اس کا مرتبہ بڑھتا ہو۔ تو عالم کو چاہیے کہ وہ دل کی ان مخفی صفات کو تلاش کرنے کی فکر کرے اور ان سے نجات کا راستہ ڈھونڈے متقی عالم کا یہی وظیفہ ہے۔

اور ہمارے جیسے لوگوں کو چاہیئے کہ ہم ان باتوں کے بارے میں فکر کریں جن سے قیامت پر ہمارا ایمان مضبوط ہو کیوں کہ اگر پہلے بزرگ ہمیں دیکھتے تو وہ یقیناً یہی بات کہتے کہ یہ لوگ حساب و کتاب کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔

ہمارے اعمال، ان لوگوں کے اعمال نہیں ہیں جو جنت اور جہنم پر ایمان رکھتے ہیں کیوں کہ جو شخص کسی چیز سے ڈرتا ہے وہ اس سے بھاگتا ہے اور جو آدمی کسی چیز کی امید رکھتا ہے وہ اسے طلب کرتا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ جہنم سے بچنے کے لیے شبہ والی چیزوں اور حرام کو چھوڑنا پڑتا ہے نیز گناہوں کو بھی ترک کرنا پڑتا ہے حالاں کہ ہم ان کاموں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور جنت کی طلب نوافل کی کثرت سے ہوتی ہے جب کہ ہم فرائض میں کوتاہی کرتے ہیں تو علم کے نتیجہ سے ہمیں یہی کچھ حاصل ہوا کہ دنیا کی حرص میں لوگ ہماری اقتدا کریں اور یوں کہیں کہ اگر دنیا بری ہوتی تو ہماری نسبت علماء کرام اس سے اجتناب کے زیادہ لائق تھے تو کاش ہم عوام کی طرح ہوتے کہ جب ہمیں موت آتی تو ہمارے ساتھ ہمارے گناہ بھی ختم ہو جاتے پس اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہم کتنے بڑے فتنے میں مبتلا ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہماری بھی اصلاح فرمائے اور ہمارے ذریعے دوسروں کی اصلاح بھی فرمائے اور ہمیں مرنے سے پہلے توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ وہی ذات ہم پر مہربان کریم اور انعام و اکرام کرنے والی ہے۔

تو علم معاملہ میں علماء کرام اور صالحین کے افکار کی گزرگاہیں یہ ہیں جب وہ ان سے فارغ ہوتے ہیں تو نفس کی طرف ان کی توجہ نہیں رہتی اور اب وہ اللہ تعالیٰ کے جلال اور عظمت میں فکر کی طرف بڑھتے ہیں۔ اور دل کی آنکھ سے اس کے مشاہدے سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور یہ بات اسی وقت پوری ہوتی ہے جب وہ تمام ہلاک کرنے والے امور سے جدا ہو جائے اور نجات دینے والی صفات سے موصوف ہو۔

اگر اس سے پہلے اس میں کچھ ظاہر ہوگا تو اس میں کچھ خرابی ہوگی گدلا ہوگا اور جلد ختم ہونے والا ہوگا وہ چمکنے والی بجلی کی طرح ہوگا جو زیادہ دیر نہیں ٹھہرتی۔ نیز وہ اس عاشق کی طرح ہوگا جو اپنے معشوق کے ساتھ تنہائی اختیار کرتا ہے لیکن اس کے کپڑوں کے نیچے سانپ اور بچھو ہوں جو اسے مسلسل کاٹ رہے ہوں اس پر مشاہدے کی لذت پریشان کن ہوتی ہے۔ اور اچھی طرح لذت کا حصول اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے کپڑوں کے نیچے سے سانپوں اور بچھوؤں کو نہ

---

(۱) المعجم الکبیر جلد ۱۹ ص ۹۴ حدیث ۱۸۹

marfat.com

کال دے اور یہ بری عادات سانپ اور بچھو ہیں یہ ایذا بھی پہنچاتی ہیں اور پریشان بھی کرتی ہیں اور قبر میں بچھوؤں اور سانپوں
ے ڈسنے سے اس قدر تکلیف نہیں ہوتی جتنی تکلیف ان کے ڈسنے سے ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندے کے نفس میں پائی جانے والی اچھی اور بری صفات ہیں فکر کے راستوں سے متعلق
آگاہی کے سلسلے میں اتنی بات کافی ہے۔

دوسری قسم:

اللہ تعالیٰ کے جلال اس کی عظمت اور اس کی کبریائی کے بارے میں غور و فکر کرنا ـــــ اس میں دو مقام ہیں اعلیٰ
مقام یہ ہے کہ اس کی ذات و صفات اور اس کے اسمائے گرامی کے معانی میں غور و فکر کیا جائے لیکن اسے منع کیا گیا
ہے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مخلوق میں غور کرو لیکن اس کی ذات میں فکر نہ کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں
عقل حیران رہتی ہے اور سوائے صدیقین کے کسی کی نگاہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتی پھر وہ بھی ہمیشہ اسے دیکھنے کی تاب
نہیں لا سکتے۔

بلکہ تمام مخلوق کی نگاہیں جلال خداوندی کی نسبت سے اس طرح ہیں جس طرح سورج کی نسبت سے چمگادڑ کی آنکھ
ہوتی ہے کیوں کہ وہ تو اس کی طاقت بالکل نہیں رکھتی بلکہ دن کو تو وہ چھپی رہتی ہے اور رات کے وقت سورج کی اس روشنی
کو دیکھتی ہے جو زمین پر باقی ہوتی ہے۔

صدیقین کا حال اس طرح ہے جس طرح انسانوں کا سورج کو دیکھنا ہوتا ہے وہ سورج کو دیکھ تو سکتا ہے اس کی طرف
نظر کو گاڑ نہیں سکتا اور اگر وہ اسے مسلسل دیکھتا رہے تو بینائی کے جانے کا خطرہ ہوتا ہے ہو سکتا ہے اس کی آنکھیں چندھیا
جائیں یا بینائی متفرق ہو جائے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھنا حیرت، دہشت اور عقل کا اضطراب پیدا کرتی ہے لہذا
زیادہ بہتر یہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں فکر کے لیے راستے نہ کھولے کیوں کہ اکثر عقلیں اس کو برداشت
نہیں کر سکتیں۔

بلکہ ایک معمولی سی مقدار جس کی وضاحت بعض علماء کرام نے کی ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے، جہتوں اور
کناروں سے منزہ ہے نہ تو وہ عالم میں داخل ہے اور نہ اس سے خارج ہے۔ عالم سے ملا ہوا بھی نہیں اور جدا بھی نہیں۔ کئی
لوگوں کی عقلیں حیران ہو گئیں حتی کہ انہوں نے اس کا انکار کر دیا کیوں کہ وہ اسے سننے اور اس کی معرفت کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔
بلکہ ایک گروہ تو اس سے بھی کمتر کو برداشت نہ کر سکا یعنی جب ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ
اس کا سر، پاؤں ہاتھ، آنکھ یا کوئی دوسرا عضو ہو اور یہ کہ وہ جسم ہو جس کی کوئی مقدار اور حجم ہو۔ تو انہوں نے اس سے انکار کر
دیا اور یہ خیال کیا کہ یہ بات عظمت و جلال خداوندی کے لیے عیب ہے حتی کہ عوام میں سے بعض بیوقوفوں نے کہا کہ یہ تو ہندوستان
کے تربوز کا وصف ہے معبود (الٰہ) کا وصف نہیں ہے کیوں کہ اس بے چارے کو یہی گمان تھا کہ ان اعضاء میں ہی

marfat.com

جلالت وعظمت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان صرف اپنے آپ کو جانتا ہے اور اسی کو عظیم سمجھتا ہے اور جو کوئی اس کی صفات میں اس کے مساوی نہ ہو اس میں عظمت نہیں جانتا۔

ہاں اس کی انتہائی اس قدر ہے کہ وہ اپنے نفس کو اچھی صورت والا، تخت پر بیٹھا ہوا دیکھے اس کے سامنے نوکر چاکر ہوں جو اس کے حکم کی تعمیل کر رہے ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہی کچھ تصور کرتا ہے اور اسی کو باعثِ عظمت سمجھتا ہے بلکہ اگر مکھی کے پاس عقل ہوتی اور اسے کہا جاتا کہ تمہارے خالق کے دو پَر، ہاتھ اور پاؤں نہیں ہیں اور نہ ہی وہ اڑ سکتا ہے تو وہ بھی خالق کا انکار کر دیتی۔

اور وہ کہتی کہ میرا خالق کیسے مجھ سے ناقص ہو سکتا ہے کیا وہ ایسا ہو گا کہ اس کے پر کٹے ہوئے ہوں یا وہ شل ہو جو اڑ نہ سکتا ہو یا میرے پاس ایسا سامان اور قدرت ہو جو اس کے پاس نہ ہو اور پھر بھی وہ میرا خالق اور مصور ہو۔

عام لوگوں کے عقلیں بھی اس عقل کے قریب قریب ہیں اور بے شک انسان بے خبر، ناشکرا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کسی نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو میری صفات کی خبر نہ دینا ورنہ وہ میرا انکار کر دیں گے بلکہ ان کو میرے بارے میں اسی قدر بتانا جو وہ سمجھتے ہیں۔

تو جب اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں غور کرنا خطرناک ہے تو شریعت کے ادب اور اصلاحِ خلق کا تقاضا ہے کہ وہ اس میں غور وفکر نہ کرے لیکن ہم دوسرے مقام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ وہ یہ کہ اس کے افعال قدرت، صنعتوں کے عجائبات اور مخلوق کے معاملات میں اس کی صنعت عجیبہ میں غور کیا جائے۔ کیوں کہ یہ باتیں اس کے جلال، کبریائی، تقدس اور بلندی پر دلالت کرتی ہیں اسی طرح اس کے علم وحکمت کے کمال اور اس کی مشیئت وقدرت کے نفاذ پر بھی دلالت کرتی ہیں لہٰذا اس کی صفات کے آثار پر غور کرے کیوں کہ ہم اس کی صفات کو (براہ راست) نہیں دیکھ سکتے۔ جیسا کہ ہم سورج کے چمکنے کے وقت براہ راست زمین کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ہم چاند اور ستاروں کے نور سے سورج کی روشنی کی عظمت کو دیکھتے ہیں کیوں کہ زمین کا نور سورج کی روشنی کے آثار میں سے ہے اور آثار پر غور کرنے سے موثر پر دلالت حاصل ہوتی ہے چاہے وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ اگرچہ وہ خود موثر کو دیکھنے کے برابر نہیں ہوتی۔

دنیا میں جو کچھ موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار میں سے ایک اثر ہے اس کے انوارِ ذات میں سے ایک نور ہے بلکہ عدم سے بڑھ کر کوئی اندھیرا نہیں ہے اور وجود سے زیادہ واضح کوئی نور نہیں ہے تمام اشیاء کا وجود اس کے انوارِ ذات میں سے ایک نور ہے کیوں کہ تمام اشیاء اس کی قیوم ذات کے ساتھ قائم ہیں جیسے جسموں کا نور سورج کی روشنی سے قائم ہے اور جب سورج کا کچھ حصہ ظاہر ہوتا ہے تو طریقہ یہ ہے کہ پانی کا ایک تھال رکھا جائے حتیٰ کہ تم اس میں سورج کو دیکھو اب اسے دیکھنا ممکن ہوتا ہے تو پانی ایک واسطہ ہے جو سورج کی روشنی کو قدرے کم کر دیتا ہے حتیٰ کہ اسے دیکھنا آسان ہو جاتا ہے اسی طرح یہ افعال واسطہ ہیں جن میں فاعل کی صفات کی جھلک موجود ہوتی ہے تو ہم نورِ ذات

marfat.com

سے حیران نہیں ہوتے کیوں کہ افعال کے واسطے سے ہم اس سے قدرے دور ہو گئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں یہی راز ہے۔

آپ نے فرمایا۔

تَفَکَّرُوْا فِیْ خَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَفَکَّرُوْا فِیْ ذَاتِ اللّٰہِ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں غور و فکر کرو لیکن اس کی ذات میں تفکر نہ کرو۔

فصل ۴:

مخلوقِ خدا میں تفکر کی کیفیت

جان لو! اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ بھی موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فعل اور اس کا پیدا کردہ ہے اور ہر ذرہ چاہے وہ جوہر یا عرض، صفت یا موصوف اس میں عجائب و غرائب ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی حکمت، قدرت، جلال اور عظمت کا ظہور ہوتا ہے اور ان کا شمار کرنا ناممکن ہے کیوں کہ اگر سمندر اس کے لیے سیاہی بن جائے تو ایک فیصد بھی پورا نہ ہو اور سمندر اس سے پہلے ختم ہو جائے۔ تاہم، ہم بطور نمونہ کچھ ذکر کرتے ہیں تاکہ اسے باقی کے لیے مثال قرار دیا جا سکے۔

دو قسم کی مخلوق:

مخلوق کی دو قسمیں ہیں ایک وہ مخلوق ہے جس کی اصل سے ہم واقف نہیں ہیں لہٰذا ہم اس میں غور و فکر نہیں کر سکتے اور کتنی ہی موجودات ہیں جن کو ہم نہیں جانتے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (۲)

اور وہ پیدا کرتا ہے جسے تم نہیں جانتے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ۔

وہ ذات پاک ہے جس نے زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں کے اور تمہارے بھی جوڑے پیدا کئے اور ان سے بھی جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَنُنْشِئَکُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (۳)

اور ہم تمہیں اس صورت میں پیدا کرتے ہیں جس کو تم نہیں جانتے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نحل آیت ۸

(۲) قرآن مجید، سورۂ یٰسین آیت ۳۶

(۳) قرآن مجید، سورہ واقعہ آیت ۶۱

marfat.com

دوسری قسم کی مخلوق وہ ہے جس کی اصل کا اجمالی علم ہوتا ہے لیکن تفصیل معلوم نہیں ہوتی تو ہمارے لیے اس کی تفصیل میں غور و فکر کرنا ممکن ہے پھر اس کی دو صورتیں ہیں ایک وہ جس کا ادراک ہم حواس سے کرتے ہیں اور دوسری وہ ہے جس کا ادراک آنکھ سے نہیں ہو سکتا۔

جس مخلوق کا ادراک آنکھ سے نہیں ہو سکتا وہ مثلاً فرشتے، جن، شیطان، عرش اور کرسی وغیرہ ہیں۔ ان اشیاء میں فکر کا میدان تنگ اور نہایت گہرا ہے۔

اب ہم اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو ذہنوں کے زیادہ قریب ہے اور یہ وہ اشیاء ہیں جو آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہیں سات آسمان اور سات زمینیں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان پر مشتمل ہے۔

آسمان اپنے ستاروں، سورج، چاند، ان کی حرکت اور طلوع و غروب میں ان کی گردش کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔ زمین کا مشاہدہ اس کے پہاڑوں، نہروں، دریاؤں، حیوانات، نباتات اور ان چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہیں۔ اور وہ جوہر ہے جو بادلوں، بارشوں، برف گرج چمک، ٹوٹنے والے ستارے اور تیز ہوائیں ہیں۔

تو یہ وہ اجناس ہیں جو آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان دیکھی جاتی ہیں۔ پھر ان میں سے ہر جنس کی کئی انواع ہیں پھر ہر نوع کی کئی اقسام ہیں اور ہر قسم کی کئی شاخیں ہیں اور صفات، ہیئت، اور ظاہری و باطنی معانی کے اختلاف کی وجہ سے اس کی تقسیم کا سلسلہ کہیں رکتا نہیں۔ اور یہ تمام فکر کے میدان ہیں۔ زمین و آسمان کے جمادات و نباتات حیوانات، فلک اور ستاروں میں سے ایک ذرہ بھی اللہ تعالیٰ کے حرکت دیئے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔

ان کی حرکت میں ایک حکمت ہو یا دو دس ہوں یا ہزار یہ سب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتی ہیں اور اس کے جلال و کبریائی پر دلالت کرتی ہیں۔ یہی اس وحدانیت پر دلالت کرنے والی نشانیاں اور علامات ہیں قرآن پاک میں ان نشانیوں پر غور و فکر کی ترغیب دی گئی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ - (۱)	بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل مند لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں

اور جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَمِنْ اٰیَاتِهٖ - (۲)	اور یہ اس کی نشانیوں میں سے ہے۔

یعنی قرآن مجید، شروع سے آخر تک اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے اب ہم بعض نشانیوں میں غور و فکر کی کیفیت بیان

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۹۰

(۲) قرآن مجید، سورۂ روم آیت ۲۵

marfat.com

تے ہیں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک انسان ہے جو نطفے سے پیدا ہوا اور آدمی کے سب سے زیادہ نزدیک اس
فس ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے عجائبات ہیں جو اس کی عظمت پر دلالت کرتے ہیں اور یہ اس قدر زیادہ ہیں۔ کہ
ں سے ایک فیصد سے آگاہی پر ہی تمام زندگی ختم ہو جائے۔ اور تم اس سے غافل رہو تو اسے وہ شخص جو اپنے
ں سے غافل اور بے خبر ہے تو دوسروں کی پہچان کی طمع کیسے کر سکتا ہے حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے نفس میں
دفکر کا حکم دیا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ (۱) اور وہ تمہارے اندر ہے کیا تم نہیں دیکھتے۔

اور اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ تم ایک گندے نطفہ سے پیدا ہوئے ہو۔

ارشاد خداوندی ہے۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَکْفَرَہٗ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ مِنْ نُّطْفَۃٍ خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَہٗ ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَہٗ۔ (۲)

انسان ہلاک ہو وہ کس قدر ناشکرا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے کس چیز سے پیدا کیا پانی کی ایک بوند سے پیدا کیا پھر اسے اندازے سے رکھا پھر اس کا راستہ آسان کر دیا پھر اسے موت دے کر قبر میں پہنچایا پھر جب چاہے گا اسے اٹھائے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمِنْ اٰیَاتِہٖ اَنْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ۔ (۳)

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تم انسان ہو جو پھیل گئے۔

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَلَمْ یَکُ نُطْفَۃً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی ثُمَّ کَانَ عَلَقَۃً فَخَلَقَ فَسَوّٰی۔ (۴)

کیا وہ (انسان) پانی کی ایک بوند نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا جاتا ہے پھر اس سے وہ لوتھڑا بنا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا اور اعضاء درست کیے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الذاریات آیت ۲۱

(۲) قرآن مجید، سورۃ عبس آیت ۱۷ تا ۲۲

(۳) قرآن مجید سورۂ روم آیت ۲۰

(۴) قرآن مجید، سورۃ القیامۃ آیت ۳۷، ۳۸

marfat.com

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۔ (۱)

کیا ہم نے تمہیں ایک بے قدر پانی سے پیدا نہیں کیا پھر ہم نے اس پانی کو ایک معلوم مقدار تک ایک جگہ نہیں ٹھہرایا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ۔ (۲)

کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا تو اب وہ کھلم کھلا جھگڑالو ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ۔ (۳)

بلاشبہ ہم نے ہی انسان کو ایک مخلوط نطفہ سے پیدا فرمایا۔

پھر بتایا کہ کس طرح اس نے نطفہ کو جما ہوا خون، جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا اور اس لوتھڑے کو ہڈیاں بنایا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً۔ (۴)

اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا پھر ہم نے اسے پانی کی ایک بوند بنا کر ایک محفوظ مقام پر رکھا پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے نطفہ (مادہ منویہ) کا بار بار ذکر اس لیے نہیں کیا کہ اس لفظ کو سنایا جائے اور اس کے معنیٰ میں غور نہ کیا جائے تو اب نطفہ کو دیکھو یہ گندے اور ناپاک پانی کا ایک قطرہ ہے اگر اس کو ایک گھڑی چھوڑ دیا جائے تاکہ اسے ہوا لگے تو وہ خراب ہو کر بو دینے لگتا ہے اور کس طرح تمام پالنے والوں کے پالنہار نے اسے مردوں کی پیٹھوں اور عورتوں کی چھاتیوں سے نکالا اور کس طرح مرد اور عورت کو اکٹھا کیا اور ان کے دلوں میں محبت ڈالی اور کس طرح محبت اور شہوت کے سلسلے میں ان کو جمع کیا اور پھر جماع کی حرکت سے مرد سے نطفے کو نکالا اور پھر حیض کے خون کو کس طرح رگوں کے اندر سے کھینچ کر رحم میں جمع کیا پھر اس نطفے سے کس طرح بچے کو پیدا کیا۔ اور اسے حیض کا خون کھلایا اور پلایا

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ مرسلات آیت ۲۰ تا ۲۲

(۲) قرآن مجید سورۃ یٰسین آیت ۷۷

(۳) قرآن مجید، سورۃ الدھر آیت ۲

(۴) قرآن مجید، سورۃ مومنون آیت ۱۲، ۱۳، ۱۴

marfat.com

ی کہ وہ بڑھا اور اس کی پرورش ہوئی اور بڑا ہوا اور پھر کس طرح اس نطفے کو جو سفید چمکدار تھا جما ہوا سرخ خون
ا دیا پھر اسے گوشت کا لوتھڑا کس طرح بنایا پھر اس نطفے کے اجزاء کو ہڈیوں، پٹھوں، رگوں، ریشوں اور گوشت میں
تسیم کر دیا حالاں کہ وہ ٹکڑے تو ایک جیسے تھے۔

پھر گوشت، پٹھوں، اور رگوں سے ظاہری اعضاء کی ترکیب فرمائی سر کو گول بنایا کان کو سوراخ کی شکل میں رکھا
ی طرح آنکھ ناک، منہ اور باقی تمام سوراخوں کا معاملہ ہے۔

پھر کس طرح باطنی اعضاء بنائے مثلاً دل، معدہ جگر، تلی، پھیپھڑے، رحم، مثانہ اور آنتیں بنائیں ہر ایک کی
ل مقدار اور عمل مخصوص معین ہے پھر ان میں سے ہر ایک عضو کو دوسری اقسام میں تقسیم فرمایا۔ مثلاً آنکھ کو سات
بقوں میں تقسیم کیا ہر طبقے کا وصف خاص ہے اور اس کی شکل بھی مخصوص ہے اگر اس کا کوئی ایک طبقہ مفقود ہو جائے
اس کی کوئی ایک صفت زائل ہو جائے تو آنکھ دیکھنا چھوڑ دیتی ہے۔

اگر ہم ایک ایک عضو کے عجائب کا وصف بیان کرنا شروع کریں تو تمام عمر اسی میں گزر جائے۔

اب ہڈیوں کو دیکھو یہ سخت اور مضبوط جسم ہیں اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کو نرم اور پتلے نطفے سے بنایا پھر ان کو بدن
ے قائم ہونے کا ذریعہ بنایا ان کو مختلف مقدار اور مختلف شکلوں پر رکھا کوئی ہڈی چھوٹی ہے تو کوئی بڑی کوئی لمبی ہے
کوئی گول، کوئی اندر سے خالی ہے اور کوئی ٹھوس ہے اسی طرح کوئی چوڑی ہے اور کوئی پتلی ہے۔

اور جب انسان اپنے تمام بدن اور بعض اعضاء کے ساتھ حرکت کا حاجتمند ہے اور وہ اپنی حاجات کے لیے
دھر اُدھر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ایک ہڈی نہیں بنائی بلکہ بہت سی ہڈیاں بنا کر ان کے درمیان جوڑ رکھے ہیں تاکہ ان
کے ساتھ حرکت آسان ہو اور ان میں سے جس سے جو حرکت مطلوب ہے اسی کے مطابق اسے شکل دی ہے پھر ان جوڑوں
و ملایا اور اس کا طریقہ یوں رکھا کہ ایک ہڈی کے کنارے پر ریشہ رکھا جس کو دوسری ہڈی سے ملا دیا جس طرح ایک چیز
سے باندھا جاتا ہے پھر ایک طرف کی ہڈی کے کونے زائد باہر نکلے ہوئے ہیں اور دوسری ہڈی میں اس کے موافق گڑھا
بنا دیا تاکہ وہ زائد حصے اس میں داخل ہو کر خوب برابر ہو جائیں۔

اب انسان کی حالت یہ ہو گئی کہ جب وہ بدن کے کسی حصے کو حرکت دینا چاہتا ہے تو اسے کوئی رکاوٹ نہیں
ہوئی اگر یہ جوڑ نہ ہوتے تو اس کے لیے ایسا کرنا مشکل ہو جاتا۔

پھر دیکھو کہ سر کی ہڈیوں کو کس طرح پیدا کیا ان کو کیسے جمع کر کے ایک دوسری کے ساتھ جوڑا اسے پچپن ہڈیوں سے
مرکب کیا جن میں سے ہر ایک کی شکل و صورت دوسری سے مختلف ہے ان کو ایک دوسرے سے اس طرح ملایا کہ ٹھیک
ٹھیک گول سر بن گیا ان میں سے چھ ہڈیاں کھوپڑی کے ساتھ خاص ہیں چودہ ہڈیاں اوپر والے جبڑے کی اور دو نیچے والے
جبڑے کی ہیں اور باقی ہڈیاں دانت ہیں۔

marfat.com

بعض دانت چوڑے ہیں جو پیسنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور بعض تیز ہیں جو کاٹنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور یہ انیاب، اخراس اور ثنایا ہیں (دانتوں کے نام ہیں) پھر گردن کو سر کی سواری بنایا اور اسے سات منکوں سے مرکب کیا جو اندر سے خالی ہیں اور گول ہیں ان میں کچھ گھاؤ بڑھاؤ ہے تاکہ ایک دوسرے سے جڑ سکیں اس کی حکمت کی وجہ طویل ہے پھر گردن کو پیٹھ سے اوپر رکھا اور پیٹھ کو گردن کے نچلے حصے سے لے کر سرین کی ہڈی کے آخر تک چوبیس منکے رکھے ہیں اور سرین کی ہڈی کو تین مختلف اجزاء سے مرکب کیا چنانچہ اس کی نچلی جانب سے ریڑھ کی ہڈی ملی ہوئی ہے اور وہ بھی تین اجزاء سے مرکب ہے پھر پیٹھ کی ہڈیاں، سینے کی ہڈیوں اور کاندھوں کی ہڈیوں سے ملائیں پھر ہاتھوں کی ہڈیاں ہیں زیر ناف کی ہڈیاں، سرین کی ہڈیاں، رانوں اور پنڈلیوں کی ہڈیاں اور پاؤں کی انگلیوں کی ہڈیاں ہیں ہم ان سب کے شمار سے کلام کو طول دینا نہیں چاہتے انسانی بدن میں ہڈیوں کا مجموعہ دو سو اڑتالیس ہڈیوں پر مشتمل ہے چھوٹی چھوٹی ہڈیاں جن سے جوڑوں کے گڑھوں کو پُر کیا گیا ہے اس کے علاوہ ہیں تو دیکھو کس طرح یہ سب کچھ ایک نرم اور پتلے نطفے سے پیدا کیا گیا ہے۔

ہڈیوں کی تعداد ذکر کرنے سے ہمارا مقصود ان کی گنتی معلوم کرنا نہیں ہے کیوں کہ یہ تو ایک ادنیٰ سا علم ہے جسے طبیب اور تشریح کرنے والے لوگ جانتے ہیں ہماری غرض تو یہ ہے کہ ان سے ان کی تدبیر کرنے والے اور ان کے خالق کو دیکھا جائے کہ اس نے کس قدر ان کی تدبیر و تخلیق فرمائی ہے اور ان کی شکلوں اور مقدار کو مختلف رکھا اور اس تعداد کے ساتھ مخصوص کیا کیوں کہ اگر ان میں سے ایک بھی زیادہ ہوتی تو وہ انسان کے لیے وبال ہوتی ہے اور وہ اس کو اکھاڑنے پر مجبور ہو جاتا اور اگر ان میں سے ایک بھی کم ہوتی تو نقصان ہوتا جسے پورا کرنے کی حاجت ہوئی تو طبیب ان میں اس اعتبار سے دیکھتا ہے کہ ان کے نقصان کے علاج کا طریقہ معلوم کرے اور اہل بصیرت اس لیے دیکھتے ہیں کہ ان کے ذریعے ان کے خالق اور مصور کی جلالت پر استدلال کریں۔ پس دونوں قسم کی نظر میں فرق ہے۔

پھر دیکھئے کس طرح اللہ تعالیٰ ان ہڈیوں کو حرکت دینے کے لیے آلات پیدا فرمائے اور وہ گوشت اور پٹھے ہیں تو انسانی بدن میں پانچ سو انتیس عضلات پیدا فرمائے اور یہ عضلات گوشت، پٹھے، بند اور جھلیوں سے مرکب ہے ان کی مقداریں اور شکلیں ان کے مقامات اور ضرورتوں کے مطابق مختلف ہیں چوبیس آنکھ کے پپوٹے اور پلکوں کو متحرک کرنے کے لیے ہیں اگر ان میں سے ایک بھی کم ہوتا تو آنکھ کا معاملہ گڑبڑ ہو جاتا اسی طرح ہر عضو کے لیے مخصوص تعداد اور مخصوص مقدار میں عضلات ہیں (گوشت اور پٹھوں کے مجموعہ کو عضلہ (عضلات) کہتے ہیں)

پٹھوں، رگوں، شریانوں کا حال ان کی تعداد، نکلنے کی جگہ اور ان کا پھیلاؤ اور تقسیم ان سب سے زیادہ تعجب خیز ہے جس کی تشریح طویل ہے تو ان اجزاء میں سے ایک ایک میں پھر ہر عضو میں اور پھر تمام بدن میں غور و فکر کا میدان ہے۔

یہ سب بدن کے ظاہری حصے کے عجائبات ہیں جب کہ معانی اور صفات کے عجائب جن کا ادراک حواس کے ذریعے نہیں ہو سکتا وہ اس سے بھی بڑے ہیں تو اب تم انسان کے ظاہر و باطن کو دیکھو، اس کے بدن اور اس کی

صفات پر نظر دوڑاؤ تو اس میں ایسے عجائبات اور صنعت ہے جو باعث تعجب ہے اور یہ سب کچھ پانی کے ایک ناپاک قطرے میں اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے تو جب ایک قطرہ پانی میں صنعت کا یہ عالم ہے تو آسمانوں کی ملکوت اور ستاروں میں کیسی ہوگی ان کو بنانے، شکلیں دینے، ان کی مقدار اور تعداد پھر بعض کے اکٹھے اور بعض کے متفرق ہونے نیز ان کی صورتوں کے اختلاف اور طلوع و غروب کے مختلف ہونے میں کیا کیا حکمتیں ہیں تمہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ آسمانوں کی بادشاہی میں ایک ذرہ بھی حکمت اور حکم سے خالی ہے بلکہ ان کی تخلیق نہایت مضبوط اور صنعت درست ہے اور انسانی بدن کی نسبت ان کے عجائبات زیادہ ہیں بلکہ تمام زمین کے عجائبات کو آسمانی ملکوت کے عجائب سے کوئی نسبت نہیں ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا۔ (۱)	کیا تمہیں پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کا اس نے اسے بنایا اس کی چھت کو خوب اونچا کیا پھر اسے درست کیا اور اس کی رات کو تاریک کیا اور اس کے دن کو ظاہر کیا۔

اب پھر نطفے کی طرف رجوع کرو اس کی پہلی حالت میں غور و فکر کرو اور پھر دوسری حالت کو دیکھو اور سوچو کہ اگر تمام جن اور انسان جمع ہو جائیں اور نطفے کو کان، آنکھ، عقل، طاقت، علم یا روح میں بدلنا چاہیں یا اس میں کوئی ہڈی، رگ، پٹھا، چمڑا یا بال پیدا کرنا چاہیں تو کیا ایسا کر سکتے ہیں؟ بلکہ اگر وہ اس کی حقیقت کی گہرائی کو جاننا چاہیں اور تخلیقِ خداوندی کی کیفیت معلوم کرنا چاہیں تو اس سے عاجز ہوں گے۔

تم پر تعجب ہے اگر تم کسی دیوار پر مصور کی بنائی ہوئی تصویر دیکھو جس میں نقاش نے کمال فن کا مظاہرہ کیا ہو حتیٰ کہ وہ بالکل انسان معلوم ہوتی ہو اور دیکھنے والا بھی پکار اٹھے کہ یہ تو انسان کی طرح ہے تو نقاش کی سمجھداری اور ہاتھ کی صفائی پر تمہیں تعجب ہوتا ہے اور تمہارے دل میں اس کی بڑائی جاگزیں ہو جاتی ہے حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ تصویر رنگ، قلم، ہاتھ دیوار، طاقت، علم ارادے سے بنی ہے اور ان میں سے کوئی بھی چیز نقاش کے فعل اور تخلیق سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ ان چیزوں کو ایک دوسری ذات نے پیدا کیا ہے۔ نقاش نے تو صرف اتنا کیا کہ رنگ اور دیوار کو ایک مخصوص ترتیب پر جمع کیا تو تم اس پر بہت زیادہ تعجب کرتے ہو اور اسے بہت بڑی بات سمجھتے ہو۔

جب کہ تم ناپاک نطفے کو دیکھتے ہو جو پہلے معدوم تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے پٹھوں اور چھاتیوں میں پیدا کیا پھر وہاں سے نکال کر اسے اچھی شکل دی اور نہایت مناسب مقدار پر رکھا اور صورت بنائی اور اس کے اجزاء کو جو ایک دوسرے کے شابہ نہیں، مختلف اجزاء میں تقسیم کیا ہڈیوں کو مضبوط کیا اور اعضاء کو اچھی شکلیں دیں اس کے ظاہر و باطن کو زینت دی،

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النازعات آیت ۲۸، ۲۹

marfat.com

اس کی رگوں اور پٹھوں کو مرتب کیا اور غذا کے راستے بنائے تاکہ یہ اس کے باقی رہنے کا سبب بنے اسے سننے دیکھنے، جاننے اور بولنے والا بنایا اس کے لیے پیٹھ بنائی جو بدن کی بنیاد ہے بدن کو تمام غذائی آلات پر حاوی اور سر کو تمام حواس کا جامع بنایا۔

پھر آنکھوں کو کھولا اور اس کے طبقوں کو ترتیب دی ان کی شکلوں کو رنگ اور ہیئت کو اچھا بنایا پھر اس کو ڈھانپنے اس کی حفاظت اور صفائی کے لیے پپوٹوں کو بنایا جو اس سے گندگی وغیرہ کو دور رکھتے ہیں پھر اس کی پتلی کی مقدار میں آسمانوں کو دکھایا حالاں کہ ان کے کنارے پھیلے ہوئے ہیں اور دور دور ہیں لیکن وہ ان کو دیکھ رہا ہے۔

پھر اس کے کان بنا کر ان میں کڑوا پانی رکھا تاکہ سماعت کی حفاظت رہے اور کیڑے مکوڑے اندر نہ جائیں اور اس کے اردگرد سیپ کی شکل میں کان کا چمڑہ رکھا تاکہ آواز جمع ہو کر اس کے سوراخ کے اندر جائے اور کیڑوں کی آواز کا احساس ہو پھر اس کان میں گڑھے اور ٹیڑھے راستے رکھے ہیں تاکہ اگر کوئی کیڑا وغیرہ اس میں جائے تو اسے بہت زیادہ چلنا پڑے اور اس کا راستہ لمبا ہو اور جب آدمی کی نیند کی حالت میں وہ کیڑا اندر جانے کی کوشش کرے تو یہ جاگ جائے۔

پھر چہرے کے درمیان ناک کو بلند کیا اور اسے اچھی شکل میں بنایا اس میں دو سوراخ (نتھنے) کھولے اور اس میں سونگھنے کی حس رکھی تاکہ بُو کو سونگھ کر کھانے پینے کی چیزوں کا علم ہو سکے۔ اور ان سوراخوں کے ذریعے ہوا کی روح جو دل کی غذا ہے اندر کھینچ سکے اور اس طرح اسے باطنی حرارت کو تسکین ہو۔

علاوہ ازیں اس کے لیے منہ کو کھلا رکھا اور اس کے اندر زبان رکھی جو بولتی ہے، اور دل کے اندر کی باتوں کو باہر لا کر اس کی ترجمانی کرتی ہے منہ کو دانتوں کے ذریعے زینت دی تاکہ وہ پیسنے، توڑنے اور کاٹنے کا آلہ ہوں ان کی بنیادوں کو مضبوط رکھا اور ان کے کناروں کو تیز کیا ان کا رنگ سفید بنایا اور ان کو ترتیب کے ساتھ رکھا اور ان کے سروں کو برابر رکھا گویا وہ (ہار میں) پروئے ہوئے موتی ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ہونٹوں کو پیدا فرما کر ان کو اچھی شکل اور اچھا رنگ دیا کہ ان کے ذریعے منہ بند ہو جائے اور کلام کے حروف مکمل ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے نرخرے پیدا کئے اور ان کو آواز کے نکلنے کے لیے تیار کیا۔ اور زبان میں حرکت پیدا کی اور اس میں طاقت رکھی جس کے ذریعے الفاظ کو کاٹ سکے تاکہ مختلف مخارج سے الفاظ نکل سکیں اور بولنے کا راستہ کشادہ ہو۔

پھر تنگی، کشادگی، سختی، نرمی، لمبائی اور چھوٹائی کے اعتبار سے نرخروں کو مختلف شکلوں پر پیدا کیا حتیٰ کہ ان کے اختلاف سے آوازیں مختلف ہوتی ہیں اور دو آوازیں ایک جیسی نہیں ہوتیں بلکہ دو آوازوں کے درمیان فرق ظاہر ہوتا ہے حتیٰ کہ اندھیرے میں سننے والا محض آواز سے امتیاز کر لیتا ہے کہ کون بول رہا ہے۔

پھر اس خالق کائنات نے سر کو بالوں اور کنپٹیوں سے زینت دی چہرے کو ڈاڑھی اور ابروؤں کے ذریعے اور ابروؤں کو بالوں کی باریکی اور کمان کے شکل کے ذریعے زینت دی اور آنکھوں کو پلکوں کے ذریعے مزین فرمایا۔

marfat.com

اور اس ذات لاشریک نے باطنی اعضا پیدا فرمائے اور ہر عضو کو ایک مخصوص فعل کے لیے مسخر کیا معدے کو غذا کے پکانے کے لیے خاص کیا جگر کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ غذا کو خون میں بدل دے، جب کہ تلی، پتے اور گردے کو جگر کا خادم بنایا تلی، جگر سے سوداد کو جذب کرتی ہے پتہ اس سے صفراد کو کھینچتا ہے اور گردہ رطوبت کو اس سے کھینچ کر اس کی خدمت کرتا ہے اور مثانہ گردے کی خدمت کرتا ہے کہ اس سے پانی کو قبول کرتا ہے اور پھر پیشاب گاہ کے راستے سے نکال دیتا ہے اور رگیں جگر کی اس طریقے پر خدمت کرتی ہیں کہ خون کو جسم کے تمام کناروں تک پہنچاتی ہیں۔

پھر ہاتھوں کو پیدا فرمایا اور ان کو لمبا رکھا تاکہ مقاصد تک پہنچ سکیں ہتھیلی کو چوڑا بنایا اور انگلیوں کی تعداد پانچ رکھی اور ہر انگلی میں تین پورے (جوڑ) رکھے چار انگلیوں کو ایک طرف اور انگوٹھے کو دوسرے طرف رکھا تاکہ انگوٹھا ان سب پر گھوم سکے۔

اگر تمام پہلے اور پچھلے لوگ جمع ہو کر نہایت دقیق فکر کے ذریعے معلوم کرنا چاہیں کہ کسی طرح ان انگلیوں اور انگوٹھے کی اس موجودہ ترتیب کو بدل دیں اور سب انگلیوں کو ایک ہی طرف کو رکھیں پھر انگلیوں کی لمبائی میں فرق بھی ہو تو وہ ایسا نہیں کر سکتے کیوں کہ اس ترتیب کے ذریعے ہاتھ پکڑنے اور دینے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اگر ہاتھ کو پھیلا دیں تو وہ ایک نھال کی طرح ہے اس پر جو چاہے رکھے اور اگر اسے اکٹھا کریں تو مارنے کا آلہ بن جاتا ہے اور اگر نامکمل طور پر ملائیں تو ایک چلو بن جاتا ہے اگر کھلا رکھیں لیکن انگلیوں کو ملا دیں تو بیلچے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

اور اس نے انگلیوں کے سروں پر ناخن پیدا کئے جو زینت ہیں اور دوسری طرف سے ان کے لیے سہارا ہیں تاکہ انگلیاں کٹ نہ جائیں اور تاکہ ان کے ذریعے باریک چیزوں کو اٹھا سکیں جو پوروں کے ذریعے نہیں اٹھا سکتے اور ضرورت کے وقت بدن کو کھجلا بھی سکیں ناخن بدن میں سب سے ہلکی چیز ہے لیکن اگر یہ ناخن نہ ہوتے اور اسے کھجلانے کی ضرورت پڑتی تو یہ سب سے عاجز اور کمزور مخلوق ہوتا اور بدن کو کھجلانے کے لیے ناخن کے قائم مقام کوئی چیز نہ ہوتی۔

پھر ہاتھ کو خارش کی جگہ بھی بتا دی یہاں تک کہ وہ وہاں پہنچ جاتا ہے اگرچہ نیند یا غفلت کی حالت میں ہو اور اسے جگہ ڈھونڈنے کی ضرورت نہ ہوتی اگر وہ کسی دوسرے سے مدد لیتا تو طویل مشقت کے بعد وہ خارش کی جگہ پہ مطلع ہوتا۔

اور یہ سب چیزیں نطفے سے پیدا کی ہیں اور وہ رحم میں تین پردوں کے اندر ہوتا ہے اور اگر یہ پردہ ہٹا دیا جائے اور وہاں تک نگاہ پہنچے تو وہ دیکھے گا کہ کس طرح ان کو صورت دی جا رہی ہے یہ ایک دوسرے کے بعد بنتے چلے جاتے ہیں لیکن نہ مصور نظر آتا ہے نہ کوئی تصویر بنانے والا آلہ ——

تو کیا تم نے کوئی ایسا مصور یا کام کرنے والا دیکھا ہے کہ جو تصویر بنانے کے آلہ اور اس کی مصنوع کو ہاتھ نہ لگائے اور وہ اس میں تصرف بھی کر رہا ہو تو اللہ تعالیٰ کی شان کتنی بلند ہے اور اس کی دلیل کتنی واضح ہے وہ پاک ذات ہے۔

پھر اس کی قدرت کا کمال اور رحمت تمام کو دیکھو کہ جب بچہ بڑا ہو جاتا ہے اور رحم میں گنجائش نہیں رہتی تو اس کی

marfat.com

راہنمائی کیسی فرماتی کہ وہ اوندھا ہو کر اور حرکت کر کے اس تنگ جگہ سے نکلتا ہے اور سوراخ ڈھونڈتا ہے گویا کہ وہ جس چیز کا محتاج ہے اس کی سمجھ اور بصیرت رکھتا ہے پھر باہر نکلنے کے بعد جب غذا کا محتاج ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے کس طرح اسے چھاتی کو منہ میں لینے کا راستہ بتایا ہے۔

پھر جب اس کا جسم نرم ہے اور وہ سخت غذائیں برداشت نہیں کر سکتا تو کس طرح اس کے لیے نرم دودھ کا انتظام فرمایا اور اس دودھ کو خالص اور گلے سے اترنے والا بنا کر خون اور گوبر کے درمیان میں سے نکالا کس طرح عورت کے پستان بنائے اور ان میں دودھ کو جمع کر دیا اور ان پستانوں کے کنارے ایسے بنا دیئے کہ بچے کے منہ میں آجائیں پھر پستان کے اس سرے میں نہایت تنگ سوراخ رکھا کہ جب بچہ اسے چوستا ہے تو اس سے دودھ آہستہ آہستہ نکلتا ہے کیوں کہ تھوڑے دودھ کا ہی متحمل ہو سکتا ہے اور جب اسے زیادہ بھوک ہو تو کس طرح وہ اس تنگ جگہ سے زیادہ دودھ کھینچ لیتا ہے۔

پھر رحمتِ خداوندی کو دیکھو اس کی شفقت اور مہربانی یہ ہے کہ دو سال تک دانت پیدا نہیں فرماتا کیوں کہ بچہ دو سال صرف دودھ سے غذا حاصل کرتا ہے لہٰذا اسے دانتوں کی ضرورت نہیں ہوتی اور جب بڑا ہو جاتا ہے اور اب ہلکی پھلکی غذا اس کے موافق نہیں ہوتی اور اسے سخت غذا کی ضرورت ہوتی ہے اور اب کھانا چبانا پڑتا ہے تو اس کے لیے دانت پیدا کر دیئے کہ اب اسے ان کی ضرورت ہے پہلے نہ تھی۔

تو وہ ذات پاک ہے اس نے کس طرح نرم مسوڑھوں میں سخت ہڈیاں (دانت) پیدا فرمائیں۔

پھر والدین کے دلوں میں اس کے لیے شفقت ڈالی کہ جس وقت وہ خود اپنا انتظام نہیں کر سکتا وہ اس کے لیے اہتمام اور تدبیر کرتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رحمت نہ ڈالتا تو بچہ اپنے لیے انتظام کے سلسلے میں تمام مخلوق سے زیادہ عاجز ہوتا۔

پھر دیکھئے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے طاقت، سمجھداری عقل اور ہدایت تدریجاً عطا فرمائی یہاں تک اسے کامل کر دیا اور وہ بالغ ہو گیا پہلے بلوغ کے قریب تھا پھر جوان ہوا اس کے بعد ادھیڑ عمر کو پہنچا اور پھر بوڑھا ہو گیا، اب یا تو وہ شکر ادا کرنے والا ہوتا ہے یا انکار کرنے والا، عبادت گزار ہوتا ہے یا نافرماں، مومن ہوتا ہے یا کافر، جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اِنَّا هَدَيْنٰهُ

کیا انسان پر کوئی ایسا زمانہ نہیں آیا جب اس کا ذکر نہیں تھا بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا فرمایا تاکہ ہم اسے آزمائیں تو ہم نے اسے سننے دیکھنے والا بنایا بے شک ہم نے اسے راستہ دکھایا اب چاہے

marfat.com

السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ (۱) وہ شکر گزار بنے یا احسان فراموش ہو۔

تو اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کو دیکھو پھر اس کی قدرت اور حکمت میں غور کرو تم اس کے ربانی عجائب سے حیران رہ جاؤ گے۔

اس آدمی پر بہت تعجب ہے جو کسی دیوار پر ایک اچھا خط یا نقش دیکھتا ہے اور اسے پسند کرتا ہے اور لوہے کی لکیریں کھینچنے والے اور نقاش کے بارے میں غور و فکر کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے کہ اس نے کس طرح یہ نقش بنایا یہ لکیریں کیسے کھینچیں اور اسے یہ قدرت کیسے حاصل ہوئی اسے دل ہی دل میں بہت بڑا سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ شخص کتنا بڑا ماہر فن ہے اس کی کاریگری اور قدرت بہت کامل اور اچھی ہے پھر ان ہی عجائب کو اپنے اندر اور دوسرے لوگوں میں دیکھتا ہے لیکن اس کے باوجود اپنے بنانے والے اور مصوّر سے غافل رہتا ہے اس کی عظمت اسے مدہوش نہیں کرتی اور نہ ہی اس کے جلال اور حکمت سے وہ حیران ہوتا ہے۔

تو یہ تمہارے بدن کے کچھ عجائب کا ذکر تھا ان تمام کو شمار کرنا ممکن نہیں اور یہ تمہارے فکر کا قریب ترین میدان ہے اور تمہارے خالق کی عظمت پر سب سے واضح گواہ ہے لیکن تم اس سے غافل ہو کر اپنے پیٹ اور شرمگاہ میں مشغول ہو تم اپنے نفس کے بارے میں اسی قدر جانتے ہو کہ تمہیں بھوک لگے تو کھانا کھا لو اور سیر ہو کر سو جاؤ اور نفسانی خواہش پیدا ہو تو جماع کر لو، اور غصہ آئے تو لڑو حالاں کہ اس بات کو جاننے میں تو تمام جانور تمہارے ساتھ شریک ہیں انسان کی خاصیت جو جانوروں سے پردے میں ہے وہ یہ ہے کہ آسمانوں و زمین کی بادشاہیوں اور آفاق اور اپنے نفسوں کے عجائبات میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرو اسی عمل سے انسان مقربین فرشتوں کی جماعت میں داخل ہوتا ہے اور انبیاء و صدیقین کی جماعت میں اٹھنے کی وجہ سے بارگاہ خداوندی کا قرب حاصل کرتا ہے یہ مقام جانوروں کو حاصل نہیں ہے اور نہ ہی ان انسانوں کو یہ مقام ملتا ہے جو دنیا سے صرف جانوروں والی شہوات پر راضی ہو گئے کیوں کہ ایسا انسان تو جانوروں سے بہت زیادہ برا ہے کیوں کہ جانوروں کو تو اس (غور و فکر) کی طاقت ہی نہیں ہے لیکن اس میں تو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت پیدا فرمائی پھر اس نے خود اسے معطل کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کر رہا ہے پس ایسے لوگ جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔

جب تم نے اپنے نفس میں غور و فکر کا طریقہ معلوم کر لیا تو اب زمین میں غور و فکر کرو جو تمہارا ٹھکانہ ہے پھر اس کی نہروں، دریاؤں، پہاڑوں اور کانوں (معدنیات کی جگہ) کے بارے میں سوچو پھر اس سے آسمانوں کے اسرار کی طرف ترقی کرو اور غور و فکر کرو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الدھر آیت ۱، ۲، ۳

marfat.com

زمین میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرما کر بچھونا بنایا اور اس میں راستے اور سڑکیں بنائیں زمین کو نرم رکھا تاکہ تم اس کے اطراف میں چلو اور اسے ساکن کیا وہ حرکت نہیں کرتی اس میں پہاڑوں کو کیل بنا کر ٹھہرایا جو اسے حرکت سے روکتے ہیں پھر اس کے اطراف و جوانب کو اتنا وسیع بنایا کہ انسان اس کے تمام کناروں تک پہنچنے سے عاجز ہیں اگرچہ ان کو بہت زیادہ عمر حاصل ہو اور وہ بہت زیادہ چکر لگائیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ وَالْاَرْضِ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ۔ (۱)

اور ہم نے آسمان کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور ہم اسے وسیع کرنے والے ہیں اور ہم نے زمین کو بچھایا تو ہم کیا اچھا بچھونا بچھاتے ہیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا۔ (۲)

وہی ذات ہے جس نے زمین کو نرم بنایا پس اس کے اطراف میں چلو۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا۔ (۳)

وہی ذات ہے جس نے زمین کو فرش بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں زمین کا ذکر بہت زیادہ کیا ہے تاکہ اس کے عجائب میں غور و فکر کیا جائے اس کی پشت زندہ لوگوں کا ٹھکانہ اور اس کا اندرونی حصہ فوت شدہ لوگوں کے لیے قبر ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَاءً وَّاَمْوَاتًا۔ (۴)

کیا ہم نے زمین کو زندہ اور فوت شدہ سب کے لیے لپیٹنے والی نہیں بنایا۔

زمین کی طرف دیکھو وہ مردہ (ویران) ہوتی ہے جب اس پر بارش نازل ہوتی ہے تو تازہ ہو کر ابھرتی ہے سرسبز ہو جاتی ہے اور عجیب و غریب سبزیاں نکالتی ہے اور اس سے طرح طرح کے حیوانات باہر نکلتے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الذاریات آیت ۴۷، ۴۸

(۲) قرآن مجید، سورۃ ملک آیت ۱۵

(۳) قرآن مجید، سورۃ بقرہ آیت ۲۲

(۴) قرآن مجید، سورۃ المرسلات آیت ۲۵

marfat.com

پھر دیکھو کہ کس طرح زمین کے کناروں کو مضبوط اور خاموش پہاڑوں کے ساتھ مضبوط کیا اور کس طرح اس (زمین) کے
پانی رکھا جس سے چشمے پھوٹ پڑے اور اس کے اوپر نہریں جاری کیں اور خشک پتھر اور میلی مٹی سے باریک میٹھا
ت پانی نکالا اور اس سے ہر چیز کو زندگی عطا فرمائی اس کے ذریعے طرح طرح کے درخت اور سبزیاں پیدا
مثلاً غلہ، انگور، بانس، زیتون، کھجور، انار اور بے شمار پھل پیدا فرمائے جن کی شکلیں، رنگ، ذائقے، صفات اور
ہا بالکل مختلف ہیں کھانے کے اعتبار سے وہ ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں حالاں کہ ان کو ایک ہی پانی سے
ب کیا جاتا ہے اور وہ ایک ہی زمین سے نکلتے ہیں۔

اگر تم کہو کہ ان کا اختلاف ان کے بیجوں اور اصل کے اختلاف کی بنیاد پر ہے تو ہم کہیں گے گٹھلی میں تر خوشے کہاں
ہوتے تھے اور دانے میں سات بالیں اور ہر بالی میں ایک سو دانے کہاں تھے؟

پھر جنگلوں کو دیکھو اور ان کے ظاہر و باطن پر غور کرو تم دیکھو گے کہ اس کی مٹی ایک جیسی ہے لیکن جب اس پر بارش
پڑتا ہے تو وہ حرکت کرتی اور بڑھتی ہے اور مختلف رنگوں کے جوڑے اگاتی ہے ایسی سبزیاں جو بظاہر ایک
ہیں لیکن ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں کیوں کہ ہر ایک کا ذائقہ بُو، اور رنگ الگ الگ ہے اور پھر ایک دوسرے
شکلیں بھی مختلف ہوتی ہیں ان کی کثرت اور اقسام کے اختلاف اور متعدد صورتوں کو دیکھو پھر سبزیوں کی طبیعتوں
مختلف اور منافع کی کثرت پر غور کرو کس طرح اللہ تعالیٰ نے جڑی بوٹیوں سے علاج کرنے والوں کو عجیب منافع
ا فرمائے ہیں کوئی سبزی غذا بنتی ہے کوئی قوت دیتی ہے کوئی زندگی بخشتی ہے اور کوئی ہلاکت کا باعث ہے کوئی سرد
تو کوئی گرم ——— کوئی معدے میں جاکر صفرا کو رگوں کے اندر سے دور کر دیتی ہے اور کوئی خود صفرا بن جاتی ہے کوئی بوٹی
ی بلغم اور سوداء کا قلع قمع کرتی ہے اور کوئی بوٹی ان دونوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے کوئی بوٹی خون کو صاف کرتی ہے
ی خود ہی خون بن جاتی ہے کوئی طبیعت کو ہشاش بشاش رکھتی ہے تو کوئی خواب آور ہے کوئی قوت بخش ہوتی ہے تو
لمزوری کا سبب بنتی ہے تو زمین سے جو پتہ اور تنکا بھی اُگتا ہے انسان اس کی حقیقت پر آگاہی حاصل نہیں کر سکتا
ن سبزیوں میں سے ہر ایک کو کاشتکار کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ مختلف کاموں کے ذریعے ان کو بڑھاتا ہے کھجور میں
لگایا جاتا ہے تو انگور کو چھانٹا جاتا ہے کھیتی سے گھاس اور جھاڑیوں کو دور کیا جاتا ہے۔

ان میں سے بعض زمین میں بیج ڈالنے سے پیدا ہوتی ہیں اور بعض ٹہنیاں گاڑنے سے، جب کہ بعض کی قلمیں لگاتے
۔اگر ہم سبزیوں کی مختلف جنسوں، اقسام، منافع اور احوال و عجائب کا ذکر شروع کریں تو اس کے بیان میں کئی دن لگ
ں لہٰذا تمہیں غور و فکر کے طریقے پر ہر جنس سے تھوڑا سا کافی ہے تو یہ سبزیوں اور اُگنے والی چیزوں کے عجائب ہیں۔

زمین کی نشانیوں میں سے ایک نشانی وہ جواہر ہیں جو پہاڑوں کے نیچے رکھے گئے ہیں اور وہ معدنیات ہیں جو زمین سے
مل ہوتی ہیں تو زمین میں مختلف قسم کے ٹکڑے باہم ملے ہوئے ہیں تو پہاڑوں کو دیکھو کس طرح ان سے سونے چاندی، فیروز

marfat.com

اور لعل وغیرہ کے نفیس جواہر نکلتے ہیں ان میں سے بعض کو ہتھوڑوں سے کوٹا جاتا ہے جیسے سونا، چاندی، تانبا، پیتل اور لوہا اور بعض کو کوٹا نہیں جاتا جیسے فیروزہ اور لعل (موتی) وغیرہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح انسان کو ان کے نکالنے اور صاف کرنے کی راہ دکھائی ہے اور پھر وہ ان سے برتن، اوزار، سکے اور زیورات بناتے ہیں۔

پھر زمین کی معدنیات میں سے لال، گندھک اور قیر وغیرہ کو دیکھو اور سب سے ادنیٰ نمک ہے اور اس کی ضرورت کھانے کو اچھا بنانے کے لیے ہوتی ہے اگر کسی شہر میں نمک نہ ہو تو وہاں کے لوگ جلد مرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کو دیکھو کس طرح زمین کے بعض حصے کو شور والا بنایا کہ اس میں بارش کا صاف پانی اکٹھا ہوتا ہے تو وہ نمکین ہو جاتا ہے اور یہ نمک جلانے والا ہے وہ کھانے کے ساتھ ملا کر کھاتے ہیں تو فائدہ دیتا اور خوشگوار ہوتا ہے تنہا نمک تھوڑا سا بھی کھانا ممکن نہیں۔

کوئی جماد، حیوان اور سبزی ایسی نہیں ہے جس میں کوئی ایک حکمت یا زیادہ حکمتیں نہ ہوں اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو بیکار اور کھیل کود کے لیے نہیں بنائی بلکہ جس طرح چاہیے تھی اور جس طرح اس کے جلال اکرم اور لطف کا تقاضا تھا اسی طرح بنائی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ۔

اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کو کھیل تماشہ نہیں بنایا بلکہ ہم نے ان کو ٹھیک مقاصد کے تحت بنایا۔ (۱)

زمین میں تیسری نشانی حیوانات ہیں جن کی کئی اقسام ہیں ان میں سے بعض اڑتے ہیں اور بعض چلتے ہیں پھر چلنے والوں میں سے کچھ دو پاؤں کے ساتھ چلتے ہیں اور کچھ چار پاؤں پر چلتے ہیں بلکہ بعض دس اور بعض سو پاؤں پر چلتے ہیں جیسا کہ بعض کیڑے مکوڑے دیکھے جاتے ہیں پھر منافع، صورتوں، اشکال، اخلاق، اور طبیعتوں کے اعتبار سے ان کی تقسیم ہوتی ہے۔

پھر فضا میں اڑنے والے پرندوں جنگل کے وحشی اور گھریلو جانوروں کو دیکھو اور ان میں عجائب کو دیکھ کر تم ان کے خالق کی عظمت اس کو مقدار دینے والے کی قدرت اور مصور کی حکمت میں شک نہیں کر سکتے ان سب کا احاطہ کرنا ممکن نہیں بلکہ اگر ہم مچھر چیونٹی، شہد کی مکھی یا مکڑی کے عجائب ذکر کریں حالاں کہ یہ چھوٹے حیوانات ہیں یہ اپنا گھر کس طرح بناتے ہیں اپنی غذا کس طرح جمع کرتے ہیں اپنے جوڑے سے الفت کیسے کرتے ہیں اور یہ کہ اپنے گھر کی تعمیرات میں ماہر ہوتے ہیں اور اپنی ضرورتوں تک پہنچنے کی مہارت رکھتے ہیں تو ہم ان سب باتوں کو معلوم نہیں کر سکتے۔

مثلاً مکڑی کو دیکھیں اپنا گھر نہر کے کنارے بناتی ہے پہلے ایسی دو جگہیں تلاش کرتی ہے جو ایک دوسرے کے قریب ہوں اور ان کے درمیان ایک گز یا اس کم فاصلہ ہو کہ وہ دونوں طرف اپنا دھاگہ پہنچا سکے پھر وہ اپنا لعاب جو دھاگہ ہوتا ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الدخان آیت ۳۸، ۳۹

marfat.com

ب کنارے پر ڈالتی ہے تاکہ وہ اس سے چمٹ جائے پھر وہ دوسری طرف جاکر اس دھاگے کو اس طرف چپکا دیتی ہے پھر
مری، تیسری بلکہ کئی بار اسی طرح کرتی ہے ان دونوں کے درمیان ایک مناسب فاصلہ رکھتی ہے یہاں تک کہ جب ان دھاگوں
ے دونوں سرے مضبوط ہو جاتے ہیں اور ان کو تانے کی شکل حاصل ہو جاتی ہے تو اب بانا بنانے میں مشغول ہوتی ہے
ر تانے پر بانا ڈالتی ہے اور ان دونوں کو آپس میں ملاتے ہوئے جہاں جہاں تانے اور بانے کا دھاگہ ملتا ہے وہاں گرہ لگا دیتی
ہے اور ان تمام صورتوں میں اس کے موزوں ہونے اور فنِ تعمیر کا خیال رکھتی ہے اور اسے پھر اور مکھی کے لیے جال بناتی
ہے پھر ایک کنارے میں بیٹھ کر انتظار کرتی ہے تاکہ شکار جال میں پھنسے جب وہ جال میں پھنستا ہے تو جلدی جلدی اسے
ر کھاتی ہے اور جب شکار سے تھک جائے تو دیوار کا کوئی کونا تلاش کر کے وہاں دونوں طرف دھاگہ لگا کر درمیان
، ایک دھاگے کے ساتھ لٹک جاتی ہے اور اڑنے والی مکھی کا انتظار کرتی ہے جب مکھی اڑتی ہوئی آتی ہے تو
اپنے آپ کو اس کی طرف پھینکتے ہوئے اسے پکڑ لیتی ہے اور اپنے دھاگے کو پاؤں پر لپیٹ کر اسے مضبوط کر لیتی
ہے اور اس مکھی کو کھا جاتی ہے۔

ہر چھوٹے اور بڑے حیوان میں اس قدر عجائب ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا کیا تم نہیں سوچتے کہ کیا مکڑی نے
ریقہ سیکھا یا خود بخود اسے آگیا یا کسی انسان نے اسے بتایا اور سکھایا یا اس کا کوئی راہنما اور استاذ نہیں ہے؟
سی صاحبِ بصیرت کو شک ہو گا کہ یہ مکڑی ایک مسکین، ضعیف اور عاجز ہے بلکہ اونٹ جس کا جسم بڑا ہے اور اس کی
ت ظاہر ہے اپنے معاملات سے عاجز ہے تو یہ اس کمزور حیوان کا معاملہ کیسا ہو گا؟

کیا وہ اپنی شکل وصورت، حرکت، ہدایت اور عجیب کاموں کی وجہ سے اپنے پیدا کرنے والے حکیم اور قادر و علیم خالق
راہ نہیں ہے تو صاحبِ بصیرت آدمی اس چھوٹے سے حیوان میں تدبر کرنے والے خالق کی عظمت، جلال اور قدرت و
ت کا کمال دیکھتا ہے جس میں عقلیں حیران رہ جاتی ہیں باقی حیوانات کا تو ذکر ہی کیا۔

اس باب میں بھی کوئی حد بندی نہیں ہو سکتی کیوں کہ حیوانات ان کی شکلیں عادات اور طبیعتیں شمار سے باہر ہیں دلوں
تعجب اس لیے نہیں ہوتا کہ زیادہ مشاہدے کی وجہ سے آدمی ان سے مانوس ہو گیا ہے ہاں جب کسی عجیب جانور یا
یڑے کو دیکھتا ہے تو اسے تعجب ہوتا ہے اور کہتا ہے سبحان اللہ! یہ کیا عجیب ہے۔

اور انسان تمام حیوانات سے زیادہ تعجب خیز ہے لیکن وہ اپنے نفس پر تعجب نہیں کرتا بلکہ اگر وہ ان جانوروں کو دیکھے جن
ے وہ مانوس ہے اور ان کی شکل وصورت کی طرف نظر دوڑائے پھر ان کے چمڑوں، اون اور بالوں سے حاصل ہونے والے
افع اور فوائد کو دیکھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کا لباس بنایا ہے اور ان کے سفر و حضر کے گھر، اور کھانے پینے کے
ن بنائے ان کے دودھ اور گوشت کو ان کی غذا بنایا پھر ان میں سے بعض کو سواری کے لیے زینت بنایا اور بعض کو بوجھ
ٹھانے والے بنایا جو وادیوں اور جنگلوں کے طویل فاصلے طے کرتے ہیں تو دیکھنے والے کو ان کے خالق اور مصور کی حکمت پر

marfat.com

بہت تعجب ہو کیوں کہ اس نے ان کو ان کے تمام منافع کے علم کا احاطہ کرتے ہوئے پیدا فرمایا اور یہ علم ان کی پیدائش سے بھی پہلے تھا تو وہ ذات پاک ہے جس کے سامنے تمام امور کسی غور و فکر کے بغیر واضح ہیں اور اسے کسی تدبر اور سوچ کی حاجت نہیں وہ کسی وزیر اور مشیر سے مدد لینے کا محتاج نہیں ہے وہ جاننے والا خبر رکھنے والا، حکمت اور قدرت والا ہے اس نے ایک چھوٹی سی چیز کے ذریعے عارفین کے دلوں میں اپنی توحید کی سچی شہادت رکھ دی مخلوق کا کام یہ ہے کہ اس کے قہر و قدرت کا یقین کریں اس کی ربوبیت کا اعتراف کریں اور اس کے جلال و عظمت کی معرفت سے اپنی عاجزی کا اقرار کریں۔

کون ہے جو اس کی کما حقہ تعریف کر سکے جیسا کہ وہ خود اپنی ثنا بیان فرماتا ہے ہماری معرفت کی انتہا تو یہ ہے کہ اس کی معرفت سے عاجزی کا اعتراف کریں ہم بارگاہ خداوندی میں سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنی رحمت اور مہربانی سے ہمیں اپنا لاستہ

اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی گہرے سمندر ہیں جنہوں نے زمین کے کناروں کو گھیر رکھا ہے اور یہ سب اس براعظم کے ٹکڑے ہیں جو تمام زمین کے گرد ہے حتی کہ پانی میں سے جو جنگل اور پہاڑ کھلے ہوئے ہیں وہ پانی کی نسبت اس طرح ہیں جیسے بہت بڑے سمندر میں ایک چھوٹا سا جزیرہ ہو۔ اور باقی تمام زمین پانی کے ساتھ ڈھانپی ہوئی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْاَرْضُ فِی الْبَحْرِ کَالْاِصْطَبْلِ فِی الْاَرْضِ۔ (۱)

سمندر میں زمین اس طرح ہے جیسے زمین میں ایک اصطبل ہو۔

تو ایک اصطبل کی تمام زمین کی طرف نسبت کر کے اندازہ لگا لو کر تمام زمین کی سمندر کی طرف اضافت کی یہی صورت ہے تم نے زمین اور جو کچھ اس کے اندر ہے، کے عجائب کا مشاہدہ کیا اب سمندر کے عجائب میں غور کرو۔ اس میں حیوانات اور جواہر کے حوالے سے جو عجائب ہیں وہ زمین پر مشاہدہ کئے جانے والے عجائب سے دوگنا ہیں۔ جس طرح سمندر کی وسعت زمین کی وسعت سے کہیں زیادہ ہے۔

سمندر کے بڑا ہونے کی وجہ سے اس میں حیوانات بھی بہت بڑے بڑے ہیں اگر تم ان کو سمندر کی سطح پر دیکھو تو یوں خیال کرو کہ شاید کوئی جزیرہ ہے اور تم وہاں اپنی سواری اتار دو۔

بعض اوقات آگ جلانے نے اس بات کا احساس ہوا کہ جب آگ جلی تو اس نے حرکت کی اور معلوم ہوا کہ یہ تو کوئی جانور ہے زمین میں جتنی قسم کی جاندار چیزیں ہیں مثلاً گھوڑا، پرندے، گائے انسان وغیرہ تو سمندر میں اس کی مثل بلکہ ان سے بھی دوگنا جاندار ہیں اور اس میں ایسی جنس کی چیزیں ہیں جن کی مثال خشکی میں نہیں پائی جاتی ان کے اوصاف ان کتابوں

---

(۱) تذکرۃ الموضوعات ص ۱۴۱ باب اوصاف المتشابہۃ

marfat.com

مذکور ہیں جو بعض لوگوں نے سمندر کا سفر اور اس کے عجائب کے عنوان سے جمع کی ہیں۔
پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح موتی پیدا کئے اور پانی کے نیچے سیپی میں ان کو گول شکل دی اور دیکھو کہ کس طرح
کے نیچے ٹھوس پتھر میں سے مرجان کو نکالا حالاں کہ وہ درخت کی صورت میں اگنے والی چیز ہے لیکن وہ پتھر سے اُگتی ہے۔
پھر اس کے علاوہ عنبر اور دوسری نفیس چیزوں کو دیکھو جن کو سمندر باہر پھینکتا ہے اور اس سے ان کو نکالا جاتا ہے
یتوں کے عجائب کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کو پانی کے اوپر ٹھہرا دیا اور ان میں تاجروں اور دوسرے طالبانِ
ر چلایا ان لوگوں کے لیے کشتیوں کو مسخر کیا تاکہ وہ اپنا سامان ان میں رکھیں پھر ہواؤں کو بھیجا تاکہ وہ کشتیوں کو
ں علاوہ ازیں ماحول کو ہواؤں کے چلنے کا رُخ اور ان کے چلنے کی جگہ اور وقت بتا دیا۔

سمندر میں صنعتِ خداوندی کے جو عجائبات ہیں کئی جلدوں میں بھی ان کا احاطہ نہیں ہو سکتا اور ان سب میں سے
، سے زیادہ ظاہر پانی کے قطرے کی کیفیت ہے کہ وہ ایک پتلا، لطیف بہنے والا جسم ہے اور صاف شفاف بھی ہے
کے اجزا ایک دوسرے سے اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ گویا ایک ہی چیز ہے اس کی ترکیب نہایت لطیف ہے
جدا ہونے کو جلدی قبول کرتی ہے گویا وہ جدا ہی ہے اس میں تصرف کیا جا سکتا ہے انفصال اور اتصال دونوں
ل کرتا ہے زمین پر جتنی بھی جاندار اور اُگنے والی چیزیں ہیں ان سب کو اس کے ذریعے زندگی ملتی ہے۔
اگر کوئی شخص ایک گھونٹ پانی پینے کا محتاج ہو اور اس کو اس سے روک دیا جائے تو اگر اس سے ہو سکتا تو وہ زمین
تمام خزانے اور زمین کی تمام دولت اس کے حصول پر خرچ کر دیتا۔ پھر اگر وہ اس کو پی لے اور اسے نکالنے سے روک
جائے (پیشاب سے منع کر دیا جائے) تو اس کے نکالنے کے لیے وہ زمین کے تمام خزانے خرچ کر دیتا۔
تو انسان پر تعجب ہے کہ وہ کس طرح دینار، درہم اور عمدہ جواہرات کو عظیم سمجھتا ہے اور پانی کی ایک گھونٹ جو اللہ تعالیٰ
مت ہے سے غافل ہے کہ جب وہ اس کا محتاج ہوتا ہے یا اس سے فراغت حاصل کرنا چاہتا ہے تو دنیا کا تمام
اس پر خرچ کرنا چاہتا ہے تو پانی، دریاؤں، کنوؤں اور سمندروں کے بارے میں غور کرو اور سوچو ان میں غور و فکر
یدان بہت وسیع ہے۔

یہ تمام ایک دوسرے کی معاون نشانیاں اور علامات متفقہ ہیں یہ زبانِ حال سے بولتی ہیں اور اپنے پیدا کرنے
ے کے جلال کو فصاحت کے ساتھ بیان کرتی ہیں اس کی حکمت کے کمال کو ظاہر کرتی ہیں اور اہل دل کو اپنے نعمات
ے ذریعے پکارتی ہیں اور ہر عقلمند سے کہتی ہیں کہ کیا تم نے مجھے اور میری صورت کو نہیں دیکھا میری ترکیب، میری صفات
ے منافع اور میرے حالات کے اختلاف کو نہیں دیکھا۔ اور کیا میرے فوائد کی کثرت تمہاری نگاہوں میں نہیں آئی۔
تمہارا کیا خیال ہے کہ میں خود بخود بن گئی، یا میری جنس کی کسی دوسری چیز نے مجھے پیدا کیا ہے کیا تمہیں حیا نہیں آتا
جب تم کسی لکھے ہوئے کلمہ کو دیکھتے ہو جو تین حرفوں پر مشتمل ہوتا ہے تو تم یقین کر لیتے ہو کہ یہ کسی ایسے آدمی کی کاریگری ہے

جو عالم، قادر ہے ارادہ کرنے والا اور کلام کرنے والا ہے پھر تم اللہ تعالیٰ کے نوشتہ کے عجائب کو دیکھتے ہو جو میرے چہرے پر اللہ تعالیٰ کے ایسے قلم کے ساتھ لکھا ہوا ہے جس قلم اور اس کی حرکت اور محلِ خط کے ساتھ اس کے اتصال کا ادراک آنکھوں کو نہیں ہو سکتا پھر اس کے بنانے والے کی حالات سے تمہارا دل الگ رہتا ہے۔

اور نطفہ کان اور دل والوں سے کہتا ہے ان لوگوں سے نہیں جو کان سے معزول ہیں کہ تم مجھے حیض میں اندر کے پردوں میں وہم کر کے اس وقت جب میرے چہرے پر نقش اور تصویر ظاہر ہوتی ہے اور نقاش میری آنکھوں کی پتلی، پلکیں رخسار اور ہونٹ بناتا ہے تو تم صرف ان نقوش کو دیکھتے ہو جو تدریجاً ایک ایک کر کے ظاہر ہوتے ہیں لیکن تم اس نطفہ کے اندر اور باہر نقاش کو نہیں دیکھتے نہ وہ رحم کے اندر نظر آتا ہے اور نہ ہی اس سے باہر، نہ ماں کو اس کی خبر ہوتی ہے نہ باپ کو، نہ نطفہ کو اور نہ ہی رحم کو اس کا علم ہوتا ہے تو کیا یہ نقاش اس نقاش سے زیادہ تعجب خیز نہیں ہے جس کو تم دیکھتے ہو کہ وہ قلم سے عجیب صورت بناتا ہے اگر تم اسے ایک دو بار دیکھو تو سیکھ لیتے ہو لیکن کیا نقش اور تصویر کی یہ جنس جو نطفے کے ظاہر و باطن اور تمام اجزاء کو شامل ہے، اسے سیکھ سکتے ہو؟ اور نطفے کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ اور نہ ہی اس کے اندر باہر سے اس کے ساتھ اتصال ہو اور نقش بنا دو۔

اگر ان عجائب پر تمہیں تعجب نہیں ہوتا اور ان کے ذریعے تمہیں یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ جس ذات نے صورت اور نقش بنایا اور اسے ایک اندازے پر رکھا اس کی مثل کوئی نہیں اور نہ ہی کوئی نقاش اور مصور اس کے برابر ہو سکتا ہے جس طرح اس کے نقش اور بناوٹ کے برابر کوئی نقش اور بناوٹ نہیں ہو سکتی تو جس طرح ان دو عملوں کے درمیان واضح فرق اور دوری ہے اسی طرح دونوں فاعلوں کے درمیان بھی فرق ہے اگر تجھے اس پر تعجب نہیں ہوتا تو اپنے تعجب نہ کرنے پر تجھے تعجب ہونا چاہیے کیوں کہ یہ بات تو زیادہ تعجب خیز ہے کہ اس واضح بات کے باوجود جس چیز نے تیری بصیرت کو اندھا کر دیا ہے وہ اس لائق ہے کہ تجھے اس پر تعجب ہو۔

تو وہ ذات پاک ہے جس نے ہدایت بھی دی اور گمراہ بھی کیا بدبخت بھی بنایا اور نیک بخت بھی، اپنے دوستوں کی آنکھوں کو کھولا تو انہوں نے تمام جہان کے ذرات اور اجزاء میں مشاہدہ کیا اور اپنے دشمنوں کے دلوں کو اندھا کر دیا اور اپنی عزت و عظمت کو ان سے مخفی رکھا وہ پیدا کرنے والا ہے، امر، احسان، فضل، لطف اور قہر کا مالک وہی ہے اس کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور اس فیصلے کو کوئی پھیر نہیں سکتا۔

اس کی نشانیوں میں سے ایک ہوا ہے جو نہایت لطیف ہے اور آسمان کی گہرائی اور زمین کی اٹھان کے درمیان بند ہے جب وہ چلتی ہے تو جسم کو چھوتی ہے لیکن اسے دیکھ نہیں سکتے اور یہ ایک دریا کی مثل ہے پرندے فضا میں اڑتے ہیں اور اس میں اپنے پروں کے ساتھ تیرتے ہیں جس طرح سمندر کے حیوانات پانی میں تیرتے ہیں اور جس طرح تیز ہوا کے وقت سمندر میں موجیں اٹھتی ہیں اسی طرح آندھی چلتی ہے تو اس ہوا کی لہریں بھی اٹھتی ہیں جب اللہ تعالیٰ ہوا کو حرکت

ے کراسے تیز خوفناک بنادیتا ہے پس اگر چاہے تو اسے بارش سے پہلے خوشخبری بنا دے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ۔ (۱) اور ہم نے بارش لانے والی ہوائیں بھیجیں۔

اسی صورت میں ہوا میں اس کی روح حیوانات اور سبزیوں سے مل جاتی ہے اور ان کو بڑھنے کے لیے تیار کر ن ہے۔

اور اگر وہ چاہے تو اسے اپنی مخلوق میں سے نافرمان لوگوں کے لیے عذاب بنا دیتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے

اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ (۱)

ہم نے ان پر تُند و تیز آندھی بھیجی ایک دائمی نحوست کے دن وہ لوگوں کو اکھاڑ کر پھینک دیتی ہے گویا وہ اُکھڑی ہوئی کھجور کے سُوکھے تنے ہیں۔

پھر ہوا کی نزاکت اور اس کے بعد اس کی شدت اور قوت کو دیکھو کہ بعض اوقات پانی پر غالب آجاتی ہے اگر کسی شیکنے ہوا ہو پھر کوئی مضبوط آدمی اس پر سوار ہو جائے کہ اسے پانی میں ڈبو دے تو وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ اور اگر سخت لوہے کو پر رکھیں تو وہ اس کے اندر چلا جاتا ہے تو دیکھو کس طرح ہوا باوجود اس کے لطیف ہونے کے اپنی طاقت کی وجہ سے رک جاتی ہے اسی حکمت کے تحت اللہ تعالیٰ کشتیوں کو پانی کے اوپر روکتا ہے اسی طرح ہر وہ چیز جو اندر سے ہوا اور اس میں ہوا ہو وہ پانی میں نہیں ڈوبتی کیوں کہ اس کے اندر کی ہوا اسے پانی میں ڈوبنے سے روکتی ہے اور شتی کی اندر والی سطح سے جدا نہیں ہوتی اور یوں باوجود بھاری ہونے کے کشتی لطیف ہوا میں معلق رہتی ہے حالانکہ مضبوط اور سخت بھی ہوتی ہے جس طرح کوئی شخص کنویں میں گرنے سے محفوظ ہے اسی طرح کشتی بھی اپنی خالی جگہ کے لیے مضبوط ہوا کے درمن کو پکڑ لیتی ہے حتیٰ کہ وہ ڈوبنے سے بچ جاتی ہے۔

تو وہ ذات پاک ہے جس نے ایک مرکب بھاری چیز کو لطیف اور نازک ہوا میں بغیر کسی بندھن کے ٹھہرایا نہ تو اس ی بندھن نظر آتا ہے رسانہ ہی کوئی گرہ باندھی جاتی ہے۔

پھر فضا کے عجائب اور اس میں جو بادل، کڑک، بجلی بارش، برف، ٹوٹنے والے ستارے اور گرج وغیرہ ان کو دیکھو یہ آسمان و زمین کے درمیان عجائب ہیں قرآن پاک نے ان سب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔ (۲)

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، کھیل تماشہ نہیں بنایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورہ حجر آیت ۲۲

(۲) قرآن مجید، سورۂ قمر آیت ۱۹، ۲۰ (۳) قرآن مجید، سورۂ الدخان آیت ۳۸

marfat.com

یہی فضا (مذکورہ بالا) زمین و آسمان کے درمیان ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر اس کی تفصیل کی طرف اشارہ فرما
ارشاد خداوندی ہے ۔

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۔(۱) اور بادل جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں ۔

اور دوسری آیات میں کڑک، بجلی، بادل اور بارش کا بھی ذکر فرمایا اگر تم ان سب چیزوں کو دیکھ نہیں سکتے تو بارش کو اپنی نگاہوں سے دیکھتے ہو کڑک اور گرج کو اپنے کانوں سے سنتے ہو اور اس معرفت میں جانور بھی تمہارے ساتھ شریک ہیں تو تمہیں جانوروں کی پستی سے عالم بالا کی طرف بلند ہونا چاہیئے یعنی جب تمہاری آنکھیں کھلی ہیں اور تم نے ان میں سے ظاہر کا ادراک کر لیا تو اپنی باطنی بصیرت اس کے باطنی عجائب اور اسرار کو دیکھو اور ظاہری آنکھ بند کر

یہ باب بھی ایسا ہے جس میں فکر بہت زیادہ ہے کیوں کہ اس کا شمار نہیں ہو سکتا تو اندھیرے اور کثیف بادلوں کو ہی دیکھ لو وہ صاف فضا میں جہاں کوئی آلودگی نہیں ہوتی، جمع ہوتے ہیں اور کس طرح اللہ تعالیٰ ان کو پیدا کرتا ہے جب چاہتا ہے وہ باوجود اپنی نرمی کے بھاری پانی کو اٹھاتے ہیں اور اسے فضا میں لیے پھرتا ہے یہاں تک کہ جب اللہ تعا اسے پانی چھوڑنے کی اجازت دیتا ہے اور پانی کے قطرے اس مقدار میں جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہوتی ہے اور جس شکل پر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے برساتا ہے تو دیکھو بادل زمین پر پانی کا چھڑکاؤ کرتا ہے اور قطرے چھوڑتا ہے جو ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں لیکن نہ تو ان میں کوئی امتیاز ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں ۔ بلکہ ہر قطرہ اس راستے اترتا ہے جو اس کے لیے مقرر ہے اس سے اِدھر اُدھر نہیں ہوتا پیچھے آنے والا قطرہ آگے اور آگے آنے والا قطرہ پیچھے نہیں ہوتا حتیٰ کہ زمین پر وہ ایک ایک قطرے کی صورت میں اترتے ہیں ۔

اگر پہلے اور پچھلے تمام لوگ ایک قطرہ پیدا کرنے یا ان قطروں کی تعداد معلوم کرنے پر جمع ہو جائیں جو ایک شہر یا ایک بستی میں اترتے ہیں تو تمام انسان اور جن اس حساب سے عاجز ہو جائیں ان کی تعداد کو وہی جانتا ہے جس نے ان کو پیدا کیا پھر ان میں سے ہر قطرہ زمین کی ایک ایک جزء کے لیے اور اسی طرح اس میں پائے جانے والے ہر حیوان کے لیے وہ پرندہ ہو، جنگلی جانور ہو، کیڑے مکوڑے ہوں یا جانور، سب لیے مقرر ہے ہر قطرے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھا ہوا کہ یہ فلاں کیڑے کے لیے ہے جو فلاں پہاڑ میں ہے اور یہ تحریر ظاہر آنکھ سے نظر نہیں آتی اور یہ قطرہ اسے اس وقت پہنچے گا جب وہ پیاسا ہو گا ۔

اس لطیف پانی سے سخت اولے اور برف جو روئی کے گالوں کی طرح بنتی ہے وہ الگ عجائبات ہیں اور یہ عجائبات شمار سے باہر ہیں ۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ البقرہ آیت ۱۶۴

marfat.com

یہ سب کچھ جبّار، قادر ذات کے فضل و کرم اور قاہر خالق کے قہر کا کرشمہ ہے اس کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ نہ شریک ہے اور نہ اس کا کوئی دخل ہے بلکہ اس کی مخلوق میں سے جو لوگ مومن ہیں وہ تو اس کے جلال اور عظمت کے سامنے جھکتے ہیں جب کہ منکر اندھے لوگ اس کی کیفیت سے جاہل ہیں اور اس کے سبب اور علت کے سلسلے میں تخمینے اور اندازے لگاتے رہتے ہیں۔

تو ایک جاہل اور مغرور شخص کہتا ہے کہ پانی اس لیے گرتا ہے کہ وہ طبعی طور پر ثقیل ہے یہی اس کے نزول کا سبب ہے اور اس کا خیال یہ ہے کہ یہ معرفت اس کے لیے منکشف ہوئی ہے اور وہ اس پر خوش ہوتا ہے اور اگر اس سے پوچھا جائے کہ طبعی کا کیا مفہوم ہے؟ اور طبیعت (فطرت) کو کس نے پیدا کیا؟ اور کس نے اس پانی کو پیدا کیا جس کی طبیعت میں بھاری پن ہے اور کس نے اس پانی کو جو درختوں کی جڑوں میں پہنچتا ہے، ٹہنیوں کے اوپر تک پہنچایا حالانکہ وہ ثقیل ہے؟ کس طرح یہ پانی نیچے تک اترا اور پھر درختوں کے اندر سے تھوڑا تھوڑا کر کے اوپر کی طرف جاتا ہے اور وہ کسی کو دکھائی بھی نہیں دیتا حتی کہ وہ پتوں کے کناروں تک پھیل جاتا ہے اور یوں ہر پتے کا ہر جزء خوراک حاصل کرتا ہے اور وہ ان رگوں کے ذریعے جاتا ہے جو بال کی طرح باریک ہیں اور پھر اس سے وہ رگ سیراب ہوتی ہے جو پتے کی اصل ہے پھر یہ پانی اس بڑی رگ سے جو پتے کی لمبائی میں پھیلی ہوئی ہے چھوٹی رگوں کی طرف چلتا ہے گویا وہ بڑی رگ ایک نہر ہے اور اس سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی ہیں پھر ان چھوٹی رگوں سے نالیاں نکلتی ہیں پھر ان سے مکڑی کے جال کے باریک دھاگوں کی طرح دھاگے نکلتے ہیں نگاہ کو ان کا ادراک نہیں ہو سکتا حتی کہ وہ پتے کی تمام چوڑائی میں پھیل جاتے ہیں اور پانی ان کے اندر پتے کے تمام اجزاء تک پہنچتا ہے تاکہ ان کو غذا مہیا کرے، بڑھائے اور زینت دے نیز ان کی تازگی اور رطوبت باقی رہے پھلوں کے تمام اجزاء کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔

اگر پانی اپنی فطرت کے مطابق نیچے کی طرف حرکت کرتا ہے تو اوپر کی طرف اس کی حرکت کس طرح ہوتی ہے اور اگر کسی جذب کرنے والے کے جذب کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے تو اس جاذب کو کس نے مسخر کیا اور اگر آخر کار معاملہ آسمانوں اور زمین کے خالق اور ملک و ملکوت کے جبار کی طرف لوٹتا ہے تو پہلے مرحلے میں اس کی طرف منسوب کیوں نہیں ہوتا تو جاہل کی انتہا عاقل کی ابتدا ہے۔

اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور ستارے ہیں اور اصل یہی ہیں تو جو شخص تمام باتوں کا ادراک کرے لیکن وہ آسمانوں کے عجائب سے بے خبر رہے تو حقیقت یہ ہے کہ وہ سب سے بے خبر رہا۔

تو زمین، سمندر، ہوا اور آسمانوں کے علاوہ باقی تمام اجسام آسمانوں کی نسبت اس طرح ہیں جیسے سمندر کا چھوٹا سا قطرہ ہوتا ہے پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آسمانوں اور ستاروں کے معاملے کو کس قدر عظیم قرار دیا۔

ہر سورت اس کی بڑائی پر مشتمل ہے اور قرآن پاک میں کتنے ہی مقامات پر ان کی قسم کھائی گئی ہے۔

marfat.com

جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ۔ (۱) اور بُرجوں والے آسمان کی قسم۔

اور فرمایا۔

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ۔ (۲) قسم ہے آسمان کی اور رات کو اترنے والے کی

نیز ارشاد فرمایا۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ۔ (۳) قسم ہے آسمان کی جس کے راستے ہیں

ارشاد ہوا۔

وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنٰهَا (۴) قسم ہے آسمان کی جس نے اُسے بنایا۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا۔ (۵) قسم ہے سُورج اور اس کی دھوپ کی اور چاند کی جب وہ اس (سورج) کے بعد آتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ۔ (۶) پھر میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے تاروں کی اور (قسم کھاتا ہوں) سیدھے چلنے والے رُکے رہنے والے تاروں کی

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى۔ (۷) قسم ہے اس (تابندہ) ستارے کی جب نیچے آئے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ البروج آیت ۱

(۲) قرآن مجید، سورۃ الطارق آیت ۱

(۳) قرآن مجید، سورۃ الذاریات آیت ۷

(۴) قرآن مجید، سورۃ والشمس آیت ۵

(۵) قرآن مجید، سورۃ والشمس آیت ۱، ۲

(۶) قرآن مجید، سورۃ التکویر آیت ۱۵

(۷) قرآن مجید، سورۃ النجم آیت ۱

marfat.com

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ۔ (۱)

پس میں قسم کھاتا ہوں ان جگہوں کی جہاں تارے ڈوبتے ہیں اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔

اور تم جانتے کہ ناپاک نطفے کے عجائبات کی معرفت سے پہلے اور پچھلے تمام لوگ عاجز ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم نہیں اٹھائی اور جن کی قسم اٹھائی ہے ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ نیز رزق کی نسبت ان کی طرف فرمائی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ۔ (۲)

اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا۔

اور اس سلسلے میں غور و فکر کرنے والوں کی یوں تعریف فرمائی۔

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (۳)

اور وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَيْلٌ لِمَنْ قَرَأَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ ثُمَّ مَسَحَ بِهَا سَبَلَتَهٗ (۴)

اس شخص کے لیے خرابی ہے جو اس آیت کو پڑھے پھر اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرے (یعنی غور و فکر کے بغیر آگے بڑھ جائے)

اور اس سے منہ پھیرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّهُمْ عَنْ اٰيَاتِهَا مُعْرِضُوْنَ۔ (۵)

اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا اور وہ لوگ ہماری آیات سے منہ پھیرتے ہیں۔

تو تمام سمندروں اور زمین کو آسمان سے کیا نسبت ہے اور یہ عنقریب بدلنے والے ہیں اور آسمان نہایت مضبوط اور سخت ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ الواقعہ آیت ۷۵، ۷۶

(۲) قرآن مجید، سورۂ الذاریات آیت ۲۲

(۳) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۹۱

(۴) تذکرۃ الموضوعات ص ۱۸ باب فضل القرآن

(۵) قرآن مجید، سورۂ انبیاء آیت ۳۲

marfat.com

جب تک اس کا وقت مقرر پورا نہیں ہوتا وہ تغیر و تبدل سے محفوظ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو محفوظ قرار دیا ہے۔
اور ارشاد فرمایا۔

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا۔ (۱) اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا۔ (۲) اور ہم نے تمہارے اوپر سات سخت (آسمان) بنائے۔

اور یہ بھی ارشاد فرمایا۔

أَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا۔ (۳) کیا تمہیں پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا پیدا کرنا اس کی چھت اونچی رکھی اور اسے برابر کیا۔

تو ملکوت (آسمانی بادشاہت) کو دیکھو تاکہ تمہیں جبروت کے عجائب نظر آئیں۔ اور ملکوت کو دیکھنے کا مطلب اس کی طرف نگاہ اٹھانا نہیں ہے کہ تم آسمان کا نیلا رنگ ستاروں کی روشنی اور ان کا متفرق ہونا دیکھو۔ اس طرح دیکھنے میں تو انسان کے ساتھ جانور بھی شریک ہیں۔ اگر یہی دیکھنا مقصود ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یوں تعریف نہ کرتا۔
ارشاد خداوندی ہے۔

وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ (۴) اور اسی طرح ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہیاں دکھاتے ہیں۔
(مخفی حقائق مراد ہیں)

نہیں بلکہ جو کچھ ظاہری آنکھ سے دیکھا جاتا ہے قرآن پاک اسے ملک اور شہادت کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے اور جو کچھ آنکھوں سے پوشیدہ ہے اسے غیب اور ملکوت کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ غیب اور ظاہر سب کچھ جاننے والا ہے اور وہ ملک اور ملکوت دونوں کا بادشاہ ہے اس کے علم سے کسی کو کچھ حاصل ہوتا ہے تو صرف اس کے چاہنے سے ہوتا ہے
ارشاد خداوندی ہے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ وہ غیب کا علم رکھتا ہے وہ اپنے غیب پر سوائے اپنے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ انبیاء آیت ۳۲
(۲) قرآن مجید، سورۂ النباء آیت ۱۲
(۳) قرآن مجید، سورۂ النازعات آیت ۲۷، ۲۸
(۴) قرآن مجید، سورۂ انعام آیت ۷۵

marfat.com

اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (۱) منتخب رسولوں کے کسی کو مطلع نہیں کرتا۔

(یعنی رسولوں میں سے جس کو چاہے جتنا چاہے غیب کا علم دے یہ علم غیب عطائی ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا سے انبیاء و رسل کو ملتا ہے یہی اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے ۱۲ ہزاروی)

تو اے عقل مند انسان! تو ملکوت میں خوب غور و فکر کرتا کہ تیرے لیے آسمان کے دروازے کھل جائیں اور تیرا دل اس کے کناروں میں دوڑ لگائے اور پھر یہ دل رحمٰن کے عرش کے سامنے کھڑا ہو جائے اس وقت امید ہے کہ تجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مقام حاصل ہو جائے انہوں نے فرمایا "میرے دل نے میرے رب کو دیکھا" اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دور تک آدمی تب ہی پہنچتا ہے جب قریب کے ساتھ تعلق قائم کرے اور تیرا نفس تجھ سے زیادہ قریب ہے پھر زمین جو تیرا ٹھکانہ ہے پھر ہوا جو تجھے گھیرے ہوئے ہے پھر سبزیاں اور حیوان اور جو کچھ زمین کے اوپر ہے، پھر فضا کے عجائب اور جو کچھ آسمان اور زمین کے درمیان ہے پھر ستاروں سمیت ساتوں آسمان پھر کرسی اور پھر عرش پھر عرش کو اٹھانے والے فرشتے اور آسمانوں کے خازن ہیں۔ اس کے بعد عرش، کرسی، آسمانوں زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کے رب کی طرف نظر کرو تو تمہارے اور اس ذات کے درمیان بہت گھاٹیاں ہیں اور بہت زیادہ مسافت ہے ابھی تو تم قریب والی گھاٹی یعنی اپنے ظاہر نفس کی معرفت سے فارغ نہیں ہوئے اور تمہیں حیا نہیں آتا کہ تم اپنے رب کی معرفت کا دعویٰ کرتے ہو اور کہتے ہیں کہ میں نے اسے بھی پہچان لیا اور اس کی مخلوق کو بھی لہٰذا میں کس میں غور و فکر کروں اور کیا دیکھوں۔

اب اپنے سر کو آسمان کی طرف اٹھاؤ اور اسے اور اس میں موجود ستاروں کو دیکھو، ان کی گردش اور طلوع و غروب کو دیکھو شمس و قمر اور ان کے طلوع و غروب کے مختلف مقامات کو دیکھو نیز یہ کہ وہ ہمیشہ حرکت میں ہیں لیکن ان کی حرکت میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی اور نہ ان کی چال میں کوئی تبدیلی آتی ہے بلکہ وہ تمام ایک خاص مقدار سے اپنی منازل میں چلتے ہیں نہ اس مقدار میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ ہی کمی واقع ہوتی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو یوں لپیٹ دے گا جس طرح تحریر کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔

ستاروں کی تعداد، ان کی کثرت اور ان کے رنگوں کے اختلاف کو دیکھو ان میں سے بعض سرخی مائل ہیں، کچھ سفیدی مائل اور بعض کا رنگ سیسے کے رنگ کی طرح ہے پھر ان کی شکلوں کی کیفیت کو دیکھو ان میں سے بعض بچھو کی صورت میں بعض بکری کے بچے کی شکل میں کچھ بیل، کچھ شیر اور بعض انسان کی شکل میں ہیں۔

زمین میں جس قدر صورتیں ہیں آسمان میں ان کی مثال موجود ہے۔ پھر سورج کے چلنے کو دیکھو کہ وہ اپنے فلک میں ایک سال چلتا ہے پھر یہ کہ یہ ہر روز طلوع بھی ہوتا ہے اور غروب بھی اور یہ الگ چال ہے جو اس کے خالق نے اس کے لیے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ جن آیت ۲۶

marfat.com

مسخّر کی ہے اگر یہ طلوع و غروب نہ ہو تو دن رات کا امتیاز کیسے ہوتا اور اوقات کی پہچان کی کیا صورت ہوتی نیز یا تو ہمیشہ اندھیرا ہوتا یا مسلسل روشنی ہی ہوتی اور یوں کام کاج کا وقت، آرام کے وقت سے ممتاز نہ ہوتا۔

تو دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے رات کو لباس، سونے کو آرام اور دن کو کاروبار وغیرہ کے لیے بنایا پھر رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کیا دیکھو اور اس پر بھی غور کرو کہ ایک مخصوص ترتیب کے ساتھ دن اور رات گھٹتے بڑھتے ہیں۔ اور اس پر بھی غور و فکر کرو کہ سورج کو آسمان کے درمیان میں کس طرح جھکایا حتیٰ کہ اس کی وجہ سے گرمی، سردی، بہار اور خزاں کے موسم پیدا ہوتے ہیں۔ جب سورج آسمان کے درمیان سے ڈھل جاتا ہے تو ہوا ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور سردیوں کا موسم ظاہر ہو جاتا ہے اور جب وہ آسمان کے درمیان میں ٹھہر جاتا ہے تو سخت گرمی ہوتی ہے اور جب ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے تو زمانے میں اعتدال آجاتا ہے۔

آسمان کے عجائب اتنے ہیں کہ ان کے اجزاء میں سے ایک جز کا عشرِ عشیر بھی بیان کرنے کی امید نہیں کی جا سکتی تو یہ صرف غور و فکر کے طریقے سے آگاہی ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ تمہارا اعتقاد یوں ہونا چاہیے کہ ہر ستارے کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں ہیں پھر اس کی مقدار، اس کی شکل، اس کے رنگ اور پھر اس کو آسمان میں رکھنے خط استواء کے قریب اور دُور رکھنے، دوسرے ستاروں سے اس کے قرب و بُعد میں بے شمار حکمتیں ہیں جو کچھ ہم انسانی بدن کے بارے میں ذکر کیا اسے بھی اس پر قیاس کر لو۔ کیوں کہ ہر جزء میں کوئی نہ کوئی حکمت ہے بلکہ بے شمار حکمتیں ہیں اور آسمان کا معاملہ اس سے بھی بڑا ہے بلکہ عالم زمین کو عالم آسمان سے کوئی نسبت نہیں نہ تو جسمانی بڑائی میں اور نہ ہی معانی کی کثرت میں ـــ معانی کی کثرت میں ان دونوں کے فرق کو اس طرح جانو جس طرح زمین اور اسی کی بڑائی کے درمیان فرق ہے اور تم جانتے ہو کہ زمین کتنی بڑی ہے اور اس کے کنارے کتنے وسیع ہیں انسان اس کے گرد پھرنے پر قادر نہیں ہے۔

ناظرین اس بات پر متفق ہیں کہ آسمان ایک سو ساٹھ سے اوپر زمینوں کے برابر ہے اور حدیث شریف میں بھی اس کی عظمت پر دلالت پائی جاتی ہے (۱)

پھر ستاروں کو دیکھو جو تمہیں چھوٹے معلوم ہوتے ہیں لیکن ان میں سے سب سے چھوٹا ستارہ زمین سے آٹھ گنا بڑا ہے جب کہ سب سے بڑا ستارہ زمین سے ایک سو بیس گنا بڑا ہے اسی سے ان کی بلندی اور دُوری کا علم ہوتا ہے کیوں کہ دور ہونے کی وجہ سے وہ چھوٹے معلوم ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی دُوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے ان کی بلندی کو اٹھایا اور پھر ان کو برابر کیا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۰۷ مرویات عبداللہ بن عمر

(۲) قرآن مجید، سورۃ النازعات آیت ۲۸

marfat.com

اور حدیث شریف میں ہے کہ ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے (۱) تو جب ایک ستارہ زمین سے کئی گنا بڑا ہے تو ستاروں کی کثرت کو دیکھو پھر اس آسمان کو دیکھو جس میں یہ ستارے جڑے ہوئے ہیں نیز اس کی عظمت کو دیکھو علاوہ ازیں ان کی تیز حرکت پر غور کرو حالاں کہ تمہیں ان کی حرکت کا احساس نہیں ہوتا تیزی کا ادراک تو بعد کی بات ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ آسمان ایک لحظہ میں ایک ستارے کی چوڑائی کے برابر چلتا ہے کیوں کہ ستارے کے ایک کنارے کے طلوع سے پورے ستارے کے طلوع تک ایک لحظہ ہے اور یہ ستارہ زمین سے ایک سو گنا سے بھی بڑا ہے اور یہ ہمیشہ اسی طرح چلتا ہے لیکن تمہیں پتہ نہیں چلتا۔

دیکھو حضرت جبریل علیہ السلام نے سورج کی رفتار کی جلدی کو کس طرح بیان کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا سورج ڈھل گیا؟

انہوں نے عرض کیا "نہیں، ہاں" آپ نے فرمایا تم نے "نہیں اور ہاں" کیسے کہہ دیا حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا جب میں نے نہیں کہا تو اس کے بعد ہاں کہنے تک سورج نے پانچ سو سال کا راستہ طے کر لیا (۲) تو اس کے بہت بڑے جسم اور حرکت کی تیزی کو دیکھو پھر حکمت والے خالق کی قدرت کو دیکھو کہ اس کے اطراف کی وسعت کے باوجود آنکھ کی چھوٹی سی پتلی میں اس کی صورت کو قائم کر دیا حتی کہ تم زمین پر بیٹھے ہوئے اپنی آنکھیں کھولتے ہو اور پورے کا پورا سورج دیکھ لیتے ہو۔

تو ہم اس آسمان کی عظمت اور ستاروں کی کثرت کو نہیں دیکھتے بلکہ ہم ان کے خالق کو دیکھتے ہیں کہ اس نے ان کو کس طرح پیدا فرمایا پھر کسی ستون کے بغیر جو دکھائی دے، ان کو ٹھہرایا کسی چیز کے ساتھ یہ بندھے ہوئے بھی نہیں ہیں تمام جہاں ایک گھر کی طرح ہے اور آسمان اس کی چھت ہے تو تم پر تعجب ہے کہ تم کسی دولت مند آدمی کے گھر میں داخل ہوتے ہو اور دیکھتے ہو کہ وہ مختلف رنگوں سے منقش ہے، اور سنہرے کام سے آراستہ ہے تو تمہارا تعجب ختم نہیں ہوتا تم مسلسل اس کا تذکرہ کرتے ہو زندگی بھر اس کے حسن کی تعریف کرتے ہو اور ہمیشہ اس عظیم گھر کو دیکھتے ہو اس کی زمین، اس کی چھت، اس کی ہوا، اس کے عجیب و غریب سامان، عمدہ حیوانات اور طرح طرح کے نقوش پر تمہاری نظر پڑتی ہے پھر تم اس کے بارے میں گفتگو نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی طرف تمہارا دل متوجہ ہوتا ہے تو یہ گھر اس دنیوی گھر سے ہلکا تو نہیں ہے کہ تم اس کی صفت کرتے ہو اور اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے بلکہ یہ دنیوی مکان تو زمین کی ایک جز ہے جو اس تمام کائنات پر محیط عالیشان گھر کی ایک حقیر جز ہے لیکن اس کے باوجود تم اس گھر میں غور و فکر نہیں کرتے اس کی وجہ

---

(۱) العلل المتناہیہ جلد اول ص ۸ حدیث ۵

(۲) الفوائد المجموعۃ ص ۱۵۱ کتاب الصفات۔

marfat.com

صرف یہی ہے کہ وہ تمہارے رب کا گھر ہے اسی نے اسے بنایا اور ترتیب دی اور تم اپنے آپ کو، اپنے رب کو اور اپنے رب کے گھر کو بھلا چکے ہو اور اپنے پیٹ اور شرمگاہ (کی خواہشات کی تکمیل) میں مشغول ہو تمہیں شہوت اور ناموری کے علاوہ کسی بات کی فکر ہی نہیں ہے اور تمہاری انتہائی درجہ کی خواہش یہی ہے کہ تم اپنے پیٹ کو بھر و حالاں کہ تم جانوروں کی خوراک کا دسواں حصہ بھی نہیں کھا سکتے تو گویا جانور تم سے دس درجے اوپر ہیں اور تمہاری انتہائی ناموری یہ ہے کہ دس یا سو آدمی تمہارے پاس جمع ہو کر تمہاری تعریف کریں اور اپنے دل کی خرابی کو تم سے چھپائے رکھیں جو تمہارے بارے میں ہے اور اگر بالفرض وہ تمہاری تعریف میں سچے بھی ہوں تو بھی تمہارے لیے یا اپنے لیے کسی قسم کے نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں موت، زندگی اور قیامت کے دن اٹھنا یہ سب کچھ ان کے ہاتھ میں نہیں ہے تمہارے شہر میں یہودی اور عیسائی ہوں گے جن کی دولت اور مرتبہ تمہارے مرتبہ سے زیادہ ہوگا اور تم آسمانوں اور زمین کی ملکوت (خفیہ عجائب) میں غور و فکر سے غافل ہو پھر تم ملک و ملکوت کے مالک کے جلال میں غور و فکر سے لطیف اندوز ہونے سے غافل ہو۔

تم اور تمہاری عقل کی مثال اس چیونٹی کی طرح ہے جو ایسے عالی شان مکان میں اپنا سوراخ کھودے جس کی بنیادیں مضبوط اور عمارت بلند ہو ستون پکے ہوں اس میں لونڈیاں اور غلام ہوں بادشاہ کے اس محل میں طرح طرح کی نفیس چیزوں کے ڈھیر ہوں جب وہ چیونٹی اس سوراخ سے نکلے اور دوسری چیونٹی سے ملے تو اگر وہ گفتگو کر سکتی ہو تو صرف اپنے سوراخ اور اپنی غذا کے بارے میں ہی گفتگو کرے اور بتائے کہ اس نے اسے کس طرح جمع کیا ہے۔

جب کہ اس محل اور اس میں رہنے والے بادشاہ کے بارے میں کچھ نہ کہے اور نہ ہی اس کے بارے میں کچھ غور و فکر کرے بلکہ وہ اپنے آپ کو اپنی غذا اور اپنے گھر کو دیکھنے کے علاوہ کسی کو بھی نہ دیکھے۔ تو جس طرح چیونٹی اس محل، اس کی زمین، اس کی چھت، دیواروں اور تمام عمارت سے غافل ہے بلکہ اس عمارت میں رہنے والوں سے بھی غافل ہے اسی طرح تم بھی اللہ تعالیٰ کے گھر سے اور اس کے فرشتوں سے جو اس کے آسمانوں میں رہتے ہیں، غافل ہو تم آسمان کے بارے میں اتنی ہی پہچان رکھتے ہو جتنی چیونٹی کو تمہارے گھر کی چھت کی پہچان ہے اور فرشتوں کو تم اسی قدر پہچانتے ہو جس قدر چیونٹی تمہیں اور تمہارے گھر کے عجائب کی پہچان سے عاجز ہے جب کہ تمہیں اس بات کی قدرت حاصل ہے کہ ملکوت میں غور کرو اور اس کے ان عجائب کی پہچان حاصل کرو جن سے لوگ غافل ہیں۔

اب ہم قلم کی لگام اس کلام سے پھیرتے ہیں کیوں کہ اس میدان کی کوئی انتہا نہیں ہے اگر ہم بہت بڑی بڑی عمریں صرف کریں تب بھی ہم اس معرفت کی تشریح نہیں کر سکتے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے ہمیں جس قدر معرفت حاصل ہے وہ علماء کرام اور اولیاء عظام کی معرفت کے مقابلے میں بہت قلیل ہے اور ان کو جو معرفت حاصل ہے وہ انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل ہونے والی معرفت کے مقابلے میں بہت کم ہے اور ان تمام انبیاء کرام کی معرفت، ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سے قلیل ہے اور تمام انبیاء کرام کی معرفت مقرب فرشتوں کو حاصل معرفت کے مقابلے میں کم ہے

marfat.com

اور مقرب فرشتے جیسے حضرت جبریل اور حضرت اسرافیل علیہما السلام اور دوسرے فرشتے ہیں۔
اور اگر تمام فرشتوں، جنوں اور انسانوں کے تمام علوم کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف کی جائے تو ان سب کے علم کو علم بھی نہیں کہہ سکتے بلکہ اسے مدہوشی، حیرت، قصور اور عاجزی کہنا زیادہ بہتر ہوگا وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے بندوں کو معرفت عطا کی جس قدر عطا فرمائی پھر ان سب کو خطاب کر کے فرمایا۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (۱) اور تمہیں بہت کم علم دیا گیا ہے۔

یہ ان طریقوں کا بیان ہے جن میں غور و فکر کیا جا سکتا ہے جب فکر کرنے والے مخلوقِ خدا میں فکر کریں اس میں ذات خداوندی میں فکر شامل نہیں ہے۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ مخلوق میں غور و فکر سے خالق کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اس کی عظمت، جلال اور قدرت کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور جس قدر صنعت خداوندی کی معرفت زیادہ حاصل ہوگی اس کے جلال اور عظمت کی معرفت اتنی ہی مکمل ہوگی یہ ایسے ہی ہے جیسے تم کسی عالم کے علم کی معرفت حاصل کر کے اس کی تعظیم کرتے ہو، اور جب مسلسل اس کی عجیب سے عجیب تر تصنیف یا اشعار پر تمہیں اطلاع ہوتی ہے تو اس سے اس کی معرفت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کے حسن سے اس عالم کی عزت و توقیر بھی بڑھ جاتی ہے حتیٰ کہ اس کا ہر کلمہ اور اس کے اشعار کا ہر بیت جو تمہیں بھلا معلوم ہوتا ہے تمہارے دل میں اسے جگہ دیتا ہے اور تمہارے نزدیک وہ قابل تعظیم ٹھہرتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کی تصنیف و تالیف میں غور کرنے کا معاملہ ہے اللہ تعالیٰ کی جتنی مخلوق موجود ہے وہ سب اسی کی تصنیف ہے اور اس میں غور و فکر کی کوئی انتہا نہیں ہے اس میں سے ہر بندے کو وہی کچھ ملتا ہے جو اس کے مقدر میں ہے لہٰذا جو کچھ ہم نے لکھا ہے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور ہم نے شکر کے بیان میں جو تفصیل بیان کی ہے اسے بھی اس کے ساتھ ملاتے ہیں جب ہم اس بیان میں غور کرتے ہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اس نے ہم پر احسان کیا اور جب اس بیان پر نظر دوڑاتے ہیں تو اس کا مقصد محض یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال اس طرح ہیں ہم جن امور پر غور کرتے ہیں ان پر ایک فلسفی بھی غور کرتا ہے لیکن اس کا غور و فکر گمراہی اور بدبختی کا سبب بنتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق دی گئی ہے اس کا غور و فکر کرنا اس کی ہدایت اور سعادت کا باعث ہوتا ہے زمین و آسمان میں جتنے ذرے ہیں وہ گمراہی کا سبب بھی ہیں اور ہدایت کا سامان بھی۔ جو شخص ان امور میں اس نیت سے غور کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل اور صنعت ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے جلال اور عظمت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور وہ اس کے ذریعے ہدایت حاصل کرتا ہے اور جو شخص کوتاہ نظری سے غور کرتا ہے اور یوں خیال کرتا ہے کہ یہ سب چیزیں ایک دوسرے پر تاثیر کرتی ہیں اس انداز میں غور نہیں کرتا کہ یہ سب مسبب الاسباب کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں تو

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اسراء آیت ۸۵

marfat.com

وہ بدبخت ہے اور تباہی کی طرف جاتا ہے ہم گمراہی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے فضل وکرم اور جُود ورحمت سے ہمیں جاہلوں کی طرح بھٹکنے سے محفوظ رکھے ـــــ نجات دینے والے امور میں سے نواں بیان مکمل ہوا اس کے بعد موت اور اس کے بعد کے واقعات کا ذکر ہوگا اور یوں یہ کتاب مکمل ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور صلوٰۃ وسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل واصحاب پر ہو ـــــ

marfat.com

۱۰۔ موت اور اس کے بعد کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے بڑے بڑے متکبرین کی گردنوں کو موت کے ذریعے توڑا اسی کے ذریعے (ایرانی) بادشاہوں کی پیٹھوں کو توڑ دیا اور قیصر (رومی) بادشاہوں کی امیدوں کو کم کیا وہ لوگ جن کے دل موت سے لرتے تھے حتیٰ کہ جب ان کے پاس سچا وعدہ آیا تو ان کو قبروں میں ڈال دیا پس وہ محلات سے قبروں میں منتقل ہو گئے، ھوڑوں کی روشنی سے قبروں کے اندھیروں میں چلے گئے، لونڈیوں اور غلاموں کے ساتھ کھیل سے کیڑے مکوڑوں تیں برداشت کرنے کی طرف منتقل ہوئے۔ کھانے پینے سے لطف اندوز ہونے سے مٹی میں لوٹنے لگے خاندان ا تھ اُنس سے تنہائی کی وحشت کی طرف، اور نرم بستر سے سخت بچھونے کی طرف چلے گئے۔

تو دیکھو کیا مضبوط قلعوں اور عزت نے انہیں موت سے بچایا اور کیا انہوں نے موت کے سامنے کوئی آڑ بنائی اور دیکھو کر کیا تم ان میں سے کسی ایک کو محسوس کر رہے ہو یا ان کی آہٹ سن رہے ہو۔

تو وہ ذات پاک ہے جو قہر اور غلبہ میں منفرد ہے بقا کا حق اسے ہی حاصل ہے اور اس نے مخلوق کو فنا کے حکم جو اس نے لکھ دیا ہے جھکا دیا۔ پھر موت کو متقی لوگوں کے لیے (دنیا سے) چھٹکارا اور ان کے حق میں ملاقات ت بنایا جب کہ بدبخت لوگوں کے لیے صبر کو قید خانہ اور قیامت تک کے لیے تنگ کوٹھڑی (جیل) بنا دیا وہی بے شمار ں کے ساتھ انعام فرماتا ہے اور وہ زبردست بدلے کے ذریعے انتقام لیتا ہے آسمانوں اور زمین میں شکر کے لائق ہے اور اول و آخر تعریف کے لائق بھی وہی ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کو ظاہر معجزات اور نشانیاں عطا ہوئیں اور آپ کے آل و اصحاب پر رحمت اور بہت زیادہ سلام ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد ـــــ وہ شخص کہ موت اس کا بچھونا، مٹی اس کا بستر کیڑے اس کے ساتھی، منکر نکیر (فرشتے) کے ہمنشین، قبر اس کا ٹھکانہ زمین کا اندر اس کی جائے قرار، قیامت اس کا وعدہ اور جنت یا جہنم اس کے اترنے کا ہو اسے صرف موت کی فکر ہی ہونی چاہیے وہ صرف اسی کا ذکر کرے، اسی کے لیے تیاری کرے، اسی کی تدبیر کرے ی طرف جھانکے، اسی کی طرف جلدی، اسی کا اہتمام کرے اسی کی طرف پھرے، اسی کا منتظر رہے بلکہ اپنے آپ کو فوت ہو لوگوں میں شمار کرے اور اپنے نفس کو اصحاب قبور میں سے سمجھے اور یقین کرے کہ جو کچھ آنے والا ہے وہ قریب اور وہی چیز دور ہے جو نہیں آئے گی ـــــ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا — عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت

marfat.com

بَعْدَ الْمَوْتِ - (۱) کے بعد کے لیے عمل کرے۔

اور کسی چیز کے لیے استعداد اسی وقت آسان ہوتی ہے جب دل میں اس کی یاد بار بار آئے اور ذکر کی تجدید اسی صورت میں ہوتی ہے جب یاد دلانے والی باتوں کا ذکر ہو تو اس کی طرف توجہ کی جائے اور آگاہ کرنے والی باتوں پر غور کیا جائے۔

ہم موت کے معاملے، اس کے مقدمات ولواحق، احوالِ آخرت، قیامت جنت، دوزخ اور ان باتوں کا ذکر کریں گے جن کا بار بار ذکر بندے کے لیے ضروری ہے اور وہ باتیں کہ جب بندہ ان میں غور و فکر کو اپنے اوپر لازم کرے تو اس سے تیاری کی ترغیب ہوتی ہے کیوں کہ موت کے بعد کوچ کرنا قریب ہے اور زندگی تھوڑی سی باقی ہے جب کہ لوگ اس بات سے غافل ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ۔ (سورۃ الانبیاء آیت ۱) لوگوں کے لیے ان کا حساب قریب آگیا اور وہ غفلت میں پڑے منہ پھیر رہے ہیں۔

موت سے متعلق امور:

ہم موت سے متعلق امور کو دو حصوں میں ذکر کریں گے۔

پہلا حصہ:

اس میں موت کے مقدمات اور اس کے توابع (صور پھونکنے تک) مذکور ہوں گے اس حصے میں آٹھ باب ہوں گے

پہلا باب - ذکرِ موت کی فضیلت اور اس کی ترغیب

دوسرا باب - امید کا طویل اور مختصر ہونا۔

تیسرا باب - موت کی سختیاں اور موت کے وقت جو احوال مستحب ہیں۔

چوتھا باب - رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا وصال

پانچواں باب - نیک خلفاء اور امراء کو جب موت آئی۔

چھٹا باب - جنازوں اور قبرستان سے متعلق عارفین کے اقوال اور زیارتِ قبول کا حکم۔

ساتواں باب - موت کی حقیقت اور صور پھونکنے تک میت کو جو کچھ پیش آتا ہے۔

آٹھواں باب - حالت نیند میں مکاشفہ کے ذریعے فوت شدہ لوگوں کے جو حالات معلوم ہوئے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۴ مرویات شداد بن اوس

marfat.com

پہلا باب

فصل ۱:

موت کا ذکر اور بکثرت ذکر کی ترغیب

جان لو! جو شخص دنیا میں ڈوبا ہوا ہو، اس کے دھوکے پر جھکا ہوا ہو اور اس کی خواہشات اسے محبوب ہوں یقیناً دل موت کے ذکر سے غافل ہوتا ہے اور وہ اس کا ذکر نہیں کرتا اور اگر اس کا ذکر کرے بھی تو اسے ناپسند کرتا اور سے نفرت کرتا ہے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (۱)

آپ فرما دیجئے بے شک موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ تمہیں پہنچے گی پھر تم غیب اور ظاہر کو جاننے والے کی طرف پھیرے جاؤ گے تو وہ تمہیں تمہارے اعمال کی خبر دے گا۔

پھر لوگ تین قسم کے ہیں بعض تو دنیا میں ڈوبے ہوئے ہیں کچھ توبہ سے ابتدائی مرحلے میں ہیں اور بعض پہچان حاصل ے ہیں اور یوں وہ انتہائی درجہ پر فائز ہو چکے ہیں۔

وہ شخص جو دنیا میں ڈوبا ہوا ہے وہ موت کا ذکر نہیں کرتا اور کرے بھی تو دنیا کے جانے پر افسوس کے حوالے رتا ہے اور اس (موت) کی مذمت کرتا ہے موت کا اس طریقے پر ذکر اسے اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ دور کر دیتا ہے اور وہ شخص جس نے توبہ کر لی وہ موت کا کثرت کے ساتھ ذکر کرتا ہے تاکہ اس کے دل سے موت کا خوف نکل جائے ری کی پوری توبہ باقی رہے اور بعض اوقات وہ اس خوف سے موت کو ناپسند کرتا ہے کہ کہیں توبہ کے مکمل ہونے ے ہی وہ اسے اٹھا نہ لے۔ اور اس طرح اس نے اپنا سامان بھی مکمل نہ کیا ہو۔ ایسا شخص موت کو ناپسند ں معذور ہوتا ہے اور یہ صورت اس حدیث شریف کے تحت نہیں آتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

مَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ۔ (۲)

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند فرماتا ہے۔

---

۱ قرآن مجید، سورۃ الجمعۃ آیت ۸

۲ صحیح بخاری جلد ص ۹۶۲ کتاب الرقاق

marfat.com

کیوں کہ یہ شخص نہ تو موت کو ناپسند کرتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو، بلکہ اسے اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہ
ہونے کا ڈر ہوتا ہے کیوں کہ وہ کوتاہی کرنے والا ہے۔ اور یہ اس شخص کی طرح ہے جو اپنے محبوب سے ملنے میں عر
اس لیے تاخیر کرتا ہے کہ وہ اس طریقے پر تیاری کر رہا ہے جو اس کے محبوب کو پسند ہے لہٰذا یہ شخص ملاقات کو نا
کرنے والا شمار نہیں ہوگا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس کے لیے تیاری میں رہتا ہے اس کے علاوہ اس کا
کوئی معروفیت نہیں ہوتی ورنہ وہ دنیا کے حصول میں مصروف ہو جاتا۔

اور عارف ہمیشہ موت کو یاد کرتا ہے کیوں کہ موت محبوب سے ملاقات کا وقت ہے اور محب محبوب سے ملاقا
کے وقت کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ اور یہ اس لیے ہے کہ عام طور پر موت دیر سے آتی ہے اور وہ موت کی آمد کو پسند کر
ہے تاکہ گناہ گاروں کے گھر (دنیا) سے اس کی جان چھوٹ جائے اور وہ تمام جہانوں کے رب کے قریب چلا جائے
جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے جب ان کی وفات کا وقت ہوا تو انہوں نے فرمایا۔
حبیب فاقہ کی حالت میں آیا یا اللہ! اگر تیرے علم کے مطابق مال داری کی نسبت فقر، صحت کے مقابلے میں بیما
اور زندگی کی نسبت موت مجھے زیادہ پسند ہے تو مجھ پر موت کو آسان کر دے تاکہ میں تجھ سے ملاقات کروں۔
تو اس صورت میں تو یہ کرنے والا موت کو ناپسند کرنے والا معذور ہے اور یہ شخص موت کی محبت اور تمنا
ہوتا ہے۔

اور ان دونوں کے مقابلے میں اس شخص کا رتبہ زیادہ بلند ہوتا ہے جو اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتا ہے اور اپنے
کے لیے موت اور زندگی میں سے کسی ایک کو بھی پسند نہیں کرتا بلکہ اسے ان دونوں میں سے وہی بات پسند ہوتی ہے جو ا
مالک کے ہاں پسندیدہ ہو۔ اور یہ اسی صورت میں پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے جب وہ فرطِ محبت میں تسلیم و رضا کے مقام تک
پہنچ جائے یہی مقام انتہا ہے۔

بہر حال موت کو یاد کرنے میں ثواب اور فضیلت ہے کیوں کہ جو شخص دنیا میں ڈوبا ہوا ہو وہ بھی موت کے
سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے کہ اس طرح وہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر سکتا ہے کیوں کہ اس صورت میں دنیا کی نعمتیں اور
لذتیں تلخ ہو جاتی ہیں اور ہر وہ کام جس کی وجہ سے انسان پر لذات اور شہوات تلخ ہو جائیں وہ نجات کے اسبا
سے ہے۔

فصل ۲:

موت کا ذکر باعثِ فضیلت ہے جیسا بھی ہو

marfat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَکْثِرُوْا مِنْ ذِکْرِ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ۔ (۱)

لذتوں کو توڑنے والی (شکست دینے والی) چیز (موت) کا ذکر کثرت سے کرو۔

مطلب یہ ہے کہ اس چیز کے ذکر کے ذریعے لذتوں کو تلخ کر دو تاکہ تمہارا ان کی طرف جھکاؤ ٹوٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَوْ تَعْلَمُ الْبَهَائِمُ مِنَ الْمَوْتِ مَا تَعْلَمُوْنَ مِنْهُ مَا اَكَلْتُمْ مِنْهَا سَمِيْنًا۔ (۲)

موت کے بارے میں جو کچھ انسان کو معلوم ہے اگر جانوروں کو اس بات کا علم ہوتا تو تم ان میں سے کسی موٹے جانور کو نہ کھاتے۔

(مطلب یہ ہے کہ موت کے خوف سے جانور دبلے پتلے اور کمزور ہو جاتے)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا شہداء کے ساتھ بھی کسی کو اٹھایا جائے گا آپ نے فرمایا۔

نَعَمْ مَنْ يَذْكُرُ الْمَوْتَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ عِشْرِيْنَ مَرَّةً۔ (۳)

ہاں! جو آدمی دن رات میں بیس مرتبہ موت کو یاد کرے

اس تمام فضیلت کا سبب یہ ہے کہ موت کا ذکر دھوکے والے گھر (دنیا) سے دور کر کے آخرت کے لیے استعداد کا تقاضا کرتا ہے جب کہ موت سے غفلت دنیوی خواہشات کی طرف مکمل توجہ کی دعوت دیتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ۔ (۴)

مومن کا تحفہ موت ہے۔

آپ نے یہ بات اس لیے ارشاد فرمائی کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے کیوں کہ وہ اس میں ہمیشہ رنج اور مشقت جھیلتا ہے خواہش کو پورا کرنے کی محنت اور شیطان کو دور کرنے کی تکلیف اٹھاتا ہے اور موت اس عذاب سے نجات دلاتی ہے اور یہ چھوٹ جانا اس کے حق میں تحفہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْمَوْتُ كَفَّارَةٌ لِكُلِّ مُسْلِمٍ۔ (۵)

موت، ہر مسلمان کے لیے کفارہ ہے۔

---

(۱) جامع ترمذی ص ۲۳۵، ابواب الزھد

(۲) شعب الایمان جلد ۷، ص ۳۵۲ حدیث ۱۰۵۵

(۳) الفوائد المجموعہ ص ۲۶۴ کتاب الادب

(۴) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۱۹ کتاب الرقاق

(۵) شعب الایمان جلد ۷، ص ۱۷۱ حدیث ۹۸۸۵

marfat.com

اس سے سچا مسلمان مراد ہے جو سچا مومن ہو اس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اس میں مومنوں والے اخلاق ہوں اور اس پر گناہوں کی میل نہ ہو البتہ گناہ صغیرہ اور لغزشیں ہوں تو موت اسے ان سے پاک کر دیتی ہے جب کہ وہ کبیرہ گناہوں سے بچتا اور فرائض ادا کرتا ہو۔

حضرت عطاء خراسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس کے پاس سے گزرے جس میں لوگ زیادہ ہنس رہے تھے تو آپ نے فرمایا۔

شُوبُوا مَجْلِسَكُمْ بِذِكْرِ مُكَدِّرِ اللَّذَّاتِ۔ (۱)

اپنی مجلس کو لذتوں کو خراب کرنے والی چیز یعنی (موت) سے مخلوط کرو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَكْثِرُوا مِنْ ذِكْرِ الْمَوْتِ فَاِنَّهٗ يُمَحِّصُ الذُّنُوْبَ وَيُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا۔ (۲)

موت کا ذکر زیادہ کیا کرو یہ گناہوں سے پاک اور دنیا سے بے رغبت کرتی ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔

كَفٰى بِالْمَوْتِ مُفَرِّقًا۔ (۳)

موت جدا کرنے کے لیے کافی ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا۔ (۴)

موت وعظ و نصیحت کے لیے کفایت کرتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی طرف تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ باتیں کر رہے ہیں اور ہنس رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

اُذْكُرُوا الْمَوْتَ اَمَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا۔ (۵)

موت کو یاد کیا کرو سنو! وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم وہ بات جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۵۴۲ حدیث ۴۲۱۱۲

(۲) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۵۴۳ حدیث ۴۲۰۹۸

(۳) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۵۴۷ حدیث ۴۲۱۱۵

(۴) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۳۰۸ کتاب الزھد

(۵) الدر المنثور جلد ۵ ص ۳۳۰، ۳۳۱ تحت آیت قل یا عبادی الذین اسرفوا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا تو حاضرین نے اس کی تعریف میں اچھے کلمات کہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موصوف موت کا ذکر کس طرح کرتے ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہم نے ان سے موت کا ذکر نہیں سنا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا ممدوح اس مرتبے کا نہیں ہے (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہوا اور میں وہاں موجود افراد میں سے دسواں تھا اس اثنار میں انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! زیادہ ڈرنا اور زیادہ عبرت والا کون ہے آپ نے فرمایا۔

وہ لوگ جو موت کو زیادہ یاد کرتے اور اس کے لیے زیادہ تیاری کرتے ہیں وہی عقل مند ہیں وہ دنیا کی شرافت اور آخرت کی بزرگی لے گئے۔ (۲)

آثار:

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں موت نے دنیا کو رسوا کیا اس نے عقل مند کے لیے خوشی نہیں چھوڑی۔

حضرت ربیع بن خثیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں مومن موت سے بہتر کسی غائب چیز کا منتظر نہیں ہوتا۔ اور وہ فرمایا کرتے تھے جب میں انتقال کروں تو میرے بارے میں کسی کو اطلاع نہ دینا اور مجھے آہستہ سا میرے رب کی طرف کھسکا دینا۔

کسی دانا نے اپنے ایک بھائی کو لکھا اے بھائی اس گھر (دنیا) میں موت سے ڈر اس سے پہلے کہ تو اس گھر میں بلا جائے جس میں تو موت کی تمنا کرے لیکن اسے نہ پا سکے۔

اور حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ کے پاس جب موت کا ذکر کیا جاتا تو ان کا ہر عضو مر جاتا ہے (بے حس ہو جاتا)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہر رات فقہاء کرام کو جمع کر کے ان سے موت، قیامت اور آخرت کے بارے میں مذاکرہ کرتے پھر وہ سب روتے حتی کہ یوں معلوم ہوتا کہ ان کے سامنے کوئی جنازہ پڑا ہے۔

حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دو چیزوں نے مجھ سے دنیا کی لذت ختم کر دی ایک موت کا ذکر اور دوسرا اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص موت کو پہچان لے اس پر دنیا کے مصائب اور غم ہلکے ہو جاتے ہیں۔

حضرت معرف فرماتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا بصرہ کی مسجد کے درمیان کوئی شخص کہتا ہے موت کے ذکر کرنے والوں کے دل کاٹ دیئے اللہ کی قسم تم ان کو والہانہ انداز میں دیکھو گے۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۳۰۹ کتاب الزھد

(۲) ایضاً۔

marfat.com

حضرت اشعث رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس جایا کرتے تھے تو صرف جہنم کی آگ، آخرت کے معاملے اور موت کا ذکر ہوتا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں اپنے دل کی سختی کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا موت کا ذکر زیادہ کیا کرو اس سے تمہارے دل میں نرمی پیدا ہوگی چنانچہ جب اس عورت نے یہ کام کیا تو اس کا دل نرم ہوگیا۔ پھر وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شکریہ ادا کرنے حاضر ہوئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے جب موت کا ذکر کیا جاتا تو آپ کی جلد سے خون کے قطرے جاری ہو جاتے۔

حضرت داؤد علیہ السلام جب موت اور قیامت کا ذکر کرتے تو رو پڑتے حتیٰ کہ آپ کا سانس اکھڑ جاتا اور جب رحمت کا ذکر ہوتا تو سانس واپس آجاتا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے جس بھی عقل مند کو دیکھا اسے موت سے خائف اور غمگین پایا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کسی عالم سے فرمایا کہ مجھے نصیحت کیجئے انہوں نے فرمایا آپ پہلے خلیفہ نہیں جو انتقال کریں گے (بلکہ پہلے حکمران بھی فوت ہوتے رہے ہیں) فرمایا مزید بتائیے، انہوں نے فرمایا آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آباء و اجداد نے موت کو چکھا ہے اور آپ کی باری آچکی ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہ بات سنی تو رو پڑے۔

حضرت ربیع بن خثیم رحمہ اللہ نے اپنے گھر میں قبر کھود رکھی تھی اور آپ ہر دن کئی مرتبہ اس میں سو جاتے اس طرح آپ ہمیشہ موت کو یاد رکھتے۔ اور آپ فرماتے تھے اگر میرے دل میں ایک ساعت کے لیے بھی موت کی یاد باقی نہ رہے تو میرا دل خراب ہو جائے۔

حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس موت نے راحت و آرام والے لوگوں پر ان کے آرام کو مکدر کر دیا ہے۔ تو ایسا آرام تلاش کرو جس میں موت نہ ہو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حضرت عنبسہ رحمہ اللہ سے فرمایا موت کا ذکر کثرت سے کیا کرو اگر تمہیں عیش کی وسعت حاصل ہو تو یہ ذکر اسے تنگ کر دے گا اور اگر تم تنگ زندگی گزار رہے ہو تو اس میں وسعت آجائے گی۔ (مطلب یہ ہے کہ دنیا کی فراوانی تمہیں اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں کرے گی اور وسعت رزق بھی ہوگی)

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت ام ہارون سے پوچھا کہ کیا آپ کو موت پسند ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں، میں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا اگر میں کسی انسان کی بات نہ مانوں تو مجھے اس سے ملاقات پسند نہیں ہوتی تو میں کیسے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کروں جب کہ میں نے اس کی نافرمانی کی ہے۔

marfat.com

فصل ۳:

دل میں موت کی یاد کا طریقہ

جاننا چاہیئے کہ موت ہولناک ہے اور اس کا خطرہ عظیم ہے اور لوگ اس سے اس لیے غافل ہیں کہ وہ اس کے بارے ں بہت کم سوچتے ہیں اور اسے زیادہ یاد بھی نہیں کرتے اور جو شخص اسے یاد کرتا ہے وہ فارغ دل کے ساتھ یاد نہیں کرتا لہٰ ایسے دل سے یاد کرتا ہے جو دنیوی خواہشات میں مشغول ہے لہٰذا دل میں موت کا ذکر قرار نہیں پکڑتا۔

تو اس سلسلے میں طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے دل کو موت کے ذکر کے علاوہ ہر خیال سے پاک کر دے کیوں کہ موت س کے سامنے ہے اور اس مسافر کی طرح ہو جائے جو کسی خطرناک جنگل کا سفر کرنا چاہتا ہے یا سمندری سفر کا ارادہ رکھتا ہے وہ صرف اسی کا فکر کرتا ہے جب موت کی یاد اس کے دل میں جم جائے گی تو اثر بھی کرے گی اور اس وقت اس کا نیا کے ذریعے سُرور اور راحت کم ہو جائے گی اور دل ٹوٹ جائے گا۔

اس سلسلے میں زیادہ موثر طریقہ یہ ہے کہ اپنے ان ہم عصر لوگوں کو یاد کرے جو اس سے پہلے فوت ہو چکے ہیں ان کی موت ر مٹی کے نیچے ان کی آرام گاہوں کو یاد کرے ان کے عہدوں، صورتوں اور حالات کو یاد کرے اور غور کرے کہ کس رح مٹی نے ان کی صورتوں کے حُسن کو مٹا دیا اور کس طرح ان کے اعضاء ان کی قبروں میں متفرق ہو گئے ان کی بیویاں کس رح بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے اور ان کے مال ضائع ہو گئے ان سے ان کی مساجد اور مجالس خالی ہو گئیں اور ان کے نام و ان مٹ گئے۔

جب کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کو یاد کرتا ہے اور اپنے دل میں اس کی حالت اور اس کی موت کی کیفیت کا خیال ا ہے اس کی صورت کا تصور کرتا ہے اس کی خوشی اور تردد زندگی اور بقا کے لیے اس کا توقف اور موت کو بھول جانا اور اسباب کے ناموافق ہونے سے دھوکہ کھانا قوت اور جوانی کی طرف ہکاؤ اور کھیل کود تیز ہنسی مذاق کی طرف اس کا میلان فوری اور سامنے آنے والی موت نیز جلدی ہلاک ہونے سے غفلت رتا سامنے رکھتا ہے اور اس بات کو یاد کرتا ہے کہ کس طرح اب اس کے پاؤں اور اعضاء ٹوٹ گئے اور کس طرح ہنسا رتا تھا لیکن اب مٹی نے اس کے دانتوں کو کھا لیا اور کس طرح باتیں کیا کرتا تھا لیکن اب کیڑوں نے اس کی زبان کو کھا اور کس طرح وہ اپنے لیے دس سال تک کے لیے غیر ضروری چیزوں کی منصوبہ بندی کرتا تھا حالانکہ اس وقت اس کی موت ں صرف ایک مہینہ رہ گیا تھا۔ اور اسے اس بات کی خبر بھی نہ تھی حتیٰ کہ اس کو اس وقت موت آئی جس کا اسے گمان ں نہ تھا فرشتے کی صورت اس کے سامنے ظاہر ہوئی اور اس کے کانوں میں آواز آئی کہ جنت کی طرف جائے گا یا جہنم کی طرف ۔۔۔ (جب آدمی اپنے فوت شدہ دوست احباب کے بارے میں ان تمام مذکورہ بالا باتوں کو سوچتا ہے) تو اس وقت

marfat.com

غور کرتا ہے کہ وہ بھی ان کی مثل ہے اور اس کی غفلت بھی ان لوگوں کی غفلت کی طرح ہے اور عنقریب اس کا انجام بھی ان لوگوں کے انجام جیسا ہوگا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "جب تم موت کو یاد کرو تو اپنے آپ کو ان میں سے ایک شمار کرو"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ شخص نیک بخت ہے جو دوسروں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر روز صبح یا شام تم ایک نہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کے لیے تیار کرتے ہو تم اسے زمین پر رکھ دیتے ہو وہ مٹی کو اپنا تکیہ بناتا ہے دوست احباب کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے اور تمام اسباب سے اس کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔

تو ہمیشہ اس قسم کی سوچ کو اختیار کرنا قبرستان میں جانا اور بیماروں کو دیکھنا دل میں موت کی یاد کو بار بار لاتا ہے حتیٰ کہ وہ یاد اس کے دل پر اس قدر غالب آجاتی ہے کہ موت اس کی آنکھوں کے سامنے رہتی ہے اور اس وقت ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے لیے تیاری کرے اور دھوکے کے گھر سے اپنے آپ کو دُور رکھے ورنہ ظاہر دل اور زبان کی نوک سے اس کا ذکر کم فائدہ دیتا ہے اور اس صورت میں تنبیہ زیادہ نہیں ہوتی۔ جب بھی انسان کا دل دنیا کی کسی چیز پر خوش ہو تو اسے اسی وقت اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس نے اسے ضرور چھوڑنا ہے ابن مطیع نے ایک دن اپنے گھر کو دیکھا تو اس کے حُسن کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے رونا شروع کر دیا اور فرمایا اللہ کی قسم! اگر موت نہ ہوتی تو میں تجھ سے خوش ہوتا اور اگر آخر کار تنگ قبر میں جانا نہ ہوتا تو دنیا کے ساتھ ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔ پھر وہ بہت زیادہ روئے حتیٰ کہ ان کی آواز بلند ہو گئی۔

دوسرا باب

لمبی امید، مختصر امید کی فضیلت، طویل امید کا سبب اور اس کے علاج کا طریقہ۔

فصل ۱:

مختصر امید کی فضیلت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا۔

إِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالْمَسَاءِ	جب صبح ہو تو اپنے لیے شام کی امید نہ رکھیں اور شام
وَإِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ	ہو تو صبح تک زندہ رہنے کی امید نہ رکھیں اپنی زندگی سے
بِالصَّبَاحِ وَخُذْ مِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ	موت کے لیے اور اپنی صحت سے بیماری (کے دنوں)
وَمِنْ صِحَّتِكَ لِسَقَمِكَ فَإِنَّكَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ	کے لیے (عمل) حاصل کریں کیوں کہ اے عبداللہ! آپ نہیں

marfat.com

لَاتَدْرِیْ مَا اِسْمُكَ غَدًا۔ (۱)

جانتے کہ کل آپ کا کیا نام ہوگا (فوت شدہ یا زندہ)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اَشَدَّ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ خَصْلَتَانِ اِتِّبَاعُ الْھَوٰی وَطُوْلُ الْاَمَلِ فَاَمَّا اِتِّبَاعُ الْھَوٰی فَاِنَّهٗ یَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَاَمَّا طُوْلُ الْاَمَلِ فَاِنَّهٗ یُنْسِی الْاٰخِرَةَ (۲)

مجھے تم پر دو باتوں کا بہت زیادہ خوف ہے خواہش کے پیچھے چلنا اور لمبی امید، خواہش کی اتباع حق بات سے روک دیتی ہے اور لمبی امید دنیا سے محبت (کا ذریعہ) ہے۔

پھر ارشاد فرمایا۔

اَلَا اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یُعْطِی الدُّنْیَا مَنْ یُّحِبُّ وَمَنْ لَّا یُحِبُّ وَاِذَا اَحَبَّ عَبْدًا اَعْطَاهُ الْاِیْمَانَ اَلَا اِنَّ لِلدِّیْنِ اَبْنَاءَ وَلِلدُّنْیَا اَبْنَاءَ فَکُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الدِّیْنِ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْیَا اَلَا اِنَّ الدُّنْیَا قَدِ ارْتَحَلَتْ مُوَلِّیَةً اَلَا اِنَّ الْاٰخِرَةَ قَدِ ارْتَحَلَتْ مُقْبِلَةً اَلَا وَاِنَّکُمْ فِیْ یَوْمِ عَمَلٍ لَّیْسَ فِیْهِ حِسَابٌ اَلَا وَاِنَّکُمْ تُوْشِکُوْنَ فِیْ یَوْمِ حِسَابٍ لَّیْسَ فِیْهِ عَمَلٌ۔ (۳)

سنو! بے شک اللہ تعالیٰ دنیا اس کو بھی دیتا ہے جسے پسند فرماتا ہے اور اسے بھی جسے ناپسند کرتا ہے اور جب وہ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اسے ایمان (کی دولت) عطا فرماتا ہے۔ سنو! کچھ لوگ دین والے ہیں اور کچھ لوگ دنیادار ہیں تو تم دین والے بنو، دنیا کے بیٹے نہ بنو، سنو! دنیا پیٹھ پھیر کر جا رہی ہے، سنو! آخرت اپنی جگہ سے کوچ کر کے آ رہی ہے سنو! آج تم عمل کے دن میں ہو اس میں حساب نہیں سنو! عنقریب تم حساب کے دن میں ہو گے اور وہاں عمل نہیں ہوگا۔

حضرت ام المنذر رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے لوگو! کیا تم اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں کرتے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا وہ مال جمع کرتے ہو جسے کھاتے نہیں اور اس چیز کی امید رکھتے ہو جسے حاصل نہیں کر سکتے اور وہ مکان بناتے ہو جس میں تم رہائش نہیں رکھو گے۔ (۴)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۴۹ کتاب الرقاق

(۲،۳) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۱۲۷ حدیث ۴۴۱۶۷

(۴) شعب الایمان جلد ۷، ص ۲۵۴، ۲۵۵ حدیث ۱۰۵۶۲

marfat.com

سے ایک لونڈی ایک سو دینار میں خریدی اور ایک مہینہ تک کا ادھار کیا تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا "کیا تم حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر تعجب نہیں کرتے جنہوں نے ایک مہینے کا ادھار کر کے لونڈی خریدی انہوں نے لمبی امید باندھی ہے اس ذات، کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں نے اپنی آنکھیں جب بھی کھولیں تو یہی خیال کیا کہ پلکیں بند کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ میری روح قبض کرلے گا۔ اور جب میں اپنی آنکھیں اٹھاتا ہوں تو یہی خیال کرتا ہوں کہ اسے نیچے کرنے سے پہلے میری روح قبض ہو جائے گی اور جب میں لقمہ اٹھاتا ہوں تو یہی خیال ہوتا ہے کہ اس کے نگلنے سے پہلے پہلے موت آجائے گی۔

پھر فرمایا۔

يَا بَنِيْ اٰدَمَ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ فَعُدُّوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ الْمَوْتٰى وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَّمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ۔ (۱)

اے انسانو! اگر تمہیں عقل ہے تو اپنے آپ کو مردہ لوگوں میں شمار کرو اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جس بات کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے (یعنی موت) وہ آنے والی ہے اور تم اسے عاجز نہیں کر سکتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کے لیے تشریف لے جاتے اور مٹی سے استنجا کر لیتے میں عرض کرتا یا رسول اللہ! پانی آپ کے قریب ہے! آپ فرماتے نمعلوم میں اس اس تک پہنچ سکوں یا نہیں (۲)

ایک روایت میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین لکڑیاں لے کر ایک لکڑی اپنے سامنے گاڑ دی دوسری اس کے پہلو میں اور تیسری کو اس سے دور گاڑا پھر فرمایا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

یہ (درمیان والی لکڑی) انسان ہے یہ (قریب والی لکڑی) اس کی موت ہے (جو فوری طور پر آنے والی ہے) اور وہ (دور والی لکڑی) اس کی امید ہے انسان امید رکھتا ہے لیکن موت اس کے راستے میں رکاوٹ بن جاتی ہے (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَثَلُ ابْنِ اٰدَمَ وَاِلٰى جَنْبِهٖ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ — انسان کی مثال یہ ہے کہ اس کے گرد ننانوے موتیں ہیں

---

(۱) شعب الایمان جلد ۷، ص ۳۵۵ حدیث ۱۰۵۶۴

(۲) مشکوٰۃ شریف ص ۴۰ باب الاکل والحرص

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۸ مرویات ابو سعید خدری

marfat.com

مَنِيَّةً اِنْ اَخْطَاتْهُ الْمَنَايَا وَقَعَ فِي الْهَرَمِ۔(۱) اگر ان موتوں سے بچ جائے تو بڑھاپے میں جا پڑتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

یہ انسان ہے اور اس کے گرد یہ موتیں ہیں جو پھن اٹھائے کھڑی ہیں اور ان موتوں کے بعد بڑھاپا ہے بڑھاپے کے بعد امید ہے اور امید رکھتا ہے حالاں کہ ان موتوں نے اپنے نیزوں کی نوکیں اس کی طرف سیدھی کر رکھی ہیں جس کو حکم ہوتا ہے وہی اسے ڈھیر کر دیتی ہے اور اگر وہ موت سے بچ جاتا ہے تو بڑھاپا اسے ہلاک کر دیتا ہے اور وہ امید کی طرف دیکھتا رہ جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے مربع شکل میں لکیر کھینچی اس کے درمیان بھی ایک لکیر کھینچی پھر اس کے گرد کئی لکیریں کھینچیں اور ایک لکیر کھینچی جو جو اس مربع سے باہر جا رہی تھی آپ نے فرمایا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟

ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں آپ نے درمیان والی لکیر کے بارے میں فرمایا یہ انسان ہے اور مربع لکیر کے بارے میں فرمایا یہ موت ہے اس کو گھیرے ہوئے ہے اور یہ درمیان والی لکیریں مصائب ہیں جو اس کو نوچتے ہیں اگر ایک سے بچ جائے تو دوسرے کے ہتھے چڑھ جاتا ہے اور باہر نکلنے والی لکیر کے بارے میں فرمایا یہ امید ہے۔ (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یَهْرَمُ ابْنُ اٰدَمَ وَیَبْقٰی مَعَهٗ اثْنَتَانِ الْحِرْصُ وَالْاَمَلُ۔ (۳) آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ یہ دو چیزیں باقی رہتی ہیں ایک حرص اور دوسری امید۔

ایک اور روایت میں۔

تَشِبُّ مَعَهٗ اثْنَتَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ۔ (۴) اس کے ساتھ دو چیزیں جوان رہتی ہیں ایک مال کی حرص اور دوسری زندگی کی حرص۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) جامع ترمذی ص ۳۱۳، ابواب القدر

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۵۰، کتاب الرقاق

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۵۱ روایات انس

(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۲۵، کتاب الزکوٰۃ

marfat.com

نَجَا اَوَّلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بِالْيَقِيْنِ وَالزُّهْدِ وَيَهْلِكُ اٰخِرُهٰذِهِ الْاُمَّةِ بِالْبُخْلِ وَالْاَمَلِ۔ (۱)

اس امت کے پہلے لوگ یقین اور زہد کی وجہ سے نجات پا گئے اور اس امت کے پچھلے لوگ بخل اور امید کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف فرما تھے اور ایک بوڑھا شخص اپنی کدال سے زمین کھود رہا تھا آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ! اس شخص سے امید کو دور کر دے چنانچہ اس بوڑھے نے کدال رکھ دی اور لیٹ گیا تھوڑی دیر گزری تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ! اس کی امید لوٹا دے چنانچہ وہ شخص اٹھا اور اس نے کام شروع کر دیا آپ نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا میں کام کر رہا تھا کہ میرے نفس نے کہا تم کب تک عمل کرتے رہو گے اور تم ایک بوڑھے شخص ہو میں نے کدال پھینک دی اور لیٹ گیا پھر میرے نفس نے کہا اللہ کی قسم! جب تک تو زندہ ہے گذر اوقات کی ضرورت باقی رہے گی تو میں نے کدال اٹھالی۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم سب جنت میں جانا چاہتے ہو! صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا۔

قَصِّرُوْا مِنَ الْاَمَلِ وَتَبَتُّوْا اٰجَالَكُمْ بَيْنَ اَبْصَارِكُمْ وَاسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ۔ (۲)

امیدیں کم رکھو، اپنی موت کو آنکھوں کے سامنے رکھو اور اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیا کرو جس طرح حیا کرنے کا حق ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا مانگتے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ دُنْيَا تَمْنَعُ خَيْرَ الْاٰخِرَةِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ حَيَاةٍ تَمْنَعُ خَيْرَ الْمَمَاتِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَمَلٍ يَمْنَعُ خَيْرَ الْعَمَلِ۔ (۳)

یا اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسی دنیا سے جو آخرت کی بھلائی سے روکے اور تیری پناہ چاہتا ہوں ایسی زندگی سے جو موت کی بہتری سے روکے اور تیری پناہ چاہتا ہوں ایسی امید سے جو اچھے عمل سے روکے۔

آثار:

حضرت مطرف بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر مجھے اپنی موت کے وقت کا علم ہوتا تو میری عقل چلی جاتی لیکن اللہ تعالیٰ

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۱۴۲ کتاب التوبۃ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۸۰ مرویات عبداللہ بن مسعود (کچھ الفاظ نہیں ہیں ۱۲ رب نواز)

(۳)

marfat.com

بندوں کو موت سے بے خبر رکھ کر ان پر احسان کیا ہے اور اگر یہ بے خبری نہ ہوتی تو نہ زندگی اچھی طرح گزرتی اور نہ بازار لگتے۔
حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں بھول اور امید دونوں انسان کے لیے بہت بڑی نعمتیں ہیں اگر یہ نہ ہوتیں تو مسلمان راستوں
چلتے ـــــ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ انسان احمق ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو
ں کی زندگی خوشگوار نہ ہوتی ۔

حضرت ابو سعید بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ دنیا اس لیے آباد ہے کہ دنیا والوں کی عقلیں بہت کم ہیں۔
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے تین آدمیوں پر تعجب ہوا حتی کہ میں ہنس پڑا ایک دنیا کی امید رکھنے والا جبکہ
ت اس کے پیچھے لگی ہوئی دوسرا غافل شخص جس سے غفلت نہیں کی جائے گی اور تیسرا شخص منہ بھر کر ہنسنے والا حالاں کہ
ہیں جانتا کہ اس کا رب اس پر ناراض ہے یا راضی ؟ اور تین باتوں نے مجھے غمگین کیا حتی کہ میں رو پڑا پہلی بات میرے
ستوں یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کا فراق دوسرا قیامت کا خوف اور تیسرا اللہ تعالیٰ کے
منے کھڑا ہونے کا ڈر مجھے معلوم نہیں کہ کیا مجھے جنت کی طرف لے جانے کا حکم ہوگا یا جہنم کی طرف ؟۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں میں نے حضرت زرارہ بن اوفیٰ رضی اللہ عنہ کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا تو میں نے
چا آپ کے نزدیک کون سا عمل زیادہ پہنچنے والا ہے ؟ انہوں نے فرمایا توکل کرنا اور امید کم رکھنا۔
حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں دنیا سے زہد، امید کم رکھنے کا نام ہے موٹا کھانا کھانا اور موٹا کمبل پہننا نہیں۔
حضرت مفضل بن فضالہ رحمہ اللہ نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ ان سے امید کو اٹھا دے تو اللہ تعالیٰ ان سے
نے پینے (کی خواہش) کو لے گیا پھر انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ ان کی امید واپس کر دے تو وہ کھانے پینے کی طرف
لے آئے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ اپنی قمیص کیوں نہیں دھوتے ؟ انہوں نے فرمایا معاملہ (موت) اس سے
ہ جلدی کا ہے حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں موت تمہاری پیشانیوں میں بندھی ہوئی ہے اور دنیا تمہارے پیچھے کو لپیٹی
ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں میں اس شخص کی طرح ہوں جو اپنی گردن پھیلائے ہوئے ہے اور اس پر تلوار کھینچی گئی
س انتظار میں ہے کہ کب اس کی گردن مارے۔

حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر میں ایک مہینہ زندہ رہنے کی امید کروں تو گویا میں نے گناہ کبیرہ کیا اور میں اس کی
بدکس طرح کر سکتا ہوں جب کہ میں ان مصیبتوں کو دیکھتا ہوں جو دن رات کی ساعتوں میں مخلوق کو گھیرے ہوئے ہیں۔
منقول ہے کہ حضرت شفیق بلخی رحمہ اللہ اپنے استاد ابو ہاشم رمانی رحمہ اللہ کے پاس آئے اور ان کی چادر کے پلو میں
و بندھا ہوا تھا استاذ نے پوچھا تمہارے پاس کیا ہے ؟ انہوں نے کہا کچھ بادام ہیں میرے ایک بھائی نے مجھے دیئے

marfat.com

اور کہا کہ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم ان کے ساتھ روزہ افطار کرو انہوں نے فرمایا اے شفیق! کیا تم رات تک زندہ رہنے کا خیال رکھتے ہو میں تم سے کبھی گفتگو نہیں کروں گا فرماتے ہیں پھر انہوں نے مجھ پر دروازہ بند کر دیا اور اندر چلے گئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا ہر سفر کے لیے زاد راہ ضرور ہوتا ہے لہذا تم دنیا سے آخرت کی اپنے سفر کے لیے تقویٰ کا سامان اختیار کرو اور ایسے ہو جاؤ گویا تم نے اس کے ثواب و عذاب کو دیکھا ہے لہذا ثواب کی رغبت رکھو اور عذاب سے ڈرو۔ تم پر امید ہرگز طویل نہ ہو جائے ورنہ تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور تم اپنے دشمن کے تابع ہو جاؤ گے اللہ کی قسم وہ شخص اپنی امید کو نہیں پھیلاتا جو نہیں جانتا کہ وہ شام کے بعد صبح کرے گا اور صبح کے بعد شام کرے گا یا نہیں۔ بعض اوقات ان دونوں وقتوں کے درمیان موتوں کا اُچکنا پایا جاتا ہے میں نے اور تم نے اکثر دیکھا کہ بعض لوگ دنیا کے اعتبار سے دھوکے میں تھے اسی شخص کی آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پر یقین رکھتا ہو۔

اور جو شخص قیامت کے ہولناک منظر سے بے خوف ہو وہی خوشی کا اظہار کرتا ہے اور جس شخص کو پہلا زخم ٹھیک ہونے سے پہلے ہی دوسرا زخم لگ جائے وہ کیسے خوش ہو سکتا ہے میں اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تمہیں وہ بات کہوں جس سے میں خود اپنے آپ کو نہیں روکتا پس میری تجارت میں نقصان ہوگا اور میرا عیب ظاہر ہو جائے گا اور اس دن میری محتاجی ظاہر ہو جائے گی جس دن مالداری اور محتاجی ظاہر ہوں گی اور ترازو قائم ہوں گے تم ایسے کاموں کے مکلف بنائے گئے کہ اگر ستاروں کو ان کاموں کا مکلف بنایا جاتا تو وہ بے نور ہو جاتے اور اگر پہاڑوں کو تکلیف دی جائے تو وہ پگھل جائیں اور اگر زمین کو مکلف بنایا جاتا تو وہ پھٹ جاتی کیا تم نہیں جانتے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان کوئی منزل نہیں اور تم نے ان میں سے کسی ایک میں جانا ہے۔

ایک شخص نے اپنے بھائی کو لکھا۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد! دنیا ایک خواب ہے اور آخرت بیداری ہے اور ان دونوں کے درمیان موت ہے اور ہم پراگندہ خوابوں میں ہیں والسلام۔

اور ایک دوسرے شخص نے اپنے بھائی کو لکھا دنیا پر غم کرنا بہت لمبا ہے اور موت انسان کے قریب ہے۔ اور ہر روز کچھ نہ کچھ گھٹتا ہے اور مصیبت (آزمائش) اس کے جسم میں آہستہ آہستہ چل رہی ہے اس سے پہلے کہ کوچ کا اعلان ہو سفر کی تیاری میں جلدی کرو۔ والسلام۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب تک حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش واقع نہیں ہوئی تھی ان کی امید ان کی پیٹھ کے پیچھے اور موت آنکھوں کے سامنے تھی جب آپ سے خطا واقع ہوئی تو آپ کی امید آنکھوں کے سامنے اور موت آپ کی پیٹھ کے پیچھے کر دی گئی۔

حضرت عبداللہ بن سمیط رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے سنا فرماتے ہیں اپنی طویل صحت پر دھوکے میں مبتلا

marfat.com

شخص! کیا تُو نے کسی کو بیماری کے بغیر مرتے ہوئے نہیں دیکھا اے وہ شخص! جو طویل مہلت کی وجہ سے دھوکے میں ہے
تو نے کسی کو سامان کے بغیر گرفتار نہیں دیکھا اگر تم اپنی عمر کی طوالت کے بارے میں سوچے تو سابقہ لذتیں بھول جائے
وگ صحت کے دھوکے میں ہو یا عافیت میں زیادہ دن گزارنے پر اکڑتے ہو یا موت سے بے خوف ہو یا موت کے
ننے پر تمہیں جرأت ہے بے شک جب موت کا فرشتہ آئے گا تو تمہاری مالی ثروت اور تمہاری جماعت تمہیں نہیں
سکے گی کیا تم نہیں جانتے کہ موت کی گھڑی سختیوں، اور ندامت کی گھڑی ہے کہ کوتاہی واقع ہوئی پھر وہ فرماتے
تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو موت کے بعد کے لیے عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو موت
آنے سے پہلے اپنے نفس کو ترس کی نگاہ سے دیکھے۔

حضرت ابوزکریا تیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں سلیمان بن عبدالملک مسجد حرام میں تھے کہ ان کے پاس ایک پتھر لایا گیا
ں پر کچھ لکھا ہوا تھا انہوں نے کسی پڑھنے والے کو بلایا چنانچہ حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ تشریف لائے تو اس پتھر
ندہ تھا "اے انسان! اگر تو اپنی موت کی نزدیکی کو دیکھ سکے تو لمبی امید چھوڑ دے، زیادہ عمل کرنے میں رغبت کرے اور
حرص وحیلہ کم ہو جائے اگر تیرے قدم پھسل گئے تو کل (بروز قیامت) تجھے ندامت اٹھانا پڑے گی تیری اولاد اور
رچا کر تجھے حوالے کر دیں گے اور والدین قریبی رشتہ دار تجھ سے جدا ہو جائیں گے اولاد اور داماد تجھے چھوڑ دیں گے
تو تُو دنیا کی طرف لوٹے گا اور نہ تیری نیکیوں میں اضافہ ہوگا پس ندامت وحسرت سے پہلے قیامت کے لیے عمل کر۔ یہ سن کر
سلیمان بن عبدالملک رو پڑے۔

کسی بزرگ کا قول ہے کہ میں نے محمد بن یوسف کا خط عبدالرحمٰن بن یوسف کے نام دیکھا جس میں لکھا تھا تم پر
متی ہو میں اس اللہ کا شکر کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، حمد وصلوٰۃ کے بعد۔ میں تمہیں خوف دلاتا ہوں اور
ے تیرے مہلت کے گھر سے ٹھہرنے اور اعمال کی جزا کے گھر کی طرف بلاتا ہوں تو زمین کے ظاہر پر رہنے کے بعد
س کے اندر چلا جائے گا تیرے پاس منکر نکیر (فرشتے) آئیں گے جو تجھے بٹھائیں گے اور ڈانٹ ڈپٹ کریں
ے اگر اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ہوا تو تجھے نہ تو کوئی وحشت ہوگی اور نہ حاجت اور اگر اس کے علاوہ کوئی بات ہوئی
شد تعالیٰ مجھے بھی اور تجھے بھی بری جگہ اور تنگ آرام گاہ سے پناہ عطا فرمائے پھر میدان حشر کی چیخ وپکار ہوگی اور
پھونکا جائے گا مخلوق کے فیصلوں کے لیے خدائے جبار آمادہ ہوگا زمین اپنے رہنے والوں اور آسمان اپنے اندر بسنے
ں سے خالی ہو جائیں گے اسرار کھل جائیں گے جہنم بھڑکائی جائے گی، میزان قائم کئے جائیں گے انبیاء کرام اور
اد عظام کو لایا جائے گا اور ان کے درمیان سچا فیصلہ ہوگا اور کہا جائے گا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام
نوں کو پانے والا ہے۔

marfat.com

کتنے ہی لوگ رسوا ہوں گے اور کتنے ہی لوگوں کی پردہ پوشی ہوگی بہت سے ہلاک ہوں گے اور بہت سے نجات پائیں گے کئی لوگوں کو عذاب ہوگا اور کئی رحمت حاصل کریں گے معلوم نہیں اس دن میرا اور تیرا کیا حال ہوگا۔

اس سے لذتیں چلی گئیں، امید کم ہوگئیں سونے والے جاگ گئے اور غفلت کے مارے ہوئے ہوشیار ہوگئے اللہ تعالیٰ اس بہت بڑے خطرے پر ہماری اور تمہاری مدد فرمائے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کو ہمارے دلوں میں اس طرح کردے جس طرح ان کو متقی لوگوں کے دلوں میں کیا ہے اس لیے کہ ہم اسی کے ہیں۔ والسلام۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خطبہ دیتے ہوئے حمد وثنا کی اور فرمایا اے لوگو! تمہیں بیکار پیدا نہیں کیا گیا اور نہ ہی بیکار چھوڑا گیا ہے تمہارے لیے انجام کا دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو فیصلے کے لیے جمع فرمائے گا پس کل (قیامت کے دن) وہ بندہ بدبخت اور نامراد ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اس رحمت سے نکال دیا جو ہر چیز کو شامل ہے اور اس جنت سے بھی جس کی چوڑائی تمام آسمانوں کے برابر ہے۔

کل اسے ہی امن ملے گا جو ڈرتا ہے اور متقی ہے اور اس نے قلیل (یعنی دنیا) دے کر کثیر (یعنی آخرت) خریدلی باقی کے بدلے میں فانی اور سعادت کے بدلے میں بدبختی بیچ دی کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم ہلاک ہونے والوں کی پیٹھوں میں تھے اور تمہارے بعد والے تمہارے نائب ہوں گے کیا تم نہیں دیکھتے کہ صبح وشام لوگ اپنے رب کے پاس چلے جاتے ہیں جنہوں نے اپنا کام مکمل کرلیا اور ان کی امید ختم ہوگئی تم ان کو زمین کے گڑھے میں کسی بچھونے اور تکیے کے بغیر رکھتے ہو اسباب الگ ہوگئے دوست احباب جدا ہوگئے اور حساب وکتاب سامنے ہے اللہ کی قسم! میں تم سے یہ بات کہہ رہا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ تم میں سے کسی کے گناہ میرے گناہوں سے زیادہ ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے طریقے ٹھیک ہیں میں تمہیں اس کی اطاعت کا حکم دیتا اور اس کی نافرمانی سے منع کرتا ہوں نیز اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طلب گار ہوں (یہ فرمانے کے بعد) انہوں نے اپنی آستین چہرے پر رکھی اور رونے لگے حتی کہ ان کے آنسوؤں سے ان کی داڑھی مبارک تر ہوگئی اور انتقال فرمانے تک آپ دوبارہ مجلس میں تشریف نہ لائے۔

حضرت قعقاع بن حکیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے موت کے لیے تیس سال تیاری کی اگر موت میرے پاس آئے تو میں اتنی تاخیر بھی نہیں کروں گا جتنی دیر میں ایک چیز دوسری چیز سے پیچھے کی جاتی ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے کوفہ کی مسجد میں ایک بزرگ کو دیکھا وہ کہہ رہے تھے میں تیس سال سے اس مسجد میں موت کا منتظر ہوں اگر وہ آئے گی تو میں نہ تو اسے کوئی حکم دوں گا اور نہ کسی کام سے منع کروں گا نہ کسی کے ذمہ میری کوئی چیز ہے اور نہ کسی کی میرے ذمہ کوئی چیز ہے۔

حضرت عبداللہ بن ثعلبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم ہنستے ہو اور ہوسکتا ہے تمہارا کفن دھونے والے کے پاس سے آچکا ہو۔

حضرت ابومحمد بن علی زاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم کوفہ میں ایک جنازے کے ساتھ گئے اور اس میں حضرت داؤد طائی

marfat.com

شریک تھے تدفین کے وقت وہ ایک کنارے پر بیٹھ گئے میں آیا اور ان کے پاس بیٹھ گیا اور گفتگو شروع کی انہوں نے
یا جو وعدۂ عذاب سے ڈرتا ہے اس پر دور کی چیز بھی نزدیک ہو جاتی ہے، جس کی امید لمبی ہو اس کا عمل کمزور
جاتا ہے اور جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہے (یعنی موت)

اے بھائی! جان لو ہر وہ چیز جو تجھے تیرے رب سے غافل کر دے وہ تیرے لیے نحوست کا باعث ہے اور
لوگ تمام دنیا والے قبرستان والوں میں سے ہیں وہ جو کچھ چھوڑتے ہیں اس پر نادم ہوتے ہیں اور جو کچھ آگے بھیجتے
اس پر خوش ہوتے ہیں لیکن قبر والے جس پر پشیمان ہوتے ہیں دنیا والے اس پر لڑتے مرتے ہیں اور اسی پر وہ حاکموں
جھگڑا کرتے ہیں۔

مروی ہے کہ حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ نے نماز کے لیے تکبیر کہی اور محمد بن ابی توبہ رحمہ اللہ سے فرمایا آگے بڑھو
فرماتے ہیں) میں نے کہا اگر میں نے یہ نماز پڑھائی تو دوسری نماز نہیں پڑھاؤں گا حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ نے فرمایا
مارے دل میں یہ خیال ہے کہ تو دوسری نماز بھی پڑھائے گا لمبی امید سے اللہ تعالیٰ کی پناہ یہ تو اچھے عمل سے روک دیتی ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا دنیا تمہارا باقی رہنے والا ٹھکانہ نہیں ہے یہ وہ جگہ ہے
کے لیے اللہ تعالیٰ نے فنا ہونا لکھا ہے اور اس کے رہنے والوں پر یہاں سے جانا لکھ دیا ہے بہت سے مضبوط
جلد خراب اور ویران ہو جاتے ہیں اور کتنے ہی رہائش پذیر جن پر رشک کیا جاتا ہے جلد ہی رخصت ہو جاتے ہیں۔

پس اے لوگو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے اس میں سے عمدہ چیز لے کر اچھی طرح نکلو اور اچھا توشہ اختیار کرو
بہترین نادر راہ تقویٰ ہے دنیا سکڑنے والے سائے کی طرح ہے جو ختم ہو جاتا ہے آدمی دنیا میں آنکھوں کی ٹھنڈک
حاصل کرتا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر کے تحت اسے بلا لیتا ہے اور اس کے سر پر موت لاٹھی کرتا ہے تو اس کے
نشان اور دنیا اس سے لے لی جاتی ہے اور یہ سب کچھ دوسروں کے لیے ٹھکانہ اور غنیمت کر دیا جاتا ہے دنیا
قدر نقصان پہنچاتی ہے اس قدر خوشی نہیں دیتی۔ وہ خوشی کم اور غم زیادہ دیتی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ اپنے خطبہ میں ارشاد فرماتے تھے کہاں گئے وہ لوگ جن کے
سے خوبصورت تھے اور چمکتے تھے اور وہ اپنی جوانیوں پر فخر کرتے تھے! کہاں ہیں وہ بادشاہ جنہوں نے شہر تعمیر
اور ان کے گرد دیواریں بنا کر ان کو محفوظ کیا کہاں ہیں وہ جو لڑائی کے میدان میں غالب آتے تھے زمانے
ان کو کمزور اور ذلیل کر دیا پس وہ قبروں کی تاریکیوں میں چلے گئے جلدی جلدی کرو اور نجات تلاش کرو نجات
ش کرو۔

marfat.com

فصل ۲

طویل امید کا سبب اور اس کا علاج

طویل امید کے دو سبب ہیں (۱) جہالت اور (۲) محبت دنیا۔

جہاں تک دنیوی محبت کا تعلق ہے تو جب آدمی دنیا، اس کے خواہشات، لذات اور متعلقات سے مانوس ہوتا ہے تو دل اس کی جدائی کا بوجھ محسوس کرتا ہے اور دل موت کی فکر کرنے سے رُک جاتا ہے حالانکہ موت ہی اس سے جدائی کا سبب ہے اور جو شخص کسی چیز کو ناپسند کرتا ہے اسے اپنے آپ سے دُور کرتا ہے اور انسان اپنی باطل آرزوؤں میں مشغول ہوتا ہے اور اپنے نفس کے لیے اسی چیز کی آرزو کرتا ہے جو اس کے موافق ہو اور اس کی مراد کے موافق دنیا میں باقی رہتا ہے۔ پس وہ اسی کا خیال کرتا ہے اور اپنے لیے اسی کو فرض کرتا ہے باقی رہنے کے لیے جو کچھ ضروری ہے یعنی مال، اہل و اولاد، دوست احباب، جانور اور دیگر اسبابِ دنیا تو وہ ان کی فکر میں رہتا اور دل کا جھکاؤ بھی انہی چیزوں کی طرف ہوتا ہے اور انہی پر رُکتا ہے لہٰذا وہ موت سے غافل ہو کر اس کے خیال کو قریب بھٹکنے نہیں دیتا اور اگر کبھی اس کے دل میں موت اور اس کی تیاری کا خیال آئے تو لیت ولعل سے کام لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ابھی بڑے دن پڑے ہوئے ہیں۔ بڑا ہو کر توبہ کروں گا۔ جب بڑا ہوتا ہے تو کہتا ہے بڑھاپے میں توبہ کروں گا۔ جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو کہتا ہے یہ مکان بنا کر یا زمین آباد کر کے یا اس سفر سے واپس آ کر یا لڑکے کی شادی اور بہن کے جہیز سے فارغ ہو کر، بدگو دشمن کو غالب کر کے یا مکان کی تدبیر سے فارغ ہو کر توبہ کروں گا۔ پس اس طرح وہ ٹال مٹول سے کام لیتا رہتا ہے اور ایک کے بعد دوسرے کام میں مشغول ہو جاتا ہے بلکہ بہت سے کاموں میں مشغول رہتا ہے حتیٰ کہ موت اسے اس وقت آلیتی ہے جس کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔ اس وقت بہت زیادہ افسوس ہوتا ہے۔

اگر دوزخ والے لیت ولعل کی وجہ سے فریاد کریں گے اور کہیں گے ہائے افسوس، ہم نے کیوں تاخیر کی اور تاخیر کرنے والا بیچارہ نہیں جانتا کہ جو بات اسے آج تاخیر پر مجبور کرتی ہے وہ کل بھی تو اس کے ساتھ ہو گی بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اور زیادہ مستحکم ہوتی ہے اور اس کو یہ گمان ہے کہ دنیا میں مصروف رہنے والے اور اس کی حفاظت کرنے والے کو کبھی نہ کبھی تو فراغت ہو گی حالانکہ یہ بات نہیں اس سے وہی فارغ ہوتا ہے جو اس کو چھوڑتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

مَا قَضٰی اَحَدٌ مِنْهَا بَانَتَهٗ — اس سے کسی نے اپنی حاجت کو پورا نہیں کیا اور ہر

وَمَا انْتَهٰی اِرْبٌ اِلَّا اِلٰی اِرْبٍ — حاجت کے بعد ایک حاجت ہے۔

اور ان تمام آرزوؤں کی اصل دنیا کی محبت اور اس سے مانوس ہونا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول

marfat.com

مفہوم سے غفلت ہے۔

أَحْبِبْ مَنْ أَحْبَبْتَ فَإِنَّكَ مُفَارِقُهُ [1] جس سے محبت کرتے ہو کر دے شک تم اس سے جدا ہونے والے ہو۔

جہاں تک جہالت کا تعلق ہے تو بعض اوقات انسان اپنی جوانی پر اعتماد کرتا ہے اور جوانی کی حالت میں موت کا بعید جانتا ہے اور بے پارہ نہیں جانتا کہ اگر اپنے شہر کے بوڑھوں کو شمار کرے تو وہ شہر کے کل افراد کے دسویں حصے بھی کم ہوں گے اور اس قلت کی وجہ یہ ہے کہ جوانی کی حالت میں موت زیادہ واقع ہوتی ہے تو جب تک ایک شخص مرتا ہے ہزار بچے اور نوجوان مر جاتے ہیں اور بعض اوقات آدمی صحت کی وجہ سے موت کو دور سمجھتا ہے اچانک موت آنے کو دشوار سمجھتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ یہ بات بعید نہیں ہے کہ اگر یہ بات بعید بھی ہو تو اچانک ہی بعید نہیں اور ہر مرض اچانک واقع ہوتی ہے اور جب وہ بیمار ہوتا ہے تو موت بعید نہیں ہوتی۔

اگر یہ غافل غور و فکر کرے اور اس بات کو جان لے کہ موت کے لیے جوانی، بڑھاپا، گرمی، سردی، خزاں، بہار اور دن کوئی وقت مقرر نہیں تو اس کا شعور بڑھے اور وہ اس کے لیے تیاری کرے لیکن ان باتوں سے جہالت اور دنیا کی محبت دونوں اس کو لمبی امید اور موت کے جلد آنے سے غفلت کی طرف بلاتی ہیں وہ ہمیشہ یہی گمان کرتا ہے کہ موت اس کے سامنے ہے لیکن وہ اسے اپنے اوپر آنا فرض نہیں کرتا وہ ہمیشہ یہی خیال کرتا ہے کہ جنازے کے ساتھ جائے گا لیکن یہ بات فرض نہیں کرتا کہ کوئی اس کے جنازے کے ساتھ بھی جائے گا کیونکہ وہ جنازوں کے ساتھ چلتے چلتے اس سے مانوس ہو گیا ہے اور یہ دوسروں کی موت کا مشاہدہ ہے لیکن وہ اپنی موت سے مانوس نہیں ہے وہی اس بات کا تصور کرتا ہے اور اپنی موت سے الفت ممکن بھی نہیں کیونکہ وہ واقع نہیں ہو گی اور واقع ہوئی تو ایک مرتبہ واقع نہیں ہو گی یہی اول و آخر ہے۔ اس تصور کو حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو دوسروں میں محسوس کرے اور اس بات پر یقین رکھے کہ اس کا جنازہ اٹھایا جائے گا اور اسے قبر میں دفن کیا جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ اس کی قبر کو ڈھانپنے والی اینٹ تیار ہو گئی ہو اور اسے معلوم نہ ہو پس اس کا ٹال مٹول کرنا محض جہالت ہے جب تمہیں معلوم ہوا کہ اس کا سبب جہالت اور دنیا کی محبت ہے تو اس کا علاج اس کے سبب کو دور کرنا ہے جہالت کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ حاضر دل سے صاف فکر کرے اور پاک دلوں سے حکمت بالغہ کی سماعت کرے محبت دنیا کا علاج اسے دل سے نکالنے کے ذریعے بہت سخت ہے یہ علاج مرض ہے جس نے پہلوں اور اگلوں سب کو علاج سے تھکا دیا اور اس کا علاج صرف آخرت کے دن پر ایمان لانا ہے اور اس میں پائے

---

[1] العلل الشافیہ جلد ۲ ص ۴۳ حدیث ۱۴۸۱

marfat.com

جانے والے بہت بڑے عذاب اور عمدہ ثواب کو ماننا ہے جب اسے اس بات کا یقین حاصل ہو جائے گا تو اس کے دل سے دنیا کو ہج کر جائے گی کیونکہ بڑی چیز کی محبت دل سے چھوٹی چیز کی محبت کو مٹا دیتی ہے۔ پس جب دنیا کی حقارت اور آخرت کی نفاست کو دیکھے گا تو دنیا کی طرف توجہ سے نفرت کرے گا اگرچہ اسے مشرق سے مغرب تک کی حکومت دی جائے اور ایسا کیوں نہیں ہوگا جبکہ اس کے پاس معمولی مقدار ہے اور وہ بھی بے مزہ اور کدورت سے بھری ہوئی ہے تو آخرت پر ایمان کی موجودگی میں اس پر کس طرح خوش ہوگا اور دل میں اس کی محبت کس طرح جاگزیں ہوگی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دنیا اس طرح دکھائے جس طرح اپنے نیک بندوں کو دکھائی ہے اور موت کا خیال دل میں بٹھانے کا اس سے بہتر کوئی علاج نہیں کہ اپنے ہمسر لوگوں کی موت کو دیکھے کہ کس طرح ان کے پاس اس وقت آئی جب ان کو اس کا خیال بھی نہ تھا لیکن جو شخص موت کے لیے تیار رہتا ہے وہ بہت بڑی کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے اور جو لمبی امید کے ذریعے دھوکے کا شکار ہوتا ہے وہ واضح نقصان اٹھاتا ہے۔

تو انسان کو ہر وقت اپنے اعضاء کی طرف دیکھنا اور غور کرنا چاہیے کہ کس طرح ان کو کیڑے مکوڑے کھا جائیں گے اور ان کی ہڈیاں کس طرح بکھر جائیں گی اور یہ بات بھی سوچ کہ کیڑے اس کی آنکھ کے دائیں ڈھیلے کو پہلے کھائیں گے یا بائیں کو، اس کے جسم کی ہر چیز کیڑوں کی خوراک ہوگی اور اسے اپنے نفس سے صرف اسی علم اور عمل کا فائدہ حاصل ہوگا جو اس نے خالص رضائے الٰہی کے لیے حاصل کیا۔

اسی طرح اس کو عذاب قبر، منکر نکیر کے سوالات، حشر و نشر، قیامت کے ہولناک مناظر اور بڑے دن کی پیشی کے لیے پکار وغیرہ، عنقریب اسے ان سے پالا پڑے گا۔ کے بارے میں بھی سوچنا چاہیے اس قسم کے افکار دل میں موت کے ذکر کو بار بار لاتے اور اس کے لیے تیاری کی دعوت دیتے ہیں۔

فصل ۳۔

امید کے زیادہ اور کم ہونے میں لوگوں کے مراتب

اس سلسلے میں لوگوں کے درجات مختلف ہیں ان میں سے بعض باقی رہنے کی اُمید رکھتے اور ہمیشہ اس کے خواہش مند رہتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ [1]

ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اسے ایک ہزار سال عمر دی جائے۔

---

[1] قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۹۶۔

marfat.com

اور کوئی شخص بڑھاپے تک زندہ رہنا چاہتا ہے یعنی جس قدر زندگی کی انتہا اس نے دیکھی ہے اور یہ شخص دنیا سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اَلشَّیْخُ شَابٌّ فِیْ حُبِّ طَلَبِ الدُّنْیَا وَاِنِ انْتَفَتْ تَرْقُوَتَاہُ مِنَ الْکِبَرِ اِلَّا الَّذِیْنَ اتَّقُوْا وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ[1]	بوڑھا آدمی طلبِ دنیا کی محبت میں نوجوان ہے اگرچہ بڑھاپے کے سبب اس کی ہنسلی کی ہڈی مڑ جائے مگر وہ لوگ جو ڈرتے ہیں اور وہ بہت کم ہیں۔

اور ان میں سے کوئی ایک سال تک زندہ رہنے کی اُمید رکھتا ہے اور اس کے بعد کے لیے تدبیر نہیں کرتا آئندہ سال کے لیے اپنے وجود کو فرض نہیں کرتا لیکن یہ شخص گرمیوں میں سردیوں کے لیے اور سردیوں میں گرمیوں کے لیے تیاری کرتا ہے۔

پس جب سال بھر کے لیے ضروری سامان جمع کر لیتا ہے تو عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور ان میں کوئی صرف گرمیوں یا سردیوں کی مدت کے لیے اُمید رکھتا ہے لہٰذا وہ گرمیوں میں سردیوں کے کپڑے اور سردیوں میں گرمیوں کے کپڑے جمع نہیں کرتا۔

اور کسی شخص کی امید ایک دن رات کو محیط ہوتی ہے پس وہ صرف آج کے دن کے لیے تیاری کرتا ہے کل کے لیے نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کل کے رزق کا اہتمام نہ کرو۔ اگر تمہیں کل کی مہلت مل گئی تو اس کے ساتھ سارا رزق بھی آئے گا اور اگر کل کی مہلت نہ ملی تو دوسروں کی مہلت کے لیے اہتمام نہ کرو۔

اور کسی آدمی کی امید ایک ساعت سے نہیں بڑھتی جس طرح ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

یَا عَبْدَ اللّٰہِ اِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَکَ بِالْمَسَاءِ وَاِذَا اَمْسَیْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَکَ بِالصَّبَاحِ[2]	اے بندہ خدا! جب تم صبح کرو تو شام کے بارے میں نہ سوچو اور جب شام ہو تو صبح کے بارے میں سوچو۔

اور کسی شخص کو ایک گھڑی زندہ رہنے کی اُمید نہیں ہوتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانی حاصل ہونے کے باوجود وضو کرنا نیم فرماتے اور ارشاد فرماتے۔ ہو سکتا ہے میں پانی تک نہ پہنچ سکوں[3]

---

[1] کنز العمال جلد ۳ ص ۹۹ حدیث ۵۶۷۱

[2] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۴۹، کتاب الرقاق

[3] مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۰ باب الامل والحرص

marfat.com

اور کسی شخص کی موت اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے۔ گویا کہ موت واقع ہو گئی۔ پس وہ اس کا منتظر رہتا ہے اور یہ وہی شخص ہے جو رخصت ہونے والے کی طرح نماز پڑھتا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت اسی سلسلے میں ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان کے ایمان کی حقیقت پوچھی تو انہوں نے عرض کیا میں جب بھی کوئی قدم اٹھاتا ہوں تو یہ خیال کرتا ہوں کہ اس کے بعد دوسرا قدم نہیں اٹھاؤں گا۔[1]

اور جیسا کہ حضرت اسود حبشی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ رات کو نماز پڑھتے ہوئے دائیں بائیں متوجہ ہوتے کسی نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ موت کا فرشتہ کدھر سے آئے گا۔

تو (امید کے سلسلے میں) لوگوں کے یہ مراتب ہیں اور ہر ایک کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات ہیں جس کی امید ایک مہینہ ہے وہ اس کی طرح نہیں جس کی امید ایک مہینہ اور ایک دن ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے درجات میں فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا اور جو شخص ذرہ برابر بھی نیک عمل کرے گا اس کو دیکھ لے گا۔ پھر امید کے کم ہونے کا اثر عمل میں جلدی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اُمید کی کمی کا دعویٰ جھوٹ ہے کیونکہ اس بات کا پتہ عمل سے چلتا ہے کیونکہ بعض اوقات وہ شخص اپنے اسباب کی تیاری میں مشغول ہوتا ہے کہ سال بھر تک ان کا محتاج نہیں ہوتا تو اس کا یہ عمل امید کے زیادہ ہونے پر دلالت ہے۔

اور توفیق کی علامت یہ ہے کہ موت آنکھوں کے سامنے ہو اس سے ایک ساعت بھی غافل نہ ہو پس موت کی تیاری میں ہو کہ ابھی آجائے گی اور اگر شام تک زندہ رہے تو اس کی عبادت پر شکر بجا لائے اور اس بات پر خوش ہو کہ اس کا دن ضائع نہ ہوا بلکہ اس نے اس سے حصہ حاصل کیا اور اسے اپنے لیے محفوظ رکھا پھر صبح کو از سر نو اسی طرح شروع کرے یعنی ہر صبح و شام یہی طریقہ اختیار کرے اور یہ بات اسی کے لیے آسان ہوتی ہے جس کا دل کل سے فارغ ہو اس قسم کا آدمی جب فوت ہوتا ہے تو خوش بختی اور غنیمت حاصل کرتا ہے اور اگر زندہ رہے گا تو اچھی تیاری اور لذت مناجات سے خوشی حاصل کرے گا۔ پس موت اس کے لیے سعادت اور زندگی اٹھانے کا باعث ہے۔

پس اے مسکین! موت کو اپنے دل پر رکھ لے کیونکہ تو جا رہا ہے اور تجھے خبر بھی نہیں، ہو سکتا ہے منزل قریب ہو اور مسافت ختم ہو گئی ہو اور تمہیں یہ بات اس صورت میں حاصل ہو گی جب تم حاصل ہونے والی مہلت میں عمل کی جلدی کرو۔

---

[1] حلیۃ الاولیاء جلد اول ص ۲۴۲ ترجمہ ۳۶۔

marfat.com

فصل ۴

عمل میں جلدی کرنا اور تاخیر کی آفت سے بچنا

جس آدمی کے دو بھائی غائب ہوں اور ان میں سے ایک کے کل آنے کا انتظار ہو اور دوسرا ایک مہینے یا سال کے بعد آئے گا تو وہ اس کے آنے کی تیاری نہیں کرتا جو ایک مہینے یا سال کے بعد آئے گا بلکہ اس کے لیے تیاری کرتا ہے جس کے کل آنے کا انتظار ہو اس کا دل اس مدت سے معلق رہتا ہے اور اس کے علاوہ کو بھول جاتا ہے۔ ہر صبح وہ کل سال کا منتظر رہتا ہے اور گذشتہ دن کی وجہ سے سال میں کمی کا خیال نہیں کرتا۔ اس وجہ سے وہ عمل میں کبھی بھی جلدی نہیں کرتا بلکہ وہ ہمیشہ اپنے لیے سال بھر کی گنجائش سمجھتے ہوئے عمل کو مؤخر کرتا ہے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا يَنْتَظِرُ اَحَدُكُمْ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا غِنًى مُطْغِيًا اَوْ فَقْرًا مُنْسِيًا اَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا اَوْ هَرَمًا مُفْنِدًا اَوْ مَوْتًا مُجْهِزًا اَوِ الدَّجَّالَ فَالدَّجَّالُ شَرُّ غَائِبٍ يُنْتَظَرُ اَوِ السَّاعَةُ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ[1]

تم میں سے کوئی دنیا کی انتظار سرکش بنانے والی مالداری بھلا دینے والی فقر، خراب کر دینے والی بیماری، عقل کو بگاڑنے والے بڑھاپے، جلدی کرنے والی برائی یا دجال کے حوالے سے کرتا ہے پس دجال ایک غائب برائی ہے جس کا انتظار کیا جاتا ہے۔ یا قیامت کا انتظار کرتا ہے اور قیامت نہایت سخت اور کڑوی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ[2]

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو بڑھاپے سے پہلے جوانی کو، بیماری سے پہلے صحت کو، فقر سے پہلے مالداری کو، مصروفیت سے پہلے فراغت کو اور موت سے پہلے زندگی کو۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

[1] المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۳۲۱ کتاب الرقاق۔

[2] 〃 〃 〃 ص ۳۰۶ 〃

marfat.com

نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنَ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ [1]

دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں اکثر لوگ خسارے میں ہیں، ایک صحت اور دوسری فراغت۔

یعنی ان نعمتوں کو غنیمت نہیں جانتے اور پھر جب یہ زائل ہو جاتی ہیں تو ان کی قدر سمجھ آتی ہے۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَمَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِيَةٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ الْجَنَّةُ [2]

جو شخص خوف رکھتا ہے وہ رات کے پہلے حصہ میں چل پڑتا ہے اور جو رات کے پہلے حصے میں جاتا ہے وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ سنو! اللہ تعالیٰ کا مال (سامان) بہت قیمتی ہے۔ سنو! اللہ تعالیٰ کا مال جنت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ وَجَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيْهِ [3]

آگئی ہلاک کرنے والی اور اس کے پیچھے آتی ہے پیچھے آنے والی اور موت اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ آگئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کرام میں غفلت یا کوئی مغالطہ محسوس فرماتے تو بلند آواز سے پکارتے۔

اَتَتْكُمُ الْمَنِيَّةُ رَاتِبَةً لَازِمَةً اِمَّا بِشَقَاوَةٍ وَاِمَّا بِسَعَادَةٍ۔ [4]

تمہارے پاس موت وظیفہ لازمہ ہو کر آگئی یا تو بدبختی کے ساتھ یا نیک نیتی کے ساتھ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَنَا النَّذِيْرُ وَالْمَوْتُ الْمُغِيْرُ وَالسَّاعَةُ الْمَوْعِدُ [5]

میں ڈرانے والا ہوں موت حملہ آور ہونے والی ہے اور قیامت وعدے کی جگہ ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۴۹ کتاب الرقاق

[2] جامع ترمذی ص ۲۵۳، ابواب القیامۃ

[3] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۳۶ مرویات ابی بن کعب

[4] کنز العمال جلد ۱۵ ص ۵۴۳ حدیث ۴۲۰۹۹

[5] الا المنشور جلد ۵ ص ۵۹ تحت آیت وانذر عشیرتک الاقربین۔

marfat.com

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور دھوپ درخت کی ٹہنیوں تک پہنچ گئی تھی۔ آپ نے فرمایا دنیا اسی قدر باقی رہ گئی ہے جس قدر گزرے ہوئے دن کے مقابلے میں یہ وقت باقی ہے۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

دنیا کی مثال اس کپڑے کی طرح ہے جو شروع سے آخر تک پھٹ گیا ہو اور آخر میں ایک دھاگے سے لٹک کر رہ گیا ہو۔ عنقریب وہ دھاگہ بھی ٹوٹ جائے گا۔[2]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے وقت قیامت کا ذکر کرتے تو آپ کی آواز بلند ہو جاتی اور رخسار مبارک سرخ پڑ جاتے۔ گویا آپ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہوں۔ آپ فرماتے (قیامت) صبح آئی کہ شام کو آئی اور اپنی دو انگلیوں کو ملا کر فرماتے مجھے قیامت کے ساتھ اس طرح (متصل) بھیجا گیا ہے۔[3]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ۔[4]

پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

(یہ آیت تلاوت فرمانے کے بعد) آپ نے فرمایا جب نور سینے میں داخل ہوتا ہے تو کھل جاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس کی کوئی علامت ہے جس کے ذریعے اس کی پہچان ہو سکے؟ آپ نے فرمایا ہاں دھوکے والے گھر سے دور رہنا۔ دائمی گھر کی طرف رجوع کرنا اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لیے تیاری کرنا۔[5]

قرآن مجید میں ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ

وہ اللہ جس نے موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ

---

[1] مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۱۱ کتاب الزھد

[2] کنز العمال جلد ۳ ص ۲۲۳ حدیث ۶۳۰۱

[3] صحیح مسلم جلد اول ص ۲۸۴، ۲۸۵ کتاب الجمعہ

[4] قرآن مجید سورہ انعام آیت ۱۲۵،

[5] المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۱۱ کتاب الرقاق۔

marfat.com

اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔[1] تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھا عمل کرتا ہے۔

حضرت سدی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تم میں سے کون موت کو زیادہ یاد کرتا اس کے لیے اچھی طرح تیاری کرتا اور اس کا زیادہ خوف رکھتا ہے اور پرہیز کرتا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر صبح و شام ایک منادی ندا دیتا ہے۔ اے لوگو! کوچ کرد کوچ کردہ اور اس کی تصدیق یہ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ۔[2] بے شک یہ جہنم بڑی آفتوں میں سے ایک ہے انسان کے لیے خوف کا مقام ہے تم میں سے جو چاہے آگے بڑھے یا پیچھے رہے۔

یعنی موت میں (پیچھے رہے)

حضرت سکیم جو بنو تمیم کے آزاد کردہ غلام ہیں، فرماتے ہیں میں حضرت عامر بن عبداللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور وہ نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے نماز مختصر کی اور میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا مجھے اپنا کام بتاؤ میں جلدی میں ہوں میں نے پوچھا کس کی جلدی ہے فرمایا موت کے فرشتے کی جلدی ہے اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ فرماتے ہیں میں ان کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا اور وہ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔

حضرت داؤد طائی رضی اللہ عنہ گزر رہے تھے کہ ایک شخص نے ان سے ایک بات پوچھی انہوں نے فرمایا مجھے جانے دو میں جان نکلنے کی جلدی میں ہوں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر کام میں تاخیر بہتر ہے لیکن آخرت کے لیے اچھے اعمال میں نہیں۔

حضرت منذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ سے سنا وہ اپنے آپ سے کہہ رہے تھے کم بخت عمل پر جلدی کر اس سے پہلے کہ حکم آجائے۔ یہ بات آپ نے ساٹھ مرتبہ دہرائی میں سن رہا تھا لیکن وہ مجھے نہیں دیکھتے تھے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اپنے خطبۂ وعظ میں فرماتے جلدی کرو جلدی کرو کیونکہ یہ چند سانس ہیں اگر رک گئے تو تم وہ اعمال نہیں کر سکو گے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو اپنے نفس کی فکر کرتا ہے اور اپنے گناہوں پر روتا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

---

[1] قرآن مجید سورۂ ملک آیت ۲ [2] قرآن مجید سورۂ المدثر آیت ۳۵ تا ۳۷

marfat.com

اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا [1] بے شک ہم گنتی کو پورا کرتے ہیں۔

اس سے مراد سانس ہیں اور آخری عدد جان کا نکلنا ہے پھر گھر والوں سے جدائی ہے اور قبر میں داخل ہونے کی آخری گھڑی ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال سے پہلے بہت سخت ریاضت شروع کی آپ سے عرض کیا گیا اگر آپ رُک جائیں یا اپنے نفس سے کچھ نرمی برتیں تو اچھا ہے۔ انہوں نے فرمایا جب گھوڑوں کو دوڑنے کے لیے چھوڑا جاتا ہے اور وہ آخری منزل تک پہنچتے ہیں تو پورے کا پورا زور لگاتے ہیں اور میری موت تک مدت اس سے بھی کم ہے۔ راوی فرماتے ہیں آپ نے وصال تک یہی طریقہ جاری رکھا آپ اپنی زوجہ محترمہ سے کہتے اپنی سواری کس لو جہنم پر اترنے کی کوئی جگہ نہیں۔

ایک خلیفہ نے منبر پر کہا اے لوگو! جس قدر ہو سکے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ایسی قوم بن جاؤ جن کو چیخ سنائی گئی تو وہ ہوشیار ہو گئے اور جان لو کہ دنیا تمہارا گھر نہیں لہٰذا اسے بدلو اور موت تم پر سایہ فگن ہو چکی ہے۔ بس اس کے لیے تیار ہو جاؤ اور کوچ کی تیاری کرو یہی مشکل گھڑی ہے اور جس عرصے کو ایک لحظہ کم کر دے اور ایک ساعت ختم کر دے وہ بہت کم مدت ہونے کے لائق ہے اور جس غائب کو نئے دن رات لے کر آتے ہیں وہ لوٹنے کے شایانِ شان ہے اور جو کہنے والا یہ نہ جانتا ہو کہ کامیابی کے ساتھ اترے گا یا بدبختی کے ساتھ، عمدہ تیاری کا مستحق ہے۔ پس اپنے رب کے ہاں وہ زیادہ متقی ہے جو اپنے نفس کا خیر خواہ ہو پہلے توبہ کر چکا اور اپنی شہوت پر غالب ہو کیونکہ اس کا وقتِ موت مخفی ہے امید اسے دھوکہ دیتی ہے اور شیطان اس پر رہے اور اس کو توبہ کی تمنا دلا کر ٹال مٹول پر آمادہ کرتا ہے اور اس کے لیے گناہ کو اچھا کر کے پیش کرتا ہے تاکہ وہ اس کا ارتکاب کرے اور موت اس پر حملہ آور ہو اور وہ اس وقت اس سے بہت زیادہ غافل تمہارے اور جنت یا جہنم کے درمیان، صرف موت کا آنا ہے تو اس غفلت والے پر بہت زیادہ افسوس ہے جس کی زندگی اس کے خلاف حجت بنے اور اس کے ایامِ زندگی اسے بدبختی میں ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ان لوگوں میں کر دے جو نعمتوں پر اتراتے نہیں اور نہ کسی گناہ کے باعث اطاعتِ خداوندی میں کوتاہی کرتے ہیں اور نہ موت کے بعد انہیں حسرت ہوتی ہے۔ بے شک وہی دُعا کو سننے والا ہے اسی کے قبضے میں لائی ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کی یہ صفات دائمی ہیں۔

قرآن مجید میں ہے۔

---

[1] قرآن مجید، سورۂ مریم آیت ۸۴۔

marfat.com

وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ [1]

لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈالا اور (بدی تباہی کا) انتظار کرتے رہے اور شک میں مبتلا رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آیا اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہیں شیطان دھوکے باز نے دھوکہ دیا۔

"فتنتم انفسکم" شہوتوں اور لذتوں کی وجہ سے تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈالا۔ "تربصتم" توبہ کے لیے انتظار کی "وارتبتم" اور تم نے شک کیا "حتی جاء امر اللہ" حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا (یعنی موت آئی) "وغرکم باللہ الغرور" اور تمہیں شیطان نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکے میں ڈالا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صبر کرو اور سیدھے راستے پر رہو۔ زندگی کے دن تھوڑے ہیں اور تم سوار کھڑے ہو قریب ہے کہ تم میں سے کسی ایک کو بلایا جائے پس وہ چلا جائے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے تو تم اچھی چیز کے ساتھ یہاں سے منتقل ہو جاؤ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تم میں سے ہر شخص اس حال میں صبح کرتا ہے کہ وہ جہاں ہوتا ہے اس کے پاس جو کچھ ہے وہ ادھار ہے جہاں کو تج کرنے والا ہے اور ادھار واپس ہو جائے گا۔

حضرت ابو عبیدہ باجی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور آپ اس وقت مرض الموت میں مبتلا تھے۔ انہوں نے فرمایا آپ لوگوں کا آنا اچھا ہوا اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے اور ہم سب کو جنت میں لے جائے یہ ایک کھلی نیکی ہے اگر تم صبر کرو، سچ بولو اور پرہیزگاری اختیار کرو ایسا نہ ہو کہ اس بات کو ایک کان سے ڈالو اور دوسرے سے نکال دو جس شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اس نے دیکھا کہ آپ گویا صبح جانے والے ہیں یا شام کو آپ نے نہ تو اینٹ پر اینٹ رکھی اور نہ بانس پر بانس (مکان نہ بنایا) لیکن آپ کے لیے علم کو اونچا کیا گیا تو آپ اس کی طرف مستعد ہوئے جلدی کرو جلدی کرو نجات کی طرف جاؤ نجات کی طرف جاؤ۔ تم کس چیز کی طرف جا رہے ہو۔ تم اس طرح آئے گویا موت تمہارے ساتھ آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو صرف ایک عیش (آخروی زندگی) کی طرف متوجہ ہوا اس نے ایک ٹکڑا کھایا اور پرانا کپڑا پہنا ننگے فرش پر سویا، عبادت میں کوشش کی، گناہ پر رویا، سزا سے بھاگا۔ اور رحمت کا متلاشی رہا حتیٰ کہ اس کی موت اسی حالت میں آئی۔

حضرت عاصم احول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت فضیل رقاشی رحمۃ اللہ علیہ نے میرے سوال کے جواب میں فرمایا

---

[1] قرآن مجید، سورۃ الحدید آیت ۱۴۔

marfat.com

سے فلاں! لوگوں کی کثرت کے باعث اپنے آپ سے غافل نہ ہو کیونکہ معاملہ خاص تم سے ہوگا ان سے نہیں اور یہ نہ کہو
ہاں جاتا ہوں وہاں جاتا ہوں۔ اس طرح تمہارا دن ضائع ہو جائے گا اور موت تمہارے اوپر متعین ہے اور جتنی
دی نئی نیکی پرانے گناہ کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پکڑتی ہے۔ اتنی جلدی تم نے کسی کو نہ دیکھا ہو۔

سرا باب۔

سل ۱۱

موت کی سختیاں اور اس وقت کیا مستحب ہے۔

اگر بندہ مسکین کے سامنے صرف موت کی سختیاں ہوں کوئی دوسری تکلیف اور عذاب وغیرہ نہ بھی ہو تو بھی
ا کی زندگی مکدر اور پریشان رہنی چاہیے اور وہ کسی وقت بھی بھول اور غفلت میں نہ رہے وہ دیر تک فکر میں رہے
موت کے لیے خوب تیاری کرے۔ خاص طور پر جبکہ وہ (موت) ہر وقت اس کا پیچھا کر رہی ہے جس طرح کسی دانا
نے کہا ہے سختیاں تیرے سوا کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہیں تم نہیں جانتے کہ وہ تمہیں کب ڈھانپ لیں۔

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے بیٹے (موت) ایک ایسا معاملہ ہے کہ نہ معلوم وہ کب تمہیں
پہنچے اس کے اچانک آنے سے پہلے اس کے لیے تیاری کرو۔ تعجب کی بات ہے اگر آدمی لہو و لعب کی نہایت
شگوار محفل میں ہو اور اچھی اچھی لذتوں سے بہرہ ور ہو رہا ہو اور اسے اس بات کا انتظار ہو کہ ابھی ایک پولیس والا
اسے پانچ لاٹھیاں مارے گا تو اس کی تمام لذت کافور ہو جاتی ہے اور عیش مکدر ہو جاتا ہے اور وہ جانتا کہ موت
افرشتہ موت کی سختیوں کے ساتھ اس وقت آ جائے گا جب وہ غافل ہوگا لیکن اس کے باوجود وہ پریشان نہیں
وتا تو ظاہر ہے کہ جہالت اور دھوکے کے باعث ایسا ہے۔

اور یہ بات بھی جان لو کہ موت کی سختیوں کا حقیقی علم بھی اس شخص کو ہوتا ہے جو اسے چکھتا ہے اور جو اس کو نہیں
چکھتا تو وہ یا تو ان تکالیف پر قیاس کر کے ادراک کرتا ہے جو اسے پہنچتی ہیں یا لوگوں کو حالت نزاع میں سختی
رداشت کرتے ہوئے دیکھ کر اس سے استدلال کرتا ہے۔

قیاس کی صورت یہ ہے کہ جس عضو میں جان ہو وہ تکلیف محسوس کرتا ہے تو روح کو اس کا احساس ہوتا ہے
پس جب کسی عضو کو زخم پہنچتا ہے یا وہ جل جاتا ہے تو اس سے روح متاثر ہوتی ہے تو جس قدر وہ روح میں سرایت
رتا ہے اسی قدر اذیت محسوس ہوتی ہے اور چونکہ درد گوشت، خون اور تمام اجزاء میں تقسیم ہو جاتا ہے اس لیے
روح کو صرف بعض تکلیف پہنچتی ہے اور اگر تکلیف صرف روح کو ہو باقی کسی عضو وغیرہ کو نہ ہو تو یہ تکلیف کس قدر
سخت ہوگی اور نزع اسی تکلیف کا نام ہے جو صرف روح پر اترتی ہے اور تمام اعضاء کو گھیر لیتی ہے۔ حتیٰ کہ

marfat.com

بدن میں روح کے جتنے اجزاء ہیں ان سب کو درد محسوس ہوتا ہے۔

اگر کسی شخص کو کانٹا چبھ جائے تو اس سے پہنچنے والا درد روح کی صرف اس جز کو پہنچتا ہے جو اس عضوے ملی ہوئی ہے جس میں کانٹا چبھتا ہے اور جلنے کا اثر اس لیے زیادہ ہوتا ہے کہ آگ کے اجزاء بدن کے تمام اجزاء میں گھس جاتے ہیں تو جلنے والے عضو کا کوئی جز ظاہری ہو یا باطنی آگ سے محفوظ نہیں رہتا لہٰذا روحانی اجزاء جو گوشت کے تمام اجزاء میں پھیلے ہوئے ہیں اسے محسوس کرتے ہیں لیکن زخم صرف اسی جگہ کو پہنچتا ہے جس تک لوہا (تلوار وغیرہ) پہنچا اس لیے جلنے کی تکلیف سے زخم کی تکلیف کم ہوتی ہے۔

پس نزاع کی تکلیف جو نفسِ روح پر حملہ آور ہوتی ہے اور تمام اعضاء کو گھیر لیتی ہے کیونکہ ہر رگ، ہر پٹھے ہر حصہ بدن، ہر جوڑ ہر بال کی جڑ اور چمڑے کے نیچے سے حتیٰ کہ سر کی چوٹی سے قدم تک ہر جگہ سے رُوح کو نکالا جاتا ہے لہٰذا تم اس کے کرب اور تکلیف کا نہ پوچھو حتیٰ کہ بزرگوں نے فرمایا موت، تلوار کی مار، آرے کی چیر اور قینچی کی کاٹ سے زیادہ سخت ہے کیونکہ بدن کو تلوار سے کاٹا جائے تو صرف اس لیے تکلیف ہوتی ہے کہ بدن کا رُوح سے تعلق ہے تو جب صرف روح ہی کو صدمہ پہنچے تو کس قدر تکلیف ہوگی۔

جب کسی شخص کو مارا جاتا ہے تو وہ مدد بھی مانگ سکتا ہے اور چیخ بھی سکتا ہے اس لیے کہ اس کے دل اور زبان میں طاقت موجود ہوتی ہے لیکن میت کی آواز اور چیخ و پکار سخت تکلیف کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں انتہائی درجہ کی تکلیف ہوتی ہے۔ دل پر سوار ہو کر تمام قوت کو ختم کر دیتی ہے اسکے عضو کمزور پڑ جاتے ہیں اور مدد مانگنے کی طاقت باقی نہیں رہتی۔ عقل کو بھی ڈھانپ لیتی ہے اور پریشان کر دیتی ہے۔ زبان کو گنگ کر دیتی ہے۔ اعضاء کو کمزور کر دیتی ہے۔

موت کے وقت انسان چاہتا ہے کہ روئے، چلائے، اور مدد مانگے لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتا اور اگر کچھ قوت باقی رہتی بھی ہے تو رُوح نکلنے کے وقت اس کے حلق اور سینے سے غرغرہ کی آواز سنائی دیتی ہے اس کا رنگ بدل کر مٹیالا ہو جاتا ہے گویا اس سے وہی مٹی ظاہر ہوئی جس سے وہ بنا تھا اور وہ اس کی اصل فطرت ہے اس کی رگیں کھینچ لی جاتی ہیں کیونکہ تکلیف اندر باہر پھیلی ہوتی ہے حتیٰ کہ آنکھوں کے ڈھیلے پلکوں کی طرف اٹھ جاتے ہیں۔ ہونٹ سکڑ جاتے ہیں اور زبان اپنی جڑ کی طرف کھنچ جاتی ہے۔ خصیے اوپر کی طرف ہو جاتے ہیں۔ انگلیاں سبز ہو جاتی ہیں۔ (اور ٹھنڈی پڑ جاتی ہیں) تو ایسے بدن کے بارے میں نہ پوچھو جس کی ہر رگ کھینچی گئی ہو۔ اگر ایک رگ کھینچی جائے تو سخت تکلیف ہوتی ہے تو اس وقت کیا حال ہوگا جب رُوح کو بھی کھینچ لیا جائے جو درد میں مبتلا ہے کسی ایک رگ سے نہیں بلکہ تمام رگوں سے اس کو کھینچا جاتا ہے۔

پھر تدریجاً ہر عضو میں موت واقع ہوتی ہے پہلے اس کے قدم ٹھنڈے پڑتے ہیں پھر پنڈلیاں اور پھر رانیں اور

marfat.com

ہر عضو میں نئی سختی اور شدت پیدا ہوتی ہے حتیٰ کہ گلے تک نوبت پہنچتی ہے۔ اس وقت اس کی نظر دنیا اور دنیا والوں سے پھر جاتی ہے اور اس پر توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور اسے حسرت و ندامت گھیر لیتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تُقْبَلُ تَوْبَةُ الْعَبْدِ مَالَمْ يُغَرْغِرْ[1] — جب تک غرغرہ والی کیفیت پیدا نہ ہو بندے کی توبہ قبول ہوتی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى إِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّيْ تُبْتُ الْاٰنَ[2] — اور توبہ ان لوگوں کے لیے نہیں جو بُرے عمل کرتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو کہتا ہے میں اب توبہ کرتا ہوں۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جب وہ موت کے فرشتوں کو دیکھتا ہے اور ملک الموت کا چہرہ دکھائی دیتا ہے (تو توبہ کرتا ہے) تو جانکنی کے وقت موت کی کڑواہٹ اور تکلیف کے بارے میں نہ پوچھو اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلٰى مُحَمَّدٍ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ[3] — یا اللہ! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی سختیوں کو آسان کر دے۔

لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے اس مصیبت سے پناہ نہیں مانگتے اور نہ ہی اس کو کرنی اہمیت دیتے ہیں شیلا اپنے وجود سے پہلے صرف نورِ نبوت اور نورِ ولایت سے ہی دیکھی جا سکتی ہیں اسی لیے انبیاء کرام اور اولیاء عظام موت سے بہت زیادہ خوف رکھتے تھے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے حواریوں کے گروہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ مجھ پر سکرات موت کو آسان کر دے میں موت سے اس قدر ڈرتا ہوں کہ اس خوف سے موت واقع ہو رہی ہے۔

مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگ ایک قبرستان سے گزرے تو ان میں سے بعض نے دوسرے بعض

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۳۲ مرویات ابن عمر

[2] قرآن مجید سورہ النساء آیت ۱۸

[3] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۶۴ مرویات عائشہ

marfat.com

سے کہا اگر تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو کہ وہ تمہارے لیے اس قبرستان سے ایک مردے کو نکالے اور تم اس سے سوال کرو (تو اچھا ہے) چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی تو دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہے اور اس کی آنکھوں کے درمیان سجدے کا نشان ہے وہ ایک قبر سے نکل کر آیا تھا اس نے کہا اے میری قوم! تم مجھ سے کیا چاہتے ہو میں نے پچاس سال پہلے موت کو چکھا تھا لیکن اس کی تلخی ابھی تک میرے دل میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب سے میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی سختی کو دیکھا مجھے کسی کی آسان موت پر رشک نہیں آتا۔

ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَاخُذُ الرُّوْحَ مِنْ بَیْنِ الْعَصَبِ وَالْقَصَبِ وَالْاَنَامِلِ اَللّٰھُمَّ فَاَعِنِّیْ عَلَی الْمَوْتِ وَھَوِّنْہُ عَلَیَّ[1]

اے اللہ! تو جان کو پٹھوں، ہڈیوں اور انگلیوں سے لیتا ہے یا اللہ! تو مجھ پر موت کو آسان کر دے اور میری مدد فرما۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی تکلیف اور اس کے گلے میں رکنے کا ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ تلوار کی تین سو ضربوں کی مقدار ہے[2]۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے موت اور اس کی شدت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ سب سے آسان موت اس طرح ہے جیسے بھیڑ کے بالوں میں باریک ہڈی ہو کیا وہ ہڈی بالوں میں سے بالوں کے بغیر باہر نکلتی ہے[3]۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیمار کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا۔ اس پر جو کچھ گزرتا ہے وہ مجھے معلوم ہے اس کی کوئی رگ ایسی نہیں جس کو موت کی تکلیف الگ سے نہ ہو[4]۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ لڑائی کی ترغیب دیتے اور فرماتے اگر تم قتل نہیں ہو گے تو مر جاؤ گے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تلوار سے ہزار ضرب میرے نزدیک بستر پر موت سے بہتر ہے۔

---

[1] کنز العمال جلد ۲ ص ۲۰۴ حدیث ۳۷۶۸

[2] تذکرۃ الموت ص ۲۱۳، باب الموت

[3] کنز العمال جلد ۱۵ ص ۵۶۱ حدیث ۴۲۱۷۴

[4] 〃 〃 ص ۵۶۴ حدیث ۴۲۱۹۱

marfat.com

حضرت اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ میت کو قبر سے اٹھنے تک موت کی تکلیف رہتی ہے۔

حضرت شداد بن اوس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مومن پر دنیا و آخرت کا کوئی خوف موت سے بڑھ کر نہیں یہ خوف آروں سے چیرنے، قینچیوں سے کاٹنے اور ہنڈیوں میں ابالنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اگر کوئی میت قبر سے نکل کر دنیا والوں کو موت کی خبر دے تو وہ زندگی سے نفع نہ اٹھائیں اور نہ نیند سے لذت حاصل کریں۔

حضرت زید بن اسلم (رضی اللہ عنہما) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں جب مومن کے درجات باقی رہ جاتے ہیں کہ عمل کے ذریعے ان تک پہنچ نہیں سکتا تو اس پر موت سخت کر دی جاتی ہے اگر وہ موت کی سختیوں اور تکلیف کے باعث جنت میں درجہ حاصل کرے اور جب کافر کی کوئی نیکی ہو جس کا بدلہ اسے نہ دیا گیا ہو تو اس پر موت کو آسان کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی نیکی کا عوض حاصل کرے پھر وہ جہنم کی طرف لے جایا جاتا ہے۔

بعض اکابر سے مروی ہے کہ وہ اکثر بیماروں کے پاس جا کر پوچھتے کہ تم موت کو کیسا پاتے ہو؟ جب وہ خود بیمار ہوئے تو پوچھا گیا آپ کس طرح پاتے ہیں؟ فرمایا یوں محسوس ہوتا ہے کہ آسمان زمین سے آبلا ہے اور گویا میری روح سوئی کے سوراخ سے نکل رہی ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مُوْتُ الْفُجَاءَةِ رَاحَةٌ لِلْمُؤْمِنِ وَاَسَفٌ عَلَى الْفَاجِرِ[1]	اچانک موت مومن کے لیے راحت اور فاجر کے لیے افسوس کا باعث ہے۔

حضرت مکحول رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا

لَوْاَنَّ شَعْرَةً مِّنْ شَعْرِ الْمَيِّتِ وُضِعَتْ عَلٰى اَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَمَاتُوْا بِاِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى[2]	اگر میت کے بالوں میں سے ایک بال آسمانوں اور زمین والوں پر رکھا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مر جائیں۔

اس لیے کہ ہر بال میں موت ہے اور جس پر موت آتی ہے وہ مر جاتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر موت کی تکلیف سے ایک قطرہ دنیا کے تمام پہاڑوں پر رکھا جائے تو وہ پگھل جائیں[3]

ایک روایت میں ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وصال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا اے میرے خلیل!

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۱۹ مرویات عبید بن خالد

[2]

[3] تذکرۃ الموضوعات ص ۲۱۳ باب الموت۔

marfat.com

تو نے موت کو کیسے پایا ؟ آپ نے عرض کیا جس طرح گرم سیخ کو تر روئی میں رکھا جائے پھر اسے کھینچ لیا جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے آپ پر موت کو آسان کیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مروی ہے کہ جب آپ کی روح مبارک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی تو آپ کے رب نے پوچھا اے موسیٰ علیہ السلام۔ آپ نے موت کو کیسا پایا؟ آپ نے عرض کیا میں نے اپنے نفس کو چڑیا کی طرح پایا کہ اسے دیگچی میں چھوڑا جائے نہ مرتی ہے کہ جان چھوٹے اور نہ نجات ملتی ہے کہ اُڑ جائے۔ ایک روایت میں ہے آپ نے عرض کیا میں نے اپنے نفس کو زندہ بکری کی طرح پایا کہ قصاب کے ہاتھوں اس کی کھال کھینچی جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مروی ہے کہ وصال کے وقت آپ کے پاس پانی کا ایک پیالہ تھا آپ پانی میں ہاتھ ڈالتے پھر اس کو چہرے پر ملتے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے۔

اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ۔ یا اللہ! مجھ پر موت کی سختیوں کو آسان کر دے۔

(یہ دیکھ کر) حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا فرماتیں ابا جان! آپ پر کس قدر سختی ہے۔ آپ جواب دیتے آج کے بعد تمہارے باپ پر کوئی سختی نہ ہوگی۔[1]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے کعب! ہمیں موت کے بارے میں بتائیے۔ انہوں نے فرمایا ہاں امیر المومنین موت اس ٹہنی کی طرح ہے جس میں بہت سے کانٹے ہوں اور اسے کسی شخص کے پیٹ میں داخل کیا جائے ہر کانٹا ایک رگ کو پکڑے پھر کوئی سخت کھینچنے والا اس شاخ کو کھینچے تو وہ پکڑے جو پکڑے اور چھوڑ دے جو چھوڑ دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بندہ موت کی سختی اور تکالیف برداشت کرتا ہے اور اس کے جوڑ ایک دوسرے کو سلام کہتے ہیں وہ کہتے ہیں ہم قیامت تک ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔[2]

تو یہ ہیں موت کی سختیاں جو اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور اولیاء کرام پر وارد ہوتی ہیں ہمارا کیا حال ہوگا حالانکہ ہم گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ہمارے اوپر تو موت کی سختیوں کے علاوہ اور مصیبتیں بھی آئیں گی۔ موت کی مصیبتیں تین ہیں۔

---

[1] سنن ابن ماجہ ص ۱۱۸، باب الجنائز۔

[2] تذکرۃ الموت ص ۲۱۴ باب الموت

marfat.com

پہلی مصیبت شدت نزع ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا دوسری مصیبت موت کے فرشتے کی شکل دیکھنا اور دل
برخوف کا طاری ہونا ہے اگر وہ فرشتۂ موت کی اس صورت کو دیکھے جو نہایت قوت والے گناہ گار شخص کی روح
نکالتے وقت ہوتی ہے تو اسے دیکھنے کی طاقت نہ ہو ایک روایت میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملک
لموت سے فرمایا کیا تم مجھے وہ صورت دکھا سکتے ہو جس سے کسی گناہ گار کی رُوح قبض کرتے ہو، حضرت عزرائیل
علیہ السلام نے فرمایا آپ نہیں دیکھ سکیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کیوں نہیں (میں دیکھ لوں گا) انہوں
نے عرض کیا پھر آپ مجھ سے الگ ہو جائیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام الگ ہو گئے پھر ادھر متوجہ ہوئے تو دیکھا
ب سیاہ فام شخص ہے جس کے بال کھڑے ہیں اس سے بدبو آ رہی ہے اور کپڑے سیاہ ہیں اس کے منہ اور نتھنوں
سے آگ اور دھواں نکل رہا ہے۔ (یہ دیکھ کر) حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ پھر افاقہ ہوا تو ملک
وت اپنی اصل حالت پر آ چکے تھے۔ آپ نے فرمایا اے ملک الموت! فاجر آدمی کو موت کے وقت صرف تمہاری
وت دیکھنا ہی کافی تکلیف دہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بہت غیرت مند شخص تھے۔ جب آپ
ہر تشریف لے جاتے تو دروازہ بند کر کے جاتے آپ کی زوجہ نے جو جھانک کر دیکھا تو گھر میں ایک شخص تھا
وں نے کہا اسے کون یہاں لایا ہے۔ اگر حضرت داؤد علیہ السلام تشریف لائے تو اس کے لیے مصیبت بن جائیگی
انچہ جب حضرت داؤد علیہ السلام تشریف لائے تو آپ نے اسے دیکھا فرمایا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں وہ ہوں
نہ بادشاہوں سے ڈرتا ہے اور نہ ہی دربانوں سے، آپ نے فرمایا قسم بخدا! تو موت کا فرشتہ ہے اور حضرت
ود علیہ السلام کبل میں چھپ گئے [1]

ایک روایت میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک کھوپڑی کے پاس سے گزرے تو آپ نے اسے ٹھوکر
ی اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے گفتگو کر اس نے کہا اے رُوح اللہ! میں فلاں فلاں زمانے کا بادشاہ ہوں میں
نے سر پر تاج رکھے ہوئے تخت پر بیٹھا تھا اور میرے اردگرد میرا لشکر اور نوکر چاکر تھے کہ اچانک موت کا
شتہ میرے سامنے آیا اسے دیکھتے ہی میرے تمام جوڑ ڈھیلے پڑ گئے پھر میری جان نکل گئی۔ کاش وہ جماعت
مر جاتی اور وہ اُنس وحشت میں بدل جاتا۔

تو یہ مصیبت ہے جو نافرمان لوگوں کو پہنچتی ہے اور اطاعت کرنے والے اس سے محفوظ رہتے ہیں۔ انبیاء
م علیہم السلام نے تو صرف جان کنی کی تکلیف بیان کی ہے وہ اذیت جو ملک الموت کی صورت کو دیکھنے سے

---

[1] مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۰۶، ۲۰۷۔ کتاب فیہ ذکر الانبیاء۔

marfat.com

ہوتی ہے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اگر آدمی کسی رات خواب میں اسے یوں دیکھ لے تو اس کی تمام زندگی تلخ ہو جائے تو اس حالت میں ان کو دیکھنا کیسا ہوگا؟ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے وہ موت کے فرشتے کو اچھی صورت میں دیکھتا ہے۔ حضرت عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت غیور تھے آپ ایک گھر میں عبادت کیا کرتے تھے۔ جب باہر تشریف لے جاتے تو اسے تالہ لگا دیتے۔ ایک دن واپس تشریف لائے تو دیکھا گھر کے اندر ایک آدمی موجود ہے پوچھا تمہیں میرے گھر میں کس نے داخل ہونے کی اجازت دی ہے؟ اس نے کہا اس گھر کے مالک نے اجازت دی ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا مالک تو میں ہوں اس نے کہا مجھے اس نے اجازت دی جو اس گھر کا ہم سب سے زیادہ مالک ہے۔ آپ نے پوچھا تو کون فرشتہ ہے؟ اس نے کہا میں موت کا فرشتہ ہوں۔ آپ نے فرمایا تو جس صورت میں مومن کی روح قبض کرتا ہے وہ صورت دکھا سکتا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں آپ ذرا منہ پھیریں آپ نے منہ پھیرا پھر متوجہ ہوئے تو دیکھا ایک نوجوان ہے راوی کہتے ہیں آپ نے اس کے چہرے کی خوبصورتی، عمدہ کپڑوں اور خوشبو کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا اے ملک الموت مومن کو موت کے وقت آپ کی صورت ہی کافی ہے۔

اور اسی سے ان دو فرشتوں کو دیکھتا ہے جو اعمال لکھتے ہیں۔ حضرت وہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جس شخص کی رُوح قبض ہوتی ہے وہ ان دونوں فرشتوں کو دیکھتا ہے جو اس کے اعمال لکھتے ہیں۔ اگر وہ اطاعت گزار ہو تو اس سے کہتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہیں ہماری طرف سے اچھا بدلہ دے تو نے کئی اچھی مجلسوں میں ہمیں بٹھایا اور کئی اچھے اعمال کے وقت ہمیں حاضری کا موقعہ دیا اور اگر گناہ گار ہو تو وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہیں ہماری طرف سے اچھا بدلہ نہ دے تو نے ہمیں کئی بری مجلسوں میں بٹھایا اور بُرے کاموں کے پاس لے گیا اور ہمیں قبیح کلام سنایا اللہ تعالیٰ تجھے ہم سے اچھا بدلہ نہ دے یہ اس وقت ہوتا ہے جب مردے کی نگاہ ان پر پڑتی ہے اور پھر دنیا کی طرف کبھی نہیں لوٹتی۔

تیسری مصیبت گناہ گاروں کو جہنم میں ان کا مقام دکھانا اور مشاہدہ سے پہلے ان کو خوف دلانا ہے کیونکہ جان نکلتے وقت ان کے نوی ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور ان کی روحیں نکلنے کے لیے تیار ہو جاتی ہیں اور جب تک وہ ملک الموت کا لقمہ نہ بنیں باہر نہیں نکلتیں اور ملک الموت کا لقمہ یا تو اس طرح ہوتا ہے کہ اے اللہ کے دشمن تجھے جہنم کی خبر دی جاتی ہے یا یہ کہ اے اللہ کے ولی تجھے جنت کی خوشخبری ہو۔ اہل عقل کا خوف اسی وجہ سے تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَنْ يَّخْرُجَ اَحَدُكُمْ مِنَ الدُّنْيَا — تم میں کوئی ایک ہرگز دنیا سے نہیں جاتا جب
حَتّٰى يَعْلَمَ اَيْنَ مَصِيْرُهٗ وَحَتّٰى — تک اسے معلوم نہ ہو جائے کہ اس نے کہاں جانا ہے

marfat.com

یَرٰی مَقْعَدَہٗ مِنَ الْجَنَّۃِ اَوِ النَّارِ[1]

اور جب تک وہ جنت یا جہنم میں اپنا ٹھکانہ نہ دیکھ لے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ وَمَنْ کَرِہَ لِقَاءَ اللّٰہِ کَرِہَ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو آدمی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم سب موت کو ناپسند کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

لَیْسَ ذَالِکَ بِذَاکَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اُخْرِجَ لَہٗ عَمَّا ھُوَ قَادِمٌ عَلَیْہِ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ وَاَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ[2]

یہ بات نہیں بلکہ مومن پر جب آنے والی چیز آسان کردی جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند فرماتا ہے۔

ایک روایت میں ہے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنی آخری رات کے موقع پر فرمایا اُٹھ کر دیکھیں کیا وقت ہوا ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اُٹھے پھر واپس تشریف لائے اور فرمایا سُرخ ستارہ آچکا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہتا ہوں کہ صبح کے وقت دوزخ کی طرف جاؤں۔

مردان، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا تو اس نے کہا یا اللہ ان پر آسانی فرما۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا یا اللہ سختی فرما۔ پھر آپ روئے اور فرمایا اللہ کی قسم! میں دنیا کی وجہ سے یا تم سے جدائی کے باعث نہیں روتا۔ بلکہ میں اپنے رب سے دو خبروں میں سے ایک کا انتظار کر رہا ہوں جنت کی خوشخبری یا جہنم کی خبر۔

ایک حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے راضی ہوتا ہے تو فرماتا ہے اے موت کے فرشتے! فلاں کے پاس جاؤ اور اس کی رُوح میرے پاس لاؤ تاکہ میں اسے راحت دوں۔ اس کا یہی عمل کافی ہے کہ میں نے اسے آزمایا تو میں جس طرح چاہتا تھا اسے اس طرح پایا۔ ملک الموت۔ پانچ سو فرشتوں کے ہمراہ اس شخص کے پاس آتے ہیں اور ان کے پاس پھولوں کی چھڑیاں اور

---

[1] تذکرۃ الموضوعات ص ۲۱۴، باب الموت۔

[2] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۳ کتاب الرقاق۔

marfat.com

زعفران کی شاخیں ہوتی ہیں۔ان میں سے ہر فرشتہ اس کو نئی اور جداخوشخبری دیتا ہے اور فرشتے اس کی روح کی انتظار میں دو صفوں میں کھڑے ہوتے ہیں اور ان کے پاس پھولوں کے گلدستے ہوتے ہیں جب ابلیس ان کو دیکھتا ہے تو اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر چلاتا ہے۔فرماتے ہیں۔اس کا لشکر اس سے پوچھتا ہے کہ اے ہمارے سردار! تجھے کیا ہوا؟ وہ کہتا ہے تم نہیں دیکھتے اس بندے کو کیا اعزاز ملا ہے تم کہاں تھے؟ وہ کہتے ہیں ہم نے بہت کوشش کی مگر وہ بچ گیا [1]

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مومن کے لیے راحت صرف ملاقاتِ خداوندی میں ہے اور جس شخص کی راحت اللہ تعالیٰ کی ملاقات میں ہو اس کی موت کا دن اس کے لیے سرور، خوشی، امن، عزت اور شرف کا دن ہوتا ہے۔

حضرت جابر بن زید رحمۃ اللہ سے ان کے وصال کے وقت پوچھا گیا کہ آپ کی کیا خواہش ہے۔آپ نے فرمایا حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنا چاہتا ہوں جب حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ ان کے پاس آئے اور ان سے کہا گیا کہ یہ حضرت حسن ہیں تو انہوں نے ان کی طرف نگاہ اٹھائی پھر فرمایا اے بھائی! ہم آپ سے جدا ہو کر جہنم یا جنت کی طرف جا رہے ہیں۔

حضرت واسع بن محمد رحمۃ اللہ نے موت کے وقت فرمایا اے میرے بھائیو! تم پر سلام ہو۔دوزخ کی طرف جا رہے ہیں یا اللہ معاف فرما دے۔اور بعض بزرگوں نے تمنا کی کہ وہ ہمیشہ حالت نزع میں رہیں اور ثواب یا عذاب کے لیے نہ اُٹھائے جائیں۔

تو بُرے خاتمہ کے خوف نے عارفین کے دلوں کو توڑ کر رکھ دیا اور واقعی یہ موت کے وقت سخت مصیبت ہے۔ہم نے بُرے خاتمے کا مفہوم اور عارفین کا اس سے بہت زیادہ خوف زدہ ہونا خوف اور امید کے بیان میں ذکر کیا ہے۔اگرچہ اس بات کا ذکر یہاں بھی ہونا چاہیے لیکن ہم اس کو دوبارہ ذکر کر کے بات کو طول دینا نہیں چاہتے۔

فصل ۲

موت کے وقت کیا کیا باتیں مستحب ہیں

قریب المرگ شخص کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ خاموش اور پرسکون رہے لیکن اس کی زبان پر کلمہ شریف جاری

---

[1] الدر المنثور جلد ص ۱۶۴، ۱۶۵ تحت آیت فلولا اذا بلغت الحلقوم۔

marfat.com

ہو اور دل میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں اچھا عقیدہ ہو۔

اس صورت کا حال اس طرح ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

اُدْنُوْا لِمَیِّتٍ عِنْدَ ثَلَاثٍ اِذَا رَشَحَ جَبِیْنُہٗ وَدَمَعَتْ عَیْنَاہُ وَیَبِسَتْ شَفَتَاہُ فَہِیَ مِنْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ قَدْ نَزَلَتْ بِہٖ وَاِذَا غَطَّ غَطِیْطَ الْمَخْنُوْقِ وَاحْمَرَّ لَوْنُہٗ وَازْبَدَّتْ شَفَتَاہُ فَہُوَ مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ قَدْ نَزَلَ بِہٖ۔[1]

میت کے لیے تین باتوں کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول سمجھو۔ جب اس کی پیشانی پر پسینہ آئے، آنکھوں سے آنسو جاری ہوں اور ہونٹ خشک ہوں اور جب گلہ گھونٹے ہوئے شخص کی طرح خراٹے لے، رنگ سرخ ہو اور ہونٹ مٹیالے ہوں تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو رہا ہے۔

زبان پر کلمہ شہادت کا جاری ہونا اچھائی کی علامت ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔[2]

اپنے فوت ہونے والوں کو کلمہ توحید کی تلقین کرو۔ (ان کے سامنے پڑھو)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا۔

فَاِنَّہَا تَہْدِمُ مَا قَبْلَہَا مِنَ الْخَطَایَا۔[3]

یہ کلمہ گزشتہ خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ مَاتَ وَہُوَ یَعْلَمُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔

جو شخص اس حالت میں فوت ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھتا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

❖

حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں "وَہُوَ یَشْہَدُ" (وہ گواہی دیتا ہو) کے الفاظ ہیں۔[4]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب کسی شخص کی موت کا وقت آئے تو اسے کلمہ طیبہ کی تلقین کرو کیونکہ جس شخص کا خاتمہ کلمہ طیبہ پر ہوتا ہے اس کے لیے یہ جنت کی طرف جانے کا نادر راہ ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنے فوت ہونے والوں کے پاس جاؤ اور ان کو نصیحت کرو کیونکہ

---

[1] کنز العمال جلد ۱۵ ص ۵۲۲ حدیث ۴۲۱۷۸

[2] صحیح مسلم جلد اول ص ۳۰۰ کتاب الجنائز۔

[3] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۳۹ مرویات معاذ

[4] کنز العمال جلد ۱۵ ص ۵۶۸ حدیث ۴۲۲۰۲

marfat.com

جو کچھ وہ دیکھتے ہیں تم نہیں دیکھتے ہو۔ ان کو "لا الہ الا اللہ" کی تلقین کیا کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

موت کا فرشتہ ایک آدمی کے پاس آیا جو مر رہا تھا اس نے اس کے دل کو دیکھا تو اس میں کچھ نہ پایا۔ اس کے جبڑوں کو کھولا تو زبان کے کنارے کو تالو سے ملا ہوا دیکھا اور وہ کہہ رہا تھا "لا الٰہ الا اللہ" تو اس کلمہ طیبہ کی بدولت اس کی بخشش ہو گئی۔

تلقین کرنے والے کو چاہیے کہ اصرار نہ کرے اور نرمی کی راہ اختیار کرے کیونکہ بعض اوقات مریض کی زبان نہیں چلتی اور اس کے لیے پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے اور وہ تلقین کو بوجھ سمجھتا ہے اور کلمے کو ناپسند کرتا ہے اور یہ بات اس کے برے خاتمے کا باعث ہو سکتی ہے۔

اور اس کلمے کا یہ مطلب ہے کہ آدمی دنیا سے رخصت ہوا اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہ ہو پس جب واحد حق ذات کے سوا کوئی مقصود باقی نہیں رہے گا تو موت کے ذریعے اس کا اپنے محبوب کی طرف جانا اس کے حق میں نہایت راحت ہو گی اور اگر دل دنیا میں مشغول ہو، اس کی طرف متوجہ ہو اور اس کی لذتوں (کے جانے) پر افسوس کرے اور کلمہ صرف زبان پر ہو دل میں جاگزیں نہ ہو تو مشیت خداوندی پر موقوف ہے چاہے تو راحت عطا فرمائے، چاہے تو نہ دے کیونکہ محض زبانی حرکت کم فائدہ دیتی ہے البتہ یہ کہ اللہ تعالیٰ شرف قبول عطا فرما کر فضل و کرم فرمائے۔

وقت موت اللہ تعالیٰ کے بارے میں اچھا گمان بہتر ہے اور ہم نے امید کے بیان میں یہ بات ذکر کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن کی فضیلت کے سلسلے میں بہت سی روایات آئی ہیں۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ ایک مریض کے پاس تشریف لے گئے تو فرمایا بتاؤ اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟ اس نے کہا میرے گناہوں نے مجھے غرق کر دیا اور میں ہلاکت کے کنارے پر ہوں لیکن مجھے اپنے رب کی رحمت پر امید ہے (یہ سن کر) حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور ان کا نعرہ سن کر ان کے گھر والوں نے بھی نعرہ لگایا۔ انہوں نے فرمایا "اللہ اکبر" میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ نے فرمایا۔

یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ	بندہ مجھے اپنے گمان کے مطابق پاتا ہے پس

لہ شعب الایمان جلد ۶ ص ۵۴۶ حدیث ۹۲۳۵۔

marfat.com

عَبْدِیْ فَلْیَظُنَّ بِیْ مَاتَ شَآءَ [1] میرے بارے میں جو چاہے گمان کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان کے پاس تشریف لے گئے اور وہ موت وحیات کی کشمکش میں تھا پ نے پوچھا اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ سے امید بھی رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں کا ڈر بھی ہے اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا اجْتَمَعَا فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ فِیْ مِثْلِ هٰذَا الْمَوْطِنِ اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ الَّذِیْ یَرْجُوْ وَاٰمَنَهٗ مِنَ الَّذِیْ یَخَافُ [2]

ایسے وقت میں جس بندے کے دل میں یہ دونوں باتیں اکٹھی ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی امید کو بھی پورا فرماتا ہے اور جس بات سے ڈرتا ہے اس سے اسے امن بھی عطا فرماتا ہے۔

*

حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک تیز مزاج نوجوان تھا اور اس کی ماں اسے بہت زیادہ نصیحت رتی اور کہتی اے بیٹے! تجھے ایک دن آنا ہے پس اسے یاد کر پھر جب اس پر اللہ تعالیٰ کا حکم آیا تو اس کی ماں س پر گر پڑی اور کہنے لگی اے بیٹے! میں تجھے اسی بچھاڑ سے ڈراتی تھی اور کہتی تھی کہ تیرے لیے ایک دن ہے ں نے کہا اے ماں! میرا رب بہت احسان فرمانے والا ہے اور مجھے امید ہے کہ آج وہ مجھے کسی قدر احسان سے محروم نہیں کرے گا۔ حضرت ثابت فرماتے ہیں اس حسن ظن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرمایا۔

حضرت جابر بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک نوجوان گناہ گار تھا اس کی موت کا وقت آیا تو اس کی ماں نے کہا بیٹے! کوئی وصیت کرتا ہے؟ اس نے کہا ہاں میری انگوٹھی نہ نکالنا اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے شاید اللہ تعالیٰ جھ پر رحم فرمائے جب اسے دفن کیا گیا تو خواب میں اسے دیکھا گیا اس نے کہا میری ماں سے کہو اس کلمہ نے مجھے نفع دیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔

ایک دیہاتی بیمار ہو گیا تو اسے کہا گیا تم مر جاؤ گے اس نے کہا مجھے کہاں لے جائیں گے انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کی طرف، اس نے کہا میں اس کے پاس جانے کو برا نہیں جانتا کیونکہ اس نے مجھ سے ہمیشہ اچھا سلوک کیا۔

ابو معتمر بن سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب میرے باپ کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے مجھ سے کہا اے معتمر! میرے سامنے معاملے کی آسانی بیان کرو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات اچھے گمان کے ساتھ کروں۔ اور اکابر اسلاف اس بات کو پسند کرتے تھے کہ موت کے وقت بندے کے سامنے اس کے اچھے

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۱۵ مرویات ابوہریرہ

[2] جامع ترمذی ص ۱۲۱، ابواب الجنائز۔

marfat.com

اعمال کا تذکرہ کیا جائے تاکہ وہ اپنے رب سے حُسن ظن رکھے۔

فصل ۳۔

ملک الموت کی ملاقات کے وقت زبان حال سے بیان کی گئی حسرت

حضرت اشعث بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے موت کے فرشتے سے پوچھا اور ان کا نام حضرت عزرائیل علیہ السلام ہے اور ان کی دو آنکھیں ہیں ایک آنکھ چہرے میں اور دوسری گدی میں، آپ نے پوچھا اے ملک الموت! جب زمین میں وبا پھیلی ہوئی ہو اور ایک شخص مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہو اور دو لشکر لڑ رہے ہوں تو آپ کیسے کرتے ہیں انہوں نے کہا میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام روحوں کو بلا لیتا ہوں اور وہ میری ان دو انگلیوں کے درمیان ہوتی ہیں۔ راوی فرماتے ہیں کہ ملک الموت کے سامنے زمین ایک تھال کی طرف پھیلائی جاتی ہے اور وہ اس میں سے جو چاہتے ہیں لے لیتے ہیں اور ملک الموت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دیتے تھے کہ آپ اللہ تعالےٰ کے خلیل ہیں۔

حضرت سلیمان بن داؤد (علیہما السلام) نے ملک الموت سے پوچھا کیا وجہ ہے میں دیکھتا ہوں کہ آپ لوگوں کے درمیان انصاف نہیں کرتے کسی کو اُٹھا لیتے ہیں اور کسی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا میں اس سلسلے میں آپ سے زیادہ نہیں جانتا یہ تو صحیفے اور کتابیں ہیں جو مل جاتی ہیں اور ان میں ان لوگوں کے نام ہوتے ہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک بادشاہ نے کہیں جانے کے لیے سواری تیار کی تو کپڑے منگوائے تاکہ پہنے اس کو وہ کپڑے پسند نہ آئے تو دوسرے کپڑے منگوائے وہ بھی پسند نہ آئے حتیٰ کہ سب سے عمدہ جوڑا منگوایا۔ اسی طرح سواری منگوائی وہ پسند نہ آئی تو دوسری تیسری حتیٰ کہ سب سے اچھی سواری پر سوار ہوا اتنے میں ابلیس آیا اور اس نے اس کی ناک میں پھونک ماری تو وہ تکبر سے بھر گیا۔ پھر لشکر کو ساتھ لے کر چلا اور وہ تکبر کی وجہ سے لوگوں کی طرف نہیں دیکھتا تھا۔ اسی دوران ایک شخص آیا جس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اس نے سلام کیا تو بادشاہ نے جواب نہ دیا اس نے گھوڑے کی لگام پکڑی بادشاہ نے کہا لگام چھوڑ دے تو نے بڑی گستاخی کی ہے۔ اس شخص نے کہا مجھے تجھ سے ایک کام ہے اس نے کہا مجھے اترنے دے اس نے کہا نہیں ابھی۔ پھر اس نے لگام کو اچھی طرح دبایا۔ بادشاہ نے کہا کہو کیا کہتے ہو۔ اس نے کہا راز کی بات ہے بادشاہ نے اپنا سر جھکایا اور اس کے قریب کیا اس نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا میں موت کا فرشتہ ہوں۔ یہ سُن کر بادشاہ کا رنگ بدل گیا اور زبان لڑکھڑانے لگی۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دے تاکہ میں گھر جا کر اپنے کام مکمل کروں اور گھر والوں سے رخصت ہو لوں فرشتے نے کہا نہیں اللہ کی قسم! اب تجھے اپنے گھر والوں اور مال و اسباب کو دیکھنا کبھی نصیب

marfat.com

نہیں ہوگا چنانچہ اس کی روح قبض کرلی اور وہ لکڑی کی طرح گر پڑے پھر ملک الموت آگے بڑھا اور اسی حالت میں ایک مومن بندے سے ملا اسے سلام کیا تو اس نے سلام کا جواب دیا فرشتے نے کہا مجھے تم سے ایک کام ہے جو تیرے کان میں کہوں گا۔ اس نے کہا بتایئے فرشتے نے سرگوشی کی اور کہا میں موت کا فرشتہ ہوں اس آدمی نے کہا آپ کا آنا مبارک ہو مجھے ایک عرصہ سے آپ کا انتظار تھا اللہ کی قسم! روئے زمین پر کسی غائب کی ملاقات مجھے آپ کی ملاقات سے زیادہ پسند نہیں۔ فرشتے نے کہا آپ جس کام کے لیے گھر سے نکلے ہیں اسے پورا کیجیے۔ اس نیک شخص نے کہا اللہ تعالےٰ کی ملاقات سے بڑھ کر مجھے کوئی حاجت نہیں اور نہ کوئی بات زیادہ پسند ہے۔ ملک الموت نے کہا آپ کس حالت میں جان نکالنے کو پسند کرتے ہیں؟ اس نے پوچھا کیا یہ آپ کے اختیار میں ہے؟ فرشتے نے کہا ہاں مجھے یہی حکم ہے۔ اس شخص نے کہا اچھا مجھے اجازت دیجیے کہ میں وضو کرکے نماز پڑھ لوں پھر سجدے کی حالت میں میری روح قبض کر لینا۔ چنانچہ ملک الموت نے اس کی روح حالتِ سجدہ میں قبض کی۔

حضرت ابوبکر بن عبداللہ مزنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے مال جمع کیا۔ جب موت کا وقت آیا تو بیٹوں سے کہنے لگا مجھے مختلف قسم کے مال دکھاؤ، چنانچہ اس کے پاس بہت سے گھوڑے، اونٹ اور غلام وغیرہ لائے گئے۔ اس نے یہ سب کچھ دیکھا تو افسوس کرتے ہوئے رونے لگا۔ ملک الموت نے اسے روتے ہوئے دیکھا تو پوچھا تم کیوں رو رہے ہو؟ اس ذات کی قسم جس نے تجھے یہ سب کچھ دیا جب تک میں تیری روح اور بدن کو ایک دوسرے سے جدا نہ کردوں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ اس نے کہا مجھے مہلت دیجیے کہ میں اس مال کو تقسیم کردوں۔ فرشتے نے کہا اب مہلت نہیں تم پہلے کہاں تھے۔ چنانچہ اس کی روح قبض کرلی۔

مروی ہے کہ ایک شخص نے ہر قسم کا مال جمع کیا اور کسی قسم کا مال نہ چھوڑا۔ اس مال کو محفوظ کیا اور ایک محل بنایا۔ جس کے دو مضبوط دروازے بنائے اور ان پر غلاموں کا پہرہ لگا دیا پھر اس نے اپنے لوگوں کو اکٹھا کیا اور ان کے لیے کھانا پکوایا۔ خود ایک تخت پر یوں بیٹھا کہ ایک ٹانگ دوسری پر رکھ دی اور لوگ کھانا کھا رہے تھے جب وہ فارغ ہوئے تو اس نے اپنے نفس سے کہا یا نفس! اب تو کچھ سال مزے اڑا میں نے تیرے لیے اتنا مال جمع کیا ہے جو تجھے کافی ہے وہ اپنی گفتگو سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ موت کا فرشتہ پرانے کپڑوں میں فقیر کے بھیس میں آیا۔ اس نے گردن میں جھولی ڈال کر مسکینوں کی مشابہت اختیار کر رکھی تھی۔ اس آنے والے نے اس قدر زور سے دروازہ کھٹکھٹایا کہ وہ شخص اپنے بستر پر ڈر گیا۔ غلام اس کی طرف کودے اور کہنے لگے کیا ہوا؟ اس نے کہا اپنے مالک کو بلاؤ۔ انہوں نے کہا ہمارا آقا تمہارے جیسے آدمی کی طرف آئے گا؟ اس نے کہا ہاں۔ غلاموں نے اسے خبر دی تو اس نے کہا تم نے اس سے کوئی سلوک نہ کیا؟ اس فقیر نے دوبارہ پہلے سے بھی زیادہ زور سے دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک نگران اس کی طرف اچھلا اس نے کہا اس کو بتاؤ کہ میں موت کا فرشتہ ہوں انہوں نے یہ بات سنی تو مرعوب ہو گئے اور ان

marfat.com

کا آقا ذلت اور خشوع کا شکار ہو گیا اس نے کہا اس سے نرمی سے بات کرو اور کہو کہ کیا ہم میں سے کسی ایک کو لینا چاہتا ہے یہ سُن کر ملک الموت اس کے سامنے چلا گیا اور کہا اپنے مال میں جو کچھ کرنا چاہتا ہے کرلے جب تک تیری روح نہ نکالوں میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ اس کے حکم سے مال سامنے رکھا گیا۔ جب اس نے مال دیکھا تو کہنے لگا اے مال! تجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو تو نے مجھے اپنے رب کی عبادت سے غافل رکھا اور اپنے رب کے لیے گوشہ نشینی سے روکا اللہ تعالیٰ نے مال کو بولنے کی طاقت دی تو اس نے کہا مجھے کیوں گالی دیتا ہے تو مجھے لے کر بادشاہوں کے پاس جاتا تھا اور نیک لوگوں کو دروازے سے ہٹا دیتا تھا میرے ذریعے طرح طرح کے مزے اُڑاتا تھا اور بادشاہوں کی مجالس میں بیٹھتا تھا۔ تو مجھے برائی کے راستے پر خرچ کرتا لیکن میں تجھے نہیں روکتا تھا اگر تو مجھے بھلائی کی راہ میں خرچ کرتا تو میں تجھے نفع دیتا اے ابن آدم تو مٹی سے پیدا ہوا ہے۔ چاہے نیکی کرے چاہے برائی کا مرتکب ہو۔ پھر ملک الموت نے اس کی روح قبض کی اور وہ گر گیا۔

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں موت کے فرشتے نے ایک متکبر شخص کی روح قبض کی کہ زمین پر اس کی مثل کوئی نہ تھا پھر اس کی روح کو آسمان کی طرف لے گیا تو فرشتوں نے کہا تم نے جن لوگوں کی رُوح قبض کی ہے ان میں سے کس پر تمہیں زیادہ رحم آیا؟ اس نے کہا جنگل میں ایک عورت تھی مجھے اس کی روح نکالنے کا حکم ہوا میں اس کے پاس آیا تو اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تھا مجھے اس پر رحم آیا کہ وہ تنہا ہے اس کا بچہ چھوٹا ہے اور وہ جنگل میں ہے اس کا کوئی نگران بھی نہیں۔ فرشتوں نے کہا جس متکبر کی روح تو نے ابھی قبض کی ہے یہ وہی بچہ ہے جس پر تم نے رحم کھایا اس پر ملک الموت نے کہا پاک وہ ذات جس پر چاہے لطف فرمائے۔

حضرت عطا بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب شب برات ہوتی ہے تو موت کے فرشتے کو فہرست دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ جن لوگوں کے نام اس صحیفے میں لکھے ہیں اس سال ان لوگوں کی ارواح قبض کرنا فرماتے ہیں پس آدمی درخت لگاتا ہے اور عورتوں سے نکاح کرتا ہے یا عمارت بناتا ہے حالانکہ اس کا نام اس فہرست میں لکھا ہوتا ہے اور اسے معلوم نہیں ہوتا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر دن موت کا فرشتہ ہر گھر میں تین بار تجسس کرتا ہے پس ان میں سے جس شخص کو یوں پاتا ہے کہ اس کا رزق پورا ہو گیا اور وقت ختم ہو گیا ہے۔ اس کی روح کو قبض کر لیتا ہے جب وہ اس کی رُوح قبض کرتا ہے تو اس کے گھر والے اس پر روتے اور چیختے چلاتے ہیں۔ چنانچہ موت کا فرشتہ دروازے کے دونوں کواڑ پکڑ کر کہتا ہے اللہ کی قسم نہ تو میں نے اس کی روزی کھائی اور نہ اس کی عمر ختم کی اور نہ اس کا وقت پورا کیا اور میں تمہارے پاس بار بار آؤں گا۔ حتیٰ کہ تم میں سے کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! اگر وہ ملک الموت کو کھڑا دیکھیں اور ان کا کلام سنیں تو اپنی میت کو بھول کر

marfat.com

ے آپ پر روئیں۔

حضرت یزید رقاشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بنی اسرائیل کا ایک متکبر شخص اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا اور گھر کے کسی کے ساتھ علیحدگی میں تھا کہ اس نے دیکھا ایک شخص گھر کے دروازے سے اندر داخل ہوا اور غصے کی حالت میں کی طرف لپکا اس نے پوچھا تم کون ہو اور تمہیں کس نے میرے گھر میں آنے دیا ہے۔ اس نے کہا مجھے اس گھر مالک نے آنے کی اجازت دی ہے اور میں وہ ہوں کہ مجھے کوئی دربان روک نہیں سکتا میں بادشاہوں سے اجازت لیتا اور نہ ہی کسی دبدبے والے کا دبدبہ مجھے ڈرا سکتا ہے۔ نہ کوئی سرکش متکبر مجھ سے بچ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی ں شیطان۔

راوی فرماتے ہیں (یہ سُن کر وہ) متکبر شخص پر خوف طاری ہو گیا اور وہ کانپنے لگا حتیٰ کہ منہ کے بل گر گیا پھر نہایت ت اور رسوائی کے ساتھ سر اٹھایا اور کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ تو ملک الموت ہے اس نے کہا ہاں میں وہی ں اس نے کہا کیا مجھے مہلت دے سکتا ہے کہ میں از سر نو عہد کروں اور توبہ کر دوں؟ اس نے کہا نہیں تمہاری ختم ہو گئی اور سانس اور وقت بھی مکمل ہو گیا۔ اب مہلت کا کوئی راستہ نہیں اس نے کہا آپ مجھے کہاں لے گے۔ فرشتے نے کہا تمہارے اس عمل کی طرف جو تو نے آگے بھیجا ہے اور اس گھر کی طرف جو تو نے تیار کیا ، اس نے کہا میں نے کوئی نیک عمل آگے نہیں بھیجا اور نہ ہی کوئی اچھا گھر تیار کیا ہے۔ فرشتے نے کہا پھر بھڑکتی ہوئی کی طرف جو گوشت پوست کو نوچ لے گی پھر اس کی روح نکال لی اور وہ اپنے گھر والوں کے سامنے مردہ حالت گر گیا۔ اب کوئی چیخ رہا ہے اور کوئی رو رہا ہے۔ حضرت یزید رقاشی فرماتے ہیں اگر ان لوگوں کو اس کے بُرے م کی اطلاع ہوتی تو اس سے زیادہ روتے۔

حضرت اعمش، حضرت حیثمہ (رحمہما اللہ) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں موت کا فرشتہ حضرت سلیمان داؤد علیہما السلام کے پاس حاضر ہوا تو آپ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو مسلسل دیکھتا رہا جب حضرت ئیل علیہ السلام باہر نکلے تو اس شخص نے پوچھا یہ کون شخص تھا؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا یہ ملک الموت تھے نے کہا میں نے دیکھا کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے گویا میری روح قبض کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہا تیری کیا رائے ہے اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اس شخص سے بچا لیں اور ہوا کو حکم دیں کہ وہ مجھے دوستان کے دور دراز علاقے میں لے جائے۔ ہوا نے اسی طرح کیا پھر ملک الموت دوبارہ آئے حضرت سلیمان لسلام نے ان سے فرمایا میں نے دیکھا کہ آپ میرے ایک ہم مجلس کو مسلسل دیکھ رہے ہیں سانوں نے کہا ہاں مجھے اس بات پر تعجب ہو رہا تھا کہ مجھے حکم ہوا کہ تھوڑی دیر بعد ہندوستان کے دور دراز علاقے میں کی روح قبض کروں اور وہ آپ کے پاس تھا اس لیے مجھے تعجب ہو رہا تھا۔

marfat.com

چوتھا باب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کا وصال مبارک

فصل ۱۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں زندگی اور موت، فعل اور قول اور تمام احوال کے اعتبار سے ایک بہترین نمونہ، ناظرین کے لیے عبرت اور سمجھنے والوں کے لیے بصیرت کا سامان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھکر کوئی معزز نہیں کیونکہ آپ اللہ تعالےٰ کے خلیل، حبیب، اس سے مناجات کرنے والے منتخب، رسول اور نبی ہیں، تو دیکھو آپ کے وصال کے وقت آپ کو ایک گھڑی کی مہلت بھی ملی اور جب وصال کا وقت آیا تو ایک لحظہ کی تاخیر ہوئی؟ نہیں بلکہ آپ کے پاس وہ مقرر معزز فرشتے بھیجے گئے جو مخلوق کی روحیں قبض کرتے ہیں۔ انہوں نے نہایت جدوجہد کے ساتھ آپ کی پاکیزہ مکرم روح کو جسم مطہر و منور سے رحمت و رضوان اور عمدہ اچھے مقامات بلکہ رحمٰن کے جوار میں سچائی کے مقام پر منتقل کیا اس کے باوجود آپ پر نزع کی حالت میں کرب و تکلیف زیادہ ہوئی۔ آپ کی زبان مبارک سے فریاد جاری ہوئی۔ رنگ مبارک بدل گیا اور پیشانی پر پسینہ آگیا۔ نیز حالت اضطراب میں آپ کے دونوں ہاتھ مبارک کبھی کھلتے اور کبھی بند ہوتے۔ حتیٰ کہ حاضرین بھی رونے لگے اور جس نے یہ منظر دیکھا وہ اس شدتِ حال کی وجہ سے بہت رویا، تو کیا منصب نبوت کی وجہ سے یہ تقدیر آپ سے ٹلی، اور کیا ملک الموت نے آپ کے گھر والوں اور خاندان کا خیال کیا یا اس بات کا خیال کیا کہ آپ حق کے مدعا ہیں اور لوگوں کے لیے بشیر و نذیر ہیں۔

ہرگز نہیں! بلکہ انہوں نے حکم خداوندی کی تعمیل کی اور جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا اس کی اتباع کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا یہ معاملہ ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کو مقام محمود حاصل ہے اور آپ حوض کوثر پر تشریف لے جانے والے اور جام پلانے والے ہیں سب سے پہلے آپ ہی کی قبر مبارک کھلے گی۔ قیامت کی پیشی کے موقع پر آپ شفاعت فرمانے والے ہیں۔

تو تعجب کی بات ہے کہ ہم ان حالات سے سبق نہیں سیکھتے جو کچھ ہم پر گزرنے والا ہے ہمیں اس پر یقین نہیں آتا بلکہ ہم خواہشات کے قیدی اور گناہوں کے ساتھی ہیں تو ہمیں کیا ہو گیا کہ ہم سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے واقعات کو سامنے نہیں رکھتے حالانکہ آپ متقی لوگوں کے امام اور تمام جہانوں کے

.ردگار کے محبوب ہیں۔

شاید ہم سمجھتے ہیں کہ ہم ہمیشہ باقی رہیں گے یا ہمارا وہم یہ ہے کہ ہم بُرے اعمال کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم ہرگز نہیں ہرگز نہیں! بلکہ ہمیں یقین ہے کہ ہم سب نے جہنم کے اوپر سے گزرنا ہے پھر اس سے وہی لوگ نجات پائیں جو متقی ہیں پس گزرنے پر تو یقین ہے لیکن وہاں سے بچ نکلنے اور واپسی کا محض وہم نہیں پھر واپس آنے کا ب گمان کریں تو اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہوں گے۔ اللہ کی قسم! ہم متقی لوگوں میں سے نہیں ہیں اللہ رب لمین نے فرمایا۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا[1]	تم میں سے ہر ایک نے وہاں سے گزرنا ہے یہ تمہارے رب کا حتمی فیصلہ ہے پھر ہم ان لوگوں کو نجات دیں گے جو پرہیزگار ہیں اور ظالموں کو اس میں اوندھے گرے ہوئے چھوڑ دیں گے۔

پس ہر بندے کو چاہیے کہ اپنے نفس کو دیکھے کہ وہ ظالموں کے زیادہ قریب ہے یا پرہیزگار لوگوں کے ف صالحین کی سیرت کو دیکھنے کے بعد اپنے آپ کو دیکھے اس کے باوجود کہ ان کو توفیق حاصل تھی، وہ زدہ رہتے تھے[2]۔

پھر تمام رسولوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو آپ کا معاملہ یقین پر مبنی تھا کیونکہ تمام نبیوں کے سردار رتقی لوگوں کے قائد تھے تو دیکھ کہ دنیا سے جدا ہونے وقت آپ کس طرح کرب میں مبتلا ہوئے اور جنت وی کی طرف منتقلی کے وقت آپ پر ہر معاملہ کس قدر سخت ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ے اس وقت آپ دنیا سے رخصت ہونے والے تھے آپ نے ہمیں دیکھا تو آپ کی مبارک آنکھوں سے سو جاری ہو گئے پھر فرمایا۔

تمہارا آنا اچھا ہو اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ رکھے تمہیں پناہ دے اور تمہاری مدد فرمائے میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے نے کی وصیت کرتا ہوں اور تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا طلب گار ہوں میں تمہارے لیے واضح سنانے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے شہروں اور اس کے بندوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجاوز نہ کرنا

---

[1] قرآن مجید، سورۂ مریم آیت ۷۱، ۷۳۔

[2] المطالب العالیہ جلد ۴ ص ۲۲۰۔ حدیث ۴۳۹۲۔

marfat.com

موت کا وقت آگیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف نیز سدرۃ المنتہیٰ، جنت الماویٰ، اور بھرپور جام کی طرف لوٹنا ہے میری طرف سے اپنے آپ کو اور میرے بعد جو تمہارے دین میں داخل ہوں ان کو سلام کہنا

ایک روایت میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال کے وقت حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا "مَنْ لِاُمَّتِیْ بَعْدِیْ" میرے بعد میری امت کے لیے کون ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری دو کہ میں ان کو ان کی امت کے سلسلے میں رسوا نہیں کروں گا اور ان کو یہ خوشخبری بھی دیں کہ جب لوگوں کو قبروں سے نکالا جائے گا تو سب سے پہلے میرے حبیب باہر تشریف لائیں گے جب وہ جمع ہوں گے تو آپ ہی ان کے سردار ہوں گے اور جب تک آپ کی امت جنت میں داخل نہ ہو جائے باقی لوگوں کے لیے وہ حرام رہے گی (یہ سُن کر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اَلْآنَ قَرَّتْ عَیْنِیْ" اب میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوئی۔[1]

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آپ کو سات کنوؤں (کے پانی) سے سات مشکیزوں سے غسل دیں۔ ہم نے ایسا ہی کیا تو آپ نے آرام پایا پھر آپ تشریف لے گئے اور صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔ اہل اُحد کے لیے دعائے مغفرت کی اور انصار کے حق میں وصیت فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا۔

"حمد و صلوٰۃ کے بعد! اے مہاجرین کے گروہ! تم بڑھتے جاؤ گے اور انصار آج والی حالت پر ہی رہیں گے اور انصار میرے رازدان ہیں جن کے پاس میں نے ٹھکانہ حاصل کیا پس اُن کے محسن کی تعظیم کرو اور ان کے خطاکار سے درگزر کرو۔" پھر فرمایا ایک بندے کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ دنیا کو اختیار کرے یا اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ کے پاس؟ تو اس بندے نے اس چیز کو اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور سمجھ گئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات والا صفات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر! صبر اختیار کرو (اور فرمایا) مسجد کی طرف کھلنے والے تمام دروازے بند کر دو صرف ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ کے مکان) کا دروازہ کھلا رہے میں رفاقت و محبت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پاتا۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر، میری باری کے دن اور میری ہی گود میں

---

[1] مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۳۰ کتاب علامات النبوۃ

[2] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۹۸ مرویات عائشہ، جلد ۲ ص ۵۰۰ مرویات مالک انصاری، مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۴۳ کتاب الناقب

marfat.com

ے سینے اور گردن کے درمیان وصال فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے وصال کے وقت میرے اور آپ کے
کو جمع فرمایا۔ میرے بھائی حضرت عبدالرحمٰن حاضر ہوئے اور ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ
ن کی طرف دیکھنے لگے تو میں جان گئی کہ آپ نے اسے پسند فرمایا میں نے پوچھا میں یہ مسواک ان سے آپ
لے لوں
چنانچہ میں نے وہ مسواک آپ
اور آپ نے اسے اپنے منہ مبارک میں داخل کیا تو آپ کو سخت محسوس ہوئی۔ میں نے پوچھا نرم کر دوں؟
نے سر انور سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۔ میں نے اسے (دانتوں سے) نرم کر دیا۔ آپ کے سامنے پانی کا ایک
تھا آپ اس میں اپنا ہاتھ مبارک داخل کرتے اور فرماتے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ — اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بے شک
سَكَرَاتٍ۔ — موت کی سختیاں ہیں۔

پھر آپ نے اپنا دست مبارک اوپر کی طرف اٹھایا اور فرمایا۔ رفیق اعلیٰ "رفیق اعلیٰ" میں نے کہا اللہ کی قسم!
پ ہمیں پسند نہیں فرمائیں گے[1]

حضرت سعید بن عبداللہ (رضی اللہ عنہما) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں جب انصار نے
کہ آپ کی طبیعت مبارک بھاری ہوتی جاتی ہے تو انہوں نے مسجد شریف کے چکر لگانا شروع کر دیے
دوران) حضرت عباس رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور آپ کو بتایا کہ صحابہ کرام جمع ہیں اور خوفزدہ
ر حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے اور اس قسم کی خبر دی اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی
نہ حاضر خدمت ہوئے اور وہی بات بتائی آپ نے ہاتھ پھیلایا اور فرمایا پکڑو پھر پوچھا تم کیا کہتے ہو انہوں نے
یا ہمیں آپ کے وصال کا ڈر ہے اور مردوں کے آپ کے پاس جمع ہونے کی وجہ سے عورتوں نے بھی
چلانا شروع کر دیا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فضل بن عباس رضی اللہ
ا سہارا لیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آگے آگے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی
پ قدم مبارک گھسیٹ کر چل رہے تھے۔ حتیٰ کہ آپ منبر شریف کے سب سے نچلے درجہ پر تشریف فرما
ے اور صحابہ کرام آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔
اے لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں کو میرے وصال کا خوف ہے۔ گویا تم موت سے نفرت کرتے ہو۔
یری موت کا انکار کرتے ہو تو کیا میں نے تمہیں اپنی موت کی خبر نہیں دی یا تمہیں اپنی موت کی خبر نہیں پہنچی کیا

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۴۰ کتاب المغازی۔

marfat.com

مجھ سے پہلے کوئی نبی ہمیشہ رہا کہ میں بھی ہمیشہ رہوں سنو! میں بھی اپنے رب سے ملنے والا ہوں اور تم بھی اس سے ملنے والے ہو میں تمہیں پہلے مہاجرین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں اور مہاجرین کو بھی باہم خیر خواہی کا حکم دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝[1]

زمانے کی قسم! بے شک انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے نیز جو ایک دوسرے کو سچائی کی تلقین کرتے اور صبر کی نصیحت کرتے ہیں۔

بے شک معاملات اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہوتے ہیں ایسا نہ ہو کہ کسی امر کی تاخیر کے باعث تم اس کی جلدی کی درخواست کرو اللہ تعالیٰ کسی کی جلدی کی وجہ سے جلدی نہیں کرتا۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر غالب ہونا چاہے اللہ تعالیٰ اس پر غالب ہوتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہے اللہ تعالیٰ اس کو دھوکے کا بدلہ دیتا ہے تو کیا قریب ہے کہ تم کو حکومت ملے تو تم زمین میں فساد پھیلاؤ اور رشتہ داری سے قطع تعلق کرو۔ میں تمہیں انصار سے بھلائی کی وصیت کرتا ہوں یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے تمہیں پہلے ٹھکانہ دینے اور ایمان میں اخلاص کا مظاہرہ کیا ان سے اچھا سلوک کرنا کیا انہوں نے اپنے پھلوں کا نصف تمہیں نہیں دیا کیا انہوں نے اپنے گھروں میں تمہارے لیے کشادگی پیدا نہیں کی۔ کیا انہوں نے بھوک پیاس کے باوجود تمہیں اپنے اوپر ترجیح نہیں دی۔ پس جو شخص دو آدمیوں کے درمیان فیصلے کا مختار ہو تو وہ ان کے نیکوکاروں کی نیکی قبول کرے اور خطا کار سے درگزر کرے۔ سنو! ان پر کسی کو ترجیح نہ دو سنو! میں تم سے آگے جا رہا ہوں اور تم مجھ سے ملنے والے ہو سنو! تمہارے وعدے کی جگہ حوض ہے۔ میرا حوض شام سے بصریٰ اور یمن کے صنعا کے درمیان فاصلہ سے بھی زیادہ چوڑا ہے اس میں کوثر کا ایک پرنالہ گرتا ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید جھاگ سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ جو آدمی اس سے پیئے گا وہ کبھی بھی پیاسا نہیں ہوگا۔ اس کی کنکریاں موتی اور خاک کستوری ہے۔ جو شخص کل قیامت کے دن اس سے محروم رہا وہ ہر قسم کی بھلائی سے محروم رہا۔ سنو۔ جو شخص کل قیامت کے دن اس حوض پر میرے پاس آنا چاہتا ہے وہ غیر مناسب باتوں سے اپنی زبان اور ہاتھوں کو روکے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کو کچھ وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا میں اس امر (خلافت) کی وصیت قریش کو کرتا ہوں باقی لوگ قریش کے تابع ہیں ان کے نیک ان کے نیکوں اور ان کے برے ان کے بروں کے تابع ہیں۔ اے قریش والو! لوگوں کی بھلائی چاہنا اے لوگو! گناہ نعمتوں کو بدل دیتے ہیں اور عادتوں میں تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں پس جب لوگ نیک ہوں گے تو ان کے حکمران بھی نیک ہوں گے

ب لوگ نافرمان ہوں گے تو حاکم بھی ان پر رحم نہیں کریں گے۔
ارشاد خداوندی ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ [1]

اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کرتے ہیں یہ ان کے اعمال کی سزا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی ہ سے فرمایا اے ابوبکر! سوال کرو، انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا موت قریب آگئی ہے؟ آپ نے وت قریب آگئی اور بہت قریب آگئی۔ آپ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے پ کو مبارک ہو۔ کاش ہمیں معلوم ہوتا کہ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف النتہیٰ کی طرف پھر جنت الماویٰ، فردوس اعلیٰ، بھرپور پیالے، رفیق اعلیٰ اور خوشگوار عیش سے ملنے والے ، کی طرف جا رہا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کو غسل کون دے گا؟ آپ نے فرمایا میرے یت میں سے قریب تر لوگ، عرض کیا ہم آپ کو کونسے کپڑوں میں کفن پہنائیں۔ آپ نے فرمایا میرے انہی ں میں نیز یمنی حلے اور مصری سفید کپڑوں میں ——— انہوں نے عرض کیا آپ پر نماز جنازہ کا کیا طریقہ ؟ یہ کہہ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ہم سب رو پڑے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی روئے پھر بس کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری بخشش فرمائے! اور تمہیں اپنے نبی کی طرف سے اچھا بدلہ دے جب تم مجھے غسل ، اور کفن بھی پہنا دو تو مجھے میرے اسی حجرہ مبارکہ میں چارپائی پر رکھنا اور چارپائی کو قبر کے کنارے پر ر کچھ دیر کے لیے باہر چلے جانا کیونکہ سب سے پہلے مجھ پر میرا رب صلوٰۃ (رحمت) بھیجے گا۔ ارشاد ندی ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ

وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور فرشتے بھی۔

پھر وہ اپنے فرشتوں کو میرے لیے دعائے رحمت کی اجازت دے گا تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب ، مجھ پر حضرت جبریل علیہ السلام نماز پڑھیں گے (یعنی درود شریف بھیجیں گے) پھر حضرت میکائیل علیہ السلام حضرت اسرافیل علیہ السلام اور پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ آئیں گے۔ پھر تمام تے آئیں گے اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت فرمائے۔

---

[1] قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۱۲۹

[2] قرآن مجید، سورۃ احزاب آیت ۴۳۔

marfat.com

پھر تم لوگ پڑھو گے پس تم جماعت در جماعت اور گروہ در گروہ آنا اور مجھ پر صلوٰۃ وسلام پیش کرنا، نیز چلانے اور رونے کے ذریعے مجھے اذیت نہ پہنچانا تم میں سے جو امام ہو وہ آغاز کرے اور میرے اہل بیت میں سے زیادہ قربت والے پھر عورتوں کی جماعت اور پھر بچوں کا گروہ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا آپ کو قبر شریف میں کون اتارے گا؟ فرمایا میرے اہلِ بیت کے قریبی لوگ اور بے شمار فرشتے ہوں گے تم ان کو دیکھ نہیں سکو گے اور وہ تمہیں دیکھ رہے ہوں گے۔ اٹھو اور میری طرف سے بعد والوں کو (دین) پہنچاؤ۔[1]

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ربیع الاول شریف کے شروع میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نماز کے لیے عرض کیا تو آپ نے فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نکلا تو کچھ لوگوں کے درمیان حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں نہ تھے میں نے کہا اے عمر! اٹھیں اور نماز پڑھائیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اُٹھے اور انہوں نے تکبیر کہی۔ آپ کی آواز بلند تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی آواز میں تکبیر سنی تو فرمایا ابوبکر کہاں ہیں! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آگے ہونے کو نہ اللہ تعالیٰ مانے گا اور نہ لوگ۔ آپ نے تین بار فرمایا ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رقیق القلب ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پر رونا غالب آجائے گا۔ آپ نے فرمایا تم حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے والی عورتیں ہو حضرت ابوبکر سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔[2]

راوی فرماتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نماز پڑھانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے تم نے میرے ساتھ کیا کیا۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ گمان نہ ہوتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے تو میں ایسا نہ کرتا حضرت عبداللہ بن زمعہ نے فرمایا میں نے آپ سے بہتر کسی کو نہ دیکھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے عذر پیش کیا تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ دنیا سے رغبت نہیں رکھتے تھے اور نہ آپ کو خلافت سے غرض تھی کیونکہ اقتدار میں خطرات اور ہلاکت ہے ہاں جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ اور مجھے یہ بھی ڈر تھا کہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کسی کو آپ کی جگہ نماز پڑھاتے ہوئے پسند نہیں کریں گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ پس وہ آپ سے حسد کرنے لگیں، سرکشی کی راہ اختیار کریں

---

[1] المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۶۰ کتاب المغازی۔ [2] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۳۴ مرویات عائشہ

marfat.com

بدفالی لیں یقیناً وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دینی اور دنیوی تمام امور میں ہر
م کے خون سے بچا لیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صبح کے وقت آپ کے
اج شریف میں کچھ سکون دیکھا اس لیے صحابہ کرام خوشی خوشی اپنے گھروں اور کام کاج کے لیے چلے گئے اور نبی اکرم
ے پاس صرف عورتیں رہ گئیں ہم اسی حالت میں تھے کہ گویا اس سے پہلے ایسی امید اور خوشی نہ تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ
لم نے فرمایا میرے پاس سے چلی جاؤ یہ فرشتہ مجھ سے اندر آنے کی اجازت مانگ رہا ہے۔ چنانچہ حجرہ مبارکہ
ے میرے علاوہ سب چلے گئے۔ آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا جب آپ تشریف فرما ہوئے تو میں ایک کونے
ں ہو گئی۔ فرشتے نے طویل گفتگو کی پھر مجھے بلایا اور دوبارہ اپنا سر مبارک میری گود میں رکھ دیا اور عورتوں سے فرمایا
بھی اندر آ جاؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ آہٹ حضرت جبریل علیہ السلام کی نہ تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہاں اے عائشہ! یہ موت کا فرشتہ تھا جو میرے پاس آیا اور اس نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے
مجھے بھیجا اور حکم دیا ہے کہ میں آپ کے پاس اجازت کے بغیر نہ آؤں۔ اگر آپ اجازت نہیں دیتے تو میں چلا جاتا
ں اور اگر آپ اجازت دیتے ہیں تو میں اندر آ جاتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کی اجازت
کے بغیر آپ کی رُوح مبارک قبض نہ کروں آپ کا کیا حکم ہے؟ پس میں نے کہا ٹھہر جاؤ حتیٰ کہ حضرت جبریل
یہ السلام میرے پاس آئیں کیونکہ یہ ان کے آنے کا وقت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم نے ایک ایسی بات کا سامنا کیا جس کے بارے میں ہمارے پاس
ئی جواب یا رائے نہ تھی۔ پس ہم خاموش ہو گئے۔ گویا ہم ایک بہت بڑی چیخ کی وجہ سے جامد و ساکت ہو گئے ہیں
س بات کی بڑائی اور ہیبت کی وجہ سے کوئی بھی شخص بول نہ سکتا تھا۔ ام المومنین فرماتی ہیں اسی وقت حضرت جبریل
علیہ السلام حاضر ہوئے جب مجھے ان کے آنے کا علم ہو گیا اور باقی تمام لوگ باہر چلے گئے وہ داخل ہوئے اور
عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور آپ کی مزاج پُرسی فرماتا ہے حالانکہ وہ آپ کی حالت کو خوب جانتا
ہے لیکن وہ آپ کو مزید کرامت و شرافت عطا کرنا چاہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ تمام مخلوق سے آپ کی کرامت و شرف
زیادہ ہو اور یہ بات (مزاج پرسی) آپ کی امت میں بطور سنت جاری ہو۔ آپ نے فرمایا مجھے درد محسوس ہو رہا ہے
انہوں نے عرض کیا خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ آپ کو اس مقام تک پہنچانا چاہتا ہے جو اس نے آپ کے لیے تیار کیا ہے۔
آپ نے فرمایا اے جبریل ملک الموت نے مجھ سے اجازت طلب کی پھر آپ نے پوری بات بتائی۔ حضرت جبریل
علیہ السلام نے عرض کیا آپ کا رب آپ کا مشتاق ہے۔ کیا اس نے نہیں بتایا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ بخدا ملک
الموت نے آج تک کسی سے اجازت نہیں مانگی اور نہ آئندہ کسی سے اجازت مانگے گا۔ لیکن آپ کا رب آپ کے شرف

marfat.com

کو پورا کرنے والا ہے اور وہ آپ کا مشتاق ہے۔ آپ نے فرمایا ملک الموت کے آنے تک آپ یہاں سے نہ جائیں اور عورتوں کو اندر آنے کی اجازت دی۔ آپ نے فرمایا اے فاطمہ! میرے قریب ہو جاؤ وہ آپ کی طرف جھکیں آپ نے ان کے کان میں سرگوشی کی۔ انہوں نے سر اٹھایا تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ان میں بات کرنے کی سکت نہ تھی پھر فرمایا اپنا سر میرے قریب کرو وہ آپ کی طرف جھک گئیں تو آپ نے دوبارہ سرگوشی فرمائی، حضرت خاتون جنت نے سر اٹھایا تو مسکرا رہی تھیں لیکن کلام کرنے کی طاقت نہ تھی۔ ہمیں ان کی حالت سے تعجب ہوا اس کے بعد جب ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ میں آج انتقال کر جاؤں گا پھر فرمایا میں نے دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے گھر والوں میں سے سب سے پہلے تجھے میرے ساتھ لائے چنانچہ میں ہنس پڑی۔ پھر خاتون جنت نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کیا آپ نے ان دونوں کو سونگھا۔

حضرت ام المومنین فرماتی ہیں اس دوران ملک الموت آگئے اور سلام پیش کر کے اجازت مانگی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی۔ فرشتے نے پوچھا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں آپ نے فرمایا میرے رب اعلیٰ تک مجھے پہنچا دو۔ انہوں نے عرض کیا آج ہی ملا دوں گا۔ آپ کا رب تو آپ کا مشتاق ہے اور آپ کے لیے جس قدر تردد ہے اس قدر کسی کے لیے نہیں ہے اور آپ کے علاوہ کسی اور کے پاس بغیر اجازت جانے سے منع نہیں فرمایا، لیکن آپ کی ساعت آپ کے سامنے ہے یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پھر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ! یہ میرا زمین پر اترنا آخری بار ہے پھر کبھی نہیں اتروں گا۔ وحی بھی لپیٹ دی گئی اور زمین بھی، اب زمین پر مجھے آپ کے سوا کوئی کام نہ تھا اور میری غرض صرف آپ کی بارگاہ میں حاضری تھی۔ اب میں اپنی جگہ پر رہوں گا۔ ام المومنین فرماتی ہیں گھر میں کسی کو بولنے کی تاب نہ تھی اور اس کلام کی عظمت کے پیش نظر کوئی مردوں کو بھی بلا نہ سکتا تھا ہم سب سہمے ہوئے اور خوف زدہ تھے فرماتی ہیں پھر میں اٹھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی حتیٰ کہ آپ کا سر انور اپنی چھاتی کے ساتھ لگایا اور آپ کے سینہ مبارکہ کو تھام لیا آپ پر بیہوشی طاری ہو گئی حتیٰ کہ غالب آگئی۔ آپ کی پیشانی سے اس قدر پسینہ ٹپکتا تھا کہ میں نے کبھی کسی انسان سے اس قدر نہیں دیکھا میں وہ پسینہ پونچھتی تھی اور اس سے زیادہ خوشبودار چیز میں نے نہیں دیکھی جب آپ کو افاقہ ہوا تو میں نے کہا میرے ماں باپ، میری جان اور گھر والے سب آپ پر قربان ہو۔ آپ کی پیشانی پر اس قدر پسینہ کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا اے عائشہ! مومن کی جان پسینے کے ذریعے نکلتی ہے اور کافر کی جان گدھے کی جان کی طرح اس کی باچھوں سے نکلتی ہے[1] اس وقت ہم ڈر گئے اور اپنے گھر

---

[1] مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۲۲۶ کتاب الجنائز

marfat.com

لی کو بھیجا سب سے پہلے میرے بھائی تشریف لائے لیکن وہ آپ سے ملاقات نہ کر سکے انہیں میرے والد ماجد نے میرے پاس بھیجا تھا اور کسی شخص کے آنے سے پہلے ہی آپ نے جان، جان آفریں کے سپرد کی اور اللہ تعالےٰ نے سب کو روک رکھا تھا کیونکہ آپ کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام کے سپرد کر رکھا تھا اور جب آپ پر بیہوشی طاری ہوئی تو آپ نے فرمایا "بَلِ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی" (رفیق اعلیٰ کے پاس جانا ہے[1]) گویا آپ کو بار بار اختیار دیا جاتا تھا آپ کو جب بھی گفتگو کی طاقت ہوئی تو آپ نے فرمایا۔

اَلصَّلٰوۃَ اَلصَّلٰوۃَ اِتَّکُمْ لَا تَزَالُوْنَ مُتَمَاسِکِیْنَ مَا صَلَّیْتُمْ جَمِیْعًا اَلصَّلٰوۃَ اَلصَّلٰوۃَ۔	نماز کا خیال رکھنا، نماز کا خیال رکھنا تم ہمیشہ قائم اور مضبوط رہو گے جب تک باجماعت نماز پڑھو گے نماز کا خیال رکھنا (دو بار فرمایا)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرمانے تک نماز کی وصیت کرتے رہے۔ آپ فرماتے "الصلوٰۃ الصلوٰۃ" نماز کا خیال رکھنا، نماز کا خیال رکھنا[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوموار کے دن چاشت اور دوپہر کے درمیان وصال فرمایا[3]

حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مجھے سوموار کا دن موافق نہیں آیا۔ اللہ کی قسم! اس دن امت کو بڑی مصیبت ہوا کرے گی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے اسی طرح فرمایا کہ سوموار کا دن مجھے موافق نہیں آیا۔ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن فرمایا اسی دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اسی دن (میرے خاوند) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور اسی دن میرے والد شہید ہوئے پس میں نے سوموار کے دن کوئی بھلائی نہیں پائی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ کرام سب مصیبت میں مبتلا ہوئے اور رونے کی آواز بلند ہوئی تو فرشتوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے کپڑے سے ڈھانپ لیا اب صحابہ کرام میں اختلاف ہوا۔ بعض نے آپ کے وصال کی تصدیق نہ کی اور بعض تو ایک عرصہ تک بول ہی نہ سکے۔ کچھ کی عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا تو ان کی گفتگو سمجھ نہ آتی اور بعض کے ہوش و حواس ٹھکانے پر نہ رہے اور کچھ لوگ بیٹھے رہ گئے۔

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۷۴ مرویات عائشہ

[2] دلائل النبوۃ جلد ۷ ص ۲۱۳ باب فی مرض موتہ

marfat.com

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں تھے جو آپ کے وصال کو جھٹلاتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیٹھ جانے والوں میں سے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بول نہ سکنے والوں میں شامل تھے جو بول نہ سکے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ باہر لوگوں کے پاس آئے اور فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور واپس لائے گا اور ان منافقوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دے گا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی تمنا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ سے اسی طرح وعدہ فرمایا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا اور آپ تشریف لائیں گے۔

ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا اے لوگو! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اپنی زبانوں کو روک کر رکھو۔ آپ کا انتقال نہیں ہوا اللہ کی قسم! اگر میں نے کسی سے سنا کہ وہ آپ کے وصال کا ذکر کرتا ہے تو اپنی تلوار سے اس کے ٹکڑے کر دوں گا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تو بیٹھ ہی گئے وہ مسلسل گھر میں رہتے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کسی سے گفتگو نہ کرتے آپ کو ہاتھ پکڑ کر لایا اور لے جایا جاتا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرح کسی مسلمان کی حالت نہ تھی اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو استقامت عطا فرمائی۔ اگرچہ صحابہ کرام صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات کا لحاظ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کو چکھا ہے اور آپ نے خود اپنی حیات طیبہ میں تمہارے سامنے فرمایا[1] ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ۔[2]	بے شک آپ کو موت آئے گی اور ان کو بھی موت کا مزہ چکھنا ہے پھر بے شک تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس جھگڑو گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بنو حارث بن خزرج میں تھے کہ آپ کو خبر ملی آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کی طرف دیکھا اور جھک کر آپ کا بوسہ لیا پھر فرمایا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دو مرتبہ موت کا مزہ نہیں چکھائے گا اللہ کی قسم! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما چکے ہیں۔ پھر آپ صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے لوگو! جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوجا کرتا تھا تو آپ وصال فرما چکے ہیں اور جو آدمی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی عبادت کرتا تھا

---

[1] دلائل النبوۃ جلد ۷، ص ۲۱۴ باب فی مرض موتہ

[2] قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۳۰، ۳۱۔

marfat.com

تو وہ (رب) زندہ ہے اسے موت نہیں آئے گی۔[1]

ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ[2]

اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہیں آپ سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں پس کیا اگر آپ انتقال فرما جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے۔

تو گویا صحابہ کرام نے یہ آیت آج ہی سنی تھی (اس سے پہلے نہیں سنی تھی)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب آپ کے وصال کی خبر ملی تو آپ درود شریف پڑھتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارکہ میں داخل ہوئے۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آپ کی آواز دانتوں کی رگڑ سے نکلتی تھی۔

لیکن اس کے باوجود آپ قول و فعل میں مضبوط تھے۔ چنانچہ آپ نے جھک کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے کپڑا ہٹایا اور آپ کی پیشانی اور رخسار مبارک پر بوسہ دیا اور چہرہ انور پر ہاتھ پھیرا اور روتے ہوئے کہنے لگے میرے ماں باپ، میری جان اور سب گھر والے آپ پر قربان ہوں آپ کی حیات طیبہ بھی اچھی اور وصال مبارک بھی خوب ہے۔ آپ کے وصال سے وہ سلسلہ (نبوت) ختم ہو گیا جو کسی نبی کے وصال سے ختم نہیں ہوا آپ کی ذات بیان وصف اور رونے سے بلند ہے آپ کو اس طرح مقام خاص ملا کر سب کے رنج و غم کے ضامن ہو گئے اور عمومیت ملی کہ سب کے لیے آپ کی رحمت و شفقت برابر ہے۔ اگر آپ کا وصال آپ کے اختیار سے نہ ہوتا تو ہم آپ کے غم میں اپنی جانیں فدا کر دیتے اور اگر آپ نے ہمیں رونے سے منع نہ کیا ہوتا تو ہم آپ کے فراق میں آنکھوں کا پانی ختم کر دیتے۔ لیکن جو بات ہم اپنے آپ سے دور نہیں کر سکتے وہ رنج اور آپ کی یاد ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔ یا اللہ! ہماری طرف سے یہ باتیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دے اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے رب کی بارگاہ میں ہمارا ذکر کیجیے اور ہمیں اپنے قلب مبارک میں ضرور جگہ عطا فرمائیں اگر آپ نے اپنے پیچھے وقار نہ چھوڑا ہوتا تو آپ کے بعد کی مشقت کو کوئی بھی برداشت نہ کر سکتا۔ یا اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف سے یہ باتیں پہنچا دے اور ہمارے درمیان آپ کی حفاظت فرما۔[3]

---

[1] دلائل النبوۃ جلد ۷، ص ۲۱۷ باب فی مرض موتہ۔

[2] قرآن مجید، سورۃ آل عمران آیت ۱۴۴۔ [3]

marfat.com

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب حجرۂ مبارکہ میں داخل ہوئے اور درود شریف پڑھا۔ آپ کی تعریف میں کلمات کہے تو گھر والوں میں ایک شور اُٹھا جو تمام نمازیوں نے سنا آپ جب بھی کوئی کلمہ کہتے آواز مزید بلند ہوتی۔ حاضرین کی آواز اس وقت تھم گئی جب ایک بلند آواز شخص نے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا "السلام علیکم اہل البیت (اے گھر والو! السلام علیکم)

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ [1]

ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے

اللہ تعالیٰ ہر جانے والے کی جگہ نگرانی فرماتا ہے ہر رغبت کو پورا کرتا اور ہر خوف سے نجات دیتا ہے پس اللہ تعالیٰ سے امید رکھو اور اسی پر اعتماد کرو جب دیکھا تو کوئی بھی نظر نہ آیا۔ انہوں نے پھر رونا شروع کر دیا۔ اب ایک اور منادی نے ندا دی وہ اس کی آواز سے مانوس نہ تھے اس نے کہا اے اہل بیت! ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور اس کا شکر ادا کرو تاکہ تم مخلص لوگوں میں سے ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہر مصیبت سے تسلی دیتا ہے اور ہر مرغوب چیز کا عوض عطا فرماتا ہے پس اللہ تعالیٰ کا ہی حکم مانو اور اس کے حکم پر عمل کرو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ حضرت خضر اور حضرت الیسع علیہما السلام تھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مکمل خطبہ نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کھڑے ہوئے جب لوگوں نے آنسو بہانا بند کر دیے آپ کے خطبہ کا اکثر حصہ درود شریف پر مشتمل تھا۔ آپ نے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور شکر ادا کرنے کا ذکر کیا اور فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا کفار کی جماعتوں کو شکست دی پس اللہ تعالیٰ کے لیے تعریف ہے جو ایک ہے۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ کتاب اسی طرح ہے جس طرح نازل ہوئی تھی اور دین بھی اسی حالت میں ہے جس طرح شروع ہوا تھا۔ حدیث اسی حالت میں جس طرح آپ نے بیان فرمایا اور قول بھی اپنی اصل حالت میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی واضح و ظاہر حق ہے۔ یا اللہ! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرما جو تیرے بندے، تیرے رسول، تیرے حبیب، تیرے امین، تیرے مختار اور تیرے چنے ہوئے ہیں جس قدر رحمت تو دوسروں پر بھیجتا ہے اس سے افضل درود و رحمت نازل فرما۔ یا اللہ! تو اپنی رحمت، عفو و درگزر، رحمت و برکات رسولوں کے سردار خاتم النبیین امام المتقین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کر دے جو بھلائی

---

[1] قرآن مجید سورۂ عنکبوت آیت ۵۷۔

marfat.com

لی طرف لے جانے والے اور بھلائی کے پیشوا ہیں نیز رسولِ رحمت ہیں ۔ یا اللہ! ان کا قرب زیادہ فرما، ان کی دلیل کو عظمت طا فرما۔ ان کے مقام کو مکرم و محترم فرما اور آپ کو مقام محمود پر فائز فرما کہ پہلے اور پچھلے آپ کو دیکھ کر رشک کریں اور یامت کے دن آپ کے مقام محمود سے ہمیں نفع عطا فرمانا اور دنیا و آخرت میں آپ کو ہمارے درمیان رکھنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں درجہ اور وسیلہ عطا فرمانا یا اللہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر رحمت ازل فرما نیز آپ کو اور آپ کی آل کو برکت عطا فرما جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رحمت و برکت سے نوازا ہے۔ بے شک تو تعریف کیا ہوا بزرگی والا ہے۔

اے لوگو! جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو آپ کا انتقال ہو گیا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے اس کو موت نہیں آئے گی۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے معاملے میں اپنا فیصلہ دیا تو آپ کو بے صبری سے نہ پکارو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس چیز کو جو اس کے پاس ہے اس چیز پر ترجیح دی ہے جو تمہارے پاس ہے اور آپ کو ثواب عطا کرنے کے لیے اپنے پاس لا لیا ہے اور اپنے نبی کی کتاب و سنت کو ان کی جگہ تمہارے درمیان چھوڑا ہے پس جو شخص ان دونوں کو اختیار کریگا وہ جان جائے گا اور جو ان کے درمیان فرق کرے گا وہ اس آیت کا منکر ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ۔[1] اے ایمان والو! انصاف کے ساتھ خوب قائم ہو جاؤ۔

شیطان تمہارے نبی کے وصال کی وجہ سے تمہیں غافل نہ کر دے اور نہ ہی تمہیں تمہارے دین کے بارے میں فتنے میں ڈالے۔ بھلائی کے ذریعے شیطان کے خلاف جلدی کرو اسے تھکا دو گے اور اس کا انتظار نہ کرو ورنہ وہ تم پر حملہ آور ہو کر تمہیں فتنے میں مبتلا کر دے گا۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خطبہ سے فارغ ہوئے تو فرمایا اے عمر! مجھے آپ کے بارے میں معلوم ہوا کہ آپ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا کیا آپ نہیں دیکھتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں دن فلاں بات فرمائی اور فلاں دن فلاں فلاں بات ارشاد فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا۔

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ[3] بے شک آپ بھی دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں اور ان لوگوں نے بھی مرنا ہے۔

---

[1] قرآن مجید سورۃ النساء آیت ۱۳۵ [2] قرآن مجید سورۃ الزمر آیت ۳۰

marfat.com

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو مصیبت ہم پر نازل ہوئی اس کے باعث ایسا محسوس ہوا کہ گویا میں نے یہ آیت اس سے پہلے سنی ہی نہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ کتاب اللہ اسی طرح ہے جس طرح نازل ہوئی حدیث شریف بھی اسی طرح ہے جیسے بیان ہوئی اور اللہ تعالیٰ زندہ ہے اس کے لیے موت نہیں ہم سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور بے شک ہم نے اسی کی طرف لوٹنا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوں۔ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں چاہتے ہیں، پھر آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے [1]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب صحابہ کرام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کے لیے جمع ہوئے تو کہنے لگے اللہ کی قسم ہمیں معلوم نہیں ہم آپ کو کیسے غسل دیں کیا عام معمول کے مطابق آپ کا لباس اتار دیں یا کپڑوں کے اندر ہی غسل دے دیں۔ آپ فرماتی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کر دی حتیٰ کہ ان میں سے کوئی ایسا نہ رہا جو اپنی چھاتی پر داڑھی رکھے سویا ہوا نہ ہو پھر کسی کہنے والے نے کہا اور نہ معلوم وہ کون تھا، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دو۔ چنانچہ وہ بیدار ہوئے اور انہوں نے اسی طرح کیا چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قمیص کے ساتھ ہی غسل دیا گیا یہاں تک کہ جب غسل سے فارغ ہوئے تو آپ کو کفن پہنایا گیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے آپ کی قمیص اتارنے کا ارادہ کیا تو ہمیں آواز دی گئی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس نہ اتارنا چنانچہ ہم نے قمیص کو اسی طرح رہنے دیا۔ اور دوسرے فوت شدہ مسلمانوں کی طرح آپ کو اسی طرح لٹا کر غسل دیا۔ جب ہم کسی عضو کو بدلنا چاہتے تو ہمیں ذرا بھر تکلیف نہ ہوتی اور وہ عضو خود بخود بدل جاتا تھا حتیٰ کہ ہم غسل سے فارغ ہو گئے۔ ہمیں ہوا کی طرح ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دیتی اور آواز آئی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نرمی اختیار کرنا تمہیں کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک اس طرح ہوا آپ نے کوئی اونی اور بالوں سے بنا ہوا کپڑا نہ چھوڑا سب کچھ آپ کے ساتھ دفن ہو گیا۔

حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قبر میں آپ کا بچھونا اور چادر بچھائی گئی اور اس کے اوپر وہ تمام کپڑے رکھ دیے گئے جو آپ زیب تن فرماتے تھے۔ پھر آپ کو کفن سمیت رکھ دیا گیا تو آپ نے وفات کے بعد کوئی مال نہ چھوڑا اور نہ زندگی میں کوئی اینٹ پر اینٹ اور بانس پر بانس رکھا (عمارت نہ بنائی) تو آپ کی وفات میں مسلمانوں کے لیے سامان درس اور بہترین نمونہ ہے۔

---

(۱) دلائل النبوۃ جلد ۷، ص ۲۱۷ باب فی مرض موتہ۔ [2]

marfat.com

مل ۲

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصال

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وقت وصال آیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں آپ نے بطور مثال یہ شعر پڑھا۔

لَعَمْرُكَ مَا يُغْنِي الثَّرَاءُ عَنِ الْفَتٰى — آپ کی عمر کی قسم دولت مرد نوجوانوں کے کام نہیں آتی
اِذَا حَشْرَجَتْ يَوْمًا وَضَاقَ بِهَا الصَّدْرُ — جب جان لبوں پر آئے اور سینے میں دم رکا ہوا ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا یہ بات نہیں بلکہ یوں کہو۔ (ارشاد خداوندی ہے)

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ — اور موت کی سختی سچ مچ آپہنچی (اے نادان) یہ ہے
ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ[1] — وہ جس سے تو دور بھاگا کرتا تھا۔

میرے ان دو کپڑوں کو دیکھو پس ان کو دھو کر مجھے ان میں کفن پہنا دینا کیونکہ فوت شدہ کے مقابلے میں زندہ نئی، جدید کپڑے کا زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کے وقت فرمایا۔

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ — سفید رنگ والے جن کی چہرہ انور کے طفیل بادل
رَبِيْعُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ۔ — برستے تھے آپ یتیموں کی بہار اور بیوہ عورتوں کی حفاظت کرنے والے تھے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے صحابہ کرام اندر داخل ہوئے اور عرض کیا کہ کسی طبیب کو نہ بلائیں جو آپ کا حال دیکھے فرمایا، میرے طبیب نے میرا حال دیکھ لیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور عرض کیا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! کچھ وصیت فرمائیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تم پر دنیا کے خزانے کھول دے گا لیکن تم اس سے ضرورت کے مطابق لینا اور جان لو جس نے صبح کی نماز پڑھی وہ اللہ تعالیٰ کے عہد میں ہو گیا پس اللہ تعالیٰ سے عہد شکنی نہ کرنا ورنہ

---

[1] قرآن مجید، سورۂ ق آیت ۱۹۔

marfat.com

منہ کے بل جہنم میں چلے جاؤ گے۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طبیعت زیادہ بوجھل ہوگئی اور صحابہ کرام نے چاہا کہ آپ اپنا خلیفہ مقرر فرمائیں تو آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ نامزد فرمایا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا آپ نے ہم پر ایک تند مزاج اور سخت دل شخص کو اپنا نائب بنایا ہے۔ آپ اپنے رب کو کیا جواب دیں گے۔ انہوں نے فرمایا میں کہوں گا (اے اللہ) میں نے تیری مخلوق پر مخلوق میں سے بہتر انسان کو اپنا نائب مقرر کیا ہے۔ پھر آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا وہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں آپ کو ایک وصیت کرتا ہوں۔ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا جو حق دن کے وقت سے متعلق ہے اسے رات کو قبول نہیں کرتا اور جو حقوق رات سے تعلق رکھتے ہیں انہیں دن کے وقت قبول نہیں فرماتا۔ اور جب تک آپ فرض ادا نہ کریں اللہ تعالیٰ نفل کو قبول نہیں کرتا اور قیامت کے دن ان لوگوں کے (نیکی کے) وزن بھاری ہوں گے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ دنیا میں انہوں نے حق کی اتباع کی اور اس کو اپنے اوپر بھاری سمجھا اور جس ترازو میں حق کے سوا کچھ نہ رکھا جائے اس کا حق یہ ہے کہ وہ بھاری ہو اور جن لوگوں کے میزان ہلکے ہوں گے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ دنیا میں انہوں نے باطل کی اتباع کی اور اسے معمولی بات سمجھا اور جس ترازو میں باطل رکھا جائے گا اسے ہلکا ہی ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت کا ذکر ان کے بہتر اعمال کے ساتھ کیا ہے اور ان کی برائیوں کو معاف کر دیا تو کہنے والا کہتا ہے کہ میں ان سے کم درجہ میں ہوں اور ان لوگوں کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔

پس اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کا ذکر اُن کے بُرے اعمال کے ساتھ کیا اور انہوں نے جو نیک اعمال کیے وہ ان کی طرف لوٹا دیے پس کوئی کہنے والا کہتا ہے میں ان لوگوں سے افضل ہوں اور اللہ تعالیٰ نے رحمت کی آیت بھی ذکر کر دی اور عذاب کی آیت بھی تاکہ مومن رغبت رکھنے والا بھی ہو اور ڈرنے والا بھی اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالے اور اللہ تعالیٰ سے حق کے سوا کسی چیز کی تمنا نہ کرے (اے عمر! رضی اللہ عنہ) اگر آپ نے میری اس وصیت کو قبول کیا تو موت سے بڑھ کر کوئی غائب چیز آپ کو زیادہ پسند نہ ہوگی۔ اور موت کا آنا ضروری ہے اور اگر آپ نے میری وصیت کو ضائع کر دیا تو موت سے بڑھ کر کوئی غائب چیز آپ کو زیادہ ناپسند نہ ہوگی اور موت ضرور آئے گی آپ اسے عاجز نہیں کر سکتے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت آگیا تو آپ کے پاس چند صحابہ کرام تشریف لائے۔ انہوں نے عرض کیا اے خلیفۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں کچھ توشہ عنایت فرمایئے ہم آپ کی حالت بدلی ہوئی دیکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص یہ کلمات کہہ کر فوت ہوگا اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اُفق مبین میں کر دے گا۔ انہوں نے پوچھا افق مبین کیا ہے فرمایا عرش کے

marfat.com

نے ایک خطہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے باغات، نہریں اور درخت ہیں ہر دن اسے ایک سو رحمتیں ڈھانپ
ں۔ پس جو شخص یہ کلمات کہے گا اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اس مکان میں کر دے گا۔ (وہ کلمات یہ ہیں)
یا اللہ! تو نے مخلوق کا سلسلہ شروع فرمایا اور تجھے ان کی کوئی حاجت نہ تھی، پھر تو نے ان کو دو گروہوں میں تقسیم
ب فریق نعمتوں کے لیے اور دوسرا فریق آگ کے لیے، مجھے نعمتوں والے گروہ میں کر دے اور آگ والے
ں نہ کرنا۔ یا اللہ! تو نے مخلوق کو کئی جماعتوں میں پیدا کیا اور پیدائش سے پہلے ہی ان کو ایک دوسرے سے
ر دیا ان میں نیک بخت بھی بنائے اور بد بخت بھی، سرکش بھی اور ہدایت یافتہ بھی۔ پس مجھے نافرمانیوں کے
بد بخت نہ بنایا۔ یا اللہ! تو ہر نفس کو پیدا کرنے سے پہلے بھی جانتا تھا کہ اس نے کیا کرنا ہے پس اس سے
مکن نہیں۔ پس تو مجھے ان لوگوں میں کر دے جن سے اپنی اطاعت کا کام لیتا ہے، یا اللہ! جب تک تو نہ چاہے
ہیں چاہتا۔ پس تیری مشیت یہ ہو کہ میں تیرا قرب چاہتا ہوں۔ یا اللہ! تو نے بندوں کی حرکات کا اندازہ کر
ے پس تیرے اذن کے بغیر کوئی چیز حرکت نہیں کر سکتی تو میری حرکت کو تقویٰ کے ساتھ منسلک کر دے۔ یا اللہ!
خیر اور شر کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کے لیے عمل کرنے والے بنائے مجھے ان میں سے بہتر قسم میں کر دے۔ یا اللہ!
جنت اور جہنم کو پیدا فرمایا اور ان میں سے ہر ایک کے اہل بنائے پس تو مجھے جنتیوں میں سے کر دے۔
یا تو نے کچھ لوگوں کے لیے گمراہی کا ارادہ فرمایا اور ان کے سینوں کو تنگ کر دیا پس میرے سینے کو ایمان
ے کھول دے اور اسے میرے دل میں مزین کر دے۔ یا اللہ! تو نے امور کی تدبیر فرمائی اور ان کا ٹھکانہ
باس بنایا پس تو مجھے موت کے بعد حیات طیبہ عطا فرما اور مجھے اپنے قریب کر دے۔ یا اللہ! جو صبح و
م تیرے غیر پر اعتماد کرتا ہے تو کرے میرا اعتماد اور امید تجھ ہی پر ہو۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
مایا یہ تمام باتیں قرآن مجید میں ہیں۔

ں ع۳

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وصال

حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس صبح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا میں کھڑا تھا اور
، اور ان کے درمیان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے اور آپ جب دو صفوں کے درمیان سے
، تو وہاں کھڑے ہو جاتے جب کوئی خلل دیکھتے تو فرماتے سیدھے کھڑے ہو جاؤ حتیٰ کہ جب کوئی خلل
تا تو آگے بڑھ کر تکبیر کہتے (نماز شروع کرتے) حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عمر فاروق
ندعنہ پہلی رکعت میں کبھی سورۂ یوسف، کبھی سورہ نحل اور کبھی اس قسم کی دوسری کسی سورۃ کی تلاوت فرماتے۔

حتیٰ کہ لوگ جمع ہو جاتے آپ نے تکبیر کہی ہی تھی کہ میں نے سنا آپ فرما رہے ہیں کہ مجھے کسی نے قتل کر دیا یا فرمایا کھا لیا اس وقت ابو لؤلؤہ نے آپ کو زخمی کیا تھا اور وہ خبیث کافر دو دھاری چھری لے کر بھاگ گیا جہاں سے گزرتا دائیں بائیں زخمی کرتا جاتا حتیٰ کہ اس نے تیرہ افراد کو زخمی کر دیا جن میں سے نو صحابہ کرام شہید ہو گئے ایک روایت میں سات کا ذکر ہے جب ایک مسلمان نے یہ صورت دیکھی تو اس پر اپنا کپڑا ڈال دیا۔ جب اس کافر نے دیکھا کہ وہ پکڑا گیا ہے تو اس نے اپنے آپ کو ذبح کر دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر آگے کر دیا۔ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قریب تھے ان سب نے یہ ماجرا دیکھا لیکن جو لوگ مسجد کے اطراف میں تھے ان کو علم نہ ہو سکا کہ کیا ماجرا ہے۔ لیکن انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آواز نہ سنی وہ سبحان اللہ سبحان اللہ کا ورد کرتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کو مختصر نماز پڑھائی جب سلام پھیرا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابن عباس! مجھے کس نے زخمی کیا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھوڑی دیر کے لیے غائب ہوئے پھر تشریف لائے اور فرمایا حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ اسے ہلاک کرے میں نے تو اچھی بات کا حکم دیا تھا۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری موت کسی مسلمان کے ہاتھ سے نہیں کی تم اور تمہارے باپ مدینہ طیبہ میں عجمی کفار کا زیادہ ہونا چاہتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا اگر آپ چاہیں تو ہم ان سب کو قتل کر دیں آپ نے فرمایا اب قتل کرو گے جبکہ وہ تمہاری بولی بولتے اور تمہارے قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور تمہاری طرح حج کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کو اُٹھا کر گھر لے جایا گیا ہم بھی آپ کے ساتھ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس سے پہلے لوگوں کو کوئی حادثہ نہیں پہنچا کوئی کہتا کہ مجھے آپ کے فوت ہونے کا خوف ہے اور کوئی کہتا ڈرنے کی بات نہیں۔ پھر آپ کے لیے انگور کا جوس لایا گیا، آپ نے اس میں سے کچھ پیا لیکن پیٹ کے راستے سے باہر نکل گیا پھر دودھ لایا گیا آپ نے اس سے بھی نوش فرمایا وہ بھی پیٹ کے راستے نکل گیا صحابہ کرام مسجد گئے کہ آپ کا وصال ہونے والا ہے۔

راوی فرماتے ہیں ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لوگ آپ کے بارے میں تعریفی کلمات کہنے لگے اسی دوران ایک نوجوان آیا اور اس نے کہا اے امیر المومنین! آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری ہو آپ کو صحابیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز حاصل رہا۔ اسلام لانے میں سبقت کا شرف بھی ملا۔ پھر آپ حکمران بنے تو آپ نے انصاف کیا اور پھر مقام شہادت نصیب ہوا آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ ان اعزازات کی وجہ سے حساب برابر برابر ہے نہ مجھ پر کچھ ہو اور نہ میرے لیے (نہ عذاب نہ ثواب)

marfat.com

جب وہ شخص واپس مڑا تو دیکھا کہ اس کی تہبند زمین سے لگ رہی ہے فرمایا اس نوجوان کو میری طرف بلاؤ فرمایا
بیٹے! اپنے کپڑے کو اٹھاؤ اس سے کپڑا محفوظ رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کا باعث بھی ہے۔
پھر فرمایا اے عبداللہ! دیکھو مجھ پر کتنا قرض ہے؟ انہوں نے حساب لگایا تو چھیاسی ہزار کے قریب تھا فرمایا
رے خاندان کے مال سے پورا ہو جائے تو ان کے مال سے ادا کر دیں۔ ورنہ بنو عدی بن کعب سے سوال کریں
کے مال سے بھی پورا نہ ہو تو قریش سے مانگیں دوسروں سے نہ مانگنا اور میری طرف سے یہ مال دے دینا۔
(پھر فرمایا) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور کہو کہ عمر نے آپ کو سلام کہا ہے اور
مومنین کا لفظ نہ کہنا آج میں مسلمانوں کا امیر نہیں ہوں ان سے عرض کرنا کہ عمر بن خطاب نے اپنے دونوں ساتھیوں
رم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت مانگی ہے۔ حضرت عبداللہ
ر رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے سلام کے بعد اجازت طلب کی اور اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ ام المومنین بیٹھی
ہی ہیں۔ آپ نے عرض کیا عمر بن خطاب آپ کو سلام کہتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کے پہلوؤں میں دفن ہونے کی
ت مانگتے ہیں۔ ام المومنین نے فرمایا میں نے یہ جگہ اپنے لیے رکھی تھی لیکن آج میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
پنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔

جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما واپس تشریف لائے تو بتایا گیا کہ آپ واپس آ گئے ہیں تو حضرت عمر
ق رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے اٹھاؤ۔ چنانچہ ایک شخص نے اپنے سہارے سے آپ کو بٹھایا آپ نے پوچھا تمہارے
ں کیا خبر ہے عرض کیا اے امیر المومنین! جو کچھ آپ چاہتے تھے۔ ام المومنین نے اجازت دے دی ہے۔ آپ نے
ا الحمد للہ! میرے لیے اس سے اہم بات کوئی نہیں۔ اب جب میرا وصال ہو جائے تو مجھے اٹھا کر لے جانا وہاں
ی کر سلام کہنا اور کہنا کہ عمر اجازت طلب کرتا ہے اگر ام المومنین اجازت دے دیں تو مجھے اندر لے جانا اور اگر
ازت نہ دیں تو مسلمانوں کے قبرستان میں لے جانا۔ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور عورتوں
ان کو ڈھانک رکھا تھا ہم نے ان کو دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ داخل ہوئیں اور کچھ دیر آپ کے پاس
ں رہیں پھر مرد دل نے اجازت چاہی تو آپ اندر چلی گئیں ہم نے اندر سے ان کے رونے کی آواز سنی۔ صحابہ کرام
نے عرض کیا۔ امیر المومنین! وصیت فرمائیے اور کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کیجیے۔ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عثمان
ی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کا نام لے کر فرمایا میں ان
ات سے بہتر کسی شخص کو اس امر (خلافت) کا حق دار نہیں سمجھتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے
یف لے گئے تو آپ ان سے راضی تھے۔ آپ نے فرمایا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم بھی تمہارے
ساتھ موجود رہیں گے۔ لیکن خلافت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوگا لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی تسلی

marfat.com

کے لیے یہ بات فرمائی۔ اگر خلافت حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حاصل ہو تو ٹھیک ہے ورنہ جو بھی امیر بنے ان سے معاونت حاصل کرے میں نے ان کو کسی عاجزی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا۔

آپ نے فرمایا میرے بعد جو بھی خلیفہ بنے میں اسے پہلے مہاجرین کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کے لیے ان کی فضیلت کو پہچانے ان کی حرمت کی حفاظت کرے نیز میں اسے انصار کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں جنہوں نے اپنے گھروں میں (مہاجرین کو) ٹھکانہ دیا اور ان سے پہلے ایمان لائے کہ ان کے نیکوکاروں سے قبول کریں اور ان کے خطاکاروں کو معاف کر دیں۔ دوسرے شہروں کے لوگوں سے بھی بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ اسلام کے مددگار مال جمع کرنے والے (خراج جمع کرنے والے) اور دشمنوں کے غیظ و غضب کا سبب ہیں ان سے ان کی مرضی سے صرف زائد مال وصول کریں میں اعرابیوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ عربوں کی اصل اور اسلام کا مادہ ہیں ان کے زائد مال لے کر ان کے فقراء پر تقسیم کریں۔ میں نے خلیفہ کو اللہ تعالیٰ کے عہد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد (کو پورا کرنے) کی وصیت بھی کرتا ہوں۔ ذمیوں سے کیا گیا عہد پورا کرے اور ان کے مخالفوں سے لڑے اور طاقت کے مطابق ان سے کام لیا کرے۔

راوی فرماتے ہیں۔ جب آپ کا وصال ہوا تو ہم باہر نکل آئے اور آپ کے جنازے کو لے کر چلے حضرت عبداللہ بن عمر نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے بعد عرض کیا عمر بن خطاب آپ سے اجازت مانگتے ہیں انہوں نے فرمایا ان کو داخل کیجیے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں کے پاس پہنچا دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا۔

مجھ سے حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی موت پر اسلام کو بھی رونا چاہیے[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو چارپائی پر رکھا گیا تو لوگوں نے آپ کو گھیر لیا وہ آپ کے جنازے کو اٹھانے سے پہلے ہی دعا اور استغفار کرتے تھے میں بھی ان میں تھا کہ ایک شخص نے خوف زدہ کر دیا۔ اس نے میرے کندھوں کو پکڑا میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے رحمت کی دعا کی اور فرمایا آپ نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا جس کا عمل آپ کے عمل جیسا ہو اور مجھے اس سے ملاقات کرنا پسند ہو۔ اللہ کی قسم! مجھے

---

[1] مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۶۷، کتاب المناقب۔

marfat.com

، تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ ملائے گا کیونکہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بارہا سنا آپ نے فرمایا۔

ذَهَبْتُ اَنَا وَاَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَخَرَجْتُ اَنَا وَاَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَدَخَلْتُ اَنَا وَاَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ[1]

میں ابوبکر اور عمر گئے ہیں، ابوبکر اور عمر باہر نکلے ہیں، ابوبکر اور عمر داخل ہوئے (صلی اللہ علیہ وسلم، رضی اللہ عنہما)

پس مجھے امید اور غالب گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان دونوں کے ساتھ رکھے گا۔

ل ع

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا وصال

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے متعلق حدیث مشہور ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ
رماتے ہیں میں اپنے بھائی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام پیش کرنے حاضر ہوا اور آپ
ر تھے۔ میں اندر داخل ہوا تو انہوں نے فرمایا میرے بھائی! آپ کا آنا مبارک ہو، میں نے آج رات نبی اکرم
اللہ علیہ وسلم کو اس روشندان میں دیکھا۔ آپ فرماتے ہیں اے عثمان! ان لوگوں نے تمہارا گھیراؤ کر لیا ہے؟ میں
رض کیا جی ہاں فرمایا انہوں نے تجھے پیاسا رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ چنانچہ آپ نے ایک ڈول
قریب کیا جس میں پانی تھا تو میں نے خوب سیر ہو کر پیا حتیٰ کہ میں اس کی ٹھنڈک اپنے سینے اور کندھوں کے
ن محسوس کرتا ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اگر تم چاہو تو ان لوگوں کے خلاف تمہاری مدد کی جائے اور اگر تم
ر ہمارے پاس آ کر افطار کرو تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس افطار کو پسند کیا، چنانچہ
ز آپ کو شہید کر دیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے جنہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زخمی
، پر ان کو خون میں تڑپتے ہوئے دیکھا تھا، پوچھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خون میں تڑپتے ہوئے
یا تھا انہوں نے جواب دیا ہم نے سنا آپ نے فرمایا اے اللہ! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی
و اتفاق عطا فرما (تین بار فرمایا) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے

---

[1] صحیح بخاری جلد اول ص ۵۲۰، ۵۲۱ کتاب المناقب۔

marfat.com

قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ یہ دعا نہ مانگتے تو مسلمانوں کو قیامت تک اتنی کی دولت کبھی حاصل نہ ہوتی۔

حضرت ثمامہ بن حزن قشیری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اوپر سے لوگوں کو جھانک کر دیکھا تو میں بھی وہاں موجود تھا۔ آپ نے فرمایا ان دو آدمیوں کو یہاں لاؤ جنہوں نے تمہیں یہاں جمع کیا ہے۔ فرماتے ہیں ان دونوں کو لایا گیا تو یوں لگتا تھا کہ گویا وہ دو اونٹ یا دو گدھے ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے اور وہاں بیئر رومہ کے علاوہ میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کون شخص رومہ کو خرید کر اپنا ڈول مسلمان کے ڈولوں سے ملاتا ہے وہ جنت میں اس سے بہتر پائے گا تو میں نے اسے ذاتی مال سے خریدا اور آج تم مجھے اس کنویں اور دریا کا پانی پینے نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا آپ درست فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ میں نے اپنے مال سے تنگی والے لشکر (غزوۂ تبوک) کے لیے سامان تیار کیا؟ انہوں نے کہا جی ہاں ٹھیک ہے۔ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مسجد، نمازیوں پر تنگ ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو فلاں کی زمین خرید کر مسجد میں اضافہ کرے وہ جنت میں اس سے بہتر پائے گا تو میں نے اپنے ذاتی مال سے اسے خریدا اور آج تم مجھے اس میں دو رکعتیں نماز پڑھنے نہیں دیتے۔ انہوں نے کہا ہاں ایسا ہی ہے فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں کوہ ثبیر پر تھے آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق اور میں (رضی اللہ عنہم) بھی تھا۔ پہاڑ نے حرکت کی حتیٰ کہ اس کے پتھر دامن کوہ میں گرنے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پاؤں کی ٹھوکر ماری اور فرمایا اے ثبیر ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں آپ نے یہ بات فرمائی تھی (یہ سن کر) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے فرمایا ان لوگوں نے گواہی دی ہے رب کعبہ کی قسم! میں شہید ہوں[1]۔

صنبہ سے تعلق رکھنے والے ایک شخص سے مروی ہے کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا گیا اور آپ کی داڑھی پر خون بہہ رہا تھا اس وقت آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ[2]

تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بے شک میں زیادتی کرنے والوں میں سے ہوں۔

---

[1] جامع ترمذی ص ۵۲۱، ابواب المناقب

[2] سورۂ الانبیاء ۸۷ آیت

marfat.com

یا اللہ! میں ان لوگوں کے خلاف تجھ سے انتقام چاہتا ہوں اور اپنے تمام امور میں تیری مدد کا طلب گار ہوں اور جس آزمائش میں تو نے مجھے ڈالا ہے اس پر تجھ سے صبر کا سوال کرتا ہوں۔

فصل ۵

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا وصال

حضرت اصبغ حنظلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جس صبح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اس رات آپ لیٹے ہوئے تھے کہ ابن نیاح نے طلوع فجر کے وقت آکر آپ کو نماز کی اطلاع دی۔ لیکن آپ لیٹے رہے اور طبیعت پر کچھ بوجھ محسوس فرما رہے تھے وہ دوبارہ آئے تو یہی حالت تھی تیسری مرتبہ پھر آئے تو آپ اٹھ کر چل پڑے اور آپ یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

اُشْدُدْ حَیَازِیْمَكَ لِلْمَوْتِ	موت کے لیے تیاری کرو کیونکہ موت تمہارے
فَاِنَّ الْمَوْتَ لَاٰقِیْكَا	پاس ضرور آئے گی اور موت سے خوفزدہ نہ ہو
وَلَا تَجْزَعْ مِنَ الْمَوْتِ	جب وہ تمہاری وادی میں آئے۔
اِذَا حَلَّ بِوَادِیْكَا۔	

جب آپ چھوٹے دروازے تک پہنچے تو ابن ملجم نے آپ پر حملہ کر دیا آپ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا باہر تشریف لائیں اور کہہ رہی تھیں۔ صبح کی نماز کو کیا ہوا کہ میرے خاوند (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) بھی صبح کی نماز کے وقت شہید ہوئے اور میرے والد ماجد کو بھی نماز فجر کے وقت شہید کیا گیا۔

قریش کے ایک شیخ سے مروی ہے فرماتے ہیں جب ابن ملجم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا تو آپ نے فرمایا رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا (اور میرا مقصود مجھے مل گیا)۔ حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب آپ کو زخمی کیا گیا تو آپ نے اپنے صاحبزادوں کو وصیت فرمائی اس کے بعد کلمہ طیبہ کے علاوہ کوئی بات نہ فرمائی حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

اور جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت آیا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آپ کے پاس تشریف لائے فرمایا اے بھائی! آپ کیوں گھبراتے ہیں تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ملو گے اور وہ دونوں آپ کے باپ تھے۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہما سے ملو گے اور وہ دونوں آپ کی مائیں ہیں۔ حضرت حمزہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہم سے ملو گے اور وہ دونوں آپ کے چچا ہیں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے بھائی! ایسے معاملے کی طرف بڑھ رہا ہوں جس کی مثل کی طرف کبھی نہیں گیا۔

marfat.com

حضرت محمد بن حسن رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں جب لوگوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا اور آپ کو یقین ہو گیا کہ وہ آپ کو شہید کریں گے تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا جو معاملہ آپہنچا ہے تم اسے دیکھ رہے ہو دنیا بدل گئی اور ناواقف ہو گئی اور حسنِ سلوک سے منہ پھیر لیا اور دنیا سکڑ کر اس قدر رہ گئی ہے جتنی پانی کے برتن میں تری ہوتی ہے تو ایسی ناخوشگوار زندگی سے موت بہتر ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا۔ باطل سے ایک دوسرے کو روکا نہیں جاتا۔ اور مومن کو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی رغبت ہونی چاہیے اور میں موت کو ایک سعادت اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو جرم سمجھتا ہوں۔

پانچواں باب

موت کے وقت خلفاء امراء اور صالحین کے اقوال

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہونے لگا تو آپ نے فرمایا مجھے بٹھاؤ جب آپ کو بٹھایا گیا تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنے اور ذکر کرنے لگے پھر روتے ہوئے فرمایا اے معاویہ! اب بڑھاپے اور کمزوری کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر سوجھا۔ اس کا وقت تو وہ تھا جب جوانی کی شاخ تر و تازہ تھی آپ بہت زیادہ روئے حتیٰ کہ آپ کے رونے کی آواز بلند ہوئی اور کہنے لگے اے میرے رب! اس گناہ گار بوڑھے شخص پر رحم فرما جس کا دل سخت ہے۔ الٰہی میری لغزش سے درگزر فرما اور خطا معاف کر دے اور اپنے حلم و بردباری سے اس شخص کو اپنی طرف لوٹا لے جو تیرے علاوہ کسی سے امید نہیں رکھتا اور نہ ہی تیرے سوا کسی پر اعتماد کرتا ہے۔

قریش کے ایک شیخ سے مروی ہے کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مرض الموت میں لوگوں کی ایک جماعت وہاں حاضر ہوئی تو انہوں نے ان کے بدن میں جھریاں دیکھیں آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا سنو! اللہ کی قسم ہم نے دنیا کی تر و تازگی اور اس کی جدت کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور ہم نے اپنی زندگی سے لذت حاصل کی تو دنیا ایک حال سے دوسرے حال میں بدل گئی ایک ری کے بعد دوسری رسی ٹوٹ گئی اور اب دنیا یوں ہو گئی کہ اس نے ہمیں تنہا چھوڑ دیا اور پرانا کر دیا اور ہمیں ملامت کرنے لگی تو ایسے گھر پر تف ہے پھر دنیا جیسے گھر پر تف ہے

مروی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخری خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اے لوگو! میں ایک ایسی کھیتی سے تعلق رکھتا ہوں جسے کاٹ دیا گیا میں تمہارا حاکم تھا اور میرے بعد جو تمہارا حاکم ہو گا وہ مجھ سے برا ہو گا۔ جس طرح مجھ سے پہلے والے مجھ سے اچھے تھے۔

marfat.com

(یزید کو مخاطب کر کے فرمایا) اے یزید! جب میری موت واقع ہو جائے تو کسی عقل مند کو میرے غسل پر مامور کرنا کیونکہ عقل مند کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مقام حاصل ہوتا ہے وہ اچھی طرح غسل دے اور بلند آواز سے تکبیر کہے پھر خزانے میں سے ایک رومال لینا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس میں سے ایک کپڑا ہے۔ کچھ بال مبارک اور ناخن مبارک کے ریزے ہیں۔ ان ریزوں کو میرے ناک، منہ، کان اور آنکھوں میں رکھنا اور کپڑے کو کفن کے اندر میرے بدن کے ساتھ رکھنا۔

اور اے یزید! والدین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی حفاظت کرنا اور جب تم مجھے نئے کپڑوں میں کفن دے کر قبر میں رکھ دو تو معاویہ کو سب سے زیادہ رحم کرنے والی ذات کے سپرد کر دینا۔

حضرت محمد بن عقبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا کاش! میں قریش میں سے ایک بھوکا شخص ہوتا اور اس خلافت میں سے کسی چیز کا مالک نہ ہوتا۔

جب عبدالملک بن مروان کی وفات کا وقت ہوا تو دمشق کی طرف ایک دھوبی کو دیکھا جو ہاتھ میں کپڑے کو پیٹ کر دھونے والی جگہ پر مار رہا ہے۔ عبدالملک نے کہا کاش میں دھوبی ہوتا اور روزانہ ہاتھ کی کمائی سے کھاتا اور دنیا کے کسی معاملے کا ولی نہ ہوتا۔ یہ بات ابو حازم کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ان حکمرانوں کو ایسا بنایا کہ مرتے وقت اس حال کی تمنا کرتے ہیں جس میں ہم ہیں۔ اور جب ہمیں موت آتی ہے تو ہم ان کی حالت کی طلب نہیں کرتے۔

عبدالملک بن مروان کی مرض الموت میں اس سے کہا گیا کہ اے امیر المومنین! اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟ اس نے کہا اس طرح پاتا ہوں جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ[1]

اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے آئے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا وہ اپنی پیٹھوں کے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔

یہ آیت پڑھنے کے بعد عبدالملک کا انتقال ہو گیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی زوجہ اور عبدالملک بن مروان کی بیٹی فاطمہ نے کہا کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے سنا وہ اپنی مرض الموت میں یوں دعا مانگتے تھے۔

"یا اللہ ان لوگوں سے میری موت کو پوشیدہ رکھنا چاہیے، ایک ساعت کے لیے ہو، تو جس دن آپ کا

---

[1] قرآن مجید، سورۃ انعام۔ آیت ۹۴۔

marfat.com

وصال ہوا میں آپ کے پاس سے چلی گئی اور دوسرے گھر میں جا بیٹھی۔ میرے اور ان کے درمیان ایک دروازہ حائل تھا اور آپ ایک گول عمارت کے اندر تھے میں نے سنا وہ یہ آیت پڑھ رہے تھے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ [1]

یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے کرتے ہیں جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے اور آخرت کا گھر متقی لوگوں کے لیے ہے۔

پھر آپ خاموش ہو گئے میں نے نہ تو آپ کی کوئی حرکت دیکھی اور نہ کلام سنا۔ میں نے غلام سے کہا جاؤ دیکھو کیا آپ سوئے ہوئے ہیں؟ جب وہ داخل ہوا تو چیخ پڑا میں کود کر اندر گئی تو دیکھا آپ فوت ہو چکے ہیں (اول آپ کی دعا قبول ہوئی) اور جب آپ کے وصال کا وقت ہوا تو کسی نے کہا امیر المومنین! کچھ وصیت فرمائیں فرمایا میں تمہیں اپنے اس حال سے ڈراتا ہوں کہ ایک دن تمہیں بھی اسی طرح ہونا ہے۔

منقول ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی طبیعت بوجھل ہو گئی تو آپ کے لیے حکیم کو بلایا گیا اس نے دیکھ کر کہا میں دیکھتا ہوں کہ ان کو زہر پلایا گیا ہے اور میں ان کی موت سے بے خوف نہیں ہوں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا اور فرمایا جس کو زہر نہ پلایا گیا ہو وہ بھی موت سے بے خوف نہیں ہو سکتا۔ طبیب نے پوچھا امیر المومنین! آپ زہر کا اثر محسوس کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں جب زہر میرے پیٹ میں گیا تھا تو اسی وقت مجھے معلوم ہو گیا تھا اس نے کہا پھر علاج کیجیے ورنہ مجھے آپ کی جان جانے کا خطرہ ہے۔ آپ نے فرمایا میری جان پروردگار کے پاس جائے گی جو بہتر جگہ ہے۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میری شفا میرے کان کی لو کے پاس ہے تو میں اپنا ہاتھ کان کی طرف اٹھا کر اسے نہ لیتا۔ یا اللہ! عمر کے لیے اپنی ملاقات میں بھلائی کر دے۔ پھر آپ چند دنوں کے بعد وفات فرما گئے۔

کہا گیا ہے کہ جب آپ کے وصال کا وقت آیا تو پوچھا گیا اے امیر المومنین! آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے بہت سی سنتوں کو زندہ کیا اور آپ کے باعث عدل کو ظاہر کیا (یہ سن کر) آپ روئے اور پھر فرمایا کیا مجھے قیامت کے دن کھڑا کر کے مجھ سے اس مخلوق کے بارے میں سوال نہیں ہو گا۔ اللہ کی قسم! اگر میں عدل ہی کرتا پھر بھی مجھے اپنے نفس پر یہ خوف تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی دلیل پیش نہ کر سکوں جب تک اللہ تعالیٰ خود اپنی صحبت کی تسلیم نہ فرمائے۔

تو جب ہم نے بہت کچھ ضائع کر دیا تو کیا صورت ہو گی۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور جلد ہی

---

[1] قرآن مجید، سورۃ قصص آیت ۸۳۔

marfat.com

پ کا وصال ہو گیا۔

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے وصال کا وقت آیا تو فرمایا مجھے بٹھاؤ۔ جب انہوں نے آپ کو ٹھایا تو فرمایا یا اللہ میں وہی ہوں جس نے تیرے حکم کی تعمیل میں کوتاہی کی تو نے روکا تو میں نے نافرمانی کی (تین ر فرمایا) لیکن اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں پھر سر اٹھایا اور تیز نگاہ سے دیکھا اس سلسلے میں آپ سے پوچھا یا تو فرمایا سب کچھ مخلوق دیکھتا ہوں نہ وہ انسان ہیں اور نہ ہی جن۔ پھر آپ کی رُوح قبض ہو گئی۔

خلیفہ ہارون الرشید کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے وفات کے وقت اپنا کفن خود اپنے ہاتھ سے چھانٹ لیا تھا وہ اس کی طرف دیکھتے اور یہ آیت پڑھتے۔

مَا اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطَانِیَهْ[1]

میرا مال میرے کام نہ آیا اور میری حکومت مجھ سے چلی گئی۔

خلیفہ مامون راکھ بچھا کر اس پر لیٹ گئے اور کہتے تھے اے وہ ذات! جس کی حکومت کبھی ختم نہ ہو گی اس پر رحم فرما جس کی حکومت ختم ہو گئی۔

خلیفہ معتصم اپنی وفات کے وقت کہتے تھے اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میری عمر اس طرح تھوڑی ہو گی تو میں ہرگز وہ کام نہ کرتا (جو میں نے کیا)

خلیفہ مستنصر اپنی وفات کے وقت حالت اضطراب میں تھے ان سے کہا گیا اے امیر المومنین! کوئی پرواہ نہیں انہوں نے کہا یہ بات نہیں، دنیا گئی اور آخرت آگئی۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے وصال کے وقت صندوقوں کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے بیٹوں سے فرمایا کون ہے جو ان صندوقوں کو ان میں موجود مال کے ساتھ لے گا کاش ان میں مینگنیاں ہوتیں۔

حجاج بن یوسف نے اپنے وصال کے وقت کہا یا اللہ! مجھے بخش دے لوگ کہتے ہیں تیری بخشش نہیں ہو گی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی یہ بات پسند آتی تھی اور اس وجہ سے اس پر رشک کرتے تھے جب حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بات بتائی گئی تو انہوں نے پوچھا کیا اس نے کہا ہے؟ کہا گیا جی ہاں تو فرمایا ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔

---

[1] قرآن مجید، سورۃ الحاقہ۔ آیت ۲۸، ۲۹۔

marfat.com

فصل ۱۷

صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین میں سے خاص لوگوں کے اقوال

جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت ہوا تو انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا سیا اللہ میں تجھ سے ڈرا کرتا تھا اور آج تجھ سے اُمید رکھتا ہوں تو جانتا ہے کہ میں دنیا اور اس میں طویل زندگی کو اس لیے پسند نہیں کرتا تھا کہ اس میں میرے لیے نہریں جاری ہوں اور درخت لگاؤں بلکہ گرمیوں کے موسم میں پیاسا رہنے پر صبر کرنے، زمانے کی تکالیف برداشت کرنے اور ذکر کے حلقوں میں علماء کے سامنے دوزانو بیٹھنے کے لیے دنیا کو پسند کرتا تھا۔

جب آپ پر حالت نزع سخت ہوگئی اور اس قدر سخت ہوئی کہ اس طرح کسی پر نہ ہوئی ہوگی تو جب بھی آپکو بیہوشی سے افاقہ ہوتا آپ اپنی آنکھ کھول دیتے پھر فرماتے یا اللہ تو جس قدر چاہے میرا گلا گھونٹ دے تیری عزت کی قسم تو جانتا ہے کہ میرے دل میں تیری محبت رہے گی۔

جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت ہوا تو آپ روئے۔ جب رونے کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں دنیا پر پریشانی کے باعث نہیں روتا لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے وعدہ لیا تھا کہ ہمارے پاس دنیا کا مال اس قدر ہو جس قدر مسافر کے پاس زادراہ ہوتا ہے جب آپ کا وصال ہوا تو آپ کے ترکہ کا جائزہ لیا گیا تو اس کی قیمت دس درہم سے کچھ زیادہ تھی [1]

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت ہوا تو ان کی زوجہ محترمہ نے فرمایا ہائے کیسا غم ہے! آپ نے فرمایا یوں کہو کیسی خوشی ہے ہم کل اپنے دوستوں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گروہ سے ملاقات کریں گے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ نے وصال کے وقت آنکھ کھولی اور مسکرائے اور یہ آیت پڑھی۔

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ [2] ایسی چیز کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ کے وصال کا وقت ہوا تو آپ روئے آپ سے رونے کا سبب پوچھا گیا تو آپ

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۳۸ مرویات سلمان فارسی۔

[2] قرآن مجید، سورۃ الصافات آیت ۶۱۔

marfat.com

فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قاصد کا انتظار ہے کہ وہ مجھے جنت کی خوشخبری دیتا ہے کہ جہنم کی خبر۔

حضرت ابن منکدر رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت ہوا تو آپ رو پڑے آپ سے پوچھا گیا کہ کیوں رو رہے ہیں۔ فرمایا اللہ کی قسم! میں کسی گناہ کی وجہ سے نہیں روتا جس کے ارتکاب کا مجھے یقین ہو لیکن میں اس بات پر روتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ میں نے کوئی کام کیا ہو اور اسے ہلکا سمجھا ہو جبکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بہت بڑا ہو۔

حضرت عامر بن عبد القیس رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت ہوا تو وہ رو پڑے ان سے رونے کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا میں موت کے خوف سے یا دنیا کی حرص کی وجہ سے نہیں روتا بلکہ اس لیے روتا ہوں کہ زندگی میں مجھ سے دوپہر کی پیاس اور سردیوں کی راتوں میں جاگنا چھوٹ گیا۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ کی وفات کا وقت آیا تو ان پر بے ہوشی طاری ہو گئی پھر انہوں نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا افسوس! سفر لمبا ہے اور زادِ راہ کم ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے وصال کا وقت ہوا تو انہوں نے اپنے غلام نصر سے فرمایا میرا سر مٹی پر رکھ دو (یہ سن کر) نصر رو پڑا پوچھا تو کیوں روتا ہے؟ اس نے کہا مجھے آپ کی یہ سائل یاد آتی ہے اور اب آپ فقیر اور محتاج ہو کر دنیا سے جا رہے ہیں فرمایا خاموش رہو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ وہ مجھے مالدار لوگوں کی طرح زندہ رکھے اور فقراء کی طرح موت دے۔ پھر فرمایا مجھے کلمہ شریف پڑھنے کے لیے کہو لیکن جب تک میرے منہ سے دوسری بات نہ نکلے مجھے دوبارہ نہ کہنا۔

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابلیس ایک شخص کی موت کے وقت ظاہر ہوا اور اس نے کہا تم نجات پا گئے۔ اس نے کہا میں ابھی تک تجھ سے محفوظ نہیں ہوں۔ کوئی بزرگ وصال کے وقت روئے تو رونے کا سبب پوچھا گیا۔ فرمایا قرآن پاک کی یہ آیت میرے رونے کا سبب ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ [1] اللہ تعالیٰ دعا صرف متقی لوگوں سے قبول کرتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ایک شخص کے پاس تشریف لے گئے جس کی روح پرواز کر رہی تھی۔ انہوں نے فرمایا جس کام کی ابتدا یہ ہو اس کی انتہا سے ڈرنا چاہیے۔ اور جس کی انتہا یہ ہو اس کی ابتدا سے ڈرنا مناسب ہے۔

حضرت جریری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کی حالتِ نزع کے وقت ان کے پاس تھا اور یہ جمعۃ المبارک اور نوروز کا دن تھا۔ وہ قرآن پاک پڑھ رہے تھے جب تلاوت مکمل ہوئی تو میں نے عرض کیا اے ابوالقاسم! آپ اس حالت میں آپ نے ختم قرآن کیا فرمایا اس کا مجھ سے زیادہ حق دار کون ہے۔ اس

---

[1] قرآن مجید، سورۃ مائدہ آیت ۲۷۔

marfat.com

وقت میرا نامۂ اعمال بند ہو رہا ہے۔

حضرت رویم فرماتے ہیں میں حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ کے وصال کے وقت موجود تھا۔ وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

حَنِيْنُ قُلُوْبُ الْعَارِفِيْنَ اِلَى الذِّكْرِ
وَتَذْكَارُهُمْ وَقْتَ الْمُنَاجَاةِ لِلسِّرِّ
اُدِيْرَتْ كُؤُوْسُ الْمَنَايَا عَلَيْهِمْ
فَاَغْفَوْا عَنِ الدُّنْيَا كَاِغْفَاءِ ذِى السُّكْرِ
هُمُوْمُهُمْ جَوَّالَةٌ لِمُعَسْكَرٍ
بِهٖ اَهْلُ وُدِّ اللّٰهِ كَالْاَنْجُمِ الزُّهْرِ
نَاَخْبَاؤُهُمْ فِى الْاَرْضِ تَتْلٰى بِحُبِّهٖ
وَاَرْوَاحُهُمْ فِى الْحُجُبِ نَحْوَ الْعُلَا تَتْرٰى
فَمَا عَرَّسُوْا اِلَّا بِقُرْبِ حَبِيْبِهِمْ
وَمَا عَرَجُوْا مِنْ مَسِّ بُؤْسٍ وَلَا ضُرٍّ

عارفین کے دلوں کو ہر وقت ذکر کا شوق ہوتا ہے اور مناجات کے وقت وہ راز خداوندی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ان پر فنا کے پیالے گردش کرتے ہیں پس دنیا کو بھول جاتے ہیں جیسے نشے والے بھول جاتے ہیں۔ ان کی فکر ایسے میدانوں کو اپنی جولانگاہ بناتی ہے جس میں اہل محبت ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔ ان کے جسم زمین میں اللہ تعالیٰ کی محبت میں تل ہوتے ہیں اور ان کی ارواح پردۂ غیب میں اوپر کی طرف جاتی ہیں وہ اپنے محبوب کے قریب ہی خوشی محسوس کرتے ہیں اور وہ کسی تکلیف اور ضرر کی پرواہ نہیں کرتے۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ حضرت ابو سعید خراز رحمہ اللہ پر وصال کے وقت وجد کی کیفیت زیادہ تھی۔ انہوں نے فرمایا اگر ان کی رُوح اشتیاق کی وجہ سے ہی پرواز کر جاتی تو تعجب کی بات نہ تھی۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کے وصال کے وقت ان سے پوچھا گیا کہ آپ کی کیا خواہش ہے؟ فرمایا میں چاہتا ہوں کہ مرنے سے ایک لحظہ پہلے ہی اس کو پہچان لوں۔

ایک بزرگ حالتِ نزع میں تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ کہیں "اللہ" انہوں نے فرمایا تم کب تک اللہ اللہ کہتے رہو گے میں تو اللہ تعالیٰ سے ہی جلا جاتا ہوں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں میں حضرت حمشاد دینوری رحمہ اللہ کے پاس تھا کہ ایک فقیر آیا اور اس نے کہا السلام علیکم! کیا یہاں کوئی پاک جگہ ہے جس میں مرنا ممکن ہو فرماتے ہیں انہوں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا وہاں پانی کا ایک چشمہ تھا۔ فقیر نے وہاں تازہ وضو کیا اور جس قدر اللہ تعالیٰ نے چاہا نوافل ادا کیے اور اس جگہ جا کر پاؤں کو پھیلایا اور فوت ہو گیا۔

حضرت ابو العباس دینوری رحمہ اللہ اپنی مجلس میں گفتگو کر رہے تھے تو ایک خاتون آئی اور اس نے چیخ

marfat.com

۔آپ نے اس عورت سے فرمایا مر جاؤ وہ عورت اٹھی اور جب دروازے تک پہنچی تو اس نے حضرت دینوری کی طرف متوجہ ہو کر کہا تو میں مر گئی۔ چنانچہ وہ مردہ ہو کر گر پڑی۔

حضرت ابو علی روزباری رحمہ اللہ کی بہن حضرت فاطمہ رحمہا اللہ سے منقول ہے۔ فرماتی ہیں جب ابو علی رباطی کی وفات کا وقت آیا اور ان کا سر میری گود میں تھا تو انہوں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور فرمایا یہ آسمان دروازے ہیں جو کھل گئے ہیں اور یہ جنت ہے جو آراستہ کی گئی ہے۔ اور یہ کہنے والا کہہ رہا ہے اے ابو علی نے تجھے انتہائی مرتبہ پر پہنچا دیا اگرچہ تم نے اس کا ارادہ نہ کیا تھا۔ پھر پڑھنے لگے۔

وَحَقِّكَ لَا نَظَرْتُ إِلَى سِوَاكَا	اور تیرے حق کی قسم جب تک تجھے نہ دیکھ لوں
بِعَيْنِ مَوَدَّةٍ حَتّٰى أَرَاكَا	کسی پر محبت کی نگاہ نہیں ڈالوں گا۔ میں دیکھتا ہوں
أَرَاكَ مُعَذِّبِي بِفُتُوْرِ لَحْظٍ	تو مجھے بیماری کے ساتھ تکلیف دیتا ہے اور
وَبِالْخَدِّ الْمُوَرَّدِ مِنْ حَيَاكَا۔	تیرے حیا سے رخسار گلاب کی طرح سرخ ہیں۔

حضرت جنید رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ "لا الہ الا اللہ" پڑھیے۔ انہوں نے فرمایا میں اسے کب بھولا ہوں کہ دکروں۔

حضرت جعفر بن نصیر نے بکران دینوری سے پوچھا جو حضرت شبلی کے غلام تھے (رحمہم اللہ) کہ تم نے (حضرت شبلی) کے وصال کے وقت کیا دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا حضرت شبلی رحمہ اللہ نے فرمایا مجھ پر ۔درہم تھا جو ظلماً مجھ پر آیا تو میں نے اس کے مالک کی طرف سے ہزار دل درہم صدقہ کر ڈالے پھر بھی میرے پر اس سے بڑا شغل (اور سوچ) کوئی نہیں پھر فرمایا مجھے نماز کے لیے وضو کرواؤ۔ میں نے وضو کروایا تو ڑھی کا خلال کروانا بھول گیا۔ آپ کی زبان بند تھی۔ چنانچہ آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی داڑھی میں داخل پھر انتقال فرما گئے۔ (یہ سن کر) حضرت جعفر رو پڑے اور فرمایا تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو زندگی ۔آخری حصے میں بھی آداب شریعت نہیں بھولا۔

حضرت بشر بن حارث رحمہ اللہ کے وصال کا وقت ہوا اور آپ اس وقت سختی میں مبتلا تھے۔ آپ سے پوچھا کہ کیا آپ کو زندگی محبوب ہے؟ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف جانا بہت مشکل ہے۔

حضرت صالح بن مسمار رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اپنے بیٹوں اور گھر کے دوسرے افراد کے لیے ت نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتا ہے کہ ان کے لیے اس کے سوا کسی اور کو وصیت ں۔

جب حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ کے وصال کا وقت ہوا تو ان کے دوست احباب ان کے پاس آئے

marfat.com

اور کہنے لگے آپ کو خوشخبری ہو آپ اپنے رب کے پاس جا رہے ہیں جو غفور و رحیم ہے انہوں نے فرمایا تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ ڈرو کیونکہ تم رب کے پاس جا رہے ہو جو چھوٹے عمل پر تمہارے حساب کرے گا اور بڑے گناہ پر سزا دے گا۔

حضرت ابوبکر واسطی رحمہ اللہ کے وصال کا وقت آیا تو ان سے کہا گیا ہمیں وصیت کیجیے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو جو تم سے مقصود ہے اس کا خیال رکھنا۔

کسی بزرگ کے وصال کے وقت ان کی بیوی رونے لگی تو انہوں نے پوچھا کیوں روتی ہے اس نے کہا آپ کے فراق میں رو رہی ہوں فرمایا اگر تم نے رونا ہی ہے تو اپنے آپ پر روؤ میں تو اس دن کے لیے چالیس سال رویا ہوں۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت سری سقطی رحمہ اللہ کی مرض الموت کے دوران ان کی تیمارداری کے لیے حاضر ہوا تو میں نے پوچھا آپ کا کیا حال ہے تو انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

كَيْفَ اَشْكُرُ اِلٰى طَبِيْبِيْ مَا بِيْ — میں اپنے طبیب کے سامنے اپنی حالت کی شکایت
وَالَّذِيْ بِيْ اَمَدَابَنِيْ مِنْ طَبِيْبِيْ — کیسے کروں مجھے جو کچھ پہنچا طبیب کی جانب سے پہنچا۔

میں نے پنکھا لے کر ان کو ہوا دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے فرمایا جس کا اندر جل رہا ہو اس کو پنکھے کی ہوا کیسے پہنچے گی۔ پھر یہ اشعار پڑھنے لگے۔

اَلْقَلْبُ مُحْتَرِقٌ وَالدَّمْعُ مُسْتَبِقٌ — دل جل رہا ہے اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب
وَالْكَرْبُ مُجْتَمِعٌ وَالصَّبْرُ مُفْتَرِقٌ — جاری ہے۔ تکلیف موجود ہے اور صبر جدا ہے
كَيْفَ الْقَرَارُ عَلٰى مَنْ لَا قَرَارَ لَهٗ — جو حالت اضطراب میں ہو اسے قرار کیسے آئے
مِمَّا جَنَاهُ الْهَوٰى وَالشَّوْقُ وَالْقَلَقُ — جو شوق اور قلق کا شکار ہو۔ اے میرے رب!
يَا رَبِّ اِنْ يَكُ شَيْءٌ فِيْهِ لِيْ فَرَجٌ — اگر کوئی ایسی چیز ہے جس سے مجھے کشائش مل سکتی
فَامْنُنْ عَلَيَّ بِهٖ مَا رَامَ بِيْ رَمَقٌ — ہے تو جب تک مجھ میں زندگی کی رمق موجود ہے
اس کے ذریعے مجھ پر احسان کیجیے۔

کہتے ہیں کہ حضرت شبلی رحمہ اللہ کے احباب میں سے کچھ لوگ آپ کے پاس اس وقت آئے جب آپ کا وصال ہو رہا تھا انہوں نے کہا آپ "لا الہ الا اللہ" پڑھیں۔ انہوں نے جواب دیا۔

اِنَّ بَيْتًا اَنْتَ سَاكِنُهٗ — جس گھر میں تم مقیم ہو وہاں چراغ کی
غَيْرُ مُحْتَاجٍ اِلَى السُّرُجِ — ضرورت نہیں۔ ہمیں تیری ذات پر ہی

marfat.com

وَجْهُكَ الْمَامُوْلُ حُجَّتُنَا۔	امید ہے جس دن لوگ محبت پیش کریں
يَوْمَ يَاْتِي النَّاسُ بِالْحُجَجِ	گے اللہ تعالیٰ وہ دن عنایت نہ کرے
لَا اَتَاحَ اللّٰهُ لِيْ فَرَجًا	جب تجھ سے کشائش چاہوں۔
يَوْمَ اَدْعُوْ مِنْكَ بِالْفَرَجِ	

منقول ہے کہ حضرت جنید رحمہ اللہ کی حالت نزع میں حضرت ابوالعباس عطاء رحمہ اللہ ان کے پاس
ئے اور سلام کہا لیکن انہوں نے جواب نہ دیا۔ کچھ دیر کے بعد جواب دیا اور فرمایا میرا عذر قبول کرو میں
ظیفے میں مشغول تھا۔ پھر اپنا چہرہ قبلے کی طرف پھیر دیا اور اللہ اکبر کہہ کر انتقال فرما گئے۔

حضرت کتانی رحمہ اللہ کے وصال کا وقت ہوا تو ان سے پوچھا گیا آپ کا عمل کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا اگر
وفات کا وقت قریب نہ ہو تو میں تمہیں نہ بتاتا میں اپنے دل کے دروازے پر چالیس سال کھڑا رہا ہوں
ہی وہاں سے غیر خدا کا گزر ہوا تو میں نے اسے وہاں سے روک دیا۔

حضرت معتمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب حکم بن عبدالملک کے وصال کا وقت ہوا تو اس وقت باقی لوگوں کے
ہیں بھی وہاں موجود تھا میں نے کہا یا اللہ! ان پر موت کی سختیوں کو آسان کر دے اور ان کی خوبیاں بیان کیں
فاقہ ہوا تو فرمایا کون باتیں کر رہا تھا میں نے کہا میں تھا، کہا موت کے فرشتے نے مجھ سے کہا میں ہر سختی پر
ناہوں یہ کہا اور چل بسے۔

جب حضرت یوسف بن اسباط رحمہ اللہ کے وصال کا وقت ہوا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ان کے
شریف لے گئے ان کو مضطرب پایا تو پوچھا اے ابو محمد! یہ پریشانی اور اضطراب کا وقت ہے؟ انہوں
واب دیا اے ابو عبداللہ! میں کس طرح پریشان اور مضطرب نہ ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ میں نے اپنے کسی
اللہ تعالیٰ سے سچ کا معاملہ بھی کیا ہے یا نہیں؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس نیک شخص پر تعجب
یہ موت کے وقت قسم کھاتا ہے کہ وہ نہیں جانتا آیا اس نے کسی عمل میں اللہ تعالیٰ سے سچ کا معاملہ کیا ہے
ں۔

حضرت مغازلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں اس جماعت والوں میں سے ایک کے بزرگ کے پاس گیا وہ بیمار
ور کہہ رہے تھے یا الٰہی! تمہارے لیے ممکن ہے کہ اپنے ارادے کے مطابق عمل کرے پس تو مجھ پر
رما۔

ایک بزرگ حضرت حشاد دینوری رحمہ اللہ کے وصال کے وقت ان کے پاس حاضر ہوئے اور دعا کی کہ اللہ
آپ کے ساتھ ایسا ایسا سلوک کرے۔ وہ ہنس پڑے پھر فرمایا تیس سال سے مجھ پر جنت اپنی تمام

marfat.com

نعمتوں سمیت پیش کی جاتی ہے میں نے اس کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

حضرت رویم رحمہ اللہ سے ان کے وصال کے وقت کہا گیا کہ "لا الہ الا اللہ" پڑھیں۔ انہوں نے فرمایا میں اس سے بہتر کوئی اور بات کہہ ہی نہیں سکتا۔

جب حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے وصال کا وقت ہوا تو ان سے عرض کیا گیا "لا الہ الا اللہ" پڑھیں انہوں نے فرمایا وہاں کوئی اور بات نہیں؟

حضرت مزنی رحمہ اللہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس گئے اور وہ مرض الموت میں تھے پوچھا اے ابو عبداللہ کیسے صبح کی، فرمایا میں دنیا سے کوچ کرنے والا اور بھائیوں سے جدا ہونے والا ہوں، اپنے بُرے اعمال کے ملنے والا، موت کا پیالہ پینے والا، اور اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہونے والا ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ میری روح جنت کی طرف جائے گی کہ اسے مبارک دوں یا جہنم کی طرف جائے گی کہ تعزیت کروں۔ پھر یہ اشعار پڑھے۔

وَلَمَّا قَسَا قَلْبِیْ وَضَاقَتْ مَذَاهِبِیْ	جب میرا دل سخت ہو گیا اور تمام راہیں بند ہو
جَعَلْتُ رَجَائِیْ نَحْوَ عَفْوِكَ سُلَّمًا	گئیں تو میں نے تیرے عفو کو اپنی امید کے
تَعَاظَمَنِیْ ذَنْبِیْ فَلَمَّا قَرَنْتُهٗ	لیے سیڑھی بنا دیا۔ میرے گناہ بڑے ہیں لیکن
بِعَفْوِكَ رَبِّیْ كَانَ عَفْوُكَ اَعْظَمَا	جب تیرے عفو و درگزر سے تقابل کیا تو تیرا
فَمَا زِلْتَ ذَا عَفْوٍ عَنِ الذَّنْبِ لَمْ تَزَلْ	عفو بہت بڑا ہے تو اپنے جود و کرم سے
تَجُوْدُ وَتَعْفُوْ مِنَّةً وَّتَكَرُّمًا	ہمیشہ لوگوں کے گناہوں کو صاف کرتا ہے اگر
وَلَوْلَاكَ لَمْ يَعْصِ الْاِلٰهَ اِبْلِيْسُ عَابِدٌ	تو نہ ہوتا ابلیس تیرے عابد کو گمراہ نہ کر سکتا اور
فَكَيْفَ وَقَدْ اَغْوٰى صَفِيَّكَ آدَمَا	تیرے ہی چنے ہوئے آدم علیہ السلام کو اس
	نے لغزش میں ڈالا۔

جب حضرت احمد بن خضرویہ رحمہ اللہ کے وصال کا وقت ہوا تو ان سے ایک مسئلہ پوچھا گیا ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور انہوں نے فرمایا بیٹا! میں ایک دروازے کو پچانوے سال سے کھٹکھٹاتا تھا اور وہ اب کھلے گا مجھے معلوم نہیں وہ سعادت کے ساتھ کھلتا ہے یا بدبختی کے ساتھ، تو اب میرے پاس جواب کے لیے وقت کہاں ہے۔

تو یہ بزرگوں کے اقوال ہیں جو ان کے احوال کی تبدیلی کے مطابق مختلف ہیں۔ بعض پر خوف غالب رہا بعض پر امید اور بعض پر شوق و محبت، لہٰذا ہر ایک نے اپنے اپنے حال کے مطابق گفتگو فرمائی اور ان کے احوال کی نسبت سے یہ سب قول صحیح ہیں۔

marfat.com

چھٹا باب

جنازے اور قبرستان میں کہے گئے کلمات اور زیارتِ قبور

جنازے سے عبرت پکڑنا

جان لو کہ جنازے ارباب بصیرت کے لیے عبرت کا سامان ہیں اور ان میں اہل غفلت کے لیے تنبیہ و تذکیر ہے۔ جنازوں کو دیکھ کر غافل لوگوں کے دل کی سختی مزید بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں وہ ہمیشہ دوسروں کے جنازے ہی دیکھتے رہیں گے اور وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ ایک دن ان کا جنازہ بھی ضرور اُٹھے گا یا وہ اس بات کا ذکر تو کرتے ہیں لیکن فوری طور پر وہ اس بات کو نہیں سوچتے کہ جن لوگوں کے جنازے اُٹھتے ہیں وہ بھی یہی خیال کرتے تھے تو ان کا یہ خیال باطل نکلا اور جلد ہی ان کی مدت پوری ہو گئی۔

لہٰذا ہر شخص کو چاہیے کہ جب جنازہ دیکھے تو اپنے آپ کو اس پر اٹھایا ہوا خیال کرے کیونکہ عنقریب اسے جنازے کی چارپائی پر اٹھایا جائے گا۔ شاید کل پرسوں تک ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب آپ کسی جنازے کو دیکھتے تو فرماتے جاؤ ہم بھی پیچھے آتے ہیں۔

حضرت مکحول دمشقی رحمہ اللہ جب جنازہ دیکھتے تو فرماتے تم صبح کے وقت جا رہے ہو ہم شام کو آئیں گے بہت کامل ہے اور غفلت جلد آتی ہے۔ پہلا چلا جاتا ہے اور دوسرے کو عقل نہیں۔

حضرت اُسید بن حضیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں جس جنازے کے ساتھ گیا تو میرے نفس نے میرے ساتھ یہی بات کی کہ اس کے ساتھ کیا ہو گا اور یہ کس طرف جا رہا ہے۔

جب حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ کے بھائی کا انتقال ہوا تو حضرت مالک رحمہ اللہ ان کے جنازے کے ساتھ تشریف لے گئے۔ آپ رو رہے تھے اور فرماتے تھے اللہ کی قسم! میری آنکھوں کو اس وقت تک ٹھنڈک حاصل نہ ہو گی جب تک مجھے معلوم نہ ہو جائے کہ آپ کا انجام کیا ہو گا اور مجھے یہ بات زندگی بھر معلوم نہ ہو گی۔ حضرت حبش رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم جنازوں کے ساتھ جائے تو سب لوگوں کے غمگین ہونے کی وجہ سے ہمیں پتہ نہ چلتا کہ کس سے تعزیت کریں۔

marfat.com

حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم جنازوں کے ساتھ جاتے تو سب کو منہ ڈھانپ کر روتے ہوئے دیکھتے۔
تو یہ بزرگان دین اس طرح موت سے ڈرتے تھے اور اب حالت یہ ہے کہ ہم جنازے میں شریک لوگوں کو دیکھتے ہیں تو ان میں سے اکثر لوگ ہنستے اور کھیلتے ہیں۔ وہ اس شخص کی وراثت اور جو کچھ اس نے وارثوں کے لیے چھوڑا اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں اور اس کے ساتھی اور رشتہ دار صرف ان حیلوں کے بارے میں سوچتے ہیں جن کے ذریعے اس کا چھوڑا ہوا مال حاصل کر سکیں۔ اور سوائے چند ایک کے دوسرے لوگ اپنے بارے میں نہیں سوچتے کہ ہمیں بھی اسی طرح اٹھا کر لے جایا جائے گا۔ اور اس غفلت کا سبب گناہوں اور نافرمانی کی کثرت کے باعث دلوں کا سخت ہو جانا ہے حتیٰ کہ ہم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کو بھول گئے اور خوفناک منظر بھی یاد نہ رہا۔ جو ہمارے سامنے ہے پس ہم کھیل کود میں لگ گئے، غافل ہو گئے اور بے مقصد باتوں میں مشغول ہو گئے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس غفلت سے بیدار فرمائے۔ جنازے کے شرکاء کا سب سے بہتر حال یہ ہے کہ وہ میت پر روتے ہیں لیکن اگر انہیں عقل ہو تو میت پر رونے کی بجائے اپنے آپ پر روئیں۔

حضرت ابراہیم زیات رحمہ اللہ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ میت کے لیے رحمت کی دعا مانگ رہے تھے انہوں نے فرمایا اگر تم اپنے لیے رحمت کی دعا مانگو تو بہتر ہے کیونکہ یہ تین ہولناک مناظر سے چھوٹ گیا۔ ملک الموت کا چہرہ دیکھ چکا ہے۔ موت کا ذائقہ چکھ چکا ہے اور (برے) خاتمے کے خوف سے محفوظ ہو چکا ہے۔

حضرت ابو عمرو بن علاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت جریر رحمہ اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور وہ اپنے کاتب کو شعر لکھوا رہے تھے ایک جنازہ سامنے آیا تو آپ رک گئے اور فرمایا قسم بخدا! ان جنازوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے اور یہ اشعار پڑھے۔

تَرُوْعُنَا الْجَنَائِزُ مُقْبِلَاتٍ	جب جنازے سامنے آتے ہیں تو ہم ڈرتے ہیں اور
وَتَلْهُوْ حِيْنَ تَذْهَبُ مُدْبِرَاتٍ	جب وہ چلے جاتے ہیں تو ہم کھیل کود میں مشغول ہو جاتے
كَرَوْعَةِ ثُلَّةٍ لِمَغَارِ ذِئْبٍ	ہیں جس طرح بکریاں بھیڑیے کی غارت گری سے ڈرتی ہیں
فَلَمَّا غَابَ عَادَتْ رَاتِعَاتٍ	پس جب وہ چلا جاتا ہے تو اچھلتی کودتی ہیں۔

تو جنازے میں حاضر ہونے کے آداب یہ ہیں کہ غور و فکر کیا جائے اور بیداری حاصل کر کے موت کی تیاری کی جائے اور تواضع کیساتھ جنازے کے آگے جانا بھی آداب میں سے ہے جیسا کہ ہم نے فقہ کے بیان میں جنازے کے آداب و سنن لکھ دیے ہیں۔

جنازے کے آداب میں سے یہ بات بھی ہے کہ میت کے بارے میں اچھا گمان رکھے اگرچہ وہ فاسق ہو اور اپنے بارے میں بدگمان رہنا چاہیے۔ اگرچہ ظاہر طور پر نیک ہو۔ کیونکہ خاتمے کا خطرہ موجود ہے ہمیں اس کی حقیقت کا علم نہیں اسی لیے حضرت عمر بن ذر رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ان کا ایک پڑوسی انتقال کر گیا اور وہ اپنے آپ پر زیادتی کرنے والا تھا بہت سے لوگ اس کے جنازے سے دور رہے۔ لیکن حضرت عمر بن ذر تشریف لائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جب

marfat.com

شخص کو قبر میں رکھا گیا تو آپ نے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا اے ابو فلاں! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے تو عمر بھر عقیدہ
بدر پر قائم رہا اور سجدوں کے ذریعے تو نے اپنے چہرے کو گرد آلود کیا۔ اگرچہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ گناہ گار، خطا کار ہے
م میں سے کون ہے جس نے گناہ یا خطا نہ کی ہو۔

منقول ہے کہ فساد میں ڈوبے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص بصرہ کی کسی نواحی بستی میں انتقال کر گیا اس کی بیوی کو
ا ایسا آدمی نہ ملا جو اس کا جنازہ اٹھانے میں اس کی مدد کرے اس کے بہت زیادہ فسق کی وجہ سے کوئی محلہ دار قریب
تو اس عورت نے دو مزدور لیے اور اس کو اٹھا کر جنازہ گاہ میں لے گئی۔ کسی نے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی تو وہ اسے
ر صحرا میں لے گئی کہ دفن کرے وہاں قریب ہی پہاڑ پر ایک زاہد تھا جس کا شمار بڑے بڑے زاہدوں میں ہوتا تھا
عورت نے دیکھا گویا وہ جنازے کا منتظر ہے پھر اس نے نماز جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو شہر میں خبر پھیل گئی کہ
ں زاہد فلاں شخص کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے پہاڑ سے نیچے اتر آیا ہے تو شہر والے بھی آ گئے زاہد اور شہر کے
رے لوگوں نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی اور لوگوں کو زاہد کے اس شخص کی نماز جنازہ پڑھنے پر تعجب ہوا تو اس نے
مجھے خواب میں بتایا گیا کہ فلاں جگہ جاؤ وہاں ایک جنازہ ہے جس کے ساتھ صرف ایک عورت ہے اور اس
ماز جنازہ پڑھو اس کی بخشش ہو گئی۔ لوگوں کو مزید تعجب ہوا تو زاہد نے اس عورت کو بلایا اور اس شخص کا حال
چا کہ اس کی سیرت کس قسم کی تھی اس نے وہی بات کہی جو معروف تھی وہ دن بھر شراب خانے میں شراب نوشی
شغول رہتا تھا۔ زاہد نے کہا سوچ کر بتاؤ تمہیں اس کا کوئی اچھا عمل معلوم ہے؟ اس نے کہا ہاں تین باتیں ہیں جس دن
نشے کی حالت میں نہ ہوتا تو صبح کے وقت کپڑے تبدیل کر کے وضو کرتا اور صبح کی نماز باجماعت پڑھتا پھر شراب
نے میں چلا جاتا اور فسق و فجور میں مشغول ہو جاتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کے گھر میں ہمیشہ ایک یا دو یتیم رہتے
ے اور وہ اپنی اولاد کی نسبت ان سے زیادہ اچھا سلوک کرتا تھا اور ان کے حال کی فکر و تلاش زیادہ کرتا تھا اور
ری بات یہ کہ وہ رات کے اندھیرے میں جب اس کا نشہ اترتا تو وہ روتا اور کہتا اے میرے رب! تو اس خبیث کے
تھ جہنم کے کس کونے کو بھرنا چاہتا ہے؟ اپنے بارے میں کہتا تھا (یہ سُن کر) زاہد کی الجھن دور ہو گئی اور وہ
گیا۔

حضرت صلہ بن ریشم رحمہ اللہ کے بھائی کو دفن کیا گیا تو انہوں نے اس کی قبر پر کہا۔

فَإِنْ تَنْجُ مِنْهَا تَنْجُ مِنْ ذِي عَظِيمَةٍ	اگر تو اس (قبر کے عذاب) سے بچ گیا تو بہت
وَإِلَّا فَإِنِّي لَا أَخَالُكَ نَاجِيًا[1]	بڑی بات سے بچا ورنہ میں تجھے نجات پانے والا
	خیال نہیں کرتا۔

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ ص ۲۲۳ حدیث ۱۲۱۶۵۔

marfat.com

فصل ۲

قبر کی حالت اور قبروں کے پاس بزرگوں کے اقوال

حضرت ضحاک رضی اللہ فرماتے ہیں ایک شخص نے پوچھا یارسول اللہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ زاہد کون ہے؟ آپ نے فرمایا۔

مَنْ لَمْ يَنْسَ الْقَبْرَ وَالْبِلَى وَتَرَكَ فَضْلَ زِينَةِ الدُّنْيَا وَآثَرَ مَا يَبْقَى عَلَى مَا يَفْنَى وَلَمْ يَعُدَّ غَدًا مِنْ أَيَّامِهِ وَعَدَّ نَفْسَهُ مِنْ أَهْلِ الْقُبُورِ۔

جو شخص قبر اور گل سڑ جانے کو نہ بھولے دنیا کی زینت کو چھوڑ دے، فنا ہونے والی قبر پر باقی رہنے والی کو ترجیح دے اور کل آنے والے دن کو اپنی زندگی میں شمار نہ کرے نیز اپنے آپ کو قبروں والوں میں شمار کرے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ کیا وجہ ہے آپ قبرستان میں بیٹھے رہتے ہیں؟ فرمایا میں ان کو اچھے پڑوسی سمجھتا ہوں میں ان کو سچے پڑوسی پاتا ہوں وہ زبان کو روکے ہوئے ہیں اور آخرت کی یاد دلاتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَا رَأَيْتُ مَنْظَرًا إِلَّا وَالْقَبْرُ أَفْظَعُ مِنْهُ

میں نے قبر سے بڑھ کر کوئی خوفناک منظر نہیں دیکھا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ قبرستان کی طرف گئے تو آپ ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے میں آپ کے زیادہ قریب تھا آپ روئے اور ہم سب بھی روئے آپ نے پوچھا تم کیوں روتے ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم آپ کے رونے کی وجہ سے روئے ہیں آپ نے فرمایا یہ میری والدہ حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا کی قبر ہے میں نے اپنے رب سے اس کی زیارت کی اجازت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی اجازت دے دی پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگی کہ میں ان کے لیے بخشش طلب کروں تو اللہ تعالیٰ نے اجازت نہ دی پس مجھ پر وہی رقت طاری ہوئی جو اولاد پر ہوتی ہے۔ (۲)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اوّل ص ۶۴ مرویات عثمان بن عفان۔

(۲) البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۷۹ ذکر رضاعتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

نوٹ: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین طیبین آپ کے اعلان نبوت سے پہلے ہی وصال فرما گئے اس لیے وہ فطری طور پر دین پر تھے اس کے باوجود ان کو آپ پر ایمان کی سعادت سے بہرہ ور کرنے کیلئے دوبارہ زندہ کیا گیا اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تفصیل کے لیے حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کا رسالہ مبارک) آج کل پاکستان میں اس بات پر شدید احتجاج ہو رہا کہ سعودی حکومت نے گذشتہ رمضان ۱۴۱۹ھ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ طیبہ طاہرہ رضی (باقی آئندہ صفحہ پر)

marfat.com

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہو جاتی
ں سلسلے میں آپ سے پوچھا گیا اور عرض کیا گیا کہ آپ جنت دوزخ کا تذکرہ کرتے وقت نہیں روتے اور جب کسی قبر
کھڑے ہوتے ہیں تو رو دیتے ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے
پ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنَازِلِ الْاٰخِرَةِ فَاِنْ نَجَا مِنْهُ صَاحِبُهُ فَمَا بَعْدَهُ اَيْسَرُ مِنْهُ وَاِنْ لَّمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ اَشَدُّ مِنْهُ[1]

قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے صاحب قبر نے اس سے نجات پائی تو بعد کا معاملہ اس سے آسان ہے اور اگر اس سے نجات نہ پائی تو بعد کا معاملہ زیادہ سخت ہے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قبرستان کو دیکھا تو اتر کر دو رکعت نماز پڑھی پوچھا گیا کہ
ملے تو کبھی آپ نے ایسا نہیں کیا انہوں نے فرمایا میں نے اس چیز کو یاد کیا جو اہل قبر اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حائل ہے تو
ں نے اچھا جانا کہ ان دو رکعتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کروں۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انسان سے سب سے پہلے اس کی قبر گفتگو کرتی ہے وہ کہتی ہے میں کیڑوں
لوڑوں کی جگہ ہوں میں تنہائی کا مقام ہوں۔ میں اجنبی جگہ ہوں۔ میں اندھیری کوٹھڑی ہوں میں نے تمہارے لیے یہ تیار
لیا تو نے میرے لیے کیا تیار کیا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں اپنے فقر کے دن کے بارے میں نہ بتاؤں؟ یہ وہ دن ہے
جب مجھے قبر میں رکھا جائے گا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ قبروں کے پاس بیٹھے تھے اس سلسلہ میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں
ایسی قوم کے پاس بیٹھا ہوں جو مجھے آخرت یاد دلاتی اور جب میں اٹھتا ہوں تو وہ میری غیبت نہیں کرتے۔

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ رات دن قبرستان جاتے اور فرماتے اے اہل قبور کیا بات ہے میں پکارتا ہوں لیکن
تم جواب نہیں دیتے پھر فرماتے اللہ کی قسم ان کو جواب دینے میں کوئی مانع ہے گویا میں بھی ان جیسا ہوں پھر طلوع فجر
تک نوافل پڑھتے رہتے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کسی ہمنشین سے فرمایا اے فلاں! میں رات بھر جاگتا رہا اور قبر
والے کے بارے میں سوچتا رہا اگر تم میت کو تین دن بعد اس کی قبر میں دیکھو تو اس کے ساتھ ایک طویل عرصہ تک مانوس

(حاشیہ بقیہ) کی قبر شریف پر بلڈوزر پھیرا اللہ تعالیٰ ان نجدیوں کو ہدایت دے اور مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ یہ بدبخت
سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کس قدر مخالف ہیں۔ پھر بھی اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پاکستانی وہابی بھی ان
کی حمایت کر رہے ہیں ۱۲ ہزاروی (۲) سنن ابن ماجہ ص ل ۳۲، ابواب الزھد

marfat.com

رہنے کے باوجود نہیں اس سے وحشت ہونے لگے اور اگر تم اس گھر کو دیکھو جس میں کیڑے پھر رہیں ہیں پیپ جاری ہے کیڑے بدن کو کھا رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ بدبو بھی آرہی ہے اور کفن پرانا ہو چکا ہے جبکہ پہلے خوبصورت تھا خوشبو اچھی تھی اور کپڑے بھی صاف تھے۔۔۔۔ راوی کہتے ہیں پھر آپ نے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو گئے۔

حضرت یزید رقاشی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے ایک وہ شخص جو قبر کے گڑھے میں مدفون ہے اور قبر میں اکیلا پڑا ہے زمین کے اندر اپنے نیک اعمال سے مانوس ہے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تجھے کن اعمال کی بشارت ملی ہے۔ اور تو نے کن عبادتوں پر رشک کیا پھر آپ رو دئے حتی کہ عمامہ مبارک تر ہو گیا اس کے بعد فرمایا اللہ کی قسم! اپنے اچھے اعمال سے خوش ہو جاؤ اور ان بھائیوں پر رشک کرو جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اس کا دستور تھا کہ جب قبروں کو دیکھتے تو بیل کی طرح آواز نکالتے

حضرت حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا، جو شخص قبرستان سے گزرے اور اپنے نفس کے بارے میں نہ سوچے اور نہ اہل قبور کے لیے دعا مانگے اس نے اپنے آپ سے بھی اور ان اہل قبور سے بھی خیانت کی۔

حضرت بکر عابد رحمتہ اللہ اپنی ماں سے کہتے ہیں کیا اچھا ہوتا کہ تم میرے حق میں بانجھ ہوتیں تمہارے بیٹے کو بہت عرصہ بند رہنا پڑے گا اور اس کے بعد وہاں سے کوچ کرنا ہوگا۔

حضرت یحیٰی بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر ابن آدم! تیرا رب تجھے سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے دیکھ تو اس کو کہاں سے جواب دیتا ہے، اگر تو اسے دنیا میں سے جواب دے گا اور اس کی طرف سفر کے لیے مستعد ہو گا تو دار السلام میں داخل ہو گا، اور اگر قبر میں جواب دے گا تو اس کے گھر میں نہیں جائے گا۔

حضرت حسن بن صالح رحمتہ اللہ علیہ جب قبرستان سے گزرتے تو فرماتے تمہارا ظاہر تو بہت اچھا ہے لیکن مصیبت تمہارے پیٹ میں ہے۔

حضرت عطاء سلمی رحمتہ اللہ کی عادت مبارک تھی کہ جب رات ہوتی تو قبرستان کی طرف نکل جاتے اور فرماتے اے اہل قبور! تم مر گئے، ہائے موت! تم نے اپنے عمل دیکھے ہائے رے عمل پھر فرمایا کل عطا قبرستان میں ہو گا کل عطا قبرستان میں ہو گا، صبح تک آپ کا یہی طریقہ رہتا۔

حضرت سفیان رحمتہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص قبر کا ذکر زیادہ کرے۔ وہ اسے جنت کے باغات میں سے ایک باغ پاتا ہے، اور جو اس کے ذکر سے غافل ہوتا ہے وہ اسے جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا پاتا ہے۔

حضرت ربیع بن خثیم رحمتہ اللہ نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود رکھی تھی جب کبھی اپنے دل میں کچھ سختی پاتے تو اس میں داخل ہو کر لیٹ جاتے اور جتنی دیر اللہ تعالیٰ چاہتا اس میں ٹھہرے رہتے۔ پھر پڑھتے

رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ۔ (۱)

اے میرے رب! مجھے واپس بھیج دے تاکہ میں نیک اعمال کروں جو میں نے چھوڑ دیے تھے۔

---

(۱) قرآن مجید سورہ مومنون آیت ۹۹، ۱۰۰

marfat.com

اس آیت کو بار بار پڑھتے پھر اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو کر کہتے اے ربیع! اب تجھے واپس کر دیا گیا ہے پس عمل کر۔
حضرت احمد بن حرب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں، زمین کو اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو اپنی خواب گاہ کو درست کرتا اور سونے کے لیے بستر ٹھیک کرتا ہے۔ زمین کہتی ہے اے ابن آدم! تو اپنے طویل عرصہ تک گلنے سڑنے کو کیوں یاد نہیں کرتا میرے اور تیرے درمیان کوئی چیز حائل نہیں۔

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کے ہمراہ قبرستان کی طرف گیا آپ نے قبروں کو دیکھا تو رونے لگے۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا! یہ میرے آباء و اجداد بنو امیہ کی قبریں ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ لوگ کبھی بھی دنیا والوں کے ساتھ لذتوں اور عیش میں شریک نہیں ہوئے دیکھ کس طرح بچھاڑے گئے ہیں اور ان پر مصیبتیں ٹوٹ پڑی ہیں اور ان کا پرانا ہونا پکا ہو گیا اور کیڑے مکوڑوں نے ان کے جسموں کو اپنی آرام گاہ بنا لیا۔ پھر آپ روئے اور فرمایا اللہ کی قسم! میں ان سب سے کسی ایک کو نہیں جانتا کہ اس پر انعام ہوا ہو اور وہ عذاب قبر سے محفوظ رہا ہو۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں میں قبرستان میں داخل ہوا جب میں وہاں سے نکلنے پڑا تو بلند آواز سے کسی نے کہا اے ثابت! ان قبروں والوں کی خاموشی سے دھوکہ نہ کھانا ان میں کتنے ہی غم مغموم ہیں۔

ایک روایت میں ہے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند حسن بن حسن رضی اللہ عنہ کے جنازہ کو دیکھا تو اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور فرمایا۔

وَكَانُوْا رَجَاءً ثُمَّ اَمْسَوْا رَزِيَّةً لَقَدْ	وہ لوگ جو امید تھے وہ اندوہ اور پریشانی کا باعث بن گئے
عَظُمَتْ تِلْكَ الرَّزَايَا وَجَلَّتَ۔	تو یہ مصیبت کس قدر بڑی ہے۔

کہا گیا کہ انہوں نے ان کی قبر پر خیمہ لگا لیا اور سال بھر تک وہاں بیٹھی رہی جب سال گزر گیا تو خیمہ اکھاڑ دیا اور مدینہ شریف میں داخل ہو گئیں لوگوں نے جنت البقیع کی طرف سے آواز سنی کہ کیا انہوں نے پایا جو کھویا تھا تو دوسری طرف سے آواز آئی نہیں بلکہ وہ مایوس ہو کر لوٹ گئے۔

حضرت ابو موسیٰ تمیمی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں فرزدق (شاعر) کی بیوی فوت ہو گئی تو اس کے جنازہ میں بصرہ کے سردار نکلے ان میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ بھی تھے آپ نے فرزدق سے فرمایا اے ابو فراس! تو نے اس دن کے لیے کیا تیاری کی ہے اس نے کہا ساٹھ سال سے کلمہ شہادت تیار کر رکھا ہے۔ جب اس کے بیوی کو دفن کیا گیا تو اس نے قبر پر کھڑے ہو کر کہا۔

اَخَافُ وَرَاءَ الْقَبْرِ اِنْ لَّمْ تُعَافِنِيْ اَشَدَّ مِنَ	اگر تو مجھے معاف نہ کرے تو مجھے قبر کے بعد تنگی اور
الْقَبْرِ اِنْهَابًا وَّاَضْيَقًا اِذَا جَاءَنِيْ يَوْمَ	جلن کا خوف قبر سے بھی زیادہ ہے جب قیامت کے دن
الْقِيَامَةِ قَائِدٌ عَنِيْفٌ وَّسَوَّاقٌ يَسُوْقُ	سخت پیادہ فرزدق کو ہانک کر لے جایا جائے جو انسان گردن

marfat.com

اَلْغَزْدَقَالَقَدْ خَابَ مِنْ اَوْلَادِ اٰدَمَ مِنْ مَشٰی
اِلَی النَّارِ مَغْلُوْلَ الْقَلَادَةِ اِزْرَقَا۔

میں طوق ڈالے اور نیلی آنکھوں کے ساتھ جہنم کی طرف گیا وہ نامراد ہے۔

اہل قبور کے بارے میں شعرا نے یہ بھی کہا۔

قِفْ بِالْقُبُوْرِ وَقُلْ عَلٰی سَاحَاتِهَا
مَنْ مِنْكُمُ الْمَسْتُوْرُ فِیْ ظُلُمَاتِهَا
وَمَنِ الْمُكَرَّمُ مِنْكُمْ فِیْ نَحْرِهَا
قَدْ ذَاقَ بَرْدَ الْاَمْنِ مِنْ رَوْعَاتِهَا
اَمَّا السُّكُوْنُ لِذِی الْقُبُوْرِ فَوَاحِدٌ
لَا یَسْتَبِیْنُ الْفَضْلُ فِیْ دَرَجَاتِهَا
لَوْ جَاءَ بُوْكَ لَاَخْبَرُوْكَ بِالسِّنِّ
لِصِفُ الْحَفَائِرَ بَعْدُ مِنْ حَالَاتِهَا
اَمَّا الْمُطِیْعُ فَنَازِلٌ فِیْ رَوْضَةٍ
یُنْصِیْ اِلٰی مَا شَاءَ رَوْحَاتِهَا
وَالْمُجْرِمُ الطَّاغِیْ بِهَا مُتَقَلِّبٌ
فِیْ حُفْرَةٍ یَارِیْ اِلٰی حَیَاتِهَا
وَعَقَارِبٌ تَسْعٰی اِلَیْهِ فَرُوْحُهٗ
فِیْ شِدَّةِ التَّعْذِیْبِ مِنْ لَدَغَاتِهَا

قبروں پر کھڑے ہو کر مردوں کو اس طرح پکارو کہ تم میں سے کون ہے جس پر قبر کے اندھیرے چھائے ہوئے ہوں اور کون ان قبروں کی گہرائی میں مکرم ہے اور وہ اس کے خوف سے مامون ہے، لیکن ان سب پر ایک جیسی خاموشی طاری ہے۔ ان کے درجات کی فضیلت واضح نہیں ہوتی اگر وہ تمہیں جواب دیں تو ایسی زبان سے جواب دیتے ہیں جو تمام حقائق بیان کرتے ہیں، عبادت گزار تو باغ میں اترا ہوا ہے جہاں چاہے جاتا ہے۔ اور مجرم سرکش ایسے گڑھے میں الٹ پلٹ ہوتا ہے جس میں سانپ اور بچھو اس کی طرف دوڑتے ہیں اور ان کے کاٹنے سے اس کی روح سخت عذاب میں مبتلا ہے۔

حضرت داؤد طائی رضی اللہ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر پر رو رہی تھی اور کہتی تھی

عَدِمَتْكِ الْحَیَاةُ وَلَا نِلْتِهَا
اِذَا كُنْتِ فِی الْقَبْرِ قَدْ اَلْحَدُوْكِ
فَكَیْفَ اَذُوْقُ لِطَعْمِ الْكَرٰی
وَاَنْتِ بِیَمِیْنِكِ قَدْ وَسَّدُوْكِ

تیری زندگی ہی گئی اور تو نے پھر نہ پائی جب لوگوں نے تجھے قبر میں دفن کر دیا میری آنکھوں کو نیند کیسے آئے جب کہ انہوں نے تجھے دائیں پہلو پر لٹا دیا۔

پھر اس خاتون نے کہا بیٹا معلوم نہیں کیڑوں نے تیرا کون سا رخسار کھایا یہ سن کر حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ نے چیخ ماری اور بیہوش ہو کر گر پڑے، حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ فرماتے ہیں میں ایک قبر کے پاس سے گزرا تو میں نے یہ قطعہ پڑھا۔

marfat.com

اَتَیْتُ الْقُبُوْرَ فَنَادَیْتُھَا	میں قبرستان میں آیا تو میں نے آواز دی کہاں ہیں انیس
فَاَیْنَ الْمُعَظَّمُ وَالْمُحْتَقَرُ	اور کدھر ہیں فقیر
وَاَیْنَ الْمُدِلُّ بِسُلْطَانِہٖ	اپنی سلطنت پر ناز کرنے والے کہاں ہیں اور فخر کرنے
وَاَیْنَ الْمُزَکِّیْ اِذَا مَا فَتَخَرَ	والے پاکباز بننے والے کہاں ہیں۔

فرماتے ہیں ان کے درمیان سے آواز دی گئی جیسے میں سنتا تھا لیکن مجھے وہ شخص نظر نہیں آرہا تھا۔

فَخَابَرْنَا جَمِیْعًا فَمَا فَجَرٌ	وہ سب فنا ہو گئے اور کوئی خبر دینے والا نہیں اور وہ سب
وَمَاتُوْا جَمِیْعًا وَمَاتَ الْخَبَرُ	مر گئے، نیز خبر بھی مر گئی۔ صبح و شام کیڑے مکوڑے آتے ہیں
تَرُوْحُ وَتَغْدُوْ بَنَاتُ الثَّرٰی	اور ان صورتوں کے حسن کو تیار کرتے ہیں اے گذشتہ لوگوں
فَتَمْحُوْ مَحَاسِنَ تِلْکَ الصُّوَرِ	کے بارے میں پوچھنے والے! کیا جو کچھ تو نے دیکھا ہے اس
فَیَا سَائِلِیْ عَنْ اُنَاسٍ مَضَوْا	سے عبرت نہیں پکڑتا
اَمَا لَکَ فِیْمَا تَرٰی مُعْتَبَرٌ	

فرماتے ہیں میں وہاں سے روتا ہوا واپس لوٹا۔

فصل ۳

قبروں پر لکھے گئے چند قطعات

ایک قبر پر یہ لکھا ہوا پایا گیا۔

تُنَاجِیْکَ اَجْدَاثٌ وَھُنَّ صُمُوْتٌ	یہ خاموش قبریں تجھے اپنا حال سناتی ہیں کہ ان کے
وَکَانَّھَا تَحْتَ التُّرَابِ ذُنُوْتٌ	باشندے مٹی کے نیچے خاموش ہو گئے آخرت کے
اَیَا جَامِعَ الدُّنْیَا لِغَیْرِ بَلَاغِہٖ	علاوہ کے لیے دنیا کو جمع کرنے والے تو کس کے لیے
لِمَنْ تَجْمَعُ الدُّنْیَا وَاَنْتَ تَمُوْتُ	دنیا جمع کرتا ہے جبکہ تو مر جائے گا۔

ایک اور قبر پر اس طرح لکھا ہوا تھا۔

اَیَا غَانِمًا مَا ذَرَاکَ وَاسِعٌ	اے صاحب رمال اور وسیع صحن والے اور تیری
وَتَبْرِکَ مَعْمُوْرُ الْجَوَانِبِ مُحْکَمٌ	قبر ہر طرف سے آباد اور مضبوط ہے قبر والے کو قبر کی
وَمَا یَنْفَعُ الْمَقْبُوْرَ عِمْرَانُ قَبْرِہٖ	تعمیر کیا فائدہ دے گی، جبکہ اس میں اس کا جسم ختم ہو
اِذَا کَانَ فِیْہِ جِسْمُہٗ یَتَھَدَّمُ	جائے گا۔

marfat.com

حضرت ابن سماک فرماتے ہیں میں قبرستان سے گذرا تو ایک قبر پر لکھا ہوا تھا۔

يَمُرُّ اَقَارِبِيْ جَنَبَاتِ قَبْرِيْ
كَاَنَّ اَقَارِبِيْ لَمْ يَعْرِفُوْنِيْ
ذَوُوا لْمِيْرَاثِ يَقْتَسِمُوْنَ مَالِيْ
وَمَا يَأْلُوْنَ اَنْ جَدُّوْا دُيُوْنِيْ
وَقَدْ اَخَذُوْا سِهَامَهُمْ وَعَاشُوْا
نَيَا لِلّٰهِ مَا اَسْرَعَ مَا نَسُوْنِيْ

میرے رشتہ دار میری قبر سے گذرتے ہیں گویا وہ مجھے جانتے ہی نہیں۔ وارث میرے مال کو تقسیم کرتے ہیں لیکن میرے قرض کی ادائیگی سے انکار کیا۔ کوئی پرادہ نہیں کرتے انہوں نے اپنا اپنا حصہ لے لیا اور زندگی گذار رہے ہیں تو کتنی جلدی انہوں نے مجھے بھلا دیا۔

ایک اور قبر پر یوں لکھا ہوا پایا گیا۔

اِنَّ الْحَبِيْبَ مِنَ الْاَحْبَابِ يُخْتَلَسُ
لَا يَمْنَعُ الْمَوْتَ بَوَّابٌ وَلَا حَرَسٌ
فَكَيْفَ تَخْرُجُ بِالدُّنْيَا وَلَذَّتِهَا
يَا مَنْ يُعَدُّ عَلَيْهِ اللَّفْظُ وَالنَّفَسُ
اَصْبَحْتَ يَا غَافِلًا فِي النَّقْصِ مُنْغَمِسًا
وَاَنْتَ دَهْرُكَ فِي اللَّذَّاتِ مُنْغَمِسُ
لَا يَرْحَمُ الْمَوْتُ ذَا جَهْلٍ لِخَرَّتِهٖ
وَلَا الَّذِيْ كَانَ مِنْهُ الْعِلْمُ يُقْتَبَسُ
كَمْ اَخْرَسَ الْمَوْتُ فِيْ قَبْرٍ وَقَفْتُ بِهٖ
مِنَ الْجَوَابِ لِسَانًا مَا بِهٖ خَرَسٌ
قَدْ كَانَ قَصْرُكَ مَعْمُوْرًا لَهٗ شَرَفٌ
فَقَبْرُكَ الْيَوْمَ فِي الْاَجْدَاثِ مُنْدَرِسٌ

موت دوستوں میں سے ایک کو اچک لیتی ہے اور اور اسے کوئی دربان روک نہیں سکتا تو کس طرح دنیا اور اس کی لذت پر خوش ہوتا ہے جبکہ تیرے الفاظ اور سانس گنے جا چکے ہیں۔ اے غافل تیری زندگی کم ہوتی جا رہی ہے اور تو زندگی لذتوں سے غوطہ خوری کے اندر گزار رہا ہے موت کسی جاہل پر اس کی جہالت کی وجہ سے رحم نہیں کرتی اور نہ یہ دیکھتی ہے کہ اس عالم سے علم حاصل کیا جا رہا ہے موت نے کتنی ہی لوگوں کی زبانوں کو جواب دینے سے گونگا کر دیا۔ حالانکہ وہ گونگے نہ تھے تیرا محل آباد اور محترم تھا لیکن آج تیری قبر نئی قبروں میں پرانی قبر ہے۔

اور قبر پر اس طرح لکھا ہوا پایا گیا۔

وَقَفْتُ عَلَى الْاَحِبَّةِ حِيْنَ صَفَّتْ
قُبُوْرُهُمْ كَاَفْرَاسِ الرِّهَانِ
فَلَمَّا اَنْ بَكَيْتُ وَفَاضَ دَمْعِيْ
رَاَتْ عَيْنَايَ بَيْنَهُمْ مَكَانِيْ

میں دوستوں کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا جب ان کی قبریں دوڑنے والے گھوڑوں کی طرح ایک صف میں تھیں جب میں رویا اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے تو میں نے انہی میں اپنا مکان پایا۔

marfat.com

ایک طبیب کی قبر پر لکھا ہوا پایا گیا۔

قَدْ كُنْتُ لَمَّا قَالَ لِيْ قَائِلٌ
قَدْ صَارَ لُقْمَانُ إِلَى رَمْسِهٖ
فَأَيْنَ مَا يُوْصَفُ مِنْ طِبِّهٖ
وَحُذْقِهٖ فِي الْمَاءِ مَعَ جِسْمِهٖ
هَيْهَاتَ لَا يَرْفَعُ عَنْ غَيْرِهٖ
مَنْ كَانَ لَا يَرْفَعُ عَنْ نَفْسِهٖ

جب مجھے کسی کہنے والے نے بتایا کہ لقمان حکیم قبر میں چلے گئے تو میں نے کہا وہ طب میں مشہور تھا اس کی طب اور مہارت اس کے جسم کے ساتھ کہاں گئی، افسوس وہ شخص دوسرے سے موت کو کیسے دور کرے گا جو خود اپنے آپ سے موت کو دور نہیں کر سکا۔

ایک اور قبر پر یوں لکھا ہوا تھا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كَانَ أَمَلٌ
تَصَيَّدَنِيْ عَنْ بُلُوْغِهِ الْأَجَلُ
فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ رَجُلٌ
أَمَّلَ نَهْ فِيْ حَيَاتِهِ الْعَمَلُ
مَا أَنَا وَحْدِيْ نُقِلْتُ حَيْثُ تَرَى
كُلٌّ إِلَى مِثْلِهٖ سَيُنْتَقَلُ

لوگو! میرے دل میں ایک آرزو تھی جس کے راستے میں میری موت رکاوٹ بن گئی۔ اس شخص کو اللہ تعالیٰ سے جو اس کا رب ہے ڈرنا چاہیے جو دنیا میں عمل کر سکتا ہے۔ میں اکیلا ہی یہاں منتقل نہیں ہوا عنقریب سب کو یہاں آنا پڑے گا۔

تو قبروں پر یہ اشعار اس لیے لکھے کہ ان قبروں والوں نے موت سے پہلے عبرت پکڑنے میں کوتاہی کی اور عقلمند آدمی وہ ہوتا ہے جو دوسروں کی قبروں کو دیکھ کر ان کے درمیان اپنی جگہ دیکھتا ہے اور ان کے ساتھ ملنے کی تیاری کرتا ہے اور اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ جب تک وہ ان سے ملے گا نہیں وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے اور یہ بات جان لے کہ جن دنوں کو وہ ضائع کر رہا ہے اگر ان لوگوں کو ان میں سے ایک دن بھی مل جائے تو ان کے لیے تمام دنیا سے بہتر ہو کیونکہ ان لوگوں کو اعمال کی قدر معلوم ہو گی اور ان پر حقائق امور منکشف ہو گئے۔ اور انہیں زندگی کے ایک دن پر اس لیے افسوس ہے کہ کوتاہی کرنے والا اپنی کوتاہی کا ازالہ کر کے عذاب سے چھوٹ جائے اور توفیق والا مزید مرتبہ پائے اور اس کا ثواب بڑھ جائے، کیونکہ ان کو زندگی کے ختم ہونے کے بعد اس کی قدر معلوم ہوئی اس لیے اب وہ اس کی ایک ساعت پر بھی افسوس کرتے ہیں اور تم اس ساعت پر قادر ہو اور ہو سکتا ہے اس طرح کی گئی ساعتوں پر قادر ہو پھر تم ان کو ضائع کر رہے ہو اور تم دل میں یہ بات بٹھا لو کہ جب معاملہ ہاتھ سے نکل جائے گا تو تمہیں اس پر افسوس ہو گا، کہ ہائے ہم نے اپنے وقت سے اپنا حصہ جلدی کیوں نہ لیا۔

marfat.com

ایک بزرگ فرماتے ہیں، میرا ایک دینی بھائی تھا۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا میں نے کہا اے فلاں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ تو زندہ ہو گیا اس نے کہا اگر میں یہ کلمہ یعنی "الحمد اللہ رب العالمین" کہنے پر قادر ہوتا تو یہ بات مجھے دنیا اور جو اس کے اندر ہے ان سب سے زیادہ پسند ہوتی پھر کہا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب وہ تجھے دفن کر رہے تھے تو فلاں شخص نے اٹھ کر دو رکعتیں نماز پڑھی اگر میں اس وقت دو رکعتیں نماز پڑھ سکتا تو مجھے یہ بات دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سب سے زیادہ پسند ہوتی۔

فصل ۴

اولاد کی موت پر بزرگوں کے اقوال

جس شخص کا بیٹا مر جائے یا کوئی قریبی رشتہ دار فوت ہو تو یوں خیال کرے کہ وہ ایک منزل ہے جس کی طرف دونوں سفر کر رہے ہیں۔ لیکن اس کا بیٹا اپنے وطن میں ٹھکانے اور منزل پر پہلے پہنچ گیا (اور میں بعد میں پہنچوں گا) تو اس طرح اسے زیادہ افسوس نہیں ہو گا کیونکہ اسے یہ یقین ہو گا کہ وہ بھی جلد ہی اس سے جا ملے گا اور ان کے درمیان صرف چند دن آگے پیچھے ہونے کا مسئلہ ہے۔

موت کا بھی یہی معاملہ ہے اس کا مطلب وطن کی طرف جانا ہے۔ یہاں تک کہ پچھلا بھی اس سے جا ملتا ہے اس عقیدے کی وجہ سے پریشانی زیادہ نہیں ہوتی بالخصوص اولاد کے فوت ہونے پر جس ثواب کا وعدہ ہے اس سے ہر مصیبت زدہ کو تسلی ہو جاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

لَاَنْ اُقَدِّمَ سَقْطًا اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُخَلِّفَ مِائَۃَ فَارِسٍ کُلُّھُمْ یُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ [1]

اگر میں پیٹ سے گرا ہوا بچہ آگے بھیجوں تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ اپنے پیچھے ایک سو سوار چھوڑوں وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑیں۔

---

[1] سنن ابن ماجہ ص ۱۱۶، ابواب الجنائز۔

marfat.com

آپ نے گرنے والے بچے کا ذکر اس لیے فرمایا کہ اونٹ سے اعلیٰ پر تنبیہ ہو جائے ورنہ ثواب اس قدر ہوتا ہے
ں قدر دل میں بچے کے جگہ ہوتی ہے۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک صاحبزادے کا انتقال ہو گیا تو آپ
دبہت دکھ ہوا آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کے ہاں اس کی کیا قدر تھی۔ آپ نے فرمایا سونے سے بھری ہوئی زمین
ہا گیا کہ آپ کو اس کی مثل آج آخرت میں ملے گی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يَمُوْتُ لِاَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ فَيَحْتَسِبُهُمْ اِلَّا كَانُوْا لَهٗ جَنَّةً مِّنَ النَّارِ۔

کسی مسلمان کے تین بچے مر جائیں اور وہ (صبر کے ذریعے) ثواب طلب کرے تو وہ (بچے) اس کے لیے جہنم سے ڈھال بنیں گے۔

ایک خاتون جو آپ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، انہوں نے پوچھا یا دسہوں ؟ فرمایا (ہاں) یا دسہوں [1] والد کو چاہیے کہ بیٹے کی وفات کے وقت اس کے لیے خالص دعا کرے کیونکہ یہ دعا زیادہ امید والی اور قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔۔۔۔ حضرت محمد بن سلیمان رحمۃ اللہ اپنے صاحبزادے کی قبر پر کھڑے ہوئے اور دعا مانگی یا اللہ! میں تجھ سے اس کے لیے امید رکھتا ہوں اور اس کے بارے میں تجھ سے ڈرتا ہوں پس تو میری امید کو ثابت کر دے اور میرے خوف سے مجھے مامون رکھ۔

حضرت ابو سنان رحمۃ اللہ اپنے بیٹے کی قبر پر کھڑے ہوئے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ! میرے جو حقوق اس پر واجب تھے میں نے اس کے لیے بخش دیئے، تیرے جو حقوق اس کے ذمہ تھے یا اللہ تعالیٰ تو بھی بخش دے تو زیادہ جود و سخا اور کرم والا ہے۔

ایک اعرابی اپنے بیٹے کی قبر پر کھڑا ہوا اور کہا یا اللہ! اس نے میرے ساتھ حسن سلوک میں جو کوتاہی کی ہے میں نے اسے معاف کر دیا یا اللہ تو بھی اپنی اطاعت کے سلسلے میں اس کی کوتاہی کو معاف کر دے۔

جب حضرت ذر بن عمر بن ذر رحمۃ اللہ کا انتقال ہوا تو ان کے والد حضرت عمر بن ذر نے ان کی قبر میں رکھنے کے بعد فرمایا۔ ہمیں تمہارے بارے میں اس قدر خوف ہے کہ ہم تجھ پر غم کرنا ہی بھول گئے معلوم نہیں تجھ سے کیا سوال ہوا اور تو نے

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۷۸ مرویات ابو ہریرہ

marfat.com

کیا جواب دیا پھر دعا کی یا اللہ! یہ ذرہے! اس سے تو نے مجھے نفع دیا جو دیا اور تو نے اس کی زندگی اور رزق کو پورا کر دیا اور تو نے اس پر ظلم نہیں کیا یا اللہ! تو نے اس پر اپنی اور میری فرمانبرداری لازم کی تھی یا اللہ تو نے اس مصیبت پر جو ثواب مجھے دینا کیا ہے وہ میں نے اسے ہدیہ کر دیا تو اس کا عذاب مجھے دے دے اور اس کو عذاب نہ دینا، یہ سن کر لوگ رو پڑے پھر جب واپس ہونے لگے تو فرمایا اے ذرا تمہارے بعد اب ہمیں کوئی حاجت نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی انسان کی ضرورت نہیں،

ایک شخص نے بصرہ میں ایک عورت کی طرف دیکھا تو کہا اس جیسی تنگی میں نے نہیں دیکھی معلوم ہوتا ہے کہ اسے رنج کم ہے اس نے کہا اے بندہ خدا! میں ایسے غم میں ہوں جس میں میرے ساتھ کوئی شریک نہیں اس نے پوچھا وہ کیسے؟ اس عورت نے جواب دیا میرے خاوند نے عید الاضحیٰ کے دن ایک بکری ذبح کی اور میرے دو خوبصورت بچے تھے جو کھیل رہے تھے ان میں سے بڑے نے کہا کیا میں تمہیں نہ بتاؤں ابا جان نے بکری کس طرح ذبح کی ہے؟ اس نے کہا ہاں بتاؤ۔ چنانچہ اس نے اسے پکڑ کر ذبح کر دیا اور ہمیں اس وقت پتا چلا جب وہ خون میں لت پت تھا جب چیخ و پکار ہوئی تو وہ لڑکا بھاگ کھڑا ہوا اور اس نے ایک پہاڑ میں پناہ لے لی وہاں ایک بھیڑیا تھا اس نے اسے کھا لیا باپ اس کو ڈھونڈنے نکلا تو سخت گرمی میں پیاس کی شدت سے گر گیا تو گردش زمانہ نے مجھے اس طرح چھوڑ دیا تو موت کے وقت اس قسم کے مصائب کی مثالیں ذکر کرنی چاہئیں تاکہ ان کو سن کر سخت پریشانی سے تسلی ہو جائے کیونکہ ہر مصیبت کا تصور ہو سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اسے ہر حال میں دور فرماتا ہے۔

فصل ۴

زیارت قبور

میت کے لیے دُعا اور دیگر باتیں

موت کو یاد کرنے اور عبرت حاصل کرنے کے لیے عام قبروں کی زیارت مستحب ہے اور نیک لوگوں کی قبروں سے عبرت کے ساتھ ساتھ برکت حاصل کرنے کی خاطر ان کی زیارت مستحب ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے

marfat.com

ن قبور سے منع فرمایا اس کے بعد اجازت دے دی (۱)

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُرَقِّكُمُ الْاٰخِرَةَ وَنَهَيْتُكُمْ اَنْ لَّا تَقُوْلُوْا هُجْرًا ۲

میں تمہیں زیارت قبور سے منع کرتا تھا پس اب تم زیارت کر سکتے ہو یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں لیکن کوئی بیجا کلمہ نہ کہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہزار مسلح افراد کے ہمراہ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی اور اس دن جس قدر لوگ روئے ہیں اس قدر کبھی نہیں دیکھے گئے (۳) اسی دن آپ نے ارشاد فرمایا۔

اُذِنَ لِیْ فِی الزِّیَارَةِ وَدُوْنَ اِلَّا سْتَغْفَارِ۔ (۴)

مجھے زیارت کی اجازت دی گئی لیکن بخشش مانگنے کی اجازت نہ ملی۔

یہ حدیث ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قبرستان کی طرف سے تشریف لائیں میں نے عرض کیا ام المومنین! کہاں سے تشریف لا رہی ہیں؟ فرمایا اپنے بھائی حضرت عبدالرحمن رضی اللہ کی قبر سے آ رہی ہوں میں نے پوچھا کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا؟ فرمایا ہاں (منع فرمایا) پھر اس کی اجازت دے دی۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے عورتوں کو قبرستان میں جانے کی اجازت دینا مناسب نہیں کیونکہ وہ ں کے ساتھ بہت ناشائستہ گفتگو کرتی ہیں تو زیارت قبور سے حاصل ہونے والی بھلائی اس شر سے کم ہے نیز وہ راستے بے پردا ہونے اور زینت کے اظہار سے بھی باز نہیں آتیں اور یہ بڑے گناہ ہیں جبکہ زیارت سنت ہے تو اس ر کے لیے اتنے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیسے جائز ہوگا

ہاں اگر عورت عام کپڑوں میں جائے کہ لوگ اس کی طرف نہ دیکھیں اور قبر پر جا کر صرف دعا کرے وہاں باتیں ے تو ٹھیک ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

المستدرک للحاکم جلد اول ص ۳۷۴ کتاب الجنائز

" " " ۳۷۶ "

" " " " "

" " " " "

marfat.com

قبور کی زیارت روز آخرت کی یاد دلاتی ہے، مردوں کو غسل دو کہ روح سے خالی جسم کی درستگی اور تدبیر بہت بڑی نعمت ہے اور نماز جنازہ پڑھو شاید تمہارے دل میں غم پیدا ہو کیونکہ غم کھانے والا آدمی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں ہوگا۔

حضرت ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

زُوْرُوْا مَوْتَاكُمْ وَسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ فَاِنَّ لَكُمْ فِيْهِمْ عِبْرَةً [۲]

اپنے فوت شدہ لوگوں کی زیارت کرو اور ان پر سلام پیش کرو اس میں تمہارے لیے عبرت ہے۔

حضرت نافع رحمۃ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب قبر کے پاس سے گزرے وہاں کھڑے ہو کر سلام کہتے۔

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت خاتون جنت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کرتیں وہاں نماز پڑھتیں اور روتی تھیں۔

نوٹ۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے اور آپ کے چچا بھی اور رضاعی بھائی ہونے کے حوالے سے ان کو حضرت خاتون جنت کا چچا قرار دیا گیا۔ ۱۲ ہزاروی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَيْهِ اَوْ اَحَدِهِمَا فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ غُفِرَ لَهٗ وَكُتِبَ بَرًّا [۳]

جو شخص ہر جمعہ کے دن (یا ہفتے میں ایک دن) اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے اس کو بخش دیا جاتا ہے اور اسے نیکوکار لکھ دیا جاتا ہے۔

حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ایک شخص کے ماں باپ مر جاتے ہیں اور وہ ان کا نافرمان ہوتا ہے پس وہ ان کے لیے ان کے مرنے کے بعد دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو (ماں باپ سے) اچھا سلوک کرنے والوں میں لکھ دیتا ہے [۴]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ زَارَ قَبْرِيْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ [۵]

جس نے میری قبر مبارک کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۳۷۷ کتاب الجنائز

(۲) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۲ ص ۲۹۴ حدیث ۳۳۴۱

(۳) مجمع الزوائد جلد ۳ ص ۵۹ کتاب الجنائز

(۴) الدر المنثور جلد ۴ ص ۱۷۴ تحت آیت واخفض لھما جناح الذل

(۵) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۲ کتاب الحج

marfat.com

ل اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنْ زَارَنِیْ فِی الْمَدِیْنَةِ مُحْتَسِبًا کُنْتُ لَهٗ شَفِیْعًا وَّشَهِیْدًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ[1]

جس شخص نے ثواب کی نیت سے مدینہ طیبہ میں میری زیارت کی میں قیامت کے دن اس کے لیے سفارش کرنے والا اور گواہ ہوں گا۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر صبح ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف انپ لیتے ہیں وہ اپنے پروں کو ہلاتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے ہیں یہاں تک کہ جب ہوتی ہے تو وہ اوپر چلے جاتے ہیں اور ان کی مثل دوسرے فرشتے اترتے ہیں اور وہ بھی اسی طرح کرتے ہیں یہاں ہ جب زمین پھٹے گی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ستر ہزار فرشتوں کے جلوس میں باہر تشریف لائیں گے اور وہ ی تعظیم کریں گے۔

زیارتِ قبور کا طریقہ

زیارت قبور کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو اور اپنا منہ میت کی طرف کرے اور سلام کہے نہ قبر کو ہاتھ لگائے ں پر ہاتھ ملے اور نہ بوسہ دے کیونکہ یہ یہودیوں کا طریقہ ہے۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو ایک یا اس سے زیادہ بار دیکھا کہ مزار شریف ضر ہوتے اور فرماتے "السلام علی نبی، السلام علی ابی بکر علی ابی" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر م اور میرے ابا جان (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر سلام اور پھر واپس چلے جاتے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ نبی اکرم صلی اللہ رسلم کی قبر شریف پر حاضر ہو کر کھڑے ہوئے اور ہاتھوں کو اٹھایا حتی کہ میں نے گمان کیا کہ آپ نے نماز شروع کی ہے نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا اور واپس چلے گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ رَجُلٍ یَزُوْرُ قَبْرَ اَخِیْهِ وَیَجْلِسُ عِنْدَهٗ اِلَّا اِسْتَاْنَسَ بِهٖ وَرَدَّ عَلَیْهِ حَتّٰی یَقُوْمَ[2]

جو شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرتا اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو وہ (قبر والا) اس سے مانوس ہوتا اور سلام کا جواب دیتا ہے جب تک وہ نہ اٹھے۔

---

[1] کنز العمال جلد ۱۵ ص ۶۵۲ حدیث ۴۲۵۸۴

[2] الحاوی للفتاوی جلد ۲ ص ۱۷۰، احوال برزخ۔

marfat.com

حضرت سلیمان بن سحیم رحمتہ اللہ فرماتے ہیں میں نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو عرض کیا یارسول یہ لوگ آپ کے پاس حاضر ہو کر سلام عرض کرتے ہیں۔ کیا آپ کو ان کے سلام کی سمجھ آتی ہے آپ نے فرمایا ہاں اور میں ان کو جواب بھی دیتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کی قبر کے پاس سے گزرے جسے وہ پہچانتا ہو پس سلام کہے وہ اسے جواب دیتا ہے اور پہچان لیتا ہے جب کسی ناواقف کی قبر سے گزرے اور سلام کہے تو وہ سلام کا جواب دیتا ہے۔

حضرت عاصم جحدری کی اولاد میں سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عاصم کو ان کے وصال کے دو سال بعد خواب میں دیکھا۔ تو میں نے پوچھا کیا آپ کا انتقال نہیں ہوا تھا؟ فرمایا ہاں ہو گیا تھا۔ میں نے پوچھا آپ کہاں ہیں انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم! میں جنت کے باغات میں سے ایک باغ میں ہوں میں اور میرے کچھ دوست ہر جمعہ کی رات اور صبح حضرت ابوبکر بن عبداللہ مزنی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس اکٹھے ہوتے ہیں، اور تمہاری خبریں سنتے ہیں میں نے کہا تمہارے جسم یا تمہاری روحیں جس پر انہوں نے فرمایا جسم تو پرانے ہو جاتے ہیں روحوں کی ملاقات ہوتی ہے۔ راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا کیا تمہیں علم ہوتا ہے۔ کہ ہم تمہاری زیارت کرتے ہیں؟ فرمایا ہاں ہمیں جمعہ کی رات اور جمعہ کے پورے دن اور ہفتہ کے دن سورج کے طلوع ہونے تک تمہاری زیارت کرنے کا علم ہوتا ہے میں نے کہا دوسرے دنوں میں کیوں پتہ نہیں ہوتا۔ فرمایا اس لیے کہ جمعہ کے دن کو فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت محمد بن واسع رحمتہ اللہ جمعہ کے دن زیارت قبور کے لیے جاتے ان سے کہا گیا اگر آپ اتوار تک مؤخر کیا کریں تو کیا حرج ہے انہوں نے فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ فوت شدہ لوگ جمعہ کے دن، اس سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد میت اپنی زیارت کرنے والوں کو جانتے ہیں۔ حضرت ضحاک رحمتہ اللہ نے فرمایا جو شخص ہفتہ کے دن سورج طلوع ہونے سے پہلے کسی قبر کی زیارت کرے تو میت کو اس کے زیارت کرنے کا علم ہو جاتا ہے، پوچھا گیا ایسا کس طرح کیوں ہوتا ہے؟ فرمایا جمعۃ المبارک کی عظمت کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔

حضرت بشر منصور رحمتہ اللہ فرماتے ہیں جب طاعون کا زمانہ تھا تو ایک شخص قبرستان میں آتا جاتا اور نماز جنازہ میں شریک ہوتا، جب شام کا وقت ہوتا تو وہ قبرستان کے دروازے پر کھڑا ہو جاتا اور کہتا اللہ تعالیٰ تمہاری وحشت کو انس میں بدل دے تمہاری اجنبیت پر رحم فرمائے۔ تمہارے گناہوں کو معاف کرے اور تمہاری نیکیوں کو قبول کرے — وہ ان کلمات میں اضافہ نہ کرتا وہ شخص کہتا ہے ایک رات میں قبرستان میں نہ گیا اور گھر والوں کی طرف لوٹ آیا میں نے معمول کے مطابق دعا بھی نہ کی اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا، بہت سے لوگ میرے پاس آئے میں نے پوچھا تم کون ہو؟ اور تمہیں کیا کام ہے؟ انہوں نے کہا ہم قبرستان والے ہیں میں نے پوچھا تم یہاں کیوں آئے ہو؟ انہوں

marfat.com

ہاتم نے عادت بنائی تھی کہ گھر کو واپس جاتے وقت ہمیں تحفہ دیتے تھے میں نے پوچھا وہ کیا؟ انہوں نے کہا
عائیں جو تم ہمارے لیے مانگتے تھے میں نے کہا آئندہ میں دعا کیا کروں گا اور اسے ترک نہیں کروں گا۔
حضرت لبشار بن غالب بخرانی رحمتہ اللہ نے فرمایا میں نے حضرت رابعہ عدویہ عابدہ کو خواب میں دیکھا اور میں
کے لیے اکثر دعا کیا کرتا تھا۔ انہوں نے مجھے کہا اے لبشار بن غالب! آپ کے تحائف نور کے تھالوں میں
رے پاس آتے ہیں، جو ریشم کے رومالوں سے ڈھانپے ہوئے ہوتے ہیں میں نے کہا ان تحائف کی کیا کیفیت
، حضرت رابعہ نے فرمایا زندہ مدفون کی فوت شدہ مسلمانوں کے لیے دعا اسی طرح ہوتی ہے وہ قبول ہوتی ہے
ور کے تھالوں میں ریشمی رومالوں سے ڈھانپ کر میت کو دے دی جاتی ہے۔ اور اسے کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں شخص
ہے، جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَا الْمَيِّتُ فِيْ قَبْرِهٖ اِلَّا كَالْغَرِيْقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِيْقٍ لَهٗ فَاِذَا لَحِقَتْهُ كَانَتْ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَاِنَّ هَدَايَا الْاَحْيَاءِ لِلْاَمْوَاتِ الدُّعَاءُ وَالْاِسْتِغْفَارُ۔[1]

قبر میں میت اس ڈوبنے والے شخص کی طرح ہوتا ہے جو مدد طلب کرتا ہے اور دعا کا منتظر رہتا ہے جو اس کے اپنے باپ یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچتی ہے جب دعا اس کو پہنچتی ہے تو اس کے لیے یہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اسے زیادہ پسند ہوتی ہے اور فوت شدہ لوگوں کے لیے زندوں کی طرف سے تحائف دعا اور طلب بخشش ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں میرا بھائی فوت ہو گیا۔ تو میں نے اسے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ جب تمہیں قبر میں رکھا گیا
س کے بعد تیرا کیا حال ہوا؟ اس نے کہا ایک آنے والا آگ کا ایک شعلہ لے کر آیا اگر ایک دعا کرنے والا دعا نہ کرتا
تینا وہ مجھے مارتا۔

اس سے ثابت ہوا کہ میت کو دفن کرنے کے بعد اس کے لیے تلقین کرنا اور دعا مانگنا مستحب ہے حضرت سعید
عبداللہ ازدی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں، حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ حالت نزع میں تھے، کہ میں بھی وہاں حاضر ہوا۔
ں نے فرمایا اے ابو سعید جب میں مر جاؤں تو میرے ساتھ وہ معاملہ کرنا جس کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا
آپ نے فرمایا۔

جب تم میں سے کوئی ایک شخص انتقال کرتا ہے۔ پس تم (اس کی) قبر پر مٹی برابر کر دیتے ہو تو چاہیے کہ ایک شخص
ں کی قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر کہے اے فلاں عورت کے بیٹے فلاں (میت اور اس کی ماں کا نام لے) کیونکہ وہ

---

[1] مشکوۃ الصابیح ص ۲۰۶ باب الاستغفار والتوبۃ

marfat.com

سنتا ہے لیکن جواب نہیں دے سکتا پھر دوبارہ کہے اے فلاں عورت کے بیٹے فلاں! وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جاتا ہے، پھر تیسری مرتبہ کہے اے فلاں عورت کے بیٹے فلاں! وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے ہماری رہنمائی کرو لیکن تم اس کی بات سن نہیں سکتے اب (تلقین کرنے والا) کہے، اس بات کو یاد کر جس پر تو دنیا سے رخصت ہوا اور وہ اس بات کی شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے اور قرآن کے امام ہونے پر راضی ہوا... (اگر یہ کلمات کہے جائیں تو) منکر نکیر پیچھے ہٹ جائیں گے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے کہتا ہے چلو اس شخص کے پاس بیٹھنے کا کیا فائدہ اسے اس کی حجت سکھا دی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف سے منکر نکیر کو جواب دیتا ہے۔ (۱)

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر اس شخص کو اس کی ماں کا نام نہ آتا ہو تو کیا کرے؟ فرمایا اسے حضرت حوا علیہا السلام کی طرف منسوب کرے۔

قبروں کے پاس قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں حضرت موسیٰ حداد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے فرماتے ہیں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ ایک جنازے میں شریک ہوا اور حضرت محمد بن قدامہ جوہری رحمۃ اللہ بھی ہمارے ساتھ تھے، جب میت کو دفن کر دیا گیا تو ایک نابینا شخص نے قبر کے پاس قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا حضرت امام احمد رحمۃ اللہ نے اس سے فرمایا اے فلاں! قبر کے پاس قرآن پاک پڑھنا بدعت ہے، جب ہم قبرستان سے باہر نکلے تو حضرت محمد بن قدامہ نے حضرت امام احمد بن حنبل (رحمۃ اللہ) سے عرض کیا اے ابو عبداللہ! مبشر بن اسماعیل حلبی کے بارے میں آپ کا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا وہ قابل اعتماد شخصیت ہیں پوچھا کیا آپ نے ان سے کچھ نقل کیا ہے فرمایا ہاں حضرت محمد بن قدامہ نے عرض کیا مجھے حضرت مبشر بن اسماعیل رحمۃ اللہ نے حضرت عبدالرحمن بن علاء بن لجلاج رحمۃ اللہ سے خبر دی ہے، وہ اپنے والد (علاء بن لجلاج) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے وصیت فرمائی کہ جب ان کو دفن کر دیا جائے تو ان کے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات (وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ) اور سورت کے آخر سے (لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ آخر تک) پڑھا جائے۔ اور انہوں نے (حضرت علاء) فرمایا۔ میں نے یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے آپ نے اس بات کی یہ وصیت فرمائی ہے۔ حضرت امام احمد نے فرمایا چلو اس شخص کے پاس واپس جاؤ اور کہو کہ وہ قرآن پاک پڑھے۔ (۲)

حضرت محمد بن احمد مروزی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم قبرستان میں داخل ہو تو سورہ فاتحہ، معوذتین (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) اور قل ہو اللہ

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۶۰۴، ۶۰۵ حدیث ۴۲۴۰۵

(۲) المغنی لابن قدامہ جلد ۲ ص ۵۶۷

marfat.com

پڑھ کر تمام اہل قبور کو ایصال ثواب کر دیہ ثواب ان تک پہنچتا ہے۔

حضرت ابو قلابہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں شام میں بصرہ کی طرف گیا اور ایک خندق میں اترا اور وضو کر کے رات کے وقت دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا جب بیدار ہوا تو صاحب قبر نے مجھ سے شکوہ کیا کہ آپ نے رات بھر مجھے تکلیف پہنچائی پھر کہنے لگا تم لوگ نہیں جانتے ہم جانتے ہیں لیکن عمل پر طاقت نہیں رکھتے۔ پھر کہنے لگا تم نے جو دو رکعتیں پڑھی ہیں یہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہیں۔ یہ بھی کہا گیا اللہ تعالیٰ تم دنیا والوں کو ہماری طرف سے بہتر بدلہ عطا کرے ان سب کو میرا سلام کہنا ان کی دعائیں ہمارے پاس نور کے پہاڑ بن کر آتی ہیں۔

پس زیارت قبور کا مقصد یہ ہے کہ زیارت کرنے والا عبرت حاصل کرے اور صاحب قبر کو اس کی دعا سے نفع حاصل ہو لہذا قبرستان میں جانے والے کو اپنے اور میت کے لیے دعا مانگنے نیز عبرت حاصل کرنے سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔

اور عبرت حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ دل میں میت کا تصور لائے، کہ کس طرح اس کے اجزاء بکھر گئے اور کس طرح وہ قبر سے اٹھایا جائے گا نیز یہ کہ میں بھی عنقریب اس سے جا ملوں گا۔

جس طرح حضرت مطرف بن ابوبکر ہذلی رحمتہ اللہ سے مروی فرماتے ہیں کہ عبدالقیس کے ہاں ایک عبادت گزار لونڈی تھی، جب رات کا وقت ہوتا تو وہ کمر بستہ ہو کر محراب میں کھڑی ہو جاتی اور جب دن ہوتا تو وہ قبرستان کی طرف چلی جاتی مجھے معلوم ہوا کہ قبرستان میں زیادہ جانے پر اسے جھڑکا گیا تو اس نے کہا جب سخت دل جفا کرتا ہے تو اسے یہ پرانے کھنڈرات ملائم کرتے ہیں اور میں قبرستان میں آتی ہوں تو دیکھتی ہوں گویا وہ ان قبروں کی تہوں میں سے نکلے ہیں اور میں دیکھتی ہوں کہ ان کے چہرے گرد آلود ہیں اور جسم بدلے ہوئے ہیں ان کی پلکوں کو دیکھتی ہوں جو بھورے رنگ کی ہیں۔

تو ایسی نظر کا کیا کہنا اگر ایسی نظر بندوں کے دلوں میں جم جائے تو لغظوں پر اس کی تلخی کا کوئی اثر نہ ہو اور نہ اس کے پیٹے کا جسموں پر کوئی اثر ہو، بلکہ مناسب یہ ہے کہ میت کی صورت کو اس طرح سامنے رکھے جس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ نے ذکر کیا جب آپ کے پاس ایک فقیہا مام اور اس نے دیکھا کہ کثرت عبادت کی وجہ سے آپ کی صورت میں تبدیلی آگئی ہیں تو آپ نے کہا اے فلاں! اگر تم مجھے قبر میں دفن ہونے کے تین دن بعد دیکھو تو صورت یہ ہوگی کہ آنکھوں کے پپوٹے باہر نکل کر رخساروں پر ہوں گے، ہونٹ دانتوں سے سکڑ جائیں گے منہ سے پیپ نکل رہی ہو گی اور منہ کھلا ہوگا پیٹ پھول کر سینے کے اوپر آجائے گا اور پیٹھ۔ پاخانے کے راستے سے نکلے گی اور ناک کے نتھنوں سے کیڑے اور پیپ نکل رہی ہوگی (اگر تم یہ صورت دیکھو) تو جو کچھ اب دیکھ رہے ہو اس سے زیادہ تعجب خیز منظر ہوگا۔

marfat.com

میت کی تعریف کرنا اور اچھی فضلیتیں بیان کرنا مستحب ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا مَاتَ صَاحِبُکُمْ فَدَعُوْہُ وَلَا تَقَعُوْا فِیْہِ[1]

جب تمہارا کوئی ساتھی مر جائے تو اس کا ذکر چھوڑ دو اور اس کی برائیاں بیان نہ کرو۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَاتَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَاِنَّھُمْ قَدْ اَفْضَوْا اِلٰی مَا قَدَّمُوْا۔[2]

مردوں کو گالی نہ دو وہ اپنے عمل تک پہنچ گئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَذْکُرُوْا مَوْتَاکُمْ اِلَّا بِخَیْرٍ فَاِنَّھُمْ یَکُوْنُوْا مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ نَاحُمُوْا وَاِنْ یَکُوْنُوْا مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَحَسْبُھُمْ مَا ھُمْ فِیْہِ[3]

اپنے فوت شدہ لوگوں کا ذکر اچھی طرح کرو اگر وہ اہل جنت میں سے ہے تو برائی بیان کرنے کا گناہ تم پر ہوگا اور اگر وہ جہنمیوں میں سے ہیں تو وہی انہیں کافی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو صحابہ کرام نے اس کی برائی بیان کی آپ نے فرمایا۔ واجب ہوگئی۔ پھر ایک اور جنازہ گزرا تو انہوں نے اس کی تعریف کی آپ نے فرمایا واجب ہوگئی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس سلسلہ میں استفسار کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تم لوگوں نے اس میت کے لیے اچھے کلمات کہے تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور اس کی برائی بیان کی تو اس کے لیے جہنم واجب ہوگی۔ اور تم زمین، میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے گواہ ہو۔ ۳ (یا تو یہ خاص ان کے ساتھ خاص اور حضور علیہ السلام کو وحی کے ذریعے معلوم ہوگیا، یا ترغیب کے طور پر فرمایا کہ فوت شدہ لوگوں کے بارے میں اچھے کلمات کہا کرو اور برے کلمات سے بچو ۱۲ ہزاروی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ایک بندہ مر جاتا ہے اور لوگ اس کا وہ حال بیان کرتے ہیں جو اس میں نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے میں تمہیں گواہ بناتا ہوں میں نے اپنے اس بندے کے حق میں دوسرے بندوں کی گواہی قبول کی اور جو

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۱۵ کتاب الادب

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۴ کتاب الرقاق

(۳) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۶۸۰ حدیث ۴۲۷۱۲

(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۶۰ کتاب الشہادات۔

marfat.com

کچھ اس کے بارے میں میرے علم میں ہے میں نے معاف کردیا۔ (۱)

ساتواں باب

موت کی حقیقت اور صور پھونکنے تک میت پر کیا گزرتی ہے

فصل ۱

موت کی حقیقت

جان لو کہ حقیقتِ موت کے بارے میں کچھ لوگ جھوٹے خیالات رکھتے ہیں، بعض کا خیال ہے کہ موت بالکل مٹ جانے کا نام ہے اس لیے نہ تو قیامت کے دن اٹھنا اور جمع ہونا ہوگا اور نہ ہی نیک و بد کا کوئی انجام ہوگا اور انسان کی موت، حیوان کی موت اور سبزیوں کے خشک ہونے کی طرح ہے یہ بے دین (ملحدین) کی رائے ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کا عقیدہ ہے،

اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موت سے آدمی مٹ جاتا ہے اور جب تک قبر میں ہے اسے نہ تو عذاب کی تکلیف ہوتی ہے اور نہ ہی ثواب کی وجہ سے راحت ملتی ہے، جب تک قیامت کے دن دوبارہ پیدا نہ ہو جائے،

کچھ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ روح باقی رہتی ہے موت کی وجہ سے ختم نہیں ہوتی اور خواب و عذاب کا تعلق روح کے ساتھ ہی جسم کے ساتھ نہیں اور اجسام بالکل اٹھائے نہیں جائیں گے

یہ تمام خیال فاسد ہیں اور حق سے ہٹے ہوئے ہیں بلکہ جو بات اعتبار کے لائق ہے اور آیات اور حدیث سے ثابت ہے وہ یہ کہ موت فقط حالت کی تبدیلی کا نام ہے اور جسم سے جدا ہونے کے بعد بھی روح باقی رہتی ہے اب یا تو اسے عذاب ہوتا ہے یا راحت و آرام پاتی ہے۔ اور جسم سے اس کی جدائی کا مطلب یہ ہے کہ اب جسم پر اس کا تصرف نہیں ہوتا یعنی جسم اس کی فرمانبرداری نہیں کرتا کیونکہ اعضاء روح کے آلات ہیں جن کو روح استعمال کرتی ہے، حتیٰ کہ وہ ہاتھ سے پکڑتی ہے، کان سے سنتی ہے، آنکھ سے دیکھتی ہے اور دل سے حقیقت اشیاء کو معلوم کرتی ہے۔ اور دل سے یہاں روح مراد ہے اور روح کسی آلے کے بغیر خود بخود اشیاء کو جانتی ہے یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات اسے ذاتی طور پر طرح طرح کے غموں اور دکھوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور مختلف قسم کی خوشیوں سے لذت محسوس کرتی ہے اور ان تمام باتوں کا اعضاء سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور روح جن چیزوں سے معروف ہوتی ہے موت کے بعد بھی وہ روح کے ساتھ باقی رہتی ہیں اور جن چیزوں کا روح کے ساتھ تعلق اعضاء کے واسطے سے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۸۴ مرویات ابو حریرہ۔

marfat.com

ہوتا ہے وہ کام جسمانی موت سے معطل ہو جاتے ہیں جب تک روح کو جسم میں دوبارہ لوٹایا نہ جائے اور قبر میں روح کو جسم میں دوبارہ لوٹانا کوئی بعید بات نہیں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت تک دوبارہ یہ تعلق پیدا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کسی بندے کے بارے میں جو فیصلہ کرتا ہے وہ اسے خوب جانتا ہے۔

موت کی وجہ سے جسم کا معطل ہونا اسی طرح ہے جیسے اپاہج آدمی کے اعضاء مزاج کے فساد کی وجہ سے معطل ہو جاتے ہیں یا اعصاب میں شدت واقع ہونے کی وجہ سے ان میں روح کا نفوذ نہیں ہوتا۔ اس صورت میں روح جاننے والی، ادراک کرنے والی اور سمجھنے والی ہوتی ہے اور بعض اعضاء کو استعمال کرتی ہے لیکن بعض اعضا اس کے نافرمان ہوتے ہیں اور موت تمام اعضاء کے نافرمان ہونے کا نام ہے۔ اور یہ تمام آلات ہیں جن کو روح استعمال کرتی ہے۔

اور روح سے مراد وہ قوت ہے جو انسان میں علوم، غموں کی تکلیف اور خوشبو کی لذت معلوم ہوتی ہے اور جب اعضاء میں اس کا تصرف باعمل ہوتا ہے تو اس سے علوم و ادراکات باطل نہیں ہوتے اور نہ غم اور خوشی باطل ہوتی ہے اسی طرح تکلیفوں اور لذتوں کا احساس و قبولیت بھی باطل نہیں ہوتی حقیقت میں انسان وہی چیز ہے جو علوم، تکالیف اور لذتوں کا ادراک کرنے والی قوت ہے اور اس کے لیے موت نہیں ہے یعنی وہ معنیٰ ختم نہیں ہوتا اور موت کا معنی اس کا بدن میں تصرف نہ کرنا اور بدن کا اس کے لیے بطور آلہ باقی نہ رہنا ہے جس طرح اپاہج ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ اب استعمال ہونے والا آلہ نہیں اور موت تمام اعضاء کا مطلقاً اپاہج ہونا ہے اور انسان کی حقیقت اس کا نفس اور روح ہے، جو باقی رہتی ہے۔

رُوح انسانی میں تغیر

البتہ روح انسانی میں دو طرح تبدیلی آتی ہے۔

(۱) اس سے اس کی آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں اور تمام اعضاء اس سے سلب ہو جاتے ہیں نیز اس سے اس کے گھر والے، اولاد، رشتہ دار اور تمام جان پہچان والے دور کر دیئے جاتے ہیں، اس کے گھوڑے، جانور، غلام، مکانات، زمینیں اور تمام املاک لے لی جاتی ہے اور اس سے فرق نہیں پڑتا کہ انسان سے یہ چیزیں لی جائیں یا انسان کو ان چیزوں سے دور کر دیا جائے۔ تکلیف دہ چیز تو جدائی ہے اور جدائی بعض اوقات اسطرح حاصل ہوتی ہے کہ آدمی کا مال لے لیا جاتا ہے اور کبھی آدمی کو اس سے الگ تھلگ قید کر دیا جاتا ہے دونوں صورتوں میں تکلیف یکساں ہوتی ہے۔

موت کا معنیٰ انسان کو اس کے مال سے الگ تھلگ اور دور کر کے دوسرے عالم میں پہنچا دینا ہے جو اس عالم جیسا نہیں ہے اب اگر دنیا میں اس کے پاس کچھ تھا اور وہ اس سے مانوس تھا اور اس کے ذریعے راحت حاصل کرتا

کرتا ہے اور اس کو شمار کرتا تھا۔ تو موت کے بعد اس کا بہت زیادہ افسوس ہوتا ہے اور اس کی جدائی سے اسے بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ بلکہ اس کا دل ایک ایک چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے، وہ مال ہو، عزت ہو، یا زمین ہو، حتی کہ وہ قمیضیں جو پہنتا ہے اور اس پر خوش ہوتا تھا اور اگر اسے صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خوشی ہوتی تھی اور اسی سے مانوس ہوتا تھا تو موت کے ذریعے اسے بہت بڑی نعمت حاصل ہوتی ہے اور اس کی خوش بختی مکمل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان جو رکاوٹ تھی وہ ختم ہو گئی اور تمام موانع دور ہو گئے۔ کیونکہ دنیا کا تمام مال و اسباب ذکر خداوندی میں رکاوٹ تھا۔ تو حالت موت اور حالت زندگی کے درمیان اختلاف کی ایک وجہ تو یہ تھی۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جو کچھ زندگی میں اس پر واضح نہیں تھا اب وہ اس پر منکشف ہوتا ہے جس طرح نیند کی حالت میں ایک چیز ظاہر نہیں ہوتی لیکن جب آدمی بیدار ہوتا ہے تو وہ اس کے سامنے آجاتی ہے اور تمام لوگ سوتے ہیں جب وہ مرتے ہیں تو جاگ جاتے ہیں اور سب سے پہلے ان کے سامنے ان کی نیکیاں اور برائیاں ظاہر ہوتی ہیں جن سے نفع یا نقصان ہوتا ہے اور یہ ایسی کتاب میں لکھا ہوا تھا جو اس کے دل کے اندر لپیٹی ہوئی تھی۔ لیکن دنیوی مشغولیت کی وجہ سے وہ اس پر مطلع نہیں ہو سکتا تھا جب دنیوی مشاغل اور موانع دور ہو گئے۔ تو تمام اعمال اس کے سامنے منکشف ہو گئے اب وہ گناہ کو دیکھتا ہے تو اس پر بہت زیادہ افسوس ہوتا ہے۔ حتی کہ اس کے لیے آگ میں غوطہ زن ہونے کو بھی تیار ہو جاتا ہے اس وقت اس سے کہا جائے گا۔

كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا[1]

آج تمہارا نفس ہی تمہارے حساب کے لیے کافی ہے۔

یہ انکشاف جان نکلتے ہی دفن ہونے سے پہلے پہلے ہو جاتا ہے اس وقت جدائی کی آگ شعلہ زن ہوتی ہے جس فانی دنیا پر وہ مطمئن تھا، اس کی جدائی مراد ہے زاد راہ کی مقدار مراد نہیں کیونکہ جو شخص منزل تک رسائی کے لیے زاد راہ طلب کرتا ہے، وہ مقصد تک پہنچنے کے بعد باقی زاد راہ کی جدائی پر خوش ہوتا ہے کیونکہ اس کا مقصد محض منزل تھی زاد راہ ذاتی طور پر مقصود نہ تھا اور یہ اس شخص کا حال ہے جو دنیا سے ضرورت کے مطابق لیتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ یہ ضرورت بھی ختم ہو جائے، تاکہ وہ اس سے بے نیاز ہو جائے پس جو کچھ وہ چاہتا ہے وہ حاصل ہو گیا اور اسے بے نیازی حاصل ہو گئی اس قسم کا عذاب اور تکالیف بہت بڑی ہیں جو دفن ہونے سے پہلے ہی اس پر ہجوم کر جاتی ہے پھر تدفین کے وقت روح کو جسم کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ دوسری قسم کا عذاب دیا جائے۔ اور کبھی معاف کر دیا جاتا ہے۔ اور جو شخص دنیا سے لطف اندوز ہوتا اور اس پر مطمئن ہوتا ہے اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ کی عدم موجودگی میں اس کے محل اور حکومت وغیرہ میں خوب مزے اڑاتا ہے اور اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ بادشاہ اس کے معاملہ میں آسانی اور چشم پوشی سے کام لے گا یا یہ کہ بادشاہ کو اس کی بری حرکتوں کا پتہ نہیں چلا اب بادشاہ اسے اچانک پکڑتا ہے اور اس کے سامنے

---

[1] قرآن مجید سورہ اسراء آیت ۱۴

marfat.com

ایک فائل الگ ہے جس میں اس کی تمام خطائیں اور بڑے افعال ایک ایک کر کے درج ہوتے ہیں اور بادشاہ، غالب، قدیر اور غیرت ناک ہوتا ہے۔

اس کے ملک میں جو جرائم ہوتے ہیں ان کی سزا دیتا ہے اور نافرمان لوگوں کے بارے میں کسی کی سفارش کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو دیکھو یہ شخص جو پکڑا گیا اس کا کیا حال ہوگا۔ بادشاہ کے سزا دینے سے پہلے بھی اس پر خوف، شرمندگی، حیار، افسوس اور ندامت طاری ہوگی۔

تو اس میت کا بھی یہی حال ہوگا جو گناہ گار، دنیا سے دھوکہ کھانے والا اور اس پر مطمئن ہوتا ہے۔ عذاب قبر میں مبتلا ہونے بلکہ موت کے وقت ہی اس کی یہ حالت ہوتی ہے۔ ہم اس عذاب سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، کیونکہ ذلت و رسوائی اور پردہ دری جسم کو پہنچنے والی ضرب اور جسم کے کٹ جانے اور اس کے علاوہ دوسرے عذاب کے مقابلے زیادہ بڑا عذاب ہے۔

تو یہ موت کے وقت میت کے حال کی طرف اشارہ ہے ارباب بصیرت اپنے باطنی مشاہدہ کے ساتھ دیکھتے ہیں جو آنکھ کے مشاہدے سے زیادہ قوی ہے، اور اس پر قرآن و سنت سے دلائل دلالت کرتے ہیں! ہاں حقیقت موت کی گہرائی سے پردہ اٹھانا ممکن نہیں کیونکہ جو شخص زندگی کی معرفت نہیں اللہ سے موت کی پہچان بھی نہیں ہوتی اور زندگی کی پہچان اس وقت ہوتی ہے جب روح کی ذات اور اس کی ماہیت کا ادراک ہو جائے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں گفتگو کی اجازت نہیں دی اور ہم صرف اس حد تک کہہ سکتے ہیں۔

اَلرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ [1] روح میرے رب کے حکم سے ہے۔

پس کسی عالم دین کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ روح کے راز سے پردہ اٹھائے اور اس پر مطلع ہو، ہاں موت کے بعد روح کی کیا حالت ہوگی اس بات کا ذکر کرنے کی اجازت ہے۔ اور اس بات پر بہت سی آیات اور احادیث دلالت کرتی ہیں کہ موت اور اس کے علم کے ختم ہونے کا نام نہیں ہے۔

آیات:۔

شہداء کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ۔ [2]

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو جائیں انہیں مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں رزق پاتے ہیں۔

جب غزوہ بدر کے موقعہ پر کفار کے بڑے بڑے سردار قتل ہو گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پکارا آپ نے فرمایا

۱۔ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۸۶ کتاب التفسیر

۲۔ قرآن مجید، سورۃ آل عمران آیت ۱۶۹

marfat.com

اے فلاں اے فلاں اے فلاں! مجھ سے میرے رب نے جو وعدہ کیا تھا میں نے اسے سچا پایا۔ کیا تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا تم نے بھی اسے سچا پایا؟ عرض کیا یارسول اللہ آپ ان مردوں کو پکارتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّھُمْ لَاَ نْتُمْ بِاَسْمَعَ لِھٰذَا الْکَلَامِ مِنْکُمْ اِلَّا اِنَّھُمْ لَا یَقْدِرُوْنَ عَلَی الْجَوَابِ [1]

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ لوگ اس گفتگو کو تم سے زیادہ سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ بدبخت لوگوں کی روح بھی باقی رہتی ہے، نیز ان کا ادراک (جان پہچان) اور معرفت بھی باقی ہوتی ہے اور آیت کریمہ میں شہدا کی ارواح کے بارے میں واضح نص موجود ہے اور میت کی دو ہی حالتیں ہوتی ہے نیک بختی یا بدبختی۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْقَبْرُ اِمَّا حُفْرَۃٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ اَوْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ [2]

قبر یا تو جہنم کا گڑھا ہے یا جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔

یہ حدیث شریف اس بات کو واضح کرتی ہے کہ موت کا معنیٰ فقط حالت کی تبدیلی ہے اور میت کی نیک بختی یا بدبختی موت کے فوراً بعد کسی تاخیر کے بغیر ظاہر ہو جاتی ہے البتہ عذاب یا ثواب کی بعض انواع موثر ہوتی ہیں اصل ثواب یا عذاب اسی وقت شروع ہو جاتا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا۔

اَلْمَوْتُ الْقِیَامَۃُ فَمَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ۔ [3]

موت، قیامت ہے پس جو فوت ہوا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِذَا مَاتَ اَحَدُکُمْ عُرِضَ عَلَیْہِ مَقْعَدُہٗ غُدْوَۃً وَّعَشِیَّۃً اِنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَمِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَاِنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَمِنْ النَّارِ وَیُقَالُ ھٰذَا مَقْعَدُکَ حَتّٰی تُبْعَثَ اِلَیْہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ [4]

جب تم میں سے کوئی ایک فوت ہو جاتا ہے تو صبح و شام اس پر اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے اگر وہ اہل جنت سے ہو تو جنت سے اور اہل جہنم سے ہو تو جہنم سے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے حتیٰ کہ تو قیامت کے دن اٹھایا جائے۔

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۱ مرویات ابن عمر

[2] الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۲۳۸ کتاب التوبۃ والزھد

[3] الفوائد المجموعۃ ص ۲۶۷ کتاب الادب

[4] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۴ کتاب الرقاق

marfat.com

حضرت ابو قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ایک جنازے میں شریک تھے تو انہوں نے فرمایا۔ اس شخص کی قیامت قائم ہوگئی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نفس کا دنیا سے نکلنا حرام ہے جب تک وہ جان نہ لے کہ وہ جنتیوں میں سے ہے یا جہنمیوں میں سے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ مَاتَ غَرِيبًا مَاتَ شَهِيدًا وَوُقِيَ فَتَّانَ الْقَبْرِ وَعُذِيَ وَرِيحَ عَلَيْهِ بِرِزْقِهِ مِنَ الْجَنَّةِ[1]

جو شخص حالت سفر میں انتقال کر جائے وہ شہید ہو کر مرتا ہے اور قبر کے فتنوں سے محفوظ رہتا ہے نیز اسے صبح و شام جنت سے رزق دیا جاتا ہے۔

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے کسی شخص پر اس قدر رشک نہیں آتا جس قدر قبر میں جانے والے اس مومن پر رشک آتا ہے جو دنیا کی مشقت سے آرام پا گیا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ ہوا۔

حضرت یعلیٰ بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے ساتھ چل رہا تھا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ جس سے محبت کرتے ہیں اس کے لیے کیا چیز پسند کرتے ہیں، فرمایا "موت" میں نے عرض کیا اگر وہ نہ مرے تو؟ فرمایا میں اس کے لیے مال و اولاد کی قلت پسند کرتا ہوں، موت کو اس لیے پسند کرتا ہوں کیونکہ اسے مومن ہی پسند کرتا ہے۔ اور موت، مومن کا قید خانہ سے چھوٹنا ہے اور مال و اولاد کی قلت اس لیے ناپسند کرتا ہوں کہ یہ آزمائش ہے اور دنیا میں اُنس کا باعث ہے اور جس سے جدائی لازمی ہو اس سے محبت انتہائی درجہ کی بدبختی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس کے ذکر اور اس سے انس کے علاوہ جو کچھ ہے موت کے وقت لامحالہ ہے اس سے جدائی اختیار کرنا ہوگی۔ اس لیے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب مومن کا سانس یا روح نکلتی ہے اس وقت وہ اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو قید خانے میں رات گزارے پھر اسے وہاں سے نکالا جائے اور وہ زمین میں اچھلے کودے اور پھرے اور یہ جو کچھ انہوں نے بیان کیا اس شخص کا حال ہے جو دنیا سے پہلوتہی کرتا اور اس سے کنارہ کش ہوتا ہے۔ اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مانوس ہوتا ہے، اور دنیوی مشاغل اسے محبوب سے روک لیتے ہیں۔ نیز خواہشات کی سختیوں کو برداشت کرتا اور اس کے لیے اذیت ناک ہوتا ہے۔ لہذا موت کے ذریعے وہ تمام ایذا رساں امور سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے اور اپنے محبوب کے ساتھ تنہائی میں چلا جاتا ہے جہاں کوئی شغل اور رکاوٹ نہیں ہوتی اور یہ بات نعمتوں اور لذتوں کی انتہا ہونے کے زیادہ لائق ہے۔ اور یہ ان شہداء کے لیے نہایت کامل لذت ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہوئے کیونکہ انہوں نے جہاد کی طرف قدم اس لیے بڑھایا کہ وہ دنیوی تعلقات سے اپنی توجہ کو ہٹانے والے اللہ تعالیٰ

---

[1] حلیۃ الاولیاء جلد ۱ ص ۲۰۳ ترجمہ ۲۹۸

marfat.com

لاقات کا شوق رکھنے والے اور اس کی رضا کی طلب میں قتل پر راضی رہنے والے ہیں۔
پس اگر دنیا کی طرف نظر کی جائے تو اس نے اسے بخوشی آخرت کے بدلے بیچ دیا اور بیچنے والے کا دل اس
بر کچھ متوجہ نہیں ہوتا جس کا اس نے سودا کیا ہے اور اگر آخرت کو دیکھا جائے تو اس نے اسے خریدا اور اس کا
شتاق ہوا جس چیز کو اس نے خریدا اور اس کو دیکھ کر وہ کس قدر خوش ہوگا اور جس چیز کو بیچا ہے جب وہ اس سے
ہو جائے تو اس کی طرف توجہ کم ہوتی ہے۔ اور دل کا محبت خداوندی کے لیے خالی ہونا کبھی کبھی ہوتا ہے، لیکن چوں کہ
ی حالت پر موت نہیں آتی ہے اس لیے وہ بدل جاتا ہے۔ اور لڑائی موت کا سبب ہے بس وہ اسی حالت میں
وت آنے کا سبب ہے۔

تو یہ ایک عظیم لذت ہے کیونکہ لذت کا معنی یہی ہے کہ انسان جو کچھ چاہتا ہے اس کو پائے ارشاد خداوندی ہے

وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ[1]

اور ان کے لیے وہ کچھ ہے جو وہ چاہتے ہیں۔

تو جنتی لذتوں کے سلسلے میں یہ ، سے زیادہ جامع عبارت ہے۔ اور سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ انسان کو
س کی مراد سے روک دیا جائے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ[2]

اور جو کچھ وہ چاہتے تھے اس کے اور ان کے لوگوں کے درمیان رکاوٹ پیدا ہو گئی۔

اور جہنم کی سزاؤں کے سلسلے میں یہ سب سے ، جامع عبارت ہے اور یہ وہ لذت ہے جسے شہید روح
کے پرواز کرتے ہی فوراً پاتا ہے، اور یہ بات ارباب قلوب اور یقین کے ساتھ منکشف ہوتی ہے۔ اگر اس پر
قلی دلائل چاہتے ہو تو شہداء کے بارے میں وارد تمام احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں اور ہر حدیث میں ان کی لذتوں
و الگ عبارت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتی ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے
والد اُحد کے دن شہید ہو گئے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جابر کیا میں تمہیں خوشخبری نہ دوں؟ انہوں
نے عرض کیا کیوں نہیں بالکل فرمائیے! اللہ تعالیٰ آپ کو اچھی طرح بشارت دے آپ نے فرمایا۔
اللہ تعالیٰ نے آپ کے باپ کو زندہ کیا اور اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا اے میرے بندے! جو کچھ چاہتے ہو
مجھ سے خواہش کرو میں تمہیں دوں گا انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! میں نے کما حقہ تیری عبادت نہیں
کی میں تجھ سے چاہتا ہوں کہ تو مجھے دنیا کی طرف بھیج دے پس میں تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ لڑوں
اور ایک بار پھر تیری راہ میں شہید ہو جاؤں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے پہلے سے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ تم دنیا میں

---

[1] قرآن مجید سورہ نحل آیت ۵۷
[2] " سورہ سبا آیت ۵۴

marfat.com

دوبارہ نہیں جاؤ گے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنت میں ایک شخص رو رہا ہو گا اس سے پوچھا جائے گا کہ تو کیوں روتا ہے، حالانکہ تو جنت میں ہے؟ وہ کہے گا کہ میں اس لیے روتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں صرف ایک بار قتل ہوا میں چاہتا تھا کہ دوبارہ لوٹایا جاؤں اور کئی بار قتل کیا جاؤں۔

جان لو کہ مومن کے وصال کے بعد اس کے لیے جلال الٰہی سے اس قدر وسعت منکشف ہوتی ہے کہ اس کے مقابلے میں دنیا قید خانہ اور تنگ کوٹھری دکھائی دیتی ہے اور اس کی مثال اس شخص کی طرح ہوتی ہے جو اندھیرے کمرے میں قید ہو اور اس کمرے کا دروازہ ایک ایسے باغ کی طرف کھلتا ہو جس کے کنارے وسیع ہوں اور حد نگاہ تک ہوں اور اس میں طرح طرح کے درخت، پھول، پھل، اور پرندے ہوں پس وہ اس تاریک قید میں واپس آنا نہ چاہتا ہو۔ اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال بیان فرمائی ایک شخص مر گیا تھا تو آپ نے فرمایا۔

اَصْبَحَ هٰذَا مَنْ تَخَلَّعَ عَنِ الدُّنْيَا وَتَرَكَهَا لِاَهْلِهَا فَاِنْ كَانَ تَدْرِيْ فَلَا يَسُرُّهُ اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا كَمَا لَا يَسُرُّ اَحَدَكُمْ اَنْ يَرْجِعَ اِلٰى بَطْنِ اُمِّهٖ۔

یہ شخص دنیا سے کوچ کر گیا اور دنیا کو اپنے گھر والوں کے لیے چھوڑ گیا اگر وہ (اس موت پر) راضی ہے تو اسے دنیا کی طرف لوٹنا اچھا نہیں لگے گا جس طرح تم میں سے کوئی ایک ماں کے پیٹ میں واپس جانا نہیں چاہتا

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعے بتایا کہ دنیا کے مقابلے میں آخرت کی وسعت اسی طرح ہے جس طرح شکم مادر کے اندھیرے کے مقابلے میں دنیا کی وسعت ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ فِي الدُّنْيَا كَمَثَلِ الْجَنِيْنِ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ اِذَا خَرَجَ مِنْ بَطْنِهَا بَكٰى عَلٰى مَخْرَجِهٖ حَتّٰى اِذَا رَاَى الضَّوْءَ وَوُضِعَ لَمْ يُحِبَّ اَنْ يَّرْجِعَ اِلٰى مَكَانِهٖ۔

دنیا میں مومن کی مثال ماں کے پیٹ میں موجود بچے کی طرح ہے جب وہ اس کے پیٹ سے نکلتا ہے تو اپنے نکلنے پر روتا ہے یہاں تک کہ جب روشنی دیکھتا ہے اور اس کی پیدائش ہو جاتی ہے تو اپنے مکان کی طرف لوٹنا پسند نہیں کرتا

اسی طرح مومن موت سے گھبراتا ہے لیکن جب اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہے۔ تو دنیا کی طرف لوٹنا پسند نہیں کرتا جس طرح پیٹ سے باہر آنے والا بچہ اپنی ماں کے پیٹ کی طرف لوٹنا پسند نہیں کرتا۔

۱؎۔ مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۲۱۷ کتاب المناقب۔

۲؎۔

۳؎۔ کنز العمال جلد ۱۵ ص ۵۷۰ حدیث ۴۲۲۱۲۔

marfat.com

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ فلاں شخص مرگیا ہے آپ نے فرمایا ۔

مُسْتَرِیْحٌ اَوْ مُسْتَرَاحٌ مِنْہُ ۔ [1] یہ شخص راحت پانے والا ہے یا اس سے دوسروں نے آرام پایا۔

تو لفظ "مستریح" (آرام پانے والا) سے مومن اور "مستراح منہ" (جس سے آرام مل گیا) سے کافر مراد ہے کیونکہ اس سے لوگ آرام وسکون مل جاتا ہے ۔

حضرت ابو عمر رضی اللہ عنہ پانی پلانے والے (یا پانی والے) فرماتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہمارے پاس سے ہے اور ہم (اس وقت) بچے تھے، آپ نے ایک قبر کو دیکھا کہ وہاں کھوپڑی کھلی ہوئی تھی آپ نے ایک شخص کو یا تو اس نے اسے چھپالیا پھر فرمایا ان جسموں کو یہ مٹی کچھ نقصان نہیں پہنچاتی اور قیامت کے دن تک ان روحوں کو ب یا ثواب ہوتا ہے۔

حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر مرنے والے کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اس کے بعد اس کے گھر کیا ہو رہا ہے اور جب اسے غسل دیتے اور کفن پہناتے ہیں تو ان کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔

حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ مومن کی روحیں آزاد ہوتی ہیں جہاں چاہیں جاتی ہیں۔

حضرت لقمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے قبر پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا۔

اِلَّا اِنَّہٗ لَمْ یَبْقَ مِنَ الدُّنْیَا اِلَّا مِثْلُ الذُّبَابِ۔ یَمُوْرُ فِیْ جَوِّھَا فَاللّٰہَ اللّٰہَ فِیْ اِخْوَانِکُمْ مِنْ اَھْلِ الْقُبُوْرِ فَاِنَّ اَعْمَالَکُمْ تُعْرَضُ عَلَیْھِمْ۔ [2]

سنو! دنیا سے صرف مکھی کے برابر باقی رہ گیا ہے وہ اپنی فضا میں اڑتی ہے اپنے قبروں والے بھائیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک تمہارے اعمال ان کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

لَا تُفَضِّحُوْا اَمْوَاتَکُمْ بِسَیِّئَاتِ اَعْمَالِکُمْ فَاِنَّھَا تُعْرَضُ عَلٰی اَوْلِیَاءِکُمْ مِنْ اَھْلِ الْقُبُوْرِ [3]

اپنے بُرے اعمال کے ذریعے اپنے فوت شدہ لوگوں کو اذیت نہ دو کیونکہ تمہارے اعمال اہل قبور میں سے تمہارے دوستوں پر پیش کیے جاتے ہیں۔

اسی لیے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی،

یا اللہ! میں ایسا عمل کرنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے سامنے مجھے شرمندگی اٹھانا پڑے ۔۔۔ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ ان کے ماموں تھے جو فوت ہو چکے تھے ،

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ جب مومن انتقال کرتے ہیں تو ان کی ارواح کہاں جاتی ہیں؟ آپ نے فرمایا سفید پرندوں کے پوٹوں میں عرش کے سائے میں ہوتی ہیں جبکہ کافروں کی روحیں ساتویں

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۴ کتاب الرقاق۔ [2] المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۰۷ کتاب الرقاق،
[3] کنز العمال جلد ۱۵ ص ۶۸۵ حدیث ۴۲۷۳۹

marfat.com

زمین میں جاتی ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

اِنَّ الْمَیِّتَ یَعْرِفُ مَنْ یَغْسِلُہٗ وَمَنْ یَحْمِلُہٗ وَمَنْ یُدَلِّیْہِ فِیْ قَبْرِہٖ۔ [1]

میت کو اس بات کی پہچان ہوتی ہے کہ اسے کون غسل دے رہا ہے۔ اور کون اسے اٹھاتا ہے نیز اسے قبر میں کون کون اتارتا ہے۔

حضرت صالح مری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ موت کے وقت روحوں کے درمیان ملاقات ہوتی ہے تو فوت شدہ لوگوں کی روحیں ان روحوں سے جو ان کی طرف جا رہی ہیں، کہتی ہیں، تمہارا ٹھکانہ کیسا تھا اور تم پاک جسم میں رہی ہو یا ناپاک جسم میں؟...

حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اہل قبور خبروں کے منتظر رہتے ہیں جب ان کے پاس کوئی میت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں فلاں شخص نے کیا کیا وہ کہتا ہے کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا یا وہ تمہارے پاس نہیں بھیجا گیا؟ وہ کہتے ہیں "انا للہ وانا الیہ راجعون" اسے کسی اور راستے پر لے جایا گیا، ہمارے ہاں نہیں آیا....

حضرت جعفر بن سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو اس کا (فوت شدہ) لڑکا اس طرح استقبال کرتا ہے جس طرح کسی آنے والے مسافر کا استقبال کیا جاتا ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آدمی کو قبر میں اس کے بیٹے کے نیک ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

جب مومن کی روح پرواز کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت والے اس سے اس طرح ملاقات کرتے ہیں جس طرح دنیا سے خوشخبری دینے والے سے ملاقات کی جاتی ہے، وہ کہتے ہیں اپنے بھائی کو مہلت دو حتی کہ یہ آرام پائے کیونکہ یہ سخت تکلیف میں مبتلا تھا پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں فلاں نے کیا کیا؟ فلاں عورت نے کیا کیا؟ کیا فلاں عورت کی شادی ہوگئی ہے؟ جب وہ اس سے اس شخص کے بارے میں پوچھتے ہیں جو اس سے پہلے مر چکا ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ وہ شخص مجھ سے پہلے مر گیا تھا تو وہ "انا للہ وانا علیہ راجعون" پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں وہ اپنے ٹھکانے دوزخ میں لے جایا گیا۔ [2]

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳ مرویات ابو سعید خدری۔

[2] المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۴ ص ۱۲۹ حدیث ۳۸۸۷

marfat.com

قبر کا میت سے کلام کرنا

مردے یا تو زبان سے کلام کرتے ہیں یا حال سے جو مردوں کو سمجھانے کے لیے زبان کے مقابلے میں زیادہ ہے جو زندوں کو سمجھانے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے۔ اے بد بخت انسان! تجھے میرے بارے میں کس دھوکے میں ڈالا کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ میں آزمائش کا گھر ہوں، اندھیری کوٹھڑی، تنہائی اور کیڑوں مکوڑوں کا گھر ہوں تو میرے اوپر اکڑ کر چلتا تھا کبھی قدم آگے کی طرف جاتے کبھی پیچھے کی طرف۔ تو تجھے کس چیز نے دھوکہ دیا۔ اگر وہ نیک اس کی طرف سے کوئی جواب دینے والا جواب دیتا ہے۔ اور کہتا ہے (اے قبر) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ یہ شخص نیکی کا حکم اور برائی سے روکتا تھا تو قبر کہتی ہے۔ اگر یہ بات ہے تو میں اس پر سرسبز ہو جاتی ہوں اس کا جسم نور میں بدل جائے اور اس کی روح اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جائے گی۔ [1]

حضرت عبید بن عمیر اللیثی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب بھی کوئی شخص مرتا ہے تو اس کی قبر جس میں وہ دفن کیا جائے کہتی ہے "میں اندھیری کوٹھڑی ہوں اور تنہائی کا گھر ہوں اگر تو اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار تھا تو آج میں تجھ پر رحمت بنوں گی اور اگر تو اس کا نافرمان تھا تو آج میں تجھ پر عذاب بنوں گی۔ میں وہ ہوں کہ جو اطاعت گزار ہو کر مجھ میں داخل ہو وہ خوش خوش نکلے گا اور جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہو کر مجھ میں داخل ہو وہ تباہ و برباد ہو کر نکلے گا۔

حضرت محمد بن مسیح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جب کوئی شخص قبر میں رکھا جاتا ہے اور اسے دفن کر دیا جاتا ہے یا اسے بعض ناپسندیدہ باتیں پہنچتی ہیں تو اس کے مردہ پڑوسی کہتے ہیں اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں سے پیچھے رہنے والے کیا تو نے ہم سے عبرت حاصل نہ کی کیا تو نے اپنے آپ سے پہلے آنے والوں کا حال نہ سوچا کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہمارے اعمال کا سلسلہ ختم ہو گیا اور تیرے پاس مہلت تھی، کیا تو نے ان باتوں کا تدارک کیا جو پہلے والوں سے رہ گئی تھیں۔ تجھے زمین کا ٹکڑا آواز دیتا تھا کہ اے دنیا کے ظاہر سے دھوکہ کھانے والے! کیا تو نے گھر کے ان افراد سے عبرت حاصل نہیں کرتا جو زمین کے پیٹ میں چھپ گئے، اور تجھ سے پہلے وہ بھی دنیا کے دھوکے میں مبتلا ہوئے پھر ان کی موت ان کو قبروں کی طرف لے گئی اور تو نے دیکھا کہ ان کے محبوب لوگ ان کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے اس منزل کی طرف لے جا رہے ہیں جو ان کے لیے ضروری تھی۔

---

[1] حلیۃ الاولیاء جلد ۶ ص ۹۰ ترجمہ ۳۳۴

marfat.com

حضرت یزید رقاشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے اعمال اسے گھیر لیتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان کو قوت گویائی عطا فرماتا ہے۔ تو وہ کہتے ہیں اے قبر میں تنہائی گزارنے والے! تم سے دوست احباب الگ ہو گئے گھر والے بھی تمہیں چھوڑ گئے پس ہمارے پاس تمہارے سوا کوئی انیس نہیں ہے

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب نیک بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے اچھے اعمال جیسے نماز روزہ حج، جہاد اور صدقہ وغیرہ اسے گھیر لیتے ہیں۔ اب عذاب کے فرشتے اس کے پاؤں کی طرف سے آتے ہیں نماز کہتی ہے اے چھوڑ دو تم اس کی طرف راہ نہیں پا سکتے یہ شخص اللہ تعالیٰ کی (رضا) کے لیے ان پاؤں پر کھڑا رہتا تھا پھر وہ اس کے سر کی طرف سے آتے ہیں تو روزہ کہتا ہے تم اس تک نہیں جا سکتے اس نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لیے بہت زیادہ پیاس برداشت کی لہذا تم اس تک نہیں پہنچ سکتے اب وہ اس کے جسم کی طرف سے آتے ہیں تو حج اور جہاد کہتے ہیں اس سے دور ہو جاؤ اس نے اپنے نفس کو مشقت میں ڈالا اور بدن کو تھکایا اور اللہ تعالیٰ کے لیے جہاد کیا لہذا تم اس تک نہیں پہنچ سکتے فرماتے ہیں پھر وہ اس کے سامنے کی طرف سے آتے ہیں تو صدقہ کہتا ہے میرے دوست سے رک جاؤ اس نے اپنے ان دونوں ہاتھوں سے بہت زیادہ صدقہ دیا ہے، حتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں چلا گیا اور اس نے اس کی رضا حاصل کرنے کی خاطر دیا تھا پس تم اس تک نہیں پہنچ سکتے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اب اس سے کہا جاتا ہے تمہیں مبارک ہو تم نے اچھی زندگی گزاری اور اچھی موت پائی، فرماتے ہیں اور اس کے پاس رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور اس کے لیے جنت کا بچھونا بچھاتے ہیں اور جنتی کمبل ہوتا ہے، اور اس کی قبر کو حد نگاہ تک کشادہ کیا جاتا ہے، اور جنت سے ایک قندیل لائی جاتی ہے اور وہ قبر سے اٹھنے تک اس کی روشنی میں رہتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ ایک جنازے کے ساتھ تھے تو انہوں نے فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

میت (قبر میں) بٹھایا جاتا ہے اور وہ ساتھ آنے والوں کی آواز سنتا ہے اور اس سے قبر کے علاوہ کوئی چیز کلام نہیں کرتی قبر کہتی ہے اے خانہ خراب انسان! کیا تجھے مجھ سے ڈرایا نہیں گیا تھا میری تنگی، بدبو، خوفناک منظر اور کیڑوں سے ڈرایا جاتا ہے تو تو نے میرے لیے کیا تیاری کی ہے۔ [1]

فصل ۳

عذاب قبر اور نکیرین کے سوالات

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ انصار میں سے ایک شخص کے

[1] کتاب الزھد والرقائق ص ۱۴۱ حدیث ۱۶۲

marfat.com

ے جنازے کے ساتھ نکلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سرِ انور کو جھکا کر اس کی قبر کے پاس بیٹھ گئے پھر تین بار ارشاد فرمایا الٰہی!
، عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا جب ایماندار آدمی آخرت کے قریب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں
بھیجتا ہے گویا ان کے چہرے سورج ہیں ان کے پاس اس کی خوشبو اور کفن ہوتا ہے وہ اس کے سامنے حد نگاہ تک
ٹھتے ہیں جب اس کی روح نکلتی ہے تو وہ تمام فرشتے جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں اور تمام آسمانی فرشتے اس
یلیے رحمت کی دعا مانگتے ہیں اور آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پس اس کا ہر دروازہ اس کی روح
اپنے اندر لے جانا چاہتا ہے جب اس کی روح اوپر لے جائی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے یا اللہ! یہ تیرا فلاں بندہ ہے
جاتا ہے اس کو واپس لے جاؤ اور اس کو دکھاؤ جو آسمانِ کرامت میں نے اس کے لیے تیار کیا ہے کیونکہ میں نے
ں سے وعدہ کیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ [1] — اسی زمین میں ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے۔

میت لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے جب وہ واپس پھرتے ہیں حتیٰ کہ کہا جاتا ہے اے فلاں! تیرا رب کون
ہے، اور تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی
نرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ (دونوں فرشتے) اسے بہت زیادہ جھڑکتے ہیں اور یہ سب آخری
ائش ہے جس میں میت کو مبتلا کیا جاتا ہے، پس جب وہ یہ بات کہتا ہے تو ایک منادی آواز دیتا ہے، تو نے
ح کہا اور اس ارشاد خداوندی کا یہی مطلب ہے۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ [2] — اللہ تعالیٰ سچے ایمان والوں کو سچے قول کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے۔

پھر اس کے پاس ایک آنے والا آتا ہے۔ جو نہایت خوبصورت ہوتا ہے۔ اس سے عمدہ خوشبو ملتی ہے اور
ں کے کپڑے بھی عمدہ ہوتے ہیں وہ کہتا ہے تجھے تیرے رب کی رحمت اور جنتوں کی خوشخبری ہو جن میں دائمی نعمتیں
یں وہ کہتا ہے، اللہ تعالیٰ تجھے بھی بھلائی کی بشارت دے تو کون ہے؟ وہ کہتا ہے میں تیرا عمل صالح ہوں، اللہ
ی قسم! میں جانتا تھا کہ تو نیکی کی طرف جلدی کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں تاخیر کرنے والا تھا اللہ تعالیٰ تجھے جزائے
یر عطا فرمائے پھر ایک منادی ندا دیتا ہے کہ اس کے لیے جنت کا بچھونا بچھاؤ اور اس کے لیے جنت کی طرف

---

[1] قرآن مجید، سورہ طٰہٰ آیت ۵۵
[2] " " سورہ ابراہیم آیت ۲۷

marfat.com

دروازہ کھولو پس اس کے لیے جنتی بچھونا بچھایا جاتا ہے۔ اور جنت کی طرف دروازہ کھولا جاتا ہے۔ پس وہ کہتا ہے یا اللہ جلد قیامت قائم فرما تاکہ میں اپنے اہل و مال کی طرف لوٹ جاؤں۔

اور کافر کی حالت یہ ہے کہ جب وہ آخرت کے کچھ قریب ہوتا ہے اور دنیا سے اس کا رشتہ منقطع ہونے لگتا ہے تو اس کی طرف فرشتے نازل ہوتے ہیں، جو نہایت سخت ہوتے ہیں ان کے پاس آگ کا لباس اور گندھک کی قمیض ہوتی ہے وہ اسے گھیر لیتی ہے، جب اس کی روح نکلتی ہے تو آسمان و زمین کے درمیان والے فرشتے اور تمام آسمانی فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور (اس پر) آسمان کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں ہر دروازہ اس کے گزرنے کو ناپسند کرتا ہے جب اس کی روح کو اوپر لے جایا جاتا ہے۔ تو اسے پھینک دیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے الٰہی! یہ تیرا فلاں بندہ ہے۔ اسے آسمان قبول کرتا ہے نہ زمین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کو واپس لے جاؤ اور میں نے اس کے لیے جو بھی شہر تیار کیا ہے وہ اسے دکھا دو کیونکہ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ [1] — اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹا دیں گے۔

اور وہ لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے جب وہ پیٹھ پھیر کر واپس جاتے ہیں حتیٰ کہ اس سے پوچھا جاتا ہے، اے فلاں! تیرا رب کون ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا پس کہا جاتا ہے تو نہ جانے پھر اس کے پاس ایک آنے والا آتا ہے جو نہایت بدصورت، بدبودار اور بدلباس ہوتا ہے وہ کہتا ہے تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناراضگی اور دردناک دائمی عذاب کی خبر ہو وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ تجھے بری خبر سنائے تو کون ہے؟ وہ کہتا ہے میں تیرا برا عمل ہوں اللہ کی قسم تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں جلدی کرتا اور اس کی فرمانبرداری میں تاخیر کرتا تھا اللہ تعالیٰ تجھے برا بدلہ دے وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ تجھے بھی برا بدلہ دے پھر اس پر ایک بہرہ۔ اندھا اور گونگا مقرر کیا جاتا ہے اس کے پاس لوہے کا ایک گرز ہوتا ہے اگر جن و انسان اسے مل کر اٹھانا چاہیں تو نہیں اٹھا سکتے اگر اسے پہاڑ پر مارا جائے تو وہ مٹی بن جائے۔

اب وہ اسے ایک ضرب مارتا ہے تو وہ (کافر) مٹی ہو جاتا ہے، پھر اس میں روح لوٹ آتی ہے تو وہ اس کی آنکھوں کے درمیان ایک ضرب لگاتا ہے تو جنوں انسانوں کے علاوہ تمام زمینوں کی مخلوق اسے سنتی ہے فرمایا پھر ایک منادی اعلان کرتا ہے کہ اس کے لیے آگ کی تختیاں بچھاؤ اور جہنم کی طرف ایک دروازہ کھولو پس اس کے لیے آگ کی دو تختیاں بچھائی جاتی ہیں اور جہنم کی طرف دروازہ کھولا جاتا ہے [2]

---

[1] قرآن مجید، سورہ طٰہٰ آیت ۵۵۔

[2] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۹۸ کتاب السنۃ۔

marfat.com

حضرت محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص بھی مرتا ہے اس کے اچھے اور برے اعمال موت کے وقت مثالی شکلوں میں آتے ہیں تو وہ اپنی نیکیوں کی طرف دیکھتا ہے اور برائیوں سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس فرشتے ایک ریشمی کپڑا لے کر آتے ہیں، جس میں کستوری اور ریحان کے بنڈل ہوتے ہیں۔ پس اس کی روح اس طرح نکالی جاتی ہے جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکالا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے اے مطمئن نفس! اپنے رب کی طرف یوں نکل کہ تو اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف روح اور کرامت کیطرف نکل پس جب اس کی روح نکالی جاتی ہے تو اس کو کستوری اور ریحان پر رکھا جاتا ہے اور اس پر ریشمی کپڑا لپیٹ کر اسے علیین کی طرف بھیج دیا جاتا ہے۔

اور جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے۔ تو اس کے پاس فرشتے ٹاٹ میں چنگاریاں لے کر آتے ہیں پس اس کی روح کو نہایت سختی سے نکالا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے اے خبیث روح! اس حال میں باہر نکل کہ تو اس (اللہ تعالیٰ) سے ناراض اور وہ تجھ سے ناراض ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تیرے لیے ذلت اور عذاب ہے پس جب اس کی روح کو نکالا جاتا ہے تو اسے انگاروں پر رکھ دیا جاتا ہے۔ اور اس سے جوش مارنے والے پانی کی طرح آواز آتی ہے پھر اسے ٹاٹ میں لپیٹ کر سجین (سب سے نچلے درجہ) کی طرف لے جایا جاتا ہے [1]

حضرت محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ نے آیت پڑھی۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ [2]

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے اے میرے رب مجھے واپس بھیج دے تاکہ جو اچھے کام میں چھوڑ آیا ہوں ان کو بجا لاؤں۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے تو کیا چاہتا ہے؟ تجھے کس چیز میں رغبت ہے؟ کیا تو اس لیے واپس جانا چاہتا ہے کہ مال جمع کرے، درخت لگائے، مکان تعمیر کرے اور نہریں نکالے وہ کہتا ہے نہیں بلکہ اس لیے کہ میں نے جو اعمال صالح نہیں کیے، ان کو بجا لانا چاہتا ہوں فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہرگز نہیں۔ تو موت کے وقت وہ یہ بات کہتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"مومن اپنی قبروں میں ایک سرسبز باغ میں ہوتا ہے اور اس کی قبر ستر گز کشادہ کی جاتی ہے اور روشن ہوتی ہے۔

---

[1] المستدرک للحاکم جلد اوّل ص ۳۵۳ کتاب الجنائز، حلیۃ الاولیاء جلد ۳ ص ۴-۱ ترجمہ ۲۱۸

[2] قرآن مجید، سورہ مومنون آیت ۹۹، ۱۰۰

marfat.com

حتیٰ کہ وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوتی ہے اور تمہیں معلوم ہے یہ آیت کس کے بارے میں اتری ہے ارشاد خداوندی ہے۔

فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا۔ پس بے شک اس کی زندگی تنگ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا۔

کافر کو قبر میں یوں عذاب ہوتا ہے، کہ اس پر ننانوے "تنین" مسلط کر دیئے جاتے ہیں کیا تم جانتے ہو تنین کیا ہے؟ وہ ننانوے سانپ ہیں ہر سانپ کے سات پھن ہیں وہ اسے قیامت تک کاٹتے، چاٹتے اور پھنکارتے رہیں گے۔

اس خصوصی تعداد سے تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ سانپ اور بچھو اخلاق مزمومہ یعنی تکبر، ریاکاری، حسد، کینے اور دیگر بری صفات کی تعداد کے مطابق ہیں کیونکہ ان برے اخلاق کی اصل چند گنتی کے امور ہیں پھر ان سے متعدد شاخیں نکلتی ہیں اور یہ بری صفات ذاتی طور پر ہلاک کرنے والی ہیں، اور یہی بچھوؤں اور سانپوں میں بدلتی ہیں ان میں سے جو زیادہ طاقتور ہے، وہ تنین سانپ کی طرح کاٹتا ہے اور کمزور بچھو کی طرح کاٹتا ہے اور جو درمیان والے اخلاق بد ہیں وہ عام سانپ کی طرح اذیت پہنچاتے ہیں، اور ارباب قلوب بصیرت نور بصیرت سے ان ہلکات اور ان کی شاخوں کے پھیلاؤ کو دیکھتے ہیں لیکن ان کی تعداد کتنی ہے اس پر آگاہی صرف نور نبوت سے ہو سکتی ہے، اس قسم کی روایات کا ظاہر صحیح اور اسرار پوشیدہ ہیں لیکن ارباب بصیرت پر واضح ہے لہذا جس شخص پر ان کے حقائق واضح نہ ہوں وہ ان کے ظاہر کا انکار نہ کرے، بلکہ کم از کم درجہ ایمان تصدیق کرنا اور مان لینا ہے۔

سوال ۱۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کافر اپنی قبر میں مدت تک اسی طرح رہتا ہے لیکن ان باتوں میں سے کوئی بات نہیں پائی جاتی تو مشاہدے کے خلاف بات کی تصدیق کس طرح کی جا سکتی ہے۔

جواب ۱۔ جان لو کہ ان جیسے امور کی تصدیق کے تین مقام ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ یہ مقام سب سے واضح، زیادہ صحیح اور اعتراض سے زیادہ محفوظ ہے، یعنی اس طرح تصدیق کی جائے کہ یہ چیزیں موجود ہیں اور میت کو کاٹتی ہے۔ لیکن تم ان کو نہیں دیکھتے کیونکہ آنکھ عالم ملکوت سے تعلق رکھنے والے امور کو دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور ہر وہ بات جس کا آخرت سے تعلق ہو وہ عالم ملکوت سے ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کس طرح حضرت جبریل علیہ السلام کے اترنے پر ایمان رکھتے تھے حالانکہ ان کو دیکھتے نہیں تھے اور ان کا ایمان تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھتے ہیں اور اگر تم اس بات پر ایمان نہیں رکھتے

۱؎ قرآن مجید، سورہ طٰہٰ آیت ۱۲۴

۲؎ کنز العمال جلد ۲ ص ۳۰، ۳۱، حدیث ۳۰۱۲

marfat.com

تو پہلے فرشتوں اور وحی پر ایمان کی درستگی ضروری ہے ۔اور اگر تم اس بات پر ایمان رکھتے ہو اور اس بات کو جائز سمجھتے ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کا مشاہدہ بھی کرتے تھے، جن کا مشاہدہ امت نہیں کرتی تو یہ بات فوت شدہ کے حق میں جائز کیوں نہیں ہوگی ۔اور جس طرح فرشتہ انسانوں اور حیوانات کے مشابہ نہیں ہوتا اسی طرح سانپ اور بچھو جو قبر میں کاٹتے ہیں وہ دنیوی سانپوں کی جنس سے نہیں ہیں بلکہ وہ دوسری جنس سے ہیں اور ان کا ادراک کسی دوسری قوت احساس سے ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا مقام یہ ہے کہ تم سونے والے کے معاملے کو یاد کرو کہ کبھی وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ اسے سانپ کاٹ رہا ہے اور اس کی وجہ سے اسے تکلیف ہوتی ہے حتی کہ تم دیکھتے ہو کہ وہ نیند کی حالت میں چیختا ہے اور اس کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے اور کبھی وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑتا ہے اور اس سونے والے کو یہ سب کچھ معلوم نہیں ہوتا ہے اور اس سے اس کو جاگنے والے کی طرح اذیت پہنچتی ہے اور وہ اس کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ حالانکہ تم اسے پُرسکون دیکھتے ہو اور تمہیں اس کے اردگرد سانپ نظر نہیں آتا جبکہ اس کے حق میں سانپ موجود ہے اور اسے عذاب ہو رہا ہے۔ لیکن تمہارے اعتبار سے نظر نہیں آتا اور جب اس کے کاٹنے کی تکلیف میں عذاب ہے تو اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ وہ سانپ خیالی ہے یا نظر آرہا ہے۔

۳۔ تیسرا مقام یہ ہے کہ تم جانتے ہو سانپ ذاتی طور پر اذیت ناک نہیں بلکہ تمہیں اس کا زہر نقصان پہنچاتا ہے پھر زہر بھی درد نہیں ہے بلکہ تمہیں زہر کے اثر سے تکلیف ہوتی ہے پس اگر ایسا ہی اثر زہر کے بغیر پایا جائے تو بدن میں بہت تکلیف ہوگی اور اس قسم کے عذاب اور تکلیف کو بیان نہیں کیا جا سکتا ہاں اس سبب کی طرف اس کی نسبت کی جائے جو عام طور پر اس تک پہنچاتا ہے اگر انسان میں جماع کی صورت کے علاوہ لذت جماع پیدا کر دی جائے تو اس کا بیان جماع کے حوالے سے بھی ہو سکتا ہے تاکہ سبب کی طرف نسبت سے اس کی تعریف ہو سکے اور اس کا ثمر معلوم ہو اگرچہ سبب کی صورت موجود نہیں ہوگی اور سبب بھی ذاتی طور پر مراد نہیں ہوتا بلکہ اس کا نتیجہ اور ثمرہ ہی مقصود ہوتا ہے اور یہ مہلک صفات موت کے وقت خود موذی اور تکلیف دہ بن جاتی ہیں اور ان سے پہنچنے والا درد سانپ کے ڈسنے کی طرح ہوتا ہے حالانکہ ان کا وجود نہیں ہوتا اور بری صفت کا موذی بن جانا اسی طرح ہے جیسے معشوق کی موت کے وقت عشق ایذا پہنچاتا ہے حالانکہ پہلے اس سے لذت حاصل ہوتی تھی لیکن اب اس پر ایسی حالت طاری ہو گئی کہ لذیز چیز خود بخود تکلیف دہ بن گئی حتی کہ دل پر طرح طرح کی تکالیف وارد ہوتی ہیں اور اس بنیاد پر وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش وہ عشق اور وصال سے لطف اندوز نہ ہوا ہوتا۔

بلکہ میت کو پہنچنے والے عذابوں میں سے ایک عذاب بعینہٖ یہی عذاب ہے کیونکہ اس نے اپنے آپ پر دنیا کے عشق کو مسلط کیا اور وہ اپنے مال، زمین، جاہ مرتبہ، اولاد، رشتہ داروں اور دوست احباب سے عشق کرنے لگا اگر زندگی میں

marfat.com

کوئی ایسا شخص اس سے یہ سب کچھ لے لیتا جس سے واپسی کی امید نہ ہوتی تو تم دیکھتے اس کا کیا حال ہوتا کیا وہ عظیم بدبختی کا شکار نہ ہوتا اور یہ تمنا نہ کرتا کہ کاش اس کے پاس مال بالکل نہ ہوتا اور نہ اسے کوئی جاہ و مرتبہ ملتا اور یوں وہ اس کے فراق سے اذیت نہ پاتا تو موت کا مطلب دنیا کی تمام محبوب چیزوں سے یکبارگی جدائی ہے۔

مَا حَالُ مَنْ كَانَ لَهُ وَاحِدٌ
غَيْبٌ عَنْهُ ذَلِكَ الْوَاحِدُ

اس کا کیا حال ہوگا جس کا اکلوتا ہی ہو اور وہ غائب ہو جائے۔

تو اس شخص کا کیا حال ہوگا جو صرف دنیا کے حاصل ہونے پر خوش ہوتا ہے۔ اور اس سے دنیا کو لے کر اس کے دشمنوں کے حوالے کر دیا جائے اور اس پر اضافہ یہ کہ اُخروی نعمتوں کے نہ ملنے کی حسرت بھی ہو اور اللہ تعالیٰ سے حجاب بھی ہو کیونکہ غیر اللہ کی محبت اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس سے لطف اندوزی کے راستے میں حجاب بن جاتی ہے۔

كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ
لَمَحْجُوبُونَ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ [1]

ہرگز نہیں! بے شک وہ اس دن اپنے رب سے پردے میں ہوں گے پھر بلا شبہ وہ جہنم میں جائیں گے۔

پس تمام محبوبوں سے فراق اور اخروی نعمتوں کے نہ ملنے کا افسوس نیز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مردود ہونے اور حجاب میں ہونے کی ذلت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یکے بعد دیگرے اس کا پیچھا کرتی ہے اور اسے اسی عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے، کیونکہ جدائی کی آگ کے بعد صرف جہنم کی آگ ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

لیکن جو شخص دنیا سے مانوس نہ ہو اور صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کرے اور اسے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق بھی ہو وہ دنیا کے قید خانے اور اس میں خواہشات کی سنتیاں بھگتنے میں چھوٹ جاتا ہے، اپنے محبوب کے ہاں چلا جاتا ہے اور تمام دنیوی رکاوٹیں ختم ہو جاتی ہیں نیز اسے اخروی نعمتیں پوری پوری دی جاتی ہیں اور اس کے ساتھ ہی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان نعمتوں کے زوال سے بے خوف ہوتا ہے اور اسی مقصد کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔ اور مقصود یہ ہے کہ آدمی کبھی اپنے گھوڑے کو چاہتا ہے حتیٰ کہ اگر اسے اختیار دیا جائے کہ یا تو اس سے گھوڑا لے لیا جائے یا اسے بچھو کاٹے تو وہ بچھو کے کاٹنے پر صبر کرنے کو ترجیح دیتا ہے، تو معلوم ہوا کہ گھوڑے کی جدائی کا رنج بچھو کے کاٹنے سے زیادہ پریشان کن ہے اور جب اس سے گھوڑا لے لیا جائے تو یہ جدائی اسے کاٹتی ہے تو چاہیے کہ اس کاٹنے کے لیے تیار ہو جائے کیونکہ موت اس سے اس کا گھوڑا، سواری، گھر، زمین، اہل و اولاد، دوست احباب سب کچھ لے لیتی ہے اس سے اس کا جاہ و مرتبہ اور مقبولیت بھی لے لیتی ہے، بلکہ اس کی سماعت و بصارت اور

---

[1] قرآن مجید، سورۃ تطفیف آیت ۱۵، ۱۶۔

marfat.com

اعضاء کو چھین لیتی ہے اور وہ ان تمام چیزوں کی واپسی سے مانوس ہو جاتا ہے اگر وہ ان چیزوں کے علاوہ کسی اور
، محبت نہ کرے اور اس سے یہ سب کچھ لے لیا جائے تو یہ (جدائی) بچھوؤں اور سانپوں سے زیادہ سخت ہے
ں طرح اس کی زندگی میں یہ چیزیں لی جائیں تو اسے سخت تکلیف ہوتی ہے اسی طرح مرنے کے بعد
، ہوتی ہے۔

کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ تکالیف اور لذتوں کا ادراک کرنے والی قوت کے لیے موت نہیں ہے بلکہ موت کے بعد
ں کا عذاب زیادہ سخت ہوتا ہے کیونکہ زندگی میں وہ ان اسباب سے تسلی حاصل کرتا ہے جن میں اس کے حواس
غول ہوتے ہیں یعنی دوسروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور گفتگو کے ذریعے اسے تسلی ہوتی ہے اور اس کو اس بات
مید بھی ہوتی ہے کہ اس چیز کا بدل مل جائے گا لیکن موت کے بعد تو کوئی تسلی نہیں کیونکہ تسلی کے تمام راستے بند
گئے اور مایوسی چھا گئی۔

تو اس کی ہر قمیض اور رومال جس کو چاہتا تھا کہ اگر اس سے لی جائے تو یہ بات اس کے لیے قابل برداشت نہ تھی تو
ں پر اسے افسوس ہوتا ہے اور اگر دنیا میں ہلکا پھلکا رہے گا تو محفوظ رہے گا اور بزرگوں نے جو بات فرمائی کہ ہلکے
ہلکے لوگ نجات پا گئے اس کا یہی مطلب ہے اور اگر دنیا میں زیادہ بوجھ ہو گا تو عذاب بھی زیادہ ہو گا اور جس طرح
ں شخص کا حال جس کا ایک دینار چوری ہو جائے اس شخص کے مقابلے میں ہلکا ہوتا ہے جس کے دس دینار چوری
ہوئیں اسی طرح ایک درہم والے کا حال دو درہموں والے کے حال سے ہلکا ہوتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
ں ارشاد گرامی کا یہی مطلب آپ نے فرمایا۔

صَاحِبُ الدِّرْهَمِ اَخَفُّ حِسَابًا مِنْ صَاحِبِ الدِّرْهَمَيْنِ [1]

ایک درہم والا، دو درہموں والے کی نسبت ہلکا پھلکا ہے۔

اور دنیا کی جو بھی چیز تم موت کے وقت چھوڑ دو گے موت کے بعد اس کا افسوس ہو گا۔ اب تمہاری مرضی ہے
یادہ کر دو یا کم اگر زیادہ حاصل کرو تو حسرت ہی زیادہ ہو گی اور اگر تھوڑا حاصل کرو گے تو تمہاری پیٹھ کا بوجھ ہی کم ہو گا
ران مالدار لوگوں کی قبروں میں سانپ اور بچھو زیادہ ہوں گے جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اس پر خوش ہوتے
ر مطمئن ہوتے ہیں۔ تو قبر کے سانپوں اور بچھوؤں کے سلسلے میں ایمان کے مقامات یہ (مذکورہ بالا) ہیں اور دوسری
سموں کے عذابوں کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کا بیٹا فوت ہو گیا ہے تو انہوں نے فرمایا بیٹا مجھے

---

[1] تذکرہ الموضوعات ص ۱۷۸ باب ذم الدنیا۔

marfat.com

کچھ وصیت کرو اس نے کہا ابا جان! جو کچھ اللہ تعالیٰ کو منظور ہے اس کی مخالفت نہ کرو فرمایا بیٹا! کچھ اور بتاؤ جواب دیا ابا جان آپ اس پر عمل نہیں کر سکیں گے فرمایا کہو، بیٹے نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کے اور اپنے درمیان ایک قمیض کو حجاب نہ بنانا چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے تیس سال تک قمیض نہیں پہنی۔

سوال:۔ ان تین مقامات سے کون سا مقام صحیح ہے۔؟

جواب:۔ لوگوں میں بعض صرف پہلے مقام کے قائل ہیں دوسرے مقامات کا انکار کرتے ہیں بعض پہلے کے منکر ہیں اور دوسرے مقامات کو مانتے ہیں اور کچھ حضرات صرف تیسرے مقام کے قائل ہیں لیکن ہمارے لیے چشم بصیرت سے جو حق بات ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک کا اپنا مقام ہے اور جو شخص ان میں سے بعض کا انکار کرتا ہے تو اس کی وجہ اس کے حوصلے کی تنگی ہے نیز وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت اور اس کی تدبیر کے عجائب سے جاہل ہیں پس وہ اللہ تعالیٰ کے ان بعض افعال کا انکار کرتا ہے جن سے وہ مانوس نہیں ہوتا۔ اور یہ جہالت اور کوتاہ فہمی ہے۔

بلکہ عذاب دینے کے سلسلے میں یہ تینوں طریقے ممکن ہیں اور ان کی تصدیق واجب ہے بعض بندوں کو ان میں سے کسی ایک عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے اور بعض کو تمام قسم کے عذاب دیئے جاتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے قلیل و کثیر عذاب سے اس کی پناہ چاہتے ہیں۔

یہی حق ہے لہذا دلیل کے بغیر ہی تقلید کے طور پر اس کی تصدیق کی جائے ورنہ روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہیں جو اس بات کو بطور تحقیق جانتا ہو میں تمہیں اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ اس کی تفصیل میں نہ جانا اور نہ ہی اس کی معرفت میں مشغول ہونا بلکہ عذاب کو دور کرنے کی تدبیر اختیار کرو جس طرح بھی ہو سکے۔

اور اگر تم عمل اور عبادت کو چھوڑ کر بحث میں مشغول ہو گئے تو تمہاری مثال اس طرح ہو گی جیسے کسی شخص کو بادشاہ نے پکڑ کر قید کر دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹے اور وہ تمام رات یہی بات سوچتا رہا کہ وہ چھری سے کاٹے گا یا تلوار سے یا استرے سے؟ اور اس نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے کسی تدبیر کو اختیار کرنے کا راستہ چھوڑ دیا اور یہ انتہائی درجہ کی حالت ہے۔ اور یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ موت کے بعد بندہ یا تو بہت بڑے عذاب میں مبتلا ہو گا یا دائمی نعمت حاصل ہو گی لہذا اس کے لیے تیاری کی جائے جہاں تک عذاب ثواب کی تفصیل کے بارے میں بحث کا تعلق ہے تو وہ فضول بات ہے اور وقت کو ضائع کرنا ہے۔

فصل ۴

منکر نکیر کے سوالات، قبر کا دبانا اور عذابِ قبر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی بندہ فوت ہو جاتا ہے تو اس

marfat.com

کے پاس سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے
اس سے پوچھتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اگر وہ مومن ہو تو کہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے
رے اور اس کے رسول ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہمیں معلوم تھا کہ تم یہی جواب دو گے پھر اس کے لیے اس کی قبر کو ستر مربع گز
شادہ کر دیا جاتا ہے اور اس کی قبر کو منور کر دیا جاتا ہے اس کے بعد اس کے کہا جاتا ہے، سو جا، وہ کہتا ہے مجھے
ہوڑ دو میں اپنے گھر والوں کی طرف جاؤں اور ان کو خبر دوں اس سے کہا جاتا ہے سو جا جس طرح دلہن سوتی ہے
اس کے گھر والوں میں سے صرف اس کا محبوب ہی جگاتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی قبر سے اٹھائے گا۔
اور اگر وہ منافق ہو تو کہتا ہے مجھے معلوم نہیں میں لوگوں سے سنتا تھا وہ کوئی بات کہتے تھے اور میں بھی کہتا تھا
دو فرشتے کہتے ہیں، ہمیں معلوم تھا تم یہی بات کہو گے پھر زمین سے کہا جاتا ہے اس پر مل جا تو وہ اس پر مل جاتی ہے
حتیٰ کہ اس کی پسلیاں اِدھر کی اُدھر ہو جاتی ہیں تو اسے مسلسل عذاب دیا جاتا ہے حتیٰ کہ اسے اس کی قبر سے
اٹھایا جائے گا۔[1]

حضرت عطار بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے عمر! جب آپ کا انتقال ہو گا تو کیا کیفیت ہو گی آپ کی قوم آپ کو لے جائے گی اور آپ کے لیے تین گز لمبی اور ڈیڑھ گز چوڑی قبر تیار کریں گے پھر واپس آ کر آپ کو غسل دیں گے اور کفن پہنائیں گے اور پھر خوشبو لگا کر آپ کو اٹھائیں گے حتیٰ کہ آپ کو قبر میں رکھ دیں گے پھر آپ کی قبر پر مٹی برابر کر دیں گے اور آپ کو دفن کر دیں گے اور جب وہ واپس لوٹیں گے تو آپ کے پاس امتحان لینے والے دو فرشتے منکر اور نکیر آئیں گے ان کی آواز بجلی کی کڑک جیسی اور ان کی آنکھیں چمکنے والی بجلی کی طرح ہوں گی وہ اپنے بالوں کو گھسیٹتے ہوئے آئیں گے اور اپنی دانتوں سے قبر کو کھود کر تجھے جھنجھوڑ دیں گے اے عمر اس وقت کیا کیفیت ہو گی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیا اس وقت میری عقل آج کی طرح میرے ساتھ ہو گی؟ آپ نے فرمایا "ہاں" عرض کیا پھر میں ان کو کافی ہوں گا۔[2]

یہ اس بات کے بارے میں صریح نص ہے کہ عقل میں موت کی وجہ سے کوئی تبدیلی نہیں آتی بلکہ بدن اور اعضاء میں تبدیلی آتی ہے۔ لہٰذا میت عقلمند، سمجھدار، ادراک و تکالیف و لذات کو جاننے والا ہوتا ہے جس طرح پہلے تھا اور ادراک کرنے والی عقل ان اعضاء کا نام نہیں بلکہ وہ ایک باطنی چیز ہے جس کی لمبائی چوڑائی نہیں ہوتی، بلکہ وہ چیز ذاتی طور پر تقسیم نہیں

---

[1] جامع ترمذی ص ۱۷۳، ابواب الجنائز۔
[2] المطالب العالیہ جلد ۴ ص ۳۶۳ حدیث ۴۶۰۳

marfat.com

ہوتی وہی اشیاء کا ادراک کرتی ہے اور اگر انسان کے تمام اعضاء بکھر جائیں تو صرف وہی مدرک جزء رہ جائے جو تقسیم نہیں ہوتی تو انسان مکمل طور پر عقلمند اور تمام و باقی ہوتا ہے تو موت کے بعد بھی یہی حالت ہوتی ہے کیونکہ اس جزء پر موت نہیں آتی اور نہ ہی عدم طاری ہوتا ہے۔

حضرت محمد بن منکدر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ قبر میں کافر پر اندھا اور بہرہ چوپایہ مسلط کیا جاتا ہے اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک ڈنڈا ہوتا ہے جس کا سرا اونٹ کے کوہار کی طرح ہوتا ہے اور اسے قیامت تک مارتا رہے گا، نہ تو تم اس کو دیکھتے ہو کہ اس کو بچاؤ اور نہ اس کی آواز سنتے ہو کہ اس پر رحم کھاؤ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے اعمال صالح اگر اسے گھیر لیتے ہیں اگر عذاب اس کے سر کی طرف سے آئے تو قرآن اسے روک لیتی ہے اور اگر پاؤں کی طرف سے آئے تو نماز میں قیام آڑے آتا ہے۔ اگر ہاتھوں کی طرف سے آئے تو ہاتھ کہتے ہیں اللہ کی قسم! یہ ہمیں صدقہ دینے اور دعا کیلئے پھیلاتا تھا تم اس تک نہیں پہنچ سکتے اگر منہ کی طرف سے آئے تو ذکر اور روزہ سامنے آجاتے ہیں اسی طرح ایک طرف نماز اور صبر کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں اگر کچھ کسر باقی ہے تو ہم موجود ہیں۔

حضرت سفیان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں آدمی کے نیک اعمال اس کی طرف سے اس طرح جھگڑتے ہیں جس طرح آدمی اپنے بھائی، گھر والوں اور اولاد کی طرف سے جھگڑتا ہے پھر اس وقت کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ تیری خواب میں برکت دے تیرے دوست کتنے اچھے ہیں اور تیرے ساتھی کتنے اچھے ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم ایک جنازہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ اس کی قبر کے سرہانے تشریف فرما ہوئے پھر اس میں دیکھنے لگے اس کے بعد فرمایا

يُضْغَطُ الْمُؤْمِنُ فِيْ هٰذَا ضَغْطَةً تُرَدُّ مِنْهَا حَمَائِلُهٗ [1]

مومن کو اس قبر میں اس طرح دبایا جاتا ہے کہ اس کی پسلیاں اِدھر اُدھر ہو جاتی ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ لِلْقَبْرِ ضَغْطَةً وَلَوْ سَلِمَ اَوْ نَجَا مِنْهَا اَحَدٌ لَنَجَا سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ [2]

بے شک قبر دباتی ہے اور اگر کوئی اس سے محفوظ رہتا یا (فرمایا) نجات پاتا تو وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہوتے۔

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۰۷ مرویات حذیفہ۔

[2] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۵۵ مرویات عائشہ۔

marfat.com

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہ
انتقال ہوا اور آپ اکثر بیمار رہتی تھیں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلے اور ہمیں آپ کی حالت میں کچھ تبدیلی محسوس
ہوئی جب ہم قبر کے پاس پہنچے تو آپ قبر شریف کے اندر داخل ہوئے آپ کا چہرہ انور کچھ پیلا پڑ گیا جب باہر تشریف لائے
چہرہ انور روشن تھا ہم نے عرض کیا (یا رسول اللہ) ہم نے آپ کا جو حال دیکھا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔
مجھے قبر کا میری بیٹی کو دبانا اور عذاب قبر یاد آیا جب میں اترا تو مجھے بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تخفیف فرما دی ہے
ان کو اس قدر دبایا گیا کہ ان کی آواز کو مشرق و مغرب کے درمیان والی مخلوق نے سنا (انسانوں اور جنوں کے علاوہ)[1]

آٹھواں باب

حالتِ خواب میں کشف کے ذریعے مردوں کے حالات کا علم

جاننا چاہیے کہ نور عقل جو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نیز عبرت کی راہوں میں سے ہے اس میں ہمیں
بندوں کی حالات اجمالی طور پر معلوم ہوتے ہیں نیز یہ کہ ان میں نیک بخت بھی ہیں اور بد بخت بھی، لیکن متعین طریقے
کسی شخص کا حال معلوم نہیں ہوتا اگر ہمیں زید اور عمر یعنی کسی بھی شخص کے ایمان پر اعتماد بھی ہو تو بھی ہمیں معلوم نہیں
کہ ان کی موت کس عقیدے پر ہوگی اور ان کا خاتمہ کیسے ہوا؟ ہم ان کی ظاہری نیکی کا اعتبار کرتے ہیں لیکن تقویٰ کا
مقام دل ہے اور وہ نہایت باریک ہے حتی کہ خود تقویٰ والے کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا۔ دوسروں کو کیسے ہوگا
لہٰذا باطنی تقویٰ کے بغیر ظاہر پر حکم نہیں لگایا جا سکتا ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ[2] بے شک اللہ تعالیٰ متقی لوگوں سے ہی قبول کرتا ہے۔

لہٰذا کسی بھی شخص کے حکم کی معرفت، اس کے مشاہدے کے بغیر نہیں ہو سکتی اور مشاہدہ اس چیز کا ہوتا ہے جو اس
میں جاری ہوتی ہے لیکن جب آدمی مر جاتا ہے تو وہ ملک و شہادت کے عالم سے غیب و ملکوت کے عالم میں چلا جاتا
ہے لہٰذا وہ ظاہری آنکھ سے دکھائی نہیں دیتا بلکہ وہ دوسری آنکھ سے نظر آتا ہے اور وہ آنکھ ہر انسان کے دل میں
پیدا کی گئی ہے لیکن انسان نے اپنی خواہشات اور دنیوی مشاغل کا موٹا پردہ ڈال رکھا ہے لہٰذا وہ اس سے دیکھ
نہیں سکتا اور جب تک اس کی قلبی آنکھ سے یہ پردہ ہٹ نہیں جاتا اس کے لیے عالم ملکوت کو دیکھنا ممکن نہیں اور چونکہ
انبیاء کرام علیہم السلام کی (قلبی) آنکھوں سے یہ پردہ ہٹا ہوا ہوتا ہے لہٰذا انہوں نے یقیناً ملکوت کو دیکھا اور اس کے
ثابت کو دیکھنا اور فوت شدہ لوگ بھی عالم ملکوت میں ہوتے ہیں اس لیے انبیاء کرام علیہم السلام نے ان کا مشاہدہ

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی جلد اول ص ۲۵۷ حدیث ۷۴۵

[2] قرآن مجید سورہ مائدہ آیت ۲۷

marfat.com

گیا اور ان کے بارے میں بتایا۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں قبر کے دبانے کو ملاحظہ فرمایا اور اس طرح جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو ان کا حال بھی آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے سامنے بٹھایا ہے اور درمیان میں کوئی حجاب نہیں ہے۔[1]

اور اس قسم کے مشاہدے کے سلسلے میں انبیاء کرام اور ان اولیاء کرام کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے طمع نہیں ہو سکتی جن اولیا کرام کا درجہ انبیاء کرام علیہم السلام کے قریب ہے۔

ہم جیسے لوگوں کو ایک اور ضعیف مشاہدہ ہو سکتا ہے لیکن وہ بھی مشاہدہ نبویہ ہے اس سے مراد خواب میں حاصل ہونے والا ہے اور یہ انوار نبوت میں سے ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ جُزْءٌ مِنْ سِتَّۃٍ وَاَرْبَعِیْنَ جُزْأً مِنَ النُّبُوَّۃِ[2] اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

یہ انکشاف بھی اسی وقت ہوتا ہے جب دل سے پردہ اٹھ جائے اسی لیے صرف نیک اور سچے آدمی کے خواب پر اعتماد کیا جاتا ہے اور جو آدمی زیادہ جھوٹ بولتا ہو اس کے خواب کی تصدیق نہیں کی جا سکتی اور جس کا فساد اور گناہ زیادہ ہوں اس کا دل تاریک ہو جاتا ہے لہٰذا وہ جو کچھ دیکھتا ہے وہ پریشان خواب ہیں۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوتے وقت وضو کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ طہارت کی حالت میں سوئے اور یہ باطنی طہارت کی طرف بھی اشارہ ہے اور یہ اس لیے ہے جب کہ ظاہری طہارت اس کی تکمیل کی طرح ہے اور جب باطن صاف ہو تو دل کی آنکھ پر وہ بات منکشف ہوتی ہے جو مستقبل میں واقع ہو گی جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ جانا خواب میں منکشف ہوا حتی کہ قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّؤْیَا بِالْحَقِّ۔[3] بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں سچ کر دیا۔

اور انسان اپنے خوابوں سے بہت کم خالی ہوتا ہے۔ جن میں سچی باتیں نظر آئیں، خواب اور نیند کی حالت میں غیب کی باتوں کا نظر آنا اللہ تعالیٰ کی عجیب صنعتوں اور انسانی فطرت کی نادر باتوں میں سے ہے اور یہ عالم ملکوت پر سب سے واضح دلیل ہے حالانکہ لوگ اس سے اس طرح غافل ہیں جس طرح وہ دل کے عجائب اور عجائب عالم

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی جلد اول ص ۲۵۷ حدیث ۷۴۵۔

[2] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۳۵۔ اکتاب البعتر۔

[3] الترغیب والترہیب جلد اوّل ص ۱۰۴ کتاب النوافل۔

[4] قرآن مجید سورہ فتح آیت ۲۷/ الدر المنثور جلد ۲ ص ۸۰ بحث اسی آیت کے تحت۔

marfat.com

، خائل ہیں اور خواب کی حقیقت کے بارے میں گفتگو علوم مکاشفہ کی گہری باتوں میں سے ہے لہٰذا علم معاملہ کے ساتھ
، کا بطور ضمیمہ ذکر ممکن نہیں لیکن جس قدر ذکر یہاں ممکن ہے وہ ایک مثال ہے جس سے تم مقصود کو سمجھ جاؤ گے وہ
، کہ تم جانتے ہو دل کی مثال شیشے جیسی ہے جس میں صورتیں اور حقائق امور دکھائی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس
، کی تخلیق سے اس کی آخر تک جو کچھ مقدر فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق میں لکھا ہوا ہے جس کو کبھی لوح محفوظ
ے ہیں کبھی کتاب مبین اور کبھی امام مبین کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے جو کچھ عالم میں ہو چکا ہے اور اس
، لبد ہوگا وہ اس میں لکھا ہوا ہے اور اس طرح نقش ہے کہ اسے (اس) ظاہری آنکھ سے دیکھا نہیں جا سکتا۔

اور تمہیں یہ خیال بھی نہیں کرنا چاہیے کہ یہ لوح محفوظ لکڑی یا لوہے کی یا ہڈی سے بنی ہوئی ہے اور کتاب کاغذ
پتے کی ہے لیکن اس بات کو قطعی طور پر سمجھنا چاہیے کہ لوح محفوظ مخلوق کی لوح (تختی) جیسی نہیں ہے اور
ند تعالیٰ کی کتاب مخلوق کی کتاب جیسی نہیں ہے

، جس طرح اس ذات وصفات مخلوق کی ذات وصفات کی طرح نہیں بلکہ اگر تم اس کے لیے مثال چاہو جس سے تمہیں بات سمجھ آ
ئے تو جان لو کہ لوح محفوظ پر تعدیروں کا لکھا ہونا اسی طرح ہے جیسے حافظ قرآن کے دل و دماغ پر قرآن پاک کے
فاظ و حروف نقش ہوتے ہیں وہ اس پر لکھے ہوتے ہیں حتی کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ پڑھتے وقت وہ ان کو دیکھ رہا ہے
بن جب دماغ کے ایک ایک کونے میں اسے تلاش کیا جائے تو تمہیں اس کا ایک حرف بھی دکھائی نہیں دے گا
ر وہاں کوئی خط یا حرف نظر نہیں آئے گا۔

تو اس طرح پر لوح محفوظ کو بھی سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا و تقدیر میں جو کچھ ہے وہ سب کچھ لوح محفوظ
ں نقش ہے اور اس مثال میں لوح شیشے کی طرح ہے جس میں صورتیں ظاہر ہوتی ہیں اور اگر ایک شیشے کے
قابلے میں دوسرا شیشہ رکھا جائے تو اس شیشے والی صورت دوسرے شیشے میں دکھائی دے گی بشرطیکہ دونوں کے
رمیان حجاب نہ ہو۔

•

پس دل ایک شیشہ ہے جو علم کی تحریر کو قبول کرتا ہے اور لوح محفوظ ایک اور شیشہ ہے جس میں تمام علم منقوش
ر موجود ہے لیکن دل کا خواہشات اور حواس کے تقاضوں میں مشغول ہونا ایک پردہ ہے جو لوح محفوظ کو دیکھنے کے
رمیان رکاوٹ ہے اور لوح محفوظ کا تعلق عالم ملکوت سے ہے پس اگر ہوا چلے تو اس پردے کو حرکت ہوتی ہے
ر یہ اس سے اٹھ جاتا ہے اس لیے دل کے شیشے میں عالم ملکوت سے کوئی چیز چمکتی ہے جس طرح بجلی چمکتی ہے
ب یہ چمک کبھی باقی رہتی ہے اور دائمی ہوتی ہے اور یہ چمک کبھی قائم نہیں رہتی ہے اور عام طور پر اسی طرح ہوتا ہے اور
جب تک آدمی جاگتا رہتا ہے اس وقت تک وہ ان امور میں لگا رہتا ہے جو ظاہری عالم سے حواس کے ذریعے پلٹتے
ہیں اور یہ عالم ملکوت سے حجاب ہے۔

marfat.com

اور نیند کا معنی یہ ہے کہ حواس ساکن ہو جائیں اور دل پر کوئی چیز نہ پہنچائیں پس جب ظاہری حواس کے عمل اور خیال سے فارغ ہوتا ہے اور اس کا جوہر بھی صاف ہوتا ہے تو اس کے اور لوح محفوظ کے درمیان سے پردہ اٹھ جاتا ہے اور اس سے کوئی چیز دل میں واقع ہوتی ہے، جس طرح کوئی صورت ایک شیشے سے دوسرے شیشے میں واقع ہوتی ہے لیکن اس وقت جب پردہ اٹھ جائے لیکن تمام حواس کو عمل سے روک دیتی ہے البتہ خیال کو عمل اور حرکت سے کوئی چیز نہیں روک سکتی پس جو کچھ دل میں واقع ہوتا ہے خیال اس کی طرف جلدی کرتا ہے اور اس چیز کے مشابہ چیز کو قریب کر دیتا ہے اور خیالات حافظہ میں دوسری باتوں کے مقابلے میں زیادہ محفوظ ہوتے ہیں لہذا خیال حافظہ میں باقی رہتا ہے پس جب وہ بیدار ہوتا ہے تو اسے صرف خیال یاد رہتا ہے لہذا تعبیر بتانے والا اس خیال کو کسی معنی کے ذریعے حکایت کرتا ہے لہذا وہ خیال اور اس کے معنی کے درمیان مناسبت کی طرف رجوع کرتا ہے۔

جو شخص علم تعبیر میں نظر رکھتا ہے اس کے لیے اس کی مثالیں ظاہر ہیں اور تمہیں ایک مثال کافی ہے وہ یہ کہ ایک شخص نے حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے دیکھا گویا میرے ہاتھ میں انگوٹھی ہے جس کے ذریعے میں لوگوں کے مویشیوں اور عورتوں کی شرمگاہوں پر مہر لگاتا ہوں، آپ نے فرمایا تم موذن ہو رمضان شریف میں صبح سے پہلے اذان دیتے ہو اس نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔

تو دیکھئے مہر لگانے کا معنی روکنا ہے اور مہر سے یہی بات مقصود ہوتی ہے اور دل کے لیے انسان کا حال جو لوح محفوظ میں ہے جوں کا توں منکشف ہوتا ہے، یعنی لوگوں کو کھانے پینے سے روکنا لیکن خیال اس بات کا عادی ہے کہ مہر لگانے کے ذریعے رکاوٹ ہوتی ہے تو خیالی صورت جو روح معنیٰ کو متضمن ہے دکھائی گئی ہے اور ذہن میں صرف خیالی صورت باقی رہتی ہے۔

جو خوابوں کا علم جس کے عجائب بے شمار ہیں اس میں سے تھوڑا سا ہم نے بیان کیا اور خوابوں کے عجائب کس طرح زیادہ نہ ہوں جبکہ خواب اور موت کا باہم تعلق ہے اور موت عجائب میں سے ایک عجوبہ ہے۔ اور اس مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں بھی عالم غیب سے کچھ نہ کچھ ظاہر ہو جاتا ہے حتیٰ کہ سونے والے کو مستقبل کی باتوں کا علم ہو جاتا ہے تو موت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے حالانکہ وہ پردے کو پھاڑ دیتی ہے اور پردہ مکمل طور پر ہٹ جاتا ہے حتیٰ کہ سانس نکلتے ہی کسی تاخیر کے بغیر وہ اپنے آپ کو سزا، ذلت اور رسوائی میں پاتا ہے ہم اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں یا وہ دائمی نعمتوں یا ایسی عظیم بادشاہی میں اپنے آپ کو گھرا ہوا پاتا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں اس وقت جب پردہ اٹھ جاتا ہے تو بدبخت لوگوں سے کہا جاتا ہے،

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ [1]

تم اس بات سے غفلت میں تھے پس ہم نے تم سے تمہارا پردہ ہٹا دیا تو آج تمہاری نگاہ بہت تیز ہے،

---

[1] قرآن مجید سورہ ق آیت ۲۲

marfat.com

اور کہا جائے گا۔

اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ [1]

کیا یہ جادو ہے یا تم نہیں دیکھتے اس میں داخل ہو جاؤ تم صبر کرو یا نہ کرو تم پر دونوں باتیں برابر ہیں تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

اور ارشاد خداوندی میں انہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔

وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ [2]

اور ان کے لیے وہ چیز ظاہر ہوئی جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا۔

تو جو سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑا دانا ہے اس کے لیے موت کے بعد اپنے عجائب اور نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں کہ کبھی دل میں ان کا کھٹکا تک نہ ہوا اور نہ ہی کبھی خیال پیدا ہوا پس اگر عقلمند آدمی کو صرف اسی حالت کی فکر اور غم ہو کہ حجاب کس طرح اٹھے گا اور نامعلوم لازمی بدبختی نظر آئے گی یا دائمی سعادت تو عمر بھر کے لیے یہی فکر کافی ہے یہ بات تعجب خیز ہے کہ یہ بڑے بڑے امور ہمارے سامنے ہیں اور ہم غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ہم اپنے مالوں گھر بار، اسباب، اولاد، بلکہ اپنے اعضاء قوت سماعت اور قوت بصارت پر خوش ہوتے ہیں حالانکہ ہم یقین سے جانتے ہیں کہ ان سب کو چھوڑنا ہوگا لیکن کہاں ہے وہ جس کے دل میں روح القدس وہ بات ڈال دے جو اس نے تمام نبیوں کے سردار سے کہی تھی حضرت جبریل امین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔

اَحْبِبْ مَا اَحْبَبْتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُهٗ وَعِشْ مَا شِئْتَ فَاِنَّكَ مَيِّتٌ وَاعْمَلْ مَا شِئْتَ فَاِنَّكَ مَجْزِيٌّ بِهٖ [3]

آپ جس چیز سے چاہیں محبت کریں بالآخر اس سے جدائی ہوگی اور جب تک زندہ رضا چاہیں زندہ رہیں آخر کار مرنا ہے اور جو عمل چاہیں کریں اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

تو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بات یقین کی آنکھ سے مکشوف اور واضح تھی تو آپ دنیا میں مسافر کی طرح رہے آپ نے اینٹ پر اینٹ اور بانس پر بانس نہ رکھا (عمارت نہ بنائی) [4] نہ آپ نے کوئی دینار چھوڑا اور نہ ہی کسی کو حبیب و خلیل بنایا ہاں یہ بات فرمائی۔

---

[1] قرآن مجید سورہ طور آیت ۱۵، ۱۶

[2] " " سورہ زمر آیت ۴۷

[3] شرح السنۃ للبغوی جلد ۱۴ ص ۲۰۴ حدیث ۴۱۱۲

[4] کنز العمال جلد ۱۱ ص ۱۰۱ حدیث ۳۰۷۹۳

marfat.com

لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا وَلٰكِنْ صَاحِبُكُمْ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ۔[1]

اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیل بناتا لیکن تمہارے ساتھی تو رحمٰن کے خلیل ہیں۔

تو آپ نے بیان فرمایا کہ رحمن کی دوستی آپ کے دل میں گھر کر گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت آپ کے دل میں گھر کر گئی ہے لہذا کسی دوسرے خلیل یا حبیب کی گنجائش باقی نہ رہی اور آپ نے اپنی امت سے فرمایا۔ (ارشاد خداوندی ہے)

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔[2]

اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

اور آپ کی امت وہی ہے جو آپ کی پیروی کرے اور آپ کی پیروی وہی کر سکتا ہے جو دنیا سے منہ پھیرے اور آخرت کی طرف متوجہ ہو۔ کیونکہ آپ نے صرف اللہ تعالیٰ اور آخرت کی دعوت دی ہے اور دنیا اور اس کی فوری لذتوں سے باز رکھا۔ تو تم جس قدر دنیا سے اعراض کرو گے اور آخرت کی طرف متوجہ ہو گے۔ اسی قدر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر چلنے والے ہو گے اور جس قدر آپ کے راستے پر چلو گے اسی قدر آپ کے پیروکار کہلاؤ گے اور جس قدر آپ کی پیروی کرو گے اسی قدر آپ کی امت سے تمہارا تعلق ہو گا۔

لیکن جس قدر دنیا کی طرف متوجہ ہو گئے اسی قدر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں روگردانی کرنے والے اور آپ کی اتباع سے اعراض کرنے والے ہو گے۔ اور لوگوں سے مل جاؤ گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى۔

پس جس شخص نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی پس جہنم ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔

اور اگر تم غرور کی گھاٹ سے نکلو اور اپنے نفس سے انصاف کرو بلکہ ہم سب کا یہی معاملہ ہے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ تم صبح سے شام تک دنیا کے فوری فوائد کے لیے کوشش کرتے ہو پھر تم اس بات کی طمع رکھتے ہو کہ کل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اور آپ کی اتباع کرنے والوں میں شمار ہو۔

یہ بات کس قدر عقل سے دور ہے اور کتنی سرد طمع ہے، ارشاد خداوندی ہے

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ۔[4]

تو کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کی طرح قرار دیں تمہیں کیا ہوا کیا فیصلہ کرتے ہو۔

---

[1] صحیح بخاری جلد اول ص ۵۱۶ کتاب المناقب۔

[2] قرآن مجید سورہ آل عمران آیت ۳۱۔

[3] " " سورہ النازعات آیت ۳۷۔

[4] " " قلم سورہ آیت ۳۵، ۳۶۔

marfat.com

بات کہیں کی کہیں جا پڑی اب ہم اصل مقصد کی طرف لوٹتے ہیں اور ان خوابوں کا ذکر کرتے ہیں جن سے مردوں کے حالات کا کشف ہوتا اور اس کا بہت بڑا فائدہ ہے کیونکہ نبوت چلی گئی اور بشارتیں باقی رہ گئیں اور وہ خوابیں ہی ہیں

فصل ۱

مردوں کے اُخروی فوائد پر مبنی احوال سے متعلق خوابیں

ان میں سے ایک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب ہے آپ نے فرمایا۔

مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِیْ حَقًّا فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ [1]

جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے حقیقتاً مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی میں نے دیکھا کہ آپ میری طرف نظر نہیں فرما رہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میرا کیا تصور ہے؟ آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم نے روزے کی حالت میں (اپنی بیوی کا) بوسہ نہیں لیا؟ اس نے عرض کیا مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، آئندہ میں روزے کی حالت میں کسی عورت (بیوی) کا بوسہ نہیں لوں گا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے محبت اور دوستی تھی میں چاہتا تھا کہ خواب میں ان کو دیکھوں تو سال کے آخر میں مجھے ان کی زیارت ہوئی میں نے دیکھا کہ آپ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے ہیں اور فرماتے ہیں یہ میری فراغت کا وقت ہے اگر میں رؤف ورحیم ذات سے نہ ملا ہوتا تو میری کشتی کا تختہ ڈوب چکا ہوتا۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے رات کو خواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو عرض کیا یارسول اللہ! آپ کی امت سے مجھے کچھ بھلائی نہیں پہنچی آپ نے فرمایا ان کے حق میں بددعا کرو۔ میں نے دعا کی یا اللہ! مجھے ان کے بدلے میں ان سے اچھے لوگ عطا فرما اور میرے بدلے میں ان کو ایسا شخص دے جو میرے مقابلے اچھا نہ ہو۔ چنانچہ آپ باہر تشریف لائے تو ابن ملجم نے آپ پر حملہ کر دیا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ! حضرت سفیان بن عیینہ نے حضرت محمد بن منکدر سے روایت کی ہے فرماتے ہیں ہم سے بیان کیا انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ سے جب بھی کچھ مانگا آپ نے لفظ "لا" (نہیں) نہیں فرمایا [2] تو آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳۵ کتاب التعبیر۔

[2] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۵۳ کتاب الفضائل۔

marfat.com

اللہ تعالیٰ تمہاری بخشش فرمائے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا۔ ابولہب سے میرا بھائی چارہ اور دوستی تھی جب وہ مرگیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا جو کچھ فرمایا (سورہ لہب نازل کی) تو مجھے دکھ ہوا اور میں اس کے معاملے میں پریشان ہوا میں نے ایک سال تک اللہ تعالیٰ سے یہی دعا مانگی کہ اس کو مجھے خواب میں دکھائے فرماتے ہیں میں نے اسے دیکھا کہ اس پر آگ کی لپیٹ ہے میں نے اس کا حال پوچھا تو اس نے کہا میں دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہوں اور یہ عذاب مجھ پر ہلکا نہیں ہوتا اور نہ ہی مجھے راحت پہنچتی ہے مگر سوموار کی رات عذاب کم ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ ابولہب نے جواب دیا اس رات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی تو مجھے ایک لونڈی نے آکر بتایا کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہ کے ہاں بچے کی ولادت ہوئی ہے میں نے اس پر خوش ہو کر لونڈی کو آزاد کر دیا تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ہر سوموار کی رات مجھ سے عذاب کو اٹھا دیتا ہے (سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد شریف پر خوش ہونے والوں کے لیے بشارت ہے۔ ۱۲ ہزاروی)

حضرت عبدالواحد بن زید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں حج کے لیے نکلا تو ایک شخص میرے ساتھ ہو گیا اور ہم بیٹھتے چلتے پھرتے اور حالت سکون میں بارگاہ نبوی میں ہدیہ درود بھیجتا میں نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا میں آپ کو بتاؤں گا پھر اس نے کہا میں پہلی مرتبہ اپنے والد کے ہمراہ مکہ شریف کی طرف نکلا جب ہم واپس ہوئے تو میں ایک مقام پر سو گیا اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا کوئی آنے والا میرے پاس آیا اس نے کہا اٹھو تمہارے باپ کی موت واقع ہو گئی ہے اور اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا ہے وہ کہتا ہے میں ڈرتا ہوا اٹھا اور باپ کے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو واقعی وہ فوت ہو چکا تھا اور چہرہ بھی سیاہ تھا میں بہت زیادہ خوف زدہ ہوا میں اسی غم میں مبتلا تھا کہ مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گیا، میں نے دیکھا کہ میرے باپ کے سرہانے چار سیاہ فام آدمی لوہے کے ڈنڈے لیے کھڑے ہیں کہ اچانک ایک خوبصورت شخص جس نے دو سبز کپڑے پہن رکھے تھے تشریف لائے انہوں نے فرمایا اس سے ہٹ جاؤ پھر اپنا دست مبارک میرے والد کے چہرے پر پھیرا اس کے بعد میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا اٹھو اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کا چہرہ سفید کر دیا ہے میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ وہ شخص کہتا ہے میں نے اپنے باپ کے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو وہ سفید تھا اس کے بعد میں نے کبھی بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ترک نہیں کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دونوں آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے میں

marfat.com

ام عرض کر کے بیٹھ گیا میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ داخل ہوئے ان دونوں پر دروازہ
ر دریا گیا اور میں دیکھ رہا تھا زیادہ دیر نہ گزری کہ حضرت علی المرتضیٰ باہر تشریف لائے اور فرما رہے تھے رب کعبہ کی قسم!
برے حق میں فیصلہ ہو گیا پھر جلد ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور فرمایا رب کعبہ کی قسم! میری
شش ہو گئی۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نیند سے بیدار ہوئے تو انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھنے لگے اور فرمایا!
ندی کی قسم! حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ اور یہ خواب واقع شہادت سے پہلے کا ہے صحابہ کرام نے
س بات کو تسلیم نہ کیا تو انہوں نے فرمایا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ کے پاس خون سے بھری
ہوئی ایک شیشی ہے آپ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے میری امت نے میرے بعد کیا کیا؟ انہوں نے میرے بیٹے
حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا یہ ان کا اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے میں اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں لے جاؤں گا۔
رماتے ہیں میں بیس دن بعد اسی دن جب خواب دیکھا تھا آپ کی شہادت کی اطلاع مل گئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا گیا تو عرض کیا گیا آپ اپنی زبان کے بارے میں ہمیشہ فرمایا کرتے تھے
کہ اس نے مجھے تباہی کی جگہوں پر پہنچا دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انہوں نے جواب دیا میں نے
کلمہ طیبہ پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے جنت میں داخل کر دیا۔

فصل ۲

بزرگوں کے خواب

ایک بزرگ فرماتے ہیں میں نے حضرت متیم دورتی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا اے میرے آقا!
اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انہوں نے فرمایا مجھے جنتوں میں پھرایا گیا اور پوچھا گیا اے متیم! کیا آپ
کو ان میں سے کوئی چیز اچھی لگی ہے؟ میں نے کہا اے میرے آقا! نہیں۔ فرمایا اگر تمہیں ان میں سے کوئی چیز
اچھی لگتی تو میں تجھے اس کے حوالے کرتا اور تجھے اپنا قرب عطا نہ کرتا۔

حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ کو خواب دیکھا گیا تو پوچھا گیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟
فرمایا اس نے مجھے بخش دیا پوچھا اس کی وجہ؟ فرمایا میں نے سنجیدہ بات کو مذاق کے ساتھ نہیں ملایا۔

حضرت منصور بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت بزار رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا
اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک فرمایا؟ انہوں نے فرمایا اس نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور میں نے جن جن
گناہوں کا اقرار کیا ان سب کو بخش دیا لیکن ایک گناہ رہ گیا مجھے اس کا اقرار کرتے ہوئے شرم محسوس ہوئی تو اس

marfat.com

نے مجھے پسینے میں کھڑا کیا حتی کہ میرے چہرے کا گوشت گر پڑا۔ میں نے پوچھا وہ کون سا گناہ ہے؟ فرمایا میں نے ایک خوبصورت لڑکے کو دیکھ کر اسے پسند کیا تو مجھے حیا آئی کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کا ذکر کروں۔

حضرت ابو جعفر صیدلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ کے گرد فقراء کی ایک جماعت تھی ہم اسی حالت میں تھے کہ آسمان پھٹا اور دو فرشتے اترے ایک کے ہاتھ میں تھال اور دوسرے کے ہاتھ میں لوٹا تھا تھال والے نے تھال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا اور آپ نے اپنے دست مبارک دھوئے پھر آپ کے حکم سے دوسروں نے بھی ہاتھ دوئے پھر تھال میرے سامنے رکھا گیا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا اس کے ہاتھوں پر پانی نہ ڈالنا کیونکہ یہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ حدیث آپ سے مروی نہیں ہے کہ انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں (مروی ہے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ سے اور ان فقراء سے محبت کرتا ہوں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے ہاتھ پر بھی پانی ڈالو یہ بھی ان میں سے ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا گویا میں لوگوں میں تقریر کر رہا ہوں تو ایک فرشتے نے میرے پاس کھڑے ہو کر پوچھا جن باتوں کے ذریعے لوگ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ قریب چیز کون سی ہے؟ میں نے کہا پوشیدہ عمل جو پورے ترازو میں ہو (یہ سن کر) فرشتے نے یہ کہتے ہوئے پیٹھ پھیر لی اللہ کی قسم! اس شخص کو توفیق دی گئی ہے۔

حضرت مجمع رحمتہ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا گیا آپ نے معاملہ کیسا پایا؟ انہوں نے فرمایا، میں نے دیکھا کہ زاہدین دنیا اور آخرت کی بھلائی لے گئے۔

ایک شامی نے حضرت علاء بن زیاد رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے آپ کو خواب میں دیکھا گویا آپ جنت میں ہیں (یہ سن کر) آپ اپنی نشست سے اٹھے اور اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، شاید شیطان نے مجھ سے کسی بات کا ارادہ کیا تو میں اس سے محفوظ ہو گیا اور اس نے اب کسی شخص کو میرے قتل کے لیے مقرر کیا ہے۔

حضرت محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا! خواب مومن کو خوش کرتی ہے دھوکے میں نہیں ڈالتی۔

حضرت صالح بن بشیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عطا سلمی رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ دنیا میں بہت غمگین رہتے تھے انہوں نے فرمایا سنو! اللہ کی قسم مجھے اس پر بہت زیادہ آرام اور دائمی خوشی حاصل ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا آپ کس درجہ میں ہیں؟ فرمایا۔

marfat.com

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا

وہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا اور وہ انبیاء کرام "صدیقین"، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ لوگ نہایت اچھے ساتھی ہیں۔

حضرت زرارہ بن ابی اوفیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے خواب میں پوچھا گیا کہ تم لوگوں کے نزدیک سب سے بہتر عمل کون سا ہے؟ فرمایا (اللہ تعالیٰ کے حکم پر) راضی رہنا اور امید کم رکھنا۔

حضرت یزید بن مذعور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا اے ابو عمرو! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جس کے ذریعے میں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کروں۔ انہوں نے فرمایا میں نے یہاں علماء سے بڑھ کر کسی کا مقام نہیں پایا اس کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جو غمگین رہتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں حضرت یزید بن مذعور رحمۃ اللہ بہت بڑے بزرگ تھے وہ ہمیشہ روتے حتیٰ کہ ان کی آنکھیں چلی گئیں۔

حضرت ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے اپنے بھائی کو خواب میں دیکھا تو پوچھا اے میرے بھائی! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انہوں نے فرمایا میں نے جس گناہ کی بخشش طلب کی اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اور جس کی مغفرت نہیں مانگی اسے نہیں بخشا۔

حضرت علی طلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے خواب میں ایک عورت کو دیکھا جو دنیا کی عورتوں جیسی نہ تھی میں نے پوچھا تم کون ہو؟ جواب دیا میں ایک حور ہوں میں نے کہا میرے نکاح میں آجاؤ اس نے کہا میرے آقا کے ہاں درخواست کرو اور مہر ادا کرو میں نے کہا تیرا مہر کیا ہے؟ اس نے جواب دیا اپنے نفس کو اس کی تمام آفات سے بچائے رکھو۔

حضرت ابراہیم بن اسحاق حربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت زبیدہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انہوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا میں نے پوچھا آپ نے مکہ مکرمہ کی راہ میں کیا خرچ کیا؟ جواب دیا میں نے جو کچھ خرچ کیا اس کا ثواب ان کے مالکوں کے پاس چلا گیا اور مجھے نیت کی وجہ سے بخش دیا۔

جب حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو ان کو خواب میں دیکھا گیا پوچھا گیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ فرمایا میں نے پہلا قدم پل صراط اور دوسرا قدم جنت میں رکھا۔

حضرت احمد بن ابو الحواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے خواب میں ایک لونڈی کو دیکھا جس سے زیادہ

لہ۔ قرآن مجید، سورہ النساء آیت ۶۹۔

marfat.com

خوبصورت میں نے کبھی نہیں دیکھی اس کے چہرے پر نور چمک رہا تھا میں نے پوچھا یہ چہرے کی روشنی کس وجہ سے ہے اس نے کہا تمہیں یاد ہے کہ ایک رات تم رو رہے تھے میں نے کہا ہاں یاد ہے اس نے کہا میں نے تمہارے آنسو کو اپنے چہرے پر ملے تو اس وجہ سے میرا چہرہ روشن ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔

حضرت کتانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ وہ اشارات اور عبارات تباہ ہو گئیں اور ہمیں صرف وہ دو رکعتیں ملیں جو ہم رات کے وقت پڑھا کرتے تھے۔

حضرت زبیدہ کو خواب میں دیکھا گیا تو پوچھا گیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ جواب دیا ان چار کلمات کی وجہ سے مجھے بخش دیا گیا۔ وہ کلمات یہ ہیں۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اُفْنِیْ بِھَا عُمُرِیْ	اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں میں اسی بات پر
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَدْخُلُ بِھَا قَبْرِیْ	اپنی عمر ختم کروں اسی کلمے پر قبر میں داخل ہوں اسی
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَخْلُوْ بِھَا وَحْدِیْ	کلمے کیساتھ گوشہ نشینی اختیار کروں اور اسی کلمے پر اپنے
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَلْقٰی بِھَا رَبِّیْ۔	رب سے ملاقات کروں۔

حضرت بشیر رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا تو پوچھا گیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم فرمایا اور ارشاد فرمایا۔ اے بشیر! کیا تجھے مجھ سے حیا نہیں آتا؟ کہ اس قدر ڈرتا تھا۔

حضرت ابو سلیمان رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا تو پوچھا گیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک فرمایا! فرمایا اس نے مجھ پر رحم فرمایا اور میرے لیے سب سے زیادہ ضرر کی بات لوگوں کا ہماری طرف اشارہ کرنا یعنی شہرت)

حضرت ابوبکر کتانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے خواب میں ایک نوجوان کو دیکھا کہ اس سے زیادہ خوبصورت میں نے کسی کو نہیں دیکھا میں نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا "تقویٰ" میں نے کہا کہاں کے رہنے والے ہو کہا ہر غمگین دل میں رہتا ہوں پھر میں نے توجہ کی تو ایک سیاہ فام عورت تھی میں نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا بیماری ہوں میں نے کہا تم کہاں رہتی ہو؟ اس نے کہا ہر خوش رہنے والے اکڑنے والے کے دل میں فرماتے ہیں میں بیدار ہوا تو میں نے عہد کیا کہ آئندہ کسی مجبوری کے بغیر نہیں ہنسوں گا۔

حضرت ابو سعید حراز رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا گویا شیطان مجھ پر حملہ آور ہوا ہے میں نے لاٹھی اٹھائی تاکہ اسے ماروں لیکن وہ اس سے نہ گھبرایا تو مجھے غیبی آواز آئی کہ یہ اس سے نہیں ڈرتا یہ دل میں پائے جانے والے نور سے ڈرتا ہے۔

حضرت مسوحی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے خواب میں شیطان کو دیکھا کہ ننگا چل رہا ہے میں نے کہا تجھے

marfat.com

دگوں سے حیا نہیں آتا؟ اس نے کہا سبحان اللہ! یہ لوگ ہیں،
اگر یہ انسان ہوتے تو میں صبح و شام ان سے اس طرح نہ کھیلتا جس طرح بچے گیند سے کھیلتے ہیں بلکہ انسان تو
ن کے علاوہ ہیں جنہوں نے میرے جسم کو بیمار کر دیا ہے اور اس نے اپنے ہاتھوں سے ہمارے درمتوں صونیار
یرام کی طرف اشارہ کیا،

حضرت ابو سعید خزار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں دمشق میں تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے سہارے تشریف لا رہے ہیں، آپ تشریف لائے اور میرے پاس کھڑے ہو گئے میں کچھ الفاظ کہہ کر سینے پر ضرب لگاتا تھا آپ نے فرمایا اس کی برائی اس کی بھلائی سے زیادہ ہے،

حضرت ابن عیینہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گویا آپ جنت میں ایک درخت سے دوسرے درخت کی طرف اڑ رہے ہیں اور فرماتے ہیں اسی قسم کے مقصد کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے، میں نے عرض کیا مجھے کچھ نصیحت کیجئے، فرمایا،

حضرت ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قبیصہ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا اور فرماتے ہیں میں نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تو پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انہوں نے فرمایا،

نَظَرْتُ اِلٰی رَبِّیْ لَفَاحًا فَقَالَ لِیْ هَنِیْئًا
رَهَالِیْ عَنْكَ یَا ابْنَ سَعِیْدٍ فَقَدْ كُنْتَ
تَمَامًا اِذَا اَظْمَاكَ اللّٰهُ جُلْ بِعَبْرَةٍ مُشْتَاقٍ
وَقَلْبٍ عَمِیْدٍ ثُمَّ زُرْنِیْ فَاِنَّنِیْ مِنْكَ غَیْرُ بَعِیْدٍ۔

میں نے اپنے رب کی طرف تو اس نے مجھ سے فرمایا تجھے میری رضا مبارک ہو اے خوش بخت! جب رات چھاتی تو مشتاق کے آنسو اور دل کے ساتھ کھڑا ہو جاتا پس آؤ اور جو محل چاہتے ہو اختیار کرو اور میری زیارت کرو میں تم سے دور نہیں ہوں۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ کے وصال کے تین سال بعد ان کو دیکھا گیا تو پوچھا گیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ فرمایا مجھ سے مناقشہ (جھگڑا) کیا حتی کہ میں مایوس ہو گیا جب اللہ تعالیٰ نے میری مایوسی کو دیکھا تو مجھے اپنی رحمت کی چادر میں لپیٹ لیا،

بنو عامر کے ایک مجنون کو اس کی موت کے بعد خواب میں دیکھا گیا تو پوچھا گیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا جواب دیا اس نے مجھے بخش دیا اور محبت کرنے والوں پر مجھے حجت بنا دیا،

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا تو پوچھا گیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ فرمایا اس نے مجھ پر رحم فرمایا، کہا گیا، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا کیا حال ہے؟ فرمایا وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو دن میں دو مرتبہ اپنے رب کے حضور حاضری دیتے ہیں،

marfat.com

کسی دوسرے بزرگ کو (خواب میں) دیکھا گیا تو ان کا حال پوچھا گیا انہوں نے فرمایا۔ فرشتوں نے ہمارا ٹھیک ٹھاک حساب کیا پھر احسان کرتے ہوئے آزاد کر دیا۔

حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا گیا تو پوچھا گیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک فرمایا۔ فرمایا ایک کلمہ کی وجہ سے بخش دیا جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے جب آپ کوئی جنازہ دیکھتے تو فرماتے سُبْحَانَ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ " (وہ ذات پاک ہے جو زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

جس رات حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا اس رات دیکھا گیا کہ گویا آسمان کے دروازے کھلے ہیں اور ایک منادی ندا دے رہا ہے۔ کہ سنو! حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس حالت میں حاضر ہوئے کہ وہ ان سے راضی ہے۔

جاحظ کو خواب میں دیکھ کر کسی نے پوچھا اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا سلوک کیا تو اس نے پڑھا۔

وَلَا تَكْتُبْ بِخَطِّكَ غَيْرَ شَيْءٍ يَسُرُّكَ فِي الْقِيَامَةِ اَنْ تَرَاهُ

اپنے قلم سے صرف ایسی بات لکھو کہ جسے قیامت کے دن دیکھ کر تم خوش رہو۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں شیطان کو ننگا دیکھا تو فرمایا تو لوگوں سے حیا نہیں کرتا اس نے کہا یہ لوگ انسان ہیں ؟ انسان تو وہ ہیں جو مسجد شونیزیہ میں ہیں اور انہوں نے میرے جسم کو کمزور کر دیا اور میرے جگر کو جلا دیا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب میں بیدار ہوا تو مسجد میں گیا میں نے ایک جماعت کو دیکھا انہوں نے اپنے سروں کو گھٹنوں پر رکھا ہوا تھا اور فکر میں مبتلا تھے جب انہوں نے مجھے دیکھا تو کہنے لگے اس خبیث کی باتوں سے دھوکہ نہ کھانا (شیطان کے بارے میں کہا)

حضرت نصر اباذی رحمۃ اللہ کو ان کی وفات کے بعد مکہ مکرمہ میں خواب کی حالت میں دیکھا تو پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک فرمایا انہوں نے فرمایا مجھے اشرات کی طرح جھڑک پلائی گئی پھر آواز دی گئی اے ابوالقاسم! کیا ملاپ کے بعد جدائی ہوئی ہے ؟ میں نے کہا اے ذوالجلال! انہیں چنانچہ مجھے قبر میں رکھتے ہی میں اپنے رب سے جا ملا۔

حضرت عتبہ غلام نے خواب میں ایک حور کو اچھی صورت میں دیکھا اس نے کہا اے عتبہ! میں تم پر عاشق ہوں تو دیکھنا ایسا عمل نہ کرنا جو میرے اور تمہارے درمیان حائل ہو جائے حضرت عتبہ نے جواب دیا میں نے دنیا کو تین طلاقیں دے دی ہیں، اور میں جب تک تم سے ملاقات نہ کروں اس کی طرف رجوع نہیں کروں گا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک گناہ گار آدمی کا جنازہ دیکھا تو اپنے دروازے سے

marfat.com

مدر چلے گئے تاکہ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں کسی نے اس میت کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے
ا تھ کیا معاملہ کیا؟ اس نے کہا اللہ نے مجھے بخش دیا اور فرمایا حضرت ایوب سختیانی رحمتہ اللہ سے کہہ دینا۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ[1]

آپ فرما دیجئے اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو اس وقت تم

کسی نے بیان کیا کہ جس رات حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال ہوا میں نے ایک نور اور فرشتوں کو اترتے ہوئے
ر اوپر جاتے ہوئے دیکھا میں نے کہا یہ کون سی رات ہے؟ تو انہوں نے کہا آج رات حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ
ا انتقال ہو گیا اور ان کی روح کے لیے جنت کو آراستہ کیا گیا ہے۔

حضرت ابو سعید شحام رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت سہل صعلو کی رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو
ہا اے شیخ! انہوں نے فرمایا اب شیخ کہنا چھوڑ دو۔ جو احوال میں نے دیکھے ہیں اس وجہ سے کہہ رہا ہوں فرمایا وہ
ہمارے کام نہ آئے میں نے کہا تو آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا ان مسائل کی وجہ سے مجھے بخش دیا گیا، جو
لوام الناس مجھ سے پوچھا کرتے تھے۔

حضرت ابو بکر رشیدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت محمد طوسی معلم رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو
انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت ابو سعید صفار مورب سے کہو۔

وَكُنَّا عَلٰٓى اَنْ لَّا نَحُوْلَ عَنِ الْهَوٰى فَقَدْ وَحَيَاةَ الْحُبِّ كُنْتُمْ وَمَا حُلْنَا۔

ہم تو محبت کے راستے میں حائل ہونے والے نہ تھے محبت کی زندگی آپ کو میسر آتی ہے ہمیں نہیں آتی۔

فرماتے ہیں میں بیدار ہوا تو ان سے ذکر کیا انہوں نے فرمایا میں ہر جمعہ کے دن ان کی قبر پر جایا کرتا تھا لیکن اس
جمعہ نہ جا سکا۔

حضرت ابن راشد فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ کے وصال کے بعد ان کو خواب میں
دیکھا تو پوچھا کیا آپ کا انتقال نہیں ہوا تھا؟ فرمایا ہاں ہوا تھا میں نے پوچھا تو آپ پر کیا گزری؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے
اس قدر مغفرت عطا فرمائی کہ اس نے تمام گناہوں کو گھیر لیا میں نے پوچھا حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کا کیا ہوا؟
ان کا کیا کہنا وہ اس آیت کے مصداق ہیں۔ اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہوا۔

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔[2]

یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا اور وہ انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔

---

[1] قرآن مجید، سورۃ اسراء آیت ۱۰۰۔

[2] قرآن مجید، سورۃ النساء، آیت ۶۹۔

marfat.com

حضرت ربیع بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا اے ابو عبداللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ جواب دیا کہ اس نے مجھے سونے کی کرسی پر بٹھایا اور مجھ پر تازہ و شاداب موتی بکھیرے۔

جس رات حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کا وصال ہوا اس رات ان کے ایک شاگرد نے دیکھا کہ ایک منادی اعلان کر رہا ہے (یہ آیت پڑھ رہا ہے)

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ [1]

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت نوح علیہ السلام کو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور آل عمران کو اپنے زمانے کے لوگوں کو چن لیا ہے۔

اور حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کو ان کے زمانے کے لوگوں پر چن لیا۔

حضرت ابو یعقوب قاری رقیقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جس کا قد لمبا اور رنگ گندمی ہے اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے جا رہے ہیں میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہیں میں ان کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت کریں اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ انہوں نے مجھ پر ناک چڑھائی میں نے کہا میں ہدایت کا طلب گار ہوں میری راہنمائی فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزا دے۔ وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کی محبت کے وقت اس کی رحمت کو طلب کرو اور اس کی نافرمانی ہو جائے تو اس کے عذاب سے ڈرو اور اس دوران اس سے ناامید نہ ہونا پھر وہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔

حضرت ابوبکر بن ابو مریم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت وقاء بن بشر حضرمی رحمۃ اللہ کو دیکھا تو کہا آپ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا بڑی مشقت کے بعد نجات ملی ہے میں نے پوچھا آپ نے کس عمل کو افضل پایا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونا۔

حضرت یزید ابن نصامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں طاعون کی عام وبا میں ایک لونڈی ہلاک ہو گئی اس کے باپ نے اسے خواب میں دیکھا تو کہا اے بیٹی! آخرت کے بارے میں مجھے بتاؤ اس نے کہا ابا جان! ہمیں ایک بہت بڑے معاملے سے واسطہ پڑا ہم جانتے ہیں اور عمل نہیں کر سکتے اور تم کرتے ہو لیکن جانتے نہیں اللہ تعالیٰ کی قسم ایک بار سبحان اللہ پڑھنا یا ایک دو رکعتوں کا میرے نامۂ اعمال میں ہونا مجھے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سے زیادہ پسند ہے۔

---

[1] قرآن مجید، سورہ آل عمران آیت ۳۳۔

marfat.com

حضرت عتبہ غلام رحمتہ اللہ کے بعض احباب نے فرمایا کہ میں نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا میں دعا کی برکت سے جنت میں چلا گیا جو تمہارے گھر میں لکھی ہوئی ہے۔ راوی فرماتے ہیں میں صبح اٹھا تو اپنے گھر آیا میں نے دیکھا کہ حضرت عتبہ غلام کے خط سے دیوار پر لکھا ہوا ہے۔

يَا هَادِيَ الْمُضِلِّيْنَ يَا رَاحِمَ الْمُذْنِبِيْنَ وَيَا مُقِيْلَ عَثَرَاتِ الْعَاثِرِيْنَ اِرْحَمْ عَبْدَكَ ذَا الْخَطَرِ الْعَظِيْمِ وَالْمُسْلِمِيْنَ كُلَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ وَاجْعَلْنَا مَعَ الْاَحْيَاءِ الْمَرْزُوْقِيْنَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ اٰمِيْنَ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ

اے گمراہوں کو راستہ دکھانے والے اے گناہ گاروں پر رحم فرمانے والے اے لغزش کرنے والے کی لغزشوں کو معاف کرنے والے اپنے بندے کو جو بہت بڑے خطرے میں گھرا ہوا ہے نیز تمام مسلمانوں پر رحم فرما اور ہمیں ان لوگوں کے ساتھ کر دے جو زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے وہ لوگ جن پر تو نے انعام فرمایا یعنی انبیاء کرام صدیقین، شہداء اور صالحین اے اللہ تعالیٰ ہماری دعا قبول فرما۔ اے تمام جہانوں کے رب۔

حضرت موسیٰ بن حماد رحمتہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کو جنت میں دیکھا کہ آپ ایک درخت سے دوسرے درخت کی طرف اور ایک شاخ سے دوسری شاخ کی طرف اڑ رہے ہیں میں نے کہا اے ابو عبداللہ آپ کو یہ مقام کیسے ملا؟ فرمایا تقوی کے ذریعے۔ میں نے پوچھا حضرت علی بن عاصم رحمتہ اللہ علیہ کا کیا حال ہے؟ فرمایا وہ ستاروں کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔

ایک تابعی رحمتہ اللہ نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیں آپ نے فرمایا ہاں جو نقصان کی تلاش اور ٹوہ میں نہیں رہتا وہ نقصان اٹھاتا ہے اور جو نقصان میں ہو اس کے لیے موت بہتر ہے۔

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں مجھے ان دنوں ایک ایسا معاملہ پیش آیا جس نے مجھے رنجیدہ اور پریشان کر دیا اور اس پر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مطلع ہے جب دوسری رات ہوئی تو خواب میں کوئی شخص میرے پاس آیا اور اس نے کہا اے محمد بن ادریس (حضرت امام شافعی) یوں کہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْسًا وَّلَا ضَرًّا وَّلَا مَوْتًا وَّلَا حَيَاةً وَّلَا نُشُوْرًا وَلَا اَسْتَطِيْعُ اَنْ اٰخُذَ اِلَّا مَا اَعْطَيْتَنِيْ وَلَا اَتَّقِيْ اِلَّا مَا وَقَيْتَنِيْ اَللّٰهُمَّ فَوَفِّقْنِيْ

یا اللہ! میں اپنے نفس کے لیے نفع، نقصان، موت، زندگی اور مرنے کے بعد اٹھنے کا مالک نہیں ہوں جو تو عطا فرمائے اور اسی سے بچ سکتا ہوں جس سے تو بچائے یا اللہ مجھے اس بات اور عمل کی توفیق عافیت کے ساتھ

marfat.com

لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ فِی عَافِیَةٍ۔ عطا فرمائی جس کو تو پسند کرتا ہے۔

فرماتے ہیں جب صبح ہوئی تو میں نے یہی کلمات دہرائے دن چڑھا تو اللہ تعالیٰ نے میرا مقصد پورا کر دیا اور جب بھی میں پریشانی میں مبتلا تھا اس نے نجات عطا فرمائی۔ پس تم پر لازم ہے کہ ان کو اپنا وِرد اور ان سے غافل نہ رہو۔

تو یہ کچھ مکاشفات تھے جو فوت شدہ لوگوں کے حالات پر نیز ان اعمال پر دلالت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے ہیں اس کے بعد ہم صُور پھنکنے سے آخری ٹھکانے تک کے حالات لکھتے ہیں وہ جنت ہو یا دوزخ اور اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے شکر کرنے والوں کی حمد۔

دوسرا حصّہ

صور پھونکنے سے جنت یا دوزخ میں جانے تک کے حالات

اس حصّے میں مندرجہ ذیل امور کا بیان ہوگا۔

۱۔ صور پھونکنا ۲۔ محشر کے اہوال اور ان کا وصف (۳) اہل محشر کا پسینہ (۴) یوم قیامت کس قدر لمبا ہوگا (۵) یوم قیامت کی صفت اس کے مصائب اور نام (۶) گناہوں کے بارے میں سوال (۷) میزان کیسا ہوگا (۸) حقوق کا مطالبہ اور ان کی واپسی (۹) پل صراط (۱۰) شفاعت (۱۱) حوض کوثر (۱۲) جہنم اور اس کے ہولناک مناظر، جہنم کی سزا اس کے سانپ بچھو (۱۳) جنت اور اس کی نعمتوں کی اقسام (۱۴) جنتوں کی تعداد۔ ان کے دروازے۔ بالا خانے۔ باغات، نہریں، درخت جنتیوں کا لباس۔ ان کے بچھونے اور تخت۔ ان کے کھانے۔ حوریں اور بچے (۱۵) اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رحمت کی وسعت۔ اس کے ساتھ ہی یہ کتاب ختم ہو جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

فصل ۱

صور پھونکنا

گذشتہ بیان سے سکرات موت کے سلسلے میں میت کے احوال، خوف عاقبت کا خطرہ قبر کا اندھیرا اور اس کے کیڑوں کو برداشت کرنا، منکر نکیر اور ان کے سوال، عذاب قبر اور اس کا خطرہ اگر اس پر غضب ہوا ہو وغیرہ وغیرہ باتیں آپ کو معلوم ہو چکی ہیں۔

ان سب سے بڑے خطرے وہ ہیں جو فوت ہونے والے کے سامنے ہیں اور وہ صور پھونکنا، قیامت کے دن اٹھنا، جبار ذات کے سامنے پیش ہونا، قلیل و کثیر کے بارے میں سوال مقدار اعمال کی پہچان کے لیے میزان کا قیام۔ پل صراط کے باریک اور تیز ہونے کے باوجود اس پر سے گزرنا اس کے بعد جب فیصلہ ہو جائے تو اعلان

انظار اور یا تو سعادت کے ساتھ ہوگا یا شقاوت کا فیصلہ ہوگا۔ ان تمام احوال اور ہولناک امور کی معرفت اور پھر
پر قطعی طور پر ایمان لانا اور تصدیق کرنا ضروری ہے اس کے بعد طویل غور و فکر کرنا ہے تاکہ تمہارے دل میں اس
تیاری کے لوازم پیدا ہوں۔

اور اکثر لوگ ایسے ہیں جن کے دلوں میں آخرت پر ایمان مضبوط نہیں اور نہ ہی ان کے دلوں کے اندر اس ایمان
نے مقام پکڑا ہے۔ اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ وہ گرمیوں کی گرمی اور سردیوں کی سردی کے لیے خاص طور پر
ار کرتے ہیں لیکن جہنم کی گرمی اور سردی کا انتظام کرنے میں سستی کرتے ہیں حالانکہ وہاں نہایت سختی اور خطرات ہوں
ے۔ بلکہ جب ان سے قیامت کے بارے میں پوچھا جائے تو ان کی زبان پر الفاظ جاری ہوتے ہیں لیکن ان کے دل
ائل ہوتے ہیں جس آدمی کو بتایا جائے کہ اس کے سامنے زہر ملا ہوا کھانا ہے اور وہ خبر دینے والے سے کہے
تم نے سچ کہا لیکن اس کے باوجود اسے کھانے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو وہ زبان سے تصدیق کرنے والا
ر عمل سے جھٹلانے والا ہے اور زبان سے جھٹلانے کے لیے مقابلے میں عمل سے جھٹلانا (۔ زیادہ) برا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی شَتَمَنِیْ ابْنُ آدَمَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَہٗ اَنْ یَّشْتُمَنِیْ وَکَذَّبَنِیْ وَمَا یَنْبَغِیْ لَہٗ اَنْ یُّکَذِّبَنِیْ اَمَّا شَتْمُہٗ اِیَّایَ فَیَقُوْلُ اِنَّ لِیْ وَلَدًا وَاَمَّا تَکْذِیْبُہٗ فَقَوْلُہٗ لَنْ یُّعِیْدَنِیْ کَمَا بَدَاَنِیْ۔[1]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے انسان نے گالی دی اور اس کے لیے مناسب نہ تھا کہ وہ مجھے گالی دے اور اس نے جھٹلایا حالانکہ اس کے لیے مناسب نہ تھا کہ مجھے جھٹلاتا اس کا مجھے گالی دینا یوں ہے کہ وہ میرے لیے اولاد ثابت کرتا ہے اور مجھے جھٹلانے کی صورت ہے کہ وہ کہتا ہے کہ جس طرح اس نے مجھے پیدا کیا دوبارہ نہیں لوٹائے گا۔

قیامت کے دن دوبارہ اٹھنے پر یقین اور تصدیق کے کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس عالم میں لوگ ان امور کی مثالوں کو بہت کم سمجھتے ہیں اگر انسان حیوانات کی پیدائش کو نہ دیکھتا اور اس سے کہا جاتا کہ بنانے والا ناپاک اور گندے مادہ منویہ سے اس قسم کے آدمی کو پیدا کرتا ہے جو عقلمند، بولنے والا اور عمل کرنے والا ہے تو اس کی تصدیق سے اس کے دل کو شدید نفرت ہوتی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰہُ مِنْ نُّطْفَۃٍ فَاِذَا ھُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ[2]

کیا انسان نہیں دیکھتا کہ ہم نے اسے مادہ منویہ سے پیدا کیا پس وہ ظاہر جھگڑالو ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد اوّل ص ۴۵۳ کتاب بداء الخلق۔
[2] قرآن مجید، سورہ یٰسین آیت ۷۷۔

marfat.com

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی
اَلَمْ یَکُ نُطْفَۃً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی
ثُمَّ کَانَ عَلَقَۃً فَخَلَقَ فَسَوّٰی
فَجَعَلَ مِنْہُ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ
وَالْاُنْثٰی۔[1]

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے مہمل چھوڑ دیا جائے گا
کیا وہ ابتداء میں منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو رحم مادر میں ٹپکایا
جاتا ہے۔ پھر اس سے وہ لوتھڑا بنا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے
بنایا اور اعضاء درست کئے پھر اس سے دو قسمیں بنائیں
مرد اور عورت۔

تو انسان کی تخلیق میں بے شمار عجائب اور اس کے اعضاء کی ترکیب کے اختلاف کے ساتھ ساتھ مزید کچھ عجائب ہیں جن کا تعلق اس کے دوبارہ پیدا ہونے اور اٹھنے سے ہے۔ تو جو شخص اللہ تعالیٰ کی صنعت و قدرت میں اس چیز کو دیکھتا ہے وہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کا انکار کیسے کر سکتا ہے اگر تمہارے ایمان میں کمزوری ہے تو پہلی مرتبہ پیدائش میں غور کر کے اپنے ایمان کو پکا کر لو بے شک دوسری مرتبہ پیدا کرنا اس کی مثل بلکہ اس سے زیادہ آسان ہے اور اگر اس پر تمہارا ایمان مضبوط ہے تو اپنے دل کو ان خطرات اور خوف سے آگاہ کرو اور اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ غور و فکر کرو تاکہ تمہارے دل سے راحت و قرار نکل جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جانے کی تیاری میں لگ جائے۔

سب سے پہلے اس آواز کی فکر کرو جو قبرستان والوں کے کانوں میں پڑے گی اور وہ شدت سے صور کا پھونکا جانا ہے یہ ایک ایسی چیخ ہوگی کہ اس کی وجہ سے قبریں پھٹ جائیں گی اور تمام مردے ایک ہی بار باہر نکل آئیں گے، تو تم اپنے بارے میں تصور کرو کہ تمہارے چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہے اور سر سے پاؤں تک قبر کی مٹی سے آلودہ ہے اور چیخ کی شدت سے تم حیران ہو آواز کی طرف نگاہ لگی ہوئی ہے اور لوگ جو مدتوں تک قبروں میں گلتے سڑتے رہے یکدم نکل پڑے اب اس خوف اور رعب نے ان کے غموں اور انجام کار کی شدت انتظار میں اضافہ کر دیا۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی
السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ
شَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ نُفِخَ فِیْہِ اُخْرٰی
فَاِذَا ھُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ[2]

اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں والے
بیہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے پھر
دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو وہ اس وقت کھڑے
ہو کر دیکھنے لگیں گے۔

---

[1] قرآن مجید سورہ القیامۃ آیت ۳۶ تا ۳۹
[2] قرآن مجید سورہ زمر آیت ۶۸۔

marfat.com

اور ارشاد فرمایا۔

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ فَذٰلِكَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ [1]

پس جب بگل بجایا جائے گا تو یہ دن کافروں پر بڑا سخت ہوگا آسان نہیں ہوگا۔

اور ارشادِ خداوندی ہے

وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ مَا یَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ یَخِصِّمُوْنَ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً وَّلَا اِلٰٓی اَهْلِهِمْ یَرْجِعُوْنَ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ [2]

اور وہ کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو وہ ایک چیخ کا انتظار کرتے ہیں جو ان کو پکڑے گی اور وہ جھگڑ رہے ہوں گے پس نہ تو وصیت کر سکیں گے اور نہ ہی گھر والوں کی طرف لوٹ سکیں گے۔ اور صور پھونکا جائے گا۔ تو وہ فوراً اپنی اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف تیزی سے جانے لگیں گے وہ کہیں گے ہائے ہم برباد ہوئے ہمیں ہماری قبر سے کس نے اٹھایا تو یہ رحمٰن کا وعدہ ہے اور رسولوں نے سچ فرمایا۔

اور اگر مردوں کے سامنے صرف اس آواز کی دہشت ہی ہو (اور کچھ نہ ہو) تو بھی ڈرنا اور پرہیز کرنا ان کے لائق تھا کیونکہ یہ ایک ایسی پھونک اور چیخ ہوگی جس سے آسمانوں اور زمینوں والے سب بیہوش ہو جائیں گے یعنی مر جائیں گے ہاں جسے اللہ تعالیٰ چاہے وہ زندہ رہے گا اور وہ بعض فرشتے ہیں، اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كَیْفَ اَنْعَمُ وَصَاحِبُ الصُّوْرِ قَدِ الْتَقَمَ الْقَرْنَ وَحَنَی الْجَبْهَةَ وَاَصْغٰی بِالْاُذُنِ یَنْتَظِرُ مَتٰی یُؤْمَرُ فَیَنْفُخُ [3]

میں کس طرح آرام کروں جب کہ صور پھونکنے والے (فرشتے) نے بگل منہ میں رکھا ہوا ہے۔ پیشانی پھیر کر کان لگائے ہوئے وہ اس انتظار میں ہے کہ کب اسے حکم دیا جائے اور پھونکے

حضرت مقاتل رحمۃ اللہ فرماتے ہیں صور ایک سینگ ہے اور حضرت اسرافیل علیہ السلام نے سینگ کے اوپر منہ رکھا ہوا ہے جس طرح بگل ہوتا ہے اور سینگ کی گولائی آسمانوں اور زمین کی چوڑائی جیسی ہے حضرت اسرافیل کی نگاہ عرش پر لگی ہوئی ہے۔ وہ اس انتظار میں ہیں کہ کب ان کو حکم دیا جائے اور وہ پہلی بار صور پھونکیں جب وہ صور پھونکیں گے

---

[1] قرآن مجید سورہ المدثر آیت ۸ تا ۱۰۔

[2] قرآن مجید سورہ یٰسین آیت ۴۸ تا ۵۲۔

[3] مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۲۶ مرویات ابن عباس۔

marfat.com

تو آسمانوں اور زمین والے سب بیہوش ہو جائیں گے یعنی ہر زندہ چیز مر جائے گی البتہ چند فرشتے جنکو اللہ تعالیٰ چاہے گا، باقی رہ جائیں گے۔ اور وہ حضرت جبریل حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے موت کے فرشتے کو حکم دے گا تو وہ حضرت جبریل علیہ السلام کی روح قبض کرے گا پھر حضرت میکائیل علیہ السلام کی روح اور اس کے بعد حضرت اسرافیل علیہ السلام کی روح نکالے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ موت کے فرشتے کو حکم دے گا تو وہ خود مر جائے گا پہلی پھونک کے بعد مخلوق عالم برزخ میں چالیس سال رہے گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زندہ کرے گا اور اسے دوبارہ صور پھونکنے کا حکم دے گا اس سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے۔

ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ [1]

پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو وہ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔

یعنی پاؤں پر کھڑے ہو کر زندہ ہونے کو دیکھیں گے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

حِينَ بُعِثَ إِلَى بُعِثَ إِلَى صَاحِبِ الصُّوْرِ فَأَهْوَى بِهِ إِلَى فِيهِ وَقَدَّمَ رِجْلًا وَأَخَّرَ أُخْرَى يَنْتَظِرُ مَتَى يُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ أَلَا فَاتَّقُوا النَّفْخَةَ (۲)

جب اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا تو صور پھونکنے والے فرشتے کو بھی پیغام بھیجا، پس اس نے صور منہ سے لگایا ہوا ہے ایک قدم آگے بڑھا رکھا ہے اور دوسرے کو پیچھے ہٹایا ہوا ہے وہ انتظار میں ہے کہ کب پھونکنے کا حکم دیا جائے سنو! پھونک سے ڈرو۔

تو مخلوق اور ان کی ذلت، انکساری، دوبارہ، اٹھتے وقت خوف کے باعث بیچارگی میں غور کرو اور فیصلے کا انتظار کہ وہ خوش بختی کی صورت میں ہوتا ہے یا بدبختی کی شکل میں، تو غور کرو کہ تم بھی ان کے درمیان شکستہ دل اور حیران ہو جس طرح وہ شکستہ دل اور حیران ہیں۔ بلکہ اگر تم دنیا میں خوش حال اور مالدار لوگوں میں سے ہو تو اس دن زمین کے بادشاہوں کا حال باقی تمام زمین والوں سے زیادہ ذلت والا ہوگا وہ سب سے زیادہ چھوٹے اور حقیر نظر آئیں گے اور چیونٹی کی طرح پاؤں سے مسلے جائیں گے اس وقت وحشی جانور جنگلوں اور پہاڑوں سے سر جھکائے ہوئے آئیں گے اور دہشت کے باوجود لوگوں میں مل جائیں گے اگرچہ وہ خطار کار نہیں ہوں گے لیکن اس دن کے اٹھنے، چیخ کی شدت اور پھونک کے ہولناک منظر کی وجہ سے سب کچھ بھول جائیں اور لوگوں سے وحشت افتیار کرنے اور بھاگنے کا خیال بھی نہ ہوگا۔

---

[1] قرآن مجید، سورہ زمر آیت ۶۸۔

[2] تاریخ ابن عساکر جلد ۳ ص ۲۲ ترجمہ اسماعیل بن رافع

marfat.com

ارشادِ خداوندی ہے۔

وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ۔ [1] اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے۔

پھر سرکش شیطان اپنی سرکشی اور نافرمانی کے باوجود آئیں گے اور بارگاہ خداوندی میں پیش ہونے کی ہیبت کے باعث سر جھکائے ہوئے ہوں گے یہ اس ارشاد خداوندی کی تصدیق ہے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا [2] پس تیرے رب کی قسم ہم ان کو اور شیطانوں کو اکٹھا کریں گے پھر ان کو جہنم کے گرد یوں لائیں گے کہ وہ گھٹنوں کے بل کھڑے ہوں گے۔

فصل ۲

میدانِ محشر اور اہلِ محشر

پھر دیکھو قبروں سے نکلنے اور جمع ہونے کے بعد لوگوں کو کس طرح چلایا جائے گا وہ ننگے پاؤں ننگے جسم اور بے ختنہ ہوں گے میدان حشر کی طرف جائیں گے جو نرم اور سفید رنگ کی ہموار زمین ہے اس میں کوئی اونچ نیچ نہیں ہوگی اور نہ وہاں کوئی ٹیلہ ہوگا جس کے پیچھے آدمی چھپ جائے۔ اور نہ گڑھا ہوگا کہ اس کے اندر غائب ہو جائے بلکہ وہ ایک پھیلی ہوئی زمین ہے جس میں کوئی فرق نہیں لوگوں کو اس کی طرف گروہوں کی شکل میں چلایا جائے گا تو وہ ذات پاک ہے جس نے زمین کے مختلف کناروں سے مختلف قسم کے لوگوں کو جمع کیا کہ پہلی پھونک ان کو چلائے گی اور اس کے پیچھے دوسری پھونک ہوگی اس دن دلوں کا خوف زدہ ہونا اور آنکھوں کا جھکا ہونا لائق ہے۔

يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى اَرْضٍ بَيْضَاءَ عَفْرَاءَ كَقُرْصَةِ النَّقِيِّ لَيْسَ فِيْهَا مَعْلَمٌ لِاَحَدٍ [3] قیامت کے دن لوگوں کا حشر ایک سفید زمین پر ہوگا جس طرح چھنے ہوئے آٹے کی روٹی اس میں کسی کے لیے کوئی آڑ نہ ہوگی۔

راوی کہتے ہیں "عفراء" کا معنیٰ سفیدی ہے لیکن خالص سفیدی نہیں اور "نقی"، جس میں کوئی چھلکا نہ ہو اور

---

[1] قرآن مجید، سورہ تکویر آیت ۵

[2] قرآن مجید سورہ مریم آیت ۶۸

[3] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۵ کتاب الرقاق

marfat.com

"مُعْلَمٌ" کا مطلب یہ ہے کہ کوئی دیوار نہیں کہ چھپ جائے اور نہ کوئی فرق کہ نظر نہ آسکے۔
اور یہ خیال نہ کرنا کہ زمین دنیوی زمین کی طرح ہوگی بلکہ ان میں صرف نام کا اشتراک ہے۔ ارشاد خداوندی ہے

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ ۔[1]

جس دن زمین اور آسمان دوسری زمین سے بدل جائیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس زمین میں کچھ کمی بیشی کی جائے گی اور اس کے درخت، پہاڑ وادیاں اور جو کچھ ان میں ہے سب چلا جائے گا۔ اور اسے عکاظ (ایک مقام جہاں عربوں کا میلہ اور بازار لگتا تھا) کے چمڑے کی طرح پھیلایا جائے گا چاندی کی طرح سفید زمین ہوگی اس میں نہ تو قتل ہوگا اور نہ کوئی گناہ نیز آسمانوں کا سورج چاند اور ستارے چلے جائیں گے۔ تو اے مسکین! اس دن کی شدت اور ہولناک منظر کو دیکھو، جب اس زمین پر مخلوق اکٹھی ہوگی تو ان کے اوپر سے ستارے بکھر جائیں اور سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے اور زمین کا چراغ بجھ جانے کی وجہ سے اس پر اندھیرا چھا جائے گا۔ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ ان کے سروں پر آسمان چکر کھا کر پھٹ جائے گا حالانکہ وہ سخت اور پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہوتا ہے۔ اور فرشتے اس کے کناروں پر کھڑے ہوں گے تو اس کے پھٹنے کی آواز سے کس قدر ہولناکی ہوگی اور اس دن کی ہیبت کس قدر ہوگی جب آسمان اپنی شدت کے باوجود پھٹ جائیں گے پھر وہ اس چاندی کی طرح بہنے لگیں جس میں زردی ملی ہوئی ہو۔ پس وہ سرخ چمڑے کی طرح گلابی رنگ ہو جائیں گے اور آسمان پگھلی ہوئی دھاتوں کی طرح اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں اور لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہوں گے اور وہ ننگے پاؤں، ننگے جسم اور پیدل چلنے والے ہوں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

يُبْعَثُ النَّاسُ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا تَدْنُو الْجَمْهُمْ الْعَرَقُ وَيَبْلُغُ شُحُومَ الْآذَانِ۔

لوگ ننگے پاؤں ننگے جسم اور ختنہ کیے ہوئے اٹھیں گے اور ان کو پسینہ نے لگام ڈال رکھی ہوگی جو ان کے کانوں کی لو تک پہنچا ہوا ہوگا۔

ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا جو اس حدیث کو روایت کرتی ہیں فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو بڑی خرابی ہوگی لوگ ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ فرمایا، لوگوں کو اس بات کی فرصت ہی نہ ہوگی۔ ارشاد خداوندی ہے۔[2]

---

[1] قرآن مجید سورہ ابراہیم آیت ۴۸۔
[2] المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۵۶۴ کتاب الاھوال

marfat.com

لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ [1]

اس دن ہر شخص اپنی اپنی فکر میں ہوگا جو اسے (دوسری طرف سے) بے نیاز کرے گی۔

تو وہ دن کس قدر عظیم ہوگا جس میں شرمگاہیں کھلی ہوئی ہوں گی لیکن لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے سے بے نیاز ہوں گے، اور ایسا کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ بعض اپنے پیٹوں کے بل اور کچھ اپنے چہروں کے بل چلتے ہوں گے ان کو دوسروں کی طرف دیکھنے کی طاقت ہی نہ ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةَ أَصْنَافٍ رُكْبَانًا وَمُشَاةً وَعَلَى وُجُوهِهِمْ۔

قیامت کے دن لوگوں کو تین صورتوں میں اٹھایا جائے گا۔ سوار، پیدل اور چہروں کے بل چلنے والے

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ چہروں کے بل کیسے چلیں گے تو آپ نے فرمایا۔

جو ذات ان کو قدموں پر چلا سکتی ہے وہ ان کو چہروں کے بل بھی چلا سکتی ہے۔ [2]

انسان فطری طور پر اس چیز سے انکار کرتا ہے جس سے مانوس نہ ہو اگر اس نے سانپ پیٹ کے بل تیزی سے چلتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو وہ پاؤں کے بغیر چلنے سے انکار کر دیتا اور جو شخص کسی کو پاؤں پر چلتے ہوئے نہ دیکھے اس کے لیے یہ بات بھی عقل سے بعید ہوتی ہے پس تمہیں چاہیے کہ قیامت کے دن رونما ہونے والے عجائبات کا اس لیے انکار نہ کرنا کہ وہ دنیوی قیاس کے خلاف ہیں۔ اگر تم دنیوی عجائب کو نہ دیکھتے پھر یہ امور تمہارے سامنے پیش کیے جاتے اور ابھی تک تم نے ان کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو تم ان باتوں سے بہت زیادہ انکار کر دیتے پس تمہیں چاہیے کہ اپنی صورت کو سامنے لاؤ کہ تم ننگے جسم، ذلیل، دھتکارے ہوئے حیران پریشان کھڑے ہو اور تمہارے بارے میں سعادت یا شقاوت کا جو فیصلہ ہونے والا ہے اس کے منتظر ہو تو اس حالت کو بہت بڑا سمجھو کیوں کہ واقعی یہ بہت بڑی حالت ہے۔

فصل ۳

پسینے کی کیفیت

پھر لوگوں کے ہجوم اور اجتماع کے بارے میں سوچو کہ میدان حشر میں ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں

---

[1] قرآن مجید، سورہ عبس آیت ۳۷

[2] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۵۴ مرویات ابو ہریرہ

marfat.com

کی مخلوق فرشتے، جن، انسان، شیطان، وحشی جانور، درندے اور پرندے جمع ہوں گے ان پر سورج چمکے گا اور اس کی گرمی دوچند ہو گی اور جس طرح اب اس کا معاملہ ہلکا ہے ایسا نہیں رہے گا پھر اس کی مخلوق کے سروں پر دو کمانوں کے فاصلے کے برابر قریب کیا جائے گا اور زمین پر رب العالمین کے عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہو گا اور اس سے بھی صرف مقربین ہی سایہ حاصل کر سکیں گے تو کچھ لوگ عرش کے سائے میں ہوں گے جبکہ بعض سورج کی گرمی سے سسکتے ہوں گے کہ اس کی گرمی کے باعث کرب و غم بہت زیادہ ہو گا نیز بہت زیادہ ہجوم کی وجہ سے ایک دوسرے کو دھکا دے رہے ہوں گے اور پاؤں پر پاؤں آئیں گے نیز ذلت و رسوائی کی وجہ سے شرمندگی اور حیا الگ ہو اور آسمانوں کے جبار کی بارگاہ میں پیشی کی ذلت ہو گی تو سورج کی چمک اور سانسوں کی حرارت، جمع ہو گی نیز حیا اور خوف سے دل جل رہے ہوں گے تو ہر بال کے نیچے سے پسینہ بہہ رہا ہو گا حتی کہ وہ قیامت کی زمین پر جاری ہو جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کو جو جو مقام حاصل ہو گا اس کے حساب سے ان کے بدنوں پر چڑھے گا بعض کا پسینہ ٹخنوں تک، بعض کا ان کے ازار بند تک بعض کا کانوں کی لو تک اور کچھ لوگ اس میں غائب ہونے کے قریب ہوں گے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ حَتّٰى يَغِيْبَ اَحَدُهُمْ فِيْ رَشْحِهٖ اِلٰى اِنْصَافِ اُذُنَيْهِ [1]

جس دن لوگ تمام جہانوں کے پالنے والے کے سامنے کھڑے ہوں گے تو بعض لوگوں کا پسینہ اس قدر ہو گا کہ کانوں کے نصف تک پہنچے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يَعْرَقُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يَذْهَبَ عَرَقُهُمْ فِي الْاَرْضِ سَبْعِيْنَ بَاعًا وَيُلْجِمُهُمْ وَيَبْلُغُ اٰذَانَهُمْ [2]

قیامت کے دن لوگوں کو پسینہ آئے گا حتی کہ ان کا پسینہ زمین میں ستر باغ ( ) تک چلا جائے گا اور بعض لوگوں تک لگام کی نحکل میں پہنچے گا حتی کہ ان کے کانوں تک پہنچ جائے گا۔

ایک دوسری روایت میں ہے۔

قِيَامًا مَّا شَاخِصَةً اَبْصَارُهُمْ اَرْبَعِيْنَ

وہ چالیس سال تک آسمانوں کی طرف ٹکٹکی باندھے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۲۶ کتاب التفسیر۔
[2] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۷ کتاب الرقاق۔

marfat.com

سَنَةً إِلَى اسْمَاءِ فَيُلْجِمُهُمُ الْعَرَقُ مِنْ شِدَّةِ الْكَرْبِ۔ [1]

کھڑے ہوں گے تو سخت تکلیف کے باعث ان کو پسینے نے لگام دے رکھی ہوگی۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قیامت کے دن سورج زمین کے قریب ہو جائے گا تو لوگوں کو پسینہ آئے گا بعض لوگوں کا پسینہ ان کی ایڑیوں تک جائے گا بعض کا پنڈلی کے نصف تک بعض کا گھٹنوں تک پہنچے گا کچھ کا رانوں تک کچھ لوگوں کا پسینہ ان کے ازار بند کے مقام تک اور بعض کا ان کے منہ تک پہنچے گا۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا کہ وہ ان کو لگام ڈال دے گا اور بعض کو پسینہ ڈبا نپ لے گا۔ اور آپ نے اپنے ہاتھ مبارک کو سر انور پر رکھا۔ [2]

تو اے بیچارے! محشر والوں کے پسینے اور ان کی سخت تکلیف کو دیکھو ان میں سے کوئی آواز دے رہا ہوگا یا اللہ! مجھے اس مصیبت اور انتظار سے نجات عطا فرما چاہے جہنم کی طرف لے جا۔

اور یہ سب تکالیف حساب اور عذاب سے پہلے ہیں اور وہ ابھی باقی ہیں اور تو بھی ان لوگوں میں سے ایک ہے۔ اور تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارا پسینہ کہاں تک جائے گا۔

اور جان لو کہ جو پسینہ اللہ تعالیٰ کے راستے یعنی حج، جہاد، روزے اور قیام نیز کسی مومن کی حاجت کو پورا کرنے میں نہ نکلے اور نہ ہی نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی مشقت اٹھائی ہو تو عنقریب قیامت کے دن حیا اور خوف کی وجہ سے یہ پسینہ نکلے گا اور اس میں تکلیف زیادہ ہوگی۔

اگر آدمی جہالت اور دھوکے سے محفوظ ہو تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ عبادات کی مشکلات میں پسینے کی مشقت آسان ہے اور قیامت کے دن پریشانی اور انتظار کے پسینے کے مقابلے میں کم ہے کیونکہ وہ بڑا سخت اور لمبا دن ہوگا۔

فصل ۴

قیامت کے دن کی بڑائی

جس دن لوگ انتظار میں کھڑے ہوں گے آنکھیں کھلی اور دل پھٹے ہوئے ہوں گے نہ ان سے کلام کیا

---

[1] المطالب العالیہ جلد ۴ ص ۳۶۵ حدیث ۴۶۱۱۔

[2] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۵۷ مرویات عقبہ بن عامر۔

marfat.com

جائے گا اور نہ ہی ان کے معاملات میں نظر کی جائے گی وہ تین سو سال کھڑے رہیں گے اور ایک لقمہ تک نہیں کھائیں گے۔ اور نہ ہی ایک گھونٹ پانی پئیں گے۔ اور نہ ہی اس دن ان پر ہوا کا جھونکا چلے گا۔ قرآن مجید میں ہے۔

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ [1]

جس دن لوگ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت کعب اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں وہ تین سو سال کی مقدار کھڑے رہیں گے بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا۔

كَيْفَ بِكُمْ إِذَا جَمَعَكُمُ اللّٰهُ كَمَا تُجْمَعُ النَّبْلُ فِي الْكِنَانَةِ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ لَا يَنْظُرُ إِلَيْكُمْ [2]

تمہارا کیا حال ہوگا جب اللہ تعالےٰ تم سب کو جمع کرے گا جیسے ترکش میں تیر جمع ہوتے ہیں پچاس ہزار سال تک تمہاری طرف نظر نہیں کرے گا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں تمہارا اس دن کے بارے میں کیا خیال ہے، جب لوگ پچاس ہزار سال کی مقدار اپنے مقدموں پر کھڑے ہوں گے اس میں نہ تو ایک لقمہ کھائیں گے اور نہ ہی ایک گھونٹ پانی پئیں گے حتیٰ کہ جب پیاس سے ان کی گردنیں کٹ جائیں گی اور بھوک سے ان کے پیٹ جل جائیں گے تو ان کو دوزخ کی طرف لے جا کر انہیں کھولتے ہوئے پانی سے پلایا جائے گا جب ان کی مشقت طاقت سے بڑھ جائے گی تو وہ ایک دوسرے سے ہم کلام ہوں گے کہ ان کے مولیٰ کی بارگاہ میں کون زیادہ معزز ہے جو ان کے حق میں شفاعت کرے تو وہ جس نبی کی بارگاہ میں جائیں گے وہ ان کو دور کر دیں گے اور فرمائیں گے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو مجھے میرے اپنے معاملے نے دوسروں سے بے نیاز کر دیا ہے اور عذر پیش کریں گے کہ اللہ تعالیٰ آج سخت غصے میں ہے اس قدر غصہ اس سے پہلے کبھی نہ تھا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا حتیٰ کہ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی شفاعت فرمائیں

---

[1] ۔ قرآن مجید، سورۃ تطفیف آیت ۶۔
[2] ۔ المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۵۷۲ کتاب الاہوال۔

marfat.com

گے جن کی شفاعت کی آپ کو اجازت دی جائے گی۔ارشاد خداوندی ہے۔

لَا یَمْلِکُوْنَ یَوْمَئِذِ نِ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلًا [1]

وہ شفاعت کے مالک نہیں ہوں گے مگر جس کو رحمٰن اجازت دے اور اس کی بات کو پسند کرے۔

تو اس دن کی بڑائی اور اس میں شدت انتظار میں غور کرو تاکہ تمہاری اس مختصر عمر میں تم ر گناہوں سے صبر کا انتظار آسان جان لو کہ جو شخص دنیا میں موت کا زیادہ انتظار کرے اور س سلسلے میں خواہشات سے صبر کو برداشت کرے اس دن اس کو خاص طور پر کم انتظار رنا پڑے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پوچھا گیا کہ قیامت کا دن کس قدر طویل ہوگا۔تو اپ نے فرمایا۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّہٗ لَیُخَفَّفُ عَلَی الْمُؤْمِنِ حَتّٰی یَکُوْنَ اَھْوَنَ عَلَیْہِ مِنَ الصَّلَاۃِ الْمَکْتُوْبَۃِ یُصَلِّیْھَا فِی الدُّنْیَا۔ [2]

اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ وہ مومن پر آسان ہوگا حتی کہ دنیا میں فرض نماز کی ادائیگی سے بھی تھوڑا وقت معلوم ہوگا۔

تو تمہیں ایسے مومنوں میں سے ہونے کی کوشش کرنا چاہیے جب تک تمہاری زندگی کا ایک بھی سانس باقی ہے معاملہ تمہارے اختیار میں ہے اور تیاری کرنا تمہارے بس میں ہے لہذا چھوٹے دنوں میں بڑے دنوں کے لیے عمل کیجیے تمہیں ایسا نفع حاصل ہوگا جس کی خوشی بے انتہا ہے مثلاً اگر تم سات ہزار سال اس لیے صبر کرو کہ پچاس ہزار کی مقدار والے دن سے چھٹکارا پاؤ تو تمہیں مشقت کم اٹھانا پڑے گی اور نفع زیادہ ہوگا۔

---

[1] سورۃ طٰہٰ آیت ۱۰۹۔

[2] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۷۵، مرویات ابو سعید خدری

marfat.com

فصل ۵ :

قیامت کا دن اس کے مصائب اور نام

تو اے مسکین ! جس دن کی یہ عظمت ہے، وہ اس قدر بڑا ہے، حاکم زبردست اور زمانہ قریب ہے اس دن کے لیے تیاری کر۔ جس دن تو دیکھے گا کہ آسمان پھٹ گئے، اس کے خوف سے ستارے جھڑ گئے روشن ستاروں کی چمک ماند پڑ گئی، سورج کی روشنی لپیٹ دی گئی پہاڑ چلنے لگے، پانی لانے والی اونٹنیاں کھلی پھریں جنگلی جانوروں جمع ہو گئے سمندر اُبلنے لگے رُوحیں بدنوں سے جا ملیں جہنم کی آگ بھڑکائی گئی، جنت قریب لائی گئی اور پہاڑ اڑائے گئے اور زمین پھیلائی گئی۔

اور جس دن تم دیکھو گے کہ زمین میں زلزلہ بپا ہو گا، زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے گی اور لوگ گروہوں میں بٹ جائیں گے کہ اپنے اعمال (کا بدلہ) دیکھیں اور جس دن زمین اور پہاڑ اٹھا کر پٹخ دیئے جائیں گے اس دن عظیم واقعہ رُونما ہو گا اور آسمان پھٹ جائیں گے حتیٰ کہ ان کی بنیادیں کمزور پڑ جائیں گی فرشتے ان کے کناروں پر ہوں گے اور اس دن تمہارے رب کے عرش کو آٹھ فرشتوں نے اٹھایا ہو گا۔ اس دن تم سب کو پیش ہونا ہو گا اور تم سے کوئی بھی بات پوشیدہ نہ ہو گی جس دن پہاڑ چلیں گے اور تم زمین کو کھلی ہوئی دیکھو گے۔ جس دن زمین کانپے گی اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اڑنے والی گرد بن جائیں گے جس دن انسان بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہو جائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے اس دن ہر دودھ پلانے والی دُودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی اور ہر حمل والی کا حمل گر جائے گا اور تم لوگوں کو نشے کی حالت میں دیکھو گے حالاں کہ وہ نشے کی حالت میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہو گا۔

جس دن یہ زمین و آسمان دوسری زمین میں بدل جائیں گے اور اللہ تعالیٰ واحد و قہار کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

جس دن پہاڑ اڑا کر بکھیر دیئے جائیں گے اور صاف زمین باقی رہ جائے گی اس میں کوئی ٹیڑھا راستہ (موڑ وغیرہ) اور ٹیلے نہیں ہوں گے جس دن تم پہاڑوں کو جمے ہوئے دیکھو گے حالاں کہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے جس دن آسمان پھٹ کر گلابی لال چمڑے کی طرح ہو جائیں گے اور اس دن کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا۔ اس دن گناہ گار کو بولنے سے روک دیا جائے گا اور نہ ہی اس کے جُرموں کے بارے پوچھا جائے گا بلکہ پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے گرفت ہو گی جس دن ہر شخص اپنے اچھے عمل کو سامنے پائے گا اور برے عمل کو بھی اور وہ چاہے گا کہ اس برے عمل اور اس (شخص) کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہو۔

جس دن ہر نفس اس چیز کو جان لے گا جو وہ لایا ہو گا اور جو آگے بھیجا یا پیچھے چھوڑا وہ سب حاضر ہو گا۔ جس دن زبانیں بند ہوں گی اور باقی اعضاء بولیں گے۔

marfat.com

یہ وہ عظیم دن ہے جس کے ذکر نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بوڑھا کر دیا جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ تو بوڑھے ہو گئے ہیں تو آپ نے فرمایا۔

شَیَّبَتْنِیْ هُوْدٌ وَاَخَوَاتُهَا۔ (۱) مجھے سورۃ ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔

اور وہ سورۃ واقعہ، سورۃ مرسلات، سورۃ عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ اور اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ۔ (وغیرہ سورتیں) ہیں۔

تو اے قرآن پڑھنے والے عاجز! تیرا قرأتِ قرآن سے صرف اتنا حصہ ہے کہ تو گویا اس کے ساتھ کلی کرتا ہے اور اس کے ساتھ زبان کو حرکت دے اور اگر تو جو کچھ پڑھتا ہے اس میں غور و فکر کرتا تو اس لائق تھا کہ ان باتوں سے تیرا کلیجہ پھٹ جاتا جن باتوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بوڑھا کر دیا تھا — اگر تم صرف زبان کی حرکت پر قناعت کرو تو ثمرۂ قرآن سے محروم رہو گے جن امور کا قرآن مجید میں ذکر ہے ان میں سے ایک قیامت ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے مصائب کا ذکر کیا اور اس کے بہت سے نام ذکر کئے تاکہ تم اس کے ناموں کی کثرت سے اس کے معانی کی کثرت پر مطلع ہو جاؤ زیادہ ناموں کا مقصد ناموں اور القاب کو بار بار ذکر کرنا نہیں بلکہ عقل مند لوگوں کے لیے تنبیہ ہے کیوں کہ قیامت کے ہر نام کے تحت ایک راز ہے اور اس کے ہر وصف کے تحت ایک معنیٰ ہے پس تجھے اس کے معانی کی معرفت کی حرص ہونی چاہیے۔

اب ہم ان تمام ناموں کو بیان کرتے ہیں۔

وہ نام یہ ہیں (یوم قیامت (قائم ہونے کا دن) یوم حسرت (افسوس کا دن) یوم ندامت (پشیمانی کا دن) یوم المحاسبہ (حساب کتاب کا دن) یوم المسائلۃ (پوچھ گچھ کا دن) یوم المسابقہ (آگے بڑھنے کا دن) یوم المناقشہ (جھگڑے کا دن) یوم المنافسہ (مقابلے کا دن) یوم زلزلہ (زلزلے کا دن) یوم دامہ (الٹ دینے کا دن) یوم الصاعقہ (کڑک کا دن) یوم الواقعہ (واقع ہونے کا دن) یوم القارعۃ (کھٹکھٹانے والی کا دن) یوم الراجفہ (صدمے یا زلزلے کا دن) یوم الرادفہ (پیچھے آنے والا دن) یوم الغاشیہ (ڈھانپنے والی کا دن) یوم الداہیۃ (مصیبت کا دن) یوم آزفۃ (تنگی کا دن) یوم الحاقۃ (آفت و مصیبت کا دن) یوم الطامۃ (بڑے حادثے کا دن) یوم الصاخۃ (چیخنے چلانے کا دن) یوم التلاق (ملاقات کا دن) یوم الفراق (جدائی کا دن) یوم المساق (چلانے کا دن) یوم القصاص (بدلے کا دن) یوم التناد (جمع ہونے اور پکارنے کا دن) یوم الحساب (حساب کا دن) یوم المآب (لوٹنے کا دن) یوم العذاب (عذاب کا دن) یوم الفرار (بھاگنے کا دن) یوم القرار (ٹھہرنے کا دن) یوم اللقاء (ملاقات کا دن) یوم البقاء (باقی رہنے کا دن) یوم التغابن (فیصلے کا دن) یوم الجزاء (بدلے کا دن) یوم البلاء (آزمائش یا انعام کا دن) یوم البکاء (رونے کا دن)

---

(۱) جامع ترمذی ص ۱۷۵، ابواب الشمائل

marfat.com

یوم الحشر (جمع ہونے کا دن) یوم الوعید (ڈر والا دن) یوم العرض (پیشی کا دن) یوم الوزن (نامہ اعمال تولنے کا دن) یوم الحق (سچ ظاہر ہونے کا دن) یوم الحکم (فیصلے کا دن) یوم الفصل (فیصلے کا دن یا جدائی و امتیاز کا دن) یوم الجمع (جمع ہونے کا دن) یوم البعث (قبروں سے اٹھنے کا دن) یوم الفتح (نامہ اعمال کھولنے کا دن) یوم الخزی (رسوائی کا دن) یوم الغی (بعض لوگوں کے لیے، ذلت کا دن) یوم عظیم (بہت بڑا دن) یوم عقیم (سخت دن) یوم عسیر (مشکل دن) یوم الدین (بدلے کا دن) یوم الیقین (یقین کا دن) یوم النشور (اٹھنے کا دن) یوم المصیر (لوٹنے کا دن) یوم النفخۃ (صور پھونکنے کا دن) یوم الرجفۃ (زلزلے کا دن) یوم الصیحۃ (چیخ و پکار کا دن) یوم الرجۃ (ہلا دینے والا دن) یوم الزجرۃ (جھڑک کا دن) یوم السکرۃ (نشے کا دن) یوم الغزع (گھبراہٹ کا دن) یوم الجزع (فریاد کا دن) یوم المنتہیٰ (انتہاء کا دن) یوم الماوی (ٹھکانے کا دن) یوم المیقات (مقررہ وقت کا دن) یوم المیعاد (وعدے کا دن) یوم المرصاد (انتظار کا دن) یوم القلق (پریشانی کا دن) یوم العرق (پسینے کا دن) یوم الافتقار (محتاجی کا دن) یوم الانکرار (تلخی کا دن) یوم الانتشار (پھیلنے کا دن) یوم الانشقاق (پھٹنے کا دن) یوم الوقوف (کھڑے ہونے کا دن) یوم الخروج (قبروں سے باہر نکلنے کا دن) یوم الخلود (ہمیشہ باقی رہنے کا دن) یوم التغابن (گھاٹے اور خسارے کا دن) یوم عبوس (سخت دن) یوم معلوم (معلوم دن) یوم موعود (وعدے کا دن) یوم مشہود (حاضری کا دن)۔

وہ دن جس میں کوئی شک نہیں وہ دن جس میں دلوں کے رازوں کا امتحان ہوگا، جس دن کوئی (کافر) نفس کسی نفس کے کام نہیں آئے گا وہ دن جب آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائینگی، جس دن کوئی ساتھی کسی ساتھی کے کام نہیں آئے گا جس دن کوئی کسی دوسرے نفس کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا، جس دن (کفار کو) جہنم کی طرف بلایا جائے گا، جس دن ان کو چہروں کے بل اوندھا گرایا جائے گا، جس دن ان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالا جائے گا جس دن باپ اولاد کے کام نہ آسکے گا، جس دن آدمی اپنے بھائی، ماں اور باپ سے بھاگتا پھرے گا جس دن لوگ بات نہیں کرسکیں گے نہ ان کو اجازت ہوگی کہ عذر پیش کریں جس دن اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا جس دن لوگ ظاہر ہوں گے جس دن وہ جہنم میں عذاب دیئے جائیں گے جس دن مال اور اولاد نفع نہیں دے گی جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی ان کے لیے لعنت اور برا گھر ہوگا جس دن عذر نامنظور ہوں گے اور دلوں کی آزمائش ہوگی۔ پوشیدہ باتیں ظاہر ہوں گی اور پردے اٹھ جائیں گے جس دن آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور آوازیں بند ہوں گی، اس دن توجہ کم ہوگی اور پوشیدہ باتیں ظاہر ہوں گی گناہ بھی سامنے آجائیں گے۔ جس دن لوگوں کو ان کے گواہوں سمیت چلایا جائے گا بچے جوان ہوجائیں گے اور بڑے نشے میں ہوں گے پس اس دن ترازو رکھے جائیں گے اور اعمال نامے کھولے جائیں گے جہنم ظاہر کی جائیگی اور گرم پانی کو جوش دیا جائے گا آگ مسلسل جلے گی اور کفار ناامید ہوں گے آگ بھڑکائی جائے گی اور رنگ بدل جائیں گے، زبان گونگی ہوگی اور انسانی اعضاء گفتگو کریں گے۔

تو اے انسان! تجھے اپنے کریم رب کے بارے میں کس نے دھوکے میں ڈالا کہ تو نے دروازے بند کردیئے اور پردے لٹکا دیئے اور لوگوں سے چھپ کر فسق و فجور میں مبتلا ہوگیا پس جب تیرے اعضاء تیرے خلاف گواہی دیں گے تو تو کیا کرے گا

marfat.com

پس اے غافلوں کی جماعت! ہمارے لیے کمل خرابی ہے اللہ تعالیٰ ہمارے پاس تمام رسولوں کے سردار (علیہ وعلیہم
ا) کو بھیجے اور آپ پر روشن کتاب نازل فرمائے اور ہمیں قیامت کے ان اوصاف کی خبر دے پھر ہماری غفلت
ی ہمیں آگاہ کرے اور ارشاد فرماتے۔

ر اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ۔ (۱)

لوگوں کے لیے ان کا حساب قریب آگیا اور وہ غفلت میں منہ پھیرتے ہیں ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو تازہ ذکر (حکم) آتا ہے وہ اس کو سنتے ہیں لیکن کھیل کود میں لگے ہوئے ہیں ان کے دل لہو ولعب میں مشغول ہیں۔

پھر وہ ہمیں بتائے کہ قیامت قریب ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔ (۲)

قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا وَنَرَاهُ قَرِيبًا۔ (۳)

وہ اس (یوم قیامت) کو دور دیکھتے ہیں جب کہ ہم اسے قریب دیکھتے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا۔

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا۔ (۴)

اور تمہیں کیا معلوم کہ شاید قیامت قریب ہو۔

پھر ہماری سب سے اچھی حالت تو یہ ہے کہ ہم اس قرآن پاک کے سبق پر عمل کریں لیکن ہم اس کے معانی میں غور نہیں
تے اور اس (روز قیامت) کے بے شمار اوصاف اور ناموں کو نہیں دیکھتے اور اس کے مصائب سے نجات کے لیے کوشش
ں کرتے ہم اس غفلت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنی وسیع رحمت سے اس کا تدارک فرمائے۔

فصل ۶:

سوال کا بیان

اے مسکین! پھر ان حالات کے بعد تجھ سے سوال ہوگا اس کی فکر کر اور یہ سوال بالمشافہ کسی ترجمان کے بغیر ہوگا تجھ سے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ انبیاء آیت ۱، ۲، ۳

(۲) قرآن مجید، سورۂ القمر آیت ۱

(۳) قرآن مجید، سورۂ المعارج آیت ۶،۷

(۴) قرآن مجید، سورۂ احزاب آیت ۶۳

marfat.com

تھوڑے اور زیادہ کے بارے میں پوچھا جائے گا گٹھلی کے سوراخ اور کھجور کے ریشے جیسی معمولی چیز سے متعلق بھی سوال ہو
تو قیامت کی سختیوں، پسینے اور بڑی بڑی آفات میں مبتلا ہوگا کہ آسمان کے کناروں سے بڑے بڑے جسموں والے اور نہایت
سخت فرشتے اتریں گے ان کو حکم ہوگا کہ مجرموں کو ان کی پیشانیوں سے پکڑ کر اس جبّار ذات کے سامنے پیش کریں نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ مَلَکًا مَا بَیْنَ شَفْرَیْ عَیْنَیْہِ مَسِیْرَۃُ مِائَۃِ عَامٍ۔ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے فرشتے ہیں جن کی آنکھوں کے درمیان پلکوں کا فاصلہ ایک سو سال کی مسافت ہے۔

تو بتا تیرا اپنے نفس کے بارے میں کیا خیال ہے جب تو ان فرشتوں کو دیکھے گا جو تیری طرف اس لیے بھیجے گئے کہ تجھے پکڑ کر پیشی کے مقام پر لے جائیں اور تو دیکھے گا کہ وہ اتنے بڑے جسم کے باوجود اس دن کی سختی کے باعث شکستہ حال ہوں گے اور اس جبّار ذات کا غضب جو لوگوں پر ظاہر ہوگا وہ اس کی مجسم تصویر بنے ہوں گے۔

اور جب وہ اتریں گے تو ہر نبی، صدیق اور ولی اس خوف سے سجدے میں گر جائیں گے کہ کہیں وہی ماخوذ نہ ہوں۔ یہ تو مقربین کا حال ہے نافرمان مجرمین کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے۔

اس وقت شدتِ خوف کے باعث کچھ لوگ جلدی کریں گے اور فرشتوں سے کہیں گے کیا تمہارے درمیان ہمارا رب ہے؟ کیوں کہ ان کا رعب اور ہیبت زیادہ ہوگی تو فرشتے ان کے سوال سے ڈر جائیں گے کہ کہاں خالق کی شان اور کہاں اس کا ہمارے درمیان ہونا۔

تو وہ بلند آواز سے پکاریں گے اور زمین والوں نے اپنے رب کے بارے میں جو وہم کیا اس سے اس کی پاکیزگی بیان کریں گے اور کہیں گے ہمارا رب پاک ہے وہ ہم میں نہیں ہے لیکن وہ اس کے بعد آرہا ہے اس وقت فرشتے مخلوق کو چاروں طرف سے گھیر کر کھڑے ہوں گے اور ان سب پر اس دن کی شدت کے باعث عاجزی مسکینی اور ہیبت طاری ہوگی اس وقت اللہ تعالیٰ کے اس قول کی صداقت ظاہر ہوگی ارشاد خداوندی ہے۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْہِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیْہِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا کُنَّا غَآئِبِیْنَ۔ (۲)

پس ہم ان لوگوں سے بھی پوچھیں گے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا اور رسولوں سے بھی پوچھیں گے اور ہم ان کو اپنے علم سے تمام احوال سنائیں گے اور ہم غائب نہیں تھے

اور ارشاد خداوندی ہے۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۶ ص ۱۲۷ حدیث ۱۵۱۶۰

(۲) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۶،۷

marfat.com

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (۱)

پس تیرے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور بضرور ان کے اعمال کے بارے میں پوچھیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام سے ابتدا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ (۲)

جس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع کرکے فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا؟ وہ کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں بے شک تو ہی غیب کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

تو اس دن کی شدت کے باعث ان کی عقلیں متوجہ نہ ہوں گی اور شدتِ ہیبت کی وجہ سے ان کے علوم مٹ جائیں گے جب ان سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں مخلوق کے پاس بھیجا گیا تھا تو تمہیں کیا جواب ملا حالاں کہ ان کو (اس جواب کا) علم ہوگا لیکن ان کی عقلوں پر دہشت طاری ہوگی اور ان کو پتہ نہیں چلے گا کہ وہ کیا جواب دیں۔ پس سخت ہیبت کے باعث کہیں گے کہ ہمیں علم نہیں بے شک تو ہی غیب کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اور وہ اس وقت سچے ہوں گے لیکن ان کی عقلیں پرواز کر گئیں اور علوم مٹ گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو قوت عطا فرمائے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو بلا کر پوچھا جائے گا کیا آپ نے تبلیغ کی وہ عرض کریں گے جی ہاں، پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا کیا انہوں نے تمہیں تبلیغ کی؟ وہ کہیں گے ہمارے پاس کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کیا آپ نے لوگوں سے فرمایا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود مانو اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دو؟ آپ اس سوال کی ہیبت کے تحت کئی سالوں تک پریشان رہیں گے تو وہ دن کتنا عظیم ہے کہ اس دن اس قسم کے سوالات کے ذریعے انبیاء کرام سے سیاست کی جائے گی پھر فرشتے آکر ایک ایک کو پکاریں گے اے فلاں عورت کے بیٹے فلاں! پیشی کے مقام پر آؤ اس وقت کاندھے تھرائیں گے اور اعضاء کانپ اٹھیں گے نیز عقلیں حیران رہ جائیں گی اور کچھ لوگ تمنا کریں گے کہ ان کو جہنم کی طرف لے جایا جائے اور ان کے برے اعمال اللہ تعالیٰ جبار کے حضور پیش نہ ہوں اور نہ ہی مخلوق کے سامنے ان کی پردہ دری ہو۔

اور سوال کی ابتدا سے پہلے عرش کا نور ظاہر ہوگا اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک رہی ہوگی اور ہر بندے کے دل کو یقین ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے سوال کی طرف متوجہ ہے اور ہر ایک یہ گمان کرے گا کہ میرے سوا اسے کوئی نہیں دیکھتا اور صرف میری ہی پکڑ اور باز پرس مقصود ہے کسی اور کی نہیں۔ اس وقت وہ جبار فرمائے گا اے جبریل علیہ السلام! میرے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حجر آیت ۹۲

(۲) قرآن مجید، سورۂ مائدہ آیت ۱۰۹

marfat.com

پاس آگ کو لاؤ حضرت جبریل علیہ السلام دوزخ کے پاس آئیں گے اور فرمائیں گے اے جہنم! اپنے خالق و مالک کے حکم کی تعمیل کر اس وقت وہ غیظ و غضب میں ہوگی اور آواز سنتے ہی جوش میں آئے گی اور مخلوق کی طرف دہاڑے گی اور چلائی گی تمام مخلوق اس کے جوش میں آنے اور آواز کو سُنے گی اور اس کے محافظ غصہ سے بھرے ہوئے مخلوق میں سے ان لوگوں کی طرف دوڑیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اس کا حکم نہیں مانا۔

تو تم اپنے دل میں بندوں کے دلوں کی حالت کا تصور کر کہ وہ رعب اور خوف سے بھرے ہوں گے اور گھٹنوں کے بل گریں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے اس دن تم امت کو زانوؤں کے بل گرے ہوئے اور بعض کو اوندھے منہ پڑے ہوئے دیکھو گے نافرمان اور ظالم لوگ تباہی اور خرابی کو پکاریں گے کہ ہائے تباہ ہوگئے اور صدیقین نفسی نفسی کہتے ہوں گے۔

وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ جہنم دوبارہ چیخ مارے گی تو اس سے ان کا خوف بڑھ جائے گا اور اعضا سست پڑ جائیں گے وہ گمان کریں گے کہ ان کا مواخذہ ہوگا۔ پھر تیسری مرتبہ جہنم چنگھاڑے گی تو تمام مخلوق منہ کے بل گر جائے گی اور وہ آنکھیں اُٹھا کر خوف زدہ پوشیدہ دبی نگاہ سے دیکھیں گے اس وقت ظالموں کے دل ٹوٹ کر غم کے مارے گلے تک آجائیں گے اور نیک بخت و بدبخت سب کی عقلیں کام کرنا چھوڑ دیں گی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ رسولوں کی طرف متوجہ ہوگا اور فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا تھا جب لوگ انبیاء کرام سے یہ سوال دیکھیں گے تو گناہ گار بے حد خوف زدہ ہو جائیں گے اس وقت باپ، بیٹے سے، بھائی، بھائی سے اور خاوند اپنی بیوی سے بھاگ جائے گا اور ہر ایک اللہ تعالیٰ کے حکم کا منتظر ہوگا پھر ایک ایک کو پکڑا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے براہ راست اس کے قلیل و کثیر عمل نیز اس کے ظاہر و باطن اور تمام اعضاء کے بارے میں پوچھے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا قیامت کے دن ہم اپنے رب کا دیدار کریں گے؟ آپ نے فرمایا جب آسمان پر بادل نہ ہوں تو دوپہر کے وقت سورج کو دیکھنے میں شک کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا نہیں فرمایا جب بادل نہ ہوں تو چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں شک کرتے ہو؟ عرض کیا نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم اپنے رب کے دیدار میں بھی شک نہیں کرو گے بندے کی ملاقات ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تجھے عزت عطا نہیں کی تھی؟ کیا میں نے تجھے سردار نہیں بنایا تھا؟ کیا تیرے لیے جوڑا نہیں بنایا تھا؟ کیا تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کئے کیا تجھے قوم کا رئیس نہیں بنایا تھا کہ تو مالِ غنیمت کا چوتھا حصہ لیتا تھا تو بندہ کہے گا ہاں کیوں نہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے میری ملاقات کا یقین تھا وہ کہے گا نہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج میں تجھے چھوڑتا ہوں جس طرح تو نے مجھے بھلایا تھا (۱)

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۰۹ کتاب الزھد

marfat.com

تو اے مسکین! سوچو جب فرشتوں نے تمہارے بازوؤں کو پکڑ رکھا ہوگا اور تو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگا اور وہ تجھ سے بالمشافہ سوال کرے گا اور فرمائے گا کیا میں نے جوانی کے ذریعے تجھ پر انعام نہیں کیا؟ تو نے اس کو کہاں خرچ کیا؟ کیا میں نے تجھے زندگی میں مہلت نہیں دی؟ تو نے اسے کہاں صرف کیا؟ کیا میں نے تجھے مال عطا نہیں کیا تو تُو نے اسے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ کیا میں نے تجھے علم کے ذریعے عزت نہیں بخشی تھی تو تُو نے اپنے علم میں کیا عمل کیا؟ تو دیکھو اس وقت تمہاری حیا اور شرمندگی کا کیا عالم ہوگا اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اپنے انعامات اور تمہاری نافرمانیاں شمار کرے گا نیز اپنے احسانات اور تیری برائیاں گنے گا اگر تم انکار کرو تو تمہارے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے کہ آپ مسکرائے پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں کیوں مسکرایا ہوں؟ ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا میں اس بات پر ہنسا ہوں کہ بندہ اپنے رب سے یوں مخاطب ہوگا کہ یا اللہ! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ فرمایا اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں وہ کہے گا میں اس وقت مانوں گا جب مجھ میں سے ہی کوئی گواہ ہو اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج تیرا نفس ہی تیرے حساب کے لیے کافی ہے اور نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتے گواہ ہیں پس اس کے منہ پر مہر لگ جائے گی اور اس کے اعضاء سے کہا جائے گا بولو فرمایا اس کے اعضاء اس کے اعمال کا ذکر کریں گے پھر اس کے منہ سے پابندی اٹھے گی تو اپنے اعضاء سے کہے گا تمہارے لیے دوری اور دھتکار ہو میں تمہاری طرف سے ہی تو لڑتا تھا۔(۱)

تو لوگوں کے سامنے اعضاء کی گواہی کے ذریعے ذلت سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے مومن سے وعدہ فرمایا کہ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا اور اس پر کسی دوسرے کو مطلع نہیں کرے گا۔

ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سرگوشی سے گفتگو کرتے ہوئے کیسے سنا؟ انہوں نے فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تم میں سے کوئی ایک اپنے رب کے قریب ہوگا حتیٰ کہ وہ اپنا شانہ اس پر رکھے گا (جیسے اس کے شایانِ شان ہے) وہ پوچھے گا تو نے فلاں فلاں عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا جی ہاں پھر پوچھے گا تو نے فلاں فلاں عمل کیا؟ وہ ہاں میں جواب دے گا پھر فرمائے گا میں نے دنیا میں ان اعمال پر پردہ ڈالا اور آج میں تجھے بخش دیتا ہوں۔(۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ سَتَرَ عَلٰی مُؤْمِنٍ عَوْرَتَهٗ سَتَرَ اللّٰهُ — جو شخص کسی مومن کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۰۹ کتاب الزھد

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۱۱۹ کتاب التوحید

marfat.com

عَوْرَتَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۱) کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

اس بات کی امید اُس شخص کو ہوگی جو دنیا میں لوگوں کے عیبوں کو چھپاتا ہے۔ اور اگر وہ اس کے حق میں کوئی تقصیر کریں تو اسے برداشت کرتا ہے اور ان کی برائیوں کو زبان پر نہیں لاتا اور نہ ہی ان کی پیٹھ پیچھے ایسی بات کرتا ہے کہ اگر وہ اسے سنیں تو ناپسند کریں تو ایسے لوگ اس بات کے لائق ہیں کہ قیامت کے دن ان کو اسی قسم کا بدلہ دیا جائے۔

فرض کرو اس نے تیرے گناہ کو دوسروں سے چھپایا ہو لیکن کیا پیش کے لیے تیرے کانوں میں آواز نہیں پڑی تو تیرے گناہوں کی سزا کے طور پر یہ خوف بھی کافی ہے جب تیری پیشانی کو پکڑ کر آگے کو کھینچا جائے گا تیرا دل پریشان ہوگا عقل اڑی پھرے گی اور تیرے شانے تھراتے ہوں گے، تیرے اعضاء مضطرب ہوں گے تیرا رنگ بدل چکا ہوگا اور سخت خون کی وجہ سے تجھے تمام جہاں سیاہ نظر آئے گا۔

تو اپنے بارے میں سوچ تیری یہی حالت ہوگی تو گردنوں کو پھلانگتا اور صفوں کو چیرتا ہوا جائے گا، تجھے سجائے ہوئے گھوڑے کی طرح لے جایا جائے گا اور لوگ نظریں اُٹھا اُٹھا کر تجھے دیکھیں گے پس تو خیال کر کہ اسی حالت میں ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو تجھ پر مقرر ہیں حتی کہ وہ تجھے رحمٰن کے عرش تک لے جائیں گے اور اپنے ہاتھوں سے پھینک دیں گے اللہ تعالیٰ تجھے اپنے عظیم کلام کے ساتھ ندا دے گا فرمائے گا۔

"اے ابن آدم! میرے قریب ہو جا"، پس تُو پریشان غمگین اور شکستہ دل کے ساتھ اس کے قریب ہوگا تیری آنکھیں جھکی ہوئی اور ذلت سے بھرپور ہوں گی دل ٹوٹا ہوا ہوگا اور تیرے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا جس میں ہر چھوٹا بڑا گناہ لکھا ہوگا تو کتنی ہی بھلائیوں کو بھول گیا ہوگا تو یہ تجھے یاد دلائے گا تو کتنی ہی عبادات کی آفات سے غافل رہا تو اس کی برائیاں تیرے سامنے ظاہر ہوں گی تو تجھے کس قدر شرمندگی اور بزدلی پیش آئے گی اور زبان کی رکاوٹ اور عاجزی درپیش ہوگی تو معلوم نہیں تم کس قدم کے ساتھ اس کے سامنے کھڑے ہو گے اور کس زبان سے جواب دو گے اور جو کچھ کہو گے اس کو کس دل سے سمجھو گے۔

پھر سوچو جب اللہ تعالیٰ اپنے سامنے تمہارے گناہ گنوائے گا تو کس قدر شرم آئے گی جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندے کیا تجھے مجھ سے حیا نہ آیا کہ میرے سامنے برے کاموں کے ساتھ آیا اور میری مخلوق سے حیا کرتے ہوئے ان کے سامنے اچھائی ظاہر کی۔ کیا تیرے نزدیک میں اپنے بندوں کی نسبت ہلکا تھا تو نے اپنی طرف میرے دیکھنے کو ہلکا جانا اور کوئی پرواہ نہ کی جب کہ دوسروں کے دیکھنے کو بڑا خیال کیا کیا میں نے تجھ پر انعام و اکرام نہیں کیا تھا؟ تو تجھے میرے بارے میں کس نے دھوکے میں ڈالا کیا تیرا خیال تھا کہ میں تجھے نہیں دیکھتا اور نہ ہی تو مجھ سے ملے گا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۵۹ مرویات عقبہ بن عامر

marfat.com

ارشاد فرمایا۔

مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَيَسْاَلُهٗ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ حِجَابٌ وَلَا تَرْجُمَانٌ۔ (۱)

تم میں سے ہر ایک سے تمام جہانوں کو پالنے والا اس طرح سوال کرے گا کہ درمیان میں نہ کوئی پردہ ہوگا اور نہ کوئی ترجمان۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تم میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوگا کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوگا تعالیٰ اس سے پوچھے گا کیا میں نے تم پر انعام نہیں کیا؟ کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا؟ وہ کہے گا ہاں (یا اللہ! دیا ہے) تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تیری طرف رسول نہیں بھیجا وہ کہے گا ہاں (یا اللہ! تو نے بھیجا تھا) پھر وہ اپنی دائیں طرف دیکھے وا آگ کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا پھر بائیں جانب دیکھے گا تو آگ کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے گا تو تمہیں چاہیے کہ جہنم سے وا اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے سے ہو اگر نہ پاؤ تو اچھی گفتگو کے ذریعے بچو۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تم میں سے ہر ایک اللہ عزوجل کے سامنے اس طرح اکیلا ہوگا جس طرح ئی چودھویں رات کے چاند کے سامنے تنہا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم! تجھے میرے بارے میں کس یز نے دھوکہ دیا؟ اے آدم کے بیٹے! تو نے جو علم حاصل کیا اس کے مطابق کیا عمل کیا؟ اے آدم کے بیٹے! تو نے یرے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ اے آدم کے بیٹے! کیا تمہاری آنکھیں میرے سامنے نہ تھیں پھر تو ان آنکھوں کے ساتھ ں چیز کو دیکھتا تھا جو تیرے لیے حلال نہ تھی کیا میں تیرے کانوں کو نہیں دیکھتا تھا؟ اسی طرح تمام اعضاء کے بارے میں چھے گا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب تک بندے سے چار باتوں کے بارے میں سوال کرے اس کے قدم وہاں سے نہیں ہٹیں گے اس کی عمر (وقت) کے بارے میں کہ کس کام میں خرچ کی، علم کے بارے میں کہ اس میں کیا عمل کیا، جسم کے بارے میں کہ اس کو کس کام میں مبتلا رکھا اور مال کے بارے میں سوال ہوگا کہ کہاں سے کمایا اور کس کام پر خرچ کیا۔

تو اے مسکین! اس وقت تجھے کس قدر شرم آئے گی اور کتنا بڑا خطرہ ہوگا یہ بھی ہو سکتا کہ کہا جائے ہم نے دنیا میں تمہاری پردہ پوشی کی اور آج تجھے بخش رہے ہیں اس وقت بہت زیادہ خوشی اور سرور حاصل ہوگا اور پہلے اور پچھلے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۷۷ مرویات عدی بن حاتم

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۹۰ کتاب الزکوٰۃ

marfat.com

تجھ پر رشک کریں گے یا فرشتوں سے کہا جائے گا کہ اس برے بندے کو پکڑ کر گلے میں طوق ڈالو اور پھر جہنم میں ڈال دو۔
اس وقت تو اُتنی بڑی مصیبت میں مبتلا ہوگا کہ اگر آسمان و زمین تجھ پر روئیں تو ان کو مناسب ہے تجھے اس بات پر بہت
حسرت ہوگی کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرمانبرداری میں کوتاہی کی۔ اور تم نے کمینی دنیا کے لیے اپنی آخرت بیچ ڈال ا
اب تیرے پاس کچھ نہیں۔

فصل ۷:

میزان کا ذکر

پھر تجھے میزان (ترازو) کے بارے میں غور و فکر کرنے سے بھی غافل نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی اعمال نامے کے دا
بائیں اڑنے کے بارے میں بے خبر رہنا چاہیے کیوں کہ سوال کے بعد لوگوں کی تین جماعتیں ہو جائیں گی ایک جماعت وہ ہو
جن کی کوئی نیکی نہیں تو جہنم سے ایک سیاہ گردن نکلے گی اور جس طرح پرندے دانے چگتے ہیں اسی طرح وہ ان لوگوں کو ا
لے گی اور وہ ان کو اپنی گرفت میں لے کر جہنم میں ڈال دے گی اور آگ ان کو نگل لے گی اور ان کو آواز دی جائے گی
اب بدبختی ہی ہے اس کے بعد نیک بختی نہیں۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہوں گے جن کا کوئی گناہ نہیں ہوگا ان کو ایک منادی آواز دے گا کہ جو لوگ ہر حال میں اللہ
کا شکر ادا کرتے اور اس کی حمد بیان کرتے تھے وہ کھڑے ہو جائیں وہ کھڑے ہوں گے اور جنت کی طرف چل پڑیں گے
پھر ان لوگوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے گا جو رات کے وقت (عبادت کے لیے) قیام کرتے ہیں پھر ان لوگوں
جن کو دنیا کی تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہیں روکتی یہی سلوک ہوگا اور ان کو آواز دی جائے گی کہ خوش
بختی ہے اس کے بعد کبھی بھی بدبختی نہیں آئے گی۔

اب تیسری قسم کے لوگ باقی رہ جائیں گے اور وہ سب سے زیادہ ہوں گے ان کے نیک اور برے اعمال
ملے جلے ہوں گے ان کو معلوم نہ ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ ان کی نیکیاں زیادہ ہیں یا برائیاں، لیکن اللہ تعا
ان کو بھی اس بات کی پہچان کرائے گا تاکہ معافی کے وقت اس کا فضل اور عذاب کے وقت اس کا عدل ظاہر ہو
پس نامہ ہائے اعمال اڑیں گے اور وہ نیکیوں اور برائیوں پر مشتمل ہوں گے اس وقت میزان قائم ہوگا اور آنکھیں نامہ ہائے
اعمال پر لگی ہوں گی کہ وہ دائیں پلڑے میں گرتے ہیں یا بائیں جانب؟ پھر ترازو کے کانٹے کو دیکھیں گے کہ وہ برائیوں کی
جانب جھکتا ہے یا نیکیوں کی طرف اور یہ نہایت خوف کا وقت ہوگا اس سے مخلوق کی عقلیں ڈر جائیں گی۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر انور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی
گود میں تھا کہ آپ کو اونگھ آگئی اس دوران ام المومنین کو آخرت یاد آگئی اور آپ رو پڑیں حتی کہ ان کے آنسو بہہ نکلے اور

marfat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک پر جا پڑے آپ بیدار ہوئے تو فرمایا اے عائشہ! کیوں رو رہی ہو؟ عرض کیا مجھے آخرت کا خیال آگیا تھا۔ کیا آپ لوگ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے؟ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے (یاد رکھیں گے) مگر تین جگہ ہر شخص صرف اپنے آپ کو یاد رکھے گا جب ترازو رکھے جائیں گے اور اعمال کا وزن کیا جائے گا حتی کہ آدمی دیکھے گا کہ اس کا ترازو ہلکا ہے یا بھاری! اور نامہ اعمال دینے کے وقت وہ دیکھے گا کہ میرا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں آتا ہے یا بائیں ہاتھ میں؟ اور پل صراط کے پاس (۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں قیامت کے دن انسان کو لایا جائے گا حتی کہ اسے میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور اس پر ایک فرشتہ مقرر ہوگا اگر (نیکیوں کا) پلڑا بھاری ہوا تو فرشتہ بلند آواز سے پکارے گا کہ تمام مخلوق سنے گی وہ کہے گا فلاں شخص نیک بخت ہوا اب وہ کبھی بھی بدبخت نہیں ہوگا اور اگر اس کا نیکیوں پلڑا ہلکا ہوا تو فرشتہ ایسی آواز سے پکارے گا جسے تمام مخلوق سنے گی کہ فلاں بدبخت ہوا اس کے بعد یہ کبھی بھی نیک بخت نہیں ہوگا۔

اور جب نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا تو دوزخ کے فرشتے ہاتھوں میں لوہے کے گرز لیے ہوئے آئیں گے سان کا لباس آگ کا ہوگا تو وہ آگ کے حصے کو آگ کی طرف لے جائیں گے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم قیامت کے بارے میں فرمایا۔

یہ وہ دن ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو آواز دے گا اور فرمائے گا اے آدم علیہ السلام! اٹھئے اور جہنمیوں کو جہنم کی طرف بھیجئے وہ پوچھیں گے جہنم کے لیے کتنے آدمی بھیجنے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے ـــــ جب صحابہ کرام نے یہ بات سنی تو وہ غمگین ہو گئے حتی کہ وہ اچھی طرح ہنس بھی نہ سکے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی یہ حالت دیکھی تو ارشاد فرمایا۔

عمل کرو اور خوش ہو جاؤ پس اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے تمہارے ساتھ دو ایسی مخلوق ہیں کہ وہ جس کے ساتھ ہوتے ہیں اس کے اضافے کا باعث ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ وہ بھی ہیں جو انسانوں اور شیطانوں کی اولاد سے ہلاک ہو گئے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ دونوں مخلوق کون لوگ ہیں؟ فرمایا یاجوج اور ماجوج ہیں ـــــ راوی کہتے ہیں یہ سن کر صحابہ کرام خوش ہو گئے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمل کرو اور خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے قیامت کے دن تم، دوسرے لوگوں میں اس طرح ہو گے جیسے اونٹ کے پہلو میں سیاہ داغ یا جانور کے بازو میں نشان ہوتا ہے (۲)

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۹۸ کتاب السنۃ (۲) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۲۹ کتاب الایمان

marfat.com

فصل ۸ :

حقوق کا مطالبہ اور ان کی واپسی

میزان کا خوف اور خطرہ تم معلوم کر چکے ہو اور آنکھیں میزان کی طرف لگی ہوئی ہوں گی۔ ارشاد خداوندی ہے۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ نَارٌ حَامِيَةٌ۔ (۱)

اور جس کے نیک اعمال کا پلڑا بھاری ہوگا وہ اچھی زندگی میں ہوگا اور جس کا نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانا دوزخ کا ایک درجہ) ہاویہ ہے اور تمہیں کیا معلوم وہ کیا ہے ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔

اور جان لو کہ میزان کے خطرے سے وہی بچ سکتا ہے جس نے دنیا میں اپنا محاسبہ کیا ہو اور اس میں شرعی میزان کے ساتھ اپنے اعمال اور اقوال اور خطرات و خیالات کو تولا ہو جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنے نفسوں کا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے اور (قیامت کے) وزن کرنے سے پہلے خود وزن کرو۔

اپنے نفس کے حساب (یا محاسبہ) سے مراد یہ ہے کہ مرنے سے پہلے روزانہ سچی توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے فرائض میں جو کوتاہی کی ہے اس کا تدارک کرے اور لوگوں کے حقوق ایک ایک کوڑی کے حساب سے واپس کرے اور اپنی زبان، ہاتھ یا دل کی بدگمانی کے ذریعے کسی کی ہتک کی ہو تو اس کی معافی مانگے اور ان کے دلوں کو خوش کرے حتیٰ کہ جب اسے موت آئے تو اس کے ذمہ نہ کسی کا کوئی حق ہو اور نہ ہی کوئی فرض، تو یہ شخص کسی حساب کے بغیر جنت میں جائے گا۔

اور اگر وہ لوگوں کے حقوق ادا کرنے سے پہلے مر جائے تو حقدار اس کا گھیراؤ کریں گے کوئی اسے ہاتھ سے پکڑے گا اور کوئی اس کی پیشانی کے بال پکڑے گا اور کسی کا ہاتھ اس کی گردن پر ہوگا کوئی کہے گا تم نے مجھ پر ظلم کیا اور کوئی کہے گا تو نے مجھے گالی دی اور کوئی کہے گا تم نے مجھ سے مذاق کیا کوئی کہے گا تم نے میری غیبت کرتے ہوئے ایسی بات کہی جو مجھے بری لگتی تھی کوئی کہے گا تم میرے پڑوسی تھے لیکن تم نے مجھے ایذا دی کوئی کہے گا تم نے مجھ سے معاملہ کرتے ہوئے دھوکہ کیا کوئی کہے گا تو نے مجھ سے سودا کیا تو مجھ سے دھوکہ کیا اور مجھ سے اپنے مال کے عیب کو چھپایا کوئی کہے گا تو نے اپنے سامان کا نرخ بتاتے ہوئے جھوٹ بولا کوئی کہے گا تو نے مجھ محتاج دیکھا اور تو مال دار تھا لیکن تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا کوئی کہے گا تو نے دیکھا کہ میں مظلوم ہوں اور تو اس ظلم کو دور کرنے پر قادر بھی تھا لیکن تو نے ظالم سے مصالحت کی اور میرا خیال نہ کیا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ القارعۃ آیت ۶ تا ۱۱

marfat.com

توجب اس وقت تیرا یہ حال ہوگا اور حقداروں نے تیرے بدن میں ناخن گاڑ رکھے ہوں گے اور تیرے گریبان پر مضبوط ہاتھ ڈالا ہوگا اور تو ان کی کثرت کے باعث حیران پریشان ہوگا حتی کہ تو نے اپنی زندگی میں جس سے ایک درہم کا معاملہ کیا ہوگا یا اس کے ساتھ کسی مجلس میں بیٹھا ہوگا تو غیبت یا خیانت یا حقارت کی نظر سے دیکھنے کے اعتبار سے اس کا تجھ پر حق بنتا ہوگا اور تو ان کے معاملے میں کمزور ہوگا اور اپنی گردن اپنے آقا اور مولیٰ کی طرف اس نیت سے اٹھائے گا کہ شاید وہ تجھے ان کے ہاتھ سے چھڑائے کہ اتنے میں اللہ تعالیٰ کی آواز تیرے کانوں میں پڑے گی ارشاد خداوندی ہے۔

اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ۔ (۱)

آج ہر نفس کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اور آج کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

اس وقت ہیبت کے مارے تیرا دل نکل جائے گا اور تجھے اپنی ہلاکت کا یقین ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی جو تجھے ڈراتا ہے وہ تجھے یاد آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ مُهْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ وَاَنْذِرِ النَّاسَ۔

اور اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے اعمال سے غافل نہ جانو وہ ان کو اس دن تک موخر کرتا ہے جس دن آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی بھاگم بھاگ جا رہے ہوں گے اپنے سر اٹھاتے ہوئے ان کی پلکیں جھپکتی نہیں ہوں گی اور ان کے دل (خوف سے) اڑے جا رہے ہوں گے اور (اے محبوب) لوگوں کو ڈرائیے۔ (۲)

آج جب تو لوگوں کی عزتوں کے پیچھے پڑتا ہے اور ان کے مال کھاتا ہے تو کس قدر خوش ہوتا ہے لیکن اس دن تجھے کس قدر حسرت ہوگی جب تو عدل کے میدان میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوگا اور خطابِ سیاست تیرے سامنے ہوگی اس وقت تو مفلس فقیر عاجز اور ذلیل ہوگا نہ کسی کا حق ادا کر سکے گا اور نہ ہی کوئی عذر پیش کر سکے گا۔

پھر تیری وہ نیکیاں جن کے لیے تو نے زندگی بھر مشقت برداشت کی تجھ سے لے کر ان لوگوں کو جن کے حقوق تیرے ذمہ ہوں گے، دے دی جائیں گی اور یہ ان کے حقوق کا عوض ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے درمیان مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی درھم یا دینار یا کوئی مال نہ ہو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ غافر آیت ۱۷

(۲) قرآن مجید، سورۂ ابراہیم آیت ۴۲ تا ۴۴

marfat.com

آپ نے ارشاد فرمایا۔

میری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزے اور زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا لیکن اس نے کسی کو گالی دی ہوگی کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا پس اس (حقدار) کو بھی اس کی کچھ نیکیاں دی جائیں گی اور دوسرے کو بھی، اور اگر نیکیاں ختم ہو جائیں اور اس کے ذمہ جو حقوق ہیں وہ پورے نہ ہوں تو ان لوگوں کے گناہوں میں سے لے کر اس پر ڈالا جائے گا اور پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (۱)

تو دیکھو اس دن تم کس قدر مصیبت میں مبتلا ہو گے کیوں کہ پہلے تو تمہاری نیکیاں ریاکاری اور شیطانی مکر و فریب سے محفوظ نہیں ہوں گی اور اگر طویل مدت کے بعد کوئی ایک نیکی بچ بھی جائے تو اس پر حقدار دوڑیں گے اور اسے لے لیں گے اور شاید تو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور دن کو روزہ رکھنے والا اور رات کو قیام کرنے والا ہو تو تجھے معلوم ہوگا کہ تو دن بھر مسلمانوں کی غیبت کرتا رہا جو تیری تمام نیکیوں کو لے گئی باقی برائیاں مثلاً حرام اور مشتبہ چیزیں کھانا اور عبادات میں کوتاہی کرنا اپنی جگہ ہے اور جس دن سینگوں والے جانور سے بے سینگ جانور کا حق لیا جائے گا تو اس دن حقوق سے چھٹکارا پانے کی امید کیسے رکھ سکتا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بکریاں دیکھیں جو لڑ رہی تھیں؛ آپ نے فرمایا اے ابوذر (رضی اللہ عنہ) کیا آپ کو معلوم ہے یہ دونوں کیوں لڑتی ہیں؛ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا میں نہیں جانتا آپ نے فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ (۲)

(انسان کو تنبیہ کے طور پر یہ بات فرمائی تاکہ وہ دوسروں کے حقوق غصب نہ کریں نیز عدل خداوندی کا اظہار ہے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ۔ (۳)

اور زمین پر چلنے والے چار پائے اور اڑنے والے پرندے تمہاری طرح گروہ ہیں۔

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا) قیامت کے دن تمام مخلوق یعنی چار پائے اور چرند پرند سب جمع ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کا عدل اس حد کو پہنچے گا کہ وہ بے سینگ بکری کا بدلہ سینگ والی سے لے گا پھر فرمائے گا مٹی ہو جا اس وقت کافر کہے گا کاش میں مٹی ہو جاتا۔

تو اے مسکین شخص! اس دن کیا صورت حال ہوگی جب تو اپنے نامۂ اعمال کو نیکیوں سے خالی دیکھے گا حالاں کہ

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۰۴ مرویات ابوہریرہ (۲) ایضاً

(۳) قرآن مجید، سورہ انعام آیت ۳۸

marfat.com

تو نے ان کے لیے سخت مشقت اٹھائی ہوگی تم کہو گے میری نیکیاں کہاں ہیں ؟ تو جواب دیا جائے گا وہ تو ان لوگوں کی طرف منتقل ہوگئیں جن کے حقوق تمہارے ذمہ تھے اور تم دیکھو گے کہ تمہارا نامۂ اعمال برائیوں سے بھرا ہوا ہے کہ ان سے بچنے کے لیے تم نے بہت زیادہ مشقت اٹھائی ہوگی۔ اور ان سے رُکنے کے سبب تم نے بہت تکلیف اٹھائی ہوگی تم کہو گے اے میرے رب! میں نے یہ گناہ کبھی نہیں کئے جواب دیا جائے گا یہ ان لوگوں کے گناہ ہیں جن کی تم نے غیبت کی ان کو گالی دی ان سے برائی کا ارادہ کیا، مزید و فروخت کے اعتبار سے پڑوسی ہونے کے ناطے سے، گفتگو، مناظرے مذاکرے اور درس و تدریس کے اعتبار سے یا باقی معاملات میں تو نے ان پر ظلم کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شیطان اس بات سے نا امید ہو گیا کہ اب عرب کی سرزمین پر اس کی پوجا کی جائے لیکن عنقریب وہ اس سے کم اور حقیر باتوں پر تم سے راضی ہوگا اور وہ ہلاکت خیز باتیں ہیں پس جس قدر ممکن ہو ظلم سے بچو کیوں کہ بندہ قیامت کے دن پہاڑوں کی مثل عبادات لائے گا اور اس کے خیال میں وہ اس کو نجات دینے والی ہوں گی لیکن ایک بندہ آکر کہے گا اے میرے رب فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کی نیکیوں میں سے کچھ مٹا دو اسی طرح لوگ آتے رہیں گے (اور نیکیاں لے جاتے رہیں گے) حتی کہ اس کی کوئی نیکی باقی نہیں رہے گی اس کی مثال اس طرح ہے جیسے مسافر جنگل میں اتریں اور ان کے پاس لکڑیاں نہ ہوں اب وہ لوگ بکھر جائیں اور لکڑیاں جمع کر کے لائیں اور تھوڑی دیر بھی نہ گزرے کہ وہ بہت بڑی آگ جلا کر اپنا مقصد حاصل کریں (۱) (یعنی ان لکڑیوں کی طرح دیکھتے ہی دیکھتے یہ نیکیاں بھی چلی جائیں گی۔)

جب یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ۔ (۲)

بے شک آپ کا وصال بھی ہوگا اور یہ ان لوگوں کو بھی موت آئے گی پھر قیامت کے دن تم لوگ اپنے رب کے پاس جھگڑا کرو گے

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا خاص گناہوں کے ساتھ ہمارے دنیوی جھگڑے بھی دوبارہ ظاہر ہوں گے ؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ بھی تمہارے اوپر آئیں گے حتی کہ تم ہر حقدار کا حق ادا کرو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا معاملہ بہت سخت ہے (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۱۸۹ کتاب التوبۃ

(۲) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۳۰، ۳۱

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۱۶۷ مرویات زبیر بن عوام

marfat.com

تو اس دن کی سختی بہت بڑی ہے جس میں ایک قدم سے بھی درگذر نہ ہوگا حتی کہ ایک تھپڑ اور ایک کلے کا بدلہ بھی ظالم سے مظلوم کے لیے لیا جائے گا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا:

یَحْشُرُ اللّٰہُ الْعِبَادَ عُرَاۃً غُرْلًا بُھْمًا۔ اللہ تعالیٰ بندوں کو ننگے کرکے اور بغیر مال کے اٹھائے گا۔

ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) بُہم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جس کے پاس کچھ نہ ہو — پھر ان کا رب بلند آواز سے پکارے گا جس کو دور والے اسی طرح سنیں گے جس طرح قریب والے سنتے ہیں (فرمائے گا) میں بادشاہ ہوں میں بدلہ لینے والا ہوں کوئی جنتی یا جہنمی جس کے ذمہ کسی کا کوئی حق ہو وہ اس وقت تک جنت یا جہنم میں نہیں جا سکتا جب تک میں اس سے بدلہ نہ لے لوں حتی کہ ایک تھپڑ کا بدلہ بھی — ہم نے عرض کیا یہ کیسے ہوگا جب کہ ہم تو ننگے، مفلس اور بغیر مال کے ہوں گے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بدلہ نیکیوں اور برائیوں کے ذریعے ہوگا (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) اے اللہ کے بندو اللہ تعالیٰ سے ڈرو (۱)

اور بندوں کے حقوق غصب کرنا ان کے مال لینے، ان کی عزتوں کے درپے ہونے ان کے دلوں کو تنگ کرنے اور ان سے بداخلاقی کا مظاہرہ کرنے کی صورت میں ہوتا ہے (ان سے بچو) کیوں کہ جن گناہوں کا تعلق حقوق اللہ سے ہے ان کی بخشش جلد ہو جائے گی — اور جس شخص کے ذمہ کئی لوگوں کے حقوق ہوں اور اس نے ان سے توبہ کی ہو لیکن حقدار لوگوں سے معاف کرانا مشکل ہو تو زیادہ سے زیادہ نیک کام کرے تاکہ قیامت کے دن کام آئیں اور بعض نیکیاں خاص اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان چھپا کر اور پورے اخلاص کے ساتھ کرے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلع نہ ہو سکتا ہے یہی نیکیاں اسے اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں اور اس کے ذریعے اس لطف خداوندی کو حاصل کر سکے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن دوستوں کے لیے حقداروں کے حقوق کو دور کرنے کی صورت میں رکھا ہے جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آپ تشریف فرما تھے کہ ہم نے دیکھا آپ ہنس رہے ہیں حتی کہ آپ کے دانت مبارک نظر آنے لگے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ہنسنے کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میری امت میں سے دو آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے دو زانو ہوئے ان میں سے ایک نے کہا اے میرے رب! میرے اس ساتھی سے میرا حق دلا دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے بھائی کا حق ادا کرو اس نے کہا اے میرے رب! میری نیکیوں میں سے کچھ بھی نہیں بچا اللہ تعالیٰ نے طلب کرنے والے سے فرمایا اب تم کیا کرو گے اس کے پاس تو کوئی نیکی نہیں بچی اس نے کہا یا اللہ! یہ شخص میرے گناہوں میں سے کچھ اپنے اوپر لے لے۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۴ ص ۳۶۴، ۳۶۵ حدیث ۳۸۹۵۳

marfat.com

راوی کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں میں آنسو آگئے پھر فرمایا یہ بہت بڑا دن ہے جس دن آدمی اس
ات کا محتاج ہوگا کہ کوئی شخص اس کے گناہ اٹھالے — پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے مطالبہ کرنے والے سے فرمایا! اپنے
سر اٹھاؤ اور جنت میں دیکھو اس نے جنت کی طرف دیکھا اور عرض کیا مجھے چاندی کے بلند شہر اور سونے کے محلات جن میں
وتی جڑے ہوئے ہیں، نظر آتے ہیں یہ کس نبی کے لیے ہیں؟ یا کس صدیق یا شہید کے لیے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو اس کی
یمت ادا کرے اس نے عرض کیا یا اللہ! اس کی قیمت کون ادا کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو دے سکتا ہے اس
نے کہا کیا قیمت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اپنے بھائی کو معاف کر دے اس نے عرض کیا اے میرے رب! میں نے اس کو
معاف کر دیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اسے جنت میں لے جاؤ — اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا (اے لوگو!) اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو بے شک اللہ تعالیٰ مومنوں کے درمیان صلح کراتا ہے (۱)
یہ اس بات سے آگاہی ہے کہ یہ مرتبہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنانے سے حاصل ہوتا ہے اور وہ باہم صلح رکھنا اور دوسرے
اخلاق کو اپنانا ہے۔

تو اب تم اپنے نفس کے بارے میں سوچو اگر تمہارا نامۂ اعمال لوگوں کے حقوق سے خالی ہوگا یا اللہ تعالیٰ اپنے لطف و
کرم سے تمہیں معاف کر دے گا اور تجھے ابدی سعادت کا یقین ہو جائے گا تو تو فیصلے کی جگہ سے کس قدر خوش خوش واپس
ہوگا تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف رضا کا لباس ملے گا اور ایسی سعادت کے ساتھ واپس آئے گا جس سے بعد شقاوت نہیں اور ایسی
نعمتیں حاصل ہوں گی جن کے گرد فنا نہیں ہوگی اس وقت خوشی سے تمہارا دل پرواز کرنے لگے گا نیز تیرا چہرہ روشن اور چمکدار
ہو جائے گا اور اس طرح چمکے گا جس طرح چودھویں رات کا چاند چمکتا ہے تو سورج تو لوگوں کے درمیان کس طرح سر اٹھائے
چلے گا تیری پیٹھ پر کوئی بوجھ نہیں ہوگا نسیم راحت کی تازگی اور رضا کی ٹھنڈک تیری پیشانی پر چمکتی ہوگی پہلے اور پچھلے لوگ تجھے اور
تیرے حال کو دیکھ رہے ہوں گے نیز تیرے حسن و جمال پر رشک کریں گے فرشتے تیرے آگے اور پیچھے چلیں گے اور لوگوں کے
سامنے اعلان کریں گے کہ یہ فلاں بن فلاں ہے اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوا اور اس کو راضی کیا اس نے ایسی سعادت
حاصل کی ہے جو کبھی بدبختی میں تبدیل نہیں ہوگی —

تمہارا کیا خیال ہے دنیا میں ریاکاری منافقت اور بناوٹ کے ذریعے تو لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام بناتا ہے
یہ منصب اس سے بڑا نہیں اگر تو جانتا ہے کہ یہ رتبہ دنیوی رتبے سے بہتر ہے بلکہ اس کو اس سے کوئی نسبت نہیں تو صاف
ستھرے اخلاص کے ذریعے اس مقام کو حاصل کرنے کی کوشش کر۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے معاملے میں سچی نیت اختیار
کر کیوں کہ اس کے بغیر یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوتا۔

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۶۰۵ کتاب الاھوال

marfat.com

اور اگر دوسری صورت ہوتی (اللہ تعالیٰ کی پناہ) کہ تمہارے نامۂ اعمال میں ایسے جرائم ہوں جن کو تم معمولی سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بہت بڑے ہیں اور ان کے باعث تجھ پر غصہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے برے بندے تو میری رحمت سے دُور ہے میں تیری عبادت کو قبول نہیں کرتا — اور یہ آواز سنتے ہی تیرا چہرہ سیاہ ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے فرشتے بھی تجھ پر غضب ناک ہوں گے اور کہیں گے تجھ پر ہماری اور تمام مخلوق کی لعنت ہو اس وقت اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے دوزخ کے فرشتے بھی غضب ناک ہو کر تجھ پر جھپٹ پڑیں گے اور اپنے غصے اور سختی میز ناپسندیدہ صورتوں کے باوجود تیری طرف بڑھیں گے اور تیری پیشانی پکڑ کر لوگوں کے سامنے تجھے منہ کے بل گھسیٹیں گے لوگ تیرے چہرے کی سیاہی اور ذلت کے ظاہر ہونے کو دیکھیں گے اور تو تباہی اور خرابی پکار رہا ہوگا وہ کہیں گے آج ایک تباہی کو نہ پکارو بلکہ بہت سی تباہیوں اور ہلاکتوں کو پکارو اور فرشتے آواز دیتے ہوئے کہیں گے یہ فلان کا بیٹا فلاں ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی ذلت و رسوائی کو ظاہر کیا اور اس کے برے اعمال کی وجہ سے اس پر لعنت بھیجی ہے یہ اس قدر شقاوت کا مستحق ہوا کہ کبھی بھی سعادت سے بہرہ ور نہیں ہوگا۔

اور ہو سکتا ہے یہ خرابی ایسے گناہ کی وجہ سے ہو جو تو نے لوگوں سے چھپ کر کیا یا ان کے دلوں میں اپنا مقام بنانے کے لیے کیا یا ان کے سامنے ذلیل ہونے سے بچنے کے لیے کیا تو کتنا بڑا جاہل ہے کہ ختم ہونے والی دنیا میں بندگانِ خدا کے ایک چھوٹے سے گروہ کے سامنے ذلیل ہونے سے بچتا ہے لیکن بہت بڑی جماعت کے سامنے بہت بڑی ذلت سے نہیں ڈرتا یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کا دردناک عذاب بھی ہے نیز دوزخ کے فرشتوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر جہنم کی طرف جانا ہوگا۔

تو تمہارے یہ احوال ہیں لیکن تجھے اس سے بھی بڑے خطرے کا شعور نہیں اور وہ پُل صراط ہے۔

فصل ۹:

پُل صراط کا ذکر

پھر ان ہولناک مناظر کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں غور کر فرمایا۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا۔ (۱)

جس دن ہم متقی لوگوں کو رحمٰن کی طرف اکٹھا کریں گے (معزز مہمان بنا کر) اور مجرموں کو جہنم کی طرف ہانک کر لائیں گے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مریم آیت ۸۵، ۸۶

marfat.com

اور ارشاد خداوندی ہے۔

فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ۔ (۱)

پس ان کو جہنم کے راستے کی طرف لے جاؤ اور ان کو ٹھہراؤ ان سے پوچھا جائے گا۔

ان ہولناک مناظر کے بعد لوگوں کو پُل صراط کی طرف لے جایا جائے گا اور وہ جہنم کے اوپر بنایا ہوا ایک پُل ہے جو ار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے پس جو شخص اس دنیا میں صراط مستقیم پر قائم رہا وہ آخرت کے پُل صراط کا ہو گا اور نجات پائے گا اور جو دنیا میں استقامت سے ہٹ گیا گناہوں کی وجہ سے اس کی پیٹھ بھاری ہوئی اور ں نے نافرمانی کی تو وہ پہلے قدم پر ہی پل صراط سے پھسل کر گر جائے گا۔

تو اس وقت سوچ تیرا دل کس قدر گھبرائے گا جب تو پل صراط اور اس کی باریکی کو دیکھے گا پھر اس کے نیچے جہنم کی سیاہی تیری نگاہ پڑے گی اس کے نیچے آگ کی چیخ اور غصے میں آنا سنے گا اور کمزور حالت کے باوجود تجھے پُل صراط پر چلنا ہو گا چاہے دل مضطرب ہو، قدم پھسل رہے ہوں اور پیٹھ پر اس قدر بوجھ ہو جو زمین پر چلنے سے رکاوٹ ہے پُل صراط کی باریکی پر تو ایک طرف رہا۔ اس وقت کیا حالت ہو گی جب تو اپنا ایک پاؤں اس پل پر رکھے گا اور اس کی تیزی کو محسوس ے گا لیکن دوسرا قدم اٹھانے پر مجبور ہو گا اور تیرے سامنے لوگ پھسل پھسل کر گر رہے ہوں گے اور جہنم کے فرشتے ان کانٹوں اور مڑے ہوئے سر والے لوہے سے پکڑ رہے ہوں گے اور تو ان کی طرف دیکھ رہا ہو گا کہ وہ کس طرح سر ے اور پاؤں اوپر کو کئے ہوئے جہنم میں جائیں گے تو کس قدر خوفناک منظر ہو گا سخت مقام پر چڑھائی اور تنگ راستے سے زرنا ہو گا۔

تو اپنی حالت کے بارے میں سوچ کہ تو جب تو اس پر چلے گا اور چڑھے گا اور بوجھ کی وجہ تیری پیٹھ بھاری ہو گی تو دائیں ں لوگوں کو دیکھے گا اور وہ جہنم میں گر رہے ہوں گے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پکار رہے ہوں گے اے میرے رب! چالے اے میرے رب! بچالے۔

تباہی اور خرابی کی پکار جہنم کی گہرائی سے تیری طرف آئے گی کیوں کہ بے شمار لوگ پُل صراط سے پھسل جائیں گے اگر برا قدم بھی پھسل گیا تو کیا ہو گا۔ اس وقت ندامت بھی کوئی فائدہ نہ دے اور تو بھی ہائے خرابی ہائے ہلاکت پکارے اور یوں کہے کہ ں اسی دن سے ڈرتا تھا کاش میں اپنی (اُخروی) زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجتا ہائے افسوس! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کے راستے پر چلتا ہائے مجھ پر افسوس میں فلاں کو دوست نہ بناتا کاش میں مٹی ہو جاتا کاش میں بھولا بسرا ہو جاتا کاش میری ماں جنتی نہ جنتی۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ الصافات آیت ۲۳، ۲۴

marfat.com

اس وقت آگ کے شعلے تجھے اُچک لیں گے (معاذ اللہ) اور ایک منادی اعلان کرے گا۔
اِخْسَئُوْا فِیْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ۔ (۱) اس جہنم میں پھٹکار کے ساتھ رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔
اب چیخنے چلانے، رونے، فریاد کرنے اور مدد مانگنے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہوگا تو اس وقت تو اپنی عقل کو کس طرح دیکھتا ہے جب کہ یہ تمام خطرات تیرے سامنے ہیں۔ اگر تیرا ان باتوں پر عقیدہ نہیں تو معلوم ہوا کہ تو دیر تک کفار کے ساتھ جہنم میں رہنا چاہتا ہے اور اگر تو ایمان رکھتا ہے لیکن غفلت کا شکار ہے اور اس کے لیے تیاری میں سستی کا مظاہرہ کرتا ہے تو تیرا نقصان اور سرکشی کتنی بڑی ہے۔

ایسے ایمان کا تجھے کیا فائدہ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کی نافرمانی چھوڑنے کے ذریعے تجھے اس کی رضا جوئی کر خاطر کوشش کی ترغیب نہیں دیتا اگر بالفرض تمہارے سامنے پُل صراط سے گزرنے کے خوف سے پیدا ہونے والی دل کی دہشت کے سوا کچھ نہ ہو اگرچہ تو سلامتی کے ساتھ ہی گزر جائے تو یہ ہولناکی خوف اور رُعب کیا کم ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

پُل صراط دوزخ کے درمیان میں قائم کیا جائے گا اور رسولوں میں سے اپنی امت کے ساتھ سب سے پہلے میں گزروں گا اس دن صرف رسول ہی کلام کریں گے اور ان کی پکار یہی ہوگی "اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ یا اللہ (بچا لے) — اور جہنم میں کانٹے ہوں گے جو سعدان درخت کے کانٹوں کی طرح ہوں گے کیا تم نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں) آپ نے فرمایا وہ سعدان کے کانٹے کی طرح ہوں گے لیکن وہ کتنے بڑے ہوں گے یہ بات اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق اُچک لیں گے ان میں سے بعض اپنے عمل کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں گے اور بعض رائی کے دانے جیسے ہو جائیں گے پھر نجات پائیں گے (۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ جہنم سے پُل پر گزریں گے اور اس پر دائیں بائیں کانٹے اور مڑے ہوئے سرے والے لوہے ہوں گے تیز اس کی دونوں جانب فرشتے ہوں گے جو پکاریں گے۔
یا اللہ! سلامتی سے گزار دے یا اللہ! سلامتی سے گزار دے۔ پس بعض لوگ بجلی کی چمک کی طرح گزر جائیں گے بعض ہوا کی طرح گزریں گے بعض دوڑنے والے گھوڑے کی طرح، کچھ دوڑ رہے ہوں گے کچھ عام چال سے چل رہے ہوں گے بعض گھٹنوں کے بل چلیں گے اور بعض سُرین کے بل گھسیٹے ہوئے جائیں گے اور دوزخ والے جو اس میں رہیں گے وہ نہ مریں گے اور نہ ہی زندہ ہوں گے اور جن لوگوں کو گناہوں اور خطاؤں کی وجہ سے پکڑا جائے گا وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے پھر شفاعت کی

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مومنون آیت ۱۰۸
(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۷۲، ۹۷۳، کتاب الرقاق

marfat.com

مارت دی جائے گی (۱) آخر تک حدیث ذکر کی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ پہلوں اور پچھلوں کو یک معلوم دن میں ایک مقام پر چالیس سال جمع کرے گا ان کی آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہوں گی اور وہ فیصلے کے منتظر ہوں گے ۔انہوں نے حدیث بیان کرتے ہوئے مومنوں کے سجدہ کرنے کا ذکر کیا اور فرمایا۔

پھر اللہ تعالیٰ مومنوں سے فرمائے گا اپنے سروں کو اٹھاؤ وہ اپنے سر اٹھائیں گے تو ان کو ان کے اعمال کے مطابق نور عطا فرمائے گا ان میں سے بعض کو بہت بڑے پہاڑ کی مثل نور دیا جائے گا جو ان کے آگے دور ہوگا بعض کو اس سے کم نور ملے گا کچھ کو کھجور کے درخت جتنا نور ملے گا اور بعض کو اس سے کم ملے گا حتیٰ کہ ان میں سے آخری شخص کو پاؤں کے انگوٹھے جتنا نور دیا جائے گا وہ کبھی چمکے گا اور کبھی بجھ جائے گا جب وہ چمکے گا تو یہ قدم بڑھا کر چلے گا اور جب اندھیرا ہو جائے گا تو کھڑا ہوگا ـــــ اس کے بعد انہوں نے ہر ایک کے نور کے مطابق پل صراط سے گزرنے کا ذکر کیا کچھ لوگ آنکھ جھپکنے کی مقدار میں گزریں گے بعض بجلی کی چمک کی مقدار میں گزریں گے بعض بادل کی مثل گزریں گے بعض ستاروں کے ٹوٹنے کی طرح گزریں گے کچھ لوگ گھوڑے کے دوڑنے کی مثل گزریں گے بعض لوگ آدمی کے دوڑنے کی طرح گزریں گے حتیٰ کہ جس کو پاؤں کے انگوٹھے کی مثل نور دیا جائے گا وہ چہرے ہاتھوں اور پاؤں کے بل گزرے گا۔

ایک ہاتھ بڑھائے گا تو دوسرا اٹک کر رہ جائے گا ایک پاؤں اٹکے گا تو دوسرے کو کھینچے گا۔ اور اس کے پہلوؤں تک آگ پہنچ جائے گی ـــــ فرمایا۔

وہ اسی طرح رہے گا حتیٰ کہ نجات پائے جب وہ نجات پائے گا تو وہاں ہی کھڑا رہے گا پھر کہے گا اللہ تعالیٰ کے لیے تعریف ہے اور اس کا شکر ہے کہ اس نے مجھے وہ کچھ عطا کیا جو کسی کو نہیں دیا کہ میں نے اس کو دیکھا پھر اس نے مجھے نجات عطا کی۔ چنانچہ اسے جنت کے دروازے کے پاس ایک کنویں پر لے جا کر غسل دیا جائے گا۔ (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

اَلصِّرَاطُ كَحَدِّ السَّيْفِ اَوْ كَحَدِّ الشَّعْرَةِ وَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُنَجُّوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاِنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَيَأْخُذُ بِحُجْزَتِيْ وَاِنِّيْ لَاَقُوْلُ يَارَبِّ سَلِّمْ

پل صراط تلوار کی طرح تیز ہے یا فرمایا چھری کی طرح تیز ہے اور فرشتے مومن مردوں اور عورتوں کو بچا لیں گے اور حضرت جبریل علیہ السلام میری کمر پکڑے ہوں گے اور میں کہوں گا "یَارَبِّ سَلِّمْ یَارَبِّ سَلِّمْ" اے میرے رب! سلامتی

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۶ مرویات ابوسعید

(۲) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۳۹۱ تا ۳۹۵ کتاب البعث

marfat.com

سَلِّمْ فَالنِّسَآءُ وَالنِّسَآءُ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ۔ (۱)

سے گزار دے۔ اس دن پھسلنے والے مرد اور پھسلنے والی عورتیں زیادہ ہوں گی۔

تو یہ پُل صراط کے مصائب اور ہولناکیاں ہیں اس میں بہت زیادہ فکر کرو یوم قیامت کے ہولناک حالات میں وہی شخص زیادہ محفوظ ہوگا جو دنیا میں اس کا فکر زیادہ کرے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ ایک بندے پر دو خوف جمع نہیں کرتا پس جو آدمی دنیا میں ان خوفوں سے ڈرا وہ آخرت کے دن ان سے محفوظ رہے گا۔ اور خوف سے ہماری مراد عورتوں کی طرح کا خوف نہیں ہے سنتے وقت دل نرم ہو جائے اور آنسو جاری ہو پھر جلدی ہی بھول جاؤ اور اپنے کھیل کود میں مشغول ہو جاؤ اس بات کا خوف سے کوئی تعلق نہیں بلکہ جو آدمی کسی چیز سے ڈرتا ہے وہ اس سے بھاگتا ہے اور جو شخص کسی چیز کی امید رکھتا ہے اسے طلب کرتا ہے پس تجھے وہی خوف نجات دے گا جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکے اور اس کی اطاعت پر آمادہ کرے۔ عورتوں کے دل نرم ہونے سے بھی بڑھ کر بے وقوفوں کا خوف ہے جب وہ ہولناک مناظر کے بارے میں سنتے ہیں تو فوراً ان کی زبان پر استعاذہ جاری ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں میں اللہ تعالیٰ کی مدد چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔ یا اللہ! مجھے بچا لینا، بچا لینا۔ اس کے باوجود وہ گناہوں پر ڈٹے رہتے ہیں جو ان کی ہلاکت کا باعث ہیں شیطان ان کے پناہ مانگنے پر ہنستا ہے جس طرح وہ اس آدمی پر ہنستا ہے جس کو صحرا میں کوئی درندہ پھاڑنا چاہے اور اس کے پیچھے ایک قلعہ ہو جب وہ دور سے درندے کی مار دھوں اور اس کے حملے کو دیکھے تو زبان سے کہے میں اس مضبوط قلعے میں پناہ لیتا ہوں اور اس کی مضبوط دیواروں اور سخت عمارت کی مدد چاہتا ہوں وہ اپنی جگہ بیٹھے ہوئے زبان سے یہ کلمات کہتا ہے تو یہ بات کس طرح اسے درندے سے بچائے گی؟ ــــ

تو آخرت کا بھی یہی حال ہے اس کا قلعہ صرف سچے دل سے "لا الہ الا اللہ" کہنا ہے اور سچائی کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کا مقصود صرف اللہ تعالیٰ ہو اس کے علاوہ کوئی مقصود و معبود نہ ہو اور جو شخص اپنی خواہش کو معبود بنا لیتا ہے وہ توحید کی سچائی سے دُور ہوتا ہے اور اس کا معاملہ خود خطرناک ہے۔

اگر تم ان باتوں سے عاجز ہو تو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے بن جاؤ آپ کی سنت کی تعظیم کے حریص ہو جاؤ صلحائے امت کے دلوں کی رعایت کا شوق رکھنے والے ہو جاؤ اور ان کی دعاؤں سے برکت حاصل کرو ممکن ہے تمہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان نیک لوگوں کی شفاعت سے حصہ ملے اور اس وجہ سے نجات پاؤ اگرچہ تمہاری پونجی کم ہو۔

---

(۱) شعب الایمان جلد اول ص ۳۲۱ حدیث ۳۶۶

marfat.com

فصل ۱۰۱

شفاعت کا ذکر

جان لو کہ جب کچھ مومنوں پر جنت میں داخل ہونا واجب ہو جائے گا تو اللہ اپنے فضل و کرم سے ان کے حق میں انبیاء کرام
ر صدیقین کی شفاعت قبول کرے گا بلکہ علماء اور صالحین کی شفاعت بھی۔
جس شخص کو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام حاصل ہے اور اس کا معاملہ اچھا ہے وہ اپنے گھر والوں، رشتہ داروں، دوستوں
ر جان پہچان والوں کی شفاعت کرے گا تو تمہیں اس بات کا حریص ہونا چاہیے کہ ان لوگوں کے ہاں رتبۂ شفاعت حاصل
رو اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو حقیر نہ جانو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت کو لوگوں میں چھپا رکھا ہے ہو سکتا
ہے جو شخص تمہاری نگاہ میں معمولی ہو وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہو اور کسی گناہ کو معمولی نہ جانو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب کو گناہوں
ں چھپا رکھا ہے ہو سکتا ہے اسی گناہ میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی پوشیدہ ہو، اور کسی عبادت کو معمولی نہ جانو کیوں کہ اللہ تعالیٰ
نے اپنی رضا کو اپنی اطاعت میں پوشیدہ رکھا ہے ہو سکتا ہے اسی عبادت و اطاعت میں اس کی رضا پوشیدہ ہو، اگرچہ اچھی بات
لقمہ یا اچھی نیت اور اس جیسی کوئی بات ہی کیوں نہ ہو۔
شفاعت پر قرآن مجید کی بے شمار آیات اور احادیث مبارکہ شاہد ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ (۱)

عنقریب آپ کا رب آپ کو اس قدر عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کے قول پر مشتمل یہ
ر آئی آیت پڑھی۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (۲)

اے میرے رب! ان (بتوں نے) بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا پس جو میرے راستے پر چلا وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی پس بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ۔ (۳)

اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ والضحیٰ آیت ۵
(۲) قرآن مجید، سورۂ ابراہیم آیت ۳۶
(۳) قرآن مجید، سورۂ مائدہ آیت ۱۱۸

marfat.com

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اُٹھا کر یوں فرمایا "اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ" (یا اللہ! میری امت کو بخش دے یا اللہ! میری امت کو بخش دے) پھر آپ رو پڑے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبریل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے رونے کا سبب پوچھو حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور رونے کی وجہ پوچھی تو آپ نے وجہ بتائی (کہ امت کے لیے رو رہا ہوں) حالاں کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبریل! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور کہو کہ عنقریب ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کریں گے اور ناراض نہیں کریں گے۔ (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اُعْطِیْتُ خَمْسًا لَمْ یُعْطَهُنَّ اَحَدٌ قَبْلِیْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِیْرَةَ شَهْرٍ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَتُرَابُهَا طَهُوْرًا فَاَیُّمَا رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِیْ اَدْرَکَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْیُصَلِّ وَاُعْطِیْتُ الشَّفَاعَةَ وَکُلُّ نَبِیٍّ بُعِثَ اِلٰی قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ عَامَّةً۔

مجھے ایسی پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئیں ایک مہینے کی مسافت سے رُعب کے ذریعے میری مدد کی گئی میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا حالاں کہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ہوا۔ میرے لیے (تمام) زمین کو سجدہ گاہ اور مٹی کو پاک قرار دیا گیا میرے جس امتی کو جہاں موقعہ ملے نماز پڑھ لے مجھے شفاعت کا منصب عطا کیا گیا اور ہر نبی کو ایک خاص قوم کی طرف بھیجا گیا لیکن عام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔

(۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ کُنْتُ اِمَامَ النَّبِیِّیْنَ وَخَطِیْبَهُمْ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِهِمْ مِنْ غَیْرِ فَخْرٍ۔

جب قیامت کا دن ہوگا تو میں تمام نبیوں کا امام و خطیب اور ان کے لیے شفاعت کا دروازہ کھولنے والا ہوں گا۔

(۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ عَنْهُ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ

میں اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں لیکن مجھے اس پر فخر نہیں میں وہ ہوں جس کے لیے سب سے پہلے قبر کھلے گی میں

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۱۳ کتاب الایمان

(۲) صحیح مسلم جلد اوّل ص ۱۹۹ کتاب المساجد

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۳۷ مرویات طفیل بن ابی بن کعب

مُشَفِّعٍ بِيَدِي لِوَاءُ الْحَمْدِ تَحْتَهُ آدَمُ فَمَنْ دُوْنَهُ۔

(۱)

سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول ہوگی میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا جس کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ سب لوگ ہوں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَأُرِيْدُ أَنْ أَخْتَبِئَ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِأُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(۲)

ہر نبی کے لیے ایک مقبول دعا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے چھپا کر رکھوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(قیامت کے دن) انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے سونے کے منبر بچھائے جائیں گے پس وہ ان پر بیٹھیں گے اور میرا برباقی رہ جائے گا میں اس پر نہیں بیٹھوں گا بلکہ اپنے رب کے سامنے کھڑا رہوں گا مجھے یہ خوف لاحق ہوگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں نت میں چلا جاؤں اور میری امت پیچھے رہ جائے میں کہوں گا یا اللہ! میری امت! اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد صلی اللہ علیہ سلم! آپ کیا چاہتے ہیں میں آپ کی امت سے کیا سلوک کروں! میں کہوں گا اے میرے رب! ان کا حساب جلد از جلد کر ے تو میں مسلسل شفاعت کروں گا حتی کہ مجھے ان لوگوں کے لیے جنت کا اجازت نامہ مل جائے گا جن کو جہنم کی طرف ج دیا گیا ہوگا اور حتی کہ جہنم کا فرشتہ حضرت مالک علیہ السلام کہیں گے اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم جہنم کی آگ نے آپ کی امت لے لیے آپ کے رب کے غضب کا کچھ نہیں چھوڑا (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنِّيْ لَأَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِأَكْثَرَ مِمَّا عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ مِنْ حَجَرٍ وَمَدَرٍ۔

(۴)

بے شک میں قیامت کے دن زمین پر پڑے ہوئے پتھروں اور ڈھیلوں کی تعداد سے زیادہ لوگوں کے لیے شفاعت کروں گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت (بکری کا) بازو پیش کیا گیا اور وہ آپ کو پسند تھا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲ مرویات ابو سعید خدری

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۱۳ کتاب الایمان

(۳) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۳۸۰ کتاب البعث

(۴) " " " " ۳۷۹ "

marfat.com

آپ اس سے گوشت نوچنے لگے پھر فرمایا میں قیامت کے دن تمام رسولوں کا سردار ہوں گا اور تم جانتے ہو کہ اس کی کیا وجہ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ پہلوں اور پچھلوں سب کو ایک میدان میں جمع کرے گا اور ان کو پکارنے والے کی آواز سنا گا اور ان کو نظروں کے سامنے رکھے گا اور سورج قریب ہو گا۔ لوگوں پر ان کی طاقت سے غم اور پریشانی ہو گی پس لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمہاری کیا حالت ہو گئی کیا تم کسی ایسی ذات کو تلاش نہیں کرتے جو تمہارے رب کے ہاں تمہاری شفاعت کرے تو وہ ایک دوسرے سے کہیں گے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جاؤ چنانچہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور آپ میں اپنی رُوح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کیجئے؛ آپ نہیں دیکھتے ہم کس مصیبت میں ہیں کیا آپ نہیں دیکھتے ہم کس حالت کو پہنچ چکے ہیں حضرت آدم علیہ السلام ان سے فرمائیں گے آج میرے رب نے اس قدر غضب فرمایا اس کی طرح اس سے پہلے نہیں فرمایا اور نہ اس کے بعد ایسا غضب فرمائے گا اللہ تعالیٰ نے مجھے درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا تھا تو مجھ سے لغزش ہوئی مجھے اپنے آپ کی پڑی ہوئی ہے تم میرے علاوہ کسی کے پاس جاؤ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ چنانچہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے نوح علیہ السلام آپ زمین پر آنے والے سب سے پہلے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام شکر گزار بندہ رکھا ہے اپنے رب کے ہاں ہماری سفارش کر دیں کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس پریشانی میں ہیں؛ وہ فرمائیں گے آج میرے رب نے اس قدر غضب فرمایا ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی فرمایا نہ اس کے بعد ہو گا میں نے اپنی قوم کے خلاف بد دعا کی آج مجھے اپنی فکر ہے تم کسی اور کے پاس جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور اہل زمین میں سے اس کے خلیل ہیں ہماری شفاعت فرمائیں دیکھیں تو سہی ہم کس پریشان کن حالت میں ہیں اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا آج میرے رب نے جس قدر غضب فرمایا نہ اس سے پہلے ایسا غضب فرمایا اور نہ ہی اس کے بعد فرمائے گا۔ میں نے تین باتیں ظاہر کے خلاف کہیں (اگرچہ سچ بولا) آپ ان کا ذکر کریں گے اور فرمائیں گے مجھے اپنے نفس کی فکر ہے تم کسی اور کے پاس جاؤ چنانچہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ علیہ السلام آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالت اور شرفِ ہمکلامی کے ذریعے لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے اپنے رب کے ہاں ہماری سفارش فرمائیں کیا آپ نہیں دیکھتے ہم کس حالت میں ہیں وہ فرمائیں گے میرا رب آج جس قدر غضبناک ہے نہ اس سے پہلے ایسا غضب فرمایا اور نہ ہی اس کے بعد فرمائے گا میں نے ایک شخص کو قتل کیا حالاں کہ مجھے اس کے قتل کا حکم نہیں ہوا تھا مجھے اپنی فکر ہے کسی اور کے پاس جاؤ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ چنانچہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے عیسیٰ علیہ السلام! آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جو حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا اور اللہ تعالیٰ کی رُوح ہیں اور آپ نے پنگھوڑے میں لوگوں سے کلام کیا ہماری شفاعت کیجئے آپ نہیں دیکھتے ہم کس قدر

marfat.com

ریشانی میں ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے بے شک میرے رب نے آج اس قدر غضب فرمایا کہ نہ اس سے پہلے اس قدر غضبناک ہوا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا آپ اپنی کسی خطا کا ذکر نہیں کریں گے (فرمائیں گے) میرے علاوہ کسی کے پاس جاؤ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) چنانچہ لوگ میرے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر پہلی اور پچھلی خلاف اولیٰ بات سے محفوظ رکھا ہماری شفاعت فرمائیں کیا آپ نہیں دیکھتے ہم کس پریشانی میں ہیں (آپ نے فرمایا) پس میں عرش کے نیچے آؤں گا اور اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ اپنی حمد و ثناء میں سے میرے لیے وہ چیز کھول دے گا جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے نہیں کھولی پھر کہا جائے گا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک اٹھائیں اور مانگیں آپ کو عطا کیا جائے گا نیز شفاعت فرمائیں قبول کی جائے گی چنانچہ میں اپنا سر انور اٹھاؤں گا اور کہوں گا یا اللہ! میری امت کو بخش دے یا اللہ! میری امت کو بخش دے پس کہا جائے گا اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم اپنی امت کے ان لوگوں کو جن پر کوئی حساب نہیں جنت کے داہنے دروازے سے داخل کر دیں اور باقی دروازوں میں وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک ہوں گے — پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جنت کے (دروازے کے) دو کواڑوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ مکرمہ اور حمیر (مقام) کے درمیان یا مکہ مکرمہ اور بُصریٰ کے درمیان ہے(۱)

ایک دوسری حدیث میں بھی یہی مضمون ہے لیکن اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خطاؤں کا بھی ذکر ہے اور وہ ستاروں کے بارے میں آپ کا قول ہے کہ یہ میرا رب ہیں اور ان لوگوں کے معبودوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کے بڑے نے یہ کام کیا ہے اور یہ فرمانا کہ میں بیمار ہوں — (یاد رہے کہ آپ نے جو کچھ فرمایا اس کا ظاہر جھوٹ نظر آتا ہے لیکن درحقیقت وہ جھوٹ نہیں ہے ۱۲ ہزاروی)

تو یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہے اور آپ کی امت کے علماء و صلحاء انفرادی طور پر بھی شفاعت کریں گے حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَكْثَرُ مِنْ رَبِيعَةَ وَمُضَرَ۔ (۲)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

میری امت کے ایک آدمی کی شفاعت سے قبیلہ ربیعہ اور مُضر کی تعداد سے زیادہ لوگ جنّت میں جائیں گے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۱۱ کتاب الایمان

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۵۰۴ کتاب معرفۃ الصحابۃ

marfat.com

يُقَالُ لِلرَّجُلِ قُمْ يَا فُلَانُ فَاشْفَعْ فَيَقُوْمُ الرَّجُلُ فَيَشْفَعُ لِقَبِيْلَتِهٖ وَلِاَهْلِ الْبَيْتِ وَلِلرَّجُلِ وَالرَّجُلَيْنِ عَلٰى قَدْرِ عَمَلِهٖ (۱)

ایک آدمی سے کہا جائے گا اُٹھ اے فلاں اور شفاعت کر پس ایک شخص اُٹھ کر اپنے قبیلے، گھر والوں اور ایک مرد اور دو مردوں کے لیے اپنے عمل کے مطابق شفاعت کرے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اہل جنت میں سے ایک شخص جہنم والوں کی طرف جھانکے گا تو ایک جہنمی اسے آواز دے کر کہے گا اے فلاں! مجھے پہچانتے ہو؟ وہ کہے نہیں اللہ کی قسم میں تجھے نہیں پہچانتا تو کون ہے؟ وہ کہے گا میں وہ شخص ہوں کہ دنیا میں تم میرے پاس سے گزرے اور تم نے مجھ سے پانی مانگا تو میں نے تمہیں پانی پلایا وہ کہے گا میں نے پہچان لیا وہ کہے گا اپنے رب کے ہاں میری سفارش کر دیں وہ اللہ تعالیٰ سے ذکر کرتے ہوئے عرض کرے گا کہ میں نے جہنم والوں کو جھانک کر دیکھا تو ان میں سے ایک آدمی نے مجھ سے پوچھا کیا مجھے پہچانتے ہو؟ میں نے کہا نہیں تو کون ہے؟ اس نے کہا میں وہ ہوں کہ تم نے دنیا میں مجھ سے پانی مانگا میں تو میں نے تجھے پانی پلایا پس تم نے اپنے رب کے ہاں میری شفاعت کر، پس اللہ تعالیٰ اس کے حق میں اس شخص کی شفاعت قبول کرے گا اور اس کو حکم ہوگا چنانچہ وہ دوزخ سے باہر نکل آئے گا۔ (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجًا اِذَا بُعِثُوْا وَاَنَا خَطِيْبُهُمْ اِذَا وَفَدُوْا وَاَنَا مُبَشِّرُهُمْ اِذَا يُئِسُوْا لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ وَاَنَا اَكْرَمُ وَلَدِ آدَمَ عَلٰى رَبِّيْ وَلَا فَخْرَ،

جب لوگ اٹھائے جائیں گے تو (قبر سے) سب سے پہلے میں نکلوں گا اور جب وہ وفد بن کر آئیں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا اور میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا جب وہ ناامید ہو جائیں گے اس دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے رب کے ہاں تمام اولاد آدم سے زیادہ معزز ہوں گا اور اس پر میں فخر نہیں کرتا۔ (۳)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنِّيْ اَقُوْمُ بَيْنَ يَدَيْ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ فَاُكْسٰى

میں اپنے رب عزوجل کے سامنے کھڑا ہوں گا اور بہشت

---

(۱) جامع ترمذی ص ۲۵۱، ابواب القیامۃ
(۲) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۶۹، ،، کتاب الصدقات
(۳) جامع ترمذی ص ۵۱۹ کتاب المناقب

marfat.com

حُلَّةً مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ ثُمَّ اَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ الْعَرْشِ لَيْسَ اَحَدٌ مِنَ الْخَلَائِقِ يَقُوْمُ ذٰلِكَ الْمَقَامَ غَيْرِیْ۔ (۱)

کے حُلّوں میں سے ایک لباس پہنوں گا پھر عرش کے داہنے طرف کھڑا ہوں گا اس جگہ میرے علاوہ مخلوق میں سے کوئی بھی کھڑا نہیں ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ کرام بیٹھے آپ کا انتظار کر رہے تھے آپ باہر تشریف لائے جب ان کے قریب پہنچے تو وہ باہم گفتگو کر رہے تھے آپ نے ان کی گفتگو سنی ان میں سے کسی نے کہا تعجب کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے خلیل بنایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا دوسرے نے کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام سے بھی کوئی تعجب خیز بات ہے اللہ تعالیٰ نے آپ سے گفتگو فرمائی ایک اور صحابی نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کی رُوح ہیں ایک صحابی نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو سلام کرنے کے بعد فرمایا میں نے تمہارا کلام اور تعجب سنا بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں بات یہی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سنجات دی یہی بات ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی رُوح اور کلمہ ہیں یہی بات ہے حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چُن لیا بات اسی طرح ہے سنو! میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں اور اس پر مجھے فخر نہیں قیامت کے دن سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور اس پر مجھے فخر نہیں جنت کے کنڈے کو سب سے پہلے میں ہی حرکت دوں گا تو اللہ تعالیٰ اسے میرے لیے کھول دے گا پس میں جنت داخل ہو جاؤں گا اور میرے ساتھ مومن فقرا بھی ہوں گے اور مجھے اس پر فخر نہیں میں پہلوں اور پچھلوں سے بزرگ تر ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں۔

فصل ۱۱:

حوض کا ذکر

جان لو کہ حوض کوثر ایک بہت بڑا اعزاز ہے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے ساتھ خاص فرمایا اور اس کے اوصاف میں کئی احادیث مبارکہ آئی ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ وہ دنیا میں اس کا علم اور آخرت میں اس کا ذائقہ نصیب فرمائے حوض کوثر کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ جو شخص اس میں سے پیئے گا وہ کبھی پیاسا

---

(۱) جامع ترمذی ص ۵۱۹، ابواب المناقب

(۲) جامع ترمذی ص ۵۲۰ ابواب المناقب

marfat.com

نہیں ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند کا ایک جھونکا سا آیا آپ نے سر مبارک اٹھایا تو مسکرا رہے تھے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کیوں مسکرائے ہیں؟ فرمایا ابھی ایک آیت نازل ہوئی ہے اور آپ نے پوری سورۂ کوثر پڑھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا پس آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی دیں بے شک آپ کا دشمن ہی مقطوع النسل ہے۔

(۱)

آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا یہ ایک نہر ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا یہ جنت میں ہے اس پر بہت برکت ہے اس پر ایک حوض ہے جس پر میری امت آئے گی اس کے برتنوں کی تعداد آسمان کے ستاروں جتنی ہے (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں (شب معراج) جنت میں چل رہا تھا تو ایک نہر آئی جب کے دونوں طرف موتیوں کے قبے ہیں جو اندر سے خالی ہیں میں نے پوچھا اے جبریل! یہ کیا ہے۔ انہوں نے مجھے عرض کیا یہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے پھر فرشتے نے اس پر ہاتھ مارا تو اس کی مٹی اذفر خوشبو تھی۔ (۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے میرے حوض کے دونوں طرف کی پتھریلی زمین کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مدینہ شریف اور صنعاء کے درمیان ہے یا مدینہ طیبہ اور عمان کے درمیان ہے (۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب سورۂ کوثر نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جنت میں ایک نہر ہے جس کے کنارے سونے کے ہیں اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے وہ موتیوں اور مرجان کے پتھروں پر چلتا ہے (۵)

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ کوثر پارہ عم

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۷۲ کتاب الایمان

(۳) جامع ترمذی ص ۸۵۴، ابواب التفسیر

(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۵۲ کتاب الفضائل

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۱۲ مرویات ابن عمر

marfat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

میرا حوض عدن سے بلقاء کے عمان تک ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اس کے کوزے آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہیں جو شخص اس سے ایک گھونٹ بھی پی لے وہ اس کے بعد کبھی بھی پیاسا نہیں ہوگا اس پر سب سے پہلے فقراء مہاجرین آئیں گے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کے بال بکھرے ہوئے اور کپڑے میلے ہیں وہ خوش عیش عورتوں سے نکاح نہیں کرتے اور ان کے لیے ڈیوڑھیوں کے دروازے بھی نہیں کھلتے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم میں نے دولت والی ناز و انداز میں پروان چڑھنے والی خاتون فاطمہ بنت عبدالملک سے نکاح کیا ہے اور میرے لیے ڈیوڑھیوں کے دروازے بھی کھلے ہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرمائے میں اب لازمی طور پر سر میں تیل نہیں لگاؤں گا تاکہ بال بکھر جائیں اور میرے جسم پر جو کپڑے ہیں ان کو نہیں دھوؤں گا تاکہ میلے ہو جائیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حوض کوثر کے برتن کیسے ہیں؟ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی گنتی سے زیادہ ہیں جب اندھیری رات ہو اور وہ گرد و غبار سے صاف ہو جو شخص اس حوض سے پیئے گا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا جنت سے دو پرنالے اس میں گرتے ہیں اس کی چوڑائی اس کی لمبائی جتنی ہے اور وہ عمان اور ایلہ مقام کے درمیان مسافت جتنی ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ (۲)

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَاِنَّهُمْ يَتَبَاهَوْنَ اَيُّهُمْ اَكْثَرُ وَارِدَةً وَاِنِّي لَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ وَارِدَةً۔ (۳)

ہر نبی کا ایک حوض ہے اور وہ ایک دوسرے پر فخر کریں گے کہ کس کے حوض پر زیادہ لوگ آتے ہیں اور بے شک مجھے امید ہے کہ میرے حوض پر سب سے زیادہ لوگ آئیں گے۔

تو یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امید ہے پس ہر شخص کو امید رکھنی چاہیے کہ وہ بھی حوض پر جانے والوں میں شامل ہے اور اس بات سے بچے کہ وہ تمنا کرے اور دھوکے میں ہو کر امید رکھے کیوں کہ کھیتی کاٹنے کی امید وہی رکھتا ہے جو بیج ڈالتا ہے،

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۷۶ مرویات ثوبان۔

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۵۱ کتاب الفضائل

(۳) جامع ترمذی ص ۳۰۲، ابواب القیامۃ

marfat.com

زمین کو صاف کرتا ہے اور اسے پانی سے سیراب کرتا ہے پھر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے فضل کی امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فصل اگائے گا اور فصل کاٹنے تک کڑک (وغیرہ آفات) سے بچائے گا لیکن جو شخص کھیتی میں ہل نہیں چلاتا اور نہ زمین کو صاف کرتا ہے اور نہ ہی پانی دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے کہ وہ اپنے فضل سے اس کے لیے غلہ اور پھل پیدا کرے گا تو یہ دھوکے کے ساتھ متمنی ہے حقیقی امید کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں اکثر لوگوں کی امید اسی طرح ہے اور یہ بے وقوف لوگوں کے دھوکے میں ہے ہم دھوکے اور غفلت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکہ دنیا پر دھوکے سے زیادہ بڑا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ۔ (۱)

پس تمہیں دنیا کی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ ہی تمہیں اللہ تعالیٰ کے نام پر دھوکہ ہو۔

فصل ۱۲:

جہنم، اس سختیوں اور عذاب کا ذکر

اے اپنے نفس سے غافل شخص! اور اس فانی اور مٹ جانے والی دنیا پر دھوکہ کھانے والے اس چیز کی فکر نہ کر جس کو چھوڑ کر جانے والا ہے بلکہ اپنے فکر کی لگام کو اس کی طرف موڑ دے جو تیرے اترنے کی جگہ ہے کیوں کہ تجھے بتایا گیا کہ سب کو جہنم میں جانا پڑے گا کہا گیا ہے۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا۔ (۲)

اور تم میں سے ہر ایک نے اس میں جانا ہے یہ تمہارے رب کا حتمی فیصلہ ہے پھر ہم ڈرنے والوں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں اوندھے گرے ہوئے چھوڑ دیں گے۔

تو تجھے وہاں جانے کا یقین ہونا چاہیے اور نجات کے بارے میں شک ہے تو تُو اپنے دل میں اس مقام کے ہولناک کا شعور بیدار کر شاید تو اس سے نجات کے لیے تیاری کرے نیز مخلوق کے حال میں غور و فکر کر قیامت کے مصائب میں سے گزرا جو کچھ گزرا وہ کرب اور پریشانیوں میں ہوں گے اور اس بات کے منتظر ہوں گے کہ ان کو اس کی حقیقت اور سفارش کرنے والوں کی شفاعت کی خبر ملے کہ اچانک مجرموں کو شاخ در شاخ اندھیرے گھیر لیں گے اور لپٹ جانے والی آگ ان پر چھا جائے گی وہ اس کی آواز اور جھنجھناہٹ سنیں گے جو اس کے سخت غیظ و غضب پر دلالت کر رہی ہو گی اس وقت مجرموں کو اپنی

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ فاطر آیت ۵

(۲) قرآن مجید، سورۂ مریم آیت ۷۲، ۷۱

marfat.com

ہلاکت کا یقین ہو جائے گا اور لوگ گھٹنوں کے بل گر جائیں گے حتی کہ جو لوگ بچ جائیں گے ان کو بُرے انجام کا خوف ہوگا اور جہنم کے فرشتوں میں سے ایک آواز دے گا وہ کہے گا اے فلاں بن فلاں! جو دنیا میں لمبی امید کی وجہ سے ٹال مٹول سے کام لیتا تھا اور تو نے برے اعمال میں عمر کو ضائع کر دیا پھر وہ لوہے کے گُرز لے کر اس کی طرف دوڑیں گے اور اس کو طرح طرح کی دھمکیاں دیں گے نیز اسے سخت عذاب کی طرف لے جائیں گے اور گہرے جہنم میں اوندھا پھینک دیں گے وہ کہیں گے۔

ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ۔ (۱) چکھو تم عزت اور بزرگی والے بنتے پھرتے تھے

پس وہ اسے ایسے گھر میں قید کر دیں گے جس کے کنارے تنگ، راستے تاریک اور مقاماتِ ہلاکت پوشیدہ ہوں گے قیدی وہاں ہمیشہ رہے گا اور اس میں بھڑکتی ہوئی آگ جلائی جائے گی وہاں ان کا مشروب کھولتا ہوا پانی اور ٹھکانہ جہنم ہوگا آگ کے فرشتے ان کو گرز ماریں گے اور آگ ان کو جمع کرے گی وہاں وہ موت کی تمنا کریں گے لیکن اس سے چھوٹ نہیں سکیں گے ان کے پاؤں پیشانی کے بالوں سے بندھے ہوں گے اور گناہوں کی تاریکی کے باعث ان کے چہرے سیاہ ہوں گے وہ ہر کنارے سے پکاریں گے اور چیخیں چلائیں گے اور کہیں گے اے مالک! (جہنم کا فرشتہ) ہم سے عذاب کا وعدہ پورا ہو چکا ہے بیڑیاں ہم پر بھاری ہو گئی ہیں اے مالک! ہمارے چمڑے پک چکے ہیں اے مالک! ہمیں یہاں سے نکالو ہم کبھی بھی گناہ نہیں کریں گے۔

دوزخ کے فرشتے کہیں گے نہیں، امن کے دن چلے گئے اب ذلت کے گھر سے نکل نہیں سکتے اس میں پھٹکار کے ساتھ پڑے رہو اور باتیں نہ کرو اگر تمہیں یہاں سے نکال بھی دیا جائے تو جس کام سے تمہیں روکا گیا تم دوبارہ وہی کام کرو گے اس وقت وہ ناامید ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے مقابل جو باتیں کی ہوں گی ان پر انہیں افسوس ہوگا لیکن اب نہ تو ان کو ندامت نجات دے گی اور نہ ہی افسوس کا کوئی فائدہ ہوگا بلکہ انہیں طوق پہنا کر چہروں کے بل اوندھا گرا دیا جائے گا۔

ان کے اوپر، نیچے، دائیں اور بائیں آگ ہی آگ ہوگی وہ آگ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے ان کھانا آگ، پینا آگ، لباس آگ اور بچھونا آگ اور وہ آگ کے ٹکڑوں، تارکول کے لباس، گرزوں کے ساتھ مارے جانے اور بھاری بیڑیوں کے درمیان ہوں گے وہ دوزخ کے تنگ راستوں میں چلیں گے اور جہنم کی سیڑھیوں سے ہجوم کے ساتھ اتریں گے اور اس کے اطراف و جوانب میں پریشان پھر رہے ہوں گے آگ ان پر اس طرح جوش مار رہی ہوگی جس طرح ہنڈیا میں اُبال آتا ہے وہ تباہی اور بربادی کے ساتھ آواز دے رہے ہوں گے جب وہ ہلاکت کا لفظ بولیں گے ان کے سروں پر گرم پانی ڈالا جائے گا جس سے ان کے پیٹوں کے اندر کا سب کچھ اور چمڑے پگھل جائیں گے ان کے لیے لوہے کے گُرز ہوں گے

---

(۱) قرآن مجید، سورہ الدخان آیت ۴۹

marfat.com

جن سے ان کی پیشانیاں چُور چُور ہو جائیں گی اور ان کے مونہوں سے پیپ نکلنے لگے گی۔ پیاس کی وجہ سے جگر پھٹ جائیں گے اور آنکھوں کے ڈھیلے چہروں پر نکل پڑیں گے اور رُخساروں کے اوپر سے گوشت گر جائے گا اور ان کے اعضاء سے چمڑے اور بال بھی سب گر جائیں گے جب ان کے چمڑے پک جائیں گے تو ان کو دوسرے چمڑوں سے بدل دیا جائے گا۔

ان کی ہڈیاں گوشت سے خالی ہو جائیں گی اور اب رُوحوں کا مرکز صرف رگیں اور پٹھے ہوں گے اور اس آگ کی لپیٹ میں ان کی آواز آ رہی ہو گی اس کے ساتھ ساتھ وہ موت کی تمنا کریں گے لیکن ان کو موت نہیں آئے گی۔

سوچو اگر تم ان کو دیکھو تو تمہاری کیا کیفیت ہو حالانکہ ان کے چہرے کوئلے سے بھی زیادہ سیاہ ہو گئے آنکھوں کی بینائی چلی گئی اور زبانیں گنگ ہو گئیں پٹھے اور ہڈیاں ٹوٹ پھوٹ گئیں کان کٹے ہوئے چمڑے پھٹے ہوئے ہاتھوں کو گردنوں سے باندھا ہوا اور پاؤں کو پیشانیوں کے ساتھ جمع کیا ہو گا وہ آگ پر چہروں کے ساتھ چلتے ہوں گے اور لوہے کے کانٹے آنکھ کے ڈھیلے سے روندتے ہوں گے آگ کا شعلہ ان کے اندر کے اجزاء میں دوڑتا ہو گا اور جہنم کے سانپ اور بچھو ان کے ظاہر اعضاء سے پٹے ہوں گے۔

یہ ان کے بعض حالات ہیں اب تم ان کی پریشانیوں کی تفصیل ملاحظہ کرو اور جہنم کی وادیوں اور گھاٹیوں کے بارے میں بھی سو چو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ فِی جَهَنَّمَ سَبْعِیْنَ اَلْفَ وَادٍ فِیْ کُلِّ وَادٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ شِعْبٍ فِیْ کُلِّ شِعْبٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ ثُعْبَانٍ وَسَبْعُوْنَ اَلْفَ عَقْرَبٍ لَا یَنْتَهِی الْکَافِرُ وَالْمُنَافِقُ حَتّٰی یُوَاقِعَ ذٰلِکَ کُلَّهٗ (۱)

بے شک جہنم میں ستر ہزار وادیاں ہیں ہر وادی میں ستر ہزار گھاٹیاں ہیں ہر گھاٹی میں ستر ہزار اژدہا اور ستر ہزار بچھو ہیں کافر اور منافق جب تک ان تمام وادیوں میں پہنچ نہ جائے اس کا انجام انتہا کو نہیں پہنچتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غم کے کنویں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو یا غم کی وادی فرمایا عرض کیا گیا یا رسول اللہ! غم کی وادی یا کنواں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جہنم میں ایک وادی ہے جس سے جہنم بھی روزانہ ستر مرتبہ پناہ مانگتی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ریاکار قاریوں کے لیے تیار کیا ہے (۲)

تو یہ جہنم کی وسعت اور اس کی وادیوں کا شاخ در شاخ ہونا ہے اور دنیا کی وادیوں اور خواہشات کے مطابق ہے اور اس کے دروازوں کی تعداد ان سات اعضاء کے حساب سے ہے جن سے بندہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں سب سے بلند جہنم ہے پھر سقر، پھر لظیٰ پھر حطمہ پھر سعیر پھر جحیم اور اس کے بعد ہاویہ ہے یہ سب دوزخ

---

(۱) التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۸ ص ۱۲۴ ترجمہ ۲۴۳۷

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۳ المقدمہ

marfat.com

ے نام ہیں جو درجہ بدرجہ ہیں) اب تم ہاویہ کی گہرائی کو دیکھو کہ اس کی گہرائی کی کوئی حد نہیں جس طرح دنیوی خواہشات کی گہرائی کی کوئی حد نہیں تو جس طرح دنیا کا شوق اسی وقت ختم ہوتا ہے جب اوپر والے شوق تک پہنچتا ہے اسی طرح جہنم کا ہاویہ وہاں ختم ہوتا ہے جہاں اس سے بھی گہرا ہاویہ ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے کہ ہم نے ایک دھماکہ سنا آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے، فرمایا یہ پتھر ہے جو ستر سال پہلے جہنم میں چھوڑا گیا اب وہ اس کی گہرائی تک پہنچ گیا۔ (۱)

پھر جہنم کے مختلف طبقات میں غور کرو کیوں کہ آخرت کے بڑے بڑے درجے اور بڑی بڑی فضیلت ہے پس جس طرح دنیا کی طرف لوگوں کا رُجحان مختلف ہے بعض تو بالکل ہی دنیا میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں اور کچھ ایک خاص حد تک اسی میں منہمک ہیں اس طرح ان تک آگ کا پہنچنا بھی مختلف ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا لہٰذا جہنم میں جانے والے لوگوں پر ایک ہی قسم کا عذاب نہیں ہوتا چاہے وہ کوئی بھی عذاب ہو بلکہ ہر ایک کے لیے ایک معلوم حد ہے جو اس کی نافرمانی اور گناہ کے مطابق ہے لیکن سب سے کم عذاب والے کی حالت یہ ہوگی کہ اگر اسے تمام دنیا دی جائے تو وہ اس شدت سے جان چھڑانے کے لیے بطور فدیہ دے ڈالے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ أَدْنَى أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُنْتَعَلُ بِنَعْلَيْنِ مِنْ نَارٍ يَغْلِي دِمَاغُهُ مِنْ حَرَارَةِ نَعْلَيْهِ۔ (۲)

قیامت کے دن جہنمیوں کو سب سے کم عذاب یہ ہوگا کہ آگ کے دو جوتے پہنائے جائیں گے جن کی گرمی سے اس کا دماغ کھولتا ہوگا۔

تو سوچو کم عذاب والے کی یہ حالت ہے تو جس پر زیادہ سختی ہوگی اس کا کیا حال ہوگا اگر تمہیں آگ کے عذاب میں شک ہے تو اپنی انگلی آگ کے قریب کرو اور اس سے اندازہ لگالو پھر تمہیں معلوم ہوگا کہ تمہارا قیاس درست نہ تھا کیوں کہ دنیا کی آگ کو جہنم کی آگ سے کوئی نسبت نہیں لیکن جب دنیا کا سخت ترین عذاب اس آگ کا عذاب ہے تو اس سے جہنم میں آگ سے عذاب کا اندازہ ہو جاتا ہے اگر جہنمیوں کو یہ دنیوی آگ ملے تو وہ جہنم کی آگ سے خوشی خوشی بھاگ کر اس آگ میں داخل ہو جائیں حدیث شریف میں یہی بات بیان ہوئی کہا گیا ہے کہ دنیا کی آگ کو رحمت کے ستر پانیوں سے دھویا گیا تو اب دنیا والے اس کی طاقت رکھنے کے قابل ہوئے (۳)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۷۱ مرویات ابوہریرہ

(۲) صحیح مسلم جلد اوّل ص ۱۱۵ کتاب الایمان

(۳) تذکرہ الموضوعات ص ۲۲۴، ۲۲۵ باب امور القیامۃ

marfat.com

بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کی آگ کا وصف نہایت وضاحت سے بیان فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس آگ کو ہزار سال جلایا گیا حتی کہ وہ سرخ ہوگئی پھر ایک ہزار سال جلائی گئی حتی کہ سفید ہوگئی پھر اسے ایک ہزار سال جلایا گیا تو یہ سیاہ ہوگئی اب سیاہ اندھیری ہے (۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

آگ نے اپنے رب کے ہاں شکایت کرتے ہوئے کہا اے میرے رب! میرے بعض نے بعض کو کھالیا تو اسے دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دی گئی ایک سانس سردیوں میں اور ایک سانس گرمیوں میں تو گرمیوں میں تمہیں جو حرارت اور سردیوں میں ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے یہ وہی دو سانس ہیں (۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قیامت کے دن کفار میں سے اس شخص کو لایا جائے گا جو نہایت نازو نعمت میں پلے بڑھے ہوں گے کہا جائے گا اس کو آگ میں ایک غوطہ دو پھر کہا جائے گا کہ تم نے کبھی نعمت دیکھی وہ کہے گا نہیں اور جس نے دنیا میں سخت تکلیف اٹھائی ہوگی اسے لایا جائے گا اور کہا جائے گا اسے جنت میں ایک غوطہ دو پھر کہا جائے گا کیا تم نے کوئی تکلیف دیکھی تھی وہ کہے گا نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر مسجد میں ایک لاکھ یا اس سے زائد آدمی ہوں پھر کوئی جہنمی سانس لے تو وہ مرجائیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ۔ (۳) ان کے چہروں پر آگ چڑھی ہوگی۔

بعض علماء نے اس کی تفسیر میں فرمایا وہ ایک مرتبہ ہی لپٹ جائے گی تو کسی ہڈی پر گوشت نہیں چھوڑے گی بلکہ ان کی ایڑیوں پر گرادے گی پھر پیپ کی بدبو کو دیکھو جو ان کے جسموں سے نکلے گی حتی کہ وہ اس میں ڈوب جائیں گے اور اسے غساق کہتے ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَوْ اَنَّ دَلْوًا مِنْ غُسَّاقِ جَهَنَّمَ اُلْقِیَ فِی الدُّنْیَا لَاَنْتَنَ اَهْلَ الْاَرْضِ۔ (۴) اگر جہنم کی پیپ کا ایک ڈول دنیا میں ڈالا جائے تو تمام زمین والوں کو بدبودار بنادے۔

---

(۱) شعب الایمان جلد اول ص ۴۸۹ حدیث ۹۹۷

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۲۴ کتاب المساجد

(۳) قرآن مجید، سورۃ مومنون آیت ۱۰۴

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۸۳ مرویات ابوسعید خدری

marfat.com

توجب وہ پیاس کی وجہ سے پانی طلب کریں گے توان کو یہ پیپ پلائی جائے گی ارشاد خداوندی ہے۔

مِنْ مَاءٍ صَدِيْدٍ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهُ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ۔ (۱)

اس کو پیپ والا پانی پلایا جائے گا جسے وہ گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا اور اس کو گلے سے اتار نہیں سکے گا اور اسے ہر طرف موت نظر آئے گی لیکن وہ نہیں مرے گا۔

نیز ارشاد فرمایا۔

وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا۔ (۲)

اور اگر وہ پانی مانگیں گے توان کو پیپ کی طرح غلیظ پانی دیا جائے گا جو چہروں کو بھون ڈالے گا کیا ہی برا مشروب ہے اور کیا ہی تکلیف دہ ٹھکانہ ہے۔

پھر ان کے کھانے کو دیکھو جو تھوہر (کڑوا پھل) ہوگا ارشاد خداوندی ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّالُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ۔ (۳)

پھر تم اے گمراہ لوگو! جھٹلانے والے لوگو! تھوہر کے درخت سے کھاؤ گے اس سے اپنے پیٹوں کو بھرو گے پس اس کے اوپر کھولتا ہوا پانی پیئو گے اس طرح پیئو گے جس طرح پیاس کا مارا اونٹ پیتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ۔ (۴)

بے شک یہ ایک درخت ہے جو جہنم کی اصل سے نکلتا ہے اس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیں بے شک وہ اس سے کھائیں گے اور اپنا پیٹ بھریں گے پھر ان کو اس کے اوپر کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا اس کے بعد ان کو جہنم کی طرف لوٹنا ہوگا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ۔ (۵)

دھکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے (اور) انہیں کھولتے ہوئے چشمے سے پلایا جائے گا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ ابراہیم آیت ۱۶، ۱۷

(۲) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۲۹

(۳) قرآن مجید سورۂ واقعہ آیت ۵۱ تا ۵۵

(۴) قرآن مجید سورۂ الصٰفٰت آیت ۶۴ تا ۶۸

(۵) قرآن مجید سورۂ الغاشیہ آیت ۴، ۵

marfat.com

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْکَالًا وَّجَحِیْمًا وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِیْمًا۔

بے شک ہمارے پاس ان کے لیے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی ہوئی آگ ہے اور گلے میں پھنسنے والی غذا اور دردناک عذاب ہے۔ (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر زقوم (جہنمیوں کی خوراک تھوہر) کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں گر جائے تو دنیا والوں کی معیشت کو خراب کر دے تو جن کا کھانا یہ ہوگا ان کا کیا حال ہوگا۔ (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

اُرْغَبُوْا فِیْمَا رَغَّبَکُمُ اللّٰہُ وَاحْذَرُوْا وَخَافُوْا مَا خَوَّفَکُمُ اللّٰہُ بِہٖ مِنْ عَذَابِہٖ وَعِقَابِہٖ وَمِنْ جَہَنَّمَ فَاِنَّہٗ لَوْ کَانَتْ قَطْرَةٌ مِنَ الْجَنَّةِ مَعْلُوْمٌ فِیْ دُنْیَاکُمُ الَّتِیْ اَنْتُمْ فِیْھَا طَیَّبَتْھَا لَکُمْ وَلَوْ کَانَتْ قَطْرَةٌ مِنَ النَّارِ مَعْلُوْمٌ فِیْ دُنْیَاکُمُ الَّتِیْ اَنْتُمْ فِیْھَا جَبَّتْھَا عَلَیْکُمْ۔"

اللہ تعالیٰ نے تمہیں جس چیز کی رغبت دی ہے اس میں رغبت رکھو اور جس چیز سے یعنی اپنے عذاب، جھڑک اور جہنم سے ڈرایا ہے پس اس سے بچو اور ڈرو اگر جنت کا ایک قطرہ تمہارے ساتھ دنیا میں ہو جس میں تم اب موجود ہو تو وہ تمہارے لیے اسے اچھا کر دے اور اگر دوزخ کا ایک قطرہ تمہاری اس دنیا میں آجائے جس میں تم ہو تو وہ اسے تم پر خراب کر دے۔ (۲)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنمیوں پر بھوک ڈالی جائے گی تاکہ ان پر عذاب برابر ہو جائے جس میں وہ مبتلا ہیں پس وہ کھانا مانگیں گے تو ان کو گلے میں پھنسنے والی خوراک دی جائے گی جو نہ مرتا کرے گی اور نہ بھوک مٹائے گی پھر وہ کھانا مانگیں گے تو ان کا نٹے دار کھانا دیا جائے گا تو انہیں یاد آئے گا کہ وہ دنیا میں پانی کے ذریعے گلے میں اٹکے ہوئے کھانے کو اتارا کرتے تھے چنانچہ وہ پانی طلب کریں گے تو لوہے کے آنکڑوں (کنڈوں) سے کھولتا ہوا پانی ان کے قریب کیا جائے گا جب وہ ان کے چہروں کے قریب ہوگا تو ان کو بھون کر رکھ دے گا اور جب وہ مشروب ان کے پیٹوں میں داخل ہوگا تو جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہوگا سب کو کاٹ کر رکھ دے گا وہ کہیں گے دوزخ کے داروغہ کو بلاؤ فرمایا پس وہ دوزخ کے داروغہ کو بلائیں گے اور کہیں گے کہ اپنے رب سے دعا کرو کسی دن ہم پر

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مزمل آیت ۱۲، ۱۳

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۳۳۱، ابواب الزھد

(۳) جامع ترمذی ص ۲۷۱ ابواب جہنم

marfat.com

ب میں تخفیف فرمائے وہ کہیں گے کیا تمہارے پاس رُسل کرام علیہم السلام روشن نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے ؟ وہ
ں گے ہاں آئے تھے فرشتے کہیں گے پس پکارو اور کافروں کی پکار بیکار ہے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کہیں گے حضرت مالک فرشتے کو بلاؤ وہ بلائیں گے تو کہیں گے اے مالک علیہ السلام
ب سے کہیں کہ وہ ہمارے بارے میں کوئی فیصلہ کرے وہ جواب دے گا تم نے یہاں ہی رہنا ہے حضرت اعمش رضی
عنہ فرماتے ہیں مجھے خبر دی گئی ہے کہ ان کی حضرت مالک کو پکار اور حضرت مالک کے جواب کے درمیان ایک ہزار
ں کا وقفہ ہوگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر وہ کہیں گے اے رب ! ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی اور ہم گمراہ قوم
ے اے ہمارے رب ! ہمیں یہاں سے نکال دے اب اگر ہم ایسا کریں تو ظالم ہوں گے فرمایا اللہ تعالیٰ جواب دے
ادھر ہی ذلیل و رسوا ہو کر رہو اور مجھ سے بات نہ کرو فرمایا اس وقت وہ ہر قسم کی بھلائی سے نا امید ہو جائیں گے اور چیخنا
نا اور افسوس کرنا شروع کریں گے (۱)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا۔ آیت کریمہ یہ ہے

وَيُسْقَىٰ مِن مَّاءٍ صَدِيدٍ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ (۲)

اسے خون اور پیپ کا پانی پلایا جائے گا وہ بمشکل ایک ایک گھونٹ بھرے گا اور حلق سے نیچے نہیں اتار سکے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی اس کے قریب کیا جائے گا تو وہ اسے ناپسند کرے گا اور جب بالکل اس کے
یب ہو جائے گا تو اس کے چہرے کو بھون کر رکھ دے گا اور سر کی کھال گر پڑے گی اور جب وہ اسے پیئے گا تو وہ
ں کی آنتوں کو کاٹ کر رکھ دے گا حتی کہ اس کی پیشاب گاہ سے نکلے گا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ۔ (۳)

اور ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا پس وہ ان کی آنتوں کو کاٹ دے گا۔

اور ارشاد فرمایا۔

وَإِن يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ۔ (۴)

اور اگر وہ پانی مانگیں گے تو ان کو پیپ کی طرح کا پانی ملے گا جو چہروں کو جلا کر رکھ دے گا۔

---

(۱) جامع ترمذی ص ۲۷، ابواب جہنم
(۲) قرآن مجید، سورۂ ابراہیم آیت ۱۶، ۱۷
(۳) قرآن مجید، سورۂ محمد آیت ۱۵
(۴) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۲۹

marfat.com

توان کی بھوک اور پیاس کے وقت ان کا کھانا اور پانی یہ (مذکورہ بالا) ہوگا اب جہنم کے سانپوں اور بچھوؤں کو دیکھو ان کے زہر کی شدت اور جسموں کی بڑائی اور بری صورتوں پر نظر کرو۔ وہ دوزخیوں پر مسلط کئے جائیں گے اور ان کو برانگیختہ کیا جائے گا تو وہ ان کو کاٹنے اور ڈسنے میں ایک گھڑی بھی کوتاہی نہیں کریں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهُ زَبِيبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِلَهَازِمِهِ يَعْنِي اَشْدَاقِهِ، ثُمَّ يَقُولُ اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ۔ (۱)

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا پس وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اس کے لیے قیامت کے دن یہ مال ایک گنجے سانپ کی شکل میں کر دیا جائے گا جس کی آنکھوں پر دو نقطے ہوں گے وہ قیامت کے دن اس کے گلے کا طوق بن جائے گا پھر اس کی باچھوں سے پکڑ کر کہے گا میں تیرا مال اور تیرا خزانہ ہوں اس کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی (۲) ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (۳)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں بخل سے کام لیتے ہیں کہ وہ ان کے لیے بہتر ہے بلکہ یہ ان کیلئے برا ہے عنقریب قیامت کے دن ان کو اسی مال کا طوق ڈالا جائے گا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ فِي النَّارِ لَحَيَّاتٍ مِثْلَ اَعْنَاقِ الْبُخْتِ يَلْسَعْنَ اللَّسْعَةَ فَيَجِدُ حُمُوْنَهَا اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا وَاِنَّ فِيْهَا لَعَقَارِبَ كَالْبِغَالِ الْمُؤَكَّفَةِ يَلْسَعْنَ اللَّسْعَةَ فَيَجِدُ حُمُوْنَتَهَا اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا۔ (۴)

جہنم میں کچھ سانپ ہیں جو بختی اونٹ کی گردن (لمبی گردن مراد ہے) جیسے ہیں وہ ایک مرتبہ ڈسیں گے تو اس کا درد چالیس سال تک محسوس کرے گا اور اس میں بچھو ہیں جو اس خچر کی طرح ہیں جس پر پالان پڑا ہوا ہو وہ بھی اس طرح ڈسیں گے کہ چالیس سال تک اس کی تکلیف محسوس ہوگی۔

---

(۱) جامع ترمذی ص ۲۷۰، ابواب جہنم

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۵۵، کتاب التفسیر

(۳) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۸۰

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۱۹ مرویات عبداللہ بن الحرث

marfat.com

اور یہ سانپ اور بچھو ان لوگوں پر مسلط ہوں گے جن پر دنیا میں بخل، بداخلاقی اور لوگوں کو عذاب دینا مسلط تھا اور جس شخص کو اس قسم کی بداخلاقیوں سے بچایا گیا وہ ان سانپوں سے بھی محفوظ ہوگا اور اس کا مال ان کی شکل میں نہیں آئے گا۔

پھر ان تمام باتوں کو سوچو کہ دوزخیوں کے جسم کتنے بڑے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کے طول و عرض کو بڑھائے گا تاکہ اس کے سبب ان کے عذاب میں اضافہ ہو اور آگ کی لپیٹ نیز بچھوؤں اور سانپوں کا کاٹنا بہت سی جگہ پر ایک ہی مرتبہ متسلسل ہو

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْزِلُ الْكَافِرِ فِي النَّارِ مِثْلُ اُحُدٍ وَغِلَظُ جِلْدِهٖ مَسِيْرَةُ ثَلَاثٍ۔ (۱)

جہنم میں کافر کی ایک داڑھ اُحد پہاڑ جتنی ہوگی اور اس کے چمڑے کا موٹا پاتین (دن) کی مسافت ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

شَفَتُهُ السُّفْلٰى سَاقِطَةٌ عَلٰى صَدْرِهٖ وَالْعُلْيَا قَالِصَةٌ قَدْ غَطَّتْ وَجْهَهٗ۔ (۲)

اس کا نچلا ہونٹ اس کے سینے پر گرا ہوا ہوگا اور اوپر والا ہونٹ سکڑ جائے گا جس نے اس کے چہرے کو ڈھانپ رکھا ہوگا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الْكَافِرَ لَيَجُرُّ لِسَانَهٗ فِيْ يَوْمٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَتَوَاطَؤُهُ النَّاسُ (۳)

بے شک کافر قیامت کے دن اپنی زبان کو جہنم میں کھینچ رہا ہوگا جسے لوگ (پاؤں سے) روندیں گے۔

اور جسموں کے بڑا ہونے کے ساتھ ساتھ آگ بھی ان کو کئی بار جلائے گی اور ان کے چمڑے اور گوشت بار بار تازہ ہوں گے قرآن مجید میں ہے۔

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا۔ (۴)

جب بھی ان کے چمڑے پک جائیں گے ہم ان کو دوسرے چمڑوں میں بدل دیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر دن آگ ان کو ستر ہزار مرتبہ جلائے گی جب وہ ان کو

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۸۲ کتاب الجنۃ

(۲) جامع ترمذی ص ۲۷۱، ابواب جہنم

(۳) " " " ۲۷۰ "

(۴) قرآن مجید سورۃ النساء آیت ۵۶

marfat.com

جلا دے گی تو ان سے کہا جائے گا دوبارہ پہلی حالت پر لوٹ جاؤ پس وہ پہلے والی حالت پر لوٹ جائیں گے۔

پھر جہنمیوں کے رونے اور چلانے کے بارے میں سوچو نیز وہ ہلاکت اور تباہی کے الفاظ پکار رہے ہوں گے جب ان کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو اس کے ساتھ ہی یہ بات ان پر مسلط کر دی جائے گی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما

يُؤْتَى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَهَا سَبْعُوْنَ اَلْفَ زِمَامٍ مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ ۔ (۱)

اس دن جہنم کو یوں لایا جائے گا کہ اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يُرْسَلُ عَلَى اَهْلِ النَّارِ الْبُكَاءُ فَيَبْكُوْنَ حَتّٰى تَنْقَطِعَ الدُّمُوْعُ ثُمَّ يَبْكُوْنَ الدَّمَ حَتّٰى يُرٰى فِيْ وُجُوْهِهِمْ كَهَيْئَةِ الْاُخْدُوْدِ لَوْ اُرْسِلَتْ فِيْهَا السُّفُنُ لَجَرَتْ ۔ (۲)

جہنمیوں پر رونا مسلط کیا جائے گا تو وہ روئیں گے حتی کہ آنسو ختم ہو جائیں گے پھر وہ خون کے ساتھ روئیں گے حتی کہ ان کے چہروں میں ایسے گڑھے پڑ جائیں گے کہ اگر ان میں کشتیاں چھوڑی جائیں تو وہ چل پڑیں۔

اور جب تک ان رونے، چیخنے اور ہلاکت و تباہی کی پکار کی اجازت ہو گی تو اس میں ان کے لیے راحت ہو گی لیکن ا کو اس سے بھی روک دیا جائے گا حضرت محمد بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جہنمیوں کے لیے پانچ دعائیں ہوں گی اللہ تعالیٰ ان کی چار دعاؤں کا جواب دے گا کہیں جب پانچویں دعا ہو گی تو اس کے بعد وہ کبھی گفتگو نہیں کر سکیں گے۔ وہ کہیں گے (ارشاد خداوندی ہے)

رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۔ (۳)

اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا پس ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا کیا باہر نکلنے کی کوئی صورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمائے گا۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۔ (۴)

یہ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف بلایا گیا تو تم نے کفر کیا اور اگر اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا گیا تو تم نے تسلیم کیا پس فیصلہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جو بہت بلند بہت بڑا ہے

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۵۹۵ کتاب الاہوال

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۳۳۰، ۳۳۱، ابواب الزھد

(۳) قرآن مجید، سورۂ مومن آیت نمبر ۱۱

(۴) قرآن مجید، سورۂ غافر آیت ۱۲

marfat.com

پھر وہ کہیں گے۔
رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا۔
(۱)

اے ہمارے رب! ہم نے دیکھا اور سنا پس تو ہمیں لوٹا دے تاکہ ہم اچھے عمل کریں۔

تو اللہ تعالیٰ ان کو جواب دیتے ہوئے فرمائے گا۔
اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ۔
(۲)

کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھاتے تھے کہ تمہارے لیے زوال نہیں ہے۔

وہ کہیں گے (ارشاد خداوندی ہے)
رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ۔
(۳)

اے ہمارے رب! ہمیں نکال دے کہ ہم اچھے عمل کریں جو پہلے نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ان کو جواب میں ارشاد فرمائے گا۔
اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ۔
(۴)

کیا ہم نے تمہیں اس قدر عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جو نصیحت حاصل کرنا چاہے کر سکتا ہے اور تمہارے پاس ڈر سنانے والا آیا پس (عذاب) چکھو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

پھر وہ کہیں گے۔
رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ۔
(۵)

اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی اور ہم گمراہ لوگ تھے اے ہمارے رب! ہمیں اس سے نکال دے پس اگر ہم دوبارہ وہی کام کریں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ان کو جواب دے گا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ سجدہ آیت ۱۲
(۲) قرآن مجید، سورۂ ابراہیم آیت ۴۴
(۳) (۴) قرآن مجید، سورۂ فاطر آیت ۳۷
(۵) قرآن مجید، سورۂ مومنون آیت، ۱۰۶ تا ۱۰۸

marfat.com

اِخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ۔ (۱) اس میں ذلت و رسوائی کے ساتھ رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔

تو اس کے بعد وہ کبھی کلام نہیں کریں گے اور یہ شدتِ عذاب کی انتہا ہے۔

حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

سَوَاءٌ عَلَيْنَا اَجَزِعْنَا اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ۔ (۲)

ہمارے لیے برابر ہے ہم چیخیں چلائیں یا صبر کریں ہمارے لیے کوئی چھٹکارا نہیں۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہما نے فرمایا، وہ ایک سو سال صبر کریں گے پھر ایک سو سال روئیں گے اور فریاد کریں گے پھر ایک سو سال صبر کریں گے پھر یہ الفاظ کہیں گے جو آیت کریمہ میں مذکور ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يُؤْتَى بِالْمَوْتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَاَنَّهٗ كَبْشٌ اَمْلَحُ فَيُذْبَحُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَيُقَالُ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُوْدٌ بِلَا مَوْتٍ وَيَا اَهْلَ النَّارِ خُلُوْدٌ بِلَا مَوْتٍ۔

قیامت کے دن موت کو ایک سیاہ و سفید مینڈھے کی طرح لائے جائے گا پس اسے جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا جنتیوں سے کہا جائے گا یہاں ہمیشہ رہنا ہے موت نہیں آئے گی اور جہنم والو! ہمیشگی ہے موت نہیں آئے گی۔ (۳)

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک شخص جہنم سے ایک ہزار سال بعد نکلے گا کاش کہ وہ شخص میں ہوتا۔

حضرت حسن رحمہ اللہ کو دیکھا گیا کہ آپ ایک کونے میں بیٹھے رو رہے ہیں پوچھا گیا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے جہنم میں نہ ڈالا جائے اور اس بات کی پرواہ نہ کی جائے۔

تو یہ جہنم کے عذاب کی اجمالی صورتیں ہیں اس کے غموں، رونے مشقتوں اور حسرت کی کوئی انتہا نہیں اس شدتِ عذاب کے ساتھ ساتھ ان کے لیے جو سب سے بڑی پریشانی ہوگی وہ جنتی نعمتوں کے نہ ملنے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہونے اور اس کی رضا حاصل نہ ہونے کی حسرت ہے اور یہ کہ انہوں نے ان تمام چیزوں کا سودا چند کھوٹے سکوں کے عوض کیا کیوں کہ انہوں نے یہ تمام نعمتیں دنیا میں چند دنوں کے لیے حقیر خواہشات کے حصول کے لیے بیچ دیں حالانکہ وہ خواہشات

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مومنون آیت، ۱۰۸

(۲) قرآن مجید، سورۂ ابراہیم ایت ۲۱

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۹۱ کتاب التفسیر

marfat.com

صاف بھی نہیں بلکہ ان میں پریشانی شامل ہے وہ اپنے دلوں میں کہیں گے ہائے افسوس! ہم نے اپنے رب کی نافرمانی کر کے کس طرح اپنے آپ کو ہلاک کیا اور ہم نے اپنے آپ کو چند دن صبر کرنے کی عادت نہ ڈالی اگر ہم صبر کرتے تو وہ دن ختم ہو جاتے اور اب ہم تمام جہانوں کو پالنے والے کی بارگاہ میں شرف یاب ہوتے اس کی رضا اور رضوان سے لطف اندوز ہوتے۔ تو ایسے لوگوں پر افسوس ہے ان کا نقصان ہوا جو ہوا اور ان کو آزمائش میں ڈالا گیا جیسے ڈالا گیا اور ان کے پاس دنیا کی کوئی نعمت اور لذت بھی باقی نہ رہی۔

پھر اگر وہ جنت کی نعمتوں کو نہ دیکھتے تو ان کی حسرت زیادہ نہ ہوتی لیکن ان پر یہ نعمتیں پیش کی جائیں گے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قیامت کے دن کچھ لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں لایا جائے گا حتی کہ جب وہ اس کے قریب ہوں گے اور اس کی خوشبو سونگھیں گے اس کے محلات اور ان نعمتوں کو دیکھیں گے جو اللہ تعالیٰ نے اہل جنّت کے لیے تیار کی ہیں تو آواز دی جائے گی کہ ان کو یہاں سے واپس لے جاؤ اس میں ان کے لیے کوئی حصہ نہیں پس وہ اس قدر حسرت کے ساتھ واپس جائیں گے کہ پہلوں اور پچھلوں کو ایسی حسرت کبھی نہ ہوگی۔

وہ کہیں گے اے ہمارے رب! اگر تو یہ ثواب اور جنت کی نعمتیں تو تُو نے اپنے دوستوں کے لیے تیار کی ہیں دکھانے سے پہلے ہمیں جہنم میں لے جاتا تو یہ بات ہمارے لیے آسان ہو جاتی اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرا یہی مقصد تھا جب تم اکیلے ہوتے تھے تو بڑے بڑے گناہوں کے ساتھ میرے مقابل آتے تھے اور جب لوگوں کے سامنے آتے تھے تو عاجزی کرتے لوگوں کو وہ کچھ دکھاتے تھے جو تمہارے دلوں نے میرے سامنے پیش نہیں کیا تم لوگوں سے ڈرتے تھے اور مجھ سے نہیں ڈرتے تھے تم لوگوں کو بڑا سمجھتے تھے اور میرے جلال کو کچھ نہیں سمجھتے تھے تم نے لوگوں کے لیے گناہ ترک کئے لیکن میری رضا کے لیے ایسا نہیں کیا آج میں تمہیں دردناک عذاب دوں گا اور اس کے ساتھ ہی تم پر دائمی ثواب کو حرام بھی کر دوں گا۔ (۱)

حضرت احمد بن حرب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ہم میں سے ایک شخص دھوپ پر سائے کو ترجیح دیتا ہے پھر جنت کو جہنم پر ترجیح نہیں دیتا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کتنے ہی صحیح جسم، روشن چہرے اور فصیح زبان والے لوگ کل جہنم کے مختلف طبقوں کے درمیان چیخیں گے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے مولا! میں تیرے لیے دھوپ کی گرمی برداشت کر لوں گا لیکن تیری آگ کی گرمی پر کس طرح صبر کروں گا میں تیری رحمت کی آواز پر صبر نہیں کر سکتا تو تیرے عذاب کی آواز پر کیسے صبر کروں گا تو اے مسکین! تو ان ہولناک مناظر کو دیکھ اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کو اس کی ان تمام گھبراہٹوں کے ساتھ پیدا کیا ہے اور اس کے

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۷ ص ۸۶ حدیث ۱۹۹

marfat.com

کچھ اہل لوگ پیدا کئے ہیں نہ وہ زیادہ ہوں گے اور نہ ہی کم اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ (۱)

اور ان لوگوں کو حسرت کے دن سے ڈرائیں جب ہر بات کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور (آج) یہ لوگ غفلت میں ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔

اس میں قیامت کے دن کی طرف اشارہ ہے لیکن فیصلہ تو ازل میں ہی ہو گیا تھا قیامت کے دن اس بات کا فیصلہ ہو گا جو تیرے بارے میں گزر چکی ہے تو تجھ پر تعجب ہے کہ تو ہنستا اور کھیلتا ہے اور دنیا کی حقیر چیزوں میں مصروف ہے حالاں کہ تجھے معلوم نہیں کہ تیرے بارے میں کیا فیصلہ ہوا ہے۔

سوال:

کیسے معلوم ہو گا کہ میرا ٹھکانہ کونسا ہو گا اور مجھے کہاں جانا ہو گا نیز میرے بارے میں کیا فیصلہ ہوا ہے۔

جواب:

اس سلسلے میں تیرے لیے ایک علامت ہے اس سے اُنس پیدا کرو اور اس کے سبب سے اپنی امید کی تصدیق کرو یعنی اپنے احوال و اعمال کو دیکھو کیوں کہ ہر شخص کے لیے وہ کام آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے تیری بھلائی کا راستہ آسان کر دیا ہے تو تجھے خوش ہونا چاہیے بے شک تو جہنم سے دُور رکھا جائے گا اور اگر تو بھلائی کا ارادہ کرتا ہے لیکن کئی رکاوٹیں سامنے آئی ہیں اور تو اُن کو رد کرتا ہے لیکن جب برائی کا ارادہ کرتا ہے تو وہ تیرے لئے آسان ہو جاتی ہے تو جان لو کہ تمہارے خلاف فیصلہ ہو چکا ہے اس علامت کی انجام پر دلالت اسی طرح ہے جس طرح بارش کی سبزی پر اور دھوئیں کی آگ پر دلالت اسی طرح ہے

ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ۔ (۲)

بے شک نیک لوگ نعمتوں میں اور بدکار لوگ جہنم میں ہوں گے۔

اپنے آپ کو ان دونوں آیتوں پر پیش کرنے سے تجھے دونوں گھروں میں سے اپنے ٹھکانے کا علم ہو جائے گا۔

فصل ۱۳:

جنّت کی کیفیّت اور اس کی نعمتوں کی اقسام

جان لو کہ ابھی جس گھر کے غموں اور پریشانیوں کا تمہیں علم ہوا اس کے مقابلے میں ایک اور گھر بھی ہے اس کی نعمتوں

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مریم آیت ۳۹

(۲) قرآن مجید، سورۂ انفطار آیت ۱۳، ۱۴

marfat.com

اور سرور میں غور کرو کیوں کر جو شخص ان دونوں گھروں میں سے ایک سے دُور رہا وہ لامحالہ دوسرے گھر میں جائے گا تو جہنم کے خطرات کے بارے میں زیادہ فکر کے ذریعے اپنے دل میں اس کا خوف پیدا کر اور دائمی نعمتوں جن کا اہل جنت سے وعدہ ہے کے بارے میں خوب فکر کر اور اپنے نفس کو خوف کے ڈنڈے سے چلا اور امید کی لگام سے سیدھے راستے کی طرف کھینچ اس سے تجھے بہت بڑی بادشاہی حاصل ہوگی اور تُو دردناک عذاب سے محفوظ رہے گا۔

تو جنتیوں اور ان کے چہروں کے بارے میں غور کر جو آرام کی تازگی میں ہوں گے ان کو سربمہر شراب پلائی جائے گی سُرخ یاقوت کے منبروں پر شاداب سفید موتیوں کے خیموں میں بیٹھے ہوں گے جن میں سبز رنگ کے بچھونے بچھے ہوں گے تختوں پر تکیہ لگائے ہوں گے وہ خیمے ایسی نہروں کے کناروں پر ہوں گے جو شراب اور شہد کی ہوں گی۔ وہ خیمے غلاموں اور بچوں سے بھرپور ہوں گے خوبصورت چہروں والی حُوروں سے مزین ہوں گے گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں ان سے پہلے کسی انسان اور جن نے ان حُوروں کو ہاتھ نہیں لگایا ہوگا وہ جنت کے درجات میں خراماں خراماں چلیں گی اور جب ان میں کوئی حُور اپنی چال میں فخر کا اظہار کرے گی تو اس کے دامنوں کو ستر ہزار لڑکے اٹھائیں گے ان پر سفید ریشم کے ایسی چادریں ہوں گی کہ آنکھیں دنگ رہ جائیں گی ان کو ایسے تاج پہنائے جائیں گے جو موتیوں اور مرجان سے مرصع ہوں گے آنکھوں میں سرخ ڈورے ہوں گے اور وہ ناز و انداز والی ہوں گی نیز خوشبو والی ہوں گی بڑھاپے اور مفلسی سے محفوظ ہوں گی جنتوں کے درمیان یاقوت سے بنے ہوئے محلات میں خیموں میں باپردہ ہوں گی انہوں نے نگاہیں جھکا رکھی ہوں گی پھر ان جنتی مردوں اور عورتوں پر سفید چمکدار پیالوں کا دورہ ہوگا جن میں خالص سفید شراب ہوگی جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی۔ یہ پیالے خالص موتیوں جیسے لڑکے ان کے پاس لائیں گے یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہوگا وہ امن والے مقام میں ہوں گے باغات اور چشمے جو باغوں اور نہروں کے درمیان ہوں گے طاقت والے بادشاہ کے پاس سچی نشست ہوگی وہ اپنے ربِ کریم کی زیارت سے مشرف ہوں گے ان کے چہروں پہ آرام و راحت کی تازہ ہوگی ان پر گرد ہوگی نہ زلت، بلکہ وہ معزز بندے ہوں گے پروردگار کی طرف سے طرح طرح کے تحفوں کے ساتھ ان کی خبر گیری ہوگی ہمیشہ اپنی من چاہی نعمتیں پائیں گے وہاں ان کو کسی قسم کا غم اور خوف نہیں ہوگا نیز وہ موت کے شبے سے محفوظ ہوں گے وہ وہاں نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے جنتی کھانے کھائیں گے اور اس کی نہروں سے دودھ شراب اور شہد پئیں گے یہ ایسی نہروں سے حاصل ہوں گے جن کی زمین چاندی کی ریت مرجان کی مٹی کستوری کی اور سبزہ زعفران سے ہوگا۔ ان پر اسے بادلوں سے بارش برسے گی نیز ان کو ایسے پیالے ملیں گے جو چاندی کے ہوں گے اور ان پر موتی، یاقوت اور مرجان جڑا ہوا ہوگا ایک پیالے میں سنزمہر شراب ہوگی جس میں میٹھے سلسبیل کی ملاوٹ ہوگی ایسے پیالے ہوں گے کہ ان کے جوہر (اصل)، کی صفائی کی وجہ سے شراب کی سرخی اور لطافت نمایاں ہوگی ان کو کسی انسان نے نہیں بنایا کہ ان کی بناوٹ میں کسی قسم کی کمی یا کوتاہی ہو اور ان کے حُسن میں کچھ فرق ہو۔

یہ پیالے ایسے خادموں کے ہاتھوں میں ہوں گے کہ گویا ان کے چہرے چمک کے اعتبار سے سورج کی عکاسی کر

marfat.com

رہے ہیں لیکن ان کی صورتوں میں جو مٹھاس ہوگا وہ سورج میں کہاں؟
نیز ان کے بالوں کا حسن اور آنکھوں کی ملاحت سورج کے پاس کہاں؟ تو ایسے شخص پر تعجب ہے جو ان صفات والے
ر پر ایمان رکھتا ہے اور اسے یقین ہے کہ اہل جنت کے لیے موت نہیں ہوگی اس کے صحن میں اترنے والوں کو کوئی پریشانی نہیں
وگی کوئی عادت ان میں تغیر و تبدل نہیں کر سکے گا تو وہ ایسے گھر کے ساتھ کیسے مانوس ہو گیا جس کی ویرانی کا اللہ تعالیٰ نے حکم
یا ہے اور یہ شخص کس طرح یہاں خوشگوار زندگی گزارتا ہے۔
قسم نجدا! اگر وہاں صرف بدنوں کی سلامتی موت، بھوک، پیاس اور ہر قسم کے حادثات سے بے خوفی ہوتی تو بھی دنیا
ونے کے لائق تھی اور جس چیز نے ختم ہونا ہے نیز وہ صاف نہیں ہے اسے جنت پر ترجیح نہ دی جاتی تو اب کیا کیفیت ہوگی
ب کہ جنتی بادشاہ ہوں گے جن کو امن حاصل ہوگا طرح طرح کے سرور سے نفع اٹھائیں گے ان کے لیے وہاں ہر من پسند
ر ہوگی اور وہ ہر دن عرش کے صحن میں حاضر ہو کر اپنے رب کریم کی زیارت سے مشرف ہوں گے اور اس دیدار خداوندی
ے ان کو وہ لذت حاصل ہوگی جو جنت کی تمام نعمتوں کو دیکھنے اور ان کی طرف متوجہ ہونے سے حاصل نہیں ہوگی نیز وہ ہمیشہ
نعمتوں میں رہیں گے اور ان کے زوال کا کوئی خدشہ نہیں ہوگا۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
ایک منادی آواز دے گا کہ اے اہل جنت! تمہارے لیے صحت ہے کبھی بیماری نہیں ہوگی تم زندہ رہو گے تمہیں
وت نہیں آئے گی تم ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا تم ہمیشہ مال دار رہو گے کبھی محتاجی نہیں ہوگی اسی سلسلے
ارشاد خداوندی ہے (۱)

وَنُودُوا أَن تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ۔ (۲)

اور ان کو پکارا جائے گا کہ یہ جنت ہے جس کا تمہیں وارث بنایا گیا یہ تمہارے اعمال کی جزا ہے۔

اگر تم جنت کی صفت معلوم کرنا چاہتے ہو تو قرآن پاک پڑھو کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے بیان سے بڑھ کر کوئی بیان نہیں اور اللہ
کا یہ ارشاد گرامی پڑھو۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ۔ (۳)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا ہو اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۸۰ کتاب الجنۃ
قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۴۳
قرآن مجید، سورۂ رحمٰن آیت ۴۶

marfat.com

ورۂ رحمٰن کے آخر تک پڑھو نیز سورۂ واقعہ اور دوسری سورتیں پڑھو اور اگر تم احادیث کے مطابق ان صفات کی تفصیل
م کرنا چاہتے تو اب ان کی تفصیل کو دیکھو جب اجمالی معلومات حاصل کر چکے ہو۔

جنتوں کی تعداد :

مندرجہ بالا آیت (وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ) کے سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا
وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا
وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ
إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِيَاءِ عَلَى وَجْهِهِ فِي
جَنَّةِ عَدْنٍ۔

(۱)

دو جنتیں ہوں گی جن کے برتن اور سب کچھ چاندی کا ہو گا
اور دو جنتیں ایسی ہوں گی کہ ان کے برتن اور جو کچھ ان
میں ہے وہ سب سونے کا ہو گا اہل جنت اور اللہ تعالیٰ
کے دیدار کے درمیان اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی چادر ہو گی
جو جنت عدن میں ہو گی (اس کے علاوہ کوئی رکاوٹ
نہ ہو گی)

جنت کے دروازے :

پھر جنت کے دروازوں کو دیکھو وہ بنیادی عبادات کے حوالے سے بے شمار ہوں گے جس طرح بنیادی گناہوں کے اعتبار
ے اعتبار سے جہنم کے دروازے زیادہ ہوں گے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا۔

جو شخص اپنے مال میں دو جوڑے (سونا چاندی یعنی روپیہ پیسہ) اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے اسے جنت کی تمام
دروازوں سے بلایا جائے گا اور جنت کے آٹھ دروازے ہیں پس جو شخص نمازی ہو گا اس کو نماز کے دروازے سے بلایا
جائے گا جو روزہ داروں میں سے ہو گا اس کو روزے کے دروازے سے بلایا جائے گا جو صدقہ دینے والوں میں سے ہو گا
اس کو صدقہ کے دروازہ سے آواز دی جائے گی اور جو اہل جہاد سے ہو گا اسے جہاد کے دروازے سے طلب کیا جائے
گا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی دروازے سے بلایا جائے گا تو کیا کسی کو ان تمام دروازوں
سے بھی بلایا جائے گا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں" اور مجھے امید ہے کہ وہ آپ ہی ہوں گے (۲)

حضرت عاصم بن حمزہ، حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے جہنم کا ذکر کرتے ہوئے اس
کے معاملے کی بڑائی کو بیان فرمایا لیکن مجھے یاد نہیں پھر یہ آیت پڑھی۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۲۴ کتاب التفسیر
(۲) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۵۱۷ کتاب المناقب

marfat.com

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا (۱)

اور ڈرنے والوں کو جنت کی طرف جماعتوں کی شکل میں لے جایا جائے گا۔

حتی کہ جب وہ اس کے کسی دروازے تک پہنچیں گے تو وہاں ایک درخت پائیں گے جس کی جڑ کے نیچے سے دو چشمے جاری ہوں گے تو جس طرح ان کو حکم ہوگا ان میں سے ایک کا قصد کریں گے اور اس سے پئیں گے تو ان کے پیٹوں میں جو تکلیف ہوگی وہ سب زائل ہو جائے گی پھر دوسرے چشمے کا ارادہ کریں گے تو اس سے پاکیزگی حاصل کریں گے اب ان پر راحت و سرور کی شادابی ہوگی اس کے بعد ان کے بالوں میں کبھی تبدیلی نہیں آئے گی اور نہ ہی وہ بکھریں گے گویا انہوں نے ان پر تیل لگایا ہو پھر وہ جنت کی طرف چلے جائیں گے جنت کے محافظ ان سے کہیں گے تم پر سلامتی ہو تم اچھے رہو اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔

پھر لڑکوں سے ملاقات ہوگی اور وہ ان کے گرد اس طرح جمع ہوں گے جس طرح کسی کا کوئی عزیز سفر سے آیا ہو وہ کہیں گے تمہیں خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اعزاز کے لیے یہ سب کچھ تیار کیا ہے فرمایا پس ان لڑکوں میں سے ایک لڑکا اس جنتی کی کسی حور سے ملے گا اور دنیا میں جس نام سے اسے پکارا جاتا تھا اس نام کے ساتھ ذکر کر کے کہے گا کہ فلاں آیا ہے۔ وہ پوچھے گی کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ وہ کہے گا میں نے اس کو دیکھا ہے اور وہ میرے پیچھے پیچھے آ رہا ہے وہ خوش ہو جائے گی حتی کہ دروازے کی چوکھٹ میں کھڑی ہو جائے گی۔

جنتی جب اپنی منزل میں پہنچے گا اور اس کی بنیادوں کو دیکھے گا تو وہ موتیوں کی چٹانیں ہوں گی جن کے اوپر سرخ، سبز اور زرد غرضیکہ ہر رنگ کا محل ہوگا پھر نظر اٹھا کر اس کی چھت کو دیکھے گا تو وہ بجلی کی طرح چمکتی ہوگی اگر اللہ تعالیٰ نے اسے روک نہ رکھا ہو تو قریب ہے کہ وہ اس کی بینائی لے جائے پھر وہ اپنے سر کو جھکائے گا تو دیکھے گا تو اس کی بیویاں ہوں گی پیالے رکھے ہوں گے (قرینے سے) گاؤ تکیے قطار در قطار اور قیمتی قالین بچھے ہوں گے پھر وہ تکیہ لگا کر بیٹھے گا اور کہے گا اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے جس نے اس کے لیے ہماری رہنمائی فرمائی اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے پھر ایک منادی آواز دے گا کہ تم اس میں ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی مرو گے نہیں اس میں ہمیشہ رہو گے کوچ نہیں کرو گے صحت مند رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

آتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بَابَ الْجَنَّةِ فَاَسْتَفْتِحُ فَیَقُوْلُ الْخَازِنُ مَنْ اَنْتَ؟ فَاَقُوْلُ مُحَمَّدٌ فَیَقُوْلُ بِكَ اُمِرْتُ اَنْ لَا اَفْتَحَ

میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آ کر اسے کھلوانا چاہوں گا تو داروغہ کہے گا آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" وہ کہے گا مجھے یہی حکم ہے کہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۷۳

marfat.com

آپ سے پہلے کسی کے لیے نہ کھولوں۔

لِاَحَدٍ قَبْلَكَ۔ (۱)

اب تم جنت کے بالاخانوں اور ان کی بلندی کے سلسلے میں مختلف درجات کے بارے میں سوچو کیوں کہ آخرت کے درجات بہت بڑے ہیں اور اس کی فضیلت زیادہ ہے۔

اور جس طرح ظاہری عبادات اور باطنی اخلاقِ محمودہ کے اعتبار سے لوگ مختلف درجات میں تقسیم ہوتے ہیں اسی طرح جزا کے اعتبار سے بھی ان میں فرق ہوگا اگر تم سب سے اعلیٰ درجہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو کوشش کرو کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں تم سے کوئی آگے نہ بڑھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں آگے بڑھنے اور مقابلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ (۲)

اپنے رب کی بخشش حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۔ (۳)

اور اسی (حصول بخشش) میں مقابلہ کرنے والوں کو مقابلہ کرنا چاہیے۔

تعجب کی بات ہے جب تمہارے ساتھی یا پڑوسی ایک درہم یا مکان کی بلندی کے ذریعے تم سے آگے بڑھتے ہیں تو یہ بات تم پر گراں گزرتی ہے اور تمہارے سینے میں گھٹن پیدا ہوتی ہے اور حسد کی وجہ سے تمہاری زندگی پریشان کن ہو جاتی ہے اور بات یہ ہے کہ سب سے بہتر حالت جنت میں ٹھکانے کا ملنا ہے اور تو ان لوگوں سے بچ نہیں سکتا جو نیک کاموں کے ذریعے تجھ سے آگے بڑھتے ہیں ایسی نیکیاں کہ تمام اپنے تمام مال و اسباب کے ساتھ بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جنت والے اپنے سے اوپر بالاخانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم مشرق یا مغرب میں افق میں نکلنے والے ستاروں کو دیکھتے ہو کیوں کہ ان کے درمیان بہت زیادہ (بلندی کا) فاصلہ ہوگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ انبیاء کرام کے مقامات ہیں جن تک دوسرے پہنچ نہیں سکیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کچھ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور انہوں نے رسل عظام کی تصدیق کی۔ (۴)

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۱۲ کتاب الایمان

(۲) قرآن مجید سورۂ حدید آیت ۲۱

(۳) قرآن مجید سورہ مطففین آیت ۲۶

(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۸، ۲ کتاب الجنۃ

marfat.com

آپ نے یہ بھی فرمایا۔

اِنَّ اَھْلَ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰی لَیَرَاھُمْ مَنْ تَحْتَھُمْ کَمَا تَرَوْنَ النَّجْمَ الطَّالِعَ فِی اُفُقٍ مِنْ اٰفَاقِ السَّمَاءِ وَاِنَّ اَبَا بَکْرٍ وَعُمَرَ مِنْھُمْ وَاَنْعَمَا۔ (۱)

(جنت والوں میں سے) اعلیٰ درجات والوں کو نچلے درجے والے اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان کے کسی کنارے پر طلوع ہونے والے ستارے کو دیکھتے ہو اور بے شک حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی ان میں سے ہیں اور بہت اچھے ہیں۔ (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کیا میں تمہیں جنت کے بالاخانوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم بتایئے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ نے فرمایا جنت میں کچھ بالاخانے ہیں جو مختلف جوہروں سے بنے ہیں ان کے اندر سے باہر اور باہر سے اندر نظر آتا ہوگا ان میں ایسی نعمتیں، لذتیں اور سرور ہوگا جیسے کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا خیال گزرا میں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ بالاخانے کس کے لیے ہوں گے؟ فرمایا ان لوگوں کے لیے ہیں جو سلام پھیلاتے (محتاجوں کو) کھانا کھلاتے ہمیشہ روزہ رکھتے اور رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ (۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اس بات کی طاقت کون رکھتا ہے؟ آپ نے فرمایا میری امت اس کی طاقت رکھتی ہے اور عنقریب میں تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں گا جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کرے اور اسے سلام کہے یا سلام کا جواب دے تو اس نے سلام کو رواج دیا اور جو شخص اپنی بیوی اور بچوں کو کوئی کھانا کھلائے حتی کہ ان کو سیر کردے تو اس نے کھانا کھلا دیا اور جس نے رمضان شریف کے روزے اور ہر مہینے سے تین (تیرہ چودہ پندرہ تاریخ) کے روزے رکھے اس نے گویا ہمیشہ روزہ رکھا اور جس نے عشاء اور صبح کی نماز باجماعت پڑھی اس نے گویا رات بھر نماز پڑھی جب کہ لوگ سوئے ہوئے تھے اور لوگوں سے مراد یہودی، عیسائی اور مجوسی ہیں (۳)

ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ۔ (۴)

اور ہمیشہ رہنے والے جنت میں اچھے ٹھکانے ہیں۔

اس آیت کی وضاحت کے سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۷ مرویات ابوسعید خدری

(۲) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۱۱۱ کتاب صفۃ الجنۃ

(۴) قرآن مجید، سورہ الصف آیت ۱۲

marfat.com

موتیوں کے بنے ہوئے محلات ہیں ہر محل میں سرخ یاقوت کے ستر گھر ہیں ہر گھر میں سبز زمرد سے بنے ہوئے ستر کمرے، ہر کمرے میں ایک تخت ہے ہر تخت پر ستر بچھونے ہیں جو مختلف رنگوں کے ہیں اور ہر بستر پر اس کی بیوی ہے جو حوروں سے ہے ہر مکان میں ستر خوان ہیں ہر دستر خوان پر ستر قسم کے کھانے ہیں اور ہر مکان میں ستر خدمت گار عورتیں اور ہر مومن کو اتنا ان سب کے پاس جانے کی طاقت دی جائے گی۔ (۱)

فصل ۱۴:

جنّت کے باغات زمین، درخت اور نہریں

جنت کی صورت میں غور کرو اور اس کے رہنے والوں پر رشک کرنے کا سوچو اور سوچو کہ جو شخص جنت کے بدلے دنیا پر بات کرتا ہے اسے کس قدر حسرت ہوگی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ حَائِطَ الْجَنَّةِ لَبَنَةٌ مِنْ فِضَّةٍ وَلَبَنَةٌ مِنْ ذَهَبٍ تُرَابُهَا زَعْفَرَانٌ وَطِيْنُهَا مِسْكٌ (۲)

بے شک جنت کی دیوار کی ایک اینٹ چاندی کی اور ایک اینٹ سونے کی ہوگی اس کی مٹی زعفران اور گارا کستوری ہوگی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کی مٹی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

دَرْمَكَةٌ بَيْضَاءُ مِسْكٌ خَالِصٌ۔ (۳) سفید نرم و ملائم مٹی اور خالص کستوری ہوگی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو یہ بات پسند ہو اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں شراب پلائے پس وہ اسے دنیا میں چھوڑ دے اور جس آدمی کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے رت میں ریشم پہنائے وہ اسے دنیا میں چھوڑ دے (۴) جنت کی نہریں کستوری کے ٹیلوں یا فرمایا کستوری کے پہاڑوں کے ے سے نکلتی ہیں۔ (۵) اور اگر سب سے کم درجے والا جنتی کا زیور تمام دنیا والوں کے زیورات کے برابر ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے رت میں جو زیورات پہنائے گا وہ دنیا کے تمام زیورات سے افضل ہوگا (۶)

---

(۱) احکام القرآن للقرطبی جلد ۱۸ ص ۸۸ تحت آیت ومساکن طیبۃ

(۲) تاریخ ابن عساکر جلد ۲ ص ۶۷ ترجمہ احمد بن محمد بن عبید

(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۹۸ کتاب الفتن

(۴) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۶، کتاب الاشربۃ

(۵) الدر المنثور جلد اول ص ۳، تحت آیت تجری من تحتہا الانہار

(۶) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۴۰۱ کتاب اہل الجنۃ۔

marfat.com

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں سوار ایک سو سال چلے گا لیکن اسے طے نہیں کر سکے اگر تم چاہو تو پڑھو!
وَظِلٍّ مَمْدُوْدٍ۔ (۱) اور پھیلائے ہوئے سائے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیہاتیوں اور ان کے سوالات کے ذریعے نفع پہنچاتا ہے ایک اعرابی نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایک مُؤذی درخت کا ذکر کیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ جنت میں کوئی ایسا درخت ہوگا جو اپنے صاحب کو ایذا پہنچائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کونسا درخت ہے؟ عرض کیا "سدر" (بیری کا درخت) ہے اس کے کانٹے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ۔ (۲) کانٹوں کے بغیر بیریوں میں۔

اللہ تعالیٰ اس کے کانٹے کو دُور کر دے گا اس کے ہر کانٹے کی جگہ پھل لگا دے گا پھر اس کا پھل بہتر قسم کے رنگ دے گا ان میں سے کوئی بھی رنگ دوسرے کے مشابہ نہیں ہوگا۔ (۳)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم مقام صفاح اترے تو دیکھا کہ وہاں درخت کے نیچے ایک شخص سویا ہوا ہے اور اس پر دھوپ پہنچنے والی ہے میں نے غلام سے کہا یہ چمڑے کا دستر خوان لے جاؤ اور اس پر سایہ کر دو گیا اور اس پر سایہ کیا جب وہ شخص بیدار ہوا تو دیکھا کہ وہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں میں ان کے پاس آیا تاکہ سلام کہوں انہوں نے فرمایا اے جریر اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرو کیوں کہ جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا کرے گا کیا تم جانتے ہو قیامت کے اندھیرے کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا میں نہیں جانتا فرمایا بعض کا بعض پر ظلم کرنا پھر آپ نے ایک چھوٹی سی لکڑی اٹھائی وہ اتنی چھوٹی تھی کہ گویا مجھے نظر نہ آتی فرمایا اے جریر! اگر تم جنت میں اس کی مثل طلب کرو گے تو نہیں پاؤ گے میں نے پوچھا اے ابو عبداللہ یہ کھجور اور دوسرے درخت کہاں جائیں گے؟ فرمایا (وہ لکڑی کے نہیں ہوں گے بلکہ) ان کی جڑیں موتیوں اور سونے کی ہوں گی اور ان کے اوپر پھل ہوں گے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۵۴ مرویات ابوہریرہ
(۲) قرآن مجید، سورۃ الواقعہ آیت ۳۰
(۳) قرآن مجید، سورۃ الواقعہ آیت ۲۸
(۴) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۴۷۶ کتاب التفسیر

marfat.com

فصل ۱۵:

جنتیوں کا لباس، بچھونے، تخت، مسندیں اور خیمے

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ۔ (۱)

ان کو جنت میں سونے اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے اور اس میں ان کا لباس ریشم ہوگا۔

اس سلسلے میں بہت سی آیات آئی ہیں اور تفصیل احادیث میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ يَنْعَمْ لَا يَبْأَسُ لَا تَبْلَى ثِيَابُهُ وَلَا يَفْنَى شَبَابُهُ فِي الْجَنَّةِ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ۔ (۲)

جو شخص جنت میں داخل ہوگا اسے نعمت ملے گی نہ وہ محتاج ہوگا نہ اس کے کپڑے پرانے ہوں گے اور نہ اس کی جوانی ختم ہوگی جنت میں وہ کچھ ہے جسے کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی دل میں اس کا خیال گزرا۔

ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں جنتیوں کے لباس کے بارے میں بتایئے کیا وہ مخلوق ہوں گے جو پیدا کئے جائیں گے یا ان کو بُنا جائے گا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور لوگ حضرات ہنس پڑے آپ نے فرمایا اس بات پر ہنستے ہو کہ ایک بے علم نے علم والے سے سوال کیا پھر فرمایا وہ جنت کے پھلوں میں سے نکلیں گے۔ دو بار فرمایا۔ (۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلا گروہ جو جنت میں جائے گا ان کی شکلیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی وہ وہاں نہ تھوکیں گے نہ ناک صاف کریں گے نہ قضائے حاجت کے لیے بیٹھیں گے ان کے برتن اور کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی ان کا پسینہ کستوری ہوگا ان میں سے ہر ایک کے لیے دو بیویاں ہوں گی وہ اس قدر حسین ہوں گی کہ ان کی پنڈلیوں کا مغز گوشت کے اوپر سے نظر آتا ہوگا ان کے درمیان نہ اختلاف ہوگا اور نہ بغض، ان کے دل ایک دل کی طرح ہوں گے۔ وہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں گے (۴)

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حج آیت ۲۲

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۷۰ مرویات ابوہریرہ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۲۵ مرویات ابن عمرو

(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۷۹ کتاب الجنۃ

marfat.com

ایک روایت میں ہے ہر بیوی پر ستر لباس ہوں گے (۱)
ارشاد خداوندی ہے۔
یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۔(۲) ان کو سونے اور موتیوں کے کنگھن پہنائے جائیں گے۔
اس آیت کے ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے سروں پر تاج ہوں گے جن کا ادنیٰ موتی مشرق و مغرب کے درمیان کو روشن کر دے گا۔ (۳)
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
اَلْخَیْمَةُ دُرَّةٌ مُجَوَّفَةٌ طُوْلُهَا فِی السَّمَاءِ سِتُّوْنَ مِیْلًا فِیْ کُلِّ زَاوِیَةٍ مِنْهَا لِلْمُؤْمِنِ اَهْلٌ لَا یَرَاهُمُ الْاٰخَرُوْنَ ۔ (۴)
جنت کا خیمہ ایک موتی ہوگا جو اندر سے خالی ہوگا اس کی اونچائی آسمان کی طرف ساٹھ میل ہوگی اس کے ہر کونے میں مومن کی زوجہ ہوگی جس کو دوسری طرف والی دیکھ نہیں سکے گی۔
اس حدیث کو حضرت امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں خیمہ ایک ایسا موتی ہوگا جو اندر سے خالی ہوگا اور اس کا طول و عرض ایک ایک فرسخ (تین میل) ہوگا اور اس میں سونے کے چار ہزار دروازے ہوں گے۔
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قرآن مجید کی آیت۔
وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۔ (۵) اور بچھونے ہوں گے بلند کئے ہوئے۔
کی تفسیر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو بچھونوں کے درمیان آسمان و زمین کے درمیان جتنا فاصلہ ہوگا (۶)

فصل ۱۶:

جنتیوں کا کھانا

جنتیوں کا کھانا قرآن پاک میں مذکور ہے کہ وہ پھل، موٹے موٹے پرندے من سلویٰ، شہد، دودھ اور دیگر بے شمار

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۷۹ کتاب الجنۃ
(۲) قرآن مجید، سورۂ حج آیت ۲۳
(۳) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۴۲۷ کتاب التفسیر
(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۸۰ کتاب الجنۃ
(۵) قرآن مجید، سورۂ واقعہ آیت ۳۴
(۶) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۵۳۰ کتاب صفۃ الجنۃ

marfat.com

اقسام ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا۔ (۱)

جب بھی ان کو اس کے پھلوں میں سے رزق دیا جائے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا اور ان کو ملتا جلتا ملے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے مشروبات کا ذکر کئی مقامات پر کیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑا تھا کہ یہودیوں کے علماء میں سے ایک عالم وہاں آیا اور اس نے کئی سوالات ذکر کئے یہاں تک کہ اس نے کہا کہ پل صراط پر سب سے پہلے کون گزرے گا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فقراء مہاجرین "اس نے پوچھا جب وہ جنت میں جائیں گے تو ان کا تحفہ کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا مچھلی کے جگر کے کباب "اس نے پوچھا اس کے بعد ان کی غذا کیا ہوگی؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان کے لیے جنت کا بیل ذبح کیا جائے گا جو اس کے کناروں میں پھرتا تھا اس نے پوچھا ان کا مشروب کیا ہوگا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس چشمے سے ہوگا جس کو سلسبیل کہا جاتا ہے یہودی عالم نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہودیوں میں سے ایک شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے کہا اے ابوالقاسم! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ یہ خیال نہیں کرتے کہ جنت والے کھائیں گے اور پئیں گے۔ ادھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اگر انہوں نے اقرار کیا تو میں ان پر اعتراض کروں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ان میں ایک ایک کو ایک سو آدمیوں کے برابر کھانے پینے اور جماع کی طاقت دی جائے گی۔ یہودی نے کہا جو شخص کھاتا پیتا ہے اسے حاجت بھی ہوتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی حاجت پسینے کی شکل میں ہوگی جو ان کے چمڑوں سے کستوری کی طرح نکلے گا اور پیٹ اپنی جگہ پر آجائے گا۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّكَ لَتَنْظُرُ إِلَى الطَّيْرِ فِي الْجَنَّةِ فَتَشْتَهِيهِ

بے شک تم جنت میں ایک پرندے کو دیکھ کر اس کی خواہش

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۵

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۴۶ کتاب الحیض

(۳) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۵۲۵ کتاب صفۃ الجنۃ

marfat.com

فَيَخِرُّ بَيْنَ يَدَيْكَ مَشْوِيًّا۔ (۱) کروگے تو وہ بُھنا ہوا تمہارے سامنے گرے گا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ فِی الْجَنَّةِ طَيْرًا مِثْلَ الْبَخَاتِیِّ۔ جنت میں کچھ پرندے بختی اونٹ جیسے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ وہ کیا خوب ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا اس سے زیادہ اچھے تو ان کو کھانے والے ہیں اور اے ابوبکر آپ بھی ان کھانے والوں میں سے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ۔ (۲) ان پر جام گردش کریں گے

اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

ان (اہل جنت) پر سونے کے ستر پیالوں کا دور ہوگا ہر پیالے میں دوسرے پیالے سے مختلف رنگ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آیت کریمہ۔

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ۔ (۳) اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اصحاب یمین کے لیے اس میں ملاوٹ ہوگی اور مقربین خالص پئیں گے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا ارشاد خداوندی ہے۔

خِتَامُهٗ مِسْكٌ۔ (۴) اس کی مُہر کستوری کی ہوگی۔

کی تفسیر میں مروی ہے فرماتے ہیں وہ چاندی کی طرح سفید شراب ہوگی اور ان کی آخری شراب مہر لگائی ہوئی ہوگی اگر دنیا والوں میں سے کوئی اپنے ہاتھ کو اس میں داخل کر کے باہر نکالے تو ہر ذی رُوح کو اس کی خوشبو محسوس ہو۔

فصل ۱۴

حُور عین اور بچوں کی کیفیت

قرآن مجید میں ان کا وصف بار بار مذکور ہوا ہے اور احادیث مبارکہ میں ان کی زیادہ وضاحت کی گئی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۴۱۴ کتاب اہل الجنۃ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۲۱ مرویات انس

(۳) قرآن مجید، سورۂ زخرف آیت ۱۷

(۴) قرآن مجید، سورۂ تطفیف آیت ۲۷ (۵) قرآن مجید سورۂ تطفیف آیت ۲۶

marfat.com

اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک صبح کا ایک شام دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہے اور جنت میں تم میں سے کسی ایک کی کمان سے کوڑے سے مٹھی تک یا قدم رکھنے کی جگہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سے بہتر ہے اور اگر کوئی جنتی عورت زمین کی طرف جھانکے تو اسے روشن کر دے اور اس کے درمیان خوشبو ہی خوشبو پھیل جائے اور اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سے بہتر ہے (۱)

ارشاد خداوندی ہے۔

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۔ (۲) گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ وہ اس (حور) کے چہرے کو اس کی چادر کے اوپر سے دیکھے گا تو وہ شیشے سے زیادہ صاف ہوگا اور اس کے اوپر کا ادنیٰ موتی مشرق و مغرب کے درمیان کو روشن کر دے گا اس کے اوپر ستر کپڑے ہوں گے لیکن ان سے نگاہ پار ہو جائے گی حتی کہ وہ ان کے اوپر سے اس (حور) کی پنڈلی کا مغز دیکھ لے گا۔ (۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مجھے معراج کرایا گیا تو میں جنت کے ایک مقام میں داخل ہوا جس کو بیدخ کہا جاتا ہے وہاں موتیوں، سبز زبرجد اور سرخ یاقوت کے خیمے ہیں (وہاں) حوروں نے کہا "السلام علیک یا رسول اللہ" میں نے پوچھا اے جبریل! یہ کیسی آواز ہے! انہوں نے عرض کیا یہ (حوریں ہیں جو) خیموں میں قیام پذیر ہیں انہوں نے آپ پر سلام پیش کرنے کے لیے اپنے رب سے اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اجازت دے دی تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ہم راضی ہونے والی ہیں پس ہم کبھی ناراض نہ ہوں گی ہم یہاں ہمیشہ رہیں گی یہاں سے کبھی نہیں جائیں گی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (۴)

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ۔ (۵) یہ حوریں پردہ دار خیموں میں ہوں گی۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۔ (۶) اور نیک بیویاں ہوں گی۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۷۲ کتاب الرقاق

(۲) قرآن مجید، سورۂ رحمٰن آیت ۵۸

(۳) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۵۰۴ کتاب التفسیر

(۴) الدر المنثور جلد ۶ ص ۱۵۱ تحت آیت حور مقصورات فی الخیام

(۵) قرآن مجید، سورۂ رحمٰن آیت ۷۲ (۶) قرآن مجید سورۂ آل عمران ۱۵

marfat.com

حضرت مجاہد رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ حیض، قضائے حاجت پیشاب، تھوک، رینٹھ، مادہ منویہ اور اولاد سے پاک ہوں گی ارشاد خداوندی ہے۔

فِیْ شُغُلٍ فٰکِهُوْنَ۔ (۱) وہ اپنے کام سے لطف اندوز ہوں گے۔

ان کا کام پردۂ بکارت کو زائل کرنا ہوگا۔

ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا اہل جنت جماع کریں گے آپ نے فرمایا ان میں سے ایک ایک کو ایک دن میں تمہارے ستر افراد سے زیادہ قوت دی جائے گی۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جنتیوں میں سے سب سے کم درجہ والا شخص وہ ہوگا جس کے ساتھ ایک ہزار خادم جائیں گے اور ہر خادم کو رنگ رنگ ذمہ داری سونپی جائے گی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اہل جنت میں سے ایک شخص پانچ سو حوروں چار ہزار کنواری لڑکیوں اور آٹھ ہزار شادی شدہ سے نکاح کرے گا وہ ان میں سے ہر ایک سے اتنی مدت گلے ملے گا جس قدر دنیا میں اس نے زندگی گزاری ہے (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

جنت میں ایک بازار ہوگا جس میں خرید و فروخت نہیں ہوگی البتہ مردوں اور عورتوں کی تصویریں ہوں گی جب کوئی شخص کسی صورت کی خواہش کرے گا تو اس بازار میں داخل ہو جائے گا وہاں حوروں کا اجتماع ہوگا وہ آواز بلند کریں گی اور ایسی آواز مخلوق نے کبھی نہ سنی ہوگی وہ کہیں گی ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں ہم ناز و نعمت والی ہیں کبھی مایوس نہ ہوں گی ہم راضی رہنے والی ہیں کبھی ناراض ہوں گی۔ پس اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جو ہمارے لیے ہے اور ہم اس کے لیے ہیں (۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی حوریں یہ گانا گائیں گی کہ ہم خوبصورت حوریں ہیں جو معزز جوڑوں کے لیے چھپا کر رکھی گئی ہیں۔ (۵)

ارشاد خداوندی ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ یٰسین آیت ۵۵

(۲) کنز العمال جلد ۱۴ ص ۴۸۵ حدیث ۳۹۳۶۲

(۳) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۵۳۲ کتاب صفۃ الجنۃ

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد اوّل ص ۱۵۶

(۵) مجمع الزوائد، جلد ۱۰ ص ۴۱۹ کتاب اہل الجنۃ

marfat.com

فِیْ رَوْضَةٍ یُّحْبَرُوْنَ ۔ (۱)

باغ میں مسرور اور محترم ہوں گے۔

حضرت یحییٰ بن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ اس سے مراد جنت میں سننا ہے۔

حضرت ابوامامہ باھلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَامِنْ عَبْدٍ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا وَیَجْلِسُ عِنْدَ رَأْسِهٖ وَعِنْدَ رِجْلَیْهِ ثِنْتَانِ مِنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ یُغَنِّیَانِهٖ بِاَحْسَنِ صَوْتٍ سَمِعَهُ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ وَلَیْسَ بِمِزْمَارِ الشَّیْطَانِ وَلٰکِنْ بِتَحْمِیْدِ اللّٰهِ وَتَقْدِیْسِهٖ۔ (۲)

جو شخص بھی جنت میں جائے گا اس کے سرہانے اور پاؤں کی طرف دو حوریں بیٹھیں گی وہ اسے ایسی اچھی آواز کے ساتھ گائیں گی جو کسی انسان یا جن نے سنی ہو لیکن وہ (آواز) شیطانی آلہ لہو نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور پاکیزگی بیان ہوگی۔

فصل ۱۸:

اہلِ جنت کے مختلف اوصاف سے متعلق احادیثِ مبارکہ

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا۔
کیا کوئی شخص جنت کے لیے آمادہ ہے جنت کے لیے کوئی خطرہ نہیں رب کعبہ کی قسم! یہ ایک چمکتا ہوا نور ہے اور خوشبو ہے جو پھیلتی ہے مضبوط محل ہے جاری نہر ہے بہت زیادہ پکے ہوئے پھل ہیں خوبصورت بیویاں ہیں جو ناز و نعمت میں ہیں دائمی مقام میں نعمت ہے نیز بلند محفوظ اور خوبصورت مکان میں تر و تازگی ہے۔
صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم اس کے لیے آمادہ اور تیار ہیں آپ نے فرمایا ان "شاء اللہ تعالیٰ" کے الفاظ بھی کہو پھر آپ نے جہاد کا ذکر کیا اور اس کی ترغیب دی۔ (۳)
ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے یہ مجھے پسند ہیں آپ نے فرمایا اگر تم وہاں گھوڑے پسند کرو گے تو تمہیں سرخ یاقوت کے گھوڑے دیئے جائیں گے جو تمہیں جنت میں اڑا کر وہاں لے جائیں گے جہاں تم چاہو گے۔
ایک دوسرے شخص نے عرض کیا مجھے اونٹ پسند ہیں کیا جنت میں اونٹ ہوں گے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) قرآن مجید، سورہ روم آیت ۱۵
(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۱۱۳ حدیث ۷۴۷۸
(۳) سنن ابن ماجہ ص ۳۲۱، ابواب الزھد

marfat.com

فرمایا اے بندۂ خدا! اگر تم جنت میں چلے گئے تو تجھے وہاں وہ کچھ ملے گا جو تم چاہو گے اور جس سے تمہاری آنکھوں کو لذت حاصل ہو گی۔ (۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی آدمی کے لیے ی طرح بچہ پیدا ہو گا جیسے وہ چاہے گا اس کا حمل، بچے کی پیدائش اور اس کی جوانی ایک ہی ساعت میں ہو جائے گی (۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جب جنتی جنت میں ٹھہر جائیں گے اور بھائی اپنے بھائی (اور دوست اپنے دوست) سے ملنا چاہے گا تو اس کا تخت ں کے تخت کی طرف چلے گا اور وہ آپس میں ملاقات کریں گے اور دنیا میں ان کے درمیان جو گفتگو ہوتی تھی وہ باتیں کریں ے وہ کہے گا اے میرے بھائی! فلاں دن فلاں مجلس کا واقعہ یاد کرو کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اس نے ہمیں ش دیا۔ (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جنتی جسم سے ننگے بے ریش، سفید قریب قریب ہوں گے سرمہ لگا ہوا اور تیس سال کی عمر کے ہوں گے اور وہ آدم السلام کی طرح ہوں گے کہ ان کی لمبائی ساٹھ ہاتھ اور چوڑائی سات ہاتھ ہو گی۔ (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

سب سے کمتر جنتی کے لیے اسی ہزار خادم اور بہتر بیویاں ہوں گی ان کے لیے موتیوں، زبرجد اور یاقوت کا خیمہ ہو گا وہ اتنا بڑا ہو گا جتنا فاصلہ مقام جابیہ سے صنعاء تک ہے اور ان (کے سروں) پر تاج ہوں گے جن کا ادنیٰ موتی مشرق و ب کے درمیان کو روشن کر دے گا (۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

میں نے جنت کی طرف دیکھا تو وہاں ایک انار دانہ تھا جو اس اونٹ کے پچھلے حصے کی طرح ہو گا جس پر کجاوہ رکھا گیا ہو ں کے پرندے بختی اونٹ جیسے تھے وہاں ایک لونڈی تھی میں نے پوچھا اے لونڈی! تو کس کے لیے ہے؟ اس نے کہا

---

(۱) الدر المنثور جلد ۶ ص ۲۳ تحت آیۃ وفیہا ما تشتہیہ الانفس

(۲) ایضاً

(۳) حلیۃ الاولیاء جلد ۸ ص ۹۴ ترجمہ ۳۹۵

(۴) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۵۰۰ کتاب صفۃ الجنۃ

(۵) مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۹ کتاب الفتن

marfat.com

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے، اور جنت میں ایسی نعمتیں ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا خیال پیدا ہوا۔ (۱)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا تورات کو اپنے دست قدرت سے لکھا اور جنت کو اپنے دست قدرت سے قائم کیا پھر کہا کہ کلام کر تو اس نے کہا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (۲) تحقیق ایمان والوں نے کامیابی حاصل کی۔

تو یہ جنت کی صفات ہیں جو ہم نے اجمالی طور پر اور تفصیل سے ذکر کی ہیں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے ایک خلاصہ تحریر فرمایا ہے آپ فرماتے ہیں بے شک اس (جنت) کے انار ڈولوں جتنے ہیں اور اس کی نہروں میں پانی بھی ہے جو کبھی نہیں بدلے گا اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ بدلتا نہیں صاف شہد کی نہریں ہیں کہ لوگ اس کی صفت بیان نہیں کر سکتے۔ کچھ نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کے لیے لذت کا باعث ہے نہ اس سے عقل زائل ہوگی اور نہ اس سے سروں میں درد ہوگا اور جنت میں ایسی ایسی نعمتیں ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال پیدا ہوا خوش عیش بادشاہ ہوں گے سب کی عمریں ایک جیسی ہوں گی یعنی تینتیس سال کے ہوں سب کی لمبائی ساٹھ ہاتھ ہوگی ہمرمہ لگا ہوا ہوگا، جسم ننگا ہوگا اور بے ریش ہوں گے عذاب سے محفوظ ہوں گے اور اس گھر میں مطمئن ہوں گے جنت کی نہریں یاقوت اور زبرجد کی چھوٹی کنکریوں پر جاری ہوں گی ان درختوں کی جڑیں، شاخیں اور بیلیں موتیوں کی ہوں گی اور ان کے پھلوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ان کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے سونگھی جائے گی اور ان (اہل جنت) کے لیے وہاں تیز چلنے والے گھوڑے اور اونٹ ہوں گے ان کے کجاوے، لگامیں اور زین یاقوت کی ہوں گی وہ وہاں ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے ان کی بیویاں حوریں ہوں گی گویا وہ شترمرغ کے انڈوں کی طرح گرد و غبار سے محفوظ ہیں اور وہاں کی عورت اپنی دو انگلیوں کے درمیان ستر قیمتی لباس پکڑ کر ان کو پہنے گی پس اس کی پنڈلی کا مغز ان ستر لباسوں کے اوپر سے نظر آئے گا اللہ تعالیٰ اخلاق کو برائی سے اور جسموں کو موت سے پاک کر دے گا وہ وہاں ناک صاف نہیں کریں گے نہ پیشاب کریں گے اور نہ قضائے حاجت کے لیے بیٹھیں گے بلکہ خوشبودار ڈکار آئے گا اور ان کو وہاں صبح و شام رزق ملے گا۔ لیکن وہاں رات کا آنا جانا نہیں ہوگا کہ شام کے بعد صبح اور صبح کے بعد شام ہو ان میں سے جو سب سے آخر میں جنت میں جائے گا اور جس کا سب سے کم مرتبہ ہوگا اس کی حد نگاہ اور حکومت ایک سو سال کی مسافت تک ہوگی اور یہ ایک ایسا محل ہوگا جو سونے اور چاندی سے بنا ہوگا نیز موتیوں کے خیمے ہوں گے اور اس کی نگاہ کو کھول دیا جائے گا حتی کہ وہ

---

(۱) تاریخ ابن عساکر جلد ۵ ص ۲۶۴ ترجمہ زید بن حارثہ

(۲) قرآن مجید سورۃ مومنون آیت ۱

marfat.com

اس محل کے آخر کو اسی طرح دیکھے گا جس طرح اس کے قریب کو دیکھے گا صبح و شام ان کے سامنے سونے کے ستر ستر ہزار پیالے پیش کئے جائیں گے ہر پیالے میں مختلف رنگ کا کھانا ہوگا اور آخری پیالے کا ذائقہ پہلے پیالے کی طرح ہوگا اور جنت میں ایسا یاقوت ہوگا جس میں ستر ہزار مکانات ہوں گے ہر مکان میں ستر ہزار کمرے ہوں گے اور ان میں کوئی پھٹن یا سوراخ نہیں ہوگا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جنت میں سب سے کم درجے والا شخص وہ ہوگا جو اپنے ملک میں ایک ہزار سال چلے گا وہ ہی سے دُور والے حصے کو اس طرح دیکھے گا جس طرح قریب والے کو دیکھتا ہے اور سب سے بلند درجے والا شخص صبح و شام اپنے رب کی زیارت کرے گا۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر جنتی کے ہاتھ میں تین کنگن ہوں گے ایک کنگن سونے کا دوسرا کنگن موتیوں کا اور تیسرا کنگن چاندی کا ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنت میں ایک حور ہے جسے عینا کہا جاتا ہے جب وہ چلتی ہے تو اس کے دائیں بائیں ستر ہزار لونڈیاں چلتی ہیں اور وہ کہتی ہے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے والے لوگ کہاں ہیں؟

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دنیا کو چھوڑنا مشکل ہے لیکن جنت کو چھوڑنا زیادہ مشکل ہے اور دنیا کو چھوڑنا آخرت کی مہر ہے۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ دنیا کو طلب کرنے میں نفس کی ذلت ہے جب کہ طلبِ آخرت میں نفس کی عزت ہے تو اس شخص پر تعجب ہے جو فنا ہونے والی چیز کی طلب میں ذلت اختیار کرے اور باقی رہنے والی چیز کی طلب میں عزت کو چھوڑ دے۔

فصل ۱۹:

اللہ تعالیٰ کی زیارت اور دیدار

ارشاد خداوندی ہے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ - (۱) نیکیاں کرنے والوں کے لیے اچھا اجر اور زائد بھی ہے۔

اور یہ زائد بات اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے جو بہت بڑی لذت ہے اس میں جنت کی آسائش بھول جاتی ہے اس کی حقیقت ہم محبت کے بیان میں ذکر کی ہے اور اس پر قرآن و سنت سے دلائل گواہ ہیں جب کہ اہل بدعت کا عقیدہ اس کے خلاف ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے چودھویں رات کا چاند دیکھا تو فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ یونس آیت ۲۶

marfat.com

إِنَّكُمْ تَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّوْنَ فِي رُؤْيَتِهٖ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوْا عَلٰى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا۔

بے شک تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو اس کے دیکھنے میں کوئی شک نہ ہوگا اگر تم سے ہو سکے کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے کی نماز (فجر کی نماز) اور غروب آفتاب سے پہلے کی نماز (عصر کی نماز) سے نہ تھکو تو ان کو ادا کیا کرو۔

پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا۔ (۱)

اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرو طلوعِ آفتاب سے پہلے اور غروب سے پہلے۔

صحیح بخاری و مسلم میں یہ حدیث بیان ہوتی ہے۔ (۲)

حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (صحیح مسلم) میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ۔ (۳)

نیکی کرنے والوں کے لیے اچھا بدلہ بھی ہے اور زائد بھی۔

پھر فرمایا۔

جب جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں چلے جائیں گے تو ایک ندا دینے والا پکارے گا اے اہل جنت! تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک وعدہ ہے وہ چاہتا ہے کہ اسے تم سے پورا کرے وہ کہیں گے کون سا وعدہ ہے؟ کیا ہمارے نیکیوں کے پلڑے کو بھاری نہیں کیا گیا؟ ہمارے چہروں کو سفید نہیں کیا گیا؟ کیا ہمیں جنت میں داخل اور جہنم سے بچایا نہیں گیا؟ آپ نے فرمایا پس پردہ اٹھایا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے تو دیدار الٰہی سے بڑھ کر انہیں کچھ نہیں ملے گا (۴)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے دیدار خداوندی سے متعلق حدیث مروی ہے اور یہ بہت بڑا اجر اور انتہائی درجہ کی نعمت ہے اور ہم نے جس قدر لذتوں کا ذکر کیا ہے اس نعمت کے مقابلے میں وہ سب بھول جاتی ہیں اور اہل جنت

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ طٰہٰ آیت ۱۳۰

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۹، مرویات ابو سعید خدری

(۳) قرآن مجید، سورۂ یونس آیت ۲۶

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۳۲ مرویات صہیب

marfat.com

جب ملاقاتِ خداوندی کا شرف حاصل کریں گے تو ان کے سُرور کی کوئی انتہا نہ ہو گی بلکہ جتنی لذتوں میں سے کسی چیز کو لذتِ
ملاقات سے کوئی نسبت نہیں ہم نے یہاں اختصار سے کام لیا کیوں کہ ہم یہ بات محبت، شوق اور رضا کے بیان میں
تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں پس اپنے مولیٰ کی ملاقات کے سوا کسی نعمت کی طرف بندہ متوجہ نہ ہو کیوں کہ جنت کی باقی نعمتوں میں
جانور بھی انسان کے ساتھ شریک ہیں جو چراگاہوں میں چرتے ہیں۔

خاتمہ۔ رحمت خداوندی کی وسعت

ہم اس کتاب کا خاتمہ نیک فالی کے طور پر رحمت خداوندی کی وسعت کے بیان پر کرتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نیک فال لینے کو پسند فرماتے تھے (۱)

اور ہمارے پاس اس قدر اعمال نہیں ہیں کہ ہمیں بخشش کی امید ہو پس ہم نیک فال لینے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
اقتدا کرتے ہیں۔ اور امید رکھتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں ہماری عاقبت بہتر ہو جیسا کہ ہم نے کتاب کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے
بیان پر مکمل کیا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کوئی شریک ٹھہرایا جائے لیکن اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا إِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

آپ فرما دیجئے اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفس پر زیادتی کی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

نیز ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ

اور جو شخص برا عمل کرے یا اپنے نفس پر زیادتی کرے پھر

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۳۲ مرویات ابوہریرہ
(۲) قرآن مجید، سورۃ النساء آیت ۴۸
قرآن مجید، سورۃ زمر آیت ۵۳

marfat.com

يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ (۱) اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔

اور ہم اللہ تعالیٰ سے قدم کی ہر پھسلن اور قلم کی ہر لغزش سے جو اس کتاب میں واقع ہوئی یا ہماری باقی کتب میں واقع ہوئی، بخشش کے طالب ہیں۔ ہم اپنے ان اقوال کے لیے بھی طالبِ بخشش ہیں جو ہمارے اعمال کے موافق نہیں نیز ہم نے جس علم و دینی بصیرت کا دعویٰ اور اظہار کیا لیکن اس میں کوتاہی واقع ہوئی اس کے لیے بھی بخشش طلب کرتے ہیں اور ہم ہر اس علم اور عمل سے اللہ تعالیٰ کی بخشش کے طلب گار ہیں کہ ہم نے اس سے اسی ذات کریم کی رضا کا ارادہ کیا لیکن پھر اس میں ملاوٹ ہو گئی اور ہم ہر اس وعدے کے سلسلے میں بھی بخشش مانگتے ہیں جو وعدہ ہم نے اپنے آپ سے کیا پھر اس کو پورا کرنے میں کوتاہی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے جو نعمت ہمیں عطا فرمائی اور ہم نے اسے گناہوں میں استعمال کیا اس کے لیے بھی بخشش طلب کرتے ہیں اور ہم بخشش کے طلب گار ہیں ہر اس واضح اشارے کے بارے میں جو ہم نے کسی کوتاہی کرنے والے کی طرف کیا جب کہ ہم خود اس میں مبتلا تھے۔ اور ہر اس خطرے کے سلسلے میں بخشش طلب کرتے ہیں جس نے ہمیں تکلف اور بناوٹ کی طرف بلایا اور ہم نے لوگوں کے لیے اس کتاب کی تحریر میں اختیار کیا یا کلام لکھنے یا تعلیم و تعلم کے سلسلے میں ہم نے تکلف سے کام لیا اور ہم اس تمام استغفار کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے، اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے اسے لکھنے اور سننے والے کے لیے امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مغفرت، رحمت اور ظاہری و باطنی گناہوں سے درگزر کے ذریعے ہم پر کرم فرمائے کیوں کہ اس کا کرم عام اور رحمت وسیع ہے اور تمام مخلوق پر اس کے جود و سخا کا فیضان ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہیں اس ذات کریم تک پہنچنے کا ایک ہی وسیلہ رکھتے ہیں اور وہ اس کا فضل و کرم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى مِائَةَ رَحْمَةٍ اَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَاحِدَةً بَيْنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ وَالْبَهَائِمِ وَالْهَوَامِّ فَبِهَا يَتَعَاطَفُوْنَ وَبِهَا يَتَرَاحَمُوْنَ وَاَخَّرَ تِسْعًا وَّتِسْعِيْنَ رَحْمَةً يَرْحَمُ بِهَا عِبَادَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک سو رحمتیں ہیں جن میں سے ایک رحمت اس نے جنوں، انسانوں پرندوں، جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں کے درمیان رکھی ہے اسی کے ذریعے وہ ایک دوسرے پر رحمت اور مہربانی کرتے ہیں اور ننانوے رحمتوں کو روک کر رکھا ہے ان کے ذریعے قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔

روایات میں آتا ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ عرش کے پیچھے سے ایک کتاب نکالے گا جس میں یوں تحریر ہوگا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۱۱۰

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۵۶ کتاب التوبہ

marfat.com

اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ وَاَنَا اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔

بے شک میری رحمت، میرے غضب پر غالب آگئی اور میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہوں۔

تو اللہ تعالیٰ جنتیوں کے برابر جہنم سے نکالے گا۔ (۲)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مسکراتے ہوئے (جیسا اس کے شایانِ شان ہے) تجلی فرمائے گا (۲) اور ارشاد فرمائے گا مسلمانوں کی جماعت تمہیں خوشخبری ہو میں نے تم میں سے ہر ایک کی جگہ جہنم میں یہودی یا عیسائی کو بھیج دیا ہے (۳)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یُشَفِّعُ اللّٰہُ تَعَالٰی اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنْ جَمِیْعِ ذُرِّیَّتِہٖ فِیْ مِائَۃِ اَلْفِ اَلْفٍ وَعَشَرَۃِ آلَافِ اَلْفٍ۔ (۴)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی شفاعت ان کی اولاد سے ایک لاکھ اور ایک کروڑ کے بارے میں قبول فرمائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مومنوں سے پوچھے گا کہ کیا تمہیں میری ملاقات پسند ہے! وہ کہیں گے ہاں اے ہمارے رب! وہ فرمائے گا کیوں وہ جواب دیں گے ہم نے تیری طرف سے عفو و درگزر اور تیری مغفرت کی امید رکھی اللہ تعالیٰ فرمائے گا پس میں نے تمہارے لیے اپنی مغفرت کو واجب کر دیا۔ (۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَکَرَنِیْ یَوْمًا اَوْ خَافَنِیْ فِیْ مَقَامٍ۔ (۶)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا جس شخص نے مجھے ایک دن بھی یاد کیا یا کسی مقام پر مجھ سے ڈرا اسے جہنم سے نکال دو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۵۶ کتاب التوبہ

(۲) کنز العمال جلد ۱۴ ص ۴۴۸ حدیث ۳۹۲۱۱

(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۶۰ کتاب التوبہ

(۴) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۴۴۵ کتاب البعث

(۵) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۲۶۸ کتاب التوبۃ

(۶) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۲۶۱ کتاب التوبۃ

marfat.com

جب تمام جہنمی جہنم میں جمع ہو جائیں گے اور ان کے ساتھ اہل قبلہ میں سے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کفار، مسلمانوں سے پوچھیں گے کیا تم مسلمان نہیں تھے؟ وہ جواب دیں گے ہاں کیوں نہیں وہ پوچھیں گے تو تمہیں تمہارے اسلام نے کوئی فائدہ نہ دیا کہ تم ہمارے ساتھ جہنم میں ہو وہ کہیں گے ہم نے گناہوں کا ارتکاب کیا اسی وجہ سے ہمارا مواخذہ ہوا اللہ تعالیٰ ان کی بات سن کر فرمائے گا کہ جو لوگ اہل قبلہ (مسلمان) ہیں ان کو نکال دو پس ان کو نکال دیا جائے گا جب کفار یہ بات دیکھیں گے تو کہیں گے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے پس ان کی طرح ہم بھی نکلتے۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ پڑھی (۱)

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ (۲)

بہت سے کفار (عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد) آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَللّٰهُ اَرْحَمُ بِعَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنَ الْوَالِدَةِ الشَّفِيْقَةِ بِوَلَدِهَا۔ (۳)

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے پر بچے کی شفیق ماں سے بھی زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قیامت کے دن جس شخص کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں گی وہ بغیر حساب کے جنت میں جائے گا۔ اور جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر برابر ہوں گی اس کا حساب آسان ہوگا پھر جنت میں داخل کیا جائے گا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ان لوگوں کے لیے ہوگی جنہوں نے (دنیا میں) اپنے آپ کو ہلاک کیا اور ان کی پیٹھ پر بوجھ ہے۔

ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اے موسیٰ! قارون نے آپ سے مدد مانگی تو آپ نے اس کی مدد کیوں نہیں کی مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم اگر وہ مجھ سے مدد مانگتا تو میں اس کی مدد بھی کرتا اور اسے معاف بھی کر دیتا۔

حضرت سعد بن بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قیامت کے دن دو آدمیوں کو جہنم سے نکالنے کا حکم ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ تمہارے ان اعمال کا بدلہ ہے جو تم نے آگے بھیجے اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ جہنم میں بھیجنے کا حکم دے گا ان میں سے ایک تیز تیز چلے گا حتیٰ کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے گا اور

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۴۲۲ کتاب التفسیر

(۲) قرآن مجید سورۃ الحجر آیت ۲

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۸۷ کتاب الادب

marfat.com

دوسرا دیر لگائے گا ان کو دوبارہ لانے کا حکم دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ ان سے ان کے اس فعل کے بارے میں پوچھے گا تو وہ جو جہنم کی طرف تیزی سے گیا ہوگا وہ کہے گا مجھے نافرمانی کے وبال سے ڈرایا گیا تو میں دوبارہ تیری ناراضگی مول لینا نہیں چاہتا اور جس نے دیر لگائی ہوگی وہ کہے گا میرا تیری ذات کے بارے میں اچھا گمان تھا کہ جب تو نے مجھے جہنم سے نکال دیا تو اب دوبارہ نہیں بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت میں جانے کا حکم دے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يُنَادِي مُنَادٍ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ أَمَّا مَا كَانَ لِي قِبَلَكُمْ فَقَدْ وَهَبْتُهُ لَكُمْ وَبَقِيَتِ التَّبِعَاتُ فَتَوَاهَبُوهَا وَادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِي۔

(۱)

قیامت کے دن عرش کے نیچے ایک منادی آواز دے گا اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم! سنو! میرا جو حق تمہارے ذمہ تھا وہ میں نے معاف کر دیا اب ایک دوسرے کے حقوق باقی رہ گئے تو تم ایک دوسرے کو معاف کر کے میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک اعرابی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا۔

وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا۔

(۲)

اور تم، جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا۔

اعرابی نے کہا اللہ کی قسم! وہ تمہیں اس سے نہیں بچائے گا جب کہ وہ تمہیں ڈالنا چاہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بے سمجھ آدمی کی بات سنو (کیا کہہ رہا ہے) حضرت صنابحی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ مرض الموت کی حالت میں تھے میں رو پڑا تو انہوں نے فرمایا رک جاؤ کیوں روتے ہو؟ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بھی حدیث سنی ہے اور اس میں تمہارے لیے بھلائی ہے وہ میں نے تم سے بیان کر دی لیکن ایک حدیث باقی رہ گئی میں آج ہی وہ بھی بیان کر دوں گا کیوں کہ میرا نفس گھیر لیا گیا ہے میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ النَّارَ۔

(۳)

جس شخص نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے اس پر جہنم کو حرام کر دیا۔

---

(۱)

(۲) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۰۳

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۳ کتاب الایمان

marfat.com

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ میری امت کے یک آدمی کو قیامت کے دن لوگوں کے سامنے لائے گا پس اس پر ننانوے رجسٹر کھولے گا ہر رجسٹر حد نگاہ تک ہو گا پھر فرمائے گا کیا تو اس میں سے کسی بات کا انکار کرتا ہے! کیا میرے محافظ لکھنے والے فرشتوں نے تجھ پر ظلم کیا! وہ ہے گا اے میرے رب (ظلم) نہیں کیا فرمائے گا کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؛ وہ کہے گا نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ رمائے گا ہاں میرے پاس تمہاری ایک نیکی ہے اور آج تم پر کوئی ظلم نہیں ہو گا پس وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالے گا جس میں کلمہ ہادت لکھا ہوا ہو گا وہ کہے گا اے میرے رب! ان بڑے بڑے رجسٹروں کے مقابلے میں اس پرچے کی کیا حیثیت ہے ہ تعالیٰ فرمائے گا تجھ پر ظلم نہیں ہو گا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس یہ رجسٹر ایک پلڑے میں اور وہ پرچہ دوسرے ے میں رکھا جائے گا پس رجسٹروں والا پلڑا ہلکا اور پرچے والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ئی چیز وزنی نہیں ہوتی۔ (۱)

ایک طویل حدیث جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت اور پل صراط کی کیفیت بیان فرمائی، کے ضمن میں فرمایا۔

اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ جس کے دل میں ایک دینار کی مثل بھی بھلائی پاؤ اسے جہنم سے نکال دو پس وہ بہت ی مخلوق کو نکالیں گے پھر کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے جن جن لوگوں کے بارے میں فرمایا ہم نے ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا پھر فرمائے گا واپس جاؤ جس کے دل میں نصف دینار کے برابر بھلائی پاؤ اس کو نکال دو پس وہ بہت ی مخلوق کو نکالیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے جن لوگوں کو نکالنے کا حکم دیا ہم نے ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا اللہ تعالیٰ پھر فرمائے گا جاؤ پس جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی بھلائی پاؤ اسے نکال دو پس وہ بہت سے لوگوں کو نکالیں گے پھر کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے جن لوگوں کو نکالنے کا حکم دیا ہم نے ان میں سے کسی کو بھی باقی نہیں چھوڑا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے اگر تم اس حدیث کے سلسلے میں میری تصدیق نہیں کرتے تو اگر چاہو تو یہ یت پڑھ لو۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں کرے گا اور اگر ایک نیکی ہو گی تو اسے بڑھا دے گا اور اپنی طرف سے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۱۳ مرویات عبداللہ بن عمرو۔

(۲) قرآن مجید، سورۃ النساء آیت ۴۰

marfat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا فرشتوں نے سفارش کی، نبیوں نے شفاعت کی اور مومنوں نے سفارش کی اب صرف سب سے زیادہ رحم کرنے والی ذات باقی رہ گئی ہے پس وہ اس سے ایک مٹھی بھرے گا اور جہنم سے ایسے لوگوں کو نکال دے گا جنہوں نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی ہوگی جو کوئلہ بن چکے ہوں گے وہ ان کو جنت کے سامنے والی نہر میں ڈالے گا جس کو نہر حیات کہتے ہیں وہ اس سے اس طرح نکلیں گے جیسے سیلاب کے لائے ہوئے کوڑے کرکٹ میں سبزہ اگتا ہے کیا تم اسے نہیں دیکھتے جو پتھر اور درخت سے ملا ہوتا ہے وہ زرد اور سبز ہوتا اور جو سایہ کی طرف ہوتا ہے وہ سفید ہوتا ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (ایسا معلوم ہوتا ہے) گویا آپ جنگل میں چرایا کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ موتیوں کی طرح باہر آئیں گے ان کی گردنوں میں مہریں ہوں گی اہل جنت ان کو پہچان لیں گے وہ کہیں گے یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کئے ہوئے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے کسی عمل کے بغیر جنت میں داخل کیا اور نہ ہی انہوں نے کوئی نیکی آگے بھیجی پھر فرمائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ جو کچھ دیکھ رہے ہو وہ سب کچھ تمہارا ہے وہ کہیں گے یا اللہ تو نے ہمیں وہ چیز دی ہے جو تو نے کسی کو نہیں دی اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے پاس تمہارے لیے اس سے بھی بہتر ہے وہ کہیں گے اے ہمارے رب! اس سے بہتر کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ میری رضا ہے جو تمہیں حاصل ہوئی میں کبھی بھی تم پر ناراض نہیں ہوں گا (۱)

اس حدیث کو حضرت امام بخاری اور حضرت امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا مجھ پر تمام امتیں پیش کی گئیں کسی نبی کے ساتھ ایک شخص تھا کسی کے ساتھ دو، کسی نبی کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا اور کسی نبی کے ہمراہ ایک جماعت تھی پھر میں نے ایک جمِ غفیر دیکھا مجھے امید تھی کہ وہ میری امت ہوگی مجھے کہا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم سے پھر مجھے کہا گیا کہ دیکھئے میں نے ایک بہت بڑا اجتماع دیکھا جس نے افق کو گھیر رکھا تھا مجھے کہا گیا اسی طرح دیکھئے تو میں نے بہت بڑی جماعت دیکھی مجھ سے کہا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار مزید ہیں جو کسی حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے ـــــ اس کے بعد صحابہ کرام جدا ہو گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے وضاحت نہ فرمائی صحابہ کرام کی باہم گفتگو ہوئی تو انہوں نے کہا ہم لوگ تو شرک کے ماحول میں پیدا ہوئے لیکن ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تو وہ لوگ ہماری اولاد ہوگی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر بات پہنچی تو آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو (بلا ضرورت) داغ نہیں لگواتے نہ (شرکیہ کلمات سے) دم جھاڑ کرتے ہیں اور نہ بدفالی لیتے ہیں اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کر دے آپ

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۰۲، ۱۰۳ کتاب الایمان

marfat.com

نے فرمایا آپ ان میں سے ہیں پھر ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا اور حضرت عکاشہ کی طرح عرض کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"عکاشہ تم سے سبقت لے گئے" (۱)

حضرت عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے تین دن غائب رہے
آپ صرف فرض نماز کے لیے باہر تشریف لاتے پھر واپس چلے جاتے جب چوتھا دن ہوا تو آپ ہمارے پاس باہر تشریف
لائے ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم سے روکے گئے حتی کہ ہم نے خیال کیا شاید کوئی واقعہ پیش
آگیا ہے آپ نے فرمایا اچھا واقعہ ہی پیش آیا ہے بے شک میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ وہ میری امت
میں سے ستر ہزار افراد کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کرے گا اور میں نے ان تین دنوں میں زیادہ کا سوال کیا تو میں نے
اپنے رب کو بزرگی والا ہر چیز کا مالک اور کریم پایا پس اس نے مجھے ان ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار عطا فرمائے
فرمایا میں نے عرض کیا اے میرے رب! میری امت اس تعداد کو پہنچے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں آپ کے لیے اعراب (عربی
دیہاتی) سے تعداد پوری کر دوں گا (۲)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام حرہ (پتھریلی زمین)
کی جانب میرے لیے ظاہر ہوئے اور فرمایا اپنی امت کو خوشخبری دیں کہ جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی
کو شریک نہیں ٹھہراتا وہ جنت میں داخل ہوگا میں نے کہا اے جبریل! اگرچہ وہ چوری کرے اگرچہ زنا کا مرتکب ہو حضرت جبریل
علیہ السلام نے جواب دیا جی ہاں اگرچہ چوری کرے اگرچہ زنا کرے میں نے کہا اگرچہ چوری کرے اگرچہ زنا کرے جواب دیا
اگرچہ چوری کرے اگرچہ زنا کرے میں نے کہا اگرچہ چوری کرے اگرچہ زنا کرے انہوں نے جواب دیا اگرچہ چوری کرے اگرچہ
زنا کرے اگرچہ شراب پیئے۔ (۳)

(مطلب یہ ہے کہ اگرچہ یہ گناہ کبیرہ ہیں لیکن چونکہ یہ شخص مسلمان ہے لہذا اگر اللہ تعالیٰ نے اسے معاف نہ کیا تو سزا بھگتنے
کے بعد وہ جنت میں چلا جائے گا کیوں کہ اہل ایمان کا ٹھکانہ جنت ہے چاہے وہ گناہ گار ہوں ۱۲ ہزاروی)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ۔ (۴)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے
اس کے لیے دو جنت ہیں۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۰ کتاب الرقاق
(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱، ص ۲۱۷ حدیث ۳۱۲
(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۶۶ کتاب الایمان
(۴) قرآن مجید، سورۂ رحمٰن آیت ۴۶

marfat.com

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگرچہ وہ چوری کرے اگرچہ زنا کرے؟ آپ نے پھر یہی آیت پڑھی میں نے کہا اگرچہ وہ چوری کرے اگرچہ زنا کرے آپ نے پھر یہی آیت پڑھی میں نے کہا اگرچہ وہ چوری کرے اگرچہ زنا کرے یا رسول اللہ آپ نے فرمایا اگرچہ ابو درداء کی مرضی کے خلاف ہو (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو ہر مومن کو کسی دوسرے دین کا ایک شخص دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا یہ تیرا بدلہ ہے جو دوزخ میں جائے گا (۲)

حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انہوں نے اپنے والد حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا یَمُوْتُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ اِلَّا اَدْخَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَکَانَہُ النَّارَ یَھُوْدِیًّا اَوْ نَصْرَانِیًّا۔

جو مسلمان فوت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی یہودی اور عیسائی کو جہنم میں داخل کرے گا۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ان کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتے ہوئے پوچھا کہ کیا ان کے والد نے ان سے یہ حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے بیان کی ہے! تو انہوں نے قسم کھائی (۳)

ایک روایت میں ہے کہ ایک بچہ کسی جہاد کے موقعہ پر کھڑا تھا جس کی بولی لگائی جا رہی تھی کہ کون زیادہ بولی دے گا اور وہ موسم گرما کا شدید گرم دن تھا تو خیمے کے اندر سے ایک عورت نے اسے دیکھا اور وہاں سے دوڑتی ہوئی آئی اس کے ساتھی بھی اس کے پیچھے پیچھے آئے حتیٰ کہ اس نے بچے کو لے کر اپنے سینے سے لگایا پھر خود گرم زمین پر لیٹ کر اس بچے کو اپنے پیٹ پر کر لیا اسے گرمی سے بچانے لگی (یہ دیکھ کر) لوگ رونے لگے اور اپنا کام چھوڑ کر ادھر متوجہ ہو گئے (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے حتیٰ کہ وہاں کھڑے ہو گئے صحابہ کرام نے آپ کو واقعہ بتایا آپ ان کے ترس کھانے سے خوش ہوئے پھر ان کو خوشخبری دی اور فرمایا۔

کیا تمہیں اس عورت کے بچے پر رحم کھانے سے تعجب ہوا! انہوں نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تم سب پر اس سے بھی زیادہ رحم فرمانے والا ہے جس قدر یہ عورت اپنے بیٹے پر رحم کھاتی ہے (۴)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۶۶ مرویات ابو ذر

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۶۰ کتاب التوبۃ

(۳) ایضاً۔

(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۵۶ کتاب التوبۃ (کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ)

marfat.com

چنانچہ مسلمان بہت بڑی خوشی اور عظیم بشارت کے ساتھ وہاں سے الگ ہوئے۔
تو یہ احادیث مبارکہ ہم نے امید کے بیان میں لکھ دی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کی خوشخبری دیتی ہیں پس ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ہم سے وہ معاملہ نہ کرے جس کے ہم مستحق ہیں بلکہ اپنے شایان شان فضل وکرم فرمائے اپنے وسیع احسان اور جود ورحمت کا مظاہرہ فرمائے۔

آمین ثم آمین بجاہ نبیہ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم۔

الحمد للہ! سرکار دو عالم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل، مرشد گرامی حضرت غزالئ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ کے فیضان نظر میرے والدین رحمہما اللہ اور اساتذہ کرام زید مجدھم کی دعاؤں سے آج ۱۸ صفر المظفر ۱۴۲۰ بمطابق ۲ر جون ۱۹۹۹ء بروز جمعرات صبح پانچ بجکر پچیس منٹ پر "احیاء علوم الدین" کا اردو ترجمہ اہل سنت وجماعت کی عظیم علمی دینی درسگاہ جامعہ نظامیہ رضویہ رجامع مسجد خراسیاں اندرون لوہاری دروازہ لاہور میں مکمل ہوا ۹ ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ کو جب حجاج کرام عرفات میں مصروف دعا تھے یہ ترجمہ شروع کیا گیا اور آج رات سید الاولیاء حضرت علی بن عثمان المعروف حضرت داتا بخش رحمہ اللہ کا عرس شروع ہو رہا ہے اور جامعہ نظامیہ رضویہ میں بغداد شریف کے امام صاحب بھی تشریف لا رہے ہیں اس مبارک موقعہ پر یہ ترجمہ اختتام پذیر ہوا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ترجمہ کے سلسلے میں میری کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور امت مسلمہ کو اس کتاب سے بھرپور استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد صدیق ہزاروی
جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

دعائے خاص | اللہ تعالیٰ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی قبر پر انوار پر اپنی رحمتوں کی برسات فرمائے آمین

marfat.com

آخر کلمہ اردو زبان میں اپنی نوعیت کا واحد ترجمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جل الایام مدداولہا بین الناس

علامہ عصر، مفسر و محدث عظیم مورخ یگانۂ امام الحفاظ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی کی مشہور زمانہ تاریخ

تاریخ الخلفاء

(المعروف بہ خلافت الراشدہ، عہد بنی امیہ، بنی عباس کی ایک مستند اور جامع تاریخ)

کا اردو ترجمہ

ایک بصیرت افروز محققانہ مقدمہ کے ساتھ

جو عہد بنی امیہ اور بنی عباس کی علمی و فکری تاریخ پر مشتمل ہے

از: ادیب شہیر

حضرت شمس بریلوی مدظلہ العزیز

مصنف اورنگ زیب خطوط آئینے میں اور مترجم نفحۃ الیمانیین

پروگریسو بکس

یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور ☎ 7352795

تکمیلِ سعادت

اردو

حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ کی شہرۂ آفاق
کتاب کا سلیس و دلکش ترجمہ

اثر خامہ مولانا مولوی خطیب اعظم عالیجناب **محمد سعید نقشبندی**

خطیب مسجد داتا گنج بخش۔ لاہور

*

پروگریسو بکس

یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور ☎ 7352795

marfat.com